بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتاوی شامی

مسمّٰی ردّ المحتار

محمد امین بن عمر الشہیر بابن عابدین رحمہ اللہ

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور ۔ کراچی ۔ پاکستان

فتاویٰ شامی مترجم

مسمّٰی ردّ المحتار

از محمّد امین بن عُمر الشہیر بابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ

دُرِمُختار

از محمّد بن علی بن محمّد الحصکفی رحمۃ اللہ علیہ

تنویرُ الابصار

از محمّد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ اہتمام: ادارہ ضیاءُ المصنّفین بھیرہ شریف

ضیاءُ القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

فتاویٰ شامی مترجم

جلد یازدہم

مسمّٰی ردّ المحتار

از محمد امین بن عمر الشہیر بابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ

دُرِّ مُختار

از محمد بن علی بن محمد الحصکفی رحمۃ اللہ علیہ

تنویرُ الابصار

از محمد بن عبد اللہ بن احمد التمرتاشی رحمۃ اللہ علیہ

زیر اہتمام: ادارہ ضیاءُ المصنفین بھیرہ شریف

ضیاءُ القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

نام کتاب: فتاویٰ شامی مترجم (جلد یازدہم)

مصنف: محمد امین بن عمر الشہیر با بن عابدین رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین: علامہ ملک محمد بوستان، علامہ سید محمد اقبال شاہ، علامہ محمد انور مگھالوی
من علماء دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف

زیر اہتمام: ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف

ناشر: محمد حفیظ البرکات شاہ
ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

تاریخ اشاعت: ستمبر 2017ء

تعداد: ایک ہزار

کمپیوٹر کوڈ: FQ28

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون:۔ 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37247350۔ فیکس 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-32212011-32630411۔ فیکس:۔ 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

کتاب المکاتب

باب کتابة، العبد المشترك

باب موت المکاتب و عجزه و موت المولى

كتاب الولاء

کتاب الغصب

كتاب الشفعة

باب طلب الشفعة

باب ما تثبت هي فيه او لا تثبت

باب ما یبطلها

کتاب القسمة

کتاب المزارعة

کتاب المساقاة

کتاب الذبائح

كتاب الاضحية

كتاب الحظر والاباحة

باب الاستبراء وغیرہ

فصل فی البیع

2B

کتاب احیاء الموات

کِتَابُ الْمُكَاتَبِ

مُنَاسَبَتُهُ لِلْإِجَارَةِ أَنَّ فِي كُلِّ مِنْهُمَا الرَّقَبَةُ لِشَخْصٍ وَالْمَنْفَعَةُ لِغَيْرِهِ (الْكِتَابَةُ لُغَةً مِنَ الْكَتْبِ) وَهُوَ جَمْعُ الْحُرُوفِ

مکاتب کے احکام

کتاب المکاتب کی کتاب الاجارہ کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک میں رقبہ (ذات) ایک شخص کے لئے اور منفعت دوسرے شخص کے لئے ہوتی ہے۔ کتابت لغت میں کَتْب سے ماخوذ ہے جس کا معنی حروف کو جمع کرنا ہے۔

مکاتب یہ کاتب مکاتبۃ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اور آقا مکاتب ہے جو تا کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ زیادہ مناسب یہ تھا کہ کتاب الکتابہ کہتے۔ کیونکہ علم الفقہ مکلف کے فعل سے بحث کرتا ہے جو کتابت ہے نہ کہ مکاتب۔ لیکن ''قہستانی'' میں ہے: یہ مصدر میمی ہے جو کتابت کے معنی میں ہے۔ کتابت کے لفظ سے عدول اس لئے کیا تا کہ تکرار کی نوع سے دوری اختیار کی جائے۔

کتاب المکاتب کو کتاب الاجارہ کے بعد لانے پر اعتراض اور اس کا جواب

30251۔ (قولہ: مُنَاسَبَتُهُ لِلْإِجَارَةِ الخ) جو اعتراض کیا جاتا ہے اس کے جواب کی طرف اشارہ ہے۔ اعتراض یہ کیا جاتا ہے: زیادہ بہتر یہ تھا کہ اسے عتاق کے پیچھے ذکر کرتے کیونکہ دونوں کا انجام ولاء ہے جس طرح ''حاکم شہید'' نے کہا ہے۔

جواب یہ ہے کہ عتق سے مراد گردن (ذات) کو عوض کے بغیر ملک سے نکالنا ہے اور کتابت اس طرح نہیں۔ بلکہ اس میں آقا کے لئے گردن پر ملکیت ہوتی ہے اور منفعت غلام کے لئے ہوتی ہے۔ یہ اجارہ کے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ ذاتیات کی نسبت عرضیات کی نسبت سے اولیٰ ہوتی ہے جس طرح ''العنایہ'' میں اسے ثابت کیا ہے۔

''کتاب الاجارہ'' کو اس کتاب سے مقدم کیا ہے کیونکہ کتاب الاجارہ کو تملیک، شرائط اور اجارہ کے غیر مولیٰ اور اس کے غلام کے علاوہ میں۔ جاری ہونے کے اعتبار سے بیع کے زیادہ مشابہت ہوتی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اجارہ میں جو منافع ہیں ان کے لئے مال کا حکم ضرورۃً ثابت ہوتا ہے۔ کتابت کا معاملہ مختلف ہے۔ تمام مناسبات تقریبیہ ہیں یہ تدقیقات منطقیہ کا احتمال نہیں رکھتیں۔

کتابت کا لغوی معنی

30252۔ (قولہ: وَهُوَ جَمْعُ الْحُرُوفِ) زیادہ بہتر یہ قول تھا: ھو الجمع۔ اسی سے کتابت ہے جس کا معنی حروف کا جمع کرنا ہے۔

سُمِّيَ بِهِ لِأَنَّ فِيهِ ضَمَّ حُرِّيَّةِ الْيَدِ إِلَى حُرِّيَّةِ الرَّقَبَةِ وَشَرْعًا (تَحْرِيرُ الْمَمْلُوكِ يَدًا) أَيْ مِنْ جِهَةِ الْيَدِ (حَالًا وَرَقَبَةً مَآلًا) يَعْنِي عِنْدَ أَدَاءِ الْبَدَلِ، حَتَّى لَوْ أَدَّاهُ حَالًا عَتَقَ حَالًا

اسے یہ نام دیا گیا کیونکہ اس میں تصرف کی آزادی کو رقبہ کی آزادی کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے۔ اور شرع میں کتابت کا معنی یہ ہے مملوک کو تصرف کے اعتبار سے فی الحال آزاد کر دینا اور انجام کے اعتبار سے گردن کو آزاد کر دینا ہے یعنی بدل کی ادائیگی کے وقت یہاں تک کہ اگر وہ اسے بدل اسی وقت ادا کرے تو فی الحال وہ آزاد ہو جائے گا۔

30253۔ (قولہ: سُمِّيَ بِهِ الخ) ''المستصفی'' میں کہا ہے: کتب کا لغوی معنی جمع کرنا ہے اور یہ الزام کے معنی میں محتمل ہوتا ہے پس آقا غلام پر بدل لازم کرتا ہے اور غلام بدل کی ادائیگی کے وقت آزادی کو لازم کرتا ہے۔ ''مطرزی'' نے کہا: ان کا قول: انه ضم حرية اليد الى حرية الرقبة ضعیف ہے۔ صحیح یہ ہے: دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے اوپر ایک امر لازم کیا ہے یہ وفا ہے اور یہ ادا ہے۔ اسے کتابت کا نام دیا گیا کیونکہ یہ فی الحال دونوں عوضوں سے خالی ہے۔ عقد کے وقت جو چیز موجود ہے وہ صرف کتابت ہے اور باقی ماندہ عقود اکثر عوض سے خالی نہیں ہوتے۔

میں کہتا ہوں: ان کا قول غالباً دونوں کے لئے قید ہے پس تدبر کیجئے۔ شاید ضعف کی دلیل وہ قول ہے جو ''سائحانی'' نے کیا ہے۔ ''بے شک تصرف کی آزادی عقد میں نہیں اور رقبہ کی آزادی اس کی انتہا کے بعد ہوتی ہے۔''

کتابت کی شرعی تعریف

30254۔ (قولہ: تَحْرِيرُ الْمَمْلُوكِ) یعنی مملوک کو کلی طور پر یا بعض کے اعتبار سے جس طرح عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔ اسے مطلق ذکر کیا ہے۔ پس یہ قن، مدبر اور ام ولد کو شامل ہوگا۔

30255۔ (قولہ: يَدًا) یعنی بیع و شرا و غیرہما میں تصرف کے اعتبار سے۔ ''جوہرہ''۔

30256۔ (قولہ: مِنْ جِهَةِ الْيَدِ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ یہ تمیز کے طور پر منصوب ہے۔ ''شرح مسکین'' میں ہے: یہ بدل بعض ہے۔ اس پر اعتراض کیا گیا کہ رابطہ بہت ضروری ہے یہاں ید سے مراد تصرف ہے نہ کہ جسم کا عضو۔ پس ظاہر یہ ہوگا کہ وہ یہ کہتے بدل اشتمال اور رابطہ محذوف ہے اسی کی مثل رقبہ میں کہا جائے گا۔

30257۔ (قولہ: حَالًا) یعنی عقد کتابت کے تلفظ کے بعد یہاں تک کہ غلام اپنے منافع کا زیادہ حقدار ہو جائے گا۔ ''طحطاوی'' نے ''حموی'' سے نقل کیا ہے۔

30258۔ (قولہ: وَرَقَبَةً مَآلًا) حتمی آزادی اور معلق آزادی کو خارج کیا ہے۔ یہ حکمی تعریف ہے اگر حقیقی تعریف کا ارادہ کرتے تو کہتے: یہ ایسا عقد ہے جو تصرف کی آزادی پر وارد ہوتا ہے۔ ''طوری''۔

30259۔ (قولہ: يَعْنِي عِنْدَ أَدَاءِ الْبَدَلِ) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ ادا کو مؤخر کرنا شرط نہیں۔

30260۔ (قولہ: حَتَّى لَوْ أَدَّاهُ حَالًا عَتَقَ حَالًا) یہ تفسیر پر تفریع ہے۔ یہ گمان نہ کر کہ آزادی ادا پر معلق ہے بلکہ

(وَرُكْنُهَا الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ) بِلَفْظِ الْكِتَابَةِ أَوْ مَا يُؤَدِّي مَعْنَاهُ (وَشَرْطُهَا كَوْنُ الْبَدَلِ) الْمَذْكُورِ

مکاتبہ کا رکن ایجاب اور قبول ہے جو لفظ کتابت یا اس لفظ کے ساتھ ہو جو اس کا معنی دے اور اس کی شرط ایسے بدل کا مذکور ہونا ہے

ادائیگی کرنے پر وہ آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ کتابت کا حکم یہ ہے کہ ادائیگی کے وقت اس کو آزاد کیا جائے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ عقد کے وقت آزادی ثابت ہو۔ کیونکہ عقد کا حکم عقد کے بعد ثابت ہوتا ہے۔ لیکن آقا کو اس امر سے ضرر لاحق ہوتا ہے کہ اس کا غلام اس کی ملک سے ایسے عوض کے بدلے میں نکل جائے جو مفلس کے ذمہ ہے۔

تعلیق اور عقد کتابت میں فرق چند مسائل میں ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ تعلیق کی صورت میں بیع کرنا اور تصرف سے منع کرنا جائز ہے اور اس کی اجازت کے بغیر اس کی کمائی کا مالک ہوتا ہے جس طرح ''التبیین'' میں ہے۔ ''غایۃ البیان'' میں ہے: اگر ادائیگی سے قبل وہ مر گیا تو اس نے جو مال چھوڑا ہے اس سے اس کی جانب سے ادائیگی نہ کی جائے گی۔ اسی طرح اگر آقا مر جائے تو آقا کی جانب سے غلام میں اس کی کمائی کے ساتھ وراثت جاری ہوگی اگر وہ لونڈی ہو بچہ جنے اور مال ادا کر دے تو اس کا بچہ آزاد نہیں ہوگا۔ اگر اس سے بعض کو منہا کر لیا جائے تو وہ باقی ماندہ ادا کر دے یا اس کو تمام سے بری کر دے تو وہ آزاد نہ ہوگا۔ کتابت کا معاملہ مختلف ہے۔ اور مال پر آزادی کا معاملہ مختلف ہے جیسے آقا کہے۔ تو ہزار پر آزاد ہے تو غلام نے اس کو قبول کر لیا تو وہ اس ساعت آزاد ہو جائے گا اور بدل اس کے ذمہ میں ہوگا۔ ''ملخص''

مکاتبت کا رکن

30261۔ (قولہ: وَرُكْنُهَا الخ) اس کی ضرورت اس میں ہوتی ہے جس میں عقد کا حکم مقصوداً ثابت ہونہ کہ تبعاً ثابت ہو جس طرح بچہ وغیرہ جس کا ذکر عنقریب آئے گا۔ ''بدائع''، ''ملخص''۔

30262۔ (قولہ: أَوْ مَا يُؤَدِّي مَعْنَاهُ) جس طرح متن میں قریب ہی آئے گا۔

مکاتبت کی شرائط

30263۔ (قولہ: وَشَرْطُهَا الخ) یہ شرط بدل کی طرف راجع ہے اور اس کی مثل کی طرف جس میں بدل مال ہو اور یہ کہ بدل آقا کی ملکیت نہ ہو یہ انعقاد کی شرطیں ہیں اور بدل کا متقدم ہونا یہ صحت کی شرطیں ہیں۔

جہاں تک ان کا تعلق ہے جو آقا کی طرف لوٹتی ہے وہ عقل، بلوغ، ملک اور ولایت ہے۔ پس عقد کتابت فضولی سے نافذ نہیں ہوگا بلکہ وکیل سے نافذ ہوگا۔ اسی طرح باپ اور وصی ہے ان سے استحساناً نافذ ہوگا۔ کیونکہ انہیں ولایت حاصل ہے۔ یہ انعقاد کی شرطیں ہیں۔ رضا یہ صحت کی شرط ہے۔ یہ اکراہ اور ہزل سے احتراز ہے حریت اور اسلام سے احتراز نہیں۔ لیکن مرتد کا مکاتبہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک موقوف ہے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک نافذ ہے۔ جہاں تک ان شرائط کا تعلق ہے جو مکاتب کی طرف راجع ہوتی ہے ان میں سے عقل ہے، یہ انعقاد کی شرط ہے۔ جہاں تک ان شرائط کا تعلق ہے جو نفس رکن کی طرف راجع ہیں ان میں سے یہ ہے: عقد ایسی شرط سے خالی ہو جو اپنی صلب میں فاسد ہو اور اس کے مقتضا کے مخالف ہو اگر

فِيهَا (مَعْلُومًا) قَدْرُهُ وَجِنْسُهُ، وَكَوْنُ الرِّقِّ فِي الْمَحَلِّ قَائِمًا لَا كَوْنُهُ مُنَجَّمًا أَوْ مُؤَجَّلًا لِصِحَّتِهَا بِالْحَالِ، وَحُكْمُهَا فِي جَانِبِ الْعَبْدِ انْتِفَاءُ الْحَجْرِ فِي الْحَالِ، وَثُبُوتُ الْحُرِّيَّةِ فِي حَقِّ الْيَدِ لَا الرَّقَبَةِ إِلَّا بِالْأَدَاءِ وَفِي جَانِبِ الْمَوْلَى ثُبُوتُ وِلَايَةِ مُطَالَبَةِ الْبَدَلِ فِي الْحَالِ إِنْ كَانَتْ حَالَّةً وَالْمِلْكِ فِي الْبَدَلِ إِذَا قَبَضَهُ وَعَوْدُ مِلْكِهِ إِذَا عَجَزَ (كَاتَبَ قِنَّهُ وَلَوْ الْقِنُّ

جس کی قدر اور جنس معلوم ہو اور محل میں رق قائم ہو نہ کہ وہ بدل مدتوں پر تقسیم ہو یا موجل ہو۔ کیونکہ وہ فی الحال سے صحیح ہو جاتا ہے۔ غلام کی جانب سے اس کا حکم یہ ہے کہ فی الحال حجر منتفی ہو جاتا ہے اور تصرف کے حق میں اس کی آزادی متحقق ہو جاتی ہے اور ذات کی آزادی صرف بدل کتابت کی ادائیگی سے ہوتی ہے۔ اور آقا کی جانب سے اس کا حکم یہ ہے کہ فی الحال بدل کے مطالبہ کی ولایت ثابت ہو جاتی ہے اگر وہ فی الحال ہو اور بدل میں ملکیت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب اس پر قبضہ کرے اور جب عاجز آ جائے تو اس کی ملکیت لوٹ آتی ہے۔ ایک آدمی نے اپنے غلام سے عقد مکاتبہ کیا اگرچہ غلام

مخالف نہ ہو تو شرط جائز ہو گی یا وہ شرط اس کی صلب میں داخل نہ ہو تو وہ شرط باطل ہو گی اور عقد صحیح ہو گا۔ ''بدائع''، ''ملخص''۔

لیکن بدل کے مال ہونے کی شرط اس کے خلاف ہے جس کا ذکر آگے آئے گا کہ خدمت پر عقد مکاتبہ صحیح ہے مگر جب کہ اس سے مراد مال اور جو اس کے معنی میں ہے وہ مراد لیا جائے۔ تامل

30264۔ (قولہ: مَعْلُومًا الخ) ''الخانیہ'' میں ہے: جو نکاح میں مہر بننے کی صلاحیت رکھے وہ کتابت میں بدل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

منجم اور موجل میں فرق

30265۔ (قولہ: مُنَجَّمًا أَوْ مُؤَجَّلًا) دونوں میں فرق یہ ہے کہ موجل اسے کہتے ہیں کہ تمام بدل کے لئے ایک مدت مقرر کی جائے اور منجم اسے کہتے ہیں جس طرح آگے آئے گا جسے متعدد مدتوں پر تقسیم کر دیا جائے ان میں سے یہ بعض بدل کے لئے ایک مدت ہو'' ط''۔

30266۔ (قولہ: لِصِحَّتِهَا بِالْحَالِ) امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

30267۔ (قولہ: لَا الرَّقَبَةِ) اسی وجہ سے کہا جاتا ہے: مکاتب وہ ہے جو غلامی کی ذلت سے بلند ہوتا ہے اور آزادی کے صحن میں نہیں اترتا۔ پس وہ اس شتر مرغ کی طرح ہے اگر اس سے اڑنے کا مطالبہ کیا جائے تو مینگنیاں کرتا ہے اگر اس سے بوجھ اٹھانے کا مطالبہ کیا جائے تو اڑنے لگتا ہے۔ ''زیلعی''۔

30268۔ (قولہ: إِلَّا بِالْأَدَاءِ) اگر وہ بدل ادا کر دے تو آزاد ہو جاتا ہے اگرچہ آقا اسے یہ نہ کہے: جب تو مجھے بدل کتابت ادا کر دے گا تو تو آزاد ہو گا۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ''زیلعی''۔

30269۔ (قولہ: وَعَوْدُ مِلْكِهِ الخ) یہ وہ احکام ہیں جو غلام کے متعلق ہیں جہاں تک آقا کی طرف نظر کرنے کا تعلق

(صَغِيرًا يَعْقِلُ بِمَالٍ حَالٍّ) أَىْ نَقْدٍ كُلُّهُ (أَوْ مُؤَجَّلٍ) كُلُّهُ (أَوْ مُنَجَّمٍ) أَىْ مُقَسَّطٍ عَلَى أَشْهُرٍ مَعْلُومَةٍ أَوْ قَالَ جَعَلْتُ عَلَيْكَ أَلْفًا تُؤَدِّيهِ نُجُومًا أَوَّلُهَا كَذَا وَآخِرُهَا كَذَا، فَإِنْ أَدَّيْته فَأَنْتَ حُرٌّ،

چھوٹا ہو جو سمجھ بوجھ رکھتا ہے ایسے مال کے بدلے میں جو تمام کا تمام نقد ہے یا تمام کا تمام موخر ہے یا معلوم مہینوں پر اسے تقسیم کر دیا گیا ہے یا اس نے کہا: میں نے تجھ پر ہزار لازم کر دیا ہے جسے تو تھوڑا تھوڑا کر کے دے گا اس کی پہلی قسط فلاں مہینہ اور اس کی آخری قسط فلاں مہینہ میں اگر تو نے وہ مال ادا کر دیا تو تو آزاد ہے

ہے جب وہ عاجز آ جاتا ہے تو وہ اسے اپنی ملک کی طرف واپس لے لیتا ہے۔ ''الدرر'' میں اس سے تعبیر کیا ہے۔ ''ط''۔

30270۔ (قولہ: يَعْقِلُ) یعنی وہ بیع وشرا کی سمجھ بوجھ رکھتا ہے۔ کیونکہ عقد مکاتبت اسے تجارت کی اجازت دینا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ صحیح ہے۔ اگر وہ سمجھ بوجھ نہ رکھتا ہو یا وہ مجنون ہو تو ایک آدمی اس کی جانب سے بدل کتابت ادا کر دے آقا اسے قبول کر لے تو وہ غلام آزاد نہیں ہوگا اور اس آدمی نے جو مال ادا کیا ہے وہ واپس لے لے گا۔ اگر اس غلام کی جانب سے کوئی اور آدمی عقد مکاتبہ کو قبول کرے اور آقا اس پر راضی ہو جائے تو بھی جائز نہیں۔ کیا بالغ ہونے کے بعد مکاتبت غلام کی اجازت پر موقوف ہوگی؟ صحیح یہ ہے کہ موقوف نہیں۔ کیونکہ تصرف کے وقت اس کی اجازت دینے والا کوئی نہیں اور صغیر اجازت دینے کا اہل نہیں۔ بڑے غائب غلام کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر اس کی جانب سے فضولی قبول کر لے تو وہ غلام کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر صغیر کی جانب عقد مکاتبہ کو قبول کرنے والا آقا کو بدل عطا کر دے تو بطور استحسان وہ آزاد ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر وہ بڑا غائب ہو اور جو مال ادا کیا ہے اس کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ اگر بعض مال ادا کیا تھا تو اسے واپس لے گا مگر جب غلام بالغ ہو جائے اور واپس لینے سے پہلے اس کی اجازت دے دے تو قبول کرنے والے کو واپس لینے کا حق نہیں ہوگا اگرچہ غلام باقی ماندہ ادا کرنے سے عاجز آ جائے۔ کیونکہ عقد مکاتبت غلامی کی طرف لوٹ جانے سے منسوخ نہیں ہوتی بلکہ انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ پس جو اس نے ادا کیا اس سے عقد قائم ہے۔ ''بدائع''، ملخص۔

30271۔ (قولہ: بِمَالٍ) یہ خدمت سے قید احترازی نہیں اس کی دلیل وہ ہے جو عنقریب آئے گی۔ ''شرنبلالیہ''۔

30272۔ (قولہ: حَالٍّ) جس طرح ان کا قول ہے: علی الف درھم کیونکہ یہ ممکن ہے کہ عقد کے بعد وہ قرض لینے یا ہبہ سے حاصل کر لے، ''اتقانی''۔ ''ہدایہ'' میں کہا: حال کی صورت میں جونہی وہ ادا سے رکے گا وہ غلامی میں لوٹ جائے گا۔ ''الاتقانی'' میں کہا: لیکن وہ غلامی میں نہیں لوٹے گا مگر باہم رضامندی سے یا قاضی کے فیصلہ سے اگر وہ کہے: مجھے مہلت دیجئے جبکہ اس کا مال حاضر ہے یا غائب ہے جس کے بارے میں دو دنوں یا تین دنوں کے آخر تک آنے کی امید ہے۔

30273۔ (قولہ: أَوْ مُؤَجَّلٍ) یہ افضل ہے جس طرح ''السراج'' میں ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

30274۔ (قولہ: فَإِنْ أَدَّيْته فَأَنْتَ حُرٌّ) یہ ضروری ہے کیونکہ اس سے جو ماقبل قول ہے وہ کتابت اور مال پر آزادی کا احتمال رکھتا ہے اور کتابت کی جہت اسی قید کے ساتھ متعین ہوتی ہے۔ جہاں تک ان کے قول وان عجزت کا تعلق ہے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کا ذکر کیا تاکہ غلام کو اضافہ کی صورت میں ادائیگی پر برانگیختہ کیا جائے۔ ''النہایہ''، ''الکفایہ'' اور

وَإِنْ عَجَزَتْ فَقِنٌّ وَقَبِلَ الْعَبْدُ ذٰلِكَ صَحَّ وَصَارَ مُكَاتَبًا لِإِطْلَاقِ قَوْلِهِ تَعَالَى فَكَاتِبُوهُمْ وَالْأَمْرُ لِلنَّدْبِ عَلَى الصَّحِيحِ، وَالْمُرَادُ بِالْخَيْرِيَّةِ أَنْ لَا يَضُرَّ بِالْمُسْلِمِينَ بَعْدَ الْعِتْقِ، فَلَوْ يَضُرُّ فَالْأَفْضَلُ تَرْكُهُ، وَلَوْ فَعَلَ صَحَّ وَلَوْ كَاتَبَ نِصْفَ عَبْدِهِ جَازَ وَنِصْفُهُ الْآخَرُ مَأْذُونٌ لَهُ فِي التِّجَارَةِ،

اگر تو عاجز آ گیا تو تو غلام ہے۔ غلام نے یہ قبول کرلیا تو یہ صحیح ہوگا اور وہ مکاتب بن جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فکاتبوھم غلاموں سے عقد مکاتبہ کرو۔ یہ حکم مطلق ہے۔ صحیح قول کے مطابق امر ندب کے لئے ہے۔ اور آیت میں خیر سے مراد یہ ہے کہ وہ آزاد ہونے کے بعد مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچائیں۔ اگر وہ نقصان پہنچائیں تو افضل یہ ہے کہ عقد مکاتبہ کو ترک کردے اگر وہ عقد مکاتبہ کرے تو صحیح ہے۔ اگر آقا نے اپنے غلام کے نصف کا عقد مکاتبہ کیا تو یہ جائز ہوگا اور اس کا دوسرا نصف تجارت میں ماذون ہوگا۔

''التبیین'' میں اسی طرح ہے۔ ''وانی'' وغیرہ نے دوسرے قول کے بھی لازم ہونے کا جو قول کیا ہے اس کا ''عزمیہ'' میں رد کیا ہے۔ کیونکہ یہ مراد پہلے قول کے ساتھ حاصل ہو جاتی ہے۔ ہم نے پہلے جو ''زیلعی'' وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ وہ آزاد ہو جائے گا اگر چہ وہ یہ نہ کہے: جب تو ادا کردے تو تو آزاد ہوگا تو وہ کتابت صریح میں ہے جس طرح اس پر ''الاتقانی'' نے متنبہ کیا ہے۔

امام شافعی کے نزدیک صغیر کی کتابت جائز نہیں اور نہ ہی فی الحال ادائیگی کی شرط پر کتابت جائز ہے

30275۔ (قولہ: لِإِطْلَاقِ قَوْلِهِ تَعَالَى فَكَاتِبُوهُمْ) کیونکہ یہ قول ان تمام کو جامع ہے جن کا ذکر کیا یعنی حال، مؤجل، صغیر اور کبیر۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: نہ صغیر کی کتابت جائز ہے اور نہ فی الحال ادائیگی کی شرائط کے ساتھ کتابت جائز ہے۔ ''زیلعی''۔

30276۔ (قولہ: وَالْأَمْرُ لِلنَّدْبِ) یہاں امر ندب کے لئے ہے جبکہ فقہا کا اجماع ہے کہ امر وجوب کے لئے آتا ہے۔ ''ہدایہ''۔ فقہا کو خاص کیا ہے۔ کیونکہ ظاہریہ کے نزدیک یہ وجوب کے لئے ہے جب غلام اس کا مطالبہ کرے اور آقا اس میں بھلائی دیکھے۔ ''کفایہ''۔

30277۔ (قولہ: عَلَى الصَّحِيحِ) ہمارے بعض مشائخ کے قول سے احتراز ہے کہ امر اباحت کے لئے ہے۔ کیونکہ ارشاد ہے: فاصطادوا یہ اباحت کے لئے ہے یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں شرط کو لغو قرار دینا پڑتا ہے جو خیر ہونا ہے کیونکہ اباحت اس کے بغیر ثابت ہو جاتی ہے ندب میں اس پر عمل ہوتا ہے۔

30278۔ (قولہ: وَالْمُرَادُ بِالْخَيْرِيَّةِ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وفا، امانت کی ادائیگی اور اصلاح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے مراد مال ہے۔ ''زیلعی''۔

30279۔ (قولہ: جَازَ) اگر بدل کتابت ادا کر دیا تو اس کا نصف آزاد ہو جائے گا اور اپنی قیمت کے باقی ماندہ حصہ میں وہ سعی کرے گا جس طرح آنے والے باب کے آخر میں اس کا عنقریب ذکر کریں گے۔

وَلَوْ أَرَادَ مَنْعَهُ لَيْسَ لَهُ ذٰلِكَ كَيْ لَا يُبْطِلَ عَلَى الْعَبْدِ حَقَّ الْعِتْقِ، وَتَمَامُهُ فِي التَّتَارْخَانِيَّةِ وَإِذَا صَحَّتْ الْكِتَابَةُ خَرَجَ مِنْ يَدِهِ دُونَ مِلْكِهِ حَتَّى يُؤَدِّيَ كُلَّ الْبَدَلِ لِحَدِيثِ أَبِي دَاوُد الْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ دِرْهَمٌ ثُمَّ فَرَّعَ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ (وَغَرِمَ الْمَوْلَى الْعُقْرَ إِنْ وَطِئَ مُكَاتَبَتَهُ) لِحُرْمَتِهِ عَلَيْهِ (أَوْ جَنَى عَلَيْهَا) فَإِنَّهُ يَغْرَمُ أَرْشَهَا

اگر وہ روکنے کا ارادہ کرے تو اس کو یہ حق نہیں ہوگا تا کہ وہ غلام پر آزادی کے حق کو باطل نہ کر سکے۔ اس کی مکمل وضاحت ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔ جب کتابت صحیح ہوگئی تو وہ اس کے قبضہ سے نکل جائے گا اس کی ملکیت سے نہیں نکلے گا یہاں تک کہ تمام بدل ادا نہ کردے۔ کیونکہ امام ''ابوداؤد'' کی حدیث ہے۔ مکاتب غلام ہے جب تک اس پر ایک درہم باقی ہے۔ پھر اس پر اپنے اس قول سے تفریع کا ذکر کیا اگر آقا نے اپنی مکاتبہ کے ساتھ وطی کی تو اس کے عقر کی چٹی بھرے گا۔ کیونکہ یہ عمل اس آقا پر حرام ہے یا اس پر جنایت کرے تو وہ اس کی ارش کی چٹی ادا کرے گا۔

30280۔ (قولہ: ثُمَّ فَرَّعَ عَلَيْهِ) یعنی اپنے قول خرج من یدہ پر تفریع کا ذکر کیا ہے نہ کہ اپنے قول دون ملکہ پر تفریع کا ذکر کیا ہے۔ جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ اس سے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ چاہئے یہ تھا کہ واؤ کی جگہ فا کا ذکر کرتے جس طرح ''المجمع'' میں کہا ہے۔ اسی وجہ سے ''طوری'' نے ''الکنز'' پر اعتراض کیا کیونکہ انہوں نے واؤ کا ذکر کیا۔ فافہم

30281۔ (قولہ: وَغَرِمَ) صاحب ''التسہیل'' نے کہا ہے: اگر وہ عقد میں وطی کی شرط ذکر کرے تو وہ عقر کا ضامن نہیں ہوگا۔ ''غایۃ البیان'' میں: باب مایجوز للمکاتب ان یفعل کے اوائل میں وہ قول ذکر کیا ہے جو اس کے خلاف ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ ''سعدیہ''۔

میں کہتا ہوں: جو میں نے ''غایۃ البیان'' میں دیکھا ہے وہ یہ ہے کہ اس شرط کے ساتھ عقد کتابت فاسد ہو جاتا ہے۔ فتامل۔ لیکن ''طوری'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: اگر اس کے ساتھ وطی کی گئی پھر اس لونڈی نے بدل کتابت ادا کیا تو آقا اس کے عقر کا ضامن ہوگا کیونکہ عقد فاسد، صحیح کے ساتھ لاحق ہو جاتا ہے۔

30282۔ (قولہ: لِحُرْمَتِهِ عَلَيْهِ) میں کہتا ہوں: حرمت عقر کو مستلزم نہیں ہوتی جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ مناسب وہ ہے جو ''الہدایۃ'' میں قول ہے۔ کیونکہ وہ اپنے اجزاء کے ساتھ اخص ہو چکی ہے پھر عقر سے مراد جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ''جوہرۃ'' سے مروی ہے۔ آزاد عورتوں میں مہر مثل ہے اور لونڈیوں میں قیمت کا دسواں حصہ اگر باکرہ ہو اور بیسواں حصہ ہے اگر ثیبہ ہو۔ اگر اس کے ساتھ بار بار وطی کی گئی تو اس پر ایک ہی عقر لازم ہوگا۔ اور وہ لونڈی جو عقر وصول کرے گی اس سے بدل کتابت میں مدد لے گی۔ کیونکہ یہ منفعت مملوکہ کا بدل ہے جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں کہا: ''البدائع'' میں اس سے پہلے کہا: پھر غلام کا مال وہ ہے جو عقد کے بعد تجارت کے ساتھ، ہبہ کے قبول کرنے اور صدقہ کو قبول کرنے کے ساتھ ہو۔ کیونکہ یہ سب غلام کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اس میں ارش اور عقر داخل نہیں ہوتا اگرچہ یہ دونوں عقد کے بعد حاصل

(أَوْ جَنَی عَلَی وَلَدِهَا أَوْ أَتْلَفَ) الْمَوْلَی (مَالَهَا) لِأَنَّهُ بِعَقْدِ الْكِتَابَةِ صَارَ كُلٌّ مِنْهُمَا كَالْأَجْنَبِيِّ، نَعَمْ لَا حَدَّ وَلَا قَوَدَ عَلَى الْمَوْلَی لِلشُّبْهَةِ شُمُنِّيٌّ (وَلَوْ أَعْتَقَهُ عَتَقَ مَجَّانًا) لِإِسْقَاطِ حَقِّهِ (وَ) فَسَدَ (إِنْ) كَاتَبَهُ (عَلَى خَمْرٍ وَخِنْزِيرٍ) لِعَدَمِ مَالِيَّتِهِ فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ،

یا آقا نے اس کے بچے پر جنایت کی یا آقا نے اس مکاتبہ لونڈی کا مال تلف کر دیا۔ کیونکہ عقد مکاتبہ کے ساتھ ان میں سے ہر ایک اجنبی کی طرح ہو گئے۔ ہاں آقا پر شبہ کی وجہ سے نہ حد ہوگی اور نہ ہی قصاص ہوگا، ''شمنی''۔ اگر وہ اس کو آزاد کر دے تو بغیر عوض کے آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ مسلمان کے حق میں یہ مال نہیں

ہوں اور یہ آقا کا ہوگا۔ کیونکہ یہ غلام کی طرف منسوب نہیں ہوتا۔ پس اس میں غور وفکر کیا جانا چاہئے کیونکہ آقا اس مکاتبہ لونڈی سے وطی کرے تو اس پر عقر لازم ہوتا ہے اور ارش اس لئے لازم ہوتی ہے کہ اس لونڈی پر جنایت کی گئی۔

دونوں قولوں کے درمیان ''ابوسعود'' نے ''حاشیہ مسکین'' میں تطبیق دی ہے کہ اسے اس پر محمول کیا جائے کہ یہ اس صورت پر ہے جب وہ اس کے ساتھ عقد مکاتبہ صرف اس کے نفس کی جانب سے کرے اور جو پہلے قول گزرا ہے وہ اس کے نفس اور اس مال کی جانب سے عقد مکاتبہ کرے جو مال اس کے قبضہ میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جو ''شرنبلالیہ'' میں ''السراج'' سے مروی ہے: کتابت یا تو صرف نفس (ذات) کی طرف سے ہوگی یا نفس اور مال کی جانب سے ہوگی وہ مال جو غلام کے قبضہ میں ہے اور یہ دونوں عقد جائز ہیں۔ اگر اس کے قبضہ میں جو مال ہے وہ اس کے بدل کتابت سے بڑھ کر ہو تو آقا کے لئے صرف بدل کتابت ہوگا لیکن جو قول ''ہندیہ'' میں ''مضمرات'' سے مروی ہے اس سے اس پر دوبارہ اعتراض کیا جاتا ہے جب انہوں نے نفس اور مال کی جانب عقد مکاتبہ کا ذکر کیا پھر کہا: اس کا مال وہ ہوگا جو اسے اس کی تجارت سے حاصل ہو یا اسے مال ہبہ کیا جائے یا اس پر صدقہ کیا جائے۔ جہاں تک اس مال کا تعلق ہے جو اس پر کی گئی جنایت کی چٹی کی صورت میں حاصل ہو یا عقر کی صورت میں حاصل ہو وہ مال اس کے آقا کا ہے ''البدائع'' میں اسی طرح ذکر کیا گیا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر دونوں کتابتوں میں کوئی فرق نہیں۔

30283۔ (قولہ: أَوْ أَتْلَفَ الْمَوْلَی مَالَهَا) یعنی آقا اس کی مثل کی چٹی بھرے گا یا اس کی قیمت یا اس کی ارش کی چٹی بھرے گا اگر وہ مثلاً غلام ہوا۔

30284۔ (قولہ: لِلشُّبْهَةِ) یعنی ملک رقبہ کا شبہ ہے۔

30285۔ (قولہ: مَجَّانًا) یعنی اگر آقا صحیح ہو اگر وہ مریض ہو تو ایک تہائی سے اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ ''قہستانی''۔

30286۔ (قولہ: وَ فَسَدَ إِنْ كَاتَبَهُ) فسد کی تقدیر کا کوئی معنی نہیں جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ ''ح''۔ کیونکہ مصنف کا جو بعد کا قول ہے: فھو فاسد اس کی وجہ سے اس سے غنا حاصل ہو جاتی ہے۔ باب موت المکاتب میں عنقریب آئے گا کہ مکاتبہ فاسدہ کی صورت میں آقا کو غلام کی رضامندگی کے بغیر فسخ کرنے کا حق ہوگا۔ مکاتبہ جائزہ کا معاملہ مختلف ہے۔ اور

فَلَوْ كَانَا ذِمِّيَّيْنِ جَازَ (أَوْ عَلَى قِيمَتِهِ) أَيْ قِيمَةِ نَفْسِ الْعَبْدِ لِجَهَالَةِ الْقَدْرِ (أَوْ عَلَى عَيْنٍ) مُعَيَّنَةٍ (لِغَيْرِهِ) لِعَجْزِهِ عَنْ تَسْلِيمِ مِلْكِ الْغَيْرِ (أَوْ عَلَى مِائَةِ دِينَارٍ لِيَرُدَّ سَيِّدُهُ عَلَيْهِ وَصِيفًا) غَيْرَ مُعَيَّنٍ لِجَهَالَةِ الْقَدْرِ (فَهُوَ) أَيْ عَقْدُ الْكِتَابَةِ (فَاسِدٌ)

اگر عقد کرنے والے دونوں ذمی ہوں تو عقد جائز ہوگا یا عقد مکاتبہ نفس غلام کی قیمت پر کیا تو عقد فاسد ہوگا۔ کیونکہ مقدار مجہول ہے یا کسی معین چیز پر جو کسی اور کی ہو تب بھی عقد فاسد ہوگا۔ کیونکہ وہ غیر کی مملوکہ چیز کو سپرد کرنے سے عاجز ہوتا ہے یا سو دینار پر عقد مکاتبہ کرتا ہے تاکہ اس کا آقا اس پر ایک نابالغ غیر معین غلام واپس کرے۔ یہ فاسد اس لئے ہے کیونکہ مقدار مجہول ہے۔ پس تمام صورتوں میں عقد مکاتبہ فاسد ہوگا

مکاتب مطلقاً فسخ میں مستقل ہے۔

30287۔ (قولہ: فَلَوْ كَانَا ذِمِّيَّيْنِ جَازَ) اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے اگر دونوں میں سے ایک مسلمان ہو تو مذکورہ علت کی وجہ سے یہ جائز نہیں۔

30288۔ (قولہ: أَوْ عَلَى قِيمَتِهِ) چاہئے یہ تھا کہ اس کا ذکر خمر اور خنزیر سے پہلے کرتے تاکہ خنزیر کی طرف ضمیر کے لوٹنے کا وہم نہ دلاتا اگرچہ ضمیر کا خمر کی طرف لوٹنا صحیح ہے۔

30289۔ (قولہ: لِجَهَالَةِ الْقَدْرِ) یعنی قیمت لگانے میں اختلاف ہوتا ہے لیکن اداء قیمت کے ساتھ وہ آزاد ہو جائے گا اور دونوں کی تصدیق کرنے سے مکاتبہ ثابت ہو جائے گا۔ ورنہ اگر دونوں ایک شے پر متفق ہو جائیں تو وہ قیمت ہوگی ورنہ وہ بعید یعنی زیادہ قیمت کے ادا کرنے کے ساتھ آزاد ہو جائے گا۔ ''قہستانی''۔

30290۔ (قولہ: مُعَيَّنَةٍ) یعنی جو چیزیں متعین کرنے سے متعین ہو جاتی ہیں۔ جیسے کپڑا اور غلام وغیرہ ہے وہ کیلی اور وزنی ہو جو نقدی کے علاوہ ہوں۔ یہاں تک کہ اگر وہ معین دراہم یا دنانیر پر عقد مکاتبہ کرے جبکہ وہ کسی اور کے ہوں تو عقد جائز ہوگا۔ ''منح''۔

30291۔ (قولہ: لِغَيْرِهِ) اگر ایک ایسی معین چیز پر عقد مکاتبہ کیا جو غلام کے قبضہ میں تھا جبکہ وہ غلام کی کمائی [illegible] ہے تو اس میں دو روایتیں ہیں۔ ''الاتقانی'' میں ''شرح الکافی'' سے مروی ہے: صحیح یہ ہے کہ عقد جائز ہے جب وہ ادا کرے گا تو آزاد ہو جائے گا۔

30292۔ (قولہ: وَصِيفًا) اس سے مراد غلام ہے اس کی جمع وصفاء ہے۔ جاریہ، وصیفہ ہے اس کی جمع وصائف ہے۔ ''مغرب''۔

30293۔ (قولہ: غَيْرَ مُعَيَّنٍ) یہ طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر وہ معین ہو تو بالاتفاق عقد مکاتبہ جائز ہے۔ جس طرح ''غایۃ البیان'' میں ہے۔

فِي الْكُلِّ لِمَا ذَكَرْنَا (فَإِنْ أَدَّى) الْمُكَاتَبُ (الْخَمْرَ عَتَقَ) بِالْأَدَاءِ (وَكَذَا الْخِنْزِيرُ) لِمَالِيَّتِهِمَا فِي الْجُمْلَةِ (وَسَعَى فِي قِيمَتِهِ) بَالِغَةً مَا بَلَغَتْ، يَعْنِي قَبْلَ أَنْ يَتَرَافَعَا لِلْقَاضِي ابْنُ كَمَالٍ (وَ) اعْلَمْ أَنَّهُ مَتَى سُمِّيَ مَالًا وَفَسَدَتْ الْكِتَابَةُ بِوَجْهٍ مِنْ الْوُجُوهِ

اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دی ہے۔ اگر مکاتب نے شراب ادا کر دی تو ادائیگی کے ساتھ آزاد ہو جائے گا۔ اسی طرح خنزیر ادا کرنے سے آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ فی الجملہ دونوں مال ہیں اور اپنی قیمت میں سعایت کرے گا وہ جہاں تک پہنچے یعنی اس سے قبل کہ مسئلہ قاضی کے سامنے اٹھایا جائے۔ ''ابن کمال''۔ یہ جان لو جب اس نے مال کا ذکر کیا اور کسی وجہ سے کتابت فاسد ہو گئی

30294۔ (قولہ: لِمَا ذَكَرْنَا) یعنی چاروں علتیں۔ ''ح''۔

30295۔ (قولہ: فَإِنْ أَدَّى الْخَمْرَ عَتَقَ) باقی فاسد صورتوں میں عتق کا حکم بیان نہیں کیا۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ اپنی قیمت ادا کرنے سے آزاد ہو جائے گا جب وہ اس کی قیمت پر عقد مکاتبہ کرے۔ کیونکہ وہ من وجہ معلوم ہوتی ہے اور ادائیگی کے ساتھ ہر اعتبار سے معدوم ہو جائے گی۔ جب وہ اس کے ساتھ معین چیز پر عقد مکاتبہ کرے جو کسی اور کی ملک ہو تو ''العنایہ'' میں ہے: ظاہر روایت کے مطابق عقد منعقد نہیں ہوگا مگر جب وہ کہے: اگر تو مجھے ادا کر دے تو تو آزاد ہو جائے گا اس وقت شرط کے حکم کی بنا پر آزاد ہو جائے گا۔ یہ امر اس کا فائدہ دیتا ہے کہ عقد باطل ہے فاسد نہیں۔ جہاں تک وصیف کے مسئلہ کا تعلق ہے تو ''زیلعی'' کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ عقد باطل ہے۔ ''شرنبلالیہ''، ملخص۔ یہاں فاسد سے مراد وہ ہے جو باطل کو عام ہے جس طرح ''العزمیہ'' میں ہے۔

30296۔ (قولہ: بِالْأَدَاءِ) یعنی خمر اور خنزیر کے عین کو ادا کر دے خواہ اس نے یہ کہا: اگر میں ادا کروں تو تو آزاد ہے یا یہ نہ کہا ہو۔ کیونکہ فی الجملہ دونوں مال ہیں۔ مردار اور خون کا معاملہ مختلف ہے۔ پس عقد اصلاً منعقد نہیں ہوگا پس دونوں میں شرط کے معنی کا اعتبار ہوگا نہ کہ کسی اور کا اعتبار ہوگا یہ صراحۃ تعلیق کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''المنح'' میں ہے۔

30297۔ (قولہ: وَسَعَى فِي قِيمَتِهِ) اپنی ذات کی قیمت میں سعی کرے گا۔

30298۔ (قولہ: يَعْنِي قَبْلَ أَنْ يَتَرَافَعَا) یہ ان کے قول فان ادی کی تقیید ہے ان کے قول عتق کی تقیید نہیں۔ کیونکہ بالاداء کے قول سے یہ سمجھ آ جاتا ہے۔ ''الکفایہ'' میں کہا: ''المبسوط'' میں ہے: اگر قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرنے سے قبل ادا کر دے جبکہ اس نے یہ کہا تھا تو آزاد ہے جب تو ادا کر دے یا اس نے یہ قول نہیں کیا تھا۔ بے شک وہ آزاد ہو جائے گا۔ فافہم

30299۔ (قولہ: وَ اعْلَمْ الخ) ''زاہدی'' نے اپنی ''شرح'' میں کہا ہے: اگر تو یہ اعتراض کرے ان کا قول و لم ینقص من المسمی ویزاد علیہ عقد مکاتبہ میں نہ قیمت سے تصور ہو سکتا ہے اور نہ شراب اور خنزیر سے تصور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں معین بدل واجب نہیں ہوتا پس اس پر نقصان اور زیادتی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

(لَمْ يُنْقَصْ مِنَ الْمُسَمَّى بَلْ يُزَادُ عَلَيْهِ وَلَوْ) كَاتَبَهُ (عَلَى مَيْتَةٍ وَنَحْوِهَا) كَالدَّمِ (بَطَلَ) الْعَقْدُ لِعَدَمِ مَالِيَّتِهِمَا أَصْلًا عِنْدَ أَحَدٍ، فَلَا يُعْتَقُ بِالْأَدَاءِ إِلَّا إِذَا عَلَّقَهُ بِالشَّرْطِ صَرِيحًا فَيُعْتَقُ لِلشَّرْطِ لَا لِلْعَقْدِ (وَصَحَّ) الْعَقْدُ (عَلَى حَيَوَانٍ بَيَّنَ جِنْسَهُ فَقَطْ) أَيْ لَا نَوْعَهُ وَصِفَتَهُ (وَيُؤَدِّي الْوَسَطَ أَوْ قِيمَتَهُ)

تو معین مال میں سے کمی نہ کی جائے گی بلکہ اس پر زیادتی کی جائے گی۔ اگر اس نے مردار وغیرہ پر جیسے خون پر عقد مکاتبہ کیا تو عقد باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ اصلاً یہ کسی کے ہاں بھی مال نہیں پس ادائیگی کے ساتھ آزاد نہیں ہوگا مگر جب صراحۃ شرط کے ساتھ اسے معلق کرے پس وہ شرط کی وجہ سے آزاد ہو جائے گا عقد کی وجہ سے آزاد نہیں ہوگا۔ اور ایسے حیوان پر عقد صحیح نہیں جس کی صرف جنس بیان کی یعنی اس کی نوع اور اس کی صفت بیان نہ کی وہ درمیانہ حیوان یا اس کی قیمت ادا کرے گا

میں کہتا ہوں: میں نے بہت زمانہ تک اس کا جواب دینے کے بارے میں غور کیا، شروح میں تفتیش کی اور ساتھیوں سے بحث کی اس عمل نے مجھے اس کے بارے میں کچھ نفع نہ دیا یہاں تک کہ میں وہ پانے میں کامیاب ہو گیا جو امام رکن الائمہ ''صباغی'' اپنی شرح میں پانے میں کامیاب ہوئے اور کہا: یہ اس صورت میں ہے جب وہ مال معین کرے اور کسی وجہ سے عقد مکاتبہ فاسد ہو جائے تو مسمی سے کمی نہ کی جائے اور اس پر زیادتی کی جائے گی۔

حاصل کلام یہ ہے: یہ صورت مستانفہ ہے پہلی کے ساتھ متصل نہیں۔ یہ اسی طرح ہے کہ ایک آدمی اپنے غلام سے شراب کے ہزار رطل پر عقد مکاتبہ کرے جب وہ اتنی شراب دے دے گا تو وہ اس پر آزاد ہو جائے گا خواہ اس نے یہ کہا ہو: جب تو مجھے ہزار دے دے تو تو آزاد ہوگا یا اس نے یہ نہ کہا ہو۔ اگر قیمت زائد ہو تو اس پر زائد واجب ہوگا اگر اس کی قیمت ہزار سے کم ہو تو ہمارے نزدیک زیادتی کو واپس نہیں لیا جائے گا۔ شارح نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

30300۔ (قولہ: لَمْ يُنْقَصْ الخ) کیونکہ آقا اس بات پر راضی نہیں کہ وہ اسے اس مقدار سے کم پر آزاد کرے جس مقدار کو معین کیا تھا پس اس سے کم نہ کیا جائے گا اگر اس کی قیمت مسمی سے کم ہو اور غلام زیادتی پر راضی ہو جاتا ہے یہاں تک کہ آزادی کے شرف کو پالے جب اس کی قیمت زائد ہو تو اس پر زائد کیا جائے گا۔ ''زیلعی''۔

30301۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا عَلَّقَهُ بِالشَّرْطِ صَرِيحًا فَيُعْتَقُ) مالیت کے نہ ہونے سے اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ''الاختیار'' میں اسی طرح ہے۔ پھر کہا: اگر اس نے اس کی آزادی، کپڑے، جانور یا حیوان کی ادائیگی کے ساتھ معلق کیا تھا تو جہالت فاحشہ کی وجہ سے اسے آزاد نہیں کیا جائے گا۔ ''زیلعی'' کا قول اس کے مخالف ہے۔ قول یہ ہے: کپڑے کی ادائیگی کے ساتھ وہ آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ صریح تعلیق ہے۔ پس یہ باب الأیمان میں سے ہے اور یہ جہالت کے ساتھ منعقد ہو جاتی ہیں۔ پس یہ اس طرف پھر جائے گا جس پر ثوب کا اطلاق ہوتا ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

30302۔ (قولہ: بَيَّنَ جِنْسَهُ فَقَطْ الخ) ''العنایہ'' میں اسی طرح کہا ہے جب اس سے حیوان پر عقد مکاتبہ کیا اور اس کی جنس کی وضاحت کر دی جیسے غلام اور گھوڑا اور نوع کو بیان نہ کیا کہ وہ ترکی ہے یا ہندی ہے اور نہ ہی وصف بیان کیا کہ وہ

وَیُجْبَرُ عَلَی قَبُولِھَا (وَ) صَحَّ أَیْضًا (مِنْ کَافِرٍ کَاتَبَ قِنًّا کَافِرًا مِثْلَهُ عَلَی خَمْرٍ) لِمَا لِیَّتِهِ عِنْدَهُمْ (مَعْلُومَةٍ) أَیْ مُقَدَّرَةٍ لِیَعْلَمَ الْبَدَلَ (وَأَیٌّ) مِنَ الْمَوْلَی وَالْعَبْدِ (أَسْلَمَ فَلَهُ قِیمَةُ الْخَمْرِ وَعَتَقَ بِقَبْضِھَا) لِتَعْلِیقِ عِتْقِهِ بِأَدَاءِ الْخَمْرِ لَكِنْ مَعَ ذَلِكَ یَسْعَی فِی قِیمَتِهِ كَمَا مَرَّ (وَ) صَحَّ أَیْضًا (عَلَی خِدْمَتِهِ شَهْرًا لَهُ)

اور اس کے قبول کرنے پر اسے مجبور کیا جائے گا اور کافر کی جانب سے عقد مکاتبہ صحیح ہے جو کافر غلام سے معدوم شراب پر عقد مکاتبہ کرتا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک مال ہے معلوم سے مراد اس کی مقدار ذکر کر دی گئی ہو تا کہ بدل کا علم ہو جائے۔ آقا اور غلام میں سے جس نے اسلام قبول کیا تو اس کے لئے شراب کی قیمت ہوگی اور اس پر قبضہ کرنے کے ساتھ وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے اس کی آزادی کو شراب کی ادائیگی کے ساتھ معلق کیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ اپنی قیمت میں سعی کرے گا جس طرح یہ قول گزر چکا ہے۔ اور عقد مکاتبہ صحیح ہے

جید ہے یا ردی ہے تو یہ عقد جائز ہوگا۔ اور وہ بدل وسط کی طرف پھر جائے گا۔ کیونکہ جہالت معمولی ہے۔ اس قسم کی جہالت عقد مکاتبہ میں قابل برداشت ہوتی ہے کیونکہ اس کی بنیاد مساہلت پر ہے پس بدل کی جہالت کو اجل کی جہالت پر قیاس کیا جائے گا یہاں تک کہ اگر اس کے ساتھ فصل کاٹنے تک پر عقد مکاتبہ کیا تو عقد صحیح ہوگا۔ لیکن ''الاختیار'' میں ہے: حیوان اور کپڑے پر عقد مکاتبہ نکاح کی طرح ہے اگر نوع بیان کر دے تو عقد صحیح ہوگا اگر وہ مطلق ذکر کرے تو صحیح نہیں ہوگا۔ اسی کی مثل ''البدائع'' میں ہے پھر کہا: اگر غلام یا لونڈی پر عقد کیا تو صحیح ہوگا کیونکہ یہ وصف کی جہالت ہے پس اس نے نوع کو بطور جنس اور وصف کو بطور نوع ذکر کیا ہے پس حکم میں مخالفت نہیں ہوگی۔

30303۔ (قولہ: وَیُجْبَرُ عَلَی قَبُولِھَا) یعنی قیمت کے قبول کرنے پر اسے مجبور کیا جائے گا جس طرح عین کے قبول کرنے پر اسے مجبور کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک اصل ہے پس عین تسمیہ کے اعتبار سے اصل ہے اور قیمت بھی اصل ہے کیونکہ کسی شے کا وسط قیمت کے ذریعے ہی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ پس دونوں برابر ہیں۔ ''زیلعی''۔

30304۔ (قولہ: فَلَهُ قِیمَةُ الْخَمْرِ) کیونکہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے شراب کو بعینہ سپرد کرنا متعذر ہے۔

30305۔ (قولہ: وَعَتَقَ بِقَبْضِھَا) یہ احتمال موجود ہے کہ ھا ضمیر قیمۃ کی طرف لوٹے مصنف اسی پر گامزن ہوئے ہیں یہ ان چیزوں میں سے ہے جن میں اختلاف نہیں۔ خمر کی طرف ضمیر کا رجوع کا احتمال بھی ہے۔ شارح نے اسی کو بیان کیا ہے۔ ''الہدایہ''، ''الدرر'' وغیرہما میں اسی پر گامزن ہوئے ہیں اس میں دو روایتیں ہیں جس طرح ''العنایہ'' میں ہے۔

30306۔ (قولہ: کَمَا مَرَّ) مسئلہ کتابۃ المسلم علی خمر او خنزیر میں گزر چکا ہے۔

30307۔ (قولہ: عَلَی خِدْمَتِهِ شَهْرًا) یہ استحسان ہے کیونکہ یہ عادت سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اور مولی کی حالت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کس شے میں خدمت لے گا اور غلام کی حالت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کس شے کے قابل ہے جس طرح وہ اپنے قول میں واضح طور پر معین کر دے۔ اگر وہ وقت کا ذکر نہ کرے تو عقد مکاتبہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ بدل

أَیْ لِلْمَوْلَی (أَوْ لِغَیْرِہِ أَوْ حَفْرِ بِئْرٍ أَوْ بِنَاءِ دَارٍ إِذَا بَیَّنَ قَدْرَ الْمَعْمُولِ وَالْآجُرِّ بِمَا یَرْفَعُ النِّزَاعَ) لِحُصُولِ الرُّکْنِ وَالشَّرْطِ (لَا تَفْسُدُ الْکِتَابَةُ بِشَرْطٍ) لِشَبَهِهَا بِالنِّکَاحِ ابْتِدَاءً لِأَنَّهَا مُبَادَلَةٌ بِغَیْرِ مَالٍ وَهُوَ التَّصَرُّفُ (إِلَّا أَنْ یَکُونَ الشَّرْطُ فِی صُلْبِ الْعَقْدِ) فَتَفْسُدُ لِشَبَهِهَا بِالْبَیْعِ انْتِهَاءً لِأَنَّهُ فِی الْبَدَلِ هَذَا هُوَ الْأَصْلُ

جب وہ آقا یا اس کے علاوہ کی خدمت پر عقد کرے یا کنواں کھودنے یا گھر بنانے پر عقد مکاتبہ کرے جب وہ معمول اور اینٹوں کی مقدار اس طرح بیان کردے جو نزاع کو ختم کردے۔ کیونکہ رکن اور شرط حاصل ہو چکا ہے۔ عقد مکاتبہ کسی بھی شرط سے فاسد نہیں ہوتا کیونکہ عقد مکاتبہ ابتداءً نکاح کے مشابہ ہے کیونکہ یہ ایسا مبادلہ ہے جو مال کے بغیر ہے اور غلام کا تصرف ہے مگر وہ شرط، صلب عقد میں ہو پس یہ عقد فاسد ہو جائے گا کیونکہ یہ انتہاءً بیع کے مشابہ ہے کیونکہ یہ بدل میں واقع ہے یہی اصل ہے۔

مجہول ہے۔ ''بدائع''۔

30308۔(قولہ: وَالْآجُرِّ) یہ لفظ مد اور را کی تشدید کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد پختہ اینٹیں ہیں۔ ''شرنبلالیہ''۔

30309۔(قولہ: بِمَا یَرْفَعُ النِّزَاعَ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس کو کنویں کی لمبائی، اس کی گہرائی اور اس کی جگہ دکھا دے اور اسے گھر کی اینٹیں اور اس کا گچ اور جس سے بنائے گا اس کو دکھا دے۔ ''بدائع''۔

30310۔(قولہ: لِحُصُولِ الرُّکْنِ وَالشَّرْطِ) یعنی ایجاب و قبول اور بدل کا معلوم ہونا۔

30311۔(قولہ: لَا تَفْسُدُ الْکِتَابَةُ بِشَرْطٍ) یعنی شرط فاسد کے ساتھ عقد مکاتبہ فاسد نہیں ہوگا یہ عقد کے مقتضا کے خلاف ہے جس طرح جب اس نے اس کے ساتھ عقد مکاتبہ کیا کہ وہ شہر سے نہیں نکلے گا، وہ تجارت نہیں کرے گا وغیرہ عقد مکاتبہ میں داخل نہیں۔ ''اتقانی''۔

30312۔(قولہ: لِأَنَّهَا الخ) یہ وجہ شبہ کا بیان ہے اور ان کا قول وھو التصرف یعنی جو مال نہیں وہ صرف تصرف ہے یعنی اس پر حجر کو ختم کر دینا کیونکہ بدل اس کا مقابل ہے۔

30313۔(قولہ: لِشَبَهِهَا بِالْبَیْعِ انْتِهَاءً) ''الدرر'' میں اسی طرح ہے اس میں ایسی کلام ہے جو ''شرنبلالیہ'' سے معلوم ہوتی ہے۔

30314۔(قولہ: لِأَنَّهُ فِی الْبَدَلِ) کیونکہ صلب عقد میں شرط وہ ہوتی ہے جو بدل میں واقع ہوتی ہے جس طرح بدل مجہول یا بدل حرام پر کتابت کا واقع ہونا یا ہزار پر عقد کا واقع کرنا اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس سے وطی کرے گا جب تک مکاتبہ موجود ہے یا وہ اس کی خدمت کرے گی اور وہ وقت کو بیان نہ کرے یا وہ کسی اور سے حاملہ ہو اور اس کے بطن میں جو ہے اس کی استثنا کر دے۔ ''الاتقانی''۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

بَابُ مَا يَجُوزُ لِلْمُكَاتَبِ أَنْ يَفْعَلَهُ وَمَا لَا يَجُوزُ

(لِلْمُكَاتَبِ الْبَيْعُ وَالشِّرَاءُ وَلَوْ بِمُحَابَاةٍ) يَسِيرَةٍ

اس چیز کا بیان جو مکاتب کے لیے جائز ہے اور جو جائز نہیں

مکاتب کے لئے بیع وشرا کرنا جائز ہے اگرچہ تھوڑے سے نقصان کے ساتھ ہو

30315۔ (قولہ: لِلْمُكَاتَبِ الْبَيْعُ وَالشِّرَاءُ) اسی طرح اجارہ، اعارہ، ایداع، دین کا اقرار، دین کو وصول کرنا اور اس دین کا حوالہ قبول کرنا جو اس کے ذمہ ہے اگر وہ دین اس کے ذمہ نہ ہو تو حوالہ قبول کرنا جائز نہیں۔ وہ کسی کے ساتھ شرکت عنان کرے یہ سب اس کے لئے جائز ہے شرکت مفاوضہ اس کے لئے جائز نہیں۔ کیونکہ شرکت مفاوضہ کفالت کو مستلزم ہے۔ آقا جسے خریدے مکاتب کو اس میں شفعہ کا حق حاصل ہے اور مکاتب جسے خریدے آقا اس میں شفعہ کر سکتا ہے اور خریداری کا وکیل بنے اگرچہ وہ اپنی ذات پر بائع کے لئے ثمن کی ضمانت کو واجب کرے، وہ اپنے غلام کو تجارت کا اذن دے، بیع کے بعد اس عیب کی وجہ سے ثمن میں کمی کر دے جس عیب کا اس پر دعویٰ کیا گیا یا وہ ثمن میں اضافہ کر دے، وہ عیب کی وجہ سے بیع کو رد کر دے اگرچہ وہ اپنے آقا سے اسے خریدے۔ مگر وہ اس شے میں عقد مرابحہ نہیں کر سکتا جسے وہ اپنے آقا سے خریدے مگر وہ وضاحت کرے۔ اسی طرح آقا جب اپنے مکاتب سے کوئی شے خریدے تو اسی طرح وضاحت کرے اور وہ اپنے آقا کے عقد میں ایک درہم دو درہم کے عوض نہ بیچے۔ کیونکہ آقا اس کی کمائی کا زیادہ حقدار ہے پس وہ معاوضہ مطلقہ میں اجنبی کی طرح ہو جائے گا۔ ''البدائع'' میں یہ اسی طرح ہے۔ ''ملخص''

اس پر وہ اعتراض وارد نہیں ہوتا جو گزر چکا ہے کہ آقا کو حق حاصل ہے کہ اس غلام کے ساتھ اس کی ذات اور جو مال اس کے قبضہ میں ہے اس کا عقد مکاتبہ کرے اگرچہ وہ مال بدل سے بڑھ کر ہو۔ کیونکہ وہاں عقد اس وقت وارد ہوا جبکہ وہ غلام تھا۔ اگر اس نے وصیت کی اور اس بدل کتابت کی ادائیگی سے قبل مر گیا تو وصیت جائز نہیں ہوگی اگرچہ اتنا مال چھوڑ کر مرے جو بدل کتابت کو کافی ہو۔ اگر ادائیگی کے بعد مرے اگر اس نے کہا تھا: جب میں آزاد ہو جاؤں تو میرے مال کا ایک تہائی وصیت ہوگا تو یہ بالاجماع صحیح ہے۔ اگر وہ اپنے معین مال کی وصیت کرے تو بالاجماع جائز نہیں۔ کیونکہ اس نے وصیت کو حالت آزادی کی طرف منسوب نہیں کیا پس وصیت ایسے وقت میں اس کی ملکیت کے ساتھ متعلق ہوگی جس میں تبرع کا مالک نہیں مگر جب آزادی کے بعد اسے جائز قرار دے دے اگر وہ اپنے مال کے ایک تہائی کی وصیت کرے تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جائز نہ ہوگی مگر جب آزادی کے بعد اسے جائز قرار دے۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک یہ جائز ہوگی۔ ''بدائع''، ملخص۔

30316۔ (قولہ: يَسِيرَةٍ) یہ متن کے اطلاق کی تقیید ہے جو ''شرنبلالیہ'' کی تبع میں ہے۔ انہوں نے ''الخانیہ'' سے

(وَالسَّفَرُ وَإِنْ شَرَطَ) الْمَوْلَى (عَدَمَهُ وَتَزْوِيجُ أَمَتِهِ وَكِتَابَةُ عَبْدِهِ وَالْوَلَاءُ لَهُ إِنْ أَدَّى) الثَّانِي (بَعْدَ عِتْقِهِ وَإِلَّا) بِأَنْ أَدَّاهُ قَبْلَهُ أَوْ أَدَّيَا مَعًا (فَلِسَيِّدِهِ لَا التَّزَوُّجُ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهُ

اور اس کے لئے سفر کرنا جائز ہے اگر چہ آقا سفر نہ کرنے کی شرط لگائے مکاتب کا اپنی لونڈی، اپنے غلام سے عقد مکاتبہ جائز ہے۔ اگر دوسرے مکاتب نے پہلے مکاتب کی آزادی کے بعد بدل مکاتبہ ادا کیا تو ولاء اس کے لئے ہوگی۔ اگر ایسا نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ دوسرے مکاتب نے پہلے مکاتب کی آزادی سے پہلے بدل کتابت ادا کر دیا یا دونوں نے اکٹھے بدل کتابت دیا تو ولا اس کے آقا کے لئے ہوگی۔ آقا کی اجازت کے بغیر اس کا شادی کرنا جائز نہیں

اسے نقل کیا ہے ساتھ ہی کہا: یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

''البدائع'' میں کہا: اسے حق حاصل ہے کہ وہ تھوڑی ثمن، زیادہ ثمن، جس جنس سے چاہے، نقدی اور ادھار بیع کرے۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک وہ بیع کرنے کا مالک نہیں مگر اس کے بدلے میں جس کی مثل میں لوگ غبن کرتے ہیں۔ دراہم، دنانیر کے ساتھ اور نقد بیع کر سکتا ہے ادھار نہیں کر سکتا جس طرح بیع مطلق میں وکیل کا معاملہ ہے۔

30317۔ (قولہ: وَإِنْ شَرَطَ الْمَوْلَى عَدَمَهُ) اگر چہ آقا سفر نہ کرنے کی شرط لگائے۔ کیونکہ بیع و شرا بعض اوقات شہر میں متحقق نہیں ہوتی اور نہ ہی عقد باطل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی صلب میں یعنی دونوں بدلوں میں سے کسی ایک میں نہیں۔ جس طرح گزر چکا ہے۔

30318۔ (قولہ: وَتَزْوِيجُ أَمَتِهِ) اور اسی طرح اسے مکاتب بنانا۔ کیونکہ یہ عمل کمائی کے باب میں سے ہے اپنے غلام کی شادی کا معاملہ مختلف ہے ''بدائع''۔ اور اپنی لونڈی کا عقد نکاح اپنے غلام سے نہ کرے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: یہ جائز ہے۔ ''قہستانی''۔

30319۔ (قولہ: وَكِتَابَةُ عَبْدِهِ) مگر وہ اپنے بچے اور اپنے والدین سے عقد مکاتبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ سب اس کے آزاد ہونے کے ساتھ آزاد ہو جائیں گے پس یہ جائز نہیں کہ ان کی آزادی اس مکاتب کی آزادی سے پہلے واقع ہو۔ اس کی اور دلیل یہ بھی ہے کہ وہ اس کے عقد مکاتبہ میں داخل ہیں۔ پس وہ دوبارہ عقد مکاتبہ نہیں کریں گے۔ ''بدائع''۔

30320۔ (قولہ: بَعْدَ عِتْقِهِ) یعنی پہلے مکاتب کی آزادی کے بعد کیونکہ وہ ولا کا اہل بن چکا ہے۔

30321۔ (قولہ: فَلِسَيِّدِهِ) اور اس کے آزاد ہونے کے بعد ولا پہلے مکاتب کی طرف نہیں لوٹے گی کیونکہ جب یہ امر ثابت ہو گیا تو وہ کسی حال میں منتقل ہونے کا احتمال نہیں رکھے گا۔ ''بدائع''۔

30322۔ (قولہ: لَا التَّزَوُّجُ) اگر آقا کی اجازت دینے سے قبل وہ مکاتب آزاد ہو گیا تو مکاتب پر عقد نکاح نافذ ہو جائے گا جس طرح کتاب النکاح میں یہ گزر چکا ہے۔ اسی طرح تسری (کسی کو لونڈی بنانا) ہے اس کا ذکر عنقریب آئے گا۔ ''در منتقی''۔

وَ لَا (الْهِبَةُ وَلَوْ بِعِوَضٍ، وَ) لَا (التَّصَدُّقُ إِلَّا بِيَسِيرٍ مِنْهُمَا وَ) لَا (التَّكَفُّلُ مُطْلَقًا) وَلَوْ بِإِذْنٍ بِنَفْسٍ لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ (وَ) لَا (الْإِقْرَاضُ وَإِعْتَاقُ عَبْدِهِ

نہ ہی اس کا ہبہ کرنا جائز ہے اگر چہ عوض کے ساتھ ہو نہ ہی صدقہ کرنا جائز ہے مگر تھوڑا ہبہ اور تھوڑا صدقہ کر سکتا ہے۔ کسی کی ضمانت مطلقاً نہیں اٹھا سکتا اگر چہ اجازت کے ساتھ نفس کی ضمانت اٹھانا احسان ہے۔ اور نہ ہی کسی مکاتب کو قرض دینا اور نہ ہی اپنے غلام کو آزاد کرنا

30323۔ (قولہ: وَلَا الْهِبَةُ الخ) ''البدائع'' میں کہا: جب اس مکاتب نے ہبہ کر دیا یا صدقہ کر دیا پھر وہ آزاد ہو گیا تو اسے رد کر دیا جائے گا جہاں وہ تھا۔ کیونکہ وہ ایسا عقد ہے جس کی وقوع کی حالت میں کوئی اجازت دینے والا نہیں۔ پس یہ موقوف نہیں ہوگا اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ دونوں سے اسے روکا جائے گا اگر چہ آقا کی اجازت سے ہوں۔ ابوسعود نے کہا: اس کی تصریح کر دی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آقا کو اس کی ملکیت میں کوئی ملکیت حاصل نہیں۔

30324۔ (قولہ: إِلَّا بِيَسِيرٍ مِنْهُمَا) ''شرنبلالی'' میں کھانے کی چیز میں سے تھوڑی سی چیز کے صدقہ کی قید لگائی ہے جبکہ اسے ''بدائع'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی نص ہے: وہ تھوڑی سی چیز کے صدقہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے یہاں تک کہ اسے یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ فقیر کو ایک درہم دے اور نہ ہی اسے کپڑا پہنائے اسی طرح اس کے لئے یہ جائز نہیں مگر یہ کہ کھانے والی چیز میں سے معمولی شے دے اور اسے یہ حق حاصل ہے کہ کسی کو کھانے کی دعوت دے۔ ''قہستانی'' میں ''کرمانی'' سے مروی ہے یسیر وہ ہے جو درہم سے کم ہو کیونکہ لوگ اس میں کچھ دقت محسوس نہیں کرتے۔ فتامل

30325۔ (قولہ: وَلَا التَّكَفُّلُ) یعنی اپنے آقا کے علاوہ کی ضمانت اٹھانے کی اسے اجازت نہیں اگر اپنے آقا کی ضمانت اٹھائے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ کتابت کا بدل اس پر واجب ہے پس وہ تبرع نہیں ہوگا وہ آقا کو ادا کرے یا کسی اور کو بدل کتابت ادا کرے برابر ہے۔ ''بدائع''۔

30326۔ (قولہ: بِإِذْنٍ بِنَفْسٍ) یہ اطلاق کی تفسیر ہے۔ خواہ آقا کی اجازت سے ہو، مکفول کی اجازت سے ہو یا ایسا نہ ہو نفس کی ہو یا مال کی کفالت ہو۔ ان کا قول بنفس یہ مبالغہ کے تحت داخل ہے یعنی اگر چہ کفالت نفس کی ہو۔ ''البدائع'' میں ہے: اگر وہ ادا کرے اور وہ آزاد ہو جائے تو اس پر کفالت لازم ہو جائے گی کیونکہ اس کے حق میں صحیح واقع ہو چکی ہے کیونکہ وہ اس کا اہل ہے۔ بچے کا معاملہ مختلف ہے۔

30327۔ (قولہ: لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ) کیونکہ یہ نفس یا مال کو عوض کے بغیر سپرد کرنے کو اپنے اوپر لازم کرنا ہے اور آقا اس کی کمائی کا مالک نہیں پس تبرع کا اذن صحیح نہیں ہوگا۔

30328۔ (قولہ: وَلَا الْإِقْرَاضُ) کیونکہ یہ ابتدا کے اعتبار سے تبرع ہے ''بدائع''۔ چاہئے تھوڑا سا مال قرض دینا جائز ہو جیسے ہبہ کرنا جائز ہوتا ہے۔ ''قہستانی''۔ بلکہ قرض دینا بدرجہ اولی جائز ہوگا۔ ''برجندی''۔

وَلَوْ بِمَالٍ، وَبَيْعُ نَفْسِهِ مِنْهُ وَتَزْوِيجُ عَبْدِهِ) لِنَقْصِهِ بِالْمَهْرِ وَالنَّفَقَةِ (وَأَبٌ وَوَصِيٌّ وَقَاضٍ وَأَمِينُهُ فِي رَقِيقٍ صَغِيرٍ) تَحْتَ حِجْرِهِمْ (كَمُكَاتَبٍ) فِيمَا ذُكِرَ (بِخِلَافِ مُضَارِبٍ وَمَأْذُونٍ وَشَرِيكٍ) وَلَوْ مُفَاوَضَةً عَلَى الْأَشْبَهِ لِاخْتِصَاصِ تَصَرُّفِهِمْ بِالتِّجَارَةِ (وَلَوْ اشْتَرَى أَبَاهُ أَوْ ابْنَهُ تَكَاتَبَ عَلَيْهِ) تَبَعًا لَهُ،

اگر چہ مال کے بدلے میں ہو، نہ اپنا غلام اس کے ہاتھ بیچنا جائز ہے اور نہ اپنے غلام کی شادی کرنا جائز ہے۔ کیونکہ مہر ادا کرنے اور نفقہ کیساتھ اس میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ باپ، وصی، قاضی اور اس کا سیکرٹری ایسے چھوٹے کے غلام جو چھوٹا بچہ ان کی گود میں پرورش پا رہا ہے وہ مکاتب کی طرح ہیں ان تمام امور میں جو مذکور ہو چکے ہیں۔ مضارب، ماذون اور شریک کا معاملہ مختلف ہے اگر چہ وہ شرکت مفاوضہ ہو۔ یہ اشبہ (زیادہ مناسب) قول کے مطابق ہے۔ کیونکہ ان کا تصرف صرف تجارت میں ہوتا ہے۔ اگر مکاتب نے اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو خریدا تو اس مکاتب کی تبع میں اس پر مکاتب ہو جائے گا

30329۔ (قولہ: وَلَوْ بِمَالٍ) جیسے وہ کہے: تو ہزار پر آزاد ہے جب وہ غلام قبول کرلے تو آزاد ہو جائے گا۔ اسی طرح اس کی ادائیگی پر آزادی کو معلق کرے جیسے وہ کہے: اگر تو نے مجھے ہزار دیا تو تو آزاد ہے۔ اسی طرح ان کا قول و بیع نفسہ ہے یعنی غلام کو اس کے ہاتھ میں بیچ دے کیونکہ اس میں ملک کو ساقط کرنا ہے اور مفلس پر دین کو ثابت کرنا ہے۔

30330۔ (قولہ: وَتَزْوِيجُ عَبْدِهِ) اگر چہ اپنی لونڈی سے اس کا عقد نکاح کرے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

30331۔ (قولہ: فِي رَقِيقٍ صَغِيرٍ) یہ ترکیب اضافی ہے ترکیب توصیفی نہیں۔

30332۔ (قولہ: فِيمَا ذُكِرَ) وہ تصرفات جو ثبوت اور نفی کی صورت میں ذکر کئے جا چکے ہیں پس یہ دونوں اس کے غلام کو مکاتب بنانے اور اس کی لونڈی کا نکاح کرنے کے مالک ہونگے اس کے غلام کو آزاد کرنے کے مالک نہیں ہوں گے اگر چہ وہ مال کے بدلے میں آزاد کریں۔ جب انہوں نے بدل کتابت پر قبضہ کرنے کا اقرار کیا۔ اگر یہ گواہوں کی موجودگی میں ظاہر ہو تو دونوں کی تصدیق کی جائے گی اور وہ مکاتب آزاد ہو جائے گا۔ اگر وہ معروف نہ ہو تو آزادی کا اقرار جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اولی میں یہ رہن وصول کرنے کا اقرار ہے جو صحیح ہے اور دوسرے حصہ میں آزادی کا اقرار ہے تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ ''بدائع''۔

30333۔ (قولہ: وَلَوْ مُفَاوَضَةً) ''الکافی'' میں یہ اسی طرح ہے۔ کیونکہ انہوں نے اسے عبد ماذون کی طرح بنایا ہے۔ اور ''النہایہ'' میں اسے مکاتب کی طرح بنایا ہے۔

30334۔ (قولہ: عَلَى الْأَشْبَهِ) ''زیلعی'' نے کہا: اسے ماذون کی طرح بنانا یہ فقہ کے زیادہ مناسب ہے۔

30335۔ (قولہ: لِاخْتِصَاصِ تَصَرُّفِهِمْ بِالتِّجَارَةِ) کیونکہ قاعدہ یہ ہے: جس کا تجارت وغیرہا میں تصرف عام ہو تو وہ لونڈی کی شادی کرنے اور عقد مکاتبہ کرنے کا مالک ہوگا جس طرح باپ وغیرہ ہے جس کا تصرف صرف تجارت کے بارے میں ہو تو وہ ان امور کا مالک نہیں ہوگا۔

30336۔ (قولہ: تَبَعًا لَهُ) کیونکہ مشتری اگر اصلاً مکاتب ہو تو مکاتب اصلی کے عاجز آنے کے بعد مکاتبت باقی رہے گی۔

وَالْمُرَادُ قَرَابَةُ الْوِلَادِ لَا غَيْرُ (وَلَوْ اشْتَرَى (مَحْرَمًا) غَيْرَ الْوِلَادِ (كَالْأَخِ وَالْعَمِّ لَا) يُكَاتَبُ عَلَيْهِ خِلَافًا لَهُمَا (وَلَوْ اشْتَرَى أُمَّ وَلَدِهِ مَعَ وَلَدِهِ مِنْهَا) وَكَذَا لَوْ شَرَاهَا ثُمَّ شَرَاهُ جَوْهَرَةٌ (لَمْ يَجُزْ بَيْعُهَا)

مراد ولادت کی قرابت ہے نہ کہ کوئی اور قرابت ہے۔ اگر وہ ایسے محرم کو خریدے جو ولادت کے علاوہ سے محرم ہو جیسے بھائی اور چچا ہے تو وہ اس پر مکاتب نہیں ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر مکاتب نے اپنی ام ولد کو اپنے اس بچے کے ساتھ خریدا جو اس ام ولد کے بطن سے پیدا ہوا اسی طرح اگر وہ ام ولد خریدے پھر بچے کو خریدے ''جوہرہ'' تو اس ام ولد کی بیع جائز نہ ہوگی۔

30337۔(قولہ: وَالْمُرَادُ قَرَابَةُ الْوِلَادِ) دخول کے اعتبار سے ان میں سے سب سے اقوی وہ بچہ ہے جو عقد مکاتبہ کی حالت میں پیدا ہوا پھر وہ بچہ جس کو خریدا گیا پھر والدین۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ وہ احکام میں متفاوت ہوں گے جس طرح اس کی وضاحت عنقریب باب موت المکاتب میں ان شاء اللہ آئے گی۔

30338۔(قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) کیونکہ انہوں نے کہا: اس پر عقد مکاتبہ ہو جائے گا کیونکہ صلہ رحمی کا وجوب نکاح کی حرام قرابت کو شامل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے آزاد پر ہر ذی رحم محرم آزاد ہو جائے گا۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مکاتب کو کسب کا حق حاصل ہوتا ہے ملک کا حق حاصل نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے اسے صدقہ دینا حلال ہے اگرچہ وہ مال پائے اور ہبہ دینے کا مالک نہیں ہوتا اور جب وہ اپنی بیوی کو کسی سے خریدتا ہے تو اس کی بیوی کا نکاح فاسد نہیں ہوتا۔ مگر کسب ولادت کے رشتہ میں صلہ رحمی کے لئے کافی ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ آدمی جو کمانے پر قادر ہوتا ہے اس سے والد اور ولد کے نفقہ کے بارے میں خطاب کیا جائے گا۔ اور اس کے غیر میں یہ کافی نہیں یہاں تک کہ بھائی کا نفقہ صرف خوشحال بھائی پر ہی واجب ہوتا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''ہدایہ'' اور اس کی شروح میں ہے۔ اور اختلاف کا ثمر اس میں ہے اگر وہ اس کا مالک ہو تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے بیچنے کا حق حاصل ہے اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح ''الدرر'' میں ہے۔ اور جب وہ فوت ہو جائے تو یہ اس کے قائم مقام نہیں ہوگا اور اس کے اقساط کے لئے سعایت نہیں کرے گا۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے جس طرح ''شرنبلالی'' کے عبارت سے ظاہر ہے۔

30339۔(قولہ: أُمَّ وَلَدِهِ) یعنی جو نکاح کی وجہ سے بچہ جننے والی تھی۔ ''عزمیہ''۔

30340۔(قولہ: وَكَذَا لَوْ شَرَاهَا ثُمَّ شَرَاهُ) ''ابن ملک'' نے کہا: اصح یہ ہے جب اس نے پہلے بچے کو خریدا پھر اس کی ماں کو خریدا تو اب اس لونڈی کی بیع حرام ہوگی۔ کیونکہ بچہ پہلے اس پر مکاتب بنا اور بچے کے واسطہ سے اس کی ماں اس پر مکاتبہ بنی۔ جب ماں کو پہلے خریدے تو اس کی بیع حرام نہ ہوگی۔ کیونکہ مقتضی موجود نہیں وہ بچے کا مکاتب بننا ہے پھر جب اس نے بچے کو خریدا تو بچے کے خریدتے ہی اس لونڈی کی بیع حرام ہوگئی۔ کیونکہ مقتضی پایا جا رہا ہے۔ دار و مدار ان دونوں کا اس کی ملک میں جمع ہونا ہے یہ اس سے عام ہے کہ اس نے دونوں کو اکٹھے خریدا تھا یا آگے پیچھے خریدا تھا۔ پس معیت کی قید اصح کے خلاف ہے۔

لِتَبْعِيَّتِهَا لِوَلَدِهَا (وَلَكِنْ لَا تَدْخُلُ فِي كِتَابَتِهِ) ثُمَّ فَرَّعَ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ (فَلَا تَعْتِقُ بِعِتْقِهِ وَلَا يَنْفَسِخُ نِكَاحُهُ) لِأَنَّهُ لَمْ يَمْلِكْهَا (فَجَازَ لَهُ أَنْ يَطَأَهَا) بِمِلْكِ النِّكَاحِ فَكَذَا الْمُكَاتَبَةُ إِذَا اشْتَرَتْ بَعْلَهَا غَيْرَ أَنَّ لَهَا بَيْعَهُ مُطْلَقًا لِأَنَّ الْحُرِّيَّةَ لَمْ تَثْبُتْ مِنْ جِهَتِهَا (وَلَوْ مَلَكَهَا بِدُونِهِ) أَيْ بِدُونِ الْوَلَدِ (جَازَ لَهُ بَيْعُهَا)

یہ اس کے بچے کی تبع میں جائز نہ ہوگی لیکن ام ولد اس کے عقد مکاتبہ میں داخل نہیں ہوگی۔ پھر اس پر اپنے اس قول سے تفریع کا ذکر کیا ہے: اس کے آزاد ہونے سے لونڈی آزاد نہ ہوگی اور نہ ہی مکاتب کا نکاح منسوخ ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کا مالک نہیں ہوا۔ پس اس مکاتب کے لئے جائز ہے کہ ملک نکاح کی وجہ سے اس سے وطی کرے۔ اسی طرح کا حکم مکاتبہ ہے جب وہ اپنے خاوند کو خریدے مگر مکاتبہ لونڈی کو مطلقاً یہ حق ہے کہ اسے بیچ دے۔ کیونکہ شوہر کا آزاد ہونا مکاتبہ کی جہت سے ثابت نہیں ہوگا اگر وہ اس لونڈی (ام ولد) کا بچے کے بغیر مالک بنا تو مکاتب کے لئے جائز ہے کہ اس ام ولد کو بیچ دے

30341۔ (قولہ: لِتَبْعِيَّتِهَا لِوَلَدِهَا) کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: اعتقها ولدها (1) اس کے بیٹے نے اسے آزاد کر دیا ہے۔

30342۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَمْ يَمْلِكْهَا) یعنی حقیقت میں وہ اس کا مالک نہیں ہوا۔ پس یہ لونڈی اس کی کمائی سے اس کی ملک نہیں جس طرح گزر چکا ہے یہ مفرع اور مفرع علیہ کی علت ہے۔

30343۔ (قولہ: فَجَازَ) یہ ان کے قول ولا ينفسخ نكاحه پر تفریع ہے۔

30344۔ (قولہ: فَكَذَا الْمُكَاتَبَةُ الخ) یعنی اسے حق حاصل ہوگا کہ عقد نکاح کی وجہ سے اس کے ساتھ عقد نکاح کرے۔ کیونکہ وہ اس کی رقبہ کی حقیقت میں مالک نہیں بنی۔ ''ہندیہ'' نے ''البنایہ'' سے نقل کیا ہے۔ ''العینی''۔

30345۔ (قولہ: مُطْلَقًا) خواہ اس کے ساتھ اس عورت کے بطن سے اس کا بچہ ہو یا نہ ہو۔ ''رحمتی''۔

بعضیت جو اصل کی بیع سے مانع ہے وہ عورت کی جانب سے معتبر ہے

30346۔ (قولہ: لِأَنَّ الْحُرِّيَّةَ لَمْ تَثْبُتْ مِنْ جِهَتِهَا) یعنی وہ حریت جس کا انتظار کیا جا رہا ہے وہ مکاتبہ کی وجہ سے واقع نہیں ہوگی۔ معنی اس کا یہ ہے: جب ایک مکاتبہ عورت اپنے خاوند کو اس بیٹے کے ساتھ خریدے جو اس خاوند سے اس عورت کا بیٹا ہے تو اس کا بیٹا عقد مکاتبہ میں اس عورت کے تابع ہوگا اور اس کا باپ اس مکاتبہ میں اس بچے کے تابع نہیں ہوگا جو مکاتبہ آزادی کی طرف لے جانے والا ہے۔ کیونکہ بچے کی تبعیت ماں کی جہت کے ساتھ خاص ہے پس ماں ہی وہ ہے جو اپنے بچے کے تابع ہے جس طرح بچہ آزادی، غلامی، مدبر ہونے میں ماں کے تابع ہے۔ پس بچے کو خریدنا یہ اس بچے کی اصل کو بیچنے سے مانع ہے اگر وہ آزادی جس کا انتظار کیا جا رہا ہے وہ ماں کی جہت سے ہو کیونکہ وہ اصل ہے۔ مگر جب صورت حال اس طرح کی ہو جس طرح سابقہ مسئلہ میں ہے۔ اگر وہ باپ ہو تو اس کی بیع ممتنع نہیں۔ یہ امر میرے لئے ظاہر ہوا ہے۔ ''زیلعی'' کی

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب العتاق، باب امہات الاولاد، جلد 2، صفحہ 136، حدیث نمبر 2506

خِلَافًا لَهُمَا (وَإِنْ وُلِدَ لَهُ مِنْ أَمَتِهِ وَلَدٌ) فَادَّعَاهُ (تَكَاتَبَ عَلَيْهِ) تَبَعًا لَهُ (وَ) كَانَ (كَسْبُهُ لَهُ) لِأَنَّهُ كَسْبُ كَسْبِهِ (زَوَّجَ) الْمُكَاتَبُ (أَمَتَهُ مِنْ عَبْدِهِ فَكَاتَبَهُمَا فَوَلَدَتْ

''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر اس کی لونڈی سے کوئی بچہ پیدا ہو جائے پس وہ اس بچے کے نسب کا دعویٰ کردے تو وہ اپنے باپ کی تبع میں اس پر مکاتب ہو جائے گا اور فرزند کی کمائی مکاتب کی ہوگی کیونکہ فرزند مکاتب کے نسب کا کسب ہے۔ مکاتب نے اپنی لونڈی کا نکاح اپنے غلام سے کردیا پھر دونوں نے عقد مکاتبہ کردیا اس لونڈی نے بچہ جن دیا

عبارت ہے: کیونکہ جزئیت جیم اور زا کے ساتھ ہے۔ معنی یہ ہے کہ بعضیت جو اصل کی بیع سے مانع ہے وہ عورت کی جانب سے معتبر ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جو یہاں موجود نہیں۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس عبارت کی وضاحت کی ہو جبکہ بہت سے کتب کی طرف رجوع کیا ہے۔

30347۔ (قولہ: وَإِنْ وُلِدَ لَهُ مِنْ أَمَتِهِ وَلَدٌ) اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ مکاتب اپنی لونڈی سے وطی کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ نسب حلت پر موقوف نہیں جس طرح ایک آدمی اپنے باپ کی لونڈی سے وطی کرے یا مشترک لونڈی سے وطی کرے پس ملک ید کے شبہ کی وجہ سے نسب ثابت ہو جائے گا جس طرح ''ہدایہ'' کی شروح میں ہے۔

''جوہرہ'' میں کہا: یا ہم کہیں گے: اس کی صورت یہ ہے کہ وہ عقد مکاتبہ سے پہلے لونڈی اس سے نکاح کرے جب اس کا عقد مکاتبہ ہو تو اس لونڈی کو خریدے پس وہ لونڈی اس کا ایک بچہ جن دے۔ اس تعبیر کی بنا پر شارح کے قول فادعاہ کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ خریدنے کے بعد نکاح باقی ہے جس طرح گزر چکا ہے۔

30348۔ (قولہ: لِأَنَّهُ كَسْبُ كَسْبِهِ) وہ بچہ ہے۔ ''زیلعی'' نے کہا: یہ اس کے ملوک کے حکم میں ہے۔

30349۔ (قولہ: زَوَّجَ الْمُكَاتَبُ)

''شرنبلالیہ'' نے اس میں اس کے ساتھ اشکال کا ذکر کیا ہے جو گزر چکا ہے کہ مکاتب اپنے غلام کی شادی نہیں کر سکتا اور اس کا اپنے غلام کی شادی کرنا اس کی شادی کی طرح موقوف نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کے صادر ہونے کے وقت کوئی اس کو جائز قرار دینے والا نہیں۔ جبکہ یہ حق ایسے ولی کو حاصل ہے جو آزاد ہو۔

پھر اس کا جواب دیا کہ یہ نسب کے ثبوت کے مانع نہیں۔ کیونکہ نسب شبہ سے ثابت ہو جاتا ہے جیسے نکاح فاسد سے نسب ثابت ہو جاتا ہے جس طرح یہ گزر چکا ہے۔ ''ابن ملک'' نے ضمیر کو مولیٰ کی طرف لوٹایا ہے۔ ''التبیین''، ''الہدایہ'' اور اس کی شروح سے یہی متبادر معنی سمجھ آتا ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ آقا آزاد ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اصلاً کوئی اشکال نہیں رہتا۔

''ابوسعود'' نے ''شلبی'' وغیرہ سے نقل کیا ہے: چاہئے مکاتب کا لفظ تا کے کسرہ کے ساتھ اسم فاعل کا صیغہ پڑھا جائے اور اگر مولیٰ کا ذکر کیا جاتا تو یہ اولیٰ ہوتا۔ میں کہتا ہوں: اول کے مجاز کے دعویٰ کی ضرورت ہوگی۔

30350۔ (قولہ: فَوَلَدَتْ) اس قول نے اس امر کی طرف اشارہ کیا اگر دونوں اپنی جانب سے اور اپنے چھوٹے بچے

دَخَلَ فِي كِتَابَتِهَا وَكَسْبُهُ) وَقِيمَتُهُ لَوْ قُتِلَ (لَهَا) لِأَنَّ تَبَعِيَّتَهَا أَرْجَحُ (مُكَاتَبٌ أَوْ مَأْذُونٌ نَكَحَ أَمَةً زَعَمَتْ أَنَّهَا حُرَّةٌ بِإِذْنِ مَوْلَاهُ) مُتَعَلِّقٌ بِنَكَحَ (فَوَلَدَتْ مِنْهُ ثُمَّ اُسْتُحِقَّتْ فَالْوَلَدُ رَقِيقٌ) فَلَيْسَ لَهُ أَخْذُهُ بِالْقِيمَةِ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ لِأَنَّهُ وَلَدُ الْمَغْرُورِ،

تو وہ اس لونڈی کے عقد مکاتبہ میں داخل ہوگا۔ اور اس کی کمائی، اس کی قیمت اگر وہ بچہ قتل ہو جائے اس لونڈی کے لئے ہو گی۔ کیونکہ لونڈی کی تبع میں ہونا یہ زیادہ راجح ہے۔ مکاتب یا عبد موزون نے اپنے آقا کی اجازت سے ایک لونڈی سے عقد نکاح کیا جبکہ لونڈی نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ آزاد ہے، باذن مولاھا یہ نکح فعل کے متعلق ہے، اس لونڈی نے اس مرد سے بچہ جن دیا پھر وہ کسی اور کی مستحق نکل آئی تو بچہ غلام ہوگا۔ اس خاوند کو قیمت دے کر اسے لینے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ یہ اس کا بچہ ہے جس کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے۔

کی جانب سے مکاتبت کو قبول کرلیں اور بچہ مرجائے تو اس کی قیمت دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی۔ اور ماں اس کی زیادہ حقدار نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہاں اس بچے کا کتابت میں داخل ہونا یہ خاوند کی جانب سے قبول کرنے کی وجہ سے ہے۔ محض تبع کی بنا پر نہیں اور قبول دونوں سے پایا گیا ہے پس بچہ دونوں کے تابع ہوگا۔''زیلعی''۔

30351۔ (قولہ: لِأَنَّ تَبَعِيَّتَهَا أَرْجَحُ) یہ مصدر کو اس کے مفعول کی طرف مضاف کرنے کی بنا پر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ وہ باپ سے منفصل ہوا ہے اور اس کی قیمت نہیں اور ماں سے منفصل ہوا جبکہ اس کی قیمت ہے پس ماں کی تبع میں ہونا راجح ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ غلامی اور آزادی میں ماں کے تابع ہے۔ پس اس وجہ سے ماں اس کے کسب کے ساتھ زیادہ خاص ہے۔''اتقانی''۔

30352۔ (قولہ: خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ) کیونکہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: وہ قیمت کے بدلے آزاد ہے جسے وہ فی الحال مستحق کے حوالے کرے گا اگر شادی آقا کی اجازت سے ہوگی ورنہ آزادی کے بعد بچے کی قیمت مستحق کو دے گا۔ پھر اس نے بچے کی قیمت میں سے جس کی ضمانت اٹھائی اس کا مطالبہ لونڈی سے کرے گا جب کہ یہ مطالبہ اس کی آزادی کے بعد ہوگا اگر دھوکا دینے والی لونڈی ہو۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب عبد ماذون اسے دھوکا دے یا ایسا عبد دھوکا دے جسے تجارت کی اجازت نہ دی گئی ہو یا وہ مکاتب ہو آزادی کے بعد اس سے مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ یہ عمل تجارت کے باب سے نہیں ہے۔ پس [illegible] دینے والے کے حق میں نافذ نہیں ہوگا۔ اگر آزاد نے اسے دھوکہ دیا تھا تو فی الحال اس سے مطالبہ کرے گا۔ اسی طرح مہر کا حکم ہے کیونکہ مستحق اس سے فی الحال مطالبہ کرے گا جب شادی آقا کی اجازت سے ہو ورنہ آزادی کے بعد مطالبہ کرے گا۔ اور خاوند کو کسی سے مہر کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہوگا جس طرح اس کے محل میں اسے پہچان لیا گیا ہے۔ دھوکا کا حکم شادی کرنے سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ یہ خبر دینے سے کہ وہ آزاد ہے۔''زیلعی''۔

30353۔ (قولہ: لِأَنَّهُ وَلَدُ الْمَغْرُورِ) یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل ہے۔ پس یہ محذوف کلام کی علت ہے

وَخَصَّا الْمَغْرُورَ بِالْحُرِّ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ، وَاسْتَشْكَلَهُ الزَّيْلَعِيُّ
شیخین نے مغرور کو آزاد کے ساتھ خاص کیا ہے کیونکہ اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔"زیلعی" نے اس میں اشکال کا ذکر کیا ہے۔

یعنی کیونکہ انہوں نے فرمایا: هو حر بالقيمة لانه ولد المغرور۔ یہ اس لئے کیا تا کہ اس سے ضرر کو دور کیا جائے جس طرح آزاد کا معاملہ ہے۔

بچہ آزادی اور غلامی میں ماں کے تابع ہوتا ہے

30354۔(قولہ: وَخَصَّا الْمَغْرُورَ الخ)"زیلعی" نے کہا: شیخین کی دلیل یہ ہے وہ دو غلاموں کے درمیان پیدا ہوا پس وہ رقیق ہوگا۔ کیونکہ بچہ غلامی اور آزادی میں ماں کے تابع ہوتا ہے۔ ہم نے آزاد میں اس کو ترک کر دیا۔ کیونکہ صحابہ کرام کا اس بارے میں اجماع ہے۔ اور غلام آزاد کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ مولیٰ کا حق، جبکہ آقا مستحق ہے، آزاد میں قیمت کے ساتھ اسے پورا کیا جاتا ہے جو قیمت فی الحال واجب ہوتی ہے۔ اور غلام میں اسے اس قیمت کے ساتھ پورا کیا جاتا ہے جو عتق کے بعد تک متاخر ہوتی ہے۔ پس مساوات نہ ہونے کی وجہ سے الحاق کرنا متعذر رہے۔ یہاں علماء نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مغرور آزاد کے ساتھ خاص ہے اور غلام کو اس پر قیاس کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ دونوں میں کوئی مساوات نہیں۔ کیونکہ فی الحال اس سے قیمت کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا جس طرح آزاد ہے پس مستحق کا ضرر لازم آجائے گا۔

مغرور کو آزاد کے ساتھ خاص کرنے پر علامہ زیلعی کی طرف سے اشکال اور اس کا جواب

30355۔(قولہ: وَاسْتَشْكَلَهُ الزَّيْلَعِيُّ) کیونکہ کہا: یہ بہت ہی مشکل ہے۔ کیونکہ غلام کا دین جب ایسے سبب سے لازم ہوا جس میں آقا کی اجازت ہو تو وہ مولی کے حق میں ظاہر ہوگا اور فی الحال اس کا مطالبہ کیا جائے گا یہاں موضوع اس میں مفروض ہے جب آقا کی اجازت ہو۔ یہ اس وقت درست ہوتا ہے جب شادی آقا کی اجازت کے بغیر ہو۔ کیونکہ اس میں دین آقا کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا۔ پس مہر اسے لازم نہیں ہوگا اور نہ ہی فی الحال بچے کی قیمت لازم ہوگی۔ جو مسئلہ اس مسئلہ کے بعد میں ہے وہ اس معنی کی تائید کرتا ہے۔

یہ حقیقت میں ان کے اس قول سے استدلال ہے کہ مطالبہ آزادی کے بعد تک متاخر ہوگا جبکہ آقا نے نکاح کی اجازت دی نہ کہ اس وجہ سے کہ شیخین نے مغرور کو آزاد کے ساتھ خاص کیا ہے۔ جس طرح شارح کا کلام اس کا وہم دلاتا ہے۔

بعض نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں آقا کی اجازت بچے کی آزادی یا اس کی غلامی کا سبب نہیں۔ آزادی کا سبب ماں کی آزادی ہے یا اس کی آزادی کا سبب یہ شرط ہے کہ بچہ آزاد ہو آزاد خاوند میں ہے۔ پس یہ اس کے حق میں ظاہر نہیں۔ تو اس سے فی الحال مطالبہ نہ کیا جائے گا۔

"طحطاوی" نے"رازی" سے اس کی مثل نقل کیا ہے۔"وانی" سے مروی ہے کہ کسی شے کا اذن یہ اس چیز کا بھی اذن ہوتا ہے جو اس کے متعلق ہو جب وہ چیز اس کے لوازم میں سے ہو اور وطی اس طرح نہیں ہے۔"فتامل"

(وَلَوْ اشْتَرَى الْمُكَاتَبُ أَمَةً شِرَاءً يُنْظَرُ فَاسِدًا فَوَطِئَهَا ثُمَّ رَدَّهَا لِلْفَسَادِ) لِشِرَائِهَا (أَوْ شِرَاهَا (صَحِيحًا فَاسْتُحِقَّتْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْعُقْرُ فِي حَالَةِ الْكِتَابَةِ) قَبْلَ عِتْقِهِ لِدُخُولِهِ فِي كِتَابَتِهِ،

اگر مکاتب نے ایک لونڈی ایسی شرا سے خریدی جسے فاسد خیال کیا جاتا ہے اوراس سے وطی کی پھر خریداری کے عقد کے فساد کی وجہ سے اسے لوٹا دیا یا اسے عقد صحیح کے ساتھ خریدا تھا۔ پس اس کا کوئی اور مستحق نکل آیا تو آزادی سے پہلے حالت کتابت میں اس پر عقر واجب ہوگا۔ کیونکہ یہ اس کے عقد مکاتبہ میں داخل ہے۔

''طوری'' نے یہ جواب دیا ہے کہ مکاتب اور ماذون کو ہم نے احرار کا حکم دیا ہے اور آقا نے اسے جو نکاح کی اجازت دی ہے یہ حکم اسے متضمن نہیں ہوگا اور نکاح کی صحت جو اذن پر موقوف ہوگی یہ حلت کے لئے ہے اس لئے نہیں کہ آقا اس کا ضامن ہو۔ بیع کا آنے والا مسئلہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں اذن بیع فاسد کو شامل ہے پس دونوں جدا ہو گئے اور اس میں گفتگو کا ضعف مخفی نہیں۔ ''فتامل''

اسے ذہن نشین کرلو، ''المعراج'' اور ''کفایہ'' میں جس امر کی تصریح کی گئی وہ یہ ہے کہ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے۔ اگر اس نے آقا کی اجازت سے عقد نکاح کیا تو بچے کی قیمت اور مہر فی الحال لازم ہوگا ورنہ آزادی کے بعد لازم ہوں گے۔ یہ بھی گزر چکا ہے۔ استدلال میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس پر ''زیلعی'' کا اشکال یہ اس کے موافق ہے جو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ مطالبہ موخر ہونا جو استدلال میں مذکور ہے یہ اس کے ساتھ خاص ہے جب وہ اجازت کے بغیر ہو جس طرح ''کفایہ'' میں اس کی قید لگائی ہے اس کے ساتھ اشکال ختم ہو جاتا ہے۔

ہاں اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ اس کی صورت نہیں۔ اسی وجہ سے بعض شارحین نے اس کو حذف کر دیا اور پہلی کلام سے غنا حاصل کی۔

30356۔ (قوله: فَوَطِئَهَا) یعنی آقا کی اجازت کے بغیر اس سے وطی کی ''ہدایہ''۔ مگر جب اس کی اجازت سے وطی کرے تو بدرجہ اولی اس کا یہ حکم ہوگا۔ ''معراج''۔

30357۔ (قوله: لِشِرَائِهَا) زیادہ بہتر یہ تھا کہ اسے حذف کر دیتے جس طرح ''الدرر'' کی عبارت میں ہے۔

30358۔ (قوله: أَوْ شِرَاهَا صَحِيحًا) ''شرنبلالیہ'' میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ استحقاق شرا کے صحیح ہونے کے منافی ہے۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ متن کی عبارت پر اکتفا کرتے اگرچہ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس کا صحت کے ساتھ جو وصف لگایا گیا ہے وہ ظاہر کے اعتبار سے ہے۔

30359۔ (قوله: لِدُخُولِهِ فِي كِتَابَتِهِ) دخولہ میں ضمیر سے مراد عقر ہے۔ ''ہدایہ'' میں کہا: کیونکہ تجارت اور اس کے توابع کتابت کے تحت داخل ہوتے ہیں اور یہ عقر اس کے توابع میں سے ہے یا ضمیر سے مراد شرا ہے یعنی شرا اس میں داخل ہوتا ہے اگرچہ وہ فاسد ہو۔ کیونکہ کتابت اسے اپنی دونوں نوعوں کے اعتبار سے شامل ہوتی ہے جس طرح توکیل ہے جس طرح

لِأَنَّ الْإِذْنَ بِالشِّرَاءِ إِذْنٌ بِالْوَطْءِ (وَلَوْ وَطِئَهَا (بِنِكَاحٍ) بِلَا إِذْنِهِ (أُخِذَ بِهِ) بِالْعُقْرِ (مُنْذُ عَتَقَ) أَيْ بَعْدَ عِتْقِهِ لِعَدَمِ دُخُولِهِ فِيهَا كَمَا مَرَّ

کیونکہ شرا کا اذن وطی کا اذن ہے۔ اگر مکاتب نے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرنے کے ساتھ وطی کی تو جب آزاد ہوگا اس وقت اس سے عقر وصول کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ اس کے عقد مکاتبہ میں داخل نہیں جس طرح پہلے گزر چکا ہے

''ہدایہ'' میں بھی ہے یا ضمیر سے مراد مذکور ہے یعنی شرا مطلقاً اور عقر میں سے جو مذکور ہے وہ اس میں داخل ہے یہ تقدیر اولیٰ ہے تا کہ دونوں صورتوں کو شامل ہو۔

شرا کا اذن وطی کا اذن ہے

30360۔ (قولہ: لِأَنَّ الْإِذْنَ بِالشِّرَاءِ إِذْنٌ بِالْوَطْءِ) یہ ''الدرر'' سے اخذ کیا ہے۔ کیونکہ ''درر'' میں کہا: ''صدر الشریعہ'' نے کہا: ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے عقر وطی سے ثابت ہوتا ہے شرا سے ثابت نہیں ہوتا اور شرا کا اذن یہ وطی کا اذن نہیں اور وطی کسی بھی اعتبار سے تجارت میں سے نہیں پس یہ مولیٰ کے حق میں ثابت نہیں ہوگی۔''

میں کہتا ہوں: اس کا جواب یہ ہے ہم نے یہ تسلیم کیا ہے کہ عقر وطی سے ثابت ہوا شرا سے ابتداءً ثابت نہیں ہوا۔ لیکن وطی شرا کی طرف منسوب ہے۔ کیونکہ اگر شرا نہ ہوتا تو وطی حرام ہوتی اس میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں۔ پس اس وطی کے ساتھ عقر ثابت نہیں ہوتا اور حد واجب ہوتی ہے۔ پس شرا کا اذن وطی کا اذن ہے وطی اگرچہ تجارت میں سے نہیں ہے لیکن شرا تجارت میں سے ہے پس وہ مولیٰ کے حق میں ثابت ہے۔

''شرنبلالیہ'' میں کہا: ان کا قول: فیکون الاذن بالشراء اذنا بالوطی یہ غیر مسلم ہے اس کو ترک کر دینا چاہئے۔ اس سے قبل اور اس کے بعد جو ذکر کیا ہے اس پر اکتفا کرنا اس کی وضاحت وہ قول کرتا ہے جو ''العنایہ'' میں ہے: کتابت نے شرا کو واجب کیا اور شرا حد کے سقوط کو واجب کرتی ہے اور حد کا ساقط ہونا یہ عقر کو واجب کرتا ہے اور عقد مکاتبہ نے عقر کو واجب کیا اور نکاح اس طرح نہیں ہے یعنی آنے والے مسئلہ میں اس طرح نہیں ہے۔

30361۔ (قولہ: بِلَا إِذْنِهِ) یہ جار مجرور نکاح کے متعلق ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: جہاں تک اجازت کے ساتھ کا معاملہ ہے تو یہ آقا کے حق میں ظاہر ہوتا ہے اور مکاتب سے اسی وقت اس کا مطالبہ کیا جائے گا۔ ''شلبی''

30362۔ (قولہ: أَيْ بَعْدَ عِتْقِهِ) یہ حکم اس صورت میں ہے جب عورت ثیبہ ہو اگر وہ عورت باکرہ ہو اور اس نے اس کا پردہ بکارت پھاڑا ہو تو اس سے فی الحال مواخذہ کیا جائے گا۔ ''اتقانی'' نے ''شرح الطحاوی'' سے نقل کیا ہے۔

30363۔ (قولہ: لِعَدَمِ دُخُولِهِ) بغیر اجازت کے نکاح اس میں داخل نہیں۔ ''ح''۔ کیونکہ نکاح کمائی میں سے نہیں ہے۔

30364۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی باب کے شروع میں یہ گزر چکا ہے کہ مکاتب کو آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرنے کا

(وَالْمَأْذُونُ كَالْمُكَاتَبِ فِيهِمَا) فِي الْفَصْلَيْنِ (وَإِذَا وَلَدَتْ مُكَاتَبَةٌ مِنْ سَيِّدِهَا) فَلَهَا الْخِيَارُ إِنْ شَاءَتْ (مَضَتْ عَلَى كِتَابَتِهَا) وَتَأْخُذُ الْعُقْرَ مِنْهُ (أَوْ) إِنْ شَاءَتْ (عَجَّزَتْ) نَفْسَهَا (وَهِيَ أُمُّ وَلَدِهِ) وَيَثْبُتُ نَسَبُهُ بِلَا تَصْدِيقِهَا لِأَنَّهَا مِلْكُهُ رَقَبَةً

اور دونوں فصلوں میں ماذون مکاتب کی طرح ہے۔ جب ایک مکاتبہ لونڈی نے اپنے آقا سے ایک بچہ جنا تو اس لونڈی کو خیار ہوگا اگر چاہے تو اپنے عقد مکاتبہ پر جاری رہے اور اپنے آقا سے عقر لے لے یا اگر چاہے تو اپنے آپ کو عاجز قرار دے جبکہ وہ اس کی ام ولد ہوگی اور اس بچے کا نسب مکاتبہ کی تصدیق کے بغیر اس کے آقا سے ہوگا۔ کیونکہ یہ لونڈی رقبہ کے اعتبار سے اس کی ملک ہے۔

حق حاصل نہیں۔

30365۔(قولہ: فِي الْفَصْلَيْنِ) یہ ان کے قول فیہما سے بدل ہے یعنی شرا کی فصل اپنی دونوں قسموں کے ساتھ اور فصل نکاح۔ علت ایک ہے۔ کیونکہ اذن سے مراد حجر کو اٹھا دینا ہے جس طرح کتابت ہوتی ہے پس وہ تجارت کا مالک بن جاتا ہے اور نکاح تجارت میں سے نہیں ہے۔ شرا کا معاملہ مختلف ہے۔

30366۔(قولہ: فَلَهَا الْخِيَارُ) کیونکہ اس نے اس لونڈی کو آزادی کی دو جہتوں سے نوازا ہے ایک جہت جاری ہے جو بدل کے ساتھ ہے اور ایک جہت موخر ہے جو بدل کے بغیر ہے پس اس لونڈی کو دونوں میں اختیار ہوگا۔''عینی''۔

30367۔(قولہ: إِنْ شَاءَتْ مَضَتْ عَلَى كِتَابَتِهَا) اگر آقا مر جائے تو وہ لونڈی ام ولد ہونے کی حیثیت سے آزاد ہو جائے گی اور اس سے بدل ساقط ہو جائے گا۔''زیلعی''۔

30368۔(قولہ: وَتَأْخُذُ الْعُقْرَ مِنْهُ) اور اس سے بدل کتابت کی ادائیگی میں مدد لے گی جب عقد مکاتبہ کی حالت میں حمل ٹھہرا کیونکہ آقا اس کے منافع اور مکاتب کے حق میں اجنبی کی طرح ہے اور عقر اس کے بضعہ کا بدل ہے۔''اتقانی''۔ عقد مکاتبہ کی حالت میں اس کے حمل ٹھہرنے کا معاملہ یا تو اس کے اقرار سے معلوم ہوگا یا جب سے عقد مکاتبہ ہوا ہے اس سے چھ ماہ سے زیادہ عرصہ میں وہ بچہ جن دے اگر وہ اس سے کم عرصہ میں بچہ جن دے تو اس مکاتبہ کے لئے آقا پر عقر نہیں ...

30369۔(قولہ: عَجَّزَتْ نَفْسَهَا) یعنی بدل کی ادائیگی سے عاجز ہونے کا اقرار کر لے۔

30370۔(قولہ: وَيَثْبُتُ نَسَبُهُ بِلَا تَصْدِيقِهَا) اگر وہ دوسرا بچہ جن دے تو دعویٰ کے بغیر آقا سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس مکاتبہ سے وطی کرنا آقا پر حرام ہے اور ام ولد کے بچے کا نسب دعویٰ کے بغیر ثابت ہو جاتا ہے جب اس سے وطی کرنا حلال ہو۔''الدرر'' میں جو مکاتبہ کو ام ولد بنانے کے جواز کا ذکر ہے اس سے مراد اس کے عقد کا صحیح ہونا ہے اس سے مراد حلت کا ثبوت نہیں جس طرح''شرنبلالی'' نے اس پر متنبہ کیا ہے۔

30371۔(قولہ: لِأَنَّهَا مِلْكُهُ رَقَبَةً) یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ مکاتبہ لونڈی کے بچے کا دعویٰ کرے تو اس مدعی

(وَلَوْ كَاتَبَ شَخْصٌ أُمَّ وَلَدِهِ أَوْ مُدَبَّرَهُ صَحَّ وَعَتَقَتْ أُمُّ الْوَلَدِ) مَجَّانًا بِمَوْتِهِ بِالِاسْتِيلَادِ (وَسَعَى الْمُدَبَّرُ فِي ثُلُثَيْ قِيمَتِهِ إِنْ شَاءَ أَوْ سَعَى فِي كُلِّ الْبَدَلِ بِمَوْتِ سَيِّدِهِ فَقِيرًا) لَمْ يَتْرُكْ غَيْرَهُ (وَلَوْ دَبَّرَ مُكَاتَبَهُ صَحَّ فَإِنْ عَجَزَ بَقِيَ مُدَبَّرًا

اگر ایک شخص نے اپنی ام ولد یا اپنے مدبر سے عقد مکاتبہ کیا تو یہ عقد صحیح ہوگا اور ام ولد آقا کی میت کی صورت میں بغیر عوض کے آزاد ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ اس کی ام ولد بن چکی تھی اور مدبر اپنی قیمت کے دو تہائی میں سعی کرے گا۔ اگر چاہے گا یا اپنے کل بدل میں سعی کرے گا اگر اس کا آقا فقیر کی حیثیت سے مرجائے اور اس آقا نے کوئی اور مال نہ چھوڑا ہو۔ اگر ایک آقا نے اپنے مکاتب کو مدبر بنا دیا تو یہ صحیح ہے۔ اگر وہ عاجز آجائے تو مدبر رہے گا

سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا مگر جب مکاتبہ تصدیق کرے گی تب نسب ثابت ہوگا۔ کیونکہ ملک مکاتبہ میں آقا کو حقیقت میں کوئی وطی کی کوئی ملکیت حاصل نہیں صرف اسے حق ملک حاصل ہے۔ ''منح''۔

30372۔ (قولہ: بِمَوْتِهِ بِالِاسْتِيلَادِ) پہلی با مصاحبت کی ہے اور دوسری با سببیت کی ہے یعنی وہ لونڈی اور آقا کی موت کے ساتھ بغیر کسی شے کے عوض میں آزاد ہو جائے گی اور اس سے بدل ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ ام ولد ہونے کے واسطے سے آزاد ہو گئی ہے۔ کیونکہ کتابت کے بعد ام ولد ہونے کا حکم باقی رہا ہے۔ کیونکہ دونوں میں کوئی منافات نہیں۔ اولاد اور کمائیاں اس کے لئے سلامت رہیں گی۔ کیونکہ وہ آزاد ہوگی جبکہ وہ مکاتبہ تھی جس طرح آقا اسے اپنی زندگی میں آزاد کر دے۔ ''زیلعی''۔

30373۔ (قولہ: وَسَعَى الْمُدَبَّرُ فِي ثُلُثَيْ قِيمَتِهِ الخ) کیونکہ تدبیر (مدبر بنانا) جو کتابت پر سابق ہے اس کے ساتھ اس کے لئے ایک تہائی خاص اور سلامت ہو چکا ہے پس بدل دو تہائی کے مقابل ہوگا۔ کیونکہ جب ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آزاد کرنا تجزی کو قبول کرتا ہے تو ایک تہائی کے بعد وہ غلام باقی رہا اور اس میں عقد مکاتبہ باقی رہا۔ پس اس کی آزادی کی دو جہتیں متوجہ ہوئیں کتابۃ مؤجلہ اور سعایہ معجلہ۔ پس اس کو اختیار دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ دو بدلوں میں سے اکثر اجل کے اعتبار سے آسان ہے اور دونوں میں سے کم ادا کے اعتبار سے مشکل ہے کیونکہ یہ حال ہے۔ پس اس میں فائدہ ہوگا اگرچہ مال کی جنس متحد ہو۔

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ دونوں میں سے اقل میں سعایت کرے گا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی قیمت کے دو تہائی اور بدل کے دو تہائی میں سے جو کم ہوگا اس میں سعایت کرے گا۔ اس کی مکمل وضاحت ''التبیین'' میں ہے۔

30374۔ (قولہ: لَمْ يَتْرُكْ غَيْرَهُ) اگر وہ خوشحال ہو اس طرح کہ وہ ایک تہائی مال سے وہ نکل آتا ہو تو تدبیر کے ساتھ وہ آزاد ہو جائے گا۔ ''در منتقی''۔

30375۔ (قولہ: وَلَوْ دَبَّرَ مُكَاتَبَهُ) یہ اسکے برعکس ہے جو اسکے ماقبل ہے۔ کیونکہ یہاں تدبیر عقد مکاتبہ کے بعد ہے۔

30376۔ (قولہ: صَحَّ) یعنی تدبیر صحیح ہے کیونکہ وہ اس میں آزادی کو فوراً نافذ کرنے کا مالک ہوتا ہے پس اس میں

وَإِلَّا سَعَى فِي ثُلُثَيْ قِيمَتِهِ) إنْ شَاءَ (أَوْ فِي ثُلُثَيْ الْبَدَلِ بِمَوْتِهِ) أَيْ الْمَوْلَى (مُعْسِرًا) لَمْ يَتْرُكْ غَيْرَهُ (وَإِنْ كَانَ) مَاتَ (مُوسِرًا بِحَيْثُ يَخْرُجُ) الْمُدَبَّرُ (مِنْ الثُّلُثِ عَتَقَ) بِالتَّدْبِيرِ (وَسَقَطَ عَنْهُ بَدَلُ الْكِتَابَةِ، كَمَا لَوْ أَعْتَقَ الْمَوْلَى مُكَاتَبَهُ) فَإِنَّهُ يُعْتَقُ مَجَّانًا لِقِيَامِ مِلْكِهِ (كَاتَبَهُ عَلَى أَلْفٍ مُؤَجَّلٍ ثُمَّ صَالَحَهُ عَلَى نِصْفِهِ

ورنہ وہ اپنی قیمت کے دوتہائی میں سعی کرے گا اگر چاہے یا اپنے بدل کے دوتہائی میں سعی کرے گا جب آقا تنگدستی کی حالت میں مرجائے گا اور اس نے اس کے سوا مال نہ چھوڑا ہو۔ اگر وہ خوشحال مرا ہو اس طرح کہ مدبر ایک تہائی سے نکل جاتا ہو تو مدبر بنانے کے ساتھ آزاد ہو جائے گا اور اس سے بدل کتابت ساقط ہو جائے گا جس طرح آقا اپنے مکاتب کو آزاد کر دے تو وہ بغیر عوض کے آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کی ملکیت قائم ہے۔ آقا نے غلام سے ہزار مؤجل پر مکاتبہ کیا پھر ہزار کے نصف پر

موت کی شرط کے ساتھ معلق کرنے کا مالک ہوگا۔ ''زیلعی''۔

30377۔ (قولہ: وَإِلَّا) یعنی اگر وہ عاجز نہ ہوا گر اس نے آقا کی موت سے قبل اس کا بدل ادا کر دیا تو وہ آزاد ہو جائے گا ورنہ وہ سعی کرے گا۔

30378۔ (قولہ: فِي ثُلُثَيْ قِيمَتِهِ الخ) یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے فرمایا: وہ ان دونوں میں سے اقل میں سعی کرے گا۔ خیار میں اختلاف اس پر مبنی ہے کہ آزاد کرنا یہ تجزی کو قبول کرتا ہے یا قبول نہیں کرتا۔ جہاں تک مقدار کا تعلق ہے تو وہ متفق علیہ ہے۔ کیونکہ کتابت کل رقبہ کے مقابل ہے جب وہ اس سے قبل آزادی میں سے کسی شے کا مستحق نہ تھا جب اس کے بعد وہ بعض رقبہ عوض کے بغیر آزاد ہوگئی تو بدل میں سے اس کا حصہ ساقط ہو گیا جب تدبیر مقدم ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ تدبیر کے ساتھ ایک تہائی اس کے لئے خاص ہو چکا۔ پس بدل اس کے مقابل ہوگا جو اس کے لئے محفوظ نہیں ہوا اور وہ دوتہائی ہے۔ ''زیلعی'' اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کا قول زیادہ ظاہر ہے جس طرح ''مواہب'' میں ہے۔ ''ابوسعود'' نے ''حموی'' سے نقل کیا ہے۔

30379۔ (قولہ: فَإِنَّهُ يُعْتَقُ مَجَّانًا) اس سے بدل کتابت ساقط ہو جائے گا کیونکہ آزادی کے حاصل ہونے کے ساتھ اس نے اپنے اوپر لازم کیا تھا جبکہ وہ اسے اس کے بغیر حاصل ہو چکی۔ اسی طرح آقا ہے وہ آزادی دینے کے ساتھ اس کا مستحق تھا اور بغیر عوض آزاد کرنے کے ساتھ اس سے یہ فوت ہو گیا ہے۔ ''زیلعی''۔

یہ ذہن نشین کرلو۔ ''غایۃ البیان'' میں کہا: صاحب ''ہدایہ'' کا قول مع سلامۃ الاکساب لہ اس سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ اکساب مکاتب کے لئے آزادی کے بعد سلامت رہتے ہیں۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ روایت امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے بعد جو متقدمین ہیں جیسے ''طحاوی''، ''کرخی''، ''ابولیث'' وغیرہم کی کتب میں موجود نہیں۔ پس چاہئے کہ اکساب آقا کے لئے رہیں اور اس کے بعد کہ اس نے اسے آزاد کر دیا ہو جس طرح مکاتب عاجز آجائے تو اس کے بعد وہ آقا کے لئے ہوتے ہیں۔ پھر استدلال میں طویل گفتگو کی ہے۔ میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا شارحین میں سے کسی نے اس

حَالًا صَحَّ) اسْتِحْسَانًا (مَرِيضٌ كَاتَبَ عَبْدَهُ عَلَى أَلْفَيْنِ إِلَى سَنَةٍ فَمَاتَ) الْمَرِيضُ (وَ) الْحَالُ أَنَّ (قِيمَةَ الْمُكَاتَبِ أَلْفُ) دِرْهَمٍ (وَلَمْ تُجِزْ الْوَرَثَةُ التَّأْجِيلَ) وَلَمْ يَتْرُكْ غَيْرَهُ (أَدَّى) الْمُكَاتَبُ (ثُلُثَيْ الْبَدَلِ) وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ ثُلُثَيْ الْقِيمَةِ حَالًا وَالْبَاقِي إِلَى أَجَلِهِ (أَوْ رَدَّ رَقِيقًا) لِقِيَامِ الْبَدَلِ مَقَامَ الرَّقَبَةِ فَتَنْفُذُ فِي ثُلُثِهِ (وَإِنْ كَاتَبَهُ عَلَى أَلْفٍ إِلَى سَنَةٍ

فی الحال اس سے مصالحت کر لی تو بطور استحسان صحیح ہوگا۔ایک مریض ہے اس نے اپنے غلام سے دو ہزار پر سال بھر کے لئے عقد مکاتبہ کیا مریض مر گیا اور حال یہ ہے کہ مکاتب کی قیمت ہزار درہم ہے اور وارثوں نے تاخیر کو جائز قرار نہ دیا اور اس میت نے اس غلام کے علاوہ کوئی مال نہیں چھوڑا مکاتب بدل کے دو تہائی ادا کرے۔امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قیمت کے دو تہائی فی الحال ادا کرے اور باقی اس کی مدت تک ادا کرے۔

سے تعرض کیا ہو جیسے ''معراج''، ''عنایہ'' اور ''کفایہ''۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

30380۔(قولہ: صَحَّ اسْتِحْسَانًا) قیاس یہ ہے کہ وہ صحیح نہ ہو۔ کیونکہ اجل کا عوض مال سے بنانا ہے استحسان کی دلیل یہ ہے کہ مکاتب کے حق میں اجل من وجہ مال ہے۔ کیونکہ یہ ادائیگی پر اسی کے ساتھ قادر ہوتا ہے۔ اور بدل کتابت من وجہ مال نہیں یہاں تک کہ اس کی کفالت صحیح نہیں پس دونوں معتدل ہو گئے۔ ''ابن کمال''۔

30381۔(قولہ: عَلَى أَلْفَيْنِ) ''حقائق'' میں کہا: تقدیر لازم نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ بدل کتابت اس کی قیمت سے زائد ہے۔ ''ابن کمال''۔ اگر دونوں برابر ہوں اس کی صورت یہ ہے کہ بدل ہزار ہے ہزار کے دو تہائی کو پہلے ادا کرنا بالاتفاق واجب ہے جس طرح ''حاشیہ ابو سعود'' میں ''المفتاح'' سے مروی ہے۔

30382۔(قولہ: التَّأْجِيلَ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ مریض نے وارثوں کے حق میں تصرف نہیں کیا مگر تاجیل کے حق میں تصرف کیا ہے پس ان ورثا کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس کو ادا کریں۔ کیونکہ مال کو موخر کرنا وارثوں کے حق میں موخر کرنا ہے۔ اس میں ان وارثوں پر ضرر لاحق ہوتا ہے پس ان کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں۔ ''المبسوط'' میں اسی طرح ہے۔ ''معراج''۔

30383۔(قولہ: وَلَمْ يَتْرُكْ غَيْرَهُ) اس نے اس غلام کے علاوہ مال نہ چھوڑا ہو مگر جب وہ اس کے علاوہ مال کو چھوڑ دے تو یہ بدل اس کے ایک تہائی سے خارج ہوگا۔ اس میں تاجیل صحیح ہوگی۔ کیونکہ وصیت بعینہ صحیح ہے تو اس کی تاجیل بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگی۔ میرے لئے اسی طرح ظاہر ہوا ہے اور ''طحطاوی'' نے اس کی وضاحت کی ہے۔ ''ط''۔

30384۔(قولہ: ثُلُثَيْ الْقِيمَةِ) وہ قیمت ہزار ہے۔

30385۔(قولہ: وَالْبَاقِي إِلَى أَجَلِهِ) یعنی دونوں قولوں کے مطابق دو ہزار میں سے باقی۔ ''ح''۔

30386۔(قولہ: لِقِيَامِ الْبَدَلِ الخ) یہ ان کے قول ادی ثلثی البدل کی تعلیل ہے۔ ''ح''۔

30387۔(قولہ: عَلَى أَلْفٍ) یعنی اس کی قیمت کے نصف پر۔

وَ) الْحَالُ أَنَّ (قِيمَتَهُ أَلْفَانِ وَلَمْ يُجِيزُوا أَدَّى ثُلُثَيْ الْقِيمَةِ حَالًا) وَسَقَطَ الْبَاقِي (أَوْ رَدَّ رَقِيقًا) اتِّفَاقًا لِوُقُوعِ الْمُحَابَاةِ فِي الْقَدْرِ وَالتَّأْخِيرِ فَتَنْفُذُ بِالثُّلُثِ (حُرٌّ قَالَ لِمَوْلَى عَبْدٍ كَاتِبْ عَبْدَكَ فُلَانًا) الْغَائِبَ (عَلَى أَلْفِ دِرْهَمٍ عَلَى أَنِّي إِنْ أَدَّيْتُ إِلَيْكَ أَلْفًا فَهُوَ حُرٌّ فَكَاتَبَهُ الْمَوْلَى عَلَى هَذَا الشَّرْطِ وَقَبِلَ) الْمَوْلَى (ثُمَّ أَدَّى) الْحُرُّ (أَلْفًا عَتَقَ) الْعَبْدُ بِحُكْمِ الشَّرْطِ،

حال یہ ہے کہ اس کی قیمت دو ہزار ہے اور ورثاء نے اسے جائز قرار نہیں دیا تو مکاتب قیمت کے دو تہائی فی الحال ادا کرے اور باقی ماندہ ساقط ہو جائے گا یا وہ غلام کو بالاتفاق لوٹا دے۔ کیونکہ محابات قدر اور تاخیر میں واقع ہوگی پس محابات تہائی میں نافذ ہوگی۔ آزاد آدمی نے غلام کے آقا سے کہا: تو اپنے فلاں غائب غلام کو ہزار درہم پر مکاتب بنا لے اس شرط پر کہ اگر میں تجھے ہزار درہم دوں تو وہ آزاد ہے۔ آقا نے اس شرط پر اس غلام سے عقد مکاتبہ کر لیا اور آقا نے اسے قبول کر لیا پھر آزاد آدمی نے اسے ہزار دے دیا تو غلام شرط کے حکم کی بنا پر آزاد ہو جائے گا۔

30388۔ (قوله: اتِّفَاقًا) اس میں اور پہلی میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں قیمت پر زیادتی پر مریض کا حق تھا یہاں تک کہ وہ کلی طور پر اس کو ساقط کرنے کا مالک تھا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اسے اس کی قیمت کے ساتھ بیچ دے۔ پس اس کو موخر کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ کیونکہ موخر کرنا یہ ساقط کرنے سے اولیٰ ہے۔ یہاں کتابت اس کی قیمت سے اقل پر واقع ہوگی تو اس کی قیمت کے ایک تہائی سے جو زائد ہے اس کو ساقط کرنے کا مالک نہیں اور نہ ہی اس کو موخر کرنے کا مالک ہے۔ کیونکہ وارثوں کا حق اس کے جمیع سے متعلق ہوا ہے۔ پہلی صورت کا معاملہ مختلف ہے۔

30389۔ (قوله: الْغَائِبَ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ مصنف کی کلام میں مسئلہ کی یہی صورت ہے جس طرح سباق و لحاق اس کی شہادت دیتا ہے ورنہ حاضر اس کی مثل ہے۔

30390۔ (قوله: وَقَبِلَ الْمَوْلَى) اس کا صحیح قول یہ ہے: الحر او الرجل جس طرح ''زیلعی'' اور ''منلا مسکین'' نے اس کی تعبیر کی ہے۔ اس کے محشی ''ابو سعود'' نے ''حموی'' سے نقل کرتے ہوئے کہا: یہ اس امر میں صریح ہے کہ مکاتب کے باب میں بیع کی طرح امر کا صیغہ ایجاب نہیں پس اس کی وضاحت کی جانی چاہئے۔

30391۔ (قوله: ثُمَّ أَدَّى الْحُرُّ أَلْفًا) ان کے قول: و قبل الرجل سے یہ مفہوم سامنے آتا ہے۔ اگر وہ قبول نہ کرے اور وہ ہزار دے دے تو آزاد نہیں ہوگا۔ ''الدرر'' سے جو معنی ظاہر ہوتا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ انہوں نے مطلق کلام کی ہے کہ وہ ادائیگی کے ساتھ آزاد ہو جائے گا اور آدمی کے قبول کرنے کی قید کا ذکر نہیں کیا۔ اسی وجہ سے ''عزمیہ'' میں اس قول کے ساتھ مقید کیا ہے: اس کی آزادی ادا کے ساتھ اس امر سے مقید ہے جب ایک آدمی قبول کرے پھر ہزار ادا کر دے جس طرح ''زیلعی'' نے اسے ذکر کیا ہے۔ ''ابو سعود''۔

30392۔ (قوله: عَتَقَ الْعَبْدُ) آزادی مامور کی جانب سے واقع ہوگی۔ اسی طرح اگر اس نے کہا: اپنے غلام سے

وَكَذَا لَوْ لَمْ يَقُلْ إِنْ أَدَّيْت فَأَدَّى يُعْتَقُ اسْتِحْسَانًا لِنُفُوذِ تَصَرُّفِ الْفُضُولِيِّ فِي كُلِّ مَا لَيْسَ بِضَرَرٍ، وَلَا يَرْجِعُ الْحُرُّ عَلَى الْعَبْدِ لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ (وَإِذَا بَلَغَ الْعَبْدَ) هَذَا الْأَمْرُ (فَقَبِلَ صَارَ مُكَاتَبًا) إِنَّمَا يَحْتَاجُ لِقَبُولِهِ

اسی طرح اگر اس نے یہ نہ کہا: اگر میں ادا کر دوں اور ادا کر دیا تو بطور استحسان غلام آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ فضولی کا تصرف ہر اس چیز میں نافذ ہوگا جس میں ضرر نہیں اور آزاد آدمی غلام سے کسی چیز کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ متبرع ہے جب غلام کو یہ امر پہنچا تو اس نے اسے قبول کر لیا تو وہ مکاتب ہو جائے گا اس کے قبول کی ضرورت ہوگی۔

میری جانب سے ہزار کے بدلے میں مکاتبہ کرو۔ یہ صورت مختلف ہوگی اپنے غلام سے میری جانب سے ہزار کے بدلے میں آزاد کر دو تو یہ آزادی آمر کی جانب سے واقع ہوگی۔ دونوں میں فرق ''معراج'' میں مفصل مذکور ہے۔

30393۔ (قولہ: يُعْتَقُ اسْتِحْسَانًا) یہ بطور استحسان آزاد ہوگا بطور قیاس آزاد نہیں ہوگا۔ پہلی کی صورت مختلف ہے پس یہ قیاس واستحسان ہے۔ یہاں قیاس کی وجہ یہ ہے کہ عقد موقوف ہے اور موقوف کا کوئی حکم نہیں اور تعلیق نہیں پائی گئی۔

30394۔ (قولہ: لِنُفُوذِ تَصَرُّفِ الْفُضُولِيِّ) ''الکفایہ'' میں کہا: یہ حکم اس لئے ہے کیونکہ آقا آزادی ثابت کرنے میں اکیلا بااختیار ہوتا ہے اور مکاتب کو قبول کرنے کی ضرورت اس وجہ سے ہوتی ہے۔ کیونکہ بدل واجب ہوتا ہے جب فضولی نے اس کی جانب سے ادا کرنے میں تبرع سے کام لیا تو اس حکم میں کتابت نافذ ہو جائے گی اور غلام پر ہزار کے لازم ہونے کے حق میں موقوف ہوگی۔

30395۔ (قولہ: وَلَا يَرْجِعُ الْحُرُّ عَلَى الْعَبْدِ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ آقا سے مطالبہ کرے گا اور اس سے وہ واپس لے گا جو اس نے ادا کیا اگر اس نے ضمانت کے ساتھ ادا کیا۔ کیونکہ اس کی ضمان باطل ہوگی کیونکہ اس نے غیر واجب کی ضمانت اٹھائی ہے۔ ''زیلعی''۔

30396۔ (قولہ: لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ) یعنی اس کا مقصود حاصل ہو چکا ہے وہ غلام کا آزاد ہونا ہے یہ زیادتی ضروری ہے کیونکہ جب اس نے بعض بدل کو ادا کیا تو جو ادا کیا تھا وہ آقا سے واپس لے گا۔ کیونکہ اس کا مقصود حاصل نہیں ہوتا وہ آزادی ہے خواہ اس نے ضمانت کے ساتھ ادا کی یا ضمانت کے بغیر ادا کی۔ ''شرنبلالیہ''۔

میں کہتا ہوں: یہ زیادتی لازماً محل نظر ہے کیونکہ کلام اس بارے میں ہے کہ غلام سے مطالبہ کیا جائے گا۔ ''تامل''

30397۔ (قولہ: صَارَ مُكَاتَبًا) کیونکہ کتابت اس کی اجازت اور اس کے قبول کرنے پر موقوف ہے پس اس کی اجازت انتہا ہوگی جس طرح اس کا قبول کرنا ابتدا ہوگی۔ اگر غلام نے کہا: میں اسے قبول نہیں کرتا تو اس کی جانب سے اس آدمی نے رقم ادا کر دی جس نے اس کی جانب سے عقد مکاتبہ کیا تھا تو یہ مکاتبہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ عقد اس کے ادا کرنے سے رد ہو گیا ہے اگر اس آدمی نے ضمانت اٹھائی تو اسے کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ بدل کتابت کی ضمانت جائز نہیں ہوتی۔ ''زیلعی''۔

30398۔ (قولہ: إِنَّمَا يَحْتَاجُ لِقَبُولِهِ الخ) اس پر بدل کے لازم ہونے میں عقد مکاتبہ موقوف رہے گا کیونکہ یہ بدل

لِأَجْلِ لُزُومِ الْبَدَلِ عَلَيْهِ (قَالَ عَبْدٌ حَاضِرٌ لِسَيِّدِهِ كَاتِبْنِي عَلَى نَفْسِي وَعَنْ فُلَانٍ الْغَائِبِ فَكَاتَبَهُمَا فَقَبِلَ الْعَبْدُ الْحَاضِرُ صَحَّ) الْعَقْدُ اسْتِحْسَانًا فِي الْحَاضِرِ أَصَالَةً وَالْغَائِبِ تَبَعًا (وَأَيُّهُمَا أَدَّى بَدَلَ الْكِتَابَةِ عَتَقَا جَمِيعًا) بِلَا رُجُوعٍ (وَيُجْبَرُ الْمَوْلَى عَلَى الْقَبُولِ) لِلْبَدَلِ مِنْ أَحَدِهِمَا

کیونکہ بدل اس پر لازم ہو رہا ہے۔ موجود غلام نے اپنے آقا سے کہا: مجھ سے میری ذات اور فلاں غائب کی جانب سے عقد مکاتبہ کرلو اس آقا نے دونوں سے عقد مکاتبہ کرلیا تو موجود غلام نے اس کو قبول کرلیا تو عقد بطور استحسان موجود میں اصالۃً اور غائب میں تبعاً صحیح ہو جائے گا۔ اور جس نے بھی بدل کتابت ادا کر دیا تو بغیر رجوع کے دونوں آزاد ہو جائیں گے۔ اور آقا کو دونوں میں سے ایک سے بدل قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

اس کے قبول کرنے پر موقوف ہے جس طرح ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

30399۔ (قولہ: عَلَى نَفْسِي) ''التبیین'' کی عبارت اسی طرح ہے۔ زیادہ بہتر علی کی جگہ عن کا ذکر کرنا ہے جس طرح ''الہدایہ'' وغیرہا میں ہے۔

30400۔ (قولہ: صَحَّ الْعَقْدُ اسْتِحْسَانًا) قیاس یہ ہے کہ اس کی ذات کی جانب سے عقد مکاتبہ صحیح ہو۔ کیونکہ اسے اپنی ذات پر ولایت حاصل ہے اور غائب غلام کے حق میں موقوف ہو۔ کیونکہ اسے غائب پر ولایت حاصل نہیں۔ ''ہدایہ''۔

30401۔ (قولہ: فِي الْحَاضِرِ أَصَالَةً الخ) ''زیلعی'' نے کہا: استحسان کی دلیل یہ ہے کہ آقا نے حاضر کو قصداً خطاب کیا ہے اور غائب کو اس کی تبع میں رکھا ہے اور عقد مکاتبہ اس طریقہ سے مشروع ہے۔ جیسے لونڈی سے جب اس سے عقد مکاتبہ کیا جائے تو اس کے عقد مکاتبہ میں اس کا وہ بچہ داخل ہو جاتا ہے جو عقد مکاتبہ میں پیدا ہوا ہو اور جس بچے کو عقد مکاتبہ میں خریدا جائے اور جسے عقد میں اس مکاتبہ کے ساتھ ملایا جائے وہ اس کی تبع میں ہوتا ہے یہاں تک اس کی ادائیگی کے ساتھ سب آزاد ہو جاتے ہیں اور بدل میں سے کوئی شے ان پر لازم نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ حاضر غلام کی ادائیگی کے ساتھ عتق کو معلق کیا گیا ہے اور غائب کے حق میں آقا منفرد ہے۔ پس توقف کے بغیر اور غائب کی جانب سے قبول کیے بغیر عقد جائز ہو جائے گا۔

میں کہتا ہوں: دوسری تعلیل میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ غائب کی ادائیگی کے ساتھ وہ آزادی حاصل کر لیتا ہے اسی طرح حاضر کو آقا بری کر دے تب بھی وہ آزادی حاصل کر لیتا ہے۔ ''تامل''۔

30402۔ (قولہ: بِلَا رُجُوعٍ) یعنی ہر ایک اپنے ساتھی سے رجوع نہیں کرے گا۔ کیونکہ حاضر نے وہ دین ادا کیا ہے جو اس کے ذمہ تھا اور غائب اس میں تبرع کرنے والا ہے اس پر مجبور نہیں۔ ''ہدایہ''۔

30403۔ (قولہ: مِنْ أَحَدِهِمَا) جہاں تک حاضر کا تعلق ہے بدل اس کے ذمہ تھا۔ جہاں تک غائب کا تعلق ہے تو وہ کیونکہ اس کے ذریعے آزادی کا شرف حاصل کر لیتا ہے اگرچہ بدل اس پر لازم نہیں ہوتا اور وہ دین عاریۃً دینے والے کی

(وَلَا یُطَالَبُ) الْعَبْدُ (الْغَائِبُ بِشَیْءٍ) لِعَدَمِ الْتِزَامِهِ (وَقَبُولُهُ) لِلْکِتَابَةِ (لَغْوٌ) لَا یُعْتَبَرُ (کَرَدِّهِ إِیَّاهَا) وَلَوْ حَرَّرَهُ سَقَطَ عَنْ الْحَاضِرِ حِصَّتُهُ، وَلَوْ حَرَّرَ الْحَاضِرُ أَوْ مَاتَ أَدَّی الْغَائِبُ حِصَّتَهُ حَالًا وَإِلَّا رُدَّ قِنًّا،

اور غائب غلام سے کسی شے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے کسی شے کو اپنے اوپر لازم نہیں کیا۔ اور اس کا کتابت کو قبول کرنا لغو ہوگا جس طرح اس کا ادا کرنا لغو ہوگا۔ اگر آقا نے اسے آزاد کر دیا تو حاضر سے اس کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔ اگر حاضر کو آزاد کر دیا یا مر گیا غائب اپنا حصہ فی الحال ادا کرے ورنہ اسے بطور غلام لوٹا دیا جائے گا۔

طرح ہو گیا جب وہ دین ادا کرتا ہے۔''ہدایہ''۔

30404۔(قولہ: لَا یُعْتَبَرُ) اس کے مطالب ہونے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔''الدرر'' میں کہا: اس سے کوئی شے نہ لی جائے گی۔ کیونکہ عقد حاضر پر نافذ ہوا ہے۔ یعنی توقف کے بغیر اور غائب کی جانب سے قبول کے بغیر عقد نافذ ہو جائے گا۔ جس طرح قول گزر چکا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کے ساتھ اس میں سابقہ مسئلہ میں فرق ظاہر ہو گیا۔ کیونکہ پہلے ذکر کیا ہے جب امر غلام کو پہنچا اور اس نے قبول کر لیا تو وہ مکاتب ہو جائے گا یعنی اس پر بدل کے نافذ ہونے میں عقد مکاتبہ نافذ ہو جائے گا جس طرح ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ فتدبر۔''وانی'' نے اس میں توقف کیا ہے اور''نوح آفندی'' نے اسے ثابت رکھا ہے جس طرح''ابوسعود'' نے یہ ذکر کیا ہے۔

30405۔(قولہ: وَلَوْ حَرَّرَهُ) یعنی اگر غائب کو آزاد کر دیا۔

30406۔(قولہ: سَقَطَ عَنْ الْحَاضِرِ حِصَّتُهُ) یعنی بدل میں سے اس کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ غائب عقد میں بطور مقصود داخل ہوا ہے۔ پس بدل منقسم ہوگا اگرچہ اس سے اس کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس بچے کا معاملہ مختلف ہے جو عقد مکاتبہ کے دوران پیدا ہو۔ کیونکہ اس بچہ کے آزاد ہونے سے ماں سے کوئی شے ساقط نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ عقد مکاتبہ میں بطور مقصود داخل نہیں ہوا اور وہ عقد کے روز موجود نہیں تھا وہ اس کے بعد بطور تبع داخل ہوا ہے۔''زیلعی''۔

30407۔(قولہ: أَدَّی الْغَائِبُ حِصَّتَهُ حَالًا وَإِلَّا رُدَّ قِنًّا) کیونکہ یہ غلام بطور مقصود عقد مکاتبہ میں داخل ہوا ہے عقد مکاتبہ میں موجود کا معاملہ مختلف ہے یہاں تک کہ وہ اپنے باپ کی اقساط پر باقی رہے گا جب وہ مر جائے۔''الدرر'' میں اسی طرح ہے۔

اگر تو یہ کہے: یہ اس کے منافی ہے جو قول پہلے گزر چکا ہے کہ وہ عقد میں تبعاً داخل ہے۔

میں کہوں گا: اس کی طرف عقد کے مضاف ہونے کی وجہ سے اصیل ہے اور اس کے عقد میں بالمشافہ نہ ہونے کی وجہ سے تبع ہے۔ کتابت میں موجود کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ ہر اعتبار سے تبع ہے کیونکہ وہ عقد کے وقت موجود نہیں تھا۔''العنایہ'' سے اسی طرح ماخوذ ہوا ہے۔''ح''۔

وَلَوْ أَبْرَأَ الْحَاضِرُ أَوْ وَهَبَهُ لَهُ عَتَقَا جَمِيعًا (وَإِنْ كَاتَبَ الْأَمَةَ عَلَى نَفْسِهَا وَعَنْ ابْنَيْنِ صَغِيرَيْنِ لَهَا) وَقَبِلَتْ (صَحَّ) اسْتِحْسَانًا لِمَا مَرَّ (وَأَيٌّ أَدَّى) مِمَّنْ ذُكِرَ (لَمْ يَرْجِعْ) عَلَى الْآخَرِ لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ، وَيُجْبَرُ الْمَوْلَى عَلَى الْقَبُولِ إِلَى آخِرِ مَا مَرَّ

اگر آقا نے حاضر کو بدل سے بری کر دیا یا وہ اسے ہبہ کر دیا تو دونوں آزاد ہو جائیں گے۔ اگر آقا نے لونڈی سے اس کی ذات اور اس کے دو چھوٹے بیٹوں سے عقد مکاتبہ کیا اور اس لونڈی نے اس عقد کو قبول کر لیا تو بطور استحسان عقد مکاتبہ صحیح ہوگا۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے جن کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے جو بھی ادا کرے تو وہ دوسرے سے واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ متبرع ہے اور آقا کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا آخر تک جو گزر چکا ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے پہلے جو ''زیلعی'' سے بیان کیا ہے اس سے بھی یہی ماخوذ ہے۔

30408۔(قولہ: وَلَوْ أَبْرَأَ الْحَاضِرُ أَوْ وَهَبَهُ لَهُ عَتَقَا) یعنی بدل حاضر کو ہبہ کر دیا اور حاضر کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر وہ غائب کو بری کرے یا اسے ہبہ کرے تو یہ صحیح نہیں ہوگا کیونکہ یہ اس پر واجب نہیں جس طرح ''التبیین'' میں ہے۔

30409۔(قولہ: إِنْ كَاتَبَ الْأَمَةَ الخ) غلام میں حکم اسی طرح ہے بڑے بیٹوں میں حکم اسی طرح ہے۔ لونڈی اور اس کے چھوٹے بچوں کی قید کا فائدہ ''معراج'' میں مفصل موجود ہے۔

30410۔(قولہ: صَحَّ اسْتِحْسَانًا) بعض مشائخ اس طرف گئے ہیں۔ یہاں قیاس اور استحسان ہے۔ کیونکہ بچے اس ماں کے تابع ہیں۔ اجنبی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ استحسان ہے قیاس نہیں۔ ''العنایہ'' میں کہا: میں خیال کرتا ہوں کہ یہ حق ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

30411۔(قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی جو تبعیت کا ذکر گزر چکا ہے لونڈی اصل ہے اور اس کی اولاد اس کی تبع میں ہے۔ بلکہ یہ اجنبی سے اولیٰ ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔ یہ ولایت کے طریقہ سے نہیں ہے۔ کیونکہ آزاد عورت کو اپنی اولاد پر ولایت حاصل نہیں تو لونڈی کو کیسے ولایت حاصل ہوگی۔ ''الاتقانی''۔

30412۔(قولہ: مِمَّنْ ذُكِرَ) یعنی ماں اور دونوں بیٹے جب بڑے ہوں۔ ''اتقانی''۔

30413۔(قولہ: إِلَى آخِرِ مَا مَرَّ) ''زیلعی'' نے کہا: اولاد کا کتابت کو قبول کرنا اور ان کا اسے ادا کرنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر آقا ماں کو آزاد کر دے تو ان بچوں کے حصہ کے مطابق ان پر بدل کتابت باقی رہے گا جسے وہ فی الحال ادا کریں گے۔ اس بچے کا معاملہ مختلف ہے جو عقد مکاتبہ کے دوران پیدا ہوا اور اسے خریدا گیا۔ کیونکہ وہ بچہ اس ماں کے آزاد ہونے سے آزاد ہو جاتا ہے اور آقا ماں سے بدل کا مطالبہ کرے گا نہ کہ ان سے مطالبہ کرے گا۔ اگر وہ ان کو آزاد کر دے تو ماں سے ان کا حصہ ساقط ہو جائے گا اور اس ماں پر باقی ماندہ اس کی اقساط پر قائم رہے گا۔ اگر وہ کوئی چیز کمائیں گے تو آقا کو حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ لے اور نہ ہی اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ انہیں بیچ دے۔ اگر وہ ان بچوں کو دین سے بری کر دے یا انہیں ہبہ کر

فَرْعٌ كَاتَبَ نِصْفَ عَبْدِهِ فَأَدَّى الْكِتَابَةَ عَتَقَ نِصْفُهُ وَسَعَى فِي بَقِيَّةِ قِيمَتِهِ وَقَالَا الْعَبْدُ كُلُّهُ مُكَاتَبٌ عَلَى ذَلِكَ الْمَالِ، وَبِهِ نَأْخُذُ حَاوِي الْقُدْسِيُّ

فرع: اپنے غلام کے نصف سے عقد مکاتبہ کیا غلام نے بدل مکاتبہ ادا کر دیا تو اس کا نصف آزاد ہو جائے گا اور اپنی باقی ماندہ قیمت میں سعایت کرے گا۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے کہا: غلام مکمل کا مکمل اس مال پر مکاتب ہے ہم اس کو اپناتے ہیں۔ ''حاوی القدسی''۔

دے تو یہ صحیح ہوگا اور ماں کے لئے ایسا کرنا صحیح ہوگا۔ وہ ماں آزاد ہوگی اور وہ بچے بھی اس کے ساتھ آزاد ہو جائیں گے۔ اس کی دلیل وہی ہے جو ہم نے حاضر کی غائب کے ساتھ عقد مکاتبہ میں ذکر کیا ہے۔

30414۔ (قولہ: فَرْعٌ) کتاب کے شروع میں دونوں جگہوں میں سے ہر ایک میں دوسری جگہ پر جو زیادتی ہے اس کے ساتھ گزر چکی ہے۔ ''ح''۔

30415۔ (قولہ: وَسَعَى فِي بَقِيَّةِ قِيمَتِهِ) ادائیگی سے پہلے جو اس نے کمایا اس کا نصف اس کے لئے ہوگا اور اس کا نصف آقا کے لئے ہوگا کیونکہ اس کا نصف مکاتب ہے اور اس کا نصف رقیق ہے۔ یہ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے کیونکہ آپ کے نزدیک کتابت تجزی کو قبول کرتی ہے۔ ''بدائع''۔

''ہندیہ'' میں ہے: اگر آقا اس سے خریدے تو نصف میں جائز ہے اگر وہ غلام آقا سے خریدے تو کل میں جائز ہے یہ بطور استحسان ہے جس طرح سے اگر کسی اور سے خریدے تو یہ جائز ہے۔

یہاں قیاس مقدم ہے

قیاس میں ہے یہ جائز نہیں مگر نصف میں جائز ہے قیاس کو اپنایا گیا۔ ''مبسوط'' میں اسی طرح ہے۔

بَابُ كِتَابَةِ الْعَبْدِ الْمُشْتَرَكِ

(عَبْدُ الشَّرِيكَيْنِ أَذِنَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ) فِي (أَنْ يُكَاتِبَ حَظَّهُ بِأَلْفٍ وَيَقْبِضَ بَدَلَ الْكِتَابَةِ فَكَاتَبَ الشَّرِيكُ الْمَأْذُونَ لَهُ نَفَذَ فِي حَظِّهِ فَقَطْ) عِنْدَ الْإِمَامِ لِتَجَزِّي الْكِتَابَةِ عِنْدَهُ وَلَيْسَ لِشَرِيكِهِ فَسْخُهُ لِإِذْنِهِ (وَإِذَا أَقْبَضَ بَعْضَهُ)

مشترک غلام کا عقد مکاتبہ

دو شریکوں کا ایک غلام ہے ان دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی کو اجازت دی کہ وہ اپنے حصہ پر ہزار کے بدلے میں عقد مکاتبہ کرلے اور بدل کتابت پر قبضہ کرلے جس شریک کو اجازت دی گئی تھی اس نے عقد مکاتبہ کرلیا تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف اس کے حصہ میں عقد نافذ ہوگا۔ کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کتابت تقسیم کو قبول کرتی ہے۔ اس کے شریک کو عقد مکاتبہ فسخ کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے عقد مکاتبہ کی اجازت دی تھی جب ہزار کے بعض پر قبضہ کرلیا

اس باب کو مؤخر کیا کیونکہ اصل اشتراک کا نہ ہونا ہے۔ ''اتقانی''۔ دوسرے علماء نے کہا: کیونکہ دو ایک کے بعد بعد ہوتا ہے۔

30416_(قولہ: لِصَاحِبِهِ) یعنی اپنے دوسرے شریک کو۔

30417_(قولہ: حَظَّهُ) یعنی ماذون کا حصہ۔ ''کفایہ''۔

30418_(قولہ: وَيَقْبِضَ) ''زیلعی'' نے کہا: کتابت کے اذن کا فائدہ یہ ہے کہ اسے فسخ کا حق نہیں ہوتا۔ جیسے جب وہ اجازت نہ دے (تو اسے فسخ کا حق ہوتا ہے) قبضہ کرنے کی اجازت کا فائدہ یہ ہے کہ جس پر اس نے قبضہ کیا ہے اس میں اس کا حق منقطع ہوجاتا ہے۔ شارح عنقریب اس کی طرف اشارہ کریں گے۔

اپنے حصہ کی کتابت کا اذن یہ کل کی کتابت کا اذن ہے

30419_(قولہ: عِنْدَ الْإِمَامِ) ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ تجزی کو قبول کرتا ہے اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک یہ تجزی کو قبول نہیں کرتا۔ اپنے حصہ کی کتابت کا اذن یہ کل کی کتابت کا اذن ہے وہ بعض میں اصیل ہے بعض میں وکیل ہے اور جس پر قبضہ کیا گیا ہے وہ مشترک ہے۔ اور عجز کے بعد صورتحال اسی طرح رہے گی جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔

30420_(قولہ: لِإِذْنِهِ) جب اس نے اپنے شریک کی اجازت کے بغیر مکاتبہ کیا تو اس کا حصہ مکاتب ہوگا اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک اس کا تمام کا تمام مکاتب ہوگا۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ اور جو خاموش رہا اس کو ادائیگی سے پہلے فسخ کرنے کا بالاتفاق حق ہے تاکہ اپنے آپ سے ضرر کو دور کرے اگر وہ اپنا حصہ بیچ دے تو معاملہ مختلف ہوگا کیونکہ اب کوئی ضرر نہیں۔ عتق اور شرط کے ساتھ معلق کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ فسخ کو قبول نہیں کرتا۔ اگر اس نے

بَعْضَ الْأَلْفِ (فَعَجَزَ فَالْمَقْبُوضُ) كُلُّهُ (لِلْقَابِضِ) لِأَذْنِهِ لَهُ بِالْقَبْضِ فَيَكُونُ مُتَبَرِّعًا، وَلَوْ قَبَضَ الْأَلْفَ عَتَقَ حَظُّ الْقَابِضِ (أَمَةٌ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ كَاتَبَاهَا فَوَطِئَهَا أَحَدُهُمَا فَوَلَدَتْ فَادَّعَاهُ) الْوَاطِئُ (ثُمَّ وَطِئَهَا الشَّرِيكُ) الْآخَرُ فَوَلَدَتْ فَادَّعَاهُ) الْوَاطِئُ الثَّانِي صَحَّتْ دَعْوَتُهُ لِقِيَامِ مِلْكِهِ ظَاهِرًا

اور وہ عاجز آ گیا تو تمام کا تمام مقبوض قابض کا ہوگا۔ کیونکہ اسے قبضہ کرنے کا اذن ہے تو وہ تبرع کرنے والا ہے اگر وہ ہزار پر قبضہ کرے تو قابض کا حصہ آزاد ہوگا۔ ایک لونڈی ہے جو دو شریکوں کی ملکیت میں ہے دونوں نے اس سے عقد مکاتبہ کیا تو دونوں میں سے ایک نے اس سے وطی کی تو اس نے بچہ جن دیا تو وطی کرنے والے نے اس کے بچے کے نسب کا دعویٰ کر دیا پھر اس سے دوسرے شریک نے اس کے ساتھ وطی کی اس نے بچہ جن دیا تو دوسرے واطی نے اس کے نسب کا دعویٰ کر دیا اس کا دعویٰ صحیح ہوگا۔ کیونکہ ظاہراً اس کی ملک قائم ہے۔

بدل ادا کر دیا تو اس کا حصہ خاص طور پر آزاد ہو جائے گا۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ اور جو خاموش رہا تھا اس کو حق حاصل ہے اس سے نصف بدل لے لے جس سے عقد مکاتبہ کیا تھا اور بدل لیا تھا۔ اس کی مکمل وضاحت ''التبیین'' میں ہے۔

30421۔ (قولہ: بَعْضَ الْأَلْفِ) یہ ان کے قول بعضہ کا بدل ہے۔

30422۔ (قولہ: لِأَذْنِهِ لَهُ بِالْقَبْضِ) ''زیلعی'' نے کہا: کیونکہ اسے قبضہ کی اجازت دینا یہ غلام کو اجازت دینا ہے کہ وہ بدل ادا کر دے۔ پس وہ مکاتب پر اپنے حصہ کے ساتھ تبرع کرنے والا ہوتا ہے۔ پس مکاتب اس کے ساتھ خاص ہو جائے گا جب اس نے اپنا دین اس کے ساتھ ادا کر دیا تو قابض اس کے ساتھ خاص ہو جائے گا اور تمام کا تمام اس کے لئے خاص ہو جائے گا۔

30423۔ (قولہ: فَيَكُونُ مُتَبَرِّعًا) یعنی عبد مکاتب پر وہ تبرع کرنے والا ہوگا جس طرح تو نے ''زیلعی'' کی عبارت سے سن لیا ہے۔ ''الاصلاح'' اور ''الدرر'' میں ہے: علی القابض یعنی علی العبد المکاتب کی بجائے علی القابض ہے۔ ''عزمیہ'' میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ صحیح نہیں۔

میں کہتا ہوں: کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ ''کفایہ'' میں ہے: کیوں کہ کہا: پس اجازت دینے والا کمائی میں سے اپنے حصہ کو غلام پر تبرع کرنے والا ہوگا۔ پھر شریک پر تبرع و احسان کرنے والا ہوگا۔ جب شریک کے قبضہ کرنے کے ساتھ تبرع مکمل ہو جائے تو وہ مطالبہ نہیں کرے گا۔

30424۔ (قولہ: عَتَقَ حَظُّ الْقَابِضِ) وہ اپنے شریک کا ضامن نہیں ہوگا کیونکہ اس نے یہ عمل اس کی رضا سے کیا ہے لیکن غلام خاموش کے حصہ میں سعی کرے گا ''عزمیہ'' نے ''کافی'' سے نقل کیا ہے۔

خِلَافًا لَهُمَا (فَإِنْ عَجَزَتْ) بَعْدَ ذَلِكَ جُعِلَتِ الْكِتَابَةُ كَأَنْ لَمْ تَكُنْ، وَحِينَئِذٍ (فَهِيَ) فِي الْحَقِيقَةِ (أُمُّ وَلَدٍ لِلْأَوَّلِ) لِزَوَالِ الْمَانِعِ مِنَ الِانْتِقَالِ وَوَطْؤُهُ سَابِقٌ (وَضَمِنَ) الْأَوَّلُ (لِشَرِيكِهِ نِصْفَ قِيمَتِهَا

''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر اس کے بعد وہ عاجز آ جائے تو کتابت کو یوں بنا دیا جائے گا گویا وہ تھی ہی نہیں۔ اس وقت وہ حقیقت میں پہلے کی ام ولد ہوگی۔ کیونکہ انتقال سے جو چیز مانع تھی وہ زائل ہو چکی اور اس کی وطی پہلے ہے اور پہلا اپنے شریک کے لئے اس کی قیمت کے نصف

کیا مکاتبہ کا استیلاد تجزی کو قبول کرتا ہے؟

30425۔ (قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) کیونکہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک دوسرے کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔

یہ چیز ذہن نشین کرلو کہ علماء نے تمام کتب میں ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کا اختلاف مسئلہ کے مکمل ہونے یعنی اس قول وھو ابنہ کے بعد ذکر کیا ہے۔ شارح نے اسے مقدم ذکر کیا ہے۔ پس یہ وہم دلاتا ہے کہ دوسرے شریک سے نسبت کے ثبوت میں کوئی اختلاف نہیں حالانکہ معاملہ اس طرح نہیں۔ ''عینی'' وغیرہ نے کہا ہے: یہ سب امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک یہ پہلے کی ام ولد ہے اور یہ کلی طور پر مکاتبہ ہے۔ امام ''ابویوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر اس کی قیمت کا نصف اس کے شریک کے لئے لازم ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی قیمت کے نصف اور بدل کتابت میں سے جو باقی بچہ ہے اس کے نصف میں سے جو اقل ہوگا وہ لازم ہوگا اور دوسرے شریک سے دوسرے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی بچہ قیمت کے بدلے میں ہوگا اور وہ اس لونڈی کے لئے عقر کی چٹی بھرے گا۔ یہ اختلاف اس اختلاف پر مبنی ہے کہ مکاتبہ کا استیلاد تجزی کو قبول کرتا ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تجزی کو قبول کرتا ہے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک تجزی کو قبول نہیں کرتا اور لونڈی کا ام ولد ہونا یہ بالاجماع تجزی کو قبول نہیں کرتا اور والدہ کا ام ولد ہونا بالاجماع تجزی کو قبول کرتا ہے۔

30426۔ (قولہ: بَعْدَ ذَلِكَ) یعنی دو وطیوں اور دو دعووں کے بعد۔

30427۔ (قولہ: لِزَوَالِ الْمَانِعِ) یعنی انتقال سے جو مانع ہے وہ زائل ہو چکا ہے وہ مکاتبہ ہے یعنی اس کی طرف مکمل طور پر استیلاد کے انتقال سے جو مانع ہے وہ زائل ہو چکا ہے جبکہ مقتضی قائم ہے۔ پس مقتضی اپنا عمل اپنے پائے جانے کے وقت سے عمل کرے گا جیسے بائع کے لئے بیع جو خیار شرط کے ساتھ ہو جب وہ خیار کو ساقط کر دے تو اس کے وجود کے وقت میں ملکیت ثابت ہو جائے گی۔ ''زیلعی''۔

30428۔ (قولہ: وَوَطْؤُهُ سَابِقٌ) جو اعتراض کیا جا سکتا تھا یہ اس کا جواب ہے: ہر ایک کو اس میں ملکیت حاصل تھی ہر ایک نے وطی کی اور دعویٰ کیا پس پہلے کے اختصاص کا مرجع کون ہے اس حیثیت میں کہ وہ اسی کی ام ولد ہے؟ ''ط''۔

30429۔ (قولہ: وَضَمِنَ لِشَرِيكِهِ نِصْفَ قِيمَتِهَا) یعنی اس حال میں کہ وہ مکاتبہ ہے کیونکہ وہ اس کے حصہ کا

وَنِصْفَ عُقْرِهَا وَضَمِنَ شَرِيكُهُ عُقْرَهَا) كَامِلًا لِوَطْئِهِ أُمَّ وَلَدِ الْغَيْرِ حَقِيقَةً (وَقِيمَةَ الْوَلَدِ) أَيْضًا (وَهُوَ ابْنُهُ) لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمَغْرُورِ (وَأَيٌّ) مِنَ الشَّرِيكَيْنِ (دَفَعَ الْعُقْرَ إِلَى الْمُكَاتَبَةِ صَحَّ) أَيْ قَبْلَ الْعَجْزِ لِاخْتِصَاصِهَا بِمَنَافِعِهَا فَإِذَا عَجَزَتْ

اور اس کے عقر کے نصف کا ضامن ہوگا اور اس کا شریک اس کے کامل عقر کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے حقیقت میں غیر کی ام ولد سے وطی کی اور بچے کی قیمت کا بھی ضامن ہوگا جبکہ وہ اس کا بیٹا ہے۔ کیونکہ وہ مغرور کے قائم مقام ہے۔ دونوں شریکوں میں سے جس شریک نے عقر مکاتبہ کو دے دیا تو یہ صحیح ہوگا یعنی اس کے عاجز آنے سے پہلے دیا تو صحیح ہے۔ کیونکہ وہ اپنے منافع کے ساتھ خاص ہے جب وہ عاجز آ جائے

مالک بنا ہے جب اس نے کلی طور پر اسے ام ولد بنایا ہے۔ ''درر''۔ ''شرنبلالیہ'' میں ''الفتح'' سے مروی ہے: مکاتب کی قیمت غلام کی حیثیت سے اس کی جو قیمت ہوتی ہے اس کا نصف ہوگی کیونکہ مکاتب تصرف کے اعتبار سے آزاد ہے اور رقبہ کی حیثیت سے غلام ہے۔

30430۔ (قولہ: وَنِصْفَ عُقْرِهَا) کیونکہ اس نے مشترک لونڈی سے وطی کی ہے۔ پس تمام کا تمام عقر اس پر واجب ہوگا پھر جب وہ لونڈی بدل مکاتبہ دینے سے عاجز آ گئی تو اس کا حصہ اس سے ساقط ہو جائے گا اور اس کے ساتھی کا حصہ باقی رہ جائے گا۔ ''اتقانی''۔

30431۔ (قولہ: لِوَطْئِهِ أُمَّ وَلَدِ الْغَيْرِ حَقِيقَةً) یہ قول اس پر مبنی ہے جو گزر چکا ہے کہ جب لونڈی بدل مکاتبہ دینے سے عاجز آ گئی تو مانع کے زائل ہونے کی وجہ سے پہلے کے لئے ام ولد ہونا مکمل ہو گیا۔

30432۔ (قولہ: لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمَغْرُورِ) کیونکہ اس نے لونڈی کے ساتھ وطی اس گمان پر کی تھی کہ وہ اس کی ملک کے حکم پر ہے۔ عجز اور کتابت کے باطل ہونے کے ساتھ یہ امر ظاہر ہو گیا کہ اس کی اس لونڈی میں کوئی ملکیت نہیں۔ مغرور کا ولد اس سے ثابت نسب والا ہوتا ہے اور قیمت کے ساتھ آزاد ہوتا ہے۔ ''زیلعی''۔ بعض شارحین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ دوسرے کی ضمان قیمت ہوگی۔ یہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کا قول ہے۔ کیونکہ ام ولد کا ولد امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قیمت کے نہ لگانے میں ماں کی طرح ہے۔

''حموی'' نے کہا: یہ ممنوع ہے شارحین نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اتفاق کیا ہے اس میں جو انتہائی بات کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر یہ اشکال کا باعث ہے۔

آپ کی جانب سے جواب دیا گیا کہ ان دونوں کے تقدم میں آپ سے دو روایتیں مروی ہیں اور احسن وہ ہے ''المبسوط'' میں جس کے ساتھ جواب دیا گیا ہے جس طرح بعض علماء نے نقل کیا ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ام ولد کے بچے کی قیمت نہ لگانا یہ ام ولد کے ثبوت کے بعد ہے اور بچے میں یہ ثابت نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ اصلاً آزاد ہے۔ اسی وجہ سے قیمت کے

تَرُدُّهُ لِلْمَوْلَى (وَإِنْ دَبَّرَ الثَّانِي وَلَمْ يَطَأْهَا) وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا (فَعَجَزَتْ بَطَلَ التَّدْبِيرُ وَضَمِنَ الْأَوَّلُ لِشَرِيكِهِ نِصْفَ قِيمَتِهَا وَنِصْفَ عُقْرِهَا، وَالْوَلَدُ لِلْأَوَّلِ) وَهِيَ أُمُّ وَلَدِهِ (وَإِنْ كَاتَبَاهَا فَحَرَّرَهَا أَحَدُهُمَا مُوسِرًا فَعَجَزَتْ ضَمِنَ الْمُعْتِقُ لِشَرِيكِهِ نِصْفَ قِيمَتِهَا وَرَجَعَ الضَّامِنُ بِهِ عَلَيْهَا)

تو وہ عقر اپنے آقا کو لوٹا دے گی اگر دوسرے نے اسے مدبر بنا دیا اور اس سے وطی نہ کی مسئلہ اپنی حالت پر رہا تو وہ عاجز آ گئی تو تدبیر باطل ہو جائے گی اور اول اپنے ساتھی کے لئے اس کی قیمت کے نصف اور اس کے عقر کے نصف کا ضامن ہوگا اور بچہ پہلے کا ہوگا۔ جبکہ وہ اس کی ام ولد ہو گی۔ اگر دونوں نے اس سے عقد مکاتبہ کیا اور دونوں میں سے ایک نے خوشحالی کی حالت میں اسے آزاد کر دیا تو وہ عاجز آ گئی تو آزاد کرنے والا اپنے شریک کے لئے اس کی قیمت کے نصف کا ضامن ہوگا اور اس کی ضمانت اٹھانے والا اس لونڈی سے اس کا مطالبہ کرے گا۔

ساتھ اس کی ضمانت دی جاتی ہے۔

30433۔(قولہ: تَرُدُّهُ لِلْمَوْلَى) یعنی عقر واپس کر دے۔ کیونکہ اس کا اس لونڈی کے ساتھ اختصاص ظاہر ہو چکا ہے۔''زیلعی''۔

30434۔(قولہ: وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا) یعنی دونوں نے اس سے عقد مکاتبہ کیا اور پہلے نے وطی کی اور اس نے بچہ جنم دیا اور اس بچے کے نسب کا دعویٰ کر دیا۔

30435۔(قولہ: بَطَلَ التَّدْبِيرُ) کیونکہ تدبیر نے ملک کو نہیں پایا۔ جہاں تک''صاحبین'' رحمہما اللہ کے ہاں اس کا معاملہ ہے تو وہ ظاہر ہے۔ کیونکہ ام ولد بنانے والا عجز سے قبل اس کا مالک ہے۔ جہاں تک''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس کا معاملہ ہے کیونکہ عجز کے ساتھ یہ واضح ہو چکا ہے کہ وہ اپنے حصہ کا وطی کے وقت سے مالک بن چکا ہے پس یہ واضح ہو گیا کہ وہ غیر کی ملکیت کو پانے والا ہے۔ اور تدبیر کا انحصار ملک پر ہے۔ نسب کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ غرور پر انحصار کرتا ہے جیسے گزر چکا ہے۔''ہدایہ''۔

30436۔(قولہ: نِصْفَ قِيمَتِهَا) کیونکہ ام ولد بنانے کے ساتھ وہ اس کے نصف کا مالک بن چکا ہے جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور ان کا قول نصف عقرہا کیونکہ اس نے مشترک لونڈی سے وطی کی ہے۔''زیلعی''۔

30437۔(قولہ: وَالْوَلَدُ لِلْأَوَّلِ) کیونکہ اس کا دعویٰ صحیح ہے جیسے گزر چکا ہے یہ سب بالا جماع ہے۔

''زیلعی''۔ اس قول والولد للاول پر اعتراض کیا گیا تو یہ قول وہم دلاتا ہے کہ دوسرے نے وطی کا دعویٰ کیا جبکہ مسئلہ کی صورت اس کے برعکس ہے۔ اگر اپنے قول کو یوں بدل لیتے: حکم الاستیلاد للاول تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔

اعتاق تجزی کو قبول نہیں کرتا

30438۔(قولہ: فَعَجَزَتْ) اس کے ساتھ قید لگائی کیونکہ اس کے ساتھ اعتاق کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے اور تعدی ہو جاتی

لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ السَّاكِتَ إِذَا ضَمَّنَ الْمُعْتِقَ يَرْجِعُ عِنْدَهُ لَا عِنْدَهُمَا فَرْعٌ عَبْدٌ لِرَجُلَيْنِ دَبَّرَهُ أَحَدُهُمَا ثُمَّ حَرَّرَهُ الْآخَرُ غَنِيًّا أَوْ عَكْسًا أَعْتَقَ الْمُدَبِّرُ إِنْ شَاءَ أَوِ اسْتَسْعَى فِي الصُّورَتَيْنِ، أَوْ ضَمَّنَ شَرِيكَهُ فِي الْأُولَى فَقَطْ، وَاللهُ أَعْلَمُ

کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ خاموش جب معتق سے چٹی بھرے تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا مطالبہ کرے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک مطالبہ نہیں کرے گا۔ فرع: دو آدمیوں کا غلام ہے دونوں میں سے ایک نے اسے مدبر بنایا پھر دوسرے نے اسے آزاد کر دیا وہ غنی تھا یا اس کے برعکس معاملہ تھا مدبر اس کو آزاد کر دے، اگر چاہے تو دونوں صورتوں میں اس سے سعایت کروائے یا صرف پہلی صورت میں اپنے شریک سے ضمانت لے لے۔ واللہ اعلم۔

ہے پس وہ چٹی دے گا۔ جہاں تک اس سے قبل کا تعلق ہے تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ اس کے اپنے شریک کے حصہ میں مکاتبہ ہے جس طرح وہ تھی۔ کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آزاد کرنا تجزی کو قبول کرتا ہے۔ پس اس نے اپنے ساتھی کے حصہ کو تلف نہیں کیا کیونکہ نصف کو آزاد کرنے والا وہ مکاتب کے قائم مقام ہو کر سعی کرتا ہے یہاں وہ نصف اعتاق سے قبل مکاتب ہے پس اس میں اعتاق ظاہر نہ ہوا۔

''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے قول کے مطابق وہ فی الحال چٹی ادا کرے گا۔ کیونکہ اعتاق تجزی کو قبول نہیں کرتا اس کی مکمل بحث ''غایۃ البیان'' میں ہے۔

30439۔(قولہ: فَرْعٌ) یہ متون کے مسائل میں سے ہے۔

30440۔(قولہ: أَوْ ضَمَّنَ شَرِيكَهُ فِي الْأُولَى فَقَطْ) یعنی مدبر کی حیثیت سے اس کی قیمت کی ضمانت لے جبکہ یہ غلام کی حیثیت سے اس کی قیمت کے دو تہائی ہے۔ کیونکہ مالک نے اس کو تلف کیا جبکہ وہ مدبر تھا۔ جب تدبیر موخر ہو تو معاملہ مختلف ہوگا وہ اس سے ضمانت نہیں لے گا۔ کیونکہ وہ مدبر بنائے جانے کے ساتھ ہی وہ اس معتق کی میراث بن جائے گی جو کسی وجہ سے ضمانت اٹھا رہا ہے وہ یہ ہے کہ اس کا حصہ معتق کی جانب سے آزاد کرنے کے وقت غلام تھا پس اس کا اپنے ساتھی کو اس کی ضمانت دینا یہ اس شرط کے متعلق ہوگا جس میں وہ ضمان کے بدلے میں عین کا مالک بنتا ہے جب کہ اس نے تدبیر کو فوت کر دیا ہے۔ ''العنایہ'' میں اسی طرح ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ اس کو بہتر جانتا ہے۔

بَابٌ مَوْتُ الْمُکَاتَبِ وَعَجْزُهٗ وَمَوْتُ الْمَوْلَی

(مُكَاتَبٌ عَجَزَ عَنْ أَدَاءِ نَجْمٍ (إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ سَيَصِلُ إِلَيْهِ لَمْ يُعَجِّزْهُ الْحَاكِمُ إِلَى ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ لِأَنَّهَا مُدَّةٌ ضُرِبَتْ لِإِبْلَاءِ الْأَعْذَارِ (وَ إِذَا عَجَّزَهُ) الْحَاكِمُ فِي الْحَالِ

مکاتب کی موت، اس کا عاجز آنا اور آقا کی موت

ایک مکاتب اپنی قسط ادا کرنے سے عاجز آ گیا اگر اس مکاتب کے پاس مال ہو جس تک وہ رسائی حاصل کر سکتا ہے حاکم تین دنوں تک اسے عاجز قرار نہیں دے گا۔ کیونکہ یہ ایسی مدت ہے جو عذروں کو پرکھنے کے لئے رکھی گئی ہے۔ جب حاکم نے اسے فی الحال عاجز قرار دے دیا

اس کو موخر کرنے کی مناسبت ظاہر ہے کیونکہ موت اور عجز عقد کے بعد ہی ہوتی ہے۔

لفظ نجم کی لغوی تحقیق

30441۔ (قولہ: عَنْ أَدَاءِ نَجْمٍ) نجم سے مراد وہ ہے جو طلوع ہو۔ پھر اس سے اس وقت کا نام رکھا گیا جو معین کیا جاتا ہے پھر اس سے اس کا نام رکھا گیا جس وقت میں وہ فریضہ ادا کیا جاتا ہے۔ اس سے علما نے اپنا قول مشتق کیا ہے: نجم الدیۃ۔ یعنی اس کو اقساط میں ادا کرنا۔ ''صحاح''، ''مغرب''، ''ملخص''۔ جو چیز ادا کی جاتی ہے اس میں اس کا استعمال دو مراتب کے اعتبار سے مجاز ہے۔

30442۔ (قولہ: سَيَصِلُ إِلَيْهِ) جیسے ایسا دین ہو جس کا وہ تقاضا کرے گا یا مال ہو جو اس کو پیش کیا جائے گا۔ ''ہدایہ''۔

30443۔ (قولہ: الْحَاكِمُ) یہ حکم (ثالث) کو شامل ہے کیونکہ اس کا فیصلہ حدود و قصاص کے علاوہ امور میں درست ہوتا ہے جب ثالث میں فیصلہ کرنے کی صلاحیت موجود ہو۔ ''اتقانی''۔

30444۔ (قولہ: لِإِبْلَاءِ الْأَعْذَارِ) یعنی اصحاب عذر کو آزمانے کے لئے۔ ''ہدایہ'' میں کہا: جیسے خصم کو مہلت دینا تا کہ وہ ادا کر دے اور مدیون کو مہلت دینا تا کہ قرض چکا دے۔

30445۔ (قولہ: وَ إِذَا عَجَّزَهُ الخ) یعنی اگر اس کے مال کی امید نہ ہو۔ یہ طرفین کے نزدیک ہے۔ یہی صحیح ہے۔ ''قہستانی'' نے ''مضمرات'' سے نقل کیا ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اسے عاجز قرار نہ دے یہاں تک کہ پے در پے دو قسطیں گزر جائیں۔ کیونکہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: جب اس پر دو قسطیں پے در پے گزر جائیں تو اسے غلامی کی طرف لوٹا دیا جائے گا اور طرفین نے اسے ندب پر محمول کیا ہے یعنی یہ مستحب ہے کہ دو قسطوں سے پہلے اسے نہ لوٹائے۔ کیونکہ آثار میں تعارض ہے۔

(وَفَسْخَهَا بِطَلَبِ مَوْلَاهُ أَوْ فَسَخَ مَوْلَاهُ بِرِضَاهُ، وَلَوْ كَانَتْ الْكِتَابَةُ (فَاسِدَةً) فَالْمَوْلَى (لَهُ الْفَسْخُ بِغَيْرِ رِضَاهُ وَيَمْلِكُ الْمُكَاتَبُ فَسْخَهَا مُطْلَقًا فِي الْجَائِزَةِ وَالْفَاسِدَةِ) وَإِنْ لَمْ يَرْضَ الْمَوْلَى (وَعَادَ رِقُّهُ) بِفَسْخِهَا (وَمَا فِي يَدِهِ لِمَوْلَاهُ) (وَ) الْمُكَاتَبُ (إِذَا مَاتَ وَلَهُ مَالٌ) يَفِي بِالْبَدَلِ (لَمْ تُفْسَخْ، وَتُؤَدَّى كِتَابَتُهُ مِنْ مَالِهِ وَحُكِمَ بِعِتْقِهِ فِي آخِرِ) جُزْءٍ مِنْ أَجْزَاءِ (حَيَاتِهِ،

اور اس کے آقا کے مطالبہ پر عقد مکاتبہ کو فسخ کر دیا یا اس کے آقا نے مکاتب کی رضامندی سے اسے فسخ کر دیا اگر عقد کتابت فاسد ہو تو آقا کو حق حاصل ہوگا کہ مکاتب کی رضامندی کے بغیر اس کو فسخ کر دے اور مکاتب، مکاتبت جائزہ ہو یا فاسدہ ہو مطلقاً اس کے فسخ کرنے کا مالک ہوگا اگرچہ آقا راضی نہ ہو۔ اور عقد مکاتبہ کے فسخ کرنے کے ساتھ اس کی رق لوٹ آئے گی اور اس کے قبضہ میں جو مال ہے وہ اس کے آقا کا ہوگا۔ اور مکاتب جب مر جائے اور اس کا مال ہو جو بدل کتابت کو کافی ہو تو مکاتبہ کو فسخ نہ کیا جائے گا اور بدل کتابت اس کے مال سے دے دیا جائے گا۔ اور اس کی زندگی کے آخری لمحہ میں اسے آزاد قرار دے دیا جائے گا

30446۔ (قولہ: وَفَسْخَهَا) یعنی وجوبی طور پر فسخ کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ اور فسخ کا ذکر تعجیز کے بعد کیا ہے۔ کیونکہ تعجیز کافی نہیں۔ ''طحطاوی'' نے ''حموی'' سے نقل کیا ہے۔

30447۔ (قولہ: فَالْمَوْلَى لَهُ الْفَسْخُ) بلکہ اس پر فسخ کرنا واجب ہے تاکہ گناہ کو ختم کرے اس کی صورت یہ ہے کہ گناہ کے سبب سے رجوع کرے۔ ''ط''۔

30448۔ (قولہ: وَعَادَ رِقُّهُ) یعنی اس کی غلامی کا حکم لوٹ آئے گا۔ اولیٰ ''ہدایہ'' اور ''کنز'' کا قول ہے جو احکام الرق میں ہے کیونکہ اس کی غلامی زائل نہ ہوئی تھی۔ ''قہستانی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

30449۔ (قولہ: وَمَا فِي يَدِهِ لِمَوْلَاهُ) اگر وہ اس کی تصدیق کرے جبکہ وہ غنی ہے یہ صحیح قول کے مطابق ہے جس طرح عنقریب آئے گا۔

30450۔ (قولہ: وَلَهُ مَالٌ لَمْ تُفْسَخْ) کیونکہ یہ عقد معاوضہ ہے اس میں اس امر کا شعور دلایا جا رہا ہے کہ اگر وہ اتنا مال نہ چھوڑ کر جائے جو اس کے بدل کتابت کو کافی ہو تو مکاتبہ منسوخ ہو جائے گا یہاں تک کہ اگر کوئی ایک بدل میں تبرع کرے تو اس سے اس تبرع کو قبول نہیں کیا جائے گا یہ ابو بکر اسکاف کا قول ہے۔ فقیہ ابو لیث اس طرف گئے ہیں کہ حاکم کے بغیر یہ عقد منسوخ نہیں ہوگا۔ جس طرح صغریٰ میں ہے۔ ''قہستانی''۔

30451۔ (قولہ: وَتُؤَدَّى كِتَابَتُهُ مِنْ مَالِهِ) اگر اس پر آقا اور اجنبی کے دیون ہوں تو ''بدائع'' میں ہے: وہ اجنبی کے دین سے شروع کرے گا گھر دیکھے گا اگر ترکہ میں اتنا مال ہو جو آقا کے دین اور بدل کتابت کو کافی ہو تو مولی کے دین سے آغاز کرے گا ورنہ بدل کتابت سے شروع کرے گا اور آقا دین لے گا جب مکاتب کا مال ظاہر ہو مگر جب وہ بدل کتابت سے

كَمَا يُحْكَمُ بِعِتْقِ أَوْلَادِهِ) الْمَوْلُودِينَ فِي كِتَابَتِهِ لَا قَبْلَهَا (وَالْبَاقِي مِنْ مَالِهِ مِيرَاثٌ لِوَرَثَتِهِ، وَلَوْ لَمْ يَتْرُكْ مَالًا وَ (تَرَكَ وَلَدًا) وُلِدَ (فِي كِتَابَتِهِ

جس طرح اس کی اولاد کی آزادی کا حکم لگا دیا جائے گا جو اس کے عقد مکاتبہ کے دوران پیدا ہوئے نہ کہ وہ جو اس سے پہلے پیدا ہوئے۔ اور اس کے مال میں سے باقی اس کے وارثوں کی میراث ہوگی اگر وہ مال نہ چھوڑے اور وہ ایک ایسا بچہ چھوڑے جو اس کی حالت کتابت میں پیدا ہوا

شروع کرے تو وہ عاجز ہو جائے گا اور آقا کا غلام پر کوئی دین واجب نہیں ہوگا۔

30452۔ (قولہ: كَمَا يُحْكَمُ بِعِتْقِ أَوْلَادِهِ الخ) یہ امر اس کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کے ان اصول و فروع کی آزادی کا حکم نہیں لگایا جائے گا جن کو اس نے حالت مکاتبہ میں خریدا ہے ساتھ ہی ان کی آزادی کا فیصلہ کیا جائے گا۔ صحیح یہ قول ہے: کما یحکم بعتق من دخل فی کتابتہ ''ح''۔ یعنی جو اس کے عقد مکاتبہ میں داخل ہوئے ہیں ان کی آزادی کا حکم کیا جائے گا۔

''الغرر'' میں ہے: اس کے بیٹوں کی آزادی کا فیصلہ کیا جائے گا خواہ وہ اس کی حالت مکاتبہ میں پیدا ہوئے ہوں یا اس نے انہیں حالت کتابت میں خریدا ہو یا اسے اور اس کے چھوٹے یا بڑے بیٹے کو ایک ہی عقد مکاتبہ کے ساتھ مکاتب بنایا گیا ہو۔ کیونکہ بیٹوں میں سے ہر ایک کتابت میں اس کے تابع ہوتا ہے اور اس کے آزاد ہونے کے ساتھ وہ آزاد ہو جائیں گے۔ ''ط''۔

30453۔ (قولہ: الْمَوْلُودِينَ فِي كِتَابَتِهِ) یعنی اس کی لونڈی سے یہ سرایت کے طریقہ پر ہے۔ اگرچہ یہ حرام ہے کیونکہ کتابت نسب کے ثبوت کے منافی نہیں جس طرح ہم اسے پہلے ''شرنبلالیہ'' سے بیان کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم ''البدائع'' سے دو صورتیں ذکر کریں گے۔

30454۔ (قولہ: لِوَرَثَتِهِ) یعنی اس کا باقی ماندہ مال اس کی آزاد اولاد کے لئے ہوگا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ آزاد عورت سے پیدا ہوئے ہوں۔ یہی حکم اس اولاد کا ہے جو حالت کتابت میں پیدا ہوئے جن بچوں کو اس نے حالت کتابت میں خریدا اور اس کے جو والدین ہیں وہ اپنی آزادی کے ساتھ انہیں آزاد کر دے گا۔ اسی طرح اس کا وہ بچہ جو اس کے ساتھ ایک ہی عقد میں مکاتب بنا نہ کہ وہ بچہ جو اس سے علیحدہ مکاتب بنا۔ کیونکہ وہ آزاد کی حیثیت سے مرتا ہے جبکہ اس کا بچہ مکاتب ہوتا ہے اور مکاتب کسی کا وارث نہیں ہوتا۔ ''بدائع''۔ اگر نسب کی وجہ سے اس کا کوئی وارث نہ ہو تو ولاء کی وجہ سے اس کا مال اس کے آقا کے لئے ہوگا۔

30455۔ (قولہ: وَلَوْ لَمْ يَتْرُكْ مَالًا) متن کے قول ولا وفاء لہ کے ساتھ اس تقدیر کی کوئی ضرورت نہیں۔ ''ح''۔

30456۔ (قولہ: وُلِدَ فِي كِتَابَتِهِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے آقا کی اجازت سے کسی لونڈی سے عقد نکاح کرے تو اس سے اس کا بچہ پیدا ہو پھر مکاتب اس کو اور اس کے بچے کو خرید لے یا مکاتبہ نے اپنے آقا کے علاوہ سے

وَلَا وَفَاءَ بَقِيَتْ كِتَابَتُهُ وَسَعَى) الِابْنُ فِي كِتَابَةِ أَبِيهِ (عَلَى نُجُومِهِ) الْمُقَسَّطَةِ (فَإِذَا أَدَّى حُكِمَ بِعِتْقِ أَبِيهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَبِعِتْقِهِ تَبَعًا وَلَوْ تَرَكَ وَلَدًا اشْتَرَاهُ) فِي كِتَابَتِهِ (أَدَّى الْبَدَلَ حَالًا أَوْ رُدَّ إِلَى حَالِهِ رَقِيقًا)

اور وہ بدل کتابت کو کافی نہ ہوتا ہو اس کی کتابت باقی رہے گی اور بیٹا اپنے باپ کی کتابت میں اقساط کے مطابق سعایت کرے گا۔ جب وہ ادا کر دے گا تو اس کے باپ پر اس کی موت سے پہلے آزادی کا حکم لگا دیا جائے گا اور اس کی تبع میں اس کی آزادی کا حکم لگا دیا جائے گا۔ اگر وہ ایسے بچے کو چھوڑے جس کو اس نے حالت کتابت میں خرید اتھا تو وہ فی الحال بدل ادا کرے یا اسے غلامی کی طرف اسی وقت لوٹا دیا جائے گا۔

بچہ جنا۔ ''بدائع''۔

30457۔ (قولہ: وَسَعَى) اس کا ظاہر یہ ہے کہ ضروری ہے کہ وہ سعی پر قادر ہو جبکہ صورتحال ایسی نہیں۔

''الکافی'' میں کہا: اگر آقا نے اپنی لونڈی سے عقد مکاتبہ کیا اس شرط پر کہ اسے تین دن کا خیار ہوگا تو اس لونڈی نے خیار کی مدت میں بچہ جن دیا اور مرگئی اور بچہ باقی رہا اس کا خیار اور عقد کتابت ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک باقی رہے گا۔

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے حق حاصل ہے کہ اس عقد کو جائز قرار دے اور جب وہ اسے جائز قرار دے تو بچہ ماں کی اقساط میں سعایت کرے گا۔ اگر وہ ادا کر دے تو ماں اپنی زندگی کے اجزاء میں سے آخری جز میں آزاد ہو جائے گی یہ استحسان ہے۔

امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کتابت باطل ہو جائے گی اور مولی کی اجازت صحیح نہ ہوگی۔ یہی قیاس ہے، ''طوری''۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ سعی پر اس کی قدرت کا انتظار کیا جائے گا۔ ''شرنبلالی'' نے اس میں توقف کیا ہے۔ ان سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے حاشیہ میں اس کا جواب دیا ہے کہ قاضی اس بچے کے لئے ایک ولی معین کرے گا وہ اس کے لئے مال جمع کرے گا اور اس کی گردن آزاد ہو جائے گی صغیر کی مثل میں اپاہج، دائمی مریض اور مجنون ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

30458۔ (قولہ: عَلَى نُجُومِهِ) پس اسے غلامی کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا مگر جب وہ ایک قسط یا دو قسطیں ادا نہ کر سکے جس طرح علماء کا اختلاف ہے۔ ''بدائع''۔

30459۔ (قولہ: حُكِمَ بِعِتْقِ أَبِيهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَبِعِتْقِهِ) اسی طرح صاحب ''ہدایہ''، صاحب ''کنز'' وغیرہما نے آزادی کو منسوب کیا ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں کہا: ''الظہیریہ'' میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے کہ وہ اس کی طرف منسوب نہیں ہوگا بلکہ ادائیگی کے وقت پر آزادی منحصر ہوگی۔

30460۔ (قولہ: أَدَّى الْبَدَلَ حَالًا أَوْ رُدَّ الخ) یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اجل عقد میں شرط کے ساتھ ثابت ہوتی ہے پس جو عقد کتابت کے تحت داخل ہوگا اس میں ثابت ہوگی اور مشتری اس کے تحت داخل نہیں۔ کیونکہ عقد اس کی طرف مضاف نہیں اور حکم اس کی طرف سرایت نہیں کرے گا کیونکہ وہ کتابت کے وقت منفصل تھا۔

وَسَوَّيَا بَيْنَهُمَا وَأَمَّا الْأَبَوَانِ فَيُرَدَّانِ لِلرِّقِّ كَمَا مَاتَ

اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے دونوں بیٹوں میں برابری کی ہے۔ جہاں تک والدین کا تعلق ہے تو انہیں غلامی کی طرف لوٹا دیا جائے گا جونہی وہ مرے گا

اس پر یہ اعتراض کیا گیا۔ فصل تصرفات المکاتب میں گزر چکا ہے کہ جب اس نے اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو خریدا تو وہ اس کے عقد مکاتبہ میں داخل ہو گیا۔ نیز اگر اس کا حکم اس کی طرف سرایت نہ کرتا تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بدل ادا کرنے کی صورت میں وہ فی الحال آزاد نہ ہوتا۔

اس کا یہ جواب دیا گیا کہ مشتری کے داخل ہونے سے مراد یہ نہیں کہ وہ عقد جو مکاتب اور اس کے مولی کے درمیان جاری ہے اس کا حکم سرایت کر چکا ہے بلکہ مکاتب کو اپنے بچے کا مکاتب بنایا جائے گا۔ کیونکہ اس نے بچے کو خریدا ہے تاکہ صلہ رحمی کو ثابت کیا جائے اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خریدے گئے بچے کی آزادی فی الحال ادائیگی کی صورت میں یہ سرایت کی وجہ سے نہیں بلکہ مکاتب بننے کی وجہ سے ہے گویا وہ اتنا مال چھوڑ کر مرا ہے جو اس کے بدل کو کافی ہے جس طرح ''کافی'' میں اس کی وضاحت ہے۔ ''طوری''۔

30461۔(قولہ: وَسَوَّيَا بَيْنَهُمَا) ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وہ اپنے باپ کی اقساط میں سعی کرے گا اسی طرح ہر ذی رحم محرم کا حکم ہے جس کو اس نے خریدا۔ ''اتقانی''۔

30462۔(قولہ: فَيُرَدَّانِ لِلرِّقِّ) یہ اصل کی روایت کے مطابق ہے اور روایۃ ''ابی سلیمان'' کی املاء میں اسے کتابت میں خریدے گئے بچے کی مثل بنایا ہے۔

امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔ ''غایۃ البیان'' میں دوسری روایت ''بزدوی'' کی ''شرح الکافی'' سے نقل کی ہے۔ ''البدائع'' میں اسی پر اکتفا کیا ہے۔ پھر یہ حکم اسی صورت میں ہے جب مکاتب کی اولاد میں سے کوئی نہ ہو۔ ''جوہرۃ'' میں کہا: اگر ایک مکاتب نے کتابت میں مولود کے ساتھ اپنے والدین اور ایک اور بچہ چھوڑا جسے حالت کتابت میں اس نے خریدا تھا تو وہ سب اس بچے کی جانب سے بدل کتابت کی ادائیگی پر موقوف ہوں گے۔ جو بدل کتابت میں پیدا ہوا آقا کو نہ یہ حق حاصل ہو گا کہ انہیں بیچے اور نہ ہی ان سے سعی کرائے۔ جب کتابت کی حالت میں پیدا ہونے والے بچے نے بدل کتابت ادا کر دیا تو وہ آزاد ہو جائے گا اور وہ سب بھی آزاد ہو جائیں گے۔ اگر وہ عاجز آ جائے اور اسے غلامی میں لوٹا دیا جائے تو ان کو بھی اس کے ساتھ غلامی کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ مگر وہ یہ کہیں ہم مال اسی لمحہ ادا کرتے ہیں تو ان کی جانب سے قاضی کی قضا سے پہلے یہ قبول کر لیا جائے گا۔ کیونکہ جو حالت کتابت میں پیدا ہوا تھا وہ عاجز آ چکا ہے۔

30463۔(قولہ: كَمَا مَاتَ) یعنی محض اس کے مرنے سے اور ان دونوں سے نہ فوری بدل قبول کیا جائے گا اور نہ ہی موخر بدل قبول کیا جائے گا۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ ''ح''۔

وَقَالَا إِنْ أَدَّيَا حَالًا عَتَقَا وَإِلَّا لَا

اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: اگر دونوں نے فی الحال بدل کتابت ادا کر دیا تو دونوں آزاد ہو جائیں گے ورنہ نہیں۔

''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اقساط میں سعی کرنے میں اصول فروع کی طرح ہیں

30464۔ (قولہ: وَقَالَا إِنْ أَدَّيَا حَالًا عَتَقَا وَإِلَّا لَا) ''شرح المجمع'' اور ''شرنبلالیہ'' میں اس کی تصریح کی گئی ہے کہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اقساط میں سعی کرنے میں اصول، فروع کی طرح ہیں۔ پس دیکھا جانا چاہئے کہ شارح نے یہ کلام کہاں سے اخذ کیا ہے۔ ''ح''۔

قولہ: میں کہتا ہوں: جس نے مصنف کو اس امر میں واقع کیا ہے وہ ''شرنبلالی'' ہیں۔ کیونکہ انہوں نے فصل تصرفات المکاتب میں ذکر کیا ہے کہ والدین کو غلامی کی طرف لوٹا دیا جائے گا جونہی وہ فوت ہوگا اور اسے ''تبیین'' اور ''عنایہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ پھر کہا: ''البدائع'' میں جو قول ہے وہ اس کے مخالف ہے۔ جب مکاتب مال کے بغیر مر جائے تو خریدے گئے بچے اور والدین سے کہا جائے گا یا تو تم فی الحال بدل کتابت دے دو ورنہ ہم تمہیں غلامی کی طرف لوٹا دیں گے۔ وہ بچہ جو عقد کتابت کی حالت میں پیدا ہوا اس کا معاملہ مختلف ہے۔ لیکن مخالفت اس صورت میں منتفی ہو جاتی ہے کہ جو قول ''البدائع'' میں ہے اسے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر محمول کیا جائے اور دوسرا جو قول ہے اسے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر محمول کیا جائے جس طرح ''مختصر الظہیریہ'' میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ اس کو ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ ''کلام الشرنبلالی''۔

پھر اس بات میں ''مختصر الظہیریہ'' سے نقل کیا گیا ہے کہ والدین وہ دونوں بچے کی طرح نہیں ہیں۔ پس ان دونوں کو اس کی تمام کمائی کی طرح بیچا جائے گا۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک جب خریدا ہوا بچہ چھوڑے یا باپ یا ماں چھوڑے تو وہ مکاتب کی اقساط کے مطابق سعی کرے گا جس طرح وہ بچہ سعی کرتا ہے جو حالت کتابت میں فوت ہوتا ہے۔ ''البدائع'' میں جو قول ہے کہ والدین اس خریدے ہوئے بچے کی طرح ہیں جسے حالت کتابت میں خریدا گیا تھا اسے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر محمول کیا جائے گا۔ یہ بعینہ وہ قول ہے جو شارح نے کیا ہے جبکہ یہ غیر صحیح ہے۔ بلکہ جو ''البدائع'' میں قول ہے وہ ''املاء'' کی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے جس طرح ہم نے پہلے اسے ''تاتر خانیہ'' سے نقل کر دیا ہے۔ مذکورہ حمل میں ''مختصر ظہیریہ'' کی کلام کو جو اس کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ کسی بھی اعتبار سے مفید نہیں۔ کیونکہ اس میں تصریح کر دی گئی ہے کہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک والدین اس بچے کی طرح ہیں جو حالت کتابت میں پیدا ہوا۔ وہ اس بچے کی طرح نہیں جسے خریدا گیا ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ والدین اور حالت کتابت میں خریدا گیا بچہ اور اس طرح ہر ذی محرم رشتہ دار جسے اس حالت میں خریدا گیا وہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مکاتب کی اقساط پر سعی کریں گے جس طرح وہ بچہ سعی کرے گا جو اس حالت میں پیدا ہوا سب میں کوئی تفریق نہ کی جائے گی۔

(اشْتَرَى) الْمُكَاتَبُ (ابْنَهُ فَمَاتَ عَنْ وَفَاءٍ وَرِثَهُ ابْنُهُ) لِمَوْتِهِ حُرًّا عَنِ ابْنٍ حُرٍّ كَمَا مَرَّ (وَكَذَا) يَرِثُهُ (لَوْ كَانَ هُوَ) أَيِ الْمُكَاتَبُ (وَابْنُهُ) الْكَبِيرُ (مُكَاتَبَيْنِ كِتَابَةً وَاحِدَةً) لِصَيْرُورَتِهِمَا كَشَخْصٍ وَاحِدٍ ضَرُورَةَ اتِّحَادِ الْعَقْدِ (فَإِنْ تَرَكَ) الْمُكَاتَبُ (وَلَدًا مِنْ حُرَّةٍ) أَيْ مُعْتَقَةٍ (وَتَرَكَ دَيْنًا يَفِي بِبَدَلِهَا فَجَنَى الْوَلَدُ فَقُضِيَ بِهِ) بِمَا جَنَى (عَلَى عَاقِلَةِ أُمِّهِ) ضَرُورَةَ أَنَّ الْأَبَ

مکاتب نے اپنا بیٹا خریدا تو وہ اتنا مال چھوڑ کر مر گیا جو اس کے بدل کتابت کو کافی تھا تو اس کا یہ بیٹا اس کا وارث ہوگا۔ کیونکہ وہ آزاد کی حیثیت سے فوت ہوا اور آزاد بیٹے کو چھوڑ کر مرا جس طرح گزر چکا ہے اس طرح یہ اپنے باپ کا وارث ہوگا اگر وہ مکاتب اور اس کا بڑا بیٹا ایک عقد مکاتبہ کے ساتھ مکاتب ہوں تو عقد کے ایک ہونے کی ضرورت کی بنا پر وہ دونوں ایک شخص کی طرح ہو جائیں گے۔ اگر مکاتب ایک آزاد عورت سے پیدا ہونے والا اپنا بچہ چھوڑ کر مر جائے اور اس نے اتنا مال چھوڑا جو اس کے بدل کتابت کو پورا ہوتا تھا بچے نے جنایت کی تو اس نے جو جنایت کی اس کا فیصلہ اس کی ماں کی عاقلہ پر کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ بدیہی بات ہے کہ باپ

جہاں تک ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے تو ہر ایک کے لئے ایک حکم ہے جو اسی کے ساتھ خاص ہے۔ مصنف اور شارح نے اسے بیان کر دیا ہے محارم کا حکم بیان نہیں کیا۔ کیونکہ وہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے عقد مکاتبہ میں داخل نہیں جس طرح اس کے محل میں گزر چکا ہے۔ یہ اصل کی روایت کے مطابق ہے۔ اور ''املاء'' کی روایت کے مطابق دونوں والدین اس بچے کی طرح ہیں جس کو خریدا گیا ہو۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ یہ وہی روایت ہے ''البدائع'' میں جس پر گامزن ہوئے ہیں۔ اس تحریر کو غنیمت جانو یہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے نصیب ہوئی۔

30465۔ (قولہ: وَابْنُهُ الْكَبِيرُ) کبیر کی قید لگانا خطا ہے جو صریح غرر کے خلاف ہے۔ کیونکہ کہا: او کوتب ھو ابنہ صغیرا او کبیرا بمرۃ ''ح''۔ یا اسے اور اس کے بیٹے کے ساتھ ایک ہی دفعہ عقد مکاتبہ کیا گیا وہ بچہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔

میں کہتا ہوں: ''ابن کمال'' نے اپنے اس قول کے ساتھ علت بیان کی ہے۔ کیونکہ چھوٹا اس کے تابع ہوتا ہے اور وہ بڑے کے ساتھ مل کر دونوں ایک شخص بن گئے ہیں جب چھوٹا اس کا تابع ہے تو بڑے کی قید لگائی تا کہ فائدہ ظاہر ہو'' تامل ''

30466۔ (قولہ: كِتَابَةً وَاحِدَةً) اگر سب علیحدہ علیحدہ عقد مکاتبہ کے ساتھ مکاتب ہوں تو وہ وارث نہیں ہوگا کیونکہ وہ مرے گا اور بچہ مکاتب ہوگا جس طرح ہم پہلے ''البدائع'' سے نقل کر چکے ہیں۔

30467۔ (قولہ: أَيْ مُعْتَقَةٍ) حرہ کی تفسیر اس سے کی گئی ہے یہ ان کے قول ولو قضی بہ سے ماخوذ ہے۔ یعنی اس کی ماں کی قوم کے لئے ولا کا فیصلہ کر دیا۔ کیونکہ جو اصلاً آزاد ہو تو کسی کو بھی اس کے بچے پر ولا نہیں ہوتی جس طرح شارح فصل ولاء الموالاۃ سے تھوڑا پہلے عنقریب ذکر کریں گے۔

30468۔ (قولہ: ضَرُورَةَ أَنَّ الْأَبَ الخ) یہ ماں کی عاقلہ پر قضا کی علت ہے۔ ''ح''۔

لَمْ يَعْتِقْ بَعْدُ (لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ) الْقَضَاءُ (تَعْجِيزًا لِأَبِيهِ) لِعَدَمِ الْمُنَافَاةِ وَلَا رُجُوعَ، قَيَّدَ بِالدَّيْنِ

ابھی تک آزاد نہیں ہوا یہ فیصلہ باپ کے عجز کا اظہار نہیں ہوگا۔ کیونکہ کوئی منافات نہیں۔ اور کوئی رجوع نہیں دین کی قید لگائی ہے۔

30469۔ (قولہ: لَمْ يَعْتِقْ بَعْدُ) کیونکہ اگرچہ وہ مال چھوڑ جائے جبکہ وہ دین ہو اس کی آزادی کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا مگر جب وہ ادا کرے گا۔

30470۔ (قولہ: لِعَدَمِ الْمُنَافَاةِ) یعنی کتابت کی وجہ سے ماں کی عاقلہ پر فیصلہ کرنے میں کوئی منافات نہیں پائی جا رہی۔ بلکہ ''ہدایہ'' میں کہا: بے شک یہ قضا کتابت کے حکم کو پختہ کرتی ہے۔ کیونکہ اس کے مقتضا میں سے یہ ہے کہ بچے کو باپ کے موالی کے ساتھ لاحق کیا جاتا ہے اور ان پر دیت کو لازم کر دیا جاتا ہے لیکن اس طریقہ پر کہ وہ آزادی کا احتمال رکھے پس ولا باپ کے موالی کی طرف چلی جائے گی اور ایسی قضا جو اس کے حکم کو ثابت کرے تو وہ تعجیز نہ ہوگی۔

اگر دین خارج ہو جائے اور کتابت ادا کر دی جائے تو اس کا حکم

30471۔ (قولہ: وَلَا رُجُوعَ) اس میں کلام کو لپیٹ دیا گیا ہے تقدیر کلام یوں ہے جس طرح ''غایۃ البیان'' میں ہے:
فان خرج الدين و اديت الكتابة رجع ولاء الولاء الى موالى الاب ولا رجوع لموالى الام بما عقلوا عنه بعد وفاته۔ اگر دین خارج ہو جائے اور کتابت ادا کر دی جائے تو ولا باپ کے موالی کی طرف لوٹ آئے گی اور ماں کے موالی کو مطالبہ کا حق نہ ہوگا جو اس کی وفات کے بعد اس کی جانب سے دیت دی تھی۔ لیکن ''طوری'' کا قول اس کے مخالف ہے: انہوں نے جو دیت دی ہے اس کے ادا کرنے میں وہ مجبور تھے پس انہیں حق حاصل ہے کہ وہ باپ کے موالی سے اس کی واپسی کا مطالبہ کریں۔ ہاں ''النہایہ'' اور ''معراج'' میں ایسی تفصیل ذکر کی ہے جو مخالفت کو ختم کر دیتی ہے۔ وہ یہ ہے وہ باپ کے موالی سے اس کا مطالبہ نہیں کریں گے جو مکاتب کی زندگی میں انہوں نے بچے کی جنایت کی دیت ادا کی تھی۔ کیونکہ اس مکاتب پر آزادی کا حکم اس کی زندگی کے اجزاء میں سے آخری جز میں لگایا گیا۔ پس اس کی آزادی کو عقد مکاتبہ کے ادیان کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔ مگر جب وہ باپ کے فوت ہونے کے بعد اس کے بچے کی دیت بدل کتابت کی ادائیگی سے قبل ادا کریں تو وہ اس کی واپسی کا مطالبہ کریں گے۔ کیونکہ باپ کی آزادی اس کی زندگی کی حالت کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ تو اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ اس کی ولاء اس وقت سے ہی باپ کے موالی کے لئے ہوگی۔ اور ماں کے موالی ادائیگی پر مجبور تھے اس کی مثل ''حاشیۃ ابی سعود'' میں ''تکملۃ فتح القدیر'' جو ''علامہ الدیری'' کی ہے میں موجود ہے۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ شارح کا قول ولا رجوع بے محل ہے۔ کیونکہ مصنف کی کلام میں مسئلہ کی صورت اس طرح ہے جس طرح ''کنز'' میں ہے۔ جب بچہ مکاتب کی موت کے بعد جنایت کرے اسی وجہ سے ''طوری'' نے ان کے قول: فلهم الرجوع پر اکتفا کیا ہے۔

30472۔ (قولہ: قَيَّدَ بِالدَّيْنِ الخ) ''زیلعی'' نے کہا: یہ سب گفتگو اس صورت میں ہے جب مکاتب اتنا مال چھوڑ کر مر جائے جو اس کے بدل کتابت کو کافی ہو تو بدل کتابت ادا کر دیا جائے گا یا بچہ چھوڑ کر مر جائے تو وہ بچہ بدل کتابت ادا کر

لِأَنَّ فِي الْعَيْنِ لَا يَتَأَتَّى الْقَضَاءُ بِالْإِلْحَاقِ بِالْأُمِّ لِإِمْكَانِ الْوَفَاءِ فِي الْحَالِ (وَلَوْ قُضِيَ بِهِ) بِالْوَلَاءِ (لِقَوْمِ أُمِّهِ بَعْدَ خُصُومَتِهِمْ مَعَ قَوْمِ الْأَبِ فِي وَلَائِهِ فَهُوَ) أَيْ الْقَضَاءُ بِمَا ذُكِرَ (تَعْجِيزٌ) لِأَنَّهُ فِي فَصْلٍ مُجْتَهَدٍ فِيهِ (وَ طَابَ لِسَيِّدِهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَصْرِفًا) لِلصَّدَقَةِ

کیونکہ عین کی صورت میں ماں کے ساتھ لاحق کرنے کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ فی الحال اس (بدل) کی ادائیگی ممکن ہے۔ اگر ولا کا فیصلہ اس کی ماں کی قوم کے حق میں کیا گیا اس کے بعد کہ انہوں نے اس کی ولا کے متعلق باپ کی قوم سے خصومت کی تو جو ذکر کیا گیا ہے اس کے مطابق فیصلہ تعجیز ہوگی۔ کیونکہ وہ ایسی فصل میں ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ اور اس کے آقا کے لئے وہ صدقہ حلال ہوگا اگرچہ وہ صدقہ کا مصرف نہ ہو

دے مگر جب وہ مر جائے مگر اتنا مال نہ چھوڑ جائے جو اس کے بدل کتابت کو کافی ہو اور نہ ہی بچہ چھوڑ کر مرے تو اس کے عقد کتابت کے باقی رہنے میں اختلاف ہے۔ ''اسکاف'' نے کہا: عقد مکاتبہ منسوخ ہو جائے گا یہاں تک کہ اگر ایک انسان بدل کے ادا کرنے سے تبرع سے کام لے تو اس سے اسے قبول نہ کیا جائے گا۔ ''ابولیث'' نے کہا: جب تک اس کے عجز کا فیصلہ نہ ہو عقد مکاتبہ منسوخ نہیں ہوگا۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ دین قید نہیں اور وہ بچہ جو حالت کتابت میں پیدا ہو یا اس میں خریدا گیا ہو اس کی ادائیگی دین کے خارج ہونے کی طرح ہے۔

30473۔ (قولہ: لِأَنَّ فِي الْعَيْنِ) یعنی ایسا عین جو بدل کو کافی ہو کیونکہ اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ فی الحال بدل کتابت کی ادائیگی ممکن ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔ ''طحطاوی'' نے کہا: عین سے مراد وہ ہے جو ترکہ میں موجود نقدی کو عام ہے۔

30474۔ (قولہ: لِإِمْكَانِ الْوَفَاءِ فِي الْحَالِ) اگر تو یہ اعتراض کرے: بعض اوقات فی الحال دین ادا کرنا ممکن ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مدیون مکاتب کی موت کے وقت حاضر ہو۔ پس اس کے ذمہ جو لازم ہے اس کا مطالبہ کیا جائے تو فی الحال اسے ادا کر دے۔ میں کہوں گا: امکان سے مراد امکان قریب ہے اور یہ امکان بعید ہے۔ ''ط''۔

30475۔ (قولہ: وَلَوْ قُضِيَ بِهِ الخ) یعنی بچے کے مرنے کے بعد بدل کی ادائیگی سے پہلے ولا کی وجہ سے اس کی میراث میں جھگڑا کیا۔ پس قاضی نے اس کی ماں کی قوم کے حق میں ولا کا فیصلہ کر دیا۔ یہ مکاتب کے عجز اور اس کے غلام کی حیثیت سے مرنے کا فیصلہ ہوگا۔ کیونکہ یہ بدیہی بات ہے کہ جب ولا کا ماں کی قوم کے حق میں فیصلہ ہوا تو مکاتب غلام کی حیثیت سے مرا کیونکہ اگر وہ آزاد کی حیثیت سے مرتا تو ولا اس کی ماں کی قوم سے نکل جاتی۔ ''کفایہ''۔

30476۔ (قولہ: لِأَنَّهُ فِي فَصْلٍ مُجْتَهَدٍ فِيهِ) ان کا قول فھو تعجیز جب قضا کے نفاذ کو متضمن ہے اس کی علت ہے۔ ''ہدایہ'' میں کہا: یہ عجز کی قضا ہے۔ کیونکہ ولا میں یہ اختلاف مقصود ہے۔ یہ عقد مکاتبہ کی بقا اور اس کے ختم ہونے پر مبنی ہے۔ کیونکہ جب یہ عقد فسخ ہو جائے گا تو وہ غلام کی حیثیت سے مرا اور ولا ام کے موالی کے لئے قائم رہی۔ اور جب کتابت باقی رہی اور اس کے ساتھ ادائیگی ہوگئی تو وہ آزاد کی حیثیت سے مرا اور ولا اب کے موالی کی طرف منتقل ہوگئی۔ یہ ایسی فصل ہے جس

(مَا أَدَّى إلَيْهِ مِنَ الصَّدَقَاتِ فَعَجَزَ) لِتَبَدُّلِ الْمِلْكِ، وَأَصْلُهُ حَدِيثُ بَرِيرَةَ هِيَ لَكِ صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ (كَمَا فِي وَارِثِ) شَخْصٍ (فَقِيرٌ مَاتَ عَنْ صَدَقَةٍ أَخَذَهَا وَارِثُهُ الْغَنِيُّ وَ) كَمَا فِي (ابْنِ سَبِيلٍ أَخَذَهَا ثُمَّ وَصَلَ إلَى مَالِهِ وَهِيَ فِي يَدِهِ) أَيْ الزَّكَاةُ، وَكَفَقِيرٍ اسْتَغْنَى،

جو صدقات اس مکاتب کو دیئے گئے اور وہ عاجز آ گیا تھا حلال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ملکیت تبدیل ہوگئی ہے اس کی اصل حضرت بریرہ والی حدیث ہے: یہ تیرے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے (1)۔ جس طرح فقیر شخص کے وارث کے لئے حلال ہے جو صدقہ چھوڑ کر مرا ہو اس کا غنی وارث اسے لے گا اور جس طرح مسافر کے لئے حلال ہے جس نے صدقہ کا مال لیا پھر وہ اپنے مال تک پہنچ گیا جبکہ زکوۃ کا مال اس کے قبضہ میں تھا اور اس فقیر کے لئے حلال ہے جو غنی ہو گیا

میں اجتہاد کی گنجائش ہے پس جو اس کے ساتھ ملے گا وہ نافذ ہو جائے گا۔

اس کا حاصل یہ ہے: تعجیز کا ثبوت یہ ماں کے موالی کے حق میں ولا کا فیصلہ ہے پس تعجیز ضمناً ثابت ہے بے شک یہ قضا نافذ ہوگی۔ کیونکہ بعض صحابہ کے ہاں مکاتب غلام کی حیثیت سے مرتا ہے اگرچہ وہ اتنا مال چھوڑ جائے جو اس کے بدل کتابت کو کافی ہو۔ پس یہ قضا ایسی فصل میں ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے اور یہ بالا جماع نافذ ہے۔ پس اس کی رعایت واجب ہوگی۔ اگرچہ اس سے کتابت کا بطلان لازم آتا ہے کیونکہ اس میں اختلاف ہے پس اس کی صیانت اولیٰ ہے۔

30477۔ (قولہ: مَا أَدَّى) یعنی مکاتب آقا کو ادا کر دے۔

30478۔ (قولہ: فَعَجَزَ) اسی طرح اگر وہ آقا کو ادا کرنے سے پہلے عاجز آ جائے۔ امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ظاہر ہے۔ کیونکہ عجز کے ساتھ ملکیت بدل گئی ہے۔ امام "ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ معاملہ اسی طرح ہے اگرچہ عجز کی صورت میں آپ کے ہاں آقا کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ نفس صدقہ میں کوئی خبث نہیں۔ بے شک خبث لینے کے عمل میں ہے۔ کیونکہ یہ عمل اسے ذلیل بنا دیتا ہے اور غنی کے لئے حاجت کے بغیر یہ جائز نہیں اور نہ ہی ہاشمی کے لیے یہ جائز ہے۔ کیونکہ اس کی حرمت بڑھ کر ہے اور آقا سے یہ لین نہیں پایا گیا۔ "ہدایہ"۔

30479۔ (قولہ: لِتَبَدُّلِ الْمِلْكِ) کیونکہ غلام اس کا مالک صدقہ کے طریقہ پر ہوتا ہے اور آقا اس کا مالک آزادی کے بدل کے طور پر ہوتا ہے۔

30480۔ (قولہ: وَأَصْلُهُ حَدِيثُ بَرِيرَةَ) یہ قول اس کا وہم دلاتا ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ پیش کیا بعد اس کے وہ عاجز آ گئی تھیں جبکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیہ دیا جبکہ وہ مکاتبہ تھیں جس طرح "العنایہ" میں ہے۔ "ح"۔

30481۔ (قولہ: هِيَ لَكِ) "ہدایہ" اور اس کی شروح میں جو قول ہے وہ لها ہے یعنی غائب کی ضمیر کے ساتھ ہے۔

1۔ سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، باب اذا تحولت الصدقۃ، جلد 2، صفحہ 275، حدیث نمبر 2566

وَهِيَ فِي يَدِهِ فَإِنَّهَا تَطِيبُ لَهُ، بِخِلَافِ فَقِيرٍ أَبَاحَ لِغَنِيٍّ أَوْ هَاشِمِيٍّ عَيْنَ زَكَاةٍ أَخَذَهَا لَا يَحِلُّ لِأَنَّ الْمِلْكَ لَمْ يَتَبَدَّلْ (فَإِنْ جَنَى عَبْدٌ وَكَاتَبَهُ سَيِّدُهُ جَاهِلًا بِجِنَايَتِهِ أَوْ) جَنَى (مُكَاتَبٌ فَلَمْ يُقْضَ بِهِ) بِمَا جَنَى (فَعَجَزَ) فَإِنْ شَاءَ الْمَوْلَى (دَفَعَ) الْعَبْدَ (أَوْ فَدَى) لِزَوَالِ الْمَانِعِ بِالْعَجْزِ (وَإِنْ قُضِيَ بِهِ عَلَيْهِ) حَالَ كَوْنِهِ (مُكَاتَبًا فَعَجَزَ بِيعَ فِيهِ) لِانْتِقَالِ الْحَقِّ مِنْ رَقَبَتِهِ إِلَى قِيمَتِهِ بِالْقَضَاءِ، قَيَّدَ بِالْعَجْزِ

جبکہ زکوٰۃ کا مال اس کے قبضہ میں ہو یہ اس کے لئے حلال ہے۔ اس فقیر کا معاملہ مختلف ہے جس نے غنی یا ہاشمی کے لئے زکاۃ کا مال مباح کر دیا جس کو اس نے لیا تھا تو یہ حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ مباح کرنے سے ملکیت نہیں بدلی۔ اگر ایک غلام نے جنایت کی یعنی کسی کو قتل کیا اور اس کے آقا نے اس سے عقد مکاتبہ کر لیا جبکہ اس کی جنایت سے جاہل تھا یا مکاتب نے جنایت کی اور جو اس نے جنایت کی تھی اس کا فیصلہ نہ ہوا تھا پھر وہ عاجز آ گیا اگر آقا چاہے تو جنایت کے بدلے غلام دے دے یا فدیہ دے دے۔ کیونکہ عجز کی وجہ سے جو مانع تھا وہ زائل ہو چکا ہے۔ اگر اس کے خلاف فیصلہ کر دیا گیا اس حال میں کہ وہ مکاتب ہو وہ عاجز آ گیا تو اس میں اسے بیچا جائے گا۔ کیونکہ حق اس کی رقبہ سے اس کی قیمت کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔ بالقضاء یہ عجز کی قید ہے۔

30482۔ (قولہ: فَإِنَّهَا تَطِيبُ لَهُ) کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ جنایت لینے کے عمل میں ہے۔

30483۔ (قولہ: لِأَنَّ الْمِلْكَ لَمْ يَتَبَدَّلْ) کیونکہ اس کے لئے جو چیز مباح کی گئی ہے وہ مباح کرنے والی کی ملکیت پر اسے کھاتا ہے۔ اسی کی مثل ہے کہ مشتری شراء فاسد کے ساتھ خریدتا ہے جب وہ اس کے لئے مباح کرتا ہے تو وہ اس کے لئے پاکیزہ نہیں ہوگی۔ اگر وہ اس کا مالک بن جائے تو پاکیزہ اور حلال ہو جاتی ہے۔ ''ہدایہ''۔

30484۔ (قولہ: جَاهِلًا بِجِنَايَتِهِ) اگر عقد کتابت کے وقت وہ اس کی جنایت سے آگاہ ہو تو وہ فدیہ دینے کا مختار ہوگا۔ جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔

30485۔ (قولہ: بِمَا جَنَى) یعنی اس نے جنایت کی اس کے حکم کا فیصلہ نہ ہوا۔ ''معراج''۔

30486۔ (قولہ: فَعَجَزَ) یعنی دونوں صورتوں میں وہ عاجز آ گیا۔

30487۔ (قولہ: دَفَعَ الْعَبْدَ) یعنی غلام ولی جنایت کے حوالے کر دے گا۔

30488۔ (قولہ: لِزَوَالِ الْمَانِعِ) یعنی دینے میں جو مانع تھا وہ عقد مکاتبہ ہے۔ یعنی رقبہ سے حق کے انتقال سے پہلے ہی وہ غلام ہو جائے گا پس حکم اصلی لوٹ آئے گا۔ وہ یا تو غلام حوالے کرنا ہے یا فدیہ دینا ہے۔

30489۔ (قولہ: بِيعَ فِيهِ لِانْتِقَالِ الْحَقِّ مِنْ رَقَبَتِهِ إِلَى قِيمَتِهِ) یہ قول اسی امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ واجب، وہ قیمت ہے نہ کہ اس سے اور دیت سے جو کم ہو وہ لازم ہے ہم نے جو ''کرخی'' اور ''مبسوط'' کی روایت ذکر کی ہے یہ اس کے مخالف ہے اس تعبیر کی بنا پر اس کی کلام کی تاویل یہ ہوگی جب قیمت جنایت کی دیت سے کم ہو ''العنایہ'' میں اسی

لِأَنَّ جِنَايَاتِ الْمُكَاتَبِ عَلَيْهِ فِي كَسْبِهِ وَيَلْزَمُهُ الْأَقَلُّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنْ الْأَرْشِ، وَإِنْ تَكَرَّرَتْ قَبْلَ الْقَضَاءِ فَعَلَيْهِ قِيمَةٌ وَاحِدَةٌ، وَلَوْ بَعْدَهُ فَقِيَمٌ وَلَوْ أَقَرَّ بِجِنَايَةِ خَطَأٍ لَزِمَتْهُ فِي كَسْبِهِ بَعْدَ الْحُكْمِ بِهَا وَلَوْ لَمْ يُحْكَمْ عَلَيْهِ حَتَّى عَجَزَ بَطَلَتْ (وَإِنْ مَاتَ السَّيِّدُ لَمْ تَنْفَسِخْ الْكِتَابَةُ كَالتَّدْبِيرِ، وَأُمُومِيَّةِ الْوَلَدِ)

کیونکہ مکاتب کی جنایات اسی پر اس کی کمائی میں لازم ہوتی ہے اس کی قیمت اور اس کی دیت میں سے جو کم ہوتا ہے وہ اس پر لازم ہوتا ہے اگر فیصلہ سے پہلے یہ جنایت بار بار ہو تو اس پر ایک قیمت لازم ہوگی۔ اگر اس کے بعد ہو تو کئی قیمتیں لازم ہوں گی۔ اگر اس نے جنایت خطا کا اقرار کیا تو اس کے فیصلہ کے بعد یہ قیمت اس کی کمائی میں لازم ہوگی اگر اس پر فیصلہ نہ کیا جائے یہاں تک کہ وہ عاجز آ جائے تو جنایت باطل ہو جائے گی۔ اگر آقا مر جائے تو عقد کتابت منسوخ نہیں ہوگا جیسے تدبیر اور ام ولد ہونا منسوخ نہیں ہوگا

طرح ہے۔''ح''۔

30490۔(قولہ: وَيَلْزَمُهُ الْأَقَلُّ الخ) اگر دیت کم ہو تو وہ واجب ہوگی کیونکہ جس پر جنایت کی گئی ہے وہ اس سے زیادہ کا مستحق نہیں اگر قیمت کم ہو تو وہ واجب ہوگی کیونکہ جنایت کا حکم اس کی رقبہ سے متعلق ہے۔

30491۔(قولہ: قَبْلَ الْقَضَاءِ) یعنی پہلی جنایت کے حکم سے پہلے۔

30492۔(قولہ: فَعَلَيْهِ قِيمَةٌ وَاحِدَةٌ) یعنی جب قیمت دیت سے کم ہو ورنہ واجب قیمت اور دیت میں سے جو کم ہوگی وہ لازم ہوگی جس طرح اس کی تصریح ''شرح المجمع'' اور ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔

یہاں تین امور باقی رہ گئے ہیں۔(1) اس مسئلہ میں ارش سے مراد جنایات کی تمام دیات ہیں جو اس نے جنایات کی ہیں۔ پس معنی یہ ہوگا: ایک قیمت اور جملہ دیات سے جو کم ہو وہ واجب ہوگا۔(2) وہ کم ان افراد میں حصص کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا جن پر وہ جنایات کی گئیں۔(3) جو دیات باقی رہ گئی ہیں آزادی کے بعد ان کا مطالبہ کیا جائے گا۔ ان تینوں میں سے ہر ایک اس کی محتاج ہے کہ کتب مذہب میں ان کی چھان بین کی جائے۔''ح''۔

میں کہتا ہوں: ''درر البحار'' کی شرح کی عبارت پہلے دو امور کا فائدہ دیتی ہے کیونکہ کہا: اولیاء کو اس کی قیمت اور جنایات کی دیتوں میں سے جو کم ہے اس کی سعایت کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ اس غلام کو کتابت کی وجہ سے ولی جنایت کے حوالے کرنا متعذر رہے۔

30493۔(قولہ: وَلَوْ بَعْدَهُ فَقِيَمٌ) یہاں تک کہ اگر اس نے دو جنایتیں کیں تو اس کی قیمت اور پہلی جنایت کی دیت میں سے جو کم ہوگی وہ اس پر واجب ہوگی اور اس کی قیمت اور دوسری جنایت کی دیت میں سے جو کم ہوگی وہ واجب ہوگی،''ح''۔

30494۔(قولہ: بَطَلَتْ) یعنی آقا کے حق میں فی الحال مکاتبت ختم ہو جائے گی۔''شرح درر البحار'' میں کہا: اگر وہ قتل خطا کے اقرار کے بعد اس کی قیمت کے فیصلہ سے پہلے عاجز آ گیا تو بالاتفاق اس کی آزادی کے بعد اس سے مطالبہ کیا جائے

وَكَأَجَلِ الدَّيْنِ إذَا مَاتَ الطَّالِبُ (وَيُؤَدِّي الْمَالَ إلَى وَرَثَتِهِ عَلَى نُجُومِهِ) كَأَجَلِ الدَّيْنِ بِخِلَافِ الْمَطْلُوبِ لِخَرَابِ ذِمَّتِهِ هَذَا إذَا كَاتَبَهُ وَهُوَ صَحِيحٌ وَلَوْ فِي مَرَضِهِ لَا يَصِحُّ تَأْجِيلُهُ إلَّا مِنْ الثُّلُثِ (وَإِنْ حَرَّرُوهُ) أَيْ كُلُّ الْوَرَثَةِ (فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ)

اور جس طرح دین کی مدت منسوخ نہیں ہو گی جب طالب مرجائے اور وہ مال اقساط کے مطابق اس کے وارثوں کو ادا کیا جائے گا۔ جیسے دین کی مدت ہے۔ مطلوب کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کا ذمہ مٹ جاتا ہے یہ اس صورت میں ہے جو وہ عقد مکاتبہ کرے جبکہ وہ صحیح ہو اگر وہ حالت مرض میں ہو تو اس کی اجل مقرر کرنا صحیح نہ ہو گا مگر ایک تہائی میں صحیح ہو گا۔ اگر تمام وارث ایک ہی مجلس میں اسے آزاد کر دیں

گا۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے جو ''شرنبلالیہ'' میں ''شرح المجمع'' سے مروی ہے کہ اگر وہ اس کا اقرار کرے اور اس پر اس کا فیصلہ کر دیا جائے پھر وہ عاجز آ جائے تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی آزادی کے بعد اس سے اس کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے فرمایا: مطلقاً اس سے مطالبہ کیا جائے گا یعنی اس وقت اور اس کے بعد۔ جس مسئلہ میں ہم گفتگو کر رہے ہیں یہ اس میں سے نہیں کیونکہ شرح کی کلام حکم سے پہلے عجز کے بارے میں ہے۔ فافہم

30495۔ (قولہ: وَيُؤَدِّي الْمَالَ إلَى وَرَثَتِهِ) کیونکہ وارث مولیٰ کے قائم مقام ہیں۔ ''جوہرہ'' میں کہا: اگر اس نے وہ مال میت کے وصی کو دے دیا تو مکاتب آزاد ہو جائے گا خواہ میت پر دین ہو یا دین نہ ہو۔ کیونکہ وہی میت کے قائم مقام ہے تو وہ اسی طرح ہو گیا گویا اس نے مولیٰ کو مال دیا اگر وہ وارث کو مال دے اگر میت کے ذمہ مال ہو گا تو وہ آزاد نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس نے مال اس کے حوالے کیا ہے جو اس سے مال قبض کرنے کا مستحق نہ تھا تو وہ اسی طرح ہو گیا گویا وہ اجنبی کو مال دے رہا ہے۔ اگر اس کے ذمہ دین نہ ہو تو بھی وہ آزاد نہیں ہو گا یہاں تک کہ وہ وارث کو اس کا حصہ دے اور وصی کو چھوٹے وارثوں کا حصہ دے۔ کیونکہ جب اس نے اس طریقہ سے مال نہ دیا تو اس نے مستحق کے حوالے نہ کیا۔

اس اطلاق کا ظاہر معنی یہ ہے جب وہ وصی کو مال نہ دے اور وارث کو مال دے جبکہ اس کے ذمہ دین ہو تو وہ آزاد نہیں ہو گا اگرچہ وہ دین تمام بدل کتابت کو گھیرے ہوئے نہ ہو ''زیلعی'' نے اس کی تصریح کی ہے۔ ''ابو سعود'' نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ ''غایۃ البیان'' میں ہے: جب دین اس کے مال کو محیط ہو تو یہ وارث کی طرف مال کے انتقال سے مانع ہو گا۔ پس یہ قول اس امر کا فائدہ دے گا کہ جو دین مال کو محیط نہ ہو وہ مانع نہ ہو گا اس وقت وارث کے قبضہ کرنے سے آزاد ہو جائے گا۔ پس تدبر کیجئے۔

30496۔ (قولہ: لِخَرَابِ ذِمَّتِهِ) یعنی اجل باطل ہو جائے گی کیونکہ اس کا ذمہ ٹوٹ چکا ہے اور دین ترکہ کی طرف منتقل ہو چکا ہے اور وہ عین ہے۔ ''زیلعی''۔

30497۔ (قولہ: إلَّا مِنْ الثُّلُثِ) پس وہ دو تہائی فی الحال ادا کرے گا اور باقی اقساط کے مطابق ادا کرے گا۔

عَتَقَ مَجَّانًا) اسْتِحْسَانًا، وَيُجْعَلُ إِبْرَاءً اقْتِضَاءً (فَإِنْ حَرَّرَهُ بَعْضُهُمْ) فِي مَجْلِسٍ وَالْآخَرُ فِي آخَرَ (لَمْ يَنْفُذْ عِتْقُهُ) عَلَى الصَّحِيحِ لِأَنَّهُ لَمْ يَمْلِكْهُ، وَلَوْ عَجَزَ بَعْدَ مَوْتِ الْمَوْلَى، عَادَ رِقُّهُ (مُكَاتَبٌ تَحْتَهُ أَمَةٌ طَلَّقَهَا ثِنْتَيْنِ فَمَلَكَهَا لَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَطَأَهَا حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ) وَكَذَا الْحُرُّ كَمَا تَقَرَّرَ فِي مَحَلِّهِ

تو وہ بغیر عوض کے آزاد ہو جائے گا۔ یہ بطور استحسان ہے اور اسے بطور اقتضا، ابرا بنا دیا جائے گا۔ اگر ان میں سے ایک اسے ایک مجلس میں آزاد کرے اور دوسرا دوسری مجلس میں آزاد کرے تو صحیح قول کے مطابق اس کا عتق نافذ نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کا مالک نہیں اگر وہ آقا کی موت کے بعد عاجز آ جائے تو اس کی غلامی لوٹ آئے گی۔ ایک مکاتب ہے اس کے عقد میں ایک لونڈی تھی جسے اس نے دو طلاقیں دی تھیں پھر اس لونڈی کا مالک بن گیا تو اس کے لئے اس لونڈی کے ساتھ وطی کرنا حلال نہیں کہ وہ اس کے ساتھ وطی کرے یہاں تک کہ وہ لونڈی اس کے علاوہ کسی اور مرد سے عقد نکاح کرے۔ اسی طرح آزاد کا معاملہ ہے جس طرح وہ اپنے محل میں ثابت ہے۔

''شرنبلالیہ''۔ مسئلہ باب مایجوز للمکاتب میں گزر چکا ہے ساتھ اس میں تفصیل اور اختلاف موجود ہے۔

30498۔ (قولہ: عَتَقَ مَجَّانًا) یعنی وہ آزاد ہو جائے گا اور اس سے کتابت کا مال ساقط ہو جائے گا اس کا معنی یہ ہے وہ میت کی جانب سے آزاد ہوگا یہاں تک کہ ولا اس کے حصہ میں سے مذکر افراد کے لئے ہوگا مونثوں کے لئے نہیں ہوگا۔ ''جوہرہ''۔

30499۔ (قولہ: اسْتِحْسَانًا) قیاس میں یہ ہے: وہ آزاد نہیں ہوگا کیونکہ وہ اس کی رقبہ کے وارث نہیں ہوتے وہ تو اس میں دین کے وارث ہوئے۔ ''جوہرہ''۔

30500۔ (قولہ: وَيُجْعَلُ إِبْرَاءً اقْتِضَاءً) یہ استحسان کی دلیل ہے۔ ''الجوہرہ'' میں کہا: استحسان کی دلیل یہ ہے کہ ان کی آزادی یہ مکاتبہ کی تکمیل ہے۔ پس وہ ابراء یا ادا کی طرح ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کیونکہ انہوں نے جب اسے آزاد کر دیا تو وہ اسے مال سے بری کرنے والے ہیں اور اس کی مال سے براءت اس کی آزادی کو ثابت کرتی ہے۔ جس طرح وہ اس سے اپنا پورا حق لے لیں۔ یہ اس کے مشابہ نہیں جب ان میں سے کوئی ایک اسے آزمائے۔ کیونکہ اس ایک کا بری کرنا یہ صرف اس کے حصہ کو ملے گا کسی اور کو نہیں ملے گا اگر ادائیگی کے ساتھ اس کے حصہ سے بری ہو تو وہ آزاد نہیں ہوگا اسی طرح یہ ہے۔

30501۔ (قولہ: عَلَى الصَّحِيحِ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب اسے باقی آزاد کر دیں تو وہ آزاد ہو جائے گا جب تک پہلا رجوع نہ کرے ''زیلعی''۔ دوسرے قول کو ''زیلعی'' نے جزم ویقین سے بیان کیا ہے۔ پہلے قول کی دلیل میں غور کرنا چاہئے اور محشی نے ''العنایہ'' سے جو قول نقل کیا ہے اس میں غور کرنا چاہئے۔ بے شک یہ قول اس میں ظاہر ہوتا ہے اگر صرف بعض اسے آزاد کریں۔ اسی طرح وہ ہے جو ہم نے پہلے ''الجوہرہ'' سے نقل کیا ہے۔ ''تامل''

30502۔ (قولہ: فَمَلَكَهَا) یعنی اس مکاتب کی آزادی کے بعد اس لونڈی کا مالک ہوا، ''شرنبلالیہ''۔ ان کا قول: ان يطأها یعنی ملک یمین کی وجہ سے اس کے ساتھ وطی کرے۔ کیونکہ مملوکہ سے اس کا آقا نکاح نہیں کر سکتا۔ اور مکاتب کو یہ حق

(كَاتَبَا عَبْدًا كِتَابَةً وَاحِدَةً) أَيْ بِعَقْدٍ وَاحِدٍ (وَعَجَزَ الْمُكَاتَبُ لَا يُعَجِّزُهُ الْقَاضِي حَتَّى يَجْتَمِعَا) لِأَنَّهُمَا كَوَاحِدٍ بِخِلَافِ الْوَرَثَةِ لِأَنَّ الْقَاضِيَ يُعَجِّزُهُ بِطَلَبِ أَحَدِهِمْ مُجْتَبَى وَفِيهِ كَاتَبَ عَبْدَيْهِ بِمَرَّةٍ فَعَجَزَ أَحَدُهُمَا فَرَدَّهُ الْمَوْلَى فِي الرِّقِّ أَوْ الْقَاضِي وَلَمْ يَعْلَمْ بِكِتَابَةِ الْآخَرِ لَمْ يَصِحَّ فَإِنْ غَابَ هَذَا الْمَرْدُودُ وَجَاءَ الْآخَرُ

دو آدمیوں نے ایک غلام سے ایک ہی بار عقد مکاتبہ کیا اور مکاتب عاجز آ گیا قاضی اس کو عاجز قرار نہیں دے گا یہاں تک کہ وہ دونوں جمع ہو جائیں۔ کیونکہ وہ دونوں ایک فرد کی طرح ہیں۔ وارثوں کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ قاضی ایک وارث کے مطالبہ پر اس کو عاجز کر سکتا ہے،''مجتبیٰ''۔ اس میں ہے: ایک آدمی نے دو غلاموں سے ایک ہی بار عقد مکاتبہ کیا اس میں ہے: ایک آدمی نے دو غلاموں سے ایک ہی بار عقد مکاتبہ کیا دونوں میں سے ایک عاجز آ گیا تو آقا یا قاضی نے اسے غلامی کی طرف لوٹا دیا اور اسے دوسرے کی کتابت کا علم نہ ہوا تو یہ صحیح نہیں۔ اگر یہ غلامی کی طرف لوٹایا جانے والے غائب ہو گیا اور دوسرا آ گیا

حاصل ہے کہ اس کے ساتھ تسری (لونڈی بنائے اور اس سے وطی) کرے۔

''حلبی'' نے کہا: یہ مسئلہ کتابۃ المکاتب میں سے کسی بھی اعتبار سے نہیں۔ کیونکہ یہ انسان جو آزاد ہو یا غلام ہو، مدبر ہو یا مکاتب ہو، ام ولد کا بیٹا ہو یا مستسعی ہو جب وہ اپنی بیوی جو لونڈی ہو کو دو طلاقیں دے دے تو اس کو حرمت غلیظہ حاصل ہو جائے گی۔ اور اس کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ اس کے ساتھ عقد نکاح کرے یا ملک یمین کی وجہ سے اس کے ساتھ وطی کرے یہاں تک کہ وہ عورت کسی اور مرد سے عقد نکاح کرے۔ اس امر کی طرف شارح نے اپنے اس قول کما تقرر فی محلہ کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔

30503۔ (قولہ: كَاتَبَا عَبْدًا كِتَابَةً وَاحِدَةً الخ) ایک غلام کی قید لگائی ہے۔ یہ اصل میں ان دو غلاموں سے احتراز ہے جو دو آدمیوں کے ہوں جن دونوں نے ان دونوں سے ایک ہی بار عقد مکاتبہ کیا ہو پھر ان میں سے ایک عاجز آ گیا ہو تو اس کے آقا کو حق حاصل ہوگا کہ وہ کتابت کو منسوخ کر دے اگرچہ دوسرے کا آقا غائب ہو''ہندیہ'' نے''المحیط'' سے نقل کیا ہے۔''ط''۔

30504۔ (قولہ: لِأَنَّهُمَا) کیونکہ دونوں آقا ایک آقا کی طرح ہیں اور یہ امر تجزی کو قبول نہیں کرتا۔''ط''۔

30505۔ (قولہ: يُعَجِّزُهُ بِطَلَبِ أَحَدِهِمْ) یعنی ایک کے مطالبہ کے بعد اسے عاجز قرار دے یعنی جب غلام نے اس کا مطالبہ کیا ہے۔ کیونکہ ایک وارث باقی وارثوں کی جانب سے خصم بن جائے گا۔''ط''۔

30506۔ (قولہ: بِمَرَّةٍ) یعنی ایک ہی عقد کے ساتھ۔''ط''۔

30507۔ (قولہ: وَلَمْ يَعْلَمْ) یعنی قاضی یہ نہیں جانتا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ قید احترازی نہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ اس کے ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ رد کا اقدام کرنا جائز ہے۔

30508۔ (قولہ: لَمْ يَصِحَّ) کیونکہ دونوں کی کتابت ایک ہے اور دونوں میں سے ایک دوسرے کا نائب نہیں جس طرح اس سے قبل والے مسئلہ میں ہے۔''رحمتی''۔

ثُمَّ عَجَزَ فَلَيْسَ لِلْآخَرِ رَدُّهُ فِي الرِّقِّ فُرُوعٌ اخْتَلَفَ الْمَوْلَى وَالْمُكَاتَبُ فِي قَدْرِ الْبَدَلِ فَالْقَوْلُ لِلْمُكَاتَبِ عِنْدَنَا، وَلَا يَحْبِسُ الْمُكَاتَبُ فِي دَيْنِ مَوْلَاهُ فِي الْكِتَابَةِ وَفِيمَا سِوَى دَيْنِ الْكِتَابَةِ قَوْلَانِ سِرَاجِيَّةٌ قُلْتُ وَفِي عَتَاقِ الْوَهْبَانِيَّةِ

وَفِي غَيْرِ جِنْسِ الْحَقِّ يَحْبِسُ سَيِّدًا مُكَاتَبَهُ وَالْعَبْدُ فِيهَا مُخَيَّرُ

اور پھر عاجز آ گیا تو دوسرے کو اسے غلامی میں لوٹانے کا حق نہیں ہوگا۔ فروع: آقا اور مکاتب نے بدل کی تعداد میں اختلاف کیا تو ہمارے نزدیک قول مکاتب کا ہوگا۔ اور مکاتب کو اپنے آقا کے دین میں کتابت میں محبوس نہیں کیا جائے گا اور کتابت کے دین کے علاوہ میں دو قول ہیں، ''سراجیہ''۔ میں کہتا ہوں: ''وہبانیہ'' کے کتاب العتاق میں ہے: حق کی جنس کے علاوہ میں سید کا مکاتب، سید کو محبوس کرے گا اور غلام کو کتابت میں اختیار ہوگا وہ دونوں میاں بیوی جن کو آزاد کیا گیا تھا

30509۔ (قولہ: فَلَيْسَ لِلْآخَرِ) اسی طرح ''المنح'' میں ہے۔ جو میں نے ''المجتبیٰ'' کے دونوں نسخوں میں دیکھا ہے۔ قاضی کو یہ حق نہیں۔ ''ہندیہ'' اور ''تاتر خانیہ'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: اگر وہ غائب ہو جائے جسے عجز کے سبب غلامی کی طرف لوٹایا گیا اور دوسرا اس آقا نے اس سے ایک قسط یا دو قسطوں میں سعایت کروائی تو اس نے یہ ارادہ کیا کہ اسے غلام کی طرف لوٹائے یا قاضی نے یہ ارادہ کیا تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا۔

30510۔ (قولہ: فِي قَدْرِ الْبَدَلِ) اسی طرح اس کی جنس میں ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ آقا کہے: میں نے تجھ سے دو ہزار پر مکاتبہ کیا یا دنانیر پر مکاتبہ کیا۔ غلام نے کہا: جبکہ ہزار پر یا دراہم پر مکاتبہ کیا۔ ''بدائع''۔ اگر دونوں میں اجل میں یا اس کی مقدار میں اختلاف کیا تو قول آقا کا معتبر ہوگا۔ اگر اختلاف اس کے ادا کرنے میں ہو تو قول غلام کا معتبر ہوگا اور اس مقدار میں اختلاف ہو جو ہر ماہ اس پر معین کیا گیا تو قول آقا کا معتبر ہوگا۔ ''ہندیہ''۔

30511۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ لِلْمُكَاتَبِ عِنْدَنَا) خواہ اس نے بدل میں سے کوئی شے ادا کی ہو یا ادا نہ کی ہو۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا آخری قول ہے۔ کیونکہ جب اختلاف مستحق کی مقدار یا اس کی جنس میں ہو تو قول مستحق علیہ کا ہوگا وہ کہا کرتے تھے: وہ دونوں قسم اٹھائیں گے اور دونوں واپس کریں گے جیسے بیع میں ہوتا ہے۔ ''بدائع''۔

30512۔ (قولہ: فِي الْكِتَابَةِ) یعنی بدل کتابت میں۔ فی سببیہ ہے جس طرح اس جملہ میں فی سببیہ ہے دخلت النار امرأة فی هرة حبستها جہنم میں ایک عورت داخل ہوئی ایک بلی کے سبب سے جس بلی کو اس نے محبوس رکھا تھا۔ اسے اس وجہ سے محبوس نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ دین قاصر ہے یہاں تک کہ اس کی کفالت اٹھانا جائز نہیں۔ ''بدائع''۔

30513۔ (قولہ: وَفِيمَا سِوَى دَيْنِ الْكِتَابَةِ) جیسے استہلاک کا دین یا ایسا دین جو اس نے آقا سے لیا جبکہ اسے اجازت تھی پھر اس کے ساتھ عقد مکاتبہ کیا یا قرض کا دین۔ ''ط''۔

30514۔ (قولہ: وَفِي غَيْرِ جِنْسِ الْحَقِّ الخ) اس میں تین مسائل ہیں۔

وَلَاءُ لِأَوْلَادِ لِزَوْجَيْنِ حُرِّرَا لِمَوْلَى أَبِيهِمْ لَيْسَ لِلْأُمِّ مَعْبَرُ

تُوُفِّيَ وَمَا وَفَّى فَأُمًّا لِمَيِّتٍ مِنَ الْوُلْدِ بِعْ وَالْحَيُّ تَسْعَى وَتُحْضِرُ

أَيْ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهَا وَلَدٌ بِيعَتْ، وَإِنْ كَانَ أُسْتُسْعِيَتْ عَلَى نُجُومِهِ صَغِيرًا كَانَ وَلَدُهَا أَوْ كَبِيرًا وَعِنْدَهُمَا تَسْعَى مُطْلَقًا وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

ان کی اولاد کی ولا ان کے باپ کے موالی کے لئے ہوگی اور ماں کو اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔ مکاتب مر گیا اور اس نے بدل کتابت کو پورا نہ کیا یا تو مکاتب کی وہ ام ولد جس کا بیٹا مر گیا تو اس کو بیچ دے اور جس کا بیٹا زندہ ہے وہ ام ولد سعی کرے گی اور بدل کتابت حاضر کرے گی۔ یعنی اگر اس ام ولد کے ساتھ کوئی بچہ نہ ہو تو اس ام ولد کو بیچ دیا جائے گا اگر اس کا بچہ ہو چھوٹا ہو یا بڑا تو اس سے سعایت کرائی جائے گی۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مطلقاً سعایت کرائی جائے گی۔

1۔ اگر آقا نے اپنے مکاتب کے اس مال پر قبضہ کر لیا جو بدل کتابت کی جنس سے نہ ہو تو مکاتب کو حق حاصل ہوگا کہ آقا سے اس کا مطالبہ کرے اور حاکم اس پر آقا کو قید کر دے گا۔

2۔ اس کے مفہوم سے اخذ ہوتا ہے اگر اس کی جنس سے ہو اور مولی اس کے بدل کتابت سے ادلے کا بدلہ کر لے۔

3۔ غلام کو عقد مکاتبہ میں اختیار ہے وہ آقا کی رضا کے بغیر اس کو فسخ کر سکتا ہے۔

30515۔ (قولہ: وَلَاءُ) یہ مبتدا ہے۔ قولہ لاولاد۔ یہ محذوف کے متعلق ہے ولاء کی لغت ہے۔

قولہ: لِزَوْجَيْنِ: یہ اولاد کی نعت ہے قولہ حررا یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی دونوں کو آزاد کیا گیا یہ زوجین کی نعت ہے۔

قولہ: لمولی ابیہم یہ محذوف کے متعلق ہے مبتدا کی خبر ہے۔ قولہ: لیس للام یعنی لیس لمولی الام۔ یہ خبر مقدم ہے۔ معبر یہ مصدر میمی ہے عبور سے مشتق ہے دخول کے معنی میں ہے۔ مبتدا موخر ہے۔ جملہ مستانفہ ہے یہ ماقبل کے لئے تاکید ہے۔ معنی ہے وہ میاں بیوی جن دونوں کو آزاد کیا گیا ان کی اولاد کی ولاء باپ کے موالی کے لئے ہوگی ماں کے موالی کے لئے نہیں ہوگی۔ کیونکہ باپ ہی اصل ہے۔ اگر اس عورت نے غلام سے یا مکاتب سے شادی کی تو ولاء عورت کے موالی کے لئے ہوگی۔ جب باپ کو آزاد کر دیا گیا تو ولاء اس کے موالی کی طرف کھنچ جائے گی۔ اس کی مکمل بحث ''شرح ابن شحنہ'' میں ہے۔

30516۔ (قولہ: تُوُفِّيَ وَمَا وَفَّى) دونوں ضمیریں مکاتب کے لئے ہیں۔ اور اُمًّا یہ بع کا مفعول ہے اور لمیت یہ اما کی نعت ہے۔ من الولد واؤ کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ ہے یہ لمیت کا بیان ہے اور الحی۔ مضاف کے حذف کے ساتھ مبتدا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے: وام الحی۔ و تسعی اس کی خبر تحضر ہے یہ احضر سے مشتق ہے یعنی تحضر البدل۔ یعنی بدل کتاب حاضر کرے گی۔ معنی یہ ہے: جب مکاتب مر جائے جبکہ وہ اتنا مال نہ چھوڑے جو بدل کتابت کو کافی ہوتا ہو اور اس کی ام ولد ہو یہ بچہ اس کے باپ کی حالت کتابت میں پیدا ہوا یا اس نے اس لونڈی کے ساتھ اسے خریدا تھا یہاں تک کہ وہ اس باپ کی کتابت میں داخل ہو گیا۔ اگر اس لونڈی کے ساتھ بچہ نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مر گیا ہو تو اس لونڈی کو بیچا جائے گا شارح نے جو کہا۔ اس کے آخر تک۔ واللہ تعالی اعلم۔

کِتَابُ الْوَلَاءِ

(هُوَ لُغَةً النُّصْرَةُ وَالْمَحَبَّةُ مُشْتَقٌّ مِنْ الْوَلْيِ، وَهُوَ الْقُرْبُ، وَشَرْعًا (عِبَارَةٌ عَنْ التَّنَاصُرِ بِوَلَاءِ الْعَتَاقَةِ أَوْ بِوَلَاءِ الْمُوَالَاةِ) زَيْلَعِيٌّ (وَمِنْ آثَارِهِ الْإِرْثُ وَالْعَقْلُ) وَوِلَايَةُ النِّكَاحِ وَبِهَذَا عُلِمَ أَنَّ الْوَلَاءَ لَيْسَ نَفْسَ الْمِيرَاثِ بَلْ قَرَابَةٌ حُكْمِيَّةٌ

ولا کے احکام

ولا کا لغوی معنی مدد کرنا اور محبت ہے۔ یہ ولی سے مشتق ہے جس کا معنی قرب ہے۔ اور شرع میں اس سے مراد باہم مدد کرنا ہے اس کا سبب ولاء عتاقہ ہو یا ولاء موالاۃ ہو" زیلعی"۔ اس کے آثار میں سے وراثت، دیت اور نکاح کرنے کی ولایت ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ولا نفس میراث نہیں بلکہ قرابت حکمیہ ہے

اس کتاب کو کتاب المکاتب کے بعد ذکر کیا ہے کیونکہ ولا ملک رقبہ کے زوال کے آثار میں سے ہے۔ اسے کتاب العتق کے بعد ذکر نہیں کیا تا کہ اس کی تمام انواع کے بعد واقع ہو۔

لفظ ولا کی لغوی تحقیق

30517۔ (قولہ: مُشْتَقٌّ مِنْ الْوَلْيِ) ولی یہ واؤ کے فتحہ اور لام کے سکون کے ساتھ ولیہ یلیہ کا مصدر ہے ماضی اور مضارع دونوں میں لام مکسور ہے۔ یہ باب شاذ ہے۔" جامع اللغۃ" میں اسی طرح ہے۔" ح"۔

30518۔ (قولہ: وَبِهَذَا عُلِمَ) اس میں" صدر الشریعۃ" پر چوٹ ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کی تفسیر میراث سے کی ہے اور مصنف پر چوٹ صاحب" الحقائق" کی تبع میں بھی ہے۔ اسی وجہ سے دونوں کی تفسیر سے اس قول کی طرف عدول کیا ہے بلکہ یہ قرابت حکمیہ ہے جو" کنز" وغیرہ کی تبع میں ہے۔ کیونکہ ولا وارث اور باہم مدد کے بغیر بھی ثابت ہوتی ہے جس طرح ایک کافر مسلمان کو آزاد کرے۔

" المبسوط" میں کہا: وہ اس کا وارث نہیں ہو گا۔ کیونکہ وہ ملت میں اس کا مخالف ہے۔ اور اس کی جانب سے دیت ادا نہیں کرتا۔ کیونکہ دیت نصرت کے اعتبار سے ہوتی ہے مسلمان اور کافر کے درمیان کوئی نصرت نہیں ہوتی۔ یہ" ابن کمال" نے کہا ہے۔ شارح عنقریب اس کی طرف اشارہ کریں گے۔ نیز مصنف نے جو ذکر کیا ہے وہ دور کی طرف لے جانے والا ہے کیونکہ ولا کو اپنی تعریف میں لاتے ہیں۔

ولاء نفس میراث نہیں بلکہ قرابت حکمیہ ہے

30519۔ (قولہ: بَلْ قَرَابَةٌ حُكْمِيَّةٌ) یعنی جو عتق سے یا موالاۃ سے حاصل ہوتی ہے۔" کنز"۔

تَصْلُحُ سَبَبًا لِلْإِرْثِ (وَسَبَبُهُ الْعِتْقُ عَلَى مِلْكِهِ) لَا الْإِعْتَاقُ لِأَنَّ بِالِاسْتِيلَادِ وَإِرْثِ الْقَرِيبِ يَحْصُلُ الْعِتْقُ بِلَا إِعْتَاقٍ، وَأَمَّا حَدِيثُ الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ فَجَرْيٌ عَلَى الْغَالِبِ (مَنْ عَتَقَ) أَيْ حَصَلَ لَهُ عِتْقٌ (بِإِعْتَاقٍ) وَلَوْ مِنْ وَصِيَّةٍ (أَوْ بِفَرْعٍ لَهُ) كَكِتَابَةٍ وَتَدْبِيرٍ وَاسْتِيلَادٍ (أَوْ بِمِلْكِ قَرِيبٍ)

جو وراثت کا سبب بنتی ہے۔ اس کا سبب آقا کی ملکیت پر اس کا آزاد ہونا ہے آزاد کرنا نہیں۔ کیونکہ ام ولد ہونے اور قریبی کے وارث (مالک) ہونے سے اعتاق کے بغیر عتق حاصل ہو جاتی ہے۔ جہاں تک حدیث: ولا اس کے لئے ہے جو آزاد کرے (1) یہ غالب حال پر ہے۔ اور جسے آزادی حاصل ہوئی آزاد کرنے سے اگرچہ وصیت سے ہو یا اس کی فرع سے آزادی حاصل ہو جیسے عقد مکاتبہ سے، مدبر بنانے سے اور ام ولد ہونے سے یا قریب کے مالک بن جانے سے

30520۔ (قولہ: تَصْلُحُ سَبَبًا لِلْإِرْثِ) تصلح کا لفظ ذکر کیا تا کہ اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ یہ ہمیشہ وراثت کا سبب نہیں ہوتی جس طرح تو نے ابھی جان لیا ہے اور اس لئے کہ یہ اس وقت واجب ہوتی ہے جب نسبی عصبہ نہ ہو۔

ولا کا سبب

30521۔ (قولہ: لَا الْإِعْتَاقُ) جمہور نے اس سے اختلاف کیا ہے وہ اس حدیث: الولاء لمن اعتق (2) سے استدلال کرتے ہیں۔ کیونکہ حکم کو مشتق پر مرتب کرنا یہ اس امر کی دلیل ہوتا ہے کہ مشتق منہ اس حکم کی علت ہے۔

جواب یہ ہے کہ اشتقاق میں اصل وہ مصدر ثلاثی ہے جو عتق ہے۔

30522۔ (قولہ: لِأَنَّ بِالِاسْتِيلَادِ) انّ کا اسم ضمیر محذوف ہے۔ مراد یہ ہے کہ لونڈی ام ولد ہو۔ کیونکہ ام ولد آقا کی موت سے آزاد ہو جاتی ہے اس کے آزاد کرنے سے آزاد نہیں ہوتی۔ ''ط''۔

30523۔ (قولہ: وَإِرْثِ الْقَرِيبِ) جس طرح اگر اس کا باپ مر جائے اور وہ اپنے اس بھائی کا مالک ہو جو اس کی ماں کی جانب سے ہے۔

30524۔ (قولہ: فَجَرْيٌ عَلَى الْغَالِبِ) یا یہ قصر اضافی ہے۔ ''حموی'' نے ''مقدسی'' سے نقل کیا ہے تو معنی ہوگا۔ ولاء اس کے لئے ہے جس نے آزاد کیا نہ کہ ولاء اس کے لئے ہے جس نے اپنی ذات کے لئے اس کی شرط لگائی وہ بائع ہو یا اس کے علاوہ۔ جیسے واہب اور مولی۔ ''ابو سعود''۔

30525۔ (قولہ: وَلَوْ مِنْ وَصِيَّةٍ) جس طرح وہ وصیت کرے اس کا غلام اس کی موت کے بعد آزاد کر دیا جائے یا اس کے مال میں سے ایک غلام خریدا جائے پھر اس کو آزاد کر دیا جائے۔ ''ح''۔ کیونکہ ولی کا فعل موصی کی طرف سے منتقل ہو جاتا ہے۔ ''زیلعی''۔

30526۔ (قولہ: أَوْ بِفَرْعٍ لَهُ) لہ کی ضمیر سے مراد اعتاق ہے یعنی اعتاق کی فرع ہو۔

1۔ سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، باب اذا تحولت الصدقۃ، جلد 2، صفحہ 275، حدیث نمبر 2566
2۔ ایضاً

فَوَلَاؤُهُ لِسَيِّدِهِ (وَلَوْ امْرَأَةً أَوْ ذِمِّيًّا أَوْ مَيِّتًا حَتَّى تَنْفُذَ وَصَايَاهُ وَتُقْضَى دُيُونُهُ) مِنْهُ (وَلَوْ شَرَطَ عَدَمَهُ) لِمُخَالَفَتِهِ لِلشَّرْعِ فَيَبْطُلُ (وَمَنْ أَعْتَقَ أَمَتَهُ وَ) الْحَالُ (أَنَّ زَوْجَهَا قِنُّ) الْغَيْرِ (فَوَلَدَتْ) لِأَقَلَّ مِنْ نِصْفِ حَوْلٍ مُنْذُ عَتَقَتْ (لَا يَنْتَقِلُ وَلَاءُ الْحَمْلِ)

تو اس کی ولا اس کے آقا کی ہوگی اگر چہ مالک عورت ہو، ذمی ہو یا میت ہو یہاں تک کہ میت کی وصیتیں اس میں نافذ ہوں گی اور اس سے اس کے دیون ادا کئے جائیں گے اگر چہ اس نے عدم ولا کی شرط لگائی ہو۔ کیونکہ یہ شرط شرع کے خلاف ہے پس یہ شرط باطل ہوگی۔ جس نے اپنی لونڈی کو آزاد کیا جبکہ حال یہ ہے کہ اس کا خاوند غیر کا غلام ہے تو اس نے اپنی آزادی سے نصف سال گزرنے سے پہلے بچہ جن دیا تو اس حمل کی ولا

30527۔ (قولہ: وَلَوْ امْرَأَةً) یعنی اگر چہ عورت ہو یہ قول ذکر کیا ہے تا کہ اس پر تنبیہ ہو کہ یہ عصبہ نسبیہ کے مخالف ہے۔ کیونکہ اس میں مونث نہیں ہوتا۔

30528۔ (قولہ: أَوْ ذِمِّيًّا) اگر چہ وہ اس آزاد کردہ غلام کا وارث نہیں ہوتا جو مسلمان ہو۔

30529۔ (قولہ: أَوْ مَيِّتًا) ''ابن کمال'' نے جو ذکر کیا ہے اس کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ کہا: یہ اعتراض نہ کیا جائے گا کہ تدبیر اور استیلاد کے ساتھ ولاء، سید کے لئے کیسے ہو سکتی ہے جبکہ یہ دونوں آقا کی موت کے بعد آزاد ہوئے ہوں۔ کیونکہ تو پہچان چکا ہے کہ ولا نفس میراث نہیں بلکہ قرابت حکمیہ ہے جو اس کا سبب بننے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس کا ثبوت تدبیر کے ساتھ ہوتا ہے۔ استیلاد یہ مدبر کی موت اور مقرلہ کے ساتھ آزادی پر موقوف نہیں ہوتا۔ اس کی تصریح ''مبسوط'' میں کی ہے۔ کیونکہ کہا: کیونکہ مدبر، مکاتب اور مستولد ان کی ولا کا استحقاق حاصل ہو جاتا ہے جب سبب سے ملے۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ یہ میراث ہے تو اس کا آقا کے لئے ہونے کا معنی یہ ہوگا کہ اس سے اس کی دیون ادا کئے جائیں گے اور اس کی وصیتیں نافذ ہوں گی۔ اگر یہ اس کے ورثاء کے لئے ہو تو معاملہ اس طرح نہ ہو جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو اعتراض ذکر کیا گیا ہے اس کو دور کرنے کے لئے انہوں نے مولی کے ارتداد کو فرض کیا ہے اس کا منشا قلت تدبر ہے۔ بلکہ تدریب (مشتق) کا نہ ہونا ہے۔

30530۔ (قولہ: حَتَّى تَنْفُذَ وَصَايَاهُ الخ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ آزاد کردہ غلام اس کے بعد مر جائے جبکہ ابھی اس کے میراث پر قبضہ نہ کیا گیا ہو۔

30531۔ (قولہ: لِمُخَالَفَتِهِ لِلشَّرْعِ) وہ وہ روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ ارادہ کیا کہ وہ حضرت بریرہ کو خرید لیں تا کہ اسے آزاد کریں تو حضرت بریرہ کے اہل یعنی اس کے مالکوں نے کہا کہ حضرت بریرہ کی ولاء ہمارے لئے ہوگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ امر تجھے نہ روکے کیونکہ ولاء اس کے لئے جو آزاد کرے (1)۔ ''اتقانی''۔

1۔ سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، باب اذا تحولت الصدقة، جلد 2، صفحہ 275، حدیث نمبر 2566

الْمَوْجُودِ عِنْدَ الْعِتْقِ (عَنْ مَوَالِي الْأُمِّ أَبَدًا وَكَذَا لَوْ وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ أَحَدُهُمَا لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ وَالْآخَرَ لِأَكْثَرَ مِنْهُ، وَبَيْنَهُمَا أَقَلُّ مِنْ نِصْفِ حَوْلٍ) ضَرُورَةَ كَوْنِهِمَا تَوْأَمَيْنِ (فَإِذَا وَلَدَتْهُ بَعْدَ عِتْقِهَا لِأَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ حَوْلٍ فَوَلَاؤُهُ لِمَوَالِي الْأُمِّ أَيْضًا

جو آزادی کے وقت موجود تھا ماں کے موالی سے کبھی بھی منتقل نہ ہوگی اسی طرح اگر وہ دو بچے جنے ان دونوں میں سے ایک چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا اور دوسرا چھ ماہ سے زیادہ میں پیدا ہوا اور دونوں کے درمیان نصف سال سے کم کا عرصہ حائل ہو تو یہ بدیہی امر ہے کہ دونوں جڑواں بچے ہیں۔ جب اس لونڈی نے اپنی آزادی کے بعد نصف سال سے زائد عرصہ میں بچہ جنا تو اس بچے کی ولا بھی اس کی ماں کے موالی کے لئے ہوگی۔

30532۔ (قولہ: الْمَوْجُودِ عِنْدَ الْعِتْقِ) اس قول کے ساتھ منتقل نہ ہونے کی علت کی طرف اشارہ کیا ہے ورنہ یہ ان کے قول: فولدت لاقل من نصف حول سے معلوم ہے۔ لیکن بعض نسخوں میں ان کے قول: ابدا کے بعد یہ پایا جاتا ہے جس کی نص یہ ہے: کیونکہ حمل اعتاق کے وقت موجود تھا پس اس کا اعتاق قصداً پایا گیا پس اس کی ولاء اس کے معتق سے منتقل نہ ہوگی۔ ''صدر الشریعۃ''۔

''طوری'' نے کہا: اس پر یہ اعتراض کیا گیا یہ ان کے اس قول کے مخالف ہے جو کتاب الاعتاق میں موجود ہے۔ اگر اس نے حاملہ کو آزاد کیا تو اس کا حمل اس لونڈی کی تبع میں آزاد ہوگا۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اس حمل پر خصوصاً اعتاق واقع نہیں ہوا۔ اعتاق ماں پر وارد ہوا حمل تبع میں تھا اس حیثیت سے کہ یہ اس لونڈی کا جز ہے اور لونڈی کا اعتاق اس کے تمام اجزاء کا اعتاق ہے پس حمل کا اعتاق مقصود ہوا۔ ''تامل''

یہ کہنا احسن ہے: جب اس کی آزادی میں یہ شرط نہیں کہ وہ اقل مدت میں بچہ جن دے تو علماء نے تبعیت کا ذکر کیا۔ کیونکہ جزئیت ہمیشہ متحقق نہیں ہوتی۔ جب یہاں ان کی نظر ولاء کے منتقل نہ ہونے کی طرف ہے جبکہ اس میں شرط یہ ہے کہ وہ اقل عرصہ میں پیدا ہو تو انہوں نے قصدیت کا ذکر کیا کیونکہ جزئیت متحقق ہے۔ ''فتدبر''

30533۔ (قولہ: أَبَدًا) اگر اس کا باپ آزاد ہو جائے یہاں تک کہ اگر بچہ جنایت کرے گا تو اس کی جنایت کا حکم ماں کے موالی پر لگایا جائے گا۔ ''طحطاوی'' نے ''حموی'' سے نقل کیا ہے۔

30534۔ (قولہ: كَوْنِهِمَا تَوْأَمَيْنِ) وہ دونوں سے اکٹھے حاملہ ہوئی۔ کیونکہ دونوں کے درمیان مدت حمل مخل نہیں۔ جب پہلا حمل اعتاق کو پائے گا تو دوسرا بھی اعتاق کو پائے گا۔ ''زیلعی''۔

30535۔ (قولہ: لِأَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ حَوْلٍ) زیادہ بہتر یہ قول تھا نصف حول فاکثر جس طرح ''البدائع'' میں ہے جہاں تک اکثر من الاقل کے ساتھ تعبیر ہے یہ شارح کی تعبیر کے مساوی ہے۔ فافہم

لِتَعَذُّرِ تَبْعِيَّتِهِ لِلْأَبِ لِرِقِّهِ (فَإِنْ عَتَقَ) الْقِنُّ وَهُوَ الْأَبُ قَبْلَ مَوْتِ الْوَلَدِ لَا بَعْدَهُ (جَرَّ وَلَاءَ ابْنِهِ إِلَى مَوَالِيهِ) لِزَوَالِ الْمَانِعِ هَذَا إِذَا لَمْ تَكُنْ مُعْتَدَّةً فَلَوْ مُعْتَدَّةً فَوَلَدَتْ لِأَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ حَوْلٍ مِنَ الْعِتْقِ وَلِدُونِ حَوْلَيْنِ مِنَ الْفِرَاقِ لَا يَنْتَقِلُ لِمَوَالِي الْأَبِ

کیونکہ اس کے باپ کی غلامی کی وجہ سے باپ کی تبع میں اس کا ہونا متعذر رہے۔ اگر غلام آزاد ہو جائے جبکہ وہ باپ ہو یہ بچے کی موت سے پہلے ہو اس کے بعد نہ ہو تو وہ اپنے بیٹے کی ولا اپنے موالی کی طرف کھینچ لے گا۔ کیونکہ مانع زائل ہو چکا ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ معتدہ نہ ہو اگر وہ معتدہ ہو تو وہ اس کی آزادی سے نصف سال سے زیادہ عرصہ میں اور خاوند سے فراق سے دو سال سے کم عرصہ میں بچہ جنم دے تو ولا باپ کے موالی کی طرف منتقل نہیں ہوگی۔

30536۔(قولہ: لِتَعَذُّرِ تَبْعِيَّتِهِ لِلْأَبِ) اگرچہ یہاں جزئیت کا انتفا متحقق ہو چکا ہے۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ آزادی کے بعد وہ حاملہ ہوئی لیکن اسے باپ کے تابع بنانا ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ ابھی تک آزاد نہیں ہوا پس تبعیت کے طریقہ پر ماں کے موالی کے لئے ولا ثابت ہوگی۔ کیونکہ وہ تبعاً آزاد ہوا۔ مقصود کے اعتبار سے آزاد نہیں ہوا۔

30537۔(قولہ: قَبْلَ مَوْتِ الْوَلَدِ لَا بَعْدَهُ)''ایضاح الاصلاح'' میں کہا: یعنی اگر باپ بیٹے کی موت سے پہلے آزاد کیا گیا۔ کیونکہ اگر بچہ باپ کے آزاد ہونے سے پہلے مر گیا تو اس کی ولاء ماں کے موالی سے منتقل نہ ہوگی۔ یہ قول اس امر کا تقاضا کرتا ہے اگر اس مردہ بچے کا بچہ ہو تو اس کی ولاء باپ کے موالی کی طرف منتقل نہ ہوگی۔ پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہئے۔

میں کہتا ہوں: ''الذخیرہ'' میں ہے: دادا ظاہر روایت کے مطابق اپنے پوتے کی ولاء کو نہیں کھینچتا خواہ باپ زندہ ہو یا مردہ ہو۔ ''حسن'' نے روایت کی ہے: وہ ولاء کھینچے گا۔

اس کی صورت یہ ہے: ایک غلام نے ایک قوم کی آزاد کردہ عورت سے عقد نکاح کیا اور اس کا اس عورت سے بچہ ہوا اور اس غلام کا ایک زندہ باپ ہے باپ کو اس کے بعد آزاد کر دیا گیا اور غلام اپنی حالت پر رہا پھر غلام ہو گیا جبکہ وہ اس بچے کا باپ ہے پھر بچہ مر گیا اور اس نے کوئی وارث نہیں چھوڑا تو یہ اس کی میراث کو کھینچ لے گا جو ماں کے موالی کے لئے تھی۔

30538۔(قولہ: لِزَوَالِ الْمَانِعِ) وہ باپ کی غلامی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آزادی حمل پر قصداً واقع نہیں ہوئی بلکہ ماں کی تبع میں واقع ہوئی جس طرح ہم نے پہلے اسے بیان کیا ہے اور اس ولاء کے منتقل کرنے کے منافی ہے جس کی آزادی قصداً ہو۔

30539۔(قولہ: هَذَا) اسم اشارہ سے مراد ولاء کو کھینچنا اور ولادت کی تفصیل ہے جو نصف سال سے کم یا زیادہ میں ہو۔

30540۔(قولہ: إِذَا لَمْ تَكُنْ مُعْتَدَّةً) یعنی اپنی آزادی کے وقت وہ معتدہ نہ ہو۔

30541۔(قولہ: مِنَ الْفِرَاقِ) وہ فراق موت کی صورت میں ہو یا طلاق کی صورت میں ہو۔ '' ح ''۔

30542۔(قولہ: لَا يَنْتَقِلُ لِمَوَالِي الْأَبِ) کیونکہ حمل کے ٹھہرنے کو موت کے بعد کی طرف منسوب کرنا متعذر رہے۔

(عَجَمِيٌّ لَهُ مَوْلَى مُوَالَاةٍ) أَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ، وَقَيَّدَ بِالْعَجَمِيِّ لِأَنَّ وَلَاءَ الْمُوَالَاةِ لَا يَكُونُ فِي الْعَرَبِ
ایک عجمی ہے جس کا مولی موالات ہے یا اس کا مولی موالات نہیں، عجمی کی قید لگائی۔ کیونکہ موالات کی ولا عربوں میں نہیں ہوتی۔

جبکہ یہ ظاہر ہے اور اسی طرح حمل کے ٹھہرنے کو طلاق بائن کے بعد کی طرف منسوب کرنا متعذر رہے۔ کیونکہ وطی حرام ہے۔ اسی طرح طلاق رجعی کے بعد کا معاملہ ہے۔ کیونکہ وہ شک کے ساتھ رجوع کرنے والا ہے۔ کیونکہ جب وہ دو سال سے کم میں بچے جنے گا تو یہ احتمال ہوگا کہ وہ طلاق کے وقت موجود ہو۔ پس نسب کے ثبوت کے لئے رجعت کو ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ احتمال موجود ہے کہ وہ ہو پس رجعت کو ثابت کرنے کی ضرورت ہوتا کہ نسب ثابت ہو۔ جب اس کے بعد کی طرف منسوب کرنا متعذر رہے تو اسے نکاح کی حاجت کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ پس بچہ آزاد کرنے کے وقت موجود ہوگا تو وہ بطور مقصود آزاد ہوگا۔ پس اس کی ولا منتقل نہ ہوگی اس سے یہ امر واضح ہوگیا کہ جب وہ چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچہ جنے تو حکم بطریق اولی اسی طرح ہوگا۔ کیونکہ موت یا طلاق کے وقت بچہ موجود ہے مگر جب وہ دو سال سے زائد عرصہ میں بچہ جنے تو حکم طلاق بائن اور طلاق رجعی میں مختلف ہوگا تو بائن میں صورتحال اسی طرح ہوگی جس طرح وہ پہلے تھی۔ جہاں تک طلاق رجعی کا تعلق ہے تو بچے کی ولا باپ کے موالی کے لئے ہوگی کیونکہ ہمیں یقین ہو چکا ہے کہ اس نے مراجعت کر لی ہے۔ ''عنایہ''۔

30543۔ (قولہ: عَجَمِيٌّ الخ) عجم عجمی کی جمع ہے یہ عربی کے برعکس ہے اگرچہ وہ فصیح ہو۔ ''المغرب'' میں اسی طرح ہے۔

''الفوائد الظہیریہ'' میں ہے: اس مسئلہ کی کئی صورتیں ہیں: اگر ایک عورت نے اپنی شادی کسی عربی سے کی تو اولاد کی ولا باپ کی قوم کے لئے ہوگی یہ علما کے قول میں ہے۔ اگر ایسے عجمی سے شادی کی جس کے اسلام میں کئی آبا ہوں تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک باپ کی قوم کے لئے ولا ہوگی اور طرفین کے قول کے مطابق مشائخ نے اختلاف کیا ہے۔ ''ابو بکر اعمش'' اور ''ابو بکر صفار'' سے حکایت کی گئی ہے کہ ولا باپ کی قوم کے لئے ہوگی۔ اور ان دو کے علاوہ علما نے کہا: ولا ماں کی قوم کے لئے ہوگی۔ اگر وہ ایسے حربی سے عقد نکاح کرے جو اسلام قبول کر چکا ہو اس نے کسی سے موالات کی ہو یا موالات نہ کی ہو تو یہی کتاب کا مسئلہ ہے۔ اگر وہ غلام ہے یا مکاتب سے عقد نکاح کرے تو بالاجماع ماں کے موالی کے لئے ولا ہوگی مگر جب غلام آزاد ہو جائے تو وہ ولا کو اپنے موالی کی طرف کھینچ لے گا۔ ''کفایہ''۔

30544۔ (قولہ: أَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ) متن کے مسئلہ کی صورت یہ بنتی ہے جس کے لئے مولی موالات ہو تو اس کا مقابل (یعنی جس کا ایسا مولی نہ ہو) بدرجہ اولی مفہوم ہوگا۔ اگر یوں قول کرتے: فولاء ولدها لمواليها و ان كان له مولى الموالاة جس طرح ''کنز'' کی عبارت ہے تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔ ''ح''۔

30545۔ (قولہ: لَا يَكُونُ فِي الْعَرَبِ) یعنی عربی مولی اسفل نہیں ہوتا۔ ''ح''۔

لِقُوَّةِ أَنْسَابِهِمْ (نَكَحَ مُعْتَقَتَهُ) وَلَوْ لِعَرَبِيٍّ (فَوَلَدَتْ مِنْهُ فَوَلَاءُ وَلَدِهَا لِمَوْلَاهَا) لِقُوَّةِ وَلَاءِ الْعَتَاقَةِ حَتَّى أُعْتُبِرَ فِيهِ الْكَفَاءَةُ لَا فِي الْعَجَمِ وَوَلَاءِ الْمُوَالَاةِ (وَالْمُعْتَقُ مُقَدَّمٌ عَلَى الرَّدِّ وَ) مُقَدَّمٌ (عَلَى ذَوِي الْأَرْحَامِ مُؤَخَّرٌ عَنِ الْعَصَبَةِ النَّسَبِيَّةِ) لِأَنَّهُ عَصَبَةٌ سَبَبِيَّةٌ (فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلَى ثُمَّ الْمُعْتَقُ

کیونکہ ان کے انساب قوی ہیں۔اس نے عجمی کی معتقہ سے عقد نکاح کیا خواہ وہ عربی کی معتقہ ہو تو اس عورت نے اس سے ایک بچہ جنا تو اس کے بچے کی ولا اس کی ماں کے مولی کے لئے ہوگی۔ کیونکہ ولاء عتاقہ قوی ہے یہاں تک کہ اس میں کفاءت کا اعتبار ہوتا ہے عجم اور ولا موالات میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہوتا اور آزاد کرنے والا میراث کو رد کرنے پر مقدم ہوتا ہے اور ذوی الارحام پر مقدم ہوتا ہے اور عصبہ نسبیہ سے موخر ہوتا ہے۔ کیونکہ معتق عصبہ سببیہ ہے۔اگر آقا مر جائے پھر آزاد کردہ غلام مر جائے

30546۔(قولہ: وَلَوْ لِعَرَبِيٍّ) صحیح قول یہ ہے: ولو لعجمی کیونکہ جب ولا مولی عجمی کے لئے ہے تو مولی عربی کے لئے بدرجہ اولیٰ ہوگی۔''ح''۔

30547۔(قولہ: لِمَوْلَاهَا) یہ طرفین کے نزدیک ہے۔اور امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک باپ کے مولی کے لئے ہے۔یہ باپ کی جانب کو ترجیح دینے کی بنا پر ہے۔

30548۔(قولہ: حَتَّى أُعْتُبِرَ فِيهِ الْكَفَاءَةُ) اس کی وضاحت اس کے باب میں گزر چکی ہے اور عنقریب آئے گی۔ نیز وہ ذی رحم محرم پر مقدم ہے اور یہ وقوع کے بعد فسخ کو قبول نہیں کرے گی اور موالات کلی طور پر اس کے برعکس ہے۔

30549۔(قولہ: لَا فِي الْعَجَمِ وَوَلَاءِ الْمُوَالَاةِ) یعنی نسب اور آزادی کی بنا پر ان دونوں میں کفو کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ آزادی اور نسب عجمیوں کے حق میں ضعیف ہیں۔ کیونکہ ان کی آزادی غلام بنائے جانے کے ساتھ باطل کئے جانے کا احتمال رکھتی ہے۔عربوں کا معاملہ مختلف ہے۔ نیز انہوں نے اپنے نسب ضائع کر دیئے ہیں۔ کیونکہ عجمیوں کا اسلام سے قبل باہم فخر دنیاوی مال و متاع پر تھا اور اس کے بعد بھی ان کا باہم فخر اسی پر ہے۔ ہمارے آقا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول: سلمان ابوہ الاسلام میں اسی طرف اشارہ کیا ہے جب باپ کی جانب سے ضعف ثابت ہو گیا تو وہ اور غلام برابر ہیں۔

30550۔(قولہ: وَالْمُعْتَقُ مُقَدَّمٌ عَلَى الرَّدِّ) یہاں سے لے کر بیت المال تک کے مسائل یہ کتاب الفرائض سے تعلق رکھتے ہیں چاہیے کہ انہیں حذف کر دیا جائے۔''ح''۔

30551۔(قولہ: مُؤَخَّرٌ عَنِ الْعَصَبَةِ النَّسَبِيَّةِ) یعنی اس کی تینوں اقسام سے: جو نفس، غیر اور مع الغیر ہیں۔نسبیہ کا لفظ ذکر کر کے سببیہ کی ایک اور نوع سے احتراز کیا ہے وہ مولی موالات ہے۔ کیونکہ معتق اس پر مقدم ہے اور معتق کا عصبہ اس کی مثل ہے۔

30552۔(قولہ: لِأَنَّهُ عَصَبَةٌ سَبَبِيَّةٌ) یعنی نسب اقوی ہے۔

30553۔(قولہ: ثُمَّ الْمُعْتَقُ) یہ لفظ تا کے فتحہ کے ساتھ اسم مفعول کا صیغہ ہے یعنی جسے آزاد کیا گیا تھا۔

وَلَا وَارِثَ لَهُ نَسَبِيٌّ (فَمِيرَاثُهُ لِأَقْرَبِ عَصَبَةِ الْمَوْلَى) الذُّكُورِ وَسَنُحَقِّقُهُ فِي بَابِهِ (وَلَيْسَ لِلنِّسَاءِ مِنْ الْوَلَاءِ إلَّا مَا أَعْتَقْنَ) كَمَا فِي الْحَدِيثِ الْمَذْكُورِ فِي الدُّرَرِ وَغَيْرِهَا

جبکہ اس کا کوئی نسبی وارث نہ ہو تو اس کی میراث آقا کے قریبی مذکر عصبہ کے لئے ہوگی ہم اس کو اس کے باب میں ثابت کریں گے۔ عورتوں کے لئے ولا میں سے کوئی چیز نہیں مگر جو آزاد کریں جس طرح اس حدیث میں ہے جو ''الدرر'' وغیرھا میں مذکور ہے۔

30554۔ (قولہ: وَلَا وَارِثَ لَهُ نَسَبِيٌّ) یہ صاحب الفرض اور عصبی کو عام ہے۔

30555۔ (قولہ: لِأَقْرَبِ عَصَبَةِ الْمَوْلَى) عصبہ کے عصبہ کو خارج کر دیا اگر وہ عورت غلام کو آزاد کرے پھر وہ عورت اپنے خاوند، اس سے بیٹے اور ایک بھائی جو ماں سے نہ ہو کو چھوڑ کر مر جائے پھر آزاد کردہ غلام مر جائے تو ولا صرف اس عورت کے بیٹے کے لئے ہوگی۔ اگر بیٹا مر جائے اور وہ اپنا ماموں اور باپ چھوڑ کر مرے تو ولا ماموں کے لئے ہوگی۔ کیونکہ ماموں اس عورت کا عصبہ ہے اس بچے کا باپ اس عورت کا عصبہ نہیں۔ کیونکہ وہ باپ اس کے بیٹے کا عصبہ ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''البدائع'' اور ''الذخیرہ'' میں ہے۔

30556۔ (قولہ: الذُّكُورِ) یہ عصبہ کی لغت ہے یعنی یہ نساء کی صفت نہیں۔ کیونکہ یہاں کوئی عصبہ بالغیر اور عصبہ مع الغیر نہیں۔ اس حدیث کی وجہ سے جو ذکر کی جا چکی ہے۔

30557۔ (قولہ: وَسَنُحَقِّقُهُ فِي بَابِهِ) یعنی ہم میراث کے باب میں اسے ثابت کریں گے جو کلام یہاں ہے اس پر کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا مگر حدیث کی علت بیان کی ہے۔

30558۔ (قولہ: وَلَيْسَ لِلنِّسَاءِ الخ) استثنا کا موقع تھا اس کی جگہ کلام مستانفہ ذکر کی۔ کیونکہ ان کا قول: لاقرب عصبۃ المولی بعض عورتوں کو شامل ہے۔ اسی وجہ سے اس کے بعد اپنے اس قول سے تفریع کا ذکر کیا ہے: فلو مات الخ۔ اس سے تو جان چکا ہے کہ شارح نے جو پہلے الذکور کی جو قید ذکر کی ہے وہ لازم نہیں۔

30559۔ (قولہ: الْمَذْكُورِ فِي الدُّرَرِ وَغَيْرِهَا) وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: لیس للنساء من الولاء الا ما اعتقن او اعتق من اعتقن او کاتبن او کاتب من کاتبن او دبرن او دبر من دبرن او جرّ ولاء معتقهن او معتق معتقهن (1)۔ عورتوں کے لئے ولا نہیں مگر جو وہ آزاد کریں یا جس کو انہوں نے آزاد کیا وہ آزاد کرے یا وہ عقد مکاتبہ کریں یا جن کو انہوں نے مکاتب بنایا وہ آگے کسی کو مکاتب بنائیں یا وہ کسی غلام کو مدبر بنائیں یا جن کو انہوں نے مدبر بنایا وہ آگے کسی کو مدبر بنائے یا جو ان کے آزاد کردہ یا ان کے آزاد کردہ کے آزاد کردہ کی ولا کھینچ لائے۔ اس حدیث میں جرّ کا عطف دبّر پر ہے یا اعتق پر عطف ہے۔ ولا اس کا مفعول ہے اور معتقهن اس کا فاعل ہے ''قہستانی''۔ جب اس عورت نے غلام کو مدبر بنایا تو وہ عورت مر گئی پھر غلام مر گیا تو اس غلام کی ولا اس عورت کے لئے ہوگی یہاں تک کہ اس عورت کے عصبہ میں سے کوئی

1۔ نصب الرایۃ، کتاب الولاء، جلد 4، صفحہ 373۔ ایضاً، فتاویٰ سراجیہ، کتاب الولاء، صفحہ 52

لَكِنْ قَالَ الْعَيْنِيُّ وَغَيْرُهُ إِنَّهُ حَدِيثٌ مُنْكَرٌ لَا أَصْلَ لَهُ وَسَيَجِيءُ الْجَوَابُ عَنْهُ فِي الْفَرَائِضِ ثُمَّ فَرَّعَ عَلَى الْأَصْلِ الْمَذْكُورِ بِقَوْلِهِ (فَلَوْ مَاتَ الْمُعْتَقُ وَلَمْ يَتْرُكْ إِلَّا ابْنَةَ مُعْتِقِهِ فَلَا شَيْءَ لَهَا) أَيْ لِابْنَةِ الْمُعْتِقِ (وَيُوضَعُ مَالُهُ فِي بَيْتِ الْمَالِ) هَذَا ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ وَذَكَرَ الزَّيْلَعِيُّ مَعْزِيًّا لِلنِّهَايَةِ أَنَّ بِنْتَ الْمُعْتِقِ تَرِثُ فِي زَمَانِنَا لِفَسَادِ بَيْتِ الْمَالِ

لیکن ''عینی'' وغیرہ نے کہا ہے: یہ حدیث منکر ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔ اس کا جواب کتاب الفرائض میں آئے گا۔ پھر مذکور قاعدہ پر اپنے اس قول کے ساتھ تفریع کا ذکر کیا ہے اگر آزاد کردہ غلام مر گیا اور اس نے اپنے آزاد کرنے والے کی بیٹی کے سوا کسی کو نہیں چھوڑا تو آزاد کرنے والے کی بیٹی کے لئے کوئی شے نہ ہوگی اور اس کا مال بیت المال میں رکھ دیا جائے گا۔ یہ ظاہر روایت ہے۔ ''زیلعی'' نے ''النہایہ'' کی طرف منسوب کرتے ہوئے ذکر کیا کہ آزاد کرنے والے کی بیٹی ہمارے زمانہ میں وارث بنے گی۔ کیونکہ بیت المال میں فساد پیدا ہو چکا ہے۔

مذکر ہو اسی طرح اگر وہ مر جائے اور مدبر اس کی وجہ سے آزاد ہو جائے تو وہ آگے غلام کو مدبر بنائے پھر وہ مر جائے تو اس کی ولا اس عورت کے عصبہ کے لئے ہوگی۔

تتمہ: ''ابو سعود'' نے ''دیری'' کی ''تکملۃ الفتح'' سے نقل کرتے ہوئے کہا: ما جو غیر ذوالعقول کے لئے وضع کیا گیا ہے اس کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ رقیق، میت کے قائم مقام ہے جو جماد کے ساتھ لاحق کئے گئے ہیں۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ (المومنون: 6) اس کی آزادی کے بعد اسے من کے ساتھ تعبیر کیا ہے: او اعتقن من اعتقن کیونکہ آزاد ہونے کے ساتھ وہ حکماً زندہ ہو چکا ہے۔

30560۔ (قولہ: لَكِنْ قَالَ الْعَيْنِيُّ وَغَيْرُهُ الخ) حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن ثابت سے یہ وارد ہے وہ ولاء کی وجہ سے عورتوں کو وارث نہیں بناتے تھے مگر جنہیں وہ مکاتب بنائیں یا جنہیں وہ آزاد کریں۔

30561۔ (قولہ: وَسَيَجِيءُ الْجَوَابُ عَنْهُ فِي الْفَرَائِضِ) اس کی نص وہاں ہے اگرچہ اس میں شذوذ ہیں لیکن کبار صحابہ کی کلام کے ساتھ متاکد ہو چکی ہے پس وہ مشہور کے قائم مقام ہے جس طرح سید نے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے اور مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے ''ح''۔ ہم عنقریب وہاں اس پر مفصل کلام ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

30562۔ (قولہ: وَذَكَرَ الزَّيْلَعِيُّ الخ) اس کی مثل ''ذخیرہ'' میں ہے کہا: اسی طرح امام ''ابوبکر برزنجری'' اور قاضی ''امام صدر الاسلام'' فتویٰ دیا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ بچی بیت المال کی بنسبت میت کے زیادہ قریب ہے پس وہ مال بیٹی کو دینا زیادہ بہتر ہے کیونکہ وہ اولاد اگر مذکر ہوتی تو وہ اس مال کی مستحق ہوتی۔

30563۔ (قولہ: تَرِثُ فِي زَمَانِنَا) ''زیلعی'' کی عبارت ہے: مال اس بچی کو دے دیا جائے گا۔ یہ وراثت کے طریقہ پر نہیں ہوگا۔ بلکہ اس لئے کہ وہ لوگوں کی بنسبت میت کے زیادہ قریب ہے۔ ''ح''۔

وَكَذَا مَا فَضَلَ عَنْ فَرْضِ أَحَدِ الزَّوْجَيْنِ يُرَدُّ عَلَيْهِ وَكَذَا الْمَالُ يَكُونُ لِلِابْنِ أَوْ الْبِنْتِ رَضَاعًا كَذَا فِي فَرَائِضِ الْأَشْبَاهِ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ وَغَيْرُهُ (وَإِذَا مَلَكَ الذِّمِّيُّ عَبْدًا) وَلَوْ مُسْلِمًا (وَأَعْتَقَهُ فَوَلَاؤُهُ لَهُ) لِأَنَّ الْوَلَاءَ كَالنَّسَبِ فَيَتَوَارَثُونَ بِهِ عِنْدَ عَدَمِ الْحَاجِبِ كَالْمُسْلِمِينَ فَلَوْ مُسْلِمًا لَا يَرِثُهُ وَلَا يَعْقِلُ عَنْهُ،

اسی طرح میاں بیوی میں سے کسی کے معین حصہ سے جو بچے گا اسے اس پر لوٹا دیا جائے گا۔ اسی طرح وہ مال ہے جو رضاعی بیٹے یا بیٹی کے لئے ہوگا۔ ''الاشباہ'' کے کتاب الفرائض میں اسی طرح ہے۔ مصنف وغیرہ نے اسے ثابت رکھا ہے۔ جب کوئی ذمی کسی غلام کا مالک بن جائے اگر چہ وہ غلام مسلمان ہو اور اسے آزاد کر دے تو اس آزاد کردہ غلام کی ولا اس آقا کے لئے ہوگی۔ کیونکہ ولا نسب کی طرح ہے جب تک حاجب نہ ہو وہ ایک دوسرے کے وارث بنیں گے جیسے مسلمان ہیں اگر وہ مسلمان ہو تو نہ اس کا وارث ہوگا اور نہ ہی اس کی جانب سے دیت دے گا۔

30564۔(قولہ: وَكَذَا مَا فَضَلَ الخ) اسے ''ذخیرہ'' میں امام ''عبدالواحد الشہید'' کے فرائض کی طرف منسوب کیا ہے۔

30565۔(قولہ: لِلِابْنِ أَوْ الْبِنْتِ رَضَاعًا) اسے ''ذخیرہ'' میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

30566۔(قولہ: وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ وَغَيْرُهُ) ''شرح الملتقی'' میں کہا: میں کہتا ہوں: لیکن مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ یہ فتویٰ نہیں دیتے تھے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ اس میں کتاب الفرائض میں سے مسائل ہیں۔

میں کہتا ہوں: میں نے اپنے زمانہ میں کسی کو نہیں دیکھا جس نے یہ فتویٰ دیا ہو اور نہ ہی کسی کو دیکھا جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا ہو۔ اس قول کی بنا پر اس کے جواز کا قول دیانت کے طور پر ہو۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہئے اور اس میں تدبر کیا جانا چاہئے۔

30567۔(قولہ: وَلَوْ مُسْلِمًا) اسے لائے ہیں کیونکہ کلام ولا کے ثبوت میں ہے۔ جہاں تک میراث کا تعلق ہے تو وہ ثابت نہ ہوگی جب تک آزاد کرنے والا کافر ہو۔ پس اس پر عنقریب تنبیہ کی جائے گی۔ فافہم

30568۔(قولہ: فَلَوْ مُسْلِمًا لَا يَرِثُهُ) کیونکہ وراثت کی شرط معدوم ہے اور وہ ملت کا ایک ہونا ہے یہاں تک کہ اگر ذمی آزاد کئے جانے والے کی موت سے پہلے مسلمان ہو جائے پھر آزاد کردہ غلام آزاد ہو تو وہ اس کا وارث بنے گا۔ اسی طرح اگر ذمی کا مسلمانوں میں سے عصبہ ہو جس طرح مسلمان کا چچا ہو تو وہ اس کا وارث ہوگا۔ کیونکہ ذمی کو میت کی طرح قرار دیا جاتا ہے۔ اگر اس کا مسلمان عصبہ نہ ہو تو اسے بیت المال کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ اگر مسلمان غلام ہو جو ایک مسلمان اور ذمی کے درمیان مشترک ہو تو اس کا نصف مسلمان کے لئے ہوگا اور دوسرا نصف ذمی کے قریبی عصبہ میں سے مسلمان کے لئے ہوگا۔ اگر اس کا قریبی عصبہ مسلمان ہو ورنہ اسے بیت المال کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ ''بدائع''۔

30569۔(قولہ: وَلَا يَعْقِلُ عَنْهُ) اگر آزاد کرنے والا بنی تغلب سے تعلق رکھتا ہو تو دیت اس کے قبیلہ پر ہوگی جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔ اس سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اگر معتق ذمی کا کوئی قبیلہ نہ ہو تو مسلمان غلام کی دیت اس کی ذات

وَبِهٰذَا اتَّضَحَ فَسَادُ الْقَوْلِ بِأَنَّ الْوَلَاءَ هُوَ الْمِيرَاثُ حَقَّ الِاتِّضَاحِ (وَلَوْ أَعْتَقَ حَرْبِيٌّ فِي دَارِ الْحَرْبِ عَبْدًا حَرْبِيًّا لَا يَعْتِقُ) بِمُجَرَّدِ إِعْتَاقِهِ (إِلَّا أَنْ يُخَلِّيَ سَبِيلَهُ فَإِذَا خَلَّاهُ عَتَقَ حِينَئِذٍ وَلَا وَلَاءَ لَهُ) حَتَّى لَوْ خَرَجَا إِلَيْنَا مُسْلِمَيْنِ لَا يَرِثُهُ خِلَافًا لِلثَّانِي (وَكَانَ لَهُ أَنْ يُوَالِيَ مَنْ شَاءَ لِأَنَّهُ لَا وَلَاءَ لِأَحَدٍ) عَلَيْهِ (وَلَوْ دَخَلَ مُسْلِمٌ فِي دَارِ الْحَرْبِ فَاشْتَرَى عَبْدًا ثَمَّةَ وَأَعْتَقَهُ

اس سے اس قول کہ ولا میراث میں ہے کا فساد اچھی طرح واضح ہو گیا۔ اگر حربی نے دار الحرب میں ایک حربی غلام آزاد کر دیا تو محض اس کے آزاد کرنے سے وہ آزاد نہیں ہو گا مگر جب اس کا راستہ چھوڑ دے جب وہ اس کا راستہ چھوڑ دے تو وہ غلام اس وقت آزاد ہو جائے گا اور اس کے لئے ولا نہیں ہو گی یہاں تک کہ اگر دونوں ہماری طرف مسلمان کی حیثیت سے آئیں تو وہ اس کا وارث نہیں بنے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور اسے حق حاصل ہو گا جس کے ساتھ چاہے عقد موالات کرے۔ کیونکہ اس پر کسی کو ولا حاصل نہیں اگر مسلمان دار الحرب میں داخل ہو وہاں کوئی غلام خریدے اور اسے زبانی آزاد کر دے

پر ہو گی۔ کیونکہ سابقہ مسئلہ میں اس کی تصریح کر دی ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے جب اس کا کوئی مسلمان عصبہ نہ ہو تو میراث بیت المال کے لئے ہو گی اور دیت اس غلام کی ذات پر ہو گی۔

30570۔(قولہ: وَبِهٰذَا اتَّضَحَ الخ) کیونکہ یہاں تو ولا میراث کے بغیر پائی گئی ہے۔ ''ح''۔

30571۔(قولہ: وَلَوْ أَعْتَقَ حَرْبِيٌّ) حربی کی قید لگانا ان کے اس قول: لا یعتق الا ان یخلی سبیلہ کو دیکھنے کی بنا پر مفید ہے۔ کیونکہ مسلمان ہونے کی صورت میں صرف قول کرنے سے آزاد ہو جاتا ہے جس طرح عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔ جہاں تک اس قول ولا ولاء لہ کو دیکھیں تو وہ اور مسلمان برابر ہیں۔ عنقریب اس بارہ میں کلام ذکر کریں گے جو مکمل نہیں۔

وہ حربی غلام اگرچہ مسلمان ہو یا ذمی ہو بالاجماع سب آزاد ہو جائے گا اور اس غلام کی ولا اس آقا کے لئے ہو گی، ''بدائع''۔

30572۔(قولہ: فَإِذَا خَلَّاهُ عَتَقَ) یعنی اس کا عتق صحیح ہو گا لیکن یہ عتق ان کے زوال کے حق میں ہے اگرچہ ملک کے زائل کرنے کے حق میں صحیح ہے۔ کیونکہ حربی کا دار الحرب میں ہونا یہ اس کے رق کا سبب ہے۔ ''طوری'' نے ''المحیط'' سے نقل کیا ہے۔

30573۔(قولہ: وَلَا وَلَاءَ لَهُ) یہ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ کیونکہ طرفین کے نزدیک وہ اعتاق کے کلام کرنے سے آزاد نہیں ہوا بلکہ یہ تخلیہ کے ساتھ آزاد ہوا ہے اور ایسا عتق جو تخلیہ سے ثابت ہو یہ ولا کو ثابت نہیں کرتا۔ ''بدائع''۔ کیونکہ تو یہ جان چکا ہے کہ یہ رق کو زائل نہیں کرتا اگرچہ ملک کو زائل کر دیتا ہے۔

30574۔(قولہ: خِلَافًا لِلثَّانِي) امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی ولا اس کے آقا کے لئے ہو گی۔ کیونکہ قول کے ساتھ آزاد کرنا صحیح ہے۔ اسی طرح کا حکم ہو گا اگر وہ اسے دار الحرب میں مدبر بنائے تو وہ اسی اختلاف پر مبنی ہو گا۔ اس میں کوئی

بِالْقَوْلِ عَتَقَ بِلَا تَخْلِيَةٍ لَوْ كَانَ الْعَبْدُ مُسْلِمًا فَأَعْتَقَهُ مُسْلِمٌ أَوْ حَرْبِيٌّ)
تو وہ تخلیہ کے بغیر آزاد ہو جائے گا۔ اگر غلام مسلمان ہو اور اسے کوئی مسلمان آزاد کرے یا کوئی حربی اسے آزاد کرے

اختلاف نہیں کہ استیلاد جائز ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد نسب کے ثبوت پر ہے اور نسب دار الحرب میں ثابت ہو جاتا ہے،'' بدائع''۔

اگر مسلمان دار الحرب میں غلام خرید ے اور اسے زبانی آزاد کر دے تو وہ تخلیہ کے بغیر آزاد ہو گا

30575_(قولہ: عَتَقَ بِلَا تَخْلِيَةٍ) یعنی اس کی ولا اس کے لئے ہوگی جس طرح گزشتہ تعلیل اس امر کا فائدہ دیتی ہے۔ کیونکہ وہ قول کے ساتھ آزاد ہو جاتا ہے تخلیہ کے ساتھ آزاد نہیں ہوتا۔ لیکن ''شرنبلالیہ'' میں ''البدائع'' میں مروی ہے: وہ قول سے آزاد نہیں ہوتا بلکہ ان کے نزدیک تخلیہ سے آزاد ہوتا ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ اس کا مولی ہو جائے گا۔ یہ اس کے خلاف ہے جس کا شارح نے ذکر کیا ہے۔ میں نے ''البدائع'' کے دونوں نسخوں میں اسے نہیں پایا۔ ہاں میں نے ''ہندیہ'' میں ''البدائع'' کی طرف منسوب یہ دیکھا ہے۔ اگر مسلمان اپنے مسلمان غلام یا ذمی غلام کو دار الحرب میں آزاد کر دے تو اس غلام کی ولا اس مسلمان کے لئے ہوگی۔ کیونکہ اس کا آزاد کرنا بالا جماع جائز ہے۔ اگر وہ اپنا حربی غلام دار الحرب میں بیچ دے تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ اس کا مولی نہیں ہو گا۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ مولی ہو گا۔ اس میں ایسی کوئی بات نہیں کہ وہ قول سے آزاد نہیں ہو گا۔ کیونکہ ان کا قول لا یصیر مولاہ یہ اس امر کو مستلزم نہیں کہ آزادی واقع نہیں ہوگی بلکہ ''تاتر خانیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے کہ وہ آزاد ہو گا۔ کیونکہ کہا: جب مسلمان دار الحرب میں داخل ہو پس وہ حربی خرید ے۔ اور اسے آزاد کر دے تو وہ آزاد ہو جائے گا کہ ولا طرفین کے قول کے مطابق اس سے ثابت نہیں ہوگی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: استحسانا ثابت ہو جائے گی۔ ''طوری'' نے ''المحیط'' سے اس طرح ذکر کیا ہے۔ پھر میں نے ''البحر'' کے کتاب العتاق کو دیکھا ہے جس کی نص یہ ہے: مسلمان جب دار الحرب میں داخل ہو اور ایک حربی غلام خرید ے وہاں ہی اسے آزاد کر دے تو قیاس یہ ہے کہ تخلیہ کے بغیر وہ آزاد ہو۔ ''الاستحسان'' میں ہے: وہ تخلیہ کے بغیر آزاد ہو جائے گا اور قیاس کی بنا پر طرفین کے نزدیک اس کے لئے ولا نہیں ہوگی۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بطور استحسان اس کے لئے ولا ہو گی۔ اس سے تطبیق حاصل ہو جاتی ہے۔ ''فتدبر''

30576_(قولہ: لَوْ كَانَ الْعَبْدُ مُسْلِمًا الخ) انہوں نے اقسام پوری بیان نہیں کیں۔

''تاتر خانیہ'' میں جو کچھ ہے اس کا حاصل اس امر سے خالی نہیں کہ معتق مسلمان ہو یا ذمی ہو پس اس کے لئے ولا ثابت ہوگی اگر چہ غلام ذمی ہو۔ اگر وہ حربی ہو تو اس میں وہ اختلاف ہے جو گزر چکا ہے۔ اگر معتق حربی ہو اگر وہ دار الاسلام میں ہو تو غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کے لئے ولا ثابت ہوگی خواہ غلام مسلمان ہو، ذمی ہو یا حربی ہو اگر وہ دار الحرب میں ہو۔ اور غلام مسلمان ہو یا ذمی ہو تو حکم اسی طرح ہو گا۔ اگر وہ غلام حربی ہو تو تخلیہ کے بغیر وہ آزاد نہیں ہو گا۔ جب وہ آزاد ہو جائے گا تو اس کے لئے ولا نہ ہوگی۔

فِي دَارِ الْإِسْلَامِ (فَوَلَاؤُهُ لَهُ) أَيْ لِمُعْتِقِهِ فُرُوعٌ ادَّعَيَا وَلَاءَ مَيِّتٍ وَبَرْهَنَ كُلٌّ أَنَّهُ أَعْتَقَهُ يُقْضَى بِالْمِيرَاثِ وَالْوَلَاءِ لَهُمَا الْمَوْلَى يَسْتَحِقُّ الْوَلَاءَ أَوَّلًا حَتَّى تَنْفُذَ مِنْهُ وَصَايَاهُ وَتُقْضَى مِنْهُ دُيُونُهُ الْكَفَاءَةُ تُعْتَبَرُ

جبکہ یہ عمل دارالاسلام میں ہو تو اس کی ولا اس کے آزاد کرنے والے کے لئے ہوگی۔ فروع: دو آدمیوں نے میت کی ولا کا دعویٰ کیا اور ہر ایک نے یہ گواہیاں قائم کر دیں کہ اس نے اس میت کو آزاد کیا تھا تو دونوں کے حق میں میراث اور ولا کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ مولی پہلے ولا کا مستحق ہوگا یہاں تک کہ اس ولا سے اس کی وصیتیں نافذ ہوں گی اور اس کے دیون کو پورا کیا جائے گا۔ آزادی کی ولا میں کفو ہونے کا

30577۔ (قولہ: فِي دَارِ الْإِسْلَامِ) اسی کی مثل ہوگا جب وہ دارالحرب میں ہو اور آقا مسلمان ہو جس طرح ہم نے اسے ''ہندیہ'' سے بیان کیا ہے۔

فرع مہم: حربی مستامن نے ایک غلام خریدا اور اسے آزاد کر دیا پھر اپنے دار یعنی دارالحرب کی طرف لوٹا اور اسے گرفتار کر لیا گیا اسے اس کے اس غلام نے خرید لیا جس کو اس حربی نے آزاد کیا تھا پھر اس نے اس حربی کو آزاد کر دیا تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مولی ہوگا۔ اسی طرح ہے یا مرتدہ عورت سے جو دونوں دارالحرب چلے گئے اور ان دونوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ''بدائع''۔

ولا کا سبب (عتق) قبضہ کے ساتھ متاکد نہیں ہوگا

30578۔ (قولہ: يُقْضَى بِالْمِيرَاثِ وَالْوَلَاءِ لَهُمَا) یعنی اگر ولا دونوں میں سے ایک کے قبضے میں ہو۔ کیونکہ اس دعویٰ سے مقصود ولا ہے اور وہ دونوں برابر ہیں۔ اور قابض کو ترجیح نہ دی جائے گی۔ کیونکہ ولا کا سبب جو عتق ہے یہ قبضہ کے ساتھ متاکد نہیں ہوتا۔ شرا کا معاملہ مختلف ہے جس طرح ''مختصر الظہیریہ'' میں ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ وقت کا ذکر نہ کریں۔ اور دونوں کی گواہیوں میں سے کسی ایک کی گواہی کے ساتھ قضا پہلے واقع نہ ہو جائے۔ کیونکہ ''بدائع'' میں کہا: اگر دونوں وقت کو بیان کریں تو جو پہلے وقت وارد ہے وہ زیادہ مستحق ہے۔ کیونکہ اس نے آزادی کو ایسے وقت میں ثابت کیا ہے جس میں کوئی اس سے تنازع کرنے والا نہیں۔ اگر یہ ولاء موالات میں ہو تو جو بعد کے وقت والا ہے وہ زیادہ مستحق ہوگا۔ کیونکہ ولاء موالات نقض اور فسخ کا احتمال رکھتی ہے۔ پس دوسرے کا عقد پہلے کے عقد کا نقض ہوگا مگر جب پہلے وقت والے کے گواہ اس امر کی گواہی دیں کہ اس نے اس کی جانب سے دین دیا ہے۔ کیونکہ اس وقت یہ ولا نقض کا احتمال نہیں رکھتی پس یہ ولاء عتاقہ کے مشابہ ہو جائے گی۔ اس کی مکمل وضاحت ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔

30579۔ (قولہ: الْمَوْلَى) یعنی آزاد کرنے والا اگرچہ کتابت، تدبیر یا ام ولد بنانے کی صورت میں ہو۔ ''ط''۔

30580۔ (قولہ: يَسْتَحِقُّ الْوَلَاءَ أَوَّلًا) یعنی جب وہ مر جائے مگر جب وہ زندہ ہو تو اس میں کوئی شبہ نہیں۔ یہ ان کے قول جو پہلے گزر چکا ہے او میتا کے ساتھ مکرر ہے۔

فِي وَلَاءِ الْعَتَاقَةِ فَمُعْتَقَةُ التَّاجِرِ كُفْءٌ لِمُعْتَقِ الْعَطَّارِ دُونَ الدَّبَّاغِ الْأُمُّ إِذَا كَانَتْ حُرَّةَ الْأَصْلِ بِمَعْنَى عَدَمِ الرِّقِّ فِي أَصْلِهَا فَلَا وَلَاءَ عَلَى وَلَدِهَا

اعتبار کیا جاتا ہے تاجر کی آزاد کردہ لونڈی عطار کے آزاد کردہ غلام کا کفو ہوگی دباغ کے آزاد کردہ غلام کی کفو نہ ہوگی۔ ماں جب اصلاً آزاد ہو یعنی اس کی اصل میں غلامی نہ ہو تو اس کے بچے پر کسی کو ولا حاصل نہ ہوگی

30581۔(قولہ: فِي وَلَاءِ الْعَتَاقَةِ) ولاء موالات کا معاملہ مختلف ہے جس طرح قول گزر چکا ہے۔

30582۔(قولہ: فَمُعْتَقَةُ التَّاجِرِ الخ) زیادہ مناسب یہ قول ہے: معتق التاجر كفؤ لمعتقة العطار ولا يكون كفوا لها معتق الدباغ۔ کیونکہ کفاءت عورت کے لئے معتبر ہوتی ہے نہ کہ مرد کے لئے۔ فلیتامل'' ط''۔

30583۔(قولہ: بِمَعْنَى عَدَمِ الرِّقِّ فِي أَصْلِهَا) یعنی نہ اس کی اصل میں غلامی رہی اور نہ اس کی ذات میں غلامی ہے۔ اس کے ساتھ تفسیر بیان کی ہے کیونکہ حر الاصل کا اطلاق اس شخص پر بھی کیا جاتا ہے جس کی ذات پر غلامی جاری نہ ہو۔ خواہ اس کی اصل پر غلامی جاری ہوتی ہو یا جاری نہ ہوتی ہو یہاں وہ مراد نہیں جس طرح '' درر'' میں اس کی تحقیق کی گئی ہے۔'' ح''۔

جس کی ماں اصلاً آزاد ہو اور باپ غلام ہو تو جب تک باپ غلام ہے اس پر کسی کو ولا حاصل نہیں

30584۔(قولہ: فَلَا وَلَاءَ عَلَى وَلَدِهَا) اس کے بچے پر کسی کو ولا حاصل نہ ہوگی اگر چہ اس کا باپ آزاد کیا گیا ہو اس کی دلیل وہ ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں کہ بچہ غلامی اور آزادی میں ماں کے تابع ہوتا ہے تو اس کی ماں پر کوئی ولا نہ ہوگی تو اس کے بیٹے پر کسی کی ولا نہ ہوگی۔'' بدائع''۔

'' شرح التکملۃ''،'' مختصر المحیط'' اور'' مختصر المسعودی'' میں اس کی موافقت کی ہے جس طرح '' الدرر'' میں ذکر کیا ہے۔

'' سکب الانہر'' میں کہا: یہ اہم فرع ہے اسے یاد کر لو کیونکہ یہ لغزشوں کا باعث ہے۔

'' العزمیہ'' میں ہے: جان لو کہ ہمارے سردار علماء جنہوں نے قسطنطنیہ میں فتویٰ دیا جسے امر سلطانی اور خاقانی جھنڈے کی حمایت حاصل ہے اس کی فتح سے لے کر آج تک جبکہ یہ 1036 کا سال ہے اور یہ اب دو فرقوں میں بٹ گئے ہیں۔ ان میں سے ایک فرقہ اس قول کی طرف گیا ہے جو'' البدائع'' سے منقول ہے جیسے'' صاحب الدرر''،'' مولی ابن کمال پاشا''،'' [illegible] قاضی زادہ''،'' مولی بستان زادہ''،'' مولی زکریا''،'' مولی سعد الدین بن حسن'' اور'' مولی صنع اللہ''۔

ان میں سے دوسرا فرقہ اس کے شرط نہ ہونے کی طرف گیا ہے ان میں سے'' مولی ابو سعود'' ہیں۔ ان کا یہ پہلا قول ہے ان کے ایک فتویٰ میں اس سے رجوع کی تصریح کی گئی ہے انہوں نے اس کے بعد وہ فتویٰ دیا جو اس کے موافق ہے جو'' البدائع'' میں موجود ہے۔ ان کی رائے اس پر قائم رہی یہاں تک کہ قضائے اجل کو لبیک کہا۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو مشکور اور ان کے عمل کو مبرور فرمائے۔ میں نے'' شرح ابو جنید'' میں دیکھا جس کی نص یہ ہے: جس کی ماں اصلاً آزاد ہو اور اس کا باپ غلام ہو تو جب تک باپ غلام ہے اس پر کسی کو ولا حاصل نہیں اگر اس کو آزاد کر دیا جائے تو کیا باپ کے موالی کو اس پر ولا حاصل ہوگی اس

وَالْأَبُ إِذَا كَانَ كَذٰلِكَ فَلَوْ عَرَبِيًّا لَا وَلَاءَ عَلَيْهِ مُطْلَقًا، وَلَوْ عَجَمِيًّا لَا وَلَاءَ عَلَيْهِ لِقَوْمِ الْأَبِ وَيَرِثُهُ مُعْتِقُ الْأُمِّ وَعَصَبَتُهُ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

اور باپ جب اسی طرح ہوا گر وہ عربی ہو تو اس پر مطلق ولا نہ ہوگی اگر وہ عجمی ہو تو اس پر باپ کی قوم کی کوئی ولا نہ ہوگی۔ ماں کے معتق اور اس کے عصبہ اس کے وارث ہوں گے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

کے متعلق دو قول بیان کئے جاتے ہیں۔ اس کی مثل ''المعراج'' میں ہے۔

30585۔ (قولہ: وَالْأَبُ إِذَا كَانَ كَذٰلِكَ) یعنی وہ اصلاً آزاد ہو۔

30586۔ (قولہ: فَلَوْ عَرَبِيًّا) یہ قید اتفاقی ہے۔ کیونکہ اگر باپ عربی کا مولی ہو تو کسی کو اس کی اولاد پر ولا نہ ہوگی۔ کیونکہ اس مولی کا حکم عربی کا حکم ہوگا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اِنّ مولی القوم منهم (1)۔ قوم کا مولی ان میں سے ایک ہوتا ہے۔ ''البدائع'' میں اسی طرح ہے ''شرنبلالیہ'' اسی کی مثل ''ہندیہ'' میں ہے۔

30587۔ (قولہ: مُطْلَقًا) نہ باپ کی قوم اور نہ ہی ماں کی قوم۔ کیونکہ ولا باپ کی جہت سے ہوتی ہے اور اس کی جہت میں کوئی غلامی نہیں۔ ''العزمیہ'' میں اطلاق کی تفسیر اپنے اس قول سے کی ہے: سواء كانت امه معتقة اولا۔

بچے کے ولا کے مسئلہ میں طرفین اور امام ابو یوسف کا اختلاف

30588۔ (قولہ: خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ) کیونکہ وہ فرماتے ہیں: بچہ ولا میں باپ کے تابع ہوتا ہے جس طرح عربی میں ہے کیونکہ نسب آباء کے لئے ہوتا ہے اگرچہ وہ کمزور ہو۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ یہ نصرت کی وجہ سے ہوتا ہے اور باپ کی جہت سے کوئی نصرت نہیں کیونکہ جو عربوں کے علاوہ ہیں وہ قبائل کی وجہ سے باہم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ ''بدائع''۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صورتیں پانچ ہیں۔ چار متفق علیہ ہیں اور پانچویں میں اختلاف ہے۔

1۔ دونوں اصولاً آزاد ہیں یعنی ان میں غلامی داخل نہیں اور نہ ہی ان کے اصول میں غلامی ہے پس ان کی اولاد پر کسی کو ولا حاصل نہیں۔

2۔ دونوں آزاد شدہ ہیں یا ان دونوں کی اصل میں آزاد شدہ ہے تو ولا باپ کی قوم کے لئے ہوگی۔

3۔ باپ آزاد شدہ ہے یا اس کی اصل میں کوئی آزاد شدہ ہے اور ماں اصولاً آزاد ہے وہ اس معنی میں عربی ہو تو یہ اولیٰ ہوگا تو باپ کی قوم کو کوئی ولا حاصل نہ ہوگی۔

4۔ ماں آزاد شدہ ہے اور باپ اس معنی میں اصلاً آزاد ہے اگر وہ عربی ہے تو ماں کی قوم کو کوئی ولا حاصل نہیں۔ ورنہ

5۔ وہ پانچویں صورت ہوگی جس میں اختلاف ہے طرفین کے نزدیک ماں کی قوم کو ولا حاصل ہوگی اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر کسی کو ولا حاصل نہیں۔ مسئلہ کی مکمل تحقیق ''الدرر'' میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، باب مولی القوم منهم، جلد 2، صفحہ 275، حدیث نمبر 2564

فَصْلٌ فِي وَلَاءِ الْمُوَالَاةِ

(أَسْلَمَ رَجُلٌ) مُكَلَّفٌ (عَلَى يَدِ آخَرَ وَوَالَاهُ أَوْ) وَالَى (غَيْرَهُ) الشَّرْطُ كَوْنُهُ عَجَمِيًّا لَا مُسْلِمًا عَلَى مَا مَرَّ وَسَيَجِيءُ (عَلَى أَنْ يَرِثَهُ) إذَا مَاتَ (وَيَعْقِلَ عَنْهُ) إذَا جَنَى (صَحَّ) هَذَا الْعَقْدُ

موالات کی ولاء

ایک مکلف آدمی نے دوسرے کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور اس سے عقد موالات کی یا کسی اور سے عقد موالات کی، شرط اس کا عجمی ہونا ہے مسلمان ہونا نہیں جیسا گزر چکا ہے عنقریب یہ آئے گا۔ اس شرط پر کہ جب وہ مرے گا تو اس کا وارث ہوگا اور جس کے ساتھ عقد موالات کیا گیا ہے وہ اس کی جانب سے دیت دے گا جب وہ جنایت کرے یہ عقد صحیح ہے

اسے موخر ذکر کیا۔ کیونکہ یہ تغیر اور انتقال کو قبول کرنے والی ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ امام ''مالک'' اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ ولاء عتاقہ کا معاملہ مختلف ہے۔ اور ادلہ مطولات میں ہیں۔

عقل مند بچہ کسی اور کے ساتھ موالات نہیں کر سکتا خواہ ولی کی اجازت کے ساتھ ہو

30589۔ (قولہ: رَجُلٌ مُكَلَّفٌ) یعنی عاقل بالغ۔ پس عقلمند بچے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی اور کے ساتھ موالات کرے اگرچہ ولی کی اجازت کے ساتھ ہے جس کی وضاحت عنقریب آئے گی رجل کی قید اتفاقی ہے۔ کیونکہ یہ عقد عورت کی جانب سے صحیح ہے۔

30590۔ (قولہ: أَوْ وَالَى غَيْرَهُ) یعنی جس کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا اس کے علاوہ کے ساتھ عقد موالات کرے۔ ''عطا'' کے نزدیک یہ اس کا مولی ہے جس کے ہاتھ پر اس نے اسلام قبول کیا تھا۔ ''بدائع''۔

30591۔ (قولہ: الشَّرْطُ كَوْنُهُ عَجَمِيًّا لَا مُسْلِمًا) اسلم کے قول پر اعتراض کیا ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں کہا: ''شیخ الاسلام'' نے اپنی ''مبسوط'' میں تصریح کی ہے کہ اس کا ذکر عادت کے طریقہ پر کیا ہے۔

30592۔ (قولہ: عَلَى مَا مَرَّ وَسَيَجِيءُ) اس کا تعلق ان کے قول عجمیا کے ساتھ ہے۔ کیونکہ اس فصل سے پہلے ذکر کیا ہے کہ موالات عربوں میں نہیں ہوتی اور عنقریب اس قول ان لا یکون عربیا (مقولہ 30605) میں بھی آئے گا اور اس کے بعد تصریح کی جائے گی کہ یہ شرط نہیں۔

30593۔ (قولہ: عَلَى أَنْ يَرِثَهُ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: تو میرا مولی ہے جب میں فوت ہوں گا تو تو میرا وارث ہوگا اور جب میں جنایت کروں گا تو میری جانب سے دیت دے گا تو وہ کہے: میں نے اسے قبول کیا یا کہے: میں نے تجھ سے عقد موالات کی۔ تو وہ جواب میں کہے: میں نے قبول کیا بعد اس کے کہ اس نے عقد میں وراثت اور دیت کا ذکر کیا ہو۔

(وَعَقْلُهُ عَلَيْهِ وَإِرْثُهُ لَهُ) وَكَذَا لَوْ شَرَطَ الْإِرْثُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ۔ (وَلَوْ وَالَى صَبِيٌّ عَاقِلٌ بِإِذْنِ أَبِيهِ أَوْ وَصِيِّهِ صَحَّ) لِعَدَمِ الْمَانِعِ (كَمَا لَوْ وَالَى الْعَبْدُ بِإِذْنِ سَيِّدِهِ آخَرَ) فَإِنَّهُ يَصِحُّ وَيَكُونُ وَكِيلًا عَنْ سَيِّدِهِ بِعَقْدِ الْمُوَالَاةِ (وَأُخِّرَ) إِرْثُهُ (عَنْ) إِرْثِ (ذِي الرَّحِمِ)

اس کی دیت اس کے ذمہ ہوگی اور اس کی وراثت اس کے لئے ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ جانبین سے وراثت کی شرط لگائیں۔ اگر دانشمند بچے نے اپنے باپ کی اجازت سے یا اپنے وصی کی اجازت سے عقد موالات کیا تو یہ صحیح ہوگا کیونکہ مانع موجود نہیں۔ جس طرح غلام اپنے آقا کی اجازت سے کسی اور سے عقد موالات کرے تو یہ صحیح ہوگا اور وہ اپنے آقا کی جانب سے عقد موالات کا وکیل ہوگا اور اس کی وراثت ذی رحم کی وراثت سے موخر ہوگی۔

''بدائع''۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس کا ذکر کرنا شرط ہے اور عنقریب اس کی تصریح کریں گے۔

30594۔ (قولہ: وَإِرْثُهُ لَهُ) ''المبسوط'' میں کہا: اگر مولی اعلیٰ فوت ہو پھر مولی اسفل فوت ہو تو مولی اعلیٰ کے مذکر وارث اس کے وارث ہوں گے مونث وارث نہ ہوں گی جس طرح ہم نے ولاء عتاقہ میں بیان کیا ہے۔ ''طوری''۔

30595۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ شَرَطَ الْإِرْثُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ) دونوں میں سے ہر ایک میں آنے والی شروط کے مکمل کرنے کے بعد۔ پس وہ اپنے اس ساتھی کا وارث ہوگا جو پہلے فوت ہوگا۔ عام کتب میں اختلاف کے بغیر ذکر کیا گیا ہے۔ ''مقدسی'' نے ''ابن بیضاء'' سے نقل کیا ہے کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسرا پہلے کا مولی ہوگا۔ اور پہلے کی ولا باطل ہو جائے گی۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے کہا: ہر ایک اپنے ساتھی کا مولی ہوگا۔ اس کی مکمل وضاحت ''شرنبلالیہ'' میں ہے اور ''غایۃ البیان'' میں ''تحفہ'' سے اختلاف کو بھی نقل کیا ہے۔

اگر دانش مند بچے نے باپ یا وصی کی اجازت سے عقد موالات کیا تو صحیح ہے

30596۔ (قولہ: وَلَوْ وَالَى صَبِيٌّ عَاقِلٌ) یہ قید لگائی کیونکہ اگر وہ عقل نہ رکھتا تو اس کے تصرف کا اصلاً اعتبار نہیں ہو گا۔ ''درر''۔ ''زیلعی'' کی عبارت ہے: اگر اس نے بچے یا غلام کے ساتھ عقد موالات کیا۔ زیادہ بہتر یہ قول تھا: صبیا عاقلا او عبدا یہ نصب کے ساتھ ہے تا کہ یہ مفہوم ہو کہ صبیّ یا غلام مولیٰ اعلیٰ ہے۔ کیونکہ ''بدائع'' میں اسی طرح ہے۔ جہاں تک بلوغ کا تعلق ہے تو ایجاب کی جانب میں یہ انعقاد کی شرط ہے یہاں تک کہ اگر بچہ کسی مسلمان کے ہاتھ پر مسلمان ہو جائے اور اس سے موالات کرے تو یہ جائز نہ ہوگا اگر چہ اس کا کافر باپ اسے اجازت دے۔ کیونکہ کافر باپ کو مسلمان بیٹے پر کوئی ولایت حاصل نہیں۔ اسی وجہ سے باقی ماندہ عقود اس کی اجازت سے جائز نہیں جیسے بیع وغیرہ جہاں تک قبول کی جانب کا تعلق ہے تو وہ نفاذ کی شرط ہے یہاں تک کہ اگر بالغ موالات کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جیسا یعنی بالغ بچے سے موالات کی تو موالات اس کے باپ یا اس کے وصی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اسی طرح اگر ایک آدمی کسی غلام سے موالات کرے تو یہ آقا کی اجازت پر موقوف ہوگا کہ ولا مولی کی ہوگی اور بچے کی صورت میں ولا بچے کی ہوگی۔ کیونکہ وہ ملکیت کا اہل ہے اور مکاتب غلام

لِضَعْفِهِ (وَلَهُ النَّقْلُ عَنْهُ بِمَحْضَرِهِ إِلَى غَيْرِهِ إِنْ لَمْ يَعْقِلْ عَنْهُ أَوْ عَنْ وَلَدِهِ، فَإِنْ عَقَلَ عَنْهُ أَوْ عَنْ وَلَدِهِ
کیونکہ اس میں ضعف پایا جاتا ہے۔ اور اسے یہ حق حاصل ہے کہ اپنے آقا کی موجودگی میں اس سے عقد موالات کسی اور کی طرف نقل کر دے اگر اس مولی نے اس کی جانب سے یا اس کے بچے کی جانب سے دیت نہ دی ہو اگر اس کی جانب سے دیت دی ہو یا اس کے بچے کی جانب سے دیت دی ہو

کی مانند ہے۔ ''ملخص''

30597۔(قولہ: لِضَعْفِهِ) کیونکہ موالات ان دونوں کا عقد ہے پس یہ ان کے غیر کو لازم نہیں ہوتا اور ذوی رحم شرعی طور پر وارث ہے۔ پس یہ دونوں اس کو باطل کرنے کے مالک نہیں۔ ''درر''۔

30598۔(قولہ: وَلَهُ النَّقْلُ عَنْهُ بِمَحْضَرِهِ) محضرہ یعنی اس کے علم کے ہوتے ہوئے۔ ''بدائع''۔ لہ کی ضمیر مولی اسفل کے لئے ہے اور ان کا قول الی غیرہ یہ نقل کے متعلق ہے اور فیہ میں ضمیر اعلیٰ کے لئے ہے۔ اور حضرۃ کی قید یہ اس کے مخالف ہے جو ''ہدایہ'' میں ہے۔ کیونکہ انہوں نے اسے ولا سے براءت کے لئے قید اعتبار کیا ہے نہ کہ کسی اور کے ساتھ دوسرے عقد کے ضمن میں انتقال کے لئے قید اعتبار کیا ہے۔ ''الکفایہ'' میں کہا: مولی اسفل کو حق حاصل ہے کہ ولا کو دوسرے کی موجودگی کے بغیر فسخ کر دے جبکہ یہ کسی اور کے ساتھ عقد موالات کے ضمن میں ہو لیکن مولیٰ اعلی اور مولی اسفل کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ولا کو قصداً دوسرے ساتھی کی عدم موجودگی میں اس کو فسخ کر دے۔

اس کی مثل ''البدائع''، ''التبیین''، ''مجتبیٰ''، ''غرر الافکار''، ''الدرر''، ''الملتقی''، ''جوہرہ'' وغیرہا میں ہے۔ اسی طرح ''غایۃ البیان'' میں ''کافی الحاکم'' سے مروی ہے۔ کیونکہ اس کا غیر کے ساتھ عقد فسخ حکمی ہے۔ پس اس میں علم شرط نہیں بعض اوقات ایک شے بطور ضرورت ثابت ہو جاتی ہے اگر چہ بطور قصد ثابت نہیں ہوتی جس طرح اگر ایک آدمی غلام کو بیچنے کے لئے ایک وکیل بنائے اور اسے معزول کر دے اور وکیل غائب ہو تو یہ صحیح نہیں اگر وہ غلام بیچ دے یا اسے آزاد کر دے تو وہ معزول ہو جائے گا اسے علم ہو یا علم نہ ہو۔ ''بدائع''۔

''کنز'' کی عبارت مصنف کی عبارت کے مساوی ہے۔ ''ابن کمال'' نے ''الاصلاح'' میں دو جگہوں میں علم کی شرط لگائی ہے اگر یہ دوسرا قول نہیں تو اسے اصلاح کی ضرورت ہے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس پر متنبہ کیا ہو۔ ہاں ''شرنبلالیہ'' میں ''تاج الشریعہ'' سے اس کی مثل مذکور ہے جو اصلاح میں ہے۔ ''فلیتامل''

30599۔(قولہ: أَوْ عَنْ وَلَدِهِ) یہ قول اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ عقد میں اس کے چھوٹے بچے داخل ہوں گے۔ اسی طرح وہ بچے جو اس کے بعد پیدا ہوں گے جس طرح ''التبیین'' میں ہے۔ بڑے بچوں کا معاملہ مختلف ہے یہاں تک کہ اگر اس کے بڑے بیٹے نے کسی اور آدمی سے موالات کی تو اس کی ولا اس کے لئے ہوگی اگر چہ بعض چھوٹے بڑے ہو جائیں۔ اگر اس کے مولی نے اس کی جانب سے، اس کے باپ کی جانب سے یا ان میں سے کسی کی جانب سے دیت دے

لَا يَنْتَقِلُ لِتَأْكِيدِهِ (وَلَا يُوَالِي مُعْتَقٌ أَحَدًا) لِلُزُومِ وَلَاءِ الْعَتَاقَةِ (امْرَأَةٌ وَالَتْ ثُمَّ وَلَدَتْ) مَجْهُولَ النَّسَبِ (يَتْبَعُهَا الْمَوْلُودُ فِيمَا عَقَدَتْ) وَكَذَا لَوْ أَقَرَّتْ بِعَقْدِ الْمُوَالَاةِ أَوْ أَنْشَأَتْهُ وَالْوَلَدُ مَعَهَا لِأَنَّهُ نَفْعٌ مَحْضٌ فِي حَقِّ صَغِيرٍ لَمْ يُدْرَ لَهُ أَبٌ (وَ) عَقْدُ الْمُوَالَاةِ (شَرْطُهُ

تو پھر یہ موالات تبدیل نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ موکد ہو چکا ہے جس کو آزاد کیا گیا وہ کسی کے ساتھ عقد موالات نہ کرے کیونکہ ولاء عتاقہ لازم ہو چکا ہے۔ ایک عورت نے عقد موالات کی پھر اس نے مجہول نسب والا بچہ جنا تو اس نے جو عقد کیا ہے بچہ اس میں ماں کے تابع ہوگا۔ اسی طرح اگر اس نے عقد موالات کا اقرار کیا یا اس نے نئے سرے سے عقد کیا اور بچہ اس کے ساتھ تھا۔ کیونکہ یہ اس صغیر کے حق میں محض نفع ہے جس کے باپ کا پتہ نہیں اور عقد موالات کے لئے یہ شرط ہے

چکا ہو تو اسے ولا تبدیل کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ ''بدائع''۔

30600۔ (قولہ: لَا يَنْتَقِلُ) اسی طرح اس کے بچے کا معاملہ ہے جس طرح تو جان چکا ہے۔

30601۔ (قولہ: لِتَأْكِيدِهِ) یہ ''یا'' کے ساتھ ہے بعض نسخوں میں لتاکدہ ہے۔ کیونکہ یہ ہبہ میں عوض کی طرح ہو گیا ہے۔

30602۔ (قولہ: لِلُزُومِ وَلَاءِ الْعَتَاقَةِ) کیونکہ اس کا سبب، جو آزادی ہے، یہ ثبوت کے بعد نقض کا احتمال نہیں رکھتا پس نہ یہ منسوخ ہوگی اور نہ ہی اس کے ساتھ منعقد ہوگی۔ کیونکہ یہ فائدہ مند نہیں۔ ''زیلعی''۔

''تاتر خانیہ'' میں ہے: ایک ذمی ہے جس نے ایک غلام کو آزاد کیا پھر وہ دار الحرب چلا گیا تو اس کو غلام بنالیا گیا تو اس کے معتق کو حق حاصل نہیں کہ کسی اور سے عقد موالات کرے۔ کیونکہ اس کا مولی عتاقہ ہے اگر اس کا آقا آزاد ہو گیا تو اگر وہ مر جائے تو آقا اس کا وارث ہوگا۔ اگر اس کے بعد اس نے جنایت کی تو وہ اپنی جانب سے خود دیت دے گا۔ عام روایات میں اس کا آقا اس کی جانب سے دیت نہیں دے گا۔ بعض روایات میں سے کہا: وہ اس کا وارث ہوگا اور اس کی دیت دے گا۔ پس اس قول نے موالات سے منع کا فائدہ دیا اگرچہ مولی عتاقہ میں مانع موجود ہے۔

30603۔ (قولہ: مَجْهُولَ النَّسَبِ) یہ وہ شخص ہوتا ہے جس کی پیدائش کے وقت اس کا باپ نہ جانا جائے۔ ''ط''۔

30604۔ (قولہ: لِأَنَّهُ نَفْعٌ مَحْضٌ) کیونکہ جب یہ بچہ جنایت کرتا ہے تو مولی اس کی دیت دیتا ہے پس یہ اسی طرح ہو گیا جس طرح ہدیہ کو قبول کرنا اور جو ذکر کیا گیا ہے وہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وہ بچہ ماں کے تابع نہیں ہوگا۔

30605۔ (قولہ: وَ عَقْدُ الْمُوَالَاةِ) یہ مضاف کے حذف کے ساتھ ہے یعنی و عاقد عقد الموالات ''ح''۔ اور یہاں عاقد سے مراد موجب ہے قبول کرنے والا نہیں۔

أَنْ يَكُونَ حُرًّا مَجْهُولَ النَّسَبِ) بِأَنْ لَا يُنْسَبَ إِلَى غَيْرِهِ أَمَّا نِسْبَةُ غَيْرِهِ إِلَيْهِ فَغَيْرُ مَانِعٍ، عِنَايَةٌ (وَ) الثَّانِي (أَنْ لَا يَكُونَ عَرَبِيًّا وَ) الثَّالِثُ (أَنْ لَا يَكُونَ لَهُ وَلَاءُ عَتَاقَةٍ وَلَا وَلَاءُ مُوَالَاةٍ مَعَ أَحَدٍ وَقَدْ عَقَلَ عَنْهُ) وَالرَّابِعُ أَنْ لَا يَكُونَ عَقَلَ عَنْهُ بَيْتُ الْمَالِ، وَالْخَامِسُ أَنْ يُشْتَرَطَ الْعَقْلُ وَالْإِرْثُ،

کہ وہ آزاد ہو اور مجہول نسب والا ہو اس طرح کہ اسے غیر کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔ جہاں تک کسی اور کی اس کی طرف نسبت کا تعلق ہے تو یہ مانع نہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عربی نہ ہو اور تیسری شرط یہ ہے کہ اس کے لئے ولاء عتاقہ نہ ہو اور نہ ہی کسی کے ساتھ ولاء موالات ہو اور اس کی جانب سے دیت دی گئی ہو۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ اس کی جانب سے بیت المال سے دیت نہ دی گئی ہو۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ دیت اور وراثت کی شرط لگائی جائے۔

عقد موالات کی شرائط

30606۔ (قولہ: أَنْ يَكُونَ حُرًّا) غلام کی اپنے آقا کی اجازت کے ساتھ موالات کے صحیح ہونے کا جو قول گزرا ہے یہ اس کے منافی نہیں جس طرح وہم کیا گیا۔ کیونکہ وہ قبول کرنے والے کے بارے میں تھا اور ہماری گفتگو موجب کے بارے میں ہے۔

30607۔ (قولہ: مَجْهُولَ النَّسَبِ) میں کہتا ہوں: علماء نے اس کی تصریح کی ہے بیٹے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ولا باپ کے مولی سے پھیر کر کسی اور سے موالات کرے جب باپ کے آقا نے اس کی جانب سے دیت ادا نہ کی ہو۔ یہ شرط اس کے موافق نہیں ''سعدیہ''۔ ''حلبی'' نے ''مقدسی'' سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''غرر الافکار'' میں ان کا قول اس کی تائید کرتا ہے، اگر اس کا نسب معلوم ہو''یہی قول مختار ہے'' شرح المجمع'' میں ہے: اس کا مجہول النسب ہونا بعض علماء کے نزدیک شرط نہیں۔ یہی قول مختار ہے۔

30608۔ (قولہ: وَ أَنْ لَا يَكُونَ عَرَبِيًّا) یعنی وہ عربی کا مولی نہ ہو جس طرح ''بدائع'' میں ہے۔ اس سے ان کا قول مجہول النسب ہونا غنی کر دیتا ہے کیونکہ عربوں کے انساب معلوم ہیں۔ ''شرنبلالیہ''، ''سعدیہ''۔

30609۔ (قولہ: وَ أَنْ لَا يَكُونَ لَهُ وَلَاءُ عَتَاقَةٍ) اگرچہ آقا کے ساتھ کوئی مانع موجود ہو جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

30610۔ (قولہ: وَلَا وَلَاءُ مُوَالَاةٍ الخ) اگر وہ کہتے اور نہ ہی اس کی جانب سے اس کے علاوہ نے دیت دی ہو جس کے ساتھ اس نے موالات کی ہے جس طرح ''البدائع'' میں ہے تو اس میں چوتھی شرط داخل ہو جاتی۔ جب بیت المال نے اس کی جانب سے دیت دی ہو تو اس کی ولا تمام مسلمانوں کے لئے ہوگی پس وہ اس امر کا مالک نہیں ہوگا کہ اس ولا کو ان میں سے کسی معین فرد کی طرف پھیر دے۔ ''بدائع''۔

30611۔ (قولہ: وَالْخَامِسُ) چھٹی، ساتویں اور آٹھویں باقی رہ گئی۔ ''زیلعی'' نے کہا: وہ یہ کہ آزاد ہو، عاقل ہو

وَأَمَّا الْإِسْلَامُ فَلَيْسَ بِشَرْطٍ فَتَجُوزُ مُوَالَاةُ الْمُسْلِمِ الذِّمِّيَّ وَعَكْسُهُ .

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو یہ شرط نہیں پس مسلمان کا ذمی سے اور اس کے برعکس موالات کرنا جائز ہے

اور بالغ ہو۔ یہ اس عاقد میں شروط ہیں جو عاقد موجب ہے اور جو گزر چکا ہے اس سے تو آگاہی حاصل کر چکا ہے۔ یہ پانچویں شرط جس کے شرط ہونے کی کثیر لوگوں نے شرط لگائی ہے۔ ان میں سے ''صاحب الہدایہ'' ہیں۔ ''غایۃ البیان'' میں ایسی عبارت سے اس پر اعتراض کیا جن میں اس کی تصریح نہیں۔ ''قاضی زادہ'' وغیرہ نے اس کا اس کے ساتھ رد کیا ہے کہ یہ شرط نہ ہونے پر دال نہیں۔

30612۔ (قولہ: وَأَمَّا الْإِسْلَامُ فَلَيْسَ بِشَرْطٍ الخ) ''الدرر'' میں اشکال کا ذکر کیا ہے کہ ارث، ولاء کو لازم ہے اور دونوں میں اختلاف وراثت سے مانع ہے۔ پھر کہا: مگر یہ کہا جائے: اس کا معنی ہے وراثت کا سبب اس وقت میں ثابت ہوتا ہے مگر جب تک وہ دونوں اپنے حال پر رہیں یہ ظاہر نہیں ہوتا۔ جب مانع زائل ہوگا تو ممنوع لوٹ آئے گا جس طرح عصبہ کا کفر، صاحب الفرض کا کفر وراثت کے مانع ہے۔ جب موت سے پہلے مانع زائل ہو جائے تو ممنوع لوٹ آئے گا۔ ''شرنبلالی'' نے اس کا رد اس چیز سے کیا ہے شارح نے جسے ''البدائع'' میں نقل کیا ہے۔ اس میں ظاہر اعتراض ہے کیونکہ اگر اس نے یہ ارادہ کیا کہ عقد صحیح ہے تو یہ ان چیزوں میں سے ہے جن میں نزاع نہیں۔ کیونکہ اشکال حکم کی دلیل میں ہے اس کے نقل کرنے میں اشکال نہیں۔

اگر یہ ارادہ کیا کہ اسے وصیت کے قائم مقام رکھنا اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ موالی اس آدمی کی موت کے بعد مال کے مستحق بنتے ہیں جس نے عقد موالات کیا تھا جبکہ وہ وارث چھوڑ کر نہ مرے اگرچہ دین مختلف ہو جس طرح بعض علما نے سمجھا ہے پس اسے نقل صریح کی ضرورت ہوگی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ علما نے اسے اس باب میراث سے شمار کیا ہے اور اسے ایسا وارث قرار دیا جو تمام مال کا مستحق ہے۔ کیونکہ ''طوری'' نے ''المحیط'' سے نقل کیا ہے: ایک ذمی نے مسلمان سے موالات کی اور وہ مر گیا تو مسلمان اس کا وارث نہیں ہوگا۔ کیونکہ وراثت باہم مدد کرنے کے اعتبار سے ہوتی ہے اور غیر عربوں میں باہم مدد دین کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اور اس میں اشکال کا ذکر کیا اور اس کے ساتھ جواب دیا جو ''الدرر'' میں مذکور ہے جب عقد کے صحیح ہونے اور مانع کی موجودگی میں وراثت کے متحقق نہ ہونے کی نقل ثابت ہوگئی تو اس کی طرف لوٹنا واجب ہو گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

30613۔ (قولہ: فَتَجُوزُ مُوَالَاةُ الْمُسْلِمِ الذِّمِّيَّ) اگر وہ حربی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے اور اس کے ساتھ موالات کرے کیا یہ صحیح ہوگا؟ کتاب میں اس کا ذکر نہیں کیا اور اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ صحیح ہے۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ حربی کو مسلمان پر ولاء عتاقہ ہو۔ اسی طرح ولاء موالاۃ کا ہونا بھی صحیح ہے جس طرح ذمی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا

وَالذِّمِّيِّ الذِّمِّيَّ وَإِنْ أَسْلَمَ الْأَسْفَلُ لِأَنَّ الْمُوَالَاةَ كَالْوَصِيَّةِ كَمَا بَسَطَ فِي الْبَدَائِعِ، وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ
وَمُعْتِقُ عَبْدٍ عَنْ أَبِيهِ وَلَاؤُهُ لَهُ وَأَبُوهُ بِالْمَشِيئَةِ يُوجَرُ
يَعْنِي أَعْتَقَ عَبْدَهُ عَنْ أَبِيهِ الْمَيِّتِ، فَالْوَلَاءُ لَهُ وَالْأَجْرُ لِلْأَبِ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَجْرِ الِابْنِ شَيْءٌ وَكَذَا الصَّدَقَاتُ وَالدَّعَوَاتُ لِأَبَوَيْهِ وَكُلِّ مُؤْمِنٍ يَكُونُ الْأَجْرُ لَهُمْ

اور ذمی کا ذمی سے موالات کرنا جائز ہے اگرچہ مولی اسفل مسلمان ہو جائے۔ کیونکہ موالات وصیت کی طرح ہے جس طرح ''البدائع'' میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ ''وہبانیہ'' میں ہے: اپنے باپ کی جانب سے غلام آزاد کرنے والا اس غلام کی ولا اس کے لئے ہوگی اور اس کے باپ کو ان شاء اللہ اجر دیا جائے گا۔ یعنی اس نے اپنا غلام اپنے باپ کی طرف سے آزاد کیا تو ولا اس کے لئے ہوگی اور اجر باپ کے لئے ہوگا ان شاء اللہ اس طرح کہ بیٹے کے اجر میں کوئی کمی نہ کی جائے گی صدقات اور دعاؤں کا معاملہ جو والدین اور ہر مومن کے لئے کی جائے اسی طرح ہے۔ ان کے لئے اجر ہوگا

ہے: یہ صحیح نہیں کیونکہ اس میں حربی کے ساتھ باہم مدد کرنے کا معاہدہ اور اس کے ساتھ موالات (دوستی) ہے جبکہ ہمیں اس سے منع کیا گیا ہے۔ ذمی کا معاملہ مختلف ہے۔ ''درر'' نے ''المحیط'' سے نقل کیا ہے۔

30614۔ (قولہ: وَالذِّمِّيِّ الذِّمِّيَّ وَإِنْ أَسْلَمَ الْأَسْفَلُ) ''بدائع'' کی عبارت یہ ہے: اسی طرح ذمی ہے جب وہ ذمی سے موالات کرے پھر مولی اسفل اسلام قبول کر لے۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ اس اسفل کے اسلام لانے کی کوئی وجہ نہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے جبکہ ساتھ ہی اس کا یہ قول ہے: فتجوز موالاۃ المسلم الذمی وعکسہ۔

میں کہتا ہوں: شاید اس کا فائدہ اس امر پر تنبیہ ہو کہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ دین میں اختلاف عقد کے وقت حاصل ہو یا اس کے بعد حاصل ہو۔ اس تاویل میں شارح کی عبارت ''البدائع'' کی عبارت سے زیادہ ظاہر ہے۔ ''فتامل''

30615۔ (قولہ: كَالْوَصِيَّةِ) یعنی وصیت مسلمان اور ذمی کی جانب سے مسلمان یا ذمی کے حق میں صحیح ہے لیکن دونوں میں اس جہت سے فرق ہے کہ موصی لہ موصی کی موت کے بعد اس کا مستحق ہوتا ہے جبکہ دین میں اختلاف ہے۔ مولی کا معاملہ مختلف ہے جس طرح تو جان چکا ہے۔

30616۔ (قولہ: وَلَاؤُهُ) یہ دوسرا مبتدا ہے اور لہ اس کی خبر ہے اور جملہ پہلے مبتدا کی خبر ہے۔ جو معتق ہے۔ ''ط''۔

30617۔ (قولہ: فَالْوَلَاءُ لَهُ) کیونکہ وہی معتق ہے۔ ''ط''۔

30618۔ (قولہ: وَالْأَجْرُ لِلْأَبِ إِنْ شَاءَ اللهُ) مشیت کا ذکر کیا ہے کیونکہ یہ خبر واحد کے ساتھ ثابت ہے جو علم قطعی کا فائدہ نہیں دیتی۔ یہ ''عبدالبر'' نے کہا ہے۔ ''ط''۔

مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَجْرِ الِابْنِ شَيْءٌ مُضْمَرَاتٌ
جبکہ بیٹے کے اجر میں سے کسی شے کی کمی نہ کی جائے گی،''مضمرات''۔

زندوں کے اعمال کا ثواب فوت شدگان کو پہنچتا ہے

30619۔(قولہ: مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَجْرِ الِابْنِ) زیادہ مناسب یہ تھا کہ الفاعل کا اضافہ کرتے۔ علامہ ''عبدالبر'' نے کہا: مسئلہ اس امر پر مبنی ہے کہ زندہ لوگوں کے اعمال کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے۔ اس بارے میں قاضی القضاۃ ''سروجی'' وغیرہ نے کتب تالیف کی ہیں۔ اس بارے میں سب سے آخر میں ہمارے شیخ قاضی القضاۃ ''سعدالدین دیری'' نے کتاب تالیف کی ہے جس کا نام انہوں نے ''الکواکب النیرات'' رکھا ہے۔ ان تالیفات کا مقصود یہ ہے کہ جمہور علما کے مذہب میں سے صحیح یہ ہے کہ ثواب پہنچتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کِتَابُ الْإِکْرَاہِ

(هُوَ لُغَةً حَمْلُ الْإِنْسَانِ عَلَى) شَيْءٍ يَكْرَهُهُ وَشَرْعًا (فِعْلٌ يُوجَدُ مِنَ الْمُكْرِهِ فَيُحْدِثُ فِي الْمَحَلِّ مَعْنًى يَصِيرُ بِهِ مَدْفُوعًا إِلَى الْفِعْلِ الَّذِي طُلِبَ مِنْهُ)

اکراہ کے احکام

لغت میں اس سے مراد انسان کو ایسی شے پر مجبور کرنا جس کو وہ ناپسند کرتا ہو اور شرع میں اس سے مراد ایسا فعل ہے جو مکرہ کی جانب سے چاہا جاتا ہے تو وہ فعل محل (مکرہ) میں ایسا اثر پیدا کر دے جو اسے وہ فعل کرنے پر مجبور کر دے۔ جو فعل اس سے طلب کیا گیا

اس کی مناسبت میں یہ قول کیا گیا ہے کہ ولا آزادی کے آثار میں سے ہے اور آزادی میں اکراہ اثر انداز نہیں ہوتا پس مناسب یہ تھا کہ اکراہ کا ذکر اس کے بعد ہوتا یا اس لئے کیونکہ یہ نادر پایا جاتا ہے جیسے موالات۔

اکراہ کی شرعی تعریف

30620۔(قولہ: وَشَرْعًا فِعْلٌ) یعنی نہ کہ ایسا فعل جو حق کی وجہ سے ہو۔ کیونکہ حق کے ہوتے ہوئے اکراہ شرعی طور پر اختیار کو معدوم نہیں کرتا جیسے عنین ہے جب مدت گزر جانے کے بعد قاضی اسے فرقت پر مجبور کرے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب قاضی مدیون کو اپنا مال بیچنے پر مجبور کرے تو اس کی بیع نافذ ہوگی اور ذمی کا غلام جب مسلمان ہو جائے تو اس بیع پر مجبور کیا جائے گا تو اس کی بیع نافذ ہو جائے گی۔ مگر جب حق کے بغیر بیع پر اسے مجبور کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ ''منح'' نے ''مجمع الفتاویٰ'' سے اسے نقل کیا ہے۔ اور فعل حکمی کو شامل ہوگا جیسے جب اسے ایک آدمی کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا اور اسے کسی شے کی دھمکی نہیں دی گئی مگر مامور دلالت حال سے یہ جانتا ہے کہ اگر وہ اسے قتل نہ کرے گا تو آمر اسے قتل کر دے گا یا آمر اس کا عضو کاٹ دے گا تو یہ اکراہ ہوگا۔ ''قہستانی''۔ عنقریب اس کا ذکر آئے گا اور فعل وعید بالقول کو شامل ہوگا۔ اسی وجہ سے ''الدرر'' میں کہا: یہ لفظ اور تمام اعضاء کے عمل کو عام ہے۔

30621۔(قولہ: فِي الْمَحَلِّ) یعنی جسے مجبور کیا جا رہا ہے مکرہ راء کے فتحہ کے ساتھ اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ ''ح''۔

30622۔(قولہ: يَصِيرُ) ضمیر سے مراد محل ہے اور بہ کی ضمیر سے مراد وہ معنی ہے جو خوف ہے۔ ''ح''۔

30623۔(قولہ: مَدْفُوعًا إِلَى الْفِعْلِ) اس طرح کہ اس کے ساتھ اس کی رضا فوت ہو جاتی ہے اگرچہ وہ جبر کی حد تک نہ پہنچے۔ اس طرح کہ اختیار فاسد ہو جائے پس یہ دونوں قسموں کو شامل ہوگا جس طرح قریب ہی ظاہر ہوگا۔

وَھُوَ نَوْعَانِ تَامٌّ وَھُوَ الْمُلْجِیُٔ بِتَلَفِ نَفْسٍ أَوْ عُضْوٍ أَوْ ضَرْبٍ مُبَرِّحٍ وَإِلَّا فَنَاقِصٌ وَھُوَ غَیْرُ الْمُلْجِیِٔ (وَشَرْطُہُ) أَرْبَعَۃُ أُمُورٍ (قُدْرَۃُ الْمُکْرِہِ عَلَی إِیقَاعِ مَا ھَدَّدَ بِہِ سُلْطَانًا أَوْ لِصًّا)

اس کی دو قسمیں ہیں: تام یہی ملجی ہے یہ نفس کو تلف کرنے، عضو کو تلف کرنے یا شدید مار پیٹ کی صورت میں ہوتا ہے ورنہ وہ اکراہ ناقص ہوگا اور یہی غیر ملجی ہے۔ اور اس کی شرط چار امور ہیں: (1) مکرہ جس امر کی دھمکی دے رہا ہے اس پر اسے قدرت ہو وہ بادشاہ ہو یا چور ہو

اکراہ کی انواع

30624۔ (قولہ: وَھُوَ نَوْعَانِ) یعنی اکراہ کی دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک رضا کو معدوم کرنے والی ہے لیکن ملجی یہ کامل ہے جو الجاء کو واجب کرتی ہے اور اختیار کو فاسد کر دیتی ہے۔ رضا کی نفی اختیار کو فاسد کرنے سے اعم ہے رضا کراہت کے مقابل ہے اور اختیار جبر کے مقابل ہے جب محبوس کرنے یا مارنے کی صورت میں اکراہ پایا جائے تو کراہت کے پائے جانے اور رضا کے نہ ہونے میں کوئی شک نہیں اگرچہ اختیار صحیح متحقق ہو۔ کیونکہ اس میں فساد نفس یا عضو کے تلف کرنے کی تخویف کے ساتھ ہے۔ اس کا حکم یہ ہے: جب وہ ملجی کی صورت میں اکراہ حاصل ہو تو فعل کو حامل کی طرف منتقل کر دیا جائے ان صورتوں میں کہ یہ صحیح ہو کہ مکرہ حامل کا آلہ بن جائے گویا حامل نے وہ فعل خود کیا ہے جیسے مال اور نفس کو تلف کرنا اور وہ صورتیں جن میں وہ حامل کا آلہ نہ بن سکے تو اس فعل کو مکرہ تک محدود رکھا جائے گا گویا اس نے اپنے اختیار کے ساتھ فعل کیا ہے جیسے قول کرنا اور کھانا۔ کیونکہ انسان غیر کی زبان سے کلام نہیں کرتا اور غیر کے منہ سے نہیں کھاتا۔ پس اس کو غیر متکلم اور غیر آکل کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔ مگر جب اس میں تلف کرنا پایا جائے تو اسے اتلاف کی حیثیت سے اس کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ کیونکہ مکرہ اس میں حامل کا آلہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جب وہ اسے غلام آزاد کرنے پر مجبور کرے گا تو آزاد ہو جائے گی۔ گویا اس نے اپنے اختیار سے اسے واقع کیا ہے یہاں تک کہ ولا اس کے لئے ہوگی اور اتلاف کی حیثیت میں اسے حامل کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ پس مکرہ سے اس کی قیمت کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اس کی مکمل وضاحت ''التبیین'' میں ہے۔

30625۔ (قولہ: أَوْ عُضْوٍ) اسی طرح بعض عضو ہے جیسے پورے۔ ''شرنبلالیہ''۔

30626۔ (قولہ: أَوْ ضَرْبٍ مُبَرِّحٍ) یعنی شدت میں واقع کرنے والی۔ ''قاموس'' میں کہا: البرح سے مراد شدت اور شر ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں ''البرہان'' سے اس قول کے ساتھ نقل کیا ہے یا ایسی ضرب جس سے اپنی ذات یا اعضاء میں سے عضو کے بارے میں خوف لاحق ہو۔

30627۔ (قولہ: وَإِلَّا فَنَاقِصٌ) جیسے محبوس کرنے، قید کرنے اور تھوڑا مارنے کے ساتھ ڈرایا گیا ہو۔ ''اتقانی''۔

اکراہ کی شرائط

30628۔ (قولہ: سُلْطَانًا أَوْ لِصًّا) یہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک ہے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اکراہ

أَوْ نَحْوَهُ (وَ) الثَّانِي (خَوْفُ الْمُكْرَهِ) بِالْفَتْحِ (إِيقَاعَهُ) أَيْ إِيقَاعَ مَا هُدِّدَ بِهِ (فِي الْحَالِ) بِغَلَبَةِ ظَنِّهِ لِيَصِيرَ مُلْجَأً (وَ) الثَّالِثُ (كَوْنُ الشَّيْءِ الْمُكْرَهِ بِهِ مُتْلِفًا نَفْسًا أَوْ عُضْوًا أَوْ مُوجِبًا غَمًّا يُعْدِمُ الرِّضَا)

یا اس قسم کا آدمی ہو۔(2) مکرہ کو فی الحال اس امر کے واقع کرنے کا خوف ہو جس کی اسے دھمکی دی گئی ہے یہ غلبہ ظن کی وجہ سے ہوتا کہ اکراہ ملجی ہو جائے۔(3) جس شے کی دھمکی دی گئی ہے وہ نفس یا عضو کو تلف کرنے والی ہو یا ایسے امر کا موجب ہو جو رضا کو ختم کر دے۔

صرف سلطان سے متحقق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قدرت منعت کے ساتھ ہی حاصل ہوتی ہے اور منعت صرف سلطان کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ علماء نے فرمایا: یہ عصر و زمان کا اختلاف ہے حجت و برہان کا اختلاف نہیں۔ کیونکہ امام اعظم ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سلطان کے علاوہ کسی کو ایسی قوت حاصل نہ تھی جس کے ساتھ اکراہ متحقق ہوتا تو امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشاہدہ کی بنا پر جواب دیا۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے زمانہ میں فساد ظاہر ہو گیا تھا اور معاملہ یہ بنا وٹی غالب کے قبضہ میں آ گیا تھا پس سب سے اکراہ حاصل ہو جاتا ہے فتویٰ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کے مطابق ہے۔ ''خلاصہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''درر''۔

اس سے مراد چور ہے۔ ''قہستانی'' نے اس کی تفسیر ایسے ظالم سے کی ہے جو غالب ہو چکا ہے اور سلطان کے علاوہ ہو کہا: اس کے لفظ کے ساتھ اسے ذکر کیا۔ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے برکت حاصل کی ہے۔ اسی وجہ سے بعض حاسدوں نے خلیفہ کے سامنے ان کی شکایت کی اور کہا: انہوں نے اپنی کتاب میں تجھے لص کا نام دیا ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

30629۔(قولہ: أَوْ نَحْوَهُ) اس کی کوئی ضرورت نہ تھی ہم نے ''قہستانی'' سے جو ذکر کیا ہے اس پر مبنی ہے۔

30630۔(قولہ: فِي الْحَالِ) ''شرنبلالیہ'' میں ''البرہان'' سے اسی طرح مروی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ قید اتفاقی ہے کیونکہ اگر وہ اسے ایک مدت بعد تلف کرنے والی شے کی دھمکی دے اور مکرہ کا ظن غالب ہو کہ وہ اسے واقع کر دے گا تو وہ ملجا ہوگا۔ تامل۔ لیکن شارح آخر میں ذکر کریں گے اس کے لئے وہ کام کرنے کی گنجائش ہوگی جب تک مکرہ کے پاس موجود ہے ورنہ اس کے لئے ایسا کرنا حلال نہ ہوگا۔

30631۔(قولہ: لِيَصِيرَ مُلْجَأً) یہ شروط مطلق اکراہ کی ہیں صرف ملجی کی نہیں۔ پس مناسب ''درر'' کا قول ہے تا کہ یہ اس پر محمول ہو جس فعل کی طرف اسے دعوت دی گئی ہو اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حمل سے مراد یہ ہے جس سے رضا فوت ہو جائے پس یہ دونوں نوعوں کو شامل ہوگا۔

30632۔(قولہ: مُتْلِفًا نَفْسًا) یعنی حقیقت میں نفس کو تلف کرنے والا ہو یا حکمی طور پر نفس کو تلف کرنے والا ہو جس طرح تمام مال کا تلف ہو جانا۔ کیونکہ مال روح کی شقیق ہے جس طرح ''زاہدی'' میں ہے ''قہستانی''۔ اور کل مال کی قید لگانا یہ اس کے مخالف ہے جس کی طرف شارح آخر میں ''القنیہ'' سے نقل کرتے ہوئے اشارہ کریں گے جس طرح ہم عنقریب اس پر آگاہ کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالی۔

30633۔(قولہ: يُعْدِمُ الرِّضَا) یعنی اختیار صحیح کے باقی رہنے کے ساتھ رضا کو معدوم کر دیتا ہے ورنہ تلف کرنے

وَهَذَا أَدْنَى مَرَاتِبِهِ وَهُوَ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْأَشْخَاصِ فَإِنَّ الْأَشْرَافَ يُغَمُّونَ بِكَلَامٍ خَشِنٍ، وَالْأَرَاذِلَ رُبَّمَا لَا يُغَمُّونَ إِلَّا بِالضَّرْبِ الْمُبَرِّحِ ابْنُ كَمَالٍ (وَ) الرَّابِعُ (كَوْنُ الْمُكْرَهِ مُمْتَنِعًا عَمَّا أُكْرِهَ عَلَيْهِ قَبْلَهُ) إِمَّا (لِحَقِّهِ) كَبَيْعِ مَالِهِ (أَوْ لِحَقِّ) شَخْصٍ (آخَرَ) كَإِتْلَافِ مَالِ الْغَيْرِ (أَوْ لِحَقِّ الشَّرْعِ) كَشُرْبِ الْخَمْرِ وَالزِّنَا (فَلَوْ أُكْرِهَ بِقَتْلٍ أَوْ ضَرْبٍ شَدِيدٍ) مُتْلِفٍ لَا بِسَوْطٍ أَوْ سَوْطَيْنِ إِلَّا عَلَى الْمَذَاكِيرِ وَالْعَيْنِ بَزَّازِيَّةٌ (أَوْ حَبْسٍ) أَوْ قَيْدٍ مَدِيدَيْنِ

یہ اس کا ادنیٰ مرتبہ ہے اور یہ اشخاص کے مختلف ہونے کے ساتھ مختلف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اشراف سخت کلام سے ہی غمگین ہو جاتے ہیں اور کمینے لوگ بعض اوقات صرف شدید ضرب سے ہی غمگین ہوتے ہیں۔ ''ابن کمال''۔ یہ مکرہ اس سے پہلے اس عمل سے رکنے والا ہو جس پر اسے مجبور کیا جا رہا ہے یا تو یہ رکنا اس کے حق کی وجہ سے ہو جیسے اپنے مال کو بیچنا، یا کسی اور کے حق کی وجہ سے ہو جیسے غیر کے مال کو تلف کرنا یا شرع کے حق کی وجہ سے ہو جیسے شراب پینا اور زنا کرنا۔ اگر قتل یا ضرب شدید کے ساتھ اسے مجبور کیا جائے جو کسی شے کو تلف کرنے والی ہو نہ کہ ایک سوط یا دو سوط مگر یہ ضرب شرمگاہ اور آنکھ پر ہو ''بزازیہ''۔ یا حبس یا قید جو دونوں لمبی ہوں

والی چیز کی دھمکی بھی رضا کو ختم کر دیتی ہے لیکن یہ اختیار کو فاسد کر دیتی ہے جس طرح ہم اسے ابھی پہلے بیان کر چکے ہیں۔

30634۔ (قولہ: إِمَّا لِحَقِّهِ) یا تو جس پر اسے مجبور کیا جا رہا ہے وہ اس سے اس لئے رکا ہوا ہے۔ کیونکہ یہ اس کا خالص حق ہے جس طرح اسے اس کا اپنا مال تلف کرنے پر مجبور کیا جائے اگرچہ عوض کے ساتھ ہو جیسے وہ اسے بیچ دے اور اس میں اکراہ ملجی کے بغیر ہوگا۔ اس کے بعد جو دو قسمیں ہیں وہ اس کے خلاف ہیں جس طرح آگے آئے گا۔

30635۔ (قولہ: مُتْلِفٍ) اس میں ہے کہ بیع وغیرہ آنے والے تصرفات میں اکراہ متحقق ہوتا ہے اگر غیر ملجی ہو جس طرح گزر چکا ہے اور آگے آئے گا۔ کیونکہ یہ اس کی رضا کو فوت کر دیتا ہے اور تلف کرنے والا ملجی میں سے ہوتا ہے۔ اس پر رضا کا فوت ہونا موقوف نہیں اسی وجہ سے جو آگے آ رہا ہے اس میں کہا: ایک دن محبوس کرنے کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ یہ رضا کو معدوم نہیں کرتا۔

30636۔ (قولہ: إِلَّا عَلَى الْمَذَاكِيرِ وَالْعَيْنِ) کیونکہ اس سے انسان کے تلف ہونے کا ڈر رہتا ہے۔

30637۔ (قولہ: أَوْ حَبْسٍ) یعنی اس کی ذات کو محبوس کیا جائے۔ ''زیلعی''۔ والدین یا اولاد کو محبوس کرنے کا اکراہ اکراہ شمار نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ ملجی نہیں اور نہ ہی رضا کو معدوم کرتا ہے اس کی ذات کو محبوس کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ لیکن ''شرنبلالیہ'' میں ''مبسوط'' سے مروی ہے: یہ قیاس ہے۔ استحسان میں ہے: والد کا محبوس کیا جانا یہ اکراہ ہے۔ ''طوری'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ قابل اعتماد قول یہ ہے کہ استحسان کی صورت میں والدین اور ولد کے محبوس کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ ''قہستانی'' نے یہ اضافہ کیا یا ان کے علاوہ جو غیر ذی رحم محرم ہیں اسے ''المبسوط'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

بِخِلَافِ حَبْسِ یَوْمٍ أَوْ قَیْدِہِ أَوْ ضَرْبٍ غَیْرِ شَدِیدٍ إِلَّا لِذِی جَاہٍ دُرَرٌ (حَتّٰی بَاعَ أَوْ اشْتَرَی أَوْ أَقَرَّ أَوْ آجَرَ فُسِخَ) مَا عَقَدَ وَلَا یَبْطُلُ حَقُّ الْفَسْخِ بِمَوْتِ أَحَدِہِمَا وَلَا بِمَوْتِ الْمُشْتَرِی،

ایک دن کا حبس یا اس کی قید یا ایسی ضرب جو شدید نہ ہو کا معاملہ مختلف ہے مگر ذی جاہ آدمی کے لئے۔ ''درر''۔ یہاں تک کہ وہ اس شے کو بیچ دے، خرید ے، اقرار کرے یا اجرت پر دے تو جو عقد کیا ہے اس کو فسخ کر سکتا ہے دونوں میں سے ایک کے مر جانے سے فسخ کا حق باطل نہیں ہوتا اور نہ مشتری کے مرنے سے فسخ کا حق باطل ہوگا

حبس مدید کی تعریف

30638۔(قولہ: بِخِلَافِ حَبْسِ یَوْمٍ أَوْ قَیْدِہِ) اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حبس مدید وہ ہے جو ایک دن سے زائد ہو۔ ''عینی'' اور ''زیلعی'' وغیرہ سے یہی مستفاد ہے۔ ''ط''۔ ''الخانیہ'' میں ہے: جہاں تک ایک چھڑی مارنے، ایک دن محبوس رکھنے یا ایک دن قید رکھنے کا معاملہ ہے تو ہزار کے اقرار میں یہ اکراہ نہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ تھوڑے مال میں یہ اکراہ ہے۔

30639۔(قولہ: إِلَّا لِذِی جَاہٍ) کیونکہ اس کا ضرر ضرب شدید سے زیادہ ہے پس اس کے ساتھ رضا فوت ہو جاتی ہے۔ ''زیلعی''۔ ''مختارات النوازل'' میں ہے: او لذی ضعف یا جو کمزوری ہو۔

30640۔(قولہ: فُسِخَ مَا عَقَدَ) یہ اقرار کو شامل نہیں پس یہ مجاز ہوگا یا اکتفا ہوگا جس طرح ''قہستانی'' نے اس پر متنبہ کیا۔

مکرہ کی بیع فاسد ہے اور مبیع کے زوائد کی تعدی کے ساتھ ضمانت ہوگی

30641۔(قولہ: وَلَا یَبْطُلُ...... الی قولہ...... أَوْ أَمْضَی) یہ کلام ''المنح'' پر ان کے شیخ کا جو حاشیہ ہے اس سے ماخوذ ہے اس کے بعد کہا: و یضمن بالتعدی، تامل۔ پس یہ اشارہ کرتا ہے کہ انہوں نے اسے بطور تفقہ کے ذکر کیا ہے اور یہ اچھی تفقہ ہے۔ کیونکہ علماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ مکرہ کی بیع فاسد ہے مگر چار صورتوں میں فاسد نہیں جن کا ذکر متن میں آئے گا۔

''جامع الفصولین'' میں کہا: بیع کے زوائد جبکہ بیع فاسد ہوا گر وہ منفصل اور متولد ہوں تعدی کے ساتھ ان کی ضمانت ہوگی اس کے بغیر ضمانت نہ ہوگی۔ اگر مبیع ہلاک ہو جائے تو بائع کو حق حاصل ہوگا کہ وہ زوائد اور مبیع کی قیمت لے۔ اگر منفصل غیر متولد ہوں تو تعدی کے ساتھ یہ زاوئد لینا جائز ہیں اور اس کے علاوہ حلال نہ ہوگا۔ اگر مشتری کے ہاتھ میں یہ ہلاک ہو جائیں تو مشتری ضمانت نہیں دے گا۔ اگر وہ جان بوجھ کر ہلاک کرے تو ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک وہ ضمانت دے گا۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضمانت نہیں دے گا اگر مبیع ہلاک ہو جائے نہ کہ زوائد تو زائد مشتری کے ہوں گے۔ متولدہ کا معاملہ مختلف ہے وہ صرف بیع کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

30642۔(قولہ: بِمَوْتِ أَحَدِہِمَا) یعنی مکرِہ اور مکرَہ میں سے ایک مر جائے تو ہر ایک کے وارث اس کے قائم مقام ہوں گے جس طرح مشتری کے وارث ہوتے ہیں۔

وَلَا بِالزِّيَادَةِ الْمُنْفَصِلَةِ، وَتُضْمَنُ بِالتَّعَدِّي وَسَيَجِيءُ أَنَّهُ يُسْتَرَدُّ وَإِنْ تَدَاوَلَتْهُ الْأَيْدِي (أَوْ أَمْضَى) لِأَنَّ الْإِكْرَاهَ الْمُلْجِئَ، وَغَيْرَ الْمُلْجِئِ يُعْدِمَانِ الرِّضَا وَالرِّضَا شَرْطٌ لِصِحَّةِ هَذِهِ الْعُقُودِ وَكَذَا لِصِحَّةِ الْإِقْرَارِ فَلِذَا صَارَ لَهُ حَقُّ الْفَسْخِ وَالْإِمْضَاءِ ثُمَّ إِنَّ تِلْكَ الْعُقُودَ نَافِذَةٌ عِنْدَنَا (وَ) حِينَئِذٍ (يَمْلِكُهُ الْمُشْتَرِي إِنْ قَبَضَ فَيَصِحُّ إِعْتَاقُهُ)

اور نہ ہی منفصل زیادتی سے فسخ کا حق باطل ہوگا اور تعدی کی صورت میں منفصل زیادتی کی ضمانت دینا ہوگی۔ اور عنقریب یہ آئے گا کہ اسے واپس لوٹایا جائے گا اگرچہ دست بدست اس کی کئی بار بیع ہو چکی ہو یا اسے جاری رکھے کیونکہ اکراہ ملجی اور اکراہ غیر ملجی رضا کو معدوم کر دیتے ہیں۔ اور رضا ان عقود کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔ اسی طرح اقرار کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔ اسی وجہ سے اسے فسخ کرنے اور عقد کو جاری رکھنے کا حق ہے۔ پھر یہ عقود ہمارے نزدیک نافذ ہیں اگر مشتری قبضہ کر لے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔ پس اس کا اعتاق صحیح ہو جائے گا۔

30643۔ (قولہ: وَلَا بِالزِّيَادَةِ الْمُنْفَصِلَةِ) خواہ وہ متولدہ ہوں جیسے پھل یا متولدہ نہ ہوں جیسے دیت اسی طرح متصلہ متولدہ جیسے موٹاپا۔ جہاں تک غیر متولدہ کا تعلق ہے جیسے رنگنا، سینا اور ستو کولت پت کرنا یہ استرداد کے مانع ہے مگر مشتری کی رضا سے ایسا کر سکتا ہے۔ بیع فاسد میں علماء نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ ''البحر'' میں ہے: جب بیع فاسد کی صورت میں مشتری بیع میں کوئی ایسا فعل کرے جس فعل سے غصب میں مالک کا حق منقطع ہو جائے تو واپس کرنے میں مالک کا حق منقطع ہو جائے گا جس طرح کہ وہ گندم تھی تو اس نے اس کو پیس دیا۔

30644۔ (قولہ: وَسَيَجِيءُ) یعنی قریب میں آئے گا۔

30645۔ (قولہ: يُعْدِمَانِ الرِّضَا) ''ابن کمال'' نے اپنی شرح کے ''حاشیہ'' میں کہا: ''صدر الشریعہ'' نے اس امر میں خطا کی ہے کہ رضا کے معدوم ہونے کو غیر ملجی کے ساتھ خاص کیا ہے۔

30646۔ (قولہ: فَلِذَا صَارَ لَهُ حَقُّ الْفَسْخِ وَالْإِمْضَاءِ) کیونکہ صحت کی شرط مفقود ہے اور وہ رضا ہے پس اسے اختیار ہوگا۔ کیونکہ اس شرط کا اعتبار یہ غیر کے حق کے لئے نہیں بلکہ اس کے اپنے حق کے لئے ہے۔ اسی وجہ سے یہ باقی ماندہ بیوع فاسدہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ صحت کی شرط کے فاسد ہونے کی بنا پر ان میں فسخ واجب ہے۔ کیونکہ ان میں فساد حق شرع کے لئے ہے۔ علماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ مکرہ کی بیع موقوف کے مشابہ ہوتی ہے اور فاسد کے مشابہ ہوتی ہے۔ فافہم

30647۔ (قولہ: ثُمَّ إِنَّ تِلْكَ الْعُقُودَ نَافِذَةٌ عِنْدَنَا) یعنی ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک نافذ ہے یہ موقوف نہیں۔

30648۔ (قولہ: وَحِينَئِذٍ) یعنی جب ہم نے یہ کہا یہ نافذ ہیں غیر موقوف ہیں تو قبضہ کے ساتھ ملک کا فائدہ دیں گے۔ یعنی ایسی بیع اور شرا جو زبردستی کی گئی ہو یہ مشتری کے لئے ملکیت کا فائدہ دیں گی۔ کیونکہ یہ باقی ماندہ فاسد بیوع کی طرح فاسد ہیں۔ امام ''زفر'' نے کہا: اس کے ساتھ ملکیت ثابت نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ بیع موقوف ہے اور فاسد نہیں جس طرح اگر خیار شرط کے ساتھ بیع کرے اور اسے اس کے سپرد کر دے۔ ''زیلعی''۔

وَكَذَا كُلُّ تَصَرُّفٍ لَا يُمْكِنُ نَقْضُهُ (وَلَزِمَهُ قِيمَتُهُ) وَقْتَ الْإِعْتَاقِ وَلَوْ مُعْسِرًا، زَاهِدِيٌّ لِإِتْلَافِهِ بِعَقْدٍ فَاسِدٍ (فَإِنْ قَبَضَ ثَمَنَهُ أَوْ سَلَّمَ الْمَبِيعَ (طَوْعًا) قَيْدٌ لِلْمَذْكُورَيْنِ (نَفَذَ) يَعْنِي لَزِمَ لِمَا مَرَّ

اسی طرح ہر ایسا تصرف جس کو ختم کرنا ممکن نہ ہو اور آزادی کے وقت سے اس کی قیمت اس پر لازم ہو جائے گی اگرچہ وہ تنگدست ہو''زاہدی''۔ کیونکہ اس نے عقد فاسد کے ساتھ اس کو تلف کیا ہے۔ اگر اس نے ثمن پر قبضہ کرلیا یا مبیع خوشی سے سپرد کر دیا تو عقد نافذ یعنی لازم ہو جائے گا۔ یہ مذکورہ کے لئے قید ہے کیونکہ یہ گزر چکا ہے

''ابن کمال'' نے کہا: جس نے یہ کہا: بری کرنا یہ نفاذ کے مانع ہے وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا۔ اور اس کے حاشیہ میں ان مواضع کو لکھا جن میں ''صدر الشریعہ'' نے خطا کی ہے۔ گویا وہ اس امر سے غافل رہے کہ نافذ موقوف کے مقابل ہے پس جو عقد نافذ نہیں ہوگا وہ موقوف ہوگا انہوں نے جو ذکر کیا ہے وہ امام ''زفر'' کے قول پر منطبق ہوتا ہے۔ اس کا جواب عنقریب ذکر کریں گے۔

30649۔(قولہ: وَكَذَا كُلُّ تَصَرُّفٍ لَا يُمْكِنُ نَقْضُهُ) جیسے مدبر بنانا، ام ولد بنانا اور طلاق دینا۔ پس اس کا بیع کرنا، ہبہ کرنا، صدقہ کرنا وغیرہ صحیح نہیں ہوگا یعنی ایسے عقد صحیح نہ ہوں گے جن کا نقض ممکن ہو۔''قہستانی''۔

30650۔(قولہ: فَإِنْ قَبَضَ الخ) جو سابقہ تخییر سمجھی گئی ہے اس پر تفریع ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ بیع جو منقلب ہو کر صحیح ہو وہ اس کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ فساد اس کے حق کی وجہ سے ہے حق شرع کی وجہ سے نہیں۔ گویا وہ کہتا ہے: جب اس کا صحیح کی طرف پھرنا بائع کی رضا اور اجازت پر موقوف ہے پس ثمن پر بائع کے قبضہ کرنے یا بیع کو خوشی خوشی سپرد کرنے سے وہ صحیح ہوتی ہے یہ رضا اور اجازت پر دلالت کی وجہ سے ہے۔''ابن کمال''۔

30651۔(قولہ: أَوْ سَلَّمَ الْمَبِيعَ) ہبہ سے احتراز کے لئے بیع کی قید لگائی جب اسے ہبہ پر مجبور کیا جائے اور اس نے وہ شے دینے کا ذکر نہ کیا پس مکرہ نے ہبہ کیا اور وہ شے دے دی تو یہ ہبہ باطل ہوگا۔ کیونکہ مکرہ کا مقصود استحقاق ہے محض لفظ نہیں۔ یہ استحقاق ہبہ میں دے دینے اور بیع میں عقد کے ساتھ ہوتا ہے۔ پس اکراہ میں دینا ہبہ پر واقع ہوا بیع پر واقع نہیں ہوا۔''ہدایہ''۔''بزازیہ'' میں مکرہ کے حاضر ہونے کی قید لگائی ہے اور کہا: ہبہ پر اکراہ سپرد کرنے پر اکراہ ہے جب مکرہ سپرد کرنے کے وقت حاضر ہو ورنہ نہیں۔ یہ قیاس و استحسان کی بنا پر ہے۔ اور انہوں نے اپنے قول باطلا سے فاسد کا ارادہ کیا ہے۔ کیونکہ قبضہ کے ساتھ وہ فاسد کا مالک بن جاتا ہے۔''اتقانی''۔

30652۔(قولہ: نَفَذَ) نافذ اس لئے ہوگا کیونکہ رضا پائی گئی ہے۔

ہمارے نزدیک مکرہ کے عقود نافذ ہے

30653۔(قولہ: لِمَا مَرَّ) نفاذ کی جو لزوم کے ساتھ تفسیر بیان کی ہے اس کی تعلیل ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ نفاذ اور لزوم دو متغایر چیزیں ہیں پس نفوذ سے مراد انعقاد اور لزوم سے مراد صحت ہے۔ پس مکرہ کی بیع نافذ ہوگی یعنی منعقد ہو جائے

أَنَّ عُقُودَ الْمُكْرَهِ نَافِذَةٌ عِنْدَنَا، وَالْمُعَلَّقُ عَلَى الرِّضَا وَالْإِجَازَةِ لُزُومُهُ لَا نَفَاذُهُ إِذْ اللُّزُومُ أَمْرٌ وَرَاءَ النَّفَاذِ كَمَا حَقَّقَهُ ابْنُ الْكَمَالِ قُلْت وَالضَّابِطُ أَنَّ مَا لَا يَصِحُّ مَعَ الْهَزْلِ

کہ مکرہ کے عقود ہمارے نزدیک نافذ ہیں اور جو رضا اور اجارہ پر معلق ہو وہ لازم ہوتا ہے اس کا نفاذ نہیں ہوتا۔ کیونکہ لزوم نفاذ سے ایک علیحدہ امر ہے جس طرح ''ابن کمال'' نے اسے ثابت کیا ہے۔ ضابطہ یہ ہے جو عقد ہنسی مذاق سے صحیح نہ ہو جاتا ہو

گی۔ کیونکہ یہ اہل کی جانب سے اس کے محل میں منعقد ہو رہی ہے۔ اور اس کی جانب سے ایک منعقد ہونے والی صحیح ہوتی ہے۔ اور اس سے ایک منعقد ہونے والی فاسد ہوتی ہے اور یہ عقد فاسد ہے۔ کیونکہ عقد صحیح ہونے کے لئے رضا شرط ہے اور یہاں رضا مفقود ہے جب رضا پائی جائے گی تو صحیح اور لازم ہو جائے گی۔ یہ اس کے موافق ہے جو قول گزر چکا ہے کہ نافذ موقوف کے مقابل ہے۔ کیونکہ موقوف جس طرح ''البحر'' کے کتاب البیوع میں ہے جس کا ظاہراً حکم نہ ہو یعنی جس پر وہ موقوف ہے اس کے پائے جانے سے پہلے یہ اپنے حکم کا فائدہ نہ دے گی۔ یہ اپنے حکم کا فائدہ دیتی ہے اور یہ رضا سے پہلے ملک ہے لیکن اس میں قبضہ شرط ہے جس طرح تمام بیوع فاسدہ میں ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ اس میں سے ہے جس طرح سب علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔ امام ''زفر'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

اس تقریر سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ لزوم نفاذ کے علاوہ امر ہے جس طرح ''ابن کمال'' نے اسے ثابت کیا ہے۔ کیونکہ ''شرح الطحاوی'' سے منقول ہے: جب کئی ہاتھوں میں وہ بیع ہو چکی ہو تو اسے تمام عقد فسخ کرنے کا اختیار ہو گا۔ اور جس کو بھی وہ جائز قرار دے گا تو تمام جائز ہو جائیں گے کیونکہ یہ نافذ تھیں۔ مگر رضا نہ ہونے کی وجہ سے اسے فسخ کرنے کا اختیار ہو گا۔ یہ اس میں صریح ہے کہ نفاذ رضا سے پہلے موجود تھا اور یہ اس میں بھی صریح ہے کہ رضا پر موقوف دوسرا امر ہے وہ ان کو لازم ہونا اور ان کا صحیح ہونا ہے۔ پس یہ متعین ہو گیا کہ نفذ کی تفسیر لزم سے کی جائے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ رضا لزوم کی شرط ہے نفاذ کی شرط نہیں لیکن یہ اس کے مخالف ہے جو اصول کی کتب میں ہے جیسے ''توضیح و تلویح''، ''تقریر''، ''شرح التحریر'' اور ''شروح المنار''۔ کیونکہ ان علماء نے کہا: مکرہ کی بیع فاسد ہونے کے طور پر منعقد ہوتی ہے کیونکہ رضا نہیں پائی جا رہی جو نفاذ کی شرط ہے۔ اگر اکراہ کے زوال کے بعد صراحتہً یا دلالۃً اجازت دے دے اس کی صورت یہ ہے کہ بائع ثمن پر قبضہ کر لے یا مبیع خوشی خوشی مشتری کے حوالے کر دے تو رضا کے مکمل ہونے کی بنا پر عقد صحیح ہو جائے گا اور فساد جس معنی کی وجہ سے تھا وہ زائل ہو چکا ہے۔ یہ اس کے موافق ہے جو مصنف نے کہا ہے اور ''صدر الشریعہ'' کے قول کے موافق ہے: اکراہ نفاذ کے مانع ہے۔ پس ان کی کلام میں نفاذ سے مراد لزوم ہے پس وہ دونوں ایک معنی میں ہیں جو صحت ہے۔ پس اس کے ساتھ اس میں اور جو ''شرح طحاوی'' میں ہے اس میں تطبیق حاصل ہو جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کا اپنے قول نفذ کے ساتھ تعبیر کرنا جیسے ''وقایہ'' اور ''درر'' میں ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس پر کوئی دلالت نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ قوم کی کلام کے موافق ہے۔ ''ابن کمال'' نے ''صدر الشریعہ'' پر جو سخت ترین الفاظ میں طعن و تشنیع کی تھی وہ ختم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی توفیق دینے والی ہے اس کے سوا کوئی رب نہیں۔

30654۔ (قولہ: أَنَّ مَا لَا يَصِحُّ مَعَ الْهَزْلِ) جیسے بیع اور شرا ہے۔

يَنْعَقِدُ فَاسِدًا فَلَهُ إِبْطَالُهُ وَمَا يَصِحُّ فَيَضْمَنُ الْحَامِلَ كَمَا سَيَجِيءُ (وَإِنْ قَبَضَ) الثَّمَنَ (مُكْرَهًا لَا) يَلْزَمُ (وَرَدَّهُ) وَلَمْ يَضْمَنْ إِنْ هَلَكَ الثَّمَنُ لِأَنَّهُ أَمَانَةٌ دُرَرٌ (إِنْ بَقِيَ) فِي يَدِهِ لِفَسَادِ الْعَقْدِ (لَكِنَّهُ يُخَالِفُ الْبَيْعَ الْفَاسِدَ فِي أَرْبَعِ صُوَرٍ يَجُوزُ بِالْإِجَازَةِ) الْقَوْلِيَّةِ وَالْفِعْلِيَّةِ (وَ) الثَّانِي أَنَّهُ (يَنْقُضُ تَصَرُّفَ الْمُشْتَرِي مِنْهُ) وَإِنْ تَدَاوَلَتْهُ الْأَيْدِي (وَ) الثَّالِثُ (تُعْتَبَرُ الْقِيمَةُ وَقْتَ الْإِعْتَاقِ دُونَ وَقْتِ الْقَبْضِ

جب وہ فاسد منعقد ہو تو اسے باطل کرنے کا حق ہوتا ہے اور جو ہنسی مذاق سے صحیح ہو جاتا ہو وہ صحیح ہو جاتا ہے اور وہ مجبور کرنے والے سے ضمانت لے گا جس طرح عنقریب آگے آئے گا اگر وہ ثمن پر مجبور ہو کر قبضہ کرے تو وہ عقد لازم نہیں ہوگا اور وہ اس ثمن کو رد کر دے اگر ثمن اس کے پاس موجود ہو۔ اگر ثمن اس کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو ضمانت نہ دے۔ کیونکہ یہ ثمن اس کے قبضہ میں امانت ہے،''درر''۔ کیونکہ عقد فاسد ہے۔ لیکن یہ چار صورتوں میں بیع فاسد کے مخالف ہے (1) یہ اجازت قولیہ اور اجازت فعلیہ کے ساتھ جائز ہو جاتی ہے۔ (2) اس سے مشتری کا تصرف ٹوٹ جاتا ہے اگرچہ کئی دفعہ بیع ہو چکی ہو۔ (3) آزاد کرنے کے وقت قیمت کا اعتبار کیا جاتا ہے قبضہ کے وقت کی قیمت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا

30655۔ (قولہ: وَمَا يَصِحُّ) یعنی جو ہنسی مذاق سے صحیح ہو جاتے ہیں پس اس سے بھی قطعی ارادہ کے ساتھ کلام کرنا اور ہنسی مذاق کی صورت میں کلام برابر ہیں جیسے طلاق دینا اور غلام آزاد کرنا۔

مکرہ کے عقد اور بیع فاسد میں فرق

30656۔ (قولہ: يَجُوزُ بِالْإِجَازَةِ) یعنی اجازت کے ساتھ وہ عقد صحیح ہو جائے گا۔ دوسری بیوع فاسد کا معاملہ مختلف ہے جیسے ایک درہم کی دو درہموں سے بیع کرنا مثلاً یہ جائز نہیں اگرچہ وہ اس کی اجازت دے دے۔ کیونکہ اس میں فساد حق شرع کی وجہ سے ہے۔

30657۔ (قولہ: وَالْفِعْلِيَّةِ) جیسے ثمن پر قبضہ کرنا اور مبیع کو خوشی خوشی سے سپرد کرنا۔

30658۔ (قولہ: الْمُشْتَرِي مِنْهُ) منہ کی ضمیر سے مراد ایسا بائع ہے جو مکرہ ہو۔

30659۔ (قولہ: وَإِنْ تَدَاوَلَتْهُ الْأَيْدِي) کیونکہ اس میں اس کو لوٹانا یہ اس بندے کے حق کی وجہ سے ہے حق شرع کی وجہ سے نہیں۔

30660۔ (قولہ: وَقْتَ الْإِعْتَاقِ دُونَ وَقْتِ الْقَبْضِ) یہ اس کے مخالف ہے جو''بزازیہ'' میں ہے کیونکہ اس نے کہا: اگر وہ توڑنے کا احتمال رکھے تو اسے توڑ دے اگر احتمال نہ رکھے تو مکرہ اس کی قیمت کی ضمانت دے گا جس روز اسے مشتری کے حوالے کیا گیا تھا اگر چاہے تو مشتری سے اس پر قبضہ کے دن کی ضمانت لے لے یا اس دن کی ضمانت لے لے جس روز اس نے تصرف کیا تھا جو توڑنے کا احتمال نہ رکھے۔ کیونکہ اس نے اس کے ساتھ واپس لوٹانے کا حق تلف کر دیا۔ شراء فاسد کے ساتھ خریدار کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ تصرف واقع کرنے کے دن کی ضمانت نہیں دے گا بلکہ قبضہ کے دن کی ضمانت

وَ الرَّابِعُ (الثَّمَنُ وَالْمُثَمَّنُ أَمَانَةٌ فِي يَدِ الْمُكْرَهِ) لِأَخْذِهِ بِإِذْنِ الْمُشْتَرِي فَلَا ضَمَانَ بِلَا تَعَدٍّ بِخِلَافِهَا فِي الْفَاسِدِ بَزَّازِيَّةٌ (أَمْرُ السُّلْطَانِ إِكْرَاهٌ وَإِنْ لَمْ يَتَوَعَّدْهُ، وَأَمْرُ غَيْرِهِ لَا إِلَّا أَنْ يَعْلَمَ الْمَأْمُورُ بِدَلَالَةِ الْحَالِ أَنَّهُ لَوْ لَمْ يَمْتَثِلْ أَمْرَهُ يَقْتُلُهُ

(4) ثمن اور مثمن مکرہ کے قبضہ میں امانت ہے۔ کیونکہ اس نے مشتری کے اذن سے اس نے لی ہے اور تعدی کے بغیر اس پر کوئی ضمانت نہیں۔ بیع فاسد میں اس کا معاملہ مختلف ہے ''بزازیہ''۔ سلطان کا امر اکراہ ہے اگرچہ وہ دھمکی نہ دے اور سلطان کے علاوہ کا امر اکراہ نہیں مگر مامور دلالت حال سے معلوم کر لے اگر اس نے اس کے حکم کی اطاعت نہ کی تو وہ اس کو قتل کر دے گا،

دے گا۔ اسی کی مثل ''غایۃ البیان'' میں ہے۔ اس پر لازم تھا کہ یہ کہتا: اسے آزاد کرنے یا قبضہ کرنے کے دن کی قیمت کی ضمانت لینے کا حق ہے۔

30661۔ (قولہ: الثَّمَنُ) ثمن اس صورت میں جب مکرہ بائع ہو۔ اور مثمن اس صورت میں وہ مشتری ہو۔

30662۔ (قولہ: أَمَانَةٌ فِي يَدِ الْمُكْرَهِ) پہلی صورت میں وہ بائع ہے اور دوسری صورت میں وہ مشتری ہے۔

30663۔ (قولہ: لِأَخْذِهِ بِإِذْنِ الْمُشْتَرِي) یعنی مشتری کے اذن سے یا بائع کے اذن سے۔ ''ح''۔

30664۔ (قولہ: بِخِلَافِهَا) یعنی چاروں صورتوں میں۔ ''ح''۔

تنبیہ: دونوں کو غلام بیچنے اور اس کے خریدنے اور باہم قبضہ کرنے پر مجبور کیا گیا پس ثمن اور غلام دونوں ہلاک ہو گئے۔ مکرہ دونوں کے لئے دونوں چیزوں کی ضمانت دے گا۔ اگر دونوں میں سے ایک دوسرے سے ضمانت لینے کا ارادہ کرے تو ہر ایک سے اس چیز کے بارے میں سوال کیا جائے گا جس پر اس نے قبضہ کیا۔ اگر ہر ایک کہے: میں نے اس بیع کی بنا پر قبضہ کیا جس پر ہمیں مجبور کیا گیا تھا تا کہ وہ چیز میری ہو جائے تو بیع جائز ہو جائے گی اور مکرہ پر کوئی ضمانت نہ ہو گی۔ اگر وہ کہے: میں نے اس پر اکراہ کی حالت میں قبضہ کیا تا کہ میں اسے اس کے مالک کی طرف لوٹا دوں اور جو میں نے دیا ہے وہ اس سے لے لوں اور ہر ایک نے اپنے ساتھی کے حق میں اس پر قبضہ کر لیا تو دونوں میں سے ایک دوسرے پر ضامن نہیں ہو گا۔ اگر دونوں میں سے ہر ایک انکار کر دے اگر مشتری ہو تو بائع جس سے چاہے ضمانت لے لے۔ اگر وہ مکرہ سے اس کی قیمت کی ضمانت لے تو وہ اس کا مشتری سے مطالبہ کرے اور مشتری سے اس کی ضمانت لے تو وہ مکرہ سے اس کی قیمت کا مطالبہ نہ کرے اور نہ ہی بائع سے اس کی ثمن کا مطالبہ کرے اگر قسم سے انکار کرنے والا بائع ہو۔ اگر مشتری چاہے تو مکرہ سے ثمن کا مطالبہ کرے اور وہ بائع سے واپسی کا مطالبہ کرے۔ اگر چاہے تو بائع سے اس کی ثمن کی ضمانت لے اور وہ مکرہ سے اس کا مطالبہ نہ کرے۔ ''ملخص''۔ ''ہندیہ'' سے وہ ''مبسوط'' سے نقل کرتے ہیں۔

سلطان کا امر اکراہ ہے اگرچہ وہ دھمکی نہ دے

30665۔ (قولہ: يَقْتُلُهُ الخ) یہ اکراہ ملجی میں ہے جس طرح گزر چکا ہے۔

أَوْ يَقْطَعُ يَدَهُ أَوْ يَضْرِبُهُ ضَرْبًا يَخَافُ عَلَى نَفْسِهِ أَوْ تَلَفِ عُضْوِهِ) مُنْيَةُ الْمُفْتِي، وَبِهِ يُفْتَى وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ الزَّوْجُ سُلْطَانُ زَوْجَتِهِ فَيَتَحَقَّقُ مِنْهُ الْإِكْرَاهُ (أُكْرِهَ الْمُحْرِمُ عَلَى قَتْلِ صَيْدٍ فَأَبَى حَتَّى قُتِلَ كَانَ مَأْجُورًا) عِنْدَ اللهِ تَعَالَى أَشْبَاهٌ (وَلَوْ أُكْرِهَ الْبَائِعُ) عَلَى الْبَيْعِ (لَا الْمُشْتَرِي

اس کا ہاتھ کاٹ دے گا یا ایسا مارے گا جس سے اس کی ذات کا یا عضو کے تلف ہونے کا خوف ہو۔''منیۃ المفتی''۔اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔''بزازیہ'' میں ہے: خاوند اپنی بیوی کا سلطان ہے پس خاوند کی جانب سے اکراہ متحقق ہوتا ہے۔محرم کو شکار کے قتل پر مجبور کیا تو اس نے شکار قتل کرنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ اس کو قتل کر دیا گیا تو وہ عنداللہ ماجور ہوگا''اشباہ''۔اگر بائع کو بیع پر مجبور کیا گیا نہ کہ مشتری کو مجبور کیا گیا

30666۔(قولہ: أَوْ تَلَفِ عُضْوِهِ) تلف مخاف منہ ہے مخاف علیہ نہیں۔زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ تلف کو حذف کر دیتے یا مضارع کے صیغہ کے ساتھ لاتے۔

30667۔(قولہ: وَبِهِ يُفْتَى) یعنی سلطان کے علاوہ مذکورہ چیزوں کے ساتھ بھی اکراہ سے متحقق ہو جائے گا۔

30668۔(قولہ: الزَّوْجُ سُلْطَانُ زَوْجَتِهِ) یعنی اگر وہ دھمکی واقع کرنے پر قادر ہو جس طرح عنقریب آئے گا۔یہ ''بزازیہ'' میں کہا: لفظ کا سیاق دلالت کرتا ہے کہ یہ متفق علیہ ہے۔امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے: اگر تلوار سے اکراہ ہو تو اکراہ ہوگا۔امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ہے: اگر خاوند ایسی جگہ بیوی کے ساتھ تنہا ہو جہاں عورت خاوند سے اپنا دفاع نہ کر سکے تو وہ سلطان کی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں: ان کے قول سلطان زوجتہ کا ظاہر یہ ہے کہ محض امر سے اکراہ متحقق ہو جائے۔کیونکہ اس خاوند سے اسے ضرر کا خوف ہے۔اس پر وہ قول دلالت کرتا ہے جس کا شارح عنقریب''شرح المنظومۃ'' سے ذکر کریں گے۔''تامل''۔

محرم کو شکار کے قتل پر مجبور کیا انکار کی صورت میں قتل کر دیا گیا تو وہ عنداللہ ماجور ہوگا

30669۔(قولہ: أُكْرِهَ الْمُحْرِمُ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ ان کا ذکر معصیت پر مسائل اکراہ کے بعد کرتے۔

30670۔(قولہ: كَانَ مَأْجُورًا) کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے نص قرآن سے ثابت ہے جس طرح شارح کے کلام میں آئے گا۔اگر وہ شکار کو قتل کر دے تو بطور قیاس اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی اور نہ ہی عامر پر کوئی شے لازم ہوگی۔''استحسان'' میں ہے: قاتل پر کفارہ ہوگا۔اگر دونوں محرم ہوں تو ہر کسی پر کفارہ ہوگا اگر وہ اسے محبوس کرنے کی دھمکی دے جبکہ دونوں محرم ہوں تو قیاس یہ ہے کہ فقط قاتل پر کفارہ لازم ہوگا۔''استحسان'' میں ہے: ہر ایک پر جزا لازم ہوگی اگرچہ دونوں حرم میں حلال ہوں اگر اسے قتل کی دھمکی دی تو اس پر کفارہ ہوگا اگر جس کی دھمکی دے تو خاص کر قاتل پر کفارہ ہوگا۔''ہندیہ'' نے ''مبسوط'' سے نقل کیا ہے۔

30671۔(قولہ: لَا الْمُشْتَرِي) اگر مشتری بھی مکرہ ہو تو ان کے قول الثمن والمثمن امانۃ میں گزر چکا ہے۔''الخانیہ''

وَهَلَكَ الْمَبِيعُ فِي يَدِهِ ضَمِنَ قِيمَتَهُ لِلْبَائِعِ) بِقَبْضِهِ بِعَقْدٍ فَاسِدٍ (وَ) الْبَائِعُ الْمُكْرَهُ (لَهُ أَنْ يُضَمِّنَ أَيًّا شَاءَ) مِنَ الْمُكْرِهِ بِالْكَسْرِ وَالْمُشْتَرِي (فَإِنْ ضَمَّنَ الْمُكْرِهَ رَجَعَ عَلَى الْمُشْتَرِي بِقِيمَتِهِ، وَإِنْ ضَمَّنَ الْمُشْتَرِيَ نَفَذَ) يَعْنِي جَازَ لِمَا مَرَّ (كُلُّ شِرَاءٍ بَعْدَهُ وَلَا يَنْفُذُ مَا قَبْلَهُ)

اور مبیع اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا تو وہ بائع کے لئے اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے عقد فاسد کے ساتھ اس پر قبضہ کیا۔ اور وہ بائع جس کو مجبور کیا گیا تھا اسے حق حاصل ہے کہ جس سے چاہے یعنی مکرہ اور مشتری سے ضمانت لے لے۔ اگر مکرہ سے ضمانت لی تو وہ مشتری سے اسے واپس لے لے گا۔ اگر مشتری سے ضمانت لے گا تو یہ عقد شرا جو اس کے بعد ہوا نافذ ہو جائے گا یعنی جائز ہو جائے گا اسی دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے اور جو اس سے قبل شرا ہوئی وہ نافذ نہیں ہوگی۔

میں ہے: اگر مشتری مکرہ ہو بائع مکرہ نہ ہو پس وہ اس کے ہاں تعدی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو وہ امانت کے طور پر چیز ہلاک ہو جائے گی۔ ''قہستانی'' میں ''ظہیریہ'' سے مروی ہے: صرف بائع کو مجبور کیا گیا کہ قبضہ سے پہلے اسے آزاد کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ اور اس کے برعکس اس سے قبل ہر ایک کا اعتاق نافذ ہوگا اگر دونوں اس سے پہلے اکٹھے آزاد کریں تو بائع کا آزاد کرنا اولیٰ ہوگا۔

30672۔ (قولہ: ضَمِنَ قِيمَتَهُ) وہ کہتے: ضمن بدلہ تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔ کیونکہ یہ مثلی اور قیمی ہر چیز کو شامل ہو جاتا۔ ''طوری''۔

30673۔ (قولہ: بِقَبْضِهِ بِعَقْدٍ فَاسِدٍ) یعنی اس پر قبضہ کرنے کے سبب جبکہ عقد فاسد کی صورت میں ملکیت حاصل کرنے کا جو طریقہ ہے اسے اختیار کرتے ہوئے۔

30674۔ (قولہ: لَهُ أَنْ يُضَمِّنَ أَيًّا شَاءَ) کیونکہ غاصب کی طرح ہے اور مشتری غاصب کے غاصب کی طرح ہے۔ اگر مشتری ضمانت دے تو وہ مکرہ سے واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ ''زیلعی''۔

30675۔ (قولہ: رَجَعَ عَلَى الْمُشْتَرِي بِقِيمَتِهِ) کیونکہ ضمانت کی ادائیگی کے ساتھ وہ اس کا مالک بن چکا ہے پس وہ اس مالک کے قائم مقام ہو جائے گا جس کو مجبور کیا گیا پس استناد کے ساتھ سبب کے وجوب کے وقت سے اس کا مالک ہو جائے گا۔ ''زیلعی''۔

30676۔ (قولہ: يَعْنِي جَازَ) یہاں جواز سے مراد صحت ہے نہ کہ حلت جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ فافہم

30677۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی وہ اجازت سے قبل نافذ ہوگا اور اس پر جو امر موقوف ہے وہ لزوم ہے جو صحت کے معنی میں ہے۔ یہ اس پر مبنی ہے جو ''شرح الطحاوی'' میں ہے۔ اس بارے میں کلام گزر چکی ہے۔

30678۔ (قولہ: كُلُّ شِرَاءٍ بَعْدَهُ) یعنی اگر متعدد دفعہ خریداری ہوئی ہو اسی طرح مشتری نے جو مکرہ سے خریداری کی تھی وہ نافذ ہو جائے گی۔ یہ وہ مسئلہ ہے جسے ''زیلعی'' نے مستقل طور پر ذکر کیا ہے اس کا موضوع ہے: لوتد اولتہ الایدی اس کا ماقبل اس کا موضوع ہے فی مشترواحد مصنف نے دونوں کو اختصار کرتے ہوئے ایک ہی کلام میں جمع کر دیا ہے۔

لَوْ ضَمَّنَ الْمُشْتَرِيَ الثَّانِيَ مَثَلًا لِصَيْرُورَتِهِ مِلْكَهُ فَيَجُوزُ مَا بَعْدَهُ لَا مَا قَبْلَهُ فَيَرْجِعُ الْمُشْتَرِي الضَّامِنُ بِالثَّمَنِ عَلَى بَائِعِهِ بِخِلَافِ مَا إِذَا أَجَازَ الْمَالِكُ أَحَدَ الْبِيَاعَاتِ حَيْثُ يَجُوزُ الْجَمِيعُ وَيَأْخُذُ الثَّمَنَ مِنَ الْمُشْتَرِي الْأَوَّلِ لِزَوَالِ الْمَانِعِ بِالْإِجَازَةِ (فَإِنْ أُكْرِهَ عَلَى أَكْلِ مَيْتَةٍ أَوْ دَمٍ أَوْ لَحْمِ خِنْزِيرٍ

اگر دوسرے مشتری نے مثلاً ضمانت دی کیونکہ یہ اس کی ملک ہو چکی ہے تو اس کے مابعد کا عقد جائز ہوگا ماقبل کا جائز نہیں ہوگا۔ پس مشتری ضامن اپنے بائع سے ثمن کا مطالبہ کرے گا۔ جب مالک بیعوں میں سے کسی ایک بیع کو جائز قرار دے تو معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس صورت میں تمام عقود بیع جائز ہو جائیں گے اور وہ پہلے مشتری سے ثمن لے گا۔ کیونکہ اجازت کے ساتھ مانع زائل ہو چکا ہے۔ اگر مردار کھانے، خون کھانے، خنزیر کا گوشت کھانے

30679۔(قولہ: لَوْ ضَمَّنَ الْمُشْتَرِيَ الثَّانِيَ مَثَلًا) مثلاً کے قول سے یہ بیان کیا ہے اسے یہ حق حاصل ہے کہ دونوں مشتریوں میں سے جس مشتری سے چاہے ضمانت لے لے۔ جس نے بھی ضمانت دی وہ اس کا مالک ہو جائے گا جس طرح ''التبیین'' میں ہے۔

30680۔(قولہ: أَحَدَ الْبِيَاعَاتِ) اگرچہ وہ آخری عقد بیع کیوں نہ ہو۔''ابو سعود''۔

30681۔(قولہ: لِزَوَالِ الْمَانِعِ بِالْإِجَازَةِ)''زیلعی'' نے کہا: کیونکہ بیع تو موجود تھی اور نفاذ سے مانع اس کا حق تھا اور اجازت کے ساتھ مانع زائل ہو گیا تو سب جائز ہو جائے گا مگر جب وہ اس کی ضمانت لے تو اس نے اپنا حق ساقط نہ کیا تھا۔ کیونکہ قیمت کو لینا یہ اسی طرح ہے جس طرح عین کو واپس کیا جائے۔ پس وہ عقود بیع جو اس سے قبل ہوئے وہ باطل ہو جائیں گے پس ثمن لینا یہ بیع کو واپس کرنا نہیں بلکہ اجازت ہے پس دونوں جدا ہو گئے۔

اگر مردار یا خنزیر کا گوشت کھانے یا شراب پینے پر مجبور کیا گیا تو اس کا حکم

30682۔(قولہ: فَإِنْ أُكْرِهَ عَلَى أَكْلِ مَيْتَةٍ الخ) معاصی پر اکراہ کی کئی انواع ہیں۔ (1) جس کے کرنے کی رخصت ہوتی ہے اور اس کے ترک کرنے پر سے ثواب دیا جاتا ہے جس طرح کلمہ کفر کو جاری کرنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا، نماز کو ترک کرنا اور ہر وہ عمل جو کتاب سے ثابت ہو۔

(2) جس کا کرنا حرام ہے اور جس کا بجالانا گناہ ہے جیسے کسی مسلمان کو قتل کرنا، عضو قطع کرنا، ایسا مارنا جو اس کی جان کو تلف کر دے، اسے گالیاں دینا اور اس کو اذیت دینا اور زنا کرنا۔

(3) جس کا کرنا مباح ہے اور جس کا ترک کرنا گناہ ہے جیسے شراب اور جس کا اس کا ساتھ ذکر کیا گیا ''طوری'' نے ''المبسوط'' سے نقل کیا ہے۔

''خانیہ'' میں چوتھی قسم کا اضافہ کیا ہے: وہ ایسا فعل ہے جس کا کرنا اور نہ کرنا برابر ہوں جس طرح غیر کے مال کو تلف کرنے پر مجبور کرنا۔ لیکن یہ اس کے مخالف ہے جس کا ذکر قریب ہی آئے گا جس طرح ہم اس پر عنقریب متنبہ کریں گے۔

أَوْ شُرْبِ خَمْرٍ بِإِكْرَاهٍ) غَيْرِ مُلْجِئٍ (بِحَبْسٍ أَوْ ضَرْبٍ أَوْ قَيْدٍ لَمْ يَحِلَّ) إِذْ لَا ضَرُورَةَ فِي إِكْرَاهٍ غَيْرِ مُلْجِئٍ نَعَمْ لَا يُحَدُّ لِلشُّرْبِ لِلشُّبْهَةِ (وَ) إِنْ أُكْرِهَ بِمُلْجِئٍ (بِقَتْلٍ أَوْ قَطْعٍ) عُضْوٍ أَوْ ضَرْبٍ مُبَرِّحٍ ابْنُ كَمَالٍ (حَلَّ) الْفِعْلُ بَلْ فُرِضَ (فَإِنْ صَبَرَ فَقُتِلَ أَثِمَ) إِلَّا إِذَا أَرَادَ مُغَايَظَةَ الْكُفَّارِ فَلَا بَأْسَ بِهِ

یا شراب نوشی کرنے پر ایسے اکراہ کے ساتھ مجبور کیا گیا جو غیر ملجی ہو وہ اکراہ حبس، مارنے یا قید کی صورت میں ہو تو یہ امور حلال نہ ہوں گے۔ کیونکہ اکراہ غیر ملجی میں کوئی ضرورت نہیں ہاں شبہ کی وجہ سے شراب پینے کی وجہ سے اس پر حد جاری نہ کی جائے گی اگر قتل یا عضو قطع کرنے یا شدید ترین مار پیٹ کے ساتھ اکراہ ملجی کے ساتھ اکراہ کیا گیا، ''ابن کمال''۔ تو فعل حلال ہو گا بلکہ فرض ہو گا اگر وہ جبر کرے تو اسے قتل کر دیا جائے تو وہ گناہ گار ہو گا مگر جب وہ کفار کو مزید غیض و غضب میں لانے کا ارادہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں

30683۔ (قولہ: أَوْ شُرْبِ خَمْرٍ) ''ابن کمال'' کی عبارت ہے: یا خون یا شراب پینا اس کے حاشیہ میں لکھا ہوا ہے خون مشروب ہے ''مبسوط'' میں کہا ہے: اور حق سے ذکر کیا گیا ہے: جیسے مردار، خنزیر کا گوشت یا خون کھانے پر مجبور کیا گیا نہ اس نے اس کو کھایا اور نہ ہی اس کو پیا اور مر گیا تو آگ میں داخل ہو گا۔

30684۔ (قولہ: بِحَبْسٍ) بعض مشائخ نے کہا ہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح جواب دیا۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ آپ کے زمانہ میں محبوس کرنے کا عمل تھا۔ جہاں تک اس حبس کا تعلق ہے جسے ہمارے زمانہ میں انہوں نے پیدا کیا ہے تو یہ کھانا کھانے کو مباح کر دیتا ہے جس طرح ''غایۃ البیان'' میں ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

30685۔ (قولہ: أَوْ ضَرْبٍ) یا مارنا مگر شرمگاہ اور آنکھ پر مارنے کا معاملہ مختلف ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ کیونکہ اس سے تلف ہونے کا خوف ہوتا ہے۔

30686۔ (قولہ: أَوْ ضَرْبٍ مُبَرِّحٍ) بعض علماء نے اس کا اندازہ ادنی حد سے لگایا ہے وہ چالیس کوڑے ہیں اس کو اس سے رد کر دیا گیا کہ رائے سے مقدر کرنے کی کوئی وجہ نہیں جبکہ لوگ مختلف ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو اس سے ادنیٰ سے مر جاتے ہیں اور مبتلی کی رائے کی طرف رجوع کرنے کے سوا کوئی راستہ نہیں جس طرح ''التبیین'' میں ہے۔

''بزازیہ'' میں ہے: مصر کے ایک جلاد کے بارے میں حکایت کی گئی ہے کہ وہ انسان کو اپنے اس کوڑے سے ایک ہی ضرب کے ساتھ قتل کر سکتا ہے جس کوڑے پر پورے ہوں۔

30687۔ (قولہ: حَلَّ الْفِعْلُ) کیونکہ یہ اشیاء ضرورت کی حالت میں حرمت سے مستثنیٰ ہیں اور حرمت سے جس کی استثنا ہو وہ حلت ہوتی ہے۔ ''ابن کمال''۔

30688۔ (قولہ: أَثِمَ) کیونکہ نفس یا عضو کو ہلاک کر دینا جبکہ مباح سے رکنے کی صورت میں ہو حرام ہے۔ ''زیلعی''۔

30689۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا أَرَادَ مُغَايَظَةَ الْكُفَّارِ) شارح نے اسے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا میں نے فروع و

وَكَذٰلِكَ لَوْ لَمْ يَعْلَمِ الْإِبَاحَةَ بِالْإِكْرَاهِ لَا يَأْثَمُ لِخَفَائِهِ فَيُعْذَرُ بِالْجَهْلِ، كَالْجَهْلِ بِالْخِطَابِ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ أَوْ فِي دَارِ الْحَرْبِ (كَمَا فِي الْمَخْمَصَةِ) كَمَا قَدَّمْنَاهُ فِي الْحَجِّ (وَ) إِنْ أُكْرِهَ (عَلَى الْكُفْرِ) بِاللّٰهِ تَعَالَى أَوْ سَبِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَجْمَعٌ، وَقُدُورِيٌّ (بِقَطْعٍ أَوْ قَتْلٍ رُخِّصَ لَهُ أَنْ يُظْهِرَ مَا أُمِرَ بِهِ) عَلَى لِسَانِهِ،

اگر وہ اکراہ کے ساتھ اس کے اباحت کو نہ جانے تو اس کے خفا کی وجہ سے گناہگار نہیں ہوگا۔ پس وہ جہالت کی وجہ سے معذور ہوگا جس طرح شروع اسلام میں وہ خطاب سے جاہل ہو یا وہ دارالحرب میں ہو تو معذور ہوتا ہے جس طرح شدید بھوک کا معاملہ ہو جس طرح ہم اسے کتاب الحج میں پہلے بیان کر آئے ہیں۔ اگر اسے اللہ تعالیٰ کے کفر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشنام طرازی پر مجبور کیا گیا، ''مجمع'' اور ''قدوری''۔ عضو کاٹ دینے کی دھمکی سے یا قتل کی دھمکی سے تو اسے رخصت ہے کہ وہ اپنی زبان سے اس چیز کو ظاہر کرے جس کا اسے حکم دیا گیا

اصول کی بے شمار کتب کی طرف رجوع کیا تو میں نے اسے نہیں پایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ پھر میں نے کچھ عرصہ بعد صاحب ''ہدایہ'' کی کتاب ''مختارات النوازل'' میں اسے پایا۔ وللہ تعالی الحمد۔

وجوب کا علم ہونے کے ساتھ یا دارالاسلام میں ہونے سے احکام واجب ہو جاتے ہیں

30690۔ (قولہ: فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں۔ ''اتقانی''۔ یعنی احکام کے انتشار سے پہلے۔ مراد اسلام کا اولیں مخاطب نہیں۔ کیونکہ علما نے فرمایا: وجوب کا علم ہونے کے ساتھ احکام واجب ہو جاتے ہیں یا ہمارے دار میں ہونے سے احکام واجب ہو جاتے ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر جو ہمارے دار میں مسلمان ہوا اس پر ان امور کی قضا ہوگی جو اس نے روزے اور نماز ترک کیے ہوں جبکہ اس نے ان کی تعلیم حاصل نہ کی ہو اگرچہ گناہ کے اٹھانے میں اس کی جہالت عذر ہوگی۔ فافہم

30691۔ (قولہ: أَوْ فِي دَارِ الْحَرْبِ) یعنی اس کے حق میں جو دارالحرب میں انہیں سے کوئی اسلام لایا۔

30692۔ (قولہ: كَمَا فِي الْمَخْمَصَةِ) یعنی شدید بھوک۔ کیونکہ اگر وہ صبر کرے گا تو گناہگار ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ (الانعام: 119) یہ اکراہ ملجی کو شامل ہوگا۔ کیونکہ یہ ضرورت کی نوع ہے۔ اگر اسے مخمصہ کے ساتھ خاص کیا جائے تو اکراہ دلالۃ النص سے ثابت ہوگا جس طرح ہم نے شارح کی ''شرح منار'' پر اپنے ''حاشیہ'' میں بیان کر دیا ہے۔ فافہم

اگر کسی مسلمان کو کفر کرنے اور دشنام طرازی پر مجبور کیا جائے تو وہ توریہ سے کام لے

30693۔ (قولہ: مَجْمَعٌ وَقُدُورِيٌّ) دشنام طرازی کا مسئلہ ''المجمع'' اور ''مختصر القدوری'' میں ذکر کیا ہے۔

30694۔ (قولہ: بِقَطْعٍ أَوْ قَتْلٍ) یعنی ایسی چیز کی دھمکی دیں جس سے کسی شے کی تلف ہونے کا خوف ہو۔

وَيُوَرِّى (وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ) ثُمَّ إِنْ وَرَّى لَا يُكَفَّرُ وَبَانَتْ امْرَأَتُهُ قَضَاءً لَا دِيَانَةً وَإِنْ خَطَرَ بِبَالِهِ التَّوْرِيَةُ وَلَمْ يُوَرِّ كُفِّرَ،

اور وہ توریہ سے کام لے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ پھر اگر وہ توریہ کرے تو اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا اور اس کی بیوی قضاءً جدا ہو جائے گی دیانۃً جدا نہیں ہوگی۔ اگر اس کے دل میں توریہ کھٹکے اور وہ توریہ نہ کرے تو کافر ہو جائے گا

30695۔ (قولہ: وَيُوَرِّى) توریہ یہ ہے ایسے امر کا اظہار کرے جو اس کے خلاف ہو جس کو وہ اپنے دل میں چھپائے۔ ''اتقانی''۔ ''العنایہ'' میں کہا: یہ جائز ہے کہ یہاں اس سے مراد اطمینان قلب ہو اور ایسے لفظ کو لانے کا ارادہ کیا جائے جو دو معنوں کا احتمال رکھتا ہو۔ اس میں ہے: بعض اوقات اسے بت کو یا صلیب کو سجدہ کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور کسی لفظ پر اسے مجبور نہیں کیا جاتا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ ایسی چیز کو چھپانا ہے جس کے برعکس کو وہ ظاہر کرے جیسے وہ قول ہو یا فعل ہو۔ کیونکہ یہ اخفا کے معنی میں ہے پس یہ دل کا عمل ہے۔ تامل۔

30696۔ (قولہ: ثُمَّ إِنْ وَرَّى لَا يُكَفَّرُ) جس طرح اسے صلیب کو سجدہ کرنے یا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب کرنے پر مجبور کیا جائے تو وہ اس طرح کا فعل کر دے اور وہ کہے: میں نے اس سجدہ سے اللہ تعالیٰ کی نماز کی نیت کی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور محمد کی نیت کی ہے۔

30697۔ (قولہ: وَبَانَتْ امْرَأَتُهُ قَضَاءً لَا دِيَانَةً) کیونکہ اس نے یہ اقرار کیا ہے کہ وہ اس چیز کو لانے پر راضی تھا جس پر اسے مجبور نہیں کیا گیا اور خوشی سے کام کرنے والے کا حکم وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ ''ہدایہ''۔

30698۔ (قولہ: وَإِنْ خَطَرَ بِبَالِهِ التَّوْرِيَةُ الخ) اگر اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے لئے نماز کا خیال آیا اور نبی کے علاوہ کسی اور کے سبّ کا خیال آیا اور اس نے توریہ نہ کیا تو اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔ کیونکہ اس کے لئے ممکن ہوا تھا کہ جس امر پر اسے مجبور کیا گیا ہے اپنے آپ سے اسے دور کرے اور جس مصیبت میں اسے مبتلا کیا گیا ہے اس سے نکلنے کی راہ پائے۔ پھر اس کے دل میں جو امر کھٹکا تھا اس کو ترک کر دے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دی تو وہ کافر ہو جائے گا۔ ''مبسوط'' میں کہا: یہ مسئلہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ غیر اللہ کو تعظیم کے طریقہ پر سجدہ کرنا کفر ہے۔ ''کفایہ''۔

تیسری قسم باقی رہ گئی ''الکفایہ'' میں کہا: اگر اس کے دل میں کوئی چیز نہ کھٹکی اور اس نے صلیب کی عبادت کی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ التحیۃ والثناء کو گالی دی جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا تو اس کی بیوی بائنہ نہ ہوگی نہ قضاءً اور نہ دیانۃً۔ کیونکہ اس نے یہ فعل اکراہ کی حالت میں کیا ہے۔ کیونکہ اسے جس پر مجبور کیا گیا تھا وہ عمل متعین ہو چکا ہے اور اپنی حرکت سے اسے دور کرنا ممکن نہیں جب اس کے دل میں کوئی اور چیز نہیں کھٹکی۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ توریہ اس وقت لازم ہوتا ہے جب دل میں وہ کھٹکے تو یہ اس پر لازم ہو جائے گا اور وہ دیانۃً مومن ہوگا۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ توریہ اطمینان نہیں۔ کیونکہ توریہ تیسری صورت میں مفقود ہے جبکہ اس میں اطمینان موجود ہے

وَبَانَتْ دِیَانَةً وَقَضَاءً، نَوَازِلُ، وَجَلَالِیَّةٌ (وَیُؤْجَرُ لَوْ صَبَرَ) لِتَرْکِهِ الْإِجْرَاءَ الْمُحَرَّمَ وَمِثْلُهُ سَائِرُ حُقُوقِهِ تَعَالَى كَإِفْسَادِ صَوْمٍ

اور اس کی بیوی دیانۃً اور قضاءً جدا ہو جائے گی۔ ''نوازل'' اور ''جلالیہ''۔ اگر وہ صبر کرے تو اسے اجر دیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے حرام فعل کے ارتکاب کو ترک کیا ہے اس کی مثل باقی ماندہ حقوق اللہ ہیں جیسے روزہ

یہ اس کے خلاف ہے جو ہم نے پہلے ''العنایہ'' سے نقل کیا ہے۔

یہ جان لے کہ یہ تیسری صورت میں مصنف کے آنے والے قول: ولا ردته فلا تبین زوجته سے مراد ہے جس طرح ''زیلعی'' نے اس کی تصریح کی ہے۔ پس جو یہاں ہے یہ اس کے منافی نہیں جس طرح شارح کے اوپر مخفی رہا جس طرح آگے آئے گا۔

30699۔(قولہ: نَوَازِلُ وَجَلَالِیَّةٌ) زیادہ اقرب تو یہ ہے کہ اسے ''ہدایہ'' کی طرف منسوب کرتے۔

30700۔(قولہ: وَیُؤْجَرُ لَوْ صَبَرَ) یعنی شہداء کا درجہ انہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ روایت کی گئی کہ حضرت خبیب اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما کو اس امر میں آزمایا گیا۔ حضرت خبیب نے صبر کیا یہاں تک کہ آپ کو شہید کر دیا گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سید الشہداء کا نام دیا اور حضرت عمار نے کلمہ کفر کہا جبکہ ان کا دل ایمان سے مطمئن تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر وہ دوبارہ ایسا کریں تو تم بھی ایسا کرو(1) یعنی اگر کفار دوبار مجبور کریں تو تو بھی اسی طرح کا کلمہ دوبارہ کہہ جو کلمہ تو پہلے لایا ہے یعنی زبان پر کلمہ کفر لایا جبکہ تیرا دل ایمان پر مطمئن تھا ''ابن کمال''۔ ان دونوں کا قصہ مشہور ہے۔

30701۔(قولہ: لِتَرْکِهِ الْإِجْرَاءَ الْمُحَرَّمَ) محرم کا لفظ لاتے ہیں تاکہ اس میں اور اس کے ماقبل میں فرق ظاہر ہو کیونکہ ماقبل کی حرمت زائل ہو گئی تھی۔ اسی وجہ سے اگر وہ صبر کرتا تو گناہگار ہوتا۔ اگر یہ کہا جائے: جس طرح مردار کے کھانے کی ضرورت کی حالت کی استثنا کی گئی اسی طرح اکراہ کی حالت کی یہاں استثنا کی گئی۔

ہم کہیں گے: وہاں حرمت سے استثنا ہے پس وہ اباحت ہو گی پس وہ رخصت نہ ہو گی یہاں غضب سے استثنا ہے پس مستثنیٰ میں غضب منتفی ہو گا اور اس کے منتفی ہونے کے حرمت کا انتفا نہیں ہو گا پس یہ رخصت ہو گی۔ ''کشاف'' میں ذکر کیا ہے: من کفر باللہ شرط ہے مبتدا ہے اور اس کا جواب محذوف ہے۔ کیونکہ جس نے شرح کی ہے اس کا جواب اس پر دلالت کرتا ہے گویا کلام یوں کی گئی ہے: من کفر باللہ فعلیه غضبه الامن اکرہ فلیس علیه غضب مگر جس نے کفر کے ساتھ اپنے سینے کو کھول دیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے غضب ہے۔ ''کفایہ''۔

30702۔(قولہ: كَإِفْسَادِ صَوْمٍ) یعنی مقیم صحیح اور بالغ کی جانب سے۔ اگر وہ مسافر یا مریض ہو جسے اپنی جان کے تلف ہونے کا خوف ہو اور اس نے نہ کھایا اور نہ پیا اور اس نے یہ جانا کہ اسے اس کی گنجائش ہے تو وہ گنہگار ہو گا جس طرح

1۔ المستدرک علی الصحیحین، سورۃ النحل آیت، قلبہ مطمئن بالایمان، جلد 2، صفحہ 390

وَصَلَاةٍ وَقَتْلِ صَيْدِ حَرَمٍ أَوْ فِي إِحْرَامٍ وَكُلُّ مَا ثَبَتَتْ فَرْضِيَّتُهُ بِالْكِتَابِ اخْتِيَارٌ (وَلَمْ يُرَخَّصْ) الْإِجْرَاءُ (بِغَيْرِهِمَا) بِغَيْرِ الْقَطْعِ وَالْقَتْلِ يَعْنِي بِغَيْرِ الْمُلْجِئِ ابْنُ كَمَالٍ إِذْ التَّكَلُّمُ بِكَلِمَةِ الْكُفْرِ لَا يَحِلُّ أَبَدًا

اور نماز کو فاسد کرنا، حرم کے شکار یا احرام کی حالت میں شکار کو قتل کرنا اور اسی طرح ہر وہ عمل جس کی فرضیت کتاب سے ثابت ہو، ''اختیار''۔ قطع عضو اور قتل کے علاوہ کی دھمکی ہو یعنی جو اکراہ ملجی نہیں کی صورت میں رخصت نہیں۔ ''ابن کمال''۔ کیونکہ کلمہ کفر کہنا کبھی بھی حلال نہیں۔

''غایۃ البیان'' میں ہے۔

30703۔ (قولہ: وَصَلَاةٍ) ''غایۃ البیان'' کی عبارت ہے: اسی طرح وہ شخص ہے جسے وقت میں فرض نماز کو ترک کرنے پر مجبور کیا جائے جب وہ صبر کرے یہاں تک اسے قتل کر دیا جائے جبکہ وہ یہ جانتا ہو کہ اسے اس امر کی گنجائش ہے تو وہ ماجور ہوگا۔ یہ امر ظاہر ہے جہاں تک نماز کو فاسد کرنے کا تعلق ہے تو علماء نے ایک درہم کے لئے، اگرچہ وہ کسی اور کا ہو، کے جواز کا ذکر کیا ہے۔ ''تامل''۔ بعض اوقات یہ جواب دیا جاتا ہے کہ کلام صبر پر اجر کے بارے میں ہے۔ کیونکہ اس نے عزیمت کو اپنایا ہے اگرچہ رخصت کو اپنانا جائز تھا۔

30704۔ (قولہ: وَقَتْلِ صَيْدِ حَرَمٍ) اس میں صید کا لفظ حرم کی طرف مضاف ہے اور ان کا قول او فی احرام اس کا عطف حرام پر ہے ہم نے اس پر کلام پہلے ''ہندیہ'' سے نقل کر دی ہے۔

30705۔ (قولہ: وَكُلُّ مَا ثَبَتَتْ فَرْضِيَّتُهُ بِالْكِتَابِ) ''اتقانی'' نے یہ اضافہ کیا ہے اور انہوں نے حالت ضرورت میں اس کی مباح کرنے والی نص کا ارادہ نہیں کیا اور اس میں ہے کہ روزہ کے ترک کرنے کی اباحت کی نص ضرورت سے کم کے لئے وارد ہوئی ہے وہ سفر ہے۔ اگر وہ صبر کرے تو چاہیے کہ وہ گناہگار ہو مگر یہ کہا جائے۔ افساد میں کلام شروع کے بعد ہوتی ہے اور اس کے افطار کے مباح کرنے والی اس سے قبل وارد ہوتی ہے۔ تامل۔ ''غایۃ البیان'' میں ہے: ایک آدمی مردار کھانے کا محتاج ہو گیا جبکہ وہ محرم ہے اور وہ شکار پر قادر ہو گیا وہ شکار کو قتل نہیں کرے گا اور مردار کھائے گا۔

اگر اکراہ ملجی ہو تو رخصت ہے ورنہ نہیں کیونکہ کلمہ کفر کہنا حلال نہیں

30706۔ (قولہ: يَعْنِي بِغَيْرِ الْمُلْجِئِ) اس عنایت کے ساتھ اشارہ کیا ہے کہ قتل اور قطع قید نہیں بلکہ جو ملجی ہوگا وہ دونوں کے حکم میں ہوگا جس طرح آنکھ اور شرمگاہ پر ضرب۔ اور اس زمانہ میں محبوس کرنا جس طرح اہل بلخ کے بعض علما نے فرمایا ہے۔ اور تمام مال چھین لینے کی دھمکی جس طرح ''قہستانی'' نے بحث کی ہے ''ط''۔ ہم پہلے نقل کر چکے ہیں کہ انہوں نے اسے ''زاہدی'' سے نقل کیا ہے نہ کہ یہ ان کی جانب سے بحث ہے۔

30707۔ (قولہ: إِذْ التَّكَلُّمُ بِكَلِمَةِ الْكُفْرِ لَا يَحِلُّ أَبَدًا) یہ قول ان کے سابقہ قول لترك الاجراء المحرم کی علت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ اس کا ذکر اس کے ساتھ کرتے۔ ''ط''۔

(وَرُخِّصَ لَهُ إِتْلَافُ مَالِ مُسْلِمٍ) أَوْ ذِمِّيٍّ اخْتِيَارٌ (بِقَتْلٍ أَوْ قَطْعٍ) وَيُؤْجَرُ لَوْ صَبَرَ ابْنُ مَلِكٍ (وَضَمِنَ رَبُّ الْمَالِ الْمُكْرِهَ) بِالْكَسْرِ لِأَنَّ الْمُكْرَهَ بِالْفَتْحِ كَالْآلَةِ (لَا) يُرَخَّصُ (قَتْلُهُ) أَوْ سَبُّهُ

اور قتل یا قطع عضو کی دھمکی کی صورت میں مسلمان یا ذمی کا مال تلف کرنے کی اسے رخصت ہوگی، ''اختیار''۔ اگر دھمکی قتل یا عضو کاٹنے کی ہوا گروہ صبر کرے تو اسے اجر دیا جائے گا ابن ملک اور مال کا مالک مکرہ سے ضمانت لے گا۔ کیونکہ مکرہ آلہ کی طرح ہے مکرہ کے لئے رخصت نہیں کہ وہ اسے قتل کرے، اسے گالیاں دے

30708۔(قولہ: وَيُؤْجَرُ لَوْ صَبَرَ) کیونکہ اس نے عزیمت کو اپنایا ہے۔ کیونکہ غیر کا مال لینا یہ مظالم میں سے ہے اور ظلم کی حرمت ختم نہیں ہوتی اور کسی حال میں مباح نہیں ہوتی جیسے کفر ہے ''اتقانی''۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اتلاف کو ترک کرنا افضل ہے۔ اسی وجہ سے علما نے ارشاد فرمایا: غیر کے مال کو لینا یہ شراب پینے سے زیادہ شدید حرام ہے جس طرح ''قہستانی'' میں ''کرمانی'' سے منقول ہے۔ ہم نے پہلے ''الخانیہ'' سے نقل کیا ہے کہ قتل اور ترک برابر ہیں۔ ''خانیہ'' میں ہے: ایک آدمی بھوک کی حالت میں مجبور ہو گیا اور اس نے غیر کا مال لینے کا ارادہ کیا اس کے مالک نے اسے اس سے روک دیا اور اس نے مال نہ لیا یہاں تک کہ مر گیا تو وہ گناہگار ہوگا۔ ''اتقانی'' نے نقل کیا ہے کہ علماء نے اس میں اور اکراہ میں فرق کیا ہے اور فقیہ ''ابو اسحاق'' حافظ کہا کرتے تھے: دونوں مسئلوں میں اس تاویل کے ساتھ کوئی فرق نہیں جو بھوک کی حالت ہے اسے اس پر محمول کیا جائے جب اس کا مالک قیمت کے ساتھ دینے پر آمادہ ہو اور اس نے قیمت دے کر وہ چیز نہ لی یہاں تک کہ مر گیا تو وہ گناہگار ہوگا اکراہ میں بھی یہی صورتحال ہے اگر مالک اسے قیمت کے ساتھ دیتا ہو (تو وہ نہ لے) تو گناہگار ہوگا۔

30709۔(قولہ: كَالْآلَةِ) اس کی وجہ یہ ہے کہ مکرہ کا فعل مکرہ کا آلہ ہے جو مکرہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور اتلاف اس قبیل سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اسے لے اور دوسرے کے مال پر ڈالے پس اس کو تلف کر دے پس وہ یوں ہوگا کہ مکرہ نے خود اس فعل کو کیا پس اس پر ضمان لازم ہوگی جو افعال آلہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے جیسے کھانا کھانا، وطی کرنا اور کلام کرنا ان کا معاملہ مختلف ہوگا۔ اسی وجہ سے اگر اسے آزاد کرنے پر مجبور کیا گیا تو مکرہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ اتلاف کے حق میں مکرَہ آلہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن ولا مکرہ کے لئے ہوگی۔ کیونکہ وہ تکلم کے حق میں آلہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ''اتقانی''۔ ''شرنبلالیہ'' میں ''سراج'' سے مروی ہے: یہاں تک کہ اگر مجوسی اسے غیر کی بکری ذبح کرنے پر مجبور کرے تو اس بکری کا کھانا حلال نہیں ہوگا۔ اس کے برعکس کلام آگے آئے گی۔

30710۔(قولہ: أَوْ سَبُّهُ) ''قہستانی'' میں ''المضمرات'' سے جو منقول ہے یہ اس کے مخالف ہے کہ اکراہ ملجی کی صورت میں مسلمان کو گالی دینے کی رخصت دی گئی ہے۔ اگر مسلمان پر افترا باندھنے پر اسے مجبور کیا جائے تو امید کی جاسکتی ہے کہ اسے گنجائش ہو جس طرح ''ظہیریہ'' میں ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں کہا ہے: کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر اسے کسی شے کو تلف کرنے کے ساتھ دھمکی دی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر افترا باندھے تو اس کے لئے گنجائش ہوگی تو یہاں بدرجہ اولیٰ گنجائش ہوگی مگر

أَوْ قَطْعُ عُضْوِهِ وَمَا لَا يُسْتَبَاحُ بِحَالٍ اخْتِيَارٌ (وَيُقَادُ فِي) الْقَتْلِ (الْعَمْدِ الْمُكْرِهُ) بِالْكَسْرِ لَوْ مُكَلَّفًا عَلَى مَا فِي الْمَبْسُوطِ خِلَافًا لِمَا فِي النِّهَايَةِ (فَقَطْ)

یا اس کا عضو کاٹ دے اور جو کسی حال میں مباح نہیں، ''اختیار''۔ قتل عمد میں صرف مکرہ سے قصاص لیا جائے گا اگرچہ وہ مکلف ہو جیسا کہ ''مبسوط'' میں ہے۔ ''النہایہ'' میں جو قول ہے اس کے خلاف ہے۔

انہوں نے اباحت کو رجا کے ساتھ معلق کیا ہے اور اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنے میں معلق نہیں کیا۔ کیونکہ یہ وہاں نص سے ثابت ہے اور یہاں دلالت سے ثابت ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کے بعد کہا: کیا تو نہیں دیکھتا اگر اسے کسی شے کو تلف کرنے کی دھمکی کے ساتھ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے کی دھمکی دی جائے تو اس کے لئے گنجائش ہوگی۔ ان شاء اللہ۔ اس کا طریق وہی ہے جو ہم نے کہا ہے: اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ قتل ہو جاتا تو اسے اجر ملتا اور یہ افضل ہوتا۔

30711۔ (قولہ: أَوْ قَطْعُ عُضْوِهِ) یعنی اگرچہ مقطوع غیر مکرہ اسے اجازت دے اگر اس نے عضو کاٹ دیا تو وہ گناہگار ہوگا اور قاطع پر کوئی ضمانت نہیں ہوگی اور نہ مکرہ پر ضمانت ہوگی اگر اسے قتل پر مجبور کیا گیا تو اس مقتول نے اسے اجازت دے دی تو وہ قاتل گناہگار ہوگا اور دیت آمر کے مال سے ہوگی۔ ''تاتر خانیہ''۔ لیکن ''الخانی'' میں ہے: سلطان نے اس سے کہا: فلاں کا ہاتھ کاٹ دے ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا تو اس کے لئے گنجائش ہے کہ ہاتھ کاٹ دے اور طرفین کے نزدیک آمر پر قصاص ہوگا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی روایت نہیں۔ پھر میں نے ''طوری'' کو دیکھا انہوں نے تطبیق دی اگر اسے عضو کاٹنے پر اس سے شدید امر کے ساتھ دھمکی دی گئی تو اس کے لئے گنجائش ہوگی۔ اگر عضو کاٹنے یا اس سے کم کے ساتھ دھمکایا گیا تو پھر گنجائش نہ ہوگی۔ تامل۔ غائب کی ضمیر لائے جو غیرہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ کیونکہ ''ہندیہ'' میں ہے: غیر کا ہاتھ کاٹ دینے پر قتل کی دھمکی دی گئی تو اس کے لئے گنجائش ہوگی اور مکرہ پر قصاص ہوگا۔ اگر غیر کے نفس کو قتل کرنے کو کہا گیا تو اس نے اس کو قتل کر دیا تو مکرہ پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ''المجمع'' میں ہے: غیر کا ہاتھ کاٹ دینے پر دھمکی دی گئی تو اس نے ایسا نہ کیا پھر اس نے خوشی سے اس کا پاؤں کاٹ دیا تو وہ مر گیا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ دونوں کے مالوں میں دیت کو واجب کرتے ہیں۔ اور دونوں پر قصاص کو واجب کرتے ہیں۔

اکراہ ملجی کی صورت میں اقدام قتل پر قصاص میں ائمہ فقہا کا اختلاف

30712۔ (قولہ: وَيُقَادُ فِي الْعَمْدِ الْمُكْرِهُ فَقَطْ) یعنی اکراہ ملجی کی صورت میں قتل پر اقدام مباح نہیں۔ اگر وہ قتل کرے گا تو گناہگار ہوگا اور حامل یعنی مکرہ سے قصاص لیا جائے گا۔ اور اگر وہ بالغ ہوگا تو میراث سے محروم ہو جائے گا اور مکرہ حامل سے قصاص لے گا اور دونوں کا وارث بنے گا۔ ''شرنبلالیہ''۔

30713۔ (قولہ: خِلَافًا لِمَا فِي النِّهَايَةِ) خواہ آمر بالغ ہو یا بالغ نہ ہو عاقل ہو یا معتوہ ہو پس قصاص آمر کے ذمہ ہوگا اور اسے ''مبسوط'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''العنایہ'' میں شیخ کی ''صاحب المعراج'' میں پیروی میں اس کا رد کیا ہے انہوں

لِأَنَّ الْقَاتِلَ کَالْآلَةِ وَأَوْجَبَهُ الشَّافِعِیُّ عَلَیْهِمَا وَنَفَاهُ أَبُو یُوسُفَ عَنْهُمَا لِلشُّبْهَةِ (وَلَوْ أُکْرِهَ عَلَى الزِّنَا لَا یُرَخَّصُ لَهُ) لِأَنَّ فِیهِ قَتْلَ النَّفْسِ بِضَیَاعِهَا لَکِنَّهُ لَا یُحَدُّ اسْتِحْسَانًا، بَلْ یَغْرَمُ الْمَهْرَ

کیونکہ قاتل آلہ کی طرح ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں پر قصاص کو واجب کیا ہے اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں سے شبہ کی بنا پر اس کی نفی کی ہے۔ اگر اسے زنا پر مجبور کیا جائے تو اسے رخصت نہیں ہوگی۔ کیونکہ نفس کو ضائع کرنے کے ساتھ اس میں نفس کا قتل ہے لیکن بطور استحسان اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی بلکہ مہر کی چٹی لازم ہوگی

نے اپنے شیخ ''علاء الدین عبد العزیز'' سے نقل کیا ہے کہ ''مبسوط'' کی عبارت ہے: سواء کان المکرہ الخ یہ مکرہ را کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ انہوں نے وہم کیا کہ یہ کسرہ کے ساتھ ہے تو انہوں نے اسے آمر سے تعبیر کیا یہ سہو ہے۔ اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جو ''ابو یسر'' نے اپنی ''مبسوط'' میں کیا ہے: اگر مکرہ آمر بچہ یا مجنون ہو تو کسی پر قصاص واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ حقیقت میں قاتل یہ بچہ یا مجنون ہے وہ اس کا اہل نہیں کہ اس پر عقوبت واجب ہو۔

میں کہتا ہوں: اس صورت میں شارحین نے دیت کا حکم ذکر نہیں کیا۔ ''خانیہ'' میں ہے: مکرہ کی عاقلہ پر دیت واجب ہوگی یعنی تین سالوں میں ادا کرنا ہوگی۔

30714۔ (قولہ: لِأَنَّ الْقَاتِلَ کَالْآلَةِ) یعنی جن افعال میں وہ آلہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ اتلاف ہے۔ گناہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ گناہ اپنے دین پر جنایت کی وجہ سے ہوتا ہے اور کوئی آدمی بھی اپنے غیر کے دین پر جنایت کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر ایک مسلمان کسی مجوسی کو بکری ذبح کرنے کا حکم دے تو اتلاف کے حق میں مجوسی کا فعل مسلمان کی طرف منتقل ہو جائے گا جو آمر ہے۔ پس اس پر ضمان واجب ہوگی اور حلت کے حق میں منتقل نہیں ہوگا جو ذبح ہے اور اس کا تعلق دین سے ہے اس کے برعکس صورت ہو تو وہ ذبیحہ حلال ہوگا۔ ''زیلعی''۔ اسی کی مثل ''معراج'' میں ہے اور جو ''شرنبلالیہ'' میں اس کے برعکس حکم ہے وہ نقل میں سہو ہے۔

30715۔ (قولہ: وَنَفَاهُ أَبُو یُوسُفَ عَنْهُمَا) لیکن انہوں نے آمر پر دیت کو واجب کیا ہے جو تین سالوں میں ادا کرنا ہوگی۔ ''خانیہ''۔

30716۔ (قولہ: لِلشُّبْهَةِ) یعنی عدم کا شبہ موجود ہے کیونکہ دونوں میں سے ایک حقیقت میں قاتل ہے حکماً قاتل نہیں اور دوسرا اسکے برعکس ہے۔ امام ''زفر'' نے فرمایا: فاعل سے قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ وہی مباشر ہے یعنی فعل قتل کرنے والا ہے۔

30717۔ (قولہ: وَلَوْ أُکْرِهَ) یعنی اکراہ ملجی کے ساتھ اسے مجبور کیا جائے اس پر آنے والا قول دلالت کرتا ہے۔

30718۔ (قولہ: بِضَیَاعِهَا) کیونکہ ولد زنا حکماً ہلاک ہونے والا ہے کیونکہ کوئی ایسا شخص موجود نہیں جو اس کی تربیت کرے پس کسی بھی ضرورت کی بنا پر وہ مباح نہیں ہو سکتا جیسے قتل ہے۔ ''درر''۔

30719۔ (قولہ: بَلْ یَغْرَمُ الْمَهْرَ) بلکہ مکرہ سے کسی شے کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ ولی کی منفعت زانی کو حاصل

وَلَوْ طَائِعَةً لِأَنَّهُمَا لَا يَسْقُطَانِ جَمِيعًا شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ (وَفِي جَانِبِ الْمَرْأَةِ يُرَخَّصُ) لَهَا الزِّنَا (بِالْإِكْرَاهِ الْمُلْجِئِ) لِأَنَّ نَسَبَ الْوَلَدِ لَا يَنْقَطِعُ فَلَمْ يَكُنْ فِي مَعْنَى الْقَتْلِ مِنْ جَانِبِهَا بِخِلَافِ الرَّجُلِ (لَا بِغَيْرِهِ لَكِنَّهُ يُسْقِطُ الْحَدَّ فِي زِنَاهَا لَا زِنَاهُ) لِأَنَّهُ لَمَّا لَمْ يَكُنِ الْمُلْجِئُ رُخْصَةً لَهُ لَمْ يَكُنْ غَيْرُ الْمُلْجِئِ شُبْهَةً لَهُ فَرْعٌ ظَاهِرُ تَعْلِيلِهِمْ أَنَّ حُكْمَ اللِّوَاطَةِ كَحُكْمِ الْمَرْأَةِ لِعَدَمِ الْوَلَدِ

اگرچہ عورت خوشی سے یہ فعل کرے۔ کیونکہ یہ دونوں امور اکٹھے ساقط نہیں ہوتے ''شرح وہبانیہ''۔عورت کی جانب سے اکراہ ملجی کی صورت میں اسے زنا کی رخصت ہوگی۔ کیونکہ بچے کا نسب منقطع نہیں ہوتا۔ پس عورت کی جانب سے وہ قتل کے معنی میں نہیں ہے۔ مرد کا معاملہ مختلف ہے۔ غیر ملجی اکراہ کی صورت میں رخصت نہیں ہوگی لیکن عورت کے زنا میں حد ساقط ہو جائے گی مرد کے زنا میں حد ساقط نہیں ہوگی۔ کیونکہ جب ملجی اس کے لئے رخصت نہیں تو غیر ملجی اس کے لئے شبہ نہیں ہو گا۔ فرع: ان کی تعلیل کا ظاہر معنی یہ ہے کہ لواطت کا حکم عورت کے حکم کی طرح ہے کیونکہ بچہ نہیں ہے۔

ہوگی ہے جس طرح اسے بھوک ہونے کی حالت میں غیر کا کھانا کھانے پر مجبور کیا جائے۔ ''تاتر خانیہ''۔

30720۔ (قولہ: لِأَنَّهُمَا) ھما ضمیر سے مراد مہر اور حد ہیں دارالاسلام میں یہ دونوں ساقط نہیں ہوتیں۔

30721۔ (قولہ: لَا يَنْقَطِعُ) یعنی ماں سے اس کا نسب منقطع نہیں ہوتا۔

30722۔ (قولہ: لَكِنَّهُ يُسْقِطُ الْحَدَّ فِي زِنَاهَا) یعنی غیر ملجی اکراہ سے حد ساقط نہ ہوگی کیونکہ جب ملجی اس کے لئے رخصت ہے تو اس کا غیر اس کا شبہ ہوگا۔

اگر اکراہ ملجی ہو تو عورت کو زنا کی رخصت ہوگی

30723۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَمَّا لَمْ يَكُنِ الْمُلْجِئُ الخ) یہ ان کے قول لا زناہ کی علت ہے جب اس کے لئے رخصت نہیں تو اس اقدام میں وہ گناہگار ہوگا۔ جہاں تک عورت کا تعلق ہے کیا وہ گناہگار ہوگا؟ ''شیخ الاسلام'' نے ذکر کیا ہے: اگر اسے مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے نفس پر قدرت دے دے تو اس نے قدرت دے دی تو وہ گناہگار ہوگی۔ اگر اس نے اپنے اوپر قدرت نہ دی اور اس کے ساتھ بدکاری کی گئی تو وہ گناہگار نہ ہوگی۔ یہ حکم اس صورت میں ہے: اگر اکراہ ملجی ہو ورنہ بغیر کسی اختلاف کے مرد پر حد ہوگی عورت پر حد نہ ہوگی لیکن عورت گناہگار ہوگی۔ ''ہندیہ''۔

30724۔ (قولہ: ظَاهِرُ تَعْلِيلِهِمْ) یعنی مرد کے لئے رخصت نہیں کیونکہ اس میں نفس کا قتل ہے اور عورت کے لئے رخصت ہے کیونکہ اس سے نسب کا قطع ہونا نہیں۔

اگر مرد کو زنا اور لواطت پر مجبور کیا جائے تو اس کا شرعی حکم

30725۔ (قولہ: أَنَّ حُكْمَ اللِّوَاطَةِ) یعنی فاعل اور مفعول سے لواطت کا حکم اگرچہ مرد کے ساتھ ہو ''ط''۔

فَتُرَخَّصُ بِالْمُلْجِیِٔ إِلَّا أَنْ یُفَرَّقَ بِکَوْنِهَا أَشَدَّ حُرْمَةً مِنَ الزِّنَا لِأَنَّهَا لَمْ تُبَحْ بِطَرِیقٍ مَا وَلِکَوْنِ قُبْحِهَا عَقْلِیًّا وَلِذَا لَا تَکُونُ فِی الْجَنَّةِ عَلَی الصَّحِیحِ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ (وَصَحَّ نِکَاحُهُ وَطَلَاقُهُ وَعِتْقُهُ) لَوْ بِالْقَوْلِ لَا بِالْفِعْلِ کَشِرَاءِ قَرِیبِهِ ابْنُ کَمَالٍ

پس اکراہ ملجی کی صورت میں اسے رخصت ہوگی مگر یوں فرق کیا جائے گا کہ یہ زنا سے زیادہ حرام ہے۔ کیونکہ یہ کسی طریقہ سے بھی مباح نہیں اور اس لئے کیونکہ یہ قبح عقلی ہے۔ اسی وجہ سے صحیح قول کے مطابق یہ عمل جنت میں نہیں ہوگا۔ یہ مصنف نے کہا ہے۔ مکرہ کا نکاح۔ اس کی طلاق اور اس کا عتق صحیح ہوگا اگر قول کے ساتھ ہو نہ کہ فعل کے ساتھ ہو جس طرح وہ اپنے قریبی کو خریدے۔ ''ابن کمال''۔

30726۔ (قولہ: فَتُرَخَّصُ بِالْمُلْجِیِٔ) ''الخف'' کے باب الاکراہ میں ہے: اگر مرد کو زنا اور لواطت پر مجبور کیا جائے تو اسے گنجائش نہ ہوگی اگرچہ اسے قتل کر دیا جائے۔ لواطت کا ممنوع ہونا حالانکہ یہ بچے کی ہلاکت کی طرف نہیں لے جاتی اور فراش کو فاسد نہیں کرتی۔ ''سری الدین''۔ ''نتف'' کے اطلاق کا ظاہر یہ فاعل اور مفعول دونوں کو عام ہے۔ ''ط''۔ ''المنح'' میں بھی ''نتف'' کی عبارت ذکر کی گئی ہے۔

لواطت قبح عقلی ہے، یہ عمل جنت میں نہیں ہوگا

30727۔ (قولہ: لِأَنَّهَا لَمْ تُبَحْ بِطَرِیقٍ مَا) قبل میں وطی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ عقد اور ملک کے ساتھ مباح ہوتی ہے۔ فافہم

30728۔ (قولہ: وَلِکَوْنِ قُبْحِهَا عَقْلِیًّا) کیونکہ اس میں فعل کو ذلیل کرنا ہے۔ اور عقل اس سے انکاری ہوتی ہے۔ پس اس کی قبح عقلی اس کی قبح طبعی کے ساتھ مل گئی۔ ''ط''۔

30729۔ (قولہ: وَصَحَّ نِکَاحُهُ) اگرچہ زیادتی مہر کے ساتھ اسے مجبور کیا گیا تو زیادتی باطل ہو جائے گی۔ اور ''طحاوی'' نے اسے واجب کیا ہے۔ اور کہا: وہ زیادتی کو مکرہ کی طرف پھیر دے گا۔ ''بزازیہ''۔

30730۔ (قولہ: لَوْ بِالْقَوْلِ لَا بِالْفِعْلِ الخ) یہاں اسے ذکر کرنے میں ''ابن کمال'' کی پیروی کی ہے۔ اور [illegible] ہے کہ اس کا ذکر و رجع بقیۃ العبد کے بعد کرتے کیونکہ دونوں میں فرق بدل کا مطالبہ کرنے اور مطالبہ نہ کرنے میں ہے آزادی کے صحیح ہونے میں فرق نہیں۔ ''الاشباہ'' کی عبارت اس اشتباہ سے محفوظ ہے کیونکہ کہا: اسے آزاد کرنے پر مجبور کیا گیا تو اسے حق حاصل ہے کہ مکرہ سے ضمانت لے مگر جب اسے اس آدمی کے خریدنے پر مجبور کیا گیا جو قسم یا قرابت کی وجہ سے اس پر آزاد ہو جاتا ہو۔

''بزازیہ'' میں ہے: اسے قریبی رشتہ دار خریدنے پر مجبور کیا گیا یا جس کے آزاد کرنے کی اس نے قسم اٹھا رکھی ہے جبکہ اس کی قیمت ہزار ہے تو اسے دس ہزار کے عوض خریدنے پر مجبور کیا گیا تو اس نے وہ غلام خرید لیا تو وہ آزاد ہو جائے گا اور اس پر

(وَرَجَعَ بِقِيمَةِ الْعَبْدِ وَنِصْفِ الْمُسَمَّى إِنْ لَمْ يَطَأْ وَنَذْرُهُ، وَيَمِينُهُ، وَظِهَارُهُ،
اور مکرہ غلام کی قیمت اور مہر مسمی کا نصف واپس لے گا اگر وہ وطی نہ کرے مکرہ کی نذر، اس کی قسم، اس کا ظہار،

ہزار لازم ہوں گے دس ہزار لازم نہیں ہوں گے۔ کیونکہ اس میں قیمت واجب ہوتی ہے ثمن لازم نہیں ہوتی۔ وہ مکرہ سے کسی شے کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس کی ملک سے خارج ہونے سے پہلے وہ اس کی ملک میں داخل ہوا ہے۔

30731۔ (قولہ: وَرَجَعَ بِقِيمَةِ الْعَبْدِ) یعنی آزاد کرنے پر اکراہ کی صورت میں کیونکہ اتلاف کی حیثیت میں یہ اس میں اس کا آلہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ پس یہ اس کی طرف منسوب ہوگا۔ ''ابن کمال''۔ اور ولاء مامور کے لئے ہوگی۔ اس کی دلیل وہی ہے کہ ''اتقانی'' سے گزر چکی ہے۔ وہ اس سے قیمت کا مطالبہ کرے گا اگرچہ وہ تنگدست ہو کیونکہ یہ تلف کرنے کی ضمانت ہے۔ اور مکرہ نے جو ضمانت دی ہے غلام سے اس کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا کیونکہ یہ اس کے فعل کی وجہ سے اس پر واجب ہوتی ہے اور غلام پر اس کی کوئی سعایت نہیں۔ اس کی مکمل بحث ''زیلعی'' میں ہے۔

30732۔ (قولہ: وَنِصْفِ الْمُسَمَّى إِنْ لَمْ يَطَأْ) کیونکہ خاوند کے ذمہ جو مہر لازم تھا وہ عورت کی جانب سے معصیت کے باعث فرقت واقع ہونے سے ساقط ہونے کے قریب تھا جیسے وہ عورت مرتد ہو جائے یا اپنے خاوند کے بیٹے کا بوسہ لے لے۔ اور یہ نصف مہر طلاق دینے کے ساتھ متاکد ہو چکا ہے۔ پس اس وجہ سے یہ مال کو ثابت کرنا ہوا پس اس کے ثبوت کو مکرہ کی طرف منسوب کیا جائے گا اور اس امر کی تثبیت اس کو واجب کرنے کی طرح ہوتی ہے۔ پس وہ اس کو تلف کرنے والا ہوگا پس اس سے مطالبہ کرے گا۔ مسمی (معین مہر) کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر اس میں مہر مسمی نہ ہو اور جو متعہ لازم ہوا ہے اس کو واپس لے گا۔ ''ابن کمال''۔ اپنے قول کو ان لم یطأ کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ اگر وہ وطی کرے تو کسی چیز کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہاں جو پختہ ہوا ہے وہ حقوق زوجیت کی ادائیگی کی وجہ سے ہوا ہے طلاق کی وجہ سے نہیں ہوا۔ ''زیلعی''۔ وطی سے مراد وہ ہے جو خلوت سے عام ہو۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مجبور کرنے والا اجنبی ہے۔ اگر وہ بیوی ہو تو بیوی کے لئے خاوند پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ عورت اکراہ ملجی کے ساتھ مجبور کرے اگر اس اکراہ غیر ملجی سے مجبور کرے تو خاوند پر نصف مہر لازم ہوگا جس طرح ''ظہیریہ'' میں ہے۔ ''قہستانی''۔

مکرہ کی نذر، قسم، رجعت، ایلا میں رجوع اور مکرہ کا اسلام قبول کرنا صحیح ہے

30733۔ (قولہ: وَنَذْرُهُ) یعنی یہ طاعت کی نذر جیسے روزہ، صدقہ، آزادی وغیرہا کیونکہ یہ وہ چیزیں ہیں جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتیں پس اس میں اکراہ کا اثر واقع نہیں ہوگا ''قہستانی''۔ کیونکہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جن میں ہنسی مذاق بھی پختہ ارادہ کی طرح ہوتا ہے۔ اس پر جو لازم ہوگا وہ مکرہ سے اس کا مطالبہ نہیں کریگا کیونکہ دنیا میں اس کا کوئی مطالب نہیں پس دنیا میں اس سے اس کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ ''زیلعی''۔

30734۔ (قولہ: وَيَمِينُهُ وَظِهَارُهُ) یعنی طاعت پر قسم ہو یا معصیت پر قسم ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یمین اور اکراہ

وَرَجْعَتُهُ، وَإِيلَاؤُهُ وَفَيْؤُهُ فِيهِ) أَيْ فِي الْإِيلَاءِ بِقَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ (وَإِسْلَامُهُ) وَلَوْ ذِمِّيًّا كَمَا هُوَ إِطْلَاقُ كَثِيرٍ مِنَ الْمَشَايِخِ وَمَا فِي الْخَانِيَّةِ مِنَ التَّفْصِيلِ فَقِيَاسٌ، وَالِاسْتِحْسَانُ صِحَّتُهُ مُطْلَقًا فَلْيُحْفَظْ (بِلَا قَتْلٍ لَوْ رَجَعَ) لِلشُّبْهَةِ،

اس کی رجعت، اس کا ایلا اور ایلا میں رجوع قول کے ساتھ ہو یا فعل کے ساتھ ہے صحیح ہے۔ اور مکرہ کا اسلام قبول کرنا صحیح ہے اگر چہ وہ ذمی ہو جس طرح کثیر مشائخ نے اسے مطلق ذکر کیا ہے۔ اور ''خانیہ'' میں جو تفصیل ہے وہ قیاس ہے۔ اور استحسان یہ ہے کہ یہ مطلقاً صحیح ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہئے اگر چہ وہ مکرہ اسلام سے پھر جائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ شبہ پایا جا رہا ہے۔

میں اکراہ سے عمل نہیں کیا جاتا، کیونکہ یہ دونوں فسخ کا احتمال نہیں رکھتے پس دونوں میں پختہ ارادہ سے قول کرنا یا ہنسی مذاق سے قول کرنا برابر ہے۔ ''زیلعی''۔

30735۔(قولہ: وَرَجْعَتُهُ) کیونکہ رجوع یہ نکاح کو دوام بخشتا ہے پس رجعت نکاح کے ساتھ لاحق ہوگی۔ ''زیلعی''۔

30736۔(قولہ: وَإِيلَاؤُهُ وَفَيْؤُهُ فِيهِ) کیونکہ ایلا فی الحال یمین ہے اور آخر کار طلاق ہے اس میں فے اس رجعت کی طرح ہے جو نکاح کا دوام ہوتی ہے۔ اگر عورت چار ماہ گزرنے کے ساتھ طلاق بائنہ والی ہو جائے اور اس نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کیے ہوں تو اس پر نصف مہر لازم ہو جائے گا اور وہ مکرہ سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ مدت میں وہ فے پر قادر ہے۔ اسی طرح خلع ہے کیونکہ خلع خاوند کی جانب سے طلاق ہے یہ یمین ہے۔ ان میں سے کسی میں بھی اکراہ موثر نہیں ہوگا۔ پھر اگر عورت غیر مکرہ ہو تو اس پر بدل لازم ہو جائے گا۔ ''زیلعی''۔ ''بزازیہ'' میں ہے: عورت کو اس پر مجبور کیا گیا کہ وہ خاوند سے ہزار کے بدلے میں طلاق قبول کرے تو طلاق رجعی واقع ہوگی اور اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔

30737۔(قولہ: بِقَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ) ''الملتقی'' پر اپنی شرح میں بھی یہ کہا ہے۔ جو عام کتب میں ہے جس طرح ''ہدایہ'' کی شروح، ''کنز کی شروح''، ''درر'' اور ''المنح'' میں ہے اسے قول کے ساتھ خاص کیا ہے۔ شاید وجہ یہ ہے کہ گفتگو ان اقوال میں ہے جن میں اکراہ موثر نہیں پس یہ تقیید احترازی نہیں۔ کیونکہ فعل قول سے اقوی ہے۔ جب قول فسخ کا احتمال نہیں رکھتا تو فعل بدرجہ اولیٰ فسخ کا احتمال نہیں رکھے گا۔ رجعت میں اسی طرح کا قول کیا جاتا ہے جو قول اور فعل دونوں کو شامل ہے لیکن کلام اقوال میں ہے۔ ''تامل''

30738۔(قولہ: وَمَا فِي الْخَانِيَّةِ مِنَ التَّفْصِيلِ) اگر وہ حربی ہو تو صحیح ہوگا اگر ذمی ہو تو صحیح نہیں ہوگا۔ اسی کی مثل ''مجمع الفتاوی'' میں ''المبسوط'' سے مروی ہے۔ اور مستامن کو ذمی کی طرح بنایا ہے۔ اور ''المنح'' میں فرق کی وجہ بیان کی ہے کہ حربی پر اسلام کو لازم کرنا یہ اکراہ نہیں کیونکہ یہ حق ہے۔ ذمی کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

30739۔(قولہ: وَالِاسْتِحْسَانُ صِحَّتُهُ مُطْلَقًا) ''رملی'' نے کہا: یہ معلوم ہو چکا ہے کہ عمل استحسان کے جواب پر

كَمَا مَرَّ فِي بَابِ الْمُرْتَدِّ (وَتَوْكِيلُهُ بِطَلَاقٍ وَعَتَاقٍ)
جس طرح مرتد کے باب میں گزرا ہے۔ مکرہ کا طلاق اور عتاق کا وکیل بنانا صحیح ہے۔

ہوتا ہے مگر چند مسائل میں ایسا نہیں ہوتا اور یہ ان میں سے نہیں ہے۔ پس اسی پر اعتماد کیا جائے گا۔ اس میں اور کفر میں فرق یہ ہے کہ اسلام غالب ہے اور اس پر غلبہ نہیں پایا جاسکتا۔ یہ حکم میں ہے۔ اور اس میں ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس بندے کے درمیان ہے اس میں وہ مسلمان نہیں ہوگا۔ ''سائحانی''۔

مکرہ کو طلاق اور عتاق کا وکیل بنانا صحیح ہے

30740۔ (قولہ: وَتَوْكِيلُهُ بِطَلَاقٍ وَعَتَاقٍ الخ) اس کا مقتضا یہ ہے اگر اسے نکاح کا وکیل بنانے پر مجبور کیا جائے تو وہ صحیح ہوگا اور منعقد ہو جائے گا۔ لیکن میں نے اسے منقول نہیں پایا۔ ''الاشباہ'' پر ''حاشیہ ابی سعود'' میں ''حاشیہ شیخ صالح'' سے اسی طرح منقول ہے۔ ''رملی'' کے حاشیہ ''منح'' میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس نے کہا: میں کہتا ہوں: دوسرے علما کی طرح انہوں نے نکاح سے تعرض نہیں کیا۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس کی تصریح کی ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے اس سے سکوت اختیار فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ اس میں استحسان نہیں بلکہ یہ قیاس پر مبنی ہے۔

میں کہتا ہوں: استحسان کی علت وکالت کی تمام انواع کو شامل ہوتی ہے۔ کیونکہ علماء نے کہا: قیاس یہ ہے کہ وکالت صحیح نہ ہو۔ کیونکہ وکالت ہنسی مذاق سے باطل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اکراہ کے ساتھ باطل ہو جائے گی جیسے بیع اور اس کی امثال ہیں۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ اکراہ بیع کے انعقاد کے مانع نہیں لیکن اس کے فساد کا موجب ہے۔ اسی طرح توکیل ہے۔ یہ اکراہ کے ساتھ منعقد ہو جاتی ہے اور شروط فاسدہ وکالت میں موثر نہیں ہوتیں۔ کیونکہ یہ اسقاطات میں سے ہیں۔ جب توکیل باطل نہ ہوئی تو وکیل کا تصرف نافذ ہوگیا۔ پھر میں نے ''رملی'' کو ہی دیکھا جنہوں نے ''البحر'' پر اپنے ''حاشیہ'' میں باب الطلاق الصریح میں دیکھا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ طلاق اور اعتاق کی طرح ہے۔ کیونکہ علماء نے تصریح کی کہ تینوں اکراہ کے ساتھ صحیح ہو جاتے ہیں۔ پھر اس کو ذکر کیا جس کو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ پھر کہا: طلاق میں استحسان کی علت کی طرف دیکھئے تو اسے نکاح میں پائے گا پس دونوں کا حکم ایک ہے۔ ''تامل''

پھر جان لو کہ مکرہ مکرہ سے واپسی کا مطالبہ کرے گا۔ یہ بطور استحسان ہے۔ اور وکیل پر کوئی ضمانت نہیں ہوگی۔ اگر اکراہ ملجی کے ساتھ اس توکیل پر مجبور کیا جائے کہ وہ اس کا غلام ہزار پر بیچ دے اور اس کے حوالے کر دے وکیل نے اسے بیچ دیا اور ثمن لے لی غلام مشتری کے پاس ہلاک ہوگیا جبکہ وہ اور وکیل خوشی سے یہ عمل کرنے والے تھے تو تینوں میں سے جس سے چاہے ضمانت لے لے۔ اگر مشتری سے ضمانت لی تو وہ کسی سے قیمت کا مطالبہ نہیں کرے گا بلکہ وکیل سے ثمن کا مطالبہ کرے گا۔ اگر وکیل سے ضمانت لی تو وہ مشتری سے قیمت کا مطالبہ کرے گا اور وہ اس سے ثمن کا مطالبہ کرے گا اور وہ آپس میں ادل بدل کریں گے۔ اور زائد واپس لیں گے۔ اگر مکرہ سے ضمانت لی تو وہ مشتری یا وکیل سے واپسی کا مطالبہ کرے گا۔ اگر

وَمَا فِي الْأَشْبَاهِ مِنْ خِلَافِهِ فَقِيَاسٌ وَالِاسْتِحْسَانُ وُقُوعُهُ، وَالْأَصْلُ عِنْدَنَا أَنَّ كُلَّ مَا يَصِحُّ مَعَ الْهَزْلِ يَصِحُّ مَعَ الْإِكْرَاهِ لِأَنَّ مَا يَصِحُّ مَعَ الْهَزْلِ لَا يَحْتَمِلُ الْفَسْخَ وَكُلُّ مَا لَا يَحْتَمِلُ الْفَسْخَ لَا يُؤَثِّرُ فِيهِ الْإِكْرَاهُ وَعَدَّهَا أَبُو اللَّيْثِ فِي خِزَانَةِ الْفِقْهِ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ وَعَدَدْنَاهَا فِي بَابِ الطَّلَاقِ نَظْمًا عِشْرِينَ

''اشباہ'' میں جو اس کے خلاف مذکور ہے وہ قیاس ہے اور استحسان یہ ہے کہ وہ واقع ہو جائے۔ ہمارے نزدیک اصل یہ ہے کہ وہ چیز جو ہنسی مذاق کے ساتھ صحیح ہے وہ اکراہ کے ساتھ صحیح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو ہنسی مذاق کے ساتھ صحیح ہو جائے وہ فسخ کا احتمال نہیں رکھتا اور ہر وہ امر جو فسخ کا احتمال نہ رکھے اس میں اکراہ موثر نہیں ہوتا۔ ''ابولیث'' نے ''خزانۃ الفقہ'' میں انہیں اٹھارہ شمار کیا ہے۔ اور ہم نے انہیں باب الطلاق میں اشعار میں بیس شمار کیا ہے۔

اکراہ ملجی نہ ہو تو مکرہ کسی شے کا ضامن نہ ہوگا تو آقا کو حق حاصل ہوگا کہ وہ وکیل سے قیمت کی ضمانت لے لے اور وہ مشتری کے ساتھ ثمن کا ادل بدل کرے یا مشتری سے ضمانت لے لے پھر مشتری کسی سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔ ''ہندیہ'' سے ملخص ہے انہوں نے ''المحیط'' سے نقل کیا ہے۔

30741_(قولہ: وَمَا فِي الْأَشْبَاهِ مِنْ خِلَافِهِ) وہ یہ ہے وکیل کی طلاق اور اس کا آزاد کرنا واقع نہیں ہوگا۔

30742_(قولہ: يَصِحُّ مَعَ الْإِكْرَاهِ) یعنی وکالت کے مسئلہ کے علاوہ میں کیونکہ تو جان چکا ہے کہ یہ مسئلہ قیاس سے نقل ہو چکا ہے۔

ہر وہ امر جو فسخ کا احتمال نہ رکھتا ہو اس میں اکراہ موثر نہیں

30743_(قولہ: لَا يُؤَثِّرُ فِيهِ الْإِكْرَاهُ) کیونکہ اس کا صحیح ہونا ممنوع ہے۔ کیونکہ اکراہ رضا کو فوت کر دیتا ہے۔ اور اس کا فوت ہونا عدم لزوم میں موثر ہے اور عدم لزوم مکرہ کو فسخ پر قادر بنا دیتا ہے۔ پس اکراہ تحقق کے بعد مکرہ کو فسخ پر قدرت عطا کرتا ہے۔ پس جو فسخ کا احتمال نہ رکھے اس میں اکراہ عمل نہیں کرتا۔ ''منح''۔

وہ امور جو اکراہ کے ساتھ صحیح ہیں

30744_(قولہ: وَعَدَدْنَاهَا) صحیح قول عددناھا ہے کیونکہ یہ عدّ سے مشتق ہے یہ تعدیہ سے مشتق نہیں۔

30745_(قولہ: نَظْمًا) یہ صاحب ''النہر'' کے اشعار میں ہے اس کی عبارت وہاں ہے۔ ''النہر'' میں ان امور کا اشعار میں ذکر کیا ہے جو اکراہ کے ساتھ صحیح ہیں تو کہا:

طلاق، ایلا، ظہار، رجعت، نکاح، ام ولد بنانا اور قتل عمد کی معافی، رضاعت، قسمیں، فئی، نذر، ودیعت کو قبول کرنا۔ اسی طرح قتل عمد سے صلح، طلاق جو قسم پر معلق کی گئی ہو۔ اسی طرح آزاد کرنا، اسلام لانا اور غلام کو مدبر بنانا احسان اور عتق کو واجب کرنا۔ یہ اکراہ کے ساتھ صحیح ہوتے ہیں یہ شمار میں بیس ہیں۔

میں کہتا ہوں: تحقیق یہ ہے کہ تداخل کی وجہ سے پندرہ ہیں اور ودیعت کو قبول کرنا اس میں سے نہیں ہے جس طرح ''النہر''

(لَا) يَصِحُّ مَعَ الْإِكْرَاهِ (إِبْرَاؤُهُ مَدْيُونَهُ أَوْ إِبْرَائُهُ (كَفِيلَهُ) بِنَفْسٍ أَوْ مَالٍ لِأَنَّ الْبَرَاءَةَ لَا تَصِحُّ مَعَ الْهَزْلِ، وَكَذَا لَوْ أُكْرِهَ الشَّفِيعُ أَنْ يَسْكُتَ عَنْ طَلَبِ الشُّفْعَةِ فَسَكَتَ لَا تَبْطُلُ شُفْعَتُهُ (وَ) لَا (رِدَّتُهُ) بِلِسَانِهِ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ (فَلَا تَبِينُ زَوْجَتُهُ) لِأَنَّهُ لَا يُكَفَّرُ بِهِ

اکراہ کے ساتھ اس کا اپنے مدیون کو یا اپنے کفیل کو بری کرنا صحیح نہیں وہ کفالت نفس کی ہو یا مال کی ہو۔ کیونکہ ہنسی مذاق کے ساتھ براءت صحیح نہیں۔ اسی طرح اگر شفیع کو مجبور کیا جائے کہ وہ طلب شفعہ پر خاموش رہے۔ پس وہ خاموش رہا تو اس کا شفعہ باطل نہیں ہوگا اور اس کا اپنی زبان سے ارتداد اختیار کرنا صحیح نہیں جبکہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو پس اس کی زوجہ جدا نہ ہوگی۔ کیونکہ اسے اس کے ساتھ کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔

میں ہے۔ ان میں دس عام کتب میں مذکور ہیں۔ ''ابن ہمام'' نے ان کو اشعار میں نظم کیا ہے۔

اکراہ کے ساتھ صحیح ہیں آزاد کرنا، رجوع کرنا، نکاح، ایلا اور طلاق جو جدائی ڈالنے والی ہے۔

فئی، ظہار، یمین اور نذر قتل کو معاف کرنا جس سے مانگیں سفید ہو جاتی ہیں۔ "

میں نے ان پر باقی ماندہ پانچ کو زائد ذکر کیا ہے۔

رضاع، تدبیر، صلح کو قبول کرنا۔ اسی طرح ام ولد بنانا اور اسلام جو فرق کرنے والا ہے۔

30746۔ (قولہ: أَوْ إِبْرَائِهِ كَفِيلَهُ) اسی طرح کفالت کو قبول کرنا ہے جیسا کہ ''حامدی'' وغیرہ نے فتویٰ دیا ہے۔ اسی طرح حوالہ کو قبول کرنا ہے جس طرح ''البحر'' کے کتاب الحوالہ میں ہے۔ ''سائحانی''۔

ہنسی مذاق میں براءت صحیح نہیں

30747۔ (قولہ: لِأَنَّ الْبَرَاءَةَ لَا تَصِحُّ مَعَ الْهَزْلِ) کیونکہ یہ فراغ ذمہ کا اقرار ہے پس اس میں اکراہ موثر ہوگا۔

شفیع کو شفعہ کے مطالبہ سے خاموش رہنے پر مجبور کیا جائے تو اس کا شفعہ باطل نہیں ہوگا

30748۔ (قولہ: لَا تَبْطُلُ شُفْعَتُهُ) جب اکراہ زائل ہو جائے تو وہ شفعہ کا مطالبہ کرے تو شفعہ باطل نہیں ہوگا ورنہ شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر شفعہ کی طلب کے بعد اسے چھوڑ دینے پر اسے مجبور کیا جائے تو شفعہ باطل نہیں ہوگا۔ ''ہندیہ'' وغیرھا۔

کسی بندۂ مومن کا ارتداد اختیار کرنا جب کہ اس کا دل مطمئن ہو صحیح نہیں

30749۔ (قولہ: وَلَا رِدَّتُهُ الخ) اسے ذکر کیا ہے تاکہ اس پر اس قول فلا تبین زوجتہ کی تفریع کی جائے ورنہ وہ قول گزر چکا ہے جو اس سے غنی کرے گا۔

30750۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَا يُكَفَّرُ بِهِ) ضمیر کو مذکر کیا کیونکہ مراد تلفظ لسانی ہے۔ ''ہدایہ'' میں کہا: کیونکہ ارتداد اعتقاد سے متعلق ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا اگر اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو اس کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ اس کے کفر کے اعتقاد میں شک

وَالْقَوْلُ لَهُ اسْتِحْسَانًا قُلْت وَقَدَّمْنَا عَلَى النَّوَازِلِ خِلَافَهُ فَلَعَلَّهُ قِيَاسٌ فَتَأَمَّلْ (أَكْرَهَ الْقَاضِي رَجُلًا لِيُقِرَّ بِسَرِقَةٍ أَوْ بِقَتْلِ رَجُلٍ بِعَمْدٍ أَوْ) لِيُقِرَّ (بِقَطْعِ يَدِ رَجُلٍ بِعَمْدٍ فَأَقَرَّ بِذَلِكَ فَقُطِعَتْ يَدُهُ أَوْ قُتِلَ) عَلَى مَا ذُكِرَ (إنْ كَانَ الْمُقِرُّ مَوْصُوفًا بِالصَّلَاحِ اُقْتُصَّ مِنْ الْقَاضِي

اور بطور استحسان اس کا قول معتبر ہوگا۔ میں کہتا ہوں: ہم پہلے نوازل سے اس کے برعکس نقل کر چکے ہیں شاید یہ قیاس ہو۔ فتامل۔ قاضی نے ایک آدمی کو مجبور کیا تا کہ وہ چوری کرنے یا کسی آدمی کو جان بوجھ کر قتل کرنے یا کسی آدمی کا جان بوجھ کر ہاتھ کاٹنے کا اقرار کرے تو اس آدمی نے اس امر کا اقرار کر لیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا یا اس کو قتل کر دیا گیا جیسا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر مقر صالحیت کے ساتھ موصوف ہو تو قاضی سے اس کا قصاص لیا جائے گا۔

ہے پس شک کے ساتھ بینونت ثابت نہیں ہوتی۔

اگر عورت مرد کے ارتداد کا دعویٰ کرے اور مرد منکر ہو تو قول مرد کا معتبر ہوگا

30751۔ (قولہ: وَالْقَوْلُ لَهُ) اگر عورت اس کے اعتقاد کے تبدیل ہونے کا دعویٰ کرے اور مرد اس کا انکار کرے تو قول مرد کا معتبر ہوگا۔

30752۔ (قولہ: اسْتِحْسَانًا) قیاس یہ ہے کہ قول عورت کا معتبر ہوتا ہے یہاں تک کہ دونوں میں تفریق کر دی جاتی۔ کیونکہ کلی کفر فرقت کے حصول کا سبب ہے۔ پس اس میں رضامند اور مکرہ برابر ہیں جس طرح طلاق کا لفظ ہے۔

استحسان کی دلیل یہ ہے: یہ لفظ فرقت کے لئے وضع نہیں کیا گیا بے شک وقت اعتقاد کے متغیر ہونے کے اعتبار سے ہے اور اکراہ اعتقاد کے عدم تغیر کی دلیل ہے۔ پس فرقت واقع نہ ہوگی۔ اسی وجہ سے اس پر کفر کا حکم نہیں کیا جائے گا۔ ''زیلعی''۔

30753۔ (قولہ: وَقَدَّمْنَا عَلَى النَّوَازِلِ الخ) جسے پہلے ''نوازل'' سے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے: اگر اس نے توریہ کیا تو رضا بطور قضا طلاق بائنہ واقع ہوگی مگر دل میں کھٹکنے کی صورت میں دیانۃً بھی جدا ہو جائے گی۔ ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ تیسری قسم باقی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر اس کے دل میں اصلاً کوئی شے نہ کھٹکے اور اس نے وہ کام کیا جس پر اسے مجبور کیا گیا جبکہ اس کا دل مطمئن تھا تو کوئی بینونت واقع نہ ہوگی اور نہ ہی اصلاً کفر واقع ہوگا۔ ''زیلعی'' نے اس امر کی تصریح کی یہی وہ مراد ہے جو متن میں مذکور ہے جس طرح ہم اسے پہلے بیان کر آئے ہیں پس اصلاً منافات نہیں ہوگی۔

30754۔ (قولہ: أَكْرَهَ الْقَاضِي) یہ قید لگائی ہے کیونکہ معمول کے مطابق وہی حدود جاری کرتا ہے۔ ورنہ ہر متغلب کا یہی حکم ہے۔ اکراہ ملجی اور غیر ملجی میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ ''تاتر خانیہ'' میں تجرید سے منقول ہے: اسے ضرب شدید اور حبس کی دھمکی کی گئی یہاں تک کہ وہ حد یا قصاص اور اقرار کرے تو یہ باطل ہوگا۔ اگر قاضی نے اسے چھوڑ دیا پھر اسے پکڑ لیا تو اس نے اس کا مستقل اقرار کیا تو اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔

30755۔ (قولہ: عَلَى مَا ذُكِرَ) یہ اس پر مبنی ہے کہ اس کا اقرار مجبوری کی حالت میں تھا۔

وَإِنْ مُتَّهَمًا بِالسَّرِقَةِ مَعْرُوفًا بِهَا وَبِالْقَتْلِ لَا يُقْتَصُّ مِنَ الْقَاضِي اسْتِحْسَانًا لِلشُّبْهَةِ خَانِيَّةٌ (قِيلَ لَهُ إِمَّا أَنْ تَشْرَبَ هَذَا الشَّرَابَ أَوْ تَبِيعَ كَرْمَكَ فَهُوَ إِكْرَاهٌ إِنْ كَانَ شَرَابًا لَا يَحِلُّ) كَالْخَمْرِ (وَإِلَّا فَلَا) قُنْيَةٌ قَالَ وَكَذَا الزِّنَا وَسَائِرُ الْمُحَرَّمَاتِ

اگر چوری اور قتل میں وہ متہم ہو اور اس کے ساتھ معروف ہو شبہ کی وجہ سے قاضی سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ یہ استحسان ہے، ''خانیہ''۔ اسے کہا گیا: یا تو یہ شراب پی یا اپنی بیوی کو بیچ دو تو یہ اکراہ ہوگا اگر وہ ایسا مشروب ہے جو حلال نہیں جیسے شراب ورنہ نہیں ''قنیہ''۔ اسی طرح زنا اور باقی محرمات ہیں۔

30756۔ (قولہ: وَإِنْ مُتَّهَمًا الخ) یعنی جبکہ اس پر گواہ نہیں۔ ''ہندیہ''۔

30757۔ (قولہ: لَا يُقْتَصُّ مِنَ الْقَاضِي اسْتِحْسَانًا) لیکن ان سب میں اس سے ضمانت لی جائے گی جس طرح ''ہندیہ'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔

30758۔ (قولہ: لِلشُّبْهَةِ) یعنی یہ شبہ ہے کہ اس نے وہ فعل کیا ہو جس کا اقرار کیا ہے ساتھ ہی حال اس پر دلالت کر رہا ہے۔

30759۔ (قولہ: قِيلَ لَهُ الخ) اسے اکراہ ملجی کے ساتھ ان دو فعلوں میں سے ایک پر مجبور کیا گیا۔

30760۔ (قولہ: فَهُوَ إِكْرَاهٌ) یعنی اکراہ کے زوال کے بعد اسے فسخ اور نافذ کے درمیان اختیار دیا جائے گا کیونکہ شراب کی حرمت قطعی ہے پس وہ بیع پر راضی نہیں تھا۔ تامل

کیا اسے یہ گنجائش تھی کہ شراب پی لیتا اور بیع کو ترک کر دیتا؟ ظاہر یہ ہے کہ ہاں۔ کیونکہ شراب پینا ضرورت کے وقت مباح ہو جاتا ہے۔ ''تامل''

''خانیہ'' میں ہے: اسے طلاق اور عتاق پر قتل کے ساتھ مجبور کیا گیا تو اس نے وہ عمل نہ کیا یہاں تک اسے قتل کر دیا گیا تو وہ گناہگار نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ قتل پر صبر کرتا اور وہ اپنا مال تلف نہ کرے تو وہ شہید ہوگا۔ کیونکہ وہ اس صورت میں گناہگار نہیں ہوتا جب عورت پر حاصل شدہ ملک نکاح کو باطل کرنے سے رک جائے تو بدرجہ اولیٰ اسے یہ حق ہوگا۔

اگر کسی کو بیع یا زنا وغیرہ پر مجبور کیا جائے اور وہ چیز بیچ دے تو وہ مکرہ ہوگا

30761۔ (قولہ: وَكَذَا الزِّنَا وَسَائِرُ الْمُحَرَّمَاتِ) اگر اسے بیع یا زنا وغیرہ پر مجبور کیا جائے تو وہ چیز بیچ دے تو وہ مکرہ ہوگا۔ یہ محرم اور اس کے غیر میں تردید کا مسئلہ ہے۔ اور یہ ذکر نہیں کیا: اگر اسے دو حرام یا دو غیر حرام میں تردید کا ذکر کیا جائے۔ ''الخانیہ'' میں ہے: اسے اکراہ ملجی کے ساتھ کفر یا مسلمان کے قتل پر مجبور کیا جائے تو بطور استحسان اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور اس کے مال میں تین سال کے عرصہ میں دیت واجب ہوگی اگر اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اسے اطمینان قلب کی صورت میں اسے اپنی زبان پر کفر جاری کرنے کی رخصت دی گئی ہے۔ اگر اسے علم ہو تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے قتل کر دیا جائے گا۔

(صَادَرَهُ السُّلْطَانُ وَلَمْ يُعَيِّنْ بَيْعَ مَالِهِ فَبَاعَهُ صَحَّ) لِعَدَمِ تَعَيُّنِهِ، وَالْحِيلَةُ أَنْ يَقُولَ مِنْ أَيْنَ أُعْطِي وَلَا مَالَ لِي؟ فَإِذَا قَالَ الظَّالِمُ بِعْ كَذَا فَقَدْ صَارَ مُكْرَهًا فِيهِ بَزَّازِيَّةٌ (خَوَّفَهَا الزَّوْجُ بِالضَّرْبِ حَتَّى وَهَبَتْهُ مَهْرَهَا لَمْ تَصِحَّ) الْهِبَةُ (إنْ قَدَرَ الزَّوْجُ عَلَى الضَّرْبِ) وَإِنْ هَدَّدَهَا بِطَلَاقٍ أَوْ تَزَوُّجٍ عَلَيْهَا

سلطان نے اس سے زبردستی مال طلب کیا اور اس کے مال کے بیچنے کی تعیین نہ کی اس نے وہ مال بیچ دیا تو یہ بیع صحیح ہوگی۔ کیونکہ سلطان نے اسے معین نہیں کیا تھا۔ حیلہ یہ ہے کہ وہ آدمی کہے: میں کہاں سے مال دوں جبکہ میرے پاس مال نہیں جب ظالم کہے: فلاں چیز بیچ دے تو اس میں وہ مکرہ ہوگا''بزازیہ''۔ خاوند نے اپنی بیوی کو مار سے دھمکایا یا یہاں تک کہ عورت نے اسے مہر ہبہ کر دیا تو ہبہ صحیح نہ ہوگا اگر خاوند اسے مارنے پر قادر ہو۔ اگر خاوند نے بیوی کو طلاق، اس پر شادی کرنے

ایک قول یہ کیا گیا ہے: قتل نہیں کیا جائے گا۔ اگر اسے قتل یا زنا میں سے کوئی ایک کام کرنے پر مجبور کیا گیا تو دونوں میں سے کوئی بھی کام نہ کرے کیونکہ کوئی بھی ضرورت کی بنا پر مباح نہیں۔ اگر وہ زنا کرے تو بطور استحسان اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی اور اس پر مہر لازم ہوگا۔ اگر وہ قتل کر دے تو آمر کو قتل کیا جائے۔ کیونکہ وہ مکرہ ہونے سے خارج نہیں ہوتا۔ اگر اسے قتل یا غیر مال کو تلف کرنے پر مجبور کیا جائے تو اس کے لئے مناسب ہے کہ وہ مال کو تلف نہ کرے اگرچہ مال دیت سے کم ہو۔ کیونکہ اس کی رخصت ہے۔ یہ مباح نہیں اگر وہ قتل کرے تو اسے اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کی رخصت نہیں۔ اگر وہ مال تلف کر دے تو آمر ضامن ہوگا۔ اگر اسے حقوق زوجیت سے پہلے طلاق پر مجبور کیا گیا یا غلام آزاد کرنے پر مجبور کیا گیا تو آمر غلام کی قیمت اور نصف مہر میں سے جو کم ہوگا اس کی چٹی بھرے گا۔ اگر اس نے حقوق زوجیت ادا کر لئے ہوں تو آمر پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔''ملخص''

30762۔(قولہ: صَادَرَهُ السُّلْطَانُ) یعنی اس سے اس کے مال کا مطالبہ کیا۔''قاموس'' میں کہا: صادرہ علی کذا اس سے مطالبہ کیا۔

30763۔(قولہ: لِعَدَمِ تَعَيُّنِهِ) یعنی سلطان نے بیع کے عمل کو معین نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اس کے لئے یہ ممکن تھا کہ اس سے جس چیز کا مطالبہ کیا تھا قرض وغیرہ سے اس کو ادا کر دے۔

30764۔(قولہ: وَالْحِيلَةُ) تا کہ اس کی بیع فاسد ہو جائے۔ اس میں یہ بھی ضروری ہے کہ اسے بیع کرنے اور ثمن پر قبضہ کرنے پر مجبور کرے ورنہ بیع نافذ ہو جائے گی جس طرح متن میں گزر چکا ہے۔

30765۔(قولہ: فَقَدْ صَارَ مُكْرَهًا فِيهِ) یعنی وہ بیع میں مکرہ ہوگا کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ سلطان کا امر اکراہ ہے اگرچہ وہ دھمکی نہ دے۔ فافہم

30766۔(قولہ: بِالضَّرْبِ)''خانیہ'' میں متلف کی قید لگائی ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ قید اتفاقی ہے۔

أَوْ تَسَرٍّ فَلَيْسَ بِإِكْرَاهٍ خَانِيَّةٌ وَفِي مَجْمَعِ الْفَتَاوَى مَنَعَ امْرَأَتَهُ الْمَرِيضَةَ عَنِ الْمَسِيرِ إِلَى أَبَوَيْهَا إِلَّا أَنْ تَهَبَهُ مَهْرَهَا فَوَهَبَتْهُ بَعْضَ الْمَهْرِ فَالْهِبَةُ بَاطِلَةٌ، لِأَنَّهَا كَالْمُكْرَهِ قُلْت وَيُؤْخَذُ مِنْهُ جَوَابُ حَادِثَةِ الْفَتْوَى وَهِيَ زَوَّجَ بِنْتَهُ الْبِكْرَ مِنْ رَجُلٍ فَلَمَّا أَرَادَتْ الزِّفَافَ مَنَعَهَا الْأَبُ إِلَّا أَنْ يُشْهِدَ عَلَيْهَا أَنَّهَا اسْتَوْفَتْ مِنْهُ مِيرَاثَ أُمِّهَا فَأَقَرَّتْ ثُمَّ أَذِنَ لَهَا بِالزِّفَافِ فَلَا يَصِحُّ إِقْرَارُهَا لِكَوْنِهَا فِي مَعْنَى الْمُكْرَهَةِ وَبِهِ أَفْتَى أَبُو السُّعُودِ مُفْتِي الرُّومِ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ فِي شَرْحِ مَنْظُومَتِهِ تُحْفَةِ الْأَقْرَانِ فِي بَحْثِ الْهِبَةِ

یا لونڈی کو حرم میں شامل کرنے سے دھمکایا تو یہ اکراہ نہیں ہوگا۔ ''خانیہ''۔ ''مجمع الفتاویٰ'' میں ہے: خاوند نے اپنی مریض بیوی کو اپنے والدین کے پاس جانے سے منع کیا یہاں تک وہ اسے مہر ہبہ کر دے بیوی نے اسے بعض مہر ہبہ کر دیا تو ہبہ باطل ہے کیونکہ وہ عورت مکرہ کی طرح ہے۔ میں کہتا ہوں: اس سے حادثۃ الفتوی کا جواب اخذ کیا جا سکتا ہے۔ حادثۃ الفتویٰ یہ ہے: ایک آدمی نے اپنی باکرہ بچی کا عقد نکاح کسی مرد سے کیا جب اس لڑکی نے زفاف کا ارادہ کیا تو باپ نے اسے روک دیا مگر وہ اس پر گواہ بنا لے کہ اس لڑکی نے اپنی ماں کی میراث اس سے لے لی ہے اس لڑکی نے اس امر کا اقرار کیا پھر باپ نے لڑکی کو زفاف کی اجازت دے دی تو اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ مکرہ کے معنی میں ہے۔ ''ابو سعود'' مفتی روم نے یہی فتوی دیا۔ مصنف نے اپنی ''منظومہ تحفۃ الاقران'' کی ہبہ کی بحث میں کہا ہے:

افعال شرعیہ اکراہ کے ساتھ موصوف نہیں ہو سکتے

30767۔ (قولہ: فَلَيْسَ بِإِكْرَاهٍ) کیونکہ ان افعال میں سے ہر ایک فعل شرعاً جائز ہے اور افعال شرعیہ اکراہ کے ساتھ موصوف نہیں ہو سکتے۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: ہاں لیکن اس پر غم داخل ہو سکتا ہے جو اس کے صبر کو فاسد بنا دے اور اس کے عذر کو ظاہر کر دے جبکہ یہ گزر چکا ہے کہ بیع وغیرہ فاسد ہو جاتی ہے اسے امر کے ساتھ جو غم کو واجب کرے۔ کیونکہ یہ رضا کو معدوم کر دیتا ہے۔ اس پر وہ قول دلالت کرتا ہے جسے اس کے بعد ذکر کریں گے۔ کیونکہ مریض بیوی کو والدین سے روکنا اور باکرہ کو زفاف سے روکنا ان افعال سے اسے زیادہ غمگین نہیں کرتے لیکن نقل کے ساتھ عقل کا کوئی عمل دخل نہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ان کے قول الزوج سلطان زوجتہ کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس میں محض امر کافی ہے کیونکہ اس سے عورت کو اذیت کا خوف ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

30768۔ (قولہ: وَبِهِ أَفْتَى أَبُو السُّعُودِ) اسی طرح ''رملی'' وغیرہ نے فتویٰ دیا ہے۔ انہوں نے اسے اپنے فتاوی میں ان اشعار کے ساتھ نظم کیا ہے۔

وَمَانِعُ زوجته عن اهلها لِتَهَبَ المهرَ يكونُ مُكْرِمًا
كذاك منعُ والدٍ لِبِنْتِهِ خُرُوجُهَا لِبَعْلِهَا مِنْ بَيْتِهِ

اپنی بیوی کو اپنے دین کے پاس جانے سے روکنے والا تاکہ وہ مہر اسے ہبہ کر دے مکرہ ہوگا۔ اسی طرح والد اپنی بیٹی کو اپنے

(الْمُكْرَهُ بِأَخْذِ الْمَالِ لَا يَضْمَنُ) مَا أَخَذَهُ (إِذَا نَوَى) الْآخِذُ وَقْتَ الْأَخْذِ (أَنَّهُ يَرُدُّ عَلَى صَاحِبِهِ وَإِلَّا يَضْمَنُ وَإِذَا اخْتَلَفَا) أَيْ الْمَالِكُ وَالْمُكْرَهُ (فِي النِّيَّةِ فَالْقَوْلُ لِلْمُكْرَهِ مَعَ يَمِينِهِ) وَلَا يَضْمَنُ مُجْتَبَى وَفِيهِ الْمُكْرَهُ عَلَى الْأَخْذِ وَالدَّفْعِ إِنَّمَا يَبِيعُهُ مَا دَامَ حَاضِرًا عِنْدَهُ الْمُكْرِهُ، وَإِلَّا لَمْ يَحِلَّ لِزَوَالِ الْقُدْرَةِ وَالْإِلْجَاءِ بِالْبُعْدِ مِنْهُ

جسے کسی کا مال چھین لینے پر مجبور کیا گیا تھا وہ اس مال کا ضامن نہیں ہوگا جو اس نے مال لیا جب چھین لینے والے نے چھینتے وقت یہ نیت کی ہو کہ وہ یہ مال مالک کو واپس کر دے گا ورنہ ضامن ہوگا۔ جب مالک اور مکرہ دونوں نیت میں اختلاف کریں تو قسم کے ساتھ قول مکرہ کا معتبر ہوگا اور وہ ضامن نہیں ہوگا، ''مجتبیٰ''۔ اس میں ہے: لینے اور دینے پر جسے مجبور کیا گیا اس کے لئے ایسا عمل کرنے کی گنجائش ہوگی جب تک مکرہ اس کے پاس موجود ہو ورنہ حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ قدرت زائل ہو چکی ہے اور اس سے دوری کی وجہ سے الجا بھی زائل ہو چکا ہے۔

خاوند کے پاس جانے سے روک دے تو وہ مکرہ ہوگا۔ پھر کہا: تو خوب جانتا ہے کہ بیع، شرا اور اجارہ اقرار اور ہبہ کی طرح ہیں۔
اور اولیاء میں سے کوئی بھی جو منع کرنے پر قادر ہو وہ علت شاملہ کی وجہ سے باپ کی طرح ہیں۔ پس باپ کا ذکر قید نہیں۔
اسی طرح باکرہ ہونا قید نہیں جس طرح ہمارے دیار میں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ ان عورتوں سے مہران سے زبردستی لے لئے جاتے ہیں یہاں تک کہ یہ عمل چچازاد کے بیٹے کی جانب سے ہوتا ہے اگرچہ وہ بہت ہی بعیدی ولی ہے اگر عورت اپنا دفاع کرے تو وہ اسے تکلیف پہنچاتا ہے یا اسے قتل کر دیتا ہے۔

30769۔ (قولہ: الْمُكْرَهُ بِأَخْذِ الْمَالِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ با کی بجائے علی سے تعبیر کرتے۔ ''ط''۔

30770۔ (قولہ: لَا يَضْمَنُ) بلکہ ضمان آمر پر ہوگی۔

30771۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ لِلْمُكْرَهِ مَعَ يَمِينِهِ) کیونکہ وہ ضمان کا انکار کرتا ہے۔ اسی کی مثل ہوگا اگر اسے ودیعت کے قبول کرنے یا ہبہ کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اس نے کہا: میں نے اس پر قبضہ کیا تھا تاکہ میں اسے اس کے مالک کی طرف لوٹا دوں جس طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔

30772۔ (قولہ: مَا دَامَ حَاضِرًا عِنْدَهُ الْمُكْرِهُ) ''ہندیہ'' میں ''مبسوط'' سے کہا: اگر اس نے پیغام بھیجا کہ یہ کام کرو تو جسے پیغام ملا اسے خوف ہے کہ وہ ظالم اس کو قتل کر دے گا اگر وہ اس کو پانے میں کامیاب ہو گیا جبکہ اس نے یہ عمل نہ کیا تب بھی اس کے لئے یہ عمل کرنا حلال نہ ہوگا مگر آمر کا نمائندہ اس کے ساتھ ہو کہ اگر وہ یہ کام نہ کرے تو اسے آمر کے پاس لے جائے۔ اگر وہ ایسا کام نہ کرے یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا جائے تو ان شاء اللہ اس کے لئے گنجائش ہوگی۔ اگر آمر اسے حبس یا قید کی دھمکی دے تو اس کے لئے ایسے کرنے کی گنجائش نہ ہوگی۔

30773۔ (قولہ: لِزَوَالِ الْقُدْرَةِ وَالْإِلْجَاءِ بِالْبُعْدِ) لیکن اسے لوٹ آنے کا خوف ہے اس کے ساتھ اکراہ متحقق

وَبِهٰذَا تَبَيَّنَ أَنَّهُ لَا عُذْرَ لِأَعْوَانِ الظَّلَمَةِ فِي الْأَخْذِ عِنْدَ غَيْبَةِ الْأَمِيرِ أَوْ رَسُولِهِ فَلْيُحْفَظْ فُرُوعٌ أُكْرِهَ عَلَى أَكْلِ طَعَامِ نَفْسِهِ إِنْ جَائِعًا لَا رُجُوعَ وَإِنْ شَبْعَانًا رَجَعَ بِقِيمَتِهِ عَلَى الْمُكْرِهِ لِحُصُولِ مَنْفَعَةِ الْأَكْلِ لَهُ فِي الْأَوَّلِ لَا الثَّانِي قَالَ أَهْلُ الْحَرْبِ لِنَبِيٍّ أَخَذُوهُ إِنْ قُلْتَ لَسْتُ بِنَبِيٍّ تَرَكْنَاكَ وَإِلَّا قَتَلْنَاكَ لَا يَسَعُهُ قَوْلُ ذٰلِكَ وَإِنْ قِيلَ لِغَيْرِ نَبِيٍّ إِنْ قُلْتَ هٰذَا لَيْسَ بِنَبِيٍّ تَرَكْنَا نَبِيَّكَ وَإِنْ قُلْتَ نَبِيٌّ قَتَلْنَاهُ وَسِعَهُ لِامْتِنَاعِ الْكَذِبِ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ

اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ظالم حکمرانوں کے مددگاروں کے لئے کوئی عذر نہیں جب امیر کے اور اس کے نمائندہ کے غایب ہونے کی صورت میں مال لیں پس اس کو یاد رکھا جانا چاہئے۔ فروع: ایک آدمی کو اپنا ہی کھانا کھانے پر مجبور کیا گیا اگر وہ بھوکا ہو تو واپسی کا کوئی مطالبہ نہیں۔ اگر سیر ہو تو مکرہ سے قیمت کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ کھانا کھانے کی منفعت اسے پہلی دفعہ حاصل ہوتی ہے دوسری دفعہ کھانا کھانے سے حاصل نہیں ہوتی۔ حربیوں نے ایک نبی کو پکڑ لیا تو انہوں نے نبی سے کہا: اگر تو کہے: میں نبی نہیں تو ہم تجھے چھوڑ دیں گے ورنہ تجھے قتل کر دیں گے تو نبی کے لئے ایسا قول کرنے کی گنجائش نہیں۔ اگر غیر نبی سے کہا گیا: اگر تو کہے یہ نبی نہیں تو ہم تیرے نبی کو چھوڑ دیں گے اگر تو کہے: یہ نبی ہیں تو اسے قتل کر دیں گے تو اس کے لئے ایسا قول کرنے کی گنجائش ہوگی۔ کیونکہ انبیاء پر جھوٹ بولنا ممتنع ہے۔

نہیں ہوتا۔ ''بزازیہ''۔

اگر کسی آدمی کو اپنا ہی کھانا کھانے پر مجبور کیا جائے تو اس کا حکم

30774۔ (قولہ: إِنْ جَائِعًا لَا رُجُوعَ) میں کہتا ہوں: یہ امر اشکال کا باعث ہے اگر کھانا کسی اور کا ہو تو آمر ضامن ہوتا ہے حالانکہ نفع مامور کے لئے ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں: وہاں آمر کے کھانے کا کھانا ہے۔ کیونکہ کھانے پر مجبور کرنا یہ قبضہ کرنے پر مجبور کرنا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر کھانا ممکن نہیں گویا اس نے اس پر قبضہ کیا اور اس نے کہا: اسے کھاؤ۔ یہاں آمر کو کھانے سے پہلے غاصب بنانا ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں جبکہ وہ چیز اس کے قبضہ میں ہے اور منہ میں ہے پس وہ اپنا کھانا کھانے والا ہو جائے گا مگر وہ سیر تھا اسے اس کا مال تلف کرنے پر مجبور کیا گیا پس آمر ضامن ہوگا۔ ''بزازیہ'' ملخص۔

30775۔ (قولہ: وَإِنْ شَبْعَانًا) اسے منصرف بنایا ہے کیونکہ اس کی مونث تا کو قبول کرنے والی ہے جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔ فافہم۔

نبی کے لیے جھوٹ مباح نہیں کیونکہ اس کا قول مخلوق پر حجت ہوتا ہے

30776۔ (قولہ: لِامْتِنَاعِ الْكَذِبِ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ) یہ ان کے قول لایسعہ کی علت ہے۔ کیونکہ نبی کا قول مخلوق پر حجت ہوتا ہے پس جھوٹ مباح نہیں ہوگا۔ دوسرے کا معاملہ مختلف ہے اسی وجہ سے اس کے لئے گنجائش ہوگی۔ ''خانیہ''۔

قَالَ حَرْبِيٌّ لِرَجُلٍ إِنْ دَفَعْتَ جَارِيَتَكَ لِأَزْنِيَ بِهَا دَفَعْتُ لَكَ أَلْفَ أَسِيرٍ لَمْ يَحِلَّ أَقَرَّ بِعِتْقِ عَبْدِهِ مُكْرَهًا لَمْ يَعْتِقْ فِي الْأَصَحِّ، وَهَلْ الْإِكْرَاهُ بِأَخْذِ الْمَالِ مُعْتَبَرٌ شَرْعًا؟ ظَاهِرُ الْقُنْيَةِ نَعَمْ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ إِنْ يَقُلْ الْمَدْيُونُ إِنِّي مُرَافِعٌ ....

ایک حربی نے ایک آدمی سے کہا: اگر تو اپنی لونڈی دے تا کہ میں اس کے ساتھ زنا کروں تو میں تجھے ہزار قیدی دے دوں گا تو یہ حلال نہیں ہوگا۔ ایک آدمی نے اپنے غلام کو آزاد کرنے کا حالت اکراہ میں اقرار کیا تو اصح قول کے مطابق یہ صحیح نہیں ہوگا۔ کیا مال چھین لینے کی دھمکی شرعاً معتبر ہے۔ ''القنیہ'' کا ظاہر یہ ہے کہ ہاں۔ ''وہبانیہ'' میں ہے: اگر مدیون یہ کہے: میں مسئلہ قاضی کے سامنے پیش کرنے والا ہوں

30777۔ (قولہ: لَمْ يَحِلَّ) یعنی لونڈی اس کے حوالے کرنا حلال نہیں۔ کیونکہ یہ اکراہ نہیں کہ اس لونڈی کے لئے زنا کی رخصت ہو اور نہ ہی اسے دینے پر مجبور کیا گیا ہے۔ جہاں تک قیدیوں کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ انہیں خلاصی دے اور ان کی آزمائش پر انہیں صبر دے۔ ''ط''۔

30778۔ (قولہ: لَمْ يَعْتِقْ) کیونکہ اقرار کو اکراہ فاسد کر دیتا ہے جس طرح قول گزر چکا ہے۔ اسی طرح اگر اسے مجبور کیا گیا تا کہ وہ طلاق، نذر، حد، قطع ید یا نسب کا اقرار کرے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ''خانیہ''۔

مال چھین لینے کی دھمکی شرعاً معتبر ہوگی

30779۔ (قولہ: ظَاهِرُ الْقُنْيَةِ نَعَمْ) اس کی عبارت ہے: ف ع متغلب۔ ایک آدمی نے کسی سے کہا: یا تو میرے ہاتھ یہ گھر بیچ دے یا میں اسے تیرے خصم کے حوالے کر دوں گا تو اس نے وہ گھر اس کے ہاتھ میں بیچ دیا یہ مکرہ کی بیع ہوگی۔ اگر اس کے گمان میں یہ ہو کہ اس نے جس امر کی دھمکی دی ہے وہ واقع ہو جائے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مال لینے پر اکراہ یہ شرعاً اکراہ ہے۔ اور بط میں ایسے الفاظ ہیں جن کی دلالت متعارض ہے۔ میں نے اس میں اسی قدر روایت پائی ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ شرط نہیں کہ وہ تمام مال ہو۔ ہم پہلے ''قہستانی'' سے وہ نقل کر چکے ہیں جو اس کے مخالف ہے۔ ''ہندیہ'' میں ''مبسوط'' سے مروی ہے: فقیہ ''ابولیث'' نے کہا! اگر سلطان نے یتیم کے وصی کو اکراہ ملجی سے دھمکی دی تا کہ اس کا مال اسے دے اس نے ایسا کر دیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اگر اس کو اس کا اپنا مال لے لینے کی دھمکی دی اگر اس وصی کو علم ہو کہ وہ اس کا بعض مال لے گا اور اتنا چھوڑ دے گا جو اسے کافی ہو اس کی اسے گنجائش نہ ہوگی۔ اگر اس نے یتیم کا مال دے دیا تو اس کی مثل کا ضامن ہوگا۔ اگر اسے ڈر ہو کہ سلطان وصی کا تمام مال لے لے گا تو وصی معذور ہوگا۔ اگر سلطان نے خود وہ مال لے لیا تو تمام وجوہ میں وصی پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔

30780۔ (قولہ: إِنِّي مُرَافِعٌ) یعنی تجھے حاکم کے سامنے لے جاؤں گا یعنی وہ حاکم ظالم ہے محض شکایت سن کر اذیت دیتا ہے جس طرح ''القنیہ'' میں ہے۔

لِتُبْرِئَ فَالْإِكْرَاهُ مَعْنًى مُصَوَّرُ ....

وَصَحَّ قَوْلُهُ إِنِّي مُرَافِعٌ إِلَخْ قَدْ غَيَّرْتُ بَيْتَ الْوَهْبَانِيَّةِ إِلَى قَوْلِي

وَإِنْ يَقُلْ الْمَدْيُونُ إِنْ لَمْ تَهَبْهُ لِي أُرَافِعْكَ فَالْإِكْرَاهُ مَعْنًى مُصَوَّرُ

الِاسْتِحْسَانُ إِسْلَامُ مُكْرَهٍ وَلَا قَتْلَ إِنْ يَرْتَدَّ بَعْدُ وَيُجْبَرُ اهـ مِنْهُ

تا کہ تو مجھے بری کر دے تو معنیٰ اکراہ مصور ہے۔ اور مدیون کا قول انی مرافع صحیح ہے تحقیق میں نے ''وہبانیہ'' کے بیت میں ترمیم کر دی ہے یعنی اگر مدیون کہے اگر تو وہ چیز مجھے ہبہ نہیں کرے گا تو میں تجھے قاضی کے پاس لے جاؤں گا تو اکراہ متصور ہے استحسان یہ ہے کہ مکرہ اسلام قبول کرلے اگر پھر وہ مرتد ہو جائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا تاہم اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اسلام قبول کرلے۔

30781۔ (قولہ: لِتُبْرِئَ) اس کلام کا ظاہر یہ ہے کہ یہ مدافعت کی علت ہے اور یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ معنی یہ بنتا ہے: اگر تو مجھے بری نہیں کرے گا تو میں تجھے حاکم کے سامنے پیش کروں گا پس علت بری نہ کرنا ہے اور اسے وان یقل کی علت بنانا بھی ممکن ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ کہا جائے لیبرئ یعنی غائب کی ضمیر لائی جائے۔ ''تامل''

30782۔ (قولہ: وَصَحَّ) شعر کے آخر تک گزشتہ قول اور اس کے اسلام لانے کے ساتھ مکرر ہے سوائے ان کے قول ویجبر کے۔ یعنی محبوس کرنے کے ساتھ اسلام پر اسے مجبور کیا جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کِتَابُ الْحِجْرِ

(هُوَ لُغَةً الْمَنْعُ مُطْلَقًا وَشَرْعًا (مَنْعٌ مِنْ نَفَاذِ تَصَرُّفٍ قَوْلِيٍّ) لَا فِعْلِيٍّ لِأَنَّ الْفِعْلَ بَعْدَ وُقُوعِهِ لَا يُمْكِنُ رَدُّهُ فَلَا يُتَصَوَّرُ الْحَجْرُ عَنْهُ قُلْتُ يُشْكِلُ عَلَيْهِ الرَّقِيقُ

حجر کے احکام

لغت میں حجر کا معنی مطلقاً منع کرنا ہے اور شرع میں تصرف قولی کے نفاذ سے منع کرنا ہے نہ کہ تصرف فعلی سے منع کرنا ہے۔ کیونکہ فعل جب واقع ہو جائے تو اس کے بعد اس کو رد کرنا ممکن نہیں ہوتا پس اس سے حجر کا تصور نہیں ہوسکتا۔ میں کہتا ہوں: رقیق اس پر اشکال پیدا کرتا ہے۔

کتاب الحجر کو کتاب الاکراہ کے بعد لائے ہیں کیونکہ ہر ایک میں مختار کی روایت کو اختیار کے موجب کے مطابق جاری ہونے سے ولایت کو سلب کیا جاتا ہے اور اکراہ قول ہے کیونکہ اکراہ میں اس سے ولایت کو سلب کیا جاتا ہے جس کو اختیار صحیح اور ولایت کاملہ حاصل ہوتی ہے۔ پس کتاب الاکراہ مقدم کئے جانے کے زیادہ لائق ہے۔

حجر کی لغوی تعریف

30783۔ (قولہ: هُوَ لُغَةً الْمَنْعُ) یہ جملہ بولا جاتا ہے: حجر علیہ حجرا۔ یہ قتل کے باب سے ہے اسے تصرف سے روک دیا پس وہ محجور علیہ ہے۔ فقہا تخفیف کے لئے صلہ کو حذف کر دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے حطیم کو حجر یعنی حا کے کسرہ کے ساتھ کہتے ہیں۔ کیونکہ اسے کعبہ سے روک دیا گیا ہے اسی طرح عقل کو حجر کہتے ہیں کیونکہ یہ انسان کو قبائح سے روکتا ہے۔

30784۔ (قولہ: مُطْلَقًا) اگرچہ فعل سے روکا جائے یا اس سے روکا جائے جو مطلوب ہو۔ "ط"۔

حجر کی شرعی تعریف اور مراتب

30785۔ (قولہ: وَشَرْعًا مَنْعٌ مِنْ نَفَاذِ تَصَرُّفٍ قَوْلِيٍّ) نفاذ سے مراد اس کا لازم ہونا ہے کیونکہ جس سے [illegible] ہو وہ موقوفاً منعقد ہو جاتا ہے اور نافذ لازم سے اہم ہے "قہستانی"۔ جس میں اکراہ ہو اس کو ہم نے مقدم ذکر کر دیا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے: تصرف کے حکم کے ثبوت سے منع ہے پس یہ قبضہ کے ساتھ ملک کا فائدہ نہیں دے گا۔ اس میں ہے: وہ عقود جو نفع اور ضرر میں دائر ہیں یہ صرف ان کو ہی جامع ہے ساتھ ہی قول بعض اوقات اصلاً لغو ہو جاتا ہے جس طرح بچے کی طلاق ہے۔ بعض اوقات صحیح ہوتا ہے جیسے غلام کی طلاق۔ اس کی تعریف میں مناسب وہ ہے جو "ایضاح" میں اس قول کے ساتھ ہے: فقہا کی اصطلاح میں اس سے مراد شخص مخصوص کو تصرف مخصوص یا اس کے نفاذ سے روکنا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے غلام کو ایسے تصرف جو فعلی ہو اور تکلیف دہ ہو سے اور فی الحال دینے والے مال کے اقرار سے غلام کو روک دینا، صغیر اور مجنون کو

لِمَنْعِ نَفَاذِ فِعْلِهِ فِي الْحَالِ بَلْ بَعْدَ الْعِتْقِ كَمَا صَرَّحَ بِهِ فِي الْبَدَائِعِ

کیونکہ فی الحال اس کے فعل کا نفاذ ممنوع ہوتا ہے بلکہ آزادی کے بعد اس کا فعل نافذ ہوتا ہے جس طرح ''البدائع'' میں اس کی تصریح کی ہے

تصرف قولی سے روک دینا اگر وہ محض ضرر ہو اور اس کے نفاذ کے وصف سے روک دینا اگر وہ ضرر اور نفع میں دائر ہو۔

اس کے حاشیہ میں لکھا ہے: حجر کے کئی مراتب ہیں۔ (1) اقوی: یہ اصل تصرف سے روکنا ہے۔ (2) متوسط: یہ اس کے وصف سے اسے روکنا ہے وہ نفاذ ہے۔ (3) ضعیف: یہ اس کے وصف سے روکنا ہے وہ اس کا فی الحال نافذ ہونا ہے۔

تعریف میں فعل سے منع کرنے کو داخل کیا ہے جس طرح تو دیکھ رہا ہے۔ اس میں بچے اور مجنون کے حق میں زنا اور قتل وغیرہ داخل ہے۔ دونوں پر اس کے حکم کی طرف سے نسبت کے اعتبار سے مجور ہے وہ حد اور قصاص ہے جس طرح ''جوہرہ'' میں ہے۔ میرے لئے یہ امر ظاہر ہوا کہ یہ تحقیق ہے۔ کیونکہ اگر حجر تصرف کے حکم کے ثبوت سے منع کرنا ہے تو اسے قولی کے ساتھ مقید کرنے اور فعلی سے نفی کی کوئی وجہ نہیں۔ حالانکہ ہر ایک کا حکم ہے؟ اس سے وہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے جو شارح نے اس کی اصل میں اشکال کا ذکر کیا ہے۔ مگر اس کی جواپنے قول: لان الفعل بعد وقوعه لا یمکن ردہ سے علت بیان کی ہے۔

ہم کہتے ہیں: کلام اس کے حکم کے ممنوع ہونے میں ہے اس کی ذات کے ممنوع ہونے میں نہیں۔ اسی کی مثل قول ہے جس کے وقوع کے بعد اس کی ذات کا رد کرنا ممکن نہیں ہوتا بلکہ اس کے حکم کو ادا کرنا ممکن ہوتا ہے۔

اگر تو کہے: قولی کی قید لگائی ہے کیونکہ تمام تر افعال سے حجر نہیں ہوتا کیونکہ افعال میں سے جو ضمان کو واجب کرتے ہیں ان کا مواخذہ کیا جاتا ہے میں کہتا ہوں: اسی طرح قول ہے جس میں سے بعض غیر مجور ہوتے ہیں جیسے جو محض نفع ہوتے ہیں جیسے ہبہ، ہدیہ اور صدقہ کا قبول کرنا مگر قلت اور کثرت کے ساتھ فرق کیا جائے۔ ''فلیتامل''

30786۔ (قولہ: لِمَنْعِ نَفَاذِ فِعْلِهِ فِي الْحَالِ) جیسے وہ اموال کو ہلاک کر دے۔ کیونکہ فی الحال اس پر نفاذ کا ممنوع ہونا صادق آتا ہے ساتھ ہی یہ فعل ہے قول نہیں اور آخر کار اس کا نافذ ہونا یہ فی الحال منع کے پائے جانے کے منافی نہیں۔ ورنہ یہ لازم آئے گا کہ ہمارا قول ''آقا کے حق میں مثلاً اقرار سے وہ مجور ہے'' صحیح نہ ہوگا۔ فافہم۔ یہ وصف کے وصف سے منع میں سے ہے جس طرح ہم نے اسے پہلے بیان کر دیا ہے۔

30787۔ (قولہ: بَلْ بَعْدَ الْعِتْقِ الخ) یعنی بلکہ آزادی کے بعد نافذ ہوگا۔ کیونکہ اس میں توقف مولی کے حق کی وجہ سے تھا جبکہ وہ زائل ہو چکا ہے۔

پھر یہ جان لو کہ جس سے توقف کیا جاتا ہے وہ اس کا مال کے بارے میں اقرار ہے جس طرح آگے آئے گا۔ اسی طرح اس کا مہر کا مطالبہ ہے اگر اس نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر عقد نکاح کیا ہو اور بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کر دیئے ہیں جس طرح ''زیلعی'' نے باب نکاح الرقیق میں ذکر کیا ہے۔ گویا جب یہ عورت کی رضامندی سے ہوا تو وہ مہر کے موخر کرنے پر

اللّٰهُمَّ إِلَّا أَنْ يُقَالَ الْأَصْلُ فِيهِ ذٰلِكَ لٰكِنَّهُ أُخِّرَ لِعِتْقِهِ لِقِيَامِ الْمَانِعِ فَتَأَمَّلْ (وَسَبَبُهُ صِغَرٌ وَجُنُونٌ)
مگر یہ کہا جائے: اس میں اصل یہی ہے لیکن اسے اس کی آزادی تک موخر کر دیا ہے کیونکہ مانع موجود ہے۔ فتامل۔ حجر کا سبب صغرسنی اور جنون ہے

راضی تھی۔ مگر جس کا ذکر ''البدائع'' سے ابن کمال کی تبع میں کیا ہے اگر وہ غیر کا مال تلف کر دے تو فی الحال اس کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ ''التبیین'' اور ''الدرر'' کا متبادر معنی یہی ہے۔ اس کے وہ قول مخالف ہے جسے مصنف نے ''ابن ملک'' سے نقل کیا ہے کہ اس نے جو جان بوجھ کر ہلاک کیا ہے فی الحال اس سے اس بارے میں مواخذہ ہوگا۔ عبد ماذون کے بارے میں اسی کی مثل ''عمادیہ'' میں آئے گا۔ ''رملی'' نے کہا: ''النہایۂ''، ''جوہرۃ''، ''بزازیہ''، ''خلاصہ'' اور ''ولوالجیہ'' میں اسی کی مثل ہے۔ پھر کہا: حاصل کلام یہ ہے کہ اس مسئلہ میں مشہور روایت یہی ہے کہ فی الحال اس سے ضمانت لی جائے گی اس غلام کو بیچا جائے گا یا آقا اس کا فدیہ دے گا ملخص۔ اسی کی مثل ''حامدیہ'' میں ''سراج'' سے منقول ہے۔ پھر کہا: ''تاتر خانیہ'' کے کتاب الکفالہ سے مروی ہے: اگر اس غلام کی کمائی ہو تو وہ اپنی کمائی میں سے اسے ادا کرے ورنہ جو مال اس نے جان بوجھ کر ہلاک کیا ہے اس کے دین میں اس کی گردن کو بیچ دیا جائے مگر آقا اس کو ادا کر دے۔ ''القنیہ'' میں باب امر الغیر بالجنایۃ' بکر خواہر زادہ'' کی رمز ذکر کرتے ہوئے کہا: ایک مجور غلام ہے جس نے مال پر جنایت کی آقا نے اس کی جنایت کا علم ہونے کے بعد اسے بیچ دیا پس یہ غلام کے ذمہ ہے جس میں اسے اس آدمی پر بیچا جائے گا جس نے اس کو خریدا تھا۔ ذات پر جنایت کا معاملہ مختلف ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں کنایات میں سے نمبر نو میں ہے: انہوں نے آدمی پر جنایت اور مال پر جنایت میں فرق کیا ہے پہلی صورت میں آقا کو غلام دینے اور فدیہ میں اختیار دیا گیا ہے اور دوسری صورت میں غلام دینے اور اس کو بیچنے میں اختیار دیا گیا ہے۔

30788۔ (قولہ: اللّٰهُمَّ إِلَّا أَنْ يُقَالَ) یہ کلام اشکال کے جواب میں ہے۔ یہ صیغہ ایسے جواب کے شروع میں لایا جاتا ہے جس میں ضعف ہے گویا اللہ تعالیٰ سے اس کی صحت کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

30789۔ (قولہ: الْأَصْلُ فِيهِ ذٰلِكَ) اس کے فعل میں اصل یہ ہے کہ فی الحال نافذ ہو کیونکہ آگے آئے گا کہ رق حقیقت میں حجر کا سبب نہیں۔

30790۔ (قولہ: لٰكِنَّهُ) یعنی نفاذ کو اس کی آزادی کے وقت تک یا آزادی تک موخر کیا کیونکہ مانع موجود ہے۔ یہاں مانع مولیٰ کا حق ہے۔

حجر کا سبب

30791۔ (قولہ: وَسَبَبُهُ صِغَرٌ وَجُنُونٌ) یہ جان لو اللہ تعالیٰ نے بعض افراد کو دانش مند بنایا اور ان میں سے بعض کو دین کے اعلام، ہدایت کے ائمہ اور تاریکیوں کے مصابیح بنایا اور بعض کو ہلاکت کے اسباب میں سے جس کے ساتھ چاہا آزمایا جیسے جنون جو عدم عقل کا نتیجہ ہے اور بچپنے اور عتہ جو اس کے نقصان کا موجب ہے۔ پس ان دونوں کے تصرف کو غیر نافذ قرار دیا گیا۔

يَعُمُّ الْقَوِيَّ وَالضَّعِيفَ كَمَا فِي الْمَعْتُوهِ وَحُكْمُهُ كَمُمَيِّزٍ كَمَا سَيَجِيءُ فِي الْمَأْذُونِ (وَرِقٌّ فَلَا يَصِحُّ طَلَاقُ صَبِيٍّ وَمَجْنُونٍ مَغْلُوبٍ) أَيْ لَا يُفِيقُ بِحَالٍ

جو قوی اور ضعیف کو عام ہے جس طرح معتوہ میں ہوتا ہے۔ اس کا حکم ممیز کے حکم کی طرح ہے جس طرح عبد ماذون میں آئے گا۔ اور اس کا سبب غلام ہے۔ پس بچے اور مغلوب مجنون کی طلاق صحیح نہ ہوگی۔ مجنون مغلوب وہ ہوتا ہے جسے کسی حال افاقہ نہ ہو

کیونکہ ان دونوں پر حجر کیا گیا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو دونوں کا معاملہ ان دونوں پر ضرر ہوتا اور جو آدمی ان دونوں کے ساتھ معاملہ کرے وہ کامل حیلہ کے ساتھ ان کے مال کو ہی لے جائے۔ جو آدمی ان دونوں کے مال میں منافع کا خیال رکھتا ہے اسے خاص بنایا جیسے باپ اور اسے عام بنایا جیسے قاضی اور اس پر یہ واجب کیا کہ وہ دونوں کے منافع کا خیال رکھے اور بچپنے اور جنون کو ان دونوں پر حجر کا سبب بنایا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے رحمت اور لطف بنایا غلامی حقیقت میں حجر کا سبب نہیں۔ کیونکہ وہ مکلف، محتاج اور کامل رائے والا ہے جیسے آزاد ہے مگر وہ اور جو اس کے قبضہ میں ہے وہ آقا کی ملکیت ہے پس اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ آقا کے حق کی وجہ سے تصرف کرے انسان کو جب غیر کی ملکیت میں تصرف سے روک دیا جائے تو وہ مجور نہیں جیسے آزاد ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ مجور علیہ ہے۔ ساتھ ہی اسے غیر کی ملکیت میں تصرف سے روک دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے غلام کا اس کے اقرار کی وجہ سے آزادی کے بعد مواخذہ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مانع زائل ہو چکا ہوتا ہے۔ وہ آقا کا حق ہے۔ کیونکہ وہ فی الحال نافذ نہیں ہوتا اور اسے آزادی کے بعد تک موخر کر دیا جاتا ہے اسے ان لوگوں میں سے بنا دیا جن پر حجر کیا گیا ہے۔ ''زیلعی''۔

30792۔ (قولہ: يَعُمُّ الْقَوِيَّ وَالضَّعِيفَ) حجر کے سبب کی طرف اشارہ کیا ہے حجر مطلق جنون ہے جس طرح ''ایضاح'' میں ہے۔ قوی سے مطبق کا ارادہ کیا ہے اور ضعیف سے اس کے غیر کا ارادہ کیا ہے یا قوی سے دونوں قسمیں مراد لی ہیں اور ضعیف سے عقد مراد لیا ہے۔ ان کا قول کما فی المعتوہ میں کاف پہلے پر تنظیر اور دوسرے پر تمثیل کے لئے ہے۔ معتوہ کی تفسیر میں علماء نے اختلاف کیا ہے اس کے بارے میں سب کی بہترین تفسیر ہے جو کہا گیا ہے جو قلیل الفہم ہو جس کی کلام میں اختلاط ہو اور تدبیر میں فاسد ہو مگر وہ نہ مارتا ہے اور نہ ہی گالیاں دیتا ہے جس طرح مجنون کرتا ہے۔ ''درر''۔

حجر کا حکم

30793۔ (قولہ: حُكْمُهُ كَمُمَيِّزٍ) یعنی معتوہ کا حکم اس بچے جیسا ہے جو اپنے تصرفات میں سمجھ بوجھ رکھتا ہو اور اپنی ذات سے تکلیف کو دور کرنے میں دانشمند بچے کی طرح ہو۔ ''زیلعی''۔

30794۔ (قولہ: فَلَا يَصِحُّ طَلَاقُ صَبِيٍّ) کسی صورت میں بھی اس کی طلاق صحیح نہیں اگرچہ وہ سمجھ بوجھ رکھتا ہو۔

30795۔ (قولہ: وَمَجْنُونٍ مَغْلُوبٍ الخ) بعض اوقات اس قید کو ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے مراد عقل پر غلبہ ہوتا ہے۔ پس اس کے ساتھ معتوہ سے احتراز کیا جاتا ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں واقع ہے۔ کیونکہ کہا: مجنون مغلوب کا تصرف کسی حال میں جائز نہیں۔ بعض اوقات اس سے وہ مراد ہوتا ہے جو جنون کی وجہ سے مغلوب ہو۔ اس حیثیت میں کہ اسے افاقہ نہیں

وَأَمَّا الَّذِي يُجَنُّ وَيُفِيقُ فَحُكْمُهُ كَمُمَيِّزٍ نِهَايَةٌ
مگر جسے جنون لاحق ہوتا ہے اور اسے افاقہ ہوتا ہے تو اس کا حکم غیر کی طرح ہوتا ہے،''نہایہ''۔

ہوتا یعنی اسے جو جنون لاحق ہے اس سے زائل نہیں ہوتا وہ جنون قوی ہو یا ضعیف ہو۔ پس اس میں معتوہ داخل ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ اس سے احتراز کیا جس کو جنون ہوتا ہے اور اسے افاقہ ہوتا ہے۔ پس اس کا تصرف کرنا جائز ہوتا ہے جس طرح کہ آگے آئے گا۔ پس جس نے اس کے ساتھ معتوہ سے احتراز کیا تو اس سے اپنے گمان کی وجہ سے یہ وہم کیا کہ دونوں کلاموں میں مراد ایک ہے ساتھ ہی معتوہ کی طلاق بھی صحیح نہیں ہوتی۔''ابن کمال'' نے اسی طرح بیان کیا ہے اور شارح نے اس کی پیروی کی ہے۔

30796۔ (قولہ: وَأَمَّا الَّذِي يُجَنُّ وَيُفِيقُ فَحُكْمُهُ كَمُمَيِّزٍ) اسی کی مثل ''المنح''، ''الدرر'' اور ''غایۃ البیان'' میں ہے۔''المعراج'' میں اسی طرح ہے۔ کیونکہ انہوں نے مغلوب کی تفسیر اس سے کی ہے جو اصلاً سمجھ بوجھ نہیں رکھتا پھر کہا: اس قول سے اس مجنون سے احتراز کیا ہے جو بیع کی سمجھ بوجھ رکھتا ہے اور اس کا قصد کرتا ہے۔ بے شک اس کا تصرف اس دانشمند بچے کی طرح ہوتا ہے جس طرح آگے آئے گا۔ پس اس کا عقد ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا یہی معتوہ ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔''الکفایہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔''زیلعی'' نے اسے حالت افاقہ میں دانشمند کی طرح قرار دیا ہے۔ اس سے متبادر معنی یہ سمجھ آتا ہے کہ وہ عاقل بالغ کی طرح ہے۔''شرنبلالی'' نے اس کے ساتھ ''الدرر'' پر اعتراض کیا ہے پس اس کے تصرفات موقوف نہ ہوں گے۔''رحمتی'' اور ''سائحانی'' نے دونوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ جو یہاں ہے اسے اس پر محمول کیا ہے جس افاقہ کی حالت میں تام عقل والا نہ ہو اور ''زیلعی'' نے جو ذکر کیا ہے اسے اس پر محمول کیا ہے جب وہ تام العقل ہو۔''شلبی'' نے ''حاشیۃ الزیلعی'' میں یوں تطبیق دی ہے کہ جو یہاں ہے اسے اس پر محمول کیا ہے جب اس کے افاقہ کا وقت معلوم نہ ہو۔ اور جو ''شرح الزیلعی'' میں ہے اسے اس پر محمول کیا ہے جب اس کے افاقہ کا وقت معلوم ہو کیونکہ پہلی قسم میں اس کا حجر متحقق نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں: جو چیز اس اشکال کے عقدہ کو حل کرتی ہے وہ وہ ہے جسے ہم نے پہلے ''ابن کمال'' سے نقل کیا ہے۔ کیونکہ اگر مغلوب سے مراد یہ ہے جس کا عقل مغلوب ہو یعنی جو اصلاً عقل نہیں رکھتا اور جسے جنون لاحق ہوتا ہے اور اسے افاقہ ہوتا ہے اس سے مراد ناقص العقل ہے اور وہی معتوہ ہے جس طرح صاحب ''الکفایہ'' وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ کیونکہ کہا: وہ مجنون جسے جنون لاحق ہوتا ہے اور اسے افاقہ ہوتا ہے وہی ایسا معتوہ ہے جو غیر کا وکیل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ بعض اوقات بیع کی سمجھ بوجھ رکھتا ہے اور اس کا قصد کرتا ہے اگرچہ وہ مصلحت کو مفسدہ پر ترجیح نہیں دیتا۔ اس تعبیر کی بنا پر افاقہ کا معنی یہ ہے کہ وہ بعض اشیاء کی سمجھ بوجھ رکھتا ہے بعض کی سمجھ بوجھ نہیں رکھتا۔ اور معتوہ اپنے تصرفات میں ممیز کی طرح ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اسی وجہ سے ''ہدایہ'' کے شارحین نے اسے اس کی مثل قرار دیا ہے۔ اگر اس سے مراد وہ ہے جسے اس کے کامل جنون یا ناقص جنون سے افاقہ نہیں ہوتا پس اس کے ساتھ اس سے احتراز کیا ہے جسے کبھی کبھی افاقہ ہو جاتا ہے یعنی اس سے وہ عارضہ کلی طور پر زائل ہو جاتا ہے جو اسے لاحق ہے۔ یہ اس حالت میں عاقل بالغ کی طرح ہوگا۔ یہ ''زیلعی'' کے کلام کا محمل

(وَ) لَا (إِعْتَاقُهُمَا وَإِقْرَارُهُمَا) نَظَرًا لَهُمَا (وَصَحَّ طَلَاقُ عَبْدٍ وَإِقْرَارُهُ فِي حَقِّ نَفْسِهِ فَقَطْ) لَا سَيِّدِهِ (فَلَوْ أَقَرَّ بِمَالٍ

اوران دونوں کا نہ اعتاق اور نہ ہی ان دونوں کا اقرار صحیح ہوگا یہ ان دونوں کے منافع کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے اور غلام کی طلاق صحیح ہے اور صرف اپنے نفس کے حق میں اس کا اقرار صحیح ہے اس کے آقا کے حق میں اس کا اقرار صحیح نہیں۔ اگر وہ مال کا اقرار کرے۔

ہے۔ اشتباہ کا منشا دونوں کلاموں میں تفرقہ کا نہ ہونا ہے۔ پس اس تحقیق کو غنیمت جانو۔ و باللہ التوفیق۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ شارح کو یہ کہنا چاہئے: پس اس کا حکم عاقل کی طرح ہے یعنی اپنے افاقہ کی حالت میں عاقل کی طرح ہے جس طرح ''زیلعی'' نے کہا ہے تا کہ مغلوب کی قید کا کچھ فائدہ ہو کیونکہ جب غیر مغلوب ممیز کی طرح ہے تو اس کی طلاق صحیح ہوگی اور نہ ہی اس کا اعتاق صحیح ہوگا جیسے مغلوب ہے مگر جسے ''نہایہ'' سے نقل کیا ہے تو وہ ''ہدایہ'' کی عبارت کے موافق ہے۔ کیونکہ اس میں بعض تصرفات کو ذکر کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا۔

حاصل کلام یہ ہے: یہ متعین ہو جائے گا کہ ''ہدایہ'' کی عبارت میں مغلوب کے ساتھ معتوہ سے احتراز کیا جائے اور مصنف کی عبارت میں اس سے احتراز کیا جائے جو عارضہ اسے لاحق ہے وہ کلی طور پر اس سے زائل ہو جائے۔ فتدبر

30797۔ (قولہ: وَإِقْرَارُهُمَا) یعنی مغلوب اور بچے کا اقرار۔ صبی سے مراد محجور ہے اگر وہ بچہ ماذون ہو تو اس کا اقرار صحیح ہوگا جیسے معتوہ اور عبد ماذون کا اقرار ہے جس طرح کتاب الماذون کے آخر میں آئے گا۔

30798۔ (قولہ: نَظَرًا لَهُمَا) یہ ان کے قول لا یصح کی علت ہے۔

غلام کی طلاق اور صرف اپنے نفس کے حق میں اقرار صحیح ہے

30799۔ (قولہ: وَصَحَّ طَلَاقُ عَبْدٍ) کیونکہ وہ اس کا اہل ہے اور اس میں مصلحت کی وجہ معروف ہے۔ اس میں مولیٰ کی ملک کا ابطال نہیں اور نہ ہی اس کے منافع کی تفویت کا معاملہ ہے۔ ''درر''۔

30800۔ (قولہ: فِي حَقِّ نَفْسِهِ) ایک قول یہ کیا گیا ہے واجب اس کو ساقط کرنا ہے تا کہ آنے والی تفصیل صحت اقرار کے اجمال کا بیان ہو جائے۔ ''تامل''

30801۔ (قولہ: لَا سَيِّدِهِ) نہ کہ آقا کے حق میں اس کا اقرار صحیح ہوگا۔ یہ آقا کی جانب سے رعایت کی گئی ہے۔ کیونکہ غلام کے اقرار کا نفاذ اس امر سے خالی نہیں کہ دین اس کی رقبہ یا اس کے کسب سے متعلق ہو اور دونوں آقا کے مال کا اتلاف ہیں۔ ''درر''۔

30802۔ (قولہ: فَلَوْ أَقَرَّ) اگر عبد محجور اقرار کرے کیونکہ گفتگو اسی غلام کے متعلق ہو رہی ہے چھوٹے آزاد کے اقرار کے صحیح نہ ہونے سے چھوٹے غلام کے اقرار کا صحیح نہ ہونا بدرجہ اولیٰ معلوم ہو جاتا ہے۔

أُخِّرَ إِلَى عِتْقِهِ) لَوْ لِغَيْرِ مَوْلَاهُ وَلَوْ لَهُ هَدَرٌ (وَبِحَدٍّ وَقَوَدٍ أُقِيمَ فِي الْحَالِ) لِبَقَائِهِ عَلَى أَصْلِ الْحُرِّيَّةِ فِي حَقِّهِمَا (وَمَنْ عَقَدَ) عَقْدًا يَدُورُ بَيْنَ نَفْعٍ وَضَرٍّ كَمَا سَيَجِيءُ فِي الْمَأْذُونِ

تو اسے اس کی آزادی تک مؤخر کر دیا جائے گا اگر یہ اقرار اس کے آقا کے علاوہ کے لئے ہو۔ اگر اس کے آقا کے لئے ہو تو وہ اقرار ہدر ہوگا۔ اگر حد اور قصاص کا اقرار کرے تو اسے فی الحال نافذ کیا جائے گا کیونکہ وہ ان دونوں کے حق میں اصل حریت پر باقی رہتا ہے۔ ان مجور افراد میں سے جو کوئی ایسا عقد کرے جو نفع اور ضرر کے درمیان دائر ہو جس طرح ماذون میں آئے گا

30803۔ (قولہ: أُخِّرَ إِلَى عِتْقِهِ) کیونکہ اس وقت اہلیت پائی جا رہی ہے اور مانع اٹھ گیا ہے۔

30804۔ (قولہ: هَدَرٌ) یعنی اس کی آزادی کے بعد اسے کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آقا اپنے غلام پر مال لازم نہیں کر سکتا۔ ''درر''۔

30805۔ (قولہ: وَبِحَدٍّ وَقَوَدٍ) یعنی ایسی چیز کا اقرار کرتا ہے جو ان دونوں چیزوں میں سے ایک کو واجب کرتا ہے۔ واو یہاں او کے معنی میں ہے۔ اسی وجہ سے اقیم میں ضمیر کو مفرد ذکر کیا ہے۔

30806۔ (قولہ: أُقِيمَ فِي الْحَالِ) آقا کا حاضر ہونا شرط نہیں۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ اقرار کرے مگر جب اس پر گواہیاں قائم کی جائیں تو ہمارے نزدیک آقا کا حاضر ہونا شرط ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: شرط نہیں: ''جوہرہ'' اس میں ہے: اس نے ایک آدمی کو جان بوجھ کر قتل کیا اور قصاص واجب ہو گیا آقا نے اسے آزاد کر دیا تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ اگر مقتول کے دو ولی ہوں ان دونوں میں سے ایک اسے معاف کر دے تو اس کا حق باطل ہو جائے گا اور دوسرے کا حصہ مال بن جائے گا اور اسے حق حاصل ہوگا کہ غلام سے اس کی قیمت کے نصف میں سعایت کروائے اور آقا پر کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ آزادی کے بعد مال بنا ہے اور نصف قیمت واجب ہوگی کیونکہ اصل جنایت رق کی حالت میں تھی اگر اس نے قتل خطا کا اقرار کیا تو آقا پر کوئی شے لازم نہ ہوگی اور وہ غلام کے ذمہ میں ہوگی جسے اس کی آزادی کے بعد لیا جائے گا۔ ''خجندی'' میں اسی طرح ہے۔ ''کرخی'' میں ہے: غلام کا جنایت خطا کا اقرار جبکہ وہ ماذون یا مجور ہو باطل ہے۔ اگر اسے آزاد کر دیا جائے تو جنایت میں سے کسی شے کے بارے میں اس کا پیچھا نہیں کیا جائے گا۔ اس کی مکمل وضاحت کتاب الجنایات میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

30807۔ (قولہ: فِي حَقِّهِمَا) یعنی حد اور قصاص۔ کیونکہ یہ دونوں آدمی کے خواص میں سے ہے اور وہ آدمی کی حیثیت سے مملوک نہیں اگرچہ وہ مال ہونے کی حیثیت سے مملوک ہے۔ اسی وجہ سے آقا کا اس کے خلاف ان دونوں چیزوں کا اقرار صحیح نہیں جب وہ دونوں میں اصل حریت پر باقی رہے گا تو اس کا اقرار نافذ ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس چیز کا اقرار کیا ہے جو اس کا حق ہے اور مولیٰ کے حق کا بطلان ضمنی ہے۔ ''کفایہ''۔

30808۔ (قولہ: يَدُورُ بَيْنَ نَفْعٍ وَضَرٍّ) جہاں تک محض نفع کا تعلق ہے تو وہ عقد صحیح ہوگا جس طرح اس کا ہبہ اور

(مِنْهُمْ) مِنْ هٰؤُلَاءِ الْمَحْجُورِينَ (وَهُوَ يَعْقِلُهُ) يَعْرِفُ أَنَّ الْبَيْعَ سَالِبٌ لِلْمِلْكِ وَالشِّرَاءَ جَالِبٌ (أَجَازَ وَلِيُّهُ، أَوْ رَدَّ) وَإِنْ لَمْ يَعْقِلْهُ فَبَاطِلٌ نِهَايَةٌ (وَإِنْ أَتْلَفُوا) أَيْ هٰؤُلَاءِ الْمَحْجُورِينَ سَوَاءٌ عَقَلُوا أَوْ لَا دُرَرٌ (شَيْئًا) مُقَوَّمًا مِنْ مَالٍ أَوْ نَفْسٍ (ضَمِنُوا) إِذْ لَا حَجْرَ فِي الْفِعْلِيِّ

جبکہ وہ اس کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو یعنی یہ پہچانتا ہو کہ بیع ملکیت کو سلب کرنے والی ہے اور شرا اسے کھینچنے والی ہے اس کا ولی اس کو جائز قرار دے دے یا اس کو رد کر دے اگر وہ اس کی سمجھ بوجھ نہ رکھتا ہو تو عقد باطل ہوگا ''نہایہ''۔ اگر یہ مجور افراد کسی شے کو تلف کر دیں خواہ اس کی سمجھ رکھتے ہوں یا سمجھ نہ رکھتے ہوں ''درر''۔ وہ شے ایسی ہو جس کی قدر و قیمت ہو وہ مال ہو یا نفس ہو تو یہ اس کے ضامن ہوں گے۔ کیونکہ فعلی میں کوئی حجر نہیں

صدقہ قبول کر لینا۔ اسی طرح جب وہ اپنے آپ کو اجرت پر دے اور اسی عمل پر گامزن رہے تو استحسانا اجرت ثابت ہوگی اور عبد مجور کی جانب سے آقا کی اجازت کے بغیر بدل خلع کا قبول کرنا صحیح ہے۔ کیونکہ یہ محض نفع ہے بچے کی عبارت یعنی قول غیر کے مال، اس کی طلاق اور اس کی آزادی میں صحیح ہے جب وہ وکیل ہو۔ ''جوہرہ''۔

30809۔ (قولہ: مِنْ هٰؤُلَاءِ الْمَحْجُورِينَ) مراد بچہ اور غلام ہے پس جمع کے لفظ کا اطلاق دو پر ہوگا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَإِنْ كَانَ لَهٗٓ إِخْوَةٌ (النساء: 11) مراد یہاں دو بھائی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد غلام، بچہ اور ایسا مجنون ہے جسے افاقہ ہوتا ہے۔ ''جوہرہ''۔

30810۔ (قولہ: يَعْرِفُ أَنَّ الْبَيْعَ سَالِبٌ الخ) ماذون میں ایک اور قید آئے گی۔ ''جوہرہ'' میں یہ اضافہ کیا ہے: اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ثمن اور مثمن ایک ملکیت میں جمع نہیں ہو سکتے۔ ''شاہان'' میں کہا ہے: اس کے غیر عاقل ہونے کی علامت یہ ہے جب حلوائی کو فلوس دے اور مٹھائی لے اور کہنے لگے: مجھے میرے فلوس دو اگر وہ جائے اور فلوس کی واپسی کا مطالبہ نہ کرے تو وہ عاقل ہوگا۔

30811۔ (قولہ: أَجَازَ وَلِيُّهُ) یعنی اگر اس میں غبن فاحش نہ ہو تو ولی اجازت دے دے۔ اگر غبن فاحش ہو تو صحیح نہ ہوگا اگرچہ ولی اس کی اجازت دے دے تھوڑے غبن کا معاملہ مختلف ہے۔ ''جوہرہ''۔ ولی کا بیان کتاب الماذون کے آخر میں آئے گا اور قاضی کا اذن صحیح ہوگا اگرچہ باپ انکار کر دے۔

اگر مجور افراد کوئی چیز تلف کر دیں تو یہ اس کے ضامن ہوں گے

30812۔ (قولہ: أَيْ هٰؤُلَاءِ الْمَحْجُورِينَ) صحیح قول المحجورون ہے۔

30813۔ (قولہ: ضَمِنُوا) اگر ایک دن کا بچہ مثلاً کسی انسان کی بوتل پر کروٹ بدلے اور اسے توڑ دے تو فی الحال اس بچے پر ضمانت لازم ہوگی۔ اسی طرح غلام اور مجنون ہے جب وہ دونوں کسی شے کو تلف کریں تو دونوں پر اس کی ضمان فی الحال لازم ہوگی۔ اسی طرح ''النہایہ'' میں ہے اس کے موافق وہ قول ہے جو کافی میں ہے۔ ''عزمیہ''۔

لَكِنَّ ضَمَانَ الْعَبْدِ بَعْدَ الْعِتْقِ عَلَى مَا مَرَّ وَفِي الْأَشْبَاهِ الصَّبِيُّ الْمَحْجُورُ مُؤَاخَذٌ بِأَفْعَالِهِ فَيَضْمَنُ مَا أَتْلَفَهُ مِنَ الْمَالِ لِلْحَالِ وَإِذَا قَتَلَ فَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ إِلَّا فِي مَسَائِلَ لَوْ أَتْلَفَ مَا اقْتَرَضَهُ

لیکن غلام کی ضمانت آزادی کے بعد ہوگی جیسے گزر چکا ہے۔''الاشباہ'' میں ہے: محجور صبی کا اس کے افعال پر مواخذہ ہوگا پس جس مال کو وہ تلف کرے گا فی الحال اس کو ضمانت دے گا۔ جب وہ قتل کرے تو دیت اس کی عاقلہ پر لازم ہوگی مگر چند مسائل میں ایسا نہیں ہوگا۔ اگر اس نے جو قرض لیا تھا،

30814۔(قولہ: لَكِنَّ ضَمَانَ الْعَبْدِ بَعْدَ الْعِتْقِ) یعنی جب وہ مال تلف کرے۔ جہاں تک نفس کو تلف کرنے کا معاملہ ہے تو اگر وہ نفس پر جنایت کرے تو فی الحال اس سے قصاص لیا جائے گا اس کے باعث جو قصاص کو واجب کرے۔ وہ غلام اس کے حوالے کر دیا جائے گا یا فدیہ دے گا اگر وہ نفس پر ایسی جنایت کرے جو قصاص کو ثابت نہ کرے یا کسی عضو پر عمداً یا خطأً جنایت کرے۔''ح''۔

30815۔(قولہ: عَلَى مَا مَرَّ) یعنی ''بدائع'' سے قول گزر چکا ہے اور تو یہ جان چکا ہے کہ یہ اس کے مخالف ہے جو ''نہایہ'' وغیرھا میں ہے۔ ان دونوں کے درمیان ''طحطاوی'' اور ''سائحانی'' نے تطبیق دی ہے کہ ''بدائع'' میں جو قول ہے اسے اس پر محمول کیا ہے جب یہ اس کے اقرار سے ظاہر ہو۔ کیونکہ ''الغایہ'' میں ہے: جب غصب ظاہر ہو تو فی الحال ضامن ہوگا۔ پس اس میں اسے بیچا جائے گا۔ اگر اس کے اقرار سے ظاہر ہو تو صرف عتق کے ساتھ واجب ہوگا۔ ''فقیہ'' نے اسی طرح کہا ہے۔

30816۔(قولہ: مُؤَاخَذٌ بِأَفْعَالِهِ) یہ خطاب الوضع میں سے ہے یہ احکام کے مکلف بنائے جانے پر موقوف نہیں۔ کیونکہ خطاب کی دو قسمیں ہیں خطاب وضع، خطاب تکلیف جس طرح ''جمع الجوامع'' میں ہے۔

30817۔(قولہ: وَإِذَا قَتَلَ) یعنی صبی محجور کو قتل کر دیا جائے اس میں حجر کی قید لگانا قید احترازی نہیں۔ یہاں تک اگر اسے تجارت کی اجازت ہو تو حکم اسی طرح ہوگا ''الاشباہ'' پر ''ابوسعود'' کے حاشیہ میں ہے۔

30818۔(قولہ: إِلَّا فِي مَسَائِلَ) یہ ان کے قول فیضمن سے مستثنیٰ ہے یعنی وہ ان میں ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ بچہ مالک کی جانب سے مسلط ہے جس طرح ''الاشباہ'' میں اسے بیان کیا ہے۔ لیکن ''ابوسعود'' میں ''القنیہ'' سے مروی ہے: یہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ضمان عقد ہے اور بچے ضمان کے لازم کرنے کا اہل نہیں۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ضمان فعل ہے جبکہ وہ التزام فعل کے اہل میں سے ہے۔''تاتر خانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے بچے کے پاس یا غلام کے پاس مال ودیعت رکھا تو اس نے اسے جان بوجھ کر ہلاک کر دیا تو وہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: غلام آزادی کے بعد ضامن ہوگا اور بچہ حجر کے زوال کے بعد ضامن ہوگا۔''فتامل''۔ ہم کتاب الماذون کے آخر میں اس کے لئے تتمہ ذکر کریں گے۔

30819۔(قولہ: لَوْ أَتْلَفَ مَا اقْتَرَضَهُ) ''ابی حفص'' کے نسخوں میں جواب کو مطلق ذکر کیا ہے اور ''ابی سلیمان'' کے

وَمَا أُودِعَ عِنْدَهُ بِلَا إِذْنِ وَلِيِّهِ وَمَا أُعِيرَ لَهُ وَمَا بِيعَ مِنْهُ بِلَا إِذْنٍ وَيُسْتَثْنَى مِنْ إِيدَاعِهِ مَا إِذَا أُودِعَ صَبِيٌّ مَحْجُورٌ مِثْلَهُ وَهِيَ مِلْكُ غَيْرِهِمَا فَلِلْمَالِكِ تَضْمِينُ الدَّافِعِ وَالْآخِذِ

جو مال اس کے ولی کی اجازت کے بغیر اس کے پاس ودیعت رکھا گیا تھا، جو اس سے چیز عاریۃً لی گئی تھی اور جو چیز اس کے ہاتھ اذن کے بغیر بیچی گئی تھی اس کو تلف کر دے (تو وہ ضامن نہیں ہوگا) اور ودیعت رکھنے سے اس چیز کو مستثنیٰ کیا جائے گا جب کسی جیسا محجور بچہ ودیعت رکھے جبکہ یہ چیز ان دونوں میں سے کسی کی ملکیت نہ ہو تو مالک کو حق حاصل ہوگا کہ مال دینے والے سے اور لینے والے سے ضمانت لے لے۔

سکوں میں ہے: یہ طرفین کا قول ہے اور امام "ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں وہ ضامن ہے جبکہ یہی صحیح ہے۔ "حموی" نے "ذخیرہ" سے نقل کیا ہے۔ تو ہم یہ ہے کہ اختلاف کو نقل کرنے کی تصحیح ہے۔ یہ امام "ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تصحیح نہیں۔ "حامل" "ابو سعود" نے "شرح تنویر الاذہان" سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے: اگر اس نے غیر کا مال تلف کیا جبکہ پہلے اس کے ہاں سے ودیعت نہیں رکھا گیا تھا اسے قرض نہیں دیا گیا تھا تو وہ ضامن ہوگا اس پر اجماع ہے۔

30820۔ (قولہ: وَمَا أُودِعَ عِنْدَهُ) اس قول کے ساتھ اس سے احتراز کیا ہے کہ جب وہ اس مال کو تلف کر دے جو اس کے باپ کے ہاں ودیعت کیا گیا تھا بے شک وہ اس کا ضامن ہوگا۔ اور ودیعت میں ضمانت نہ ہونے کو مطلق ذکر کیا ہے جبکہ یہ غلام اور لونڈی کے علاوہ کے ساتھ مقید ہے۔ مگر جب وہ غلام یا لونڈی ہو اور وہ اسے جان بوجھ کر ہلاک کر دے تو بالاتفاق ضامن ہوگا۔ "حموی" نے "بدائع" سے نقل کیا ہے۔ "حموی" نے کہا: "امام وشنی" کی "احکام الصغار" میں وہ ہے جو اس کے مخالف ہے کیونکہ اس نے کہا: ایک محجور بچہ ہے جس کے پاس غلام ودیعت رکھا تو اس کی عاقلہ پر قیمت ہوگی، اگر وہ جانور ہو وہ اسے [illegible] تو ضامن نہیں ہوگا۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات یوں تطبیق دی جاتی ہے کہ ضمانت بالاجماع عاقلہ پر ہوگی۔ "تامل"۔

30821۔ (قولہ: بِلَا إِذْنِ وَلِيِّهِ) مابعد کلام اس سے مخصوص کرتا ہے۔ اگر ولی نے ودیعت لینے کی اس کو اجازت دی تھی تو وہ بالاتفاق ضامن ہوگا جس طرح "المنح" میں ہے۔ "ابو سعود"۔

30822۔ (قولہ: وَيُسْتَثْنَى مِنْ إِيدَاعِهِ الخ) نیز یہ صورت بھی مستثنیٰ ہوگی جب ودیعت رکھنے والا غلام ہو یہ اس پر مبنی ہے جو "البدائع" میں ہے۔

30823۔ (قولہ: مِثْلَهُ) یعنی محجور ہونے کی نسبت کی صورت میں اودع کا مفعول اول ہوگا اور اس کا دوسرا مفعول محذوف ہوگا۔ جو ودیعۃ ہے۔

30824۔ (قولہ: فَلِلْمَالِكِ تَضْمِينُ الدَّافِعِ وَالْآخِذِ) "جامع الفصولین" میں ہے یہ بچے کے ودیعت رکھنے کے اشکالات میں سے ہے۔ "الاشباہ" میں اس کا جواب دیا ہے اس میں اس کے مالک کی جانب سے تسلیط نہیں پائی گئی جو

(وَلَا يُحْجَرُ حُرٌّ مُكَلَّفٌ بِسَفَهٍ) هُوَ تَبْذِيرُ الْمَالِ وَتَضْيِيعُهُ عَلَى خِلَافِ مُقْتَضَى الشَّرْعِ أَوِ الْعَقْلِ دُرَرٌ وَلَوْ فِي الْخَيْرِ كَأَنْ يَصْرِفَهُ فِي بِنَاءِ الْمَسَاجِدِ وَنَحْوِ ذَلِكَ فَيُحْجَرُ عَلَيْهِ عِنْدَهُمَا

آزاد مکلف پر سفہ کی وجہ سے حجر نہیں کیا جائے گا سفہ سے مراد مال خرچ کرنا اور اسے شرع یا عقل کے مقتضا کے خلاف ضائع کرنا ہے،''درر''۔ اگر چہ وہ بھلائی کے معاملات میں صرف کرے جیسے مساجد وغیرہ کے بنانے میں پس ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک اس پر حجر کیا جائے گا

گزر چکا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا: پہلے کو دینے سے ہی تسلیط تو پائی گئی جس طرح ''حموی'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس اعتراض کو رد کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر مالک اول کو دیتا تو اسے ضمانت لینے کا حق نہ ہوتا جس طرح مستثنیات میں گزر چکا ہے۔

30825۔(قولہ: وَلَا يُحْجَرُ حُرٌّ الخ) بعض نسخوں میں علی حر ہے۔

یہ جان لو کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آزاد، عاقل اور بالغ پر سفہ، قرض، فسق اور غفلت کی وجہ سے حجر کرنا جائز نہیں اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک فسق کے علاوہ میں جائز ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تمام صورتوں میں جائز ہے ''کفایہ''۔ جہاں تک مفتی ماجن اور ان کے دونوں متعلقہ افراد کا تعلق ہے تو یہ حجر اصطلاحی نہیں جس طرح آگے آئے گا جس طرح ''العزمیہ'' میں اس پر متنبہ کیا ہے۔ مصنف اور شارح کا یہاں کلام مجمل ہے۔ ''فتامل''

سفہ کا معنی

30826۔(قولہ: هُوَ تَبْذِيرُ الْمَالِ الخ) ان کے علاوہ جو معاصی ہیں جیسے شراب نوشی اور بدکاری یہ اصطلاحی سفہ سے کچھ تعلق نہیں ''قہستانی''۔ مراد یہ ہے کہ وہ رشید تھا پھر سفیہ بن گیا۔ کیونکہ متن میں آئے گا: اگر وہ رشید ہونے کے علاوہ بالغ ہو گیا تو اس کا مال اس کے سپرد نہیں کیا جائے گا۔

30827۔(قولہ: عَلَى خِلَافِ مُقْتَضَى الشَّرْعِ أَوِ الْعَقْلِ) جیسے فضول خرچی کرنا اور نفقہ میں اسراف کرنا یا وہ ایسے تصرفات میں وہ مال صرف کرے جو کسی غرض کے لئے نہ ہوں یا ایسی غرض کے لئے ہوں جنہیں عقلاً اہل دیانت اسے غرض شمار نہ کرتے ہوں۔ جس طرح مغنی لوگوں اور لہو ولعب کرنے والوں کو مال دینا، اڑنے والے کبوتروں کو مہنگی قیمت سے خریدنا اور تجارات میں غبن کرنا جن میں کوئی تعریف کا پہلو نہ نکلتا ہو تصرفات، نیکی اور احسان میں اصل مسامحات مشروع ہیں مگر اسراف حرام ہے جس طرح کھانے اور پینے میں اسراف حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا (الفرقان: 67) جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف سے کام لیتے ہیں اور نہ ہی بخل کرتے ہیں۔ ''کفایہ''۔

30828۔(قولہ: فَيُحْجَرُ عَلَيْهِ عِنْدَهُمَا) جو کلام آگے آ رہی ہے اس کے ساتھ یہ متدرک ہے ساتھ ہی تفریع صحیح

وَتَمَامُهُ فِي فَوَائِدَ شَتَّى فِي الْأَشْبَاهِ (وَفِسْقٍ وَدَيْنٍ) وَغَفْلَةٍ (بَلْ يُمْنَعُ (مُفْتٍ مَاجِنٌ) يُعَلِّمُ الْحِيَلَ الْبَاطِلَةَ كَتَعْلِيمِ الرِّدَّةِ لِتَبِينَ مِنْ زَوْجِهَا أَوْ لِتُسْقِطَ عَنْهَا الزَّكَاةَ (وَطَبِيبٌ جَاهِلٌ)

اس کی مکمل وضاحت ''الاشباہ'' کے فوائد شتی میں ہے۔ فسق، ادھار اور غفلت کی وجہ سے اس پر حجر نہیں کیا جائے گا بلکہ مفتی ماجن کو روکا جائے گا مفتی ماجن وہ ہے جو لوگوں کو باطل حیلے سکھاتا ہے جیسے مرتد ہونے کی تعلیم دیتا ہے تا کہ وہ اپنے خاوند سے جدا ہو جائے یا اس سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے اور جاہل طبیب

نہیں۔ ''ح''۔

30829۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ الخ) اس سے مراد وہ ہے جسے ہم نے ابھی ''کفایہ'' سے نقل کیا ہے۔

30830۔ (قولہ: وَفِسْقٍ) یعنی مال میں فضول خرچی کے علاوہ فسق کا ارتکاب کرتا ہے۔ کیونکہ فاسق اپنی ذات اور اپنی اولاد پر ہمارے تمام اصحاب کے نزدیک ولایت رکھتا ہے اگرچہ وہ اپنے مال کی حفاظت نہ کرتا ہو۔ ''قہستانی''۔

30831۔ (قولہ: وَدَيْنٍ) اگرچہ اس کا ادھار اس کے مال سے بڑھ جائے اور غرباء قاضی سے اس پر حجر کرنے کا مطالبہ کریں۔

30832۔ (قولہ: وَغَفْلَةٍ) یعنی غفلت کے سبب عاقل پر حجر نہیں کیا جائے گا وہ نہ مفسد ہوتا ہے اور نہ ہی فساد کا قصد کرتا ہے۔ لیکن وہ رائج تصرفات تک ہدایت نہیں پاتا۔ پس وہ اپنے دل کی سلامتی اور اپنی سادگی کی وجہ سے عقود بیع میں دھوکا کھا جاتا ہے۔ ''زیلعی''۔

مفتی ماجن، جاہل طبیب اور مکار مفلس کو تصرف سے منع کیا جائے گا

30833۔ (قولہ: بَلْ يُمْنَعُ) اس قول کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مراد حجر کی حقیقت نہیں یہ شرعی منع ہے جو تصرف کے نفوذ کے مانع ہے۔ کیونکہ مفتی اگر حجر کے بعد فتوی دے اور صحیح فتوی دے تو یہ جائز ہوگا۔ اسی طرح طبیب ہے اگر وہ دواؤں کو بیچے تو بیع نافذ ہوگی۔ پس یہ قول دلالت کرتا ہے کہ مراد منع حسی ہے جس طرح ''الدرر'' میں ''البدائع'' سے مروی ہے۔

مفتی ماجن کی تعریف

30834۔ (قولہ: مَاجِنٌ) جمہرہ میں کہا: مجن الشئی یمجن مجونا۔ جب وہ سخت اور گاڑھی ہو جائے اور ان کے قول رجل ماجن گویا یہ چہرے کی درشتگی اور قلت حیا سے ماخوذ ہے یہ محض عربی نہیں۔ ''ابن کمال''۔

30835۔ (قولہ: كَتَعْلِيمِ الرِّدَّةِ الخ) اور اس مفتی کی طرح جو جہالت سے فتوی دیتا ہے۔ ''شرنبلالیہ'' نے ''الخانیہ'' سے نقل کیا ہے۔

30836۔ (قولہ: وَطَبِيبٌ جَاهِلٌ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایک دوائی پلا دے جب وہ مریضوں پر غالب آ جائے تو وہ اس کا ضرر زائل کرنے پر قادر نہ ہو۔ ''زیلعی''۔

وَمُكَارٍ مُفْلِسٌ وَعِنْدَهُمَا يُحْجَرُ عَلَى الْحُرِّ بِالسَّفَهِ وَالْغَفْلَةِ
اور مفلس مکاری کو روکا جائے گا۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک آزاد آدمی پر سفہ اور غفلت کی وجہ سے حجر کیا جائے گا۔

30837۔(قولہ: وَمُكَارٍ مُفْلِسٌ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اونٹ کرائے پر لیتا ہے اور اس کے اونٹ نہ ہوں اور نہ ہی مال ہو جس کے ساتھ وہ اونٹ خرید سکے جب کوچ کا وقت آ پہنچے تو وہ اپنے آپ کو چھپاتا پھرے۔''جوہرہ''۔ ادیان، ابدان اور اموال کو تباہ کرنے والے ان مفسدوں کو روکنا یہ خاص اور عام کو نقصان پہنچانے سے روکنا ہے۔ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے طریقہ میں سے ہے جس طرح ''قہستانی'' وغیرہ میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان تین کے ساتھ تین اور کو لاحق کیا گیا ہے محتکر، کھانے کے مالک جب وہ بیع میں قیمت کے ساتھ تعدی کریں۔ اگر ذمی کا غلام مسلمان ہو جائے اور وہ اس کو بیچنے سے روک دے تو قاضی اس کو بیچ دے۔

میں کہتا ہوں: امر بالمعروف کا دروازہ اس سے بہت ہی وسیع ہے۔ تامل

ہاں چاہئے کہ مریض کا ذکر کیا جائے کیونکہ اسے اس میں تصرف سے روک دیا گیا ہے جو ایک تہائی سے بڑھ کر ہو۔

تنبیہ

اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ بعض صنائع اور حرفوں کے اہل کا جو رویہ ہے وہ جائز نہیں کہ جو آدمی ان کے حرفوں میں مشغول ہونے کا ارادہ کرتا ہے اس کو روکتے ہیں جبکہ وہ اسے پختہ کرنے والا ہوتا ہے یا اس کے سیکھنے کا ارادہ کرتا ہے۔ پس اس پر حجر کرنا حلال نہیں جس طرح ''حامدیہ'' میں اس پر فتویٰ دیا ہے۔

صاحبین کے نزدیک آزاد آدمی پر سفہ اور غفلت کی وجہ سے حجر کیا جائے

30838۔(قولہ: وَعِنْدَهُمَا يُحْجَرُ عَلَى الْحُرِّ) یعنی عقل اور بالغ پر حجر کیا جاتا ہے۔''جوہرہ'' میں کہا: پھر ان دونوں ائمہ نے باہم اختلاف کیا ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حاکم کے حجر کرنے کے ساتھ ہی اس پر حجر کیا جائے گا اور حجر ختم نہیں ہوگا یہاں تک کہ حاکم اس پر حجر کو ختم کرے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس کا اپنے مال میں فساد برپا کرنا اس پر حجر کر دیتا ہے اور اس میں اس کا اصلاح کرنا اس سے حجر کو ختم کر دیتا ہے۔ ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا جب قاضی کے حجر کرنے سے پہلے اس نے کسی چیز کو بیچا تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بیع جائز ہوگی اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہ ہوگی۔

30839۔(قولہ: بِالسَّفَهِ وَ الْغَفْلَةِ) یعنی سفہ، غفلت اور ادھار کے ساتھ جس طرح آگے آئے گا۔ بعض علما نے غفلت کو فساد کے ساتھ تعبیر کیا ہے ان کے نزدیک اس سے مراد فسق نہیں۔ فافہم۔''الدر المنتقی'' میں کہا: ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک حجر کے صحیح ہونے کے لیے افلاس کی قضا، شرط ہے۔ پھر حجر کا فیصلہ اس پر بطور بنا کے صحیح ہوگا۔ سفہ کی وجہ سے حجر کیا جائے تو شرط نہیں ساتھ ہی یہ تمام اموال کو عام ہوگا۔ جہاں تک ادھار کی وجہ سے قرض کا معاملہ ہے تو یہ صرف موجود مال کے ساتھ خاص ہے یہاں تک کہ وہ مال جو اس کے بعد کمائی سے حاصل ہو اس میں تصرف نافذ ہو جائے گا جس طرح ''قہستانی''

وَ(بِهِ) أَيْ بِقَوْلِهِمَا (يُفْتَى) صِيَانَةً لِمَالِهِ وَعَلَى قَوْلِهِمَا الْمُفْتَى بِهِ (فَيَكُونُ فِي أَحْكَامِهِ

اور''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے تاکہ اس کے مال کی حفاظت کی جائے۔ پس وہ اپنے احکام میں

اور''برجندی'' سے معلوم ہوجاتا ہے۔ فلیحفظ۔

''تاتر خانیہ'' میں ہے: ادھار کی وجہ سے جو حجر ہوتا ہے وہ سفہ کی وجہ سے حجر کے تین وجوہ سے مختلف ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے: سفیہ پر حجر اس سبب کی وجہ سے ہے جو اس میں پایا جارہا ہے وہ اس کا سوء اختیار ہے نہ کہ غرما کے حق کی وجہ سے حجر ہے۔ اس کے برعکس میں معاملہ مختلف ہے۔ اس میں حجر دین کے سبب سے ہوتا ہے پس اس میں قاضی کے فیصلہ کی ضرورت ہوگی۔

2۔ جس پر سفہ کی وجہ سے حجر کیا گیا ہو جب وہ غلام کو آزاد کرے اور اس پر سعایت واجب ہو اور وہ ادا کرے تو حجر کے زائل ہونے کے بعد وہ آقا سے اس کا مطالبہ نہیں کرے گا جو اس نے کما کر دیا تھا۔ جس پر افلاس کی وجہ سے حجر کیا گیا تھا اس کا معاملہ مختلف ہوگا۔

3۔ جس پر دین کی وجہ سے حجر کیا گیا ہو اگر وہ حالت حجر میں اقرار کرے تو حجر کے زوال کے بعد اس کا اقرار نافذ ہوجائے گا۔ اسی طرح حالت حجر میں جو اس کے لئے نیا مال حاصل ہوا اس میں اس کا اقرار نافذ ہوگا۔ اور جس پر سفہ کی وجہ سے حجر کیا گیا تھا اس کا اقرار نہ حالت حجر میں اور نہ ہی اس کے بعد جائز ہوگا اور نہ ہی موجود مال میں اور نہ نئے حاصل ہونے والے مال میں اس کا اقرار جائز ہوگا۔

میں کہتا ہوں: دین کی وجہ سے حجر کے بارے میں جو قضا پر موقوف ہونے کا گزرا ہے اسے زائد کیا جاتا ہے یعنی جو امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق گزرا ہے۔ کیونکہ یہ غرباء کے حق کی وجہ سے حجر ہوتا ہے۔ سفہ کی وجہ سے حجر کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ حجر اس کے اپنے حق کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پس یہ قاضی کی قضا پر موقوف نہیں ہوگا۔ جس طرح اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس قول میں جو گزر چکا ہے۔ ان کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اسے امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ترجیح حاصل ہے۔

30840۔ (قولہ: بِهِ) یعنی''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا۔''قاضی خان'' نے کتاب الحیطان میں اس کی تصریح کی ہے۔ یہ صریح ہے پس یہ التزام سے زیادہ قوی ہے۔ شیخ''قاسم'' نے اپنی تصحیح میں اسی طرح کہا ہے۔ اس کی مراد یہ ہے کہ متون میں جو قول گزرا ہے کہ آزاد پر کوئی حجر نہیں ہوگا وہ التزام کی وجہ سے مصحح ہے اور''قاضی خان'' میں جو تصریح واقع ہے کہ فتویٰ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مطابق ہے یہ تصحیح کی تصریح ہے۔ پس یہی قابل اعتماد ہوگا ہمارے آقا نے اپنے فوائد میں اسی پر فتویٰ دیا ہے۔''منح''۔

''حاشیۃ شیخ صالح'' میں ہے: کثیر معتبر کتب میں تفریع کی ہے کہ فتویٰ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر ہے۔''قہستانی'' میں ''توضیح'' سے مروی ہے: یہی مختار ہے۔''بلخی'' اور''ابوالقاسم'' نے فتویٰ دیا جس طرح''المنح'' میں''الخانیہ'' سے آنے والے قول والقاضی یحبس الحر المدیون سے پہلے ذکر کیا ہے۔

كَصَغِيرٍ ثُمَّ هَذَا الْخِلَافُ فِي تَصَرُّفَاتٍ تَحْتَمِلُ الْفَسْخَ وَيُبْطِلُهَا الْهَزْلُ وَأَمَّا مَا لَا يَحْتَمِلُهُ وَلَا يُبْطِلُهُ الْهَزْلُ فَلَا يُحْجَرُ عَلَيْهِ بِالْإِجْمَاعِ فَلِذَا قَالَ (إِلَّا فِي نِكَاحٍ وَطَلَاقٍ وَعَتَاقٍ وَاسْتِيلَادٍ وَتَدْبِيرٍ

صغیر کی طرح ہوگا۔ پھر یہ اختلاف ان تصرفات میں ہوگا جو فسخ کا احتمال رکھتے ہیں اور ہنسی مذاق ان کو باطل کر دیتا ہے۔ مگر وہ تصرفات جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے اور ہنسی مذاق ان کو باطل نہیں کرتا تو بالاجماع اس پر حجر نہیں کیا جائے گا۔ اسی وجہ سے فرمایا: مگر نکاح، طلاق، عتاق، استیلاد، تدبیر،

30841۔ (قولہ: كَصَغِيرٍ) یعنی ایسا چھوٹا جو سمجھ بوجھ رکھتا ہو۔ اسی کی مثل بالغ معتوہ ہے جس طرح ''حواشی الاشباہ'' میں ہے۔

وہ امور جن میں حجر نہیں

30842۔ (قولہ: إِلَّا فِي نِكَاحٍ وَطَلَاقٍ) اگر وہ مہر معین کرے تو اس کی جانب سے مہر مثل کی مقدار جائز ہوگی اور زیادتی باطل ہو جائے گی۔ اگر وہ اس کو حقوق زوجیت سے قبل طلاق دے دے تو مہر مسمّی کا نصف واجب ہوگا۔ کیونکہ تسمیہ مہر مثل کی مقدار میں صحیح ہے۔ اسی طرح اگر وہ چار عورتوں سے عقد نکاح کرے یا ہر روز ایک عورت سے عقد نکاح کرے پھر اسے طلاق دے دے کیونکہ شادی کرنا اس کی حوائج اصلیہ میں سے ہے۔ ''زیلعی''۔

30843۔ (قولہ: وَعَتَاقٍ) امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ہے کہ غلام پر لازم ہوگا کہ وہ سعایت کرے یہی قول صحیح ہے۔ ''طوری''۔

30844۔ (قولہ: وَاسْتِيلَادٍ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس کی لونڈی بچہ جن دے پس وہ اس بچے کے نسب کا دعویٰ کرے تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ اور وہ لونڈی اس کی ام ولد بن جائے گی اور اس کی موت کی صورت میں اس کے تمام مال سے آزاد ہوگی۔ اور یہ لونڈی سعایت نہیں کرے گی اور نہ ہی اس کا کچھ کسی شے میں سعایت کرے گا۔ کیونکہ بچے کے نسب کا ثبوت اس کا شاہد ہے۔ اگر اس کے ساتھ بچہ نہ ہو اور وہ کہے: یہ میری ام ولد ہے اسے نہ بیچا جائے اس کی موت کی صورت میں اپنی کل قیمت میں مریض کے قائم مقام سعایت کرے گی ''زیلعی''۔ یہ غلام کی حیثیت سے اس کی قیمت کا ایک تہائی ہوگی۔ ''جوہرہ''۔

30845۔ (قولہ: وَتَدْبِيرٍ) وہ آقا کی موت کی صورت میں جبکہ وہ غیر رشید ہو اپنی قیمت میں سعایت کرے گا جبکہ وہ غلام مدبر ہو۔ اور مدبر کی قیمت غلام کی حیثیت سے اس کی قیمت کا دو تہائی ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نصف ہے اس پر فتویٰ ہے۔ ''جوہرہ''۔ لیکن عنقریب آئے گا کہ ایک تہائی سے قریبیوں کے حق میں وصیت کرنا اور ایک تہائی میں سے انہیں مدبر بنانا صحیح ہے۔ ''طوری'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: ہمارے مشائخ نے کہا: یہ سعایت اس صورت میں ہے جب اہل صلاح اس وصیت کو اسراف شمار کرتے ہوں۔ اگر وہ اس کو اسراف نہ شمار کرتے ہوں بلکہ نیکی شمار کرتے ہوں تو وہ اپنی قیمت

وَوُجُوبِ زَكَاةٍ) وَفِطْرَةٍ (وَحَجٍّ وَعِبَادَاتٍ
زکوٰۃ، صدقہ فطر، حج اور عبادات کے وجوب میں،

میں سعایت نہیں کرے گا جب وہ ایک تہائی سے خارج ہو جاتا ہو۔

30846۔ (قولہ: وَوُجُوبِ زَكَاةٍ) قاضی اسے زکوٰۃ کا مال دے گا تا کہ وہ اسے غرباء میں تقسیم کر دے۔ کیونکہ زکوٰۃ عبادت ہے اس میں نیت کا ہونا ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ ایک امین آدمی بھیجے گا کہیں وہ غیر مصرف میں اسے خرچ نہ کر دے۔ ''ہدایہ''۔

30847۔ (قولہ: وَفِطْرَةٍ) اس میں یہ ہے کہ صدقہ فطر صغیر پر واجب ہوگا یہاں تک کہ اگر اس کا ولی اس کا صدقہ فطر نہ دے تو اس کے بالغ ہونے کے بعد اس کی ادائیگی واجب ہوگی جس طرح اس کے عیب میں گزر چکا ہے یہ ان چیزوں میں سے نہیں صغیر جس میں مختلف ہو۔ مگر یہ کہا جائے کہ اس حکم میں مخاطب اس کا ولی ہے۔ ''تامل''۔

30848۔ (قولہ: وَحَجٍّ) کیونکہ یہ فریضہ بندے کی جانب سے عمل کے بغیر اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے سے واجب ہوا ہے بطور استحسان ایک عمرہ سے اسے نہیں روکا جائے گا۔ اور نہ ہی حج قران سے اسے روکا جائے گا۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے علیحدہ سفر سے اسے منع نہیں کیا جائے گا۔ پس دونوں کو جمع کرنے سے اسے نہیں روکا جائے گا۔ کیونکہ عمرہ کے واجب ہونے میں اختلاف ہے اور نفقہ ایک قابل اعتماد کے سپرد کیا جائے گا تا کہ اس کو تلف ہی نہ کر دے اگر وہ وقوف عرفہ سے پہلے جماع کر بیٹھے تو قاضی اسے لوٹنے کا نفقہ دے دے گا اور اس پر کفارہ حجر کے زائل ہونے کے بعد لازم ہوگا۔ اگر وہ عمرہ کو فاسد کر دے تو حجر کے زائل ہونے کے بعد اس کی قضا کرے۔ اس کی مکمل بحث ''جوہرہ'' میں ہے۔ اگر وہ نفلی حج کا احرام باندھے تو اسے اتنا نفقہ دے جتنا نفقہ وہ اسے دیتا ہے جب وہ اپنے گھر میں ہو اور اسے کہا جائے گا: اگر تو چاہے تو پیدل حج کے لئے نکلو۔ مگر قاضی اس کے نفقہ میں گنجائش کر دے اور وہ مجبور کہے: میں اس زائد نفقہ سے کرائے پر کوئی سواری لوں گا اور اسے اپنی ذات پر خرچ کروں گا تو اسے اس عمل سے نہیں روکا جائے گا۔ ''طوری''۔

30849۔ (قولہ: وَعِبَادَاتٍ) یعنی عبادات بدنیہ نہ کہ مالیہ اور نہ جو ان دونوں سے مرکب ہوں۔ ''ابن سبکی'' کی ''شرح المفتاح'' میں ہے: یہ وہ مقام جس میں یہ دعویٰ کیا جائے کہ یہ خاص پر عام کے عطف میں سے ہے تو عام سے مراد اس خاص کے علاوہ سے ہوگا۔ پس یہ مباین چیز کے عطف میں سے ہے۔ کہا: یہی تحقیق ہے۔ ''حموی''۔ ''سعدیہ ابو سعود'' میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ عام مخصوص میں سے ہے یا اس سے مراد خصوص ہے۔ کیا اول باقی میں حقیقت ہے یا دوسرے کی طرح مجاز ہے۔ اس میں اختلاف ہے جسے میں نے ''حاشیۃ المنار'' میں عام کی بحث کے شروع میں اسے بیان کیا ہے۔ اسے ذہن نشین کر لو۔ حج اور عبادات کی استثنا میں نظر ہے۔ کیونکہ وہ صغیر سے بھی صحیح ہو جاتی ہیں مگر یہ کہا جائے مراد وجوب کے طریقہ پر

وَزَوَالِ وِلَايَةِ أَبِيهِ أَوْ جَدِّهِ وَفِي صِحَّةِ إِقْرَارِهِ بِالْعُقُوبَاتِ وَفِي الْإِنْفَاقِ وَفِي صِحَّةِ وَصَايَاهُ بِالْقُرَبِ مِنْ الثُّلُثِ فَهُوَ أَيْ فِي هَذِهِ (كَبَالِغٍ) وَفِي كَفَّارَةٍ كَعَبْدٍ أَشْبَاهٌ وَالْحَاصِلُ

اس کے باپ اور دادا کی ولایت کے زوال میں، اس کے عقوبات کے اقرار کے صحیح ہونے میں، انفاق میں (حجر نہیں ہوگا) اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں وصیت کے حق ہونے میں جو وصیت ایک تہائی میں جاری ہوگی تو وہ ان امور میں بالغ کی طرح ہوگا اور کفارہ میں وہ غلام کی طرح ہوگا۔ ''اشباہ''۔ حاصل کلام یہ ہے:

اس کا صحیح ہونا ہے۔ ''تامل''

30850۔(قولہ: وَزَوَالِ وِلَايَةِ أَبِيهِ أَوْ جَدِّهِ) یعنی اس پر ان دونوں کی ولایت نہ ہونے میں صغیر کا معاملہ مختلف ہے ''حموی''۔ کیونکہ صغیر پر ان دونوں کی ولایت ثابت ہے۔

30851۔(قولہ: وَفِي صِحَّةِ إِقْرَارِهِ بِالْعُقُوبَاتِ) جس طرح ایک آدمی نفس یا نفس سے کم میں اپنی ذات پر قصاص کے وجوب کا اقرار کرے۔ ''حموی''۔

30852۔(قولہ: وَفِي الْإِنْفَاقِ) یعنی اپنی ذات، اپنے بچے، اپنی زوجہ اور اس کے ذی رحم محرم افراد میں سے جس کا نفقہ اس کے مال میں سے واجب ہو۔ ''شرح تنویر الاذہان''۔ بعض نسخوں میں ہے: و فی الایقاف من اوقف۔ لیکن ''الاشباہ'' میں ہے: اس کا وقف باطل ہے۔ اور علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے اگر وہ قاضی کے اذن سے ہو۔ ''بلخی'' نے اس کی تصریح کی ہے۔ ''ابوالقاسم'' نے اسے باطل قرار دیا ہے۔

30853۔(قولہ: وَفِي صِحَّةِ وَصَايَاهُ بِالْقُرَبِ مِنْ الثُّلُثِ) یعنی جب اس کا ایک وارث ہو قیاس یہ ہے کہ اس کی وصیت جائز نہ ہو جس طرح اس کے تبرعات صحیح نہیں ہوتے۔ استحسان کی دلیل یہ ہے: اس پر حجر اس کے منافع کو پیش نظر رکھنے کی وجہ سے ہے تاکہ وہ اپنا مال تلف نہ کردے اور وہ دوسرے لوگوں پر بطور بوجھ باقی رہے۔ یہ اس کی زندگی میں حکم ہے نہ کہ اس کی استغنا کی حالت میں اس کی وفات کے بعد اس کے مال کے ایک تہائی میں نافذ ہوتی ہے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب وہ اہل خیر و صلاح کی وصیتوں کی موافق کرے جیسے وہ حج کی وصیت کرے یا مساکین کے لئے وصیت کرے یا مساجد۔ اوقاف، قناطر اور جسور بنانے کی وصیت کرے مگر جب وہ نیکی کے علاوہ کی وصیت کرے تو ہمارے نزدیک اس کی وصیت نافذ نہیں ہوگی۔ ''طوری''۔

30854۔(قولہ: كَبَالِغٍ) یعنی ایسے بالغ کی طرح ہے جو مجحور نہ ہو ورنہ وہ بالغ تو ہے۔ ''ح''۔

30855۔(قولہ: وَفِي كَفَّارَةٍ كَعَبْدٍ) اگر وہ قسم اٹھادے اور اسے توڑ دے یا وہ ہدی کی یا صدقہ کی نذر مانے یا اپنی بیوی سے ظہار کرے تو اس پر مال لازم نہیں ہوگا وہ اپنی قسم اور دوسری چیزوں کا کفارہ روزے سے ادا کرے گا۔

30856۔(قولہ: وَالْحَاصِلُ الخ) اس قول ثم ہذا الخلاف کے قول کے ساتھ اس سے استغنا حاصل ہو جاتی ہے لیکن اسے اس قول: الا باذن القاضی کی وجہ سے دوبارہ لوٹایا۔ اس کے ساتھ اس کا حصر کیا ہے کیونکہ اس کے باپ اور اس

أَنَّ كُلَّ مَا يَسْتَوِي فِيهِ الْهَزْلُ وَالْجِدُّ يَنْفُذُ مِنَ الْمَحْجُورِ وَمَا لَا فَلَا إِلَّا بِإِذْنِ الْقَاضِي خَانِيَّةٌ (فَإِنْ بَلَغَ الصَّبِيُّ) (غَيْرَ رَشِيدٍ لَمْ يُسَلَّمْ إِلَيْهِ مَالُهُ حَتَّى يَبْلُغَ خَمْسًا وَعِشْرِينَ سَنَةً فَصَحَّ تَصَرُّفُهُ قَبْلَهُ) أَيْ قَبْلَ الْمِقْدَارِ الْمَذْكُورِ مِنَ الْمُدَّةِ (وَبَعْدَهُ يُسَلَّمُ إِلَيْهِ) وُجُوبًا يَعْنِي لَوْ مَنَعَهُ مِنْهُ بَعْدَ طَلَبِهِ ضَمِنَ

یہ وہ امر جس میں ہنسی مذاق اور پختہ ارادہ کے ساتھ عمل کرنا برابر ہوں وہ عمل مجور سے نافذ ہو جائے گا اور جس میں یہ برابر نہ ہوں تو ان میں مجور کا عمل نافذ نہیں ہوگا مگر قاضی کی اجازت سے نافذ ہوگا۔ اگر بچہ بغیر رشد کے بالغ ہو جائے تو اس کا مال اس کے سپرد نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ پچیس سال کی عمر کو پہنچ جائے۔ اس مذکورہ مدت سے پہلے اس کا تصرف صحیح ہوگا اور اس کے بعد وجوبی طور پر اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائیگا یعنی اس کے مطالبہ کے بعد ولی اس کو وہ مال نہ دے تو ولی ضامن ہوگا

کے دادا کی ولایت زائل ہو چکی ہے۔

اگر بچہ بغیر رشد کے بالغ ہو جائے تو اس کا مال اس کے سپرد نہیں کیا جائے گا

30857۔ (قولہ: لَمْ يُسَلَّمْ إِلَيْهِ مَالُهُ الخ) یہ حکم بالا جماع ہے جس طرح ''کفایہ'' میں ہے۔ اختلاف اس کی پچیس سال عمر کے بعد ہے جس طرح آگے آئے گا۔ اگر وہ اسے مال دے دے جبکہ وہ مصلح بچہ ہوا سے تجارت کی اجازت ہو تو وہ مال اس کے ہاتھ میں ضائع ہو جائے تو وہ ضامن نہ ہوگا جس طرح ''المنح'' میں ''الخانیہ'' سے مروی ہے۔ ''حاشیہ ابی سعود'' میں ہے جبکہ ''ولوالجیہ'' کی طرف منسوب ہے: جس طرح اسے مال دیا جائے جبکہ وہ مفسد ہو تو وہ ضامن ہوتا ہے اسی طرح اس کے بالغ ہونے اور اس کے رشد کے ظاہر ہونے سے قبل بھی مال دینے کی صورت میں وہ ضامن ہوگا۔

علامہ ''شلبی'' سے اس عورت کے بارے میں پوچھا گیا جو بالغ ہو جائے اور اس پر کوئی وصی ہو کیا محض بالغ ہونے سے اس کا رشد ثابت ہو جاتا ہے یا گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے؟

انہوں نے جواب دیا: اس عورت کا رشد حجت شرعیہ سے ثابت ہوگا۔ اس کی مثل ''خیریہ'' میں ہے۔ ''شرح البیری'' میں ''البدائع'' سے مروی ہے: اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اس کے مال میں سے کوئی شے اسے دے اور آزمانے کے لئے اسے تجارت کی اجازت دے۔ اگر اس سے رشد محسوس کرے تو باقی ماندہ مال اس کے حوالے کر دے۔

30858۔ (قولہ: حَتَّى يَبْلُغَ خَمْسًا وَعِشْرِينَ سَنَةً) جب اس عمر سے پہلے اس کا رشد مانوس نہ ہو۔

30859۔ (قولہ: فَصَحَّ تَصَرُّفُهُ قَبْلَهُ) زیادہ بہتر یہ ہے کہ واو کے ساتھ اسے تعبیر کیا جائے جس طرح ''کنز'' میں ہے۔ لیکن جب ان کا قول: لم یسلم الیہ منع کے معنی میں ہے۔ کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عاقل بالغ پر حجر نہیں کیا جاتا یہ تادیب کے لئے منع ہے یہ کوئی حجر نہیں تو تفریع صحیح ہوگی۔ ''فافہم''

30860۔ (قولہ: ضَمِنَ) جب وہ اس کے قبضہ میں چیز ہلاک ہو جائے تو ضامن ہوگا۔ کیونکہ وہ منع میں حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔ مگر جب وہ بالغ ہو جائے اور وہ اسے منع کرے تو اس سے قبل کہ اس کا حال منکشف ہو اور اس کی رشد اور

وَقَبْلَ طَلَبِهِ لَا ضَمَانَ كَمَا يُفِيدُهُ كَلَامُ الْمُجْتَبَى وَغَيْرِهِ قَالَهُ شَيْخُنَا (وَإِنْ لَمْ يَكُنْ رَشِيدًا) وَقَالَا لَا يُدْفَعُ حَتَّى يُؤْنَسَ رُشْدُهُ وَلَا يَجُوزُ تَصَرُّفُهُ فِيهِ (وَالرُّشْدُ) الْمَذْكُورُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا (هُوَ كَوْنُهُ مُصْلِحًا فِي مَالِهِ فَقَطْ)

اور مطالبہ سے قبل اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی جس طرح ''المجتبیٰ'' وغیرہ کا کلام اس کا فائدہ دیتا ہے۔ یہ ہی ہمارے شیخ نے کہا ہے اگر چہ وہ رشید نہ ہو۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: اسے مال نہیں دیا جائے گا یہاں تک کہ اس سے رشد مانوس ہو اور اس کا تصرف جائز نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَإِنْ آنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا (النساء: 6) میں مذکور لفظ رشد سے مراد یہ ہے کہ وہ صرف اپنے مال میں اصلاح کی اہلیت رکھتا ہو

صالحیت آزمانے کے ساتھ معلوم ہو پس وہ ہلاک ہو جائے تو ضامن نہیں ہوگا۔ ''شہاب الدین حلبی'' نے اپنے فتاویٰ میں کہا: وصی پر واجب ہے کہ اس کا مال اس کے حوالے نہ کرے مگر آزمانے کے بعد مال اس کے حوالے کرے جب وہ اس وجہ سے مال نہیں دے گا تو یہ واجب کی وجہ سے منع کرنا ہے۔ پس وہ تعدی کرنے والا نہیں ہوگا۔ ''الخانیہ'' میں وہ قول ہے جو اس کی شہادت دیتا ہے۔ ''رملی''۔

30861۔ (قولہ: قَالَهُ شَيْخُنَا) یعنی ''رملی'' نے ''حاشیۃ المنح'' میں کہا ہے۔

30862۔ (قولہ: وَإِنْ لَمْ يَكُنْ رَشِيدًا) کیونکہ وہ اس عمر کو پہنچ چکا ہے کہ اس کے بارے میں تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ دادا ہو جائے اور کیونکہ اس سے مال کو روک لینا یہ ادب سکھانے کے لئے ہے۔ جب وہ اس عمر کو پہنچ جائے تو ادب سیکھنے کی امید ختم ہو جاتی ہے۔ ''زیلعی''۔ ملخص۔

30863۔ (قولہ: وَقَالَا لَا يُدْفَعُ) یعنی اگر چہ وہ بوڑھا ہو جائے۔ تینوں نے یہی کہا ہے۔ ''معراج''۔

30864۔ (قولہ: وَلَا يَجُوزُ تَصَرُّفُهُ فِيهِ) یعنی جب تک قاضی اس کو جائز قرار نہ دے جیسے گزر چکا ہے یہ اختلاف کا ثمرہ ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس ضمان میں بھی ثمرہ ظاہر ہوگا اگر وہ مال اس کے حوالے کرے بعد اس کے کہ وہ اس عمر تک پہنچا ہو جبکہ وہ مفسد ہو مگر ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا نہیں ہے۔

آیۂ مبارکہ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا میں مذکور لفظ رشد کا معنی

30865۔ (قولہ: فَإِنْ آنَسْتُمْ) یعنی تم پہچان لو یا اسے دیکھ لو ''بکری'' نے اسے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ ''ط''۔

30866۔ (قولہ: هُوَ كَوْنُهُ مُصْلِحًا فِي مَالِهِ) یہی وہ معنی ہے جو ''بیری'' میں ''محمد رشید'' سے مروی ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی تعبیر یہ ہے کہ جو حلال ہو اس میں خرچ کرے اور جو حرام ہو اس سے رک جائے اور وہ اپنے مال کو باطل اور معصیت میں خرچ نہ کرے اور اس میں تبذیر اور اسراف سے کام نہ لے۔

30867۔ (قولہ: فَقَطْ) نہ ہی اپنے دین میں ایسا انداز اپنائے امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

وَلَوْ فَاسِقًا قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ (وَالْقَاضِي يَحْبِسُ الْحُرَّ الْمَدْيُونَ لِيَبِيعَ مَالَهُ لِدَيْنِهِ وَقَضَى دَرَاهِمَ دَيْنِهِ مِنْ دَرَاهِمِهِ) يَعْنِي بِلَا أَمْرِهِ، وَكَذَا لَوْ كَانَ دَنَانِيرَ (وَبَاعَ دَنَانِيرَهُ بِدَرَاهِمِ دَيْنِهِ وَبِالْعَكْسِ اسْتِحْسَانًا) لِاتِّحَادِهِمَا فِي الثَّمَنِيَّةِ (لَا يَبِيعُ الْقَاضِي (عَرَضَهُ وَلَا عَقَارَهُ) لِلدَّيْنِ

اگر چہ وہ فاسق ہو یہ حضرت ''ابن عباس'' رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔ قاضی آزاد مدیون کو محبوس کرے گا تا کہ وہ اپنے قرض کے لئے اپنا مال بیچ دے اور اس کے دراہم سے اس کے دین کے دراہم ادا کرے یعنی مدیون کے امر کے بغیر ایسا کرے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ دنانیر ہوں اور قاضی اس کے دنانیر اس کے دین کے دراہم کے عوض بیچے گا اور اس کے برعکس بیچے گا۔ یہ بطور استحسان ہے۔ کیونکہ دراہم دنانیر ثمن ہونے میں متحد ہیں۔ قاضی اس کا سامان اور اس کی جائیداد دین کے لئے نہیں بیچے گا۔

30868۔ (قولہ: وَلَوْ فَاسِقًا) یہ ان کے قول فقط کی تاکید ہے اسے مطلقاً ذکر کیا ہے پس یہ فسق اصلی اور فسق طاری کو شامل ہوگا جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ اپنے مال میں فساد کرنے والا نہ ہو۔

30869۔ (قولہ: لِيَبِيعَ مَالَهُ) مال کو مطلقاً ذکر کیا ہے پس یہ جس کو نہیں لکھا گیا جسے اجرت پر دیا گیا، جیسے عاریۃً دیا اور ہر وہ مال جو اس کی ملک ہو کو شامل ہے، ''رملی''۔ یہ اکراہ نہیں ہوگا کیونکہ یہ عمل حق کے بدلے میں ہے جس طرح اس کے محل میں گزر چکا ہے۔ کیونکہ وہ اپنا دین روک کر ظلم کرنے والا ہے۔

30870۔ (قولہ: يَعْنِي بِلَا أَمْرِهِ) کیونکہ اس کو حق حاصل ہے جب وہ اپنے حق کی جنس میں سے مال کو پائے تو خود لے لے جبکہ مدیون راضی نہ ہو پس قاضی کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس کی مدد کرے۔ ''زیلعی''۔

30871۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ كَانَ) یعنی اس کے مال اور اس کے دین میں سے جو بھی ہے۔ بعض نسخوں میں کانا ہے یعنی تثنیہ کی ضمیر ہے۔

30872۔ (قولہ: اسْتِحْسَانًا) قیاس یہ ہے کہ ایسا جائز نہ ہو کیونکہ یہ طریقہ دین کی ادائیگی میں متعین نہیں پس وہ عروض کی طرح ہوگا۔

دراہم و دنانیر صورۃً مختلف جب کہ ثمن ہونے کے اعتبار سے متحد ہیں

30873۔ (قولہ: لِاتِّحَادِهِمَا فِي الثَّمَنِيَّةِ) یہ استحسان کی وجہ کا بیان ہے۔ اس وجہ سے ان دونوں میں سے ایک کو دوسرے کے زکوٰۃ میں ملایا جاتا ہے جبکہ صورت میں حقیقت کے اعتبار سے مختلف ہے جبکہ یہ امر ظاہر ہے اور حکماً مختلف ہیں۔ کیونکہ دونوں میں ربا فضل جاری نہیں ہوتا یعنی ایک دوسرے کے بدلے میں زیادتی جائز ہے۔ پس اتحاد کو دیکھنے کی بنا پر قاضی کے لئے تصرف کی وصیت ثابت ہوتی ہے اور اختلاف کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر دائن سے لینے کی ولایت سلب کر لی جاتی ہے تا کہ دونوں شبہوں پر عمل ہو جائے۔ عروض کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اغراض ان کی صورتوں اور ان کے اعیان کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔

(خِلَافًا لَهُمَا وَبِهِ) أَيْ بِقَوْلِهِمَا بِبَيْعِهِمَا لِلدَّيْنِ (يُفْتَى) اخْتِيَارٌ وَصَحَّحَهُ فِي تَصْحِيحِ الْقُدُورِيِّ، وَيَبِيعُ كُلَّ مَا لَا يَحْتَاجُهُ فِي الْحَالِ

''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔اور''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے قول کہ دین کے لئے ان دونوں کو بیچے گا فتویٰ دیا جاتا ہے،''اختیار''۔''تصحیح القدوری''میں اس کو صحیح قرار دیا ہے اور جس کا وہ فی الحال محتاج نہیں قاضی اس کو بیچ دے گا

میں کہتا ہوں: میں نے''مجتبیٰ''کے باب الحظر والاباحۃ میں رمز کے انداز میں دیکھا ہے۔اس کی نص یہ ہے: اس نے مدیون کے دنانیر پائے جبکہ اس کے اس پر دراہم ہیں اسے حق حاصل ہے کہ وہ دنانیر لے لے کیونکہ دونوں ثمن ہونے میں جنس کے اعتبار سے متحد ہیں اسی کی مثل''فارسی''کی''شرح تلخیص الجامع الکبیر''میں باب الیمین فی المساومۃ میں ہے۔

تنبیہ

''حموی''نے''شرح الکنز''میں علامہ''مقدسی''سے نقل کرتے ہوئے اور وہ اپنے دادا''اشقر''سے نقل کرتے ہوئے اور''اخصب''کی''شرح قدوری''سے نقل کرتے ہوئے کہا: خلاف جنس میں لینے کا عدم جواز یہ ان کے زمانہ میں تھا کیونکہ وہ حقوق ادا کرنے میں باہم تابع داری کرتے تھے۔آج کل فتویٰ اس پر ہے جب قدرت ہو تو کوئی مال بھی ہو مال لے لینا جائز ہے خصوصاً ہمارے زمانہ میں کیونکہ لوگ حقوق کی ادائیگی میں انکار پر ہمیشگی اختیار کرتے ہیں۔

عَفَاءً عَلَى هَذَا الزَّمَانَ فَإِنَّهُ ... زَمَانُ عُقُوقٍ لَا زَمَانُ حُقُوقِ

وَكُلُّ رَفِيقٍ فِيهِ غَيْرُ مُرَافِقٍ ... وَ كُلُّ صَدِيقٍ فِيهِ غيرُ صَدُوقِ

شاعر نے کہا: یہ زمانہ ہلاک ہو کیونکہ یہ انکار کا زمانہ ہے یہ حقوق کی بجا آوری کا زمانہ نہیں ہے۔

اس میں ہر رفیق مرافقت کرنے والا نہیں اس میں ہر دوست سچ بولنے والا نہیں۔

30874۔(قولہ: خِلَافًا لَهُمَا وَبِهِ يُفْتَى) زیادہ بہتر یہ ہے کہ کہا جائے: وقالا يبيع وبه يفتى كما لا يخفى''ح''۔

30875۔(قولہ: أَيْ بِقَوْلِهِمَا بِبَيْعِهِمَا) هما ضمیر سے مراد سامان اور غیر منقولہ جائیداد ہے۔اس تفسیر کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کے علاوہ جو قول ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

30876۔(قولہ: اخْتِيَارٌ) اس کی مثل''الملتقی''میں ہے۔

30877۔(قولہ: وَيَبِيعُ كُلَّ مَا لَا يَحْتَاجُهُ فِي الْحَالِ)''التبیین''میں کہا: پھر''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک قاضی نقدی کو بیع کرنے سے شروع کرے گا پھر سامان پھر جائیداد بیچے گا۔بعض علماء نے کہا: اس سامان کو بیچنے سے شروع کرے گا جس پر ہلاکت کا خوف ہو پھر اسے بیچے گا جس کے بارے میں اسے خوف نہ ہو۔پھر جائیداد غیر منقولہ کو بیچے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ ایسا سامان بیچے گا جو اس کے لئے زیادہ قابل توجہ ہو اور اس کے کپڑوں میں سے ایک جوڑا (لباس) چھوڑ دے گا۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: دو جوڑے چھوڑ دے گا۔کیونکہ جب وہ اپنے کپڑے دھوئے تو اس کو لباس کی

وَلَوْ أَقَرَّ بِمَالٍ يَلْزَمُهُ بَعْدَ الدُّيُونِ مَا لَمْ يَكُنْ ثَابِتًا بِبَيِّنَةٍ

اگر وہ مال کا اقرار کرے تو یہ دیون کے بعد اس کو لازم ہوں گے جب تک گواہوں کے ساتھ یہ اقرار ثابت نہ ہو

ضرورت ہوتی ہے۔ علماء نے کہا: جب اس کے علاوہ سے کفایت حاصل ہوتی ہو تو انہیں بیچ دیا جائے گا اور اس کی بعض ثمن سے اس کا دین ادا کیا جائے گا اور باقی ماندہ رقم سے ایسا کپڑا خرید اجائے گا جس کو وہ پہنے۔ مسکین کے ساتھ یہی معاملہ کیا جائے گا۔ اسی وجہ سے علماء نے فرمایا: اسے جس شے کی فی الحال ضرورت نہیں اسے بیچ دیا جائے گا جیسے موسم گرما میں نمدہ اور موسم سرما میں چٹائی (بیچ دے) اور وہ مال اس کی ذات پر، اس کی بیوی پر، اس کے بچوں پر اور اس کے قریبی رشتہ داروں پر جن کا نفقہ اس کے ذمہ ہو خرچ کیا جائے گا۔ ملخص۔

''رحمتی'' نے فرمایا: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے اسے اس امر کا مکلف نہیں بنایا جائے گا کہ وہ اجرت کے بدلے میں رہائش رکھے جس طرح علماء نے حج کے وجوب میں فرمایا ہے۔ ''تامل''

حاشیہ ''سکی'' میں ہے: میں کہتا ہوں: اسی طرح اگر اس کے پاس وقف سلطان کی عقارات ہوں جو اس کی رہائش سے زائد ہوں یا دفاتر سلطانیہ میں صدقات ہوں تو ان کے بیچنے کا حکم نہیں دیا جائے گا جس طرح کئی علماء نے فتویٰ دیا ہے۔ یعنی ان سے فارغ ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا کیونکہ ان کی بیع کرنا جائز نہیں۔ ''تامل''

دین کی وجہ سے جس پر حجر کیا گیا اس کے تصرفات

30878۔ (قولہ: يَلْزَمُهُ بَعْدَ الدُّيُونِ) یعنی جن دیون کو ادا کرنے کے لئے اس پر حجر کیا گیا ان میں سے کچھ کا ذکر بعد میں ہوگا وہ دیون ادا کرنے کے بعد ان دیون کو ادا کرے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس نے حجر کے بعد مال کمایا ہو ورنہ اس نے جس مال کا اقرار کیا ہے وہ اس میں سے ادا کرے گا جس طرح ''مواہب'' اور ''ہدایہ'' میں ہے۔ ہم نے پہلے ''تاتر خانیہ'' اور ''شرح الملتقی'' سے اسے بیان کر دیا ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: جب دیون کی وجہ سے اس پر حجر کرنا صحیح ہے تو محجور اس مریض کی طرح ہو جائے گا جس پر صحت کے دیون ہوں ہر ایسا تصرف جو غرماء کے حق کو باطل کرنے کی طرف لے جائے تو اس میں حجر موثر ہوگا جیسے ہبہ اور صدقہ۔ جہاں تک بیع کا تعلق ہے تو مثل قیمت کے ساتھ بیع جائز ہے اگر غبن کے ساتھ بیع ہو تو جائز نہیں۔ مشتری کو اختیار ہوگا کہ وہ غبن کا ازالہ کرے اور عقد کو فسخ کر دے جس طرح مریض کی بیع ہوتی ہے اگر اس نے دائن کے ہاتھ اسے بیچا اور ثمن کے ساتھ ادل بدل کیا تو یہ جائز ہوگا اگر دائن ایک ہو ورنہ کسی ایک سے بیع صحیح ہوگی اگر مثل قیمت کے ساتھ ہو نہ کہ ادل بدل کے طور پر ہو۔ یہی حکم ہوگا اگر وہ بعض کا دین ادا کرے بعض کا دین ادا نہ کرے جیسے مریض ہوتا ہے۔ ''ملخص''

30879۔ (قولہ: بِبَيِّنَةٍ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ قرض لینے یا مثل قیمت کے عوض خریدنے پر گواہیاں ہیں۔ ''تاتر خانیہ''۔

أَوْ عِلْمِ قَاضٍ فَيُزَاحِمُ الْغُرَمَاءَ كَمَالٍ اسْتَهْلَكَهُ إِذْ لَا حَجْرَ فِي الْفِعْلِ كَمَا مَرَّ (أَفْلَسَ وَمَعَهُ عَرَضٌ شَرَاهُ فَقَبَضَهُ بِالْإِذْنِ) مِنْ بَائِعِهِ وَلَمْ يُؤَدِّ ثَمَنَهُ (فَبَاعَهُ أُسْوَةَ الْغُرَمَاءِ) فِي ثَمَنِهِ (فَإِنْ أَفْلَسَ قَبْلَ قَبْضِهِ أَوْ بَعْدَهُ) لَكِنْ (بِغَيْرِ إِذْنِ بَائِعِهِ كَانَ لَهُ اسْتِرْدَادُهُ) وَحَبْسُهُ (بِالثَّمَنِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لِلْبَائِعِ الْفَسْخُ (حَجَرَ الْقَاضِي عَلَيْهِ ثُمَّ رُفِعَ إِلَى) قَاضٍ (آخَرَ فَأَطْلَقَهُ) وَأَجَازَ مَا صَنَعَ الْمَحْجُورُ كَذَا فِي الْخَانِيَّةِ

یا قاضی کے علم سے ثابت نہ ہو پس مقر لہ ان غرماء کا مزاحم ہوگا جس طرح ایسا مال جسے اس نے جان بوجھ کر ہلاک کیا ہو۔ کیونکہ فعل میں کوئی حجر نہیں جس طرح قول گزر چکا ہے۔ایک آدمی مفلس ہو گیا جبکہ اس کے پاس سامان تھا جس کو اس نے خریدا تھا اور بائع کی اجازت سے اس پر قبضہ کیا تھا اور اس کی ثمن ادا نہیں کی تھی تو اس چیز کو بیچنے والا اس کی ثمن میں غرماء کے ہم پلہ ہوگا۔ اگر اس پر قبضہ کرنے سے پہلے یا اس کے بعد مفلس ہو گیا مگر اس نے بائع کی اجازت کے بغیر مال پر قبضہ کیا تھا تو اس بائع کو واپس اٹھانے کا حق ہوگا اور ثمن کے بدلے میں مبیع روک لینے کا حق ہوگا۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بائع کو حق حاصل ہے کہ وہ عقد کو فسخ کر دے۔ قاضی نے اس پر حجر کیا پھر اس کا معاملہ ایک اور قاضی کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے اس پر حجر کو ختم کر دیا اور محجور نے جو عقد کیا تھا اسے جائز قرار دے دیا۔ ''خانیہ'' میں یہ اسی طرح ہے

30880۔(قولہ: أَوْ عِلْمِ قَاضٍ) قابل اعتماد قول یہ ہے کہ قاضی کو علم ہو تو ادائیگی جائز نہ ہوگی۔ ''ط''۔

30881۔(قولہ: كَمَالٍ اسْتَهْلَكَهُ) کیونکہ اس کا مالک غرماء کے ساتھ مزاحم ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ کسی عورت سے مہر مثل کے عوض شادی کرے۔ ''ابن ملک''۔ مال کو ہلاک کرنے سے مراد یہ ہے کہ یہ اس کے اقرار کے بغیر ثابت ہو جائے گا جیسے گزر چکا ہے۔ اگر اقرار کے ساتھ ہو تو ''تاتر خانیہ'' میں ہے کہ اس سے اس کے اقرار کے بارے میں پوچھا جائے گا بعد اس کے کہ مصلح ہو چکا ہو کہ اس نے جس چیز کا اقرار کیا ہے وہ حق تھا یا حق نہیں تھا؟ اگر وہ کہے: ہاں تو اس کا مواخذہ کیا جائے گا ورنہ اس کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور واجب ہے کہ مجور بچے میں جواب اسی طرح ہو۔

30882۔(قولہ: أَفْلَسَ الخ) یعنی وہ ایسی حالت میں ہو گیا کہ اس کے پاس فلوس نہیں رہے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ پہلے دراہم والا تھا اور اب فلوس والا ہو گیا۔ ''مصباح''۔ مراد یہ ہے کہ حاکم اس کے مفلس ہونے کا فیصلہ کر دے۔

یہ جان لو کہ وہ دوسرے غرماء کے ساتھ برابر ہوگا جب ثمن فی الحال ادا کرنی ہو۔ اگر ثمن مؤجل ہو تو یہ بائع ان غرماء کے ساتھ شریک نہ ہوگا۔ لیکن ملک کے آ جانے کے بعد یہ ان کے ساتھ شریک ہوگا ان حصص میں جن پر اس نے قبضہ کیا۔ ''مقدسی'' میں اسی طرح ہے۔ ''سائحانی''۔

30883۔(قولہ: كَانَ لَهُ اسْتِرْدَادُهُ) یعنی اگر وہ بائع کی اجازت کے بغیر مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد مفلس ہوا اور ان کے قول وحبسہ بالثمن اس صورت میں ہے جب وہ اس سے قبل مفلس ہوا اس میں لف نشر غیر مرتب ہے۔ ''تامل''

30884۔(قولہ: كَذَا فِي الْخَانِيَّةِ) ''شرنبلالیہ'' کی تبع میں متن پر استدراک ہے۔ کیونکہ اسے نقل کیا جو ''الخانیہ''

وَهُوَ سَاقِطٌ مِنَ الدُّرَرِ وَالْمِنَحِ (جَازَ إِطْلَاقُهُ) وَمَا صَنَعَ الْمَحْجُورُ فِي مَالِهِ مِنْ بَيْعٍ أَوْ شِرَاءٍ قَبْلَ إِطْلَاقِ الثَّانِي أَوْ بَعْدَهُ كَانَ جَائِزًا لِأَنَّ حَجْرَ الْأَوَّلِ مُجْتَهَدٌ فِيهِ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى إِمْضَاءِ قَاضٍ آخَرَ فُرُوعٌ يَصِحُّ الْحَجْرُ عَلَى الْغَائِبِ لَكِنْ لَا يَنْحَجِرُ مَا لَمْ يَعْلَمْ خَانِيَّةٌ.

اور ''الدرر'' اور ''المنح'' سے ساقط ہے تو دوسرے قاضی کا اس حجر کو ختم کر دینا جائز ہوگا۔ اور اس مجور نے اپنے مال میں جو بیع یا شرا کی ابھی دوسرے قاضی نے اس پر حجر کو ختم کیا تھا یا اس نے ختم نہ کیا تھا تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ پہلے کا حجر کرنا ایسا امر ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ پس یہ دوسرے قاضی کے فیصلہ کرنے پر موقوف ہوگا۔ فروع: غائب پر حجر صحیح ہے لیکن وہ مجور نہیں ہوگا جب تک اسے علم نہ ہو، ''خانیہ''۔

میں ہے۔ پھر کہا: انہوں نے اطلاق کیساتھ اس کے عمل کی اجازت کی شرط لگائی ہے۔

میں کہتا ہوں: جو امر ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اجازت اس کے عمل کے جواز کی شرط ہے اطلاق کے جواز کی شرط نہیں۔ متن میں جو مذکور ہے وہ اطلاق کا جواز ہے پس استدراک نہیں بلکہ وہ دوسرے حکم کا بیان ہے۔ ''تامل''

30885۔ (قولہ: لِأَنَّ حَجْرَ الْأَوَّلِ مُجْتَهَدٌ فِيهِ) ''ہدایہ'' میں پہلے یہ علت بیان کی ہے کہ اس کی جانب سے جو فتویٰ ہے یہ قضا نہیں کیونکہ: مقضی لہ اور مقضی علیہ نہیں پایا گیا۔

پھر کہا: اگر یہ قضا ہوتی تو نفس قضا مختلف فیہ ہے۔ پس اس کو نافذ کرنا ضروری ہے۔ ''زیلعی'' نے کہا: یعنی یہاں تک وہ لازم ہو جائے۔ کیونکہ اختلاف جب نفس قضا میں لازم ہو جائے تو وہ لازم نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی یہ مجمع علیہ ہوگی بے شک یہ مجمع علیہ ہوگی اگر اختلاف قضا سے پہلے موجود ہو۔ پس قضا کے ساتھ دو قولوں میں سے ایک متاکد ہو گیا۔ پس اس کے بعد اس میں نقض واقع نہیں ہوگا۔ مگر جب اختلاف نفس قضا میں ہو تو قضا کے ساتھ اختلاف حاصل ہوگا۔ پس دوسری قضا کی ضرورت ہوگی تا کہ وہ مجمع علیہ ہو جائے کیونکہ اختلاف پائے جانے کے بعد قضا واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نفس صدقہ سے حجر کرنے کی رائے رکھتے ہیں اور اس کے تصرفات اصلاً نافذ نہیں ہوتے۔ پس اس تقدیر کی بنا پر اس بارے میں قضا امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہوگی۔ پس ان کا قول قضا کے ساتھ متاکد ہو جائے گا۔ غائب کے خلاف قضا کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں اختلاف نفس قضا میں ہے۔ کیا یہ جائز ہوگا یا جائز نہیں ہوگا؟ ہمارے نزدیک یہ نافذ نہیں ہوگا۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جائز ہوگا۔ پس اختلاف قضا کے متعلق حاصل ہوا پس یہ ختم نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس قضا کے جواز کا حکم لگا یا جائے۔

غائب پر حجر صحیح ہے مگر جب تک اسے علم نہ ہو مجبور نہیں ہوگا

30886۔ (قولہ: مَا لَمْ يَعْلَمْ) جب تک اسے حجر کا علم نہ ہو۔ ''بزازیہ'' میں کہا: اگر کسی عادل آدمی نے اسے قاضی کے فیصلے کے بارے میں باخبر کیا اور اس نے اس عادل کی تصدیق کر دی تو وہ مجور ہو جائے گا اگر وہ اس کی تصدیق نہ کرے حکم

وَلَا يَرْتَفِعُ الْحَجْرُ بِالرُّشْدِ بَلْ بِإِطْلَاقِ الْقَاضِي، وَلَوْ ادَّعَى الرُّشْدَ وَادَّعَى خَصْمُهُ بَقَاءَهُ عَلَى السَّفَهِ وَبَرْهَنَا يَنْبَغِي تَقْدِيمُ بَيِّنَةِ بَقَاءِ السَّفَهِ أَشْبَاهٌ

رشد حاصل ہونے کے ساتھ حجر ختم نہیں ہوگا بلکہ قاضی جب حجر کو ختم کرے گا تب حجر مرتفع ہوگا اگر وہ خود رشد کا دعویٰ کرے اور اس کا خصم سفہ کی بقا کا دعویٰ کرے اور دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو چاہئے کہ سفہ کی بقا کی گواہیوں کو مقدم کیا جائے ''اشباہ''۔

تب بھی اسی طرح ہوگا۔ پھر کہا: اذن اور حجر میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ وہ کلام ماذون ہو جاتا ہے جب غلام کے نزدیک اس کی خبر میں صدق راجح ہو یا غلام اس کی تصدیق کر دے۔ فقیہ ''ابو بکر بلخی'' نے یہ ذکر کیا ہے۔ اسی پر فتویٰ اور اعتماد ہے۔ اس سے ان لوگوں نے اختلاف کیا ہے جو دونوں میں تفریق کرتے ہیں۔ پھر یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر مبنی ہے۔ کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سفیہ قضا کے بغیر محجور ہو جاتا ہے۔

30887۔ (قولہ: وَلَا يَرْتَفِعُ الْحَجْرُ بِالرُّشْدِ الخ) یہ بھی امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح ہم پہلے اسے ''جوہرہ'' سے نقل کر چکے ہیں ساتھ ہی اختلاف کا ثمرہ بیان کیا ہے۔

30888۔ (قولہ: وَلَوْ ادَّعَى الرُّشْدَ) یعنی قاضی نے اس پر حجر کیا تھا تو محجور نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ رشید ہو چکا ہے اس نے یہ دعویٰ اس لئے کیا تا کہ اس کا حجر باطل ہو جائے۔

30889۔ (قولہ: أَشْبَاهٌ) ''اشباہ'' میں اس قول سے استدلال کیا ہے جو ''محیط'' میں ہے جب انہوں نے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ذکر کی کہ سفیہ محجور نہیں ہوتا مگر جب قاضی اس پر حجر کرے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ سفہ زائل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا عقل اس کے مانع ہے۔ ''الاشباہ'' میں کہا: ہر ایسی گواہی، ظاہر جس کی تائید کرے اسے قبول نہیں کیا جاتا۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ سفہ کے زوال کا ظہور اس میں جو حکم سے پہلے ہو ''محیط'' کے کلام کے سیاق پر دلالت کرتا ہے جہاں تک حکم کے بعد کا تعلق ہے جس طرح ''اشباہ'' میں وہ مسئلہ کا موضوع ہے وہ متاکد اور ثابت ہو چکا ہے۔ پس اصل یہ ہے کہ وہ باقی رہے اور اس پر یہ امر بھی دلالت کرتا ہے کہ حجر کے ثبوت کے بعد حجر امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف قضا سے ہی مرتفع ہوتا ہے اگر اصل اس کا زوال ہوتا تو اسکی ضرورت نہ ہوتی۔ اسی وجہ سے ''مقدسی'' نے ''حاشیۃ الاشباہ'' میں کہا ہے: حجر کے بعد قاضی سے وہ چیز نہیں پائی گئی جو اس کے خلاف کا تقاضا کرے۔ پس ظاہر یہ ہے کہ وہ باقی رہے۔ ''حموی'' نے شیخ صالح سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ پس چاہئے کہ زوال کے بینہ کو مقدم کیا جائے۔ اس کی مثل علامہ ''بیری'' نے نقل کیا ہے۔ پھر کہا: میں نے ''ذخیرہ'' ناظر میں اس کے بارے میں جزم دیکھا ہے یعنی انہوں نے اس امر کو یقین سے بیان کیا ہے۔ ''ابو سعود'' نے اسے نقل کیا ہے اور اسے ثابت رکھا ہے۔ بالجملہ ہم نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے شارح کے علاوہ صاحب ''الاشباہ'' کی موافقت کی ہو۔ واللہ اعلم۔

وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ وَمَنْ يَدَّعِي إِقْرَارَهُ قَبْلُ يُحْجَرُ فَمَنْ يَدَّعِيهِ وَقْتَهُ فَهُوَ أَجْدَرُ
وَلَوْ بَاعَ وَالْقَاضِي أَجَازَ وَقَالَ لَا تُؤَدِّ فَمَا أَدَّاهُ مِنْ بَعْدُ يَخْسَرُ

''وہبانیہ'' میں ہے: جو یہ دعویٰ کرے کہ اس نے محجور ہونے سے قبل اقرار کیا تھا۔ پس جو حجر کے وقت کا دعویٰ کرے گا وہ قبول کئے جانے کے زیادہ لائق ہے۔ اگر وہ بیچے اور قاضی اس کو جائز قرار دے دے اور کہے: تو ثمن ادا نہ کرنا تو اس نے اس کے بعد جو ادا کیا تو نقصان مشتری کا ہوگا۔

30890۔(قولہ: وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ الخ) پہلے شعر کے دوسرے حصہ میں تبدیلی کی گئی ہے اس کی اصل یوں ہے: فمن یدّعی التاخیر لیس یؤخّر اور یحجر یہ محل جر میں ہے اس کی طرف قبل کا لفظ مضاف ہے۔ پہلے شعر کا معنی ہے: اگر اس نے صلاح کی صلاحیت کے بعد کہا: میں نے اقرار کیا تھا جبکہ میں محجور تھا کہ میں نے تیری فلاں شے جان بوجھ کر ہلاک کی۔ مالک نے کہا: بلکہ تو نے اپنی صلاح کی حالت میں یہ اقرار کیا تھا تو قول مقر کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ اس نے ایسی معہود و معروف حالت کی طرف نسبت کی ہے جو اقرار کی صحت کے منافی ہے۔ پس حقیقت میں وہ منکر ہوگا مقر نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر اس نے کہا: تو نے اس چیز کا اقرار میرے لئے حالت فساد میں کیا تھا لیکن وہ حق تھا۔ مقر نے کہا: وہ حق نہیں تھا تو قول مقر کا معتبر ہوگا۔

دوسرے شعر کا معنی یہ ہے: اگر محجور نے اس چیز کو بیچ دیا اور قاضی نے اس کی بیع کو جائز قرار دے دیا لیکن مشتری کو منع کیا کہ محجور بائع کو ثمن ادا کرے تو مشتری نے وہ ثمن دے دی اور وہ ثمن ہلاک ہوگئی تو وہ مشتری قاضی کے لئے ثمن کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ جب قاضی نے اسے منع کیا تو قبضہ کرنے کا حق قاضی کے لئے خاص ہو گیا اور محجور اجنبی کی طرح ہو گیا اگر وہ اس کو منع نہ کرے تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ جب اس نے بیع کی اجازت دے دی تو یہ ثمن دینے کی اجازت ہوگی جس طرح بیع کا وکیل ثمن پر قبضہ کرنے کا وکیل ہوتا ہے۔''واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم''

فَصْلٌ (بُلُوغُ الْغُلَامِ بِالِاحْتِلَامِ وَالْإِحْبَالِ وَالْإِنْزَالِ)

وَالْأَصْلُ هُوَ الْإِنْزَالُ (وَالْجَارِيَةِ بِالِاحْتِلَامِ وَالْحَيْضِ وَالْحَبَلِ) وَلَمْ يَذْكُرِ الْإِنْزَالَ صَرِيحًا لِأَنَّهُ قَلَّمَا يُعْلَمُ مِنْهَا (فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ فِيهِمَا) شَيْءٌ

بالغ ہونے کے احکام

لڑکے کی بلوغت احتلام، اس کی وطی سے حمل ہونے اور انزال سے ہوتی ہے۔ اصل انزال کا ہونا ہے۔ اور لڑکی کی بلوغت احتلام سے، حیض سے اور حمل ٹھہرنے سے ہوتی ہے۔ یہاں انزال کا صراحۃً ذکر نہیں کیا کیونکہ لڑکی سے کم ہی اس کا علم ہوتا ہے۔ اگر لڑکے اور لڑکی میں ان میں سے کوئی چیز نہ پائی جائے

فصل کا لفظ تنوین کے ساتھ ہے اور بلوغ مبتدا ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے اور اس پر معطوف ہے اور جاریۃ کا عطف الغلام پر ہے یا یہ مرفوع ہے اور مضاف محذوف کو مقدر مانا گیا ہے اور اس کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ بلوغ کا لغوی معنی پہنچنا ہے اور اصطلاح میں اس سے مراد صغرسنی کی حد کی انتہا ہے۔ جب صغرسنی حجر کے اسباب میں سے ایک سبب ہے اور صغرسنی کی نہایت ہے اس فصل کو اس کی وضاحت کے لئے ذکر کیا۔ غلام کا لفظ جس طرح ''عیاض'' نے کہا ہے اس کا اطلاق بچے کی پیدائش سے لے کر اس کے بالغ ہونے تک ہوتا ہے اور مرد پر غلام کا اطلاق ماکان کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

بلوغت کی علامات

30891۔ (قولہ: بِالِاحْتِلَامِ) ''معدن'' میں کہا ہے: احتلام اس چیز کا نام رکھا گیا ہے جسے سونے والا جماع کی صورت میں دیکھتا ہے اور عموماً اس کے ساتھ منی کا انزال ہو جاتا ہے۔ پس احتلام کا لفظ نیند کی انواع میں سے صرف اسی پر بطور غالب استعمال ہوتا ہے کسی اور کے لئے استعمال نہیں ہوتا یہ کثرت استعمال کی وجہ سے ہے۔ ''ط''۔

30892۔ (قولہ: الْإِنْزَالُ) وہ کسی سبب سے ہو۔

30893۔ (قولہ: وَالْأَصْلُ هُوَ الْإِنْزَالُ) کیونکہ احتلام کا اعتبار صرف اسی کے ساتھ ہوتا ہے اور احبال صرف اسی کے ساتھ واقع ہوتا ہے۔

30894۔ (قولہ: وَالْجَارِيَةِ) یہ غلام کی مونث ہے۔

30895۔ (قولہ: صَرِيحًا) اس کی قید لگائی کیونکہ یہ احتلام اور حبل میں ضمناً مذکور ہے۔

30896۔ (قولہ: فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ فِيهِمَا) یعنی لڑکے اور لڑکی میں اگر مذکورہ چیزوں میں سے کوئی شے نہ پائی جائے الخ۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ زیر ناف بال اگنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے اور

(فَحَتَّى يَتِمَّ لِكُلٍّ مِنْهُمَا خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً بِهِ يُفْتَى) لِقِصَرِ أَعْمَارِ أَهْلِ زَمَانِنَا (وَأَدْنَى مُدَّتِهِ لَهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ سَنَةً وَلَهَا تِسْعُ سِنِينَ) هُوَ الْمُخْتَارُ كَمَا فِي أَحْكَامِ الصِّغَارِ (فَإِنْ رَاهَقَا) بِأَنْ بَلَغَا هَذَا السِّنَّ (فَقَالَا بَلَغْنَا؛ صُدِّقَا

تو یہاں تک کہ دونوں میں سے ہر ایک کی عمر پندرہ سال ہو جائے اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ہمارے زمانہ کے لوگوں کی عمریں کم ہیں۔ اور لڑکے کے بالغ ہونے کی کم سے کم عمر بارہ سال اور لڑکی کے بالغ ہونے کی کم سے کم عمر نو سال ہے۔ یہی قول مختار ہے جس طرح احکام الصغار میں ہے۔ اگر دونوں اس عمر کو پہنچ جائیں اور وہ دونوں کہیں ہم بالغ ہو چکے ہیں تو دونوں کی تصدیق کی جائے گی

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت یہی ہے اور نہ ہی ڈاڑھی کا اعتبار ہے۔ جہاں تک پستان کے ابھر آنے کا تعلق ہے تو ''حموی'' نے ذکر کیا ہے کہ ظاہر روایت میں اس پر حکم نہ لیا جائے گا۔ اسی طرح آواز کے بھاری ہونے پر حکم نہیں لگایا جائے گا جس طرح ''شرح النظم الہاملی ابوسعود'' میں ہے۔ اسی طرح پنڈلی، بغل اور ''مونچھوں کے بالوں کا حکم ہے۔

لڑکے اور لڑکی کی بلوغت کی عمر

30897۔ (قولہ: بِهِ يُفْتَى) یہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ہے اور یہی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے تینوں ائمہ نے یہی کہا ہے۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ روایت ہے: یہاں تک کہ لڑکے کے اٹھارہ سال پورے ہو جائیں اور لڑکی کے سترہ سال پورے ہو جائیں۔

30898۔ (قولہ: لِقِصَرِ أَعْمَارِ أَهْلِ زَمَانِنَا) کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو غزوہ احد کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا جبکہ آپ کی عمر چودہ سال تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں واپس کر دیا اور غزوہ خندق کے موقع پر پندرہ سال تھی تو آپ نے انہیں قبول کر لیا(1)۔ اور کیونکہ ہمارے زمانہ اور دوسرے زمانوں میں معمول یہی ہے کہ احتیاط برتی جاتی ہے تو حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں اور عادت، شرعی حجتوں میں سے ایک حجت ہے جس میں کوئی نص نہ ہو۔ یہ ''شمنی'' وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ ''در منتقی''۔

30899۔ (قولہ: وَأَدْنَى مُدَّتِهِ) یعنی بلوغ کی ادنیٰ مدت اور لہ کی ضمیر غلام کے لئے اور لہا کی ضمیر جاریۃ کیلئے ہے۔

30900۔ (قولہ: كَمَا فِي أَحْكَامِ الصِّغَارِ) یہ ''استروشنی'' کی کتاب کا اسم ہے۔

مراہق کی لغوی اور شرعی تعریف

30901۔ (قولہ: فَإِنْ رَاهَقَا) یہ جملہ بولا جاتا ہے رھقہ یعنی وہ اس کے قریب ہو گیا یعنی بالغ ہونے کے قریب ہو گیا۔ اسی سے ہے جب تم میں سے کوئی ایک سترہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو اس کے سترہ کے قریب ہو کر نماز پڑھے۔

1۔ سنن ترمذی، کتاب الجہاد، باب ما جاء فی حد بلوغ الرجل، جلد 1، صفحہ 888، حدیث نمبر 1633

إِنْ لَمْ يُكَذِّبْهُمَا الظَّاهِرُ كَذَا قَيَّدَهُ فِي الْعِمَادِيَّةِ وَغَيْرِهَا فَبَعْدَ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً يُشْتَرَطُ شَرْطٌ آخَرُ لِصِحَّةِ إِقْرَارِهِ بِالْبُلُوغِ وَهُوَ أَنْ يَكُونَ بِحَالٍ يَحْتَلِمُ مِثْلُهُ وَإِلَّا لَا يُقْبَلُ قَوْلُهُ شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ (وَهُمَا) حِينَئِذٍ (كَبَالِغٍ حُكْمًا) فَلَا يُقْبَلُ جُحُودُهُ الْبُلُوغَ بَعْدَ إِقْرَارِهِ مَعَ احْتِمَالِ حَالِهِ فَلَا تُنْقَضُ قِسْمَتُهُ وَلَا بَيْعُهُ وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ

اگر ظاہران دونوں کو نہ جھٹلائے۔''عمادیہ'' وغیرھا میں اسی طرح قید ذکر کی ہے۔ بارہ سال کی عمر کے بعد اس کے بالغ ہونے کے اقرار کے صحیح ہونے کے بارے میں ایک اور شرط ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایسی حالت میں ہو کہ اس جیسے فرد کو احتلام ہو جاتا ہو ورنہ اس کا قول قبول نہ کیا جائے گا،''شرح وہبانیہ''۔ وہ دونوں اس وقت حکماً بالغ کی طرح ہوں گے جب اس نے بلوغ کا اقرار کر لیا جبکہ اس کے حال کا یہی احتمال بھی تھا تو اس کے بعد اس کے انکار کو قبول نہ کیا جائے گا۔ پس اس کی تقسیم اور بیع کو نہ توڑا جائے گا۔''شرنبلالیہ'' میں ہے:

صبی مراہق اسے کہتے ہیں جو بالغ ہونے کے قریب ہو''مغرب''۔

30902۔ (قولہ: إِنْ لَمْ يُكَذِّبْهُمَا الظَّاهِرُ) یہی آنے والے قول: وھو ان یکون بحال یحتلم مثلہ کے معنی میں ہے۔

''المنح'' میں''الخانیہ'' سے مروی ہے: ایک بچے نے اقرار کیا کہ وہ بالغ ہو چکا ہے اور میت کی وصیت کو تقسیم کیا۔''ابن فضل'' نے کہا: اگر وہ مراہق ہو اور اسے احتلام ہوتا ہو تو اس کا قول قبول کیا جائے گا اور اس کی تقسیم جائز ہو گی۔ اگر وہ مراہق ہو اور یہ معلوم ہو کہ اس جیسے لڑکے کو احتلام نہیں ہوتا تو اس کی تقسیم جائز نہ ہو گی اور اس کا قول قبول نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ ظاہر میں اس کی تکذیب کی جائے گی۔ اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ بارہ سال کے بعد جب وہ ایسی حالت میں ہو کہ اس جیسے لڑکے کو احتلام نہیں ہوتا تو اس کا قول قبول نہ کیا جائے گا جب وہ بالغ ہونے کا اقرار کرے گا۔

اگر کسی نے بارہ سال کی عمر سے پہلے بالغ ہونے کا اقرار کیا تو اس کے بیعہ صحیح نہ ہوں گے

30903۔ (قولہ: فَبَعْدَ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً) صاحب''جامع الفصولین'' نے یہ دعویٰ کیا کہ صحیح یہ ہے کہ بعد کو قبل سے بدل دیا جائے۔ ان کی جانب سے یہ گمان کیا گیا ہے کہ یہ غیر مراہق کی شرط ہے۔''نور العین'' میں اسے رد کیا ہے اور اسے وہم اور قلت فہم کی طرف منسوب کیا ہے۔

30904۔ (قولہ: وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ) اس کی عبارت ہے یعنی وہ ایسی تفسیر بیان کریں جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ دونوں بالغ ہیں اور دونوں پر یمین نہیں ہو گی۔''ابوسعود'' نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ یہی وہ مراد ہے جو''حموی'' نے''شرح درر البحار'' سے نقل کی ہے کہ دونوں کے قول کو قبول کرنے کی شرط یہ ہے کہ جب ان سے سوال کیا جائے تو وہ مراہقہ کی کیفیت کو بیان کریں۔

يُقْبَلُ قَوْلُ الْمُرَاهِقَيْنِ قَدْ بَلَغْنَا مَعَ تَفْسِيرِ كُلٍّ بِمَاذَا بَلَغَ بِلَا يَمِينٍ وَفِي الْخِزَانَةِ أَقَرَّ بِالْبُلُوغِ فَقَبْلَ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً لَا تَصِحُّ الْبَيِّنَةُ وَبَعْدَهُ تَصِحُّ

مراہقوں کا یہ قول قبول کیا جائے گا ہم بالغ ہو چکے ہیں ساتھ ہی تفسیر کرنا ہوگی کہ کس طریقہ سے بالغ ہوا۔ اس کا قول قسم کے بغیر قبول کیا جائے گا۔ ''خزانہ'' میں ہے: ایک آدمی نے بالغ ہونے کا اقرار کیا پس بارہ سال کی عمر سے قبل بینہ صحیح نہ ہوں گے اور اس کے بعد صحیح ہوں گے۔

میں کہتا ہوں: ''جامع الفصولین'' میں ''فتاویٰ نسفی'' سے وہ ''قاضی محمود سمرقندی'' سے یہ نقل کرتے ہیں: مراہق نے ان کی مجلس میں بالغ ہونے کا اقرار کیا۔ آپ نے پوچھا: تو کس طریقہ سے بالغ ہوا ہے۔ اس نے کہا: احتلام سے۔ پوچھا جب تو بیدار ہوا تھا تو نے کیا دیکھا تھا؟ اس نے کہا: پانی۔ پوچھا: کیسا پانی کیونکہ پانی تو مختلف ہوتا ہے؟ اس نے کہا: منی۔ فرمایا: منی کیا ہوتی ہے؟ اس نے کہا: مرد کا پانی جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ پوچھا: تجھے کس پر احتلام ہوا؟ بچے، لڑکی یا گدھی پر؟ اس نے کہا بچے پر۔ تو قاضی نے کہا: سوال میں دور تک جانا ضروری ہے بعض اوقات بلوغ کا اقرار جھوٹ کی تلقین کرتا ہے۔

''شیخ الاسلام'' نے فرمایا: یہ احتیاط کے باب میں سے ہے۔ اس کا قول تفسیر کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔ اس طرح لڑکی ہے جس نے حیض کا اقرار کیا ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ ان کے قول: وانما يقبل مع التفسير سے مراد ہے یعنی اس امر کی تفسیر جس سے وہ بالغ ہوا وہ صرف احتلام ہو یا حمل ہو اس دور تک سوال کی کوئی ضرورت نہیں۔

30905۔ (قولہ: لَا تَصِحُّ الْبَيِّنَةُ) صحیح لفظ البتة ہے یہ بت سے مشتق ہے جس کا معنی قطع کرنا ہے جس طرح ''جامع الفصولین'' میں آیا ہے۔ بعض نسخوں میں اسی طرح آیا ہے یا کہا جائے لا يصح الاقرار یعنی اقرار صحیح نہیں ہوگا۔

كِتَابُ الْمَأْذُونِ

(الْإِذْنُ) لُغَةً الْإِعْلَامُ وَشَرْعًا (فَكُّ الْحَجْرِ) أَيْ فِي التِّجَارَةِ (لِأَنَّ الْحَجْرَ لَا يَنْفَكُّ عَنِ الْعَبْدِ الْمَأْذُونِ

ماذون کے احکام

لغت میں اذن سے مراد اعلام ہے اور شرع میں اس سے تجارت میں حجر کو دور کر دینا ہے۔ کیونکہ حجر عبد ماذون سے

ماذون سے مراد اذن ہے یہ مصدر ہے جیسے معسور مصدر ہے اگرچہ ظاہر یہ ہے کہ یہ صفت ہے لیکن یہ مضاف اور صلہ کے حذف کا محتاج ہوتا ہے۔''کرمانی'' میں ہے: یہ جملہ بولا جاتا ہے: ماذون لہ یا ماذون لہا۔ اور صلہ کو چھوڑ دینا یہ کلام عربی میں سے نہیں ہے۔''قہستانی'' نے اسے ثابت رکھا ہے۔''در منتقی''۔

مضاف کی تقدیر یہ ہے: اذن المأذون کیونکہ بحث افعال سے کی جا رہی ہے ذاتوں سے بحث نہیں کی جا رہی۔ ''المصباح'' میں ہے: فقہاء معنی سمجھانے کے لئے صلہ کو حذف کرتے ہیں۔ اس کتاب کو کتاب الحجر کے بعد ذکر کیا ہے کیونکہ اذن تقاضا کرتا ہے کہ اس سے پہلے حجر ہو۔

اذن کا لغوی معنی اور شرعی تعریف

30906۔ (قولہ: الْإِذْنُ لُغَةً الْإِعْلَامُ) انہوں نے ''زیلعی'' اور ''نہایہ'' کی پیروی کی ہے۔''طوری'' نے کہا: ''شیخ الاسلام'' نے اپنی ''مبسوط'' میں کہا: اذن کا لغوی معنی چھوڑ دینا اور آزاد کر دینا ہے کیونکہ حجر کی ضد ہے۔ حجر کا معنی روکنا ہے پس یہ ایک شے دوسری شے کی طرف چھوڑ دینا ہے۔

''النہایہ'' میں ہے: الاذن فی الشئ سے مراد ہے اس سے مانع کو اٹھا لینا جس کو اس سے روکا گیا ہو اور اس کے چھوڑ دینے اور آزاد کر دینے سے باخبر کرنا اس معاملہ میں جس سے اسے روکا گیا تھا۔ یہ اذن لہ فی الشئ اذنا سے مشتق ہے۔ امام ''زیلعی'' نے بہت ہی دور کی بات کی ہے کیونکہ انہوں نے کہا: اس سے مراد اعلام ہے۔ اسی سے لفظ اذان ہے جس کا معنی اعلام ہے۔ کیونکہ اذن یہ اذن فی کذا سے مشتق ہے جب وہ اس کو مباح کرے اور اذن، اذن کذا سے مشتق ہے جب وہ اسے باخبر کرے۔''ابی سعود'' میں ہے ''قاضی زادہ'' نے ''تکملہ'' میں کہا: میں نے لغت کی کتابوں کو کبھی نہیں دیکھا کہ اذن کا لفظ اعلام کے معنی میں آیا ہو۔

30907۔ (قولہ: عَنِ الْعَبْدِ الْمَأْذُونِ) زیادہ بہتر یہ ہے کہ لفظ عبد کو ساقط کر دیا جائے۔ کیونکہ صبی اور معتوہ میں حکم اسی طرح ہے۔''ح''۔

فِي غَيْرِ بَابِ التِّجَارَةِ ابْنُ كَمَالٍ (وَإِسْقَاطُ الْحَقِّ) الْمُسْقِطُ هُوَ الْمَوْلَى لَوِ الْمَأْذُونُ رَقِيقًا وَالْوَلِيُّ لَوْ صَبِيًّا وَعِنْدَ زُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ هُوَ تَوْكِيلٌ وَإِنَابَةٌ (ثُمَّ يَتَصَرَّفُ) الْعَبْدُ (لِنَفْسِهِ بِأَهْلِيَّتِهِ فَلَا يَتَوَقَّتُ)

تجارت کے باب کے علاوہ میں ختم نہیں ہوتا۔ ''ابن کمال'' اور حق کو ساقط کرنا ہے اور ساقط کرنے والا وہ آقا ہوگا اگر ماذون رقیق ہو، اور مسقط ولی ہوگا اگر وہ بچہ ہو۔ اور امام ''زفر'' اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ وکیل بنانا اور نائب بنانا ہے۔ پھر غلام اپنی ذات کے لئے اپنی اہلیت کے ساتھ تصرف کرے گا اور یہ اذن کسی وقت کے ساتھ موقت نہیں ہوگا

30908۔(قولہ: فِي غَيْرِ بَابِ التِّجَارَةِ) جیسے شادی کرنا، کسی لونڈی کو حرم میں داخل کرنا، قرض دینا، ہبہ کرنا وغیرھا جو عنقریب آئیں گے۔

30909۔(قولہ: وَإِسْقَاطُ الْحَقِّ) یہ ان کے قول فك الحجر کی تفسیر کی طرح ہے تجھ پر یہ امر مخفی نہیں ہوگا کہ صبی اور معتوہ میں کسی حق کا اسقاط نہیں۔ ''سعدیہ''۔ لیکن ''ابن کمال'' نے کہا: یعنی منع کا حق نہ کہ مولی کا حق۔ کیونکہ غلام کو اذن کے ساتھ خاص کرنا غیر صحیح ہے۔ کیونکہ آقا کا حق اذن کے ساتھ ساقط نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے وہ اس کے کسب سے جبراً لے لیتا ہے جس طرح عنقریب آئے گا۔

30910۔(قولہ: هُوَ تَوْكِيلٌ وَإِنَابَةٌ) عنقریب اختلاف کا ثمرہ آئے گا۔

30911۔(قولہ: ثُمَّ يَتَصَرَّفُ) اس کا عطف معنی پر ہے۔ گویا کہا: جب آقا نے اذن دے دیا تو غلام حجر سے منفک ہوجائے گا پھر وہ تصرف کرے گا۔ الخ ''ابن کمال''۔

30912۔(قولہ: الْعَبْدُ) اسکے ساتھ بیان کو خاص کیا گیا کیونکہ اس میں حال مخفی ہے ورنہ حکم مشترک ہے، ''ابن کمال''۔

30913۔(قولہ: لِنَفْسِهِ) یعنی اپنی ذات کے لئے تصرف کرے گا نہ کے اپنے آقا کے لئے وکالت کے طریقہ پر تصرف کرے گا ''قہستانی''۔ یہ لازم نہیں کہ وہ اس کا مالک ہو۔ کیونکہ وہ کلی طور پر مولی کا مملوک ہے۔ جب اس کی ملک اس میں متعذر ہو گئی جس میں اس نے تصرف کیا آقا ملک میں اسے نائب بنائے گا ''شرنبلالیہ''۔

تصرف کا رکن

30914۔(قولہ: بِأَهْلِيَّتِهِ) کیونکہ غلام رق کے بعد تصرف کا اہل ہے کیونکہ تصرف کا رکن ایسا کلام ہے جو شرعاً معتبر ہو۔ کیونکہ یہ تمیز سے صادر ہو رہی ہے اور تصرف کا بھی ایسا ذمہ ہے جو حقوق کے التزام کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں غلامی کے ساتھ فوت نہیں ہوتیں۔ کیونکہ یہ دونوں بشر کی کرامات میں سے ہیں۔ وہ غلامی کے ساتھ بشر ہونے سے خارج نہیں ہوگا مگر آقا کے حق کے لئے اس پر تصرف سے حجر کر دیا گیا تا کہ اس کا حق باطل نہ ہو جائے۔ کیونکہ دین اس غلام کی گردن سے متعلق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ غلامی کی وجہ سے اس کا ذمہ کمزور ہے یہاں تک کہ مال اس کے ذمہ میں واجب نہیں ہوتا مگر وہ اس کی گردن میں مشغول ہو جاتا ہے۔ جب آقا نے اذن دے دیا تو اس نے اپنا حق ساقط کر دیا۔ پس غلام اپنی اہلیت اصلیہ

بِوَقْتٍ وَلَا يَتَخَصَّصُ بِنَوْعٍ تَفْرِيعٌ عَلَى كَوْنِهِ إِسْقَاطًا (وَلَا يَرْجِعُ بِالْعُهْدَةِ عَلَى سَيِّدِهِ) لِفَكِّهِ الْحَجْرَ (فَلَوْ أَذِنَ لِعَبْدِهِ) تَفْرِيعٌ عَلَى فَكِّ الْحَجْرِ (يَوْمًا) أَوْ شَهْرًا (صَارَ مَأْذُونًا مُطْلَقًا حَتَّى يُحْجَرَ عَلَيْهِ): لِأَنَّ الْإِسْقَاطَاتِ لَا تَتَوَقَّتُ (وَلَمْ يَتَخَصَّصْ بِنَوْعٍ فَإِذَا أَذِنَ فِي نَوْعٍ عَمَّ إِذْنُهُ فِي الْأَنْوَاعِ كُلِّهَا)

اور نہ کسی نوع کے ساتھ خاص ہوگا۔ یہ اس کے اسقاط ہونے پر تفریع ہے۔ اور وہ عقد کی ذمہ داری اپنے آقا پر نہیں ڈالے گا۔ کیونکہ وہ حجر کو ختم کر چکا ہے۔ اگر اس نے اپنے غلام کو ایک دن یا ایک مہینہ کے لئے اذن دیا یہ فک حجر پر تفریع ہے تو وہ مطلقاً ماذون ہو جائے گا یہاں تک کہ اس پر حجر کیا جائے۔ کیونکہ اسقاطات نہ وقت کے ساتھ خاص ہوتے ہیں اور نہ ہی نوع کے ساتھ خاص ہوتے ہیں جب اسے ایک نوع میں اذن دیا جائے تو اس کا اذن تمام انواع میں عام ہوگا۔

کے ساتھ تصرف کرنے والا ہوگا۔ ''زیلعی''۔

30915۔ (قولہ: وَلَا يَتَخَصَّصُ بِنَوْعٍ) یعنی نہ وہ نوع کے ساتھ خاص ہوگا اور نہ ہی مکان کے ساتھ خاص ہوگا۔ ''قہستانی''۔ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: یہ حکم اس وقت ہے جب اذن عبد محجور سے ہو مگر جب وہ عبد ماذون کو ملے تو وہ خاص ہوگا۔ جب اسے تجارت کرنے کی اجازت دی گئی پھر اسے مال دیا گیا اور اس نے کہا: اس کے بدلے سے مجھے کھانا فدیہ دو تو اس نے عبد رقیق خرید اتو وہ اسے اپنی ذات کے لئے خریدنے والا ہوگا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر نص قائم کی ہے۔

30916۔ (قولہ: تَفْرِيعٌ عَلَى كَوْنِهِ إِسْقَاطًا) کیونکہ اسقاطات تقیید کو قبول نہیں کرتے جس طرح آگے آئے گا۔ جیسے طلاق اور عتاق ہے۔ یہ کہا جائے گا: اگر یہ اسقاط ہوتا تو وہ اس کی نہی کا مالک نہ ہوتا۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں: ایسا حق جو پایا نہ گیا ہو وہ اسقاط نہیں ہوتا پس نہی اس اسقاط سے رکنا ہے جس میں حق نہیں پایا گیا۔ ''زیلعی''۔

30917۔ (قولہ: وَلَا يَرْجِعُ بِالْعُهْدَةِ) یعنی تصرف کا حق نہیں لوٹائے گا جس طرح ثمن کا مطالبہ کرنا وغیرہ۔ عهدة یہ فعلہ کا وزن ہے اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ یہ عهدہ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے اس نے فلاں سے ملاقات کی۔ ''قہستانی''۔

30918۔ (قولہ: لِفَكِّهِ الْحَجْرَ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ان کا قول ولا یرجع یہ ان کے قول فك الحجر پر تفریع ہو گی۔ ''قہستانی'' نے اسے تصرف لنفسہ پر تفریع بنائی ہے۔

30919۔ (قولہ: تَفْرِيعٌ عَلَى فَكِّ الْحَجْرِ) اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ تفریع پر تفریع ہے۔ وہ یہ قول ہے: فلا یتوقف جس طرح اس پر تعلیل دلالت کرتی ہے۔ ''تامل''

اسقاطات نہ وقت کے ساتھ خاص ہوتے ہیں نہ نوع کے ساتھ

30920۔ (قولہ: لِأَنَّ الْإِسْقَاطَاتِ لَا تَتَوَقَّتُ) کیونکہ یہ وقوع کے وقت لاشی ہو جاتے ہیں۔

30921۔ (قولہ: فَإِذَا أَذِنَ فِي نَوْعٍ الخ) خواہ وہ غیر سے سکوت اختیار کرے یا صریح طریقہ سے نہی کرے جیسے وہ کپڑا خریدنے کی اجازت دے اور کہا: اس کے علاوہ کوئی چیز نہ خریدنا۔ ''تاتر خانیہ'' نے ''مضمرات'' سے نقل کیا ہے۔

لِأَنَّهُ فَكُّ الْحَجْرِ لَا تَوْكِيلٌ ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ الْإِذْنَ بِالتَّصَرُّفِ النَّوْعِيِّ إِذْنٌ بِالتِّجَارَةِ وَبِالشَّخْصِيِّ اسْتِخْدَامٌ

کیونکہ یہ فک حجر ہے توکیل نہیں ہے۔ پھر جان لو کہ تصرف نوعی کا اذن تجارت کا اذن ہے اور تصرف شخصی کا اذن استخدام ہے۔

30922۔ (قولہ: لِأَنَّهُ فَكُّ الْحَجْرِ لَا تَوْكِيلٌ) اس قول کو دوبارہ ذکر کیا ہے اگرچہ ہمارے امام اور امام ''زفر'' و ''شافعی'' کے درمیان جو اختلاف ہے اس کے ثمرہ پر تنبیہ گزر چکی ہے۔ فافہم

تصرف نوعی کا اذن تجارت کا اذن ہے جب کہ تصرف شخصی کا اذن استخدام ہے

30923۔ (قولہ: ثُمَّ اعْلَمْ الخ) ''المنح'' میں کہا: تخصیص بعض اوقات مفید نہیں ہوتی جب اس سے مراد استخدام ہو کیونکہ اگر اسے اذن بنا دیا جائے تو استخدام (خدمت لینا) کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ اس امر کی طرف لے جائے گا کہ جس نے اپنے غلام کو دو فلس کے بدلے میں سبزی خریدنے کا امر کیا تو وہ عبد ماذون بن جائے گا اس کا دیون کے بارے میں اقرار صحیح ہو جائے گا جو اس کی گردن کو گھیر لیں گے اور جن کے بدلے میں اس کا فی الحال مواخذہ کیا جائے گا۔ پس کوئی آدمی بھی اپنے غلام سے خدمت لینے کی جرات نہیں کرے گا جس میں اسے شدید ضرورت ہو۔ کیونکہ عموماً غلاموں کو حقیر اشیاء کی خریداری میں استعمال کیا جاتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ استخدام اور تجارت کے اذن میں فرق کیا جائے۔ وہ یہ ہے کہ اگر وہ مکرر تصرف کی صراحۃً اجازت دے جیسے وہ کہے: میرے لئے کپڑا خریدو اور اسے بیچو یا کہے: اس کپڑے کو بیچو اور اس کی ثمن کے ساتھ خریدو یا دلالۃً اس کا تکرار کرے: مجھے ہر ماہ منافع دو یا مجھے ہزار دو جبکہ تو آزاد ہے۔ کیونکہ آقا نے اس سے مال طلب کیا ہے اور یہ حاصل نہیں ہوتا مگر کمانے سے جبکہ یہ تکرار کی دلالت ہے اگر وہ کہے: رنگریز یا دھوبی کی حیثیت سے بیٹھ جاؤ۔ کیونکہ ایسی چیز کو خریدنے کا اذن ہے جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ یہ انواع میں سے ایک نوع ہے جو مذکورہ عمل کے ساتھ متکرر ہوتی ہے یہ اذن ہوگا اگر وہ غیر متکرر تصرف کا اذن دے جیسے اپنے گھر والوں کا کھانا اور ان کا لباس تو یہ اذن نہیں ہوگا جیسے ہم نے ثابت کر دیا ہے۔ ''بزازیہ'' میں اس تفصیل کی صراحت کی ہے۔

اگر تو کہے: یہ قاعدہ ٹوٹ جاتا ہے جب غلام سامان غصب کرے اور اس کا آقا اسے وہ سامان بیچ دینے کا حکم دے دے تو یہ تجارت کا اذن ہے اور یہ عقد مکرر کا امر نہیں۔

میں کہوں گا: اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ایسے عقد کا امر ہے جو دلالۃً مکرر ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے مغصوبہ چیز کی بیع کے ساتھ اسے مخصوص کرنا باطل ہے۔ کیونکہ اسے اس پر ولایت نہیں۔ اور اجازت کبھی اس سے صراحۃً صادر ہوتی ہے۔ جب تقیید باطل ہو جائے گی تو اطلاق ظاہر ہو جائے گا۔ اور ''ہدایہ'' کا کلام فاصل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ تصرف نوعی اور تصرف شخصی ہے اور پہلے کا اذن اذن ہے دوسرے کا اذن اذن نہیں فتامل۔ ''العنایہ'' میں یہ اسی طرح ہے اور ''وقایہ'' کا کلام اس کا فائدہ دیتا ہے۔

(وَيَثْبُتُ) الْإِذْنُ (دَلَالَةً فَعَبْدٌ رَآهُ سَيِّدُهُ يَبِيعُ مِلْكَ أَجْنَبِيٍّ) فَلَوْ مِلْكَ مَوْلَاهُ لَمْ يَجُزْ حَتَّى يَأْذَنَ بِالنُّطْقِ بَزَّازِيَّةٌ وَدُرَرٌ عَنِ الْخَانِيَّةِ

اور اذن دلالۃً ثابت ہو جاتا ہے۔ پس ایک غلام ہے اس کے آقا نے اسے دیکھا جو اجنبی کی مملوکہ چیز بیچ رہا ہے اگرچہ وہ اس کی اپنی ملکیت ہو تو یہ جائز نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ بول کر اجازت دے۔ ''بزازیہ'' میں ہے۔ اور ''درر'' میں ''الخانیہ'' سے منقول ہے۔

30924۔ (قولہ: وَيَثْبُتُ الْإِذْنُ دَلَالَةً الخ) ''الحقائق'' میں ہے: بے شک آقا کے سکوت کو اذن بنایا جائے گا جب اس سے پہلے وہ چیز نہ ہو جو حالت سکوت میں اذن کی نفی کرے جس طرح اس کا قول ہے: جب تم میرے غلام کو تجارت کرتے ہوئے دیکھو پھر وہ خاموش ہو گیا۔ پس یہ غلام کو تجارت کا اذن نہیں ہوگا۔ پھر اس کو تجارت کرتے ہوئے دیکھا پس وہ خاموش رہا تو بالاتفاق وہ ماذون نہیں ہوگا۔

30925۔ (قولہ: فَعَبْدٌ رَآهُ سَيِّدُهُ الخ) عبد، مبتدا ہے اس کی خبر ماذون ہے۔ اس کو مبتدا بنانا جائز ہے کیونکہ وہ موصوف واقع ہے۔ ''زیلعی'' نے یہ بیان کیا ہے کہ جب وہ کسی اجنبی کو دیکھے جو اپنا مال بیچ رہا ہو اور خاموش ہو جائے تو اس کا سکوت اس کے لئے اذن نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ کسی اور کا مال تلف کر دے اور اس کا مالک دیکھ رہا ہو جبکہ وہ خاموش رہے تو اس کو ضمان کے مطالبے کا حق ہوگا۔

بعض فضلا نے کہا: چاہئے کہ اسے ''فصول عمادیہ'' کے قول، جو فصل تینتیس میں ہے، کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے: اگر کسی کی بوری پھٹ جائے اور اس میں جو کچھ ہے بہہ جائے جبکہ وہ خاموش ہو تو یہ رضا ہو گی مگر جو یہاں ہے اسے ایسے اتلاف پر محمول کیا جائے جس کا تدارک ممکن ہو۔ فلیتامل

30926۔ (قولہ: بَزَّازِيَّةٌ) اس کی عبارت یہ ہے: اگر اسے بیع و شرا کرتے ہوئے دیکھا اور وہ خاموش ہو گیا تو یہ اسے اجازت دینا ہوگا مگر وہ اسے منع کرے لیکن اس نے جو اپنے مولیٰ کے مال میں سے بیچا ہے تو یہ جائز نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ اسے بول کر اجازت نہ دے۔

خانیہ کی عبارات میں تطبیق

30927۔ (قولہ: وَدُرَرٌ عَنِ الْخَانِيَّةِ) ''خانیہ'' کی عبارت میں اضطراب ہے۔ کیونکہ انہوں نے باب کے شروع میں کہا ہے: آقا نے اپنے غلام کو دیکھا وہ مالک کے اعیان میں سے کسی عین کو بیچتے ہوئے دیکھے پس وہ خاموش ہو گیا تو یہ اذن نہیں ہوگا۔ چند سطور بعد کہا: اگر اس نے اسے اپنی دکان میں دیکھا پس خاموش ہو گیا یہاں تک کہ اس نے کثیر مال بیچ دیا تو یہ اذن ہوگا اور غلام نے اس سامان کو جو بیچا ہے وہ آقا پر نافذ نہیں ہوگا۔ پھر کہا: اگر ایک آدمی نے ایک آدمی کے غلام کو سامان دیا تا کہ اسے بیچے اس نے وہ سامان بیچ دیا تو آقا نے اسے دیکھا اور اسے منع نہ کیا تو یہ تجارت میں اجازت ہوگی اور یہ بیع سامان

لَكِنْ سَوَّى بَيْنَهُمَا الزَّيْلَعِيُّ وَغَيْرُهُ وَجَزَمَ بِالتَّسْوِيَةِ
لیکن دونوں کے درمیان ''زیلعی'' وغیرہ نے برابری کی ہے۔

کے مالک پر جائز ہو جائے گی۔ ''حموی''۔

میں کہتا ہوں: اس کی کلام میں کوئی اضطراب نہیں۔ کیونکہ ان کی پہلی کلام کا معنی یہ اس بیع میں اذن نہیں ہوگا جس سے خاموشی اختیار کی گئی تھی۔ پس اس کی بیع اس پر نافذ نہ ہوگی اگرچہ اس کے بعد وہ تجارت میں ماذون ہوگا جس طرح دوسرے اور تیسرے کی کلام کی تقیید بیان کی ہے۔ بے شک بعض کے سامان میں بیع نافذ ہو جائے گی۔ کیونکہ اس اجنبی نے اذن دیا تھا۔ ''بزازیہ'' میں جو قول ہے یہ اس کا معنی ہے۔ جو ہم نے قول کیا ہے اس پر وہ قول دلالت کرتا ہے جو ''شرح للبیری'' میں ''البدائع'' سے مروی ہے: ایک آدمی نے اپنے غلام کو بیع و شرا کرتے ہوئے دیکھا تو وہ ہمارے نزدیک ماذون ہو جائے گا مگر اس بیع میں جسے سکوت لاحق ہو۔ شرا کا معاملہ مختلف ہے۔

پھر میں نے علامہ ''طوری'' کو دیکھا ہے انہوں نے اسی طرح تطبیق دی ہے جبکہ انہوں نے ''البدائع'' وغیرھا کی عبارت سے استدلال کیا ہے۔ ''زیلعی'' پر اعتراض کیا ہے کیونکہ کہا: اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ ایسا عین اجازت سے بیچے جو مولی کا ہو یا کسی اور کا ہو یا اس کے اذن کے بغیر بیچے وہ بیع صحیح ہو یا فاسد ہو۔ صاحب ''ہدایہ'' نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ ''قاضی خان'' نے ذکر کیا ہے: جب وہ کوئی غلام دیکھے جو مالک کے اعیان میں سے کسی عین کو بیچے تو خاموش ہو جائے تو یہ اذن نہ ہوگا۔ اس پر یہ اعتراض کیا کہ ان کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ انہوں نے ''ہدایہ'' اور ''خانیہ'' کی کلام میں مخالفت کو سمجھا پھر کہا: یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ ''خانیہ'' کی کلام کو اس کے خلاف پر محمول کیا جائے جسے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاصل'' میں ذکر کیا ہے۔ شارح کا قول ہے انہوں نے ''بزازیہ'' سے نقل کیا ہے: یہ جائز نہ ہوگا یہاں تک کہ بول کر اجازت دے۔ اس کا معنی ہے: یہ بیع خصوصاً آقا پر جائز نہ ہوگی اگرچہ اس کے ساتھ غلام ماذون ہو جائے۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ اسے اذن نہیں جس طرح محشی اور شارح وغیرہ نے اسے سمجھا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ تمام ترمبیع کی بیع میں اسے اذن ہو چکا ہے۔ وہ آقا کی ملکیت ہو یا کسی اور کی ملکیت ہو۔ بے شک فرق اس بیع کے جواز میں ہے جسے سکوت نے پایا ہو۔ اگر وہ اجنبی کی چیز ہو تو یہ جائز ہوگی اگر وہ آقا کی ہو تو یہ جائز نہ ہوگی مگر جب وہ بول کر اجازت دے۔ اس مقام پر ایسی تحریر کو غنیمت جانو۔ کیونکہ یہ مقام ہے جہاں افہام کے قدم پھسل جاتے ہیں۔

30928۔ (قولہ: لَكِنْ سَوَّى بَيْنَهُمَا الزَّيْلَعِيُّ وَغَيْرُهُ) یعنی جیسے صاحب ''ہدایہ'' ہے جس طرح تو نے اس کی عبارت سن لی ہے۔ استدراک اس پر مبنی ہے جو انہوں نے سمجھا جس طرح اوروں نے سمجھا کہ ''بزازیہ'' اور ''خانیہ'' میں جو قول ہے وہ ''ہدایہ'' کے قول کے خلاف ہے۔ جبکہ تو یہ جان چکا ہے کہ اس میں کوئی مخالفت نہیں کہ وہ سکوت کے بعد مطلقاً ماذون ہو جائے گا۔ بے شک ''خانیہ'' میں ایسی چیز کو بیان کیا ہے جس کا ''ہدایہ'' میں ذکر نہیں کیا کہ وہ بیع خصوصی طور پر جائز نہ ہوگی اگر وہ مولی کی ملکیت ہو ورنہ وہ بیع جائز ہوگی۔

ابْنُ الْكَمَالِ وَصَاحِبُ الْمُلْتَقَى وَرَجَّحَهُ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ بِأَنَّ مَا فِي الْمُتُونِ وَالشُّرُوحِ أَوْلَى بِمَا فِي كُتُبِ الْفَتَاوَى فَلْيُحْفَظْ (وَيَشْتَرِي) مَا أَرَادَ (وَسَكَتَ) السَّيِّدُ (مَأْذُونٌ) خَبَرُ الْمُبْتَدَإِ إِلَّا إِذَا كَانَ الْمَوْلَى قَاضِيًا أَشْبَاهٌ

''ابن کمال'' اور ''صاحب الملتقی'' نے برابری کو یقین سے بیان کیا ہے اور ''شرنبلالیہ'' میں اسے ترجیح دی ہے کہ جو متون اور شروح میں ہے وہ اس سے اولیٰ ہے جو کتب فتاویٰ میں موجود ہے۔ پس اسے یاد رکھنا چاہئے۔ اور اسے خریدتے ہوئے (دیکھتا ہے) جس کے خریدنے کا وہ ارادہ کرتا ہے اور آقا خاموش رہتا ہے تو وہ غلام ماذون ہوگا۔ یہ مبتدا کی خبر ہے۔ مگر جب آقا قاضی ہو، ''اشباہ''۔

جو متون اور شروح میں ہے وہ اس سے اولیٰ ہے جو کتب فتاویٰ میں ہے

30929۔ (قولہ: وَرَجَّحَهُ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ) ''زیلعی''، ''ابن کمال'' وغیرہما نے جو آقا اور دوسرے کے مال میں تسویہ کا ذکر کیا ہے اسے ترجیح دی ہے۔ اس کے بعد ''جامع الفصولین'' سے یہ ذکر کیا ہے جسے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ اذن کا اثر مستقبل میں ظاہر ہوگا اس شے میں ظاہر نہیں ہوگا اور ان سے یہ چیز غائب رہی کہ یہ قاضی وغیرہ کی مراد ہے اور جیسا کہ یہ گزر چکا ہے۔ پس متون اور شروح میں جو کچھ ہے اس کے درمیان اور جو کچھ فتاویٰ میں ہے اس کے درمیان کوئی مخالفت نہیں۔ واللہ تعالیٰ الموفق۔

30930۔ (قولہ: وَيَشْتَرِي مَا أَرَادَ) واو یہ او کے معنی میں ہے اس کا قرینہ شارح کے بعد والا قول ہے: اوشرائہ، شاید تعمیم سے مراد یہ ہے کہ شرا سے مراد ہے جو مشتری کی تمام انواع کو عام ہے اگرچہ وہ حرام ہو۔ اسی وجہ سے ''قہستانی'' نے کہا: وہ خریدے اگرچہ وہ شراب خریدے۔ ''ط''۔

30931۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا كَانَ الْمَوْلَى قَاضِيًا) ''حموی'' نے ''شرح الکنز'' میں کہا: ''مقدسی'' نے ''رمز'' میں کہا ہے: اس کی توجیہ میں میرے لئے یہ امر ظاہر ہوا ہے کہ قاضی ان افراد میں سے ہے جو خود اعمال نہیں کرتے تو غلام کی جانب سے اعمال کا تکرار اس کے اذن پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ توکیل کا احتمال قوی ہے۔ اس تعلیل نے یہ فائدہ دیا کہ قاضی نے تمثیل ذکر کیا۔ پس اس سے مراد ہر وہ فرد ہے جو اعمال خود نہیں کرتا۔

''حاشیۃ الاشباہ'' میں ہے: میں کہتا ہوں: صاحب ''الظہیریہ'' نے یہ مسئلہ استثنا کے طریقہ پر نہیں کیا۔ اور ''قاضی خان'' نے اس کا ذکر کیا مگر استثنا کے طریقہ پر ذکر نہیں کیا۔ قاضی نے کہا ہے: جب وہ اپنے غلام کو بیچتے اور خریدتے ہوئے دیکھے پس وہ خاموش رہے تو وہ اذن نہیں ہوگا۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ صاحب ''ہدایہ'' کے اطلاق سے سمجھ آتا ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ آقا قاضی ہو یا نہ ہو اور جو متون اور شروح میں ہے وہ اس پر مقدم ہے جو فتاویٰ میں ہے۔ ''ابو سعود'' نے ''حاشیۃ الاشباہ'' میں اسے ثابت رکھا ہے۔

وَلَكِنْ (لَا) يَكُونُ مَأذُونًا (فِي) بَيْعِ (ذَلِكَ الشَّيْءِ) أَوْ شِرَائِهِ فَلَا يَنْفُذُ عَلَى الْمَوْلَى بَيْعُ ذَلِكَ الْمَتَاعِ: لِأَنَّهُ يَلْزَمُ أَنْ يَصِيرَ مَأذُونًا

لیکن اس شے کی بیع یا شرا میں وہ ماذون نہیں ہوگا پس اس سامان کی بیع نافذ نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ لازم کرتا ہے وہ ماذون ہونے سے

میں کہتا ہوں: یہ کوئی بعید نہیں کہ ''قاضی خان'' کی مراد ہو کہ وہ اس تصرف میں ماذون نہیں ہوگا جسے سکوت نے پایا جس طرح وہ تھا۔ اس کی گزشتہ کلام سے مراد ہے جس طرح تو جانتا ہے۔ پس وہ اس کے بعد ماذون ہوگا۔ پس اس تعبیر کی بنا پر کوئی استثنا نہیں۔ اور ''مقدسی'' نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ وجہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے کیونکہ انہوں نے اسے قاضی پر نص قرار دیا ہے ساتھ ہی یہ اس کے ساتھ کلام کے عموم میں داخل ہے یعنی قاضی کے غلام کا حکم دوسروں کی طرح ہے اگرچہ یہ احتمال قوی ہے کہ وہ اس کی جانب سے وکیل ہو۔ پس یہ متون اور شروح کے اطلاق کے منافی نہیں۔ اسی وجہ سے ''خانیہ'' اور ''ظہیریہ'' میں استثنا کے طریقہ پر اسے ذکر نہیں کیا جس طرح ''الاشباہ'' میں کیا ہے۔ پھر میں نے ''طوری'' کو دیکھا۔ انہوں نے مسئلہ ذکر کرتے ہوئے کہا: بعض اہل عصر نے یہ سمجھا ہے کہ قاضی کا سکوت اذن نہیں۔ مولی کے سکوت کا معاملہ مختلف ہے جس طرح امام ''زیلعی'' نے اسے سمجھا ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ فہم ان کے کلام کے مخالف ہے جس طرح ''زیلعی'' کا گزشتہ فہم ہے یہ اس کا مصدر ہے جو ہم نے کہا ہے۔ فتدبر۔

30932۔ (قولہ: لَا فِي ذَلِكَ الشَّيْءِ) اس میں ہے: کلام اس میں مفروض ہے جب وہ اجنبی کی ملک کو بیچے۔ اس وقت یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ آقا کا سکوت اس شے کے بیچنے میں اذن ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی نفی صحیح ہو جائے۔ اسی امر کی طرف شارح نے اپنے قول: فلا ینفذ علی المولی بیع ذلك المتاع سے اشارہ کیا ہے۔ لیکن یہ ایسی شرح ہے جو شروح کے مطابق نہیں۔ پس اس پر لازم ہوگا کہ اسے اعتراض کے قالب میں ظاہر کرے۔ ''ح''۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اس شے میں اس کا ماذون نہ ہونا اس صورت میں ہے اگر وہ آقا کی ملکیت بیچ دے مگر جب وہ اجنبی کی ملکیت اس کی اجازت سے بیچے تو اس کی بیع اجنبی پر نافذ ہو جائے گی جس طرح ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ اس کا نفاذ آقا کے سکوت کی وجہ سے نہیں بلکہ سامان کے مالک کے امر کی وجہ سے ہے۔ کیا ذمہ داری غلام پر ہوگی یا سامان کے مالک پر ہوگی؟ مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے ''ذخیرہ''، ''تاتر خانیہ''۔ لیکن ''سراج'' کے کلام کا ظاہر فرق نہ ہونے کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ اس نے کہا: اگر وہ اپنے غلام کو دیکھے جو خرید و فروخت کرتا ہے اور وہ خاموش ہو گیا اور اس نے اس کو منع نہ کیا ہو تو وہ ماذون ہو جائے گا۔ اور یہ تصرف جسے آقا نے مشاہدہ کیا ہے یہ جائز نہیں ہوگا مگر جب وہ اسے قول سے جائز قرار دے خواہ وہ چیز جس کو اس نے بیچا ہے وہ آقا کی ہو یا کسی اور کی ہو اور اس کے بعد جس میں وہ تصرف کرے گا وہ اس میں ماذون ہوگا مگر اس کی تعمیم اس کے اس قول صار ماذونا کی طرف لوٹے یا اسے اس پر محمول کیا جائے جب وہ اجنبی کی اجازت کے بغیر ہو یہی اقرب ہے۔ پس یہ اس کے منافی نہیں جسے ہم نے پہلے ''بزازیہ''، ''خانیہ'' وغیرہما سے بیان کیا ہے۔ فتامل

قَبْلَ أَنْ يَصِيرَ مَأْذُونًا وَهُوَ بَاطِلٌ قُلْت لَكِنْ قَيَّدَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ مَعْزِيًّا لِلذَّخِيرَةِ بِالْبَيْعِ دُونَ الشِّرَاءِ مِنْ مَالِ مَوْلَاهُ أَيْ فَيَصِحُّ فِيهِ أَيْضًا وَعَلَيْهِ فَيُفْتَقَرُ إلَى الْفَرْقِ وَاللَّهُ تَعَالَى الْمُوَفِّقُ

پہلے ماذون ہوجائے جبکہ یہ باطل ہے۔ میں کہتا ہوں: لیکن ''قہستانی'' نے بیع کی قید لگائی ہے نہ کہ آقا کے مال سے شرا کی، اسے ''ذخیرہ'' کی طرف منسوب کیا ہے یعنی اس میں بھی صحیح ہوگا اس تعبیر کی بنا پر فرق کی ضرورت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

30933۔ (قولہ: قَبْلَ أَنْ يَصِيرَ مَأْذُونًا) کیونکہ اذن ثابت نہیں ہوتا مگر جب وہ اس کی موجودگی میں بیچے یا خریدے نہ کہ اس سے قبل خریدے یا بیچے پس بدیہی طور پر وہ بیع ایسی ہوگی جس میں اذن نہیں ہوگا پس وہ نافذ نہ ہوگا۔

30934۔ (قولہ: وَهُوَ بَاطِلٌ) کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ایک شے اپنی ذات پر مقدم ہے۔

30935۔ (قولہ: مَعْزِيًّا لِلذَّخِيرَةِ) ''ذخیرہ'' کی عبارت کی نص اس طرح ہے: جب آقا نے اپنے غلام کو دیکھا کہ وہ آقا کے مال سے خریدرہا ہے آقا نے اسے منع نہ کیا تو یہ آقا کی جانب سے اسے تجارت کا اذن ہے اور اس نے جو چیز خریدی ہے تو وہ لازم ہوگی اور آقا کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنا مال لوٹا لے۔ جب آقا نے اپنا مال جو دراہم یا دنانیر کی صورت میں ہو اسے واپس لوٹا دیا تو بیع ختم نہ ہوگی۔ اگر اس کا مال سامان تجارت، کیلی یا وزنی چیز ہو تو بیع ختم ہوجائے گی۔

30936۔ (قولہ: مِنْ مَالِ مَوْلَاهُ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ بمال کہتے یعنی من کی جگہ باذکر کرتے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

30937۔ (قولہ: فَيُفْتَقَرُ إلَى الْفَرْقِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ فا کا حذف کرتے ''ط''۔ شاید فرق وہ ہے جس کو علما نے باب الفضولی میں ذکر کیا ہے کہ شرا انفاذ میں زیادہ سریع ہے۔ فتامل، ''ح''۔

میں کہتا ہوں: ''شرح دررالبحار'' میں ہے: شرا کی صورت میں آقا پر نافذ ہوجائے گا کیونکہ بیع اس کی ملک میں ہے۔ اور بیع کی صورت میں یہ عقد آقا پر نافذ نہیں ہوگا۔ کیونکہ بیع اس کی ملک سے زائل ہوچکا ہے۔ اس کی مثل ''حموی'' نے ''بدائع'' ''شرح المجمع'' سے نقل کیا ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ یہ ایک عقد میں ادخال واخراج ہے۔

میں کہتا ہوں: اگر ثمن دراہم یا دنانیر ہوں تو یہ اشکال کا باعث نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ تعیین کے ساتھ متعین نہیں ہوتے بلکہ ذمہ میں واجب رہیں گے۔ اسی وجہ سے اگر آقا واپس لے تو بیع نہیں لوٹے گی جس طرح ہم پہلے بیان کرچکے ہیں اگر ثمن ان دونوں کے علاوہ ہو تو وہ اشکال پیدا کرے گی۔ کیونکہ وہ بیع مقایضہ ہے اور اس میں ثمن من وجہ مبیع ہے۔ پس اس پر یہ امر صادق آئے گا کہ اس نے آقا کی مملوکہ چیز بیچی ہے۔ یہ بات کئی دفعہ گزرچکی ہے کہ یہ اس پر نافذ نہ ہوگی۔ بے شک اس کے بعد وہ ماذون ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لازم وہ ہے جو غلام نے خریدا مگر اس نے جو مولیٰ کی ملکیت میں سے دیا تو وہ آقا پر نافذ نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے اسے واپس لینے کا حق ہے جب آقا نے اس امر کی اجازت دے دی جو غلام نے عمل کیا تھا اور اسے واپس نہ لیا تو

(وَ) یَثْبُتُ (صَرِیحًا فَلَوْ أَذِنَ مُطْلَقًا) بِلَا قَیْدٍ (صَحَّ كُلُّ تِجَارَةٍ مِنْهُ إِجْمَاعًا) أَمَّا لَوْ قَیَّدَ فَعِنْدَنَا یَعُمُّ خِلَافًا لِلشَّافِعِیِّ (فَیَبِیعُ وَیَشْتَرِی وَلَوْ بِغَبْنٍ فَاحِشٍ) خِلَافًا لَهُمَا (وَیُوَكِّلُ بِهِمَا وَیَرْهَنُ وَیَرْتَهِنُ وَیُعِیرُ الثَّوْبَ وَالدَّابَّةَ)؛ لِأَنَّهُ مِنْ عَادَةِ التُّجَّارِ

اگر وہ قید کے بغیر مطلقاً اذن دے تو صراحۃً یہ اذن ہوگا اس سے یہ تجارت صحیح ہوگی اس پر اجماع ہے مگر جب وہ قید لگائے تو ہمارے نزدیک وہ عام اجازت ہوگی۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ پس وہ بیع وشرا کرے گا اگرچہ غبن فاحش کے ساتھ ہو ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور عبد ماذون دونوں امور یعنی بیع وشرا کے لئے وکیل بنائے گا، رہن رکھے گا، اپنے پاس کسی سے کوئی چیز رہن رکھے گا کپڑا اور جانور ادھار دے گا۔ کیونکہ یہ تاجروں کی عادت ہے۔

یہ آقا پر نافذ ہو جائے گی اور وہ اس عقد اور اس کے بعد میں ماذون ہوگا۔ کیونکہ لاحق ہونے والی اجازت سابقہ کی طرح ہے۔ یہ امر میرے لئے ظاہر ہوا۔

30938۔ (قولہ: بِلَا قَیْدٍ) یہ اطلاق کا بیان ہے کہ آقا غلام کو کہے: میں نے تجھے تجارت میں اذن دے دیا اور کسی معین شے کی خریداری کی قید نہ لگائی اور نہ ہی تجارت کی کسی نوع کی قید لگائی۔ ''زیلعی''۔

30939۔ (قولہ: صَحَّ كُلُّ تِجَارَةٍ مِنْهُ) کیونکہ لفظ تجارت کی تمام انواع کو شامل ہوتا ہے۔ ''زیلعی''۔

30940۔ (قولہ: أَمَّا لَوْ قَیَّدَ) اگر اسے تجارت کی نوع، وقت یا کسی شخص کے ساتھ معاملہ کی قید لگائی۔ ''زیلعی''۔ یا مکان کی قید لگائی جس طرح قول گزر چکا ہے۔ مگر جب اسے کسی معین شے جیسے کھانا اور لباس کے خریدنے کی قید لگائے تو وہ ماذون نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ تو خدمت لینا ہے جس طرح اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

30941۔ (قولہ: خِلَافًا لِلشَّافِعِیِّ) امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ یہ اس امر پر مبنی ہے کہ یہ ان دونوں ائمہ کے نزدیک توکیل ہے اور ہمارے نزدیک یہ اسقاط ہے۔ ''ط''۔ جس طرح قول گزر چکا ہے۔

30942۔ (قولہ: وَلَوْ بِغَبْنٍ فَاحِشٍ) اسے مطلقاً ذکر کیا ہے۔ پس یہ قول اس کو شامل ہوگا جب وہ اسے غبن فاحش کے ساتھ بیع کرنے سے روکے یا اس کو مطلق اجازت دے جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ ''منح''۔

30943۔ (قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) اسی اختلاف پر یہ مبنی ہے کہ صبی اور معتوہ بیع کرے جن دونوں کو اجازت دی گئی ہو۔

30944۔ (قولہ: وَیُوَكِّلُ بِهِمَا) ھما ضمیر سے مراد بیع اور شرا ہے۔ ''شرح الملتقی'' میں یہ اضافہ کیا ہے: وہ بیع سلم کرے گا اس سے قبول کرے گا۔ ''التبیین'' میں ہے: اسے عقد مناسبت کا حق حاصل ہوگا لینے اور دینے میں۔

30945۔ (قولہ: لِأَنَّهُ مِنْ عَادَةِ التُّجَّارِ) یہ سب کی علت ہے یہاں تک کہ غبن فاحش کی علت ہے۔ کیونکہ یہ ان کا طریقہ ہے کہ مقصود لوگوں کے دلوں کو اپنی جانب مائل کرنا ہوتا ہے۔ وہ ایک عقد میں غبن فاحش کے ساتھ بیچتا ہے اور دوسرے میں نفع کماتا ہے جس طرح ''التبیین'' میں ہے اس میں ہے: اگر اس کا عبد ماذون مریض ہو جائے اور اس میں محابات کرے تو

(وَيُصَالِحُ عَنْ قِصَاصٍ وَجَبَ عَلَى عَبْدِهِ وَيَبِيعُ مِنْ مَوْلَاهُ بِمِثْلِ الْقِيمَةِ وَ) أَمَّا (بِأَقَلَّ) مِنْهَا فَ (لَا وَ) يَبِيعُ (مَوْلَاهُ مِنْهُ بِمِثْلِ الْقِيمَةِ

اور جو قصاص اس عبد ماذون کے غلام پر واجب ہوا اس کی جانب سے صلح کرے گا اور مثل قیمت کے ساتھ اپنے آقا سے بیع کرے گا۔ جہاں تک اس سے کم کا تعلق ہے تو بیع نہیں کرے گا۔ اور آقا اس کے ہاتھ مثل قیمت

اس کا اعتبار تمام مال سے ہوگا جب اس پر کوئی دین لازم نہ ہو۔ اگر اس پر دین ہو تو دین کے بعد جو باقی بچے اس تمام سے ہو گا۔ کیونکہ آزاد میں ایک تہائی پر اکتفا کرنا یہ وارثوں کے حق کی وجہ سے ہے اور غلام کا کوئی وارث نہیں اور آقا اذن دینے کے ساتھ اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی ہو چکا ہے۔ غرما کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر دین اس کے تمام مال کو محیط ہو تو مشتری کو کہا جائے گا: تمام محابات ادا کرو ورنہ بیع کو رد کر دو جس طرح آزاد میں ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب آقا صحیح ہو ورنہ غلام کی محابات صحیح نہ ہوگی مگر آقا کے مال کے تہائی سے وہ محابات کر سکتا ہے۔ کیونکہ آقا نے جب اذن کو دوام دیا بعد اس کے وہ مریض ہو گیا تھا اس نے غلام کو اپنے قائم مقام کر دیا پس اس کا تصرف اس آقا کے تصرف کی طرح ہو گیا جو محابات میں سے فاحش ہو یا غیر فاحش ہو برابر ہیں۔ پس کل نافذ نہیں ہوگا مگر ایک تہائی میں نافذ ہوگا۔ ''ملخص''

30946۔ (قولہ: وَيُصَالِحُ الخ) کیونکہ گویا اس نے بدل صلح کے ساتھ اسے خریدا ہے اور اسے خریدنے کا حق حاصل ہے۔ ''ط''۔

صاحبین کے ضابطہ کے مطابق آقا کی اجازت کے بغیر محابات جائز نہیں

30947۔ (قولہ: فَ لَا) کیونکہ اس میں تہمت ہے۔ پس یہ اس کے لئے جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ غرماء کا حق مالیت کے ساتھ متعلق ہوا ہے پس اس کو حق حاصل نہیں کہ وہ ان کا حق باطل کرے۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ اجنبی کے ساتھ عقد محابات کرے۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ کیونکہ اس میں اس پر کوئی تہمت نہیں۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے فرمایا: یہ جائز ہے اگرچہ غبن فاحش کی صورت میں ہو۔ لیکن آقا کو اختیار ہوگا کہ وہ غبن کو زائل کر دے یا بیع کو توڑ دے۔ جب وہ اجنبی سے بیع کرے تو معاملہ مختلف ہے تو اصلاً ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ محابات ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے ضابطہ کے مطابق آقا کی اجازت کے بغیر جائز نہیں جبکہ آقا سے اجازت دینے والا ہے جس کو وہ خود خرید ے مگر محابات کو زائل کرنا یہ غرما کے حق کی وجہ سے ہوتا ہے۔

علما نے ان کے قول: قيل يفسد البيع میں اختلاف کیا ہے۔ اصح یہ ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کی طرح ہے۔ پس اس کا تصرف اس کے آقا کے ساتھ اسی طرح ہوگا جس طرح مریض مدیون اجنبی کے ساتھ تصرف کرے۔ غبن فاحش اور غبن یسیر ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک جیسے ہیں جس طرح ''صاحبین'' رحمہما اللہ کا قول ہے۔ ''زیلعی''، ملخص۔

أَوْ أَقَلَّ وَلِلْمَوْلَى حَبْسُ الْمَبِيعِ لِقَبْضِ ثَمَنِهِ مِنَ الْعَبْدِ (وَيَبْطُلُ الثَّمَنُ) خِلَافًا لِمَا صَحَّحَهُ شَارِحُ الْمَجْمَعِ مَعْزِيًّا لِلْمُحِيطِ (لَوْ سَلَّمَ) الْمَبِيعَ (قَبْلَ قَبْضِهِ)؛ لِأَنَّهُ لَا يَجِبُ لَهُ عَلَى عَبْدِهِ دَيْنٌ فَخَرَجَ مَجَّانًا حَتَّى لَوْ كَانَ الثَّمَنُ عَرَضًا لَمْ يَبْطُلْ

یا اس سے کم سے بیع کرے گا۔ اور آقا کو حق حاصل ہوگا کہ غلام سے ثمن پر قبضہ کرنے کے لئے مبیع کو محبوس کرے اور ثمن باطل ہو جائے گی۔ ''شارح المجمع'' نے ''محیط'' کی طرف منسوب کر کے اس کی تصحیح کی ہے جو اس کے برعکس ہے۔ اگر آقا ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے ہی بیع اس غلام کے حوالے کر دے کیونکہ آقا کا اپنے غلام پر دین واجب نہیں ہوتا پس وہ بیع بغیر عوض کے اس کے ہاتھ سے نکل گیا یہاں تک کہ اگر ثمن عرض ہو تو وہ باطل نہیں ہوگا

30948۔ (قولہ: وَيَبْطُلُ الثَّمَنُ) جب ثمن باطل ہو جائے تو وہ یوں ہو جائے گا گویا اس نے ثمن کے بغیر چیز بیچی پس بیع جائز نہ ہوگی۔ بطلان ثمن سے مراد اس کے سپرد کرنے اور اس کے مطالبہ کا بطلان ہے۔ اور آقا کو حق حاصل ہوگا کہ وہ بیع کو واپس لے۔ ''جوہرہ''۔ لیکن ''التبیین'' میں یہ ذکر کرنے کے بعد کہ غلام سے کسی شے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا یہ قول کیا ہے: کیونکہ مبیع سپرد کرنے کے ساتھ اس کے روکنے کا حق ساقط ہو گیا اگرچہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس کا حق اس کے عین کے ساتھ متعلق ہے۔ پس وہ غرماء کی بنسبت اس کا زیادہ حقدار ہوگا یہاں تک کہ یہ کہا: یہ ظاہر روایت کا جواب ہے۔

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ولی کو حق حاصل ہے کہ وہ مبیع کو واپس لے لے اگر بیع موجود ہو اور اسے محبوس رکھے یہاں تک کہ وہ ثمن لے لے۔ ''النہایہ'' میں اسی طرح کہا ہے۔ ثمن کا بطلان ظاہر روایت کا جواب ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول اس صورت میں مروی ہے جب غلام جان بوجھ کر بیع کو ہلاک کر دے اگر وہ بیع موجود ہو تو آقا کو حق حاصل ہے کہ وہ اس سے واپس لے لے۔

30949۔ (قولہ: خِلَافًا لِمَا صَحَّحَهُ شَارِحُ الْمَجْمَعِ الخ) کیونکہ کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: ثمن باطل نہ ہوگی۔ اگرچہ وہ مبیع سپرد کر دے یا سپرد نہ کرے۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ وہ بیع کرے اور ثمن کا وجوب بطور دین متاخر ہو جائے جس طرح مبیع میں وجوب، خیار کے ساتھ متاخر ہو جاتا ہے یہاں تک اس کے ساقط ہونے کا وقت ہو جائے۔ صاحب ''المحیط'' نے کہا: یہی قول صحیح ہے۔ ''کلام شارح المجمع''۔

میں نے اس کے ''حاشیہ'' میں دیکھا جس کی نص یہ ہے: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ صاحب ''المحیط'' نے اس قول کی صحت کا حکم کیا ہے کہ غلام سے بیع جائز ہے نہ کہ اس قول کی صحت کا حکم لگایا ہے کہ اس سے ثمن ساقط نہ ہوگی اس تقدیر کی بنا پر کہ آقا اس سے بیع کرے جس طرح شارح نے سمجھا ہے۔ ''ح''۔

30950۔ (قولہ: حَتَّى لَوْ كَانَ) یہ ان کے قول دین پر تفریع ہے اور اس کے مفہوم کا بیان ہے۔ کیونکہ جب وہ سامان عقد کے ساتھ متعین ہو گیا تو وہ اس کے عین کا مالک ہو جائے گا اور یہ جائز ہوگا کہ وہ اس کے غلام کے قبضہ میں اس کی عین ملک

لِتَعَيُّنِهِ بِالْعَقْدِ، وَهٰذَا كُلُّهُ لَوِ الْمَأْذُونُ مَدْيُونًا وَإِلَّا لَمْ يَجُزْ بَيْنَهُمَا بَيْعٌ نِهَايَةٌ (وَلَوْ بَاعَ الْمَوْلَى مِنْهُ بِأَكْثَرَ مِنْهُ حَطَّ الزَّائِدَ أَوْ فَسَخَ الْعَقْدَ) أَيْ يُؤْمَرُ السَّيِّدُ بِأَنْ يَفْعَلَ وَاحِدًا مِنْهُمَا لِحَقِّ الْغُرَمَاءِ (فِيمَا كَانَ مِنَ التِّجَارَةِ وَتُقْبَلُ الشَّهَادَةُ عَلَيْهِ) أَيْ عَلَى الْعَبْدِ الْمَأْذُونِ بِحَقٍّ مَا (وَإِنْ لَمْ يَحْضُرْ مَوْلَاهُ) وَلَوْ مَحْجُورًا لَا تُقْبَلُ يَعْنِي لَا تُقْبَلُ عَلَى مَوْلَاهُ بَلْ عَلَيْهِ فَيُؤَاخَذُ بِهِ بَعْدَ الْعِتْقِ وَلَوْ حَضَرَا مَعًا فَإِنَّ الدَّعْوَى بِاسْتِهْلَاكِ مَالٍ

وہ عقد کے ساتھ متعین ہو جاتا ہے۔ یہ سب اس وقت ہے جب ماذون مدیون ہو ورنہ دونوں کے درمیان بیع جائز نہ ہوگی۔ ''نہایہ''۔ اگر آقا اپنے عبد ماذون کے ہاتھ زائد قیمت کے ساتھ بیچے تو وہ زائد کو کم کرے یا عقد کو فسخ کر دے یعنی آقا کو حکم دیا جائے گا کہ وہ ان دونوں میں سے ایک کام کرے۔ یہ غرما کے حق کی وجہ سے ہے ان امور میں جو تجارت میں سے ہوں اور عبد ماذون کے خلاف کسی بھی حق کے بارے میں شہادت کو قبول کیا جائے گا اگرچہ اس کا آقا حاضر نہ ہو۔ اگر وہ عبد محجور ہو تو اس کے خلاف شہادت کو قبول نہ کیا جائے گا یعنی اس کے آقا کے خلاف شہادت کو قبول نہ کیا جائے گا بلکہ اس کے خلاف شہادت کو قبول کیا جائے گا۔ پس آزادی کے بعد اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔ اگر دونوں اکٹھے موجود ہوں تو مال ہلاک کرنے

ہو جبکہ آقا غرماء کی بنسبت اس کا زیادہ حقدار ہوگا۔ ''نہایہ''۔

30951۔ (قولہ: وَهٰذَا كُلُّهُ) یعنی غلام کا اپنے آقا کے ہاتھ بیچنا اور اس کے برعکس وہ عقد قیمت کے بدلے میں ہو یا اس کے علاوہ ہو۔

30952۔ (قولہ: وَإِلَّا لَمْ يَجُزْ بَيْنَهُمَا بَيْعٌ) کیونکہ کوئی فائدہ نہیں کیونکہ سب آقا کا مال ہے اور اس میں کسی اور کا حق نہیں۔ ''زیلعی''۔

30953۔ (قولہ: فِيمَا كَانَ مِنَ التِّجَارَةِ) مصنف کے علاوہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس کا ذکر کیا ہو۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اس قید لگانے کے مفہوم کو میں نے نہیں دیکھا۔ شاید وہ اس کے ساتھ اس بیع سے احتراز کیا ہے جو بیع کھانے یا پینے کے لئے ہوتا ہے کیونکہ اس میں کوئی فسخ نہیں اور اس کی وضاحت کی ہے۔

30954۔ (قولہ: بِحَقٍّ مَا) جیسے بیع، اجارہ، شرا یا انہوں نے اس کے خلاف غصب کرنے کی شہادت دی، ودیعت کو جان بوجھ کر ہلاک کرنے کی شہادت دی یا اس کے اقرار پر انہوں نے شہادت دی ''عمادیہ''۔ یعنی ان میں سے جس نے اقرار کیا ہے اس پر اس کا فی الحال مواخذہ ہوگا جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔

30955۔ (قولہ: يَعْنِي لَا تُقْبَلُ عَلَى مَوْلَاهُ) یہاں تک کہ آقا سے غلام بیچنے کے بارے میں خطاب نہیں کیا جائے گا۔ ''عمادیہ''۔

30956۔ (قولہ: وَلَوْ حَضَرَا) یعنی آقا اور محجور حاضر ہوں۔

أَوْ غَصْبِهِ قَضَى عَلَى الْمَوْلَى وَإِنْ بِاسْتِهْلَاكِ وَدِيعَةٍ أَوْ بِضَاعَةٍ عَلَى الْمَحْجُورِ تُسْمَعُ عَلَى الْعَبْدِ وَقِيلَ عَلَى الْمَوْلَى وَلَوْ شَهِدُوا عَلَى إِقْرَارِ الْعَبْدِ بِحَقٍّ لَمْ يَقْضِ عَلَى الْمَوْلَى

یا اس کے غصب کے بارے میں دعویٰ ہو تو آقا کے خلاف اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر ودیعت یا بضاعت کو جان بوجھ کر ہلاک کرنے کے بارے میں دعویٰ ہو اور مجور کے خلاف ہو تو غلام کے خلاف اس کو سنا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آقا کے خلاف اسے سنا جائے گا اگر وہ کسی حق کے بارے میں غلام کے اقرار کے بارے میں گواہی دیں تو مطلقاً آقا کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

30957۔(قولہ: قَضَى عَلَى الْمَوْلَى) پس اس آقا سے اس کا غلام بیچنے کے بارے میں خطاب کیا جائے گا کیونکہ غلام کا مواخذہ اس کے افعال پر کیا جاتا ہے۔

30958۔(قولہ: عَلَى الْمَحْجُورِ) یہ مستدرک ہے کیونکہ اسی کے بارے میں ہے۔

30959۔(قولہ: تُسْمَعُ عَلَى الْعَبْدِ) یعنی اس کا مواخذہ اس کے عتق کے بعد ہوگا۔

30960۔(قولہ: عَلَى الْمَوْلَى) اس کے قائل امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اور پہلا قول طرفین کا قول ہے جس طرح ''عمادیہ'' میں ہے۔ ''بزازیہ'' میں ہے: اگر وہ اقرار نہ کرے لیکن اس پر گواہیاں قائم کر دی جائیں تو آقا کی موجودگی شرط ہے مگر امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرط نہیں۔

30961۔(قولہ: وَلَوْ شَهِدُوا عَلَى إِقْرَارِ الْعَبْدِ) عبد سے مراد عبد مجور ہے۔ پس بہتر یہ تھا کہ اسم ظاہر کی جگہ اسم ضمیر لاتے۔ جہاں تک ماذون غلام کے اقرار کا تعلق ہے تو تو یہ جان چکا ہے کہ وہ شہادت مولیٰ کے خلاف قبول کی جائے گی۔ اس کا تتمہ عنقریب آئے گا۔

30962۔(قولہ: لَمْ يَقْضِ عَلَى الْمَوْلَى) بلکہ اس کی آزادی تک اسے موخر کر دیا جائے گا۔ کتاب الحجر کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے: اگر غلام نے مال کا اقرار کیا تو اسے اس کی آزادی تک موخر کر دیا جائے گا اگر وہ آقا کے علاوہ کسی اور کا ہو۔ اگر اس کے آقا کا ہو تو وہ ہدر ہوگا اگر حد اور قصاص کا اقرار ہو تو اسے فی الحال قائم کیا جائے گا۔

''بزازیہ'' میں ہے: مجور کا مواخذہ اس کے افعال پر کیا جائے گا اس کے اقوال پر نہیں کیا جائے گا مگر وہ اقوال جو اس کی ذات کی طرف لوٹتے ہیں جیسے قصاص اور حدود ہیں۔ اور آقا کی موجودگی شرط نہیں اگرچہ وہ اس شے کو تلف کر دے جس پر اس کا فی الحال مواخذہ نہیں ہوتا۔ جہاں تک جنایت کا اقرار ہے جو غلام حوالے کرنے یا فدیہ دینے کو واجب کرتا ہے تو وہ صحیح نہ ہوگا وہ غلام مجور ہو یا ماذون ہو۔ مجور غلام کا دین، غصب اور معین مال کے بارے میں اقرار صحیح نہیں اور عبد ماذون میں صحیح ہے اور اس کا فی الحال مواخذہ کیا جائے گا۔ اگر ماذون اپنی بیوی کے مہر یا صدقہ (جبکہ صحیح دیت ہے ''مترجم'') کا اقرار کرے تو اس کا مواخذہ اس کی آزادی کے بعد ہوگا۔

مُطْلَقًا وَتَمَامُهُ فِي الْعِمَادِيَّةِ (وَيَأْخُذُ الْأَرْضَ إِجَارَةً وَمُسَاقَاةً وَمُزَارَعَةً وَيَشْتَرِي بَذْرًا يَزْرَعُهُ) وَيُؤَاجِرُ وَيُزَارِعُ (وَيُشَارِكُ عِنَانًا) لَا مُفَاوَضَةً وَيَسْتَأْجِرُ وَيُؤَجِّرُ وَلَوْ نَفْسَهُ وَيُقِرُّ بِوَدِيعَةٍ وَغَصْبٍ

اس کی مکمل وضاحت ''عمادیہ'' میں ہے۔ وہ عبد ماذون زمین اجارہ، مساقات اور مزارعت پر لے گا اور بونے کے لئے بیج خریدے گا وہ اجارہ کرے گا اور مزارعت کرے گا اور شرکت عنان کرے گا نہ کہ شرکت مفاوضہ کرے گا وہ کسی کو اجرت پر لے گا اور اجرت پر دے گا اگرچہ اپنے آپ کو اجرت پر دے وہ ودیعت، غصب

30963۔ (قولہ: مُطْلَقًا) خواہ آقا حاضر ہو یا غائب ہو۔ ''عمادیہ''۔

30964۔ (قولہ: مُزَارَعَةً) ''بزازیہ'' میں ہے: وہ مطلقاً زمین مزارعت پر لے اور اسے دے بیج اس کی جانب سے ہو یا اس کی جانب سے نہ ہو۔ یہ معنوی اعتبار سے ایجار ہے یا استیجار ہے جس طرح اس کے باب میں آئے گا۔ پس یہ تجارت سے ہوگا۔

30965۔ (قولہ: وَيُؤَاجِرُ وَيُزَارِعُ) یعنی اسے حق حاصل ہے کہ زمین اجرت پر دے اور مزارعت پر دے۔

30966۔ (قولہ: وَيُشَارِكُ عِنَانًا) ''النہایہ'' میں کہا: شرکت عنان اس کی جانب سے صحیح ہوگی جب وہ نقد اور ادھار خریداری کے ذکر کے علاوہ مطلقاً شرکت کرے مگر جب دونوں ماذون غلام شرکت کریں کہ وہ باہم نقد اور ادھار خریدیں گے تو اس میں سے ادھار جائز نہ ہوگی اور نقد جائز ہوگی۔ کیونکہ ادھار میں ساتھی کی جانب سے کفالت کا معنی پایا جاتا ہے۔ اگر دونوں کے آقا شرکت میں انہیں اس امر کی اجازت دیں کہ وہ نقد اور ادھار خریداری کر سکتے ہیں جبکہ ان دونوں پر دین نہ ہو تو یہ جائز ہوگا۔ جس طرح اگر ان دونوں میں سے ہر ایک کو اس کا آقا کفالت اور ادھار خریداری کا وکیل بنانے کی اجازت دے دے۔ ''مبسوط'' اور ''ذخیرہ'' میں اسی طرح ہے۔ مگر ''ذخیرہ'' میں ذکر کیا گیا ہے: جب اس کا شرکت مفاوضہ کی اجازت دے تو مفاوضہ جائز نہ ہوگی کیونکہ آقا کا کفالت کا اذن دینا تجارت میں جائز نہیں ہوتا۔ ''شرنبلالیہ'' میں اسی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں: ''الذخیرہ'' کی دوسری کلام کو اس پر محمول کرنا ممکن ہے جب ماذون مدیون ہو۔ ''ح''۔

30967۔ (قولہ: لَا مُفَاوَضَةً) کیونکہ وہ کفالت کا مالک نہیں ہوتا تو اس کی شرکت مفاوضہ شرکت عنان کی طرف منقلب ہو جاتی ہے۔ ''بزازیہ''۔

30968۔ (قولہ: وَيَسْتَأْجِرُ وَيُؤَجِّرُ) یعنی وہ مزدور اجرت پر لے گا اور اپنے غلام اجرت پر دے گا وہ گھر اور دکانیں اجرت پر لے گا اور انہیں اجرت پر دے گا کیونکہ اس میں مال کا حصول ہوتا ہے۔ اسے ''زیلعی'' نے ذکر کیا ہے۔

30969۔ (قولہ: وَلَوْ نَفْسَهُ) اسے لائے ہیں کیونکہ اس میں امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔

30970۔ (قولہ: وَيُقِرُّ بِوَدِيعَةٍ الخ) کیونکہ اقرار تجارت کے توابع میں سے ہے۔ کیونکہ اگر اس کا اقرار صحیح نہ ہو تو کوئی بھی اس کے ساتھ معاملہ نہیں کرے گا۔ ''زیلعی''۔ اس میں یہ شعور دلایا گیا ہے کہ جسے تجارت کا اذن دیا گیا ہو وہ ودیعت

وَدَيْنٍ وَلَوْعَلَيْهِ دَيْنٌ
اور دین کا اقرار کرے گا اگرچہ اس پر دین ہو

وصول کرنے میں ماذون ہوتا ہے جس طرح ''محیط'' وغیرہ میں ہے۔لیکن ''الحقائق'' کی کتاب الودیعہ میں اس کے برعکس ہے ''قہستانی''۔اسے مطلق ذکر کیا ہے۔ پس یہ قول اسے شامل ہوگا جب وہ آقا کے لئے اقرار کرے یا کسی اور کے لئے اقرار کرے اور اس کے اوپر دین ہو یا دین نہ ہو، وہ اس کی صحت کی حالت میں ہو یا اس کی مرض کی حالت میں ہو، اس کے آقا کی صحت کی حالت میں ہو یا اس کی مرض کی حالت میں ہو اس کا بیان آگے آئے گا۔ ''تاترخانیہ'' میں ہے: جب وہ حجر کے بعد کسی آدمی کے لئے دین یا عین کا اقرار کرے تو اس قدر جائز ہوگا جس قدر اس کے قبضہ میں ہے۔ ''بزازیہ'' میں ہے: یہ جائز ہے مگر اس میں جو آقا نے اس سے لے لیا ہو۔

اگر عبد ماذون آقا کے مرض میں دین کا اقرار کرے تو اس کی اقسام

30971۔(قولہ: وَلَوْعَلَيْهِ دَيْنٌ) یعنی جب اقرار اس کی صحت کی حالت میں ہو اگر وہ مرض کی حالت میں تو حالت صحت کے غرما کو مقدم کیا جائے گا۔ جس طرح آزاد کے حق میں ہوتا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جو تجارت کے باب میں سے ہے وہ اس کے دیون میں سے ہے اور اس کا اقرار کرنا صحیح ہوگا آقا اس کی تصدیق کرے یا تصدیق نہ کرے۔ اور جو تجارت کے باب میں سے نہ ہو تو اس عبد ماذون کی تصدیق نہ کی جائے گی مگر جب آقا اس کی تصدیق کرے۔ کیونکہ وہ اس میں مجور کی طرح ہے ''زیلعی''۔ پہلے کا فی الحال مواخذہ ہوگا اور دوسرے کا مواخذہ آزادی کے بعد ہوگا جس طرح ''ہندیہ'' میں ہے۔ دوسرے کی مثال ہے: اس کا اپنی بیوی کے مہر یا جنایت کا اقرار جس طرح ''بزازیہ'' میں گزر چکا ہے۔ ''طوری'' میں ''مبسوط'' سے مروی ہے: اگر وہ اپنے آقا کی مرض میں دین کا اقرار کرے تو اس کی کئی اقسام ہیں۔

1۔اس پر کوئی دین نہیں اور آقا پر حالت صحت کا دین ہے اسے یوں بنا دیا جائے گا گویا آقا نے اپنی مرض میں اقرار کیا ہے اور صحت کے دین سے آغاز کیا جائے گا۔

2۔غلام پر دین ہو اور آقا پر اس کی حالت صحت میں کوئی دین نہ ہو۔ پس غلام کا اقرار اس کے بارے میں صحیح ہے۔ کیونکہ اس کے آقا کی مرض کی حالت میں غلام پر حجر کیا جاتا ہے اگر آقا پر حالت صحت میں دین ہو جو اس کے مال، غلام کی گردن اور اس کے قبضہ میں جو کچھ ہے سب کو محیط ہو۔

3۔ ہر ایک پر حالت صحت کا دین ہے تو یہ اس حالت میں خالی نہیں ہوگا یا غلام کی گردن یعنی ذات اور اس کے قبضہ میں جو مال ہے وہ اس کے دین سے فاضل نہیں ہوگا یا اس سے فاضل ہوگا اور وہ آقا کے دین سے فاضل نہیں ہوگا یا دونوں سے فاضل ہوگا۔ پہلی صورت میں اس کا اقرار صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ دین اس کی ذات اور اس کے پاس جو مال ہے سب کو محیط ہے۔ دوسری صورت

(لِغَيْرِ زَوْجٍ وَوَلَدٍ وَوَالِدٍ) وَسَيِّدٍ فَإِنَّ إِقْرَارَهُ لَهُمْ بِالدَّيْنِ بَاطِلٌ عِنْدَهُ خِلَافًا لَهُمَا دُرَرٌ وَلَوْ بِعَيْنٍ صَحَّ إِنْ لَمْ يَكُنْ مَدْيُونًا وَهْبَانِيَّةٌ

اپنے زوج، بچے، والد اور سید کے علاوہ کا۔ کیونکہ ان افراد کے لئے دین کا اقرار کرنا باطل ہے۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے ان سے اختلاف کیا ہے، ''درر'' اگر چہ عین کا اقرار ہو تو اقرار صحیح ہوگا اگر وہ مدیون نہ ہو، ''وہبانیہ''۔

میں فاضل مال آقا کی حالت صحت کے غرماء کے لئے ہوگا اور تیسری صورت میں اس کا اقرار اس کے فاضل مال میں صحیح ہوگا۔ اگر دونوں میں سے کسی پر دین نہ ہو اور آقا اپنی مرض میں ہزار کا اقرار کرے پھر غلام ہزار کا اقرار کرے تو دونوں غلام کی ثمن میں باہم حصہ دار ہوں گے۔ اگر غلام پہلے اقرار کرے پھر آقا اقرار کرے تو غلام کے دین سے آغاز کیا جائے گا۔ ''ملخص''

اپنے زوج، بچے، والد اور آقا کے لیے دین کا اقرار کرنا باطل ہے

30972۔ (قولہ: لِغَيْرِ زَوْجٍ الخ) یعنی اگر وہ آزاد ہوتا تو اس کی گواہی جن کے حق میں قبول نہ کی جاتی جس طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔

30973۔ (قولہ: وَوَلَدٍ وَوَالِدٍ) ''مبسوط'' میں کہا: جب عبد ماذون اپنے بیٹے کے حق میں اقرار کرتا جبکہ وہ آزاد ہو یا اپنے باپ کے حق میں یا اپنی بیوی کے حق میں جبکہ وہ آزاد ہو یا اس کا بیٹا مکاتب ہو یا اپنے بیٹے کے غلام کے حق میں اقرار کرے جبکہ اس پر دین ہو یا دین نہ ہو تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اس کے حق میں اس کا اقرار باطل ہوگا اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کے مطابق جائز ہوگا اور یہ لوگ اس کی کمائی میں غرماء کے ساتھ شریک ہوں گے۔ ''ط''۔

30974۔ (قولہ: وَسَيِّدٍ الخ) ''ہندیہ'' میں کہا: اگر ماذون پر دین ہو وہ ایک شے جو اس کے قبضہ میں ہے کے بارے میں اقرار کرتا ہے کہ یہ اس کے آقا کی ودیعت ہے یا اس کے بیٹے کی ودیعت ہے یا اس کے باپ کی ودیعت ہے یا تاجر کے غلام کی ودیعت ہے اس پر دین ہو یا دین نہ ہو یا اس کے آقا کے مکاتب کی ودیعت ہے یا اس کی ام ولد کی ودیعت ہے۔ پس اس کا اپنے آقا، اس کے مکاتب، اس کے غلام اور ام ولد کے حق میں اقرار باطل ہوگا۔ جہاں تک اس کے آقا کے بیٹے یا اس کے باپ کے لئے اقرار جائز ہوگا اگر اس پر دین نہ ہو تو ان تمام کے حق میں اقرار جائز ہوگا۔ ''ط''۔

اگر عبد ماذون اپنے آقا یا آقا کے غلام کے حق میں مقبوضہ عین کا اقرار کرے تو اس کا حکم

30975۔ (قولہ: وَلَوْ بِعَيْنٍ صَحَّ الخ) ''مبسوط'' میں ہے: جب ماذون نے اپنے آقا کے حق میں یا اپنے آقا کے غلام کے حق میں اس عین کا اقرار کیا جو اس کے قبضہ میں تھا اگر اس پر دین نہ ہو تو یہ جائز ہوگا ورنہ جائز نہیں ہوگا۔ اگر وہ اپنے آقا کے حق میں دین کا اقرار کرے تو مطلقاً جائز نہیں ہوگا کیونکہ وہ اپنے غلام کے خلاف دین کا مستحق نہیں ''طوری''۔ تعلیل کا ظاہر یہ ہے کہ فرق دین اور عین میں ہوگا جب وہ آقا کے لئے ہو نہ کہ مقر کے خاوند، اس کے بچے اور اس کے والد کے لئے ہو۔ یہ

(وَيُهْدِی طَعَامًا يَسِيرًا) بِمَا لَا يُعَدُّ سَرَفًا وَمُفَادُهُ أَنَّهُ لَا يُهْدِی مِنْ غَيْرِ الْمَأكُولِ أَصْلًا ابْنُ كَمَالٍ وَجَزَمَ بِهِ ابْنُ الشِّحْنَةِ وَالْمَحْجُورُ لَا يُهْدِی شَيْئًا وَعَنِ الثَّانِي إِذَا دَفَعَ لِلْمَحْجُورِ قُوتَ يَوْمِهِ فَدَعَا بَعْضَ رُفَقَائِهِ

اور وہ تھوڑا سا کھانا ہدیہ دے جو اسراف شمار نہ ہوتا ہو اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ وہ غیر ماکول چیز سے اصلاً ہدیہ نہ دے گا ''ابن کمال''۔''ابن شحنہ'' نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے اور مجور کوئی شے ہدیہ نہیں دے گا۔ امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: جب مجور کو اس کے دن کا کھانا دیا گیا تو اس نے اپنے بعض رفقاء کو بلایا

اس کے خلاف ہے جو شارح کی کلام سے مفہوم ہے۔ میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جس نے اس کی تصریح کی ہو پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہئے۔

''وہبانیہ'' کی عبارت یہ ہے۔

و اقرارُهُ بِالْعَيْنِ لَا الدينُ جائزٌ لِمولاهُ الاّ حيثما الدينُ يظهرُ

ماذون غلام کا آقا کے حق میں عین کا اقرار جائز ہے دین کا جائز نہیں مگر جہاں دین ظاہر ہو۔

اگر ایک آدمی نے اپنے آقا کے حق میں اپنے غلام کے حق میں اقرار کیا جبکہ اس پر کوئی دین نہ ہو تو اسے دین لاحق ہو گیا اس کا اقرار باطل ہو جائے گا۔ اگر عین کا اقرار ہو تو اقرار باطل نہیں ہوگا یہاں تک کہ آقا دوسرے غرماء کے مقابلہ میں اس چیز کا زیادہ حقدار ہوگا''ولوالجیہ''۔ اس میں ہے: اس نے اپنے بیٹے کے حق میں، اپنے باپ کے حق میں یا اپنے بیٹے کے مکاتب کے حق میں اقرار کیا تو جس کا اقرار کیا ہے اس میں سے کوئی شے جائز نہ ہوگی اس پر دین ہو یا دین نہ ہو۔ یہ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ ان کا قول لم یجز شئ یہ دین اور عین کو شامل ہوگی۔ پس جو قول ہم نے کیا ہے یہ اس کی تائید کرتا ہے۔ ''تامل''۔ پھر میں نے''حاشیہ ابی سعود'' میں''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی علت دیکھی ہے کہ ان کا اس کے حق میں اقرار صورۃً اقرار ہے اور معنیً شہادت ہے۔ اور اس کی ان کے حق میں شہادت جائز نہیں اگر عبد ماذون آزاد ہوتا۔ اسی طرح اس کے اقرار کا معاملہ ہے پھر ان کے شیخ سے نقل کیا گیا ہے کہ صاحب''الدرر'' پر یہ اعتراض کیا گیا کہ انہوں نے عبد ماذون کے ان کے حق میں اقرار کے باطل ہونے کو دین کے ساتھ مقید کیا ہے جبکہ''زیلعی'' نے اسے مطلق رکھا ہے۔ تعلیل اس کی شہادت دیتی ہے کہ یہ معناً شہادت ہے پس دین اور عین میں کوئی فرق نہیں مگر آقا کے حق میں ایسا ہے۔ وللہ الحمد۔

30976۔(قولہ: بِمَا لَا يُعَدُّ سَرَفًا) شارح نے ایک جملہ حذف کر دیا ہے جس میں با کا متعلق ہے اصل عبارت اس طرح ہے جس طرح''المنح'' میں''بزازیہ'' سے مروی ہے۔ اسی وجہ سے وہ ماکول چیز کو ہدیہ کے طور پر دینے کا مالک ہوگا اگرچہ وہ درہم سے زائد ہو جسے اسراف شمار نہیں کیا جاتا کیونکہ با، زاد کے متعلق ہے۔''ح''۔

30977۔(قولہ: وَجَزَمَ بِهِ ابْنُ الشِّحْنَةِ) کیونکہ اس نے کلام کے بعد کہا: تو یہ جان چکا ہے علماء نے ہدیہ کو ماکولات کے ساتھ مقید کیا ہے پس نظم میں اس پر تنبیہ کی ضرورت ہے کیونکہ اس نے کلام مطلق ذکر کی ہے۔

لِلْأَكْلِ مَعَهُ فَلَا بَأْسَ بِخِلَافِ مَا لَوْ دَفَعَ إِلَيْهِ قُوتَ شَهْرٍ، وَلَا بَأْسَ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَتَصَدَّقَ مِنْ بَيْتِ سَيِّدِهَا أَوْ زَوْجِهَا بِالْيَسِيرِ كَرَغِيفٍ وَنَحْوِهِ مُلْتَقًى، وَلَوْ عُلِمَ مِنْهُ عَدَمُ الرِّضَا لَمْ يَجُزْ (وَيُضَيِّفُ مَنْ يُطْعِمُهُ) وَيَتَّخِذُ الضِّيَافَةَ الْيَسِيرَةَ بِقَدْرِ مَالِهِ (وَيَحُطُّ مِنْ الثَّمَنِ

تاکہ وہ اس کے ساتھ کھانا کھائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر اسے ایک ماہ کا روزینہ دیا جائے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ عورت کے لئے کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنے آقا کے گھر سے یا اپنے خاوند کے گھر سے تھوڑا سا صدقہ کرے جیسے روٹی وغیرہ، ''ملتقی''۔ اگر اس سے عدم رضا معلوم ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا اور جو اسے کھانا کھلاتا ہے وہ اس کی ضیافت کر سکتا ہے اور وہ اپنے مال سے مطلق تھوڑی سی ضیافت کرے گا۔ اور عیب کی وجہ سے ثمن میں وہ اتنی کمی

میں کہتا ہوں: اس کی مثل ''التبیین'' میں ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں ''المحیط'' سے اس بارے میں تصریح کی ہے۔ کہا: وہ ماکولات کے علاوہ دراہم و دنانیر ہدیہ کے طور پر دینے کا مالک نہیں ہوگا۔ اس میں ''الاصل'' سے یہ مروی ہے: اگر اس نے کوئی چیز ہبہ کی اور وہ چیز کھانے کے علاوہ تھی جبکہ اس کی قیمت درہم تک یا اس سے زائد تک پہنچ گئی تھی تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اگر آقا اس کے ہبہ کو جائز قرار دے اگر اس پر رہن نہ ہو تو اس کی اجازت موثر ہوگی ورنہ اجازت موثر نہ ہوگی۔ اسی طرح وہ صدقہ نہیں کرے گا مگر ایک درہم یا اس سے کم صدقہ کرے گا۔

عورت کے لیے اپنے خاوند یا آقا کے گھر سے تھوڑا سا صدقہ کرنا جائز ہے

30978۔ (قولہ: بِخِلَافِ مَا لَوْ دَفَعَ إِلَيْهِ قُوتَ شَهْرٍ) کیونکہ اگر وہ ایک ماہ سے پہلے ہی اسے کھا جائیں تو اس سے آقا کو نقصان ہوگا۔ ''ہدایہ''۔

30979۔ (قولہ: كَرَغِيفٍ وَنَحْوِهِ) کیونکہ عام معمول میں یہ ممنوع نہیں ''ہدایہ''۔ ایک چیز باقی رہ گئی ہے اگر اس کے گھر میں ایسا فرد ہو جو عورت کے قائم مقام ہے جیسے اس کا حاجب اور اس کا غلام۔ ''ابن شحنہ'' نے ''ابن وہبان'' سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے علما کی کلام میں اسے نہیں دیکھا اور چاہئے کہ یہ اس پر قیاس کرتے ہوئے جائز ہو۔ پھر ان سے نقل کیا گیا: اگر بیوی کو اس کے گھر میں تصرف سے روک لیا گیا ہو تو وہ بالفرض اس کے ساتھ کھانا کھا سکتی ہے اور خاوند اسے اپنے کھانے اور اپنے مال میں سے کسی شے پر تصرف کی قدرت نہیں دیتا تو چاہئے کہ اس کے لئے صدقہ جائز نہ ہو۔ اس پر اس سے اعتراض کیا گیا کہ عرف یہ ہے کہ مطلقاً تصرف کی اجازت ہوتی ہے۔ ''تامل''

30980۔ (قولہ: بِقَدْرِ مَالِهِ) یعنی اس کے ہاتھ میں جس قدر تجارت کا مال ہے۔ ''ابن شحنہ'' نے ''تتمہ'' سے نقل کیا ہے۔ یہاں تک کہ ''ابن سلمہ'' سے روایت کیا گیا: جب وہ مال دس ہزار درہم ہو تو اس دراہم سے ضیافت کا اہتمام کرتا ہے تو یہ یسیر ہوگی۔ اگر کل مال دس دراہم ہوں تو وہ ایک دانق سے ضیافت کرتا ہے تو یہ کثیر ہوگا۔ پس عرف میں مال تجارت کی مقدار کے بارے میں دیکھا جائے گا۔ پھر کہا: ''المنتقی'' میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مطلق نقل کیا ہے کہ آدمی کے لئے کوئی حرج

بِعَيْبٍ قَدْرَ مَا يَحُطُّ التُّجَّارُ) وَيُحَابِي وَيُؤَجِّلُ مُجْتَبًى (وَلَا يَتَزَوَّجُ) إِلَّا بِإِذْنٍ (وَلَا يَتَسَرَّى) وَإِنْ أَذِنَ لَهُ الْمَوْلَى (وَلَا يُزَوِّجُ رَقِيقَهُ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يُزَوِّجُ الْأَمَةَ (وَلَا يُكَاتِبُهُ) إِلَّا أَنْ يُجِيزَهُ الْمَوْلَى

کرے گا جس قدر تجار کمی کرتے ہیں اور وہ محابات کرے گا اور مہلت دے گا ''مجتبیٰ''۔ اور وہ آقا کی اجازت کے بغیر شادی نہیں کرے گا اور وہ لونڈی کو حرم نہیں بنائے گا اگرچہ آقا اسے اجازت دے اور وہ اپنے غلام کی شادی نہیں کرے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ اپنی لونڈی کی شادی کرے گا اور وہ اپنے غلام کو مکاتب نہیں بنائے گا مگر آقا اسے اجازت دے

نہیں کہ وہ اس غلام کی دعوت کو قبول کرے جس پر حجر کیا گیا ہو۔ میں کہتا ہوں: ماذون کی بدرجہ اولیٰ دعوت قبول کرنا جائز ہوگا۔

30981۔ (قولہ: بِعَيْبٍ) وہ عیب کے بغیر ثمن میں کمی نہیں کرے گا کیونکہ یہ محض تبرع ہے۔ ''منح''۔

30972۔ (قولہ: وَيُحَابِي) وہ ابتداء محابات کرے گا (قیمت سے کم ثمن مقرر کرے گا)۔ کیونکہ بعض اوقات تاجر اس کا محتاج ہوتا ہے۔ محابات پر کچھ گفتگو ہم پہلے ''زیلعی'' سے نقل کر چکے ہیں۔

30983۔ (قولہ: مُجْتَبًى) اس کی مثل ''التبیین'' میں ہے۔

30984۔ (قولہ: وَلَا يَتَزَوَّجُ) کیونکہ یہ باب التجارۃ میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں آقا پر مہر اور نفقہ کے واجب ہونے کی وجہ سے ضرر ہے۔ ''زیلعی''۔

30985۔ (قولہ: وَلَا يَتَسَرَّى) کیونکہ یہ ملک رقبہ پر مبنی ہے اور غلام اس کا مالک نہیں اگرچہ وہ مالک ہے۔

30986۔ (قولہ: وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يُزَوِّجُ الْأَمَةَ) کیونکہ اس صورت میں مہر حاصل ہوجاتا ہے اور نفقہ ساقط ہوجاتا ہے۔ پس یہ اس لونڈی کو اجارہ پر دینے کے مشابہ ہے۔ اسی وجہ سے مکاتب، باپ کے وصی اور باپ کے لئے یہ جائز ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اذن تجارت کو شامل ہے اور تزویج اس میں سے نہیں ہے۔ مکاتب کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اکتساب کا مالک ہوتا ہے اور یہ تجارت کے ساتھ خاص نہیں۔ اسی طرح باپ، دادا اور وصی ہے اور نیز ان کا تصرف صغیر کے حق میں زیادہ منفعت کے پیش نظر ہوتا ہے۔ اور لونڈی کی شادی کر دینا یہ بھی ان کی منفعت کو پیش نظر رکھے ہوئے ہے۔ اسی تصرف پر مبنی ہوں گے وہ بچہ اور معتوہ جن کو اجازت دی گئی ہو اور مضارب اور ایسا شریک جس نے شرکت عنان کی ہو یا شرکت مفاوضہ کی ہو۔ صاحب ''ہدایہ'' نے باپ اور وصی کو اسی اختلاف پر رکھا ہے یعنی ائمہ میں ان ہی دونوں کے بارے میں اختلاف ہے جبکہ یہ سہو ہے۔

30987۔ (قولہ: وَلَا يُكَاتِبُهُ) کیونکہ یہ فی الحال تصرف اور آخر کار گردن کی آزادی کو ثابت کرتا ہے اور اذن ان میں سے کسی شے کو ثابت نہیں کرتا اور شے اپنے سے مافوق کو متضمن نہیں ہوتی۔ ''زیلعی''۔

30988۔ (قولہ: إِلَّا أَنْ يُجِيزَهُ الْمَوْلَى) کیونکہ امتناع اسے لاحق ہوا جب اس نے اسے جائز قرار دے دیا تو مانع زائل ہوگیا پس وہ نافذ ہوجائے گا۔

وَلَا دَيْنَ عَلَيْهِ وَوِلَايَةُ الْقَبْضِ لِلْمَوْلَى (وَلَا يُعْتِقُ بِمَالٍ) إلَّا أَنْ يُجِيزَهُ الْمَوْلَى إلَى آخِرِ مَا مَرَّ (وَلَا بِغَيْرِهِ وَلَا يُقْرِضُ وَلَا يَهَبُ

اور اس پر دین نہ ہو اور بدل کتابت پر قبضہ کرنے کی ولایت آقا کے لئے ہوگی۔ اور وہ مال کے بدلے غلام آزاد نہ کرے مگر آقا اسے اجازت دے آخر تک جو گزر چکا ہے اور نہ ہی مال کے بغیر غلام آزاد کرے وہ قرض نہ دے، ہبہ نہ کرے

30989۔(قولہ: وَلَا دَيْنَ عَلَيْهِ) یہ جملہ حالیہ ہے یعنی ایسا دین جو مستغرق ہو۔ ''زیلعی'' نے کہا: ''النہایہ'' میں ذکر کیا ہے: اگر اس پر دین قلیل ہو یا کثیر ہو تو اس کی کتابت باطل ہوگی اگرچہ اس کی اجازت دے دے یہ اشکال کا باعث ہے۔ کیونکہ جو دین اس کی ذات اور جو اس کے قبضہ میں ہے اس کو مستغرق نہ ہو وہ بالا جماع آقا کی ملک میں داخل ہونے کے مانع نہیں یہاں تک کہ آقا کے لئے جائز ہے کہ جو اس کے قبضہ میں ہے اس کو آزاد کر دے۔ بے شک اختلاف مستغرق میں ہے۔ پس ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مانع ہے اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ مانع نہیں۔

میں کہتا ہوں: اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اسے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے قول پر محمول کیا جائے کہ غیر مستغرق بھی دخول کے مانع ہے اور جو ذکر کیا گیا ہے وہ ان کا دوسرا قول ہے۔

30990۔(قولہ: وَوِلَايَةُ الْقَبْضِ لِلْمَوْلَى) کیونکہ غلام آقا کا نائب ہے جیسے وکیل ہوتا ہے۔ پس بدل پر قبضہ کا حق اس کے لئے ہوگا جس کی جہت سے عقد نافذ ہو۔ کیونکہ اس میں وکیل سفیر اور معبر ہوتا ہے۔ پس غلام کے حقوق اس سے متعلق نہ ہوں گے جیسے نکاح ہوتا ہے۔ مبادلہ مالیہ کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ اگر مکاتب بدل کتابت اجازت سے قبل آقا کے حوالے کر دے پھر مولی اجازت دے تو وہ غلام آزاد نہیں ہوگا اور مقبوض آقا کے سپرد کر دیا جائے گا کیونکہ یہ اس کے غلام کی کمائی ہے۔ ''زیلعی''۔

30991۔(قولہ: وَلَا يُعْتِقُ) کیونکہ یہ کتابت سے فائق ہے پس امتناع میں یہ اولیٰ ہوگا۔

30992۔(قولہ: إلَى آخِرِ مَا مَرَّ) یعنی اس قول: ولا دین علیہ و ولایۃ القبض للمولی سے آخر تک۔ اگر وہ یہاں استثنا پر اکتفا کرتے اور وہ کہتے: الا ان یجیزھما المولی الخ جس طرح انہوں نے ''الملتقی'' پر اپنی شرح میں کہا ہے تو وہ زیادہ مختصر ہوتا۔ ''زیلعی'' نے کہا: اگر اس پر دین ہو جو تمام مال کو مستغرق ہو تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ عقد نافذ نہیں ہوگا۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ وہ اس چیز کا مالک ہو جائے گا جو اس کے قبضہ میں ہے یا مالک نہیں ہوگا۔

30993۔(قولہ: وَلَا بِغَيْرِهِ) یعنی مال کے بغیر بھی وہ آزاد نہیں کر سکتا یہ پہلے سے منع میں زیادہ اولیٰ ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ ''منح''۔

30994۔(قولہ: وَلَا يُقْرِضُ) کیونکہ یہ ابتداءً تبرع ہے جبکہ وہ اس کا مالک نہیں۔ ''منح''۔

30995۔(قولہ: وَلَا يَهَبُ) ہم پہلے ''تاتر خانیہ'' سے وہ ''الاصل'' سے نقل کر چکے ہیں کہ وہ ہبہ درہم سے کم میں ہبہ

وَلَوْ بِعِوَضٍ وَلَا يَكْفُلُ مُطْلَقًا) بِنَفْسٍ أَوْ مَالٍ (وَلَا يُصَالِحُ عَنْ قِصَاصٍ وَجَبَ عَلَيْهِ وَلَا يَعْفُو عَنِ الْقِصَاصِ) وَيُصَالِحُ عَنْ قِصَاصٍ وَجَبَ عَلَى عَبْدِهِ خِزَانَةُ الْفِقْهِ (وَكُلُّ دَيْنٍ وَجَبَ عَلَيْهِ بِتِجَارَةٍ أَوْ بِمَا هُوَ فِي مَعْنَاهَا) أَمْثِلَةُ الْأَوَّلِ (كَبَيْعٍ وَشِرَاءٍ وَإِجَارَةٍ وَاسْتِئْجَارٍ وَ) أَمْثِلَةُ الثَّانِي (غُرْمُ وَدِيعَةٍ وَغَصْبٍ وَأَمَانَةٍ جَحَدَهَا) عِبَارَةُ الدُّرَرِ، وَغَيْرِهَا جَحَدَهَا بِلَا مِيمٍ فَتَنَبَّهُ

اگر چہ عوض کے بدلے میں ہو اور وہ مطلقاً کفالت نہ اٹھائے نہ نفس کی اور نہ مال کی۔ اور وہ قصاص جو اس پر واجب ہوا اس کی (کسی عوض کے بدلے میں) مصالحت نہ کرے۔ اور وہ قصاص کو معاف نہ کرے۔ اور جو قصاص اس کے غلام پر واجب ہوا اس کی جانب سے مصالحت کرے، ''خزانۃ الفقہ''۔ ہر وہ دین جو تجارت یا جو تجارت کے معنی میں ہے اس کی وجہ سے اس پر واجب ہوا۔ یہ پہلے کی مثالیں ہیں جیسے بیع، شرا، اجارہ، اجرت پر کسی شے کو لینا اور دوسرے کی مثالیں ودیعت، غصب اور امانت کی چٹی ہے جن کا وہ انکار کرے۔ ''الدرر'' کی عبارت ہے: وغیرھا جحدھا اس میں میم نہیں پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

اور صدقہ کرے گا۔ اور ''شرنبلالیہ'' میں اسی پر گامزن رہے ہیں۔

30996۔ (قولہ: وَلَوْ بِعِوَضٍ) کیونکہ یہ ابتداء تبرع ہے یا ابتداءً اور انتہاءً تبرع ہے۔ ''زیلعی''۔ یعنی اگر عوض کے بغیر ہو اور وہ کسی کو بری نہ کرے کیونکہ یہ ہبہ کی طرح ہے۔ ''درر''۔

30997۔ (قولہ: وَلَا يَكْفُلُ) کیونکہ یہ ضرر محض ہے۔ ''درر''۔

30998۔ (قولہ: وَلَا يُصَالِحُ) یہ جو قول گزر چکا ہے اس کے ساتھ مستدرک ہے یعنی متن میں پہلے گزر چکا ہے۔

30999۔ (قولہ: وَيُصَالِحُ عَنْ قِصَاصٍ) جو گزر چکا ہے اس کے ساتھ مستدرک ہے ''ح'' یعنی جو متن میں گزر چکا ہے۔

31000۔ (قولہ: وَ أَمْثِلَةُ الثَّانِي) مناسب یہ تھا کہ اس کا ذکر ان کے قول و اجارۃ و استئجار سے پہلے کرتے کیونکہ یہ دونوں تجارت کے معنی میں ہیں جیسے ودیعت اور اس کے مابعد کی چٹی۔ ''الکفایہ'' میں اس پر نص قائم کی ہے۔

31001۔ (قولہ: وَأَمَانَةٍ) جیسے مضاربت، بضاعت اور عاریہ۔

31002۔ (قولہ: فَتَنَبَّهُ) شاید اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مصنف کی عبارت احسن ہے۔ کیونکہ غصب کی چٹی انکار کے بغیر ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اس کے ساتھ تعدی کرنے والا ہے۔ ودیعت اور امانت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ جب وہ ان دونوں کا انکار کرے گا تو دونوں کا ضامن بنے گا جس طرح جب وہ ان دونوں کو جان بوجھ کر ہلاک کر دے۔ لیکن احسن یہ ہے کہ وہ غصب کو ودیعت پر مقدم کرتے۔

اگر تو کہے: میں نے پہلے ''بزازیہ'' سے نقل کیا ہے کہ ماذون کا دین، غصب اور معین مال کا اقرار یہ صحیح ہے اور فی الحال اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔ جس پر حجر کیا گیا ہو اس کا معاملہ مختلف ہے تو پھر جحود کی قید کیوں لگائی؟ میں کہتا ہوں: تا کہ وہ دین ہو

(وَعُقْرٌ وَجَبَ بِوَطْءِ مَشْرِيَّةٍ بَعْدَ الِاسْتِحْقَاقِ) كُلُّ ذَلِكَ (يَتَعَلَّقُ بِرَقَبَتِهِ) كَدَيْنِ الِاسْتِهْلَاكِ وَالْمَهْرِ وَنَفَقَةِ الزَّوْجَةِ (يُبَاعُ فِيهِ) وَلَهُمْ اسْتِسْعَاؤُهُ أَيْضًا زَيْلَعِيٌّ وَمُفَادُهُ أَنَّ زَوْجَتَهُ لَوْ اخْتَارَتْ اسْتِسْعَاءَهُ لِنَفَقَةِ كُلِّ يَوْمٍ أَنْ يَكُونَ لَهَا ذَلِكَ أَيْضًا بَحْرٌ مِنَ النَّفَقَةِ (بِحَضْرَةِ مَوْلَاهُ) أَوْ نَائِبِهِ

اور ایسا عقر جو استحقاق کے بعد خریدی گئی لونڈی کی وطی سے واجب ہوا یہ سب اس کی ذات سے متعلق ہوگا جسے جان بوجھ کر ہلاک کرنے کی صورت میں اس شے کا دین، مہر اور بیوی کا نفقہ ہے اس دین میں اس غلام کو بیچا جائے گا اوران حقداروں کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس سے محنت ومزدوری بھی کروائیں۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر اس کی بیوی ہر دن کے نفقہ کے لئے اس سے کسب کروانے کو پسند کرے تو اسے یہ بھی حق حاصل ہے۔ ''بحر'' کے کتاب النفقہ سے ماخوذ ہے۔ یہ بیچنا اس کے آقا کی موجودگی میں ہو یا اس کے نائب کی موجودگی میں ہو

جائے پس وہ اس قول و کل دین کے تحت داخل ہو جائے۔ کیونکہ اس کے متعلق ہے جو اس کی رقبہ سے متعلق ہو اور یہ نہیں ہوتا مگر انکار کے ساتھ ہوتا ہے اگر چہ وہ عین کا اقرار کرے تو اس کا مواخذہ ہوتا ہے جس طرح اسے پہلے بیان کیا ہے۔

اگر تو کہے: غصب عین ہے۔ میں کہتا ہوں: ہاں یہ اس پر تعدی سے پہلے ہے اور کلام اس کی چٹی میں ہے اور چٹی اس کے بعد ہوتی ہے پس اس وقت وہ دین ہوگا۔

31003۔(قولہ: وَعُقْرٌ الخ) کیونکہ یہ شرا کی طرف منسوب ہے کیونکہ اگر خریداری نہ ہوتی تو اس پر حد واجب ہوتی عقر واجب نہ ہوتا خواہ وہ اس کے اقرار یا گواہیوں کے ساتھ واجب ہو۔ ''کفایہ''۔ یعنی وہ شرا کے حکم میں ہوگا۔ اور اس قول کے ساتھ اس سے احتراز کیا ہے جو شادی کرنے سے اس پر واجب ہوا ہے۔ پس یہ تجارت کے معنی میں نہیں ہوگا۔ ''قہستانی''۔

31004۔(قولہ: بَعْدَ الِاسْتِحْقَاقِ) یہ وجب کے متعلق ہے وطء کے متعلق نہیں۔ ''ط''۔

31005۔(قولہ: يَتَعَلَّقُ بِرَقَبَتِهِ) کیونکہ یہ ایسا دین ہے جس کا وجوب آقا کے حق میں ظاہر ہوا ہے ''درر''۔ ''الاشباہ''، ''منیۃ المفتی'' کے کتاب الاجارہ سے استثنا کی ہے جب وہ بیع وشرا میں اجیر تھا۔ کیونکہ ضمان اذن دینے والے سے متعلق ہوتی ہے اور وہ مستاجر ہے۔ اور ''مقدسی'' نے جو قول کیا ہے کہ اسے استثنا کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ماذون نہیں بلکہ وہ مستاجر کے وکیل کی طرح ہے یہ نقل کے محل میں بحث ہے۔ ''بیری''۔

31006۔(قولہ: كَدَيْنِ الِاسْتِهْلَاكِ) یعنی اس دین کی طرح ہے جو اس کے ذمہ مترتب ہوا ہے اس وجہ سے کہ اس نے کسی اور شے کو جان بوجھ کر ہلاک کیا ہے۔ ''ط''۔

31007۔(قولہ: يُبَاعُ فِيهِ) اس کی بیع جائز نہیں ہوتی مگر غرما کی رضامندی یا قاضی کے امر سے جائز ہوتی ہے۔ کیونکہ غرما کو حق حاصل ہوتا ہے وہ اس سے محنت مزدوری کروائیں تاکہ ان تک اس کا پورا حق پہنچ جائے۔ اور یہ آقا کے بیع کرنے سے باطل ہو جاتا ہے پس ان غرما کی رضامندی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ''ولوالجیہ''۔

لِاحْتِمَالِ أَنْ يَفْدِيَهُ بِخِلَافِ بَيْعِ الْكَسْبِ، فَإِنَّهُ لَا يَحْتَاجُ لِحُضُورِ الْمَوْلَى؛ لِأَنَّ الْعَبْدَ خَصْمٌ فِيهِ (وَيُقْسَمُ ثَمَنُهُ بِالْحِصَصِ وَ) يَتَعَلَّقُ (بِكَسْبٍ حَصَلَ

کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ اس کا فدیہ دے دے۔کسب کی بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے لئے آقا کے حاضر ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس میں غلام خصم ہے۔اور اس غلام کی ثمن حصص کے مطابق تقسیم کی جائے گی اور یہ دین اس کمائی سے متعلق ہوگا جو کمائی

اس میں ہے: اگر قاضی نے اسے ان لوگوں کے لئے بیچا جو اس کے پاس حاضر ہوئے تھے تو اس کی ثمن میں سے اس کا حصہ روک لے گا جو غائب ہے۔''زیلعی'' نے کہا: قاضی اس کی بیع میں جلدی نہیں کرے گا بلکہ وہ ٹال مٹول کرے گا اس احتمال کی وجہ سے کہ اس کا مال ہو تو وہ اسے پیش کرے یا اس کا دین ہو جس کا وہ تقاضا کرے۔ جب ٹال مٹول کی مدت گزر جائے اور اس کے لئے کوئی صورت ظاہر نہ ہو تو اسے بیچ دے۔

اس میں ایک اور جگہ ہے: پھر آقا جو اپنے اس غلام کو بیچتا ہے جو ماذون تھا اور اس کے اوپر رہن تھا اس کے دین کے علم کے بعد اسے قیمت کا فدیہ دینے کا مختار نہیں بنایا جائے گا اور وہ غلام جس کی جنایت کے علم کے بعد اسے بیچتا ہے اسے جنایت کی چٹی دینے کا اختیار دیا جائے گا۔ کیونکہ یہاں رہن غلام پر ہے اس طرح کہ وہ آزادی کے ساتھ اس سے بری نہیں ہوسکتا اور آقا پر کوئی شے واجب نہیں۔ اگر آقا صراحۃً فدیہ کو اختیار کر لے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: میں اس کا دین ادا کروں گا تو یہ وعدہ اس کی جانب سے تبرع ہوگا پس یہ اس پر لازم نہیں ہوگا۔ جنایت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کا حکم خاص طور پر آقا کے ذمہ ہوتا ہے۔

31008۔(قولہ: لِاحْتِمَالِ الخ) یہ اس کے حاضر ہونے کی شرط ہونے کی علت ہے اس قول نے یہ بیان کیا ہے کہ اس کی بیع حتمی نہیں بلکہ اس کے آقا کو بیع یا فدیہ دینے میں اختیار دیا جائے گا یعنی تمام دیون دینے کا اسے کہا جائے گا۔ صرف اس کی قیمت کے ادا کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔''الکفایہ'' میں اس پر متنبہ کیا ہے۔

31009۔(قولہ: لِأَنَّ الْعَبْدَ خَصْمٌ فِيهِ) یعنی اس کی کمائی میں نہ کہ اس کی گردن میں۔ جب کوئی انسان اس کی رقبہ کا دعویٰ کر دے تو آقا ہی خصم ہوگا غلام خصم نہیں ہوگا جب وہ اس کی کمائی کا دعویٰ کرے تو اس میں غلام خصم ہوگا آقا خصم نہیں ہوگا جس طرح ''التبیین'' میں ہے۔

31010۔(قولہ: وَيُقْسَمُ ثَمَنُهُ بِالْحِصَصِ) خواہ دین غلام کے اقرار سے یا گواہوں سے ثابت ہو''جوہرہ''۔ ''رحمتی'' نے کہا: یہ سب اس وقت ہے جب دین فوراً ادا کرنا ہو اگر اس کا بعض موجل ہو تو ارباب حال کو ان کا حصہ دے دیا جائے گا اور جس کے لئے مدت معین کی گئی تھی اس کا حصہ وقت کے آنے تک موخر کر دیا جائے گا۔

''الرمز'' میں کہا: میں کہتا ہوں: باب المفلس میں ''الینابیع'' سے گزر چکا ہے کہ تمام مال صاحب حال کو دے دیا جائے گا جب وہ مقررہ وقت آجائے گا تو اسے کہا جائے گا: اس کے ساتھ شریک ہوجا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب دین ظاہر ہو۔

قَبْلَ الدَّیْنِ أَوْ بَعْدَہٗ) وَیَتَعَلَّقُ (بِمَا وُھِبَ لَہٗ وَإِنْ لَمْ یَحْضُرْ) مَوْلَاہُ ھٰذَا قَیْدٌ لِلْکَسْبِ وَالْإِیھَابِ لٰکِنْ یُشْتَرَطُ حُضُورُ الْعَبْدِ؛ لِأَنَّہُ الْخَصْمُ فِی کَسْبِہِ، ثُمَّ إِنَّمَا یَبْدَأُ بِالْکَسْبِ وَعِنْدَ عَدَمِہِ یُسْتَوْفٰی مِنَ الرَّقَبَۃِ قُلْت وَأَمَّا الْکَسْبُ الْحَاصِلُ قَبْلَ الْإِذْنِ فَحَقٌّ لِلْمَوْلٰی فَلَہُ أَخْذُہُ مُطْلَقًا قَالَ شَیْخُنَا وَمُفَادُہُ أَنَّہُ

دین سے قبل حاصل ہوئی تھی یا اس کے بعد حاصل ہوئی تھی اور یہ دین اس کے متعلق ہوگا جو اس کو ہبہ کیا گیا اگرچہ اس کا آقا حاضر نہ ہو۔ یہ قید ہے اس کے لئے جو اس نے کمائی کی یا اسے جو ہبہ کیا گیا۔ لیکن غلام کا حاضر ہونا شرط ہے۔ کیونکہ وہ اپنی کمائی میں خصم ہے۔ پس کسب سے دین کی ادائیگی کا آغاز کیا جائے گا۔ اور کمائی نہ ہونے کی صورت میں اس کی رقبہ سے اسے پورا کیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں: جہاں تک اس کمائی کا تعلق ہے جو اذن سے پہلے حاصل ہوئی تو یہ آقا کا حق ہوگا تو اسے مطلقاً لینے کا حق ہے۔ ہمارے شیخ نے کہا: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے:

اگر اس کا بعض ظاہر نہ ہو لیکن اس کا سبب ظاہر ہو جس طرح وہ راستہ میں کنواں کھودے اور اس پر دین ہو تو اسے بیچا جائے گا اور ثمن میں سے غریم کو اس کے دین کی مقدار ثمن دے دی جائے گی۔ اگر دین ثمن کے برابر ہو تو اسے تمام ثمن دے دی جائے گی۔ جب کنویں میں کوئی جانور گر پڑے تو اس کا مالک غریم سے اپنے حصہ کے مطابق مطالبہ کرے گا سب کو اس کے مال کے برابر تقسیم کیا جائے گا۔ ''حموی علی الکنز''۔

31011۔ (قولہ: قَبْلَ الدَّیْنِ) یعنی دین سے پہلے اور دین کے بعد ماقبل کا معاملہ مختلف ہے جس طرح اس کا ذکر کریں گے۔

31012۔ (قولہ: ھٰذَا) یعنی اسم اشارہ سے مراد ان کا قول: ان لم یحضر اور ان کا قول: قید ہے۔ زیادہ بہتر یہ کہنا ہے: کسب اور ہبہ لینے میں عموم کو ثابت کرنا ہے ''ط''۔ لیکن اسے ایسی شرط بنانا جس کا جواب محذوف ہو صحیح ہے کیونکہ شروط قیود ہیں۔ ''تامل''۔

31013۔ (قولہ: لِأَنَّہُ الْخَصْمُ فِی کَسْبِہِ) اس سے قبل قریب ہی جو قول گزرا ہے اس کے ساتھ اس سے استغنا حاصل ہو جاتا ہے۔ ''زیلعی''۔

31014۔ (قولہ: ثُمَّ إِنَّمَا یَبْدَأُ بِالْکَسْبِ) کیونکہ یہ آقا پر زیادہ آسان ہے ساتھ ہی غرماء کا حق پورا کیا جاتا ہے۔ ''زیلعی''۔

31015۔ (قولہ: عِنْدَ عَدَمِہِ) یعنی اصلاً معدوم ہو یا اس کو کافی نہ ہوتا ہو۔ ''ط''۔

31016۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی خواہ اسے غلام کے قبضہ میں یا غریم کے قبضہ میں پائے۔ اگر غریم جان بوجھ کر اس کو ہلاک کر دے تو آقا کو حق حاصل ہوگا کہ اس سے ضمانت لے۔ ''رملی''۔

31017۔ (قولہ: وَمُفَادُہُ) اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ آقا اپنے غلام کی اس کمائی کا زیادہ حقدار ہوتا ہے جو اسے اذن سے قبل حاصل ہو۔

لَوْ اكْتَسَبَ الْمَحْجُورُ شَيْئًا وَأَوْدَعَهُ عِنْدَ آخَرَ وَهَلَكَ فِي يَدِ الْمُودَعِ لِلْمَوْلَى تَضْمِينُهُ؛ لِأَنَّهُ كَمُودِعِ الْغَاصِبِ فَتَأَمَّلْهُ (لَا) يَتَعَلَّقُ الدَّيْنُ (بِمَا أَخَذَهُ مَوْلَاهُ مِنْهُ قَبْلَ الدَّيْنِ

اگر مجور نے کوئی شے کمائی اور کسی دوسرے آدمی کے ہاں ودیعت رکھی اور وہ مودع کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی تو آقا کو حق حاصل ہوگا کہ اس سے ضمانت لے۔ کیونکہ یہ مودع غاصب کے مودع کی طرح ہے پس اس میں غور کیجئے۔ اور دین اس مال سے متعلق نہ ہوگا جو اس ماذون کے آقا نے دین لازم ہونے سے قبل اس سے لے لیا ہو

31018۔(قولہ: وَأَوْدَعَهُ) ضمیر مستتر مجور کی طرف لوٹ رہی ہے۔ پس یہ قول اس امر کا فائدہ دے گا کہ اس نے یہ ودیعت تجارت کا اذن ملنے سے قبل رکھی تھی۔ ظاہر یہ ہے کہ تجارت کے اذن کے بعد ودیعت رکھنے کا حکم اسی طرح ہوگا۔ کیونکہ یہ غیر کا مال اس کی اجازت کے بغیر ودیعت رکھنا ہے۔

31019۔(قولہ: لِلْمَوْلَى تَضْمِينُهُ) میں کہتا ہوں: انہوں نے جو بحث کی ہے "الاشباہ" کی کتاب الامارات میں اس کی تصریح کی ہے کیونکہ انہوں نے کہا: "بزازیہ" میں ہے: غلام جب کوئی کمائی کرے اور یا اپنی کمائی سے کوئی شے خریدے اور اسے کسی کے ہاں ودیعت رکھے اور وہ چیز مودع کے ہاں ہلاک ہوجائے تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ وہ آقا کا مال ہے ساتھ ہی غلام کا قبضہ معتبر ہے یہاں تک کہ اگر وہ کوئی شے ودیعت کے طور پر رکھے اور غائب ہوجائے تو آقا کو اس سے لینے کا حق نہیں۔ ان کا قول: فلیس للمولی اخذہ یعنی خواہ غلام ماذون یا مجور مدیون ہو یا نہ ہو۔ "بیری"۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب یہ معلوم نہ ہو کہ یہ اس کا مال ہے یا اس کے غلام کی کمائی ہے۔ اگر یہ معلوم ہوجائے تو غلام کے حاضر ہونے کے بغیر اسے لینے کا حق ہوگا۔ "حموی" نے "بزازیہ" سے نقل کیا ہے۔

31020۔(قولہ: لِأَنَّهُ كَمُودِعِ الْغَاصِبِ) "رملی" کی عبارت ہے: کیونکہ یہ اس کا مال ہے یعنی یہ آقا کا مال ہے جو غلام نے اس مودع کے پاس اس کی اجازت کے بغیر رکھا تھا پس وہ غاصب کے مودع کی طرح ہوجائے گا۔ "طحطاوی" نے کہا: اس تعلیل سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مودع کو حق حاصل ہے کہ غلام کی آزادی کے بعد اس چٹی کا مطالبہ کرے جو اس نے بھری تھی۔ "فتامل"

31021۔(قولہ: قَبْلَ الدَّيْنِ) اس کے ساتھ قید لگائی ہے۔ کیونکہ "طوری" میں "المحیط" سے مروی ہے: اگر اس پر ایک دن کا دین ہو وہ لیا جائے گا وہ تھوڑا ہو یا زیادہ ہو آقا نے جو لیا ہے وہ اس کے لئے سلامت نہیں ہوگا۔ یہ اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے جب اسے کوئی اور دین لاحق ہو تو آقا وہ تمام مال واپس کرے گا جو اس نے لیا ہوگا۔ کیونکہ اگر ہم اس کے بعض کو دین کی مقدار کے برابر مشغول قرار دیں تو آقا پر واجب ہوگا کہ جس قدر وہ مال دین میں مشغول ہے۔ وہ غریم پر واپس لوٹائے جب وہ اسے لے لے تو دوسرے غریم کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس غریم کے ساتھ شریک ہوجائے اگر دونوں کا دین برابر ہو۔ اور پہلے غریم کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اتنی مقدار کا آقا سے مطالبہ کرے جس قدر اس سے دوسرے غریم نے مال لیا ہے۔ جب

وَ طُولِبَ) الْمَأْذُونُ (بِمَا بَقِيَ) مِنَ الدَّيْنِ زَائِدًا عَنْ كَسْبِهِ وَثَمَنِهِ (بَعْدَ عِتْقِهِ) وَلَا يُبَاعُ ثَانِيًا (وَلِمَوْلَاهُ أَخْذُ غَلَّةِ مِثْلِهِ

اور ماذون سے اس باقی ماندہ دین کے بارے میں اس کی آزادی کے بعد مطالبہ کیا جائے گا جو اس کی کمائی اور اس کی ثمن سے زائد ہو اور اسے دوبارہ نہیں بیچا جائے گا۔ اور اس کے آقا کو حق حاصل ہے کہ وہ اس عبد ماذون سے دین کے موجود ہونے کے باوجود اتنے منافع لے لے

پہلا غریم آقا سے دوبارہ لے لے تو دوسرے غریم کو حق حاصل ہوگا کہ وہ پھر اس کے ساتھ شریک ہو جائے۔ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا یہاں تک کہ اس کی کمائی میں سے مکمل لے لے۔

''قہستانی'' میں ہے: یہ دین اس کے متعلق ہوگا جو اس نے دین کے بعد اس سے لیا پس اس سے واپس لے گا جس طرح ماذون پر پانچ سو لازم ہوں اور اس کی کمائی ہزار ہو آقا نے وہ لے لئے پھر اس پر پانچ سو کا ایک اور دین لازم ہو گیا تو وہ ہزار آقا سے لے لئے جائیں گے۔ اسے ''کرمانی'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''الذخیرہ'' میں ہے: اگر اسے دوسرا دین لاحق نہ ہو تو آقا صرف پانچ سو کی چٹی ادا کرے گا۔

''النہایہ'' میں ہے: اس آقا نے جو مال لیا تھا اگر بعینہ قائم ہو تو وہ واپس کر دے گا اگر وہ ہلاک ہو چکا ہو تو اس کی ضمانت دے گا۔ یہ ضریبہ (جزیہ) کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس صورت میں جو اس کی مثل کے منافع سے زائد ہوگا وہ واپس لوٹایا جائے گا۔ جس طرح عنقریب آئے گا۔ فافہم

31022۔ (قولہ: وَطُولِبَ الْمَأْذُونُ بِمَا بَقِيَ) کیونکہ دین اس کے ذمہ ثابت ہو چکا ہے اور اس کی ذات اس کے لئے کافی نہیں۔ ''درر''۔ ماذون کی تصریح کی ہے تاکہ یہ وہم پیدا نہ ہو کہ ضمیر آقا کی طرف لوٹ رہی ہے۔

31023۔ (قولہ: وَلَا يُبَاعُ ثَانِيًا) کیونکہ مشتری اس وقت اس کے خریدنے سے رک جائے گا۔ پس یہ کلی طور پر بیع کے ممتنع ہونے کی طرف لے جائے گا پس غرماء کو نقصان ہوگا۔ ''درر''۔ اسی طرح اگر اس کا آقا اس کے بعد اسے خریدے۔ کیونکہ یہ ملک جدید ہے اور ملکیت کا بدلنا حکماً عین کے بدلنے کی طرح ہے۔ تو وہ یوں ہو گیا گویا یہ دوسرا غلام ہے ''زیلعی''۔ بیوی کے نفقہ میں اسے بار بار بیچا جائے گا کیونکہ یہ تھوڑا تھوڑا واجب ہوتا ہے جس طرح کتاب النکاح میں گزرا ہے۔ ''قہستانی''۔

31024۔ (قولہ: وَلِمَوْلَاهُ أَخْذُ غَلَّةِ مِثْلِهِ) اگر اس نے اس سے زائد لیا تو زائد غرما پر لوٹا دے کیونکہ ان کا حق مقدم ہے اور اس میں کوئی ضرورت نہیں۔ ''درر''۔ ''العنایہ'' میں کہا: اس کا معنی ہے: اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ اس سے وہ جزیہ لے لے جو اس آقا نے ہر ماہ کے لئے اس پر لازم کیا ہے بعد اس کے اس پر دیون لازم ہو چکے تھے جس طرح وہ اس سے پہلے اس سے جزیہ لیتا تھا اور اس سے زائد جو اس کے منافع حاصل ہوں وہ غرما کے لئے ہوں گے۔

''البحر'' میں ''الفتح'' سے کتاب العتق سے تھوڑا پہلے مروی ہے: غلام پر جزیہ (ٹیکس) لگانا جائز ہے اور اس پر جبر نہیں کیا

بِوُجُودِ دَيْنِهِ وَمَا زَادَ لِلْغُرَمَاءِ) يَعْنِي لَوْ كَانَ الْمَوْلَى يَأْخُذُ مِنَ الْعَبْدِ كُلَّ شَهْرٍ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ مَثَلًا قَبْلَ لُحُوقِ الدَّيْنِ كَانَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَهَا بَعْدَ لُحُوقِهِ اسْتِحْسَانًا؛ لِأَنَّهُ لَوْ مُنِعَ مِنْهَا يَحْجُرُ عَلَيْهِ فَيَنْسَدُّ بَابُ الِاكْتِسَابِ (وَيَنْحَجِرُ بِحَجْرِهِ إِنْ عَلِمَ هُوَ) نَفْسُهُ لِدَفْعِ الضَّرَرِ عَنْهُ

جو اس غلام کی مثل سے لئے جاتے ہیں اور جو زائد ہو وہ غرماء کے لئے ہوگا۔ یعنی اگر آقا مثلاً غلام سے ہر ماہ دین سے پہلے دس دراہم لیتا تھا تو بطور استحسان اس کے بعد بھی دس دراہم لے سکتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ یہ دینے سے رک جائے تو اس پر حجر کر دیا جائے گا پس اکتساب کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور آقا کی جانب سے اس پر حجر کرنے کی صورت میں وہ مجحور ہو جائے گا اگر اس غلام کو اس کا علم ہو جائے تا کہ اس سے ضرر کو دور کیا جائے۔

جائے گا بلکہ جب وہ اس پر متفق ہو جائیں۔

''قہستانی'' میں ہے: آقا کو حق حاصل ہے کہ اس پر جزیہ لازم کرنے سے قبل اور دین لاحق ہونے سے قبل وہ منافع وصول کرے اور دین سے پہلے اس سے زائد منافع لے سکتا ہے جو اس قسم کے غلام سے لئے جاتے ہیں اور دین لاحق ہونے کے بعد اس سے زائد نہیں لے گا۔ اور آقا کو حق حاصل ہے کہ دین واجب ہونے کے بعد وہ جزیہ لازم کرے جس طرح ''کرمانی'' میں ہے۔

ان کے قول: وان یضع الضریبة بعد الدین میں اس کی مخالفت ہے جسے ہم پہلے ان سے اور دوسرے علما سے نقل کر چکے ہیں کہ دین کے لاحق ہونے کے بعد آقا سے اسے واپس لیا جائے گا اور اس لئے کہ شارح وغیرہ نے اس قول کے ساتھ قید لگائی ہے: قبل لحوق الدین۔ مگر اس میں یوں تطبیق دی جائے کہ آقا کو جزیہ لگانے کا حق ہے دین لاحق ہونے کے بعد جبکہ دین اس تمام کو محیط نہ ہو جو اس کے قبضہ میں ہے یعنی اس مقدار میں وہ جزیہ لگا سکتا ہے جو دین سے بچ جائے یا اس سے کم لگائے نہ کہ زیادہ لگائے۔ اور یہ احتمال موجود ہے کہ ان کے قول: وان یضع کا نفی کے مدخول پر عطف کیا جائے جو اس قول میں ہے ولایاخذ۔ ''فتامل''

31025۔ (قولہ: بِوُجُودِ دَيْنِهِ) ظاہر قول یہ ہے کہ ''با'' ''مع'' کے معنی میں ہے ''رحمتی''۔ میں کہتا ہوں: ''ابن کمال'' نے اسی کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

31026۔ (قولہ: اسْتِحْسَانًا) قیاس یہ ہے کہ اس نے جتنا مال لیا ہے وہ بھی لوٹایا جائے کیونکہ اس کی کمائی میں غرماء کا حق مولی کے حق پر مقدم ہے۔ ''نہایہ''۔

31027۔ (قولہ: فَيَنْسَدُّ بَابُ الِاكْتِسَابِ) پس وہ یوں ہو گیا کہ جو وہ لیتا ہے وہ کمائی حاصل کرنے کی طرح ہے۔ جہاں تک زیادہ لینے کا تعلق ہے تو اسے تحصیل میں سے شمار نہیں کیا جائے گا پس غرماء کا مقصود حاصل نہیں ہوگا۔ ''نہایہ''۔

31028۔ (قولہ: لِدَفْعِ الضَّرَرِ عَنْهُ) ''ہدایہ'' میں کہا: کیونکہ غلام کو اس سے نقصان ہوتا ہے۔ کیونکہ اس پر آزادی

(وَأَكْثَرُ أَهْلِ سُوقِهِ إِنْ كَانَ) الْإِذْنُ (شَائِعًا، أَمَّا إِذَا لَمْ يَعْلَمْ بِهِ) أَيْ بِالْإِذْنِ (إِلَّا الْعَبْدُ) وَحْدَهُ (كَفَى فِي حَجْرِهِ عِلْمُهُ) بِهِ (فَقَطْ) وَلَا يُشْتَرَطُ مَعَ ذَلِكَ عِلْمُ أَكْثَرِ أَهْلِ سُوقِهِ لِانْتِفَاءِ الضَّرَرِ وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ بَاعَ عَبْدَهُ الْمَأْذُونَ إِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دَيْنٌ صَارَ مَحْجُورًا عَلَيْهِ عَلِمَ أَهْلُ سُوقِهِ بِبَيْعِهِ أَمْ لَا لِصِحَّةِ الْبَيْعِ

اور بازار کے اکثر لوگوں کا اس کے مجور ہونے کا علم ضروری ہے اگر اس کا اذن عام ہو مگر جب صرف غلام کو ہی اس کا علم ہو تو اس کے حجر میں صرف اس کا علم ہی کافی ہوگا۔ اور اس کے ساتھ اس کے بازار والوں کے اکثر لوگوں کا علم ہونا شرط نہیں کیونکہ ضرر منتفی ہے۔ ''بزازیہ'' میں ہے: آقا نے اپنے ماذون غلام کو بیچ دیا اگر اس غلام پر دین نہ ہو تو وہ مجور ہو جائے گا اس کے بازار والوں کو اس کا علم ہو یا اس کا علم نہ ہو یعنی یہ اس کی بیع کے صحیح ہونے کے لئے شرط نہیں۔

کے بعد اس کے خالص مال میں سے دین ادا کرنا پڑتا ہے اور وہ اس پر راضی نہیں۔ ''ح''۔

31029۔ (قولہ: وَأَكْثَرُ أَهْلِ سُوقِهِ) یہ استحسان ہے۔ کیونکہ تمام کو آگاہ کرنا متعذر رہتا ہے یا مشکل ہوتا ہے۔ اگر اسے بازار کے تھوڑے افراد کے سامنے اس پر حجر کیا جائے تو وہ مجور نہیں ہوگا یہاں تک کہ اگر ان لوگوں میں سے جو اسے جانتے ہیں یا نہیں جانتے۔ اور غلام کے ساتھ بیع کریں تو بیع جائز ہوگی کیونکہ جب یہ اس آدمی کے حق میں ماذون ہے جو اسے نہیں جانتا تو اس کے حق میں بھی ماذون ہوگا جو اس کے حجر کے بارے میں جانتا ہے۔ کیونکہ حجر نہ تخصیص کو قبول کرتا ہے اور نہ تجزی کو قبول کرتا ہے جیسے اذن ہے۔ ''النہایہ'' میں کہا: اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خاص حجر کرنا صحیح نہیں حجر کے صحیح ہونے کے لئے شرط تعمیم ہے۔

31030۔ (قولہ: إِنْ كَانَ الْإِذْنُ شَائِعًا) اسی طرح کا حکم ہوگا جب حجر قصداً ہو۔ ''النہایہ'' میں کہا: پھر یہ جان لو کہ حجر کو بازار والوں پر ظاہر کرنے کی شرط اس صورت میں ہے جب حجر قصداً ثابت ہو جیسے وکیل کو معزول کرنا ہے۔ اگر وہ غیر کے ضمن میں ہے تو پھر یہ شرط نہیں جس طرح وہ اسے اپنے عبد ماذون کو بیچے جو غیر مدیون ہو۔ عنقریب اس کی طرف اشارہ کریں گے۔

31031۔ (قولہ: أَمَّا إِذَا لَمْ يَعْلَمْ الخ) جس قول سے احتراز ہے وہ شائعا ہے۔

31032۔ (قولہ: كَفَى فِي حَجْرِهِ عِلْمُهُ بِهِ فَقَطْ) اگر اسے علم نہ ہو اور وہ خریدے اور بیچے تو وہ ماذون ہوگا اور حجر باطل ہوگا۔ کیونکہ حجر کا حکم اس پر لازم نہیں ہوتا مگر جب اسے علم ہو جائے۔ ''اتقانی''۔

31033۔ (قولہ: بَاعَ عَبْدَهُ الْمَأْذُونَ الخ) اسی طرح اگر وہ کسی آدمی کو ہبہ کرے اور اس پر قبضہ کرے اگر وہ ہبہ میں رجوع کرے تو اذن نہیں لوٹے گا۔ اسی طرح جب مشتری عیب کی وجہ سے قضا کے ساتھ اسے واپس کر دے اگرچہ اس کی قدیم ملکیت اس کی طرف لوٹ آئے۔ ''نہایہ''۔

31034۔ (قولہ: لِصِحَّةِ الْبَيْعِ) یہ ایسا حجر ہے جو بیع کے لئے حکماً ثابت ہوا ہے نہ کہ مقصود کے طور پر ثابت ہوا ہے۔ جس طرح غائب وکیل کو معزول کرنا۔ ''نہایہ''۔

وَإِنْ عَلَيْهِ دَيْنٌ لَا مَا لَمْ يَقْبِضْهُ الْمُشْتَرِي لِفَسَادِ الْبَيْعِ، وَهَلْ لِلْغُرَمَاءِ فَسْخُهُ إِنْ دُيُونُهُمْ حَالَّةً؟ نَعَمْ إِلَّا إِذَا كَانَ بِالثَّمَنِ وَفَاءٌ أَوْ أَبْرَءُوا الْعَبْدَ أَوْ أَدَّى الْمَوْلَى وَتَمَامُهُ فِي السِّرَاجِيَّةِ (وَبِمَوْتِ سَيِّدِهِ وَجُنُونِهِ مُطْبَقًا

اگر اس پر دین ہوتو بیع صحیح نہ ہوگی جب تک مشتری اس پر قبضہ نہ کرلے۔ کیونکہ بیع فاسد ہو جاتی ہے۔ کیا غرماء کو ان کے فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے اگر ان کے دیون فی الحال ادا کرنے ہوں؟ ہاں۔ مگر جب ثمن اتنی ہو کہ ان کے دیون کو کافی ہو جاتی ہو یا وہ غلام کو بری کر دیں یا آقا دیون ادا کر دے۔ اس کی مکمل وضاحت ''سراجیہ'' میں ہے۔ اور مجور ہو جائے گا اگر اس کا آقا مر جائے اور اس کو جنون

31035۔ (قولہ: وَإِنْ عَلَيْهِ دَيْنٌ) یعنی غرماء کی اجازت کے بغیر اسے بیچ دے اور ان کا قول لا یعنی وہ مجور نہیں ہوگا۔

31036۔ (قولہ: لِفَسَادِ الْبَيْعِ) یہ ان کے قول لا کی علت ہے۔ امام ''محمد'' کے کلام میں یہ واقع ہے کہ بیع باطل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ یہ باطل ہو جائے۔ کیونکہ یہ غرماء کی اجازت پر موقوف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے یہ ارادہ کیا ہے کہ یہ فاسد ہے لیکن اس میں فساد دوسرے عقود فاسد سے کم ہے۔ کیونکہ یہ شروط فاسدہ سے خالی ہے۔ اور مالک مکرہ علیہ کے علاوہ ہے اور عدم رضا صاحب حق کی جانب سے ہے کسی اور کی جانب سے نہیں۔ پس ہم نے اس کی زیادتی کو دوسرے عقود فاسدہ پر زیادتی کو ظاہر کیا ہے کہ یہ قبضہ سے پہلے ملک موقوف کا فائدہ دیتا ہے ''تاتر خانیہ'' ملخص۔

اس تعبیر کی بنا پر یہ دیکھنا چاہئے کہ شارح کے قول: مالم یقبضہ المشتری کا کیا فائدہ ہے کیونکہ ملک اس سے قبل حاصل ہے۔ ''تامل''

31037۔ (قولہ: إِنْ دُيُونُهُمْ حَالَّةً نَعَمْ) یعنی ان کو فسخ کرنے کا حق ہوگا اگر وہ دیون مؤجل ہوں تو فسخ کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ اگر اجل آنے سے پہلے غلام کسی آدمی کو ہبہ کر دیا اس نے اس پر قبضہ کر لیا یا اسے اجر پر دیا تو یہ جائز ہوگا۔ اگر اجل آ جائے تو ان کے لئے قیمت کا ضامن ہوگا اور انہیں ہبہ واپس لینے کا اختیار نہیں ہوگا اور انہیں اجارہ ختم کرنے کا اختیار ہوگا۔ جہاں تک دین کا معاملہ ہے تو وہ بیع کی طرح ہے ''تاتر خانیہ''۔ جہاں تک عتق کا تعلق ہے تو عنقریب ''متن'' میں اس کا ذکر آئے گا۔

31038۔ (قولہ: وَفَاءٌ) یعنی ماذون کے دیون کو پورا ہو جائے۔

اگر آقا مر جائے یا اسے جنون مطبق لاحق ہو جائے تو ماذون مجور ہو جائے گا

31039۔ (قولہ: وَبِمَوْتِ سَيِّدِهِ) اسی طرح بچہ ہے باپ اور وصی کی موت کے ساتھ اس پر حجر کر دیا جاتا ہے۔ جہاں تک اس غلام کا تعلق ہے جس کو قاضی کی جانب سے اذن دیا گیا ہو تو قاضی کی موت کے ساتھ وہ معزول نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ ایک حکم ہے جس طرح ''شرح المجمع'' میں ہے۔ ''در منتقی''۔

31040۔ (قولہ: وَجُنُونِهِ مُطْبَقًا) یعنی ایک سال یا اس سے زائد عرصہ اس کو جنون رہے یا یہ امر قاضی کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اگر وقت معین کرنے کی حاجت ہو تو ایک سال کا فتویٰ دیا جائے گا جس طرح ''تتمۃ

وَلُحُوقِهِ) وَكَذَا بِجُنُونِ الْمَأْذُونِ وَلُحُوقِهِ أَيْضًا (بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ أَحَدٌ بِهِ): لِأَنَّهُ مَوْتٌ حُكْمًا (وَ) يَنْحَجِرُ حُكْمًا (بِإِبَاقِهِ) وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ أَحَدٌ كَجُنُونِهِ (وَلَوْ عَادَ مِنْهُ) أَوْ أَفَاقَ مِنْ جُنُونِهِ (لَمْ يَعُدِ الْإِذْنُ) فِي الصَّحِيحِ زَيْلَعِيٌّ وَقُهُسْتَانِيٌّ

مطبق لاحق ہو جائے۔ اسی طرح ماذون غلام مجنون ہو جائے اور اس کا آقا اور اسی طرح ماذون مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے اگرچہ کسی کو بھی اس کے بارے میں علم نہ ہو کیونکہ یہ حکماً موت ہے۔ ماذون غلام بھاگ جائے اگرچہ کسی کو اس کا علم نہ ہو تو وہ مجور ہو جاتا ہے جس طرح اس کے جنون سے وہ مجور ہو جاتا ہے۔ اگر وہ غلام لوٹ آئے یا وہ اپنے جنون سے افاقہ پا جائے تو صحیح قول کے مطابق اس کا اذن نہیں لوٹے گا۔ ''زیلعی''، ''قہستانی''۔

الواقعات'' میں ہے۔ ''در منتقی''۔

31041۔(قولہ: وَلُحُوقِهِ) ''شرح المجمع'' میں کہا: میں کہتا ہوں اس میں انہوں نے تسامح کیا ہے۔ کیونکہ قاضی کے فیصلہ کے بغیر دار الحرب میں لاحق ہونے کا حکم ہمارے نزدیک موت کی طرح نہیں ہوتا۔

31042۔(قولہ: كَذَا بِجُنُونِ الْمَأْذُونِ وَلُحُوقِهِ أَيْضًا) اگر اس نے کہا: ان دونوں میں سے ایک کی موت اگرچہ حکماً ہو یا اس کا ایسا جنون جو مطبق ہو وہ زیادہ مکمل اور زیادہ مختصر ہوگا۔ ''عزمیہ''۔

31043۔(قولہ: وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ أَحَدٌ بِهِ) اگرچہ کوئی بھی اس کے حجر یا اس کی موت کے بارے میں آگاہ نہ ہو اور جو اس کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ ''زیلعی'' نے کہا: وہ مہلت کے بطلان کے ضمن میں مجور علیہ ہوگا۔ پس اس میں اس کے علم کی شرط نہ ہوگی اور نہ ہی اس کے بازار والوں کے علم کی شرط ہوگی۔ کیونکہ حجر حکمی ہے۔ پس اس میں علم شرط نہیں جس طرح ان اشیاء سے وکیل کو معزول رکھا جائے۔

31044۔(قولہ: لِأَنَّهُ مَوْتٌ حُكْمًا) یہاں تک کہ اسکے مدبر اور امہات اولاد آزاد ہو جائیں اسکا مال اس کے وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ یہ ان کے قول ولحوقہ کی علت ہوگی۔ پس چاہئے یہ تھا کہ اسے: وان لم یعلم احد بہ پر مقدم کرتے۔

31045۔(قولہ: وَيَنْحَجِرُ حُكْمًا) چاہئے یہ تھا کہ اس کا ذکر وبموت سید ہ کے ہاں کرتے۔ کیونکہ یہ سب حجر حکمی ہے جس طرح تو جان چکا ہے۔

اگر عبد ماذون بھاگ جائے تو وہ مجور ہو جاتا ہے

31046۔(قولہ: بِإِبَاقِهِ) کیونکہ آقا عموماً اپنے اس غلام کے تصرف پر راضی نہیں ہوتا جو سرکش ہو اور اس کی طاعت سے باہر ہو پس دلالۃ اس پر حجر ہوگا۔ ''زیلعی''۔ آخر میں ''الاشباہ'' سے اس کے خلاف کی تصحیح کو ذکر کریں گے اور اس میں جو ضعف ہے وہ آئے گا۔

31047۔(قولہ: وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ أَحَدٌ) یعنی جو اس کے بازار والے ان میں سے کوئی بھی نہ جانتا ہو۔

(وَبِاسْتِيلَادِهَا) بِأَنْ وَلَدَتْ مِنْهُ فَادَّعَاهُ كَانَ حَجْرًا دَلَالَةً مَا لَمْ يُصَرِّحْ بِخِلَافِهِ (لَا) تَنْحَجِرُ (بِالتَّدْبِيرِ وَضَمِنَ بِهِمَا قِيمَتَهُمَا) فَقَطْ (لِلْغُرَمَاءِ لَوْ عَلَيْهِمَا دَيْنٌ) مُحِيطٌ (إِقْرَارُهُ) مُبْتَدَأٌ (بَعْدَ حَجْرِهِ إِنَّ مَا مَعَهُ

اور اس کے ام ولد بننے سے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ آقا سے بچہ جن دے پس آقا اس کے بچے کے نسب کا دعویٰ کر دے تو یہ دلالۃً حجر ہوگا جب تک اس کے برعکس کی تصریح نہ کرے۔ اور لونڈی مدبر بنائے جانے سے مجور نہ ہوگی اور آقا غرما کے لئے دونوں کی صرف قیمت کا ضامن ہوگا اگر ان دونوں پر دین ہو۔ ''محیط''۔ اس غلام کے حجر کے بعد یہ اقرار کہ جو اس کے پاس مال ہے

31048۔ (قولہ: كَانَ حَجْرًا دَلَالَةً) یہ استحسان ہے کیونکہ معمول یہ ہے کہ امہات اولاد کو گھروں میں رکھا جاتا ہے اور ان کے گھروں سے باہر جانے اور معاملات میں مردوں کے ساتھ خلط ملط ہونے پر خوشنودگی کا اظہار نہیں کیا جاتا۔ اور دلالۃً حجر صریح حجر کی طرح ہوتا ہے۔ ''زیلعی''۔

31049۔ (قولہ: مَا لَمْ يُصَرِّحْ بِخِلَافِهِ) کیونکہ صریح دلالت سے فائق ہوتا ہے۔ ''زیلعی''۔

31050۔ (قولہ: لَا بِالتَّدْبِيرِ) کیونکہ معمول یہ نہیں کہ مدبرہ کو گھر میں رکھا جائے پھر حجر کی دلیل نہ پائی گئی، ''منح''۔ اسی طرح مدبر کا بدرجہ اولیٰ یہی حکم ہوگا۔

31051۔ (قولہ: وَضَمِنَ بِهِمَا قِيمَتَهُمَا) یعنی آقا ام ولد بنانے اور مدبر بنانے کے ساتھ ان دونوں کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے دونوں اعمال کے ساتھ اس محل کو تلف کیا ہے جس کے ساتھ غرماء کا حق متعلق ہے۔ کیونکہ اس کے فعل کے ساتھ ان دونوں کی بیع ممتنع ہو چکی ہے۔ ''زیلعی''۔

مصنف کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ مطلقاً قیمت کا ضامن ہوگا ساتھ ہی یہ غرما کے اختیار پر موقوف ہوگا۔ اگر وہ اپنی کلام میں ان شاءوا کے الفاظ کا اضافہ کر دیتے تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔ کیونکہ ''محیط'' میں ہے: اگر وہ چاہیں تو وہ غلام سے اپنے دین میں محنت مزدوری کروالیں۔ اگر وہ آقا سے ضمانت لے لیں تو غلام پر ان کا کوئی حق نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ آزاد ہو جائیں۔ اس میں ہے: اس پر تین افراد کا دین ہے۔ یہ ایک کا ہزار ہے دو نے آقا کی ضمانت کو اختیار کیا تو وہ دونوں اس سے اس کی دو تہائی قیمت کی ضمانت لے لیں اور تیسرے نے غلام سے اپنے تمام دین میں سعایت کو اختیار کیا تو یہ جائز ہوگا۔ اور اس نے جو قبضہ کیا ہے ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے ساتھ شریک نہیں ہوگا۔ مگر جب غریم ایک ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ جب دونوں میں سے ایک نے اختیار کر لیا تو اس کا دوسرے میں حق باطل ہو جائے گا۔ ''طوری''۔

31052۔ (قولہ: فَقَطْ) یعنی قیمت سے جو زائد دین ہے اس کا اس سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا بلکہ آزادی کے بعد ام ولد اور مدبر سے اس کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

31053۔ (قولہ: إِنَّ مَا مَعَهُ) یہ معیت کی قید ہے۔ کیونکہ حجر کے بعد اپنی ذات کے حق میں اس کا اقرار صحیح نہیں

أَمَانَةٌ أَوْ غَصْبٌ أَوْ دَيْنٌ عَلَيْهِ) لِآخَرَ (صَحِيحٌ) خَبَرٌ (فَيَقْبِضُهُ مِنْهُ) وَقَالَ لَا يَصِحُّ (أَحَاطَ دَيْنُهُ بِمَالِهِ وَرَقَبَتِهِ لَمْ يَمْلِكْ سَيِّدُهُ مَا مَعَهُ فَلَمْ يَعْتِقْ عَبْدٌ مِنْ كَسْبِهِ بِتَحْرِيرِ مَوْلَاهُ) وَقَالَا يَمْلِكُهُ فَيَعْتِقُ وَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ مُوسِرًا وَلَوْ مُعْسِرًا فَلَهُمْ أَنْ يَضْمَنُوا الْعَبْدَ الْمُعْتَقَ ثُمَّ يَرْجِعُ عَلَى الْمَوْلَى ابْنُ كَمَالٍ (وَلَوْ اشْتَرَى ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنَ الْمَوْلَى لَمْ يَعْتِقْ)

وہ امانت ہے، غصب ہے یا اس پر کسی اور کا دین ہے تو یہ صحیح ہوگا اور وہ اس سے دین وغیرہ ادا کرے گا۔ اور ''صاحبین'' رحمہمااللہ نے فرمایا: یہ صحیح نہیں ہے۔ اس کے دین نے اس کے مال اور اس کی گردن کا احاطہ کر لیا ہے تو اس ماذون کا آقا اس چیز کا مالک نہ ہوگا جو اس غلام کے پاس ہے اور اس کی کمائی میں سے جو غلام ہے وہ اس کے آقا کے آزاد کرنے سے آزاد نہیں ہوگا۔ اور ''صاحبین'' رحمہمااللہ نے فرمایا: وہ اس کا مالک ہوگا اور اسے آزاد کر سکتا ہے اور اس آقا پر اس غلام کی قیمت لازم ہوگی اگر وہ خوشحال ہو۔ اگر وہ تنگدست ہو تو غرماء کو حق حاصل ہوگا کہ وہ آزاد کئے گئے غلام سے ضمانت لیں پھر وہ غلام آقا سے مطالبہ کرے ''ابن کمال''۔ اگر عبد ماذون آقا کا ذی رحم محرم خریدے تو وہ آزاد نہیں ہوگا۔

یہاں تک کہ دین کے بدلے میں اس کی گردن بالا جماع آزاد نہ کی جائے گی جس طرح ''التبیین'' میں ہے۔

31054۔ (قولہ: صَحِيحٌ) یعنی ایسی شروط کے ساتھ جن کو ''زیلعی'' وغیرہ سے اخذ کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہیں: اس کا اقرار اس کے بعد نہ ہو کہ آقا نے اس کے قبضہ میں جو کچھ ہے وہ لے لیا ہو، یا اس کا اقرار اس کے بعد ہو کہ اس نے وہ چیز کسی اور کے ہاتھ میں بیچ دی ہو، یا اس پر ایسا دین نہ ہو جو اس سب کو محیط ہو جو حجر کے وقت اس کے قبضہ میں ہو اور اس کے قبضہ میں جو کچھ ہے وہ اس نے حجر کے بعد کمایا ہو۔

31055۔ (قولہ: وَقَالَ لَا يَصِحُّ) یعنی فی الحال اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا جبکہ یہی قیاس ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

31056۔ (قولہ: فَلَمْ يَعْتِقْ عَبْدٌ الخ) یعنی غرماء کے حق میں وہ آزاد نہیں ہوگا پس انہیں حق حاصل ہوگا کہ وہ اسے بیچیں اور اپنے دیون پورے کریں۔ جہاں تک مولیٰ کے حق میں اس غلام کا تعلق ہے تو بالاجماع آزاد ہے یہاں تک کہ اگر غرماء غلام کو دین سے بری رکھیں یا آقا کے ہاتھ بیچ دیں یا آقا اس کا دین ادا کر دے تو وہ آزاد ہوگا۔ ''تاتر خانیہ'' نے ''ینابیع'' سے اسے نقل کیا ہے۔

31057۔ (قولہ: وَقَالَا يَمْلِكُهُ) کیونکہ اس کی کمائی میں ملکیت کا سبب پایا گیا ہے اور وہ اس کی رقبہ کی ملکیت ہے اس وجہ سے وہ اس کے اعتاق اور ماذونہ لونڈی کے ساتھ وطی کا مالک ہوتا ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مولیٰ کی ملکیت غلام کے نائب کے طور پر ثابت ہوتی ہے جب وہ اس کی حاجت سے فارغ ہو جائے اور جس غلام کو اس کا دین محیط ہو وہ اس دین میں مشغول ہوتا ہے پس وہ اس میں اپنے آقا کا نائب نہیں ہوگا۔ ''ہدایہ''۔

31058۔ (قولہ: وَلَوْ اشْتَرَى الخ) یہ لم یعتق پر معطوف ہے پس یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر تفریع ہے۔

وَلَوْ مَلَكَهُ لَعَتَقَ (وَلَوْ أَتْلَفَ الْمَوْلَى مَا فِي يَدِهِ مِنَ الرَّقِيقِ ضَمِنَ) وَلَوْ مَلَكَهُ لَمْ يَضْمَنْ خِلَافًا لَهُمَا بِنَاءً عَلَى ثُبُوتِ الْمِلْكِ وَعَدَمِهِ (وَإِنْ لَمْ يُحِطْ) دَيْنُهُ بِمَالِهِ وَرَقَبَتِهِ (صَحَّ تَحْرِيرُهُ) إجْمَاعًا (وَ) صَحَّ (إعْتَاقُهُ) حَالَ كَوْنِ (الْمَأْذُونِ مَدْيُونًا) وَلَوْ بِمُحِيطٍ (وَضَمِنَ الْمَوْلَى لِلْغُرَمَاءِ الْأَقَلَّ مِنْ دَيْنِهِ وَقِيمَتِهِ)

اگر آقا اس کا مالک ہوتا تو وہ آزاد ہوتا۔ اگر آقا اس غلام کو مار ڈالے جو عبد ماذون کے قبضہ میں ہے تو وہ ضامن ہوگا۔ اگر وہ اس کا مالک ہوتا تو ضامن نہ ہوتا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ اس کی ملکیت ثابت ہوتی ہے یا اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔ اگر اس کا دین اس کے مال اور اس کی گردن کو محیط نہ ہو تو بالاجماع اس کی آزادی صحیح ہوگی اور اس کی آزادی صحیح ہوگی اس حال میں کہ ماذون مدیون ہو اگرچہ وہ دین محیط ہو۔ اور آقا غرما کو اس کے دین اور اس کی قیمت میں سے اقل کی ضمانت دے گا۔

31059۔(قولہ: وَلَوْ مَلَكَهُ لَمْ يَضْمَنْ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جو امام اس کی ملکیت کا قائل ہے اس کے نزدیک آقا ضامن نہیں ہوگا۔ یہ اس طرح نہیں بلکہ ضمان متفق علیہ ہے لیکن فی الحال ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک قیمت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کا مالک ہے بے شک وہ ضمانت دے گا کیونکہ غیر کا حق اس سے متعلق ہو چکا ہے۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین سالوں میں ضمانت ادا کرے گا۔ کیونکہ یہ جنایت کی ضمانت ہے کیونکہ اس کی ملکیت نہیں ہے جس طرح ''التبیین'' میں ہے۔

31060۔(قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) یہ ذی رحم کے مسئلہ کی طرف بھی راجع ہے۔ ''ح''۔

31061۔(قولہ: صَحَّ تَحْرِيرُهُ) یعنی آقا اس غلام کو آزاد کر سکتا ہے جسے ماذون نے کمایا تھا۔

31062۔(قولہ: إجْمَاعًا) یعنی ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے آخری قول کے مطابق اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے قول کے مطابق وہ مالک نہیں ہوگا۔ پس اس کا آزاد کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ ''زیلعی''۔

31063۔(قولہ: حَالَ كَوْنِ الْمَأْذُونِ) زیادہ مناسب یہ کہنا ہے المأذون حال کونہ۔ ''ح''۔

31064۔(قولہ: وَلَوْ بِمُحِيطٍ) یہ بالاجماع ہے کیونکہ اس میں اس کی ملکیت قائم ہے۔ اختلاف اس کی کمائی میں ہے بعد اس کے کہ دین سے مستغرق ہو۔ جبکہ ہم اسے واضح کر چکے ہیں۔ ''زیلعی''۔

31065۔(قولہ: وَضَمِنَ الْمَوْلَى الخ) خواہ آقا کو دین کا علم ہو یا علم نہ ہو۔ یہ غیر کا مال تلف کرنے کے قائم مقام ہے کیونکہ اس کے ساتھ غیر کا حق متعلق ہو چکا ہے۔ ''زیلعی''۔

31066۔(قولہ: الْأَقَلَّ مِنْ دَيْنِهِ وَقِيمَتِهِ) کیونکہ ان کا حق اس کی مالیت کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے۔ پس وہ اس کا ضامن ہوگا جس طرح راہن مرہون کو آزاد کر دے۔ ''زیلعی''۔

وَإِنْ شَاءُوا اتَّبَعُوا الْعَبْدَ بِكُلِّ دُيُونِهِمْ وَبِاتِّبَاعِ أَحَدِهِمَا لَا يَبْرَأُ الْآخَرُ فَهُمَا كَكَفِيلٍ مَعَ مَكْفُولٍ عَنْهُ (وَ طُولِبَ بِمَا بَقِيَ) مِنْ دَيْنِهِمْ إِذَا لَمْ تَفِ بِهِ قِيمَتُهُ (بَعْدَ عِتْقِهِ) لِتَقَرُّرِهِ فِي ذِمَّتِهِ وَصَحَّ تَدْبِيرُهُ وَلَا يَنْحَجِرُ وَيُخَيَّرُ الْغُرَمَاءُ كَعِتْقِهِ إِلَّا أَنَّ مَنْ اخْتَارَ أَحَدَ الشَّيْئَيْنِ لَيْسَ لَهُ الرُّجُوعُ شَرْحُ تَكْمِلَةٍ وَفِي الْهِدَايَةِ وَلَوْ كَانَ الْمَأْذُونُ مُدَبَّرًا أَوْ أُمَّ وَلَدٍ لَمْ يَضْمَنْ قِيمَتَهُمَا؛ لِأَنَّ حَقَّ الْغُرَمَاءِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِرَقَبَتِهِمَا:

اگر وہ چاہیں تو وہ اپنے تمام دیون کے ساتھ غلام کا پیچھا کریں۔ان دونوں میں سے ایک کا پیچھا کرنے سے دوسرا بری نہیں ہو گا۔پس دونوں مکفول عنہ کے ساتھ کفیل کی طرح ہوں گے۔اوران کے دین میں سے جو باقی بچ جائے گا اس کی آزادی کے بعد اس کا اس سے مطالبہ کیا جائے گا جب اس کی قیمت اسے کافی نہ ہو۔کیونکہ یہ اس کے ذمہ میں ثابت ہے۔اس کا مدبر بنانا صحیح ہے اور وہ مجبور نہیں ہوگا اور اس کے غرما کو اختیار دیا جائے گا جس طرح اس کی آزادی میں اسے اختیار دیا جاتا ہے مگر جس نے دونوں چیزوں میں سے ایک کو اختیار کر لیا تو اسے رجوع کا حق حاصل نہیں ہوگا۔''شرح تکملہ''۔''ہدایہ'' میں ہے: اگر ماذون مدبر یا ام ولد ہو تو آقا دونوں کی قیمت کا ضامن نہیں ہوگا۔کیونکہ غرماء کا حق ان دونوں کی ذات سے متعلق نہیں۔

31067۔(قولہ: وَإِنْ شَاءُوا اتَّبَعُوا الْعَبْدَ) کیونکہ دین اس کے ذمہ میں ثابت ہے۔''زیلعی''۔''المحیط'' میں کہا ہے: ان میں سے جس نے غلام پر قبضہ کر لیا تو اس غلام میں باقی شریک نہ ہوں گے۔ان میں سے جس نے غلام کی اس قیمت پر قبضہ کیا جو آقا پر لازم ہوئی تو اس کا معاملہ مختلف ہے۔کیونکہ یہ آقا پر ان کے لئے ایک سبب سے واجب ہوگی وہ عتق ہے۔اور جب دین ایک سبب سے جماعت کے لئے ثابت ہوا تو وہ ان سب میں مشترک تھا۔''طوری''۔

31068۔(قولہ: لَا يَبْرَأُ الْآخَرُ) کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک پر دین علیحدہ واجب ہوا۔غاصب کا، غاصب کے غاصب کے ساتھ معاملہ مختلف ہے۔کیونکہ ضمان دونوں میں سے ایک پر واجب ہوئی ہے۔''زیلعی''۔

31069۔(قولہ: بَعْدَ عِتْقِهِ) مستدرک ہے کیونکہ فرض یہ کیا گیا کہ اس نے اسے آزاد کیا۔

31070۔(قولہ: وَصَحَّ تَدْبِيرُهُ الخ) مسئلہ کے ابتدائی حصہ کو دوبارہ ذکر کیا ہے کہ ساتھ ہی مصنف نے ابھی تمہید کی ہے تا کہ اس کے بعد والا اس پر مرتب ہو۔''ط''۔

31071۔(قولہ: وَيُخَيَّرُ الْغُرَمَاءُ) اگر وہ چاہیں تو آقا سے غلام کی قیمت کی ضمانت لیں اگر وہ چاہیں تو غلام سے اپنے دیون میں سعایت کروا لیں۔اگر وہ آقا سے قیمت کی ضمانت لیں تو انہیں غلام پر کوئی اختیار نہیں یہاں تک کہ وہ آزاد ہو جائے اور غلام اپنی حالت پر ماذون باقی رہے گا۔''ہندیہ''۔اس سے استثنا کا معنی ظاہر ہو گیا۔''ط''۔یعنی ان کے اس قول الا ان الخ عتق کا معاملہ مختلف ہے جس طرح گزر چکا ہے۔کیونکہ ان دونوں میں سے ایک کا پیچھا کرنے سے دوسرا بری نہیں ہوتا۔

31072۔(قولہ: أَحَدَ الشَّيْئَيْنِ) وہ دونوں یہ ہیں آقا سے ضمانت لینا اور غلام سے مزدوری کروانا۔

لِأَنَّهُمَا لَا يُبَاعَانِ بِالدَّيْنِ، وَلَوْ أَعْتَقَهُ الْمَوْلَى بِإِذْنِ الْغُرَمَاءِ فَلَهُمْ تَضْمِينُ مَوْلَاهُ زَيْلَعِيٌّ (وَ) الْمَأْذُونُ (إِنْ بَاعَهُ سَيِّدُهُ) بِأَقَلَّ مِنَ الدُّيُونِ (وَغَيَّبَهُ الْمُشْتَرِي) قَيَّدَ بِهِ؛ لِأَنَّ الْغُرَمَاءَ إِذَا قَدَرُوا عَلَى الْعَبْدِ كَانَ لَهُمْ فَسْخُ الْبَيْعِ كَمَا مَرَّ (ضَمَّنَ الْغُرَمَاءُ الْبَائِعَ قِيمَتَهُ)

کیونکہ وہ دونوں دین کے بدلے میں نہیں بیچے جاتے اگر آقا غرما کی اجازت سے اسے آزاد کر دے تو انہیں حق حاصل ہے کہ وہ اس کے آقا سے ضمانت لے لیں، ''زیلعی''۔ اور ماذون کو اگر اس کا آقا دیون سے کم قیمت پر اسے بیچ دے اور مشتری اسے غائب کر دیں۔ یہ قید لگائی ہے۔ کیونکہ غرماء جب غلام پر قادر ہوں تو انہیں بیع فسخ کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے جس طرح گزر چکا ہے تو غرماء بائع سے اس کی قیمت کی ضمانت لیں گے۔

31073۔ (قولہ: وَلَوْ أَعْتَقَهُ الْمَوْلَى الخ) یہ ان کے قول: و صح اعتاقہ کے ساتھ مرتبط ہے۔ مدبر کے مسئلہ کے ساتھ متعلق نہیں۔ ''زیلعی'' نے کہا: اگر آقا نے غرماء کی اجازت سے اسے آزاد کر دیا تو انہیں حق حاصل ہے کہ وہ اس کے آقا سے اس کی قیمت کی ضمانت لے لیں۔ یہ اس طرح نہیں کہ راہن رہن کا غلام مرتہن کی اجازت سے آزاد کر دے جبکہ وہ تنگدست ہو۔ کیونکہ وہ غلام دین سے اس کی اجازت کے ساتھ نکلا ہے۔ اور عبد ماذون دین سے غریم کے اذن کے ساتھ دین سے بری نہیں ہوتا۔ یعنی جب غریم نے آزاد کرنے کی اجازت دے دی ہو۔ جہاں تک مدبر کا تعلق ہے تو اس کو آزاد کرنے سے مطلقاً ضمانت لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ مؤلف نے تعلیل کا ذکر کیا ہے۔ پس اس میں تدبر کرو۔ ''ط''۔ ''طوری'' کی عبارت ہے: ان کا قول و ضمن یہ اسے شامل ہے جب وہ غرماء کی اجازت کے ساتھ آزاد کرے۔ الخ

31074۔ (قولہ: بِأَقَلَّ مِنَ الدُّيُونِ) آقا سے دیون سے کم قیمت پر اسے بیچ دے یا وہ بیع غرما کی اجازت کے بغیر ہو جبکہ دین مال ہو مگر جب وہ ان تین چیزوں کے برعکس بیع ہو تو آقا پر کوئی ضمانت نہیں ''نہایہ''۔ ''مقدسی'' نے ''ابولیث'' کی ''شرح الجامع'' سے یہ زائد نقل کیا ہے: بیع اس کی قیمت سے کم کے ساتھ ہو مگر جب وہ اسے اس کی قیمت کے ساتھ بیچ دے یا اس سے زیادہ کے ساتھ بیچ دے اور وہ قبضہ کر لے جبکہ وہ اس کے قبضہ میں ہو تو ضمانت لینے میں کوئی فائدہ نہیں ثمن ان غرماء کو دے دی جائے گی۔ اسے ''سائحانی'' نے نقل کیا ہے۔

31075۔ (قولہ: وَغَيَّبَهُ) یہ غین معجمہ کے ساتھ ہے۔ ''در منتقی''۔

31076۔ (قولہ: كَانَ لَهُمْ فَسْخُ الْبَيْعِ) یعنی اس سے قبل قاضی ان کے حق میں قیمت کا فیصلہ کر دے۔ اگر اس کے بعد ہو تو اس میں تفصیل ہے جو ''زیلعی'' سے منقول ہے اس کا ذکر آگے آئے گا۔

31077۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی تقریباً ایک صفحہ پہلے ''سراجیہ'' سے منقول ہوا ہے۔

31078۔ (قولہ: ضَمَّنَ الْغُرَمَاءُ الْبَائِعَ قِيمَتَهُ) خواہ وہ قیمت ثمن کے برابر تھی، اس سے کم تھی یا اس سے زیادہ تھی یا حکم اس صورت میں ہے جو قیمت دین کے برابر ہو یا اس سے کم ہو۔ اگر اس سے زائد ہو تو وہ صرف دین کی مقدار کا ضامن ہوگا۔ ''رحمتی''۔

لِتَعَدِّيهِ (فَإِنْ رَدَّ الْعَبْدُ (عَلَيْهِ بِعَيْبٍ قَبْلَ الْقَبْضِ) مُطْلَقًا أَوْ بِخِيَارِ رُؤْيَةٍ أَوْ شَرْطٍ (أَوْ بَعْدَهُ بِقَضَاءٍ رَجَعَ) السَّيِّدُ (بِقِيمَتِهِ عَلَى الْغُرَمَاءِ وَعَادَ حَقُّهُمْ فِي الْعَبْدِ) لِزَوَالِ الْمَانِعِ (وَإِنْ رَدَّ بَعْدَ الْقَبْضِ لَا بِقَضَاءٍ فَلَا سَبِيلَ لَهُمْ عَلَى الْعَبْدِ

کیونکہ اس نے تعدی کی ہے۔ اگر غلام عیب کی وجہ سے مولیٰ پر واپس لوٹا دیا جائے یہ قبضہ سے پہلے ہو مطلقاً یا خیار رویت کے ساتھ یا خیار شرط کے ساتھ یا اس کے بعد قاضی کے فیصلہ سے ہو تو آقا اس کی قیمت کا غرماء سے مطالبہ کرے گا اور غلام میں اس کا حق لوٹ آئے گا۔ کیونکہ مانع زائل ہو چکا ہے۔ اگر قبضہ کے بعد اسے لوٹایا جائے مگر قاضی کے فیصلہ سے تو انہیں غلام پر کوئی اختیار نہیں ہوگا

31079۔ (قولہ: لِتَعَدِّيهِ) یعنی اس کی بیع کرنے اور اس کو مشتری کے حوالے کرنے کے ساتھ اس نے تعدی کی ہے۔ ''منح''۔

31080۔ (قولہ: فَإِنْ رَدَّ الْعَبْدُ) یعنی جب غرماء نے آقا سے قیمت لینے کو اپنایا پھر غلام ظاہر ہوا اور مشتری عیب پر مطلع ہوا اور اسے بائع کو لوٹا دیا۔ الخ

31081۔ (قولہ: قَبْلَ الْقَبْضِ الخ) ''شرنبلالی'' نے اس میں اعتراض کیا ہے کہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب مشتری اسے غائب کر دے اور یہ نہیں ہوتا مگر جب مشتری اس پر قبضہ کر لے کہا: شاید اسے اپنے اس قول مطلقاً کی وجہ سے ذکر کیا ہے تا کہ یہ ان کے قول او بعدہ بقضاء کے مقابل ہو جائے۔

31082۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی قاضی کے فیصلہ سے یا باہمی رضامندی سے۔ ''ح''۔

31083۔ (قولہ: أَوْ بِخِيَارِ رُؤْيَةٍ أَوْ شَرْطٍ) یعنی مطلقاً قبضہ سے پہلے ہو یا اس کے بعد ہو قاضی کی قضا سے ہو یا باہمی رضامندی سے۔ پس اس پر لازم ہے کہ اطلاق کی قید کو یہاں تک موخر کرے۔ ''ح''۔ اسے قضا کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ عیب صفقہ کے مکمل ہونے سے مانع ہے پس رد فسخ ہوگا اور خیار شرط ابتداء حکم کے مانع ہے گویا بیع تھی ہی نہیں۔ کیونکہ شرط نہیں پائی گئی اور وہ رضامندی ہے اور خیار رویت تمام حکم سے مانع ہے پس ان دونوں کے ساتھ لوٹانا یہ فسخ عقد ہی ہو سکتا ہے۔ ''رحمتی''۔

31084۔ (قولہ: أَوْ بَعْدَهُ بِقَضَاءٍ) یہ اس طرف راجع ہے جو متن میں ہے یعنی قبضہ کے بعد عیب کی وجہ سے قاضی کے فیصلہ کے ساتھ لوٹایا کیونکہ قضا کے ساتھ یہ فسخ ہو جائے گا۔ ''رحمتی''

31085۔ (قولہ: لِزَوَالِ الْمَانِعِ) یعنی ان کا حق غلام کے ساتھ متعلق ہونے سے جو مانع تھا وہ زائل ہو چکا ہے۔ وہ بیع اور سپرد کرنا ہے جو ضمان کا سبب ہے۔ ''زیلعی'' نے کہا: پس وہ غاصب کی طرح ہو گیا جب اس نے بیچ دیا، سپرد کیا اور قیمت کی ضمانت دی پھر عیب کی وجہ سے اس پر لوٹا دیا گیا تو اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ مغصوب کو مالک پر لوٹا دے اور اس سے وہ قیمت واپس لے لے جو اس نے اسے دی تھی۔

31086۔ (قولہ: فَلَا سَبِيلَ لَهُمْ عَلَى الْعَبْدِ) یعنی غلام سے سعایت کرانے میں انہیں کوئی حق حاصل نہ ہوگا۔

وَلَا لِلْمَوْلَى عَلَى الْقِيمَةِ)؛ لِأَنَّ الرَّدَّ بِالتَّرَاضِي إِقَالَةٌ وَهِيَ بَيْعٌ فِي حَقِّ غَيْرِهِمَا (وَإِنْ فَضَلَ مِنْ دَيْنِهِمْ شَيْءٌ رَجَعُوا بِهِ عَلَى الْعَبْدِ بَعْدَ الْحُرِّيَّةِ) كَمَا مَرَّ (أَوْ ضَمَّنُوا مُشْتَرِيَهُ) عَطْفٌ عَلَى الْبَائِعِ أَيْ إِنْ شَاءُوا ضَمَّنُوا الْمُشْتَرِيَ وَيَرْجِعُ الْمُشْتَرِي بِالثَّمَنِ عَلَى الْبَائِعِ (أَوْ أَجَازُوا الْبَيْعَ وَأَخَذُوا الثَّمَنَ) لَا قِيمَةَ الْعَبْدِ

اور نہ ہی آقا کو قیمت پر کوئی اختیار ہوگا۔ کیونکہ باہم رضامندی سے واپس کرنا یہ اقالہ ہے جبکہ یہ غرماء کے حق میں بیع ہے۔ اگر ان کے دین سے کوئی شے بچ جائے تو وہ آزادی کے بعد غلام سے اس کا مطالبہ کریں گے جس طرح یہ گزر چکا ہے یا اس کے مشتری سے اس کی ضمانت لے لیں گے۔ اس کا عطف ''البائع'' پر ہے یعنی اگر وہ چاہیں تو مشتری سے ضمانت لیں اور مشتری بائع سے ثمن کا مطالبہ کرے گا یا بیع کو جائز قرار دیں اور ثمن لے لیں نہ کہ غلام کی قیمت لیں گے۔

31087۔ (قولہ: وَلَا لِلْمَوْلَى عَلَى الْقِيمَةِ) یعنی غرماء سے قیمت واپس لینے میں اسے کوئی اختیار نہیں ہوگا۔

31088۔ (قولہ: وَهِيَ بَيْعٌ فِي حَقِّ غَيْرِهِمَا) یعنی دونوں بیع وشرا کرنے والوں کے علاوہ کے حق میں یہ بیع ہوگی جس طرح اقالہ میں گزر چکا ہے کہ یہ دونوں بیع وشرا کرنے والوں کے حق میں یہ فسخ ہے اور تیسرے فرد کے حق میں بیع جدید ہے اور غرماء تیسرا فرد ہے۔ پس ان کے حق میں گویا بائع نے اپنے مشتری سے یہ خریدی ہے اور اس کی پہلی بیع اپنے حال پر ہے ''رحمتی''۔ اسی وجہ سے کہا: انہیں غلام پر کوئی اختیار نہیں اور آقا کو قیمت پر کوئی اختیار نہیں۔ غیر سے مراد غلام نہیں ہے۔ فافہم

31089۔ (قولہ: أَوْ ضَمَّنُوا مُشْتَرِيَهُ) یعنی مشتری سے اس کی قیمت کی ضمانت لے لیں گے کیونکہ وہ خریدنے، قبضہ کرنے اور اسے غائب کرنے کے ساتھ تعدی کرنے والا ہے ''زیلعی''۔ ''حلبی'' نے کہا: تو اس سے باخبر ہے کہ ہمارے مسئلہ میں ثمن کا ذکر ہو رہا ہے اگر چہ وہ دین سے کم ہو جس طرح شارح نے ذکر کیا ہے۔ لیکن قیمت بعض اوقات دین سے زائد ہوتی ہے۔ پس چاہئے کہ وہ صرف دین کی مقدار کی ہی ضمانت لیں جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ اس وقت یہ دیکھا جائے گا کہ بائع پر رجوع کی کیا کیفیت ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اگر ثمن اتنی ہو جس قدر اس نے قیمت کی ضمانت اٹھائی ہے تو اس کا مطالبہ کرے گا اگر مضمون زائد ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ مشتری بائع سے زیادتی کا مطالبہ کرے۔ ''فلیتامل''۔

31090۔ (قولہ: عَطْفٌ عَلَى الْبَائِعِ) یہ صحیح ہوگا اگر ضمنوا متن کی عبارت میں سے نہ ہو۔ ہم نے نسخوں جو دیکھا ہے یہ اس کے خلاف ہے۔ اس تعبیر کی صورت میں اس کا عطف ضمن پر ہے اور یہ جملہ کے جملہ پر عطف میں سے ہے۔

31091۔ (قولہ: وَيَرْجِعُ الْمُشْتَرِي بِالثَّمَنِ عَلَى الْبَائِعِ) کیونکہ اس سے قیمت لینا عین کے لینے کی طرح ہے ''زیلعی''۔ اور ان کا قول بالثمن اس کے ساتھ اشارہ کیا ہے کہ اس نے جو ضمانت دی ہے اس کا مطالبہ نہیں کرے گا بلکہ بائع کو جو ثمن ادا کی ہے اس کی ضمانت دے گا اور قیمت میں سے جو باقی ہے اسے بائع پر اس کے مطالبہ کا حق نہیں۔ اس کلام کا ظاہر یہ ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب قیمت ثمن سے زیادہ ہو۔ ''شرنبلالیہ''۔

31092۔ (قولہ: أَوْ أَجَازُوا الْبَيْعَ الخ) ''زیلعی'' نے کہا: اس کا حاصل یہ ہے کہ غرما کو تین چیزوں میں سے ایک کا

(وَإِنْ بَاعَهُ) السَّيِّدُ (مُعْلِمًا بِدَيْنِهِ)
اگر عبد ماذون کے آقا نے اس کے دین سے آگاہ کرتے ہوئے

اختیار ہوگا: بیع کی اجازت، دونوں میں سے جس سے چاہیں وہ غرما ضمانت لے لیں پھر اگر مشتری سے ضمانت لیں تو مشتری بائع سے ثمن کا مطالبہ کرے گا اگر وہ بائع سے ضمانت لیں تو وہ بیع مشتری کے حوالے کردے گا اور مانع کے زوال کے ساتھ بیع مکمل ہو جائے گی۔ اور وہ غرما جس سے ضمانت لینے کو اختیار کریں تو دوسرا بری ہو جائے گا یہاں تک کہ وہ دوسرے سے مطالبہ نہیں کریں گے جس کو انہوں نے ضمانت کے لئے منتخب کیا تھا اگر اس کے ہاں قیمت کا قصد کیا گیا۔ اگر غلام اس کے بعد ظاہر ہو گیا کہ انہوں نے دونوں میں سے ایک سے ضمانت لینے کو اختیار کیا تھا تو انہیں اس پر کوئی اختیار نہیں ہوگا اگر قاضی نے ان کے حق میں گواہیوں کے یا قسم کے انکار کی وجہ سے قیمت کا فیصلہ کیا تھا۔ کیونکہ قاضی کے فیصلہ کے ساتھ ان کا حق قیمت کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ اگر قیمت کا فیصلہ خصم کے قول کی وجہ سے اس کی قسم کے ساتھ ہوا تھا جبکہ غرما نے اس سے زیادہ کا دعویٰ کیا تھا تو انہیں اختیار ہوگا۔ اگر چاہیں تو قیمت پر راضی ہو جائیں اگر چاہیں تو اسے واپس کر دیں اور غلام لے لیں۔ پس ان کے لئے اسے بیچا جائے گا۔ کیونکہ ان کے گمان کے مطابق ان کا پورا حق انہیں نہیں پہنچا۔ پس اس میں یہ مغصوب کی مثل ہے۔ ''النہایہ'' میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔ اور اسے ''مبسوط'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

اپنے رب کے عفو کی امید رکھنے والا عرض کرتا ہے۔ مغصوب میں مذکور حکم اس کے ساتھ مشروط ہے کہ عین اور اس کی قیمت اس سے زیادہ ظاہر ہو جس کی اس نے ضمانت اٹھائی ہے اور یہاں اس کی شرط نہیں لگائی۔ بے شک شرط یہ لگائی ہے کہ غرماء اس سے زیادہ کا دعویٰ کریں جس کی اس نے ضمانت اٹھائی اور یہ شرط لگائی ہے کہ ان کا پورا حق ان کے گمان کے مطابق ان تک نہیں پہنچا دونوں میں بہت زیادہ تفاوت ہے۔ کیونکہ بعض اوقات دعویٰ حقیقت حال کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔ پس یہ جائز ہے کہ قیمت اس کی مثل ہو جس کی اس نے ضمانت اٹھائی تھی یا اس سے کم ہو۔ پس اس میں ان کے لئے خیار ثابت نہیں ہوگا۔ بے شک ان کے لئے خیار ثابت ہوگا جب وہ ظاہر ہو اور اس کی قیمت اس سے زیادہ ہو جس کی اس نے ضمانت اٹھائی ہے۔ پس یہاں مذکور چھٹکارا دینے والا نہیں ہوگا۔

اس کا جواب اس کے ساتھ دیا جاتا ہے جو ''شلبی'' نے ''قاری الہدایہ'' کی تحریر سے ذکر کیا ہے کہ انہیں حق حاصل ہے کہ وہ چیز واپس کر دیں جو انہوں نے لی ہے اگرچہ اس کی قیمت اس کی مثل ہو جو اس نے ضمانت دی یا اس سے کم ہو۔ کیونکہ اس میں ان کا فائدہ ہے اور وہ اس سے تمام دین کی سعایت کرانا ہے۔ ''ابوسعود''۔ اسی کی مثل ''طوری'' نے جواب دیا ہے۔

31093۔ (قولہ: مُعْلِمًا بِدَيْنِهِ) یہ اعلام سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور سید کی ضمیر سے حال ہے۔ ''ہدایہ'' اور ''کنز'' کی عبارت ہے: و اعلمه بالدین۔ ''کفایہ'' میں کہا: یعنی بائع نے مشتری کو بتا دیا کہ یہ غلام مدیون ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ دین کے عیب کی وجہ سے عقد واپس کرنے میں مشتری کا خیار ساقط ہو جائے گا یہاں تک کہ بائع اور مشتری کے درمیان بیع لازم ہو جائے گی۔ اگرچہ غرماء کے حق میں لازم نہ ہوگی جب اس کی ثمن میں ان کے دیون پورے نہ ہوئے ہوں۔ اس کی مثل

يَعْنِي مُقِرًّا بِهِ لَا مُنْكِرًا كَمَا سَيَجِيءُ لِتَحَقُّقِ الْمُخَاصَمَةِ وَيَسْقُطُ خِيَارُ الْمُشْتَرِي لَا الْغُرَمَاءِ

یعنی اس کا اقرار کرتے ہوئے نہ کہ اس کا انکار کرتے ہوئے اسے بیچ دیا جس طرح عنقریب آئے گا تاکہ مخاصمت متحقق ہو اور مشتری کا خیار ساقط ہو جائے گا نہ کہ غرما کا خیار ساقط ہوگا

''التبیین'' وغیرہ میں ہے۔ شارح عنقریب اسی کی طرف اشارہ کریں گے۔

اگر عبد ماذون کے آقا نے اس کے دین کا اقرار کرتے ہوئے اسے بیچ دیا تو اس کا حکم

31094۔ (قولہ: يَعْنِي مُقِرًّا بِهِ لَا مُنْكِرًا كَمَا سَيَجِيءُ) تو یہ جان چکا ہے کہ معلما سید سے حال ہے جو بائع ہے۔ پس یہ اس کا وصف ہے اور جو عنقریب آئے گا اس میں مشتری کے اقرار کا اعتبار ہے بائع کے اقرار کا اعتبار نہیں۔ اس کلام کی اصل ''ابن کمال'' کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ذکر کیا کہ ان کے قول: معلما کا فائدہ آنے والے مسئلہ میں ظاہر ہوگا۔ وہ یہ ہے: وان غاب البائع فالمشتری لیس بخصم حتی یتبینہ تصویر الانکار مرۃ والاقرار اخری لیکن اعلام کی تفسیر اقرار سے نہیں کی جس طرح شارح نے کہا ہے بلکہ اسے آنے والے انکار جو صراحۃً ہے اور اقرار جو ضمناً مفہوم ہے کی صورت کی بنیاد بنایا ہے۔ اسی وجہ سے ''حلبی'' نے کہا: ان کا قول مقرا بہ نہ تو متن کی تفسیر بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ ہی اس کے لئے قید بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انہوں نے ''ابن کمال'' کی عبارت میں غلطی کی ہے اور اسے نہیں سمجھا۔

یہ ممکن ہے کہ ان کا قول یعنی مقرا باع فعل کے پہلے مفعول کی تفسیر ہو یعنی باع مشتریا مقرا یا مشتری سے حال ہو جو مقام سے سمجھا جا رہا ہے اگر وہ لمقر کہتے تو یہ زیادہ ظاہر ہوتا۔ ''ابن کمال'' نے جو فائدہ ذکر کیا ہے اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ مسئلہ رباعی ہے غاب العبد غلام غائب ہو گیا جبکہ غاب البائع باع غائب ہوا یا غاب المشتری مشتری غائب ہوا گزر چکا ہے اور عنقریب آئے گا: حضر الکل سب حاضر ہیں۔ کلام اسی کے متعلق ہے۔ اسی وجہ سے ''طحطاوی'' نے کہا: یہ مسئلہ اس میں مفروض ہے جب غلام حاضر ہو تاکہ یہ اس کے سابقہ قول کے مباین ہو جائے: وان باعہ سیدہ و غیبہ المشتری۔ اگر مصنف نے یوں قول کیا ہوتا: وان کان العبد حاضرا فلھم الفسخ بحضرتھما تو زیادہ مختصر اور واضح ہوتا۔ اور اس مسئلہ اگر مشتری دین کا اقرار کرتا تو امر ظاہر ہوتا اگر وہ منکر ہو تو غرماء پر اس کا اثبات لازم ہوتا۔ کیونکہ مانع موجود نہیں کیونکہ اس میں خصم موجود ہے۔ بے شک کلام بائع کے غائب ہونے کے بارے میں ہے۔ اگر مشتری ان کے لئے مقر ہو تو بیع کو رد کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ خصم ہے ورنہ نہیں۔ پس ان کا قول معلما سب کے حاضر ہونے میں اس کا اس مسئلہ میں فائدہ اصلاً ظاہر نہیں ہوگا۔ بے شک اس کا فائدہ وہ ہے جو ''کفایہ'' وغیرھا سے گزر چکا ہے۔ فتدبر۔ یہ امر میرے لئے ظاہر ہوا۔

31095۔ (قولہ: لِتَحَقُّقِ الْمُخَاصَمَةِ) تحقیق فعل مضارع ہے جس سے ایک تا کو حذف کر دیا گیا ہے اور مخاصمۃ یہ فاعل ہے یعنی مشتری کے دین کے اقرار کا فائدہ اس صورت میں ہے جب بائع غائب ہو تاکہ بیع کے رد کرنے میں غرماء کا خصم ہونا صحیح ہو۔

(فَلِلْغُرَمَاءِ رَدُّ الْبَيْعِ) إِنْ لَمْ يَصِلْ ثَمَنُهُ إِلَيْهِمْ: لِأَنَّ قَبْضَهُمْ الثَّمَنَ دَلِيلُ الرِّضَا لِلْبَيْعِ

تو غرما کو بیع رد کرنے کا حق ہوگا اگر اس کی ثمن ان تک نہ پہنچے۔ کیونکہ ثمن پر ان کا قبضہ کرنا بیع پر رضامند ہونے کی دلیل ہے

31096۔(قولہ: فَلِلْغُرَمَاءِ رَدُّ الْبَيْعِ) کیونکہ ان کا حق اس کے ساتھ متعلق ہے اور یہ محنت ومزدوری کرنے یا اس سے پورا پورا حق لینے کا حق ہے۔ دونوں میں فائدہ ہے پہلا مکمل موخر ہے اور دوسرا ناقص معجّل ہے۔ بیع کے ساتھ یہ اختیار فوت ہوجاتا ہے پس انہیں لوٹانے کا حق ہوگا۔

31097۔(قولہ: إِنْ لَمْ يَصِلْ ثَمَنُهُ إِلَيْهِمْ) ''ہدایہ'' میں کہا: علماء نے مسئلہ کی تاویل یہ کی ہے: جب غرما تک ثمن نہ پہنچے اگر وہ ان تک پہنچ جائے اور بیع میں کوئی محابات نہ ہوتو انہیں کوئی حق حاصل نہ ہوگا کہ اسے واپس کریں۔ کیونکہ ان کا حق ان تک پہنچ چکا ہے۔ ''زیلعی'' نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہ قول اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب ثمن ان تک پہنچ جائے تو انہیں فسخ کا خیار نہیں ہوگا جب بیع میں محابات نہ ہو اگرچہ ثمن ان کے حق کو کافی نہ ہوتی ہو۔ اگر بیع میں محابات ہوتو ان کے لئے عقد کو فسخ کرنے کا خیار ہوگا اگرچہ ثمن ان کے حق کو پورا کرے۔ صورتحال اس طرح نہیں بلکہ انہیں عقد فسخ کرنے کا اختیار ہوگا جب ثمن ان کا حق پورا نہ کرے اگرچہ اس میں محابات نہ ہو۔ کیونکہ وہ اس سے سعایت کرواسکتے ہیں۔ انہوں نے اسے تھوڑا پہلے ذکر کیا ہے: ولا خيار لهم ان وفى الثمن بحقهم و ان كان فيه محاباة لوصول حقهم اليهم اگر وہ کہتے: مسئلہ کی تاویل اس صورت میں ہے جب وہ ایسی ثمن سے بیچے جو اس کے دین کو پوری نہ ہوتو کلام درست رہتی اور اشکال زائل ہوجاتا۔ کیونکہ ثمن جب ان کے دین کو پوری نہ ہوتو انہیں بیع توڑنے کا حق ہے صورت کوئی بھی ہو۔ جب ثمن ان کے حقوق کو پورا کرتی ہوتو انہیں عقد توڑنے کا حق نہیں صورتحال جو بھی ہو۔ پس بیع موقوف ہوگی یہاں تک کہ غرما کی اجازت کے ساتھ جائز ہوگی۔ یہ کتاب کا مسئلہ ہے۔ اسی کی مثل ''شروح ہدایہ'' میں ہے۔

وصول کا لفظ احضار اور تخلیہ کے معنی کا احتمال رکھتا ہے

31098۔(قولہ: لِأَنَّ قَبْضَهُمْ الخ) یہ ان کے قول: ان لم يصل ثمنه اليهم کے مفہوم کی تعلیل ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: فان وصل ليس لهم الرد لان الخ زیادہ بہتر بالبيع تھا ''ط''۔

پھر یہ صاحب ''ہدایہ'' کی جانب سے جواب ہے اس کی اصل ''صاحب نہایہ'' کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا: انه يمكن ان يريد بقوله الخ مگر ان کے قول: اگر حق پہنچ جائے اور بیع میں کوئی محابات نہ ہو ان کا ثمن کو لے لینا یہ بیع پر رضامندی ہے۔ پھر کہا: لیکن وصل کے لفظ کے ساتھ ثمن حاضر کرنے اور غرما اور ثمن میں تخلیہ کا احتمال باقی ہے۔ پس جس پر اعتماد کیا گیا ہے وہ ''قاضی خان'' کا قول ہے۔ اس کی تاویل یہ ہے: جب وہ ایسی ثمن کے ساتھ اسے بیچے جو ان کے دیون کو کافی نہ ہو۔

اس کا حاصل یہ ہے: وصول کا لفظ احضار اور تخلیہ کے معنی کا احتمال رکھتا ہے جس طرح قبض کے معنی کا احتمال رکھتا ہے۔ پس یہ رضا پر دال نہیں ہوگا۔

إِلَّا إِذَا كَانَ فِيهِ مُحَابَاةٌ فَإِمَّا أَنْ تُرْفَعَ أَوْ يُنْقَضَ الْبَيْعُ ابْنُ كَمَالٍ وَقَالَ الْمُصَنِّفُ هَذَا إِذَا كَانَ الدَّيْنُ حَالًّا وَكَانَ الْبَيْعُ بِلَا طَلَبِ الْغُرَمَاءِ وَالثَّمَنُ لَا يَفِي بِدَيْنِهِمْ وَإِلَّا فَالْبَيْعُ نَافِذٌ لِزَوَالِ الْمَانِعِ (وَإِنْ غَابَ الْمَانِعُ وَقَدْ قَبَضَهُ الْمُشْتَرِي (فَالْمُشْتَرِي لَيْسَ بِخَصْمٍ لَهُمْ) أَوْ مُنْكِرًا دَيْنَهُ

مگر جب اس میں محابات ہو یا تو اس محابات کو اٹھا دیا جائے یا بیع کو توڑ دیا جائے۔''ابن کمال''۔ مصنف نے کہا: یہ حکم اس صورت میں ہے جب دین حال ہو اور بیع غرماء کے مطالبہ کے بغیر ہو اور ثمن ان کے دین کو کفایت نہ کرے ورنہ بیع، مانع کے زوال کے باعث نافذ ہوگی۔ اگر بائع غائب ہو جائے جبکہ مشتری نے اس پر قبضہ کرلیا ہو تو مشتری غرماء کا خصم نہ ہوگا اگر وہ ماذون کے دین کا منکر ہو۔

میں کہتا ہوں: لیکن صاحب''ہدایہ'' کا قول جو اس سے پہلے ہے''اسے اختیار ہوگا جب ثمن ان کے حق کو کافی نہ ہو'' یہ اس امر پر ظاہر قرینہ ہے کہ وصول سے مراد قبض لیا جائے تا کہ اس کی کلام میں تناقض واقع نہ ہو جائے۔ اور کلام کو عامل بنانا یہ اسے مہمل چھوڑ دینے سے بہتر ہے خصوصاً جب وہ کلام اس جیسے امام میں صادر ہو۔ اسی وجہ سے''ابن کمال'' نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کے سوا کو اوہام قرار دیا ہے۔

31099۔(قولہ: إِلَّا إِذَا كَانَ فِيهِ مُحَابَاةٌ) کیونکہ اس وقت انہیں یہ کہنے کا حق حاصل ہوگا ہم نے ثمن پر قبضہ کیا۔ کیونکہ ہم یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ مکمل قیمت ہے''ابن کمال''۔ یعنی یہ رضا پر دال نہیں جب تک ثمن ان کے حق کو پورا نہ کرے۔

31100۔(قولہ: وَقَالَ الْمُصَنِّفُ) یعنی''زیلعی'' وغیرہ کی تبع میں کہا ہے۔

31101۔(قولہ: هَذَا) یعنی ثبوت رد البیع للغرماء یعنی غرماء کے لئے بیع کو رد کرنے کا ثبوت۔

31102۔(قولہ: إِلَّا فَالْبَيْعُ نَافِذٌ) اس کی صورت یہ ہے کہ دین مؤجل ہو۔ کیونکہ اس نے اپنی مملوکہ چیز بیچی ہے جبکہ وہ اسے سپرد کرنے پر قادر ہے ابھی غیر کا حق اس سے متعلق نہیں ہوا یا بیع ان کے اذن سے تھی۔ کیونکہ یہ ان کی بیع اپنی ذاتوں کے لئے تھی۔ اس کا محل یہ ہے جب اس نے محابات کے بغیر اسے بیچا ورنہ ظاہر یہ ہے کہ انہیں لوٹانے کا حق ہے اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔''ط''۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ آقا ان غرماء کا وکیل ہے پس اس میں وہی کچھ جاری ہوگا جو کتاب الوکالہ میں گزر چکا ہے۔ ''تامل''۔''ابوسعود'' نے کہا: اسی طرح بیع نافذ ہو جائے گی جب وہ قاضی کے اذن سے ہو۔ جس طرح ہم اسے پہلے بیان کر آئے ہیں یا اس ثمن کے لئے جو ان کے دین کو کافی ہو کیونکہ ان کا حق ان تک پہنچ چکا ہے۔

31103۔(قولہ: لِزَوَالِ الْمَانِعِ) وہ غرماء کا حق ہے۔

31104۔(قولہ: لَيْسَ بِخَصْمٍ لَهُمْ) کیونکہ دعویٰ عقد کے فسخ کرنے کو متضمن ہے۔ پس فسخ غائب کے خلاف قضا ہو گی۔''زیلعی''۔

31105۔(قولہ: مُنْكِرًا دَيْنَهُ) یعنی اگر مشتری غلام کے دین کا انکاری ہو۔

خِلَافًا لِلثَّانِي وَلَوْ مُقِرًّا فَخَصْمٌ كَمَا مَرَّ (وَلَوْ بِقَلْبِهِ) بِأَنْ غَابَ الْمُشْتَرِي وَالْبَائِعُ حَاضِرٌ (فَالْحُكْمُ كَذَلِكَ) أَيْ لَا خُصُومَةَ (إِجْمَاعًا) يَعْنِي حَتَّى يَحْضُرَ الْمُشْتَرِي لَكِنْ لَهُمْ تَضْمِينُ الْبَائِعِ قِيمَتَهُ أَوْ إِجَازَةُ الْبَيْعِ وَأَخْذُ الثَّمَنِ (عَبْدٌ قَدِمَ مِصْرًا وَقَالَ أَنَا عَبْدُ فُلَانٍ مَأْذُونٌ فِي التِّجَارَةِ فَبَاعَ وَاشْتَرَى) فَهُوَ مَأْذُونٌ وَحِينَئِذٍ (لَزِمَهُ كُلُّ شَيْءٍ مِنَ التِّجَارَةِ وَكَذَا) الْحُكْمُ (لَوِ اشْتَرَى) الْعَبْدُ

امام ''ابو یوسف'' رطیٹیلیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر وہ دین کا مقر ہوتو وہ خصم ہوگا جس طرح قول گزر چکا ہے۔ اگر صورتحال اس کے الٹ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری غائب ہو اور بائع حاضر ہوتو حکم اسی طرح ہوگا یعنی بالا جماع خصومت نہ ہوگی یہاں تک کہ مشتری حاضر ہو۔ لیکن غرماء کو حق حاصل ہے کہ بائع سے اس کی قیمت کی ضمانت لیں یا انہیں یہ حق حاصل ہوگا کہ بیع کو جائز قرار دیں اور ثمن لے لیں۔ ایک غلام شہر میں آیا اور اس نے کہا: میں فلاں کا تجارت میں ماذون غلام ہوں اس نے بیچا اور خریدا تو وہ ماذون ہے اور اس وقت اس پر تجارت کی ہر شے لازم ہوگی۔ اسی طرح حکم ہوگا اگر غلام خریدے

31106۔ (قولہ: خِلَافًا لِلثَّانِي) کیونکہ آپ نے کہا: وہ خصم ہوگا اور وہ غرماء کے لئے ان کے دین ادا کرے گا۔ کیونکہ وہ اپنے لئے عین میں ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے پس وہ اس کا خصم ہوگا جو اس میں اس کے ساتھ منازعہ کرتا ہے۔ ''زیلعی''۔

31107۔ (قولہ: وَلَوْ مُقِرًّا فَخَصْمٌ) کیونکہ اس کا اقرار اس کے خلاف حجت ہے پس اس کی بیع فسخ کر دی جائے گی جب ثمن ان کے دیون کو کافی نہ ہو۔ ''زیلعی''۔

31108۔ (قولہ: لَا خُصُومَةَ إِجْمَاعًا) کیونکہ ملک اور قبضہ مشتری کا ہے اور ان دونوں کو باطل کرنا ممکن نہیں جبکہ وہ غائب ہو جب تک اس کی ملک باطل نہ ہوتو رقبہ ان کے حق کا محل نہ ہوگی۔ ''زیلعی''۔

31109۔ (قولہ: لَكِنْ لَهُمْ تَضْمِينُ الْبَائِعِ قِيمَتَهُ) کیونکہ وہ بیع کرنے اور سپرد کرنے کے ساتھ ان کے حق کو فوت کرنے والا ہو جائے گا جب انہوں نے اس سے قیمت کی ضمانت لے لی تو اس میں بیع جائز ہو جائے گی اور ثمن بائع کے لئے ہوگی۔ ''زیلعی''۔

31110۔ (قولہ: أَوْ إِجَازَةُ الْبَيْعِ) یہ سابقہ اذن کے قائم مقام ہوگی اور مشتری سے ضمانت لینے کا ذکر نہیں کیا جب وہ ان کے دیون کا اقرار کرنے والا ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ ان کے لئے یہ جائز ہے اور اس کی وضاحت کی جانی چاہئے۔ یہ ان خیارات کا مسئلہ ہے جو سابقہ مسئلہ میں جاری ہوئے۔ ''ط''۔

31111۔ (قولہ: فَهُوَ مَأْذُونٌ) یعنی اس کے کسب کے حق میں اس کی تصدیق کی جائے گی یہاں تک کہ بطور استحسان اس کے ساتھ اس کے دیون ادا کئے جائیں گے اگرچہ وہ عادل نہ ہو کیونکہ اس میں ضرورت اور ہے۔ کیونکہ ہر عقد پر حجت قائم کرنا ممکن نہیں۔ ''زیلعی''۔

(وَبَاعَ سَاكِتًا عَنْ إِذْنِهِ وَحَجْرِهِ) كَانَ مَأْذُونًا اسْتِحْسَانًا لِضَرُورَةِ التَّعَامُلِ وَأَمْرُ الْمُسْلِمِ مَحْمُولٌ عَلَى الصَّلَاحِ فَيُحْمَلُ عَلَيْهِ ضَرُورَةً شَرْحِ الْجَامِعِ وَمُفَادُهُ تَقْيِيدُ الْمَسْأَلَةِ بِالْمُسْلِمِ ابْنُ كَمَالٍ (وَ) لَكِنْ (لَا يُبَاعُ لِدَيْنِهِ) إِذَا لَمْ يَفِ كَسْبُهُ (إِلَّا إِذَا أَقَرَّ مَوْلَاهُ بِهِ) أَيْ بِالْإِذْنِ أَوْ أَثْبَتَهُ الْغَرِيمُ بِالْبَيِّنَةِ

اور بیچے جبکہ اپنے اذن اور اپنے حجر سے خاموش رہے تو استحسانا ماذون ہوگا۔ کیونکہ تعامل کی ضرورت ہوتی ہے اور مسلمان کا حکم صلاح پر محمول ہوتا ہے پس اسے ضرورت پر محمول کیا جائے گا ''شرح الجامع''۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مسئلہ مسلمان کے ساتھ مقید ہے۔ ''ابن کمال''۔ لیکن اسے اس کے دین کی وجہ سے نہیں بیچا جائے گا جب تک اس کا کسب اس کو پورا نہ ہوتا ہو مگر جب اس کا آقا اذن کا اقرار کرے یا غریم گواہیوں سے اسے ثابت کر دے۔

31112۔ (قولہ: سَاكِتًا) یہ العبد سے حال ہے یعنی وہ کسی شے کے بارے میں خبر نہیں دیتا۔

خبر کی اقسام

31113۔ (قولہ: وَمُفَادُهُ) یعنی ان کے قول وامر المسلم سے مستفاد ہے۔ اسی طرح ''زیلعی'' کا قول ہے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ ماذون ہے کیونکہ ان کا عقل اور دین دونوں میں اسے حرام کے ارتکاب سے مانع ہوتے ہیں۔ لیکن ''حلبی'' نے کہا: نفس میں اس کے بارے میں کچھ خلش ہے۔

میں کہتا ہوں: کیونکہ یہ معاملہ میں خبر ہے۔ جبکہ علما نے فرمایا: خبر تین قسم کی ہے (1) دینی امور میں خبر اس میں عدالت شرط ہے عدد شرط نہیں۔ (2) شہادت میں خبر تو اس میں عدالت اور عدد شرط ہیں۔ (3) معاملہ میں خبر۔ اس میں ایک بھی شرط نہیں تا کہ امر تنگ نہ ہو جائے۔ کیونکہ ''ہدایہ'' میں اس کی علت بیان کی ہے: اگر وہ اذن کی خبر دے تو خبر دینا اس پر دلیل ہوگی۔ ورنہ اس کا تصرف جائز ہے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ مجبور اپنے حجر کے حکم پر جاری ہوگا۔ ظاہر عمل ہی معاملات میں اصل ہے تا کہ لوگوں پر معاملہ تنگ نہ ہو جائے۔ پس ظاہر پر عمل اور ضرورت پر اکتفا کیا ہے پس یہ سب کو شامل ہوگا۔ عقل اور دین کا ذکر اس کے منافی نہیں اور اس لئے کہ یہ بعض اشخاص کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے۔ ''تامل''

31114۔ (قولہ: بِالْمُسْلِمِ) یعنی مسلمان غلام۔

31115۔ (قولہ: لَكِنْ لَا يُبَاعُ الخ) کیونکہ رقبہ کے حق میں اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ محض آقا کا حق ہے۔ کسب کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ غلام کا حق ہے۔ ''ہدایہ''۔

31116۔ (قولہ: أَوْ أَثْبَتَهُ الْغَرِيمُ بِالْبَيِّنَةِ) یعنی آقا کی موجودگی میں غریم ثابت کرے ورنہ اس کی گواہیاں قبول نہ کی جائیں گی۔ کیونکہ غلام اپنی رقبہ کے حق میں خصم نہیں ہے۔ اگر غلام دین کا اقرار کرے اور قاضی اس کی کمائی کو بیچے اور غرماء کا دین ادا کرے پھر آقا آ جائے اور اذن کا اقرار کرے اگر غرماء اذن پر گواہیاں قائم کر دیں ورنہ وہ آقا کو وہ چیز لوٹا دیں گے جو انہوں نے غلام کی کمائی سے لیا۔ اور قاضی کی بیع نہیں توڑی جائے گی۔ کیونکہ اسے غائب کے مال پر بیع کی ولایت

﴿وَتَصَرُّفُ الصَّبِيِّ وَالْمَعْتُوهِ﴾ الَّذِي يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ ﴿إِنْ كَانَ نَافِعًا﴾ مَحْضًا ﴿كَالْإِسْلَامِ وَالِاتِّهَابِ صَحَّ بِلَا إِذْنٍ وَإِنْ ضَارًّا كَالطَّلَاقِ وَالْعَتَاقِ﴾ وَالصَّدَقَةِ وَالْقَرْضِ ﴿لَا وَإِنْ أَذِنَ بِهِ وَلِيُّهُمَا وَمَا تَرَدَّدَ﴾

بچہ اور معتوہ جو بیع وشرا کی سمجھ بوجھ نہ رکھتے ہوں اگر وہ عمل محض نفع ہو جیسے اسلام قبول کرنا اور ہبہ وصول کرنا تو اذن کے بغیر صحیح ہوگا اگر وہ نقصان دہ ہو جیسے طلاق، عتاق، صدقہ اور قرض ہے تو صحیح نہیں ہوگا اگرچہ ان دونوں کا ولی اس کی اجازت دے دے۔

حاصل ہے۔ اور ان کے حق کو اس کی آزادی تک موخر کر دیا جائے گا۔ کیونکہ مواخذہ اس کے اقوال کی وجہ سے فی الحال مواخذہ نہیں ہوگا۔ ''اتقانی'' نے شیخ الاسلام کی ''مبسوط'' سے نقل کیا ہے۔

بچے اور جن کو اس پر ولایت حاصل ہے ان کا تصرف اور ان کی ترتیب

31117۔ (قولہ: وَتَصَرُّفُ الصَّبِيِّ وَالْمَعْتُوهِ الخ) اس مسئلہ کا اس کتاب میں ذکر کیا ہے کہ بچے کے ولی کے اذن کو، اس کے اذن کے ساتھ اس کے ماذون ہونے کو دیکھنے کی بنا پر ہے اور اس کا حکم بیان کیا۔ اس کا ذکر کتاب الحجر میں کیا جہاں کہا: ان میں سے جس نے عقد کیا جبکہ وہ اس کی سمجھ بوجھ رکھتا تھا اس کے ولی نے اس کی اجازت دے دی یا اسے رد کر دیا یہ اس کے مجبور ہونے کو دیکھنے کی بنا پر ہے اور اس کا حکم بیان کیا۔ ''یعقوبیہ''۔

31118۔ (قولہ: الَّذِي يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ) یہ صبی اور معتوہ میں سے ہر ایک کی صفت ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''حموی'' سے نقل کیا ہے۔

31119۔ (قولہ: مَحْضًا) یعنی ہر اعتبار سے نفع مند ہے۔

31120۔ (قولہ: وَالِاتِّهَابِ) یعنی ہبہ قبول کرنا اور اس پر قبضہ کرنا۔ اسی طرح صدقہ ہے۔ ''قہستانی''۔

31121۔ (قولہ: وَإِنْ ضَارًّا) یعنی ہر اعتبار سے تکلیف دہ ہو یعنی ضرر دنیوی۔ اگرچہ اس میں اخروی نفع ہو جیسے صدقہ اور قرض ہے۔

31122۔ (قولہ: كَالطَّلَاقِ وَالْعَتَاقِ) اگرچہ یہ دونوں مال کے بدلے میں ہوں۔ کیونکہ یہ دونوں ملک کو زائل کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ یہ محض ضرر ہے اور نفقہ کا سقوط پہلے کو اور ثواب کا حصول دوسرے کو کچھ نقصان نہیں دیتا اور اس کے علاوہ جس مقصد کے لئے دونوں کو وضع نہ کیا گیا ہو۔ کیونکہ اعتبار وضع کا ہوتا ہے اسی طرح ہبہ، صدقہ وغیرہما ہیں۔ ''قہستانی''۔

31123۔ (قولہ: لَا وَإِنْ أَذِنَ بِهِ وَلِيُّهُمَا) کیونکہ اس کے لئے کامل اہلیت شرط ہے۔ اسی طرح اگر وہ اس کے بالغ ہونے کے بعد اجازت دے مگر جب وہ اسے لفظ کے ساتھ ہو جو ابتداءً عقد کی صلاحیت رکھتا ہو جیسے میں نے طلاق یا آزادی واقع کی۔ اسی طرح یہ غیر سے صحیح نہیں جیسے اس کا باپ، اس کا وصی اور قاضی۔ کیونکہ اس میں ضرر پایا جا رہا ہے۔

میں کہتا ہوں: ضرورت کے مواقع قواعد شرع سے مستثنیٰ ہیں جس طرح اگر وہ مجبوب ہو یا مرتد ہو، اس کی بیوی اسلام قبول کر لے اور وہ اسلام کا انکار کر دے یا اس کے ولی نے عبد مشترک میں سے اس کے حصہ پر عقد مکاتبہ کر لیا ہو اور پورا پورا بدلہ

مِنَ الْعُقُودِ (بَيْنَ نَفْعٍ وَضَرَرٍ كَالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ تَوَقَّفَ عَلَى الْإِذْنِ) حَتَّى لَوْ بَلَغَ فَأَجَازَهُ نَفَذَ (فَإِنْ أَذِنَ لَهُمَا الْوَلِيُّ فَهُمَا فِي شِرَاءٍ وَبَيْعٍ كَعَبْدٍ مَأْذُونٍ) فِي كُلِّ أَحْكَامِهِ (وَالشَّرْطُ) لِصِحَّةِ الْإِذْنِ (أَنْ يَعْقِلَا الْبَيْعَ

اور وہ عقود جو نفع اور ضرر کے درمیان متردد ہوں جیسے بیع وشرا تو یہ اذن پر موقوف ہوں گے یہاں تک کہ اگر اس تک اس کی خبر پہنچے اور وہ اس کو جائز قرار دے دے تو وہ عقد نافذ ہو جائے گا۔ اگر ولی ان دونوں کو اجازت دے دے تو وہ بیع وشرا کے تمام احکام میں عبد ماذون کی طرح ہیں۔ اذن کے صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ بیع کو سمجھتے ہوں

لے لیا ہو پس بچہ ایک قول میں طلاق دینے والا ہو جائے گا جس طرح وہ معتق ہو جائے گا۔ اس کی مکمل بحث ''قہستانی'' اور ''برجندی'' میں ہے۔ ''در منتقی''۔

وہ عقود جو نفع اور ضرر کے درمیان متردد ہوں اذن پر موقوف ہوں گے

31124۔ (قولہ: كَالْبَيْعِ) یعنی اگر چہ وہ قیمت کو دوگنا کرے کیونکہ اعتبار اصل وضع کا ہوتا ہے نہ کہ اس کا جو اسے اتفاق حال سے لاحق ہو یہ اپنی اصل کے اعتبار سے متردد ہے اسے جو چیز ہبہ کی جائے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کی تحقیق ''المنح'' میں ہے۔

31125۔ (قولہ: فِي كُلِّ أَحْكَامِهِ) پس وہ خاموش ہونے کے ساتھ ماذون ہو جائے گا اور اس کے قبضہ میں ان کی کمائی میں سے جو کچھ ہے اس کے بارے میں اس کا اقرار صحیح ہوگا وہ اپنے غلام کی شادی کرنے اور اس کو مکاتب بنانے کا مالک نہیں ہوگا جس طرح غلام میں یہ حکم ہے۔ ''جوہرہ''۔ یہ کسی تجارت کی کسی نوع کے ساتھ مقید نہیں۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غبن فاحش کے ساتھ اس کا بیع کرنا جائز نہیں۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے اس کے علاوہ غلام میں جو اور احکام ہیں۔ ''زیلعی''۔ پھر باب کے آخر میں استثنا کی ہے اور کہا: مگر ولی انہیں اپنے مالوں میں تصرف سے نہیں روک سکتا اگر چہ ان دونوں پر دین ہو اور ولی کا ان دونوں کے خلاف اقرار قبول نہیں کیا جائے گا اگر چہ ان دونوں پر دین نہ ہو۔ آقا کا معاملہ مختلف ہے۔ فرق یہ ہے کہ ولی کا ان دونوں کے خلاف اقرار شہادت ہے۔ کیونکہ یہ ان کے غیر کے خلاف اقرار ہے۔ پس اس کو قبول نہ کیا جائے گا اور ان کا دین ان کے مال سے متعلق نہیں ہوگا بے شک وہ ذمہ میں ہوگا۔ کیونکہ وہ دونوں آزاد ہیں پس ولی کو حق حاصل ہوگا کہ وہ دین کے بعد تصرف کرے جس طرح اسے یہ حق حاصل تھا کہ وہ اس سے قبل اس میں تصرف کرے۔

میں کہتا ہوں: یہ حقیقت میں مولی اور ولی کے درمیان فرق ہے غلام اور بچے کے درمیان فرق نہیں۔ پس اس کے استثنا کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ کلام بچے کے تصرفات میں ہے۔ ''المعراج'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اذن کے صحیح ہونے کی شرط

31126۔ (قولہ: أَنْ يَعْقِلَا الْبَيْعَ الخ) یعنی وہ بیع کا معنی اور مضمون جانتے ہوں نہ کہ محض عبارت جانتے ہوں، یعقوبیہ وغیرہا۔ ''الولوالجیہ'' میں کہا: یعنی کسی بھی بچے کو جب بیع وشرا کی تلقین کی جاتی ہے تو وہ اسے سمجھ جاتا ہے۔

سَالِبًا لِلْمِلْكِ) عَنِ الْبَائِعِ (وَالشِّرَاءَ جَالِبًا لَهُ) زَادَ الزَّيْلَعِيُّ وَأَنْ يَقْصِدَ الرِّبْحَ وَيَعْرِفَ الْغَبْنَ الْيَسِيرَ مِنَ الْفَاحِشِ وَهُوَ ظَاهِرٌ
کہ وہ بائع سے ملک کو سلب کرنے والی ہوتی ہے اور شرا ملک کو کھینچنے والی ہوتی ہے۔ ''زیلعی'' نے یہ زائد ذکر کیا ہے: وہ اس عقد سے نفع کا قصد کرتا ہو اور غبن فاحش سے غبن یسیر کو پہچانتا ہو۔ جبکہ یہ امر ظاہر ہے

31127۔ (قولہ: سَالِبًا لِلْمِلْكِ) یعنی بیع کی ملکیت کو سلب کرنے والی اور ثمن کو کھینچنے والی ہوتی ہے اور شرا میں معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

31128۔ (قولہ: زَادَ الزَّيْلَعِيُّ) یعنی ''ہدایہ'' کے شارحین وغیرھم کی پیروی کرتے ہوئے۔

31129۔ (قولہ: وَأَنْ يَقْصِدَ الرِّبْحَ) چاہئے یہ تھا کہ وہ یقصد اور یعرف میں الف تثنیہ لاتے تا کہ متن کے مناسب ہوجاتا ''ح''۔ لیکن شارح نے ''زیلعی'' کی عبارت کی حکایت بیان کی ہے اور یہاں ضمیر کو مفرد ذکر کرنا یہ مذکور کے اعتبار سے ہے اور معاملہ سہل ہے۔

31130۔ (قولہ: وَيَعْرِفَ الْغَبْنَ الخ) ہمارے شیخ نے اس شرط میں بحث کی ہے کہ تھوڑے اور فاحش میں فرق کرنا یہ حاذق تجار کے ساتھ خاص ہے پس چاہئے کہ اس کا اعتبار نہ کیا جائے۔ ''ح''۔

میں کہتا ہوں: اس کی اصل ''یعقوب باشا''، جو ''صدر الشریعہ'' کے محشی ہیں، کی ہے انہوں نے اسے کتاب الوکالہ کے شروع میں ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ ایسی بحث ہے جو مذہب میں منقول کے مصادم ہے۔ پس اس کی تاویل میں اصل صورتحال یہ ہے: شاید ان کی مراد اس بارے میں جس میں اس کی قیمت معروف ومشہور ہو ورنہ اس کے علاوہ میں بعض اوقات لوگوں میں سے سمجھدار ترین دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ یا مراد یہ ہے کہ یہ پہچانتا ہو کہ مثلاً جس کی قیمت دس ہو اس میں پانچ غبن فاحش ہے اور اس میں ایک تھوڑا غبن ہے۔ مگر جو دونوں میں فرق نہیں کرتا وہ عاقل نہیں جیسے ایک بچہ ہو جسے ایک آدمی نے کعب (باقی ماندہ دودھ، کھیل کا پھانسا) دی اور اس کے بدلے میں اس کا کپڑا لیا جب وہ اس پر خوش ہو جائے اور یہ پتہ نہ چلے کہ وہ مجنون ہے تو اس کا تصرف اصلاً صحیح نہیں ہوگا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہی مراد ہے۔

''سعدیہ'' کے کتاب الوکالہ میں جواب دیا ہے کہ بعض اوقات کسی شے پر قدرت کو اس شے کے قائم مقام رکھ دیا جاتا ہے اور معرفت پر قدرت عقل سے ہوتی ہے اور یہ اس بچے میں موجود ہوتی ہے جس میں ہم کلام کر رہے ہیں۔ ''فلیتامل''

اس کا حاصل یہ ہے جو کنایہ کے طریقہ پر یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ عاقل ہو اور مراد اس معرفت کی حقیقت نہ ہو پس یہ لازم بول کر ملزوم مراد لینے کے قبیل سے ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

31131۔ (قولہ: وَهُوَ ظَاهِرٌ) گویا یہ اس کی طرف منسوب ہونے کے اعتبار سے ظاہر ہے یا یہ جملہ حالیہ ہے معنی یہ ہے کہ وہ مذکورہ غبن کو پہچانتا ہو اس حال میں کہ وہ ہر دانشمند کے لئے ظاہر ہوتا ہے پس یہ اس معنی میں ہوگا جو ہم نے جواب دیا ہے۔

(وَوَلِيُّهُ أَبُوهُ ثُمَّ وَصِيُّهُ) بَعْدَ مَوْتِهِ ثُمَّ وَصِيُّ وَصِيِّهِ كَمَا فِي الْقُهُسْتَانِيِّ عَنْ الْعِمَادِيَّةِ (ثُمَّ) بَعْدَهُمْ (جَدُّهُ) الصَّحِيحُ وَإِنْ عَلَا (ثُمَّ وَصِيُّهُ) ثُمَّ وَصِيُّ وَصِيِّهِ قُهُسْتَانِيٌّ زَادَ الْقُهُسْتَانِيُّ وَالزَّيْلَعِيُّ ثُمَّ الْوَالِي بِالطَّرِيقِ الْأَوْلَى (ثُمَّ الْقَاضِي أَوْ وَصِيُّهُ)

اس کا ولی اس کا باپ ہوگا۔ پھر اس کی موت کے بعد اس کا وصی ہوگا پھر وصی کا وصی ہوگا جس طرح ''قہستانی'' میں ''عمادیہ'' سے منقول ہے۔ پھر اس کے بعد اس کا صحیح دادا ہے اگرچہ وہ کتنا اوپر چلا جائے۔ پھر دادا کا وصی ہے پھر اس کے وصی کا وصی ہے ''قہستانی''۔ ''قہستانی'' اور ''زیلعی'' نے یہ زائد ذکر کیا ہے: پھر والی بطریق اولی اس کا ولی ہوگا۔ پھر قاضی یا اس کا وصی ولی ہوگا

وہ معتوہ جو بیع کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو اس کے لیے بیع کی اجازت کا حکم

31132۔ (قولہ: وَوَلِيُّهُ أَبُوهُ) ضمیر سے مراد صبی ہے۔ ''ہندیہ'' میں ہے: وہ معتوہ جو بیع کی سمجھ بوجھ رکھتا ہے اسے باپ، وصی اور دادا اجازت دے سکتے ہیں بھائی اور چچا اجازت نہیں دے سکتے۔ اس کا حکم بچے کا حکم ہوتا ہے۔ پھر اس کو ذکر کیا کہ معتوہ کو اس کا بیٹا اجازت دے تو یہ باطل ہے۔ متن میں موجود ضمیر کو صبی اور معتوہ کی طرف لوٹانا مذکور کا اعتبار کرتے ہوئے ممکن ہے۔ پھر یہ حکم اس وقت ہے جب معتوہ کی حیثیت سے بالغ ہوا مگر جب وہ عاقل کی حیثیت سے بالغ ہوا پھر معتوہ ہوا تو اس کی ولادت باپ کی طرف نہیں لوٹے گی۔ یہ قیاس کی بنا پر ہے بلکہ قاضی یا سلطان کی طرف لوٹے گی۔ استحسان میں ہے: ولایت اس کی طرف لوٹے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلا قول امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور دوسرا قول امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلا قول امام ''زفر'' کا ہے اور دوسرا قول ہمارے تینوں علماء کا ہے جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔

31133۔ (قولہ: ثُمَّ وَصِيُّ وَصِيِّهِ) ''رملی'' نے ''حاشیۃ البحر'' میں کہا ہے: وان بعد جس طرح ''جامع الفصولین'' میں ہے۔ یعنی اگرچہ وہ وصی کتنا ہی دور چلا جائے۔

31134۔ (قولہ: الصَّحِيحُ) یہ جد فاسد سے احتراز ہے جیسے ''نانا''۔

31135۔ (قولہ: ثُمَّ الْوَالِي) والی سے مراد وہ ہوتا ہے جس کے ذمہ قاضیوں کو منصب قضا تفویض کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ اس کی دلیل ''ہدایہ'' کا قول ہے۔ صاحب الشرط (فوجوں کا سربراہ) کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ قاضیوں کو منصب قضا تفویض کرنا اس کے ذمہ نہیں ہوتا۔ ''ح''۔ ''العنایہ'' میں والی کو قاضی کے وصی سے موخر کیا ہے۔ ''یعقوبیہ'' میں کہا: اس میں اعتراض ہے۔

31136۔ (قولہ: بِالطَّرِيقِ الْأَوْلَى) یعنی والی کیلئے ولایت کا ثبوت بدرجہ اولی ہوگا کیونکہ قاضی اس سے مدد لیتا ہے۔

31137۔ (قولہ: ثُمَّ الْقَاضِي أَوْ وَصِيُّهُ) بے شک اسے وصی کا نام دیا ساتھ ہی ایصا سے مراد موت کے بعد کسی کو نائب بنانا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہاں یہ باپ کا نائب ہوتا ہے گویا باپ نے اسے وصی بنایا ہے اگر قاضی کوئی عمل کرے تو وہ یوں ہو جاتا ہے جیسے باپ کا فعل ہوتا ہے۔ ''ابو سعود'' نے ''شمنی'' سے نقل کیا ہے۔ ''یعقوبیہ'' میں قاضی کو موخر لانے پر اشکال کا ذکر کیا

أَيُّهُمَا تَصَرَّفَ يَصِحُّ فَلِذَا لَمْ يَقُلْ ثُمَّ (دُونَ الْأُمِّ أَوْ وَصِيِّهَا) هَذَا فِي الْمَالِ
جو بھی تصرف کرے تو اس کا تصرف صحیح ہوگا۔ اسی وجہ سے ثم کا لفظ ذکر نہیں کیا ماں یا اس کا وصی ولی نہ ہوں گے۔ یہ مال میں ولایت ہے

ہے اس کے ساتھ جس کا ذکر آگے آئے گا کہ قاضی اگر چھوٹے کو اجازت دے دے اور اس کا باپ انکار کردے تو وہ ماذون ہو جائے گا۔ کہا: پس اس کا اپنے اذن میں باپ پر مقدم ہونا لازم آتا ہے جس طرح یہ مخفی نہیں۔ میں کہتا ہوں: ہم عنقریب اس کا جواب ذکر کریں گے۔

31138۔ (قولہ: أَيُّهُمَا تَصَرَّفَ يَصِحُّ الخ) یعنی دونوں میں سے ہر ایک ایک مرتبہ میں ہوں گے جس طرح ''الدرر المنتقی'' میں کہا ہے۔ ''قہستانی'' نے کہا ہے: ترتیب کے کلمہ سے تسویہ کے حکم کی طرف عدول کیا ہے۔ اس امر کا شعور دلانے کے لئے کہ والی، قاضی اور اس کے وصی کی ولایت صحیح ہوگی جب کہ دادا کے وصی کا وصی مر جائے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ باپ کے وصی کے ہوتے ہوئے دادا کو ولایت حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہی قاضی اور والی کو ولایت حاصل ہوتی ہے جب دادا یا اس کا وصی موجود ہو دادا اور اس کے وصی کے بعد کوئی ترتیب نہیں۔

31139۔ (قولہ: دُونَ الْأُمِّ أَوْ وَصِيِّهَا) ''زیلعی'' نے کہا: جہاں تک ان کا تعلق ہے جو عصبہ میں اصول کے علاوہ ہیں جیسے چچا، بھائی یا ان کے علاوہ ہوں جیسے ماں اس کا وصی یا فوجوں کا سربراہ ہے ان کی جانب سے اسے اذن دینا صحیح نہیں۔ کیونکہ انہیں یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے مال میں تجارت کے طور پر تصرف کریں۔ اسی طرح وہ اسے اس میں اذن دینے کے مالک نہ ہوں گے۔ اور پہلے اس کے مال میں تصرف کے مالک ہیں پس اسی طرح اسے تجارت میں اذن دینے کے مالک ہوں گے۔

31140۔ (قولہ: هَذَا فِي الْمَالِ) یہ اپنے اطلاق پر نہیں۔ ''البحر'' کے کتاب الوکالہ میں ''خزانۃ المفتیین'' سے مروی ہے: ماں کے وصی کو حق حاصل نہیں کہ ماں کے ترکہ میں تصرف کرے جب باپ حاضر ہو، اس کا وصی، اس کے وصی کا وصی یا دادا حاضر ہو۔ جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اگر ان میں سے کوئی بھی نہ ہو تو اسے حفاظت کرنے اور منقولہ چیز کو بیچنے کا اختیار رہتا ہے۔ جائیداد بیچنے اور مال تجارت کے خریدنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ اور بچے نے ماں کے مال کے علاوہ سے جو حاصل کیا ہے اس میں مطلقاً تصرف کا حق نہیں۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے لیکن منقولہ چیز کو حفاظت کی بجائے بیچ دیا جائے گا۔ ''جامع الفصولین'' کی ستائیسویں فصل میں کہا: اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو ماں کے وصی کو حفاظت کرنے اور منقولہ چیز کی حفاظت کی بجائے بیچنے کا حق ہوگا۔ اسے جائیداد بیچنے کا حق نہیں ہوگا اور نہ ہی تجارت کے طریقہ پر خریدنے کا حق حاصل ہوگا مگر نفقہ اور کسوہ کے لئے خرید سکتے ہیں اور یتیم جو ماں کے ترکہ کے علاوہ مال سے جس کا مالک ہوا تو اس کی ماں کے وصی کو اس میں تصرف کا حق نہیں وہ منقول ہو یا منقول نہ ہو۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

بِخِلَافِ النِّكَاحِ كَمَا مَرَّ فِي بَابِهِ (رَأَى الْقَاضِي الصَّبِيَّ أَوِ الْمَعْتُوهَ أَوْ عَبْدَهُمَا) أَوْ عَبْدَ نَفْسِهِ كَمَا مَرَّ (يَبِيعُ وَيَشْتَرِي فَسَكَتَ لَا يَكُونُ) سُكُوتُهُ (إِذْنًا فِي التِّجَارَةِ وَ) الْقَاضِي (لَهُ أَنْ يَأْذَنَ لِلْيَتِيمِ وَالْمَعْتُوهِ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ وَلِعَبْدِهِمَا إِذَا كَانَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا) مِنَ الصَّبِيِّ وَالْمَعْتُوهِ (وَلِيٌّ وَامْتَنَعَ) الْوَلِيُّ مِنَ (الْإِذْنِ عِنْدَ طَلَبِ ذَلِكَ مِنْهُ) أَيْ مِنَ الْقَاضِي زَيْلَعِيٌّ

نکاح کا معاملہ مختلف ہے جس طرح اس کے باب میں گزر چکا ہے۔ قاضی نے صبی، معتوہ، ان دونوں کے غلام یا اپنے غلام، جس طرح گزر چکا ہے، کو بیع وشرا کرتے ہوئے دیکھا تو خاموش رہا تو اس کی خاموشی تجارت میں اذن نہیں ہوتا اور قاضی کو حق حاصل ہے کہ وہ یتیم اور معتوہ کو اذن دے جب اس کا کوئی ولی نہ ہو اور ان دونوں کے غلام کو اجازت دے جب دونوں یعنی بچے اور معتوہ میں سے ہر ایک کا ولی ہو اور ولی اجازت دینے سے رک جائے جب قاضی سے اس کا مطالبہ کیا جائے، ''زیلعی''۔

31141۔ (قولہ: بِخِلَافِ النِّكَاحِ) کیونکہ اس میں وصیوں کا کوئی عمل دخل نہیں بلکہ اس میں اولیاء کا عمل دخل ہوتا ہے اور جب عصبہ نہ ہو تو ماں کو ولایت کا حق ہوتا ہے۔

تتمہ

صبی ماذون یا معتوہ ماذون کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے غلام کو بھی ماذون بنائیں۔ کیونکہ تجارت میں اذن تجارت ہے اور معتوہ کے بیٹے کو حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے معتوہ سے اذن دے اور نہ ہی اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کے مال میں تصرف کرے اسی طرح جب باپ مجنون ہو۔ اس کی مکمل وضاحت ''التبیین'' میں ہے۔

31142۔ (قولہ: أَوْ عَبْدَ نَفْسِهِ) یعنی قاضی کا اپنا غلام یہ اس پر مبنی ہے جو صاحب ''الاشباہ'' نے سمجھا ہے اس بارے میں ہم پہلے گفتگو کر چکے ہیں۔

31143۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی کتاب الماذون کے اوائل میں گزر چکا ہے۔

31144۔ (قولہ: لَا يَكُونُ إِذْنًا) کیونکہ اسے غیر کے مال میں کوئی حق نہیں یہاں تک کہ اذن اس کے حق کو ساقط کرے اسے ''زیلعی'' یا کتاب نے ذکر کیا ہے۔ پس یہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اس کے غلام کو اذن ہے پس جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں وہ تائید یافتہ ہو جاتا ہے۔

31145۔ (قولہ: إِذَا كَانَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا) صحیح کلام یہ ہے: او کان یعنی اذا کی جگہ او ہوتا اس کا عطف لم یکن پر ہے جس طرح ''زیلعی'' نے اسے ''کنز'' کے قول و یثبت بالسکوت کے ہاں ذکر کیا ہے۔ اور ان کا قول ولعبدھما اس کا عطف الیتیم اور معتوہ پر ہے اس کو موخر کرنے میں جو نکتہ ہے اس میں غور کرو اور ان کا قول: عند طلب یہ ان کے قول: یأذن کے متعلق ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب ولی نہ ہوگا تو قاضی کو حق حاصل ہے کہ دونوں کو اذن دے اگر ان کا ولی ہو تو پھر اجازت نہیں۔

قُلْت وَفِي الْبُرْجَنْدِيِّ عَنْ الْخِزَانَةِ لَوْ أَبَى أَبُوهُ أَوْ وَصِيُّهُ صَحَّ إذْنُ الْقَاضِي لَهُ زَادَ شَارِحُ الْوَهْبَانِيَّةِ وَلَا يَنْحَجِرُ بَعْدَ ذَلِكَ أَصْلًا؛ لِأَنَّهُ حُكْمٌ إلَّا بِحَجْرِ قَاضٍ آخَرَ فَتَدَبَّرْ فُرُوعٌ لَوْ أَقَرَّا لِإِنْسَانٍ بِمَا مَعَهُمَا

میں کہتا ہوں: ''برجندی'' میں ''خزانہ'' سے مروی ہے: اگر اس کا باپ یا وصی اذن دینے سے انکار کردیں تو اسے قاضی کا اذن دینا صحیح ہوگا۔ ''شارح الوہبانیہ'' نے یہ زائد ذکر کیا ہے: اس کے بعد وہ اصلاً مجور نہیں ہوگا مگر دوسرے قاضی کے مجور کرنے سے کیونکہ قاضی کا اذن حکم ہے۔ فتدبر۔ فروع: اگر وہ دونوں کسی انسان کے لئے اس چیز کا اقرار کریں جو ان کے پاس

مگر جب ولی اجازت دینے سے رک جائے یہ وہ حکم ہے جو ''برجندی'' اور ''نظم'' سے ماخوذ ہے۔ ''معراج الدرایہ'' میں اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ باپ اسے روکنے والا ہو گیا پس اس کے روکنے کے باعث ولایت اس سے قاضی کی طرف منتقل ہو گئی جس طرح نکاح کے باب میں ہے۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ باپ کی ولایت کا قاضی کی ولایت سے تاخر لازم نہیں آتا۔ اسی وجہ سے ''تاتر خانیہ'' میں کہا: بے شک جائز ہے اگرچہ قاضی کی ولایت باپ اور وصی کی ولایت سے موخر ہے اس سے وہ اعتراض اٹھ جاتا ہے جو ہم نے پہلے ''یعقوبیہ'' سے ذکر کیا ہے۔ ''فتدبر''

31146۔ (قولہ: قُلْت وَفِي الْبُرْجَنْدِيِّ الخ) اسی کی مثل ''الخلاصہ'' میں ہے شاید اسے دوبارہ ذکر کیا ہے، جبکہ یہ متن میں ہے، کیونکہ اس میں طلب اذن کو طلب کے وقت کے ساتھ مقید نہیں کیا۔ پس یہ قول فائدہ دیتا ہے کہ یہ قید اتفاقی ہے اسی کی مثل وہ ہے جو ''النظم'' سے آئے گا۔ اسی طرح ''ہندیہ'' کا ''المحیط'' سے قول مروی ہے پس قاضی نے یہ رائے قائم کی کہ وہ اسے اذن دے دے اور اس کے باپ نے اس کا انکار کر دیا۔ تامل

31147۔ (قولہ: لَا يَنْحَجِرُ بَعْدَ ذَلِكَ أَصْلًا) یعنی اگر قاضی مرجائے یا معزول کر دیا جائے۔ باپ یا وصی کی موت کا معاملہ مختلف ہے۔ اس علت کی وجہ سے جس کا ذکر کیا ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

31148۔ (قولہ: إلَّا بِحَجْرِ قَاضٍ آخَرَ) پس باپ کی جانب سے مجور کرنے سے مجور نہیں ہوگا۔ ''تاتر خانیہ''۔

31149۔ (قولہ: لَوْ أَقَرَّا لِإِنْسَانٍ) اگر وہ دونوں کسی انسان کے حق میں اقرار کریں جس طرح ''النہایہ'' اور ''الہندیہ'' میں ہے۔ اور انسان سے مراد باپ کے علاوہ ہے جو اذن دینے والا ہے۔ کیونکہ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: ایسا بچہ جو باپ کی جانب سے ماذون ہو جب وہ اپنے باپ کے لئے اس مال کا اقرار کرے جو اس کے قبضہ میں ہو یا دین کا اقرار کرے تو اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا۔ اس کا مفہوم یہ ہے: اگر قاضی کی جہت سے ماذون ہو تو اس کا اپنے باپ کے حق میں اقرار صحیح ہے۔ اس پر وہ قول دلالت کرتا ہے جو ''الولوالجیہ'' میں ہے: اگر ایسے بچے نے کوئی چیز بیچی جسے باپ کی جانب سے اجازت دی گئی تھی جبکہ اس پر ایسا دین ہو جس پر لوگ غبن کرتے ہیں تو یہ جائز ہوگا۔ اگر وہ ثمن پر قبضہ کرنے کا اقرار کریں تو گواہوں کے بغیر اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ یہ باپ کے حق میں اقرار ہے جبکہ اس سے اذن حاصل ہوا جس طرح باپ پورا پورا حق دینے کا دعویٰ کردے۔

31150۔ (قولہ: بِمَا مَعَهُمَا) یہ قول عین اور دین دونوں کو شامل ہے۔ ''نہایہ''۔

مِنْ كَسْبٍ أَوْ إِرْثٍ صَحَّ عَلَى الظَّاهِرِ كَمَأْذُونٍ دُرَرٌ، الْمَأْذُونُ لَا يَكُونُ مَأْذُونًا قَبْلَ الْعِلْمِ بِهِ إِلَّا فِي مَسْأَلَةِ مَا إِذَا قَالَ بَايِعُوا عَبْدِي فَإِنِّي أَذِنْتُ لَهُ فَبَايَعُوهُ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ صَارَ مَأْذُونًا، بِخِلَافِ قَوْلِهِ بَايِعُوا ابْنِي الصَّغِيرَ

کمائی کا مال یا وراثت کا مال ہو تو ظاہر روایت کے مطابق یہ اقرار صحیح ہوگا جس طرح ماذون کا اقرار صحیح ہوتا ہے،''درر''۔ ماذون کو جب تک اذن کا علم نہ ہو وہ ماذون نہیں ہوتا مگر ایک مسئلہ میں جب وہ کہے: میرے غلام سے بیع کرو۔ کیونکہ میں نے اسے اذن دے دیا ہے۔ پس اس کے ساتھ لوگوں نے بیع کی جبکہ اسے علم نہیں تو وہ ماذون ہو جائے گا۔ اس کا یہ قول''میرے چھوٹے سے بیع کرو'' کا معاملہ مختلف ہے۔

31151۔ (قولہ: صَحَّ عَلَى الظَّاهِرِ) یعنی اگر وہ دونوں اقرار کریں کہ وہ دونوں اپنے والد سے جس میراث کے وارث بنے ہیں وہ فلاں کے لئے ہے تو ظاہر روایت کے مطابق یہ اقرار صحیح ہے۔ امام''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے۔ اور جس چیز کا وہ وارث بنا ہے اس میں اس کا اقرار صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کی کمائی میں اس کے اقرار کی صحت تجارات میں اس کی حاجت کی وجہ سے ہوتی ہے اور موروثی چیز میں کوئی حاجت نہیں ہوتی۔ ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے ولی کی رائے مل جانے سے وہ بالغ کے ساتھ مل گیا ہے اور دونوں مال اس کی ملک میں ہیں پس اس کا اقرار دونوں میں صحیح ہے۔''درر''۔ اور باپ سے میراث ہونا یہ قید نہیں جس طرح''النہایہ'' میں ہے۔

31152۔ (قولہ: كَمَأْذُونٍ) یہ''الدرر'' میں نہیں۔ اس شرط پر کہ ماذون کیلئے کوئی وراثت نہیں ہوتی۔''سائحانی''۔

31153۔ (قولہ: إِلَّا فِي مَسْأَلَةِ الخ) اس کا حاصل یہ ہے علم کا ہونا اس وقت شرط ہے جب اذن قصداً دیا گیا ہو۔ اگر اذن ضمنی ہو جس طرح یہ ہے تو اس کے بغیر بھی اذن جائز ہو جائے گا۔''بیری'' نے''الولوالجیہ'' سے نقل کیا ہے کہ وہ ماذون نہیں ہوگا۔ کہا: اس میں دو روایتیں ہیں۔

31154۔ (قولہ: فَبَايَعُوهُ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ صَارَ مَأْذُونًا) پس اس کو حق حاصل ہوگا کہ وہ دوسرے لوگوں سے بیع کرے اگر وہ لوگ اس سے بیع نہ کریں بلکہ دوسری قوم اس کے ساتھ بیع وشرا کرے تو ان کی بیع وشرا صحیح نہ ہوگی۔ اور وہ ماذون نہ ہوگا۔ کیونکہ اذن ان لوگوں کی بیع کے ضمن میں ثابت ہوا ہے جن کو اس نے حکم دیا تھا۔ پس اس سے قبل اذن متحقق نہیں ہوگا۔''تاتر خانیہ''۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں اذن ضمنی ہے اگر وہ کہے: میں نے اسے اجازت دے دی ہے تو اس میں غور کیجئے۔

تصرف کا اذن اگر قصداً ثابت ہو تو ماذون کو اذن کا علم ہونا شرط

31155۔ (قولہ: بِخِلَافِ قَوْلِهِ بَايِعُوا ابْنِي الصَّغِيرَ) میرے لئے فرق کی وجہ ظاہر نہیں ہوئی پس اس میں غور وفکر کیا جانا چاہئے۔''حموی''۔

لَا یَصِحُّ الْإِذْنُ لِلْآبِقِ وَالْمَغْصُوبِ الْمَجْحُودِ وَلَا بَيِّنَةَ، وَلَا یَصِیرُ مَحْجُورًا بِهِمَا عَلَى الصَّحِيحِ أَشْبَاهٌ

بھاگ جانے والے غلام، ایسے مغصوب جس کا غاصب غصب سے انکاری ہو کے لئے اذن صحیح نہ ہوگا جبکہ اس کے پاس بینہ نہ ہوں اور صحیح قول کے مطابق وہ ان دونوں اعمال کے ساتھ مجبور نہیں ہوگا۔''اشباہ''۔

میں کہتا ہوں: دوسری روایت کی بنا پر کوئی فرق نہیں۔''شرح تنویر الاذھان'' میں''زیادات'' سے مروی ہے: اگر اس نے کہا: تو اپنا غلام میرے چھوٹے بچے کے ہاتھ میں ہزار کے بدلے بیچ دے تو اس نے ہزار کے بدلے میں غلام بیچ دیا اگر بیٹا باپ کے امر کو جانتا ہو تو جائز ہوگا ورنہ جائز نہیں ہوگا۔ بعض روایات میں ہے: یہ مطلقاً جائز ہے۔ اور بعض مشائخ نے پہلے کو قیاس پر محمول کیا ہے اور دوسرا استحسان پر محمول ہے۔ بعض نے کہا: دونوں روایتوں پر مبنی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے: تصرف کا اذن اگر قصداً ثابت ہو تو ماذون کو اذن کا علم شرط ہے اگر چہ وہ غیر کے ضمن میں ثابت ہو۔ یہ قیاس و استحسان ہے۔ ایک قول کیا گیا: یہ دو روایتیں ہیں۔ مشائخ میں سے کچھ نے کہا: دونوں میں کوئی فرق نہیں جبکہ یہی ظاہر ہے۔ ملخص۔

''ابو سعود'' نے کہا: یہ اس مخالفت کے رد میں صریح ہے جس مخالفت کا ذکر مصنف نے اپنے قول: بخلاف ما اذا قال بایعوہ ابنی الصغیر۔ ہمارے شیخ''ہبۃ اللہ البعلی'' نے''الاشباہ'' پر اپنی شرح میں اسے ثابت رکھا ہے۔

عبد آبق اور ایسا مغصوب غلام جس کا غاصب غصب کا منکر ہو کے لیے اذن صحیح نہ ہوگا

31156۔(قولہ: لَا یَصِحُّ الْإِذْنُ لِلْآبِقِ) علما نے غلام کے بھاگ جانے کی صورت میں مجبور نہ ہونے کی علت امام ''زفر'' کے قول پر بیان کی ہے کہ یہ ابتداءً اذن کے منافی نہیں۔''الاشباہ'' کے فن القواعد میں اسی پر کامزن ہوئے ہیں۔ فرمایا: اس کو اذن دینا صحیح ہے۔ لیکن''زیلعی'' نے کہا ہے: ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم اس سے انکار کریں۔ کیونکہ بھاگ جانا یہ ابتداء اذن کے مانع ہے جس طرح شیخ''الاسدی'' نے ذکر کیا ہے۔''شرح المجمع'' میں ذکر کیا ہے کہ یہ اختلاف روایت پر محمول ہے۔ ''العنایہ'' میں یہ ذکر کیا ہے: اسے اس کا علم ہو تو وہ ماذون ہوگا۔

31157۔(قولہ: الْمَجْحُودِ وَلَا بَيِّنَةَ) یعنی اس کے پاس ایسے گواہ نہیں جو غصب پر گواہی دیں۔''خانیہ'' میں ہے: بھاگے ہوئے غلام کو اذن دینا صحیح نہیں اگر چہ بھاگے ہوئے غلام کو علم ہوا گر اسے تجارت کا اذن دے ساتھ ہی وہ اذن دے جس کے قبضہ میں غلام ہو تو اذن دینا صحیح ہوگا۔ اگر وہ مغصوب کو اجازت دے جبکہ غاصب غصب کا اقرار کرے یا اس پر گواہ ہوں تو اذن صحیح ہوگا ورنہ اذن صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ اس صورت میں بیچ دے تو اس کی بیع جائز ہوگی پس اس کا اذن جائز ہوگا۔

31158۔(قولہ: عَلَى الصَّحِيحِ)''الخانیہ'' میں ہے: ماذون غلام بھاگ جانے سے مجبور ہو جائے گا مگر مدبر ماذون بھاگ جانے سے مجبور نہیں ہوگا۔ صحیح قول یہ ہے کہ عبد ماذون غصب کے ساتھ مجبور نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر اسے محفوظ کرنے سے پہلے قید کر لیا جائے بلکہ اس کے بعد مجبور ہوگا۔ اگر اس کے بعد وہ اپنے آقا تک پہنچا تو وہ دوبارہ ماذون نہ ہوگا۔ اسی طرح

وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ

وَلَوْ أَذِنَ الْقَاضِي لِطِفْلٍ وَقَدْ أَبَى أَبُوهُ يَصِحُّ الْإِذْنُ مِنْهُ فَيَتَّجِرُ
وَضَمِنَ يَعْقُوبُ الصَّغِيرُ وَدِيعَةً وَتَحْلِيفُهُ يُفْتَى بِهِ حَيْثُ يُنْكِرُ

''وہبانیہ'' میں ہے: اگر قاضی طفل کو اجازت دے جبکہ اس کے باپ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا ہو اس کی جانب سے یہ اذن صحیح ہوگا پس وہ تجارت کرے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے چھوٹے پر ودیعت کی چٹی کو لازم کیا ہے۔ اور جب وہ انکار کرے گا تو اس کی قسم کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

اگر وہ بھاگ جانے سے لوٹ آئے۔ یہ اصح قول کے مطابق ہے۔ اس کی کلام مدبر ماذون پر محمول ہوگی نہ کہ عبد ماذون پر محمول ہوگی۔ یعنی غلام اس کے ساتھ وہ منافات اٹھ جاتی ہے جو یہاں اور جو متن میں گزر چکا ہے کے درمیان ہے۔ فافہم

اگر قاضی طفل کو اجازت دے جب کہ اس کے باپ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا ہو تو یہ صحیح ہے

31159۔ (قولہ: وَلَوْ أَذِنَ الْقَاضِي) متن اور شرح میں جو گزر چکا ہے اس کے ساتھ اس قول سے استغنا حاصل ہو چکی ہے۔

31160۔ (قولہ: يَعْقُوبُ) یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا علم ہے۔

31161۔ (قولہ: الصَّغِيرُ) یعنی ایسا چھوٹا جو محجور ہو۔ ''القنیۃ'' میں ہے: ایک بچے کے ہاں ہزار ودیعت رکھا تو اس بچے نے اسے جان بوجھ کر ہلاک کر دیا تو طرفین کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وہ اپنے مال میں ضامن ہوگا۔ اگر وہ اس جانور پر سوار ہوا جو ودیعت رکھا گیا تھا تو وہ جانور ہلاک ہو گیا تو یہ اختلاف پر مبنی ہے۔ اگر ودیعت عبد محجور کے پاس رکھی تو اس نے جان بوجھ کر اسے ہلاک کر دیا تو آزادی کے بعد طرفین کے نزدیک ضامن ہوگا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ودیعت میں اسے بیچا جائے گا اگر وہ ودیعت غلام ہو، بچہ یا غلام اس کو قتل کر دے تو جب تک وہ ودیعت نہ ہو وہ ان دونوں کا ضامن ہوگا یہ طرفین کے نزدیک ہے۔

فرق یہ ہے کہ آقا غلام کی روح کا مالک نہیں اور نہ ہی اسے اس پر تسلط حاصل ہے۔ متاع اور دابہ کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر اس نے بچے اور غلام کو قرض دیا جو دونوں محجور تھے تو بغیر کسی اختلاف کے نہ فی الحال اور نہ ہی آخر کار اس پر ضمانت ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قرض اسی اختلاف پر مبنی ہے۔ ''شرنبلالی''۔

31162۔ (قولہ: وَتَحْلِيفُهُ الخ) یعنی ماذون سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا۔ یعنی اگر وہ عبد ماذون پر کسی شے کا دعویٰ کرے تو وہ اس کا انکار کر دے تو علماء نے اس سے قسم لینے میں اختلاف کیا ہے۔ کتاب الاقرار میں یہ ذکر کیا ہے کہ اس سے قسم لی جائے گی اور اس پر فتویٰ ہے۔ ''خانیہ''۔ اگر وہ کہتے: وحلف ماذون اذا هو ينكر لكان اشبه تو یہ زیادہ مناسب ہوتا۔ ''شرنبلالی''۔

وَلَوْ رَهَنَ الْمَحْجُورُ أَوْ بَاعَ أَوْ شَرَى وَجَوَّزَهُ الْمَوْلَى فَمَا يَتَغَيَّرُ

لِتَوَقُّفِ تَصَرُّفِ الْمَحْجُورِ عَلَى الْإِجَازَةِ فَلَوْ لَمْ يُجِزْ بَلْ أَذِنَ لَهُ فِي التِّجَارَةِ فَأَجَازَهَا الْعَبْدُ جَازَ اسْتِحْسَانًا وَلَوْ لَمْ يَأْذَنْ لَهُ فَأَعْتَقَهُ فَأَجَازَهَا لَمْ تَصِحَّ إِجَازَتُهُ قَالَ وَكَذَا الصَّبِيُّ الْمُمَيِّزُ قُلْت وَلَا يَخْفَى أَنَّ مَا هُوَ تَبَرُّعٌ ابْتِدَاءً ضَارٍ فَلَا يَصِحُّ بِإِذْنِ وَلِيِّ الصَّغِيرِ كَالْقَرْضِ انْتَهَى، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

اگر محجور نے رہن رکھا یا کوئی چیز بیچی یا کوئی چیز خریدی اور آقا نے اسے جائز قرار دے دیا تو وہ متغیر نہ ہوگا۔ کیونکہ محجور کا تصرف اجازت پر موقوف ہے۔ اگر یہ جائز نہ ہو بلکہ تجارت میں اسے اجازت دی ہو تو غلام نے اس کی اجازت دے دی تو بطور استحسان جائز ہوگا۔ اگر آقا نے اسے اجازت نہ دی پس اسے آزاد کر دیا تو اس نے ان عقود کو جائز قرار دے دیا تو اس کی اجازت صحیح نہیں۔ کہا: اسی طرح اس بچے کا حکم ہے جو تمیز رکھتا ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ امر مخفی نہیں کہ جو ابتداءً تبرع ہو نقصان دہ ہو تو وہ صغیر کے ولی کی اجازت سے صحیح نہ ہوگا جس طرح قرض ہے گفتگو ختم ہوئی۔ واللہ اعلم۔

31163۔ (قولہ: وَلَوْ رَهَنَ الْمَحْجُورُ) یہاں مراد غلام ہے اگرچہ عقلمند بچہ اسی طرح ہے۔ فافہم

31164۔ (قولہ: فَمَا يَتَغَيَّرُ) یعنی بلکہ اس نے جو کیا ہے اس کی حالت پر باقی رہے گا کیونکہ اس کے آقا کی اجازت سے یہ عقد صحیح ہو چکا ہے۔

31165۔ (قولہ: قَالَ) یعنی ابن وہبان۔ جو ان کے قول: دفی الوهبانیہ سے مفہوم ہے۔

31166۔ (قولہ: وَكَذَا) یعنی جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس میں عبد محجور کی طرح۔

31167۔ (قولہ: قُلْت الخ) بحث ''شرنبلالیہ'' کی ہے یہ قرض کے بارے میں وارد ہے اور ''النظم'' میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ اسے ''شرنبلالی'' نے ذکر کیا ہے یہ اس پر اعتراض ہے جو کلام میں مذکور نہیں۔ ''ح''۔

میں کہتا ہوں: یہ اس تصرف کے عموم میں داخل ہے جو تعلیل میں مذکور ہے۔ فافہم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کِتَابُ الْغَصْبِ

(هُوَ لُغَةً أَخْذُ الشَّيْءِ مَالًا أَوْ غَيْرَهُ كَالْحُرِّ عَلَى وَجْهِ التَّغَلُّبِ وَشَرْعًا (إِزَالَةُ يَدٍ مُحِقَّةٍ)

غصب کے احکام

غصب کا لغوی معنی کسی شے کو لے لینا ہے وہ مال ہو یا کوئی اور چیز ہو جیسے آزاد یہ غلبہ پانے کے طریقہ پر ہو اور غصب کا شرعی معنی یہ ہے حق دار غلبہ کو زائل کرنا

ماقبل کے ساتھ مناسبت کی وجہ یہ ہے جس طرح ''اتقانی'' نے کہا ہے: ماذون اذن شرعی کے ساتھ شے میں تصرف کرتا ہے اور غاصب اذن شرعی کے بغیر تصرف کرتا ہے۔ جب پہلا تصرف مشروع تھا تو اسے پہلے ذکر کیا اور عنقریب یہ آئے گا کہ غصب کی دو قسمیں ہیں جس میں گناہ ہو اور جس میں گناہ نہ ہو۔ اور یہ بھی آئے گا کہ ضمان دونوں سے متعلق ہوتی ہے۔

غصب کا لغوی معنیٰ

31168۔ (قولہ: هُوَ لُغَةً أَخْذُ الشَّيْءِ) بعض اوقات مغصوب کو غصب کہتے ہیں یہ اسے مصدر کے ساتھ نام رکھا گیا ہے۔

غصب کی شرعی تعریف

31169۔ (قولہ: إِزَالَةُ يَدٍ مُحِقَّةٍ) یعنی عینی چیز میں فعل کے ساتھ غصب ہو جس طرح ''ابن کمال'' نے اسے ذکر کیا ہے۔ تاکہ قالین پر بیٹھنا غصب سے خارج ہو جائے کیونکہ اس میں قبضہ کا ازالہ موجود ہے لیکن عین میں فعل کے ساتھ نہیں ہے ''ح''۔ اس میں ازالہ کے موجود ہونے میں اعتراض ہے جس طرح عنقریب آپ اسے پہچان لیں گے۔ پس تدبر کیجئے اور وہ چیز جو مغصوب کے ساتھ اس کے عمل کے بغیر اس کے ساتھ ہو لے اس کا ضامن نہیں ہوگا جس طرح وہ جانور کو غصب کرے تو ایک اور جانور یا اس کا بچہ اس کے ساتھ ہو لیا تو وہ پیچھے آنے والا کا ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کا عمل دخل شامل نہیں۔ اسی طرح اگر مالک کو اس کے چوپاؤں سے محبوس کیا گیا یہاں تک کہ وہ چوپائے ضائع ہو گئے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے اور اس لئے کہ باطل قبضہ ثابت نہیں ہوا۔ ''زیلعی''۔ ایک قول یہ کیا گیا: ضمان کئی مواقع پر پائی گئی اور مذکورہ علت متحقق نہ ہوئی جس طرح غاصب سے کوئی شے غصب کر لے تو وہ دوسرا غاصب ضامن ہوگا اگرچہ اس نے مالک کا قبضہ ختم نہیں کیا بلکہ غاصب کا قبضہ زائل کیا ہے اور لقطہ اٹھانے والا جب گواہ نہ بنائے جبکہ وہ گواہ بنانے پر قادر تھا جبکہ اس نے قبضہ ختم نہیں کیا اور اموال کی ضمانت اس صورت میں دی جاتی ہے جب تسبب کے طریقہ پر ان کو تلف کیا جائے جس طرح کوئی آدمی غیر کی مملوکہ زمین میں کنواں کھود دے۔ وہاں کسی کے قبضہ کے زائل کرنے کا تصور نہیں اور نہ ہی اس کا اثبات ہے۔

وَلَوْحُكْمًا كَجُحُودِهِ لِمَا أَخَذَهُ قَبْلَ أَنْ يُحَوِّلَهُ (بِإِثْبَاتِ يَدٍ مُبْطِلَةٍ)
اگر چہ حکماً ہو جیسے اس نے جو چیز لی اس کی جگہ تبدیل کرنے سے پہلے اس کا انکار کر دے، باطل قبضہ کو ثابت کرنے کے ساتھ

جواب یہ ہے: ان مسائل میں ضمان غصب کے تحقق کی وجہ سے نہیں بلکہ تعدی کے پائے جانے کی وجہ سے ہے جس طرح ''العنایہ'' میں ہے۔ ''الدیری'' نے ''التکملہ'' میں کہا ہے: بعض اوقات غصب کے حکم میں وہ چیز داخل ہو جاتی ہے جو غصب نہیں ہوتی اگر وہ اس کے حکم میں اس کے برابر ہو جس طرح ودیعت کا انکار کرنا۔ کیونکہ نہ یہاں اخذ پایا گیا اور نہ ہی منتقل کرنا پایا گیا۔

جب تو نے یہ جان لیا تو ''شلبی'' نے ''خانیہ'' کی طرف منسوب کرتے ہوئے جو اعتراض کیا تھا اس کا سقوط ظاہر ہو گیا اور بعض علما اس پر جاری ہوئے ہیں کہ جب کوئی انسان کسی کو کسی جنگل میں قتل کر دے اور اس کے مال کو چھوڑ دے اور اس کو نہ لے تو وہ غصب ہو گا جبکہ اس نے کوئی شے نہیں لی۔

جب کوئی آدمی بچھڑا غصب کرے اور اسے جان بوجھ کر ہلاک کر دے یہاں تک کہ اس کی ماں کا دودھ خشک ہو جائے تو وہ بچھڑے کی قیمت اور ماں کے نقصان کا ضامن ہو گا اگر چہ اس نے ماں میں کچھ عمل نہیں کیا۔ کیونکہ تو یہ جان چکا ہے کہ ضمان کا وجوب غصب کے تحقق کے اعتبار سے نہیں ہوتا بلکہ تعدی کے پائے جانے کی وجہ سے ہوتا ہے اگر چہ غصب متحقق نہ ہو۔ ''ابوسعود''۔

میں کہتا ہوں: اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ جائیداد کو شامل ہے جبکہ مراد اس کو خارج کرنا ہے۔ فتامل

31170۔ (قولہ: وَلَوْحُكْمًا) یہ ان کے قول ازالۃ ید میں مبالغہ ہے۔ کیونکہ مودع کا قبضہ انکار سے پہلے ودیعت کے مالک کا قبضہ ہے اور اس کے بعد اس کا قبضہ حکماً زائل کر دیا گیا۔ اگر اس قول کو اپنے قول: باثبات ید مبطلۃ کے بعد لاتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ کیونکہ یہ باطل قبضہ کو حکما ثابت کرنا ہے۔ پس یہ دونوں کی طرف راجع ہو گا'' ط''۔ اور جو قول گزر چکا ہے اس کو بنیاد بنایا جائے تو اس تعمیم کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ تعدی ہے غصب نہیں۔ لیکن ''جامع الفصولین'' میں ضمان المودع میں ''فتاویٰ رشید الدین'' سے منقول ہے: اگر وہ اس کا انکار کر دے تو بے شک وہ ودیعت کا ضامن ہو گا جب وہ اس مکان سے اسے منتقل کر دے جس میں انکار کی حالت میں وہ چیز موجود تھی ورنہ ضامن نہیں ہو گا۔ اگر ہم دونوں صورتوں میں ضمان کے وجوب کا قول کر دیں تو اس کی کوئی وجہ ہو گی۔ پہلی صورت میں قبضہ کا زائل کرنا حقیقۃ پایا جا رہا ہے۔ '' تامل''۔ ہاں'' خلاصہ'' میں ''المنتقی'' سے منقول ہے: الضمان مطلقا یعنی مطلقا ضمانت لازم ہو گی۔

31171۔ (قولہ: بِإِثْبَاتِ يَدٍ مُبْطِلَةٍ) با حرف جار مع کے معنی میں ہے جس طرح ''مسکین'' نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قبضہ کے زائل کرنے اور اس کے ثابت کرنے میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت پائی جاتی ہے۔ پس دونوں مالک کے ہاتھ سے اس کی مرضی کے بغیر شے کو لینے میں جمع ہو جاتے ہیں پہلا مالک کو ادا کرنے میں منفرد ہے اور دوسرا

وَاعْتَبَرَ الشَّافِعِيُّ إِثْبَاتَ الْيَدِ فَقَطْ وَالثَّمَرَةُ فِي الزَّوَائِدِ فَثَمَرَةُ بُسْتَانٍ مَغْصُوبٍ لَا تُضْمَنُ عِنْدَنَا خِلَافًا لَهُ دُرَرٌ

امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے صرف قبضہ کے ثابت کرنے کا اعتبار کیا ہے اور اختلاف کا ثمرہ زوائد میں ظاہر ہوگا۔ غصب کئے گئے باغ کے پھل کی ہمارے نزدیک ضمانت نہ ہوگی۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے، ''درر''۔

مغصوب کے زوائد میں منفرد ہے۔ ''ابوسعود'' نے یہ بیان کیا ہے۔

''قہستانی'' میں ہے: اصل حق دار کے قبضہ کو زائل کرنا ہے۔ باطل قبضہ کو زائل کرنا نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اگر کسی انسان کے قبضہ میں ایک موتی ہو تو دوسرا آدمی اس کے ہاتھ پر ضرب لگائے اور وہ موتی سمندر میں گر جائے تو وہ ضامن ہوگا اگرچہ قبضہ کو ثابت کرنا مفقود ہے۔ اگر مغصوبہ باغ کا پھل تلف ہو گیا تو وہ ضامن نہ ہوگا اگرچہ قبضہ کا اثبات پایا گیا۔ کیونکہ قبضہ کا زائل کرنا نہیں پایا گیا۔ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر منطبق ہے جس طرح آگے آئے گا۔ کیونکہ یہ اس میں صریح ہے کہ غصب سے مراد صرف قبضہ کو زائل کرنا ہے۔ یہ دوسرے علماء کے قول کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ غصب کے پائے جانے کے لئے حقدار کے قبضہ کو زائل کرنا اور باطل قبضہ کو ثابت کرنا اکٹھا ضروری ہے۔ لیکن اس کے بعد کہا: ''زاہدی'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس کی دو قسمیں ہیں: جو ضمان کا موجب ہے پس اس کے لئے قبضہ کو زائل کرنا شرط ہے اور جو رد کا موجب ہے پس اس کے لئے ید کو ثابت کرنا شرط ہے یعنی جیسے جائیداد کو غصب کرنا ہے۔ کیونکہ شیخین کے نزدیک اس کا رد کرنا واجب ہے ضمان واجب نہیں۔ ابوسعود نے کہا: اس سے علماء کی کلام میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ ''تامل''

31172۔ (قولہ: وَاعْتَبَرَ الشَّافِعِيُّ إِثْبَاتَ الْيَدِ فَقَطْ) امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے منقولہ چیز کے غصب میں ثابت شدہ قبضہ کے زوال کا اعتبار کیا ہے اور غیر منقولہ میں غلبہ کو ازالہ کے قائم مقام رکھا ہے جس طرح ''النہایہ'' میں اسے ثابت کیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ جائیداد کی ضمانت دے گا اگرچہ اس میں ازالہ متحقق نہ ہو۔

31173۔ (قولہ: وَالثَّمَرَةُ الخ) یعنی اختلاف کا ثمرہ زوائد المغصوب میں ظاہر ہوگا۔

ہمارے نزدیک غصب کیے گئے باغ کے پھل کی ضمانت نہیں ہوگی

31174۔ (قولہ: لَا تُضْمَنُ عِنْدَنَا) یعنی پھل کے ہلاک ہونے کی صورت میں ہمارے نزدیک ضمانت نہ ہوگی وہ پھل متصل ہو یا منفصل ہو۔ کیونکہ قبضہ کو زائل کرنا نہیں پایا گیا جب تک طلب اس کے مانع نہ ہو پس بالاجماع پھل کی ضمانت ہوگی۔ ''غایۃ البیان''۔

میں کہتا ہوں: فصل میں متن میں آئے گا کہ تعدی کی صورت میں ضمان بھی ہوگی۔ اور شرح میں آئے گا: اگر اس نے متصل پھل کی ضمانت کو طلب کیا تو ضمانت نہ ہوگی۔

(فِي مَالٍ) فَلَا يَتَحَقَّقُ فِي مَيْتَةٍ وَحُرٍّ (مُتَقَوِّمٍ) فَلَا يَتَحَقَّقُ فِي خَمْرِ مُسْلِمٍ (مُحْتَرَمٍ) فَلَا يَتَحَقَّقُ فِي مَالِ حَرْبِيٍّ (قَابِلٍ لِلنَّقْلِ)

یہ قبضہ مال متقوم میں ہو پس مردار میں اور آزاد میں متحقق نہیں ہوتا اور یہ مسلمان کے شراب میں متحقق نہیں وہ مال محترم ہو یہ حربی کے مال میں متحقق نہیں ہوتا وہ نقل ہو سکتا ہے

مٹی کی ایک مٹھی پانی کے قطرے اور منفعت میں ضمانت نہیں

31175۔(قولہ: فَلَا يَتَحَقَّقُ فِي مَيْتَةٍ وَحُرٍّ) اسی طرح مٹی کی ایک مٹھی، پانی کے قطرہ اور منفعت میں ضمانت نہ ہو گی۔ اگر جانوروں کے مالک کو ان کے نفع سے روک دیا گیا تو وہ ہلاک ہو گئے تو ضمانت نہ ہو گی۔ ''قہستانی'' نے ''نہایہ'' سے نقل کیا ہے۔ ''رحمتی'' نے کہا: مراد مردار ہے۔ یعنی جو اپنی موت آپ مرے جبکہ مچھلی اور مکڑی کا معاملہ مختلف ہے۔ جہاں تک گلا دبانے سے جو مرے اور پھر اس کے حکم میں ہو تو یہ قسم سے ہو گا اور وہ غیر متقوم ہے۔ جہاں تک مچھلی اور مکڑی کا تعلق ہے تو وہ ایسا مال ہے جس میں غصب متحقق ہوتا ہے۔

ضمانت مال متقوم اور ایسے مال میں ہوتی ہے جو محترم اور قابل نقل ہو

31176۔(قولہ: مُتَقَوِّمٍ) یہ لفظ جہاں بھی وارد ہوا ہے یہ واؤ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ یہ اسم فاعل ہے اور فتحہ صحیح نہیں کہ یہ اسم مفعول کا صیغہ ہو۔ کیونکہ یہ تقوم سے مشتق ہے جو فعل لازم ہے اور اسم مفعول صرف فعل متعدی سے بنتا ہے ''رحمتی'' نے ''دمیری'' کی ''شرح المنہاج'' سے نقل کیا ہے۔ ''قہستانی'' نے یہ تفسیر بیان کی ہے کہ شرعاً نفع حاصل کرنا مباح ہے۔ کہا: یہ شراب، خنزیر اور معازف (گانے بجانے کے آلات) سے احتراز ہے۔ یہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ہے۔ گویا اس کی تفسیر اس سے نہیں کی جس کی کوئی قیمت ہوتا کہ ان کے قول مال کے ساتھ متکرر نہ ہو جائے لیکن ذمی کا خمر اس سے خارج ہو گا جبکہ غصب کافر کے مال میں لامحالہ جاری ہوتا ہے جس طرح ''عزمیہ'' میں ہے۔ ''ابن کمال'' اور ''صدر الشریعہ'' کی پیروی کرتے ہوئے شارح نے اپنے قول خمر مسلم میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کی تفسیر اس کے ساتھ کی جائے کہ شرع میں جس کی کوئی قیمت ہو۔ یہ ان کے قول مال سے اخص ہے پس تکرار نہیں ہو گا۔

31177۔(قولہ: فَلَا يَتَحَقَّقُ فِي خَمْرِ مُسْلِمٍ) ''المجتبیٰ'' میں کہا: مسلمان سے خمر غصب کیا تو اس پر اسے واپس کرنے کی ضمانت ہو گی اگرچہ اس پر قیمت کی ضمانت نہ ہو گی اور ان کا قول لا یتحقق یعنی ضمان کا غصب متحقق نہیں ہو گا نہ کہ رد کا غصب متحقق نہیں ہو گا۔ فتامل ''ط''۔

31178۔(قولہ: فِي مَالِ حَرْبِيٍّ) ''النہایہ'' اور ''التبیین'' میں اسی طرح ہے لیکن ساتھ ہی یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ دار الحرب میں ہو۔ ''شرنبلالیہ''۔

31179۔(قولہ: قَابِلٍ لِلنَّقْلِ) مستدرک ہے ساتھ ہی عین میں فعل کے ساتھ قبضہ کا ازالہ ہے۔ لیکن مصنف نے

فَلَا يَتَحَقَّقُ فِي الْعَقَارِ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ (بِغَيْرِ إِذْنِ مَالِكِهِ) احْتَرَزَ بِهِ عَنِ الْوَدِيعَةِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْمَوْقُوفَ مَضْمُونٌ بِالْإِتْلَافِ مَعَ أَنَّهُ لَيْسَ بِمَمْلُوكٍ أَصْلًا صَرَّحَ بِهِ فِي الْبَدَائِعِ فَلَوْ قَالَ بِلَا إِذْنِ مَنْ لَهُ الْإِذْنُ كَمَا فَعَلَ ابْنُ الْكَمَالِ لَكَانَ أَوْلَى

پس عقار میں متحقق نہیں ہوتا امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اس چیز پر قبضہ مالک کی اجازت کے بغیر ہو یہ قول ذکر کر کے ودیعت سے احتراز کیا ہے۔ یہ جان لو کہ موقوف کو تلف کرنے کی صورت میں اس کی ضمانت لازم ہوگی جبکہ یہ اصلاً مملوک نہیں ہوتی، ''البدائع'' میں اس کی تصریح بیان کی ہے۔ اگر وہ یہ قول کرتے بلا اذن من لہ الاذن یعنی اس کی اجازت کا حق حاصل تھا جس طرح ''ابن کمال'' نے کیا تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔

جب پہلے میں قید کا ذکر نہیں کیا تو اس قید کی انہیں ضرورت ہوگی۔ ''ح''۔

''طحطاوی'' نے کہا: میں کہتا ہوں: بعض اوقات جو انتقال کو قبول نہ کرے اس میں فعل پایا جاتا ہے جس طرح جب گھر گرا دے اور زمین کو کھود دے یعنی عین کا لفظ غیر قابل اشکال کو شامل ہوگا پس مصنف کی تعبیر احسن ہے۔

31180۔ (قولہ: فَلَا يَتَحَقَّقُ فِي الْعَقَارِ) امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے کیونکہ قبضہ زائل نہیں ہوا جس طرح اس کی وضاحت آگے آئے گی۔ ''قہستانی'' نے کہا: صحیح یہ ہے کہ پہلا غیر وصف میں ہے اور دوسرا وصف میں ہے جس طرح ''عمادی'' میں ہوگا۔ شارح عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔

31181۔ (قولہ: بِغَيْرِ إِذْنِ مَالِكِهِ) اسکی کوئی حاجت نہیں جبکہ انکا یہ قول موجود ہے باثبات الید المبطلۃ۔ ''ح''۔

31182۔ (قولہ: عَنِ الْوَدِيعَةِ) ودیعت وغیرھا جیسے ''عاریہ'' ہے۔ کیونکہ تعریف دونوں پر صادق آتی ہے سوائے ان کے قول: باثبات ید مبطلۃ اور ان کے قول: بغیر اذن مالکہ۔

31183۔ (قولہ: لَكَانَ أَوْلَى) یعنی اگرچہ یہ ممکن ہو کہ مالک مراد لیا جائے اگرچہ وہ منفعت کا مالک ہو جس طرح بعض علماء نے فرمایا: او للتصرف یعنی تصرف کا اختیار رکھتا ہو اور اس وقف کی طرح جس کی منفعت کی وصیت کی گئی ہو اور جو وکیل یا امین کے قبضہ میں ہو۔

سرقہ اپنی اصل کے اعتبار سے غصب میں داخل ہے

31184۔ (قولہ: وَفِيهِ لِابْنِ الْكَمَالِ كَلَامٌ) اس کا حاصل یہ ہے کہ سرقہ اپنی اصل کے اعتبار سے غصب میں داخل ہے مگر اس میں ایک خصوصیت ہے جس نے اسے حدود میں داخل کر دیا ہے اپنے اصل کے اعتبار سے غصب میں داخل ہونے کے یہ منافی نہیں جس طرح فضولی سے کوئی چیز خریدی جائے۔ کیونکہ یہ غصب ہے۔ ساتھ ہی یہ بیوع کے باب میں مذکور ہے اس اعتبار سے کہ اس میں ایک خصوصیت ہے تو یہ بیوع کے مسائل میں سے ہو گیا۔

''سائحانی'' نے یہ جواب دیا ہے کہ انہوں نے اپنے قول لا بخفیۃ سے یہ ارادہ کیا ہے جس کے ساتھ اس کے ہاتھ کاٹے

(لَا بِخُفْيَةٍ) احْتَرَزَ بِهِ عَنِ السَّرِقَةِ وَفِيهِ لِابْنِ الْكَمَالِ كَلَامٌ (فَاسْتِخْدَامُ الْعَبْدِ وَتَحْمِيلُ الدَّابَّةِ غَصْبٌ) لِإِزَالَةِ يَدِ الْمَالِكِ (لَا جُلُوسِهِ عَلَى بِسَاطٍ) لِعَدَمِ إِزَالَتِهَا فَلَا يَضْمَنُ مَا لَمْ يَهْلِكْ بِفِعْلِهِ، وَكَذَا لَوْ دَخَلَ

وہ خفیہ طریقہ سے نہ لے یہ قول کر کے سرقہ سے احتراز کیا ہے۔ اس میں ''ابن کمال'' کا کلام ہے یعنی اعتراض ہے۔ غلام سے خدمت لینا اور جانور پر کوئی سامان لادنا غصب ہے۔ کیونکہ مالک کا قبضہ زائل کیا جاتا ہے۔ قالین پر بیٹھنا یہ غصب نہیں۔ کیونکہ اس میں قبضہ کو زائل کرنا نہیں پایا گیا تو وہ ضامن نہ ہوگا جب تک اس کے فعل کے ساتھ وہ ہلاک نہ ہو۔ اسی طرح اگر وہ

جاتے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمانت نہ ہوگی حالانکہ مغصوب کی حالت یہ ہے کہ ہلاکت کے بعد اس کی ضمانت ہوتی ہے۔ جبکہ یہ قول حسن ہے۔

31185۔ (قولہ: فَاسْتِخْدَامُ الْعَبْدِ) اگرچہ وہ غلام مشترک ہو جس طرح ''قہستانی'' میں ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر وہ اس سے اپنے لئے کام لے اگر وہ غیر کے لئے کام لے یعنی غیر کے لئے خدمت لے تو کوئی ضمان نہ ہوگی جس طرح غصب کے آخر میں آئے گا۔ ہم عنقریب ''بزازیہ'' سے وہاں یہ ذکر کریں گے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب وہ خدمت کے مطالبہ کے بعد اس کی خدمت کرے ورنہ کوئی ضمانت نہ ہوگی۔

31186۔ (قولہ: وَتَحْمِيلُ الدَّابَّةِ) اگرچہ وہ سواری مشترک ہو۔ اسی طرح اس پر سوار ہونا پس وہ اس کے مالک کے حصہ کا ضامن ہوگا۔ اگر وہ سوار ہوا، اس سے اترا اور اسے اس کی جگہ چھوڑ دیا تو ضامن نہ ہوگا کیونکہ غصب منتقل کرنے کے بغیر متحقق نہیں ہوا جس طرح ''المحیط'' میں ہے۔ چاہئے کہ خدمت لینا بھی اسی طرح ہو۔ ''قہستانی''۔ جب وہ جانور محض سامان لادنے اور سوار ہونے سے تلف ہو جائے تو وہ ضامن ہوگا اگرچہ وہ اس جگہ سے اسے منتقل نہ کرے۔ کیونکہ تلف کرنے کا عمل اس کے فعل سے پایا گیا ہے جس طرح آگے آئے گا۔ اسی طرح وہ ضامن ہوگا جب وہ مشترک دابہ میں اپنا حصہ بیچے گا اور شریک کی اجازت کے بغیر مشتری کے حوالے کر دے گا جس طرح ''فتاویٰ قاری الہدایہ'' میں ہے۔ ''ابوسعود''۔ شارح نے کتاب الشرکہ کے آخر میں ''المحسبیہ'' سے نقل کرتے ہوئے پہلے بیان کر دیا ہے۔

31187۔ (قولہ: لِإِزَالَةِ يَدِ الْمَالِكِ) یعنی دونوں میں باطل قبضہ کو ثابت کرنا۔ ''منح''۔

31188۔ (قولہ: لِعَدَمِ إِزَالَتِهَا) ضمیر سے مراد مالک کا قبضہ ہے۔ کیونکہ قالین کو پھیلانا یہ مالک کا فعل ہوتا ہے تو جب تک اس کے فعل کا اثر باقی رہے گا مالک کا قبضہ باقی رہے گا۔ کیونکہ وہ چیز نہیں پائی گئی جو اس کے قبضہ کو ختم کر دے جیسے منتقل کرنا، حالت کو بدلنا۔ ''تبیین'' وغیرہ۔ اس کی مثل ہے اگر وہ سواری پر سوار ہو اور اس کی جگہ سے اسے نہ لے جائے۔ ''معراج''۔ ''حلبی'' کا قول یہ ہے: صحیح یہ قول ہے: صوابه لازالتها لا بفعل فی العین اس میں کلام ہے یہ اس پر مبنی ہے جسے پہلے ''ابن کمال'' سے نقل کیا ہے۔

31189۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ دَخَلَ الخ) تشبیہ بیان مقدر میں ہے جو اس قول: ما لم یهلك بفعله کے بعد ہے۔

دَارَ إِنْسَانٍ وَأَخَذَ مَتَاعًا وَجَحَدَ فَهُوَ ضَامِنٌ، وَإِنْ لَمْ يُحَوِّلْهُ وَلَمْ يَجْحَدْ لَمْ يَضْمَنْ مَا لَمْ يَهْلَكْ بِفِعْلِهِ أَوْ يُخْرِجْهُ مِنَ الدَّارِ خَانِيَّةٌ (وَحُكْمُهُ الْإِثْمُ لِمَنْ عَلِمَ أَنَّهُ مَالُ الْغَيْرِ وَرَدُّ الْعَيْنِ قَائِمَةً وَالْغُرْمُ هَالِكَةً وَلِغَيْرِ مَنْ عَلِمَ الْأَخِيرَانِ) فَلَا إِثْمَ: لِأَنَّهُ خَطَأٌ وَهُوَ مَرْفُوعٌ بِالْحَدِيثِ (الْمَغْصُوبُ مِنْهُ مُخَيَّرٌ

انسان کے گھر میں داخل ہوا اور وہ سامان لے اور انکار کر دے تو وہ ضامن ہوگا۔ اگر وہ اسے اس جگہ سے منتقل نہ کرے اور نہ ہی انکار کرے تو وہ اس وقت تک ضامن نہ ہوگا جب تک اپنے فعل سے اسے ہلاک نہ کرے یا اسے گھر سے نہ نکالے، ''خانیہ''۔ غصب کا حکم یہ ہے اس کے لئے گناہ ہوگا جو یہ جانتا ہو کہ یہ غیر کا مال ہے اور عین موجود ہو تو اس کو لوٹانا اور وہ ہلاک ہو گیا ہو تو اس کی چٹی ادا کرنا اور جو یہ نہ جانتا ہو تو اس کے لئے آخری دونوں ہیں اس پر گناہ نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ خطا ہے۔ یہ گناہ حدیث طیبہ کے ساتھ اٹھا دیا گیا ہے۔ جس سے وہ چیز غصب کی گئی اسے اختیار ہوگا

کیونکہ اس کی تقدیر یہ ہے: ''فیضمن''۔

31190۔ (قولہ: وَإِنْ لَمْ يُحَوِّلْهُ) یعنی جس سے کام لیا تھا یعنی غلام اور جانور اس کی جگہ کو تبدیل نہ کیا۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے جسے پہلے بیان کر دیا ہے۔ اور ان کا قول ولم یجحد یعنی سامان لینے کی مسئلہ میں اس نے انکار نہ کیا یہ ان کے قول وجحد سے احتراز ہے۔ اسی کی مثل الدابہ ہے کیونکہ ''بزازیہ'' میں ہے: وہ اس کی پشت پر بیٹھا اور اس کی جگہ کو تبدیل نہ کیا جب تک اس کا انکار نہ کرے گا ضامن نہ ہوگا اور ان کا قول: مالم یھلك بفعلہ او یخرجہ من الدار یہ بھی سامان کے مسئلہ میں ہے۔ پس دیکھو یہ قلیل عبارت اور جن عظیم فوائد کو یہ متضمن ہے کتنی اچھی ہے۔

غصب کا حکم

31191۔ (قولہ: وَلِغَيْرِ مَنْ عَلِمَ الْأَخِيرَانِ) یعنی جو نہ جانتا ہو کہ یہ غیر کا مال ہے تو اس کے لئے آخری دونوں لازم ہوں گے یا صرف اس پر چٹی لازم ہوگی گناہ لازم نہیں ہوگا۔

31192۔ (قولہ: بِالْحَدِيثِ) وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: رفع عن امتی الخطأ والنسیان (1) میری امت سے خطا اور نسیان کا گناہ اٹھا دیا گیا ہے اس کا معنی ہے خطا کے گناہ کو اٹھا دیا گیا ہے۔ ''اتقانی''۔

اگر کوئی کسی کا چاندی کا لوٹا توڑ دے پھر کوئی دوسرا اسے توڑے تو پہلا ضمان سے بری ہو جائے گا

31193۔ (قولہ: الْمَغْصُوبُ مِنْهُ مُخَيَّرٌ الخ) اسی طرح تمام کی بعض سے ضمانت لینا صحیح ہوگا جس طرح عنقریب متن میں آئے گا۔ ''جامع الفصولین'' میں جو قول ہے اس کو بھی مستثنیٰ کیا گیا ہے: ایک آدمی نے کسی کا چاندی کا لوٹا توڑا پھر دوسرے نے اسے توڑا تو پہلا ضمان سے بری ہو جائے گا اور دوسرے سے اس کے مثل کی ضمانت لے گا۔ اسی طرح اگر ایک آدمی نے گندم پر پانی بہایا پھر اس پر دوسرے نے پانی بہایا اور اس کے نقصان میں اضافہ کر دیا تو پہلا بری ہو جائے گا اور

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب طلاق المکرہ والناسی، جلد 1، صفحہ 634، حدیث نمبر 2034

بَيْنَ تَضْمِينِ الْغَاصِبِ وَغَاصِبِ الْغَاصِبِ إِلَّا إِذَا كَانَ فِي الْوَقْفِ الْمَغْصُوبِ بِأَنْ غَصَبَهُ وَقِيمَتُهُ أَكْثَرُ وَكَانَ الثَّانِي أَمْلَأَ مِنَ الْأَوَّلِ فَإِنَّ الضَّمَانَ عَلَى الثَّانِي) كَذَا فِي وَقْفِ الْخَانِيَّةِ

چاہے تو غاصب سے ضمانت لے چاہے غاصب کے غاصب سے ضمانت لے مگر جب غصب ایسے وقف میں ہو جسے غصب کیا گیا تھا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے اسے غصب کیا تو اس کی قیمت زیادہ ہو چکی تھی اور دوسرا غاصب پہلے غاصب سے زیادہ مالدار ہے تو ضمانت دوسرے غاصب پر ہوگی۔ ''الخانیہ'' کے کتاب الوقف میں اسی طرح ہے۔

دوسرے سے اس دن کی قیمت کی ضمانت لے گا جس دن اس نے پانی بہایا۔ کیونکہ مالک کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ گندم اور لوٹے کو اس کی حالت کی طرف لوٹا دے جس حالت پر پہلے نے فعل کیا تھا تا کہ اس سے مثل یا قیمت کی ضمانت لے۔ تامل

یہ چیز ذہن نشین کر لو غصب کی طرح اس میں سے یہ ہے جب غاصب نے اسے رہن رکھا یا اسے اجرت پر دیا یا اسے عاریۃً دیا تو وہ ہلاک ہو گیا جس طرح ''شرح الطحاوی'' میں ہے۔ ''حاوی القدسی'' میں ہے: غاصب نے جب مغصوبہ چیز کسی انسان کے پاس رکھی تو وہ چیز ہلاک ہو گئی تو مالک کو حق حاصل ہے دونوں میں سے جس سے چاہے ضمانت لے لے۔ اگر وہ مودع سے ضمانت لے تو وہ غاصب سے مطالبہ کرے گا اگر غاصب سے ضمانت لے تو وہ کسی شے کا مطالبہ نہ کرے اگر غاصب سے کسی اور غاصب نے وہ چیز غصب کر لی ہو تو وہ دوسرے کے ہاتھ میں ہلاک ہو گئی اگر وہ دوسرے غاصب سے ضمانت لے تو پہلے غاصب سے مطالبہ نہ کرے مگر پہلے سے ضمانت لے تو وہ دوسرے سے مطالبہ کرے گا، ''بیری''۔ فصل سے پہلے چند اور مسائل عنقریب آئیں گے۔

31194۔ (قولہ: الْمَغْصُوبِ) یہ وقف کی صفت ہے۔

31195۔ (قولہ: بِأَنْ غَصَبَهُ) یعنی دوسرے غاصب نے اسے غصب کر لیا۔

31196۔ (قولہ: وَقِيمَتُهُ أَكْثَرُ) یہ جملہ حالیہ ہے یہ ان کے قول غصبہ کی قید ہے۔

31197۔ (قولہ: كَذَا فِي وَقْفِ الْخَانِيَّةِ) یعنی ''خانیہ'' کے اجارۃ الاوقاف کے آخر میں ہے۔ اس کی نص یہ ہے: ایک آدمی نے وقف شدہ زمین غصب کی جس کی قیمت ہزار ہے پھر غصب سے دوسرے غاصب نے غصب کر لی جبکہ اس کی قیمت بڑھ چکی تھی اور وہ دو ہزار دراہم کے برابر ہو چکی تھی تو متولی وقف دوسرے غاصب کا پیچھا کرے گا اگر وہ خوشحال ہو۔ یہ اس آدمی کے قول کے مطابق ہے جو عقار کو غصب کی وجہ سے قابل ضمانت خیال کرتا ہے۔ کیونکہ دوسرے سے ضمانت لینا یہ فقیر سے ضمانت لینے سے بہتر ہے اگر پہلا دوسرے سے زیادہ مالدار ہے تو پہلے کا پیچھا کرے۔ کیونکہ پہلے سے ضمانت لینا وقف کے حق میں زیادہ بہتر ہے جب نگران نے ان میں سے ایک کا پیچھا کیا تو دوسرا ضمان سے بری ہو جائے گا جس طرح مالک پہلے غاصب سے ضمانت لینے کا فیصلہ کرے تو دوسرا ضمانت سے بری ہو جائے گا لیکن کہا: اگر پہلا دوسرے سے زیادہ خوشحال ہو نگران دونوں میں سے ایک کا پیچھا کرتا ہے اور دونوں میں سے ایک کا پیچھا کرنے سے دوسرا ضمان سے بری ہو جائے گا۔

وَفِي غَصْبِهَا غَصَبَ عِجْلًا فَاسْتَهْلَكَهُ وَيَبِسَ لَبَنُ أُمِّهِ ضَمِنَ قِيمَةَ الْعِجْلِ وَنُقْصَانَ الْأُمِّ وَفِي كَرَاهِيَتِهَا مَنْ هَدَمَ حَائِطَ غَيْرِهِ ضَمِنَ نُقْصَانَهُ

اور ''الخانیہ'' کے کتاب الغصب میں ہے: ایک آدمی نے ایک بچھڑا غصب کیا پس اسے ہلاک کر دیا اور اس کی ماں کا دودھ خشک ہو گیا تو وہ بچھڑے کی قیمت اور ماں کے نقصان کا ضامن ہوگا۔ اور ''خانیہ'' کے کتاب الکراہیہ میں ہے: جس نے دوسرے کی دیوار گرادی تو اس کے نقصان کا ضامن ہوگا

''ابوسعود'' نے حاشیہ ''الاشباہ'' میں کہا: ''الخانیہ'' سے نقل کرنے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ مصنف کی عبارت سے وہ مفہوم ہوتا ہے جو اس کے موافق ہے جو ''بیری'' نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: جو میں نے ''الخانیہ'' میں پایا ہے وہ وہی ہے جو میں نے چند حروف پہلے ذکر کیا ہے اور مصنف کی کلام سے جو مستفاد ہے وہ دوسرا ہے۔ بعض اوقات کہا جاتا ہے: نقل میں نہ کوئی مخالفت ہے اور نہ ہی اختلاف ہے۔ کیونکہ ''خانیہ'' کا قول: اگر پہلا غاصب زیادہ مالدار ہو تو پہلے کا پیچھا کیا جائے گا۔ یہ لزوم کے طریقہ پر نہیں ہے بلکہ اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ دوسرے کی پیروی کرے۔ اس کی دلیل مابعد کلام ہے۔ اور جس نے یہ کہا ہے کہ وہ ان دونوں میں سے ایک کی پیروی کرے وہ ''الخانیہ'' کے کلام کا ماحصل لایا ہے اس کے قریب قریب یہ ہے کہ انہوں نے املأ کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ پس یہ قول اس امر کا فائدہ دے گا کہ دوسرا ابھی مالدار ہے۔ کیونکہ املأ اسم تفضیل کا صیغہ ہے اس وجہ سے نگران کو اختیار ہوگا۔ مصنف کے قول: مخیرا الا اذا کان سے ہی مفہوم ہے۔ کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہے جب دوسرا زیادہ مالدار نہ ہو یعنی پہلا زیادہ مالدار ہے تو وہ اپنے اختیار پر باقی رہے گا تو ''حلبی'' کا قول: فی کلام المصنف اختصار مخل مدفوع یعنی مصنف کی کلام میں ایسا اختصار ہے جو خلل کا باعث ہے جسے دور کر دیا گیا ہے۔ فافہم۔

31198۔ (قولہ: فِي غَصْبِهَا) یعنی ''الخانیہ'' کے کتاب الغصب میں ہے۔ ''النہایہ'' میں ''الخانیہ'' سے اور ''ذخیرہ'' سے نقل کرتے ہوئے یہ کہا ہے: یہ فرع اس ضابطہ کے خلاف ہے جس کو انہوں نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے مال کے نقصان کو ثابت کیا اگرچہ غاصب نے مال میں کوئی ایسا فعل نہیں کیا جو مالک کے قبضہ کو زائل کر دے۔ ہم کتاب کے شروع میں کلام پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اگر کسی نے دوسرے کی دیوار گرادی تو اس کے نقصان کا ضامن ہوگا

31199۔ (قولہ: مَنْ هَدَمَ حَائِطَ غَيْرِهِ ضَمِنَ نُقْصَانَهُ) علامہ ''قاسم'' کی ''شرح نقایہ'' میں ہے: اگر چاہے تو دیوار کی قیمت کی ضمانت لے لے اور ملبہ ضامن کا ہوگا۔ اگر چاہے تو ملبہ لے لے اور نقصان کی ضمانت لے لے۔ اور اسے یہ حق حاصل نہیں کہ دیوار جیسی تھی اسی طرح کی بنانے پر اسے مجبور کرے۔ کیونکہ دیوار ذوات الامثال میں سے نہیں ہے۔ نقصان کی ضمانت لینے کا طریقہ یہ ہے کہ گھر اپنی دیواروں کے ساتھ قائم ہو اور اس دیوار کے بغیر کھڑا ہو تو دونوں میں جو جو

وَلَمْ يُؤْمَرْ بِعِمَارَتِهِ إِلَّا فِي حَائِطِ الْمَسْجِدِ
اسے اس کی تعمیر کا حکم نہیں دیا جائے گا مگر مسجد کی دیوار بنانے کا حکم دیا جائے گا۔

زیادتی اور فرق ہے اس کی ضمانت دے گا اس سے وہ ضعف ظاہر ہو جاتا ہے جو مصنف کی کلام میں ہے۔''حموی''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر دیوار نئی ہو تو اس کے دوبارہ بنانے کا حکم دیا جائے گا ورنہ دوبارہ بنانے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

''بزازیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے کی مٹی کی بنی ہوئی دیوار گرا ئی اور دوبارہ اسی طرح بنا دی جیسے وہ پہلے تھی تو وہ بری ہو جائے گا اگر وہ دیوار لکڑی کی ہو تو اس نے دوبارہ اسی طرح بنا دی جس طرح وہ پہلے تھی تو حکم اسی طرح ہوگا۔ اگر وہ کسی اور لکڑی کی دیوار دوبارہ بنائے تو بری نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ اس سے مختلف ہے۔ یہاں تک کہ یہ معلوم ہو جائے کہ دوسری زیادہ عمدہ ہے تو بری ہو جائے گا۔

اس میں ہے: اگر اس میں ایسی تصاویر ہوں جن پر رنگ کیا گیا ہو تو وہ دیوار اور رنگ کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ تصاویر کی قیمت کا ضامن نہیں ہوگا کیونکہ تصاویر حرام ہیں۔ یعنی جب وہ تصاویر ذی روح کی ہیں۔ ورنہ ان تصاویر کی قیمت کا بھی ضامن ہوگا۔''ابوسعود''۔ یہ وقف کے علاوہ میں ہے۔''بیری''۔ جہاں تک وقف کا تعلق ہے تو اس کا ذکر قریب آئے گا۔

اگر کسی نے مسجد کی دیوار گرا دی تو اسے دیوار تعمیر کرنے کا حکم دیا جائے گا

31200۔(قولہ: إِلَّا فِي حَائِطِ الْمَسْجِدِ)''قاضی خان'' نے استثنا کے طریقہ پر اس کا ذکر نہیں کیا جس طرح مصنف نے ذکر کیا ہے: میرے لئے مسجد کی دیوار اور دوسری دیوار میں فرق ظاہر نہیں ہوا۔ یہ علت کہ دیوار ذوالامثال میں سے نہیں ہے یہ مسجد کی دیوار میں جاری ہے۔''حموی''۔

''شرح البیری'' میں ہے: جہاں تک وقف کا تعلق ہے تو''الذخیرہ'' میں کہا ہے: جب وقف شدہ ثمر کو غصب کیا اور گھر کی دیوار کو گرا دیا اور درخت کاٹ دیئے تو نگران کو حق حاصل ہے کہ اس سے درختوں، کھجور کے درختوں اور عمارت کی ضمانت اٹھائے جب غاصب اس کو رد کرنے پر قادر نہ ہو اور وہ بنی ہوئی عمارت اور کھجور کے درختوں کی قیمت کا ضامن ہوگا جب وہ اگے ہوئے ہوں۔ کیونکہ غصب اسی طرح واقع ہوا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا مقتضا یہ ہے جب عمارت کو دوبارہ بنانا ممکن ہو جس طرح وہ عمارت پہلے تھی اور اس میں مسجد اور غیر مسجد میں جو وقف ہو میں فرق نہیں کیا۔ اسی وجہ سے''بیری'' نے سابقہ قول میں کہا ہے۔ یہ وقف کے علاوہ میں ہے۔''فتاوی قاری الہدایہ'' کے کتاب الاجارہ میں ہے: جس نے ایسا گھر اجرت پر لیا جو وقف تھا تو اس کو گرا دیا اور اسے طاحون (چکی) یا فرن (روٹی پکانے کی جگہ) بنا دیا۔ اس کا یہ جواب دیا کہ قاضی دیکھے جس طرح اس نے اس میں تبدیلی کی ہے۔ اگر منافع کے اعتبار سے زیادہ فائدہ مند ہو تو اس سے اجرت لے لے اور اس نے جو تعمیر کی ہے وہ وقف کے لئے باقی رکھے جبکہ وہ مستاجر تعمیر کرنے میں تبرع کرنے والا ہوگا ورنہ یہ لازم ہوگا کہ وہ اس کو گرا دے اور پہلی حالت کی طرف دوبارہ لے جائے جبکہ اس پر مناسب

وَفِي الْقُنْيَةِ تَصَرَّفَ فِي مِلْكِ غَيْرِهِ ثُمَّ ادَّعَى أَنَّهُ كَانَ بِإِذْنِهِ فَالْقَوْلُ لِلْمَالِكِ إِلَّا إِذَا تَصَرَّفَ فِي مَالِ امْرَأَتِهِ فَمَاتَتْ وَادَّعَى أَنَّهُ كَانَ بِإِذْنِهَا وَأَنْكَرَ الْوَارِثُ فَالْقَوْلُ لِلزَّوْجِ (وَيَجِبُ رَدُّ عَيْنِ الْمَغْصُوبِ)

''القنیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے غیر کی ملک میں تصرف کیا پھر اس نے دعویٰ کیا کہ اس نے غیر کی اجازت سے تصرف کیا ہے تو قول مالک کا معتبر ہوگا مگر جب وہ اپنی بیوی کے مال میں تصرف کرے اور وہ بیوی مرجائے اور مرد نے دعویٰ کیا کہ اس نے بیوی کی اجازت سے اس میں تصرف کیا تھا اور وارث نے اس کا انکار کر دیا تو قول خاوند کا معتبر ہوگا اور جس چیز کو غصب کیا ہے اسی کو واپس کرنا واجب ہے

تعزیر لگائے۔ اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ مسجد اور دوسرے وقف میں کوئی فرق نہیں۔ ملک کا معاملہ مختلف ہے۔ اور فرق کی وجہ کی ضرورت ہوگی جس طرح گزر چکا ہے۔ شاید یہی ان کے علما کا قول ہے جو وقف کے لئے زیادہ نفع کا باعث ہو اس پر فتویٰ دیا جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا اسی طرح تعمیر کرنا جیسے وہ پہلے تھی یہ ضمان سے زیادہ نفع کا باعث ہے۔ ''تامل''

پھر میں نے ''الفصولین'' پر ''حاشیۃ الرملی'' میں ''حاوی'' سے منقول دیکھا ہے: اگر اس نے خاص کنویں میں نجاست کو پھینکا تو وہ نقصان کا ضامن ہوگا پانی نکالنے کا ضامن نہیں ہوگا۔ عام کنویں میں اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ اس کا پانی نکالے جس طرح مسجد کی دیوار کے گرانے کے بارے میں گزر چکا ہے۔ کیونکہ گرانے والا کا عام میں حصہ ہے تو ضمان واجب کرنے میں غیر کے حصہ کو اس کے حصہ سے ممتاز کرنا متعذر ہوگا۔ خاص کا معاملہ مختلف ہے۔

اگر کوئی ملک غیر میں مالک کی اجازت سے تصرف کا دعویٰ کرے تو اس کا حکم

31201۔ (قولہ: فِي الْقُنْيَةِ) اس کی نص یہ ہے: ایک آدمی اپنی بیوی کے منافع میں تصرف کیا کرتا تھا اور اس کا سونا بیع مرابحہ پر دیا کرتا تھا پھر وہ عورت مرگئی تو اس عورت کے ورثا نے دعویٰ کر دیا کہ تو اس کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کیا کرتا تھا پس تجھ پر ضمان لازم ہے خاوند نے کہا: نہیں بلکہ میں اس کی اجازت سے تصرف کیا کرتا تھا تو قول خاوند کا معتبر ہوگا کیونکہ ظاہر اس کا شاہد ہے۔ اور ظاہر حال اعتراض کو ختم کرنے میں کافی ہے۔ ''شلبی''۔

میں کہتا ہوں: عنقریب کتاب الوصایا کے مسائل شتی میں آئے گا: اگر ایک آدمی نے اپنی بیوی کے گھر کو تعمیر کیا (یا اسے عمر بھر کے لئے کسی کو دیا) اگر ان میں اذن دینے اور اذن نہ دینے میں اختلاف پڑ گیا تو قول اذن کے منکر کا معتبر ہوگا۔ ''تامل''

مغصوبہ چیز کو لوٹانا

31202۔ (قولہ: وَيَجِبُ رَدُّ عَيْنِ الْمَغْصُوبِ) کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: علی الید ما اخذت حتی ترد(1) ہاتھ پر وہ چیز لازم ہے جو اس نے لی یہاں تک کہ وہ واپس کر دے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: لا یحل لاحد کم ان یاخذ مال اخیہ لاعبا و لا جادا وان اخذہ فلیردہ علیہ (2) تم میں سے کسی کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کا مال

1۔ نصب الرایہ فی تخریج حدیث الہدایۃ کتاب الغصب، جلد 4، صفحہ 406　2۔ ایضاً

مَا لَمْ يَتَغَيَّرْ تَغَيُّرًا فَاحِشًا مُجْتَبَى (فِي مَكَانِ غَصْبِهِ) لِتَفَاوُتِ الْقِيَمِ بِاخْتِلَافِ الْأَمَاكِنِ (وَيَبْرَأُ بِرَدِّهَا وَلَوْ بِغَيْرِ عِلْمِ الْمَالِكِ)

جب تک اس میں واضح تبدیلی واقع نہ ہو جائے، ''مجتبیٰ''۔ واپسی ایسی جگہ کرنی ہوگی جہاں اس نے غصب کی تھی۔ کیونکہ اماکن کے مختلف ہونے سے قیمتیں مختلف ہو جاتی ہیں۔ اور مغصوبہ چیز کو رد کرنے کے ساتھ وہ بری ہو جائے گا اگرچہ مالک کو علم نہ ہو۔

ہنسی مذاق سے لے اور نہ ہی یہ حلال ہے کہ پختہ ارادہ سے لے اگر وہ اپنے بھائی کا مال لے تو اس مال کو اس پر واپس کر دے۔ ''زیلعی''۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ عین کو واپس کرنا ہی اصلی واجب ہے۔ یہی قول صحیح ہے جس طرح شارح عنقریب ذکر کریں گے۔ اور ہم عنقریب اس کی وضاحت کریں گے۔

31203۔ (قولہ: مَا لَمْ يَتَغَيَّرْ تَغَيُّرًا فَاحِشًا) اس کی تفسیر عنقریب آئے گی کہ اس نے جو بعض عین کو اور اس کے بعض نفع کو فوت کر دیا اس وقت غاصب عین وصول کرے گا اور اس کی قیمت دے دے گا یا غاصب وہ چیز مالک کو دے دے گا اور اس کے نقصان کا ضامن ہوگا۔ اس میں اختیار مالک کو ہوگا۔ ''رحمتی''۔

31204۔ (قولہ: لِتَفَاوُتِ الْقِيَمِ الخ) اگر اس نے دراہم یا دنانیر کو غصب کیا اور مالک نے دوسرے شہر میں اس سے مطالبہ کیا اس پر لازم ہوگا کہ وہ اس کو سپرد کر دے اور مالک کو حق حاصل نہیں کہ وہ قیمت کو طلب کرے اگرچہ بھاؤ مختلف ہو جائے۔ اگر وہ کوئی عینی چیز غصب کرے اور اس جگہ اس کی قیمت غصب کی جگہ کی مثل ہو یا اس سے زیادہ ہو تو مالک کو حق حاصل ہے کہ مغصوب لے لے قیمت نہ لے۔ اگر قیمت کم ہو تو غصب کی جگہ جو بھاؤ ہے اس کے مطابق قیمت لے لے یا انتظار کرے یہاں تک کہ اپنے شہر میں لے اگر اسے غصب والے شہر میں پائے اور بھاؤ کم ہو جائے تو عین لے لے نہ کہ غصب کے دن کی قیمت لے۔ اگر وہ مغصوبہ چیز ہلاک ہو جائے جبکہ وہ مثلی ہو اور دونوں جگہوں کا بھاؤ برابر ہو تو مثلی چیز کو واپس کرنے کے ساتھ بری ہو جائے گا۔ اگر وہ جگہ جہاں دونوں ملے ہیں اس کا بھاؤ کم ہو تو مالک غصب کی جگہ میں غصب کے وقت میں قیمت لے یا انتظار کرے۔ اگر اس جگہ قیمت زیادہ ہو تو غاصب اس کی مثل خصومت کی جگہ دے گا یا اس کی قیمت دے گا جہاں اس نے غصب کیا جب مالک تاخیر سے راضی نہ ہو۔ اگر دونوں جگہوں میں قیمت برابر ہو تو مالک کو حق حاصل ہے گا کہ وہ مثل کا مطالبہ کرے۔ ''منح'' نے ''الخانیہ'' سے نقل کیا ہے۔ ملخص

31205۔ (قولہ: وَيَبْرَأُ بِرَدِّهَا) جب مغصوبہ چیز اس کو واپس کر دے جس سے وہ چیز غصب کی تھی تو اس کے ساتھ ہی بری ہو جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہے: جب وہ شخص عاقل ہو جس کو وہ چیز واپس کی جا رہی ہے۔ کیونکہ ''بزازیہ'' میں ہے: ایک بچے سے کوئی چیز غصب کی اور اسے وہ چیز واپس کر دی اگر وہ اہل حفظ سے ہو تو واپس کرنا صحیح ہوگا ورنہ واپس کرنا صحیح نہ ہوگا۔

حکماً واپس کرنے کو بھی یہ قول شامل ہے۔ کیونکہ ''جامع الفصولین'' میں ہے: مغصوبہ چیز کو اس کے مالک کے سامنے رکھ دیا تو غاصب بری ہو جائے گا اگرچہ حقیقت میں قبضہ نہ پایا گیا ہو۔ اسی طرح مودع ہے۔ اگر اس نے مغصوبہ چیز کو تلف کر دیا یا

فِي الْبَزَّازِيَّةِ غَصَبَ دَرَاهِمَ إِنْسَانٍ مِنْ كِيسِهِ ثُمَّ رَدَّهَا فِيهِ بِلَا عِلْمِهِ بَرِئَ وَكَذَا لَوْ سَلَّمَهُ إِلَيْهِ بِجِهَةٍ أُخْرَى كَهِبَةٍ أَوْ إِيدَاعٍ أَوْ شِرَاءٍ وَكَذَا لَوْ أَطْعَمَهُ فَأَكَلَهُ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ زَيْلَعِيٌّ (أَوْ يَجِبُ رَدُّ) (مِثْلِهِ إِنْ هَلَكَ

''بزازیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے ایک انسان کے دراہم اس کے تھیلے سے غصب کر لئے پھر اس تھیلے میں انہیں لوٹا دیا جبکہ مالک کو اس کا علم نہ ہو تو غاصب بری ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر اس نے کسی اور طریقہ سے اس کے سپرد کر دیئے جیسے ہبہ کرنا، ودیعت رکھنا یا خریدنا۔ اسی طرح اگر غاصب نے اسے وہ چیز کھلائی تو اس نے کھالی۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ''زیلعی''۔ اگر وہ چیز ہلاک ہو جائے اور وہ چیز مثلی ہو

ودیعت کو تلف کر دیا اور اس کی قیمت لے آیا تو جب تک حقیقی قبضہ نہیں پایا جائے گا بری نہیں ہو گی۔ اس میں ہے: تلف شدہ چیز کی قیمت لے آیا اور مالک نے اس کو قبول نہ کیا۔ ''ابونصر'' نے کہا: امر قاضی کے سامنے پیش کیا جائے گا یہاں تک وہ قبول کرنے کا حکم دے تب وہ بری ہوگا۔ اس میں ہے: وہ ایسی چیز لے آیا جو اس نے غصب کی تھی تو اس کے مالک نے اسے قبول نہ کیا تو غاصب وہ چیز اپنے گھر تک اٹھا کر لے گیا تو غاصب بری ہو جائے گا اور ضامن نہ ہوگا۔ اگر غاصب نے وہ چیز اس کے سامنے رکھ دی اور مالک نے قبول نہ کیا تو اسے اپنے گھر تک اٹھا کر لے گیا تو ضامن ہوگا۔ یہی قول اصح ہے۔ کیونکہ دوسری صورت میں وہ چیز اس کے سامنے رکھنے سے واپس کرنا مکمل ہو گیا اگرچہ اس نے اسے قبول نہ کیا جب اس نے اس کے بعد اٹھایا اور اپنے گھر تک لے گیا تو دوبارہ غاصب ہو گیا مگر جب اس نے اس کے سامنے نہ رکھا ہو تو واپس کرنا مکمل نہ ہوا اور رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس طرح رکھے کہ اس کے ہاتھ اس تک پہنچ جائیں جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ اس میں ہے: جب وہ مغصوبہ چیز اس کے ہاتھ میں ہو اور اس نے وہ چیز مالک کے پاس نہ رکھی ہو تو اس نے مالک سے کہا کہ وہ یہ لے لے تو اس نے وہ چیز قبول نہ کی تو یہ غاصب کے ہاتھ میں امانت ہوگی۔

31206۔ (قولہ: غَصَبَ دَرَاهِمَ إِنْسَانٍ مِنْ كِيسِهِ) یعنی اس تھیلے میں جو کچھ ہے اس نے لے لیا۔ کیونکہ ''بزازیہ'' کی تیسری فصل میں بھی ہے: اگر اس کے تھیلے میں ہزار ہوں ایک آدمی نے اس کے نصف لے لئے پھر چند ایام کے بعد نصف تھیلے میں رکھ دیئے تو وہ صرف ان نصف دراہم کا ضامن ہوگا جو اس نے لئے تھے اور انہیں لوٹا دیا تھا اس کے علاوہ کا ضامن نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: تھیلے کی طرف واپس کرنے سے وہ بری ہو جائے گا۔ ''تامل''

اسی میں ہے: وہ اپنے علاوہ کسی اور کی سواری پر سوار ہوا اور اسے اس کی جگہ چھوڑ دیا تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق وہ ضامن ہوگا۔ صحیح قول یہ ہے کہ وہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ اس کو اس کی جگہ سے تبدیل کر دے جب ایک آدمی نے غیر کا کپڑا زیب تن کیا پھر اس کو اتارا اور اس کی جگہ رکھ دیا تو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ یہ معمول کے مطابق پہننے میں ہے۔ اگر وہ قمیص ہو اور اسے اپنے کندھے پر رکھے پھر اسے اس کی جگہ رکھ دے تو بالاتفاق ضامن نہیں ہوگا کیونکہ یہ حفاظت ہے استعمال نہیں۔

31207۔ (قولہ: خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ) یہ کھانے کے مسئلہ میں آپ کا اختلاف ہے۔ ''جامع الفصولین'' میں کہا: علماء

وَهُوَ مِثْلِيٌّ وَإِنِ انْقَطَعَ الْمِثْلُ) بِأَنْ لَا يُوجَدَ فِي السُّوقِ الَّذِي يُبَاعُ فِيهِ وَإِنْ كَانَ يُوجَدُ فِي الْبُيُوتِ ابْنُ كَمَالٍ (فَقِيمَتُهُ يَوْمَ الْخُصُومَةِ) أَيْ وَقْتُ الْقَضَاءِ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يَوْمُ الْغَصْبِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يَوْمُ الِانْقِطَاعِ وَرَجَّحَهُ قُهُسْتَانِيٌّ (وَتَجِبُ الْقِيمَةُ فِي الْقِيَمِيِّ يَوْمَ غَصْبِهِ) إِجْمَاعًا

تو اس کی مثل واپس کرنا واجب ہوگا۔ اگر اس کی مثل منقطع ہو جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب بازار میں وہ بکتی تھی اس میں نہیں پائی جاتی اگرچہ گھروں میں پائی جاتی ہے ''ابن کمال''۔ تو اس کی قیمت یوم خصومت کے روز کی دینی ہوگی یعنی جس روز قاضی فیصلہ کرے اس دن کی قیمت دینا ہوگی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غصب کے دن کی قیمت دینا ہوگی۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس روز وہ چیز بازار میں منقطع ہوگی اس دن کی قیمت دینا ہوگی دوسرے اور تیسرے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔ اور ذوات القیم کو غصب کرنے کی صورت میں قیمت اس کے غصب کے دن کی بالا جماع واجب ہوگی

نے اس پر اتفاق کیا ہے اگر وہ گندم ہو۔ پس اس نے اسے پیسا، روٹیاں پکائیں اور مالک کو کھلا دیں یا وہ کھجوریں ہوں اور اس نے ان سے نبیذ بنائی اور مالک کو وہ پلا دی یا وہ کپڑا ہو اس نے اسے کاٹا، اسے سیا اور اسے پہنا دیا تو بری نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی ملکیت اس کے فعل سے زائل ہو چکی ہے۔

اگر مغصوبہ چیز ہلاک ہو جائے اور وہ مثلی ہو تو اس کی مثل واپس کرنا واجب ہوگا

31208۔ (قولہ: وَهُوَ مِثْلِيٌّ) ہم مسئلہ کا بیان شارح کے آنے والے سوالوں کے آخر میں ذکر کریں گے۔

31209۔ (قولہ: ابْنُ كَمَالٍ) اسی کی مثل ''التبیین'' میں ''النہایہ'' سے مروی ہے جو ''بلخی'' کی طرف منسوب ہے۔

31210۔ (قولہ: يَوْمَ الْخُصُومَةِ) اس خصومت کے روز جو معتبر ہے یہ وہ خصومت ہوتی ہے جو قاضی کے نزدیک ہو اسی وجہ سے کہا: یعنی قضا کے وقت جو اس کی قیمت ہوگی اس کا اعتبار ہوگا۔

31211۔ (قولہ: وَرَجَّحَهُ) یعنی امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ یہ یوں قول کرتے: کما رجح قول الامام ضمنا لمشی المتون علیہ و صریحا جیسے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول ضمنا اور صراحتہ راجح قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اسی قول پر متون جاری ہوئے ہیں۔

''قہستانی'' نے کہا: یہی اصح ہے جس طرح ''الخزانہ'' میں ہے: یہی صحیح ہے جس طرح ''التحفہ'' میں ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غصب کے دن کی قیمت یہ تمام اقوال میں سے مناسب ترین ہے جس طرح مصنف نے کہا ہے۔ یہی مختار ہے جیسا صاحب ''النہایہ'' نے کہا ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس روز مثل منقطع ہوئی اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ اسی پر فتویٰ ہے جس طرح ''ذخیرہ الفتاویٰ'' میں ہے۔ اکثر مشائخ نے یہی فتویٰ دیا ہے۔

ذوات القیم کو غصب کرنے کی صورت میں غصب کے دن کی قیمت واجب ہوگی

31212۔ (قولہ: يَوْمَ غَصْبِهِ إِجْمَاعًا) یہ ہلاک ہونے میں ہے جس طرح مسئلہ کی صورت کے لئے ''قہستانی'' نے

(وَالْمِثْلِيُّ الْمَخْلُوطُ بِخِلَافِ جِنْسِهِ) كَبُرٍّ مَخْلُوطٍ بِشَعِيرٍ وَشَيْرَجٍ مَخْلُوطٍ بِزَيْتٍ وَنَحْوِ ذَلِكَ كَدُهْنٍ نَجِسٍ (قِيَمِيٌّ) فَتَجِبُ قِيمَتُهُ يَوْمَ غَصْبِهِ وَكَذَا كُلُّ مَوْزُونٍ يَخْتَلِفُ بِالصَّنْعَةِ كَقُمْقُمٍ وَقِدْرٍ دُرَرٌ

اور وہ مثلی چیز جو اپنی جنس کے خلاف کے ساتھ مخلوط ہو، جیسے گندم جو کے ساتھ ملی ہوئی ہو، تلوں کا تیل عام تیل کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ اسی طرح جیسے وہ ناپاک تیل کے ساتھ ملا ہوا ہوتو وہ ذوات القیم میں سے ہوگی۔ پس جس روز غصب کیا تھا اس دن کی قیمت واجب ہوگی۔ اسی طرح تمام موزونی چیزیں جو صنعت میں مختلف ہوں جیسے آفتابہ اور دیگ ہے ''درر''۔

کہا: مگر جب انہیں جان بوجھ کر ہلاک کر دیا جائے تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسی طرح ہوگا۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک جس دن اس کو ہلاک کیا اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ ''جامع الفصولین'' میں ہے: ایک آدمی نے بکری غصب کی اور وہ موٹی ہوگئی پھر اس نے اس بکری کو ذبح کر دیا تو وہ اس دن کی قیمت کا ضامن ہوگا جس دن اس نے غصب کی ذبح کے دن کی قیمت کی ضمانت نہیں دے گا۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک اس کے ذبح کے دن کی ضمانت دے گا۔ اگر اس کے ہلاک کرنے کے بغیر وہ چیز تلف ہوگئی تو غصب کے دن کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

31213۔(قولہ: شَيْرَجٍ) اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ اس کو تمیز دینا مشکل ہو یا متعذر ہو۔

31214۔(قولہ: كَدُهْنٍ نَجِسٍ) کیونکہ یہ ذوات القیم میں سے ہے۔ شاید مراد متنجس لیا ہے جس طرح اس کو اس میں تعبیر کیا ہے جس کا ذکر قریب ہی آئے گا کیونکہ یہ متقوم ہے۔ شارح نے باب بیع الفاسد میں یہ کہا ہے: ہم متنجس تیل کو استعمال کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دیتے ہیں صرف کھانے میں جائز قرار نہیں دیتے۔ ودك (چربی کا گوشت) کا معاملہ مختلف ہے۔ یعنی کیونکہ وہ مردار کا جز ہے۔ ہاں باب الانجاس میں یہ گزر چکا ہے کہ مسجد کے علاوہ میں چربی سے چراغ جلانا جائز ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ متقوم ہے ہاں ہم کتاب شہادات سے تھوڑا پہلے قول: صب دهنا لانسان کے ہاں بیان کر چکے ہیں۔ کہا: وہ نجس ہے: یہ ''شیخ شرف الدین'' سے مروی ہے۔ وہ قیمت کا ضامن ہوگا مثل کا ضامن نہیں ہوگا۔ یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر وہ ظاہر ہو تو وہ اس کو ناپاک کر دے۔ ''حاشیۃ الاشباہ'' میں ''بزازیہ'' سے مروی ہے: ایک آدمی نے کسی اور کے تیل کو دیکھا جبکہ وہ صحیح تیل تھا اس نے خریدنے کا ارادہ کیا تو اس کی ناک سے خون اس میں گر پڑا اور وہ ناپاک ہوگیا اگر اس کے اذن سے ہو تو ضامن نہ ہوگا ورنہ اگر دین کھایا جانے والا ہو تو اسی مقدار اور وزن کا ضامن ہوگا اگر غیر ماکول ہو تو نقصان کا ضامن ہوگا۔ ''تامل''

31215۔(قولہ: كَقُمْقُمٍ وَقِدْرٍ) اسی طرح کنگن ہے یعنی قلب جو ضمہ کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد وہ کنگن ہے جو دو تہوں سے بٹا گیا ہو۔ لیکن ''الخلاصہ'' میں کہا: جب ایک آدمی نے چاندی کا کنگن غصب کیا اگر مالک چاہے تو ٹوٹے ہوئے کی ضمانت لے لے۔ اگر چاہے تو اس کو ترک کر دے اور سونے سے قیمت لے لے۔ اگر کنگن سونے کا ہو تو دراہم سے ضمانت لے گا۔ ''العنایہ'' میں کہا: اگر ہم اسی کی جنس سے قیمت کی مثل واجب کریں تو ربا کی طرف لے جائے گا یا اس کے وزن کی مثل

وَدِبْسٍ ذَكَرَهُ فِي الْجَوَاهِرِ زَادَ الْمُصَنِّفُ وَرُبٍّ وَقِطْرٍ؛ لِأَنَّ كُلًّا مِنْهُمَا يَتَفَاوَتُ بِالصَّنْعَةِ وَلَا يَصِحُّ السَّلَمُ فِيهَا وَلَا تُثْبَتُ دَيْنًا فِي الذِّمَّةِ قُلْت وَفِي الذَّخِيرَةِ وَالْجُبْنُ قِيَمِيٌّ فِي الضَّمَانِ مِثْلِيٌّ فِي غَيْرِهِ كَالسَّلَمِ وَفِي الْمُجْتَبَى السَّوِيقُ قِيَمِيٌّ لِتَفَاوُتِهِ بِالْقَلْيِ وَقِيلَ مِثْلِيٌّ وَفِي الْأَشْبَاهِ الْفَحْمُ وَاللَّحْمُ وَلَوْ نِيئًا وَالْآجُرُّ قِيَمِيٌّ وَفِي حَاشِيَتِهَا لِابْنِ الْمُصَنِّفِ هُنَا وَفِيمَا يَجْلِبُ التَّيْسِيرَ مَعْزِيًّا لِلْفُصُولَيْنِ وَغَيْرِهِ

اور تر کھجور کا شیرہ۔ ''جواہر'' میں اسی طرح ہے۔ مصنف نے اپنی شرح میں اتنا اضافہ کیا ہے: اور پھلوں کا رس اور قطر۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک صنعت میں مختلف ہے۔ اس میں بیع سلم صحیح نہیں اور وہ دین ہو کر ذمہ میں ثابت نہیں ہوتی۔ میں کہتا ہوں: ''ذخیرہ'' میں ہے: اور پنیر ضمان میں ذوات القیم میں سے ہے اور دوسری چیزوں میں مثلی ہے جیسے بیع سلم ہے۔ ''المجتبیٰ'' میں ہے۔ ستو ذوات القیم میں سے ہے۔ کیونکہ بھوننے میں فرق ہوتا ہے۔ اور ایک قول یہ کیا گیا: یہ مثلی ہوتا ہے۔ ''الاشباہ'' میں ہے: کوئلہ، گوشت اگرچہ کچا ہو اور پکی اینٹیں ذوات القیم میں سے ہیں۔ اور اس کے حاشیہ جو مصنف کے بیٹے کا ہے میں یہاں اور اس قاعدہ میں جو آسانی کو لاتا ہے جبکہ وہ قاعدہ ''فصولین'' وغیرہ کی طرف منسوب ہے۔

واجب کریں تو ہم نے جودت اور صنعت میں مالک کا حق باطل کر دیا۔ ملخص۔

31216۔ (قولہ: وَرُبٍّ وَقِطْرٍ) ''قاموس'' میں ہے: الرّب ضمہ کے ساتھ ہے ہر پھل کے نچوڑنے کے بعد گاڑھا ہونے کا ابتدائی حصہ، قطر سے مراد ہے جو ایک قطرہ گرائے کسرہ کے ساتھ ہو تو پگلا ہوا تانبا اور ضمہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد کنارہ ہے اور مصر و شام کے علاقہ میں اس سے مراد ایسا سکہ ہے جو آگ پر پگلا یا جائے۔

31217۔ (قولہ: يَتَفَاوَتُ بِالصَّنْعَةِ) ''حاوی الزاہدی'' میں کہا ہے: اس نے اس کے شیرہ کو تلف کیا تو اس پر اس کی قیمت لازم ہوگی۔ کیونکہ ہر وہ چیز جو لوگوں کی بنائی ہوئی ہو تو مماثلت کی رعایت ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ مہارت میں متفاوت ہوتے ہیں اگر شیرہ بنانے والا اجازت میں اسے اپنی اجرت بنائے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔

پھر رمز ذکر کیا اس کو قضا کے طور پر لینا جائز ہے اور کہا: پس اس پر لازم ہوگا وہ مثلی ہے۔

31218۔ (قولہ: وَالْجُبْنُ قِيَمِيٌّ) کیونکہ اس میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے ''جامع الفصولین''۔ جبن کا لفظ ایک ضمہ کے ساتھ یا دو ضموں کے ساتھ ہے جیسے عقل کا لفظ ہے۔ ''قاموس''۔

31219۔ (قولہ: وَلَوْ نِيئًا) یہی قول صحیح ہے اور پکا ہوا گوشت بالاجماع ذوات القیم میں سے ہے۔ ''فصولین''۔

31220۔ (قولہ: وَالْآجُرُّ) یہ لفظ ہمزہ کے مد کے ساتھ ہے۔ اس بارے میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایات مروی ہیں۔ ''ہندیہ''۔

31221۔ (قولہ: وَفِيمَا يَجْلِبُ التَّيْسِيرَ) اس کا ھنا پر عطف ہے۔ ''ح''۔

وَكَذَا الصَّابُونُ وَالسِّمْقِينُ وَالْوَرَقُ وَالْإِبْرَةُ وَالْعُصْفُرُ وَالصِّرْمُ وَالْجِلْدُ وَالدُّهْنُ الْمُتَنَجِّسُ وَكَذَا الْحَفْنَةُ
اسی طرح صابون، بانس، درخت کے پتے، سویاں، کسم، کچا چمڑا، پکا چمڑا، ناپاک تیل۔ اسی طرح مٹھی بھر چیز

صابن مثلی ہے ذوات القیم میں سے نہیں

31222۔ (قولہ: وَكَذَا الصَّابُونُ) ''اسماعیلیہ'' میں کتاب العلم میں ''صیرفیہ'' سے دو قول منقول ہیں۔ کہا: ہم نے دونوں میں سے کسی ایک کے لئے ترجیح نہیں دیکھی مگر ''صیرفیہ'' کی کلام میں جو قول ہے وہ یہ ہے کہ اس میں بیع سلم کو ترجیح دینے کی خبر دی جارہی ہے۔ پھر کہا: ان کی کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ بیع سلم میں تسامح سے کام لیا جاتا ہے جب کہ عدوان کی ضمانت میں تسامح سے کام نہیں لیا جاتا۔ ''اسماعیلیہ'' میں کتاب الغصب میں ایک جگہ یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ قیمی ہے۔ ایک اور جگہ کہا: یہ مثلی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس وقت جو مشاہدہ کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ صنعت، رطوبت، خشک، سونے، اس تیل کی عمدگی جس سے اس صابن کو بنایا جاتا ہے اور اس کے علاوہ میں فرق ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ''فصولین'' میں کہا: یہاں تک کہ وہ دونوں برابر ہوں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں بنائے جائیں۔ میری مراد ہے دونوں صابن ایک تیل سے بنائے جائیں تو وہ اس کی مثل کا ضامن ہوگا۔ پس اس تعبیر کی بنا پر یہ کہنا چاہئے: اگر مماثلت ممکن ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ معلوم مقدار کو تلف کرے اور اس کے پاس اس پکائی کا صابن ہو ہمارے عرف میں اسے فسخہ کہتے ہیں تو وہ اس ثابت میں سے اس کی مثل کا ضامن ہوگا ورنہ وہ قیمی ہوگا۔

31223۔ (قولہ: وَالْوَرَقُ) یعنی درختوں کے پتے۔ ہم نے پہلے جو ''حاوی'' سے نقل کیا ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ یہ ذوات القیم میں سے ہے جبکہ جس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے وہ اس سے متفاوت ہے۔ ''تامل''

31224۔ (قولہ: وَالْعُصْفُرُ) ''الفصولین'' میں اسی طرح ہیں۔ اس سے پہلے ایک اور کتاب سے ذکر کیا کہ یہ مثلی ہے کیونکہ اسے وزن کر کے بیچا جاتا ہے اور جسے وزن کر کے بیچا جائے وہ مثلی ہوتی ہے۔

31225۔ (قولہ: وَالصِّرْمُ) یہ فتحہ کے ساتھ ہے مراد جلد ہے یہ معرب ہے اور صاد کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ضرب اور جماعت ہے۔ ''صاحب القاموس'' نے اسے بیان کیا ہے۔ شاید انہوں نے دباغت سے پہلے چمڑا مراد لیا ہے اور جلد سے مراد ایسا چمڑا لیا ہے جس کی دباغت کر دی گئی ہو۔ ''ط''۔

31226۔ (قولہ: وَالدُّهْنُ الْمُتَنَجِّسُ) یہ اس کے ساتھ مکرر ہے جو گزر چکا ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

31227۔ (قولہ: وَكَذَا الْحَفْنَةُ) یعنی جس میں سماع ہے اس کے نصف سے کم جس طرح ''قہستانی'' نے اس کی تعبیر کی ہے۔ ''جامع الفصولین'' میں ہے: ظاہر روایات کے مطابق روٹی قیمی ہے اور پانی شیخین کے نزدیک قیمی ہے اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کیلی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ تانبا اور پیتل دونوں مثلی ہیں۔ کھجور کے تمام پھل ایک جنس سے رکھتے ہیں حدیث طیبہ کی وجہ سے ان میں تفاضل جائز نہیں۔ جہاں تک باقی پھلوں کا تعلق ہے تو درخت کی ہر نوع ایسی جنس ہے جو دوسری نوع کے پھلوں کی مخالف ہے سرکہ، رس، آٹا، چھان، گچ، چونا، روئی، اون، اس کا سوت اور بھوسہ تمام انواع کی مثلی

وَكُلُّ مَكِيلٍ وَمَوْزُونٍ مُشْرِفٌ عَلَى الْهَلَاكِ مَضْمُونٌ بِقِيمَتِهِ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ كَسَفِينَةٍ مَوْقُورَةٍ أَخَذَتْ فِي الْغَرَقِ، وَأَلْقَى الْمَلَّاحُ مَا فِيهَا مِنْ مَكِيلٍ وَمَوْزُونٍ يَضْمَنُ قِيمَتَهَا سَاعَتَهُ كَمَا فِي الْمُجْتَبَى وَفِي الصَّيْرَفِيَّةِ صَبَّ مَاءً فِي حِنْطَةٍ فَأَفْسَدَهَا وَزَادَ فِي كَيْلِهَا ضَمِنَ قِيمَتَهَا قَبْلَ صَبِّهِ لِلْمَاءِ لَا مِثْلَهَا هَذَا إِذَا لَمْ يَنْقُلْهَا فَلَوْ نَقَلَهَا لِمَكَانٍ ضَمِنَ الْمِثْلَ؛ لِأَنَّهُ غَصَبَهُ وَهُوَ مِثْلِيٌّ،

اور ہر کیلی اور وزنی چیز جو ہلاک ہونے کے قریب ہو اس وقت میں جو اس کی قیمت ہوگی کے بدلے میں مضمون ہوگی۔ جس طرح ایسی کشتی جو سامان سے بھری ہو غرق ہونے لگے اور ملاح نے اس میں موجود کیلی اور وزنی سامان کو اس میں پھینک دیا تو وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا جو اس کی اس لمحہ قیمت ہوگی۔ جس طرح ''المجتبیٰ'' میں ہے۔ ''صیرفیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے گندم میں پانی انڈیلا اور پانی نے اسے خراب کر دیا اور گندم کے کیل میں اضافہ کر دیا تو اس کی اس قیمت کا ضامن ہوگا جو پانی ڈالنے سے پہلے اس کی قیمت تھی نہ کہ اس کی مثل کا ضامن ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس گندم کو منتقل نہ کرے اگر وہ اس گندم کو اس جگہ سے منتقل کر دے تو اس کی مثل کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے اسے غصب کیا جبکہ وہ مثلی تھی

ہیں۔ ''حاوی'' میں ہے کہ سوت کے مثلی ہونے میں دو روایتیں ہیں۔ اور جو زیادہ معلومات لینا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ ''فتاویٰ حامدیہ'' کی طرف رجوع کرے۔

31228۔ (قولہ: وَكُلُّ مَكِيلٍ) یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر مضمون ہے۔

31229۔ (قولہ: كَسَفِينَةٍ مَوْقُورَةٍ) تمثیل سے مقصود وہ کیلی اور وزنی چیزیں ہیں جنہیں پھینکا گیا ہو۔ وقر سے مراد بھاری بوجھ ہے یا اس سے مراد عام ہے یہ کہا جاتا ہے دابۃ موقورۃ جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔ ''تامل''

31230۔ (قولہ: يَضْمَنُ قِيمَتَهَا سَاعَتَهُ) یعنی جس وقت اسے دریا میں پھینکے گا اس وقت جو اس کی قیمت ہوگی اس کی ضمانت دے گا۔ یعنی جب وہ ہلاک ہوا چاہتی تھی اس وقت جو اس کی قیمت ہوگی اگر اس کی قیمت ہو اگرچہ تھوڑی ہو۔ کیونکہ بچ نکلنے کا احتمال موجود ہے۔ اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ مثلی خارجی معنی کی وجہ سے مثلیت سے نکلتی ہے۔ پھر یہ حکم اس وقت ہے جب وہ اذن اور اتفاق کے بغیر اسے پھینکے ورنہ اس میں تفصیل ہوگی جس کو ہم ان شاء اللہ کتاب القسمۃ کے آخر میں ذکر کریں گے۔

31231۔ (قولہ: وَفِي الصَّيْرَفِيَّةِ الخ) اس کی مثل ''تاتر خانیہ'' میں ''قدوسی'' سے مروی ہے کہا: اس طرح کا حکم ہوگا اگر وہ دھن یا زیت میں پانی انڈیل دے۔

31232۔ (قولہ: هَذَا إِذَا لَمْ يَنْقُلْهَا) یعنی انڈیلنے سے پہلے اسے منتقل نہ کرے اشارہ قیمت کی ضمان کی طرف ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں ہے کیونکہ اس سے غصب واقع نہیں ہوا۔

31233۔ (قولہ: فَلَوْ نَقَلَهَا لِمَكَانٍ الخ) ظاہر یہ ہے کہ مراد ہے محض اس کو اس جگہ سے منتقل کرنا۔

بِخِلَافِ مَا لَوْ صَبَّ الْمَاءَ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي فِيهِ الْحِنْطَةُ بِغَيْرِ نَقْلٍ وَالْآجُرُّ قِيَمِيٌّ وَسَيَجِيءُ أَنَّ الْخَمْرَ فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ قِيَمِيٌّ حُكْمًا وَالْحَاصِلُ كَمَا فِي الدُّرَرِ وَغَيْرِهَا أَنَّ كُلَّ مَا يُوجَدُ لَهُ مِثْلٌ فِي الْأَسْوَاقِ بِلَا تَفَاوُتٍ يُعْتَدُّ بِهِ فَهُوَ مِثْلِيٌّ وَمَا لَيْسَ كَذَلِكَ

اگر اس نے اسی جگہ پانی کو انڈیلا جس جگہ گندم پڑی ہوئی تھی جبکہ اس کو نقل نہ کیا تو معاملہ مختلف ہوگا۔ پکی اینٹیں قیمی ہیں۔ اور عنقریب یہ آئے گا کہ مسلمان کے حق میں شراب حکماً ذوات القیم میں سے ہے۔ حاصل کلام جس طرح ''الدرر'' وغیرہا میں ہے: بازاروں میں جس کی مثل پائی جائے جبکہ کوئی تفاوت نہ ہو جس تفاوت کا اعتبار کیا جاتا ہے تو وہ مثلی ہوگی اور جو اس طرح نہ ہو

31234۔ (قولہ: بِخِلَافِ مَا لَوْ صَبَّ الخ) کیونکہ غصب اتلاف سے حاصل ہوا جبکہ یہ اس سے قبل واقع نہیں ہوا۔ جس طرح گزر چکا ہے تلف کرنے کے وقت یہ مثلی نہیں رہی تھی پس اس کی قیمت کی ضمانت دے گا جو اس کی مثل سے سابق ہے۔ تامل

31235۔ (قولہ: وَسَيَجِيءُ الخ) یعنی آنے والی فصل میں۔

بازاروں میں جس چیز کی مثل پائی جائے جب کہ کوئی تفاوت نہ ہو تو وہ مثلی ہوگی ورنہ قیمی ہوگی

31236۔ (قولہ: وَالْحَاصِلُ الخ) ''المنح'' میں ''الوقایہ'' سے نقل کیا ہے مثلی میں مثل واجب ہوگا جس طرح کیلی، وزنی اور عددی متقارب ہوتا ہے۔

''صدر الشریعہ'' نے کہا: یہ جان لو کہ ان تینوں اقسام کو مثلی بنایا ہے جبکہ کثیر وزنی مثلی نہیں ہوتیں بلکہ ذوات القیم میں سے ہوتی ہیں جیسے آفتابہ، دیگر وغیرہما۔

میں کہتا ہوں: وزنی سے مراد مثلاً وہ چیز نہیں ہوتی بیع کے وقت جس کا وزن کیا جائے بلکہ وہ وزنی ہوتی ہے جس کا ثمن کے ساتھ مقابلہ کیل، وزن یا عدد پر مبنی ہوتا ہے اور صنعت کے مختلف ہونے کے ساتھ وہ مختلف نہ ہو۔ کیونکہ جب یہ کہا جائے: یہ شے درہم کے بدلے میں ہے۔ بے شک یہ اس وقت قول کیا جاتا ہے جب اس میں تفاوت نہ ہو اس وقت وہ مثلی ہوتی ہے۔ بے شک ہم نے کہا: یہ صنعت کے ساتھ مختلف نہیں ہوتی یہاں تک کہ اگر وہ مختلف ہو جیسے آفتابہ اور دیگ ہے یہ مثلی نہیں پھر وہ جو صنعت کے ساتھ مختلف نہیں ہوتیں یا تو وہ مصنوع نہیں ہوگی یا مصنوع ہوگی جو مختلف نہیں ہوتی جیسے دراہم، دنانیر اور فلوس۔ یہ سب مثلی ہیں۔ جب تو نے یہ پہچان لیا تو تو نے مزروعات کا حکم پہچان لیا۔ جب بھی یہ کہا جاتا ہے جس کپڑے سے ایک ذراع اتنے کے بدلے میں بیچا جاتا ہے تو یہ اس میں کہا جاتا ہے جس میں تفاوت نہیں ہوتا۔ فقہاء نے مثلی اور قیمی میں فرق کیا ہے پس اس کی کوئی ضرورت نہیں اور جس کی بازار میں مثل پائی جائے اس تفاوت کے بغیر جس کا شمار کیا جاتا ہے تو وہ مثلی ہوگی۔ اور جو اس طرح نہ ہو تو وہ ذوات القیم میں سے ہوگی اور جس کیلی اور اس کے اخوات کا ذکر کیا گیا ہے تو وہ اس پر مبنی ہے۔

31237۔ (قولہ: بِلَا تَفَاوُتٍ يُعْتَدُّ بِهِ) ظاہر یہ ہے کہ جس کے سبب سے ثمن مختلف نہ ہو۔ ''تامل''

فَقِیمِیٌّ فَلْیُحْفَظْ (فَإِنْ ادَّعَى هَلَاكَهُ) مُرْتَبِطَةٌ بِوُجُوبِ رَدِّ الْعَیْنِ؛ لِأَنَّهُ الْمُوجِبُ الْأَصْلِیُّ وَرَدُّ الْمِثْلِیِّ وَالْقِیمَةِ مُخَلِّصٌ عَلَى الرَّاجِحِ (حُبِسَ حَتَّى یَعْلَمَ) الْحَاكِمُ (أَنَّهُ لَوْ بَقِیَ لَظَهَرَ) أَیْ لَأَظْهَرَهُ (ثُمَّ قَضَى) الْحَاكِمُ (عَلَیْهِ بِالْبَدَلِ) مِنْ مِثْلٍ وَقِیمَةٍ (وَلَوْ ادَّعَى الْغَاصِبُ الْهَلَاكَ عِنْدَ صَاحِبِهِ بَعْدَ الرَّدِّ وَعَكَسَهُ الْمَالِكُ)

تو وہ قیمی ہوگی۔ فلیحفظ۔ اگر وہ اس کے ہلاک ہوجانے کا دعویٰ کرے، اس کلام کا تعلق عین کے لوٹانے کے وجوب کے ساتھ ہے۔ کیونکہ یہی موجب اصلی ہے مثلی اور قیمت کا لوٹانا یہ تو چھٹکارا دلانے والا ہے۔ یہ راجح قول کے مطابق ہے۔ اسے محبوس کیا جائے گا یہاں تک کہ حاکم یہ جان لے کہ اگر وہ چیز باقی ہوگی تو غاصب اس کو ظاہر کردیتا پھر حاکم اس پر بدل کا فیصلہ کردے گا وہ بدل مثلی ہو یا قیمی ہو۔ اگر غاصب اس شے کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے کہ لوٹانے کے بعد وہ مالک کے پاس ہلاک ہوئی اور مالک نے اس کے برعکس دعویٰ کیا

31238۔ (قولہ: مُرْتَبِطَةٌ الخ) تقدیر کلام یہ ہے: ھذہ العبارۃ مرتبطۃ۔ اس کا ارتباط تفریع کی جہت سے ہے جیسے یہ گزر چکا ہے کہ مثلی اور قیمی میں عین کو رد کرنا واجب ہے۔

31239۔ (قولہ: لِأَنَّهُ الْمُوجِبُ الْأَصْلِیُّ) کیونکہ صورت اور معنی کے اعتبار سے لوٹانا۔ یہی زیادہ مناسب اور کامل ہے۔ اسی وجہ سے ہلاک ہونے سے قبل اس کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اگر وہ قیمت یا مثل لائے (یعنی اصل شے کے ہلاک ہونے سے پہلے) تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے جب عین کو واپس کردے جبکہ مالک کو اس کا علم نہ ہو تو وہ بری ہوجاتا ہے اس کی صوت یہ ہے کہ وہ کسی اور جہت سے اسے اس کے سپرد کردیتا ہے جیسے ہبہ کی صورت میں، کھانا کھلانے کی صورت میں، خریداری کی صورت میں یا ودیعت رکھنے کی صورت میں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: موجب اصلی مثل ہے یا قیمت ہے اور عین کو واپس کرنا یہ خلاصی دینے والا ہے۔ اسی وجہ سے ضمان سے اسے بری کرنا صحیح ہوگا جبکہ عین موجود ہو پس وہ ہلاک ہونے کے ساتھ ضامن نہیں ہوگا اور مغصوبہ چیز کی کفالت صحیح ہوتی ہے۔ عین سے بری کرنا صحیح نہیں اور نہ ہی اس کی کفالت اٹھانا صحیح ہے۔ اس کی مکمل تحقیق ''التبیین'' میں ہے۔ ''قہستانی'' نے پہلے قول کے ضعف کو بیان کیا ہے۔ اور جمہور دوسرے قول کی طرف گئے ہیں اور اسے ''ہدایہ'' اور ''کفایہ'' کے کتاب الرہن کی طرف منسوب کیا ہے۔

31240۔ (قولہ: وَرَدُّ الْمِثْلِیِّ) زیادہ صحیح المثل ہے جو یا کے بغیر ہے۔

31241۔ (قولہ: حُبِسَ حَتَّى یَعْلَمَ) یعنی قاضی فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرے انتظار کی مدت کی کوئی مخصوص مقدار نہیں بلکہ یہ قاضی کی رائے کے سپرد ہے۔ یہ انتظار اس صورت میں ہے جب وہ آدمی جس سے وہ چیز غصب کی گئی ہو وہ قیمت کے فیصلہ پر راضی نہ ہو مگر جب وہ اس پر یا قاضی کے انتظار پر راضی ہوجائے اگر دونوں اس کی قیمت پر متفق ہوجائیں یا مغصوب منہ اس پر گواہیاں قائم کردے جو اس نے اس کی قیمت کا دعویٰ کیا تو اس کے بارے میں قاضی فیصلہ کردے گا۔ ''شرنبلالیہ''۔

31242۔ (قولہ: وَقِیمَةٍ) واوٗ، او کے معنی میں ہے۔

31243۔ (قولہ: وَعَكَسَهُ) یہ فعل ماضی ہے یہ مصدر ہے منصوب ہے اس کا عطف الھلاک پر ہے۔ مراد ان کے قول

أَيْ ادَّعَى الْهَلَاكَ عِنْدَ الْغَاصِبِ (وَأَقَامَا الْبُرْهَانَ فَبُرْهَانُ الْغَاصِبِ) أَنَّهُ رَدَّهُ وَهَلَكَ عِنْدَ الْمَالِكِ (أَوْلَى) خِلَافًا لِلثَّانِي مُلْتَقًى، وَلَوْ اخْتَلَفَا فِي الْقِيمَةِ وَبَرْهَنَا فَالْبَيِّنَةُ لِلْمَالِكِ وَسَيَجِيءُ وَلَوْ فِي نَفْسِ الْمَغْصُوبِ فَالْقَوْلُ لِلْغَاصِبِ (وَالْغَصْبُ) إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ (فِيمَا يُنْقَلُ فَلَوْ أَخَذَ عَقَارًا وَهَلَكَ فِي يَدِهِ) بِآفَةٍ سَمَاوِيَّةٍ كَغَلَبَةِ سَيْلٍ (لَمْ يَضْمَنْ)

یعنی اس نے غاصب کے پاس ہلاکت کا دعویٰ کیا اور دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو غاصب کی گواہیاں اولی ہوں گی۔ یعنی غاصب نے یہ گواہیاں پیش کیں کہ اس نے وہ چیز واپس کر دی تھی اور وہ چیز مالک کے پاس ہلاک ہوئی تھی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے، ''ملتقی''۔ اگر دونوں نے قیمت میں اختلاف کیا اور انہوں نے گواہیاں قائم کر دیں تو گواہیاں مالک کی معتبر ہوں گی عنقریب یہ آئے گا اور نفس مغصوب میں اختلاف ہو جائے تو قول غاصب کا معتبر ہوگا۔ غصب ایسی چیز میں متحقق ہوتا ہے جو منقول ہو اگر وہ کوئی جائیداد چھین لے اور وہ چیز اس کے قبضہ میں آفت ساویہ کے ساتھ ہلاک ہو جائے جیسے سیلاب غالب آجائے تو ضامن نہیں ہوگا۔

عند صاحبہ کا عکس ہے یا ان کے قول بعد الرد کا عکس ہے۔ پس یہ صحیح ہوگا لیکن اس کا کوئی مفہوم نہیں ہوگا مگر جب ہلاک ہونا بعض کے ہلاک ہونے کے ساتھ ہو یا نقصان کی صورت میں ہو۔ یعنی وصف کے ہلاک ہونے کی صورت میں ہو۔ ''فتدبر''

31244۔ (قولہ: أَوْلَى) یعنی امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی گواہیاں اولیٰ ہیں۔ کیونکہ وہ رد کو ثابت کرتا ہے جبکہ یہ لوٹانا امر عارض ہے اور گواہیاں اس کی معتبر ہوتی ہیں جو عوارض کا دعویٰ کرتا ہے۔ ''زیلعی''۔

31245۔ (قولہ: خِلَافًا لِلثَّانِي) امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مالک کی گواہیاں اولیٰ ہیں۔ کیونکہ مالک ضمان کے واجب ہونے کو ثابت کرتا ہے اور دوسرا اس کا انکار کرتا ہے اور گواہیاں ایک امر کو ثابت کرنے کے لئے ہوتی ہیں ''زیلعی''۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اعتماد کیا جائے۔ یہ اس کے برعکس ہے جسے کتاب القضاء میں پہلے بیان کیا ہے۔ ''ط''۔

31246۔ (قولہ: وَسَيَجِيءُ) یعنی فصل کے شروع میں آئے گا اور عنقریب یہ بھی آئے گا کہ غاصب کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اگر مالک گواہیاں قائم نہ کرے اور جس وقت وہ کہے: میں اس کی قیمت کو نہیں جانتا لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ مالک کو کہہ رہا ہے قیمت اس سے کم ہے اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

31247۔ (قولہ: وَلَوْ فِي نَفْسِ الْمَغْصُوبِ) اس کی صورت یہ ہے کہ غاصب کہتا ہے یہ وہ کپڑا ہے جو میں نے غصب کیا تھا مالک کہتا ہے نہیں بلکہ یہ وہ کپڑا ہے۔

31248۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ لِلْغَاصِبِ) کیونکہ شے کی تعیین میں قول قابض کا معتبر ہوتا ہے وہ قبضہ کرنے میں امین ہو یا ضامن ہو۔

31249۔ (قولہ: لَمْ يَضْمَنْ) یعنی شیخین کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس سے

خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ وَبِقَوْلِهِ قَالَتْ الثَّلَاثَةُ وَبِهِ يُفْتَى فِي الْوَقْفِ ذَكَرَهُ الْعَيْنِيُّ وَذَكَرَ ظَهِيرُ الدِّينِ فِي فَتَاوِيهِ الْفَتْوَى فِي غَصْبِ الْعَقَارِ وَالدُّورِ الْمَوْقُوفَةِ بِالضَّمَانِ، وَأَنَّ الْفَتْوَى فِي غَصْبِ مَنَافِعِ الْوَقْفِ بِالضَّمَانِ وَفِي فَوَائِدِ صَاحِبِ الْمُحِيطِ اشْتَرَى دَارًا وَسَكَنَهَا ثُمَّ ظَهَرَ أَنَّهَا وَقْفٌ أَوْ كَانَتْ لِلصَّغِيرِ لَزِمَهُ أَجْرُ الْمِثْلِ صِيَانَةً لِمَالِ الْوَقْفِ وَالصَّغِيرِ وَفِي إجَارَةِ الْفَيْضِ إنَّمَا لَا يَتَحَقَّقُ الْغَصْبُ عِنْدَهُمَا فِي الْعَقَارِ فِي حُكْمِ الضَّمَانِ أَمَّا

امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ تینوں ائمہ کا یہی قول ہے۔ اور کتاب الوقف میں اسی پر فتویٰ ہے۔ ''عینی'' نے اسے ذکر کیا ہے۔ ''ظہیر الدین'' نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے: جائیداد اور گھر جو وقف کئے گئے ہوں ان کے غصب میں فتویٰ یہ ہے کہ ضمانت واجب ہوگی اور وقف کے منافع کے غصب میں فتویٰ یہ ہے کہ ضمانت لازم ہوگی۔ ''فوائد صاحب المحیط'' میں ہے: ایک آدمی نے گھر خریدا اور اس میں سکونت اختیار کی پھر یہ امر ظاہر ہو گیا کہ یہ وقف ہے یا یہ چھوٹے کی ملک ہے تو اس پر اجرت مثلی لازم ہوگی یہ وقف اور صغیر کے مال کی حفاظت کے طریقہ پر ہے۔ ''الفیض'' کے کتاب الاجارہ میں ہے: شیخین کے نزدیک جائیداد میں ضمان کے حکم میں غصب متحقق نہیں ہوتا۔ جہاں تک

حقدار قبضہ کو زائل کرنا ممکن نہیں۔

31250۔ (قولہ: خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ) کیونکہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہم پہلے ''النہایہ'' سے نقل کر چکے ہیں اگرچہ آپ کے نزدیک غصب سے مراد حقدار کے غلبہ کو ختم کرنا ہے لیکن غیر منقولہ چیز میں غلبہ ازالہ کے قائم مقام ہوتا ہے۔

31251۔ (قولہ: وَبِهِ يُفْتَى فِي الْوَقْفِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مغصوبہ چیز ہلاک ہو جائے غاصب کے فعل سے نہیں جیسے وہ اس کی رہائش سے بلکہ آفت سماویہ سے ہلاک ہو مراد اس کی ذات کی ضمان ہے اس کے منافع کی ضمان نہیں اس کا قرینہ وہ ہے جو عنقریب ''ظہیر الدین'' سے آئے گا۔ کیونکہ کلام اس کے بارے میں ہے منافع کے بارے میں نہیں فصل میں متن میں عنقریب آئے گا کہ غصب کے منافع کی ضمانت نہیں ہوتی مگر جب وہ چیز وقف کی ہو یا یتیم کا مال ہو یا منافع کے لئے اسے تیار کیا گیا ہو۔ پس تینوں کے منافع کی ضمانت کی تصریح کی گئی ہے۔ یہاں وقف کی ذات کی ضمانت کی تصریح کی ہے۔ کیا یتیم اور مستغل کا مال اسی کی مثل ہے؟ میں نے اسے صراحۃً نہیں دیکھا پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہئے۔ پھر میں نے ''حاشیۃ الاشباہ'' میں دیکھا: ''کمال'' نے کہا: تین اشیاء میں عقار کی ضمانت پر فتویٰ ہے۔

31252۔ (قولہ: الْمَوْقُوفَةِ) یہ عقار اور دور دونوں کی صفت ہے۔ ''ح''۔

گھر خریدا اور اس میں سکونت اختیار کی

31253۔ (قولہ: لَزِمَهُ أَجْرُ الْمِثْلِ) اس سے اس نے اختلاف کیا ہے جس نے اسے ''عمدہ'' میں صحیح قرار دیا ہے اور ''القنیہ'' میں اسی پر گامزن ہوئے ہیں۔ اگرچہ ''اسماعیلیہ'' میں اس کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ بے شک یہ ضعیف ہے جس طرح ''البحر'' کے کتاب الوقف میں ہے۔ ''القنیہ'' میں ایک اور جگہ ہے: نگران نے ایک گھر کے بارے میں دعویٰ کیا جو گھر وقف کیا

فِيمَا وَرَاءَ ذَلِكَ فَيَتَحَقَّقُ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ يَتَحَقَّقُ فِي الرَّدِّ فَكَذَا فِي اسْتِحْقَاقِ الْأُجْرَةِ فَلْيُحْفَظْ (قِيلَ) قَائِلُهُ الْأُسْتُرُوشَنِيُّ وَعِمَادُ الدِّينِ فِي فُصُولَيْهِمَا (وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ) أَيْ الْعَقَارُ

اس کے علاوہ چیزوں کا تعلق ہے تو اس میں غصب متحقق ہوتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا یہ رد میں متحقق ہوتا ہے اسی طرح اجر کے استحقاق میں غصب متحقق ہوتا ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہئے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے اس کے قائل ''استروشنی'' اور ''عمادالدین'' ہیں دونوں نے اپنی فصول میں اسے ذکر کیا ہے۔اصح قول یہ ہے کہ عقار

گیا تھا جو ایک آدمی کے قبضہ میں تھا تو اس نے انکار کر دیا اس نے اس پر گواہیاں قائم کیں اور وقف کا فیصلہ کر دیا گیا تو گزشتہ عرصہ کی اجرت اس پر لازم نہ ہوگی۔مگر جب وہ اقرار کرے یا وہ انکار میں سرکش ہو تو اجرت واجب ہوگی۔''الاختیار'' میں ہے: متولی وقف نے گھر کو بیچ دیا مشتری نے اس پر رہائش رکھی تو مشتری پر اجرت مثلی ہوگی۔

''حموی'' نے کہا: یہ ''محیط'' کی تصحیح پر مبنی ہے۔یہی وہ قول ہے جس پر اعتماد کیا جانا چاہئے۔شیخ ''شرف الدین'' نے کہا: یہی قول مختار ہے جس طرح ''تجنیس'' اور ''مزید'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: یہی وہ قول ہے ''البحر'' کے کتاب الوقف میں جس پر اعتماد کیا ہے شارح وہاں دو جگہ اس پر گامزن ہوئے ہیں ''خیریہ'' وغیرہ میں اس پر فتویٰ دیا ہے پس اس کو یاد رکھا جانا چاہئے۔

31254۔(قولہ: فِي الرَّدِّ) یعنی اس کے مالک کی طرف لوٹانا واجب ہے اگر شیخین کے نزدیک ضمان کے علاوہ میں بھی غصب متحقق نہ ہوتا تو رد کرنا واجب نہ ہوتا۔

غصب کے منافع جب غاصب وصول کرے تو اس کا حکم

31255۔(قولہ: فَكَذَا فِي اسْتِحْقَاقِ الْأُجْرَةِ) اس کتاب کے محشیوں نے اس میں اشکال کا ذکر کیا ہے کہ غصب کے منافع جب غاصب وصول کرے تو ان کی ضمانت نہ ہوگی مگر تین چیزوں میں ضمانت ہوگی جن کو مستثنیٰ کیا ہے جس طرح فصل میں عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔

میں کہتا ہوں: گویا انہوں نے گمان کیا ہے کہ رہائش رکھنے کے باعث ان پر اجر واجب ہو جاتا ہے جبکہ معاملہ اس طرح نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر غاصب نے اسے اجرت پر دیا تو معین اجرت کا مستحق عاقد ہوگا اگرچہ وہ اس کے لئے حلال نہیں بلکہ وہ اسے صدقہ کر دے گا یا اسے اس کے مالک کی طرف لوٹا دے گا جس طرح ہم عنقریب ان کو ذکر کریں گے۔انہوں نے جو گمان کیا ہے اس پر اسے محمول کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جبکہ یہ شروع عبارت کے معارض ہے۔کیونکہ اس پر اجرت کو واجب کرنا یہ ضمان ہے اس میں غصب کے متحقق ہونے کی وجہ یہ ہے اگر غصب متحقق نہ ہو تو اجرت کا مستحق مالک ہوگا غاصب نہیں ہوگا۔فافہم۔

31256۔(قولہ: قِيلَ الخ) یہ ''الدرر'' کے متن کی عبارت ہے۔اس کو قیل کے ساتھ تعبیر کرنا یہ اس کے ضعف کا شعور دلاتا ہے۔یہ ''فصول'' کی کلام میں نہیں ہے۔پھر ان کا قول الاصح الخ اس میں اختلاف کا فائدہ دیتا ہے۔''جامع

(يُضْمَنُ بِالْبَيْعِ وَالتَّسْلِيمِ وَ) كَذَا (بِالْجُحُودِ فِي) الْعَقَارِ (الْوَدِيعَةِ وَبِالرُّجُوعِ عَنْ الشَّهَادَةِ) بَعْدَ الْقَضَاءِ وَفِي الْأَشْبَاهِ الْعَقَارُ لَا يُضْمَنُ إلَّا فِي مَسَائِلَ

کی ضمانت اس وقت ہوگی جب غاصب اسے بیچ دے اور سپرد کر دے۔ اسی طرح غیر منقولہ چیز کے ودیعت رکھنے کی صورت میں وہ ودیعت کا انکار کر دے اور قضا کے بعد شہادت سے گواہ رجوع کر لیں۔ ''الاشباہ'' میں ہے: عقار کی ضمانت نہیں ہوتی مگر چند مسائل میں

الفصولین'' کا قول ہے: وہ اسے بیچ دینے اور مشتری کے حوالے کر دینے سے بالاتفاق ضامن ہوگا اور جائیداد کی ضمانت انکار کی صورت میں ہوتی ہے۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی آدمی کسی کے ہاں ودیعت رکھنے اور مودع ودیعت کا انکار کر دے کیا وہ ضامن ہوگا۔ اس میں بھی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایات مروی ہیں۔ اصح یہ ہے کہ وہ بیع کرنے اور سپرد کرنے اور انکار کرنے سے ضامن ہوگا۔ اس کا دوسرا فائدہ دیتا ہے کہ کوئی اختلاف نہیں اور اس کا آخر فائدہ دیتا ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

میں کہتا ہوں: قیل کے ساتھ اسے تعبیر کرنا مناسب ہے۔ کیونکہ متون اور فتویٰ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے کہ عقار میں غصب متحقق نہیں ہوتا۔ ان مسائل کا ذکر لم یضمن کے قول سے استثنا کے طریقہ پر کیا ہے۔ ''جامع الفصولین'' کا قول ہے: والاصح الخ یعنی شیخین کے قول کے مطابق اصح یہ ہے۔ پس یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق ہے تو ان کا قول جو اس سے بالاتفاق کی صورت میں آیا یہ اس کے منافی نہیں۔ یعنی ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک اسی طرح ہے فتدبر۔ ہاں ''ہدایہ'' میں اس کی تصحیح کی ہے کہ بیع اور سپرد کا مسئلہ مختلف فیہ ہے یہ غصب میں ہے۔ ''الاتقانی'' نے کہا: یہ ان علماء میں سے بعض کے قول سے احتراز ہے کہ یہ متفق علیہ ہے۔ ''التبیین'' میں ہے: ودیعت کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ یہ اصح قول کے مطابق ہے۔ اگر اسے تسلیم کر لیا جائے کہ یہ متفق علیہ ہے تو ضمانت اس نگہبانی کو ترک کرنے کی وجہ سے ہوگی جو انکار سے لازم آئی اور رجوع کی صورت میں گواہ جائیداد کے ضامن ہوں گے۔ کیونکہ یہ اتلاف کی ضمانت ہے غصب کی ضمانت نہیں اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اسے تسلیم کیا جائے کہ شہود کا مسئلہ متفق علیہ ہے۔ ''تامل''

31257۔ (قولہ: بِالْبَيْعِ وَالتَّسْلِيمِ) یعنی جب غاصب اسے بیچ دے اور مشتری کے حوالے کر دے کیونکہ یہ استہلاک ہے۔ ''خانیہ''۔

31258۔ (قولہ: فِي الْعَقَارِ الْوَدِيعَةِ) اغلب نسخوں میں والودیعۃ عطف کے ساتھ ہے جبکہ یہ اس کا محل نہیں۔ کیونکہ جائیداد کا انکار ہے جب وہ ودیعت ہو۔

31259۔ (قولہ: بِالرُّجُوعِ عَنْ الشَّهَادَةِ) یعنی دونوں گواہ ایک آدمی کے خلاف گھر کے بارے میں گواہی دیں پھر قضا کے بعد ضمناً اس سے رجوع کر لیں۔ ''درر''۔

وَعَدَّ هٰذِهِ الثَّلَاثَةَ (وَإِذَا نَقَصَ) الْعَقَارُ (بِسُكْنَاهُ وَزِرَاعَتِهِ ضَمِنَ النُّقْصَانَ) بِالْإِجْمَاعِ فَيُعْطِي مَا زَادَ الْبَذْرُ وَصَحَّحَهُ فِي الْمُجْتَبٰى
اور ان تینوں مسائل کو شمار کیا۔ اور جائیداد کو اپنی رہائش اور کاشت کرنے کی وجہ سے نقص پہنچایا تو بالاجماع نقصان کا ضامن ہو گا اور بیج نے اس زمین کی قدر میں جو اضافہ کیا ہے وہ اسے دے دیا جائے گا۔ ''المجتبیٰ'' میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

31260۔ (قولہ: وَعَدَّ هٰذِهِ الثَّلَاثَةَ) ان تین مسائل میں ضمان ہوگی اس حیثیت سے کہ یہ تلف کرنا ہے اس حیثیت سے نہیں کہ یہ غصب ہے جس طرح ان کی تعلیل نے اس کو بیان کیا ہے ''ط''۔ ''الدر المنتقی'' میں یہ اضافہ کیا: وقف، یتیم کا مال اور جسے منافع کے حصول کے لئے تیار کیا گیا ہو۔ کیا یہ چھ چیزیں ہیں۔ ''تامل''

اگر غاصب جائیداد کو اپنی رہائش اور کاشت کرنے کی وجہ سے نقصان پہنچائے تو ضامن ہو گا

31261۔ (قولہ: ضَمِنَ النُّقْصَانَ بِالْإِجْمَاعِ) کیونکہ یہ تلف کرنا ہے بعض اوقات تلف کرنے کی وجہ سے ایسی چیز کی ضمانت دی جاتی ہے غصب کی وجہ سے جس کی ضمانت نہیں دی جاتی۔ اس کی اصل آزاد آدمی ہے۔ ''اتقانی''۔

نقصان کی تفسیر میں علما نے اختلاف کیا ہے ''نصیر بن یحییٰ'' نے کہا: یہ دیکھا جائے گا کہ یہ زمین اس استعمال سے قبل کتنی رقم سے اجرت پر لی جاتی ہے اور اس کے بعد کتنی رقم پر اجرت پر لی جاتی ہے تو درمیان میں نقصان کے اعتبار سے جتنا تفاوت ہے اس کا غاصب ضامن ہوگا۔ ''محمد بن سلمہ'' نے کہا: اس کا خرید کے اعتبار سے فرق کا اندازہ لگایا جائے گا یعنی یہ دیکھا جائے گا کہ استعمال سے قبل کتنے میں اسے بیچا جاتا ہے اور استعمال کے بعد کتنے میں بیچا جاتا ہے۔ تو درمیان میں جتنا فرق ہے وہ ہی اس کا نقصان ہے۔ پس غاصب اس کا ضامن ہوگا۔ یہی سب سے بہتر قیاس ہے۔

''حلوانی'' نے کہا: یہی صحیح ہونے کے سبب سے زیادہ قریب ہے۔ اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے جس طرح ''الکبریٰ'' میں ہے۔ کیونکہ اعتبار عین کی قیمت کا ہے منفعت کا نہیں ہے۔ پھر غاصب اپنا رأس المال اور وہ بیج ہے اور نقصان کی جو چٹی بھری ہے اور جو اس نے کھیتی پر خرچ کیا وہ لے لے گا اور زائد صدقہ کر دے گا۔ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

اگر کسی نے زمین کو غصب کیا اور اس میں دو کُر کاشت کیا تو زمین نے آٹھ کر گندم نکالی اور ایک کُر کے برابر اسے مؤنت لاحق ہوئی اور ایک کر برابر زمین کو نقصان پہنچایا تو وہ چار کُر لے لے گا اور باقی ماندہ چار کر وہ صدقہ کر دے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ کوئی شے صدقہ نہیں کرے گا۔ اس کی وضاحت ''التبیین'' میں ہے۔ ''الدر المنتقی'' میں کہا: اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ وہ اسے اپنی ضرورت کے لئے خرچ نہیں کرے گا مگر جب وہ مقید ہو جیسے غنی ہے اگر وہ تصرف کرے تو اس کی مثل صدقہ کرے گا اگر اس نے اس کے مالک کو ادا کر دیا تو خبث کے زائل ہونے کی وجہ سے وہ اس کے لئے حلال ہو چکی ہے عقود کے متکرر ہونے اور زبانوں کے بار بار استعمال ہونے کی وجہ سے وہ شے حلال نہ ہوگی۔ ''قہستانی'' نے یہ ذکر کیا ہے۔

31262۔ (قولہ: فَيُعْطِي مَا زَادَ الْبَذْرُ) تفریع غیر ظاہر ہے ''المنح'' میں ''المجتبیٰ'' سے نقل کرتے ہوئے کہا: ایک

وَعَنْ الثَّانِي مِثْلُ بَذْرِهِ وَفِي الصَّيْرَفِيَّةِ هُوَ الْمُخْتَارُ وَلَوْ ثَبَتَ لَهُ قَلْعُهُ وَتَمَامُهُ فِي الْمُجْتَبَى (كَمَا يَضْمَنُ اتِّفَاقًا (فِي النَّقْلِيِّ) مَا نَقَصَ بِفِعْلِهِ كَمَا فِي قَطْعِ الْأَشْجَارِ، وَلَوْ قَطَعَهَا رَجُلٌ آخَرُ أَوْ هَدَمَ الْبِنَاءَ

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے کہ اسے بیج کی مثل دے دیا جائے گا۔ ''صیرفیہ'' میں ہے: یہی مختار مذہب ہے۔ اگر بیج اگ آیا تو مالک کو اکھیڑ دینے کا حق ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''المجتبیٰ'' میں ہے۔ جس طرح منقولہ مغصوبہ چیز کی ضمانت دے گا جو غاصب کے عمل سے نقص واقع ہوا جس طرح درخت کاٹنے کا معاملہ ہے۔ اگر اسے کسی اور آدمی نے درخت کاٹے یا عمارت کو گرادیا

آدمی نے دوسرے کی زمین کاشت کی اور کھیتی اگ آئی تو مالک کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اسے کھیتی اکھیڑنے کا حکم دے۔ اگر وہ اکھیڑنے سے انکار کر دے تو مالک خود اس کو اکھیڑ دے اور کھیتی اگنے سے پہلے زمین کو چھوڑ دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اگ آئے تو وہ اس کے اکھیڑ لینے کا حکم دے گا یا بیج نے زمین کی قدر میں جس قدر اضافہ کیا ہے وہ اسے دے دے گا۔ پس وہ غیر کے بیج سے کاشت کی گئی کی حیثیت سے اس کی قیمت لگائی جائے گی جسے اکھیڑنے کا حق ہوگا اور اس میں بیج کے بغیر اس کی قیمت لگائی جائے گی تو درمیان میں جو زیادتی ہوگی وہ غاصب کو دے دی جائے گی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے کہ اس کے بیج کی مثل اسے دے گا۔ پہلا قول اصح ہے۔

31263۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِي الْمُجْتَبَى) یعنی جو قول گزر چکا ہے اس کے بعد کہا: اگر اس نے اس زمین کو دو شریکوں میں سے ایک شریک نے کاشت کیا جب کہ اپنے ساتھی سے اجازت نہ لی تھی اس کے ساتھی نے اسے نصف بیج دے دیا تا کہ کھیتی دونوں کے درمیان نصف نصف ہو جائے جبکہ یہ اگنے سے پہلے ہو تو یہ جائز نہ ہوگا اور اس کے بعد جائز ہوگا۔ اگر اس نے اپنے حصہ کی کھیتی اکھیڑ لینے کا ارادہ کیا تو اس کے ساتھ زمین کو تقسیم کرے گا اور اپنا حصہ اکھیڑے گا اور کاشت کرنے والا اکھیڑنے کی وجہ سے جو زمین کا نقصان ہوا ہے اس کی ضمانت دے گا ہمارے استاذ نے فرمایا: صحیح کھیتی کا نقصان ہے۔ جس طرح ''قدوری'' نے اپنی شرح میں کہا ہے۔ ''شیخ خیر الدین'' نے کہا ہے: ظاہر یہ ہے کہ صحیح پہلا قول ہے جس طرح کہ وہ مروی ہے۔ کیونکہ فصل پکنے سے پہلے کھیتی کو اکھیڑنے سے زمین کا نقصان ہوا ہے کیونکہ وہ اس سال کے کامل منافع سے کمزور ہو جائے گی۔ جس طرح مشاہدہ کیا جاتا ہے جہاں تک دوسرے قول کا تعلق ہے تو اس کی کوئی وجہ نہیں۔

31264۔ (قولہ: بِفِعْلِهِ) ''ہدایہ'' کی عبارت ہے: بفعلہ او بفعل غیرہ۔ ''اتقانی'' نے کہا: کیونکہ محض غصب کرنے سے اس پر ضمانت ہوگی۔ پس کوئی فرق نہیں ہوگا کہ وہ اس کے فعل سے ہلاک ہو یا کسی اور کے فعل سے ہلاک ہو۔ اسی وجہ سے اس پر غصب کے دن کی قیمت واجب ہوگی اور ان کا قول: او بغیر فعلہ یہ ''ہدایہ'' کے قول: اجر بفعل غیرہ سے عام ہے۔ کیونکہ یہ کانا ہونے، شل ہونے اور بہرہ ہونے کو شامل ہے کیونکہ اس کی بھی ضمانت ہوگی جس طرح ''مسکین'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

ضَمِنَ هُوَلَا الْغَاصِبُ (كَمَا لَوْغَصَبَ عَبْدًا وَآجَرَهُ

تو وہ ضامن ہوگا غاصب ضامن نہیں ہوگا جس طرح اگر وہ کسی غلام کو غصب کرے اور اسے اجرت پر دے دے

31265۔ (قولہ: ضَمِنَ هُوَلَا الْغَاصِبُ) ''جامع الفصولین'' میں اسی طرح ہے۔ یہ مناسب ہے۔ کیونکہ اس کو: اولا بفعلہ کے ساتھ مقید کیا ہے لیکن اس میں جو ضعف ہے تو اسے پہچان چکا ہے۔ ''سائحانی'' نے کہا: جو ''مقدسی'' میں ہے اگر نقص غیر کے فعل سے واقع ہو تو مالک کو اختیار دیا جائے گا کہ غاصب سے ضمانت لے اور وہ جانی سے واپس لے یا جنایت کرنے والے سے ضمانت لے اور وہ کسی سے واپس نہیں لے گا۔ ''طحطاوی'' نے ''ہندیہ'' سے نقل کیا ہے: ''جوہرۃ'' میں ہے: اگر کسی اور کے فعل سے نقصان ہو تو اس سے مطالبہ کرے گا جو اس نے ضمانت دی۔ کیونکہ غصب نے اس پر ضمانت کو ثابت کیا تو اس کے لئے ممکن تھا کہ عین واپس کر کے اس سے خلاصی پا سکتا تھا۔

میں کہتا ہوں: یہ جواب دینا ممکن ہے کہ اگر ضمان کا دارومدار جنایت کرنے والے پر ہو تو جنایت کرنے والا ضمانت دے گا غاصب ضمانت نہیں دے گا پس جو قول گزرا ہے یہ اس کے منافی نہیں۔ ''فتدبر''

نقصان کی انواع

نقصان کی چار انواع ہیں: بھاؤ نیچے آجائے، عین کے اجزاء فوت ہو جائیں، ایسا وصف فوت ہو جائے جس میں رغبت ہو جیسے قوت سماعت، قوت بصارت، ہاتھ اور کان یہ غلام میں ہیں، سونے میں بناوٹ، گندم میں خشکی اور کوئی معنی جو مرغوب ہو اس کا فوت ہو جانا۔

1۔ یہ تمام احوال میں ضمانت کو واجب نہیں کرتا جب عین کو غصب کی جگہ واپس کر دے۔

2۔ یہ تمام احوال میں ضمان کو واجب کرے گا۔

3۔ ربا کے احوال کے علاوہ میں ضمان کو واجب کرے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ گندم کو غصب کرے اور وہ اس کے ہاں بدبودار ہو جائے یا چاندی کا برتن غصب کرے تو وہ اس کے قبضہ میں ٹوٹ جائے تو اس کے مالک کو اختیار ہوگا۔ اگر چاہے تو وہی چیز لے لے اور اس کے لئے کوئی اور شے نہ ہوگی۔ اگر چاہے تو اس کو ترک کر دے اور اس کی مثل کی ضمانت لے لے ایسا ربا سے بچتے ہوئے کرے۔

4۔ عین میں مرغوب فیہ معنی کا فوت ہو جانا جیسے غلام جو حرفہ جانتا ہو جب وہ غاصب کے قبضہ میں حرفہ کو بھول جائے یا وہ جوان تھا اور غاصب کے قبضہ میں بوڑھا ہو جائے یہ بھی ضمان کو واجب کرے گا۔ یہ اس صورت میں ہے جب نقصان قلیل ہو مگر جب نقصان کثیر ہو تو مالک کو اختیار ہوگا کہ وہ اسے لے لے اور اسے چھوڑ دے ساتھ ہی اس کی تمام قیمت لے لے۔ عنقریب تو دونوں میں حد فاصل کو فرق یسیر اور فرق فاحش کے مسئلہ میں پہچان لے گا۔ ''مسکین''۔

فَنَقَصَ فِي هَذِهِ الْإِجَارَةِ بِالِاسْتِعْمَالِ وَهَذَا سَاقِطٌ مِنْ نُسَخِ الشَّارِحِ لِدُخُولِهِ تَحْتَ قَوْلِهِ (وَإِنْ اسْتَغَلَّهُ) فَنَقَصَهُ الِاسْتِغْلَالُ أَوْ آجَرَ الْمُسْتَعَارَ وَنَقَصَ ضَمِنَ النُّقْصَانَ وَ (تَصَدَّقَ بِ) مَا بَقِيَ مِنْ (الْغَلَّةِ) وَالْأُجْرَةِ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ كَذَا فِي الْمُلْتَقَى

تو اس اجارہ کی مدت میں کام لینے کی وجہ سے غلام میں نقص پیدا ہو گیا تو ضمانت دے گا۔ یہ شرح کے نسخوں سے ساقط ہے۔ کیونکہ ان کے قول: وان استغلہ کے تحت داخل ہے۔ اگر اسے کرایہ پر دیا اور کرایہ پر دینے کے عمل نے اس میں نقص پیدا کر دیا یا مستعار چیز کو اجرت پر دیا اور اس میں نقص واقع ہوا تو یہ نقصان کا ضامن ہوگا۔ اور کرایہ اور اجرت میں سے جو چیز باقی ہے وہ اسے صدقہ کر دے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ''الملتقی'' میں اسی طرح ہے۔

31266۔ (قولہ: فِي هَذِهِ الْإِجَارَةِ) جو ''المنح'' میں ہے وہ یہ ہے: فی مدۃ الاجارۃ یہ احسن ہے۔

31267۔ (قولہ: مِنْ نُسَخِ الشَّارِحِ) یعنی متن جس میں شرح کی آمیزش ہے۔

31268۔ (قولہ: لِدُخُولِهِ) اس کا دخول ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ ''المنح'' کے نسخوں میں ہے: اگر اس نے اس کا کرایہ لیا یا منافع حاصل کئے تو جو نقصان واقع ہوا اس کی ضمانت دے گا اور کرایہ کو صدقہ کر دے گا۔ شارح نے نقصان کی ضمانت کو شرح میں ذکر کیا ہے متن میں ذکر نہیں کیا جیسا ہم نے ان کے جتنے بھی نسخے پائے ہیں۔

31269۔ (قولہ: ضَمِنَ النُّقْصَانَ) یہ جز کے فوت کے اعتبار سے ہے بھاؤ کے اعتبار سے نہیں ہے مراد ربا کے علاوہ چیزیں ہیں کیونکہ اس میں یہ ممکن نہیں ساتھ ہی اصل کو واپس لیا جائے کیونکہ یہ ربا کی طرف لے جاتا ہے۔ ''جوہرہ''۔

31270۔ (قولہ: وَتَصَدَّقَ الخ) اس کی اصل یہ ہے کہ کرایہ ہمارے نزدیک غاصب کے لئے ہوگا۔ کیونکہ منافع کی قیمت عقد سے ہوتی ہے اور عاقد وہی غاصب ہے جس نے عبد کے منافع کو عقد کے ساتھ مال بنا دیا ہے۔ پس وہ اس کے بدل کا زیادہ حقدار ہوگا اور اس کے صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا کیونکہ وہ انہیں خبیث بدل سے حاصل کر رہا ہے اور وہ غیر کے مال میں تصرف کرنا ہے۔ ''درر''۔

اگر مغصوبہ چیز ہلاک ہو جائے تو غاصب ضمانت کی ادائیگی میں منافع سے مدد لے سکتا ہے

31271۔ (قولہ: بِ مَا بَقِيَ) اس کلام کے ساتھ متن کی عبارت جیسے ''کنز'' ہے کو اس کے ظاہر سے خارج کیا ہے۔ کیونکہ ''زیلعی'' نے کہا: اس نے جو ضمانت دی ہے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس سے جو زائد منافع ہیں ان کو صدقہ کر دے نہ کہ تمام منافع اور کرایہ صدقہ کر دے اگرچہ اسے بحث کے طور پر ذکر کیا ہے۔ لیکن ''الملتقی'' کے متن میں جزم کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ منقول ہے اور ''ملتقی'' معتبر متون میں سے ہے۔ یہ امر ذہن نشین کر لو۔ ''زیلعی'' نے کہا: جب غاصب مغصوبہ چیز کے منافع حاصل کر چکا اس کے بعد وہ چیز اس کے قبضہ میں ہلاک ہو گئی تو اسے حق حاصل ہے کہ وہ ضمانت کی ادائیگی میں منافع سے مدد لے۔ کیونکہ خبث مالک کی وجہ سے تھا پس وہ ضمان کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا۔ اگر غاصب نے اسے

لَكِنْ نَقَلَ الْمُصَنِّفُ عَنِ الْبَزَّازِيَّةِ أَنَّ الْغَنِيَّ يَتَصَدَّقُ بِكُلِّ الْغَلَّةِ فِي الصَّحِيحِ (كَمَا لَوْ تَصَرَّفَ فِي الْمَغْصُوبِ وَالْوَدِيعَةِ) بِأَنْ بَاعَهُ (وَرَبِحَ) فِيهِ (إذَا كَانَ) ذَلِكَ (مُتَعَيِّنًا بِالْإِشَارَةِ أَوْ بِالشِّرَاءِ بِدَرَاهِمِ الْوَدِيعَةِ أَوْ الْغَصْبِ وَنَقْدِهَا) يَعْنِي يَتَصَدَّقُ بِرِبْحٍ

لیکن مصنف نے "بزازیہ" سے نقل کیا ہے کہ غنی تمام منافع کو صدقہ کر دے گا۔ یہ صحیح قول ہے۔ جس طرح اگر وہ مغصوبہ چیز اور ودیعت میں تصرف کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اسے بیچ دے اور اس میں نفع کمائے جب وہ چیز اشارہ کے ساتھ متعین ہو یا خرید نے کیساتھ متعین ہو جائے جسے ودیعت یا غصب کے دراہم کے ساتھ خریدا ہو اور نقد ادا کر دے یعنی اس نفع کو صدقہ کر دے

بیچ دیا اور وہ ہلاک ہو گیا تو معاملہ مختلف ہوگا۔ مالک مشتری سے اس کی قیمت کی ضمانت لے گا اور وہ مشتری غاصب سے ثمن کا مطالبہ کرے گا وہ ثمن کی ادائیگی میں منافع سے مدد نہیں لے گا۔ کیونکہ مشتری مالک نہیں مگر جب غاصب فقیر ہو ملخص۔ پس یہ خلاصہ سامنے آ گیا کہ نقصان اور ہلاک ہونے میں کوئی فرق نہیں کہ وہ منافع سے مدد لے گا اور باقی ماندہ صدقہ کر دے گا۔

31272۔ (قولہ: لَكِنْ نَقَلَ الْمُصَنِّفُ الخ) یہ ان کے قول: وتصدق بما بقی کے اطلاق سے استدراک ہے۔ کیونکہ وہ فقیر کے ساتھ مقید ہے۔ کیونکہ "بزازیہ" میں ہے: غاصب جب مغصوبہ چیز کو اجرت پر دے تو اجرت غاصب کے لئے ہوگی اگر اس عمل سے مغصوب تلف ہو جائے یا مغصوب تلف ہو جائے مگر اس عمل سے تلف نہ ہو اور مالک غاصب سے ضمانت لے تو ضمان کی ادائیگی میں وہ اجرت سے مدد لے سکتا ہے اور باقی ماندہ صدقہ کر دے جب وہ فقیر ہو۔ جب وہ غنی ہو تو اسے حق حاصل نہیں کہ اس کے کرایہ اور منافع سے ضمانت ادا کرنے میں مدد لے۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے۔ یہ "زیلعی" کی عبارت کے مساوی ہے۔ ہماری گفتگو نقصان کے بارے میں ہے جبکہ یہ ہلاک ہونے کے بارے میں ہے۔ ظاہر فرق کا نہ ہونا ہے پس استدراک صحیح ہوگا۔ فافہم

31273۔ (قولہ: الْوَدِيعَةِ) یعنی مالک کی اجازت کے بغیر۔

31274۔ (قولہ: إذَا كَانَ ذَلِكَ مُتَعَيِّنًا بِالْإِشَارَةِ) یہ سامان تجارت کی طرح ہے۔ پس اس کے لئے نفع حلال نہیں اگرچہ قیمت کی ضمانت کے بعد ہو۔ "زیلعی" نے کہا: اگر وہ ان چیزوں میں سے ہو جو متعین ہو جاتی ہیں تو جب تک قیمت کی ضمانت نہ دے دے اس سے دینا حلال نہیں اس کے بعد حلال ہے مگر جو قیمت کی مقدار سے زائد ہو وہ نفع ہے یہ اس کے لئے حلال نہیں اور وہ اسے صدقہ کر دے۔ "قہستانی" میں ہے: اس کے لئے جائز ہے کہ وہ مالک کو ضمان ادا کر دے اور خبث کے زائل ہونے کی وجہ سے نفع لینا حلال ہے۔

31275۔ (قولہ: أَوْ بِالشِّرَاءِ) یہاں عطف کا کوئی محل نہیں۔ اسی وجہ سے "طحطاوی" نے کہا: زیادہ مختصر اور زیادہ واضح یہ قول کرنا ہے: او غیر متعین و نقدہ۔

31276۔ (قولہ: يَعْنِي يَتَصَدَّقُ بِرِبْحٍ) یہ اس تشبیہ کی تفسیر ہے جو اس قول: کما لو تصرف میں ہے اور مابعد واضح

حَصَلَ فِيهِمَا إِذَا كَانَا مِمَّا يَتَعَيَّنُ بِالْإِشَارَةِ وَإِنْ كَانَا مِمَّا لَا يَتَعَيَّنُ فَعَلَى أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ فَإِنْ أَشَارَ إِلَيْهَا وَنَقَدَهَا فَكَذَلِكَ يَتَصَدَّقُ (وَإِنْ أَشَارَ إِلَيْهَا وَنَقَدَ غَيْرَهَا أَوْ) أَشَارَ (إِلَى غَيْرِهَا) وَنَقَدَهَا (أَوْ أَطْلَقَ) وَلَمْ يُشِرْ (وَنَقَدَهَا لَا) يَتَصَدَّقُ فِي الصُّوَرِ الثَّلَاثِ عِنْدَ الْكَرْخِيِّ قِيلَ (وَبِهِ يُفْتَى)

جو ان دونوں میں حاصل ہوا جب یہ مغصوبہ اور ودیعت ان چیزوں میں سے ہو جو اشارہ کے ساتھ متعین ہو جاتی ہیں۔ اگر وہ ان چیزوں میں سے ہو جو متعین نہیں ہوتیں تو اس کی چار صورتیں ہیں: اگر اس کی طرف اشارہ کرے اور نقد دے دے تو صدقہ کر دے، اگر ان کی طرف اشارہ کرے اور کوئی اور چیز نقد دے یا کسی اور کی طرف اشارہ کرے اور وہ نقد دے دے یا کلام مطلق ذکر کرے اور اشارہ نہ کرے اور نقد دے دے تو پہلی تین صورتوں میں وہ صدقہ کرے۔ یہ امام ''کرخی'' کے نزدیک ہے۔ ایک قول یہ کیا ہے: اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

ترین عبارت کے ساتھ بیان ہے۔

31277۔ (قولہ: فَعَلَى أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ) ''تاتر خانیہ'' میں ''المحیط'' سے پانچویں صورت کا اضافہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ بائع کو دے پھر خریدے اس کا حکم ہے کہ حکم کی طرح ہے۔

31278۔ (قولہ: فَكَذَلِكَ يَتَصَدَّقُ) کیونکہ اس کی طرف اشارہ تعیین کا فائدہ نہیں دیتا۔ پس اس کا وجود اور اس کا عدم برابر ہیں مگر جب اس میں سے نقد ادا کرنے کے ساتھ متعین ہو جائے۔ ''زیلعی''۔

31279۔ (قولہ: أَوْ أَطْلَقَ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے ہزار دراہم سے اسے خریدا اور غصب یا ودیعت کے دراہم سے نقد ادا کر دیئے۔ ''عزمیہ''۔

''تاتر خانیہ'' میں ''ذخیرہ'' سے مروی ہے: جب وہ مطلق کلام کرے اور اشارہ نہ کرے۔ جب ان میں سے نقد ادا کرنے کی نیت کرے تو یہ اس حقیقت سے خالی نہ ہوگی اگر اپنی نیت کو ثابت کیا اور ان میں سے نقد دے دیئے تو اصح یہ ہے کہ یہ حلال نہ ہوں گے۔ اگر وہ اپنی نیت کو ثابت نہ کرے تو اس کے لئے حلال ہوگا۔ کیونکہ محض عزم کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اگر وہ نیت نہ کرے پھر ان میں سے نقد دے دے تو نفع حلال ہوگا۔ ''حلوانی'' نے کہا: نفع حلال و پاکیزہ ہوگا جب وہ یہ نیت کرے کہ ان میں سے نقد نہیں دے گا۔ پھر اس کے لئے امر ظاہر ہو تو وہ نقد دے دے مگر جب ان میں سے نقد دینے کی نیت کرے جبکہ اسے علم ہے کہ وہ نقد نہیں دے گا تو حلال نہیں ہوگا۔ ملخص۔

''بزازیہ'' میں ہے: امام ''کرخی'' کے قول پر فتویٰ ہے۔ اور فتویٰ میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں پھر جو قول گزرا ہے اسے دیانت کے حکم پر محمول کیا ہے۔

31280۔ (قولہ: قِيلَ وَبِهِ يُفْتَى) یہ ''ذخیرہ'' وغیرہ میں قول کیا ہے جس طرح ''قہستانی'' میں ہے۔ ''غرر''، ''مختصر الوقایہ'' اور ''الاصلاح'' میں اسی پر گامزن ہوئے ہیں۔ ''یعقوبیہ'' میں اسے ''محیط'' سے نقل کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شارح

وَالْمُخْتَارُ أَنَّهُ لَا يَحِلُّ مُطْلَقًا كَذَا فِي الْمُلْتَقَى وَلَوْ بَعْدَ الضَّمَانِ هُوَ الصَّحِيحُ كَمَا فِي فَتَاوَى النَّوَازِلِ وَاخْتَارَ بَعْضُهُمُ الْفَتْوَى عَلَى قَوْلِ الْكَرْخِيِّ فِي زَمَانِنَا لِكَثْرَةِ الْحَرَامِ وَهَذَا كُلُّهُ عَلَى قَوْلِهِمَا وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَا يَتَصَدَّقُ بِشَيْءٍ مِنْهُ كَمَا لَوِ اخْتَلَفَ الْجِنْسُ ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ فَلْيُحْفَظْ

مختار مذہب یہ ہے کہ مطلقاً حلال نہیں۔ ''الملتقی'' میں اسی طرح ہے اگر چہ ضمان کے بعد ہو۔ یہی قول صحیح ہے جس طرح ''فتاویٰ نوازل'' میں ہے۔ بعض علمانے ہمارے زمانہ میں امام ''کرخی'' کے قول پر فتویٰ دینے کو پسند کیا ہے۔ کیونکہ حرام کثرت سے وقوع پذیر ہو رہا ہے۔ یہ سب طرفین کے قول کے مطابق ہے۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں سے کوئی شے صدقہ نہ کی جائے گی جس طرح اگر جنس مختلف ہو۔ اسے ''زیلعی'' نے ذکر کیا ہے پس اسے یاد رکھا جانا چاہئے۔

اس پر راضی نہیں ہوئے تو اسے قیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ کیونکہ ''ہدایہ'' میں ہے: ہمارے مشائخ نے کہا ہے: ضمانت دینے سے قبل یہ حلال نہیں۔ اسی طرح ضمان کے بعد بھی ہر حال میں یہی حکم ہے۔ یہی قول مختار ہے۔ کیونکہ ''جامعین'' اور ''مبسوط'' کی کتاب المضاربہ میں جواب مطلق ہے۔ ''وانی علی الدرر''۔

''زیلعی'' نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں سے نقد ادا کرنے سے یہ مستفاد ہوا کہ جس چیز کو خریدا گیا وہ ملامت ہے۔ اور اشارہ سے یہ مستفاد ہوا کہ عقد جائز ہے۔ کیونکہ قدر اور وصف کے حق میں عقد اسی سے متعلق ہے۔ پس خبیث سبب کے ساتھ ملکیت حاصل ہونے میں حرمت کا شبہ ثابت ہوتا ہے۔

31281۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی چاروں وجوہ میں۔

31282۔ (قولہ: وَاخْتَارَ بَعْضُهُمُ الخ) یہ ''زیلعی'' کے کلام میں سے ہے۔ عبارت کا آخر ان کی طرف منسوب ہے اگر چہ جو قول گزر چکا ہے اس سے یہ معلوم ہو چکا ہے تب ہی اس قول کو لائے ہیں تا کہ یہ تعبیر اس امر کا شعور دلائے کہ ان کا نفی پر اعتماد نہ کرنا یہ قیل کے ساتھ تعبیر کرنے کی تائید ہے جبکہ یہ اس کے مخالف ہے جسے مصنف نے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لیکن یہ امر مخفی نہیں کہ یہ دونوں قول ایسے ہیں جن کی تصحیح کی گئی ہے۔

نفع جنس کے متحد ہونے اور تقلب سے واضح ہوتا ہے

31283۔ (قولہ: كَمَا لَوِ اخْتَلَفَ الْجِنْسُ) ''زیلعی'' نے کہا: یہ اختلاف ان میں اس صورت میں ہے جب تقلب کے ساتھ یہ اس جنس سے ہو جائے جس کی اس نے ضمانت دی تھی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے مثلاً دراہم کی صورت میں ضمانت دی اور وہ اس کے قبضہ میں مضمون کا بدل دراہم ہو جائے اگر وہ طعام یا سامان ہو تو بالاجماع اس پر صدقہ کرنا واجب نہیں۔ کیونکہ نفع جنس کے متحد ہونے سے واضح ہوتا ہے اور تقلب سے جب وہ اس جنس سے نہ ہو جس کی ضمانت دی تھی تو نفع ظاہر نہیں ہوگا۔ پھر کہا یہاں دراہم اور دنانیر ایک جنس ہیں یہ ثمن ہونے کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے یا دو جنس ہیں؟ کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہئے۔ ''رحمتی''۔

(فَإِنْ غَصَبَ وَغَيَّرَ الْمَغْصُوبَ

اگر ایک آدمی نے کوئی چیز غصب کی اور مغصوبہ چیز میں تبدیلی کر دی

میں کہتا ہوں: میں نے ''طوری'' میں ''المحیط'' سے دیکھا ہے: اگر اس نے مغصوبہ دراہم کے بدلے میں کھانا خریدا تو اس کا لینا حلال ہے۔ اگر اس نے ان دراہم کے بدلے میں دنانیر خریدے تو اس کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ وہ ان میں تصرف کرے۔ اس پر یہ واجب ہوگا کہ وہ ان کو رد کر دے۔ کیونکہ کھانے کی بیع دراہم کے استحقاق کے ساتھ نہیں ٹوٹتی۔ کیونکہ اس پر یہ واجب ہوتا ہے کہ ان کی مثل لوٹا دے نہ کہ اس کا عین لوٹا دے۔ اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ یہ دونوں ایک جنس ہیں۔ کیونکہ اس نے ان کو واپس لوٹانے کو واجب کیا ہے جبکہ مغصوبہ چیز دراہم ہیں۔ یہ وہ چیز ہے جسے ''عمادیہ'' کے قول پر زائد کیا گیا ہے۔ دنانیر سات مواقع میں دراہم کے قائم مقام ہوتے ہیں جس طرح باب البیع الفاسد میں گزر چکا ہے۔ ''طوری'' میں بھی ہے: اگر اس نے مغصوبہ کپڑے کے بدلے میں ایک لونڈی خریدی تو اس پر اس لونڈی سے وطی کرنا حرام ہوگا یہاں تک کہ وہ کپڑے کی قیمت اس کے مالک کو دے دے اگر وہ اس لونڈی کو دراہم کے بدلے میں خریدے تو اس سے وطی کرنا حلال ہے۔ کیونکہ کپڑے کا کوئی اور مستحق ہے۔ اس وجہ سے یہ عقد فاسد ہے۔ کیونکہ بیع اس کے عین کے ساتھ متعلق ہے دراہم کے ساتھ متعلق نہیں۔ اگر ایک آدمی نے کسی عورت سے کپڑے کے عوض شادی کی تو اس کے لئے اس عورت کے ساتھ وطی کرنا حلال ہے کیونکہ نکاح نہیں ٹوٹتا جب مہر کا کوئی اور مستحق نکل آئے۔

''الملتقی'' اور اس کی شرح میں ہے: اگر ایک آدمی نے ہزار، جو غصب کے تھے یا ودیعت کے تھے، کے بدلے میں ایک ہی لونڈی خرید لی جو دو ہزار کے برابر تھی تو اس نے وہ لونڈی ہبہ کر دی یا کھانا خریدا اور اسے کھا لیا یا دونوں میں سے ایک کے بدلے میں ایک عورت سے شادی کر لی یا لونڈی کو حرم میں داخل کر لیا یا کپڑا خرید لیا تو انتفاع حلال ہوگا اور وہ کوئی شے صدقہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ حرمت جنس کے متحد ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس کی مثل ''قہستانی'' میں ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''حموی'' سے وہ ''صدر الاسلام'' سے نقل کرتے ہیں: صحیح یہ ہے نہ اس کے لئے کھانا حلال ہے اور نہ ہی اس کے ساتھ وطی کرنا حلال ہے کیونکہ نوع میں خبث کی نوع موجود ہے۔ ''فیتامل''

31284۔ (قولہ: وَغَيَّرَ الْمَغْصُوبَ) اس میں تصرف کرنے کے ساتھ اس میں تبدیلی کر دی۔ یہ اس صبی سے احتراز ہے جس کو اس نے غصب کیا تھا۔ پس وہ اس کے پاس داڑھی والا ہو گیا کیونکہ وہ اسے ضمان کے بغیر لے گا۔ ''قہستانی''۔

اس کی مثل ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔ اس میں ہے: اگر ایک آدمی نے لونڈی غصب کی جس کے پستان ابھرے ہوئے تھے تو اس کا ایک پستان اس کے ہاں خراب ہو گیا یا ایک حرفہ والا غلام غصب کیا تو وہ غلام غاصب کے پاس اس حرفہ کو بھول گیا تو وہ نقصان کا ضامن ہوگا۔ اس کی مثل وہ ہے جسے آخر میں ''وہبانیہ'' سے ذکر کریں گے۔ ''تامل''

''الدرر'' میں ہے: انگور خود بخود کشمش بن گیا یا تر کھجوریں چھوہارے بن گئے مالک وہ لے لے گا یا انہیں چھوڑ دے گا اور

(فَزَالَ اسْمُهُ وَأَعْظَمُ مَنَافِعِهِ) أَيْ أَكْثَرُ مَقَاصِدِهِ احْتِرَازًا عَنْ دَرَاهِمَ فَسَبَكَهَا بِلَا ضَرْبٍ فَإِنَّهُ وَإِنْ زَالَ اسْمُهُ لَكِنْ يَبْقَى أَعْظَمُ مَنَافِعِهِ وَلِذَا لَا يَنْقَطِعُ حَقُّ الْمَالِكِ عَنْهُ كَمَا فِي الْمُحِيطِ وَغَيْرِهِ فَلَمْ يَكُنْ زَوَالُ الِاسْمِ مُغْنِيًا عَنْ أَعْظَمِ مَنَافِعِهِ كَمَا ظَنَّهُ مُنْلَا خُسْرُو وَغَيْرُهُ (أَوْ اخْتَلَطَ) الْمَغْصُوبُ (بِمِلْكِ الْغَاصِبِ

اور اس کا اسم اور اس کے اکثر مقاصد زائل ہو گئے یہ دراہم سے احتراز کی بنا پر ہے یعنی دراہم کو ڈھال دیا اور مہر نہ لگائی اگرچہ دراہم سے ان کا اسم زائل ہو چکا ہے۔ لیکن اس کے اکثر منافع باقی ہیں اسی وجہ سے اس سے مالک کا حق منقطع نہیں ہوگا جس طرح ''المحیط'' وغیرہ میں ہے۔ پس اسم کا زوال اس کے اکثر منافع سے غنی کرنے والا نہیں جس طرح ''منلا خسرو'' وغیرہ نے اس کا گمان کیا ہے۔ یا مغصوبہ چیز غاصب کی ملک کے ساتھ خلط ملط ہو جائے

ضمانت لے لے گا۔

31285۔ (قولہ: فَزَالَ اسْمُهُ) یہ اس سے احتراز ہے کہ کاغذ غصب کیا اور اس پر کوئی چیز لکھ دی یا روئی تھی تو اس کو سوتر بنا دیا یا دودھ تھا تو اسے دہی بنا دیا یا رس تھا تو اسے سرکہ بنا دیا تو اس سے مالک کا حق منقطع نہیں ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مالک کا حق منقطع ہو جاتا ہے۔ ''قہستانی'' نے ''المحیط'' سے نقل کیا ہے: اور اس سے احتراز کیا ہے جب وہ ایک بکری غصب کرے اور اسے ذبح کر دے۔ کیونکہ مالک کی ملکیت محض ذبح کرنے سے زائل نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ جملہ کہا جاتا ہے: شاۃ مذبوحۃ۔ ''درر''۔

31286۔ (قولہ: فَسَبَكَهَا) اس کا عطف محذوف کلام پر ہے یعنی غصبها و سبكها۔

31287۔ (قولہ: بِلَا ضَرْبٍ) ''السراج'' میں یہی قید لگائی ہے۔ اگر دراہم ڈھالنے کے بعد اس نے پھر دراہم بنا دیئے تو بدرجہ اولیٰ ملکیت منقطع نہ ہوگی خواہ وہ پہلے دراہم جیسے ہوں یا پہلے دراہم جیسے نہ ہوں۔ پس اس کی وضاحت کرو۔ ''ط''۔

31288۔ (قولہ: لَكِنْ يَبْقَى أَعْظَمُ مَنَافِعِهِ) یعنی انہیں ثمن بنانا اور ان سے زینت حاصل کرنا ممکن ہے۔ ''ط''۔

31289۔ (قولہ: مُغْنِيًا عَنْ أَعْظَمِ مَنَافِعِهِ) یعنی اس لفظ سے غنی کرنے والا۔

31290۔ (قولہ: وَغَيْرُهُ) اس سے مراد ''صاحب العنایہ'' ہے۔ کیونکہ اس قید کو ''الکفایہ'' میں اس حنطہ سے احتراز قرار دیا ہے جس کو اس نے غصب کیا تھا اور اسے پیس دیا تھا کہا: کیونکہ وہ مقاصد جو عین حنطہ سے متعلق ہیں جیسے اسے ہریسہ وغیرہ بنانا وہ مقاصد پیسنے سے زائل ہو جاتے ہیں۔ ''العنایہ'' میں کہا: ''الدرر'' میں اس کی پیروی کی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ تاکید ہے۔ کیونکہ ان کا قول زوال اسمہ اسے عام ہے۔ کیونکہ جب وہ اسے پیستا ہے تو وہ دقیق ہو جاتا ہے حنطہ نہیں رہتا۔ شارح نے جو محترز کے بیان اور اعتراض کو ذکر کیا ہے وہ ''قہستانی'' سے ماخوذ ہے۔

31291۔ (قولہ: بِمِلْكِ الْغَاصِبِ) اسی طرح کسی دوسری مغصوبہ چیز کے ساتھ مل جائے۔ کیونکہ ''تاتر خانیہ'' میں ''ینابیع'' سے مروی ہے: دو میں سے ہر ایک سے ایک ہزار غصب کیا پس ان دونوں کو ملا دیا تو اس کے لئے گنجائش نہیں کہ ان

بِحَيْثُ يَمْتَنِعُ امْتِيَازُهُ) كَاخْتِلَاطِ بُرِّهِ بِبُرِّهِ (أَوْ يُمْكِنُ بِحَرَجٍ) كَبُرِّهِ بِشَعِيرِهِ (ضَمِنَهُ وَمَلَكَهُ بِلَا حِلِّ انْتِفَاعٍ قَبْلَ أَدَاءِ ضَمَانِهِ) أَيْ رِضَا مَالِكِهِ بِأَدَاءٍ أَوْ إِبْرَاءٍ

اس طرح کہ اس کا امتیاز ممتنع ہوجائے جس طرح کہ غصب کی گندم اس کی گندم کے ساتھ مل جائے یا الگ کرنا ممکن تو ہو مگر حرج کے ساتھ جیسے غصب کی گندم اس کے اپنے جووں کے ساتھ مل جائے وہ اس کی ضمانت دے گا اور اس کا مالک ہوجائے گا مگر ضمانت کی ادائیگی سے پہلے اس سے نفع حاصل کرنا حلال نہیں یعنی جب تک مالک راضی نہ ہو ادا کے ساتھ، بری کرنے کے ساتھ

دونوں کے ساتھ کوئی کھانے والی شے خریدے اور اسے کھائے اس نے جو چیز خریدی ہے اس کو کھانا حلال نہیں یہاں تک کہ اس کا عوض ادا کردے۔

اس میں ''المنتقی'' سے مروی ہے: اس کے پاس ستو ہے اور دوسرے کے پاس گھی ہے تو وہ دونوں آپس میں ٹکرائے تو گھی اس کے ستو میں بہہ گیا تو وہ گھی کی مثل کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے اسے جان بوجھ کر ہلاک کیا ہے دوسرے نے اسے ہلاک نہیں کیا۔ کیونکہ یہ ستو کی قدر میں اضافہ ہے۔ اس میں ''الخانیہ'' سے مروی ہے: ایک کی نورہ (پاؤڈر) دوسرے کے آٹے میں مل گئی جب کسی کے عمل کا کوئی حصہ نہیں تو ملی ہوئی چیز کو بیچ دیا جائے گا اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو اس کی قیمت کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا کیونکہ دونوں میں سے کوئی ایک بھی نقصان کو واجب کرنے میں اولیٰ نہیں۔

31292۔(قولہ: كَبُرِّهِ بِشَعِيرِهِ) یعنی غاصب کی گندم غصب کے جو کے ساتھ یا اس کے برعکس مل گئی۔

31293۔(قولہ: ضَمِنَهُ وَمَلَكَهُ) اسے ضمان دے گا تو یہ تعدی کی وجہ سے واجب ہوگی۔ جہاں ملک کا تعلق ہے تو یہ تبدیل ہوجانے اور اسم کے زائل ہونے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اس نے ایسا نیا عمل کیا ہے جو قیمت والا ہے اور اختلاط کی صورت میں تا کہ دونوں بدل مغصوب منہ کی ملک میں جمع نہ ہوجائیں۔

تتمہ

ہر وہ جگہ جس میں مالک کا حق منقطع ہوجائے تو جس سے وہ چیز غصب کی گئی تھی وہ دوسرے غرما کی بنسبت اس کا زیادہ مستحق ہوگا یہاں تک کہ وہ اپنا پورا پورا حق لے لے اگر وہ ضائع ہوجائے تو غاصب کے مال سے ضائع ہوگا۔ ''ابو سعود'' نے ''حموی'' سے اور وہ ''تاتر خانیہ'' سے روایت نقل کرتے ہیں۔ ''بزازیہ'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے: یہ رہن کے قائم مقام نہیں۔

31294۔(قولہ: بِلَا حِلِّ انْتِفَاعٍ الخ) ''المنتقی'' میں ہے: ہر وہ چیز جس کا مالک غائب ہوجائے اور اس پر فساد کا اندیشہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ اس سے نفع حاصل کیا جائے اس کے بعد کہ اس کی ضمانت کے بارے میں اپنے اوپر گواہ بنالے۔ یہ غصب کے گناہ سے اسے خارج نہیں کرے گا۔ ''جامع الجوامع'' میں ہے: خاوند نے کھانا خریدا یا کپڑا خریدا جبکہ وہ خبیث مال میں سے تھا تو عورت کے لئے اسے کھانا اور اس کا پہننا جائز ہے اور خاوند پر اس کا گناہ ہے۔ ''تاتر خانیہ''۔

31295۔(قولہ: أَيْ رِضَا مَالِكِهِ الخ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ ادا سے مراد مالک کی رضا ہے یہ عام ہے۔

أَوْ تَضْمِينِ قَاضٍ وَالْقِيَاسُ حِلُّهُ وَهُوَ رِوَايَةٌ، فَلَوْ غَصَبَ طَعَامًا فَمَضَغَهُ حَتَّى صَارَ مُسْتَهْلَكًا يَبْتَلِعُهُ حَلَالًا فِي رِوَايَةٍ وَحَرَامًا عَلَى الْمُعْتَمَدِ حَسْمًا لِمَادَّةِ الْفَسَادِ (كَذَبْحِ شَاةٍ) بِالتَّنْوِينِ بَدَلِ الْإِضَافَةِ أَيْ شَاةِ غَيْرِهِ ذَكَرَهُ ابْنُ سُلْطَانٍ

یا قاضی کی جانب سے ضمانت لینے کے ساتھ۔ قیاس یہ ہے کہ اس سے نفع حاصل کرنا حلال ہے۔ اور یہ ایک روایت ہے۔ اگر ایک آدمی نے کھانا غصب کیا اور اسے چبایا یہاں تک کہ وہ لاشے ہوگیا تو ایک روایت میں اسے حلال نگلے گا اور قابل اعتماد روایت کے مطابق وہ حرام ہوگا یہ فساد کے مادہ کو ختم کرنے کے لئے ہے۔ جیسے بکری ذبح کرنا۔ شاۃ تنوین کے ساتھ ہے اور تنوین مضاف الیہ کا بدل ہے۔ یعنی غیر کی بکری کو ذبح کرنا۔ اسے ''ابن سلطان'' نے ذکر کیا ہے۔

31296۔ (قولہ: أَوْ تَضْمِينِ قَاضٍ) کیونکہ اس میں مالک کی رضا بھی موجود ہے۔ کیونکہ قاضی اس کے مطالبہ پر ہی فیصلہ کرتا ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے ''عزمیہ''۔ یہ ذہن نشین کرلو اور ان کی کلام نے جو فائدہ دیا ہے کہ مغصوبہ چیز میں ملک ضمان کی ادائیگی سے پہلے ثابت ہے ضمانت ادائیگی پر جو موقوف ہے وہ حلت ہے۔ یہی عام متون میں ہے۔ اور جو ''نوازل'' میں ہے کہ ملکیت کے بعد اس سے انتفاع حلال نہیں کیونکہ اس نے خبیث وجہ سے اسے حاصل کیا ہے جس طرح بیع فاسد کی صورت میں قبضہ کے ساتھ مملوک کا معاملہ ہوتا ہے مگر جب اس کا مالک اسے حلال بنادے یہ عام متون کے مخالف ہے۔ ''المنح'' میں اس پر متنبہ کیا ہے۔ ''قہستانی'' میں ہے: بعض متاخرین نے کہا: بے شک ملکیت کا سبب غصب ہے جب ضمان ادا کر دی جائے جس طرح ''المبسوط'' میں ہے۔ اگر مالک قیمت لینے سے انکار کردے اور تبدیل شدہ چیز لینے کا ارادہ کرے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا جس طرح ''النہایہ'' میں ہے۔

31297۔ (قولہ: وَهُوَ رِوَايَةٌ) ''الخلاصہ'' وغیرھا میں اسے ''امام'' کا قول قرار دیا ہے اور استحسان ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے۔ ''بزازیہ'' میں ہے: امام ''نجم الدین نسفی'' اس امر کا انکار کرتے ہیں کہ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور کہتے: ہمارے اصحاب میں سے محققین کا اس پر اجماع ہے کہ وہ تین امور میں سے کسی ایک کے ساتھ ہی اس کا مالک بن سکتا ہے اور تمام علماء نے فرمایا: فتویٰ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر ہے۔

میں کہتا ہوں: جو محققین نے کہا ہے وہ عام متون کے خلاف ہے جس طرح گزر چکا ہے پس تم تدبر کرو۔ پھر میں نے بعض علماء کو دیکھا کہ انہوں نے یہ نقل کیا ہے کہ علامہ ''قاسم'' نے اس پر اعتراض کیا ہے۔

31298۔ (قولہ: كَذَبْحِ شَاةٍ) یہ ان کے قول: فان غصب و غَيَّرَ کی تمثیل ہے یا ان کے قول: ضمنه و ملكه کی تنظیر ہے۔ یعنی جس طرح وہ بکری ذبح کرنے کی صورت میں اس کا ضامن ہوگا۔ الخ

31299۔ (قولہ: بِالتَّنْوِينِ بَدَلِ الْإِضَافَةِ) اس میں ہے: انہوں نے عوض کی تنوین کو تقسیم کیا ہے جو جملہ کا عوض ہوتی ہے، حرف کا عوض ہوتی ہے یا کلمہ کا عوض ہوتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ (الاسراء:

(وَطَبْخِهَا أَوْ شَيِّهَا وَطَحْنِ بُرٍّ وَزَرْعِهِ وَجَعْلِ حَدِيدٍ سَيْفًا وَصُفْرٍ آنِيَةً وَالْبِنَاءِ عَلَى سَاجَةٍ) بِالْجِيمِ خَشَبَةٌ عَظِيمَةٌ تَنْبُتُ بِالْهِنْدِ (وَقِيمَتُهُ) أَيْ الْبِنَاءِ (أَكْثَرُ مِنْهَا) أَيْ مِنْ قِيمَةِ السَّاجَةِ يَمْلِكُهَا الْبَانِي بِالْقِيمَةِ وَكَذَا لَوْ غَصَبَ أَرْضًا فَبَنَى عَلَيْهَا أَوْ غَرَسَ أَوْ ابْتَلَعَتْ دَجَاجَةٌ لُؤْلُؤَةً أَوْ أَدْخَلَ الْبَقَرُ رَأْسَهُ فِي قِدْرٍ

اس کو پکانا یا اس کا بھوننا، گندم کو پیسنا اور اسے کاشت کرنا، لوہے کو تلوار بنا دینا، تانبے کو برتن بنا دیا اور ساگوان کے شہتیر پر کوئی شے تعمیر کرنا۔ ساجۃ یہ لفظ جیم کے ساتھ ہے مراد عظیم لکڑی ہے ہند میں پیدا ہوتی ہے اور اس کی تعمیر کی قیمت ساگوان کی لکڑی سے زیادہ ہے عمارت بنانے والا قیمت کے ساتھ اس کا مالک ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر ایک آدمی نے زمین غصب کی اور اس پر کوئی عمارت تعمیر کر دی یا کوئی درخت لگا یا یا مرغی موتی نگل گئی یا گائے نے اپنا سر ہنڈیا میں داخل کر دیا

21) وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ (یٰسین:40) اَيًّا مَّا تَدْعُوْا (الاسراء:110) اضافت امر معنوی ہے۔ پس زیادہ مناسب یہ ہے کہ اسے مضاف الیہ سے بدلا جائے جبکہ بعض محققین نے تیسری قسم کا انکار کیا ہے۔ اور کہا: یہ معرب ہونے کی تنوین ہے جو اضافت کے ساتھ زائل ہو جاتی ہے اور اس کے عدم کی صورت میں ثابت رہتی ہے۔

31300۔ (قولہ: وَطَبْخِهَا أَوْ شَيِّهَا) اسے ذکر کیا ہے کہ محض ذبح سے اسم متغیر نہیں ہوتا بلکہ جب اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے کیونکہ جو ذبح سے مقصود تھا وہ اس سے فوت نہیں ہوتا بلکہ وہ اسے ثابت کرتا ہے۔''سائحانی''۔

31301۔ (قولہ: وَالْبِنَاءِ عَلَى سَاجَةٍ)''ہدایہ'' میں ہے:''کرخی'' اور فقیہ''ابو جعفر'' نے کہا: بے شک اسے نہیں توڑا جائے گا جب وہ ساگوان کے ارد گرد بنائے۔ کیونکہ وہ بنانے سے تعدی کرنے والا نہیں مگر جب وہ نفس ساگوان پر بنائے تو اس کو توڑ دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ تعدی کرنے والا ہے۔ کتاب کا جواب اس کو رد کرتا ہے جبکہ وہی اصح ہے۔

31302۔ (قولہ: بِالْجِيمِ) جہاں تک ساحہ کا تعلق ہے تو وہ حا کے ساتھ ہے اس کا ذکر آئے گا۔

31303۔ (قولہ: خَشَبَةٌ عَظِيمَةٌ) یعنی مضبوط اور قوی ہوتی ہے۔ یہ گھروں کے دروازوں اور بنیادوں میں استعمال ہوتی ہے۔''اتقانی''۔

31304۔ (قولہ: وَقِيمَتُهُ أَيْ الْبِنَاءِ أَكْثَرُ مِنْهَا) یہ جملہ حالیہ ہے۔''المنح'' میں کہا: مگر جب ساگوان کی قیمت عمارت کی قیمت سے بڑھ کر ہو پس مالک کا حق اس سے منقطع نہیں ہوگا جس طرح''النہایہ'' میں''الذخیرہ'' سے مروی ہے۔''زیلعی'' نے''کنز'' کی کلام کی اسی کے ساتھ قید لگائی ہے۔ اس میں''المجتبیٰ'' سے مروی ہے: اسے لے لینے کا حق ہوگا۔ ساحہ میں حکم اسی طرح ہے۔ یہ حا کے ساتھ ہے۔

31305۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ غَصَبَ أَرْضًا الخ) یہ ساحہ کا مسئلہ ہے۔ یہ حا کے ساتھ ہے۔ عنقریب یہ متن میں آئے گا، یعنی اگر عمارت کی قیمت زیادہ ہو تو غاصب زمین کی قیمت کی ضمانت دے گا اور اکھیڑنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ یہ امام ''کرخی'' کا قول ہے۔''النہایہ'' میں کہا: یہ باب کے مسائل کے زیادہ موافق ہے یعنی مرغی کا آنے والا مسئلہ وغیرھا۔ لیکن

أَوْ أَوْدَعَ فَصِيلًا فَكَبُرَ فِي بَيْتِ الْمُودَعِ وَلَمْ يُمْكِنْ إِخْرَاجُهُ إِلَّا بِهَدْمِ الْجِدَارِ أَوْ سَقَطَ دِينَارُهُ فِي مَحْبَرَةِ غَيْرِهِ وَلَمْ يُمْكِنْ إِخْرَاجُهُ إِلَّا بِكَسْرِهَا وَنَحْوِ ذٰلِكَ يَضْمَنُ صَاحِبُ الْأَكْثَرِ قِيمَةَ الْأَقَلِّ وَالْأَصْلُ أَنَّ الضَّرَرَ الْأَشَدَّ يُزَالُ بِالْأَخَفِّ، كَمَا فِي هٰذِهِ الْقَاعِدَةِ مِنَ الْأَشْبَاهِ ثُمَّ قَالَ وَلَوِ ابْتَلَعَ لُؤْلُؤَةً فَمَاتَ لَا يُشَقُّ بَطْنُهُ؛ لِأَنَّ حُرْمَةَ الْآدَمِيِّ أَعْظَمُ مِنْ حُرْمَةِ الْمَالِ وَقِيمَتُهَا فِي تَرِكَتِهِ وَجَوَّزَهُ الشَّافِعِيُّ

یا اونٹ کا بچہ کسی کے ہاں ودیعت رکھا تو وہ مودع کے کمرہ میں بڑا ہو گیا اور اسے باہر نکالنا ممکن نہیں مگر دیوار توڑ کر باہر نکال سکتے ہیں یا کوئی دینار کسی کی دوات میں گر گیا اور اس دوات کو توڑے بغیر اسے نکالنا ممکن نہیں اس طرح کی دوسری صورتحال ہو تو زیادہ مالیت والا اقل قیمت والے کا ضامن ہوگا۔ قاعدہ یہ ہے: شدید ترین ضرر کو خفیف ترین ضرر کے ساتھ زائل کیا جاتا ہے۔ جس طرح ''الاشباہ'' کے اس قاعدہ میں ہے۔ پھر کہا: اگر وہ کوئی موتی نگل جائے اور مر جائے تو اس کے پیٹ کو چاک نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ انسان کی حرمت مال کی حرمت سے بڑھ کر ہے اور موتی کی قیمت اس کے ترکہ میں لازم کی جائے گی۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جائز قرار دیا ہے

''العمادیہ'' میں ہے: ہم کتاب کے جواب کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں۔ یہ مشائخ کی پیروی کرنے کی بنا پر ہے کیونکہ وہ اسے ترک نہیں کرتے تھے کہ اسے اکھیڑ دینے کا حکم دیں اور مالک کو مطلقاً واپس کر دیں۔

''حامدیہ'' میں ''انقروی'' سے مروی ہے: امام ''کرخی'' کے قول کے مطابق فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ مولیٰ ''ابوسعود'' مفتی نے اس کی تصریح کی ہے کہا: اکھاڑ لینے کے حکم دینے کے بارے میں شیخ الاسلام ''علی آفندی'' مفتی الروم نے فتویٰ دیا جبکہ انہوں نے ''فتاویٰ ابی سعود'' اور ''قہستانی'' سے اخذ کیا۔ ہاں یہ جواب ہے۔ کیونکہ اس میں ظلم کے دروازے کو بند کر دیا گیا ہے۔ اس میں اور موتی والے مسئلہ میں اور اس جیسے مسائل میں یوں فرق کرنا ممکن ہے کہ اس میں امر اضطراری ہے یعنی معتبر قصد کے بغیر وہ صادر ہوا ہے۔ جہاں تک غصب کا تعلق ہے تو یہ فعل اختیاری ہے اور اس کا قصد کیا گیا ہے۔ ملخص۔

تیرے لئے یہ امر ظاہر ہو چکا ہے کہ شارح یہاں امام ''کرخی'' کے قول پر جاری ہوئے ہیں اس طرح اس میں جو عنقریب آئے گا۔ کیونکہ متن کے قول یؤمر بالقلع کو اس قول کے ساتھ مقید کیا ہے جب زمین کی قیمت زیادہ ہو۔ پس تشبیہ نے اس قول میں جس کا تقاضا کیا اور اگر وہ زمین کو غصب کرے تو اسے اکھیڑ لینے کا حکم نہیں دیا جائے گا وہ صحیح ہے۔ کیونکہ کلام اس میں ہو رہی ہے جب عمارت کی قیمت زیادہ ہو اور ''کرخی'' کے علاوہ کسی نے اس کلام سے تعرض نہیں کیا اگرچہ یہ مفتی بہ ہے جس طرح تو جان چکا ہے۔ فافہم۔

31306۔ (قولہ: يَضْمَنُ صَاحِبُ الْأَكْثَرِ قِيمَةَ الْأَقَلِّ) اگر اس کی قیمت برابر ہو تو دونوں کو بیع کر دیا جائے گا اور ثمن کو دونوں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ ''تاتر خانیہ''۔

31307۔ (قولہ: فَمَاتَ) اگر وہ زندہ رہے تو موتی کی قیمت کی ضمانت دے گا اور اس کا انتظار نہیں کیا جائے گا کہ وہ

قِيَاسًا عَلَى الشَّقِّ لِإِخْرَاجِ الْوَلَدِ قُلْت وَقَدَّمْنَا فِي الْجَنَائِزِ عَنْ الْفَتْحِ أَنَّهُ يُشَقُّ أَيْضًا فَلَا خِلَافَ وَفِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ أَنَّهُ الْأَصَحُّ فَلْيُحْفَظْ بَقِيَ لَوْ كَانَتْ قِيمَةُ السَّاجَةِ وَالْبِنَاءِ سَوَاءً فَإِنْ اصْطَلَحَا عَلَى شَيْءٍ جَازَ، وَإِنْ تَنَازَعَا يُبَاعُ الْبِنَاءُ عَلَيْهِمَا، وَيَقْسِمُ الثَّمَنَ بَيْنَهُمَا عَلَى قَدْرِ مَالِهِمَا شُرُنْبُلَالِيَّةٌ عَنْ الْبَزَّازِيَّةِ بَقِيَ لَوْ أَرَادَ الْغَاصِبُ نَقْضَ الْبِنَاءِ وَرَدَّ السَّاجَةِ هَلْ لَهُ ذَلِكَ إنْ قَضَى عَلَيْهِ بِالْقِيمَةِ لَا يَحِلُّ وَقَبْلَهُ قَوْلَانِ لِتَضْيِيعِ الْمَالِ بِلَا فَائِدَةٍ وَتَمَامُهُ فِي الْمُجْتَبَى (وَإِنْ ضَرَبَ الْحَجَرَيْنِ دِرْهَمًا وَدِينَارًا أَوْ إنَاءً لَمْ يَمْلِكْهُ

وہ اسے بچے کو نکالنے کے لئے پیٹ چاک کرنے پر قیاس کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں: ہم پہلے کتاب الجنائز میں ''الفتح'' سے بھی نقل کر آئے کہ اسے پھاڑا جائے گا پس کوئی اختلاف باقی نہ رہا۔ ''تنویر البصائر'' میں ہے: یہی اصح ہے۔ پس اس کی حفاظت کی جانی چاہئے۔ یہ صورت باقی رہ گئی ہے: اگر ساگوان اور عمارت کی قیمت برابر ہوا گر دونوں کسی سے یہ صلح کر لیں تو یہ جائز ہوگا۔ اگر دونوں تنازع کریں تو عمارت کو دونوں پر بیچا جائے گا اور ان کے مال کی مقدار کے مطابق ثمن ان میں تقسیم کر دی جائے گی۔ ''شرنبلالیہ'' نے ''بزازیہ'' سے نقل کیا ہے۔ یہ صورت باقی رہ گئی ہے: غاصب نے عمارت توڑنے اور ساگوان کی لکڑی کو واپس کرنے کا ارادہ کیا کیا اس کے لئے یہ جائز ہے اگر اس پر قاضی کی جانب سے قیمت کا فیصلہ کر دیا جائے؟ یہ حلال نہیں ہوگا۔ اس سے قبل دو قول ہیں۔ کیونکہ مال فائدہ کے بغیر ضائع ہو جاتا ہے۔ اس کی مکمل بحث ''المجتبیٰ'' میں ہے۔ اگر سونے اور چاندی کو اس نے درہم اور دینار بنا دیا یا برتن بنا دیا تو وہ اس کا مالک نہیں ہوگا

اس سے نکل آئے۔ ''تاتر خانیہ''

31308۔ (قولہ: وَفِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ أَنَّهُ الْأَصَحُّ) ''بزازیہ'' میں ہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اگر اس میں موتی ہو تو اس کے بطن کو شق نہیں کیا جائے گا۔ اس پر فتویٰ ہے کیونکہ موتی پیٹ میں خراب ہو جاتا ہے پس شق کرنا کچھ فائدہ نہ دے گا اور دینار فاسد نہیں ہوتا۔ ''بیری'' میں ''تلخیص الکبری'' سے مروی ہے: اگر وہ دس دراہم نگل گیا اور وہ مر گیا تو اس کا پیٹ شق کیا جائے گا۔ ''بیری'' نے دراہم اور دنانیر میں عدم اختلاف کو بیان کیا ہے کیونکہ یہ خراب نہیں ہوتے۔ موتی میں تصحیح کے اختلاف کا علم ہو چکا ہے اور فتویٰ کا لفظ اقوی ہے۔ ''تامل''

31309۔ (قولہ: يُبَاعُ الْبِنَاءُ عَلَيْهِمَا) ''بزازیہ'' اور ''شرنبلالیہ'' میں عبارت اسی طرح ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ مراد یہ ہے کہ اس تعمیر کو مابعد کے قرینہ کی وجہ سے ساگوان کی لکڑی کے ساتھ بیچا جائے گا۔

31310۔ (قولہ: إنْ قَضَى عَلَيْهِ بِالْقِيمَةِ لَا يَحِلُّ) جب وہ اسے توڑے گا تو ساگوان کی لکڑی کو واپس کرنے کی استطاعت نہیں رکھے گا۔ ''شرنبلالیہ'' میں ''ذخیرہ'' سے نقل کیا ہے۔

31311۔ (قولہ: لِتَضْيِيعِ الْمَالِ) ''قہستانی'' کی عبارت ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حلال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حلال نہیں۔ کیونکہ یہ مال کو ضائع کرنا ہے۔

وَهُوَ لِمَالِكِهِ مَجَّانًا) خِلَافًا لَهُمَا (فَإِنْ ذَبَحَ شَاةَ غَيْرِهِ) وَنَحْوَهَا مِمَّا يُؤْكَلُ (طَرَحَهَا الْمَالِكُ عَلَيْهِ وَأَخَذَ قِيمَتَهَا أَوْ أَخَذَهَا وَضَمَّنَهُ نُقْصَانَهَا وَكَذَا) الْحُكْمُ (لَوْ قَطَعَ يَدَهَا) أَوْ قَطَعَ طَرَفَ دَابَّةٍ غَيْرِ مَأْكُولَةٍ كَذَا فِي الْمُلْتَقَى قِيلَ وَلَفْظُ غَيْرِ غَيْرُ سَدِيدٍ هُنَا قُلْت قَوْلُهُ غَيْرُ سَدِيدٍ غَيْرُ سَدِيدٍ لِثُبُوتِ الْخِيَارِ فِي غَيْرِ الْمَأْكُولَةِ أَيْضًا لَكِنْ إذَا اخْتَارَ رَبُّهَا أَخْذَهَا لَا يُضَمِّنُهُ شَيْئًا وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى

جبکہ وہ بغیر عوض کے اس کے مالک کا ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر اس نے کسی اور کی بکری کو ذبح کیا اور اس طرح کی کوئی چیز ذبح کی جس کو کھایا جاتا ہے مالک وہ چیز غاصب پر ڈال دے اور اس سے اس کی قیمت لے لے یا وہ مذبوحہ لے لے اور اس کے نقصان کی ضمانت لے لے۔ یہی حکم ہوگا اگر اس کا بازو کاٹ دے یا ایسے جانور کا عضو کاٹ دے جو کھایا نہ جاتا ہو۔ ''الملتقی'' میں اسی طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غیر کا لفظ یہاں درست نہیں۔ میں کہتا ہوں: ان کا قول غیر سدید، سدید نہیں۔ کیونکہ غیر ماکولہ میں بھی اسے خیار حاصل ہے لیکن جب اس کا مالک اسے لینے کو پسند کرے تو اس سے کسی شے کی ضمانت نہیں لے گا۔ اسی پر فتویٰ ہے

31312۔(قوله: وَهُوَ لِمَالِكِهِ مَجَّانًا) اسے بنانے کی وجہ سے مالک غاصب کے لئے کسی شے کی ضمانت نہیں دے گا۔ کیونکہ محض عمل پایا گیا ہے۔ مگر جب وہ اسے اس کے ملک کے اوصاف میں سے بنادے۔ اس طرح کہ اس کے الگ کرنے میں ضرر ہو جس طرح وہ اسے مشکیزے کا دستہ بنادے یا چھت میں صفائحہ بنادے وغیرہ پس اس کے غصب کے وقت مالک سے اس کا قبضہ ختم ہوگیا۔ ''تاتر خانیہ''۔

31313۔(قوله: أَوْ أَخَذَهَا وَضَمَّنَهُ نُقْصَانَهَا) کیونکہ یہ من وجہ اتلاف ہے۔ کیونکہ بعض منافع فوت ہو چکے ہیں جیسے حمل، موتی، نسل اور بعض باقی ہیں وہ گوشت ہے۔ ''درر''۔

31314۔(قوله: وَكَذَا الْحُكْمُ لَوْ قَطَعَ يَدَهَا) کیونکہ یہ بھی من وجہ اتلاف ہے۔ یہ گائے وغیرہ میں ظاہر ہے۔ بکری میں حکم اسی طرح ہے۔ کیونکہ جب وہ چراگاہ کی طرف جاتی ہے تو کمزور ہو جاتی ہے اس کا دودھ کم ہو جاتا ہے اور اس کی نسل کمزور ہو جاتی ہے۔ ''تامل''

31315۔(قوله: أَوْ قَطَعَ طَرَفَ دَابَّةٍ غَيْرِ مَأْكُولَةٍ) کیونکہ ہر اعتبار سے اسے ہلاک کرنا پایا گیا ہے۔ ''ہدایہ''۔ یہ اور طرف کی قید لگائی ہے کیونکہ گدھے، بغل یا گھوڑے کے عین میں چوتھائی قیمت ہوگی، گائے اور اونٹ کے عین میں یہی حکم ہے۔ بکری کے عین میں جو اس میں نقص واقع کیا کتاب الدیات میں ان شاء اللہ یہ آئے گا۔ ''اتقانی''۔

31316۔(قوله: غَيْرُ سَدِيدٍ هُنَا) کیونکہ ان کا قول: او اخذها و ضمنه نقصانها یہ ماکولات کے ساتھ خاص ہے۔ غیر کے لفظ کو ساقط کر دیا جائے تو یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہوگی۔

31317۔(قوله: قُلْت) یہ ''الملتقی'' جواب ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ حکم میں غیر ماکولہ کو ماکولہ کے ساتھ لاحق

كَمَا نَقَلَهُ الْمُصَنِّفُ عَنِ الْعِمَادِيَّةِ فَلْيُحْفَظْ بِخِلَافِ طَرَفِ الْعَبْدِ فَإِنَّ فِيهِ الْأَرْشَ (أَوْ خَرَقَ ثَوْبًا) خَرْقًا فَاحِشًا (وَ) هُوَ مَا (فَوَّتَ بَعْضَ الْعَيْنِ وَبَعْضَ نَفْعِهِ لَا كُلَّهُ) فَلَوْ كُلَّهُ

جس طرح مصنف نے ''عمادیہ'' سے اسے نقل کیا ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہئے۔ غلام کی طرف کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں ارش لازم ہوگی یا اس نے کپڑے کو بہت زیادہ پھاڑ دیا وہ یہ ہے کہ اس کے عین کے بعض کو فوت کر دیا اور اس کے بعض نفع کو ضائع کر دیا نہ کہ تمام کو ضائع کر دیا اگر تمام کو ضائع کر دے

کرنے سے مراد یہ ہے کہ دونوں میں اختیار پایا جا رہا ہے کہ اسے غاصب کے حوالے کر دیا جائے یا اسے روک لے اگرچہ دونوں میں اس حیثیت سے فرق ہے کہ جب وہ ماکولہ کو روکے گا تو اسے حق حاصل ہوگا کہ غاصب سے نقصان لے لے۔ غیر ماکولہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ تو یہ جان چکا ہے کہ ہر اعتبار سے استہلاک پایا گیا ہے۔ شارح نے اس فرق پر اپنے اس قول لکن اذا اختار سے متنبہ کیا ہے۔ فافہم۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ نقصان کا بھی مطالبہ کیا جائے گا جس طرح تشبیہ کا نتیجہ ہے۔ لیکن اس کی یہ قید لگائی جائے گی جب باقی ماندہ کی کوئی قیمت ہو۔ کیونکہ ہر اعتبار سے ہلاک کرنا نہیں پایا گیا۔ اس تقیید پر قرینہ نقصان کا لفظ ہے۔ کیونکہ جب مابقی کی قیمت نہ ہو تو اسے ہلاک ہونے کے بغیر نقصان نہیں کہا جائے گا۔ اس کی دلیل وہ ہے جو ''النہایہ'' وغیرہ میں ہے۔ ''المنتقی'' یہ نون کے ساتھ ہے۔ گدھے کے ہاتھ کو یا اس کے پاؤں کو کاٹ دینا جب مابقی کی قیمت ہو تو مالک کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اسے روک لے اور نقصان لے لے۔ اسی طرح اگر وہ اسے ذبح کرے اور اس کے چمڑے کی قیمت ہو نہ کہ اگر اسے قتل کرے کیونکہ ذبح کرنا دباغت کرنے کے قائم مقام ہوتا ہے۔ ملخص۔ یہ امر ذہن نشین رکھو۔ ''النہایہ'' میں ''المبسوط'' سے قول مروی ہے جو اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ یہاں غیر ماکولہ سے مراد وہ ہے جو فرس کو شامل ہے۔

31318۔(قولہ: بِخِلَافِ طَرَفِ الْعَبْدِ) یہ ان کے قول: لکن اذا اختار ربھا اخذھا لا یضمنہ شیئا کے ساتھ مربوط ہے۔

31319۔(قولہ: فَإِنَّ فِيهِ الْأَرْشَ) یعنی اسے ارش کے ساتھ لینا جائز ہے۔ کیونکہ جب اس کا عضو کٹا ہوا ہو تب بھی اس سے نفع حاصل کیا جا سکتا ہے غیر ماکولہ جانور کا یہ معاملہ نہیں۔ ''منح''۔

31320۔(قولہ: خَرَقَ ثَوْبًا الخ) یہ ماقبل پر معطوف ہے یعنی مالک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ چیز اس کے حوالے کر دے اور اس سے قیمت کی ضمانت لے لے یا اپنے پاس روک لے اور نقصان کی ضمانت لے لے۔

31321۔(قولہ: وَهُوَ مَا فَوَّتَ الخ) اس قول پر اقتصار کیا ہے کیونکہ یہی اس امر میں صحیح ہے کہ فاحش اور یسیر میں فرق کیا جائے۔ ان چار اقوال میں سے جو ''شرنبلالیہ'' وغیرہ میں مذکور ہیں۔

31322۔(قولہ: لَا كُلَّهُ) یعنی تمام نفع۔

ضَمِنَ کُلَّهَا (وَفِي خَرْقٍ يَسِيرٍ) نَقْصَهُ وَ (لَمْ يُفَوِّتْ شَيْئًا) مِنَ النَّفْعِ (ضَمَّنَهُ النُّقْصَانَ مَعَ أَخْذِ عَيْنِهِ لَيْسَ غَيْرُ) لِقِيَامِ الْعَيْنِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ مَا لَمْ يُجَدِّدْ فِيهِ صَنْعَةً أَوْ يَكُونُ رِبَوِيًّا كَمَا بَسَطَهُ الزَّيْلَعِيُّ قُلْت وَمِنْهُ يُعْلَمُ جَوَابُ حَادِثَةٍ وَهِيَ غَصَبَتْ حِيَاصَةَ فِضَّةٍ مُمَوَّهَةٍ بِالذَّهَبِ فَزَالَ تَمْوِيهُهَا يُخَيَّرُ مَالِكُهَا بَيْنَ تَضْمِينِهَا مُمَوَّهَةً

تو اس کے تمام کی ضمانت دے گا اور تھوڑا سا پھاڑا ہو یعنی اس کا نقصان تھوڑا ہو اور نفع میں سے کوئی شے فوت نہیں کی تو نقصان کا ضامن ہوگا۔ ساتھ ہی اس کا عین لے لے گا اس کے علاوہ کچھ نہ لے گا۔ کیونکہ عین ہر اعتبار سے موجود ہے اس میں اس نے کوئی نیا کام نہیں کیا یا وہ ربوی ہوگا جس طرح ''زیلعی'' نے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: اسے اس سے حادثہ کا جواب معلوم ہو جاتا ہے، وہ حادثہ یہ ہے چاندی کی ایک چوڑی غصب کی گئی جس پر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہو تو اس کا پانی زائل ہو گیا تو اس کے مالک کو اختیار ہوگا کہ اس کی ضمانت لے اس حالت میں کہ اس پر پانی چڑھایا گیا ہو

31323۔(قولہ: ضَمِنَ کُلَّهَا) یعنی تمام عین کا ضامن ہوگا۔

31324۔(قولہ: نَقْصَهُ) یعنی ضمیر سے مراد عین ہے یعنی عین کا نقص۔ ثوب کے اعتبار سے ضمیر کو مذکر ذکر کیا ہے۔ اسے نفع کی طرف لوٹانا بھی صحیح ہے اور ان کا اس کے بعد جو قول ہے: ولم يفوت شيئا من النفع یعنی اسے مکمل ضائع نہیں کیا۔ ''الہدایہ'' میں کہا: یسیر اسے کہتے ہیں کہ اس میں سے منفعت میں سے کوئی شے فوت نہ ہو۔ اس میں نقصان داخل ہو جاتا ہے کیونکہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاصل'' میں کپڑے کے قطع کرنے کو نقصان فاحش قرار دیا ہے اور اس سے بعض منافع فوت ہونے والے ہیں۔

حاصل کلام جس طرح ''النہایہ'' میں ہے مالیت میں نقصان سے اس کی عمدگی فوت نہیں ہوگی۔

31325۔(قولہ: مَا لَمْ يُجَدِّدْ فِيهِ صَنْعَةً) اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے قمیص سی۔ ہمارے نزدیک اس کے سینے سے مالک کا حق اس سے منقطع ہو گیا۔ ''زیلعی''۔

31326۔(قولہ: أَوْ يَكُونُ رِبَوِيًّا) پس مالک کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ عین کو روک لے اور غاصب سے کسی شے کا مطالبہ نہ کرے اور اس کے درمیان کہ وہ اسے حوالے کر دے اور اس کی مثل یا اس کی قیمت کی ضمانت لے۔ کیونکہ نقصان کی ضمانت لینا متعذر ہے۔ کیونکہ یہ امر ربا کی طرف لے جاتا ہے۔ ''زیلعی''۔ ان کا قول او قیمتها یعنی جیسے زیور یا کوئی اور چیز بنائی گئی ہو۔ ''تامل''۔

31327۔(قولہ: وَمِنْهُ يُعْلَمُ) یعنی ان کے قول او یکون ربویا سے یہ معلوم ہوتا ہے۔

31328۔(قولہ: حِيَاصَةَ) اصل حواصة ہے یہ ایسا تسمہ ہے جس کے ساتھ زین کے تنگ کو باندھا جاتا ہے۔ ''قاموس''۔

31329۔(قولہ: بَيْنَ تَضْمِينِهَا مُمَوَّهَةً) یعنی قیمت کی ضمانت لے لے جب دوسری جنس سے ہو یہ ظاہر روایت

أَوْ أَخْذِهَا بِلَا شَيْءٍ؛ لِأَنَّهُ تَابِعٌ مُسْتَهْلَكٌ، وَلَوْ كَانَ مَكَانُ الْغَصْبِ شِرَاءً بِوَزْنِهَا فِضَّةً فَلَا رَدَّ لِتَعَيُّبِهَا وَلَا رُجُوعَ بِالنُّقْصَانِ لِلُزُومِ الرِّبَا فَاغْتَنِمْهُ فَقَلَّ مَنْ صَرَّحَ بِهِ قَالَهُ شَيْخُنَا (وَمَنْ بَنَى أَوْ غَرَسَ فِي أَرْضِ غَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ أُمِرَ بِالْقَلْعِ وَالرَّدِّ)

یا اسے بغیر کسی شے کے عوض لے لے۔ کیونکہ وہ تابع ہے جسے جان بوجھ کر ہلاک کیا گیا ہے۔ اگر غصب کی جگہ اس کو چاندی کے وزن کے حساب سے خریدا گیا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں عیب واقع ہو چکا ہے۔ اور نقصان کی وجہ سے اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ربالازم آتا ہے۔ پس اس کو غنیمت جانو بہت ہی کم ایسے علماء ہیں جنہوں نے اس کی تصریح کی ہے یہ ہمارے شیخ نے فرمایا ہے۔ جس نے دوسرے آدمی کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کوئی عمارت بنائی یا کوئی درخت لگایا تو اسے وہ اکھیڑ لینے کا حکم دیا جائے گا اور اسے زمین واپس کرنے کا حکم دیا جائے گا

کے مطابق ہے۔ ''ط''۔

31330۔ (قولہ: لِأَنَّهُ تَابِعٌ) ان کے شیخ ''رملی'' کی عبارت ہے: کیونکہ سونا پانی چڑھانے سے ہلاک ہو گیا ہے اور چاندی کے تابع ہو گیا ہے۔ پس مکمل اسے چاندی ہی اعتبار کیا جائے گا مگر سونا ضائع ہونے کی وجہ سے اس میں نقصان واقع ہو گیا ہے۔

31331۔ (قولہ: شِرَاءً) یہ مد اور تنوین کے ساتھ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے وہ چوڑی اس کے مساوی چاندی سے خریدی اور اس کے اوپر جو پانی تھا اس کے پاس زائل ہو گیا۔ یعنی اس میں ایک قدیمی عیب پایا گیا۔

31332۔ (قولہ: فَلَا رَدَّ) یعنی قدیمی عیب کی وجہ سے اس کو رد نہیں کرے گا۔ کیونکہ سونے کا پانی اتر جانے سے اس میں عیب واقع ہو چکا ہے۔ یہ لوٹانے سے مانع ہے۔

31333۔ (قولہ: وَلَا رُجُوعَ بِالنُّقْصَانِ) یعنی قدیمی عیب کے نقصان سے۔

31334۔ (قولہ: لِلُزُومِ الرِّبَا) کیونکہ دونوں بدلوں میں سے ایک دوسرے پر اس عوض کے بغیر زائد ہا جو عرض اس کے مقابل ہو۔ یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جو ان مسائل پر زائد ہیں جو باب خیار العیب میں مذکورہ نقصان کی وجہ سے رجوع سے مانع ہیں۔ اسی وجہ سے کہا: اسے غنیمت جانو الخ۔

31335۔ (قولہ: شَيْخُنَا) یعنی خیر ''رملی'' نے ''حواشی المنح'' میں کہا ہے۔

31336۔ (قولہ: وَمَنْ بَنَى) یعنی اس زمین کی مٹی کے علاوہ سے کوئی شے تعمیر کی ورنہ عمارت اس کی ہوگی جو زمین کا مالک ہے کیونکہ اگر اس عمارت کو توڑنے کا حکم دیا جائے گا تو وہ مٹی ہو جائے گی جس طرح وہ پہلے تھی۔ ''در منتقی''۔

31337۔ (قولہ: بِغَيْرِ إِذْنِهِ) اگر اس کی اجازت ہو تو عمارت گھر کے مالک کی ہوگی ورنہ غاصب نے اس پر جو خرچ کیا ہو گا وہ واپس لے لے گا۔ ''جامع الفصولین'' احکام العمارۃ فی ملك الغیر عنقریب شارح کتاب الوصایا کے

لَوْ قِیمَةُ السَّاحَةِ أَكْثَرَ كَمَا مَرَّ (وَلِلْمَالِكِ أَنْ يَضْمَنَ لَهُ قِيمَةَ بِنَاءٍ أَوْ شَجَرٍ أُمِرَ بِقَلْعِهِ) أَيْ مُسْتَحِقُّ الْقَلْعِ فَتُقَوَّمُ بِدُونِهِمَا وَمَعَ أَحَدِهِمَا مُسْتَحِقُّ الْقَلْعِ فَيَضْمَنُ الْفَضْلَ (إِنْ نَقَصَتْ الْأَرْضُ بِهِ) أَيْ بِالْقَلْعِ وَلَوْ زَرَعَهَا يُعْتَبَرُ الْعُرْفُ فَإِنْ اقْتَسَمُوا الْغَلَّةَ أَنْصَافًا أَوْ أَرْبَاعًا أُعْتُبِرَ

اگر سفیدہ زمین کی قیمت زائد ہو جس طرح قول گزر چکا ہے اور مالک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عمارت یا درخت کی قیمت ضمانت دے دے جس کے اکھیڑ لینے کا حکم دیا گیا ہے یعنی جو اکھیڑ لینے کے مستحق ہیں۔ پس زمین کی ان دونوں کے بغیر قیمت لگائی جائے گی اور اس ایک کے ساتھ قیمت لگائی جائے گی جو اکھیڑ لینے کا مستحق ہے۔ پس زائد کا وہ ضامن ہوگا اگر اکھیڑ لینے سے زمین میں نقص واقع ہوتا ہے اگر وہ اس زمین میں کوئی شے کاشت کرے تو عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر وہ غلہ کو نصف نصف یا چوتھائی کے اعتبار سے تقسیم کرتے ہیں تو اس کا اعتبار کیا جائے گا

مسائل شتی میں ایک مسئلہ ذکر کریں گے جس نے اپنی بیوی کے گھر میں کوئی شے تعمیر کی اس مسئلہ کو فصل ذکر کریں گے۔

31338۔(قولہ: لَوْ قِيمَةُ السَّاحَةِ أَكْثَرَ) ساحہ کا لفظ حا مہملہ کے ساتھ ہے اگرچہ اس کی قیمت کم ہو تو غاصب کو حق حاصل ہے کہ وہ زمین کی قیمت دے دے اور وہ لے لے ''درر'' نے ''النہایہ'' سے نقل کیا ہے۔ یہ امام ''کرخی'' کے قول کے مطابق ہے ہم اس پر ابھی کلام کر چکے ہیں۔

31339۔(قولہ: أَيْ مُسْتَحِقُّ الْقَلْعِ الخ) یعنی جب اس کو اکھاڑ دیا جائے تو اکھیڑنے کی اجرت اس سے کم ہو۔ اگر زمین کی قیمت سو ہو اور اکھیڑے گئے درخت کی قیمت دس ہو اور اکھیڑنے کی اجرت ایک درہم ہو تو نو درہم باقی رہ جائیں گے پس اس درخت کی اس زمین کے ساتھ قیمت ایک سو نو درہم لگائی گئی ہو تو مالک نو کا ضامن ہوگا۔ ''منح''۔

31340۔(قولہ: إِنْ نَقَصَتْ الْأَرْضُ بِهِ) یعنی اکھیڑنے کے ساتھ اس میں فاحش نقصان ہو جائے اس طرح کہ زمین کو فاسد کر دے مگر جب اس میں تھوڑا سا نقصان کرے پس وہ زمین لے لے گا اور درختوں کو اکھاڑ دے گا اور نقصان کی ضمانت لے لے گا۔ ''سائحانی'' نے ''مقدسی'' سے نقل کیا ہے۔

دوسرے کی زمین کاشت کی

31341۔(قولہ: وَلَوْ زَرَعَهَا يُعْتَبَرُ الْعُرْفُ الخ) ''الذخیرۃ'' میں کہا: علماء نے کہا: اگر زمین زراعت کے لئے تیار کی گئی ہو اس کی صورت یہ ہے کہ زمین ایسے دیہات میں ہے جہاں کے مکینوں کا معمول یہ ہے کہ وہ دوسرے آدمی کی زمین کاشت کرنے کے عادی ہوں اور اس زمین کا مالک خود اس زمین کو کاشت نہیں کرتا اور اپنی زمین مزارعت پر دے دیتا ہے تو یہ زمین مزارعت کے طریقہ پر ہوگی۔ زمین کا مالک مزارع سے دہقان کے حصہ کا مطالبہ کرے گا جس طرح اس بستی کے لوگوں میں متعارف ہے۔ نصف، چوتھائی یا اس کے مشابہ ہو۔ ''فتاویٰ نسفی'' میں اسی طرح ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اس گھر کی مثل ہے جو اجارہ پر دینے کے لیے تیار کیا گیا ہو جب اس میں کوئی انسان رہائش رکھے تو اسے اجارہ پر محمول کیا جائے گا۔ اسی طرح یہاں بھی

وَإِلَّا فَالْخَارِجُ لِلزَّارِعِ وَعَلَيْهِ أَجْرُ مِثْلِ الْأَرْضِ، وَأَمَّا فِي الْوَقْفِ فَتَجِبُ الْحِصَّةُ أَوْ الْأَجْرُ
ورنہ پیداوار کاشت کرنے والے کے لئے ہوگی اور اس پر اجرت مثلی لازم ہوگی۔ جہاں تک وقف کا تعلق ہے تو حصہ واجب ہوگا یا اجرت واجب ہوگی

معاملہ ہوگا۔ پس اسی نقطہ نظر پر اپنے زمانے کے مشائخ کو پایا ہے۔ میرے نزدیک جو امر ثابت ہوا ہے اور جسے میں نے اس پر پیش کیا جس پر میں اعتماد کرتا تھا کہ زمین اگرچہ زراعت کے لئے تیار کی گئی ہو تو یہ مزارعت فاسدہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں مدت کا بیان نہیں ہے تو واجب ہوگا کہ اس سے حاصل ہونے والی تمام فصل (پیداوار) مزارع کے لئے ہو اور مزارع پر اجرت مثلی ہو۔

میں کہتا ہوں: لیکن شارح عنقریب کتاب المزارعة میں ذکر کریں گے: مفتی بہ قول یہ ہے کہ مدت کے بیان کے بغیر یہ عقد مزارعت صحیح ہو اور یہ عقد مزارعت صرف پہلی کھیتی پر واقع ہوگا۔ ظاہر یہ ہے کہ جس پر مشائخ ہیں وہ اس پر مبنی ہے۔ ''بزازیہ'' کے کتاب المزارعة میں، جو قول گزر چکا ہے، اسے ''الذخیرہ'' سے نقل کرنے کے بعد کہا: ''قاضی'' نے کہا: میرے نزدیک یہ ہے اگر وہ زمین زراعت کے لئے تیار کی گئی ہو اور عامل کا حصہ اس علاقے کے لوگوں کے ہاں معلوم ہو تو یہ استحسانا ناجائز ہوگا۔ اگر دونوں میں سے ایک مفقود ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اور عادت و معمول کی طرف دیکھا جائے گا جب وہ یہ اقرار نہ کرے کہ اس نے اسے اپنے لئے کاشت کیا ہے یہ زراعت سے پہلے ہو یا اس کے بعد ہو یا وہ ان لوگوں میں سے ہے کہ وہ اس زمین کو مزارعت پر نہیں لیتا اور اس سے انانیت محسوس کرتا ہے اس وقت یہ غصب ہوگا۔ جو فصل ہوگی وہ اس کی ہوگی اور اس پر زمین کا نقصان لازم ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ اسے کاشت کرے اس تاویل کے ساتھ کہ وہ غیر موجر کی زمین اجرت پر لے جبکہ اس کے مالک سے اجازت نہ لی ہو، اس کے مالک نے اسے جائز قرار نہ دیا ہو اور مستاجر نے اسے کاشت کیا ہو تو یہ مزارعت نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے اس زمین کو اجارہ کی تاویل میں کاشت کیا ہے۔

31342۔ (قولہ: وَإِلَّا فَالْخَارِجُ لِلزَّارِعِ الخ) اگر زمین مزارعت پر دینے کا عرف نہ ہو اور نہ ہی معلوم حصہ پر دینے کا عرف ہو تو مزارع غاصب ہوگا۔ پس پیداوار اس کی ہوگی۔ اور ان کا قول: علیہ اجر مثل الارض اشکال کا باعث ہے اور گزشتہ نقول اس کا کچھ فائدہ نہیں دیتیں۔ کیونکہ اس وقت یہ ان چیزوں میں سے نہیں جسے منافع اور کرایہ حاصل کرنے کے لئے تیار کیا گیا ہو یہاں تک کہ اس پر اجرت واجب ہو بلکہ اس پر واجب اس کا نقصان ہوگا مگر جب اسے اس پر محمول کیا جائے کہ یہ یتیم کا مال ہے۔ یہ تعبیر بہت ہی دور ہے یا اس کے مالک نے اسے اجارہ کے لئے تیار کیا ہو۔ پس زمین ان میں سے ہوگی جو منافع اور کرایہ وغیرہ حاصل کرنے کے لئے تیار کی گئی۔ جہاں تک وقف کا تعلق ہے اس کا ذکر عنقریب آئے گا۔ ''جامع الفصولین'' میں ایسی کوئی چیز نہیں کہ انہوں نے جس کا ذکر کیا ہے اس کا اصلاً فائدہ دے۔ کیونکہ اس میں فصل اکتیس میں وہ کچھ ہے جسے ہم پہلے ''الذخیرہ'' اور ''بزازیہ'' سے نقل کر آئے ہیں۔

31343۔ (قولہ: وَأَمَّا فِي الْوَقْفِ الخ) ''فصولین'' کی عبارت ہے: مگر وقف میں۔ پس اس میں حصہ یا اجرت اس

....

جہت سے واجب ہوگی جس کو اس نے کاشت کیا یا اس میں سکونت اختیار کی جسے زراعت کے لئے تیار کیا گیا تھا یا اسے تیار نہیں کیا گیا تھا اس پر عام متاخرین کا فتویٰ ثابت ہو گیا ہے۔

میں نے اس کے حاشیہ میں مفتی دمشق علامہ ''عبدالرحمٰن آفندی عمادی'' سے یہ قول دیکھا ہے کہ ان کا قول: تجب الحصة یہ زمین کی کاشت کے بارے میں ہے اور ان کا قول: او الاجر یہ گھر کی رہائش کے بارے میں ہے ان کا قول: زرعها اس میں ھا ضمیر سے مراد الارض ہے اور مسکنھا میں ضمیر سے مراد الدار ہے۔ اس میں لف نشر مرتب ہے۔ اور ان کے قول: بای جهة زرعها میں یہ داخل ہوگا اگر وہ اسے غصب کے طریقہ پر کاشت کرے وہ صراحۃ غصب ہو یا دلالۃً غصب ہو، مزارعت کے طریقہ پر ہو یا عقد کی تاویل میں ہو۔ یہ ''فصولین'' کی عبارت میں ان کے قول الا فی الوقف میں مذکور ہے۔ ''الاسعاف'' میں یہ ذکر کیا ہے: اگر اس نے وقف کی زمین کاشت کی تو متاخرین کے نزدیک اس کی اجرت مثلی لازم ہوگی۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اس کو اس پر محمول کیا جائے گا جب عرف نہ ہو یا اجرت وقف کے لئے زیادہ منافع ہو۔ ''تامل''

''فصولین'' کے قول ''فتجب الحصة'' کی یہ تفسیر کرنا ممکن ہے یعنی اگر عرف ہو اور ان کے قول او الاجر یعنی اگر عرف نہ ہو تو اجرت معلوم ہوگی یا اجرت زیادہ نفع مند ہوگی۔ ''تامل''

اہم بحث

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر زمین مملوکہ ہو اگر اس کے مالک نے اسے زراعت کے لئے تیار کیا ہو تو حصہ میں عرف کا اعتبار کیا جائے گا ورنہ اگر اسے اجارہ کے لئے تیار کیا ہو تو فصل کاشت کار کے لئے ہوگی اور اس پر اجرت مثلی لازم ہوگی ورنہ اس پر نقصان لازم ہوگا اگر اس میں نقص واقع ہو چکا ہو۔ اگر وہاں عرف ہو اور وہ اس کے لئے زیادہ نفع مند ہو تو اس کا اعتبار کیا جائے گا ورنہ ان کے لئے اجرت مثلی ہوگی۔ کیونکہ علما کا قول ہے: اسی کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا جو وقف کے لئے زیادہ نفع مند ہو۔ اس یکتا تحریر کو غنیمت جانو جو علما کی بکھری ہوئی گفتگو سے ماخوذ ہے۔

یہاں ایک شے باقی رہ گئی ہے جو کثیر علما پر مخفی ہے وہ یہ ہے: اگر زمین سلطان کی ہو یا وقف کی ہو ان مزارعین کے قبضہ میں ہو جن کے لئے مشد مسکتہ ہے یعنی جن کے لئے گزارہ کی تحریر ہے جس طرح دمشق کی اکثر زمینیں ہیں جب اس کو اس آدمی نے کاشت کیا جس کے لئے ایسی تحریر نہیں اور اس نے اصل کی اجازت کے بغیر یہ عمل کیا اور اس نے وہ حصہ متکلم علیہا کو ادا کر دیا جو اس زمین پر لازم ہوتا تھا کیا صاحب مشد کو حق حاصل ہے کہ وہ پیداوار میں سے حصہ کا مطالبہ کرے یا اس کی کھیتی کی اجرت دراہم کی صورت میں طلب کرے یا ایسا نہیں کرسکتا؟

''الخیریہ'' میں اپنے اس قول کے ساتھ جواب دیا ہے: نہیں۔ اگرچہ ہم نے یہ کہا ہے: اس کا قبضہ ختم نہیں کیا جائے گا جب

بِكُلِّ حَالِ الْفُصُولَيْنِ (غَصَبَ ثَوْبًا فَصَبَغَهُ) لَا عِبْرَةَ لِلْأَلْوَانِ بَلْ لِحَقِيقَةِ الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ
یہ حکم ہر حال میں لازم ہوگا۔ ''فصولین''۔ ایک آدمی نے کپڑے کو غصب کیا اور اسے رنگ دیا تو رنگوں کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا بلکہ زیادتی اور نقصان کی حقیقت کا اعتبار ہوگا

تک وہ مزارع ہے اور وہ چیز دیتا ہے جو اس میں مطلوب کے طریقہ پر محمول ہے۔ اس میں یہ معلوم ہو گیا کہ حصہ کا صاحب مشد حقدار نہیں ہوگا بلکہ صاحب اقطاع مستحق ہوگا یا متولی مستحق ہوگا۔ اس پر متنبہ ہو جائے۔

''حامدیہ'' میں ہے: ایسی زمین کے بارے میں پوچھا گیا جو وقف کی ہے جس میں ایندھن کی لکڑی ہوتی ہے جو ایک آدمی کے گزارہ کے لئے معین ہے اس زمین کو زید نے نہ متولی کی اجازت سے اور نہ ہی صاحب مشد کی اجازت سے کاشت کیا اور نہ یہ اس کے اجارہ میں ہے۔ اس کا جواب دیا: نگران کو حق حاصل ہے کہ زید سے اس کی اجرت مثلی کا مطالبہ کرے۔ واللہ اعلم۔ اسے یاد رکھا جائے کیونکہ یہ بہت ہی اہم ہے۔

31344۔ (قولہ: بِكُلِّ حَالٍ) ہم نے پہلے جو کلام کی ہے اس سے تو اس کا معنی جان چکا ہے۔

31345۔ (قولہ: فَصَبَغَهُ) اگر رنگ کسی کے فعل کے بغیر ہو جیسے ہوا پھینک دے تو کپڑے کے مالک کے لئے کوئی اختیار نہیں ہوگا بلکہ کپڑے کا مالک رنگ کے مالک کو رنگ کی قیمت دے گا۔ کیونکہ رنگ کے مالک کی کوئی جنایت نہیں یہاں تک کہ وہ کپڑے کا ضامن ہوگا۔ ''زیلعی''۔

31346۔ (قولہ: لَا عِبْرَةَ لِلْأَلْوَانِ الخ) مصنف نے جو رنگ کی قسم سے تعرض نہیں کیا اس کے نکتہ کا بیان ہے مگر جو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ سیاہ رنگ نقصان ہے اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک زیادتی ہے جیسے سرخ اور زرد یہ عصر اور زمان کے اختلاف کی طرف راجع ہے کپڑوں میں سے کچھ ایسے ہیں جن کی قدر سیاہ رنگ سے بڑھ جاتی ہے اور ان میں کچھ ایسے ہیں جن میں نقص واقع ہو جاتا ہے جس طرح ''التبیین'' وغیرہ میں ہے۔

31347۔ (قولہ: بَلْ لِحَقِيقَةِ الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ) اگر وہ ایسا کپڑا ہو رنگ جس میں نقص پیدا کرے اس کی صورت یہ ہے کہ اس کی قیمت مثلاً تین درہم ہو تو رنگ اس کو بیس کی طرف لوٹا دے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے: کپڑے کی طرف دیکھا جائے گا جس میں اس رنگ نے اضافہ کیا اگر زیادتی پانچ درہم کی ہو تو کپڑے کا مالک اپنا کپڑا اور پانچ درہم لے لے گا۔ کیونکہ کپڑے کے مالک کے لئے غاصب پر نقصان کی ضمانت واجب ہوئی جو کل دس دراہم ہے اور کپڑے کے مالک پر رنگنے کی قیمت واجب ہوئی جو پانچ ہے پانچ پانچ کے بدل ہو گئے اور نقصان میں سے جو باقی ہے اس کا مطالبہ کرے گا۔ اسے ہشام نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔

''زیلعی'' نے اس میں اشکال کا ذکر کیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے: مالک تک اس کا پورا حق نہیں پہنچا اس نے کپڑے کے رنگنے سے نفع حاصل نہیں کیا بلکہ اس کا نقصان کیا ہے پس کیسے چٹی بھرے گا اور ایسا تلف کرنا جو تمام قیمت کو واجب کرنے والا

(أَوْ سَوِيقًا فَلَتَّهُ بِسَمْنٍ فَالْمَالِكُ مُخَيَّرٌ إِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ قِيمَةَ ثَوْبِهِ أَبْيَضَ وَمِثْلَ السَّوِيقِ) عَبَّرَ فِي الْمَبْسُوطِ بِالْقِيمَةِ لِتَغَيُّرِهِ بِالْقَلْيِ فَلَمْ يَبْقَ مِثْلِيًّا، وَسَمَّاهُ هُنَا مِثْلًا لِقِيَامِ الْقِيمَةِ مَقَامَهُ كَذَا فِي الِاخْتِيَارِ، وَقَدَّمْنَا قَوْلَيْنِ عَنْ الْمُجْتَبَى (وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الْمَصْبُوغَ أَوْ الْمَلْتُوتَ وَغَرِمَ مَا زَادَ الصَّبْغُ وَ) غَرِمَ (السَّمْنَ)؛ لِأَنَّهُ مِثْلِيٌّ وَقْتَ اتِّصَالِهِ بِمِلْكِهِ وَالصَّبْغُ لَمْ يَبْقَ مِثْلِيًّا

یا ستو غصب کیا اور اسے گھی کے ساتھ ملا دیا مالک کو اختیار ہوگا۔ اگر چاہے تو اس غاصب سے اپنے سفید کپڑے کی قیمت کی ضمانت لے لے اور ستو کی مثل کی ضمانت لے لے۔ ''المبسوط'' میں قیمت سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ بھوننے سے وہ متغیر ہو چکا ہے اور وہ مثلی نہیں رہا۔ یہاں اسے مثل کا نام دیا ہے کیونکہ قیمت اس کے قائم مقام ہے۔ ''الاختیار'' میں اسی طرح ہے ہم نے پہلے ''المجتبیٰ'' سے دو قول نقل کئے ہیں۔ اگر مالک چاہے تو رنگا ہوا کپڑا یا گھی سے ملا ستو لے لے اور رنگ نے کپڑے کی قدر میں جس قدر اضافہ کیا ہے اس کی چٹی دے دے اور گھی کی چٹی دے دے۔ کیونکہ گھی اس کی ملک کے اتصال کے وقت کی مثلی ہے اور رنگ اس کی ملک کے ساتھ

ہے وہ ساقط کرنے والا ہو جاتا ہے؟ ''طوری'' نے ایسا جواب دیا ہے جو کافی وشافی نہیں پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

31348۔ (قولہ: فَالْمَالِكُ مُخَيَّرٌ) کیونکہ وہ صاحب اصل ہے اور دوسرا صاحب وصف ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: ثوب مصبوغ، سویق ملتوت میں اسے اختیار دیا گیا کیونکہ تمیز دینا متعذر ہے۔

31349۔ (قولہ: وَسَمَّاهُ) یعنی یہاں قیمت بدل کے معنی میں ہے۔ ''ح''۔ یہ متن کا جواب ہے کیونکہ اس سے وہ سمجھا جاتا ہے جو ''مبسوط'' کے خلاف ہے اور ان کا قول قدمنا قولین یعنی غصب کے شروع میں یہ ایک اور جواب ہے۔ جو متن میں ہے وہ دوسرے قول پر مبنی ہے یہی متون کا ظاہر ہے۔ ''الدر المنتقی'' میں ہے کہ یہ مثلی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قیمی ہے کیونکہ آگ پر بھوننے کے ساتھ متغیر ہو چکا ہے۔ لیکن اس کا تفاوت قلیل ہے یہ مثلی ہونے سے خارج نہیں ہوا جس طرح ''شرح المجمع'' میں ہے۔ ''اتقانی'' نے اس کی تصحیح کی ہے کہ یہ قیمی ہے۔

31350۔ (قولہ: وَغَرِمَ مَا زَادَ الصَّبْغُ) صبغ کا لفظ مرفوع ہے یہ زاد کا فاعل ہے یعنی اتنی نقدی کی چٹی دے گا جو کپڑے میں رنگنے کے سبب زیادتی حاصل ہوئی۔

31351۔ (قولہ: وَغَرِمَ السَّمْنَ) اس قول نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ السمن کا لفظ منصوب ہے اس کا عطف ما پر ہے۔ مراد ہے سمن کی مثل کی ضمانت دے گا۔ غرم کا لفظ جو درمیان میں داخل کیا ہے اس کے فائدہ کو اپنے قول لانه مثلی سے بیان کیا ہے جو الصبغ ہے یہ اس کے عطف کے مانع ہے جو مرفوع ہے۔ پس اس میں اس کی مثل کی ضمان واجب ہوگی اس کی قیمت واجب نہ ہوگی۔ ''الدر المنتقی'' میں ہے۔ ایک قول کیا گیا ہے: السمن مرفوع ہے جبکہ صحیح نصب ہے۔ ''زاہدی'' نے یہ ذکر کیا ہے۔

قَبْلَ اتِّصَالِهِ بِمِلْكِهِ لِامْتِزَاجِهِ بِمَاءٍ مُجْتَبَى (رَدَّ غَاصِبُ الْغَاصِبِ الْمَغْصُوبَ عَلَى الْغَاصِبِ الْأَوَّلِ يَبْرَأُ عَنْ ضَمَانِهِ كَمَا لَوْ هَلَكَ الْمَغْصُوبُ فِي يَدِ غَاصِبِ الْغَاصِبِ فَأَدَّى الْقِيمَةَ إِلَى الْغَاصِبِ) فَإِنَّهُ يَبْرَأُ أَيْضًا لِقِيَامِ الْقِيمَةِ مَقَامَ الْعَيْنِ (إِذَا كَانَ قَبْضُهُ الْقِيمَةَ مَعْرُوفًا) بِقَضَاءٍ أَوْ بَيِّنَةٍ أَوْ تَصْدِيقِ الْمَالِكِ لَا بِإِقْرَارِ الْغَصْبِ إِلَّا فِي حَقِّ نَفْسِهِ وَغَاصِبِهِ عِمَادِيَّةٌ

اتصال سے پہلے مثلی نہیں رہا تھا۔ کیونکہ رنگ پانی کے ساتھ مل چکا تھا،''مجتبیٰ''۔ غاصب کے غاصب نے مغصوبہ چیز کو پہلے غاصب کی طرف لوٹا دیا تو وہ ضمان سے بری ہو جائے گا جس طرح مغصوبہ چیز غاصب کے غاصب کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو اس نے غاصب کو قیمت ادا کر دی تو بھی وہ بری ہو جائے گا۔ کیونکہ قیمت عین کے قائم مقام ہو جاتی ہے جب اس کا قیمت پر قبضہ کرنا قاضی کے فیصلہ، گواہوں یا مالک کی تصدیق کے ساتھ معروف ہو نہ کہ غصب کے اقرار کے ساتھ ہو مگر اس کی ذات کے حق میں اور اس کے غاصب کے حق میں،''عمادیہ''۔

31352۔(قولہ: قَبْلَ اتِّصَالِهِ) یہ نہیں کہا: وقت اتصالہ جس طرح اس سے قبل میں یہ قول کیا تھا۔ کیونکہ رنگ کا مثلی چیز سے نکلنا یہ پانی کے ملنے کے ساتھ ہو چکا تھا۔ یہ کپڑے کے ساتھ اس کے ملنے سے قبل تھا۔ گھی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ گھی مثلی ہونے سے نہیں نکلا مگر جب وہ ستو کے ساتھ مل گیا فافہم۔ یہ گھی کی مثل اور رنگ کے بدل کی ضمانت میں فرق کی وجہ ہے۔

غاصب کا غاصب

31353۔(قولہ: إِذَا كَانَ قَبْضُهُ الْقِيمَةَ مَعْرُوفًا) ظاہر یہ ہے کہ مغصوبہ کے عین کے لوٹانے میں حکم اسی طرح ہے۔ اگر غاصب اس سے قبضہ کرنے کا اقرار کر لے اور مالک اس کا انکار کر دے تو مالک کے حق میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ اس پر قبضہ کرنے کے ساتھ ہی اس کی ضمان میں داخل ہو چکی ہے اور رد کے دعویٰ کرنے کے ساتھ وہ اپنی ذات سے ضمان کو دور کر سکتا ہے۔ پس اس کی ذات کے حق میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی فتامل۔ اور منقول کی طرف رجوع کیجئے۔''رملی'' نے''فصولین'' سے نقل کیا ہے۔''طحطاوی'' نے''حموی'' سے وہ''عمادی'' سے نقل کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

31354۔(قولہ: بَيِّنَةٍ) یعنی غاصب کے غصب نے گواہیاں قائم کر دیں۔

31355۔(قولہ: لَا بِإِقْرَارِ الْغَصْبِ) یعنی پہلے غاصب کے اقرار سے مالک کے حق میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی تو اسے اختیار ہو گا جس غاصب سے چاہے ضمانت لے لے۔''بیری''۔

31356۔(قولہ: إِلَّا فِي حَقِّ نَفْسِهِ وَغَاصِبِهِ) یعنی جب مالک نے دوسرے غاصب سے ضمانت لینے کو اختیار کیا تو جس چیز پر قبضہ کرنے کا اقرار کیا تھا اس کا پہلے سے واپسی کا مطالبہ کرے گا۔ اسی طرح جب وہ پہلے سے ضمانت لینے کا ارادہ کرے اور پہلا غاصب دوسرے غاصب سے واپسی کا مطالبہ کرے تو اسے یہ حق نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس کا مواخذہ اس کے اقرار کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر اس کا اقرار نہ ہوتا تو وہ واپسی کا مطالبہ کرتا۔ جس طرح عنقریب آئے گا۔

(غَصَبَ شَيْئًا ثُمَّ غَصَبَهُ آخَرُ مِنْهُ فَأَرَادَ الْمَالِكُ أَنْ يَأْخُذَ بَعْضَ الضَّمَانِ مِنَ الْأَوَّلِ وَبَعْضَهُ مِنَ الثَّانِي لَهُ ذَلِكَ) سِرَاجِيَّةٌ وَالْمَالِكُ بِالْخِيَارِ فِي تَضْمِينِ أَيِّهِمَا شَاءَ وَإِذَا اخْتَارَ تَضْمِينَ أَحَدِهِمَا لَمْ يَمْلِكْ تَرْكَهُ وَتَضْمِينَ الْآخَرِ

ایک آدمی نے کوئی شے غصب کی پھر اس سے ایک اور آدمی نے اسے غصب کرلیا۔ مالک نے یہ ارادہ کیا کہ اس کی کچھ ضمان پہلے سے وصول کرے اور اس کی کچھ ضمان دوسرے سے وصول کرے تو اسے یہ حق ہوگا ''سراجیہ''۔ مالک کو اختیار ہے ان دونوں میں سے جس سے چاہے ضمانت لے لے جب وہ ان دونوں میں سے جس سے ضمانت لینا چاہے تو اس کو ترک کرنے اور دوسرے سے ضمانت لینے کا اختیار نہیں رکھے گا۔

31357۔ (قولہ: بَعْضَ الضَّمَانِ) اسے مطلق ذکر کیا ہے پس یہ نصف، تہائی یا چوتھائی کو شامل ہوگا جس طرح ''ہندیہ'' میں ہے۔

31358۔ (قولہ: لَهُ ذَلِكَ سِرَاجِيَّةٌ) ''سراجیہ'' سے نقل میں اختلاف کیا ہے بعض نے یہ نقل کیا ہے کہ اس کے لئے یہ جائز نہیں اور بعض نے اس طرح نقل کیا ہے جس طرح یہاں ہے۔ ''فصولین'' میں ''فوائد صدر الاسلام'' سے یہی منقول ہے اور ''ہندیہ'' میں ''ذخیرہ'' سے منقول ہے۔

31359۔ (قولہ: وَالْمَالِكُ بِالْخِيَارِ) مگر ایک مسئلہ میں اختیار نہیں جو متن میں غصب کے شروع میں پہلے گزر چکا ہے۔ ''ہندیہ'' میں ہے: اگر پہلے سے ضمانت لے تو پہلا غاصب دوسرے غاصب سے اس کی ضمانت لے لے گا جو اس نے ضمانت ادا کی ہوگی۔ اگر دوسرے سے ضمانت لے تو وہ پہلے سے کسی شے کا مطالبہ نہیں کرے گا۔

''بزازیہ'' میں ہے: غاصب سے مغصوب کی کوئی شے غصب کی یا صدقہ کیا یا کوئی چیز عاریۃً دی تو وہ ان کے قبضہ میں ہلاک ہو گئی اور انہوں نے مالک کو ضمانت دی ہے: کیونکہ وہ قبضہ کرنے میں اپنے لئے عمل کرنے والے تھے اور مشتری جب اس کی قیمت کی ضمانت دے تو وہ اس غاصب سے ثمن کا مطالبہ کرے گا جو بائع ہے: کیونکہ قیمت کو رد کرنا عین کے رد کرنے کی طرح ہے۔

31360۔ (قولہ: وَإِذَا اخْتَارَ تَضْمِينَ أَحَدِهِمَا) یعنی اس سے قیمت پر قبضہ نہ کیا اور اس کے خلاف اس کا فیصلہ نہ ہو اس طرح آگے آئے گا۔

31361۔ (قولہ: لَمْ يَمْلِكْ تَرْكَهُ) اگرچہ مال ہلاک ہو جائے جس طرح ''فصولین'' میں ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اسے معدوم کرنے والا پایا یا مفلس کی حیثیت سے وہ مر گیا اور یہ قول اس کو جامع ہے کہ دونوں میں سے ایک سے بعض کی ضمانت لے۔ اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ جب دونوں میں سے ایک سے بعض کی ضمانت لے لی تو اس بعض کی دوسرے سے ضمانت لے۔ باقی کا معاملہ مختلف ہے۔

''بزازیہ'' میں کہا ہے: کل کی ضمانت لینا یہ ضامن کو مالک بنانا ہے پس وہ کسی اور کی جانب سے تملیک کا مالک نہیں ہوگا

وَقِيلَ يَمْلِكُ عِمَادِيَّةٌ (الْإِجَازَةُ لَا تَلْحَقُ الْإِتْلَافَ فَلَوْ أَتْلَفَ مَالَ غَيْرِهِ تَعَدِّيًا فَقَالَ الْمَالِكُ أَجَزْتُ أَوْ رَضِيتُ لَمْ يَبْرَأْ مِنَ الضَّمَانِ) أَشْبَاهٌ مَعْزِيًّا لِلْبَزَّازِيَّةِ لَكِنْ نَقَلَ الْمُصَنِّفُ عَنِ الْعِمَادِيَّةِ

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس کا مالک ہوگا، ''عمادیہ''۔ اجازت کسی شے کے تلف کرنے کو لاحق نہیں ہوتی اگر ایک آدمی نے تعدی کرتے ہوئے غیر کا مال تلف کر دیا تو مالک نے کہا: میں نے اسکی اجازت دے دی یا میں راضی ہوگیا تو وہ ضمان سے بری نہیں ہوگا۔ ''اشباہ'' میں یہ ''بزازیہ'' کی طرف منسوب ہے۔ لیکن مصنف نے ''عمادیہ'' سے نقل کیا ہے

اور بعض کی ضمانت لینا یہ اس کی تملیک ہوتی ہے بعض اس کے بعد دوسرے سے باقی ماندہ کی تملیک کا مالک ہوتا ہے۔

31362۔ (قولہ: وَقِيلَ يَمْلِكُ) ''فصولین'' میں پہلے قول کو جزم سے بیان کیا ہے پھر رمز ذکر کیا اور کہا: اس میں دو روایات ہیں۔ ''ہندیہ'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: اگر اس نے دونوں میں سے ایک سے ضمانت لینے کو اختیار کیا تو طرفین کے نزدیک اسے یہ حق حاصل نہیں کہ دوسرے سے ضمانت لے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اسے یہ حق حاصل ہوگا جب اس سے ضمانت نہ لے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ قبضہ کے بعد دوسری کو ضامن بنانے کا مالک نہیں ہوگا اس میں کوئی اختلاف نہیں اس وجہ سے اختیار کے ساتھ اسے تعبیر کیا ہے اور باہمی رضامندی سے قبضہ کرنے کی مثل قیمت کا فیصلہ کرنا ہے جس طرح ''ہندیہ'' میں بھی ہے۔

فرع: اسے غاصب سے لیا تا کہ مالک کی طرف لوٹا دے تو مالک کو نہ پایا تو وہ غاصب کے غاصب کی طرح ہے جب وہ اسے پہلے غاصب کی طرف لوٹا دے گا تب وہ ذمہ داری سے فارغ ہوگا۔ ''ہندیہ''۔

جو چیز تلف کر دی ہو اس کو جائز قرار دینا

31363۔ (قولہ: الْإِجَازَةُ لَا تَلْحَقُ الْإِتْلَافَ) اس سے اسے مستثنیٰ کیا ہے جسے ''حموی'' نے ذکر کیا ہے: اگر لقطہ کا مالک آگیا اور اس نے یہ جائز قرار دیا کہ جو ملتقط نے لقطہ صدقہ کیا تھا۔ کیونکہ یہ ابتداءً اجازت دینے کی طرح ہے۔ اور اذن شارع سے حاصل ہوا ہے مالک کو حاصل نہیں ہوا اسی وجہ سے فقیر کے ہاتھ میں اس کے قیام پر موقوف نہیں ہوگا۔ فضولی کی بیع کی اجازت کا معاملہ مختلف ہے۔

31364۔ (قولہ: مَعْزِيًّا لِلْبَزَّازِيَّةِ) یعنی ''بزازیہ'' کے کتاب الدعوی میں ہے۔ ''بیری'' میں اس سے مروی ہے: ایک وارث نے ترکہ میں سے دوسروں کی عدم موجودگی میں ضیافت کا اہتمام کیا پھر دوسرے میں وارث آگئے اور انہوں نے اس کی اجازت دے دی پھر انہوں نے ارادہ کیا کہ اس سے اس کی ضمانت لیں تو انہیں یہ حق حاصل ہوگا۔ کیونکہ اتلاف موقوف نہیں ہوتا یہاں تک اسے اجازت لاحق ہو پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

31365۔ (قولہ: عَنِ الْعِمَادِيَّةِ) ''الفصولین'' میں فصل نمبر چوبیس میں اس بحث میں ذکر کیا ہے جو سابقہ اجازت لاحقہ (بعد میں لاحق ہونے والی اجازت) کے ساتھ نافذ ہو جاتے ہیں۔

أَنَّ الْإِجَازَةَ تَلْحَقُ الْأَفْعَالَ هُوَ الصَّحِيحُ قَالَ وَعَلَيْهِ فَتَلْحَقُ الْإِتْلَافَ؛ لِأَنَّهُ مِنْ جُمْلَةِ الْأَفْعَالِ فَلْيُحْفَظْ (كَسَرَ) الْغَاصِبُ (الْخَشَبَ) كَسْرًا (فَاحِشًا لَا يَمْلِكُهُ وَلَوْ كَسَرَهُ الْمَوْهُوبُ لَهُ لَمْ يَنْقَطِعْ حَقُّ الرُّجُوعِ) أَشْبَاهٌ وَفِيهَا آجَرَهَا الْغَاصِبُ وَرَدَّ أُجْرَتَهَا إِلَى الْمَالِكِ تَطِيبُ لَهُ؛ لِأَنَّ أَخْذَ الْأُجْرَةِ إِجَازَةٌ فُرُوعٌ اسْتَعَارَ مِنْشَارًا فَانْقَطَعَ فِي النَّشْرِ فَوَصَلَهُ بِلَا إِذْنِ مَالِكِهِ انْقَطَعَ حَقُّهُ

کہ ''عمادیہ'' میں ہے: اجازت افعال کولاحق ہوتی ہے یہی قول صحیح ہے۔ کہا: اس تعبیر کی بنا پر اجازت اتلاف کولاحق ہوگی۔ کیونکہ یہ افعال میں سے ہے پس اس کو یاد رکھا جانا چاہئے۔ غاصب نے لکڑی کو بہت زیادہ توڑ دیا تو وہ اس کا مالک نہیں ہوگا اور اگر موہوب لہ نے اسے توڑا تو واپس لوٹانے کا حق ختم نہیں ہوگا۔ ''اشباہ''۔ اس میں ہے: غاصب نے اسے اجرت پر دیا اور اس کی اجرت کو مالک کی طرف لوٹا دیا تو مالک کے لئے یہ اجرت لینا حلال ہوگا۔ کیونکہ اجرت کو وصول کرنا اجازت ہے۔ فروع: ایک آدمی نے ایک آری ادھار لی وہ چیرتے ہوئے ٹوٹ گئی تو مستعیر نے مالک کی اجازت کے بغیر اسے جوڑا تو اس (مالک) کا حق منقطع ہو جائے گا

31366۔ (قولہ: تَلْحَقُ الْأَفْعَالَ) ''جامع الفصولین'' میں کہا: اس نے اپنا دین ایک آدمی کے ہاتھ میں دائن کی طرف بھیجا وہ آدمی اس کے پاس آیا اور اس کے بارے میں خبر دی تو وہ راضی ہو گیا اور کہا: اس کے بدلے میں میرے لئے کوئی شے خرید لانا پھر وہ چیز ہلاک ہو گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مدیون کے مال سے ہلاک ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ دائن کے مال سے ہلاک ہوئی۔ یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ جب انتہاءً قبضہ پر رضامندی ہو تو یہ ابتداءً اذن کی طرح ہے۔ یہ تعلیل اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اجازت افعال کو لاحق ہوتی ہے یہی قول صحیح ہے۔

31367۔ (قولہ: قَالَ) یعنی مصنف نے کہا: ان کے بیٹے شیخ ''صالح'' نے کہا: مگر یہ کہا جائے: افعال سے مراد اتلاف کے علاوہ ہیں یہ تمام مشائخ کے نقول پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے ساتھ ہی یہ محمول کرنا ممکن ہے۔

''حموی'' نے کہا: یعنی افعال میں سے کچھ ایسے ہیں جو معدوم کر دیتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو ایجاد کرتے ہیں۔ پس مشائخ کے قول کو اس فعل پر محمول کیا جائے گا جو معدوم کرنا نہیں۔ ''السعود علی الاشباہ''۔

میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' میں یہ ذکر کیا ہے: خیاط نے کپڑا خراب کر دیا اس کے مالک نے وہ کپڑا لے لیا اور فساد کو جانتے ہوئے پہن لیا تو اسے ضمانت لینے کا کوئی حق نہیں۔ ''تاتر خانیہ'' میں کہا: اس مسئلہ سے کثیر مسائل کا علم ہو جاتا ہے۔ ''فتامل''

31368۔ (قولہ: لَا يَمْلِكُهُ) ''تاتر خانیہ'' میں کہا: اس امر سے تعرض نہیں کیا جب لکڑی توڑنے سے اس کی قیمت زائد ہو گئی چاہئے کہ وہ بھی اس کا مالک نہ ہو۔

31369۔ (قولہ: تَطِيبُ لَهُ) اس میں کوئی فرق نہیں کہ اجرت اجرت مثلی کی مقدار ہو یا ایسی نہ ہو۔ ''ابوسعود علی الاشباہ''۔

31370۔ (قولہ: فَوَصَلَهُ) یعنی لوہار کے پاس لے جا کر اسے جوڑا۔

31371۔ (قولہ: انْقَطَعَ حَقُّهُ) کیونکہ اس نے اس میں ایک نیا عمل واقع کیا ہے۔

وَعَلَى الْمُسْتَعِيرِ قِيمَتُهُ مُنْكَسِرًا شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ رَكِبَ دَارَ غَيْرِهِ لِإِطْفَاءِ حَرِيقٍ وَقَعَ فِي الْبَلَدِ فَانْهَدَمَ شَيْءٌ بِرُكُوبِهِ لَمْ يَضْمَنْ؛ لِأَنَّ ضَرَرَ الْحَرِيقِ عَامٌّ فَكَانَ لِكُلٍّ دَفْعُهُ جَوْهَرَةٌ لَا يَجُوزُ دُخُولُ بَيْتِ إِنْسَانٍ إِلَّا بِإِذْنِهِ

اور مستعیر پر اس ٹوٹی ہوئی کی قیمت لازم ہوگی۔ ''شرح وہبانیہ''۔ ایک آدمی کسی دوسرے کے گھر پر چڑھا تا کہ اس آگ کو بجھادے جو شہر میں بھڑک اٹھی تھی تو اس کے اوپر چڑھنے سے کوئی شے گر گئی تو وہ ضامن نہ ہوگا کیونکہ آگ کا ضرر عام ہے اس ضرر کو دور کرنا ہر ایک کیلئے لازم ہے، ''جوہرہ''۔ کسی انسان کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل ہونا جائز نہیں

31372۔ (قولہ: وَعَلَى الْمُسْتَعِيرِ قِيمَتُهُ مُنْكَسِرًا) کیونکہ استعمال کے دوران جب وہ ٹوٹ گئی تو اس پر کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔

31373۔ (قولہ: شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ) اسے نظم کے اس قول کے ہاں کیا ہے۔

ولو رفأ المخروق في الثوب خارقٌ　　يُغرم ارش النقص فيه فيُقدّرُ

اگر کپڑے میں سوراخ کرنے والا سوراخ کو درست کردے اس میں جو نقص واقع ہوا ہے اس کی چٹی اس سے لی جائے گی اور اس کا اندازہ لگایا جائے گا۔

یہ کہا جاتا ہے: رفیت الثوب و رفوتہ۔ میں نے کپڑے کو رفو کیا بعض عرب اسے ہمزہ کے ساتھ پڑھتے ہیں یعنی رفأت جب تو اسے درست کردے یعنی وہ صحیح ہو جائے اور وہ رفو کیا ہوا ہو جائے تو دونوں کے درمیان جو فرق اور زیادتی واقع ہوتی ہے اس کا ضامن ہوگا۔ ''شرنبلالی''۔

31374۔ (قولہ: فَانْهَدَمَ شَيْءٌ بِرُكُوبِهِ) انہدام کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر وہ غیر کا گھر اس کے امر اور سلطان کے امر کے بغیر گرادے یہاں تک کہ وہ اس کے گھر سے منقطع ہو جائے تو اس کا ضامن ہوگا اور گناہگار نہیں ہوگا اس بھوکے کے قائم مقام جو جنگل میں ہو جبکہ اس کے ساتھی کے پاس کھانا ہو تو اسے کھانا زبردستی لینے کا حق ہوگا پھر وہ اس کا ضامن ہوگا اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

''تاتر خانیہ'' اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ سلطان کے حکم سے اگر وہ اس گھر کو گراتا ہے تو ضامن نہیں ہوگا۔ شیخ ''خیر الدین رملی'' نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے ضرر عام کو دور کرنے کے لئے اس کا رد کرنا صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اس نے جس چیز کو گرایا ہے جبکہ وہ ہلاک ہونے کے قریب تھا اس کا ضامن ہوگا۔ اس کی نظیر وہ ہے جسے شارح نے اس کشتی کے مسئلہ میں بیان کیا ہے جس پر سامان لادا گیا تھا۔ ''تامل''

31375۔ (قولہ: لَا يَجُوزُ دُخُولُ بَيْتِ إِنْسَانٍ إِلَّا بِإِذْنِهِ) بیت کی قید لگائی ہے کیونکہ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: اس نے ارادہ کیا کہ کسی انسان کی زمین سے گزرے یا اس کی زمین میں ڈیرہ ڈالے اگر اس کی دیوار یا رکاوٹ ہو تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ راضی نہ ہونے کی دلیل ہے ورنہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ''الکبریٰ'' میں ہے: اس میں معتبر

إِلَّا فِي الْغَزْوِ وَفِيمَا إِذَا سَقَطَ ثَوْبُهُ فِي بَيْتِ غَيْرِهِ وَخَافَ لَوْ أَعْلَمَهُ أَخَذَهُ حَفَرَ قَبْرًا فَدُفِنَ فِيهِ آخَرُ مَيِّتًا فَهُوَ عَلَى ثَلَاثَةِ أَوْجُهٍ أَنَّ الْأَرْضَ لِلْحَافِرِ فَلَهُ نَبْشُهُ وَلَهُ تَسْوِيَتُهُ وَإِنْ مُبَاحَةً فَلَهُ قِيمَةُ حَفْرِهِ وَإِنْ وَقْفًا فَكَذَلِكَ

مگر جنگ میں داخل ہوسکتا ہے اور ایسے گھر میں داخل ہوسکتا ہے کہ جب غیر کے گھر میں اس کا کپڑا گر پڑے اور اسے خوف ہو اگر وہ گھر کے مالک کو بتائے گا تو وہ کپڑے لے لے گا۔ ایک آدمی نے قبر کھودی اور اس میں کسی اور آدمی نے میت دفن کر دیا تو اس کی تین صورتیں ہیں: اگر زمین قبر کھودنے والے کی ہو تو اسے قبر اکھیڑنے کا حق ہوگا اور اسے قبر برابر کر دینے کا حق ہوگا اگر وہ زمین مباح ہو تو اسے دوسرے آدمی سے قبر کھودنے کی قیمت لینے کا حق ہوگا اگر زمین وقف کی ہو تو بھی حکم اسی طرح ہے

لوگوں کی عادات ہیں۔

اجازت کے بغیر دوسرے کے گھر میں داخل ہونا

31376۔(قولہ: إِلَّا فِي الْغَزْوِ) یعنی جب وہ گھر دشمنوں پر جھکا ہوا ہو یا قریب ہو تو نمازیوں کو اس میں داخل ہونا جائز ہے تا کہ وہ دشمنوں سے قتال کریں یا اس طرح کی کوئی صورتحال ہو۔''تامل''

31377۔(قولہ: وَخَافَ لَوْ أَعْلَمَهُ أَخَذَهُ) چاہئے کہ وہ صالحین کو اس بارے میں آگاہ کرے کہ وہ اس مقصد کے لئے گھر میں داخل ہوگا اگر مالک مکان کے خود لے لینے کا خطرہ نہ ہو تو ضرورت کے بغیر گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ''ذخیرہ''۔ اس میں کئی اور مسائل ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے: ایک آدمی نے کسی سے کپڑا چھینا اور کپڑا چھیننے والا اپنے گھر داخل ہو گیا تو اس کے گھر میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں تا کہ اس کا حق لے لے۔ کیونکہ ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہوتے ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے: ایک آدمی کا دوسرے کے گھر میں راستہ ہے اس نے اس راستہ کی اصلاح کا ارادہ کیا اور اس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اس میں سے گزر سکے تو مکان کے مالک سے کہا جائے گا یا تو اسے چھوڑ دے کہ وہ اسے درست کر لے یا تو خود ہی اس کو درست کر دے۔

ان میں سے ایک یہ ہے ایک آدمی نے گھر اجرت پر دیا اور اس کے حوالے کر دیا تو اسے اس گھر میں داخل ہونے کا حق حاصل ہوگا تا کہ گھر کے حال کو دیکھے اور اس کو درست کرے اگر چہ مستاجر راضی نہ ہو۔ یہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک ہے۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس وقت راضی ہوسکتا ہے جب مستاجر راضی ہو۔

31378۔(قولہ: فَلَهُ نَبْشُهُ) یعنی میت نکالنے کے لئے قبر اکھیڑ دینے کا حق ہے۔

31379۔(قولہ: وَلَهُ تَسْوِيَتُهُ) یعنی زمین کو برابر کر دینے اور اس پر فصل کاشت کرنے کا حق ہے۔''اشباہ''۔

31380۔(قولہ: وَإِنْ وَقْفًا فَكَذَلِكَ) یعنی اسے قبر کھودنے کی قیمت لینے کا حق ہوگا۔''الاشباہ'' میں بحث کرتے

وَلَا يُكْرَهُ لَوِ الْأَرْضُ مُتَّسِعَةً؛ لِأَنَّ الْحَافِرَ لَا يَدْرِي بِأَيِّ أَرْضٍ يَمُوتُ لَا يَجُوزُ التَّصَرُّفُ فِي مَالِ غَيْرِهِ بِلَا إِذْنِهِ وَلَا وِلَايَتِهِ إِلَّا فِي مَسَائِلَ مَذْكُورَةٍ فِي الْأَشْبَاهِ

اگر زمین وسیع و عریض ہو تو یہ دفن کرنا مکروہ نہیں۔ کیونکہ قبر کھودنے والا یہ نہیں جانتا کہ کس جگہ فوت ہوگا۔ غیر کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر اور اس میں ولایت کے بغیر تصرف جائز نہیں مگر ایسے مسائل میں جو ''الاشباہ'' میں مذکور ہیں۔

ہوئے اسے ذکر کیا ہے۔ تو کہا: چاہیے کہ وقف کی زمین مباح کے قبیل سے ہو وہ قبر کھودنے کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ وقف کی صورت میں ضمان سے اس کے سکوت کو اس پر محمول کیا جائے گا یعنی مباح میں ضمان پر محمول کیا جائے گا۔ ''حاشیۃ ابی سعود'' میں ''حاشیۃ المقدسی'' سے مروی ہے: یہ حکم اس صورت میں ہے اگر اسے دفن کرنے سے وقف کیا گیا ہو یا مسجد پر اسے کھیتی یا منافع کے حصول کے لئے وقف کی گئی ہو تو وہ مملوکہ کی طرح ہے۔ ''تامل''

31381۔(قولہ: وَلَا يُكْرَهُ لَوِ الْأَرْضُ مُتَّسِعَةً) یعنی اس میں دفن کرنا مکروہ نہیں۔ اس کی مثل ہے کہ مسجد میں کوئی نمازی قالین بچھاتا ہے یا وہ سرائے میں اترتا ہے تو کوئی اور آدمی آجاتا ہے اگر مکان میں گنجائش ہو تو پہلا آدمی مزاحم نہیں ہوگا ورنہ اسے حق حاصل ہوگا، ''ولولوالجیہ''۔ دفن کے مکروہ ہونے کا بیان کیا ہے اگر زمین وسیع نہ ہو تو ہمارے قول ولو متسعة کے ساتھ تعبیر کرنا صحیح نہیں۔ جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ فافہم۔

صریح اجازت کے بغیر غیر کے مال میں تصرف

31382۔(قولہ: إِلَّا فِي مَسَائِلَ مَذْكُورَةٍ فِي الْأَشْبَاهِ) (1) بچے اور والد کے لئے جائز ہے کہ وہ مریض کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر ایسی چیز خریدے جس کی مریض کو ضرورت ہو اور سامان تجارت میں جائز نہیں۔ اسی طرح سفر میں رفیق کا مسئلہ ہے کیونکہ وہ رفیق سفر میں اس کے اہل کے قائم مقام ہے۔

(2) مودع نے مودع کے والدین پر مودع کی اجازت کے بغیر خرچ کیا اور وہ ایسی جگہ تھا جہاں قاضی کی رائے سے آگاہی حاصل کرنا ممکن نہیں تھا تو بطور استحسان ضامن نہیں ہوگا، ''کنز''۔ ضمان کو مطلق ذکر کرنا یہ امکان پر محمول ہوگا۔

(3) جب سفر میں کوئی ساتھی مرجائے تو وہ اس کے بستر اور اس کا سامان بیچ دیں اور اس کی قیمت سے تخمینہ تکفین کا اہتمام کریں اور باقی ماندہ وارثوں کو واپس کر دیں یا اس پر غشی طاری ہو جائے تو وہ اس کے مال میں سے اس پر خرچ کریں تو بطور استحسان اس کے ضامن نہ ہوں گے۔

امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کی گئی ہے کہ آپ کے تلامذہ میں سے ایک فوت ہو گیا تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی کتابیں بیچیں تاکہ اس کی تجہیز و تکفین کا اہتمام کریں آپ سے عرض کیا گیا اس نے وصیت نہ کی تھی تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کلمات تلاوت کیے: وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ (البقرہ:220) جو اس قیاس پر مبنی ہوگا وہ دیانۃً ضامن نہیں ہوگا۔ جہاں تک حکم کا تعلق ہے تو وہ ضامن ہوگا۔ اسی طرح اگر بعض اہل محلہ نے مسجد پر اس کے منافع اور مال میں سے چٹائی وغیرہ پر خرچ کیا

غَصَبَ حِمَارَةً فَتَبِعَهَا جَحْشُهَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ضَمِنَهُ
ایک آدمی نے گدھی غصب کی تو اس کا بچہ اس کے پیچھے ہولیا اس بچے کو بھیڑیا کھا گیا تو غاصب اس کا ضامن ہوگا

جبکہ اس مسجد کا متولی نہیں یا بڑے وارثوں نے چھوٹوں پر خرچ کیا جبکہ ان کا کوئی وصی نہیں یا وصی نے وہ دین ادا کر دیا جو میت پر وہ جانتا تھا جبکہ قاضی کو معرفت حاصل نہ تھی تو دیانۃً کسی میں بھی ضمانت نہ ہوگی۔''الاشباہ وحواشیہا''۔

''تاتر خانیہ'' میں ہے: اس نے انگیٹھی پر ہنڈیا رکھی اور اس کے نیچے لکڑیاں تھیں کوئی دوسرا آدمی آیا اس نے آگ کو روشن کیا اور اسے پکایا تو بطور استحسان ضامن نہیں ہوگا۔

اس جنس کے پانچ مسائل ہیں۔ان میں سے ایک یہی ہے۔(2) اس نے غیر کی گندم پیس دی تو ضامن ہوگا۔ اگر مالک نے گندم چھوٹی کشتی میں رکھی اور گدھے کو باندھ دیا اور ایک دوسرا آدمی آیا اس نے گدھے کو ہانکا تو ضامن نہیں ہوگا۔

(3) کسی اور آدمی کا گھڑا اٹھایا تو وہ ٹوٹ گیا تو ضامن ہوگا اگر اس کے مالک نے اسے اٹھایا اور اسے اپنی جانب جھکایا ایک اور آدمی آیا اور اس کی مدد کی تو گھڑا ٹوٹ گیا تو ضامن نہیں ہوگا۔

(4) اس نے کسی اور کے جانور پر سامان لادا تو وہ سواری ہلاک ہوگئی تو ضامن ہوگا۔اگر مالک نے خود اس پر کوئی شے لادی تو وہ شے گر گئی تو دوسرے نے اس پر لاد دیا تو وہ جانور ہلاک ہو گیا تو ضامن نہیں ہوگا۔

(5) ایک آدمی نے دوسرے کا قربانی کا جانور قربانی کے دنوں کے علاوہ میں ذبح کر دیا تو یہ جائز نہیں ہوگا اور وہ ضامن ہوگا۔اگر اس کے ایام میں ایسا کرے تو جائز ہوگا اور ضامن نہیں ہوگا۔

انہیں مسائل کی جنس میں سے یہ ہیں: ایک آدمی نے گھر گرانے کے لئے کوئی عمل کیا تو دوسرا آیا اور اسے گرا دیا تو بطور استحسان ضامن نہیں ہوگا۔قصاب کی بکری کو ذبح کر دیا اگر قصاب کے پاؤں باندھنے کے بعد ذبح کرے تو ضامن نہیں ہوگا ورنہ ضامن ہوگا۔ان مسائل کی جنس میں قاعدہ یہ ہے: یہ عمل جس میں لوگ متفاوت نہیں ہوتے تو ہر ایک سے استعانت دلالۃً ثابت ہوتی ہے ورنہ دلالۃً ثابت نہیں ہوتی اگر ذبح کرنے کے بعد اس نے اس جانور کو لٹکایا تا کہ اس کا چمڑا اتارے تو اس کی اجازت کے بغیر دوسرے نے چمڑا اتار دیا تو ضامن ہوگا۔ملخص۔

''القنیہ'' میں ہے: دو شریکوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی کا خاص گدھا اور اس کے ساتھ آٹا پیسا اور وہ مر گیا تو ضامن نہیں ہوگا۔کیونکہ اسے دلالۃً اذن حاصل ہے۔کہا: اس جواب سے یہ پتہ چل گیا کہ وہ اس میں ضامن نہیں ہوگا جس میں اذن دلالۃً موجود ہو اگرچہ صراحۃً اذن نہ پایا جائے جس طرح اگر وہ اپنے بچے کے گدھے کے ساتھ ایسا معاملہ کرے یا اس کے برعکس معاملہ ہو یا دونوں میاں بیوی میں سے کوئی ایسا کرے یا اس نے اپنی بیوی کی لونڈی کو بھیجا تو وہ بھاگ گئی۔

31383۔(قولہ: ضَمِنَهُ) یہ ''معراج''، ''بزازیہ'' وغیرہما میں قول ہے جو اس کے مخالف ہے اگر وہ اس بچے کو ساتھ

كَمَا فِي مَعَايَاةِ الْوَهْبَانِيَّةُ

وَغَاصِبُ شَيْءٍ كَيْفَ يَضْمَنُ غَيْرَهُ وَلَيْسَ لَهُ فِعْلٌ بِمَا يَتَغَيَّرُ

وَغَاصِبُ نَهْرٍ هَلْ لَهُ مِنْهُ شُرْبَةٌ وَهَلْ ثَمَّ نَهْرٌ طَاهِرٌ لَا مُطَهِّرٌ

جس طرح ''وہبانیہ'' کے چیستان میں ہے۔ کسی شے کو غصب کرنے والا کیسے غیر شے کا ضامن ہوتا ہے جبکہ اس کا ایسا کوئی فعل نہیں جس کے ساتھ وہ متغیر ہو۔ اور نہر کے غاصب کے لئے کیا اس سے پینا حلال ہے کیا وہ ایسی نہر ہے جو طاہر غیر مطہر ہو۔

ہانک کر نہ لے جائے تو اس کا ضامن نہ ہوگا۔ ہم کتاب الغصب کے آغاز میں پہلے ہی ''زیلعی'' سے نقل کر چکے ہیں۔ لیکن ''شرنبلالی'' سے وہ ''قاضی خان'' سے نقل کرتے ہیں: چاہئے کہ وہ اس کا بھی ضامن ہو کیونکہ اسے نہیں ہانکا جاتا مگر گدھی کے ساتھ ہی ہانکا جاتا ہے۔ جس طرح علماء نے کہا ہے: جب کوئی بچھڑا غصب کرے تو اس کی ماں کا دودھ خشک ہو گیا تو ماں کے نقصان کے ساتھ اس کا ضامن ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اگر مسئلہ مشائخ کی تخریجات میں سے ہے تو ''قاضی خان'' نے جو اختیار کیا ہے وہ قابل قدر ہے۔ اسی وجہ سے ''ابن وہبان'' اس پر گامزن ہوئے ہیں۔ اگر مجتہد سے منقول ہے تو اس کی اتباع زیادہ مناسب ہے۔ پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہئے۔

31384۔ (قولہ: بِمَا يَتَغَيَّرُ) ظاہر یہ ہے کہ یہاں مراد مضمون ہے اور وہ یہاں گدھی کا بچہ ہے یعنی جس کی ضمانت لازم ہے۔ کیونکہ جب وہ ہلاک ہو گیا تو وہ اپنی حالت سے متغیر ہو گیا وہ اس کا ضامن ہوگا جبکہ اس نے اس پر براہ راست عمل نہیں کیا۔ ''تامل''

31385۔ (قولہ: هَلْ لَهُ مِنْهُ شُرْبَةٌ) جواب ہے: اگر وہ نہر کو اپنی جگہ سے تبدیل کر دے تو اس سے پینا اور اس سے وضو کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ جگہ تبدیل کرنے کے ساتھ غصب کا اثر ظاہر ہو چکا ہے ورنہ نہیں۔ کیونکہ ہر ایک کا حق ان دونوں میں ثابت ہو چکا ہے۔ ''ابن شحنہ''۔

31386۔ (قولہ: وَهَلْ ثَمَّ نَهْرٌ طَاهِرٌ لَا مُطَهِّرٌ) جواب ہے: وہ تیز رفتار گھوڑا ہے اسے نہر اور بحر کہتے ہیں۔ کیونکہ بعض علماء کا اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ (الزخرف: 51) میں الانہار سے مراد گھوڑے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حضرت ابوطلحہ کے گھوڑے کے بارے میں ہے: انا وجدناہ لبحرا(1)۔ ''ابن شحنہ'' واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الھبۃ، باب من استعار من الناس الفرس والدابۃ وغیرھا، جلد 1، صفحہ 1107، حدیث نمبر 2434

فَصْلٌ

(غَيَّبَ) بِمُعْجَمَةٍ (مَا غَصَبَ وَضَمِنَ قِيمَتَهُ) لِمَالِكِهِ (مَلَكَهُ) عِنْدَنَا مِلْكًا (مُسْتَنِدًا إِلَى وَقْتِ الْغَصْبِ) فَتُسَلَّمُ لَهُ الْأَكْسَابُ لَا الْأَوْلَادُ مُلْتَقَى

فصل

غاصب نے جو چیز غصب کی اس کو غائب کر دیا غیب غین معجمہ کے ساتھ ہے اور اس کے مالک کو اس کی قیمت کی ضمانت دے دی ہمارے نزدیک وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔ یہ ایسی ملکیت ہوگی جو غصب کے وقت کی طرف منسوب ہے تو غاصب کے لئے مغصوبہ چیز کی کمائیاں حلال ہوں گی اولاد حلال نہ ہوگی "ملتقی"۔

جب غصب کے مقدمات اور اس کیفیت کو ذکر کیا جو ضمان کے ساتھ غاصب کے لئے ملکیت کو ثابت کرتا ہے اس فصل میں ایسے متفرق مسائل ذکر کئے جو غصب کے مسائل کے ساتھ متصل ہیں جس طرح مصنّفین کا طریقہ ہے۔ "نہایہ"۔

غاصب نے مغصوبہ چیز غائب کر دی اور مالک کو قیمت کی ضمانت دے دی تو اس کا حکم

31387۔ (قولہ: غَيَّبَ) زیادہ بہتر یہ کہنا تھا غاب تا کہ یہ اس کو بھی شامل ہو جائے جب وہ غلام ہو تو وہ بھاگ جائے۔ کیونکہ جب وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا تو اس کا مالک ہو جائے گا۔ "طوری" نے اسے بیان کیا ہے اور کہا: جو چیز خود بخود غائب ہو اس کا حکم بدرجہ اولیٰ معلوم ہو جائے گا۔

31388۔ (قولہ: وَضَمِنَ قِيمَتَهُ لِمَالِكِهِ) یعنی اگر مالک اس سے ضمانت لینا چاہے اور وہ مالک کو ضمانت دے دے ورنہ اسے صبر کرنا ہوگا یہاں تک کہ وہ چیز پائی جائے جس طرح "غایہ" میں ہے۔ "ح"۔

امام شافعی کا اختلاف اور احناف کی دلیل

31389۔ (قولہ: مَلَكَهُ عِنْدَنَا الخ) امام "شافعی" رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے نقطہ نظر سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ غصب ممنوع ہے۔ پس یہ ملک کا سبب نہیں بن سکتا جس طرح مدبر میں یہ ملک کا سبب نہیں بنتا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ بدل کا کامل طور پر مالک بن چکا ہے اور مبدل ایک ملک سے دوسری ملک کی طرف منتقل ہونے کی قابلیت رکھتا ہے پس اپنی ذات سے ضرر دور کرنے کے لئے اس کا مالک ہو جائے گا۔ مدبر کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ نقل کو قبول کرنے والا نہیں۔ "ابن کمال"۔

اکساب سے متصل جب کہ ولد سے منفصل زیادتی مراد ہے

31390۔ (قولہ: فَتُسَلَّمُ لَهُ الْأَكْسَابُ لَا الْأَوْلَادُ) یہ ان کے قول مستندا پر تفریع ہے۔ کیونکہ ایسی ملک جو

(وَالْقَوْلُ لَهُ) بِيَمِينِهِ لَوِ اخْتَلَفَا (فِي قِيمَتِهِ إِنْ لَمْ يُبَرْهِنِ الْمَالِكُ عَلَى الزِّيَادَةِ) فَإِنْ بَرْهَنَ أَوْ بَرْهَنَا فَلِلْمَالِكِ وَلَا تُقْبَلُ بَيِّنَةُ الْغَاصِبِ لِقِيَامِهَا عَلَى نَفْيِ الزِّيَادَةِ هُوَ الصَّحِيحُ زَيْلَعِيٌّ

اور اس کی قسم کے ساتھ قول اس کا معتبر ہوگا اگر دونوں اس کی قیمت میں اختلاف کریں اگر مالک قیمت کی زیادتی پر گواہیاں قائم نہ کرے اگر وہ گواہیاں قائم کردے یا دونوں گواہیاں پیش کردیں تو مالک کی گواہیاں قبول ہوں گی اور غاصب کی گواہیاں قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ زیادتی کی نفی پر قائم ہیں یہی قول صحیح ہے، ''زیلعی''۔

استناد کے ساتھ ثابت ہو وہ ناقص ہوتی ہے وہ ایک وجہ سے ثابت ہوتی ہے دوسری وجہ سے ثابت نہیں ہوتی۔ پس منفصل زیادتی میں اس کا اثر ظاہر نہیں ہوگا۔ ''العنایہ'' اور ''غایۃ البیان'' میں اسی طرح ہے۔ فرق یہ ہے کہ بچہ جدائی کے بعد تابع نہیں ہوتا کسب کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ منفعت کا بدل ہے۔ پس یہ محض تبع ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اکساب سے مراد مطلق ایسی زیادتی ہے جو متصل ہو جیسے حسن اور موٹاپا اور ولد سے مراد مطلق ایسی زیادتی ہے جو منفصل ہو جیسے دودھ اور پھل۔ جب غاصب مغصوبہ چیز کا ضمان کے ساتھ مالک ہو تو یہ اس کے لئے حلال نہ ہوگی اس پر وہ قول دلالت کرتا ہے جو گزر چکا ہے۔

''زیلعی'' کا قول ہے: متصل زیادتی اور کسب کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ تبع میں ہے۔ منفصل زیادتی کا معاملہ اس طرح نہیں۔ وہ بیع جو موقوف ہو یا جس میں خیار ہو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ مغصوبہ چیز کے ساتھ منفصل زیادتی کا بھی مالک بن جائے گا۔ کیونکہ یہ ایسا سبب ہے جو ملک کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ پس یہ ہر اعتبار سے منسوب ہوگا۔ ''تامل''

اگر مالک اور غاصب میں مغصوبہ چیز کی قیمت میں اختلاف ہو جائے تو اس کا حکم

31391۔ (قولہ: وَالْقَوْلُ لَهُ بِيَمِينِهِ) یعنی قول قسم کے ساتھ غاصب کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ اس زیادتی کا انکار کرتا ہے جس کا مالک دعویٰ کرتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہتا ہے اس کی قیمت نہیں مگر مثلاً دس درہم۔ ''منیۃ المفتی''۔

31392۔ (قولہ: فَلِلْمَالِكِ) کیونکہ مالک زیادتی کو ثابت کرنے والا ہوتا ہے۔ ''النہایۃ'' میں کہا: مالک کے دعویٰ میں مغصوب کے تمام اوصاف کا ذکر کرنا شرط نہیں۔ باقی ماندہ دعاوی کا معاملہ مختلف ہے۔ چاہئے کہ اس مسئلہ کو یاد رکھا جائے۔ ''شرنبلالیہ''۔

31393۔ (قولہ: وَلَا تُقْبَلُ بَيِّنَةُ الْغَاصِبِ الخ) ''المنح'' میں کہا: اگر مالک گواہیاں قائم کرنے سے عاجز آ گیا اور غاصب کی قسم کا مطالبہ کیا جبکہ غاصب کے پاس گواہ ہیں جو مغصوب کی قیمت کی گواہی دیتے ہیں تو انہیں قبول نہ کیا جائے گا بلکہ اس کے دعویٰ پر اس سے قسم لی جائے گی۔ کیونکہ اس کی گواہیاں زیادتی کی نفی کرتی ہیں اور نفی پر گواہیاں قبول نہیں کی جاتیں۔

ہمارے بعض مشائخ نے کہا: چاہئے کہ ان گواہیوں کو قبول کیا جائے تا کہ قسم کو ساقط کیا جائے جس طرح مودع ہے جب وہ ودیعت کے واپس کرنے کا دعویٰ کرے تو قول اس کا معتبر ہوتا ہے۔ اگر اس امر پر وہ گواہیاں قائم کردے تو اس کی گواہیاں

وَنَقَلَ الْمُصَنِّفُ عَنِ الْبَحْرِ وَالْجَوَاهِرِ لَوْ قَالَ الْغَاصِبُ أَوِ الْمُودِعُ الْمُعْتَدِي لَا أَعْرِفُ قِيمَتَهُ لَكِنْ عَلِمْتُ أَنَّهَا أَقَلُّ مِمَّا يَقُولُهُ فَالْقَوْلُ لِلْغَاصِبِ بِيَمِينِهِ وَيُجْبَرُ عَلَى الْبَيَانِ، فَإِنْ لَمْ يُبَيِّنْ حَلَفَ عَلَى الزِّيَادَةِ

مصنف نے ''البحر'' سے اور ''الجواہر'' سے نقل کیا: اگر غاصب اور تعدی کرنے والا مودع کہے: میں اس کی قیمت نہیں پہچانتا لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ وہ چیز قیمت میں اس سے کم ہے جو یہ مالک کہتا ہے تو قسم کے ساتھ قول غاصب کا معتبر ہوگا اور اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس کی وضاحت کرے۔ اگر وہ بیان نہ کرے تو زیادتی کے بارے میں اس سے قسم لی جائے گی

قبول کی جائیں گی۔

''ابوعلی نسفی'' کہا کرتے تھے: یہ مسئلہ مشکل شمار کیا گیا ہے مشائخ میں سے کچھ مشائخ ایسے ہیں جنہوں نے اس مسئلہ اور ودیعت کے مسئلہ میں فرق کیا ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔ ''العنایہ''، ''النہایہ'' اور ''التبیین'' میں اسی طرح ہے۔

31394۔ (قولہ: وَنَقَلَ الْمُصَنِّفُ الخ) مصنف نے اسے اپنی ''منح'' میں ''البحر'' اور ''جواہر الفتاویٰ'' سے کتاب الغصب کے شروع میں اپنے قول: ولو ادعی الغاصب الهلاك کے ہاں نقل کیا ہے۔ پھر یہاں ''جواہر الفتاوی'' سے نقل لوٹ آتی ہے۔ شارح نے یہ مسئلہ کتاب الاقرار سے تھوڑا پہلے ذکر کیا ہے اور اسے ''البحر'' کے کتاب الدعویٰ کی طرف منسوب کیا ہے اور ''البحر'' میں اسے ''الکنز'' کے قول ولا ترد یمین علی مدّع سے تھوڑا پہلے نقل کیا ہے اسے ''المحیط'' کی طرف انہوں نے اسے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے اور ''المحیط'' سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: یہ اس کتاب کے خواص اور اس کے غریب مسائل میں سے ہے۔ پس اس کو یاد رکھنا واجب ہے۔ شارح نے اس عبارت جو ''البحر'' کی عبارت ہے اور ''المحیط'' سے منقول ہے اور ''الجواہر'' کی جو عبارت ہے ان کو احسن ترین طریقہ سے جوڑا ہے۔ کیونکہ ''البحر'' کی عبارت میں اس کے حکم کو بیان کیا ہے جب غاصب قسم اٹھانے اور جب وہ انکار کرے تو اس سے خاموشی اختیار کی ہے اور ''الجواہر'' کی عبارت میں اس کے برعکس معاملہ ہے۔ شارح نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ منقول ہے وہ سوائے حسن تعبیر کے کسی حوالے سے بھی منفرد نہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

31395۔ (قولہ: لَوْ قَالَ الْغَاصِبُ الخ) جب مالک مقدار بیان کر چکا تھا جیسے وہ کہہ چکا تھا اس کی قیمت مثلاً سو ہے اس کے بعد غاصب کہے۔

31396۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ لِلْغَاصِبِ) اسی پر اکتفا کیا ہے کیونکہ مودع تعدیہ کے ساتھ غاصب بن چکا ہے۔ ''ح''۔

31397۔ (قولہ: وَيُجْبَرُ عَلَى الْبَيَانِ) کیونکہ اس نے مجہول قیمت کا اقرار کیا۔ ''بحر'' نے ''المحیط'' سے نقل کیا ہے یعنی قاضی اسے اس امر کا حکم دے گا۔ کیونکہ اس نے جو یہ قول کیا ہے: لا اعرفه قیمته اس میں اس کے جھوٹ کا احتمال ہے۔

31398۔ (قولہ: فَإِنْ لَمْ يُبَيِّنْ) ''البحر'' کی عبارت ہے: جب وہ وضاحت نہ کرے تو مغصوب منہ جس زیادتی کا دعویٰ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم اٹھا دے تو مغصوب منہ سے بھی قسم لی جائے گی کہ اس کی

فَإِنْ نَكَلَ لَزِمَتْهُ، وَلَوْ حَلَفَ الْمَالِكُ أَيْضًا عَلَى الزِّيَادَةِ أَخَذَهَا

اگر وہ انکار کردے تو اس پر زیادتی لازم ہوجائے گی۔ اگر مالک بھی زیادتی پر قسم اٹھادے تو وہ زیادتی لے لے گا۔

قیمت سوتھی اور وہ غاصب سے سو لے لے گا۔

زیادتی سے مراد یہ ہے مالک کا دعویٰ جسے اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے جس کی غاصب نے اپنے اس قول: علمت ان قیمته اقل مما یقوله کے ساتھ نفی کی ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس سے نفی پر قسم لی جائے گی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: اس کی قیمت سو نہیں جس طرح مالک نے دعویٰ کیا ہے اور اپنے قول لم یبین کے ساتھ قید لگائی یہ اس میں اس سے احتراز ہے جب وہ وضاحت کردے اور کہے: اس کی قیمت مثلاً پچاس ہے تو قول اس کا معتبر ہوگا۔ یہ متن کا سابقہ مسئلہ ہے تو یہ صحیح نہیں ہوگا کہ اصل نسخہ فان بین ہو۔ کیونکہ دونوں مسئلوں کا حکم مختلف ہے۔ فافہم۔

31399۔ (قولہ: وَلَوْ حَلَفَ الْمَالِكُ أَيْضًا) ایضا کے لفظ کے ساتھ بیان کیا کہ مراد ہے کہ غاصب کی قسم کے بعد وہ قسم اٹھائے ''حلبی'' نے کہا: کوئی وجہ ظاہر نہیں پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہئے یعنی مالک سے بھی قسم لینے کی وجہ ظاہر نہیں۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جب غاصب نے وضاحت نہ کی تو یہ ممکن نہ رہا کہ اس کی قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہو۔ متن کا مسئلہ اس سے مختلف ہے۔ پس مالک کا دعویٰ ختم نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ اس وقت ختم ہوتا ہے جب وہ کسی شے کی وضاحت کرے جس میں اس کی قسم کے ساتھ تصدیق کی جائے اور اس سے قسم لینے کا فائدہ یہ ہے اگرچہ مالک کے دعویٰ کو ختم نہیں کرتا کہ اس کے قسم سے انکار کی صورت میں دعویٰ کے ثبوت تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ جب وہ قسم اٹھادے گا تو مالک کا دعویٰ ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے قسم سے انکار نہیں کیا اور دعویٰ ختم نہیں ہوا کیونکہ اس نے وضاحت نہیں کی۔ پس دعویٰ اپنی حالت پر باقی رہے گا پس قسم کے ساتھ اس کو روشن کرنے کی ضرورت ہوگی اگرچہ یہ مدعی کی جانب سے ہو۔ کیونکہ مدعی علیہ کی قسم کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کی مثل چند مسائل ہیں جن میں سے یہ ہیں: اگر وہ خرید وفروخت کرنے والے ثمن یا بیع کی مقدار میں اختلاف کریں تو دونوں قسم اٹھائیں گے جبکہ ان میں سے ایک مدعی ہے اور دوسرا منکر ہے۔ یہ متون کے مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے۔ یہ امر میرے لئے ظاہر ہوا ہے اور اس نے اسے مشقت میں ڈال دیا جس کے پاس علم کی کمی تھی۔

''بیری'' نے ''الاشباہ'' کے کتاب الدعویٰ سے انہوں نے ''تاتر خانیہ'' سے یہ نقل کیا کہ ''حاکم ابو محمد'' نے امام ''محمد'' رحلیٹنلیہ پر اعتراض کیا کہ ہمارے نزدیک مدعی کے لئے قسم مشروع نہیں اور کہا: میرے نزدیک صحیح جواب یہ ہے کہ جب غاصب وضاحت کرنے سے رک جائے تو قاضی غاصب سے کہے: کیا اس کی قیمت سوتھی کیا پچاس تھی کیا تیس تھی یہاں تک اس اقل مقدار تک جا پہنچے جس سے کم عرف وعادت میں قیمت نہیں ہوسکتی۔ جب وہ اس تک جا پہنچے گا تو وہ اس پر لازم ہوجائے گی اور زیادتی میں اس کی قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا۔ یہ اس جواب کی طرح ہے جب وہ کسی عین کے بارے میں مجہول حق کا اقرار کرے جو اس کے قبضہ میں ہے اور کسی اور کا ہے۔ قاضی اس کے لئے سہام کا ذکر کرے گا یہاں تک کہ اس کی کم سے کم

ثُمَّ إنْ ظَهَرَ الْمَغْصُوبُ، فَلِلْغَاصِبِ أَخْذُهُ وَدَفْعُ قِيمَتِهِ أَوْ رَدُّهُ وَأَخْذُ الْقِيمَةِ وَهِيَ مِنْ خَوَاصِّ كِتَابِنَا فَلْتُحْفَظْ (فَإِنْ ظَهَرَ الْمَغْصُوبُ (وَهِيَ) أَيْ قِيمَتُهُ (أَكْثَرُ مِمَّا ضَمِنَ) أَوْ مِثْلُهُ أَوْ دُونَهُ عَلَى الْأَصَحِّ عِنَايَةٌ فَالْأَوْلَى تَرْكُ قَوْلِهِ وَهِيَ أَكْثَرُ (وَقَدْ ضَمِنَ بِقَوْلِهِ

پھر اگر مغصوبہ چیز ظاہر ہو جائے تو غاصب کو حق حاصل ہوگا کہ اسے لے لے اور اس کی قیمت دے دے وہ چیز واپس کر دے اور قیمت لے لے۔ یہ ہماری اس کتاب کے خواص میں سے ہے پس اس کو یاد رکھا جانا چاہئے۔ اگر مغصوب ظاہر ہو گیا جبکہ اس کی قیمت اس سے زیادہ تھی جو اس نے ضمانت دی یا اس کی مثل تھی یا اس سے کم تھی یہ اصح قول کے مطابق ہے۔ ''عنایہ''۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ اپنے قول او اکثر کو ترک کر دیتے جبکہ اس نے غاصب کے قول کے مطابق ضمانت لی تھی

مقدار تک جا پہنچے گا عرف و عادت میں تملیک کے ساتھ جس کا قصد نہیں کرتے اور وہ اس پر لازم ہو جاتا ہے۔ ''ملخص''

31400۔ (قولہ: ثُمَّ إنْ ظَهَرَ الخ) اس کی کوئی ضرورت نہیں جبکہ ساتھ ہی مصنف بعد میں اسے ذکر کریں گے۔ کیونکہ غاصب نے مالک کے قول کے مطابق ضمانت دی جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے پس مالک کا کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: شارح نے ''البحر'' کی مکمل عبارت ذکر کرنے کا قصد کیا جبکہ مصنف نے غاصب کے خیار کی تصریح نہیں کی بلکہ مالک کے خیار کی نفی کی اور دونوں میں کوئی تلازم نہیں جبکہ متن کے مسئلہ میں غاصب کے لئے خیار کے ثبوت میں کلام ہے جس کو ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ ''فافہم''

31401۔ (قولہ: وَدَفْعُ قِيمَتِهِ) اگر اس نے قیمت نہ دی ہو۔

31402۔ (قولہ: وَأَخْذُ الْقِيمَةِ) یعنی اگر اس نے قیمت دے دی ہو۔

31403۔ (قولہ: وَهِيَ مِنْ خَوَاصِّ كِتَابِنَا) ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ یہ صاحب ''المحیط'' کے کلام میں سے ہے اور ان میں سے ہے جو پہلے منقول ہو چکے خصوصی کی وجہ یہ ہو سکتی ہے۔ اور یہ مسئلہ مدعی پر یمین کے وارد ہونے کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ کیونکہ یہ کتاب میں مشہور نہیں ہے۔

31404۔ (قولہ: عَلَى الْأَصَحِّ) یہ ان کے قول او مثلہ او دونہ کی طرف راجع ہے یہ ظاہر روایت ہے۔ کیونکہ اس کی رضامندی مکمل نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس نے جو دعویٰ کیا تھا وہ اسے عطا نہیں کیا تھا اور خیار رضا کے فوت ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ امام ''کرخی'' کا قول اس کے خلاف ہے: اسے کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ ''ہدایہ''۔

31405۔ (قولہ: فَالْأَوْلَى تَرْكُ قَوْلِهِ وَهِيَ أَكْثَرُ) یا اس طرح کرتے جس طرح ''قدوری''، ''صاحب کنز'' اور ''صاحب ملتقی'' نے کہا ہے۔ کیونکہ انہوں نے دوسرے مسئلہ کو پہلے مسئلہ پر مقدم کیا ہے۔ اور بعض شارحین نے اسے سابق کی قید بنایا ہے۔ لیکن زیادہ بہتر اس طرح ہے جس طرح شارح نے ''قہستانی'' کی تبع میں کہا ہے کہ دونوں میں یہ قید نہیں۔

31406۔ (قولہ: وَقَدْ ضَمِنَ بِقَوْلِهِ) یعنی غاصب کے قول کے مطابق اس کی قسم کے ساتھ ضمانت لی گئی تھی۔

أَخَذَهُ الْمَالِكُ وَرَدَّ عِوَضَهُ أَوْ أَمْضَى) الضَّمَانَ، وَلَا خِيَارَ لِلْغَاصِبِ وَلَوْ قِيمَتُهُ أَقَلَّ لِلُزُومِهِ بِإِقْرَارِهِ ذَكَرَهُ الْوَانِيُّ نَعَمْ مَتَى مَلَكَهُ بِالضَّمَانِ فَلَهُ خِيَارُ عَيْبٍ وَرُؤْيَةٍ مُجْتَبَى (وَلَوْ ضَمِنَ بِقَوْلِ الْمَالِكِ أَوْ بُرْهَانِهِ أَوْ نُكُولِ الْغَاصِبِ فَهُوَ لَهُ وَلَا خِيَارَ لِلْمَالِكِ) لِرِضَاهُ حَيْثُ ادَّعَى هَذَا الْمِقْدَارَ فَقَطْ

تو مالک مغصوبہ چیز لے لے گا اور عوض واپس کر دے گا یا ضمان کو نافذ رکھے گا اور غاصب کو کوئی اختیار نہیں ہوگا اگرچہ اس کی قیمت کم ہو۔ کیونکہ اس کا لزوم اس کے اقرار سے ہوا ہے۔ یہ ''وانی'' نے ذکر کیا ہے ہاں جب وہ ضمان کے ساتھ مالک ہوا تو اسے خیار عیب اور خیار رویت حاصل ہوگا، ''مجتبیٰ''۔ اگر اس نے مالک کے قول کے مطابق یا اس کی گواہیوں کے مطابق یا غاصب کے قسم سے انکار کے ساتھ ضمانت اٹھائی تو وہی مالک کے لئے ہوگی اور مالک کو کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ راضی ہے کیونکہ اس نے صرف اسی مقدار کا دعویٰ کیا تھا۔

31407۔(قولہ: أَخَذَهُ الْمَالِكُ) غاصب کو حق حاصل ہوگا کہ اسے روک لے یہاں تک کہ اس نے جو کچھ دیا تھا وہ لے لے۔ ''زیلعی''۔

31408۔(قولہ: وَلَا خِيَارَ لِلْغَاصِبِ الخ) ''یعقوبیہ'' میں جو بحث ہے اس کا یہ رد ہے کہ یہ جو علت بیان کی گئی ہے کہ مالک راضی نہیں۔ چاہئے یہ تھا کہ غاصب کے لئے خیار ثابت ہوتا اگر اس کی قیمت کم ہوتی کیونکہ وہ بھی راضی نہیں تھا اسی وجہ سے کہا: اگرچہ اس کی قیمت کم ہو۔ فافہم۔

31409۔(قولہ: لِلُزُومِهِ بِإِقْرَارِهِ) میں کہتا ہوں: کیونکہ وہ غصب کرنے اور اس کو غائب کرنے کے ساتھ ظالم ہے۔ کیونکہ اس کی مکمل ملکیت مغصوب منہ کی رضا پر موقوف تھی جبکہ وہ رضا پائی گئی ہے۔ ''تامل''

31410۔(قولہ: أَوْ نُكُولِ الْغَاصِبِ) یعنی غاصب قسم سے انکار کر دے تو قیمت وہ نہیں جو مالک دعویٰ کرتا ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

31411۔(قولہ: فَهُوَ لَهُ وَلَا خِيَارَ لِلْمَالِكِ) اسی طرح غاصب کے لئے کوئی خیار نہیں ہوگا کیونکہ جب اس نے غصب کا اقدام کیا تو وہ اس پر راضی تھا۔ ''رحمتی''۔ ''طحطاوی'' نے ذکر کیا ہے: اسے خیار ہوگا وہ پہلے میں جو ان کا قول ہے ولا خیار للغاصب سے بطریق اشارہ اخذ کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: میں نے بہت سی کتب کی طرف رجوع کیا اور میں اس میں صریح نقل پانے پر کامیاب نہیں ہوا نظر جس امر کا تقاضا کرتی ہے وہ وہ ہے جو ''رحمتی'' نے کہا ہے۔ کیونکہ غاصب غصب کرنے اور مالک سے اسے غائب کرنے کے ساتھ ظالم ہوا ہے۔ پس اس پر اس کا اصرار کرنا یہ اس کی رضامندی کی دلیل ہے جب وہ ظالم ہے تو اس کی جانب کی رعایت نہیں کی جائے گی۔ ان کے پاس اس بات پر اکتفا کرنا کہ دونوں مسئلوں میں خیار صرف مالک کی جانب سے ہوگا اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ مالک مظلوم ہے۔ اس وجہ سے ''اتقانی'' نے پہلے مسئلہ میں مالک کے خیار کی علت بیان کرتے ہوئے کہا: کیونکہ وہ مکرہ کی طرح ہے۔

(وَإِنْ بَاعَ) الْغَاصِبُ (الْمَغْصُوبَ فَضَمِنَهُ الْمَالِكُ نَفَذَ بَيْعُهُ وَإِنْ حَرَّرَ) أَيِ الْغَاصِبُ؛ لِأَنَّ تَحْرِيرَ الْمُشْتَرِي مِنَ الْغَاصِبِ نَافِذٌ فِي الْأَصَحِّ عِنَايَةٌ

اگر غاصب نے مغصوبہ شے کو بیچ دیا مالک نے اس سے ضمانت لے لی اس کی بیع نافذ ہو جائے گی اگر غاصب نے اسے آزاد کر دیا، کیونکہ غاصب سے خریدنے والے کا آزاد کرنا یہ اصح قول کے مطابق نافذ ہے۔ ''عنایہ''۔

کیونکہ وہ اپنا حق عین سے بدل کی طرف منتقل کر رہا ہے جنس بدل پر وہ راضی نہیں مکرہ کے لئے فسخ میں خیار ثابت ہوتا ہے۔

مصنف کا قول دوسرے علما کے قول کی طرح ہے۔ پس یہ اس کے لئے خیار نہ ہونے میں ظاہر ہے۔ کیونکہ اس کی ملکیت مالک کی رضامندی پر موقوف تھی جبکہ وہ رضامندی پائی گئی ہے۔ خصوصاً اس صورت میں جب وہ قسم سے انکار کر دے۔ کیونکہ قسم سے انکار کرنا یہ دعویٰ کا اقرار ہوتا ہے۔ جہاں تک سابقہ مسئلہ میں ''البحر'' اور ''الجواہر'' سے اس کے لئے خیار کے ثبوت کا تعلق ہے یہاں اس کے ثبوت پر دال نہیں۔ کیونکہ دونوں کا موضوع مختلف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا اس قسم میں صدق ظاہر ہو چکا ہے جس میں اس نے قسم اٹھا دی ہے اور وہ مالک کے قول پر راضی نہیں اور اس پر کوئی برہان قائم نہیں ہوئی اور اس نے قسم اٹھانے سے انکار نہیں۔ کیا اس مسئلہ کا تمام مذکورہ چیزوں میں معاملہ مختلف ہے۔ پس فی الجملہ اس کے لئے خیار کو ثابت کرنا یہ حکم شرعی ہے جو نقل کا محتاج ہے پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہئے۔

31412۔ (قولہ: فَضَمِنَهُ الْمَالِكُ) مالک کے ضمانت لینے کی قید لگائی ہے۔ یہ اس سے احتراز ہے جب غاصب اسے بیچے اور مالک اسے غاصب کے ہاتھ بیچ دے یا اسے ہبہ کر دے یا مالک مر جائے اور غاصب اس کا وارث ہو۔ کیونکہ غاصب کی بیع باطل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حتمی ملکیت ایسی ملک پر واقع ہوئی ہے جو ضمان کی ادائیگی پر موقوف ہے۔ ''ابوسعود'' نے اپنے شیخ سے نقل کرتے ہوئے اسے باطل قرار دیا ہے۔

31413۔ (قولہ: نَفَذَ بَيْعُهُ) یہ حکم اس صورت میں ہے اگر اس سے غصب کے دین کی قیمت بطور ضمانت لے۔ ''جامع الفصولین''، میں فصل پچیس سے پہلے کہا ہے: ایک آدمی نے کوئی چیز غصب کی اور اس کو بیچ دیا اگر مالک اس سے غصب کے دن کی قیمت وصول کرے تو اس کی بیع جائز ہو گی اگر بیع کے دن کی قیمت بطور ضمانت وصول کرے تو بیع جائز نہ ہو گی۔

31414۔ (قولہ: لِأَنَّ تَحْرِيرَ) ای کے کلمہ سے جو تفسیر مفہوم ہو رہی تھی اس کی علت بیان کی جا رہی ہے۔ ''ح''۔

مبیع پر زوائد متصلہ اور منفصلہ کے ساتھ ملکیت حاصل ہو جاتی ہے

31415۔ (قولہ: نَافِذٌ فِي الْأَصَحِّ) اگر غاصب سے خریدنے والے نے اس غلام کو آزاد کر دیا پھر مالک نے غاصب سے ضمانت لے لی تو شیخین کے نزدیک اصح قول کے مطابق اس کا آزاد کرنا نافذ ہو جائے گا۔ اسی طرح مالک بیع کی اجازت دے دے تو وہ بھی نافذ ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ ایسی آزادی ہے جو اسے سبب ملک پر مرتب ہے جو بذات خود مکمل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مبیع پر زوائد متصلہ اور منفصلہ کے ساتھ ملکیت حاصل ہو جاتی ہے اگر وہ بنفسہ مکمل نہ ہو تو ایسا نہ ہوتا۔ اس کی مکمل

(ثُمَّ ضَمِنَهُ لَا)؛ لِأَنَّ الْمِلْكَ النَّاقِصَ يَكْفِي لِنَفَاذِ الْبَيْعِ لَا الْعِتْقِ (وَزَوَائِدُ الْمَغْصُوبِ) مُطْلَقًا مُتَّصِلَةٌ كَسِمَنٍ وَحُسْنٍ أَوْ مُنْفَصِلَةٌ كَدَرٍّ وَثَمَرٍ (أَمَانَةٌ لَا تُضْمَنُ إِلَّا بِالتَّعَدِّي أَوْ الْمَنْعِ بَعْدَ طَلَبِ الْمَالِكِ)؛ لِأَنَّهَا أَمَانَةٌ وَلَوْ طَلَبَ الْمُتَّصِلَةَ لَا يَضْمَنُ

پھر اس کی ضمانت دی تو آزاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ ناقص ملکیت بیع کے نفاذ میں کافی ہے آزادی کے نفاذ میں کافی نہیں۔ مغصوبہ چیز کے زوائد مطلقاً وہ متصل ہوں جیسے موٹا ہونا اور اس کا حسن یا منفصل ہوں جیسے دودھ اور پھل یہ سب امانت ہیں ان کی ضمانت نہیں جب تک تعدی نہ ہو یا مالک کے مطالبہ کے بعد وہ اسے روک نہ لے اگر وہ زوائد متصلہ کا مطالبہ کرے تو ضامن نہیں ہوگا۔

وضاحت ''التبیین'' میں ہے۔

ناقص ملکیت بیع کے نفاذ میں کافی ہے آزادی کے نفاذ میں کافی نہیں

31416_(قولہ: لِأَنَّ الْمِلْكَ النَّاقِصَ الخ) اس کا نقصان یہ ہے کہ اس کا ثبوت استناد کے طریقہ پر ہے جس طرح قول گزر چکا ہے۔ ''ابن کمال'' اس تعلیل پر راضی نہیں ہوئے۔ کہا: کیونکہ یہ ٹوٹ جاتی ہے جب مشتری غاصب سے خرید کر اسے آزاد کر دیتا ہے اور اس کی یہ علت بیان کی کہ غصب ملکیت کا فائدہ دینے کے لئے وضع نہیں کیا گیا۔ ''فتامل''

31417_(قولہ: وَزَوَائِدُ الْمَغْصُوبِ) ان میں سے وہ اکساب نہیں جو غاصب نے کرایہ وغیرہ کی صورت میں حاصل کئے۔ کیونکہ ان کی ضمانت نہیں ہوتی اگرچہ جان بوجھ کر ان کو ہلاک کر دے۔ کیونکہ یہ مغصوب کے منافع کے عوض ہیں اور اس کے منافع کی ہمارے نزدیک ضمانت نہیں ہوتی جس طرح آگے آئے گا۔ اسی طرح اس کے بدل کا حکم ہے۔ ''کفایہ''۔

اگر تعدی نہ ہو تو امانت میں ضمانت نہیں

31418_(قولہ: أَمَانَةٌ لَا تُضْمَنُ إِلَّا بِالتَّعَدِّي) امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ غصب کی حقیقت یہی ہمارے اور ان کے درمیان اختلاف کا ثمرہ ہے جس طرح کتاب الغصب کے آغاز میں شارح نے اس پر متنبہ کیا ہے۔ اگر غاصب اسے قتل کر دے تو زیادتی کے ساتھ اس سے ضمانت لے لیں۔

اگر زیادتی کے بعد لونڈی ہلاک ہو جائے تو غصب کے وقت اس کی جو قیمت تھی اس کی ضمانت لے گا اور زیادتی کی ضمانت نہیں لے گا۔ اسی طرح اگر اس کی قیمت زائد ہو جائے تو بھی زیادتی کی ضمانت نہیں لے گا۔ ''نہایہ''۔

31419_(قولہ: لِأَنَّهَا أَمَانَةٌ) یہ متن میں جو قول ہے اس کے ساتھ مکرر ہے۔

امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو زیادتی منفصل ہو اس کی بالاتفاق ضمانت ہوتی ہے

31420_(قولہ: وَلَوْ طَلَبَ الْمُتَّصِلَةَ لَا يَضْمَنُ) کیونکہ اس کو دینا ممکن نہیں پس یہ مانع نہیں ہوگا ''ح''۔ یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر وہ زیادتی کا اصل کے ساتھ مطالبہ کرے۔ اس کی صورت یہ ہے ''مجھے لونڈی یا جانور حسن یا موٹاپے کے بعد سپرد کر دو'' اس نے سپرد کرنے سے انکار کر دیا تو چاہئے کہ وہ اصل کی طرح زیادتی کا بھی ضامن ہو اس کی وضاحت کی جانی چاہئے۔

(وَمَا نَقَصَتْهُ الْجَارِيَةُ بِالْوِلَادَةِ مَضْمُونٌ وَيُجْبَرُ بِوَلَدِهَا) بِقِيمَتِهِ أَوْ بِغُرَّتِهِ

لونڈی نے ولادت کے ساتھ جو قیمت میں کمی کر دی اس کی ضمانت ہوگی تو اس کی کو اس کے بچے کی قیمت سے پورا کیا جائے گا یا اس کے غرہ کے ساتھ کمی کو پورا کیا جائے گا

میں کہتا ہوں: ''المجمع'' میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ متصل زیادتی کی بیع کرنے اور سپرد کرنے میں ضمانت نہیں دی جائے گی اس کے شارح نے کہا: یعنی امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو منفصل زیادتی ہے اس کی بالاتفاق ضمانت ہوتی ہے۔ کیونکہ مشتری کے حوالے کرنے کی وجہ سے وہ تعدی کرنے والا ہو گیا ہے۔

''الاختیار'' میں ہے: اگر اس نے متصل زیادتی کا مطالبہ کیا تو غیر کو بیع کرنے کی وجہ سے اس کی ضمانت نہیں دے گا۔ کیونکہ طلب صحیح نہیں کیونکہ اصل کے بغیر زوائد کو ادا کرنا ممکن نہیں۔ جب مشتری کے سپرد کرنے سے ان کی ضمانت نہیں ہوگی تو انکار کرنے سے بھی ان کی ضمانت نہیں ہوگی۔ ہم کتاب الغصب کے اوائل میں ''جامع الفصولین'' سے نقل کر چکے ہیں۔ ایک آدمی نے بکری غصب کی وہ موٹی ہو گئی اس نے بکری کو ذبح کر دیا تو غصب کے دن کی قیمت کا وہ ضامن ہوگا ذبح کے دن کی قیمت کا ضامن نہیں ہوگا۔ یہ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے جس طرح اگر وہ اس کے ہلاک کرنے کے بغیر ہی تلف ہو جائے۔ ''تامل''

ولادت کے سبب لونڈی کی قیمت میں جو کمی ہوئی اس کی ضمانت ہوگی

31421۔(قولہ: وَمَا نَقَصَتْهُ الْجَارِيَةُ) یعنی لونڈی کی قیمت میں جو کمی واقع ہوئی۔ کیونکہ نقص فعل لازم آتا ہے اور متعدی بھی آتا ہے یہاں یہ لازم ہے ''ابن ملک''۔ مگر جو ضمیر اس کے ساتھ متصل ہے وہ اس کے متعدی ہونے پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ یہ مصدر کی ضمیر ہے۔ کیونکہ یہ ضمیر ما کی طرف لوٹ رہی ہے جو نقصان پر واقع ہو رہی ہے۔

31422۔(قولہ: مَضْمُونٌ) یعنی جب غاصب کے ہاں وہ حاملہ ہو یا اس نے غاصب کے غلام کے ساتھ بدکاری کی۔ مگر جب حمل خاوند یا آقا سے ہو تو کوئی ضمانت نہیں۔ ''جوہرہ''۔ ''طوری'' میں ''محیط'' سے مروی ہے: ایک آدمی نے لونڈی کو حاملہ کی حیثیت سے غصب کیا یا مریض کی حیثیت سے غصب کیا تو اس وجہ سے اس کے قبضہ میں مر گئی تو وہ اس لونڈی کا ضامن ہوگا اور اس میں یہ عیب شمار ہوگا۔

31423۔(قولہ: بِقِيمَتِهِ) یعنی اگر بچہ زندہ ہو بقیمتہ یہ ان کے قول بولدھا سے بدل ہے مراد ہے جب وہ اس لونڈی کو لوٹائے جبکہ اس کا بچہ ولادت کے نقصان کو پورا کرتا ہے یہ اس بچے کی قیمت کو دیکھنے کی بنا پر ہے۔

31424۔(قولہ: أَوْ بِغُرَّتِهِ) یعنی اگر غاصب یا کوئی اور اس کے پیٹ میں ضرب لگائے تو وہ لونڈی اس جنین کو مردہ پھینک دے تو غرہ اس کی قیمت کا بیسواں حصہ ہوگا اگر وہ زندہ ہوتا اگر مذکر ہو اور اس کی قیمت کا دسواں حصہ ہوگا اگر وہ مونث ہو۔ ''الاختیار'' میں کہا: کیونکہ غرہ اس کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ یہ غرہ اس بچے کے بدل کے قائم مقام ہو کر واجب ہوتا ہے۔

إِنْ وَفَّى بِهِ وَإِلَّا فَيَسْقُطُ بِحِسَابِهِ، وَلَوْ مَاتَتْ وَبِالْوَلَدِ وَفَاءٌ كَفَى هُوَ الصَّحِيحُ اخْتِيَارٌ (زَنَى بِأَمَةٍ مَغْصُوبَةٍ) أَيْ غَصَبَهَا (فَرَدَّهَا حَامِلًا فَمَاتَتْ بِالْوِلَادَةِ ضَمِنَ قِيمَتَهَا)

اگر وہ اس کو کافی ہو ورنہ اس کے حساب سے ضمانت ساقط ہو جائے گی۔ اگر وہ لونڈی مر جائے اور بچے کے ساتھ اس کی کمی پوری ہو جاتی ہو تو یہ کافی ہوگا۔ یہی قول صحیح ہے،''اختیار''۔ ایک آدمی نے ایک مغصوبہ عورت کے ساتھ بدکاری کی یعنی اسے غصب کیا اور پھر اس کے ساتھ یہ فعل کیا پھر اس لونڈی کو حاملہ واپس کر دیا تو وہ لونڈی ولادت کے ساتھ مر گئی تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا

31425۔ (قولہ: إِنْ وَفَّى بِهِ) اگر نقصان کو کافی ہو اسی طرح کا حکم ہوگا اگر نقصان سے زائد ہو جس طرح ''غایۃ البیان'' میں ہے۔

31426۔ (قولہ: وَإِلَّا الخ) یعنی اگر وہ اس کو پورا نہ ہو تو بچے کی مقدار کے حساب سے کمی کو پورا کیا جائے گا اور باقی ماندہ کا ضامن ہوگا۔

31427۔ (قولہ: وَلَوْ مَاتَتْ الخ) اس مسئلہ میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے تین روایات ہیں۔ وہ بچہ واپس کرنے کے ساتھ بری ہو جائے گا۔ بچہ پیدا ہونے کی وجہ سے جس قدر نقصان ہوا ہے اس بچے کے ساتھ کمی کو پورا کیا جائے گا اور ماں کی قیمت سے جو زائد ہوگا اس کی ضمانت دے گا۔ ظاہر روایت میں ہے: غصب کے روز جو اس لونڈی کی قیمت تھی اس کو مکمل طور پر واپس کرے گا جس طرح ''النہایہ'' میں ''المبسوط'' سے مروی ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

31428۔ (قولہ: زَنَى بِأَمَةٍ) یعنی غاصب یا کسی اور نے لونڈی کے ساتھ بدکاری کی۔ ''طحطاوی'' نے ''حموی'' سے نقل کیا ہے اور اس کی قید لگائی ہے: اگر وہ خاوند یا آقا سے حاملہ ہو تو کوئی ضمانت نہیں ہوگی اگرچہ مر جائے۔ ''اتقانی''۔

31429۔ (قولہ: أَيْ غَصَبَهَا) اس تفسیر کا فائدہ یہ ہے کہ اس وہم کو دور کیا جائے جو بعض اوقات قول مغصوبۃ کے عموم سے پیدا ہوتا ہے جب وہ کسی ایسی لونڈی سے بدکاری کرے جسے کسی اور نے غصب کیا ہو تو ضمان غاصب پر ہوگی زانی پر نہیں ہوگی۔ فافہم۔

31430۔ (قولہ: فَمَاتَتْ بِالْوِلَادَةِ) یعنی اس بچے کی ولادت کی وجہ سے مر گئی نہ کہ فوراً مر گئی۔ ''قاضی خان'' نے کہا: وہ ولادت کی وجہ سے مر گئی یا نفاس میں مر گئی۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اگر حمل آقا کے پاس غاصب کے واپس کرنے کے وقت سے چھ ماہ سے کم عرصہ میں ظاہر ہو جائے تو غاصب غصب کے دن کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

''مواہب'' میں کہا: اس پر حمل کے ٹھہرنے کے دن کی قیمت لازم ہوگی۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے کہا: حمل کی وجہ سے جو اس میں نقص واقع ہوا اس کی ضمان لازم ہوگی یہ اصح قول کے مطابق ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

31431۔ (قولہ: ضَمِنَ قِيمَتَهَا) اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اگرچہ اس کا بچہ باقی رہے اور بچے کی قیمت کے ساتھ

يَوْمَ عَلِقَتْ (بِخِلَافِ الْحُرَّةِ) ؛ لِأَنَّهَا لَا تُضْمَنُ بِالْغَصْبِ لِيَبْقَى ضَمَانُ الْغَصْبِ بَعْدَ فَسَادِ الرَّدِّ وَلَوْ رَدَّهَا مَحْمُومَةً فَمَاتَتْ لَا يَضْمَنُ

جس روز اس کو حمل ٹھہرا۔ آزاد کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ غصب کے ساتھ اس کی ضمانت نہیں ہوگی تا کہ لوٹانے کے فساد کے ساتھ غصب کا ضمان باقی رہے۔ اگر اس نے لونڈی کو اس حال میں واپس کیا کہ اسے بخار تھا تو وہ لونڈی مرگئی تو ضامن نہ ہوگا۔

اس کمی کو پورا نہیں کیا جائے گا جس طرح ''ہندیہ'' میں ہے۔ کیونکہ اس نے اس کو غصب کیا ہے اور اس میں جو تلف کا سبب منعقد ہوا اور اسے واپس کر دیا گیا جبکہ وہ اس میں موجود تھا تو واپس کرنا اس صورت میں نہیں پایا گیا جس صورت پر اس نے اسے لیا تھا پس لوٹانا صحیح نہ ہوا پس وہ ضمان سے بری نہیں ہوگا جس طرح جب وہ لونڈی غاصب کے پاس جنایت کرے تو وہ اس لونڈی کو واپس کر دے تو وہ لونڈی اس جنایت کی وجہ سے قتل کر دی جائے یا وہ ولی جنایت کو دے دی جائے تو مالک اس سے پوری قیمت واپس لے گا گویا اس نے اسے واپس نہیں کیا۔

31432۔ (قولہ: يَوْمَ عَلِقَتْ) ''ہدایہ''، ''مجمع'' وغیرہما میں اسی طرح ہے۔ ''یعقوبیہ'' میں اس میں بحث کی ہے کہ چاہئے کہ غصب کے دن کی قیمت لازم ہو پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ اس کے موافق وہ قول ہے جو ہم ابھی ''قاضی خان'' سے نقل کر آئے ہیں۔

31433۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْحُرَّةِ) یعنی جب اس کے ساتھ کوئی مرد زبردستی زنا کرے یا زبردستی کے بغیر زنا کرے۔ ''اتقانی''۔ ''الدرر'' میں جو قول ہے اس میں اعتراض ہے ''عزمیہ''۔ اس میں اعتراض ہے پس اس میں تدبر کیجئے۔

31434۔ (قولہ: بَعْدَ فَسَادِ الرَّدِّ) یعنی حمل کے سبب ''زیلعی'' اور مصنف نے یہ اضافہ کیا ہے اس کا لوٹانا اصلاً واجب نہیں۔

''رملی'' نے کہا: جنایات میں عنقریب آئے گا کہ جس نے کسی مرد کی بیوی سے دھوکہ کیا تو اسے محبوس کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اس عورت کو واپس کرے یا مرجائے۔ شاید یہاں یہ قیاس ہے اور وہاں استحسان ہے۔ یہ فساد کو ختم کرنے کے لئے ہے۔ ''تامل''

31435۔ (قولہ: وَلَوْ رَدَّهَا مَحْمُومَةً الخ) یعنی لونڈی کو واپس کرے جبکہ اسے بخار ہو۔ ان دونوں مسئلوں اور متن کے مسئلہ میں فرق یہ ہے کہ ہلاکت طبیعت کے ضعف کی وجہ سے ہے جو ضعف اس بخار کے آثار کی وجہ سے ہے جو پے در پے لاحق ہوئے ہیں اور یہ غاصب کے ہاں پہلے بخار سے نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ مابعد کا موجب نہیں اور زنا ان کوڑوں کا موجب ہوتا ہے جو تکلیف دہ ہوتے ہیں نہ کہ تلف کرنے والے ہوتے ہیں۔ پس زنا کی طرف اسے منسوب نہیں کیا جائے گا بخلاف اس ہلاکت کے جو زنا کے حمل کی وجہ سے ہو کیونکہ یہ ہلاکت سبب اول سے ہوتی ہے۔

31436۔ (قولہ: لَا يَضْمَنُ) یعنی پوری قیمت کا ضامن نہیں ہوگا بلکہ بخار کی وجہ سے جو اس کی قیمت میں کمی واقع ہوئی اس کا ضامن ہوگا جس طرح ''الدرالمنتقی'' میں ہے۔

وَكَذَا لَوْ زَنَتْ عِنْدَهُ فَرَدَّهَا فَجُلِدَتْ فَمَاتَتْ بِهِ مُلْتَقًى، وَلَوْ زَنَى بِهَا وَاسْتَوْلَدَهَا ثَبَتَ النَّسَبُ وَالْوَلَدُ رَقِيقٌ (وَ) بِخِلَافِ (مَنَافِعِ الْغَصْبِ اسْتَوْفَاهَا أَوْ عَطَّلَهَا)

اسی طرح کا حکم ہوگا اگر اس لونڈی نے غاصب کے پاس بدکاری کی تو اس کو واپس کر دیا تو اس کو کوڑے مارے گئے تو وہ مر گئی ''ملتقی''۔ اگر غاصب نے اس کے ساتھ بدکاری کی اور اس کو ام ولد بنا دیا نسب ثابت ہو جائے گا اور بچہ رقیق ہوگا۔ اور غصب کے منافع کا معاملہ مختلف ہے خواہ اس نے وہ وصول کر لئے ہوں یا انہیں معطل چھوڑ دیا ہو

31437۔ (قولہ: وَكَذَا) یعنی پوری قیمت کا ضامن نہیں ہوگا بلکہ زنا کے عیب کی وجہ سے جو اس کی قیمت میں کمی واقع ہوئی ہے اس کا ضامن ہوگا۔ ''زیلعی''۔

31438۔ (قولہ: وَلَوْ زَنَى بِهَا) اگر اس نے اس لونڈی کے ساتھ بدکاری کی جس کو اس نے غصب کیا تھا اور اس کو ام ولد بنا لیا یعنی وہ لونڈی اس سے حاملہ ہوگئی۔ ''درر''۔

31439۔ (قولہ: ثَبَتَ النَّسَبُ) یعنی اگر اس نے لونڈی کی ضمانت دی اور اس بچے کے نسب کا دعویٰ کیا جس طرح ''الدرر'' میں ہے۔ ''ح''۔

31440۔ (قولہ: وَالْوَلَدُ رَقِيقٌ) کیونکہ اس آدمی کی جانب سے ضمانت کو لازم کرنا جو ضمانت لازم کرنے کا حق رکھتا ہو یہ شبہ پیدا کرتا ہے اور نسب شبہ سے ثابت ہو جاتا ہے۔ آزادی کا معاملہ مختلف ہے۔ ''درر'' نے ''کافی'' سے نقل کیا ہے۔ ''عزمیہ'' میں نقل کیا ہے کہ ''صاحب الدرر'' نے مسئلہ میں غلط وضاحت کی ہے اور مسئلہ ''کافی'' کی طرف رجوع کرنے سے واضح ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''تاتر خانیہ'' میں مسئلہ کو ذکر کیا ہے کیونکہ کہا: غاصب کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس سے خدمت لے یا کسی اور کو مالک بنا دے یہاں تک کہ آقا اسے اختیار کرے۔ اگر وہ قیمت لینا اختیار کرے تو نئے سرے سے استبرا کرے اگر لونڈی کو لینا اختیار کرے تو جو تصرف کیا ہوگا وہ باطل ہو جائے گا مگر جب وہ اس کو ام ولد بنا لے تو نسب بطور استحسان ثابت ہو جائے گا اور بچہ غلام ہوگا تو جو گزر چکا ہے اسے اس میں فرض کیا جائے گا جب مالک لونڈی لینے کو اختیار کرے نہ کہ قیمت لینا اختیار کرے اس کی وجہ میں غور و فکر کیجئے۔

مغصوبہ چیز کے نفع کی ضمانت کا بیان

31441۔ (قولہ: مَنَافِعِ الْغَصْبِ) یہاں غصب مغصوب کے معنی میں ہے۔

31442۔ (قولہ: اسْتَوْفَاهَا أَوْ عَطَّلَهَا) پہلے کی صورت یہ ہے: وہ غلام سے ایک ماہ کے لئے مثلاً خدمت لے پھر اس غلام کو اس کے آقا کی طرف لوٹا دے۔ دوسرے کی صورت یہ ہے: اسے اپنے پاس روکے رکھے اور اس سے کوئی کام نہ لے پھر اسے واپس کر دے جس طرح ''الدرر'' میں ہے۔

فَإِنَّهَا لَا تُضْمَنُ عِنْدَنَا وَيُوجَدُ فِي بَعْضِ الْمُتُونِ وَمَنَافِعُ الْغَصْبِ غَيْرُ مَضْمُونَةٍ إِلَى آخِرِهِ لَكِنْ لَا يُلَائِمُهُ مَا يَأْتِي مِنْ عَطْفِ خَمْرِ الْمُسْلِمِ إِلَى آخِرِهِ مَعَ أَنَّهُ أَخْصَرُ فَتَدَبَّرْ (إِلَّا) فِي ثَلَاثٍ فَيَجِبُ أَجْرُ الْمِثْلِ عَلَى اخْتِيَارِ الْمُتَأَخِّرِينَ (أَنْ يَكُونَ) الْمَغْصُوبُ (وَقْفًا) لِلسُّكْنَى أَوْ لِلِاسْتِغْلَالِ (أَوْ مَالَ يَتِيمٍ)

ہمارے نزدیک ان منافع کی ضمانت نہیں۔ بعض متون میں یہ پایا جاتا ہے: غصب کے منافع پر ضمانت نہیں لیکن آگے جو مسلمان کے شراب کا عطف ہے آخر تک وہ اس کے مناسب نہیں۔ جبکہ وہ زیادہ مختصر ہے پس اس سے تدبر کیجئے مگر تین صورتوں میں تو متاخرین کے اختیار کے مطابق اجرت مثلی واجب ہوگی مگر مغصوبہ چیز یا کرایہ حاصل کرنے کے لئے وقف ہو یا یتیم کا مال ہو

31443۔(قولہ: عِنْدَنَا) امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

31444۔(قولہ: لَكِنْ لَا يُلَائِمُهُ الخ) بلکہ اس کے مناسب یہ ہے کہ اس پر رفع کے ساتھ عطف کیا جائے پس یہ اس امر کا فائدہ دے گا کہ یہ غیر مضمون ہے۔ ''ط''۔ یعنی خبر کو حذف کرنے کی تقدیر کے ساتھ (یعنی تقدیر کلام یہ ہوگی کہ خبر محذوف ہے) اصل یہ ہے: خمر المسلم غیر مضمون بدلیل ما قبلہ جیسے تیرا قول ہے: ھند غیر قائمۃ و عمرو جس کو ذکر کیا ہے اس میں عدم مناسبت زیادہ شدید ہے کیونکہ یہ ان کے قول بخلاف الحرۃ پر معطوف ہے۔ آزاد عورت کی لونڈی کے ساتھ حکم میں مخالطت ظاہر ہے اور دونوں کے درمیان مناسبت ہے۔ غصب کے منافع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ دونوں کے درمیان مناسبت محض تکلف کی صورت میں ہے۔

31445۔(قولہ: مَعَ أَنَّهُ) ضمیر سے مراد ما شرح علیہ ہے یعنی جو اس کی شرح کی گئی ہے۔

31446۔(قولہ: أَنْ يَكُونَ وَقْفًا) جس طرح اس کے منافع کی ضمانت لازم ہوگی اس کی ذات کی ضمانت دینا ہوگی جس طرح پہلے ''عینی'' وغیرہ سے نقل کیا ہے جب عقار کے غصب کے بارے میں گفتگو کی۔ ''الولوالجیہ'' میں ہے: جب اس پر قیمت کا فیصلہ کر دیا گیا تو وہ قیمت اس سے لے لی جائے گی۔ پس اس کے ساتھ ایک اور جاگیر خریدی جائے گی جو پہلے وقف کے طریقہ پر ہوگی۔

31447۔(قولہ: لِلسُّكْنَى أَوْ لِلِاسْتِغْلَالِ) میں کہتا ہوں: یا ان کے علاوہ کسی اور کے لئے وقف ہو جیسے مسجد ہے۔ علامہ ''مقدسی'' نے ایک ایسی مسجد کے بارے میں فتویٰ دیا جس پر ایک آدمی نے تعدی کی اور اس نے اسے قہوہ خانہ بنا دیا تو جتنا عرصہ اس نے مسجد کو قہوہ خانہ بنایا اتنے عرصہ کی اجرت مثلی اس پر لازم ہوگی جس طرح ''خیریہ'' اور ''حامدیہ'' میں ہے۔

31448۔(قولہ: أَوْ مَالَ يَتِيمٍ) میں کہتا ہوں: اسی طرح یتیم کی ذات ہے۔ کیونکہ ''بزازیہ'' میں ہے: ایک یتیم ہے جس کا نہ باپ ہے اور نہ ہی اس کی ماں ہے اس کے قریبی رشتہ داروں نے اسے ایک مدت تک مختلف کاموں میں لگائے رکھا نہ حاکم سے اجازت لی اور نہ اسے اجرت پر رکھا تو بالغ ہونے کے بعد اسے اجرت مثلی کا مطالبہ کرنے کا حق ہوگا اگر وہ اسے جو

إِلَّا فِي مَسْأَلَةٍ سَكَنَتْ أُمُّهُ مَعَ زَوْجِهَا فِي دَارِهِ بِلَا أَجْرٍ لَيْسَ لَهُمَا ذَلِكَ وَلَا أَجْرَ عَلَيْهِمَا كَذَا فِي الْأَشْبَاهِ مَعْزِيًّا لِوَصَايَا الْقُنْيَةِ قُلْت وَيُسْتَثْنَى أَيْضًا سُكْنَى شَرِيكِ الْيَتِيمِ فَقَدْ نَقَلَ الْمُصَنِّفُ وَغَيْرُهُ عَنْ الْقُنْيَةِ أَنَّهُ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَكَذَا الْأَجْنَبِيُّ بِلَا عَقْدٍ وَقِيلَ دَارُ الْيَتِيمِ كَالْوَقْفِ انْتَهَى

مگر ایک مسئلہ میں جس میں یتیم کی ماں اپنے خاوند کے ساتھ اس کے گھر میں اجرت کے بغیر رہ رہی ہو جبکہ انہیں یہ حق حاصل نہیں اور ان دونوں پر کوئی اجر نہیں ہوگا۔''الاشباہ'' میں اسی طرح ہے جبکہ یہ ''القنیہ'' کے کتاب الوصایا کی طرف منسوب ہے۔ میں کہتا ہوں: نیز یتیم کے شریک کی رہائش کو مستثنیٰ کیا جائے گا۔ مصنف وغیرہ نے ''القنیہ'' سے نقل کیا ہے کہ اس پر کوئی شے لازم نہیں ہوگی۔ اسی طرح اجنبی ہے جو عقد اجارہ کے بغیر اس میں رہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یتیم کا گھر وقف کی طرح ہے۔ کلام ختم ہوئی۔

لباس اور ضرورت کی چیزیں دیتے ہیں وہ اجرت مثلی کے مساوی نہیں۔''خیریہ'' اور ''حامدیہ'' میں اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔

''القنیہ'' کے کتاب الاجارات میں ہے: ایک آزاد بچے کو غصب کیا اور اسے اجرت پر دیا اور اس بچے نے کام کیا تو اجرت عاقد کے لئے ہوگی۔ پھر اشارۃً ذکر کیا کہ اجرت بچے کے لئے ہوگی۔ وہی صحیح ہے کیونکہ ''المنتقی'' میں یہ ذکر کیا ہے: اپنے غلام کو سال بھر کے لئے اجرت پر دیا پھر غلام نے گواہیاں قائم کر دیں کہ اس کے آقا نے اجارہ سے پہلے اسے آزاد کر دیا تھا تو اس کے لئے اجر ہوگا۔

31449۔(قولہ: سَكَنَتْ أُمُّهُ) یعنی یتیم کی ماں نے وہاں سکونت اختیار کی۔

31450۔(قولہ: فِي دَارِهِ) یعنی یتیم کے گھر میں رہی۔

31451۔(قولہ: بِلَا أَجْرٍ) یعنی یتیم کے ولی کی جانب سے عقد اجارہ کے ساتھ اجرت کو لازم کئے بغیر رہائش اختیار کر لی۔''تامل''

31452۔(قولہ: لَيْسَ لَهُمَا ذَلِكَ) یعنی انہیں حق نہیں تھا یعنی ان دونوں پر حرام ہوگا۔

31453۔(قولہ: قُلْت وَيُسْتَثْنَى أَيْضًا) اس قول کے قائل ''شیخ شرف الدین'' ہیں۔

31454۔(قولہ: سُكْنَى شَرِيكِ الْيَتِيمِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ گھر اس یتیم اور بالغ کے درمیان مشترک ہو تو بالغ اس میں ایک مدت تک رہا ہو۔

31455۔(قولہ: وَكَذَا الْأَجْنَبِيُّ بِلَا عَقْدٍ) یعنی اسی طرح کا حکم ہوگا جب اس میں یتیم سے جو شخص اجنبی تھا وہ اس میں رہا ہو۔ نہ اس کی ماں ہو اور نہ ہی اس کا شریک ہو۔

31456۔(قولہ: وَقِيلَ دَارُ الْيَتِيمِ كَالْوَقْفِ) یعنی دونوں کے منافع کی ضمانت میں، جبکہ متاخرین کا قول ہے یہی قول قابل اعتماد ہے جس طرح شارح کی کلام میں آئے گا۔

قُلْت وَيُمْكِنُ حَمْلُ كِلَا الْفَرْعَيْنِ عَلَى قَوْلِ الْمُتَقَدِّمِينَ بَعْدَ أُجْرَتِهِ، وَأَمَّا عَلَى الْقَوْلِ الْمُعْتَمَدِ أَنَّهَا كَالْوَقْفِ، فَتَجِبُ الْأُجْرَةُ عَلَى الشَّرِيكِ وَالزَّوْجِ لِكَوْنِ سُكْنَى الْمَرْأَةِ وَاجِبَةً عَلَيْهِ، وَهُوَ غَاصِبٌ لِدَارِ الْيَتِيمِ فَتَلْزَمُهُ الْأُجْرَةُ وَبِهِ أَفْتَى ابْنُ نُجَيْمٍ فِي الصَّيْرَفِيَّةِ مِنْ التَّفْصِيلِ لَوْ الْيَتِيمُ يَقْدِرُ عَلَى الْمَنْعِ فَلَا أَجْرَ وَإِلَّا فَعَلَيْهَا غَيْرُ ظَاهِرٍ،

میں کہتا ہوں: اجرت کے بعد دونوں فروع کو متقدمین کے قول پر محمول کرنا ممکن ہے۔ جہاں تک معتمد قول کا تعلق ہے تو یہ گھر وقف کی طرح ہوگا۔ پس اجرت شریک اور خاوند پر واجب ہوگی۔ کیونکہ عورت کی رہائش مرد کے ذمہ واجب ہوتی ہے جبکہ وہ یتیم کا گھر غصب کرنے والا ہے۔ پس اس پر اجرت لازم ہوگی۔ ابن نجیم نے ''صیرفیہ'' میں جو تفصیل ہے اس کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ اگر یتیم ایسا ہو جو روک سکتا ہو تو کوئی اجرت نہ ہوگی ورنہ اجرت اس عورت پر ہوگی۔ یہ امر ظاہر نہیں۔

31457۔ (قولہ: قُلْت وَيُمْكِنُ حَمْلُ كِلَا الْفَرْعَيْنِ) یعنی یتیم کے ماں کی فرع اور اس کے شریک کے رہائش رکھنے کی فرع۔ ''حموی'' نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور پہلے کو محمول کرنے کی تصریح صاحب ''المنح'' نے کی ہے۔

31458۔ (قولہ: بَعْدَ أُجْرَتِهِ) یعنی اجرت لازم نہ ہوگی۔

31459۔ (قولہ: وَأَمَّا عَلَى الْقَوْلِ الْمُعْتَمَدِ الخ) یعنی اس وقت کوئی استثنا نہیں۔ اسی وجہ سے علامہ ''بیری'' نے کہا: مولف پر تعجب ہے انہوں نے اس قول سے کیسے عدول کر دیا ہے جس پر فتویٰ ہے جبکہ کوئی موجب بھی نہیں پس اس سے بچو۔

31460۔ (قولہ: فَتَلْزَمُهُ الْأُجْرَةُ) کیونکہ اجرت غاصب پر واجب ہوتی ہے نہ کہ اس پر جو اس کا تابع ہوتا ہے۔ ''بیری'' نے ''المحیط'' سے نقل کیا ہے: اگر اس کا خاوند نہ ہو تو ضرورت کی بنا پر اس کے لئے رہنے کا حق ہوگا اگر اس کا خاوند ہو تو پھر اسے یہ حق نہیں ہوگا جس طرح اس کا مال ہو تو یتیم کے گھر میں اسے رہنے کا حق نہیں ہوگا۔

31461۔ (قولہ: فِي الصَّيْرَفِيَّةِ الخ) اس کی عبارت یہ ہے: عورت اپنے خاوند کے ساتھ اپنے چھوٹے بیٹے کے گھر میں رہی۔ کہا: اگر وہ ایسی حالت میں ہو کہ وہ منع کرنے پر قادر نہ ہو اس کی صورت یہ ہو کہ وہ بچہ سات سال کا ہے یا چھ سال کا ہے تو اس پر اجرت مثلی لازم ہوگی۔ کیونکہ جب اس کا خاوند موجود ہے تو وہ محتاج نہ ہوگی اگر وہ بچہ ایسی حالت میں ہو کہ منع کرنے پر قادر ہو تو اس پر کوئی اجرت نہ ہوگی۔

اس میں اس سے مخالفت ہے جو ''بیری'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔ کیونکہ مسئلہ کی صورت یہ بنائی ہے جب وہ خاوند کی ماں کے بغیر رہے اور بیٹے کے منع کرنے پر قدرت کا اندازہ یہ لگایا ہے کہ وہ دس سال یا اس سے زیادہ کا ہو جائے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ عورت اس میں تنہا رہ رہی ہو۔ اگر وہ بچہ آٹھ سال یا نو سال کا ہو تو اس پر اجرت لازم ہوگی۔ ''تامل''

31462۔ (قولہ: وَإِلَّا فَعَلَيْهَا) بعض نسخوں میں تثنیہ کی ضمیر ہے۔ یہ ''صیرفیہ'' کی گزشتہ عبارت کے موافق نہیں۔

31463۔ (قولہ: غَيْرُ ظَاهِرٍ) یہ مبتدا کی خبر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے اگر وہ روکنے پر قادر ہو تو اس کے تبرع کا کوئی

وَعَلَيْهِ فَهُوَ عَلَيْهِ لَا عَلَيْهَا كَمَا أَفَادَهُ فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ ثُمَّ نَقَلَ عَنِ الْخَانِيَّةِ أَنَّ مَسْأَلَةَ الدَّارِ كَمَسْأَلَةِ الْأَرْضِ وَأَنَّ الْحَاضِرَ إِذَا سَكَنَ فِيهَا إِذَا كَانَ لَا يَضُرُّهَا فَلِلْغَائِبِ أَنْ يَسْكُنَ قَدْرَ شَرِيكِهِ قَالُوا وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى (أَوْ مُعَدًّا) أَيْ أَعَدَّهُ صَاحِبُهُ (لِلِاسْتِغْلَالِ)

اور قابل اعتماد قول کے مطابق اجرت خاوند کے ذمہ ہوگی عورت کے ذمہ نہ ہوگی جس طرح ''تنویر البصائر'' میں اسے بیان کیا ہے۔ پھر ''خانیہ'' سے یہ نقل کیا گیا کہ گھر کا مسئلہ زمین کے مسئلہ کی طرح ہے اور موجود شخص جب اس گھر میں اس طریقہ سے رہائش رکھتا ہے کہ وہ اسے نقصان نہ دے تو غائب کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے شریک کے رہائش رکھنے کی مقدار میں رہائش رکھے۔ علما نے فرمایا: اسی پر فتویٰ ہے۔ یا اس کے مالک نے اسے کرایہ وغیرہ حاصل کرنے کے لئے تیار کیا ہو

اعتبار نہیں جبکہ وہ بچہ ہے۔

31464۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ) ضمیر سے مراد معتمد قول ہے وہ یہ ہے کہ یہ وقف کی طرح ہوگا۔ ''تنویر البصائر'' میں یہ اسی طرح ہے نہ کہ ضمیر سے مراد وہ ہے جو ''صیرفیہ'' میں ہے جس طرح قول کیا گیا ہے۔ فافہم۔

31465۔ (قولہ: فَهُوَ عَلَيْهِ) اجرت، خاوند پر واجب ہوگی بیوی پر واجب نہیں ہوگی۔

میں کہتا ہوں: ہم ''المحیط'' کی عبارت سے جو ظاہر معنی بیان کر چکے ہیں اس کا اعتبار کرتے ہوئے اجرت عورت پر واجب ہوگی خاوند پر واجب نہیں ہوگی۔

31466۔ (قولہ: ثُمَّ نَقَلَ عَنِ الْخَانِيَّةِ الخ) پہلے ''عمادیہ'' سے وہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کرتے ہیں: اگر حاضر کو علم ہو کہ کاشت اسے نفع دے گی تو تمام کو کاشت کرے جب غائب حاضر ہو تو غائب کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اتنی مدت کے لئے تمام زمین سے نفع حاصل کرے۔ کیونکہ اس مدت کی مثل دلالۃً غائب کی رضا ثابت ہے۔ پھر ''القنیہ'' سے یہ نقل کیا ہے کہ ملک مشترکہ میں حاضر پر اجرت لازم نہ ہوگی اور غائب کو یہ حق حاصل نہیں کہ اتنی مدت ہی اسے استعمال کرے۔ کیونکہ مہایاۃ (موافقت) خصومت کے بعد ہوتی ہے۔ کہا: دونوں میں تدافع ہے مگر یہ ہے کہ زمین اور گھر میں فرق کیا جائے جبکہ یہ بعید ہے یا یہ دو روایتیں ہیں۔ پھر ''خانیہ'' سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ گھر کا مسئلہ زمین کے مسئلہ کی طرح ہے۔ اور غائب کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اتنا عرصہ اس میں رہائش رکھے جتنا عرصہ اس کا شریک رہا ہے اور مشائخ نے اسے مستحسن قرار دیا ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح مروی ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے ملخص۔ ''بیری'' نے بھی ''الخانیہ'' کی عبارت مفصل نقل کی ہے اور اسے ثابت رکھا ہے۔ اسی طرح محشی ''ابو سعود'' نے کہا ہے۔

31467۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) قالوا کا لفظ عموماً تضعیف کے لئے لایا جاتا ہے۔ میں نے اس مسئلہ میں کسی اور کلام میں یہ نہیں دیکھا۔ شاید انہوں نے یہ زائد کیا تا کہ اس امر کا شعور دلائیں کہ انہوں نے اس کے برعکس کو اختیار کیا ہے۔ یہ وہی چیز ہے جسے کتاب الشرکۃ کے آخر میں ''المنظومۃ المحبیۃ'' سے نقل کیا ہے۔ ''ابن نجیم'' نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ آج اسی پر عمل ہے یہ ذہن نشین کرلو۔ شارح کو یہ چاہئے تھا کہ اس مسئلہ کا ذکر: الا اذا سکن بتاویل ملک کے بعد کرتے جس طرح

بِأَنْ بَنَاهُ لِذَلِكَ أَوْ اشْتَرَاهُ لِذَلِكَ قِيلَ أَوْ آجَرَهُ ثَلَاثَ سِنِينَ عَلَى الْوَلَاءِ وَفِي الْأَشْبَاهِ لَا تَصِيرُ الدَّارُ مُعَدَّةً لَهُ بِإِجَارَتِهَا بَلْ بِبِنَائِهَا أَوْ شِرَائِهَا لَهُ وَلَا بِإِعْدَادِ الْبَائِعِ بِالنِّسْبَةِ لِلْمُشْتَرِي، وَيُشْتَرَطُ عِلْمُ الْمُسْتَعْمِلِ بِكَوْنِهِ مُعَدًّا حَتَّى يَجِبَ الْأَجْرُ
اس کی صورت یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے اسے بنایا ہو یا اس مقصد کے لئے اسے خریدا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اسے پے در پے تین سال کے لئے اجرت پر دیا ہو۔ ''الاشباہ'' میں ہے: گھر اس مقصد کے لئے تیار شمار نہیں کیا جاتا جب وہ اسے اجارہ پر دے بلکہ اس کے اس مقصد کے لئے بنانے یا اس مقصد کے لئے خریدنے سے تیار سمجھا جاتا ہے نہ کہ بائع کے مشتری کی طرف منسوب کرنے سے اسے تیار شمار کیا جائے گا اور مستعمل کا علم شرط ہے کہ وہ اس کے لئے تیار کیا گیا ہے یہاں تک کہ اجرت واجب ہو

''بیری'' وغیرہ نے کہا ہے۔

اگر تین سال سے زیادہ عرصہ کے لیے زمین اجرت پر دی جائے تو وہ اجارہ کے لیے تیار ہوگی

31468۔(قولہ: قِيلَ أَوْ آجَرَهُ الخ) مصنف نے ''المنح'' میں یہ نقل کیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ بھی معد (تیار) ہوگا۔ پھر یہ نقل کیا کہ ایک سال، دو سال یا زیادہ عرصہ تک اجرت پر دینے سے معد (تیار) نہیں ہوگا۔

میں کہتا ہوں: ''القنیہ'' کے کتاب الاجارات میں اصل سے مروی ہے: ایک آدمی نے زمین اجرت پر لی اور اسے کئی سال تک کاشت کیا تو اس پر پہلے سال کی اجرت اور بعد کے سالوں میں زمین کا نقصان ہوگا۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ زیادتی صدقہ کردے۔ ''قاضی صدر'' نے کہا: یہ حکم اس صورت میں ہے جب زمین اجارہ میں معروف نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ اسے ہر سال اجرت پر نہیں دیا جاتا۔ اگر وہ اس میں معروف ہو تو بغیر کسی اختلاف کے آنے والے سالوں کی اجرت واجب ہوگی۔ اس سے یہ معروف ہو جاتا ہے کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زمین ایک سال، دو سال اجرت پر دینے سے اجارہ کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ اس کی مثل ''المحیط'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس امر پر اعتماد کیا جائے کہ تین سال سے زیادہ عرصہ کے لئے اجرت پر زمین دی جائے تو وہ اجارہ کے لئے تیار ہوگی۔ ''الاشباہ'' کے آنے والے اطلاق میں اعتراض ہے۔ ''فتدبر''

31469۔(قولہ: لَا تَصِيرُ الدَّارُ الخ) اس کے ساتھ مقید کیا ہے۔ کیونکہ زمین زراعت کے لئے تیار شمار کی جاتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایک ایسے دیہات میں ہو جس کے مکین اس امر کے عادی ہوں کہ وہ غیر کی زمین کاشت کرتے ہوں اور زمین کا مالک خود زمین کاشت نہیں کرتا تو زمین کے مالک کو حق حاصل ہوگا کہ وہ کاشت کار سے متعارف کا مطالبہ کرے جس طرح ''بیری'' میں ''ذخیرہ'' سے مروی ہے ہم پہلے اس پر مکمل گفتگو کر چکے ہیں۔

31470۔(قولہ: بِالنِّسْبَةِ لِلْمُشْتَرِي) یعنی جب تک مشتری اس مقصد کے لئے زمین نہ خریدے۔

وَأَنْ لَا يَكُونَ الْمُسْتَعْمِلُ مَشْهُورًا بِالْغَصْبِ قُلْت وَلَوْ اخْتَلَفَا فِي الْعِلْمِ وَعَدَمِهِ فَالْقَوْلُ لَهُ بِيَمِينِهِ؛ لِأَنَّهُ مُنْكِرٌ وَالْآخَرُ مُدَّعٍ قَالَهُ شَيْخُنَا وَبِمَوْتِ رَبِّ الدَّارِ وَبَيْعِهِ يَبْطُلُ الْإِعْدَادُ وَلَوْ بَنَى لِنَفْسِهِ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُعِدَّهُ فَإِنْ قَالَ بِلِسَانِهِ وَيُخْبِرُ النَّاسَ صَارَ

اور مستعمل غصب میں مشہور نہ ہوں۔ میں کہتا ہوں: اگر دونوں علم ہونے اور علم نہ ہونے میں اختلاف کریں تو قسم کے ساتھ قول اس کا معتبر ہوگا کیونکہ وہ منکر ہے اور دوسرا مدعی ہے۔ یہ ہمارے شیخ نے فرمایا ہے۔ اور مکان کے مالک کے مرجانے اور اس کے گھر بیع کرنے سے اعداد باطل ہو جائے گا اگر اس نے گھر اپنے لئے بنایا پھر اس نے ارادہ کیا کہ اسے اس کے لئے مختص کر دے اگر اس نے اپنی زبان سے کہا: اور لوگوں کو خبر دے تو وہ اسی طرح ہو جائے گا۔

سرائے، حمام اور کرایہ کے مکان میں غصب کا دعویٰ معتبر نہیں

31471۔ (قولہ: وَأَنْ لَا يَكُونَ الْمُسْتَعْمِلُ مَشْهُورًا بِالْغَصْبِ) ''الذخیرہ'' میں اسی طرح اسے مقید ذکر کیا ہے کیونکہ کہا: علماء نے اس زمین کے بارے میں کہا جسے کرایہ کے لئے تیار کی گئی ہو جب کوئی آدمی اجارہ کے طریقہ پر اس میں رہا ہو تو اجرت واجب ہوگی۔ یہ بطریق دلالت اس سے پہچانا گیا ہے اس کے کتاب المزارعۃ میں ذکر کیا ہے اس میں رہائش رکھنے کو اجارہ پر محمول کیا جائے گا مگر جب وہ ملکیت کی تاویل میں اس میں رہے۔ ''تامل''

میں کہتا ہوں: شارح نے باب فسخ الاجارہ سے تھوڑا پہلے ذکر کیا ہے اس کی نص ہے: سرائے میں اترنے والے، حمام میں داخل ہونے والے اور کرایہ کے حصول کے لئے تیار کئے گئے مکان میں رہائش رکھنے والے نے غصب کا دعویٰ کیا تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اور اجرت واجب ہوگی۔

میں کہتا ہوں: یتیم کے مال کا بھی مفتی بہ قول کے مطابق یہی حکم ہے پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔ ''فتامل''

میں کہتا ہوں: یہ سب حکم اس صورت میں ہے جب وہ اجرت کا مطالبہ نہ کرے ورنہ اجرت واجب ہوگی اگر چہ اسے کرایہ کے لئے تیار نہ کیا گیا ہو۔ کیونکہ ''القنیہ'' کے کتاب الاجارات میں ہے: تمام علماء نے کہا: جس سے چیز غصب کی گئی جب اس نے غاصب پر گواہ بنائے اگر تو نے میرا گھر مجھے واپس کر دیا تو ٹھیک ورنہ میں ہر ماہ تجھ سے ہزار روپیہ لوں گا تو یہ گواہ بنانا صحیح ہو گا اگر غاصب اس کے بعد اس میں رہا تو معین اجرت لازم ہوگی۔

31472۔ (قولہ: قَالَهُ شَيْخُنَا) ''المنح'' کے حاشیہ میں یہ کہا ہے اور اسے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں: اسے اس کے ساتھ مقید کرنا چاہئے جب اس کی تیاری ظاہر اور مشہور نہ ہو جیسے سرائے اور حمام۔ اس تعبیر کے ساتھ اس قول اور اس قول جو ابھی گزرا ہے اس میں تطبیق حاصل ہو جاتی ہے اگر وہ غصب کا دعویٰ کرے تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ ''تامل''

31473۔ (قولہ: صَارَ) بعض نسخوں میں جاز کے الفاظ ہیں۔

ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ (إِلَّا) فِي الْمُعَدِّ لِلِاسْتِغْلَالِ فَلَا ضَمَانَ فِيهِ (إِذَا سَكَنَ بِتَأْوِيلِ مِلْكٍ) كَبَيْتٍ سَكَنَهُ أَحَدُ الشُّرَكَاءِ فِي الْمِلْكِ، وَلَوْ لِيَتِيمٍ عَلَى مَا مَرَّ عَنِ الْقُنْيَةِ فَتَنَبَّهْ، أَمَّا فِي الْوَقْفِ إِذَا سَكَنَهُ أَحَدُهُمَا بِالْغَلَبَةِ بِلَا إِذْنٍ لَزِمَ الْأَجْرُ

مصنف نے یہ ذکر کیا ہے۔ مگر جسے کرایہ کے وصولی کے لئے تیار کیا گیا تھا تو اس میں کوئی ضمانت نہ ہوگی جب وہ ملکیت کی تاویل میں اس میں رہے جیسے ایک گھر ہے ملک میں شریک افراد میں سے کوئی ایک اس میں رہائش اختیار کرے اگر وہ گھر یتیم کا ہی ہو جس طرح ''القنیہ'' میں گزرا ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ جہاں تک وقف کا تعلق ہے جب ان دونوں میں سے کوئی ایک غلبہ کے طور پر اجازت کے بغیر رہائش اختیار کرے تو اجرت لازم ہوگی۔

تنبیہ

ہم کتاب الاجارات میں یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ کرایہ کے لئے تیار کی گئی چیز یہ جائیداد کے ساتھ خاص نہیں۔ ''حامدیہ'' میں اجرت کے لزوم کا فتویٰ دیا ہے جب وہ مکاری کا جانور استعمال کرے گا نہ اجازت لی ہو اور نہ ہی اجارہ کیا ہو۔ ''الانقردی'' کے مناہی سے وہ ''حاشیۃ القنیہ'' سے وہ ''رکن الائمہ'' سے نقل کرتے ہیں: ایک آدمی نے انسان کا بیل یا اس کا چھکڑا کام کے لئے لیا تو اس پر اجرت مثل واجب ہوگی جب اس نے اسے اجارہ کے لئے تیار کیا ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے اپنی زبان سے کہا ہو: میں نے اسے اس امر کے لئے تیار کیا ہے۔ اس کو یاد رکھنا چاہئے کیونکہ یہ محل اشتباہ ہے۔

31474۔ (قولہ: إِلَّا فِي الْمُعَدِّ لِلِاسْتِغْلَالِ الخ) اس قول نے یہ بیان کیا ہے کہ استثنا صرف ان کے قول او معدا سے ہے اور وقف اور یتیم کا مال اس میں ہر حال میں اجرت واجب ہوگی۔ اس قید لگانے کا داعی جبکہ متن کی عبارت سے جو متبادل معنی سمجھ آتا ہے وہ اس کے خلاف ہے وہ قابل اعتماد قول ہے جسے پہلے بیان کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے عقار کے غصب میں گفتگو کرتے ہوئے شارح نے یہ کہا ہے: اگر اس نے ایک گھر خریدا اور اس میں رہائش رکھی تو وہ وقف ظاہر ہو گیا یا چھوٹے بچے کا ظاہر ہو گیا تو دونوں کے حقوق کی حفاظت کی خاطر اجرت لازم ہوگی ہم پہلے یہ بیان کر آئے ہیں کہ یہی مختار ہے ساتھ ہی وہ اس میں ملک یا عقد اجارہ کے طور پر رہا تھا اس کو یاد رکھو یہ کثیر لوگوں پر امر مخفی رہا ہے۔

31475۔ (قولہ: كَبَيْتٍ) اسی طرح دکان ہے جس طرح ''عمادیہ'' میں ہے۔

31476۔ (قولہ: فَتَنَبَّهْ) یعنی تو اس امر سے غافل نہ ہو جا کہ یہ متقدمین کے قول پر مبنی ہے۔ ''ح''۔

31477۔ (قولہ: إِذَا سَكَنَهُ أَحَدُهُمَا) یعنی وہ دو افراد جن پر اسے وقف کیا گیا تھا ان میں سے ایک یا دو شریکوں میں سے ایک اس میں رہائش پذیر رہا اس کی صورت یہ ہے کہ بعض اس کی ملک ہے اور بعض دوسرے پر وقف ہے۔

31478۔ (قولہ: بِالْغَلَبَةِ) اس کے ساتھ قید لگائی ہے۔ کیونکہ کتاب الوقف کے آغاز میں کہا ہے: ان میں سے کوئی اس میں رہائش پذیر رہا اور دوسرے نے اتنی جگہ نہ پائی جو اسے کافی ہوتی تو اس کے لئے اجرت نہ ہوگی اور نہ ہی اسے یہ کہنے کا

(أَوْ عَقْدٍ) كَبَيْتِ الرَّهْنِ إِذَا سَكَنَهُ الْمُرْتَهِنُ ثُمَّ بَانَ لِلْغَيْرِ مُعَدًّا لِلْإِجَارَةِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ بَقِيَ لَوْ آجَرَ الْغَاصِبُ أَحَدَهَا فَعَلَى الْمُسْتَأْجِرِ الْمُسَمَّى لَا أَجْرَ الْمِثْلِ وَلَا يَلْزَمُ الْغَاصِبَ الْأَجْرُ بَلْ يَرُدُّ مَا قَبَضَهُ لِلْمَالِكِ أَشْبَاهٌ وَقُنْيَةٌ

یا عقد کی تاویل سے اس میں رہے جس طرح رہن کا گھر ہو جب مرتہن اس میں سکونت پذیر رہے پھر یہ گھر غیر کے لیے ظاہر ہوا اس حال میں کہ اس نے اسے اجارہ کے لئے تیار کیا ہے تو اس پر کوئی شے لازم نہیں ہوگی۔ ایک چیز باقی رہ گئی ہے اگر غاصب نے ان میں سے ایک کو اجرت پر دیا تو مستاجر پر مسمی لازم ہوگا۔ اجرت مثلی لازم نہ ہوگی اور غاصب کو اجرت لازم نہ ہوگی بلکہ مالک کو وہ واپس کر دے گا جس پر اس نے قبضہ کیا تھا ''اشباہ'' و ''قنیہ''۔

حق ہوگا۔ میں اسی قدر استعمال کروں گا جس قدر تو نے استعمال کی ہے۔ کیونکہ مہایأہ (موافقت) خصومت کے بعد ہوتی ہے۔

اگر مرتہن رہن کے گھر میں سکونت پزیر رہے پھر یہ گھر غیر کے لیے ظاہر ہو تو مرتہن پر کوئی چیز لازم نہیں

31479۔ (قولہ: ثُمَّ بَانَ لِلْغَيْرِ) یعنی یہ امر ظاہر ہوا کہ گھر راہن کا نہیں جبکہ اسے اجارہ پر دینے کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ ''ح''۔

31480۔ (قولہ: فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) کیونکہ وہ اس میں اس حیثیت سے سکونت پزیر نہیں رہا کہ وہ اپنے اوپر اجرت کو لازم کرنے والا ہو جس طرح مالک اسے رہن کے طور پر رکھے اور مرتہن اس میں سکونت اختیار کرے۔

میں کہتا ہوں: بلکہ اجرت راہن کے ذمہ ہوگی کیونکہ وہ غاصب ہے پس اس میں تامل کیجئے۔ ''بیری''۔

31481۔ (قولہ: بَقِيَ لَوْ آجَرَ الْغَاصِبُ أَحَدَهَا) ان میں سے کسی ایک کو جس کے منافع کی ضمانت لازم ہو جیسے وقف، یتیم کا مال ہو یا کرایہ وغیرہ کے لئے اسے تیار کیا گیا ہو۔ ''اشباہ''۔

31482۔ (قولہ: فَعَلَى الْمُسْتَأْجِرِ الْمُسَمَّى) یعنی مستاجر غاصب کو معین اجرت دے گا کیونکہ غاصب ہی عاقد ہے۔

31483۔ (قولہ: وَلَا يَلْزَمُ الْغَاصِبَ الْأَجْرُ) یعنی غاصب پر اجرت مثلی لازم نہ ہوگی جس طرح ''اشباہ'' کی عبارت میں ہے۔

31484۔ (قولہ: بَلْ يَرُدُّ مَا قَبَضَهُ لِلْمَالِكِ) اس کا حاصل یہ ہے: اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی مگر وہی جو اس نے اجرت پر دی۔ اگرچہ وہ اجرت مثلی سے کم ہو۔ ''حموی''۔

31485۔ (قولہ: قُنْيَةٌ) اس کی عبارت ہے: اگر کسی نے ایسا گھر غصب کیا جو کرایہ حاصل کرنے کے لئے تیار کیا گیا تھا یا موقوف تھا یا یتیم کا تھا اس نے اسے اجرت پر دیا اور مستاجر اس میں رہا اس پر مسمی لازم ہوگا اجرت مثلی لازم نہیں ہو گی۔ انہیں کہا گیا: کیا غاصب پر اس کے لئے اجرت لازم ہوگی جس کا وہ گھر ہے؟ آپ نے لکھا: نہیں۔ لیکن وہ مالک کو وہ چیز لوٹا دے گا جس پر اس نے قبضہ کیا تھا یہ زیادہ بہتر ہے۔ پھر سوال کیا گیا: کیا معین اجرت مالک کے لئے لازم ہوگی یا عاقد

وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ وَيَنْظُرُ مَا لَوْ عَطَّلَ الْمَنْفَعَةَ هَلْ يَضْمَنُ الْأُجْرَةَ كَمَا لَوْ سَكَنَ (وَ) بِخِلَافِ (خَمْرِ الْمُسْلِمِ وَخِنْزِيرِهِ) بِأَنْ أَسْلَمَ وَهُمَا فِي يَدِهِ (إِذَا أَتْلَفَهُمَا) مُسْلِمٌ أَوْ ذِمِّيٌّ

''شرنبلالیہ'' میں ہے: اس میں غور وفکر کیا جائے گا اگر وہ منفعت کو معطل کر دے کیا وہ اجرت کا ضامن ہو گا جس طرح وہ اس میں سکونت اختیار کرے۔ مسلمان کے خمر اور خنزیر کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو جائے جبکہ وہ دونوں اس کے قبضہ میں ہوں جب کوئی مسلمان یا ذمی ان دونوں کو تلف کرے

کے لئے لازم ہو گی؟ فرمایا: عاقد کے لئے وہ حلال نہیں بلکہ اسے مالک پر لوٹا دے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: وہ اسے صدقہ کر دے گا۔

علامہ ''بیری'' نے کہا: صحیح یہ ہے کہ یہ متقدمین کے قول پر تفریع ہے۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے جس پر متاخرین ہیں تو غاصب پر اجرت مثلی لازم ہو گی یعنی اگر اس نے جس پر قبضہ کیا تھا وہ اجرت مثلی ہو یا اس سے کم ہو اگر اجرت مثلی سے زائد ہو تو زائد کو بھی لوٹا دے گا۔ کیونکہ یہ اس کے لئے حلال نہیں جس طرح ''حموی'' نے اسے بیان کیا ہے اور ''ابو سعود'' نے اسے ثابت رکھا ہے۔

اگر کسی نے کسی کی دکان کو ایک عرصہ تک معطل رکھا تو اجرت مثلی لازم ہو گی

31486۔ (قولہ: وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ الخ) اس کی عبارت ہے: جب وہ ملک یا عقد کی تاویل میں رہائش پذیر رہے۔ وینظر مالو عطل الخ میں کہتا ہوں: اگر عطّل میں ضمیر ساکن کے لئے ہو تو اس کا کوئی معنی نہیں۔ کیونکہ وہ حقوق پورے کے پورے لینے والا ہے وہ معطل کرنے والا نہ ہوا اگر ضمیر اس کے لئے ہو جس کے لئے ملک کی تاویل ہو تو توقف کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ جب وہ اس میں رہائش رکھے اور پوری پوری منفعت لے تو اس پر اجرت لازم نہ ہو گی تو اس پر اجرت کیسے لازم ہو گی جب وہ اسے معطل کرے گا اگر ضمیر غاصب کیلئے ہو یعنی اگر غاصب ان تین میں سے ایک کی منفعت کو معطل کر دے اور انہیں پورا پورا نہ لے تو وہ مصنف اور صاحب ''الدرر'' کی عبارت سے معلوم ہے۔ کیونکہ ان تین کی استثنا کرنا ان کے سابقہ قول سے وہ استوفاها یا عطلها اس امر کا فائدہ دیتی ہے کہ یہ پورا پورا لینے یا معطل کرنے سے مضمون ہیں۔ تامل

''حامدیہ'' میں اس وقت کی دکان کے بارے میں پوچھا گیا جسے زید نے ایک مدت تک معطل رکھا تھا تو انہوں نے مصنف کی عبارت سے استدلال کرتے ہوئے اجرت مثلی کے لزوم کا فتویٰ دے دیا۔ جہاں تک اس مستاجر کی طرف ضمیر کے لوٹنے کا تعلق ہے جو غاصب سے اجرت پر لیتا ہے تو اس کے کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ ''شرنبلالیہ'' میں مستاجر سے تعرض نہیں کیا۔ فافہم

اگر شراب یا خنزیر کسی مسلمان کے قبضہ میں ہوں اور کوئی انہیں تلف کر دے تو اس کا حکم

31487۔ (قولہ: بِأَنْ أَسْلَمَ وَهُمَا فِي يَدِهِ) اسی طرح کا حکم ہو گا اگر وہ دونوں کو حاصل کرے جبکہ وہ مسلمان ہو کیونکہ حکم مختلف نہیں ہوتا اس میں جو ظاہر ہے بے شک اس کا ذکر کیا تا کہ مسلمان کے بارے میں حسن ظن کا اظہار کرے۔ ''ط''۔

فَلَا ضَمَانَ (وَضَمِنَ) الْمُتْلِفُ الْمُسْلِمُ قِيمَتَهَا؛ لِأَنَّ الْخَمْرَ فِي حَقِّنَا قِيَمِيٌّ حُكْمًا (لَوْ كَانَا لِذِمِّيٍّ)

تو کوئی ضمان نہ ہوگی۔ اور مسلمان تلف کرنے والا دونوں کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ شراب ہمارے حق میں حکماً قیمی ہے۔ اگر دونوں ذمی کے ہوں

''جواہر الفتاویٰ'' میں ہے: ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان سے شراب غصب کی کیا غاصب پر واجب ہے کہ وہ شراب اسے ادا کرے یہاں تک کہ اگر وہ اسے واپس نہ کرے تو قیامت کے روز اس کا مواخذہ ہوگا جب یہ قطعی طور پر معلوم ہو کہ وہ اسے واپس لے گا تا کہ اس کو سرکہ بنادے تو اسے واپس کرنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر یہ معلوم ہو کہ وہ اسے واپس لے گا تا کہ اس کو پیئے تو غاصب کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اس کو بہا دے جس طرح کسی آدمی کے قبضہ میں کسی آدمی کی تلوار ہو اس کا مالک آئے تا کہ تلوار اس سے لے اگر اسے علم ہو کہ وہ اس کو لے تا کہ اس کے ساتھ کسی مسلمان کو قتل کرے تو اسے اپنے پاس روک لے یہاں تک کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے یہ رائے ترک کر دی ہے۔ ''منح''۔

31488۔ (قولہ: فَلَا ضَمَانَ) یہ ان کے قول بخلاف الخ کا نتیجہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کے حق میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ مغصوب منہ کے دین کے اعتبار سے ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں کہا: اسی طرح وہ مشکیزہ کا ضامن نہیں ہوگا جو اس نے شراب بہانے کے لئے پھاڑا ہے۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے۔ اس پر فتویٰ ہے جس طرح ''البرہان'' میں ہے۔ یہ دنیا کا حکم ہے آخرت کا حکم باقی ہے۔ اگر مغصوب منہ سرکہ بنانے والا ہو جس نے سرکہ بنانے کے لئے اسے نچوڑا تھا تو غصب کا گناہ غاصب پر ہوگا۔ اگر اس نے وہ اسے پینے کے لئے نکالا تھا تو آخرت میں اسی کے لئے اس پر کوئی حق نہیں ہوگا جس طرح ''المنح'' میں ''جواہر الفتاوی'' سے مروی ہے۔

31489۔ (قولہ: الْمُسْلِمُ) جہاں تک ذمی کا تعلق ہے تو وہ خمر کی مثل اور خنزیر کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ ''ابن ملک''۔

31490۔ (قولہ: قِيمَتَهَا) ھا ضمیر سے مراد خمر اور خنزیر ہے۔ بعض نسخوں میں قیمتھا ہے یعنی تثنیہ کی ضمیر نہیں یعنی شراب کی قیمت کی ضمانت دے گا۔ پہلی یہ مصنف کے قول کے موافق ہے جیسے ''کنز'' اور ''قدوری''۔ لوکانا لذمی بالتثنیۃ۔ اور دوسری شارح کی تعلیل کے موافق ہے اور اس کے لئے کہ ''کافی'' کی شرح ''غایۃ البیان'' میں ہے جب مسلمان نے ذمی کا خنزیر تلف کیا تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ضمانت نہ ہوگی۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

اہل اسلام کے حق میں شراب حکماً قیمی ہے

31491۔ (قولہ: قِيَمِيٌّ حُكْمًا) یہ اگرچہ ذوات الامثال میں سے ہے۔ کیونکہ مسلمان کو اس سے منع کر دیا گیا ہے کہ وہ اس کا مالک بنائے یا اس کا مالک بنے۔ کیونکہ اس میں اس کی عزت و تعظیم کا پہلو نکلتا ہے۔ ''زیلعی''۔

31492۔ (قولہ: لَوْ كَانَا لِذِمِّيٍّ) اسے مطلق ذکر کیا ہے پس یہ قول اسے شامل ہوگا جب وہ ان دونوں کی بیع کو ظاہر

وَالْمُتْلِفُ غَيْرُ الْإِمَامِ أَوْ مَأْمُورُهُ يَرَى ذَلِكَ عُقُوبَةً فَلَا يَضْمَنُ وَلَا الزِّقَّ خِلَافُ مُحَمَّدٍ مُجْتَبَى وَلَا ضَمَانَ فِي مَيْتَةٍ وَدَمٍ أَصْلًا (بِخِلَافِ مَا لَوْ اشْتَرَاهَا) أَيْ الْخَمْرَ (مِنْهُ) أَيْ الذِّمِّيِّ (وَشَرِبَهَا فَلَا ضَمَانَ وَلَا ثَمَنَ)؛ لِأَنَّ فِعْلَهُ بِتَسْلِيطِ بَائِعِهِ، بِخِلَافِ غَصْبِهَا مُجْتَبَى،

اور تلف کرنے والا امام یا اس کا مامور نہ ہو وہ اس عمل کو عقوبت خیال کرتا ہے پس وہ ضامن نہیں ہوگا اور نہ ہی مشکیزہ کا ضامن ہوگا مگر امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ''مجتبیٰ''۔ مردار اور خون میں اصلاً ضمانت نہیں۔ اگر وہ ذمی سے شراب کو خریدے اور اسے پیئے تو معاملہ مختلف ہوگا تو نہ ضمان ہوگی اور نہ ہی ثمن ہوگی۔ کیونکہ اس کا یہ عمل بائع کی جانب سے مسلط کرنے کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کے غصب کا معاملہ مختلف ہے۔ ''مجتبیٰ''۔

کرے۔ ''المنح'' میں ''المجتبیٰ'' سے روایت کرتے ہوئے کہا: ذمی جو حدود اسلام میں خمر اور خنزیر کی بیع ظاہر کرے تو اسے اس سے روکا جائیگا۔ اگر کسی آدمی نے اس کی شراب بہادی یا اس کے خنزیز کو مار ڈالا تو اس کا ضامن ہوگا مگر جب وہ امام ہو جو اس کو ضائع کرنے کی رائے رکھتا ہو۔ پس وہ مشکیزہ کا ضامن نہیں ہوگا اور نہ ہی خنزیر اور نہ ہی شراب کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس میں اختلاف ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''البرہان'' سے اطلاق کو اس امر کے ساتھ مقید کر کے نقل کیا ہے جب وہ اس کو ظاہر نہ کرتا ہو۔ ''تامل'' اس پر مفصل گفتگو آگے آئے گی۔

31493۔ (قولہ: يَرَى ذَلِكَ عُقُوبَةً) یہ الامام سے حال ہے۔ یعنی اس طریقہ سے سزا کے جواز کی رائے رکھتا ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مجتہد ہو یا اس مجتہد کا مقلد ہو جو یہ رائے رکھتا ہو۔ جس طرح سابقہ تعلیل اسے اس امر کا فائدہ دیتی ہے۔ ''تامل''

مردار اور خون میں اصلاً ضمانت نہیں

31494۔ (قولہ: وَلَا ضَمَانَ فِي مَيْتَةٍ وَدَمٍ أَصْلًا) یعنی مطلقاً۔ اگرچہ وہ ذمی کا ہو جس طرح عنقریب اس کی تصریح کی جائے گی۔ کیونکہ اہل ادیان میں سے کوئی بھی ان دونوں کے مال ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتا۔ ''ہدایۃ''۔ یہ اس مردار کے حق میں ہے جو خود مرتا ہے۔ کیونکہ مجوسی کا ذبیحہ اس کا منخنقہ اور اس کا موقوذہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کی بیع جائز ہوتی ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے آپ کے نزدیک ضمان واجب ہونی چاہئے۔ ''اتقانی''۔ ''الکفایہ'' میں اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔

31495۔ (قولہ: وَشَرِبَهَا) اس سے مراد مطلق تلف کرنا ہے جس طرح ''المنح'' میں ''القنیہ'' سے مروی ہے۔

متضمن متضمن کے بطلان کے ساتھ باطل ہو جاتا ہے

31496۔ (قولہ: لِأَنَّ فِعْلَهُ الخ) غصب اور شرا میں جو مخالفت کی وجہ ہے اس کا یہ بیان ہے۔ ''المنح'' میں کہا: لیکن اس میں ہے کہ یہ قاعدہ مشہورہ کے مخالف ہے وہ یہ ہے کہ متضمن متضمن کے بطلان کے ساتھ باطل

وَفِیهِ أَتْلَفَ ذِمِّیٌّ خَمْرَ ذِمِّیٍّ ثُمَّ أَسْلَمَا أَوْ أَحَدُهُمَا لَا شَیْءَ عَلَیْهِ إلَّا فِی رِوَایَةٍ عَلَیْهِ قِیمَةُ الْخَمْرِ (غَصَبَ خَمْرَ مُسْلِمٍ فَخَلَّلَهَا بِمَا لَا قِیمَةَ لَهُ) کَحِنْطَةٍ وَمِلْحٍ یَسِیرٍ لَا قِیمَةَ لَهُ أَوْ تَشْمِیسٍ (أَوْ) غَصَبَ (جِلْدَ مَیْتَةٍ فَدَبَغَهُ بِهِ) بِمَا لَا قِیمَةَ لَهُ کَتُرَابٍ وَشَمْسٍ

اس میں ہے: ایک ذمی نے ذمی کا شراب تلف کیا پھر دونوں مسلمان ہو گئے یا دونوں میں سے ایک مسلمان ہو گیا تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی مگر ایک روایت میں ہے اس پر شراب کی قیمت لازم ہوگی۔ کسی نے مسلمان کی شراب غصب کی اور اسے ایسی چیز کے ساتھ سرکہ بنایا جس کی کوئی قیمت نہیں جیسے گندم اور تھوڑا سا نمک جس کی کوئی قیمت نہیں یا دھوپ میں رکھ کر اسے سرکہ بنایا یا مردار کی جلد کو غصب کیا اور ایسی چیز کے ساتھ اس کی دباغت کی جس کی کوئی قیمت نہیں جیسے مٹی کے ساتھ اور سورج کی دھوپ میں۔

ہو جاتا ہے یعنی جب خمر میں بیع باطل ہوگئی تو ضروری ہوگا کہ اس کے ضمن میں جو مسلط کرنا پایا گیا ہے یعنی سپرد کرنا وہ بھی باطل ہو جائے گا مگر قاعدہ سے اس کے نکلنے کا دعویٰ کیا جائے یا توجیہ بیان کی جائے یا یہ کہا جائے کہ یہ قاعدہ اکثری ہے کلی نہیں۔ ''رملی'' نے کہا: ایک معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ ممنوع ہے یہ اس سے ہو۔ کیونکہ مسلط کرنا یہ فعل سے قصداً حاصل ہوگی ضمناً حاصل نہیں ہوگی۔ ''فتامل''

31497۔ (قولہ: ثُمَّ أَسْلَمَا أَوْ أَحَدُهُمَا) یعنی شراب کی مثل کی قضا سے پہلے یا اس کے بعد۔

31498۔ (قولہ: إلَّا فِی رِوَایَةٍ) یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

خمر کی قید لگانے کا فائدہ

31499۔ (قولہ: عَلَیْهِ قِیمَةُ الْخَمْرِ) یعنی جس نے تلف کیا ہے جب وہ اکیلا مسلمان ہوا اسی طرح جب وہ دونوں مسلمان ہو جائیں اور اس کا اسلام پہلے ہو۔ ''زیلعی'' نے کہا: اگر طالب کے حق میں اس کی مثل کا فیصلہ ہو چکا تھا اس کے بعد وہ مسلمان ہوا تو مطلوب پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کے حق میں خمر متقوم نہیں۔ پس اسلام قبول کرنے کے ساتھ وہ اس اس چیز سے بری کرنے والا ہے جو اس کے ذمہ میں شراب تھی۔ اسی طرح اگر دوسرے مسلمان ہو جائیں۔ کیونکہ دونوں کے اسلام قبول کرنے میں طالب کا اسے قبول کرنا ہے۔

پھر مطلوب اکیلا مسلمان ہو گیا یا مطلوب مسلمان ہوا پھر اس کے بعد طالب مسلمان ہو گیا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس پر کوئی شے واجب نہیں ہوگی۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت مروی ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: شراب کی قیمت واجب ہوگی۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے فافہم۔ خمر کی قید لگائی ہے کیونکہ ''تاتر خانیہ'' میں ہے کہ خنزیر میں ضمان باقی رہے گی وہ دونوں اسلام قبول کرلیں یا دونوں میں سے ایک اسلام قبول کرے کیونکہ اس کا موجب اصلی قیمت ہے اسلام اس کے منافی نہیں۔

(أَخَذَهُمَا الْمَالِكُ مَجَّانًا وَ) لَكِنْ (لَوْ أَتْلَفَهُمَا ضَمِنَ) لَا لَوْ تَلِفَا وَفِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ يَضْمَنُ قِيمَتَهُ مَدْبُوغًا وَاعْتَمَدَهُ فِي الْمُنْتَقَى (وَلَوْ خَلَّلَهَا بِذِي قِيمَةٍ كَالْمِلْحِ) الْكَثِيرِ (وَالْخَلِّ مَلَكَهُ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) لِمَالِكِهِ خِلَافًا لَهُمَا (وَلَوْ دَبَغَ بِهِ) بِذِي قِيمَةٍ كَقَرَظٍ وَعَفْصٍ

تو مالک ان دونوں چیزوں کو بغیر عوض کے لے گا۔ لیکن اگر وہ ان دونوں کو تلف کر دے تو ضامن ہوگا اگر وہ خود بخود تلف ہو جائیں تو ضامن نہیں ہوگا۔ ''شرح الوہبانیہ'' میں ہے: وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اس حال میں کہ اسے دباغت کی گئی ہو۔ ''المنتقی'' میں اس پر اعتماد کیا گیا ہے۔ اگر قیمت والی چیز سے اس کو سرکہ بنایا جیسے کثیر نمک تو سرکہ غاصب کی ملک ہوگا اور مالک کے لئے اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر قیمتی چیز کے ساتھ جلد کی دباغت کرے جیسے ببول کے پتوں سے اور مازو سے،

اگر مغصوبہ شراب کو بے قیمت چیز کے ساتھ سرکہ بنایا جائے تو اس کا حکم

31500۔ (قولہ: أَخَذَهُمَا الْمَالِكُ مَجَّانًا) کیونکہ یہ اسے پاک کرنا ہے جس طرح کسی شے کو دھویا جاتا ہے۔ پس یہ اس کی ملک پر باقی رہے گا کیونکہ اس سے مالیت ثابت نہیں ہوتی۔

31501۔ (قولہ: وَلَكِنْ لَوْ أَتْلَفَهُمَا ضَمِنَ) جب یہاں مغصوبہ چیز مسلمان کا خمر ہے اور یہ گزر چکا ہے کہ مسلمان کے خمر کو تلف کرنے کی صورت میں ضمانت نہیں ہوتی تو یہ گمان ہوگا کہ یہاں بھی ضمانت نہ ہو پس استدراک اپنے محل میں ہے۔ فافہم

31502۔ (قولہ: ضَمِنَ) یعنی سرکہ کی مثل اور چمڑے کی جلد کا ضامن ہوگا۔ ''ح''۔

31503۔ (قولہ: يَضْمَنُ قِيمَتَهُ مَدْبُوغًا) یعنی تلف کرنے کی صورت میں اس کا ضامن ہوگا۔ ''ط''۔

31504۔ (قولہ: وَاعْتَمَدَهُ فِي الْمُنْتَقَى) کیونکہ کہا: اگر غاصب نے تلف کر دیا تو دباغت شدہ کی قیمت کا ضامن ہو گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب وہ باقی ہو اور غیر مدبوغ ہو تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

31505۔ (قولہ: مَلَكَهُ) کیونکہ نمک اور سرکہ مال متقوم ہے اور خمر غیر متقوم ہے پس غاصب کی جانب راجح ہو جائے گی پس بغیر کسی شے کے اس کے لئے ہوگی۔

31506۔ (قولہ: لِمَالِكِهِ) یعنی پہلے مالک کے لئے اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔

31507۔ (قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اگر مالک چاہے تو اسے لے لے گا اور سرکہ میں جتنی مقدار نمک کی تھی وہ واپس لے لے گا۔ اگر غاصب نے اس کو تلف کر دیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ''ملتقی''۔

31508۔ (قولہ: كَقَرَظٍ) قرظ دو فتحوں اور ظ، کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد کیکر کے پتے ہیں ''شرنبلالیہ''۔ ''منح'' میں مصنف کی تحریر سے کقرض کے الفاظ ہیں یعنی یہ لفظ ضاد کے ساتھ ہے یہ تصحیف ہے جس طرح اس پر ''رملی'' نے متنبہ کیا ہے۔

(الْجِلْدَ أَخَذَهُ الْمَالِكُ وَرَدَّ مَا زَادَ الدِّبْغُ) وَلِلْغَاصِبِ حَبْسُهُ حَتَّى يَأْخُذَ حَقَّهُ (وَلَوْ أَتْلَفَهُ لَا يَضْمَنُ) كَمَا لَوْ تَلِفَ

مالک وہ چمڑا لے لے گا اور دباغت نے جس قدر اس میں اضافہ کیا اس کو لوٹا دے اور غاصب کو حق حاصل ہے کہ اسے روک لے یہاں تک کہ اپنا حق لے لے۔ اگر وہ اس کو تلف کر دے تو اس کا ضامن نہیں ہوگا جس طرح اگر وہ خود بخود تلف ہو جائے

31509۔(قولہ: الْجِلْدَ) یہ دبغ کا مفعول بہ ہے۔

31510۔(قولہ: أَخَذَهُ الْمَالِكُ) ''صدر الشریعہ'' کا قول ہے: جب اس نے قیمتی چیز کے ساتھ دباغت کی تو وہ غاصب کی ملکیت ہو جائے گی یہ پہلے ناسخ کے قلم کا سہو ہے جس طرح ''باقانی'' نے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے، ''در منتقی''۔ سرکے اور چمڑے میں یہ فرق ہے کہ مالک چمڑا لیتا ہے سرکہ نہیں لیتا۔ چمڑا باقی ہے لیکن اس سے نجاستوں کو زائل کر دیا ہے خمر باقی نہیں بلکہ وہ ایک اور حقیقت بن چکی ہے۔ ''ابن کمال'' کا اس میں کلام ہے۔

31511۔(قولہ: وَرَدَّ مَا زَادَ الدِّبْغُ) اس کی صورت یہ ہے کہ دباغت شدہ چمڑے اور جس کو ذبح کیا گیا مگر اس کی دباغت نہ کی گئی کی قیمت لگائی جائے اور دونوں کے درمیان جو قیمت کا فرق ہے وہ اسے واپس کر دے ''ملتقی''۔ اس کی شرح میں کہا: اسے یہ حق حاصل نہیں کہ چمڑا غاصب کو دے دے اور غیر مدبوغ چمڑے کی ضمانت اس سے لے۔ کیونکہ دباغت سے قبل اس کی قیمت نہیں ہو سکتی۔

31512۔(قولہ: وَلِلْغَاصِبِ حَبْسُهُ الخ) اس کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو مالک سے زیادتی کی قیمت ساقط ہو جائے گی۔ ''ابن کمال''۔

31513۔(قولہ: وَلَوْ أَتْلَفَهُ لَا يَضْمَنُ) امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے: اگر وہ اسے تلف کر دے تو ضامن نہیں ہوگا اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے کہا: وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اس حال میں کہ وہ طاہر ہو۔ کیونکہ چمڑے کی قیمت کا وقوع اس کے فعل سے حاصل ہوتا ہے جبکہ اس کا حق اس میں قائم ہے اور چمڑا قیمت لگانے کے حق میں اس کے فعل کے تابع ہے۔ کیونکہ دباغت سے پہلے وہ متقوم نہیں تھا۔ اصل جو صنعت ہے اتلاف کی وجہ سے اس پر ضمانت نہیں ہوتی۔ اسی طرح اس کی تبع کا معاملہ ہے۔ اس مدبوغ کا معاملہ مختلف ہے جس کی دباغت ایسی چیز سے کی جائے جس کی قیمت نہ ہو۔ کیونکہ غاصب کی اس میں کوئی ایسی شے نہیں جو متقوم ہو۔ اگر غاصب کے علاوہ کوئی اور اس کو جان بوجھ کر ہلاک کر دے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ اصل ایسی چیز ہے جس پر ضمانت ہے۔ تبع کا معاملہ اسی طرح ہے۔ ''ابن ملک''۔

''النہایہ'' میں ہے: اگر غاصب اس کی دباغت کے بعد اس کو پوستین بنا دے اگر چمڑا ایسا ہو جو پاکیزہ ہو تو بالاتفاق اس پر غصب کے دن کی قیمت لازم ہوگی اگر مردار کی جلد ہو تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی کیونکہ اس کا اسم بدل چکا ہے اس کا معنی ہے اس کے فعل سے اس کا نام بدل چکا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''تبیین'' میں ہے۔

وَلَا ضَمَانَ بِإِتْلَافِ الْمَيْتَةِ وَلَوْ لِذِمِّيٍّ وَلَا بِإِتْلَافِ مَتْرُوكِ التَّسْمِيَةِ عَمْدًا وَلَوْ لِمَنْ يُبِيحُهُ مُلْتَقًى؛ لِأَنَّ وِلَايَةَ الْمُحَاجَّةِ ثَابِتَةٌ (وَضَمِنَ بِكَسْرِ مِعْزَفٍ) بِكَسْرِ الْمِيمِ آلَةُ اللَّهْوِ

تو اس کی ضمانت نہیں ہوگی۔ اور مردار کو تلف کرنے سے کوئی ضمانت نہیں ہوگی اگرچہ وہ کسی ذمی کا ہو اور جس کو ذبح کرتے وقت جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کو تلف کرنے سے ضمانت نہ ہوگی اگرچہ وہ جانور اسی کا ہو جو اس کو مباح خیال کرتا ہے، ''ملتقی''۔ کیونکہ استدلال کی ولایت ثابت ہے۔ اور باجا توڑنے کی صورت میں اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ معزف یہ میم کے کسرہ کے ساتھ لہو کا آلہ ہے

اہل ذمہ اور اہل اجتہاد کو ان کے اعتقاد پر چھوڑنا واجب ہے

31514۔ (قولہ: وَلَا ضَمَانَ) جو قول گزر چکا ہے اس کے ساتھ مکرر ہے لیکن اسے دوبارہ ذکر کیا تا کہ اسے مابعد کے ساتھ مربوط کر دے تا کہ دونوں کے درمیان فرق کو ظاہر کریں جس طرح ''ہدایہ'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب حکم دیا گیا ہے کہ اہل ذمہ جو باطل اعتقاد رکھتے ہیں ہم اس پر چھوڑے رکھیں تو ہم پر یہ بھی واجب ہوتا ہے کہ ہم اہل اجتہاد کو اس پر چھوڑے رکھیں جس کا وہ اعتقاد رکھتے ہیں جبکہ اس میں بدرجہ اولیٰ صحت کا احتمال موجود ہے۔ فرق یہ ہے حجت قائم کرنے کی ولایت حرمت پر دلیل کے قیام کے ساتھ ثابت ہے پس ضمان کے اعتقاد کا اعتبار نہیں ہوگا۔ فافہم۔

31515۔ (قولہ: وَلَوْ لِمَنْ يُبِيحُهُ) یعنی اگرچہ وہ اس کی مملوک ہو جو اسے مباح خیال کرتا ہے جیسے امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

31516۔ (قولہ: لِأَنَّ وِلَايَةَ الْمُحَاجَّةِ ثَابِتَةٌ) یعنی نص ثابت ہے وہ نص ولا تاکلوا ہے ''عنایہ'' میں کہا ہے: کوئی اعتراض کرنے والا اعتراض کر سکتا ہے ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ دلیل جو اہل ذمہ کے ساتھ ترک محاجہ پر دلالت کرتی ہے وہ اس پر دال ہے کہ مجتہدین کے ساتھ حجت قائم کرنے کو ترک کیا جائے اور یہ بطریق اولیٰ ایسا کرنا درست ہو جس طرح تم ثابت کر چکے ہو۔

جواب یہ ہے کہ دلیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: اترکوھم وما یدینون یہ عقد ذمہ کی وجہ سے ہے جبکہ یہ مجتہدین کے حق میں منتفی ہے۔

''حواشی سعدیہ'' میں ہے: زیادہ بہتر یہ ہے کہ جس مذبوحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام ترک کیا جائے اس کو حلال جاننا یہ نص کتاب کے مخالف ہے اور خصم مؤمن ہے اس کے ساتھ محاجہ کی ولایت ثابت ہو جاتی ہے۔

اگر کوئی لہو کے آلات توڑے تو ان کی ضمانت کا حکم

31517۔ (قولہ: آلَةُ اللَّهْوِ) جیسے بربط، مزمار، دف، طبل اور طنبور۔ ''منح''۔ جو ''ابن کمال'' نے قول کیا ہے کہ عزف میم کے بغیر ہو تو یہ لہو کا آلہ ہے مگر جب یہ میم کے ساتھ ہو تو یہ طنبورہ کی نوع ہے جو اہل یمن بناتے ہیں۔ اور حاشیہ میں لکھا ہے

وَلَوْ لِكَافِرٍ ابْنُ كَمَالٍ (قِيمَتُهُ) خَشَبًا مَنْحُوتًا (صَالِحًا لِغَيْرِ اللَّهْوِ) ضَمِنَ الْقِيمَةَ لَا الْمِثْلَ (بِإِرَاقَةِ سُكْرٍ وَمُنَصَّفٍ) سَيَجِيءُ بَيَانُهُ فِي الْأَشْرِبَةِ (وَصَحَّ بَيْعُهَا) كُلُّهَا وَقَالَا لَا يَضْمَنُ وَلَا يَصِحُّ بَيْعُهَا، وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى مُلْتَقًى وَدُرَرٌ وَزَيْلَعِيٌّ وَغَيْرُهَا،

اگرچہ وہ باجا کافر کا ہو ''ابن کمال''۔ یعنی اس لکڑی کی قیمت کا جو کھودی گئی ہو جو لہو کے علاوہ کے لئے کار آمد ہو اور وہ قیمت کا ضامن ہو گا مثل کا ضامن نہیں جب سکر اور منصف (شراب) کو بہا دے۔ اس کی وضاحت کتاب الاشربہ میں آئے گی اور ان سب کی بیع کرنا صحیح ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: نہ وہ ضمانت دے گا اور نہ ہی اس کی بیع صحیح ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ ''ملتقی''، ''درر''، ''زیلعی'' وغیرہ۔

کہ ''صدر الشریعہ'' نے خطا کی ہے کہ انہوں نے معزف اور عزف میں فرق نہیں کیا۔ یہ فلس کی طرح ہے اس کی جمع خلاف قیاس معازف آتی ہے اور عزف ضرب کی طرح ہے'' سائحانی''۔ اس کی مثل ''قہستانی'' میں ہے۔

31518۔ (قولہ: وَلَوْ لِكَافِرٍ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ کہتے: ولو لمسلم تا کہ بدرجہ اولی کافر کا فائدہ دیتا۔ کیونکہ یہ قول کیا گیا ہے کہ یہ بالاتفاق ہے جس طرح آگے آئے گا اور نیز مسلمان کے شراب پر کوئی ضمانت نہیں۔ کافر کے خمر کا معاملہ مختلف ہے جس طرح گزر چکا ہے جب وہ مسلمان کے آلہ لہو کی ضمانت دے گا اس کے خمر کی ضمانت نہیں دے گا تو اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کافر کے آلہ لہو کی بدرجہ اولیٰ ضمانت ہو گی۔ ''فتدبر''۔ ''ابن کمال'' کی عبارت یہ ہے: لمسلم کے الفاظ نہیں کہے جس طرح صاحب ''ہدایہ'' نے کہا ہے کیونکہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ یہ مسلمان کا ہو یا کافر کا ہو۔

31519۔ (قولہ: صَالِحًا لِغَيْرِ اللَّهْوِ) دف میں اس دف کی قیمت کی ضمانت ہو جس میں روئی رکھی جاتی ہے اور بربط میں ثرید کے پیالے کی قیمت کی ضمانت ہو گی۔ ''اتقانی''۔

31520۔ (قولہ: سَيَجِيءُ بَيَانُهُ) ''الہدایہ'' میں یہاں اس امر کی وضاحت کی ہے اور کہا: سکر جب دو فتحوں کے ساتھ ہو یہ کھجور کا کچا رس ہے جب وہ گاڑھا ہو جائے اور منصف جس کا نصف پکانے کے ساتھ چلا جائے۔

31521۔ (قولہ: وَصَحَّ بَيْعُهَا كُلُّهَا) کیونکہ یہ ایسے اموال ہیں جو متقوم ہیں۔ کیونکہ یہ اس امر کی صلاحیت رکھتے ہیں جب غیر لہو کے لئے ان سے نفع حاصل کیا جائے۔ پس یہ ضمان کے منافی نہیں جس طرح مغنیہ لونڈی ہوتی ہے۔ خمر کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ خمر حرام لعینہ ہے۔ جہاں تک سکر وغیرہ کا تعلق ہے تو ان کی حرمت اجتہاد سے اور اخبار آحاد سے پہچانی جاتی ہے۔ پس ان کی حرمت خمر کی حرمت سے کم ہو گی۔ پس ہم نے ان کی بیع کو جائز قرار دیا ہے اور ہم نے کہا: وہ قیمت کی ضمانت دے گا مثل کی ضمانت نہیں دے گا۔ کیونکہ مسلمان کو اس سے منع کیا گیا ہے: لیکن اگر وہ مثل لے لے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ قیمت لگانے کا سقوط معدوم نہیں ہوا۔ ''اتقانی'' ملخص۔ اس سے محشی کا توقف دور ہو جاتا ہے۔

31522۔ (قولہ: وَقَالَا الخ) یہ اختلاف ضمان میں ہے نہ کہ آلات لہو کے تلف کرنے کے مباح ہونے میں ہے اور

وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ وَأَمَّا طَبْلُ الْغُزَاةِ زَادَ فِي حَظْرِ الْخُلَاصَةِ وَالصَّيَّادِينَ وَالدُّفُّ الَّذِي يُبَاحُ ضَرْبُهُ فِي الْعُرْسِ فَمَضْمُونٌ اتِّفَاقًا (كَالْأَمَةِ الْمُغَنِّيَةِ وَنَحْوِهَا) كَكَبْشٍ نَطُوحٍ وَحَمَامَةٍ طَيَّارَةٍ وَدِيكٍ مُقَاتِلٍ وَعَبْدٍ خَصِيٍّ حَيْثُ تَجِبُ قِيمَتُهَا غَيْرَ صَالِحَةٍ لِهَذَا الْأَمْرِ (وَلَوْ غَصَبَ أُمَّ وَلَدٍ فَهَلَكَتْ لَا يَضْمَنُ بِخِلَافِ) مَوْتِ (الْمُدَبَّرِ) لِتَقَوُّمِ الْمُدَبَّرِ دُونَ أُمِّ الْوَلَدِ

مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے۔ جہاں تک نمازیوں کے طبل کا تعلق ہے ''الخلاصہ'' کے کتاب الحظر میں یہ اضافہ کیا ہے اور شکاریوں کے طبل اور وہ دف جس کا شادی کے موقع پر بجانا مباح ہے بالاتفاق اس کی ضمانت ہوگی جس طرح مغنیہ لونڈی ہو۔ اور اسی کی مثل ٹکر مارنے والا مینڈھا، اڑنے والا کبوتر، لڑنے والا مرغ اور خصی غلام ان کی قیمت اس طریقہ پر واجب ہو گی کہ یہ اس امر کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اگر اس نے ام ولد کو غصب کیا تو وہ ام ولد ہلاک ہوگئی تو اس کی ضمانت نہ ہوگی۔ مدبر غلام کی موت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ مدبر کی قیمت لگائی جاتی ہے ام ولد کی قیمت نہیں لگائی جاتی۔

اس میں اختلاف ہے جو کسی اور عمل کی صلاحیت رکھتے ہوں ورنہ وہ بالاتفاق کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا اور اس میں اختلاف ہے جو اس نے امام کی اجازت کے بغیر عمل کیا ہے۔ ورنہ وہ بالاتفاق ضامن نہیں ہوگا۔ اور یہ اختلاف مغنی کی سارنگی اور شراب بیچنے والے کے خابیہ میں ہے ورنہ وہ بالاتفاق ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ ان کو نہیں توڑتا تو وہ اپنے قبیح فعل کی طرف لوٹ جائے گا۔ اور اختلاف اس صورت میں ہے جب وہ مسلمان کے ہوں۔ اگر وہ کسی ذمی کے ہوں تو بالاتفاق اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اس کی قیمت جہاں تک پہنچے اس طرح اگر وہ اس کی صلیب کو توڑ دے۔ کیونکہ یہ اس کے حق میں مال متقوم ہے۔

میں کہتا ہوں: ''الاختیار'' میں بھی اسے جزم ویقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ شاید ''ہدایہ'' میں مسلمان کے ذکر پر اکتفا اس لئے کیا ہے۔ کیونکہ یہ اختلاف کا محل ہے اس کے ساتھ مقام کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ ''فتدبر''

31523۔ (قولہ: وَالدُّفُّ الَّذِي يُبَاحُ الخ) مصنج سے احتراز کیا ہے ''النہایہ'' میں ''ابولیث'' سے مروی ہے: چاہئے کہ وہ مکروہ ہو۔

31524۔ (قولہ: غَيْرَ صَالِحَةٍ لِهَذَا الْأَمْرِ) یعنی وہ غلام کی قیمت کی ضمانت دے گا مگر وہ غیر خصی ہو۔ ''ط''۔

31525۔ (قولہ: فَهَلَكَتْ) اس قول کے ساتھ تعبیر کیا تا کہ اس امر کا فائدہ دے کہ اگر یہ اس کے فعل سے حاصل ہو تو بغیر کسی اختلاف کے اس کا حکم ثابت ہوگا۔ ''طحطاوی'' نے اس کی وضاحت کی ہے۔

میں کہتا ہوں: ''تاتر خانیہ'' میں ''شرح الطحاوی'' سے نقل کیا ہے: اگر ان دونوں میں سے کسی پر کوئی جانی جنایت کرے تو بالاجماع جانی پر جنایت کی چٹی واجب ہوگی۔

31526۔ (قولہ: لِتَقَوُّمِ الْمُدَبَّرِ) یعنی غلام کی قیمت کا دو تہائی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نصف۔ ''عینی'' نے اسے بیان کیا ہے۔ اور ضمان ادا کرنے کی صورت میں وہ اس کا مالک نہیں ہوگا کیونکہ یہ ایک ملک سے دوسری ملک کی طرف

وَقَالَا يَضْمَنُهَا لِتَقَوُّمِهَا (حَلَّ قَيْدُ عَبْدِ غَيْرِهِ أَوْ رَبْطُ دَابَّتِهِ أَوْ فَتْحُ بَابِ إِصْطَبْلِهَا أَوْ قَفَصِ طَائِرِهِ فَذَهَبَتْ) هٰذِهِ الْمَذْكُورَاتُ (أَوْ سَعَى إِلَى سُلْطَانٍ بِمَنْ يُؤْذِيهِ وَ) الْحَالُ أَنَّهُ (لَا يَدْفَعُ بِلَا رَفْعٍ) إِلَى السُّلْطَانِ (أَوْ) سَعَى (بِمَنْ يُبَاشِرُ الْفِسْقَ وَلَا يَمْتَنِعُ بِنَهْيِهِ أَوْ قَالَ لِسُلْطَانٍ قَدْ يُغَرِّمُ وَقَدْ لَا يُغَرِّمُ)

''صاحبین'' رحمۃاللہ علیہما نے کہا ہے: وہ ام ولد کی ضمانت دے گا۔ کیونکہ اس کی قیمت لگائی جاتی ہے اس نے غیر کے غلام کی گرہ یا اس کے جانور کی رسی کھول دی یا اس کے اصطبل کا دروازہ کھول دیا یا اس کے پرندے کا پنجرہ کھول دیا تو تمام مذکورہ چیزیں نکل گئیں (تو وہ ضامن نہیں ہوگا)۔ یا ایک آدمی نے سلطان کے سامنے اس آدمی کی شکایت کی جو اسے اذیت دیتا ہے جبکہ حالت یہ ہے کہ جب تک سلطان کے سامنے شکایت نہ کی جائے وہ آدمی باز نہیں آتا یا ایسے آدمی کے بارے میں شکایت کی جو فسق و فجور کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کے منع کرنے سے نہیں رکتا یا ایسے سلطان کے سامنے شکایت کی جو کبھی ڈانڈ ڈالتا ہے اور کبھی ڈانڈ نہیں ڈالتا

منتقل ہونے کو قبول نہیں کرتا۔ ''ابوسعود''۔

31527۔(قولہ: لِتَقَوُّمِهَا) ضمیر سے مراد ام ولد ہے اور ام ولد کی قیمت غلام کی قیمت کا ایک تہائی ہے ''حموی''۔ بعض نسخوں میں تثنیہ کی ضمیر ہے۔

31528۔(قولہ: حَلَّ قَيْدُ عَبْدِ غَيْرِهِ) اختلاف عبد مجنون میں ہے اگر وہ عاقل ہو تو بالاتفاق اس کا ضامن نہیں ہوگا۔ ''شرنبلالیہ'' نے ''بزازیہ'' سے نقل کیا ہے۔

31529۔(قولہ: فَذَهَبَتْ هٰذِهِ الْمَذْكُورَاتُ) ان میں ضمانت کے نہ ہونے کا قول شیخین کا ہے امام ''محمد'' رحمۃاللہ علیہ نے جانور اور پرندے میں اختلاف کیا ہے۔ ''قہستانی'' اور ''برجندی'' نے کہا ہے کہ اختلاف سب میں ہے۔ اور مودع اگر وہ ایسا عمل کرے جن کو ذکر کیا گیا ہے تو بالاتفاق ضامن ہوگا۔ کیونکہ ودیعت کی حفاظت کرنا اس پر لازم تھا۔ ''درمنتقی''۔ ''شرنبلالیہ'' میں ہے: ''نظم'' میں کہا: اگر اس نے اس سے زائد عمل کیا اس کی صورت یہ ہے کہ وہ پنجرے کا دروازہ کھولے اور پرندے کو کہے: کش کش۔ یا اصطبل کا دروازہ کھولے اور بیل کو کہے: ہش ہش یا گدھے کو کہے: ہر ہر تو بالاتفاق ضامن ہوگا۔ علماء نے اس امر پر اتفاق کیا ہے۔ اگر وہ مشکیزہ کو پھاڑے جبکہ تیل بہنے والا تھا یا اس کو کاٹا جہاں تک کہ قندیل گر گئی تو وہ ضامن ہوگا۔ ''ط''۔

ساعی کی ضمانت کا بیان

31530۔(قولہ: أَوْ سَعَى إِلَى سُلْطَانٍ) ظاہر یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اور اس کے بعد والے مسئلہ میں بالاتفاق ضمانت نہ ہو تاکہ ضرر کو زائل کیا جائے۔ ''ط''۔

31531۔(قولہ: قَدْ يُغَرِّمُ وَقَدْ لَا يُغَرِّمُ) یہ را کی تشدید کے ساتھ ہے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور ثلاثی مزید فیہ سے ہے۔ ''المنح'' میں کہا: آج فتویٰ اس پر ہے کہ مطلقاً شکایت کرنے والے پر ضمان واجب ہو۔

فَقَالَ (إِنَّهُ وَجَدَ كَنْزًا فَغَرَّمَهُ) السُّلْطَانُ (شَيْئًا لَا يَضْمَنُ) فِي هَذِهِ الْمَذْكُورَاتِ (وَلَوْ غَرَّمَ) السُّلْطَانُ (أَلْبَتَّةَ) بِمِثْلِ هَذِهِ السِّعَايَةِ (ضَمِنَ وَكَذَا) يَضْمَنُ (لَوْ سَعَى بِغَيْرِ حَقٍّ عِنْدَ مُحَمَّدٍ زَجْرًا لَهُ) أَيْ لِلسَّاعِي (وَبِهِ يُفْتَى) وَعُزِّرَ وَلَوْ السَّاعِي عَبْدًا طُولِبَ بَعْدَ عِتْقِهِ (وَلَوْ مَاتَ السَّاعِي فَلِلْمَسْعِيِّ بِهِ أَنْ يَأْخُذَ قَدْرَ الْخُسْرَانِ مِنْ تَرِكَتِهِ) هُوَ الصَّحِيحُ جَوَاهِرُ الْفَتَاوَى وَنَقَلَ الْمُصَنِّفُ

اور کسی نے شکایت کی کہ اسے خزانہ ملا ہے تو سلطان نے اس پر کوئی چٹی لازم کردی تو وہ ان تمام مذکورہ چیزوں میں ضامن نہیں ہوگا۔ اگر سلطان اس جیسی شکایات میں ہر صورت چٹی لازم کرتا ہے تو وہ ضامن ہوگا۔ اسی طرح اگر اس نے ناحق شکایت کی تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ شکایت کرنے والا ضامن ہوگا۔ یہ شکایت کرنے والے کو جھڑکنے کے لئے ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اور اسے تعزیر لگائی جائے گی۔ اگر مساعی غلام ہو تو اس کی آزادی کے بعد اس سے مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر شکایت کرنے والا مرجائے تو وہ جس کی شکایت کی گئی تھی اسے حق حاصل ہے کہ جس قدر اس کا نقصان ہوا ہے اس کے ترکہ میں سے اس قدر لے لے۔ یہی قول صحیح ہے۔ ''جواہر الفتاوی''۔ مصنف نے یہ نقل کیا ہے:

31532۔ (قولہ: فَقَالَ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ اسے ساقط کردیتے۔

31533۔ (قولہ: إِنَّهُ وَجَدَ كَنْزًا) ''جامع الفصولین'' میں یہ اضافہ کیا ہے پس اس کا جھوٹ ظاہر ہو گیا تو وہ ضامن ہوگا مگر جب وہ عادل ہو یا کبھی وہ چٹی لازم کرتا ہے اور کبھی چٹی لازم نہیں کرتا اور سعایہ کو بھی اشارۃ ذکر کیا ہے کہ وہ سعایت جو ضمان کو واجب کرتی ہے وہ وہ ہے کہ وہ ایسا جھوٹ بولے جو مال لینے کا سبب ہو یا شکایت سے اس کا یہ مقصود نہ ہو کہ وہ احتساب قائم کرنا چاہتا ہو جس طرح اگر وہ کہے: اس نے مال پایا ہے جبکہ اس نے مال پایا تھا۔ یہ امر ضمان کو واجب کرتا ہے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ سلطان ان سبب سے اس سے مال لے لے گا۔

31534۔ (قولہ: وَبِهِ يُفْتَى) یعنی فساد کو ختم کرنے کے لئے اور اسے جھڑکنے کے لئے اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ براہ راست یہ کام کرنے والا نہ ہو۔ کیونکہ سعی مال کو ہلاک کرنے کا سبب محض ہے اور سلطان اپنے اختیار کی وجہ سے اس پر چٹی لگاتا ہے یہ طبعاً ایسا نہیں کرتا۔ یہ قول اور ''اسماعیلیہ'' میں جو قول ہے اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ سلطانی نہی وارد ہوئی ہے کہ قاضی اس قسم کا دعویٰ سنیں۔ کیونکہ اس نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ امر سلطان کے بغیر اس پر ضمان کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

31535۔ (قولہ: وَعُزِّرَ) ''خیریہ'' میں کہا ہے: سید ''ابوشجاع'' نے اس کے قتل کے جواز کا قول کیا ہے۔ کیونکہ ایسا شخص زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے قتل کرنے والے کو ثواب دیا جائے گا۔ اور ایسے لوگوں کے کفر کا فتویٰ دیا جاتا تھا۔ مشائخ کا مختار قول یہ ہے کہ ان کے کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا اور قتل کا جواز ان کے کفر پر دلالت نہیں کرتا جس طرح ڈاکو کے بارے میں ہے۔ اور ان کے معاونین کے بارے میں یہ ''بزازیہ'' نے کہا ہے۔

31536۔ (قولہ: وَنَقَلَ الْمُصَنِّفُ) ''عمادیہ'' سے نقل کیا ہے: اگر اس پر چوری کا دعویٰ کرے تو اسے محبوس کیا گیا تو

أَنَّهُ لَوْ مَاتَ الْمَشْكُوُّ عَلَيْهِ بِسُقُوطِهِ مِنْ سَطْحٍ لِخَوْفِهِ غُرْمَ الشَّاكِي دِيَتَهُ لَا لَوْ مَاتَ بِالضَّرْبِ لِنُدُورِهِ وَقَدْ مَرَّ فِي بَابِ السَّرِقَةِ (أَمَرَ شَخْصٌ (عَبْدَ غَيْرِهِ بِالْإِبَاقِ أَوْ قَالَ) لَهُ (اُقْتُلْ نَفْسَكَ فَفَعَلَ) ذَلِكَ (وَجَبَ عَلَيْهِ قِيمَتُهُ) وَلَوْ قَالَ لَهُ أَتْلِفْ مَالَ مَوْلَاكَ فَأَتْلَفَ يَضْمَنُ الْآمِرُ، وَالْفَرْقُ أَنَّ بِأَمْرِهِ بِالْإِبَاقِ وَالْقَتْلِ صَارَ غَاصِبًا؛

اگر وہ آدمی جس کی شکایت کی گئی تھی چھت سے گر کر مر گیا کیونکہ اسے خوف لاحق ہوا تھا تو شکایت کرنے والا ساعی میت کی چٹی بھرے گا۔ اگر وہ مار پیٹ کی وجہ سے مر گیا تو ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس طرح نادر ہوتا ہے۔ سرقہ کے باب میں یہ گزر چکا ہے۔ ایک آدمی نے دوسرے کے غلام کو بھاگ جانے کا کہا یا اسے کہا: اپنے آپ کو قتل کر دو اس نے یہ کام کر دیا تو اس پر اس کی قیمت واجب ہوگی۔ اگر وہ اسے کہے: اپنے آقا کا مال تلف کر دو تو اس نے مال تلف کر دیا تو آمر ضامن ہوگا۔ فرق یہ ہے کہ بھاگ جانے اور قتل کے امر کے ساتھ وہ غاصب ہو چکا ہے۔

وہ چھت سے گر گیا جب اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ کھسک جائے جبکہ وہ عذاب واذیت سے ڈرتا تھا تو وہ مر گیا پھر چوری کسی اور آدمی پر ظاہر ہوگئی۔ پھر مصنف نے ''القنیہ'' سے نقل کیا ہے اس نے والی کے ہاں ناحق شکایت کی اور وہ قائد لے آیا اس نے اس آدمی کو پیٹا جس کی شکایت کی گئی تھی اور اس کا دانت توڑ دیا یا اس کا ہاتھ توڑ دیا تو شکایت کرنے والا اس کی دیت کا ضامن ہوگا جس طرح مال کا ضامن ہوتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جسے شکایت کی بنا پر محبوس کیا گیا تو وہ بھاگ گیا اور قید خانہ کی دیوار پر چڑھا تو اس کے بدن کا کوئی حصہ تلف ہو گیا تو شکایت کرنے والا ضامن ہوگا۔ تو یہاں کیسے ضامن نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیا بھاگ جانے کے مسئلہ میں تو ضمان کا فتویٰ دیتا ہے؟ کہا: نہیں۔ الخ تامل۔

31537۔ (قولہ: غُرْمَ الشَّاكِي) یعنی حق کے بغیر جس طرح اس سے مفہوم ہو چکا ہے کہ اموال کی چٹی نہیں ہوگی۔ پس نفس کی غرامت اس کی مثل ہو۔ ''سائحانی''۔

میں کہتا ہوں: ''عمادیہ'' کے قول سے یہ اخذ کیا جاتا ہے پھر چوری کسی اور کے ہاتھ پر ظاہر ہوگئی جس طرح گزر چکا ہے۔ ''تامل''

31538۔ (قولہ: وَالْفَرْقُ الخ) ''جامع الفصولین'' میں اس قول کے ساتھ اشکال کا ذکر کیا ہے جو فوائد ''صاحب المحیط'' میں ہے: ایک آدمی نے کسی کے غلام کو حکم دیا کہ وہ کسی کا مال تلف کر دے اس کا آقا اس کی چٹی بھرے گا پھر آمر سے اس کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ آمر غلام سے کام لینے والا تھا پس وہ غاصب ہو گیا۔

کہا: یہ جواب ممکن ہے: نہ غلام پر اور نہ ہی اس کے آقا پر ضمانت ہو جب وہ اپنے آقا کے مال کو تلف کرے۔ جب وہ کسی اور کے مال کو تلف کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ یا مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔ لیکن یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ آمر ضامن ہو

لِأَنَّهُ اسْتَعْمَلَهُ فِي ذَلِكَ الْفِعْلِ، وَبِأَمْرِهِ بِالْإِتْلَافِ لَا يَصِيرُ غَاصِبًا لِلْمَالِ، بَلْ لِلْعَبْدِ وَهُوَ قَائِمٌ لَمْ يُتْلَفْ، وَإِنَّمَا التَّلَفُ بِفِعْلِ الْعَبْدِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْآمِرَ لَا ضَمَانَ عَلَيْهِ بِالْأَمْرِ إِلَّا فِي سِتَّةٍ إِذَا كَانَ الْآمِرُ سُلْطَانًا أَوْ أَبًا

کیونکہ اس نے اسے اس فعل میں استعمال کیا ہے۔ اور اتلاف کا رد کر کے وہ مال کو غصب کرنے والا نہیں ہوتا بلکہ غلام کو غصب کرنے والا ہوتا ہے جبکہ غلام موجود ہے جو تلف نہیں کیا گیا اور تلف ہونا یہ غلام کے عمل سے ہے۔ یہ جان لو کہ آمر پر اس امر کی وجہ سے کوئی ضمان نہیں مگر چھ چیزوں میں ضمانت ہے: جب آمر سلطان ہو، باپ ہو،

گا اگر چہ نہ وہ سلطان ہو اور نہ ہی آقا ہو۔ اس سے مختلف قول آگے آئے گا۔

کہا: یہ جواب دینا ممکن ہے کہ وہاں مراد ابتدائی ضمان ہے جو جبر و اکراہ کے طریقہ پر ہوتی ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہاں مباشر ضامن نہیں ہوتا۔ جس میں ہم ہیں وہ اس سے مختلف ہے۔ پس دونوں جدا ہو گئے۔

حکم دینے والے پر صرف چھ چیزوں میں ضمانت ہے

31539۔ (قولہ: وَاعْلَمْ أَنَّ الْآمِرَ لَا ضَمَانَ) اگر غیر کے کہنے پر کپڑے کو پھاڑا تو پھاڑنے والا ضامن ہوگا آمر ضامن نہیں ہوگا۔ ''جامع الفصولین''۔

''رملی'' نے ''جامع الفصولین'' پر اپنے حاشیہ میں کہا: میں کہتا ہوں: امر کے صحیح نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسے اس پر کوئی ولایت حاصل نہیں اگر اسے اس پر ولایت حاصل ہے جس طرح ایسا جانور جو دو افراد کے درمیان مشترک ہو ایک اجنبی نے وہ جانوران میں سے ایک سے عاریۃً لیا ہو اس نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ جانور مستعیر کے حوالے کر آئے اس نے وہ جانور اس کے حوالے کر دیا تو شریک آمر کی ضمان میں کوئی شبہ نہیں۔ کیونکہ مامور کا سپرد کرنا اس کے سپرد کرنے کی طرح ہے اگر چاہے تو مامور سے ضمانت لے لے۔ کیونکہ اس نے غیر کا مال اس کی اجازت کے بغیر دے کر تعدی کی ہے۔ ''تامل''

31540۔ (قولہ: إِلَّا فِي سِتَّةٍ) یہ ''الاشباہ'' کے بعض نسخوں کی بنا پر ہے اور اس کے بعض نسخوں میں پانچ ہے۔ أو ابا کو ساقط کر دیا ہے۔

31541۔ (قولہ: إِذَا كَانَ الْآمِرُ سُلْطَانًا) کیونکہ اس کا امر اکراہ ہے جس طرح اس کے باب میں گزر چکا ہے۔

31542۔ (قولہ: أَوْ أَبًا) اس کی صورت یہ ہے: باپ نے اپنے بالغ بیٹے کو کہا کہ اس کی زمین میں آگ جلائے تو اس نے اسی طرح کر دیا آگ اس کے پڑوسی کی زمین کی طرف تجاوز کر گئی اور کوئی شے تلف کر دی باپ ضامن ہوگا۔ کیونکہ امر صحیح ہے۔ پس فعل باپ کی طرف منتقل ہو جائے گا جس طرح باپ خود اس فعل کو کرے۔ یہ صورت مختلف ہوگی اگر وہ کوئی بڑھئی اجرت پر لے تا کہ اس کی دیوار راستہ پر گرا دے اس نے اسی طرح کر دیا اور کوئی انسان ہلاک ہو گیا تو ضمان بڑھئی کے ذمہ ہو گی۔ کیونکہ امر صحیح نہیں۔ ''شرح تنویر الاذہان'' میں اسی طرح ہے۔ اس صورت کا ظاہر یہ ہے کہ مراد ہر ایسا امر نہیں جو باپ کی جانب سے بالغ بیٹے کے لئے ہو یہاں تک کہ اگر وہ مال تلف کرنے کا امر کرے یا نفس کو قتل کرنے کا امر کرے تو اس کی ضمان

أَوْ سَیِّدًا أَوْ الْمَأْمُورُ صَبِیًّا أَوْ عَبْدًا أَمَرَهُ بِإِتْلَافِ مَالِ غَیْرِ سَیِّدِهِ وَإِذَا أَمَرَهُ بِحَفْرِ بَابٍ فِی حَائِطِ الْغَیْرِ غَرِمَ الْحَافِرُ وَرَجَعَ عَلَی الْآمِرِ أَشْبَاهٌ

آقا ہو، مامور بہ ہو یا غلام ہو اسے اس کے آقا کے علاوہ کسی اور کا سامان تلف کرنے کا اس نے کہا ہو، جب اس نے اسے حکم دیا کہ وہ غیر کی دیوار میں دروازہ کھودے تو کھودنے والا چٹی دے گا اور وہ آمر سے مطالبہ کرے گا ''اشباہ''۔

بیٹے پر ہوگی کیونکہ امر فاسد ہے۔''ط''۔

میں کہتا ہوں: اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی صورت میں یہ استخدام ہے پس امر صحیح ہوگا۔ کیونکہ باپ کی خدمت واجب ہے۔ اس کے علاوہ کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ یہ محض سرکشی ہے۔''تامل''

چاہئے یہ تھا کہ اس کی قید اس امر سے لگائے کہ اگر وہ ہوا والے دن میں آگ جلائے یا آگ جلائے جس کی مثل آگ نہیں جلائی جاتی یا پڑوسی کی زمین قریب ہو اس طرح کہ آگ کے شرارے عموماً اس تک پہنچ جاتے ہیں ورنہ مالک پر کوئی ضمان نہ ہوگی اگر وہ خود ایسا کرے جس طرح ''جامع الفصولین'' میں ہے۔ اسی طرح کا حکم اس کے بیٹے کے فعل کا ہوگا جو اس کے امر سے ہو۔

31543۔(قولہ: أَوْ سَیِّدًا) یعنی جس کو امر کیا جا رہا ہے وہ غلام ہے۔

31544۔(قولہ: أَوْ الْمَأْمُورُ صَبِیًّا) جس طرح جب وہ کسی بچے کو حکم دے کہ وہ غیر کا مال تلف کر دے اس بچے نے مال تلف کر دیا تو بچہ ضامن ہوگا اور وہ آمر سے اس کا مطالبہ کرے گا۔''اشباہ''۔''خانیہ'' میں ہے: ایک آزاد بالغ ہے جو کہ بچے کو کوئی آدمی قتل کرنے کا حکم دے دیتا ہے تو دیت بچے کی عاقلہ پر ہوگی۔ پھر وہ آمر کی عاقلہ سے واپسی کا مطالبہ کریں گے۔ اگر آمر بھی بچہ ہو تو مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ اگر وہ عبد ماذون ہو تو آمر ضامن نہیں ہوگا۔ ملخص۔

''جامع الفصولین'' میں ہے: اس نے ایک بچے سے کہا: اس درخت پر چڑھ جاؤ اور میرے لئے اس کا پھل جھاڑ دو پس وہ بچہ چڑھا اور نیچے گر گیا تو اس بچے کی دیت آمر کی عاقلہ پر ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ بچے کو کوئی شے اٹھانے کا حکم دے یا لکڑی توڑنے کا حکم دے جبکہ اس کے ولی کی اجازت نہ ہو اگر وہ اسے یہ نہ کہے: میرے لئے چڑھو بلکہ کہا: اس پر چڑھ جاؤ اور اپنے لئے اس کا پھل جھاڑ دو یا اس طرح کا کلمہ کہا تو وہ بچہ گر گیا اور مر گیا تو مختار مذہب یہی ہے کہ ضمان ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمان نہیں ہوگی۔

31545۔(قولہ: أَوْ عَبْدًا أَمَرَهُ بِإِتْلَافِ مَالِ غَیْرِ سَیِّدِهِ) غلام کو حکم دیا کہ آقا کے علاوہ کسی اور کا مال تلف کر دے یا بھاگ جائے یا اپنے آپ کو قتل کر دے جس طرح گزر چکا ہے اگر اس نے اپنے آقا کا مال تلف کرنے کا حکم دیا تو ضامن نہیں ہوگا جس طرح گزر چکا ہے۔''حموی'' نے کہا: اگر وہ ضامن ہو تو اپنے آقا کے لئے جس چیز کی ضمانت اٹھائی ہے اس کا مطالبہ غلام کے آقا سے کرے گا اور اس میں کوئی فائدہ نہیں۔

31546۔(قولہ: وَإِذَا أَمَرَهُ) ضمیر منصوب مامور کی طرف لوٹ رہی ہے اس قید کے بغیر کہ وہ بچہ ہو یا غلام ہو۔

31547۔(قولہ: وَرَجَعَ عَلَی الْآمِرِ)''تاتر خانیہ'' میں یہ بیان کیا ہے کہ جب وہ اپنے قول میں لی کے الفاظ کو زائد

(اسْتَعْمَلَ عَبْدَ الْغَيْرِ لِنَفْسِهِ) بِأَنْ أَرْسَلَهُ فِي حَاجَتِهِ (وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ أَنَّهُ عَبْدٌ أَوْ قَالَ لَهُ ذَلِكَ الْعَبْدُ) الَّذِي اسْتَعْمَلَهُ (إِنِّي حُرٌّ ضَمِنَ قِيمَتَهُ إِنْ هَلَكَ) الْعَبْدُ عِمَادِيَّةٌ وَفِيهَا جَاءَ رَجُلٌ إِلَى آخَرَ فَقَالَ إِنِّي حُرٌّ فَاسْتَعْمِلْنِي فِي عَمَلٍ فَاسْتَعْمَلَهُ فَهَلَكَ ثُمَّ ظَهَرَ أَنَّهُ عَبْدٌ ضَمِنَهُ عَلِمَ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ

ایک آدمی نے غیر کے غلام کو اپنے لئے کام پر لگا یا اس کی صورت یہ ہے کہ اسے اپنے کام میں بھیجا اگر اسے علم نہ ہو کہ یہ غلام ہے یا اسے اس غلام نے کہا جس کو اس نے کام میں لگا یا تھا: میں آزاد ہوں اگر وہ غلام ہلاک ہو گیا تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا ''عمادیہ''۔ اس میں ہے: ایک آدمی دوسرے کی طرف آیا اور کہا: میں آزاد ہوں مجھے کام میں لگا لو اس نے اسے کام میں لگا لیا تو وہ ہلاک ہو گیا پھر یہ امر ظاہر ہوا کہ یہ غلام ہے تو اس کا ضامن ہوگا اسے علم ہو، علم نہ ہو۔

کرے یا کہے: میری دیوار میں یا وہ اس گھر میں رہ رہا تھا یا اسے اجرت پر لیا تھا تو آمر سے مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ یہ چیزیں ملک کی علامات میں سے ہیں ورنہ وہ مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ امر مامور کے گمان کے مطابق صحیح نہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر اس نے کہا: میرے غیر کی دیوار میں دروازہ کھود دو یا اسے علم ہو کہ یہ کسی اور کی ہے تو مطالبہ نہیں کرے گا۔ پس شارح کا طلاق تقیید کے محل میں ہے۔ فتنبہ

تتمہ

''ہندیہ'' میں ''ذخیرہ'' سے مروی ہے: ایک آدمی نے دوسرے کو حکم دیا کہ وہ اس کے لئے یہ بکری ذبح کرے اور وہ بکری اس کے پڑوسی کی تھی ذبح کرنے والا اس کا ضامن ہوگا اسے علم ہو یا علم نہ ہو لیکن اگر اسے علم ہو تو اسے واپس لینے کا حق نہیں ہوگا۔ ورنہ وہ واپس لے گا۔ ''بزازیہ'' میں ہے: اپنے مزدور کو حکم دیا کہ اس کی دکان کے صحن میں پانی کا چھڑکاؤ کرو اس نے پانی کا چھڑکاؤ کیا تو اس سے جو کچھ وقوع پذیر ہوگا اس کی ضمانت آمر پر ہوگی اگر اس کے امر کے بغیر ہو تو ضمان چھڑکاؤ کرنے والے پر ہوگی۔

میں کہتا ہوں: پس مستثنیات آٹھ ہو گئیں اور نویں کو زائد کیا جاتا ہے یہ وہ ہے جسے ہم قریب ہی ''رملی'' سے بیان کر آئے ہیں اور تتبع حصر کی نفی کرتا ہے۔

31548۔ (قولہ: اسْتَعْمَلَ عَبْدَ الْغَيْرِ) اس کی مثل بچہ ہے جس طرح گزر چکا ہے اگر اس نے ایسے آزاد کو غصب کیا جو چھوٹا ہو تو ضامن ہوگا مگر جب وہ اپنی موت آپ مرے اگر وہ غرق ہو یا اسے کوئی قتل کرے تو ضامن ہوگا۔ ''جامع الفصولین''۔

31549۔ (قولہ: لِنَفْسِهِ) ''بزازیہ'' میں ایک اور قید کا اضافہ کیا ہے اس کی نص یہ ہے: غیر کے غلام سے خدمت لینا جب اس کے ساتھ خدمت متصل ہو تو یہ غصب ہے۔ کیونکہ اس نے اس کی اجازت کے بغیر قبضہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ اس عمل سے ہلاک ہو گیا تو ضامن ہوگا۔ اگر اس کے ساتھ خدمت متصل نہ ہو تو ضامن نہیں ہوگا اسے یہ علم ہو کہ یہ غیر کا غلام ہے یا غیر کا غلام نہیں۔

31550۔ (قولہ: وَفِيهَا الخ) یہ متن کے ساتھ مکرر ہے ''ح''۔ مگر یہ کہا جائے: اس کے نقل کرنے کے ساتھ متن کی

هَذَا إِذَا اسْتَعْمَلَهُ فِي عَمَلِ نَفْسِهِ (وَلَوْ اسْتَعْمَلَهُ لِغَيْرِهِ) أَيْ فِي عَمَلِ غَيْرِهِ (لَا ضَمَانَ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَصِيرُ بِهِ غَاصِبًا كَقَوْلِهِ لِعَبْدٍ ارْقَ هَذِهِ الشَّجَرَةَ وَانْثُرْ الْمِشْمِشَ لِتَأْكُلَهُ أَنْتَ فَسَقَطَ لَمْ يَضْمَنْ الْآمِرُ وَلَوْ قَالَ لِتَأْكُلَهُ أَنْتَ وَأَنَا ضَمِنَ قِيمَتَهُ كُلَّهُ ؛ لِأَنَّهُ اسْتَعْمَلَهُ كُلَّهُ فِي نَفْعِهِ (غُلَامٌ جَاءَ إِلَى فَصَّادٍ فَقَالَ افْصِدْنِي فَفَصَدَهُ فَصْدًا مُعْتَادًا) فَغَيْرُهُ بِالْأَوْلَى (فَمَاتَ مِنْ ذَلِكَ

یہ اس صورت میں ہے جب وہ اسے اپنے کام میں لگائے اگر اسے غیر کے کام میں لگائے تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ کیونکہ اس طریقہ سے وہ غاصب نہیں ہوتا جس طرح وہ کسی غلام کو کہتا ہے: اس درخت پر چڑھ اور مشمش کو جھاڑ و تا کہ تو اسے کھائے تو وہ غلام گر گیا تو آمر ضامن نہیں ہوگا۔ اگر اس نے کہا: تا کہ تو اور میں کھائیں تو اس کی مکمل قیمت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے اسے اپنے نفع کے لئے استعمال کیا ہے۔ ایک غلام فصد کرنے والے کے پاس آیا اس کو کہا: میرا فصد کر واس نے معتاد طریقہ سے اس کا فصد کر دیا اگر غیر معتاد فصد کیا تو بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہوگا۔ اس سے وہ مر گیا

توضیح کا قصد کیا ہے۔

31551_(قولہ: أَيْ فِي عَمَلِ غَيْرِهِ) یعنی اگر وہ غیر محض غلام کی ذات ہے جس طرح اس پر اس کا مابعد دلالت کرتا ہے۔

31552_(قولہ: لَمْ يَضْمَنْ الْآمِرُ) شاید یہ اس مختار قول پر مبنی ہے جسے ہم پہلے ''جامع الفصولین'' سے نقل کر چکے ہیں مگر بچے اور غلام میں فرق کا دعویٰ کیا جائے۔ ''فلیتامل''

31553_(قولہ: لِأَنَّهُ اسْتَعْمَلَهُ كُلَّهُ فِي نَفْعِهِ) جب ''قاضی خان'' نے ضمان کا فتویٰ دیا تو یہی وہ چیز ہے جس کے ساتھ علت بیان کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آمر کو نفع حاصل نہیں ہوتا مگر مکمل غلام کو حاصل کرنے کے ساتھ ہی نفع حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا اگر چہ غلام اپنے نفع کا بھی قصد کرے۔ کیونکہ وہ اس کے حکم سے ہی اوپر چڑھا ہے۔ اس کی وضاحت وہ قول بھی کرتا ہے جو ''عمادیہ'' میں ہے: ایک غلام ہے جس نے اپنے آقا کے گھر کے لئے اس کی اجازت سے پانی کا کوزہ اٹھایا ایک اور آدمی نے اپنا کوزہ اسے دے دیا تا کہ وہ اس کے لئے حوض سے پانی لے آئے تو وہ غلام راستہ میں ہلاک ہو گیا۔ ''صاحب محیط'' نے ایک دفعہ کہا: وہ آدمی نصف قیمت کا ضامن ہوگا پھر دوسری دفعہ کہا: تمام قیمت کا ضامن ہو گا۔ کیونکہ اس آدمی کے فعل نے آقا کے فعل کو منسوخ کر دیا ہے تو جب وہ کل کی ضمانت دے گا جبکہ وہ اپنے آقا کی خدمت میں تھا تو ہمارے مسئلہ میں بدرجہ اولیٰ ضامن ہوگا۔

31554_(قولہ: فَغَيْرُهُ بِالْأَوْلَى) ''المنح'' میں اسی طرح کہا ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ عاقلہ اس کی بھی ضامن ہوگی۔ ''جامع الفصولین'' میں معتاد فصد کرنے کی صورت میں مرنے کی وجہ سے عاقلہ کے ضمانت اٹھانے کی یہ علت بیان کی ہے کہ یہ خطا ہے۔ کیا غیر معتاد فصد بھی خطا ہے۔ یہ محل نظر ہے۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہئے۔ شارح نے باب ضمان الاجیر میں پہلے مسئلہ بیان کر دیا ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ اگر وہ اس کا فصد کرے جبکہ وہ سویا ہوا ہو اور اسے اسی طرح چھوڑ دے

ضَمِنَ قِيمَةَ الْعَبْدِ عَاقِلَةُ الْفَصَّادِ وَكَذٰلِكَ) الْحُكْمُ فِي (الصَّبِيِّ تَجِبُ دِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَةِ الْفَصَّادِ) عِمَادِيَّةٌ فَرْعٌ غَصَبَ عَبْدًا وَمَعَهُ مَالُ الْمَوْلَى صَارَ غَاصِبًا لِلْمَالِ أَيْضًا، بَلْ قَالُوا يَضْمَنُ ثِيَابَهُ تَبَعًا لِضَمَانِ عَيْنِهِ بِخِلَافِ الْحُرِّ عِمَادِيَّةٌ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ

وَلَوْ نَسِيَ الْحِرَفَاتِ يَضْمَنُ نَقْصَهَا وَلَوْ نَسِيَ الْقُرْآنَ أَوْ شَاخَ يَذْكُرُ

وَلَوْ عَلِمَ الدَّلَّالُ قِيمَةَ سِلْعَةٍ فَقَوَّمَ لِلسُّلْطَانِ أَنْقَصَ يَخْسَرُ

تو اس غلام کی قیمت کی فصاد کی عاقلہ ضامن ہوگا۔ یہی حکم بچے کے بارے میں ہے اس کی دیت فصاد کی عاقلہ پر ہوگی۔ ''عمادیہ''۔ فرع: ایک غلام غصب کیا اس کے پاس آقا کا مال تھا تو وہ آدمی اس مال کا بھی غاصب ہوگا۔ بلکہ علماء نے ارشاد فرمایا ہے: وہ اس کے کپڑوں کا ضامن ہوگا۔ یہ اس کے عین کی ضمان کی تبع میں ہے۔ آزاد کا معاملہ مختلف ہے۔ ''عمادیہ''۔ ''وہبانیہ'' میں ہے: اگر وہ حرفوں کو بھول گیا تو غاصب اس کے نقصان کا ضامن ہوگا اگر وہ قرآن کو بھول گیا یا بوڑھا ہوگیا تو نقصان کے ضمان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اگر دلال سامان کی قیمت کو جانتا ہو اور اس نے سلطان کے لئے کم قیمت کا ذکر کیا تو نقصان کا ضامن ہوگا۔

یہاں تک کہ خون بہنے سے وہ مر جائے تو قصاص واجب ہوگا۔

31555۔ (قولہ: ضَمِنَ قِيمَةَ الْعَبْدِ عَاقِلَةُ الْفَصَّادِ) کیونکہ اس کے اذن کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ اگرچہ وہ ماذون ہو کیونکہ یہ تجارت میں سے نہیں ہے۔ اسی کی مثل بچہ ہے۔ ''ط''۔

31556۔ (قولہ: صَارَ غَاصِبًا لِلْمَالِ أَيْضًا) اگر وہ بھاگ گیا تو غاصب مال اور اس غلام کی قیمت کا ضامن ہو گا۔ ''فصولین''۔

31557۔ (قولہ: بَلْ قَالُوا الخ) ترقی کی وجہ یہ ہے کہ کپڑے اس کے تابع ہوتے ہیں مال کا معاملہ مختلف ہے۔

31558۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْحُرِّ) کیونکہ اس کے کپڑے اس کے قبضہ میں ہوتے ہیں، ''فصولین''۔ ''بزازیہ'' میں ہے: اس نے ایک آدمی کو مارا اور وہ گر گیا یہاں تک کہ مر گیا امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ اس کے مال اور اس کے ان کپڑوں کا ضامن ہوگا جو کپڑے اس پر ہیں یعنی کیونکہ قبضہ فاسد ہے۔ ''تامل''

31559۔ (قولہ: وَلَوْ نَسِيَ الْحِرَفَاتِ) یہ حرفہ کی جمع ہے یعنی غاصب کے قبضہ میں وہ حرفہ بھول گیا۔

31560۔ (قولہ: أَوْ شَاخَ) یعنی بوڑھا ہوگیا یا بوڑھی ہوگئی کیونکہ وہ مقصود فوت ہوگیا جو مالیت میں اضافہ کرتا ہے۔

31561۔ (قولہ: يَذْكُرُ) یعنی نقصان کی ضمان کا ذکر کیا آتا ہے۔

31562۔ (قولہ: وَلَوْ عَلِمَ الدَّلَّالُ الخ) ''شرنبلالیہ'' نے ''القنیہ'' سے نقل کیا ہے: دلال جب قیمت کو جانتا ہو اور اس نے خزانہ سلطانیہ یا امیر کے لئے بھیجی جانے والی چیز کی قیمت میں کمی کر دی جس میں لوگ غبن نہیں کرتے تو وہ نقصان کا

وَمُتْلِفُ إِحْدَى فَرْدَتَيْنِ يُسَلِّمُ الْ	بَقِيَّةَ وَالْمَجْمُوعُ مِنْهُ يُحْضَرُ

قُلْت وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ لَا يَضْمَنُ إِلَّا الْخُفَّ الَّتِي أَتْلَفَهَا وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ هُوَ الْمُخْتَارُ وَأَقَرَّهُ الشُّرُنْبُلَالِيُّ وَذَكَرَ مَا يُفِيدُ أَنَّ السُّلْطَانَ لَيْسَ بِقَيْدٍ، وَإِنَّهُ يَنْبَغِي الْقَوْلُ بِتَضْمِينِ الْقَاضِي أَيْضًا سِيَّمَا فِي اسْتِبْدَالِ وَقْفٍ وَمَالِ يَتِيمٍ فَلْيُحْفَظْ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

دوفردوں میں سے ایک تلف کرنے والے کو باقی ماندہ سپرد کردے گا اوراس سے مجموع حاضر کرنے کا کہا جائے گا۔ میں کہتا ہوں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: وہ اسی موزہ کا ضامن ہوگا جس کو وہ تلف کرے گا۔ ''بزازیہ'' میں ہے یہی مختار ہے۔ ''شرنبلالی'' نے اسے ثابت رکھا ہے اور ایسا قول ذکر کیا ہے جو فائدہ دیتا ہے کہ سلطان قید نہیں ہے اور چاہیے کہ قاضی کو ضمان بنائے جانے کا قول کیا جائے خصوصاً جب وقف اور یتیم کے مال کا معاملہ ہو۔ واللہ اعلم۔

ضامن ہوگا۔ اس پر اس مسئلہ کی تخریج کی ہے کہ تقسیم کے گواہ جو قیمت لگائیں اور صحافین کے شیخ وغیرہ جو قیمت لگائیں یہ قیمت یتیموں کے اموال کی ہو، خراب ادقاف کے اموال کی ہو امراء کے لئے، نوابوں کے لئے اور حاکم کے لئے ہو جس طرح معتاد طریقہ ہے اور اس میں غبن فاحش ظاہر ہو جبکہ قاضی ان کا حال جانتا ہے خصوصاً استبدلات میں جو جواز اور قیمت کے اعتبار سے ہوں اس وقت یہ چاہئے کہ قاضی کو بھی ضامن بنایا جائے۔

31563۔ (قوله: وَمُتْلِفُ إِحْدَى فَرْدَتَيْنِ) مراد دو چیزوں میں سے ایک ہے جن کا مالک، مقصود انتفاع صرف ان دونوں سے اکٹھے ہی حاصل کرسکتا ہے جس طرح دروازے کے دو کواڑ خف کا جوڑا یا مکعب کا جوڑا۔

31564۔ (قوله: يُسَلِّمُ الْبَقِيَّةَ) بقیہ کا۔ ال یہ پہلے مصرع کا تتمہ ہے یعنی غاصب کو باقی ماندہ فرد دے اگر چاہے اور مجموعہ کی قیمت کی ضمانت لے لے۔ بعض علماء نے کہا: باقی ماندہ کو روک لے اور دو کی ضمانت لے لے۔

31565۔ (قوله: وَأَقَرَّهُ الشُّرُنْبُلَالِيُّ) یعنی ''النظم'' پر اپنی شرح میں اسے ثابت رکھا ہے۔

31566۔ (قوله: وَذَكَرَ مَا يُفِيدُ أَنَّ السُّلْطَانَ الخ) یعنی نظم میں واقع ہے ہم اسی کی عبارت ابھی پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

خاتمہ

سلطان نے کسی کی پانی کی باری میں سے حصہ یا گھر میں سے حصہ غصب کر لیا اور کہا: میں غصب نہیں کرتا مگر اس کا حصہ تو وہ ان سب کے درمیان مشترک ہوگا، ''فصولین''۔ لیکن ''تاتر خانیہ'' میں ہے: مختار یہ ہے کہ مشترک چیز کا غصب متحقق ہو جاتا ہے۔

ایک آدمی کپڑا پکڑتا ہے کپڑے کا مالک اسے اپنی طرف کھینچتا ہے تو وہ کپڑا پھٹ جاتا ہے تو یہ آدمی نصف کپڑے کا ضامن ہوگا۔ وہ اٹھا پس اس کا کپڑا ایک ایسے آدمی کے بیٹھنے سے پھٹ گیا جو اس کپڑے پر بیٹھا ہوا تھا تو وہ آدمی نصف پھٹن کا

....

ضامن ہوگا۔ اس پر مکعب کو قیاس کیا جائے گا۔ ایک جانور اس کی کھیتی میں داخل ہوا اس نے اسے نکالا اور اس کے بعد نہ ہانکا تو ضامن نہ ہوگا۔ یہی مختار قول ہے۔ اگر نکالنے کے بعد اسے ہانکا تو ضامن ہوگا خواہ اسے اس جگہ تک ہانکا جس میں وہ اپنی کھیتی کے بارے میں اس جانور سے امن میں ہو جاتا ہے یا اس سے زیادہ ہانکا۔ اسی پر فتویٰ ہے۔

ایک آدمی کا جانور دوسرے کے گھر میں مر گیا اگر اس جانور کی جلد کی قیمت ہو تو مالک اور قریبی اسے گھر سے نکالے گا۔

ہمارے مشائخ نے فرمایا: غاصب جب شرمندہ ہوا اور اس نے مالک کو نہ پایا تو مغصوب کو اپنے پاس روکے رکھے یہاں تک مالک کی امید ختم ہو جائے تو اگر چاہے تو اس شرط کے ساتھ صدقہ کر دے کہ اگر مالک نے اس کے صدقہ کو جائز قرار نہ دیا تو وہ اسے ضمانت دے گا۔ احسن یہ ہے کہ اسے امام کی طرف لوٹائے۔ کیونکہ امام کو غیب کے مال میں تدبیر کرنے اور روکے رکھنے کا حق حاصل ہے۔ یہ سب ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور اسی کے لئے حمد ہے جو اس نے علم سے نوازا۔

کِتَابُ الشُّفْعَةِ

مُنَاسَبَتُهُ تَمَلُّكُ مَالِ الْغَيْرِ بِغَيْرِ رِضَاهُ (هِيَ) لُغَةً الضَّمُّ وَشَرْعًا (تَمْلِيكُ الْبُقْعَةِ

شفعہ کے احکام

کتاب الشفعہ کی کتاب الغصب سے مناسبت یہ ہے کہ غیر کے مال پر اس کی رضامندی کے بغیر ملکیت حاصل کی جاتی ہے۔ لغت میں اس کا معنی ملانا ہے اور شرع میں اس سے مراد زمین کے ٹکڑا پر

31567۔(قولہ: مُنَاسَبَتُهُ الخ) یعنی غصب کے ساتھ جو اس کی مناسبت ہے اور کتاب الغصب کو کتاب الشفعہ پر مقدم کرنے کی وجہ سے ذکر نہیں کیا حالانکہ شفعہ مشروع ہے اور غصب مشروع نہیں جبکہ غصب کا وقوع بہت زیادہ ہوتا ہے اور غصب غیر منقولہ اور منقولہ میں واقع ہوتا ہے۔ شفعہ کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ ''سعدیہ'' میں کہا ہے: ماذون سے اس موخر کرنے کی جو وجہ بیان کی ہے وہ اس سے غنی کرنے والی ہے۔

شفعہ کی لغوی تعریف

31568۔(قولہ: هِيَ لُغَةً الضَّمُّ) ''زیلعی'' نے کہا: یہ شفع سے ماخوذ ہے جس کا معنی ملانا ہے۔ یہ وتر کی ضد ہے۔ اسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گناہگاروں کی شفاعت ہے۔ کیونکہ آقا دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں شفاعت کے ساتھ کامیاب لوگوں کے ساتھ ملا دیں گے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: شفع الرجل شفعا جب وہ فرد تھا پس وہ دوسرا ہو گیا۔ اور شفیع ماخوذ کو اپنی ملک کے ساتھ ملا دیتا ہے اسی وجہ سے اسے شفعہ کہتے ہیں۔

''قہستانی'' میں کہا: یہ لغت میں فعلۃ کے وزن پر فا کے ضمہ کے ساتھ ہے یہ مفعول کے معنی میں ہے۔ یہ اس ملک کا نام ہے جسے ملک کے ساتھ ملا دیا گیا ہو۔ ''المغرب'' میں یہ بیان کیا ہے کہ یہ دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے اور شفعہ سے فعل مسموع نہیں۔ جہاں تک علماء کا یہ قول ہے: الدار التی یشفع بھا یہ فقہاء کے استعمال میں سے ہے۔

شفعہ کی شرعی تعریف

31569۔(قولہ: وَشَرْعًا تَمْلِيكُ الْبُقْعَةِ) زیادہ بہتر قول وہ ہے جو ''کنز'' وغیرہ میں واقع ہوا ہے یعنی تملک۔ کیونکہ یہ شفیع کے اوصاف میں سے ہے وہ مالک ہوتا ہے مملک نہیں ہوتا بلکہ سب سے بہتر وہ تعبیر ہے جو ''غایۃ البیان'' میں ہے کہ اس سے مراد حق تملک ہے۔ کیونکہ اگر یہ مضاف (حق) نہ ہوتا جس طرح ''قاضی زادہ'' نے ''تکملۃ الفتح'' میں کہا ہے تو لازم آتا کہ ان کا قول: و تستقر بالاشھاد صحیح نہ ہوتا۔ کیونکہ تملک قضا یا رضامندی کے بغیر نہیں پایا جاتا۔ نیز اس کا حکم طلب کا جواز ہے اور کسی شے کا حکم اس کے پیچھے ہوتا ہے یا اس کے مقارن ہوتا ہے اگر طلب سے پہلے تملک حاصل ہو جائے تو

جَبْرًا عَلَى الْمُشْتَرِي بِمَا قَامَ عَلَيْهِ) بِمِثْلِهِ لَوْ مِثْلِيًّا وَإِلَّا فَبِقِيمَتِهِ (وَسَبَبُهَا اتِّصَالُ مِلْكِ الشَّفِيعِ

پر مشتری پر جبر کرتے ہوئے مالک بنتا ہے اس کے بدلے میں جتنے میں وہ اسے پڑی ہے اگر وہ چیز مثلی ہے تو اس کی مثل کے ساتھ ورنہ اس کی قیمت کے ساتھ۔ اور اس کا سبب شفیع کا

تحصیل حاصل لازم آجاتا ہے۔ مراد بقعہ یا بقعہ کا بعض ہے تاکہ یہ اسے بھی عام ہو جائے جب اس کے شفیعوں میں سے کوئی ایک اسے خریدے۔ جس طرح عنقریب آئے گا۔

31570۔ (قولہ: جَبْرًا عَلَى الْمُشْتَرِي) یہ اس سے احتراز کے لئے نہیں اگر وہ اس پر راضی ہو جائے بلکہ اس کے لئے کیونکہ غالب اس کا راضی نہ ہونا ہے جس طرح ''قہستانی'' نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ''ابو سعود''۔ ''ابن کمال'' نے یہ بیان کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اختیار کا اعتبار نہیں ہوگا نہ کہ اس سے یہ مراد ہے کہ عدم اختیار کا اعتبار ہوگا۔

اس قول علی مشتریہ سے اس سے احتراز کیا ہے جو اس زمین کا عوض کے بغیر مالک بنا ہو جس طرح ہبہ، وراثت اور صدقہ کے ساتھ مالک بنا ہو یا ایسے عوض کے ساتھ مالک بنا ہو جو عین نہ ہو۔ کیونکہ یہ انتہاء خریدنا ہے۔ ''قہستانی''۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اولیٰ یہ نہیں کہ جبرا علی المشتری کو ترک کیا جائے بلکہ اولیٰ یہ ہے کہ البائع کا لفظ اس قول میں زائد کیا جائے۔ کیونکہ بعض اوقات بائع پر جبر ہوتا ہے جب وہ بیع کا اقرار کرے اور مشتری اس کا انکار کرے۔ ''فتاویٰ صغریٰ'' میں ہے: شفعہ کا انحصار بائع سے ملک کا زوال ہے نہ کہ مشتری کے لئے ملک کا ثبوت ہے۔ اسی وجہ سے شفعہ ثابت ہو جاتا ہے جب وہ مشتری کے خیار شرط کے ساتھ بیچے۔ فافہم۔

31571۔ (قولہ: بِمَا قَامَ عَلَيْهِ) یعنی حقیقت میں یا حکم میں جتنے میں اس پر لازم ہو جس طرح خمر وغیرہ میں عنقریب آئے گا۔ ''طوری''۔ مراد یہ ہے کہ جو مشتری کو شرا کے باعث مؤنت لازم ہوتی ہے اس سے ''عینی'' کے کلام جس طرح صاحب ''الدرر'' کے کلام میں بھی ہے وہ معلوم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کہا: یعنی اس قیمت کے بدلے میں جو اس کے ذمہ لازم ہوگی۔ اگر وہ متن کو اس کے عموم پر رکھتے تو یہ اولیٰ ہوتا۔ ''ابو سعود''۔

شفعہ کا سبب

31572۔ (قولہ: وَسَبَبُهَا الخ) ''طوری'' نے کہا: اس کا سبب یہ ہے کہ اس ضرر کو دور کیا جائے جو بری مجاورت کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے پیدا ہو جاتی ہے اس کی وجہ آگ کا جلانا، دیوار کو بلند کرنا اور غبار اڑانا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ مشروعیت کا سبب ہے اور مصنف نے جو ذکر کیا ہے وہ لینے کا سبب ہے۔ ''تامل'' یہ نہ کہا جائے گا کہ جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ موہوم ضرر ہے اور مشتری سے اس بیع کو لینا یہ ثابت شدہ ضرر ہے۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں وہ ضرر غالب ہے پس اس ضرر کے واقع ہونے سے پہلے اسے اٹھایا جائے گا ورنہ بعض اوقات اس ضرر کو ختم کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ جو قول کیا گیا ہے وہ کتنا اچھا ہے۔

بِالْمُشْتَرَى) بِشَرِكَةٍ أَوْ جِوَارٍ (وَشَرْطُهَا أَنْ يَكُونَ الْمَحَلُّ عَقَارًا) سُفْلًا كَانَ أَوْ عُلُوًّا وَإِنْ لَمْ يَكُنْ طَرِيقُهُ فِي السُّفْلِ، لِأَنَّهُ الْتَحَقَ بِالْعَقَارِ
خریدی گئی چیز کے ساتھ شرکت یا پڑوس کی وجہ سے اتصال ہے اور اس کی شرط یہ ہے کہ محل غیر منقولہ جائیداد ہو وہ نیچے ہو یا اوپر ہو اگر چہ اس کا راستہ نیچے والے حصہ میں نہ ہو۔ کیونکہ وہ غیر منقولہ کے ساتھ لاحق ہے

کم معشر سلموا لم یؤذھم سبع و مانری احدا لم یؤذہ بشر

کتنی ہی جماعتیں ہیں وہ محفوظ رہے انہیں درندے نے اذیت نہ دی اور ہم نے کسی کو نہیں دیکھا جسے بشر نے اذیت نہ دی ہو۔

31573۔(قولہ: بِالْمُشْتَرَى) یہ را کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

31574۔(قولہ: بِشَرِكَةٍ أَوْ جِوَارٍ) یہ اتصال کے متعلق ہے یہ قول بقعہ زمین اور حقوق میں شرکت کو شامل ہے جس طرح عنقریب آئے گا اور یہ قلیل شرکت اور کثیر شرکت کو جامع ہوگا جس طرح پڑوس ہے اس پر ''اتقانی'' نے متنبہ کیا ہے۔''ط''۔

شفعہ کی شرط

31575۔(قولہ: وَشَرْطُهَا الخ) یہاں عقار سے مراد غیر منقولہ ہے۔ پس انگور کی بیل، چکی، کنواں اور بالاخانہ اس میں داخل ہوگا اگر چہ اس کا راستہ نیچے نہ ہو۔ عمارت اور درخت خارج ہوں گے ان دونوں میں کوئی شفعہ نہیں ہوگا مگر عقار کی تبع میں شفعہ ہوگا اگر چہ اقرار کے حق کے ساتھ اسے بیچا گیا ہو۔''در منتقی''۔ اس میں یہ شرط ہے کہ یہ مملوک ہو جس طرح یہ سابقہ کلام اور آنے والی کلام سے معلوم ہو چکا ہے۔ پس وقف خارج ہو جائے گا۔ اسی طرح اراضیہ سلطانیہ میں نہ کہ جو عشری اور خراجی ہیں۔ کیونکہ خراجی اور عشری ہونا یہ ملک کے منافی نہیں جس طرح ہم اسے آنے والے باب سے پہلے ذکر کریں گے۔ اور اس کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ عقد عقد معاوضہ ہو اور یہ شرط ہے کہ بائع کی بیع سے ملکیت زائل ہو چکی ہو۔ پس خیار شرط کی بیع میں شفعہ ثابت نہیں ہوتا۔ اور اس میں یہ شرط ہے کہ بائع کا حق زائل ہو چکا ہو۔ پس فاسد خریداری میں شفع نہیں ہوگا اور شفیع خریداری کے وقت اس چیز کا مالک ہو جس کی وجہ سے وہ شفعہ کر رہا ہے اور شفیع اس کی بیع پر راضی نہ ہو اگر چہ راضی نہ ہونا دلالۃً ہو جس طرح یہ سب باتیں آنے والی گفتگو میں معلوم ہو جائیں گی۔

31576۔(قولہ: وَإِنْ لَمْ يَكُنْ طَرِيقُهُ فِي السُّفْلِ) یعنی جس اوپر والے حصہ کو بیچا گیا ہے اس کا راستہ نیچے والے حصہ میں نہ ہو۔

''الذخیرہ'' میں کہا: اگر نچلے حصہ میں راستہ ہو تو شفعہ راستہ میں شرکت کے سبب سے ہوگا۔ اگر وہ راستہ بڑی گلی میں کھلتا ہو تو پڑوس کے سبب سے شفعہ ہوگا۔ اگر بالائی منزل والا نچلے حصہ کو شفعہ کے ساتھ نہیں لیتا یہاں تک کہ اوپر والا حصہ منہدم ہو جاتا ہے تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ پڑوس اتصال کی وجہ سے تھا جبکہ وہ زائل

بِمَا لَهُ مِنْ حَقِّ الْقَرَارِ دُرَرٌ قُلْت وَأَمَّا مَا جَزَمَ بِهِ ابْنُ الْكَمَالِ فِي أَوَّلِ بَابِ مَا هِيَ فِيهِ مِنْ أَنَّ الْبِنَاءَ إذَا بِيعَ مَعَ حَقِّ الْقَرَارِ يَلْتَحِقُ بِالْعَقَارِ فَرَدَّهُ شَيْخُنَا الرَّمْلِيُّ وَأَفْتَى بِعَدَمِهَا تَبَعًا لِلْبَزَّازِيَّةِ وَغَيْرِهَا فَلْيُحْفَظْ

اس کے باعث جو اسے قرار اور ثبات کا حق حاصل ہے۔ میں کہتا ہوں: جسے باب کے شروع میں ''ابن کمال'' نے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے جس میں ہے کہ جب گھر کو قرار کے حق کے ساتھ بیچا جائے تو وہ عقار کے ساتھ لاحق ہو جائے گا۔ ہمارے شیخ ''رملی'' نے اس کا رد کیا ہے اور اس کے عدم کا فتویٰ دیا ہے۔ یہ فتویٰ ''بزازیہ'' وغیرہا کی تبع میں دیا ہے۔ فلیحفظ۔

ہو چکا ہے جس طرح شفعہ باطل ہو جاتا ہے جب وہ اس چیز کو بیچ دے جس کی وجہ سے اس نے شفعہ کرنا تھا جبکہ ابھی اس نے شفعہ کے ساتھ مبیع کو حاصل نہیں کیا تھا۔

امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شفعہ ثابت ہوگا کیونکہ یہ شفعہ تعمیر کرنے کے سبب نہیں بلکہ قرار کے سبب ہے اور قرار کا حق باقی ہے۔ اگر تین کمرے ہیں ان میں سے بعض بعض کے اوپر ہوں اور ہر ایک کا دروازہ گلی میں کھلتا ہو پس درمیانی کمرے کو بیچنا یہ اوپر اور نیچے والے کے لئے شفعہ کو ثابت کرتا ہے۔ اگر نچلے کمرے کو بیچا جائے تو درمیانی کمرہ والا زیادہ مستحق ہوگا۔ ملخص۔

31577۔ (قولہ: بِمَا لَهُ مِنْ حَقِّ الْقَرَارِ) کیونکہ تعلی (بلند ہونے) کا حق ہمیشہ کے لئے باقی رہتا ہے جبکہ یہ غیر منقول ہے پس اس کی وجہ سے شفعہ کا حق ہوگا جس طرح جائیداد ہے ''زیلعی''۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے گزشتہ قول کو ترجیح دی جائے گی۔

31578۔ (قولہ: إذَا بِيعَ مَعَ حَقِّ الْقَرَارِ) جس طرح ارض سلطانیہ (جو سلطان کے قبضہ میں ہو) اور وقف کی زمین جو محتکرہ (جسے روکا گیا ہو) ہے اس میں عمارت ہو۔

31579۔ (قولہ: فَرَدَّهُ شَيْخُنَا الخ) رد میں انہوں نے نقل کا سہارا لینے پر اکتفا کیا ہے اور چاہئے یہ تھا کہ اس میں اور بالائی منزل کے مسئلہ میں جو فرق ہے اسے وضاحت سے بیان کرتے شاید عمارت کا جس میں ذکر ہوا ہے اسے دائمی طور پر بقا کا حق نہیں بلکہ وہ زائل ہونے کے قریب ہے۔ کیونکہ علماء نے ارشاد فرمایا: بے شک ارض محتکرہ کی اجرت مثلی دینے سے محتکر رک جائے تو اسے عمارت اکھیڑ لینے کا حکم دیا جائے گا اور کسی اور کو اسے اجرت پر دے دیا جائے گا۔ اسی طرح کا قول ارض سلطانیہ میں کیا جاتا ہے جب وہ، وہ چیز دینے سے رک جائے جو سلطان نے معین کی ہے۔ تعلی کے حق کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ ہمیشہ کے لئے باقی رہتا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اس سے وہ اعتراض بھی ختم ہو جاتا ہے جو ''حلبی'' نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اوپر والی منزل، جائیداد کے ساتھ لاحق کی جائے۔ کیونکہ اسے قرار کا حق ہے۔ یہ ''ابن کمال'' کی تائید کرتا ہے۔ ''تامل''

31580۔ (قولہ: تَبَعًا لِلْبَزَّازِيَّةِ وَغَيْرِهَا) ''بزازیہ'' میں ہے کہ کردار یعنی عمارت میں کوئی شفعہ نہیں خوارزم میں اسے حق قرار کا نام دیتے ہیں۔ اس میں شفعہ اس لئے نہیں کیونکہ یہ منقولہ ہے جس طرح اراضی سلطانیہ ہیں جسے سلطان بیت

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

المال کے لئے محفوظ رکھتا ہے اور لوگوں کو نصف پر مزارعت پر دے دیتا ہے۔ پس اس میں ان کے لئے کردار ہوتا ہے جیسے عمارت، درخت، مٹی کا گھر، ان کی بیع باطل ہے اور کردار کی بیع جب معلوم ہو جائز ہوتی ہے لیکن اس میں کوئی شفعہ نہیں ہوتا۔ اس کی مثل ''النہایہ'' اور ''الذخیرہ'' میں ہے۔

''تاتر خانیہ'' میں ''سراجیہ'' سے مروی ہے: ایک آدمی ہے جس کا وقف کی زمین میں گھر ہے تو اسے شفعہ کا حق نہیں ہوگا اگر وہ اپنی عمارت بیچے تو اس کے پڑوسی کو شفعہ کا حق نہیں ہوگا۔

ارض محتکرہ میں عمارت میں شفعہ نہیں

یہ امر ذہن نشین کرلو۔ ''ابوسعود'' نے ''حاشیہ مسکین'' میں ''ابن کمال'' کی مدد کی ہے اور اس کی خطا کو یقین سے بیان کیا ہے جس نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ ارض محتکرہ میں عمارت میں شفعہ نہیں جیسے ''طوری'' نے کہا ہے۔ کیونکہ ان کے فتویٰ کی کوئی سند نہیں۔ پھر اس سے استدلال کیا ہے جو ''شرح المجمع'' الملکی میں ہے: اگر وہ صرف کھجور کے درخت یا صرف عمارت بیچے تو کوئی شفعہ نہیں ہوگا کیونکہ سفیدہ زمین کے بغیر ان دونوں کے لئے کوئی قرار نہیں۔ کہا: ان کی تعلیل اس صریح کلام کی طرح ہے جو اراضی محتکرہ میں عمارت میں شفعہ کے ثبوت میں ہے۔ کیونکہ اسے قرار کا حق حاصل ہے اس سے قبل بھی اس سے استدلال کیا ہے جو اس کے خلاف دلیل ہے نہ کہ ان کے حق میں دلیل ہے جس طرح تو عنقریب پہچانے گا۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے جو ''شرح المجمع'' میں ہے تو اس میں بھی کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ مذکورہ تعلیل اس فرق کو بیان کرنے کے لئے ہے جو صرف عمارت یا درخت کے بیچنے میں اور اسے اس محل کے ساتھ بیچنے میں ہے جس میں وہ موجود ہیں۔ کیونکہ اس میں شفعہ ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ قرار کا حق دائمی طور پر موجود ہے۔ صرف عمارت اور درخت بیچنے کا معاملہ مختلف ہے۔ اگرچہ ارض محتکرہ میں ہو جس طرح تو اسے اس سے جان چکا ہے جسے ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ''ابن کمال'' کی قرار کے حق سے مراد وہ محل ہو جس میں وہ قائم ہے۔ پس اس میں غیر کی مخالفت نہیں ہوگی۔ اور ان کا یہ قول: لا سند له فی فتواہ یہ عجیب وغریب ہے جبکہ ہم اس سے پہلے نقول ذکر کر چکے ہیں اس پر جو امر قطعاً دلالت کرتا ہے وہ وہ ہے جو ''جامع صغیر'' میں ہے کہ مکہ مکرمہ کی زمین بیچنا جائز نہیں بے شک عمارت بیچنا جائز ہے۔ پس شفعہ واجب نہیں ہوگا۔ ''حسن ابن زیاد'' نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ شفعہ واجب ہوگا۔ یعنی ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کا قول ہے: اسی پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی مملوکہ چیز کو بیچا ہے۔

''شرح الوہبانیہ'' میں کہا ہے: یہ امر مخفی نہیں کہ اس کلام سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اس میں شفعہ اس کے قول کے بنا پر ثابت ہوتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ مکہ کی زمین مملوکہ ہے نہ کہ اس بنا پر کہ اس میں عمارت بنانا شفعہ کو واجب کرنا ہے پس اس کا حکم دوسری عمارت کے حکم کے خلاف ہوگا جس طرح ''ابن وہبان'' کی عبارت اس کا وہم دلاتی ہے۔ یعنی اس کی عبارت وہم دلاتی ہے کہ اس میں شفعہ کا ثبوت محض عمارت کی وجہ سے ہے پس شفعہ واجب ہوگا۔ اگر یہ قول کیا جائے: اس کی زمین غیر مملوکہ ہے۔

(وَرُكْنُهَا أَخْذُ الشَّفِيعِ مِنْ أَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ) عِنْدَ وُجُودِ سَبَبِهَا وَشَرْطِهَا (وَحُكْمُهَا جَوَازُ الطَّلَبِ عِنْدَ تَحَقُّقِ السَّبَبِ) وَلَوْ بَعْدَ سِنِينَ (وَصِفَتُهَا أَنَّ الْأَخْذَ بِهَا بِمَنْزِلَةِ شِرَاءٍ مُبْتَدَإٍ) فَيَثْبُتُ بِهَا مَا يَثْبُتُ بِالشِّرَاءِ كَالرَّدِّ بِخِيَارِ رُؤْيَةٍ وَعَيْبٍ (تَجِبُ) لَهُ لَا عَلَيْهِ (بَعْدَ الْبَيْعِ) وَلَوْ فَاسِدًا انْقَطَعَ فِيهِ حَقُّ الْمَالِكِ كَمَا يَأْتِي، أَوْ بِخِيَارٍ لِلْمُشْتَرِي

اس کا رکن یہ ہے کہ شفیع دونوں متعاقدین سے کسی ایک سے شفعہ کے سبب اور اس کی شرط کے پائے جانے سے وہ مبیع لے لے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ سبب کے متحقق ہونے کے بعد طلب کرنا جائز ہے اگرچہ کئی سالوں بعد ہو اور اس کی صفت یہ ہے کہ شفعہ کے ساتھ بیع کو لینا یہ نئی خریداری کے قائم مقام ہوتا ہے۔ پس اس کے ساتھ وہ چیز ثابت ہوتی ہے جس طرح خیار رویت اور خیار عیب کے ساتھ واپس کرنا اور شفعہ شفیع کی منفعت کے لئے ثابت ہوتا ہے اس کی مضرت کے لئے ثابت نہیں ہوتا جبکہ بیع ہو چکی ہو اگرچہ فاسد ہو جس میں مالک کا حق منقطع ہو چکا ہو جس طرح آگے آئے گا یا مشتری کے خیار سے شفعہ ثابت ہوتا ہے۔

پس اس کے علاوہ کی عمارات کا حکم مختلف ہوگا جبکہ معاملہ اس طرح نہیں۔ بلکہ اس کا ثبوت اس قول کے ساتھ خاص ہے کہ اس کی زمین مملوکہ ہے تاکہ عمارت زمین کے تابع ہو پس یہ منقولہ کی بیع میں سے نہیں ہوگا۔

''ابو سعود'' پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس کلام سے استدلال کیا ہے اور جو انہوں نے دعویٰ کیا اس میں اسے صریح قرار دے دیا ہے حالانکہ یہ ان کے خلاف صریح ہے۔ کیونکہ یہ قول اس پر مبنی ہے کہ اس کی زمین غیر مملوکہ ہے پس اس میں عمارت تعمیر کرنے کی بنا پر ہمیشہ کے لئے قرار کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود اس میں شفعہ نہیں ہوتا تو ارضہ محتکرہ میں عمارت تعمیر کرنے کی صورت میں کیسے شفعہ کا حق حاصل ہوگا۔ یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا: اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ بالائی منزل میں شفعہ ثابت نہ ہو۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں: عمارت منقول میں سے ہے جبکہ بالائی منزل کا معاملہ مختلف ہے جس طرح قول گزر چکا ہے۔ ''زیلعی'' نے اسی کی طرف آنے والے قول میں اشارہ کیا ہے۔ ان یگانہ روزگار فوائد کو غنیمت جانو۔

31581۔ (قولہ: وَلَوْ بَعْدَ سِنِينَ) یہ ان کے قول جواز الطلب کے ساتھ مرتبط ہے یعنی جب اسے اس کا علم نہ ہوا ہو۔ ''ط''۔

31582۔ (قولہ: لَا عَلَيْهِ) یعنی اس پر شفعہ کا طلب کرنا واجب نہیں۔ یہاں وجوب سے مراد ثبوت ہے جس طرح ''اتقانی'' نے کہا ہے۔

31583۔ (قولہ: بَعْدَ الْبَيْعِ) بالبیع کے الفاظ نہیں کہے کیونکہ یہ شرط ہے۔ ''ابن کمال''۔

31584۔ (قولہ: وَلَوْ فَاسِدًا انْقَطَعَ فِيهِ حَقُّ الْمَالِكِ) ہبہ کی صورت میں، عمارت بنانے یا درخت لگانے کی صورت میں ہو۔

31585۔ (قولہ: كَمَا يَأْتِي) یعنی دوسرے باب کے شروع میں۔

31586۔ (قولہ: أَوْ بِخِيَارٍ لِلْمُشْتَرِي) یہ محذوف کے متعلق ہے حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اس کا

(وَتَسْتَقِرُّ بِالْإِشْهَادِ) فِي مَجْلِسِهِ أَيْ طَلَبِ الْمُوَاثَبَةِ فَلَا تَبْطُلُ بَعْدَهُ
اور طلب مواثبہ کی مجلس میں گواہ بنانے سے شفعہ پختہ ہو جاتا ہے اور اس کے بعد شفعہ باطل نہیں ہوتا

عطف ولو فاسدا پر ہے۔ جسے واؤ حالیہ کے ساتھ پڑھا گیا۔ ہے نہ کہ جو لو کا مدخول ہے کیونکہ معنی فاسد ہے۔ کیونکہ اگر بائع کو یا دونوں کو خیار ہوتا تو بالاتفاق شفعہ نہ ہوتا۔ کیونکہ مبیع اپنے بائع کی ملکیت سے خارج نہیں ہوا۔ جب خیار مشتری کو حاصل ہو تو معاملہ مختلف ہے۔ اس پر مکمل گفتگو دوسرے باب میں آئے گی۔ ''قہستانی'' میں ''قاضی خان'' سے مروی ہے: بیع الوفاء میں شفعہ نہیں کیونکہ مالک کا حق کلی طور پر ختم نہیں ہوا۔

طلب اور اشہاد شفعہ کو پختہ کرتے ہیں

31587۔ (قولہ: وَتَسْتَقِرُّ بِالْإِشْهَادِ) یعنی طلب ثانی کے ساتھ شفعہ پختہ ہو جاتا ہے اور یہ طلب تقریر ہے۔ معنی یہ ہے کہ جب اس نے اس پر گواہ بنا لئے تو اس کے بعد سکوت اختیار کرنے سے شفعہ باطل نہیں ہوگا مگر یہ کہ وہ شفعہ کو اپنی زبان سے ساقط کر دے یا ثمن پوری دینے سے عاجز آجائے۔ پس قاضی اس کا شفعہ باطل کر دے گا۔ طلب مواثبہ ضروری ہے۔ یہ ضعیف حق ہے جو اعراض کرنے سے باطل ہو جاتا ہے پس طلب اور اشہاد یعنی گواہ بنانا ضروری ہے۔ ''جوہرہ''۔

طلب مواثبہ کا معنی

31588۔ (قولہ: فِي مَجْلِسِهِ أَيْ طَلَبِ الْمُوَاثَبَةِ) وہ یہ ہے کہ جونہی اس عقد بیع کے بارے میں سنے تو وہ طلب کرے۔ یہ آنے والی تین طلبوں میں سے ایک طلب ہے۔ اس میں اس کی مخالفت ہے جس کو ہم نے پہلے ''جوہرہ'' سے بیان کیا ہے۔ اور یہ اس قول: فلا تبطل بعدہ کے مخالف ہے۔ کیونکہ طلب تقریر کو موخر کرنا یہ شفعہ کو باطل کر دیتا ہے جس طرح آگے آئے گا۔ یہ ''ابن کمال'' کے متابع ہے کیونکہ کہا: اشہاد سے مراد طلب مواثبہ ہے کیونکہ اس سے قبل شفعہ کا حق متزلزل تھا اس حیثیت میں اگر وہ اس کو موخر کرتا تو باطل ہو جاتا۔ جب اس نے اس کو موخر نہیں کیا تو وہ ثابت رہا یعنی اس کے بعد باطل نہیں ہوگا۔

شارح کی عبارت کا یہ جواب دینا بھی ممکن ہے کہ اشہاد سے مراد دوسری طلب ہے جب یہ طلب مواثبہ کی مجلس میں ہو کیونکہ عنقریب آگے آئے گا کہ یہ دو طلبوں کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ لیکن مجلسہ میں جو ضمیر ہے وہ اسے بعید کر دیتی ہے۔ کیونکہ اگر وہ طلب مواثبہ کی طرف لوٹتا ہے تو یہ لازم آتا ہے کہ وہ ضمیر غیر مذکور اسم کی طرف لوٹے جبکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ اشہاد کی طرف لوٹ رہی ہے انہوں نے اس کی تفسیر اپنے قول ای طلب المواثبۃ کے ساتھ کی ہے تو یہ طلب ثانی پر محمول کرنے کے منافی ہے۔ صحیح عبارت یہ ہے کہ کہا جائے: ولو فی مجلس طلب المواثبۃ یعنی لو کا اضافہ کیا جائے ضمیر اور اداۃ تفسیر کو ساقط کر دیا جائے اور اشہاد سے مراد طلب ثانی ہو جس طرح ہم نے کہا ہے۔ ''فتدبر''

31589۔ (قولہ: فَلَا تَبْطُلُ بَعْدَهُ) یعنی تیسری طلب میں تاخیر کرنے سے شفعہ باطل نہیں ہوگا۔ وہ تیسری طلب طلب تملیک ہے یا تو وہ مطلقاً موخر ہو یا ایک ماہ تک اسے موخر کیا جائے۔

(وَيُمْلَكُ بِالْأَخْذِ بِالتَّرَاضِي أَوْ بِقَضَاءِ الْقَاضِي) عَطْفٌ عَلَى الْأَخْذِ لِثُبُوتِ مِلْكِ الشَّفِيعِ بِمُجَرَّدِ الْحُكْمِ قَبْلَ الْأَخْذِ كَمَا حَرَّرَهُ مُنْلَا خُسْرو (بِقَدْرِ رُءُوسِ الشُّفَعَاءِ لَا الْمِلْكِ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ (لِلْخَلِيطِ مُتَعَلِّقٌ بِتَجِبُ (فِي نَفْسِ الْمَبِيعِ ثُمَّ) إِنْ لَمْ يَكُنْ أَوْ سَلَّمَ

اور باہم رضامندی کے ساتھ لینے یا قاضی کے فیصلہ سے وہ اس کا مالک ہوجاتا ہے اس یعنی بقضاء القاضی کا عطف اخذ پر ہے۔ کیونکہ شفیع کی ملک کا ثبوت لینے سے پہلے محض حکم سے ہوجاتا ہے جس طرح ''منلا خسرو'' نے اسے بیان کیا ہے۔ یہ جتنے افراد ہیں ان کے حساب سے ہوگا ملکیت کے حصہ کے اعتبار سے نہیں ہوگا۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ یہ شفعہ کا حق ثابت ہوتا ہے نفس بیع میں خلیط کے لئے۔ یہ للخلیط تجب کے متعلق ہے۔ پھر اگر وہ نفس مبیع میں شریک نہ ہو

31590۔(قولہ: وَيُمْلَكُ) یہ لفظ یا کے ساتھ ہے ''الدرر'' میں کہا: یعنی عقار اور جو اس کے حکم میں ہے۔ اس کی مثل ''المنح'' میں ہے جو ہم نے ان نسخوں میں دیکھا ہے وہ تملک تا فوقانیہ کے ساتھ ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر ضمیر اس بقعہ کی طرف لوٹے گی جو پہلے مذکور ہے۔

31591۔(قولہ: بِالْأَخْذِ الخ) کیونکہ مشتری کی ملکیت مکمل ہوچکی ہے پس اس سے یہ منتقل نہ ہوگی مگر ان دو میں سے ایک کے ساتھ ہی منتقل ہوگی جیسے ہبہ میں رجوع کے ساتھ۔ اگر وہ مر جائے یا جس وجہ سے شفعہ کا مستحق بنا تھا ان کو بیچ دے یا باہمی رضامندی کے ساتھ لینے یا قاضی کے فیصلے سے قبل اس کے پہلو میں جو گھر تھا اس کو بیچ دیا گیا تو شفعہ باطل ہوجائے گا اگر مشتری نے ایسا پھل کھا لیا جو اس کے قبضہ کے بعد پیدا ہوا تھا تو اس کا ضامن نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ''جوہرہ'' میں ہے۔

31592۔(قولہ: عَطْفٌ عَلَى الْأَخْذِ) اگر اس قول کو اس پر مقدم کرے جس طرح ''غرر'' میں ہے تو وہ ایہام سے محفوظ رہتا۔ ''ط''۔

31593۔(قولہ: كَمَا حَرَّرَهُ مُنْلَا خُسْرو) یعنی دوسرے شارحین کی پیروی میں۔

31594۔(قولہ: بِقَدْرِ رُءُوسِ الشُّفَعَاءِ) کیونکہ علت کے پائے جانے کی وجہ سے کل کے استحقاق میں وہ سب برابر تھے پس حکم میں برابری واجب ہوگئی اور یہ قول اس کو شامل ہوگا اگر مشتری ان میں سے ایک ہو اور ان کے ساتھ طلب کرے تو وہ ان میں سے ایک شمار کیا جائے گا اور مبیع کو ان کے درمیان تقسیم کیا جائے گا جس طرح ''وہبانیہ'' اور اس کی شروح میں ہے عنقریب دوسرے باب میں آئے گا۔

وہ افراد جن کے لیے شفعہ کا حق ثابت ہوتا ہے

31595۔(قولہ: إِنْ لَمْ يَكُنْ) یعنی نفس بیع میں کوئی شریک مستحق نہ پایا جائے اس کی صورت وہ ہے کہ وہ اصلاً نہ پایا جائے یا وہ غائب ہو یا وہ حاضر ہو اور اس کا شفعہ تسلیم کے بغیر کسی اور ساقط کرنے والے سے ساقط ہوجائے۔

(لَهُ فِي حَقِّ الْمَبِيعِ) وَهُوَ الَّذِي قَاسَمَ وَبَقِيَتْ لَهُ شَرِكَةٌ فِي حَقِّ الْعَقَارِ (كَالشِّرْبِ وَالطَّرِيقِ خَاصَّيْنِ) ثُمَّ فَسَّرَ ذَلِكَ بِقَوْلِهِ (كَشِرْبِ نَهْرٍ) صَغِيرٍ (لَا تَجْرِي فِيهِ السُّفُنُ)

یا اس نے وہ مشتری کے لئے سپرد کر دیا ہو تو اسے شفعہ کا حق ہوگا جو حق مبیع میں شریک ہے وہ وہ ہوتا ہے جس نے تقسیم کر لی ہو اور حق عقار میں اس کے لئے شرکت باقی ہو جیسے پانی کی باری اور راستہ جو دونوں خاص ہوں۔ پھر اس کی تفسیر اپنے اس قول کے ساتھ کی ہے: جیسے چھوٹی نہر سے پانی کی باری جس میں کشتیاں نہیں چلتیں

31596۔ (قولہ: لَهُ) یہ تجب کے متعلق ہے شارح نے اسے دوبارہ ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے اس کے بعد کہ اس پر متنبہ کیا اس میں جو اس سے پہلے ہے اور ان کا قول فی حق المبیع یہ ضمیر مجرور کے متعلق ہے۔ کیونکہ یہ خلیط کی طرف لوٹ رہا ہے۔ یہ بعض علماء کے نزدیک جائز ہے جس طرح شاعر کا قول ہے و ما هو عنها بالحديث المرجم۔ اصل میں کلام یوں تھی: وما الحديث عنها۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ پہلے اسم ظاہر ذکر کرتے اور اس کے بعد اسم ضمیر لاتے کہ وہ کہتے: ثم للخلیط فی حقه۔ اسی وجہ سے ''ابن کمال'' نے کہا ہے: جس نے کہا: ثم له فی حق المبیع اس نے اسم ضمیر ذکر کیا اس میں جس میں اظہار حق تھا اور اس میں اسم ظاہر ذکر کیا جس میں اضمار کافی تھا۔

31597۔ (قولہ: وَهُوَ الَّذِي قَاسَمَ الخ) ''عینی'' میں اسی طرح ہے۔ مرحوم ''شیخ شاہین'' نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے: کیونکہ حق مبیع میں خلیط یہ عام ہے اسے جس نے تقسیم کیا یا جس نے تقسیم نہیں کیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ تقسیم کے بغیر حق مبیع میں شریک تھا۔ اور یہ جواب دینا ممکن ہے کہ یہ غیر احترازی ہے پس متن اس کے اطلاق پر ہوگا۔

میں کہتا ہوں: بلکہ یہ احترازی ہے کیونکہ تقسیم سے قبل وہ اس کا مستحق ہوگا کیونکہ وہ نفس مبیع میں شریک تھا اس کے حق میں شریک نہیں تھا۔ کیونکہ مبیع میں شریک خلیط پر حق میں مقدم ہوتا ہے۔ ''ابوسعود''۔

31598۔ (قولہ: كَالشِّرْبِ وَالطَّرِيقِ الخ) شرب جب شین کے کسرہ کے ساتھ ہو پانی کی باری۔ ''قہستانی'' نے طریق کا عطف ثم کے ساتھ کیا ہے اور کہا: اگر جائیداد، پانی کی باری اور راستہ کے بغیر بیچی گئی تو اس کے حقوق کے اعتبار سے کوئی شفعہ نہیں ہوگا۔ اگر کوئی ایک پانی کی باری میں شریک ہو اور دوسرا راستہ میں شریک ہو تو باری والا زیادہ حقدار ہوگا۔ ''الدرر المنتقی'' میں کہا ہے: ''برجندی'' نے یہ نقل کیا ہے کہ طریق پانی کی گزرگاہ سے اقوی ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

31599۔ (قولہ: لَا تَجْرِي فِيهِ السُّفُنُ) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد کشتیوں میں سے سب سے چھوٹی کشتی ہے۔ عام مشائخ کا یہ کہنا ہے کہ نہر میں شریک اگر شمار ہوتے ہیں تو وہ نہر صغیر ہے ورنہ کبیر ہے۔ پھر علماء نے اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جن کا شمار نہیں کیا جاتا وہ پانچ سو ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ چالیس ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اصح یہ ہے کہ اسے ہر زمانہ کے مجتہد کے سپرد کر دیا جائے۔ ''کفایہ'' ملخص۔

''عینی'' نے کہا: یہ زیادہ مناسب ہے۔ ''الدرر المنتقی'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: یہی اصح ہے۔ اس میں ''النتف''

وَطَرِيقٍ لَا يَنْفُذُ) فَلَوْ عَامَّيْنِ لَا شُفْعَةَ بِهِمَا بَيَانُهُ شِرْبُ نَهْرٍ مُشْتَرَكٍ بَيْنَ قَوْمٍ تُسْقَى أَرَاضِيهُمْ مِنْهُ بِيعَتْ أَرْضٌ مِنْهَا فَلِكُلِّ أَهْلِ الشِّرْبِ الشُّفْعَةُ، فَلَوْ النَّهْرُ عَامًّا وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا

اور ایسا راستہ جو آگے نہ کھلتا ہو اگر یہ دونوں عام ہوں تو ان دونوں کی وجہ سے کوئی شفعہ نہ ہوگا۔اس کی وضاحت یہ ہے: نہر کی پانی کی باری ہے جو قوم میں مشترک ہے جس سے ان کی زمین سیراب کی جاتی ہے ان میں سے ایک زمین بیچی گئی پس ہر باری والے کو شفعہ کا حق حاصل ہوگا اگر نہر عام ہو۔اور مسئلہ اسی طرح ہو

سے مروی ہے: اگر وہ اپنا حصہ اس کی باری کے ساتھ بیچے تو شفعہ کا حق اسے حاصل ہوگا جو نفس مبیع میں شریک ہو پھر اہل جدول کا پھر اہل ساقیہ کا پھر بڑی نہر کے اہل کا۔

میں کہتا ہوں: دمشق کے پانیوں کی اصل ''بردی'' ہے۔اس سے کئی نہریں نکلتی ہیں جیسے قنوانات بانیاس اور تورا۔ان سے گھروں کے لئے طوالع نکلتی ہیں۔ہر طالع سے آگے کئی طوالع نکلتی ہیں۔اسی طرح یہ سلسلہ چلتا ہے۔''المنح'' میں جو قول ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ اخص طالع کا اعتبار کیا جائے پھر جو اس کے اوپر ہے۔یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا یہاں تک کہ عظیم نہر تک جا پہنچے گا وہ بردی ہے جو دمشق اور اس کے دیہاتوں کو سیراب کرتی ہے اس کی مسافت آٹھ فلکی ساعات سے زیادہ ہے۔اس تعبیر کی بنا پر اگر ایسی زمین بیچی جائے جس کے پانی کی باری اصل بردی سے ہو اور اس کی ذات میں شریک نہ ہو تو اس مسافت کے تمام اہل کو حق ہوگا کہ شفعہ کے ساتھ لے لیں اس میں دائرہ بہت زیادہ وسیع ہو جائے گا۔ضروری ہے زیادہ صحیح اور زیادہ مناسب یہ ہوگا کہ ہر زمانہ کے مجتہد کی رائے کے سپرد کر دیا جائے۔ظاہر یہ ہے کہ مجتہد سے مراد ایسا حاکم ہے جو صاحب رائے ہو علم کی وجہ سے صحیح نتیجے تک پہنچنے والا ہو۔کیونکہ جس مجتہد پر اصطلاح ہے وہ اب ختم ہو چکے ہیں۔ہاں ہم جسے عنقریب ''ہدایہ'' سے نقل کریں گے وہ امر محذور کو لازم نہیں آتا۔واللہ تعالی اعلم۔

31600۔(قولہ: وَطَرِيقٍ لَا يَنْفُذُ) اس کے تمام اہل شفیع ہیں۔اگر چہ ایک دوسرے کے مقابل ہوں۔عدم نفاذ سے مراد یہ ہے کہ اس کے اہل دوسرے لوگوں کو اسے راستہ بنانے سے منع کرتے ہوں جس طرح ''الدرالمنتقی'' میں ہے۔اگر اس میں کوئی مسجد ہو تو حکماً نافذ ہے جب وہ ایسی مسجد ہو جو ابتدا سے ہی مختص ہونہ کہ بنائی گئی ہو۔اس کی مکمل وضاحت ''بزازیہ'' میں ہے۔اگر اس میں ایسی گلی ہو جو نافذ نہ ہو جس سے دوسری غیر نافذ مستطیل نکلتی ہوں تو پہلی گلی والوں کو اس گلی میں موجود گھر میں شفعہ کا حق حاصل نہیں۔اس کے برعکس معاملہ مختلف ہے۔اگر چھوٹی نہر ہو جس میں سے اس سے زیادہ چھوٹی نہر نکلتی ہو تو اسے راستہ پر قیاس کیا جائے گا تو چھوٹی نہر والوں کو اس زمین میں شفعہ کا حق نہیں ہوگا جو زمین اس سے چھوٹی کے ساتھ متصل ہے جس طرح ''ہدایہ'' اور اس کے شروح میں ہے۔مستطیلہ سے متدیرہ خارج ہو گئی اس کی وضاحت اور توجیہ متفرقات القضاء میں گزر چکی ہے۔

31601۔(قولہ: شِرْبُ نَهْرٍ) یعنی نہر صغیر کے پانی کی باری۔

31602۔(قولہ: فَلِكُلِّ أَهْلِ الشِّرْبِ) یعنی اس خاص نہر سے جن کے لئے پانی کی باری ہو اس کی مثل خاص راستہ

فَالشُّفْعَةُ لِلْجَارِ الْمُلَاصِقِ فَقَطْ (ثُمَّ لِجَارٍ مُلَاصِقٍ) وَلَوْ ذِمِّيًا أَوْ مَأْذُونًا أَوْ مُكَاتَبًا (بَابُهُ فِي سِكَّةٍ أُخْرَى) وَظَهْرُ دَارِهِ لِظَهْرِهَا، فَلَوْ بَابُهُ فِي تِلْكَ السِّكَّةِ فَهُوَ خَلِيطٌ كَمَا مَرَّ

تو شفعہ کا حق صرف جار ملاصق کو حاصل ہوگا۔ پھر شفعہ کا حق جار ملاصق کے لئے ہے اگر چہ وہ ذمی ہو، ماذون ہو یا مکاتب ہو جس کا دروازہ دوسری گلی میں کھلتا ہو اور اس کے گھر کی پشت اس کے گھر کی پشت کے ساتھ ملی ہوئی ہے اگر اس کا دروازہ اس گلی میں ہو تو وہ خلیط ہوگا۔ تو جس طرح گزر چکا ہے۔

ہے پس تمام اہل شفیع ہیں اگر چہ مقابل ہو جس طرح ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ جو اس کے آغاز میں ہے وہ اس کی طرح ہے جو اس کے آخر میں ہے۔ ''اتقانی''۔

31603۔ (قولہ: ثُمَّ لِجَارٍ مُلَاصِقٍ) اگر چہ وہ متعدد ہوں۔ ملاصق وہ ہوتا ہے جو ایک جانب سے ہو اگر چہ ایک بالشت ہو جس طرح وہ جار ملاصق جو تین جانب سے ہو دونوں برابر ہیں۔ ''اتقانی''۔ ''قہستانی'' میں ہے: ملاصق وہ ہوتا ہے جو بیع کے ساتھ متصل ہو اگر چہ حکماً ہو جس طرح حویلی سے ایک گھر بیچا جائے تو اس کا ملاصق اور دار کا جو بعیدی ملاصق ہے وہ شفعہ میں برابر ہیں۔

31604۔ (قولہ: بَابُهُ فِي سِكَّةٍ أُخْرَى) وہ گلی آگے کھلی ہوئی ہو یا نہ ہو۔ ''در منتقی''۔

31605۔ (قولہ: وَظَهْرُ دَارِهِ لِظَهْرِهَا) یعنی اس کے گھر کی پشت اس گھر کی پشت کے ساتھ ملی ہوئی ہو جس پر شفعہ کیا جا رہا ہے۔ ''ہدایہ'' کی عبارت ہے: وغیرها علی ظهرها یہ قید لازم نہیں ہے۔ ''اتقانی'' وغیرہ نے جو ذکر کیا ہے کہ یہ محاذی سے احتراز کے لئے ہے۔ اس کا معنی ہے: اگر چہ دونوں کے درمیان نافذ راستہ ہو۔ کیونکہ ''جوہرہ'' میں ہے: پھر پڑوسی جو ملاصق ہے جو مشفوعہ گھر کی پشت کی جانب ہو اور اس کا دراوزہ دوسری گلی میں ہو جو محاذی نہیں درمیان میں طریق نافذ ہے تو اس کے لئے شفعہ کا کوئی حق نہیں اگر چہ دروازے قریب قریب ہوں۔ کیونکہ وہ راستہ جو جدا کرنے والا ہے وہ ضرر کو زائل کر دیتا ہے۔ ''ابو سعود''، ملخص۔

میں کہتا ہوں: اگر وہ محاذی ہو اور طریق غیر نافذ ہے تو وہ خلیط ہے جار نہیں ہے جس طرح گزر چکا ہے اور آگے آئے گا۔

31606۔ (قولہ: فَلَوْ بَابُهُ فِي تِلْكَ السِّكَّةِ) یعنی وہ گلی آگے سے کھلی ہوئی نہیں جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ ''ط''۔

31607۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی ان کا قول و طریق لا ینفذ۔

تنبیہ

دونوں کے درمیان ایک حویلی میں منزل ہے جو ایسی قوم کی ہے دونوں میں سے ایک نے اپنا حصہ اس میں سے بیچا تو اس کا شریک شفعہ کا زیادہ حق رکھتا ہے پھر اس حویلی میں جو شریک ہیں وہ زیادہ حقدار ہیں۔ کیونکہ وہ زیادہ قریب ہیں پھر جو اس گلی میں ہیں وہ زیادہ حقدار ہیں پھر جو جار ملاصق ہے ''نہایہ'' وغیرھا۔ ''ابو سعود'' نے کہا: کیونکہ شفعہ دائمی ضرر کو دور کرنے کے لئے

(وَوَاضِعُ جِذْعٍ عَلَى حَائِطٍ وَشَرِيكٌ فِي خَشَبَةٍ عَلَيْهِ جَارٌ) وَلَوْ فِي نَفْسِ الْجِدَارِ فَشَرِيكٌ مُلْتَقَى قُلْتُ لَكِنْ قَالَ الْمُصَنِّفُ وَلَوْ كَانَ بَعْضُ الْجِيرَانِ شَرِيكًا فِي الْجِدَارِ لَا يَتَقَدَّمُ عَلَى غَيْرِهِ مِنَ الْجِيرَانِ لِأَنَّ الشَّرِكَةَ فِي الْبِنَاءِ لِمُجَرَّدِ دُونَ الْأَرْضِ لَا يَسْتَحِقُّ بِهَا الشُّفْعَةَ وَفِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ وَكَذَا لِلْجَارِ الْمُقَابِلِ

اور شہتیر کو دیوار پر رکھنے والا اور جو لکڑی دیوار پر رکھی ہے اس میں شریک، پڑوسی ہے اگر نفس دیوار میں شریک ہے تو شریک ہے۔ ''ملتقی''۔ میں کہتا ہوں: لیکن مصنف نے کہا: اگر بعض پڑوسی دیوار میں شریک ہیں تو وہ دوسرے پڑوسیوں پر متقدم نہیں ہوگا۔ کیونکہ عمارت میں شرکت جبکہ زمین میں شرکت نہ ہو اس کے ساتھ وہ شفعہ کا مستحق نہیں بنتا۔ ''شرح المجمع'' میں ہے: اسی طرح اس پڑوسی کا معاملہ ہے جو اس گلی میں

ہے تو جب بھی وہ اتصال میں اخص ہوگا وہ ضرر میں اخص ہوگا پس وہ اس کا زیادہ حقدار ہوگا مگر جب وہ شفعہ چھوڑ دے۔

یہ جان لو کہ ہر وہ موقع جہاں شریک، شفعہ چھوڑ دے تو شفعہ پڑوسی کے لئے ثابت ہو جائے گا مگر وہ شفعہ اس وقت طلب کرے جب وہ بیع کے بارے میں سنے اگرچہ اسے فی الحال لینے کا حق نہ ہو مگر جب وہ شریک کے سپرد کرنے والے حق کو طلب نہ کرے تو اس کے لئے کوئی شفعہ نہیں ہوگا اس کی مثل ''النہایہ'' وغیرہا میں ہے۔

31608۔ (قولہ: وَوَاضِعُ جِذْعٍ عَلَى حَائِطٍ) یعنی ایسی دیوار پر جس میں اس کی ملکیت نہیں ہے ورنہ وہ آنے والا مسئلہ ہوگا۔

31609۔ (قولہ: وَلَوْ فِي نَفْسِ الْجِدَارِ فَشَرِيكٌ) یعنی اگر وہ نفس دیوار میں شریک ہو تو وہ مبیع میں شریک ہوگا یعنی اس کے بعض میں شریک ہوگا۔

31610۔ (قولہ: قُلْتُ لَكِنْ الخ) شارح نے ''در منتقی'' میں یوں تطبیق دی ہے کہ ''الملتقی'' میں جو عبارت ہے اسے اس پر محمول کیا ہے کہ جب عمارت اور مکان جس پر عمارت بنی ہوئی ہے وہ مشترک ہے۔ ''ح''۔

میں کہتا ہوں: ''کفایہ'' میں ''المغنی'' سے مروی ہے: اس کی تصریح کی گئی ہے کیونکہ کہا ہے: وہ پڑوسی جو راستہ میں شریک کی جانب سے اجرت پر ہو وہ مشترک دیوار کی زمین میں شریک نہ ہو مگر جب وہ شریک ہو تو اسے مقدم کیا جائے گا۔

31611۔ (قولہ: لَا يَسْتَحِقُّ بِهَا الشُّفْعَةَ) یعنی شریک کے شفعہ کا مستحق نہیں ہوگا نہ کہ مطلقاً شفعہ کا مستحق نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ جار ملاصق ہے یا اس کا معنی یہ ہے: باقی پڑوسیوں کو چھوڑ کر وہی صرف شفعہ کا مستحق نہیں ہوگا۔ ''تامل''

31612۔ (قولہ: وَكَذَا لِلْجَارِ الْمُقَابِلِ الخ) اس قول کے ساتھ اس وہم کو ختم کیا ہے جو ان کے قول وظهر دارہ لظهرها سے اہم سمجھا جا رہا تھا کہ یہ قید ہے ''ط''۔ اس میں ہے کہ یہاں کوئی ملاصقہ نہیں ہے۔ نیز جو گزر چکا ہے وہ اس کے بارے میں ہے کہ جب اس کا دروازہ دوسری گلی میں ہو اور جس مسئلہ میں ہم گفتگو کر رہے ہیں وہ اس بارے میں ہے کہ گلی ایک ہے جس میں یہ امر ظاہر ہے۔ اسی وجہ سے ''ابو سعود'' نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس میں شفعہ کا استحقاق مبیع میں شرکت

فِي السِّكَّةِ الْغَيْرِ النَّافِذَةِ الشُّفْعَةُ بِخِلَافِ النَّافِذَةِ (أَسْقَطَ بَعْضُهُمْ حَقَّهُ) مِنْ الشُّفْعَةِ (بَعْدَ الْقَضَاءِ) فَلَوْ قَبْلَهُ فَلِمَنْ بَقِيَ أَخْذُ الْكُلِّ لِزَوَالِ الْمُزَاحَمَةِ (لَيْسَ لِمَنْ بَقِيَ أَخْذُ نَصِيبِ التَّارِكِ) لِأَنَّهُ بِالْقَضَاءِ قَطَعَ حَقَّ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ فِي نَصِيبِ الْآخَرِ زَيْلَعِيٌّ (وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ غَائِبًا يُقْضَى بِالشُّفْعَةِ بَيْنَ الْحَاضِرِينَ فِي الْجَمِيعِ) لِاحْتِمَالِ عَدَمِ طَلَبِهِ فَلَا يُؤَخَّرُ بِالشَّكِّ

مقابل ہے جو آگے سے نہیں کھلتی اس کو شفعہ کا حق ہوگا۔ نافذہ گلی کا معاملہ مختلف ہے۔ کسی شفیع نے قضا کے بعد شفعہ میں سے اپنا حق ساقط کر دیا، اگر اس نے قاضی کے فیصلہ کے بعد اپنا حق ساقط کر دیا اگر اس سے قبل اپنا حق ساقط کر دیا تو جو باقی ماندہ شفیع ہے وہ سب لے سکتا ہے۔ کیونکہ مزاحمت زائل ہو چکی ہے، تو باقی ماندہ جو شفیع ہیں اسے چھوڑنے والے کا حصہ لینے کا حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ قاضی کے فیصلہ کے ساتھ ان میں سے ہر ایک کے حصہ کو دوسرے کے حصہ سے الگ کر دیا گیا ہے۔ ''زیلعی''۔ اگر ان میں سے بعض غائب ہوں تو جو حاضر ہیں ان میں تمام مبیع کا شفعہ کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ جو غائب ہے اس کے بارے میں احتمال ہے کہ وہ طلب نہ کرے۔ پس شک، امر کو موخر نہیں کرے گا۔

کی بنا پر ہے پس ملاصقہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ پس ظاہر یہ ہے کہ یہ ان کے قول و طریق لاینفذ کی تعمیم ہے اس قول کے ساتھ یہ بیان کیا کہ یہ مقابل کو شامل ہے اس افادہ کے لیے یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ مکدر ہے۔ فافہم۔ ہاں چاہئے یہ تھا کہ اس کا وہاں ذکر کیا جاتا۔

31613۔ (قولہ: بِخِلَافِ النَّافِذَةِ) ہم نے پہلے ''جوہرہ'' سے اس کی وجہ نقل کر دی ہے۔

31614۔ (قولہ: أَسْقَطَ بَعْضُهُمْ حَقَّهُ الخ) یہ گزر چکا ہے کہ شفیع کے لئے محض حکم کے ساتھ اسے لینے سے پہلے ملکیت کا حق ثابت ہو جائے گا اور مصنف آنے والے باب کے آخر میں اس کا عنقریب ذکر کریں گے کہ قضا کے بعد اسے ترک کرنے کا حق نہیں اگر یہاں اسقاط کو اس پر محمول کیا جائے کہ یہ بائع یا مشتری کو مالک بنانا ہے تو جو شفیع باقی ہیں انہیں اسے لینے کا کیوں حق نہیں ''فلیتامل''۔ پھر میں نے ''طحطاوی'' کو دیکھا انہوں نے علامہ ''مکی'' سے نقل کیا ہے کہ باقی شفیع جو شفعہ ترک کرنے والے کا حصہ نہیں لیتے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا شفعہ ترک کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ قضا کے ساتھ اس کی ملک ثابت ہو چکی۔ یہ نہ کہ اس لئے کہ ان کا حق اس سے منقطع ہو چکا ہے ساتھ ہی اس کا ترک کرنا صحیح ہے۔ اس کے ساتھ اشکال زائل ہو جاتا ہے۔

31615۔ (قولہ: لِزَوَالِ الْمُزَاحَمَةِ) یعنی مشارک کی استحقاق میں جو ان کے ساتھ مزاحمت تھی وہ زائل ہو چکی ہے اور مزاحمت کا زوال اس وجہ سے ہے کہ اس نے ملکیت کے ثبوت سے پہلے اسے ترک کر دیا تھا۔ ''النہایہ'' میں ہے: جب دونوں میں سے ایک شفعہ کو سپرد کر دے تو دوسرے کو حق حاصل نہیں ہوگا مگر یہ کہ وہ سب لے لے یا سب چھوڑ دے کیونکہ جس نے شفعہ چھوڑ دیا ہے اس کی مزاحمت زائل ہو چکی ہے گویا وہ مزاحم تھا ہی نہیں۔

31616۔ (قولہ: فِي الْجَمِيعِ) یعنی مکمل مبیع۔

(وَكَذَا لَوْ كَانَ الشَّرِيكُ غَائِبًا فَطَلَبَ الْحَاضِرُ يُقْضَى لَهُ بِالشُّفْعَةِ) كُلِّهَا (ثُمَّ إِذَا حَضَرَ وَ طَلَبَ قُضِيَ لَهُ بِهَا) فَلَوْ مِثْلَ الْأَوَّلِ قُضِيَ لَهُ بِنِصْفِهِ، وَلَوْ فَوْقَهُ فَبِكُلِّهِ، وَلَوْ دُونَهُ مَنَعَهُ خُلَاصَةٌ (أَسْقَطَ) الشَّفِيعُ قَبْلَ (الشُّفْعَةِ الشِّرَاءَ لَمْ يَصِحَّ) لِفَقْدِ شَرْطِهِ وَهُوَ الْبَيْعُ (أَرَادَ الشَّفِيعُ أَخْذَ الْبَعْضِ وَتَرْكَ الْبَاقِي لَمْ يَمْلِكْ ذَلِكَ جَبْرًا عَلَى الْمُشْتَرِي)

اسی طرح اگر شریک غائب ہو تو حاضر مطالبہ کرے تو اس کے حق میں تمام شفعہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پھر جب وہ حاضر ہو اور اس کا مطالبہ کرے تو اس کے حق میں اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر وہ پہلے شفیع کی مثل ہو تو اس کے حق میں اس کے نصف کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر اس سے فائق ہو تو کل کا فیصلہ کر دیا جائے گا اگر اس سے کم درجہ کا ہو تو اسے منع کر دیا جائے گا۔ ''خلاصہ''۔ شفیع نے شرا سے پہلے شفعہ کو ساقط کر دیا تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی شرط مفقود ہے وہ شرط بیع ہے۔ شفیع نے بعض کو لینے کا ارادہ کیا اور باقی کو ترک کرنے کا ارادہ کیا تو مشتری پر جبر کرتے ہوئے اس کا مالک نہیں ہوگا۔

31617۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ كَانَ الشَّرِيكُ غَائِبًا الخ) اس کا ماقبل اس سے غنی کر دیتا ہے۔ ''تامل''

31618۔ (قولہ: ثُمَّ إِذَا حَضَرَ وَ طَلَبَ) یعنی جو غائب ہو دونوں صورتوں۔

31619۔ (قولہ: قُضِيَ لَهُ بِهَا) ''ہدایہ'' میں کہا ہے: اگر حاضر کے حق میں تمام کا فیصلہ کیا جائے پھر دوسرا حاضر ہو تو اس کے حق میں نصف کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر تیسرا حاضر ہو تو ہر ایک کے قبضہ میں جو ہے اس کے تیسرے حصہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا تا کہ تسویہ کو ثابت کیا جائے۔

31620۔ (قولہ: فَلَوْ مِثْلَ الْأَوَّلِ) یعنی اگر جو حاضر ہے وہ پہلے کی مثل ہو جیسے دونوں مبیع میں شریک ہوں یا دونوں پڑوسی ہوں۔

31621۔ (قولہ: وَلَوْ فَوْقَهُ) اس کی صورت یہ ہے کہ پہلا شفیع پڑوسی ہو اور دوسرا شریک ہو تو دوسرے کے حق میں تمام کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور پہلے کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔

31622۔ (قولہ: وَلَوْ دُونَهُ) جو ہم نے کہا ہے اس کا برعکس۔

شفیع نے شرا سے پہلے شفعہ کو ساقط کر دیا تو یہ صحیح نہیں ہوگا

31623۔ (قولہ: لِفَقْدِ شَرْطِهِ وَهُوَ الْبَيْعُ) یعنی اگر سبب پایا جائے اور وہ شفیع کی ملک کا خریدی گئی چیز کے ساتھ اتصال ہے کیونکہ یہ سبب نہیں ہوتا مگر جب شرط پائی جائے جس طرح طلاق معلق میں ہوتا ہے۔ ''منح''۔ ملخص۔

31624۔ (قولہ: لَمْ يَمْلِكْ ذَلِكَ) اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس کا شفعہ اس سے باطل نہیں ہوتا ''المجمع'' میں ہے۔ ولا يجعل یعنی فعل کی ضمیر سے مراد امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا قول ہے: اخذ نصفها تسليما۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مخالفت کی ہے۔ اس کے شارح نے کہا: ''المحیط'' میں ہے: اصح امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اس کی

لِضَرَرِ تَفْرِيقِ الصَّفْقَةِ (وَلَوْ جَعَلَ بَعْضُ الشُّفَعَاءِ نَصِيبَهُ لِبَعْضٍ لَمْ يَصِحَّ وَسَقَطَ حَقُّهُ بِهِ) لَا إِعْرَاضُهُ وَيُقَسَّمُ بَيْنَ الْبَقِيَّةِ، بَلْ لَوْ طَلَبَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ النِّصْفَ بِنَاءَ أَنَّهُ يَسْتَحِقُّهُ فَقَطْ بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ إِذْ شَرْطُ صِحَّتِهَا أَنْ يَطْلُبَ الْكُلَّ كَمَا بَسَطَهُ الزَّيْلَعِيُّ فَلْيُحْفَظْ (وَصَحَّ بَيْعُ دُورِ مَكَّةَ فَتَجِبُ الشُّفْعَةُ فِيهَا)

کیونکہ صفقہ کو متفرق کرنے میں مشتری کو ضرر لاحق ہوتا ہے۔ اگر کسی شفیع نے اپنا حصہ کسی دوسرے کے لیے متعین کر دیا تو یہ صحیح نہیں ہوگا اور اس کا اس کے بارے میں حق ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کا اعراض پایا گیا اور باقی ماندہ میں اسے تقسیم کیا جائے گا بلکہ اگر دونوں شریکوں میں سے ایک نے نصف کو طلب کیا اس پر بنا کرتے ہوئے کہ وہ صرف نصف کا مستحق ہے تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ شفعہ کے صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ سب کو طلب کرتا جس طرح ''زیلعی'' نے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے پس اس کو یاد رکھا جائے۔ مکہ مکرمہ کے گھروں کو بیچنا صحیح ہے اور ان میں شفعہ ثابت ہوگا۔

مثل ''غرر الافکار'' اور اس کی شرح میں ہے۔ ''الخانیہ'' میں ہے: اس نے مشتری سے کہا اس کا نصف میرے سپرد کر دو مشتری نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو صحیح قول کے مطابق اس کا شفعہ باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ نصف شے کے سپرد کرنے کا مطالبہ یہ شفعہ کو ساقط کرنا اور سپرد کرنا نہیں ہے یعنی باقی ماندہ کا اسقاط نہیں۔

31625۔ (قولہ: وَلَوْ جَعَلَ الخ) یعنی قاضی کے فیصلہ سے پہلے۔ جہاں تک اس کے بعد کا تعلق ہے تو اس کا حق ساقط نہیں ہوگا جس طرح جو قول گزر چکا ہے اس سے معلوم ہو جاتا ہے۔

31626۔ (قولہ: بِنَاءَ أَنَّهُ) تقدیر کلام یہ ہے: بناء علی انہ۔

شفعہ کے صحیح ہونے کی شرط

31627۔ (قولہ: إِذْ شَرْطُ صِحَّتِهَا أَنْ يَطْلُبَ الْكُلَّ) کیونکہ وہ کل کا مستحق ہے اور تقسیم مزاحمت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر دونوں حاضر ہوں۔ تو ان دونوں میں سے ہر ایک نصف کا مطالبہ کرے تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اگر دونوں میں سے ہر ایک کل کا مطالبہ کرے اور دوسرا نصف کا مطالبہ کرے تو جس نے نصف کا مطالبہ کیا ہے اس کا حق باطل ہو جائے گا۔ اور دوسرے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ سب کا سب لے یا اس کو ترک کرے اسے یہ حق حاصل نہیں کہ نصف لے۔ ''زیلعی''۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ یہاں طلب سے مراد طلب مواثبہ اور طلب اشہاد ہے۔ اور جو ہم نے ابھی ''المجمع'' سے نقل کیا ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ جب وہ ان دونوں کے بعد نصف کا مطالبہ کرے تو پھر کوئی منافات نہیں ہوگی۔ ''فتامل''۔ عنقریب حیل کے بعد وہ قول آئے گا جو اس کی تائید کرے گا۔ ''فتامل''

مکہ مکرمہ کی زمین اور مکانات کی بیع کا شرعی حکم

31628۔ (قولہ: فَتَجِبُ الشُّفْعَةُ فِيهَا) اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے کہ شفعہ کا ثبوت یہ اس امر کی فرع ہے کہ مکہ مکرمہ کی زمین کی بیع کرنا جائز ہے۔ یہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مطابق ہے اور یہی مفتی بہ قول ہے ورنہ محض عمارت شفعہ

وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى أَشْبَاهٌ قُلْت وَمُفَادُهُ صِحَّةُ إجَارَتِهَا بِالْأَوْلَى، وَقَدْ قَدَّمْنَاهُ فَلْيُحْفَظْ، لَكِنَّهُ يُكْرَهُ وَسَنُحَقِّقُهُ فِي الْحَظْرِ وَفِيهَا (وَيَصِحُّ الطَّلَبُ مِنْ وَكِيلِ الشِّرَاءِ إنْ لَمْ يُسَلِّمْ إلَى مُوَكِّلِهِ، وَإِنْ سَلَّمَ لَا) وَبَطَلَتْ هُوَ الْمُخْتَارُ (وَلَا شُفْعَةَ فِي الْوَقْفِ) وَلَا لَهُ نَوَازِلُ

اسی پر فتویٰ ہے۔''اشباہ''۔ میں کہتا ہوں: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ان کو اجرت پر دینا بدرجہ اولیٰ صحیح ہے جبکہ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ پس اس کو یاد رکھا جائے۔ لیکن یہ مکروہ ہے اور ہم اسے کتاب حظر واباحہ میں ثابت کریں گے۔ اور اس میں ہے: خریداری کے وکیل سے طلب صحیح ہوگی اگر اس نے اسے موکل کے حوالے نہ کر دیا ہو اگر اس نے اسے موکل کے حوالے کر دیا ہو تو طلب صحیح نہ ہوگی اور شفعہ باطل ہو جائے گا۔ یہی قول مختار ہے۔ اور وقف میں کوئی شفعہ نہیں اور نہ ہی وقف کے لئے شفعہ ہے،''نوازل''۔

کو ثابت نہیں کرتی۔ ہم اس کی وضاحت پہلے بیان کر چکے ہیں۔

31629۔(قولہ: وَسَنُحَقِّقُهُ فِي الْحَظْرِ) اس میں ''الوہبانیہ'' اور ''تاتر خانیہ'' سے کتاب الاجارہ میں یہ نقل کیا ہے: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں حج کے دنوں میں مکہ مکرمہ کے گھروں کو اجرت پر دینے کو مکروہ سمجھتا ہوں۔ آپ یہ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ حاجیوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مکہ مکرم کے رہائشیوں کے گھروں میں فروکش ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَوَآءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ (الحج:25) یکساں ہیں اس میں وہاں کے رہنے والے اور پردیسی۔

اور حج کے دنوں کے علاوہ میں اجرت پر دینے کی رخصت دی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس سے فرق اور تطبیق ظاہر ہو جاتی ہے یعنی حج کے دنوں اور ان کے علاوہ میں فرق ظاہر ہو جاتا ہے اور اس میں تطبیق ظاہر ہو جاتی ہے جو اجارہ کے مکروہ ہونے کا ذکر کرتا ہے اور جو اس کی نفی کرتا ہے۔''ط''۔

31630۔(قولہ: وَيَصِحُّ الطَّلَبُ الخ) ''الولوالجیہ'' میں کہا: جب گھر خریدنے کے لئے وکیل بنایا گیا ہو جب وہ اس گھر کو خریدے اور اس گھر پر قبضہ کرے اور شفیع اس سے شفع طلب کرے۔ اگر وکیل نے گھر موکل کے حوالے نہیں کیا تو یہ طلب صحیح ہوگی۔ اگر اس نے گھر موکل کو سپرد کر دیا ہے تو طلب صحیح نہ ہوگی اور اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔ یہی قول مختار ہے۔ اسی کی مثل ''تاتر خانیہ'' اور ''القنیہ'' سے ہے۔ شاید بطلان کی وجہ یہ ہے کہ سپرد کرنے کے بعد وکیل خصم باقی نہیں رہا۔ بے شک خصم تو موکل ہے پس جب اس نے غیر خصم سے مطالبہ کیا جبکہ وہ خصم سے مطالبہ کر سکتا تھا تو وہ طلب میں تاخیر کرنے والا ہو گیا۔ تامل

وقف میں اور وقف کے لیے شفعہ کا شرعی حکم

31631۔(قولہ: وَلَا شُفْعَةَ فِي الْوَقْفِ) یعنی جب اسے بیچا گیا۔''التجرید'' میں کہا: عقار میں سے جس کی بیع جائز نہ ہو جیسے اوقاف ہیں تو ان میں سے کسی شے میں شفعہ کا حق نہیں ہوگا جو وقف کی بیع کو جائز خیال کرتا ہے پھر کہا: وقف میں کوئی شفعہ نہیں اور نہ ہی اس کے جواز میں شفعہ ہے۔''رملی'' نے اسے نقل کیا ہے۔

31632۔(قولہ: وَلَا لَهُ) مصنف کا جو قول اس کے بعد ہے ولا بجوارہ وہ اس سے غنی کر دیتا ہے۔ شاید اس کا ذکر

(وَلَا بِجِوَارِهِ) شَرْحُ مَجْمَعٍ وَخَانِيَّةٌ خِلَافًا لِلْخُلَاصَةِ وَالْبَزَّازِيَّةِ، وَلَعَلَّ لَا سَاقِطَةٌ قَالَ الْمُصَنِّفُ قُلْتُ وَحَمَلَ شَيْخُنَا الرَّمْلِيُّ

نہ ہی وقف کے جواز میں کوئی شفعہ ہے ''شرح مجمع''، ''خانیہ''۔ ''خلاصہ'' اور ''بزازیہ'' میں اس کے خلاف ہے۔ شاید لا ساقط ہے۔ مصنف نے کہا: میں کہتا ہوں: ہمارے شیخ ''رملی'' نے

اس لئے کیا ہے کیونکہ یہ جوار سے اعم ہے۔ کیونکہ یہ اسے جامع ہوگا جب وہ بیع کی ملکیت کے ساتھ شریک ہو جس طرح شارح نے اس کی صورت اس میں بیان کی ہے جس کا ذکر آگے آئے گا پس یہ محض تکرار نہیں۔ فافہم۔

31633۔ (قوله: شَرْحُ مَجْمَعٍ) اس کی عبارت وہ ہے جو ''متن'' میں ہے۔

31634۔ (قوله: خَانِيَّةٌ) اس کی عبارت جس طرح ''منح'' میں ہے: وقف میں کسی کو شفعہ کا حق نہیں نہ منتظم اور نہ ہی جس پر اسے وقف کیا گیا۔

31635۔ (قوله: خِلَافًا لِلْخُلَاصَةِ وَالْبَزَّازِيَّةِ) جب دونوں نے کہا: اسی طرح شفعہ دار وقف کے جوار میں ثابت ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' کے دونوں نسخوں میں سے شفعہ ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں میں نے ''الخلاصہ'' کے دونوں نسخوں میں اسی طرح دیکھا ہے جس طرح انہوں نے کہا ہے۔

31636۔ (قوله: وَلَعَلَّ لَا سَاقِطَةٌ) اس قول کی تائید یہ امر کرتا ہے کہ ''خلاصہ'' اور ''بزازیہ'' میں اس سے قبل ایک سطر سے کم یہ ذکر کیا ہے: عقار میں سے جس کی بیع جائز نہیں اس میں شفعہ نہیں ہوتا۔ الخ۔ پس تشبیہ اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ لا حذف ہو۔ فافہم۔

31637۔ (قوله: وَحَمَلَ شَيْخُنَا الرَّمْلِيُّ) یعنی ''حاشیۃ المنح'' میں محمول کیا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے: وقف میں سے کچھ ایسے ہیں جن پر کسی حال میں ملکیت حاصل نہیں ہوتی۔ پس اس میں شفعہ نہیں کیونکہ اس کی بیع صحیح نہیں ہے۔ اور ولا لہ یعنی اس کے لئے اور نہ ہی اس کے لئے جس پر اسے وقف کیا گیا ہو کیونکہ ما لک نہیں۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کا مالک بن جاتا ہے جس طرح جب وہ محکوم بہ نہ ہو پس اس کے لئے شفعہ نہیں کیونکہ مالک نہیں۔ بلکہ اس میں شفعہ ہوتا ہے جب اسے بیچا جائے کیونکہ بیع جائز ہے۔ پس پہلے قول، جو ''نوازل'' اور ''شرح المجمع'' میں ہے کہ اس میں نہ شفعہ ہے اور نہ ہی اس کے حق میں شفعہ ہے، کو اس پر محمول کیا جائے گا جب کسی حال میں اس پر ملکیت ثابت نہ ہو اور جو ''الخلاصہ'' اور ''بزازیہ'' میں ہے کہ شفعہ اس کے جوار میں ثابت ہوتا ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا جب اس پر ملکیت حاصل ہوتی ہو۔ جب شفعہ کو اس کے جوار میں ثابت کریں گے تو اس میں شفعہ ثابت ہوگا جب اس کے جوار کے سبب اسے بیچا جائے۔ جہاں تک اس قول میں تطبیق کا تعلق ہے جو ''الخانیہ'' میں ہے کہ اس میں شفعہ نہیں اور جو ''بزازیہ'' اور ''خلاصہ'' میں ہے کہ شفعہ اس کے جوار میں ثابت ہے تو اول قول کو اس کے ذریعے لینے پر محمول ہوگا یعنی اس گھر کو لینا جو اس

الْأَوَّلَ عَلَى الْأَخْذِ بِهِ، وَالثَّانِي عَلَى أَخْذِهِ بِنَفْسِهِ إِذَا بِيعَ فَفِي الْفَيْضِ حَقُّ الشُّفْعَةِ يَنْبَنِي عَلَى صِحَّةِ الْبَيْعِ اهـ، فَمُفَادُهُ أَنَّ مَا لَا يُمْلَكُ مِنْ الْوَقْفِ بِحَالٍ لَا شُفْعَةَ فِيهِ، وَمَا يُمْلَكُ بِحَالٍ فَفِيهِ الشُّفْعَةُ وَأَمَّا إِذَا بِيعَ بِجِوَارِهِ أَوْ كَانَ بَعْضُ الْمَبِيعِ مِلْكًا وَبَعْضُهُ وَقْفًا وَبِيعَ الْمِلْكُ فَلَا شُفْعَةَ لِلْوَقْفِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

پہلے قول کو اس کی وجہ سے لینے اور دوسرے کو اسے ہی لینے پر محمول کیا ہے جب اسے بیچا جائے۔ ''فیض'' میں ہے: شفعہ کا حق بیع کی صحت پر مبنی ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ وقف میں سے جس کا کسی مال میں بھی مالک نہیں بنا جاتا تو اس میں کوئی شفعہ نہیں ہوگا اور جس کا کسی حال میں مالک بنا جا سکتا ہے تو اس میں شفعہ ہوگا مگر جب اسے اس کے جوار کے ساتھ بیچا جائے یا بعض مبیع ملک تھا اور بعض وقف تھا اور مملوکہ چیز بیچی گئی تو وقف کے لئے کوئی شفعہ نہیں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کے جوار میں بیچا جائے اور دوسرے کو اس پر محمول کیا جائے گا اس وقف کو لینا جب وہ اس میں سے ہو جس پر ملکیت پائی جا سکتی ہے۔ ''حاشیہ'' میں ان کے شیخ کے کلام سے یہی کچھ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ امر ظاہر ہو جاتا ہے کہ انہوں نے دوسری تطبیق پر اتفاق کیا ہے۔ کیونکہ جو ''النوازل'' اور ''شرح المجمع'' میں ہے اسے صرف اس کے لینے پر محمول کرنا ممکن نہیں جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ اس تحریر کو غنیمت جانو۔

31638۔ (قولہ: الْأَوَّلَ) جو صرف ''الخانیہ'' میں ہے اس کی دلیل وہی ہے جو تو جان چکا ہے پس چاہئے یہ تھا کہ اس کی عبارت ذکر کی جاتی۔

31639۔ (قولہ: وَالثَّانِي) وہ وہ ہے جو ''الخلاصہ'' اور ''بزازیہ'' میں ہے۔

31640۔ (قولہ: وَأَمَّا إِذَا بِيعَ بِجِوَارِهِ) با زائدہ ہے جوار مجاور کے معنی میں ہے یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ با، فی کے معنی میں ہے۔ ظرفیت کے معنی میں ہے۔ یہ محذوف کے متعلق ہے جو موصوف، محذوف کی صفت ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: بیع عقار کائن فی جوارہ۔ تامل۔ اس تعبیر میں انہوں نے اپنے شیخ کی پیروی کی ہے۔

31641۔ (قولہ: أَوْ كَانَ بَعْضُ الْمَبِيعِ مِلْكًا الخ) اس کا حاصل یہ ہے کہ اسے شفعہ کا حق حاصل نہیں نہ جوار کی وجہ سے اور نہ ہی شرکت کی وجہ سے۔ پس یہ دونوں قسموں میں صریح ہے جس طرح شارح نے اس کی طرف ''نوازل'' کی عبارت ذکر کرنے کے ساتھ اشارہ کیا ہے ہم نے اس پر متنبہ کیا ہے۔

31642۔ (قولہ: فَلَا شُفْعَةَ لِلْوَقْفِ) کیونکہ وقف کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔

اہم بحث

زمین کا عشری یا خراجی ہونا یہ ملکیت کے منافی نہیں پس اس میں شفعہ واجب ہوگا جب تک وہ زمین سلطانی نہ ہو۔

تتمہ

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اراضیہ سلطانیہ میں کوئی شفعہ نہیں۔ ''خیریہ'' میں یہ ذکر کیا ہے کہ زمین کا عشری یا خراجی ہونا یہ

....

ملکیت کے منافی نہیں۔ کثیر کتب میں ہے: خراجی یا عشری زمین مملوک ہوتی ہے جس کی بیع کرنا اور اس کو وقف کرنا جائز ہوتا ہے اس میں وراثت جاری ہوتی ہے۔ پس اس میں شفعہ ثابت ہوگا۔ اراضیہ سلطانیہ کا معاملہ مختلف ہوتا ہے جسے کاشت کے لئے دیا جاتا ہے اسے بیچا نہیں جاتا۔ پس اس میں شفعہ نہیں ہوگا۔ اگر قابض یہ دعویٰ کردے کہ زمین اس کی ملک ہے اور وہ اس کی پیداوار ادا کرتا ہے تو قول اس کا معتبر ہوگا۔ جو ملکیت میں اس سے منازعہ کرے تو اس پر گواہیاں پیش کرنا لازم ہیں اگر اس کا اس پر دعویٰ صحیح ہو۔ میں نے یہ مسئلہ اس لئے ذکر کیا ہے کہ ارض محتکرہ (ایسی زمین جس کو درخت وغیرہ لگانے کے لیے مختص کردیا گیا ہو) میں جو عمارت ہے اس پر کوئی شفعہ نہیں اور نہ ہی ارض محتکرہ کے لئے شفعہ ہے جس طرح وقف کی زمین کا حکم ہے۔

ایک گھر کو بیچا جس میں سے کچھ حصہ محتکرہ زمین ہو اس میں شفعہ کا حکم

قاضی دمشق کے نائب کی جانب سے اس بارے میں مجھ سے مسئلہ پوچھا گیا جب ایک ایسی حویلی بیچی گئی جس میں ایک قطعہ محتکرہ ہے کیا پڑوسی کے لئے شفعہ ہے؟

میں نے جواب دیا: میں نے اسے صراحۃً نہیں دیکھا۔ لیکن ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اسے اس قطعہ کے علاوہ حویلی اور جو عمارت ہے شفعہ کے ساتھ لینے کا حق ہے۔ شرط یہ ہے کہ بیچی گئی حویلی کے ساتھ اس کا جوار اس قطعہ محتکرہ کے ملاصق نہ ہو۔ یہ علماء کے اس قول سے ماخوذ ہے: ایک آدمی نے ایک ہی عقد کے ساتھ دو زمینیں بیچیں اور ایک آدمی کا صرف ایک شفیع ہے تو اسے صرف وہ زمین لینے کا حق ہوگا۔ اور جو عنقریب حیل میں آئے گا اگر ایک آدمی نے جائیداد بیچی مگر ایک ہاتھ شفیع کی جانب سے نہ بیچی تو اتصال نہ ہونے کی وجہ سے کوئی شفعہ نہیں ہوگا۔ تامل۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ طَلَبِ الشُّفْعَةِ

(وَيَطْلُبُهَا الشَّفِيعُ فِي مَجْلِسِ عِلْمِهِ) مِنْ مُشْتَرٍ أَوْ رَسُولِهِ أَوْ عَدْلٍ أَوْ عَدَدٍ (بِالْبَيْعِ) وَإِنْ امْتَدَّ الْمَجْلِسُ كَالْمُخَيَّرَةِ هُوَ الْأَصَحُّ دُرَرٌ وَعَلَيْهِ الْمُتُونُ، خِلَافًا لِمَا فِي جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى أَنَّهُ عَلَى الْفَوْرِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى

طلب شفعہ کا بیان

اور شفیع اپنی مجلس علم میں شفعہ کو طلب کرے گا یہ بیع کے متعلق آگاہی، مشتری سے ہو، اس کے قاصد سے ہو، عادل آدمی سے ہو یا بے شمار لوگوں سے ہو اگرچہ مجلس ممتد ہو جائے جس طرح اس عورت کو مجلس کے اختتام تک اختیار ہوتا ہے۔ یہی قول اصح ہے۔ ''درر''۔ اسی پر متون ہیں۔ ''جواہر الفتاویٰ'' میں جو قول ہے کہ یہ علی الفور ہو اس کے خلاف ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔

31643۔ (قولہ: مِنْ مُشْتَرٍ) یہ علمہ کے متعلق ہے۔ ''ح''۔

31644۔ (قولہ: أَوْ عَدْلٍ أَوْ عَدَدٍ) یعنی اگرچہ مخبر فضولی ہو اور عدد سے شہادت کی تعداد ہے یعنی دو فرد یا ایک مرد اور دو عورتیں۔ اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا ہے کہ عدد میں علامت شرط ہے۔ یہی صورتحال مشتری میں بیان ہے۔ کیونکہ وہ خصم ہے۔ اور خصوم میں علامت شرط نہیں۔ اسی کی مثل اس کا قاصد ہے جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔ اور اس میں ہے: اگر فضولی ایک ہو عادل نہ ہو اگر وہ اس کی تصدیق کر دے تو شرا ثابت ہو جائے گی اگر وہ اس کو جھٹلا دے تو شرا ثابت نہ ہو گی اگرچہ خبر کی صداقت ظاہر ہو۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

''الدرر'' میں کہا: اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: ایک کافی ہو وہ آزاد ہو، غلام بچہ ہو یا عورت ہو جب خبر سچی ہو۔

31645۔ (قولہ: بِالْبَيْعِ) یہ عملہ کے متعلق ہے

31646۔ (قولہ: وَإِنْ امْتَدَّ الْمَجْلِسُ) جب تک وہ کسی ایسے کام میں مشغول نہ ہو جو اعراض پر دال ہو، ''درر البحار''۔

31647۔ (قولہ: كَالْمُخَيَّرَةِ) یعنی مخیرہ کے خیار کی طرح۔ مخیرہ وہ عورت ہوتی ہے جس کا خاوند اسے کہے: تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔

31648۔ (قولہ: هُوَ الْأَصَحُّ) امام ''کرخی'' نے اسے اختیار کیا ہے۔

31649۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ الْمُتُونُ) ان کا ظاہر یہ ہے کیونکہ انہوں نے مجلس سے اسے تعبیر کیا ہے۔

31650۔ (قولہ: خِلَافًا لِمَا فِي جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى الخ) اس کے اختیار نہ کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ یہ متون کے ظاہر کے مخالف ہے۔ لیکن یہ قول مناسب ہے کیونکہ اس کا نام طلب مواثبہ ہے۔ اور آنے والی حدیث کے ظاہر کے مناسب ہے۔ ''ہدایہ'' کا ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے اسے اختیار کیا ہے اور وہ اسے عام مشائخ کی طرف منسوب کیا ہے۔

(بِلَفْظٍ يُفْهِمُ طَلَبَهَا كَطَلَبْتُ الشُّفْعَةَ وَنَحْوِهِ) كَأَنَا طَالِبُهَا أَوْ أَطْلُبُهَا (وَهُوَ يُسَمَّى (طَلَبَ الْمُوَاثَبَةِ)

اور شفعہ کا مطالبہ ایسے لفظ سے ہو جسے شفعہ کی طلب سمجھی جائے جیسے: میں نے شفعہ کو طلب کیا اور اس کی مثل جیسے: میں اس کا طالب ہوں یا میں اس کو طلب کرتا ہوں۔ اسے طلب مواثبہ کہتے ہیں۔

''شرنبلالیہ'' میں کہا: یہ ظاہر روایت ہے یہاں تک کہ وہ بغیر عذر تھوڑے وقت کے لئے خاموش رہا اور اس نے طلب نہ کی یا اس نے لغو کلام کی تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا جس طرح ''خانیہ''، ''زیلعی'' اور ''شرح المجمع'' میں ہے۔ اور ان کا قول و علیه الفتوی یہ ''جوہری'' کے کلام میں سے ہے۔ یہ ترجیح صریح ہے ساتھ ہی یہ ظاہر روایت ہے۔ پس اس کو متون کی ترجیح پر مقدم رکھا جائے گا۔ کیونکہ وہ اس کے خلاف چلے ہیں کیونکہ یہ ضمنی ہے۔

فروع: ایک مکتوب کے ذریعے خبر دی گئی اور شفعہ کا حق اس کے اول اور اس کے وسط میں ہے اس نے اس مکتوب کو اس کے آخر تک پڑھا تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ ''ہدایہ''۔ اس نے بیع کے متعلق خطبہ کے وقت سنا اور نماز کے بعد شفعہ طلب کیا اگر یہ اس وجہ سے تھا کہ وہ خطبہ سن رہا تو شفعہ باطل نہیں ہوگا ورنہ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اگر اس کو نفلی نماز میں بتایا گیا تو اس نے ان نوافل کو چار رکعات یا چھ رکعات بنادیا تو مختار قول یہ ہے کہ شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اگر اس نے ظہر کے بعد رکعات چار مکمل کیں تو صحیح قول کے مطابق شفعہ باطل نہ ہوگا۔ اگر وہ انہیں چھ بنائے گا تو شفعہ باطل ہو جائے گا اگر وہ پہلی رکعات کو چار مکمل کرے گا تو شفعہ باطل نہیں ہوگا۔ اس کا مشتری کے علاوہ کو سلام کہنا شفعہ کو باطل کر دے گا اگر مشتری کو سلام کیا تو اسے باطل نہیں کرے گا جس طرح تسبیح کہے الحمد لله کہے، لا حول ولا قوة پڑھے یا چھینکنے والے کے جواب میں یرحمك الله کہے۔ ''تاتر خانیہ''۔ یہ مجلس کا اعتبار کرنے والی روایت کی بنا پر ہے۔ ''کفایہ''۔ ''شرنبلالیہ''۔

اگر وہ خاموش رہا تو شفعہ باطل نہیں ہوگا جب تک مشتری اور ثمن معلوم نہ ہو

''الخانیہ'' میں ہے: اسے اس کے بارے میں خبر دی گئی تو وہ خاموش رہا۔ علماء نے کہا: شفعہ باطل نہیں ہوگا جب تک مشتری اور ثمن کا علم نہ ہو جیسے باکرہ بچی ہو جب اس سے مشورہ لیا گیا پھر اسے علم ہوا کہ باپ نے اس کی شادی فلاں سے کر دی ہے تو اس کا رد کرنا صحیح ہوگا۔

میں کہتا ہوں: مصنف ''تمرتاشی'' نے اپنے فتاوی میں یہی فتویٰ دیا ہے پس اس کو یاد رکھا جائے۔

31651۔ (قوله: بِلَفْظٍ يُفْهِمُ طَلَبَهَا) یہ ان کے قول یطلبها کے متعلق ہے مراد ہے کوئی بھی لفظ ہو یہاں تک کہ ''ابن فضل'' نے حکایت بیان کی ہے اگر دیہاتی نے کہا: شفعہ شفعہ تو یہ کافی ہوگا۔ ''تاتر خانیہ''۔

31652۔ (قوله: طَلَبَ الْمُوَاثَبَةِ) اسے یہ نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ سے برکت حاصل کرتے ہوئے دیا گیا۔ الشفعة لمن واثبها (1) یعنی شفعہ کی طلب تیزی کے طریقہ پر کرے۔ ''اتقانی''۔

1۔ نصب الرایۃ، کتاب الشفعة، باب فی طلب الشفعة، جلد 4، صفحہ 428

أَيْ الْمُبَادَرَةِ، وَالْإِشْهَادُ فِيهِ لَيْسَ بِلَازِمٍ بَلْ لِمَخَافَةِ الْجُحُودِ (ثُمَّ) يُشْهِدُ (عَلَى الْبَائِعِ لَوْ الْعَقَارُ (فِي يَدِهِ أَوْ عَلَى الْمُشْتَرِي

مواثبہ کا معنی مبادرہ ہے یعنی تیزی اور سرعت دکھانا۔ اس میں گواہ بنانا لازم نہیں بلکہ اس لئے گواہ بنائے جاتے ہیں کیونکہ انکار کا خوف ہوتا ہے۔ پھر بائع پر گواہ بنائے اگر جائیداد اس کے قبضہ میں ہو یا مشتری پر گواہ بنائے

31653۔ (قولہ: أَيْ الْمُبَادَرَةِ) یہ وثوب سے مفاعلہ کا وزن ہے یہ بطور استعارہ استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ من یثب اس کے لئے بولتے ہیں جو زمین کا فاصلہ طے کرنے میں جلدی کرتا ہے۔ ''اتقانی''۔

31654۔ (قولہ: وَالْإِشْهَادُ فِيهِ لَيْسَ بِلَازِمٍ) اسی طرح ''ہدایہ'' وغیرہ میں ہے۔ کیونکہ طلب مواثبہ یہ حق ثابت کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس امر سے باخبر کرنے کے لئے ہے کہ وہ شفعہ سے اعراض کرنے والا نہیں۔ ''نہایہ''، ''معراج''۔

31655۔ (قولہ: بَلْ لِمَخَافَةِ الْجُحُودِ) یعنی اس خوف سے کہ مشتری طلب کا انکار ہی نہ کر دے جس طرح علماء نے فرمایا: جب باپ اپنے لڑکے کو کوئی چیز ہبہ کرے اور اس پر گواہ بنائے انہوں نے اشہاد کا ذکر اس لئے نہیں کیا۔ کیونکہ وہ ہبہ کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے بلکہ اس لئے ذکر کیا تا کہ باپ کے انکار کے وقت ہبہ کو ثابت کیا جائے۔ ''معراج''۔ ''سائحانی'' نے کہا: اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس کی قسم کے ساتھ اس کی تصدیق نہ کی جائے گی حالانکہ اس کی تصدیق کی جاتی ہے جب وہ کہے جونہی مجھے علم ہوا میں نے شفعہ کو طلب کیا ہے۔ ہاں اگر وہ کہے: مجھے کل علم ہوا اور میں نے شفعہ کو طلب کیا اسے اس امر کا مکلف بنایا جائے گا جس طرح ''الدرر'' میں ہے۔

یہ امر ذہن نشین کر لو اور ''الدرر'' کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ گواہ بنانا لازم نہیں جب وہ ایسی جگہ ہو جو جگہ گواہوں سے خالی ہو۔ کیونکہ یہ تصریح کی ہے کہ جو امر شفعہ کو باطل کرتا ہے وہ قدرت کے باوجود گواہ بنانے کو ترک کرنا ہے۔ کیونکہ یہ اعراض کی دلیل ہے۔ لیکن ''شرنبلالی'' نے کہا: یہ سہو ہے۔ کیونکہ شرط صرف طلب ہے گواہ بنانا نہیں۔ اس کے متعلق تمام گفتگو آنے والے باب میں آئے گی۔ ''قہستانی'' میں ہے: طلب واجب ہے اگرچہ اس کے پاس کوئی نہ ہو تا کہ دیانۃً شفعہ ساقط نہ ہو اور ضرورت کے وقت وہ قسم اٹھانے پر قادر ہو جس طرح ''النہایہ'' میں ہے۔ اور گواہ بنانا شرط نہیں پس اس کے بغیر یہ صحیح ہو گا اگر مشتری اس کی تصدیق کر دے جس طرح ''الاختیار'' وغیرہ میں ہے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ مطلقاً غیر شرط ہے۔ اسی طرح اس کی قسم کے ساتھ اس کی تصدیق دلالت کرتی ہے اس قول میں جو گزر چکا ہے۔ ''فتدبر''

31656۔ (قولہ: ثُمَّ يُشْهِدُ الخ) ثم کا لفظ لائے ہیں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس طلب کی مدت ہر مجلس میں فوراً نہیں یہ اکثر کتب میں ہے بلکہ اس مدت کے ساتھ مقدر ہے جس میں گواہ بنانے کی قدرت ہو جس طرح ''النہایہ'' وغیرہ میں ہے۔ ''قہستانی''۔

31657۔ (قولہ: لَوْ الْعَقَارُ فِي يَدِهِ) اگر جائیداد اس کے قبضہ میں ہو ورنہ اشہاد صحیح نہ ہو گا یہ اس کے مطابق ہے جو

وَإِنْ) لَمْ يَكُنْ ذَا يَدٍ لِأَنَّهُ مَالِكٌ أَوْ عِنْدَ الْعَقَارِ (فَيَقُولُ اشْتَرَى فُلَانٌ هَذِهِ الدَّارَ وَأَنَا شَفِيعُهَا وَقَدْ كُنْتُ طَلَبْتُ الشُّفْعَةَ وَأَطْلُبُهَا الْآنَ فَاشْهَدُوا عَلَيْهِ، وَهُوَ طَلَبُ إِشْهَادٍ) وَيُسَمَّى طَلَبَ التَّقْرِيرِ (وَهَذَا) الطَّلَبُ لَا بُدَّ مِنْهُ، حَتَّى لَوْ تَمَكَّنَ وَلَوْ بِكِتَابٍ أَوْ رَسُولٍ وَلَمْ يُشْهِدْ بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ (وَإِنْ لَمْ يَتَمَكَّنْ) مِنْهُ (لَا تَبْطُلُ وَلَوْ أَشْهَدَ فِي طَلَبِ الْمُوَاثَبَةِ عِنْدَ أَحَدِ هَؤُلَاءِ كَفَاهُ وَقَامَ مَقَامَ الطَّلَبَيْنِ ثُمَّ بَعْدَ هَذَيْنِ الطَّلَبَيْنِ يَطْلُبُ عِنْدَ قَاضٍ فَيَقُولُ

اگر چہ وہ قابض نہ ہو۔ کیونکہ مشتری مالک ہے یا جائیداد کے پاس جا کر گواہ بنائے اور وہ کہے: فلاں نے اس گھر کو خریدا ہے اور میں اس کا شفیع ہوں میں نے شفعہ طلب کیا تھا اور میں اسے اب طلب کرتا ہوں پس اس پر گواہ ہو جا۔ یہ طلب اشہاد ہے اسے طلب تقریر بھی کہتے ہیں۔ یہ طلب ضروری ہے یہاں تک کہ اگر وہ قادر ہوا اگر چہ مکتوب کے ذریعے یا قاصد کے ذریعے اور وہ گواہ نہ بنائے تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا اگر وہ قادر نہ ہو تو شفعہ باطل نہیں ہوگا۔ اگر اس نے ان میں سے کسی ایک کے ہاں طلب مواثبہ پر گواہ بنائے ہوں تو اسے کافی ہوگا۔ اور یہ دو طلبوں کے قائم مقام ہوگا۔ پھر ان دو طلبوں کے بعد وہ قاضی کے پاس طلب کرے گا اور وہ کہے گا:

''قدوری''، ''عصام'' اور ''ناطفی'' نے ذکر کیا ہے اور اسے ''صدر شہید'' نے اختیار کیا ہے۔ ''شیخ الاسلام'' وغیرہ نے ذکر کیا ہے: یہ بطور استحسان صحیح ہے جس طرح ''المحیط'' میں ہے۔ ''قہستانی''۔

31658۔ (قولہ: وَإِنْ لَمْ يَكُنْ ذَا يَدٍ الخ) یہ مصنف کا رد ہے جو انہوں نے ''المنح'' میں قول ذکر کیا ہے۔ کیونکہ وہ ''جوہرہ''، ''الدرر''، ''النہایہ''، ''الخانیہ'' وغیرھا کے مخالف ہے۔

31659۔ (قولہ: أَوْ عِنْدَ الْعَقَارِ) کیونکہ حق، عقار کے متعلق ہے۔ ''اختیار''۔

31660۔ (قولہ: وَهُوَ طَلَبُ إِشْهَادٍ) میں کہتا ہوں: ان کی عبارات کا ظاہر یہ ہے کہ اس میں گواہ بنانے لازم ہیں۔ لیکن میں نے ''الخانیہ'' میں دیکھا ہے: دوسری طلب کو طلب اشہاد کا نام دیا ہے اس لئے نہیں کہ اشہاد شرط ہے بلکہ اس لئے تا کہ وہ طلب کو ثابت کرے جب خصم انکاری ہو۔ تامل

31661۔ (قولہ: حَتَّى لَوْ تَمَكَّنَ الخ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ اس کی مدت اس پر قدرت کے ساتھ مقدر کی گئی ہے جس طرح قول گزر چکا ہے۔ اگر اس نے طلب مواثبہ کے بعد طلب اشہاد سے قبل نفل نماز شروع کر دے تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ ''خانیہ''۔

جب اشہاد کی طلب سے قبل قاضی کے پاس طلب کرے تو شفعہ باطل ہو جائے گا

''خیریہ'' میں یہ فتویٰ دیا ہے کہ شفعہ ساقط ہو جائے گا جب اشہاد کی طلب سے قبل قاضی کے پاس طلب کرے پس اس کو یاد رکھا جانا چاہئے۔ ''الخانیہ'' میں ہے: اگر بائع اور مشتری، شفیع اور دار ایک شہر میں ہوں اور دار بائع کے قبضہ میں ہو تو شفیع جس

اشْتَرَى (فُلَانٌ دَارَ كَذَا وَأَنَا شَفِيعُهَا بِدَارِ كَذَا لِي) لَوْ قَالَ بِسَبَبِ كَذَا كَمَا فِي الْمُلْتَقَى لِيَشْمَلَ الشَّرِيكَ فِي نَفْسِ الْمَبِيعِ (فَمُرْهُ يُسَلِّمُ) الدَّارَ (إِلَيَّ) هَذَا لَوْ قَبَضَهَا الْمُشْتَرِي وَطَلَبُ الْخُصُومَةِ لَا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ (وَهُوَ يُسَمَّى (طَلَبَ تَمْلِيكٍ وَخُصُومَةٍ وَبِتَأْخِيرِهِ مُطْلَقًا) بِعُذْرٍ وَبِغَيْرِهِ شَهْرًا أَوْ أَكْثَرَ (لَا تَبْطُلُ الشُّفْعَةُ) حَتَّى يُسْقِطَهَا بِلِسَانِهِ (بِهِ يُفْتَى) وَهُوَ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ

فلاں نے فلاں کا گھر خریدا میں اس گھر کا اس گھر کی وجہ سے شفیع ہوں جو میرا ہے۔ اگر وہ بسبب کذا کا لفظ کہے جس طرح ''الملتقی'' میں ہے تو یہ نفس بیع میں شریک کو شامل ہوگا۔ پس اس کو حکم دیجئے کہ گھر میرے حوالے کر دے اگر مشتری نے اس گھر پر قبضہ کر لیا ہو اور طلب خصومت اس پر موقوف نہیں ہوتی۔ اس کو طلب تملیک اور طلب خصومت کہتے ہیں اسے موخر کرنے سے شفعہ باطل نہیں ہوتا۔ عذر کی صورت میں ہو تو مطلقاً اور عذر کے بغیر ہو تو ایک ماہ کے لئے یا اس سے زیادہ عرصہ کے لئے یہاں تک کہ اپنی زبان سے اسے ساقط کر دے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے یہ ظاہر مذہب ہے۔

کے پاس گیا اور طلب کی تو صحیح ہو جائے گا۔ اس میں اقرب اور ابعد کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ شہر اپنے اطراف کے دور ہونے کے باوجود ایک مکان کی طرح ہیں مگر جب وہ قریبی کے پاس سے گزرے اور طلب نہ کرے تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اگر شفیع اکیلا دوسرے شہر میں ہو تو ان میں سے جس کے پاس گیا تو صحیح ہوگا۔ اگر بائع اور مشتری میں سے ایک شفیع کے شہر میں ہوں تو اس نے ابعد سے طلب کی تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ ملخص

31662۔ (قولہ: لی) تقدیر کلام یہ ہے: مملوکۃ لی یہ دار سے حال ہے۔

31663۔ (قولہ: لِيَشْمَلَ الشَّرِيكَ فِي نَفْسِ الْمَبِيعِ) کیونکہ ان کا قول بدار کذا اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ اس دار کا غیر ہے جس پر شفعہ کیا جا رہا ہے پس وہ پڑوسی ہوگا یا صرف حقوق میں شریک ہوگا۔ ان کے قول بسبب کذا کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ تینوں کو شامل ہے۔ فافہم۔

31664۔ (قولہ: هَذَا) یعنی شفیع قاضی سے یہ سوال کرتا ہے اسے حکم دو یعنی مشتری کو حکم دو یہ اس میں مفروض ہے اگر مشتری اس پر قبضہ کر لے یا یعنی اس کے وکیل کو حکم دے۔

31665۔ (قولہ: وَطَلَبُ الْخُصُومَةِ لَا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ) یعنی مشتری کے قبضہ کرنے پر موقوف نہیں۔ کیونکہ اگر وہ بائع کے ہاتھ میں ہو تو طلب بھی صحیح ہوگی اور اسے حکم دے کہ وہ گھر شفیع کے حوالے کر دے۔ یہ صرف مشتری کے حاضر ہونے پر مطلقاً موقوف ہوگا یا بائع کے حاضر ہونے پر موقوف ہوگا اگر مبیع سپرد کرنے سے پہلے ہو جس طرح عنقریب اس کو ذکر کریں گے۔

انکی کلام کا حاصل یہ ہے: امر کا مشتری کی طرف متوجہ ہونا یہ قید نہیں کیونکہ طلب کے صحیح ہونے کیلئے قبضہ شرط نہیں۔ فافہم۔

31666۔ (قولہ: بِهِ يُفْتَى) ''ہدایہ'' اور ''کافی'' میں اسی طرح ہے۔ ''درر''۔ ''عزمیہ'' میں کہا ہے: میں نے مولی ''ابوسعود'' کا فتویٰ اس قول پر دیکھا ہے۔

وَقِيلَ يُفْتَى بِقَوْلِ مُحَمَّدٍ إِنْ أَخَّرَهُ شَهْرًا بِلَا عُذْرٍ بَطَلَتْ كَذَا فِي الْمُلْتَقَى، يَعْنِي دَفْعًا لِلضَّرَرِ قُلْنَا دَفْعُهُ بِرَفْعِهِ لِلْقَاضِي لِيَأْمُرَهُ بِالْأَخْذِ أَوِ التَّرْكِ

ایک قول یہ کیا گیا ہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے اگر عذر کے بغیر اسے ایک ماہ کے لئے موخر کرے تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ ''الملتقی'' میں اسی طرح ہے یعنی ضرر کو دور کرنے کے لئے ہم نے کہا: ضرر کو دور کرنا قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرنے کے ساتھ ہوتا ہے تا کہ اسے لینے یا ترک کرنے کا حکم دے۔

31667۔ (قولہ: وَقِيلَ يُفْتَى بِقَوْلِ مُحَمَّدٍ) اس کے قائل ''شیخ الاسلام'' اور ''قاضی خان'' ہیں انہوں نے اپنے فتاویٰ میں اور جامع پر اپنی شرح میں کہا ہے۔ ''وقایہ''، ''نقایہ''، ''ذخیرہ'' اور ''مغنی'' میں اس پر گامزن ہوئے ہیں۔

''شرنبلالیہ'' میں ''برہان'' سے مروی ہے کہ یہ صحیح ترین ہے جس پر فتویٰ دیا جاتا ہے کہا: یعنی یہ ''ہدایہ'' اور ''کافی'' کی تصحیح سے اصح ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ ''قہستانی'' نے اسے مشاہیر کی طرف منسوب کیا ہے جیسے ''المحیط''، ''الخلاصہ''، ''مضمرات'' وغیرھا ہیں۔ پھر کہا: ''ہدایہ'' اور ''کافی'' میں جو قول ہے وہ اشکال پیدا کرتا ہے۔

بلا عذر ایک ماہ تک تاخیر سے شفعہ باطل ہو جاتا ہے

31668۔ (قولہ: بِلَا عُذْرٍ) اگر عذر کی صورت میں ہو جیسے مرض، سفر یا ایسے قاضی کا اس کے شہر میں نہ ہونا جو جوار کی وجہ سے شفعہ کی رائے رکھتا ہو تو بالاتفاق شفعہ ساقط نہ ہوگا۔ ''شرح مجمع''۔

31669۔ (قولہ: يَعْنِي دَفْعًا لِلضَّرَرِ) یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق فتویٰ کی وجہ کا بیان ہے۔ ''شرح المجمع'' میں کہا ہے: ''جامع الخانی'' میں ہے: آج فتویٰ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے۔ کیونکہ ضرر پہنچانے کے قصد میں لوگوں کے احوال متغیر ہو چکے ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ علماء کا ظاہر روایت کے مطابق فتویٰ یہ زمان کے بدل جانے کی وجہ سے ہے۔ پس ظاہر روایت کو اس پر ترجیح نہ دی جائے گی اگرچہ اس کی بھی تصحیح کی گئی ہو جس طرح غصب میں کپڑے کو سیاہ رنگ کرنے کے مسئلہ میں گزر چکا ہے۔ اس کی کثیر مثالیں ہیں۔ بلکہ انہوں نے اس کے مطابق فتویٰ دیا جو ہمارے تینوں ائمہ کی روایت کے خلاف ہے جس طرح وہ مسائل جن میں امام ''زفر'' کے قول کے مطابق فتویٰ دیا گیا۔ اور جس طرح تعلیم وغیرہ پر کسی کو اجرت پر رکھنا۔ فافہم۔

31670۔ (قولہ: قُلْنَا الخ) اس کا جواب دیتے ہوئے ہم نے کہا ہے: شارح کی کلام کا ظاہر یہ ہے کہ یہ ظاہر روایت کی طرف مائل ہے جیسے مصنف ہیں۔ یہ ان کی اس کلام کے ظاہر کے خلاف ہے جو ''الملتقی'' پر ان کی شرح میں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے: یہ ایک قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرنے پر قادر نہیں ہوتا اور بعض اوقات اس کے دل میں کھٹکا تک واقع نہیں ہوتا کہ وہ اس طریقہ سے ضرر کو دور کر دے گا خصوصاً جب وہ عمارت بنا لے یا درخت لگا لے کیونکہ ضرر اشد ہے۔ میں نے کئی بار دیکھا ہے جو آدمی کئی سال گزرنے کے بعد شفعہ کا مطالبہ کرتے ہوئے آیا مقصود ضرر پہنچانا تھا اور دباؤ کے بڑھ

(وَإِذَا طَلَبَ) الشَّفِيعُ (سَأَلَ الْقَاضِي الْخَصْمَ عَنْ مَالِكِيَّةِ الشَّفِيعِ لِمَا يَشْفَعُ بِهِ، فَإِنْ أَقَرَّ بِهَا) أَيْ بِمِلْكِيَّةِ مَا يَشْفَعُ بِهِ (أَوْ نَكَلَ عَنِ الْحَلِفِ عَلَى الْعِلْمِ أَوْ بَرْهَنَ الشَّفِيعُ) أَنَّهَا مِلْكُهُ

جب شفیع شفعہ کا مطالبہ کرے تو قاضی سب سے پہلے خصم سے اس کے بارے میں شفیع کی ملکیت کا سوال کرے گا جس کی وجہ سے وہ شفعہ کر رہا ہے۔ اگر خصم اس شفیع کے لئے اس شے کی ملکیت کا اقرار کرلے جس کی وجہ سے وہ شفعہ کرے یا علم کے بارے میں قسم اٹھانے سے انکار کردے یا شفیع گواہیاں قائم کردے کہ یہ اس کی ملکیت ہے

جانے سے طمع تھا تو ضروری ہے کہ اس دروازہ کو بند کرنا یہ زیادہ سلامتی کا باعث ہے۔ واللہ اعلم۔

وہ سوالات جو قاضی شفیع سے کرے گا

31671۔(قولہ: وَإِذَا طَلَبَ الشَّفِيعُ الخ) قاضی کے خصم سے سوال کا ذکر شفیع کی طلب کے بعد کیا ہے جبکہ معاملہ اس طرح نہیں ہے بلکہ قاضی پہلے شفیع سے دار کی جگہ اور اس کی حدود کے بارے میں سوال کرے تاکہ اس کا اس بارے میں دعویٰ سچا ہو پس اس کا علم ہونا ضروری ہے۔ پھر پوچھے گا: کیا مشتری نے گھر پر قبضہ کرلیا ہے۔ کیونکہ اگر مشتری نے اس پر قبضہ نہ کیا ہو تو اس پر اس کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا جب تک بائع حاضر نہ ہو پھر اس سے شفعہ کے سبب اور جس کی وجہ سے وہ شفعہ کر رہا ہے اس کی حدود کے بارے میں پوچھے گا شاید اس کا دعویٰ ایسے سبب سے ہو جو غیر صالح ہو یا غیر کی وجہ سے وہ محجوب ہو پھر وہ پوچھے: تجھے کب اس کا علم ہوا اور اس نے کیا کیا شاید زمان طویل ہو چکا ہو یا اس نے شفعہ سے اعراض کیا ہو پھر طلب تقریر کے بارے میں پوچھے کہ وہ کیسے ہوئی اور کس کو اس نے گواہ بنایا کیا وہ زیادہ قریبی تھا یا نہیں؟ جب وہ اس کی وضاحت کردے اور شرط میں کوئی خلل نہ ہو تو اس کا دعویٰ مکمل ہو جائے گا اور وہ خصم کی طرف متوجہ ہوگا پس اس سے سوال کرے گا۔ ''زیلعی''، ملخص۔

31672۔(قولہ: الْخَصْمَ) خصم مشتری ہے ''زیلعی''۔ یعنی کیونکہ مصنف نے اسی طرح مسئلہ کی صورت بیان کی ہے۔

31673۔(قولہ: عَنْ مَالِكِيَّةِ الشَّفِيعِ) کیونکہ اسکے قبضہ میں ہونے کی وجہ سے وہ شفعہ کا مستحق نہیں بنتا ''ابن ملک''۔

31674۔(قولہ: أَوْ نَكَلَ) یہاں اسے اور اس میں جو آگے آئے گا اپنے قول او برھن پر مقدم ذکر کیا ہے حالانکہ مناسب یہ تھا کہ اسے اس سے موخر کرتے۔ کیونکہ برہان عجز کے بعد ہوتا ہے یہ اختصار کی رعایت کرتے ہوئے کہا ہے کیونکہ اگر اسے موخر کرتے تو فاعل کو ظاہر کرنے کی ضرورت ہوتی۔ فافہم۔

31675۔(قولہ: عَلَى الْعِلْمِ) وہ یوں قسم اٹھائے: اللہ کی قسم میں اس امر کو نہیں جانتا کہ وہ اس چیز کا مالک ہے جس وجہ سے وہ شفعہ کر رہا ہے۔ کیونکہ یہ غیر کے فعل پر قسم ہے۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امر قطعی پر قسم اٹھائے۔ فتویٰ پہلے قول پر ہے جس طرح ''قہستانی'' میں ہے۔ ''ابن ملک'' نے کہا ہے: یہ اس وقت ہے جب مشتری کہے: میں نہیں جانتا۔ اگر وہ کہے: میں جانتا ہوں کہ وہ مملوک ہے تو وہ امر قطعی پر قسم اٹھائے۔

31676۔(قولہ: أَوْ بَرْهَنَ الخ) اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں کہیں کہ یہ اس شفیع کی ملکیت تھی قبل اس کے کہ اس

(سَأَلَهُ عَنِ الشِّرَاءِ) هَلِ اشْتَرَيْت أَمْ لَا (فَإِنْ أَقَرَّ بِهِ أَوْ نَكَلَ عَنِ الْيَمِينِ عَلَى الْحَاصِلِ) فِي شُفْعَةِ الْخَلِيطِ (أَوْ عَلَى السَّبَبِ) فِي شُفْعَةِ الْجِوَارِ لِخِلَافِ الشَّافِعِيِّ كَمَا مَرَّ فِي كِتَابِ الدَّعْوَى (أَوْ بَرْهَنَ الشَّفِيعُ قُضِيَ لَهُ بِهَا) هَذَا إِذَا لَمْ يُنْكِرِ الْمُشْتَرِي طَلَبَ الشَّفِيعِ الشُّفْعَةَ، فَإِنْ أَنْكَرَ فَالْقَوْلُ لَهُ بِيَمِينِهِ ابْنُ كَمَالٍ

تو اس سے خریداری کے بارے میں سوال کرے گا: کیا تو نے اسے خریدا ہے یا نہیں خریدا اگر وہ اس کا اقرار کرے یا خلیط کے شفعہ میں جو حاصل ہے یا شفعہ جوار میں سبب پر قسم اٹھانے سے انکار کردے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح کتاب الدعویٰ میں گزرا ہے یا شفیع گواہیاں قائم کردے تو اس کا شفیع کے حق میں فیصلہ کردیا جائے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب مشتری شفیع کی جانب سے طلب شفعہ کا انکار نہ کرے اگر وہ طلب شفعہ کا انکار کرے تو قسم کے ساتھ قول اس کا معتبر ہوگا۔ ''ابن کمال''۔

مشتری نے اس عقار کو خریدا ہوا اور یہ اس وقت تک اس کی ملکیت ہے اور ہم نہیں جانتے کہ یہ اس کی ملکیت سے خارج ہے۔ اگر دونوں نے کہا: یہ اس پڑوسی کی ملکیت ہے تو یہ کافی نہیں ہوگا جس طرح ''المحیط'' میں ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: برہان کی کوئی ضرورت نہیں۔ ''قہستانی''۔

31677۔ (قولہ: سَأَلَهُ عَنِ الشِّرَاءِ) وہ خریداری کے بارے میں پوچھے گا تا کہ یہ ثابت ہو کہ وہ اس کے نزدیک خصم ہے۔ ''ابن ملک''۔

31678۔ (قولہ: عَلَى الْحَاصِلِ فِي شُفْعَةِ الْخَلِيطِ) کیونکہ اس میں شفعہ کا ثبوت متفق علیہ ہے۔ پس وہ کہے گا: اللہ کی قسم شفیع اس عقار میں اس وجہ سے شفعہ کا مستحق نہیں جس کا اس نے ذکر کیا ہے۔ ''قہستانی''۔ کیونکہ سبب ہر قسم کا مطالبہ کرنا یہ مدعی علیہ کو ضرر پہنچانا ہے کیونکہ یہ جائز ہے کہ عقد فسخ ہو چکا ہے۔ ''ابن ملک''۔

31679۔ (قولہ: أَوْ عَلَى السَّبَبِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: اللہ کی قسم میں نے اس گھر کو نہیں خریدا۔ کیونکہ اگر وہ اس میں حاصل پر قسم اٹھائے تو اس کے اعتقاد میں اس کی قسم میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔ تو مدعی کے حق میں نظر فوت ہو جائے گی۔

31680۔ (قولہ: هَذَا إِذَا لَمْ يُنْكِرِ الْمُشْتَرِي الخ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے جب خصم شفیع کی جانب سے طلب شفعہ کا انکار کرے جبکہ اس خصم نے شرا کا انکار کیا تھا تو شفیع نے اس پر گواہیاں قائم کردیں یا گواہیاں قائم کرنے سے عاجز آ گیا تو اس نے خصم سے قسم کا مطالبہ کردیا تو اس نے قسم سے انکار کردیا تو قول اس شفیع کا معتبر ہوگا اور اسے متناقض شمار نہیں کیا جائے گا۔ اور اس کی وضاحت کی جائے گی۔ ''ط''۔

31681۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ لَهُ بِيَمِينِهِ) یعنی قسم کے ساتھ قول مشتری کا معتبر ہوگا۔ اگر وہ طلب مواثبہ کا انکار کرے تو وہ علم پر قسم اٹھائے یا طلب تقریر کا انکار کرے تو امر قطعی پر قسم اٹھائے۔ کیونکہ علم اس کو محیط ہے جس طرح ''کبریٰ'' میں

(وَإِنْ لَمْ يُحْضِرِ الثَّمَنَ وَقْتَ الدَّعْوَى وَإِذَا قُضِيَ لَزِمَهُ إِحْضَارُهُ، وَلِلْمُشْتَرِي حَبْسُ الدَّارِ لِيَقْبِضَ ثَمَنَهُ، فَلَوْ قِيلَ لِلشَّفِيعِ) أَيْ بَعْدَ الْقَضَاءِ، وَأَمَّا قَبْلَهُ فَتَبْطُلُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ لِعَدَمِ التَّأَكُّدِ ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ (أَدِّ الثَّمَنَ فَأَخَّرَ لَمْ تَبْطُلْ) شُفْعَتُهُ (وَالْخَصْمُ) لِلشَّفِيعِ الْمُشْتَرِي مُطْلَقًا، وَ (الْبَائِعُ قَبْلَ التَّسْلِيمِ) الْأَوَّلِ بِمِلْكِهِ وَالثَّانِي بِيَدِهِ ابْنُ كَمَالٍ

اگرچہ دعویٰ کے وقت اس نے ثمن حاضر نہ کی ہو جب فیصلہ ہو جائے تو ثمن کا حاضر کرنا لازم ہوگا اور مشتری کو حق حاصل ہے کہ گھر کو محبوس رکھے تا کہ اس کی ثمن پر قبضہ کرے اگر شفیع سے کہا گیا یعنی فیصلہ کے بعد کہا گیا۔ جہاں تک فیصلہ سے پہلے کا تعلق ہے تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تاخر (ثمن حاضر کرنے میں تاخیر سے) شفعہ باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ شفعہ ابھی متاکد نہیں ہوا۔ اسے ''زیلعی'' نے ذکر کیا ہے۔ ثمن کو ادا کر دو تو اس نے تاخیر کی تو اس کا شفعہ باطل نہیں ہوگا اور شفیع کا خصم مطلقاً مشتری ہے اور بائع سپرد کرنے سے پہلے خصم ہے پہلا یعنی مشتری ملک کی وجہ سے شفیع ہے اور دوسرا قبضہ کی وجہ سے شفیع ہے ''ابن کمال''۔

ہے۔ ''قہستانی''۔ لیکن ہم پہلے اس سے اور وہ ''نہایہ'' سے نقل کر چکے ہیں کہ طلب مواثبہ واجب ہے تا کہ اس کا شفعہ ساقط نہ ہو اور تا کہ ضرورت کے وقت قسم اٹھانا ممکن ہو۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ شفیع کا قول قسم کے ساتھ طلب مواثبہ میں معتبر ہو گا مگر اسے یہاں اس پر محمول کیا جائے کہ جب وہ کہے: میں نے گزشتہ روز جانا اور میں نے شفعہ طلب کیا مگر جب وہ کہے: میں نے طلب کیا جب میں نے جانا تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا جس طرح ہم نے پہلے ''درر'' سے نقل کر دیا ہے۔ ''فتدبر''۔

31682۔ (قولہ: وَإِنْ لَمْ يُحْضِرِ الثَّمَنَ) یعنی ان وصلیہ ہے یعنی قاضی کی مجلس میں اگر وہ حاضر نہ کرے۔ کیونکہ قضا سے پہلے اس پر ثمن واجب نہیں ہوتی۔ ''ہدایہ'' میں کہا: یہ اصل کی روایت کا ظاہر ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: فیصلہ نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ ثمن کو حاضر کرے۔ یہ ''حسن'' کی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ شفیع مفلس ہو۔

31683۔ (قولہ: فَلَوْ قِيلَ لِلشَّفِيعِ الخ) یعنی شفعہ کا فیصلہ ہونے کے بعد اسے یہ کہا گیا تو اس نے تاخیر کی یعنی یہ کہا: میرے پاس ثمن نہیں ہے، میں کل اسے حاضر کروں گا یا اس طرح کا کوئی قول کیا تو بالاجماع اس کا شفعہ باطل نہیں ہوگا اگر قاضی کے فیصلہ سے پہلے اسے کہا (اور اس نے تاخیر کی) تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شفعہ باطل ہو جائے گا۔ ''زیلعی'' نے اس پر نص قائم کی ہے۔ ''رملی''۔

مبیع سپرد کرنے سے پہلے خصم بائع اور مشتری ہے اور سپرد کرنے کے بعد صرف مشتری ہے

31684۔ (قولہ: وَالْخَصْمُ لِلشَّفِيعِ الْمُشْتَرِي مُطْلَقًا الخ) اطلاق سے مراد سپرد کرنے سے پہلے اور سپرد کرنے کے بعد ہے اور تسلیم سے مراد ہے کہ مبیع مشتری کو سپرد کر دیا گیا ہو۔ اول سے مراد مشتری ہے اور ثانی سے مراد بائع ہے۔ بملکہ اور بیدہ میں باسببیہ ہے یعنی پہلا (مشتری) اپنی ملکیت کے سبب سے خصم ہے اور دوسرا اس سبب سے خصم ہے کہ عقار یعنی مبیع

(وَ) لَكِنْ (لَا تُسْمَعُ الْبَيِّنَةُ عَلَيْهِ حَتَّى يَحْضُرَ الْمُشْتَرِي) لِأَنَّهُ الْمَالِكُ (وَيُفْسَخُ بِحُضُورِهِ) وَلَوْ سَلَّمَ لِلْمُشْتَرِي لَا يَلْزَمُ حُضُورُ الْبَائِعِ

لیکن اس کے خلاف گواہیوں کو نہیں سنا جائے گا یہاں تک کہ مشتری حاضر ہو۔ کیونکہ مشتری مالک ہے اور اس کی موجودگی میں اسے فسخ کیا جائے گا اگر مشتری کے لئے شفعہ چھوڑ دیا گیا تو بائع کا حاضر ہونا لازم نہیں آتا۔

اس کے قبضہ میں ہے۔ یہاں اطلاق کے ذکر کرنے میں اعتراض کی گنجائش ہے جو ''ابن کمال'' کے کلام کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا: شفیع کا خصم بائع اور مشتری ہے اگر دونوں میں سے ایک قبضہ کو تسلیم نہ کرے اور دوسرا ملک کو تسلیم نہ کرے پس بائع کے خلاف گواہ نہ سنے جائیں گے یہاں تک کہ مشتری حاضر ہو اگر مبیع مشتری کے حوالے کر دیا گیا ہو تو بائع کا حاضر ہونا شرط نہیں کیونکہ ملکیت اور قبضہ زائل ہو چکا ہے۔ ''ملخص''۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ مبیع سپرد کرنے سے پہلے خصم بائع اور مشتری ہے اور سپرد کرنے کے بعد صرف مشتری ہے شارح کا قول: خصم مشتری ہے اگر صرف اس کا ارادہ کیا ہے تو اس کا قول مطلقاً صحیح نہ ہوگا۔ اگر بائع کے ساتھ ارادہ کیا تو ان کا قول قبل التسلیم مناسب نہیں۔ پس ان پر یہ لازم تھا کہ اطلاق کا ذکر نہ کرتے۔ جہاں تک مبیع سپرد کرنے کے بعد کا تعلق ہے تو خصم صرف مشتری ہے۔ پس اس پر اس کے بعد متنبہ کریں گے۔ ''فتدبر''

31685۔ (قولہ: وَ لَكِنْ لَا تُسْمَعُ) استدراک اپنے محل میں صرف متن کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے۔ جہاں تک شارح کی عبارت کو دیکھا جائے۔ کیونکہ انہوں نے پہلے مشتری کا اضافہ کیا ہے پس وہ مستدرک ہوگا اور مقام مقام تفریع ہے جس طرح ہم اسے ''ابن کمال'' کی عبارت میں ذکر کر چکے ہیں۔ ''تامل''

31686۔ (قولہ: لِأَنَّهُ الْمَالِكُ) ''زیلعی'' نے کہا: کیونکہ شفیع کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ ملک اور قبضہ کا مستحق بن جائے پس قاضی ان دونوں کا فیصلہ کر دے گا۔ کیونکہ دونوں میں سے ایک کا قبضہ اور دوسرے کے لئے ملکیت ہے۔ یعنی اس لئے دونوں کا حاضر ہونا ضروری ہوتا ہے جس طرح ''الہدایہ'' میں ہے۔ اور ان کے قول و یفسخ بحضورہ یہ مشتری کے حاضر ہونے کی دوسری علت کی طرف اشارہ ہے وہ یہ ہے کہ فسخ کے ساتھ اس پر فیصلہ کر دیا جائے گا جس طرح ''ہدایہ'' میں اس پر متنبہ فرمایا۔ کیونکہ غائب کے خلاف قضا نہ ملک کے حوالے سے اور نہ ہی فسخ کے حوالے سے جائز ہے۔ ''کفایہ''۔

31687۔ (قولہ: وَيُفْسَخُ بِحُضُورِهِ) یعنی مشتری کی موجودگی میں اس کو فسخ کیا جائے گا اور فسخ کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے مشتری کی شرا کو فسخ کر دیا ہے اور وہ یہ نہ کہے گا: میں نے بیع کو فسخ کر دیا ہے تا کہ شفعہ کا حق باطل نہ ہو۔ کیونکہ یہ بیع پر مبنی ہے پس صفقہ شفیع کی طرف پھر جائے گا اور وہ یوں ہو جائے گا جیسے وہ مشتری ہے۔ ''صاحب الجوہرہ'' نے اسے بیان کیا ہے پس اس کی اصل منسوخ نہ ہوگی۔ پس مشتری کی طرف اس کی اضافت منسوخ ہو جائے گی۔ ''ط''۔ یہ بائع کے خلاف حکم ہے جبکہ ابھی اس نے مبیع مشتری کے حوالے نہ کیا ہو۔ جہاں تک مبیع سپرد کرنے کے بعد کا تعلق ہے تو حکم مشتری کے خلاف ہوگا۔

لِزَوَالِ الْمِلْكِ وَالْيَدِ عَنْهُ ابْنُ الْكَمَالِ (وَيَقْضِي) الْقَاضِي (بِالشُّفْعَةِ وَالْعُهْدَةِ) لِضَمَانِ الثَّمَنِ عِنْدَ الِاسْتِحْقَاقِ (عَلَى الْبَائِعِ قَبْلَ تَسْلِيمِ الْمَبِيعِ إلَى الْمُشْتَرِي، وَ) الْعُهْدَةُ (عَلَى الْمُشْتَرِي لَوْ بَعْدَهُ) لِمَا مَرَّ (لِلشَّفِيعِ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ وَالْعَيْبِ وَإِنْ شَرَطَ الْمُشْتَرِي الْبَرَاءَةَ مِنْهُ)

کیونکہ ملک اور قبضہ اس سے زائل ہو چکا ہے۔''ابن کمال''۔قاضی شفعہ کا فیصلہ کرے گا اور استحقاق کے وقت ثمن کی ضمان کا ذمہ بائع پر ہے جبکہ مبیع ابھی مشتری کے سپرد نہ کیا گیا ہو اور اگر مبیع سپرد کرنے کے بعد ہو تو مشتری کے ذمہ ہو گا۔اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔شفیع کو خیار رویت اور خیار عیب حاصل ہو گا اگر مشتری نے اس سے براءت کی شرط لگائی ہے

کیونکہ بائع اجنبی بن چکا ہے جس طرح گزر چکا ہے تو اس سے مبیع لینا یہ مشتری سے شراء ہے جس طرح قریب ہی آئے گا۔''تامل''

31688۔(قولہ: لِزَوَالِ الْمِلْكِ وَالْيَدِ عَنْهُ) پس بائع اجنبی بن چکا ہے۔''ہدایہ''۔

فرع: ایک آدمی نے ہزار کے بدلے میں گھر خریدا اور وہی گھر کسی اور کو دو ہزار میں بیچ دیا پھر شفیع حاضر ہو گیا اور اس نے پہلی بیع کی وجہ سے اسے لینے کا ارادہ کیا۔امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وہ قابض سے اسے ایک ہزار کے بدلے میں لے لے اور اسے کہا جائے گا: اپنے بائع سے ایک اور ہزار کا مطالبہ کرو۔''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک پہلے مشتری کا حاضر ہونا شرط ہے اگر وہ دوسری بیع کے سبب اسے لینے کا ارادہ کرے تو بالاتفاق پہلے مشتری کا حاضر ہونا شرط نہیں۔

31689۔(قولہ: وَالْعُهْدَةِ) یہ لفظ جر کے ساتھ ہے جبکہ رفع جائز ہے''قہستانی''۔اور علی البائع یہ یقضی کے متعلق ہے اور رفع پڑھیں تو علی البائع خبر ہے۔

31690۔(قولہ: لِضَمَانِ الثَّمَنِ الخ) یعنی ثمن کی ضمانت جسے شفیع نے اپنے ذمہ لیا ہے جب وہ مبیع کا مستحق بنے۔

31691۔(قولہ: وَعَلَى الْمُشْتَرِي لَوْ بَعْدَهُ)''تاتر خانی'' میں امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اگر مشتری نے ثمن نقد دے دی ہو اور گھر پر قبضہ نہ کیا ہو یہاں تک کہ شفیع کے لئے شفعہ کا فیصلہ کر دیا گیا تو شفیع نے ثمن مشتری کو دے دی تو ذمہ داری مشتری پر ہو گی اگر بائع کو دے تو ذمہ داری بائع پر ہو گی۔''طوری''۔

31692۔(قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی ان کے قول: لزوال الملك واليد عنه میں گزر چکا ہے۔

شفیع کو خیار رؤیت اور خیار عیب حاصل ہو گا

31693۔(قولہ: لِلشَّفِيعِ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ وَالْعَيْبِ) کیونکہ شفعہ کے ساتھ لینا یہ مشتری سے خریدنا ہے اگر اس سے لینا اس کے قبضہ کرنے کے بعد ہوا گر اس سے پہلے ہو تو بائع سے اسے خریدنا ہے۔کیونکہ صفقہ اس کی طرف تبدیل ہو چکا ہے۔پس اس کے لئے خیار ثابت ہو گا اگر اس میں کوئی عارضہ ہو جس طرح جب وہ اسے ان دونوں سے خریدے۔اور مشتری کے دیکھ لینے سے شفیع کا خیار رویت ساقط نہیں ہو گا اور نہ ہی مشتری کی جانب سے براءت سے اس کا خیار ساقط ہو گا۔کیونکہ مشتری شفیع کا نائب نہیں پس اس کی شرط اور رؤیت اس کے حق میں موثر نہ ہو گی۔''زیلعی''۔

دُونَ خِيَارِ الشَّرْطِ وَالْأَجَلِ اخْتِيَارٌ وَفِي الْأَشْبَاهِ الشُّفْعَةُ بَيْعٌ فِي كُلِّ الْأَحْكَامِ إِلَّا فِي ضَمَانِ الْغُرُورِ لِلْجَبْرِ (وَإِنْ اخْتَلَفَ الشَّفِيعُ وَالْمُشْتَرِي فِي الثَّمَنِ) وَالدَّارُ مَقْبُوضَةٌ وَالثَّمَنُ مَنْقُودٌ (صُدِّقَ الْمُشْتَرِي) بِيَمِينِهِ

خیار شرط اور مدت کی سہولت حاصل نہ ہوگی۔ ''الاشباہ'' میں ہے: شفعہ تمام احکام میں سوائے غرور کی ضمان کے جبر سے ہے۔ اگر شفیع اور مشتری ثمن میں اختلاف کریں جبکہ گھر پر قبضہ کیا جا چکا ہو اور ثمن نقد دی گئی ہو تو قسم کے ساتھ مشتری کے قول کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

31694۔(قولہ: دُونَ خِيَارِ الشَّرْطِ وَالْأَجَلِ) یعنی کیونکہ شفعہ میں خیار شرط نہیں جس طرح ''قہستانی'' میں ہے۔ اور الاجل کا لفظ خیار شرط پر عطف ہے یہ شرط پر عطف نہیں۔ ''ح''۔ مراد ثمن میں اجل ہے۔

31695۔(قولہ: إِلَّا فِي ضَمَانِ الْغُرُورِ) جب شفیع عمارت کی تعمیر کر چکا تھا تو مبیع کا کوئی اور مستحق نکل آیا تو وہ بنا کی قیمت کے نقصان کا مطالبہ بائع یا مشتری سے نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ مغرور (جس کو دھوکا دیا گیا ہو) نہیں۔ کیونکہ وہ جبراً اس کا مالک بنا ہے مسئلہ اس باب میں عنقریب متن میں آئے گا۔ اور ان کا قول ''المنح''''اشباہ'' کی طرح ہے۔ مشتری کو شفیع سے مطالبہ کا حق نہیں ہوگا یہ کلام قاصر اور مقلوب ہے پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔

اگر شفیع اور مشتری ثمن میں اختلاف کریں تو اس کا حکم

31696۔(قولہ: فِي الثَّمَنِ) یعنی اس کی جنس میں جس طرح ان دونوں میں سے ایک کا قول ہے: وہ دنانیر ہیں اور دوسرا کہے: دراہم ہیں یا مقدار میں اختلاف ہو جیسے مشتری کہے: دوسو اور شفیع کہے: سو یا صفت میں اختلاف ہو جیسے وہ کہے: میں نے اسے ثمن معجل سے خریدا ہے اور شفیع کہے: بلکہ ثمن موجل سے خریدا ہے۔ ''درر البحار''۔

31697۔(قولہ: وَالدَّارُ مَقْبُوضَةٌ وَالثَّمَنُ مَنْقُودٌ) یعنی گھر پر مشتری نے قبضہ کر لیا ہو اور ثمن اس کی جانب سے بائع کو نقد دے دی گئی ہو۔ میں نے کثیر کتب کی طرف رجوع کیا ہے میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے ان دونوں قیدوں کو ذکر کیا ہے صرف ''کنز'' کے بعض شارحین نے ان کو ذکر کیا ہے میں اس کا نام نہیں جانتا۔ پھر میں نے ''کنز'' کے نسخوں میں سے ایک عمدہ نسخہ کے حاشیہ میں دیکھا جسے ''کافی'' کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

''تکملۃ الطوری'' میں ہے جس کی نص ہے: مؤلف نے اسے مطلق ذکر کیا ہے پس یہ اس کو جامع ہوگا جب اختلاف گھر پر قبضہ کرنے اور ثمن نقد ادا کرنے سے پہلے یا ان دونوں کے بعد شفیع کو سپرد کرنے سے پہلے یا بعد واقع ہو جائے۔ لیکن ''تاتر خانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے گھر خریدا، اس پر قبضہ کیا، ثمن نقد ادا کی پھر شفیع اور مشتری میں ثمن میں اختلاف واقع ہو گیا تو قول مشتری کا معتبر ہوگا۔ ''تکملہ'' میں جو ہے وہ انتہا کو پہنچ گیا۔ ''تاتر خانیہ'' میں جو قول ہے ''ذخیرہ'' میں اس سے زائد ذکر کیا ہے: قسم کے ساتھ قول مشتری کا معتبر ہوگا۔ اور دونوں قسم نہیں اٹھائیں گے کیونکہ شفیع مشتری کے ساتھ ایسے ہی ہے جیسے بائع مشتری کے ہاں ہوتا ہے۔ مگر بائع اور مشتری دونوں قسم اٹھائیں گے۔ فتامل۔

لِأَنَّهُ مُنْكِرٌ وَلَا يَتَحَالَفَانِ (وَإِنْ بَرْهَنَا فَالشَّفِيعُ أَحَقُّ) لِأَنَّ بَيِّنَتَهُ مُلْزِمَةٌ (ادَّعَى الْمُشْتَرِي ثَمَنًا وَ) ادَّعَى (بَائِعُهُ أَقَلَّ مِنْهُ بِلَا قَبْضِهِ فَالْقَوْلُ لَهُ) أَيْ لِلْبَائِعِ (وَمَعَ قَبْضِهِ لِلْمُشْتَرِي)

کیونکہ وہ منکر ہے اور وہ دونوں قسم نہیں اٹھائیں گے۔ اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو شفیع زیادہ حقدار ہے۔ کیونکہ اس کی گواہیاں امر کو لازم کرنے والی ہیں۔ مشتری نے ایک ثمن کا دعویٰ کیا اور اس کے بائع نے اس سے کم کا دعویٰ کیا ساتھ یہ دعویٰ کیا کہ اس نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا تھا تو قول بائع کا معتبر ہوگا اور ثمن پر قبضہ کے بارے میں مشتری کا قول معتبر ہوگا۔

''طحطاوی'' نے کہا ہے: بعض اوقات کہا جاتا ہے: اگر ثمن نقدی نہ ہو تو بائع کی طرف لوٹا جائے گا اور اس کا قول لیا جائے گا اگر وہ اس سے کم ہو جس کا مشتری دعویٰ کرتا ہے تو یہ ثمن میں کمی کرنا ہوگا جس طرح آنے والے مسئلہ میں ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر دارومدار اس پر ہوگا کہ ثمن صرف نقدی ہو۔

31698۔ (قولہ: لِأَنَّهُ مُنْكِرٌ) کیونکہ شفیع یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اقل ادا کرنے کے ساتھ وہ گھر کا مستحق بن چکا ہے جبکہ وہ انکار کرتا ہے۔ ''ہدایہ''۔

31699۔ (قولہ: وَلَا يَتَحَالَفَانِ) کیونکہ مشتری شفیع پر کسی شے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ کیونکہ شفیع کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ لے لے اور ترک کر دے۔ پس یہ متحقق نہیں ہوگا کہ وہ مدعی علیہ ہے کیونکہ وہ وہی ہے جو دعویٰ کو ترک کرے تو اسے نہیں چھوڑا جاتا۔ پس یہ نص کے معنی میں نہیں ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب بائع اور مشتری میں اختلاف ہو جائے اور سامان موجود ہو تو وہ دونوں قسم اٹھائیں گے اور واپس لے لیں گے۔ کیونکہ یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب انکار اور دعویٰ جانبین سے پائے گئے۔ ''اتقانی''۔

31700۔ (قولہ: لِأَنَّ بَيِّنَتَهُ مُلْزِمَةٌ) کیونکہ شفیع کی گواہیاں مشتری پر ایک امر کو لازم کرنے والی ہیں۔ مشتری کی گواہیوں کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ شفیع کو اختیار ہے اور گواہیاں لازم کرنے کے لئے ہوتی ہیں۔ پس شفیع کی گواہیوں کو لینا اولی ہے۔ ''اتقانی''۔ ''قہستانی'' نے کہا: اس میں اس امر کا شعور دلایا گیا ہے کہ اگر بائع اور مشتری میں اختلاف ہو جائے یا ان دونوں اور شفیع میں اختلاف ہو جائے تو بائع کی گواہیاں زیادہ حقدار ہیں کیونکہ یہ زیادتی کو ثابت کرتی ہیں۔

31701۔ (قولہ: بِلَا قَبْضِهِ) یعنی بائع نے تمام ثمن پر قبضہ نہیں کیا خواہ مشتری نے عقار پر قبضہ کیا یا قبضہ نہیں کیا۔ ''قہستانی''۔

مشتری اور بائع کے درمیان ثمن میں اختلاف ہو جائے تو اس کا حکم

31702۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ لَهُ) یعنی قسم کے بغیر اس کا قول معتبر ہوگا ''قہستانی''۔ پس شفیع اس کے ساتھ مبیع لے لے گا جو بائع نے کہا ہوگا۔ کیونکہ اگر معاملہ اسی طرح ہو جس طرح اس نے کہا ہے تو امر ظاہر ہے ورنہ یہ ثمن میں کمی کرنا ہے اور کمی کرنا شفیع کے حق میں ظاہر ہوگا۔

31703۔ (قولہ: وَمَعَ قَبْضِهِ لِلْمُشْتَرِي) پس مشتری اسے اس کے ساتھ لے لے گا جو مشتری نے کہا ہے اگر وہ

وَلَوْ عَكْسًا فَبَعْدَ قَبْضِهِ الْقَوْلُ لِلْمُشْتَرِي وَقَبْلَهُ يَتَحَالَفَانِ، وَأَيٌّ نَكَلَ اُعْتُبِرَ قَوْلُ صَاحِبِهِ، وَإِنْ حَلَفَا فُسِخَ الْبَيْعُ وَيَأْخُذُ الشَّفِيعُ بِمَا قَالَ الْبَائِعُ مُلْتَقَى

اگر اس کے برعکس صورتحال ہو تو ثمن پر قبضہ کے بعد قول مشتری کا معتبر ہوگا اور اس سے قبل دونوں قسم کھائیں گے۔ اور جو بھی قسم کھانے سے انکار کرے گا قول اس کے ساتھی کا معتبر ہوگا۔ اگر دونوں قسم اٹھا دیں تو بیع فسخ ہو جائے گا اور شفیع اس کے ساتھ مبیع کو لے لے گا جو بائع نے کہا ہے۔ ''ملتقی''۔

چاہے اور بائع کے قول کی طرف متوجہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب اس نے ثمن پوری کی پوری لے لی تو عقد کا حکم اپنے اختتام کو پہنچ گیا اور وہ جدا ہونے سے نکل گیا اور وہ اجنبی کی طرح ہو گیا پس اختلاف مشتری اور شفیع کے درمیان باقی رہا۔ جبکہ ہم اسے بیان کر چکے ہیں ''ہدایہ'' اس میں قول مشتری کا معتبر ہوگا۔

یہ جان لو کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب قبضہ ظاہر ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری گواہیوں یا یمین کے ساتھ اسے ثابت کر دے جس طرح ''الدرر'' میں ہے۔ یہ صورت باقی رہ گئی ہے جب قبضہ ظاہر نہ ہو یعنی شفیع کو معلوم نہ ہو یا تو بائع قبضہ کا اقرار کرے گا یا قبضہ کا اقرار نہیں کرے گا۔ اگر دوسری صورت ہو اور اسے کتاب میں ذکر نہ کیا ہو تو ظاہر یہ ہے کہ اس کا حکم اس کا حکم ہوگا جب اس پر قبضہ نہ ہو۔ اگر پہلی صورت ہو (یعنی وہ قبضہ کا اقرار کرے) اور مشتری زیادہ کا دعویٰ کرتا ہے اور گھر اس کے قبضہ میں ہے یا تو وہ ثمن کی مقدار کا اقرار کرے گا یا اقرار نہیں کرے پھر ثمن پر قبضہ کا اقرار کرے گا یا صورتحال اس کے برعکس ہوگی۔ اگر پہلی صورت ہو جس طرح اگر وہ کہے: میں نے اسے گھر ہزار کے بدلے میں بیچا اور میں نے اس پر قبضہ کر لیا اور شفیع اس گھر کو ہزار کے بدلے میں لے۔ کیونکہ جب وہ بیع کا اقرار ایک مقدار کے ساتھ کرتا ہے تو شفعہ اس کے ساتھ متعلق ہو گیا۔ پھر ان کے قول قبضت اس سے وہ شفیع کے اس حق کو ساقط کرنا چاہتے ہیں جو اس کے ثمن کے اقرار کے متعلق ہے۔ کیونکہ جب یہ امر متحقق ہوا تو وہ عقد سے اجنبی ہو گیا۔ کیونکہ اس کے لئے کوئی ملکیت نہیں پس اس کے ساتھ لینا واجب ہے جس کا مشتری دعویٰ کرتا ہے۔ کیونکہ ابھی گزرا ہے کہ ثمن جب مقبوض ہو تو جو مشتری نے کہا ہے اس کے ساتھ لے لے اسے شفیع کا حق ساقط کرنے کا اختیار نہیں تو اس کا قول قبضت اس پر رد کر دیا جائے گا۔ اگر دوسری صورت ہو جیسے اگر وہ کہے: میں نے ثمن پر قبضہ کیا تھا اور وہ ہزار تھی تو اس کے قول کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی اور وہ مبیع کو اس کے ساتھ لے گا جو مشتری نے کہا ہے۔ کیونکہ قبضہ کا اقرار کرنے کے ساتھ وہ اجنبی ہو چکا ہے اور ثمن کی مقدار میں اس کے قول کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔ ''عنایہ''۔

بیع کا فسخ شفیع کے حق کے بطلان کو واجب نہیں کرتا

31704۔ (قولہ: بِمَا قَالَ الْبَائِعُ) کیونکہ بیع کا فسخ کرنا شفیع کے حق کے بطلان کو واجب نہیں کرتا کیا بائع قسم اٹھائے گا؟ چاہئے کہ وہ قسم نہ اٹھائے۔ کیونکہ اس نے ایک دفعہ قسم اٹھا دی ہے۔ ''اتقانی'' نے ''اسبیجابی'' سے نقل کیا ہے۔

(وَحَطُّ الْبَعْضِ يَظْهَرُ فِي حَقِّ الشَّفِيعِ) فَيَأْخُذُ بِالْبَاقِي، وَكَذَا هِبَةُ الْبَعْضِ إِلَّا إِذَا كَانَتْ بَعْدَ الْقَبْضِ أَشْبَاهٌ (وَحَطُّ الْكُلِّ وَالزِّيَادَةُ لَا) فَيَأْخُذُهُ بِكُلِّ الْمُسَمَّى،

اور بعض کو کم کرنا یہ شفیع کے حق میں ظاہر ہوگا اور وہ باقی ماندہ کے ساتھ لے لے گا۔ اسی طرح بعض کا ہبہ کرنا ہے مگر جب وہ قبضہ کے بعد ہو''اشباہ''۔ اور کل کو منہا کر دینا اور زیادتی کرنا اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ پس وہ مکمل مسمی کے ساتھ اسے لے لے گا۔

بعض ثمن کو کم کرنا یہ شفیع کے حق میں ظاہر ہوگا

31705۔ (قولہ: وَحَطُّ الْبَعْضِ) یعنی بائع نے مشتری سے بعض ثمن کو ساقط کر دیا اگر بائع کا وکیل یعنی جسے بیع کے لئے وکیل بنایا تھا وہ کمی کر دے تو یہ اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگا پس یہ کمی شفیع کے حق میں ظاہر نہ ہوگی۔''اشباہ''۔ یعنی اگر اس کا کمی کرنا صحیح ہو اور مشتری بری ہو جائے۔ کیونکہ اس کا ضامن ہوتا ہے جس کی اس نے کمی کی گویا یہ نیا ہبہ ہوگا جس طرح ''حموی'' نے اس کی وضاحت کی ہے۔

31706۔ (قولہ: فَيَأْخُذُ بِالْبَاقِي) وہ باقی ماندہ سے لے لے یا زیادتی کا مطالبہ مشتری سے کرے اگر اس نے اسے ثمن پوری دی تھی جس طرح ''عزمیہ'' میں ہے۔

31707۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا كَانَتْ بَعْدَ الْقَبْضِ) یعنی جب ثمن پر قبضہ کے بعد ہو۔ کیونکہ وہ سپرد کرنے کے ساتھ عین بن چکا ہے۔ پس شفیع اس میں سے کسی شے کو واپس نہیں لے گا جہاں تک اس سے قبل کا تعلق ہے تو واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اس دین کا ہبہ ہے جو ذمہ میں ہے''شرح تنویر الاذہان''۔''حموی'' نے کہا: یہ کہنا باقی رہ گیا ہے: بعض کے ہبہ اور کل کے ہبہ کی تقیید سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ہبہ شفیع کے حق میں مطلقاً ظاہر نہیں ہوتا تو کیا وہ مسمی کے ساتھ لے گا یا قیمت کے ساتھ لے گا؟ میں نے اس بارے میں کوئی صریح نقل نہیں دیکھی یعنی ایسا صریح قول نہیں دیکھا جو کسی سے منقول ہو۔

''ظہیریہ'' میں ہے: ایک آدمی نے ہزار کے بدلے میں گھر خریدا پھر وہ گھر مشتری پر صدقہ کر دیا گیا شفیع اسے قیمت کے ساتھ لے گا مگر جب یہ ہزار پر قبضہ کے بعد ہو۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہا جاتا ہے: اگر اس نے ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے تمام ثمن ہبہ کر دی تو شفیع قیمت کے ساتھ لے لے گا ورنہ ثمن کے ساتھ لے گا۔''ملخص''

میں کہتا ہوں: میں نے''تاتر خانیہ'' میں''المحیط'' سے مروی روایت دیکھی ہے جس کی تلخیص یہ ہے: ثمن میں کمی کرنا، ہبہ کرنا اور اسے ثمن سے بری کرنا جب ثمن پر قبضہ سے پہلے ہوا گر بعض ثمن میں ہو تو یہ شفیع کے حق میں ظاہر ہوگا اگر تمام ثمن کے حق میں ہو تو شفیع کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا۔ اگر یہ عمل ثمن پر قبضہ کے بعد ہو تو ثمن میں کمی کرنا اور ہبہ کرنا اس تفصیل پر مبنی ہوگا مگر تمام سے یا بعض سے بری کرنا ہو تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔''قہستانی'' اسی پر گامزن ہوئے ہیں۔''فتامل''

کل ثمن کو منہا کرنے اور زیادتی کرنے کا اعتبار نہیں

31708۔ (قولہ: وَحَطُّ الْكُلِّ وَالزِّيَادَةُ لَا) یعنی شفیع کے حق میں دونوں ظاہر نہ ہوں گے۔ جہاں تک تمام کو ساقط

وَلَوْ حَطَّ النِّصْفَ ثُمَّ النِّصْفَ يَأْخُذُ بِالنِّصْفِ الْأَخِيرِ، وَلَوْ عَلِمَ أَنَّهُ اشْتَرَاهُ بِأَلْفٍ فَسَلَّمَ ثُمَّ حَطَّ الْبَائِعُ مِائَةً فَلَهُ الشُّفْعَةُ، كَمَا لَوْ بَاعَهُ بِأَلْفٍ فَسَلَّمَ ثُمَّ زَادَ الْبَائِعُ لَهُ جَارِيَةً أَوْ مَتَاعًا قُنْيَةٌ (وَفِي الشِّرَاءِ

اگر وہ نصف کو منہا کر دے پھر وہ نصف کو منہا کر دے تو وہ نصف اخیر کے بدلے میں لے لے۔ اگر اسے علم ہو کہ اس نے اسے ہزار کے ساتھ خریدا ہے اور وہ شفعہ چھوڑ دے پھر بائع نے اس میں سے کم کر دیئے تو اسے شفعہ کا حق ہوگا جیسے اگر وہ ہزار کے بدلے میں بیچے وہ شفعہ چھوڑ دے پھر بائع اس کے لئے لونڈی یا سامان زائد کر دے تو شفیع کو شفعہ کا حق ہوگا۔ ''قنیہ''۔ اور مثلی چیز سے خریدنے کی صورت میں

کرنے کا تعلق ہے تو وہ اس لئے شفیع کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوتا ورنہ عقد ثمن کے بغیر باقی رہے گا یہ فاسد ہے باطل نہیں۔ جو ''الدرر'' میں ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ اور بیع فاسد میں شفعہ نہیں ہوتا جس طرح آگے آئے گا۔ لیکن کل کو ساقط کر دینا یہ مشتری کے حق میں ظاہر ہوگا۔ ''قہستانی''۔ جہاں تک زیادتی کا تعلق ہے کیونکہ اگر وہ لاحق ہو تو اس میں شفیع کے حق کا ابطال ہے۔ کیونکہ وہ اس کا اس مسمی کے بدلے میں لینے کا مستحق بن چکا تھا جس کا ذکر اس سے قبل کیا گیا تھا۔ مراد ثمن میں زیادتی ہے۔ جہاں تک بیع میں زیادتی کا تعلق ہے تو وہ شفیع کے حق میں ظاہر ہوگی جس طرح شارح اس کا قریب ہی ''القنیہ'' سے نقل کرتے ہوئے ذکر کریں گے کیونکہ یہ کمی کرنے کے قبیل سے ہے۔

31709۔ (قولہ: وَلَوْ حَطَّ النِّصْفَ الخ) نصف یہ قید نہیں۔ ''جوہرہ'' میں کہا: یہ یعنی لاحق نہ ہونا یہ اس وقت ہے جب تمام کو ایک ہی کلمہ کے ساتھ کم کرے مگر جب کئی کلمات کے ساتھ ہو تو اخیرہ کے ساتھ لے سکتا ہے۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ کسی شے میں کمی کرتا ہے تو وہ عقد کے ساتھ لاحق ہو جاتی ہے اور مابقی ثمن رہ جاتی ہے جب وہ مابقی تمام کو منہا کر دے تو یہ تمام ثمن کو ساقط کرنا ہے اور وہی مابقی ہے پس اس کے ساتھ اسے لے لے گا۔

31710۔ (قولہ: وَلَوْ عَلِمَ الخ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ یہ کمی کرنا شفعہ کے ذریعہ لینے سے پہلے ہو یا اس کے بعد ہو جس طرح ''التبیین'' میں ہے۔

31711۔ (قولہ: كَمَا لَوْ بَاعَهُ بِأَلْفٍ) یعنی اسے شفعہ کا حق بھی ہوگا اس کی دلیل وہی ہے جسے ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کیا وہ زیادتی بھی لے گا۔ اس میں بعض علما نے توقف کیا ہے۔ پھر میں نے ''نہایہ'' میں دیکھا کہا: وہ گھر کو ثمن میں سے ایک اس کے حصہ کے مطابق لے گا۔ ''شرح المجمع'' میں جو قول ہے وہ اس کے مخالف نہیں۔ قول یہ ہے: ملکی نے جائیداد غلاموں اور جانوروں کے ساتھ بیچی شفعہ سب میں عقار کے تبع میں ثابت ہوگا۔ کیونکہ اس سے مراد زمین، کاشتکار اور زراعت کے آلات ہیں۔ پس تبعیت متحقق ہوگا۔ کیونکہ زمین سے جو مقصود ہے وہ متحقق ہوگا۔ اسی وجہ سے تبعی طور پر ان میں وقف صحیح ہوگا جس طرح اس کی جگہ گزر چکا ہے۔ جاریہ اور متاع کا معاملہ مختلف ہے جنہیں گھر کے ساتھ بیچا گیا۔ یہ امر میرے لئے ظاہر ہوا ہے۔ ''فتامل''

بِمِثْلِي) وَلَوْ حُكْمًا كَالْخَمْرِ فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ ابْنُ كَمَالٍ (يَأْخُذُ بِمِثْلِهِ، وَفِي الشِّرَاءِ بِ (الْقِيَمِيِّ بِالْقِيمَةِ) أَيْ وَقْتَ الشِّرَاءِ (فَفِي بَيْعِ عَقَارٍ بِعَقَارٍ يَأْخُذُ) الشَّفِيعُ (كُلًّا) مِنَ الْعَقَارَيْنِ (بِقِيمَةِ الْآخَرِ، وَ) فِي الشِّرَاءِ (بِثَمَنٍ مُؤَجَّلٍ يَأْخُذُ بِحَالٍّ أَوْ طَلَبَ) الشُّفْعَةَ (فِي الْحَالِ وَأَخَذَ بَعْدَ الْأَجَلِ)

اگر چہ وہ حکماً مثلی ہو جیسے مسلمان کے حق میں شراب ''ابن کمال''، وہ اس کی مثل کے ساتھ لے لے گا۔ اور ذوات القیم میں سے کسی شے کے ساتھ خریدنے کی صورت میں وہ اس قیمت سے لے گا جو خریداری کے دن تھی اور ایک جائیداد کو دوسری جائیداد سے خریدنے کی صورت میں شفیع دونوں جائیدادوں میں سے ہر ایک کو دوسری کی قیمت کے ساتھ لے گا اور ثمن موجل کے ساتھ خریداری کی صورت میں وہ ثمن حال کے ساتھ لے گا اور وہ فی الحال شفعہ طلب کرے گا اور اجل کے بعد اسے لے لے گا۔

31712۔(قولہ: وَلَوْ حُكْمًا كَالْخَمْرِ) اگر اس کا ذکر اپنے قول: وفی القیمی کے بعد کرتے تو وہ اس اعتراض سے محفوظ رہتے جو ''حلبی'' نے کیا ہے۔ کیونکہ یہ امر تقاضا کرتا ہے کہ خمر مسلمان کے حق میں حکماً مثلی ہے اور یہ اسے مثل خمر سے لے گا جبکہ صورتحال اس طرح نہیں بلکہ اس کی قیمت سے لے گا۔ کیونکہ مسلمان کے حق میں وہ حقیقت میں مثلی ہے اور حکماً قیمی ہے۔ ''ابن کمال'' کی عبارت پر کوئی اعتراض نہیں۔ کیونکہ انہوں نے کہا ہے: ثمن مثلی سے خریدنے کی صورت میں مثل کے ساتھ اسے لے گا وہ مثل حقیقی ہو یا حکمی ہو۔ کیونکہ مثلی میں سے کچھ ایسی چیزیں ہیں جو غیر مثلی کے ساتھ لاحق ہیں جس طرح مسلمان کے حق میں خمر۔ ملخص۔ ان کا قول حقیقۃً اور حکماً یہ نکالنے کے لئے ہے داخل کرنے کے لئے نہیں ہے۔

31713۔(قولہ: بِالْقِيمَةِ) یعنی خریداری کے وقت جو اس کی قیمت تھی نہ کہ شفعہ کے لینے کے وقت جو اس کی قیمت تھی جس طرح ''ذخیرہ'' میں ہے۔ ''قہستانی''۔

31714۔(قولہ: يَأْخُذُ الشَّفِيعُ) یعنی دونوں جائیدادوں میں سے یہ ایک لے گا۔

31715۔(قولہ: مُؤَجَّلٍ) یعنی اجل معلوم کے ساتھ ورنہ بیع فاسد میں ہو جائے گی۔ اور بیع فاسد میں شفعہ نہیں ہوتا۔ ''معراج''۔ شارح کی جانب سے عنقریب اس باب کے آخر میں تنبیہ آئے گا۔

31716۔(قولہ: يَأْخُذُ بِحَالٍّ) یعنی وہ فی الحال لے لے گا حال کا لفظ لام کی تخفیف کے ساتھ ہے بثمن حال اس میں لام مشدد ہے۔ کیونکہ اجل شرط کے ساتھ ثابت ہوتی ہے اور شفیع اور بائع میں کوئی شرط نہیں۔ پھر اگر بائع سے ثمن حال سے لے لے تو مشتری سے ثمن ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ قول گزر چکا ہے کہ بیع مشتری کے حق میں منسوخ ہو چکی ہے۔ اگر اس نے مبیع مشتری سے لیا تو بائع مشتری سے ثمن موجل لے گا جس طرح وہ تھی کیونکہ وہ شرط جو ان دونوں کے درمیان جاری ہوئی تھی مبیع شفیع کے اسے لینے سے باطل نہیں ہوتی۔ ''ہدایہ''۔

31717۔(قولہ: أَوْ طَلَبَ) یہ یاخذ پر عطف ہے یعنی اسے اختیار ہوگا کہ ثمن فی الحال ادا کرنے کے ساتھ فی الحال مبیع لے لے یا فی الحال شفعہ طلب کرے اور اجل آنے پر وہ بیع لے لے۔

وَلَا يَتَعَجَّلُ مَا عَلَى الْمُشْتَرِي لَوْ أَخَذَ بِحَالٍّ، (وَلَوْ سَكَتَ عَنْهُ) فَلَمْ يَطْلُبْ فِي الْحَالِ (وَصَبَرَ حَتَّى يَطْلُبَ عِنْدَ) حُلُولِ (الْأَجَلِ بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ) خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ (وَ) يَأْخُذُ (بِمِثْلِ الْخَمْرِ وَقِيمَةِ الْخِنْزِيرِ إِنْ كَانَ الْبَائِعُ وَالْمُشْتَرِي وَ (الشَّفِيعُ ذِمِّيًّا)

اگر ثمن حال سے لے گا تو مشتری پر جو ثمن موجل ہے وہ فی الحال لازم نہ ہو گی۔ اگر وہ فی الحال خاموش رہا اور فی الحال شفعہ طلب نہ کیا اور صبر کیا یہاں تک کہ اجل آنے پر طلب کیا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے اور مثل خمر اور خنزیر کی قیمت کے ساتھ لے گا۔ اگر بائع، مشتری اور شفیع ذمی ہو

31718۔ (قولہ: وَلَا يَتَعَجَّلُ الخ) ''الملتقی'' میں یہ اسی طرح ہے۔ مراد ہے اگر شفیع نے ثمن حال کے ساتھ مشتری سے مبیع لیا یا بائع سے نہ لیا جس طرح ہم نے ابھی بیان کیا ہے۔

31719۔ (قولہ: وَلَوْ سَكَتَ عَنْهُ الخ) یہ ان کے قول: او طلب فی الحال کا فائدہ ہے۔

حق کے ثابت ہونے کے بعد طلب شفعہ سے خاموشی اسے ساقط کر دیتا ہے

31720۔ (قولہ: بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ) کیونکہ اس کا حق ثابت ہو چکا ہے۔ اسی وجہ سے اسے حق حاصل تھا کہ ثمن حال کے ساتھ اسے لے لیتا اگر اس کا حق ثابت نہ ہوتا تو اسے فی الحال لینے کا حق نہ ہوتا اور حق کے ثابت ہونے کے بعد طلب شفعہ سے خاموشی اسے ساقط کر دیتا ہے ''زیلعی''، ''درر''۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ یہ طلب تملک ہے اور اجل کے آنے تک اسے موخر کرنے سے شفعہ باطل نہیں ہوتا۔ نہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس نے اس کے لئے مدت کی تعیین نہیں کی اور نہ ہی امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آپ نے ایک ماہ کی مدت مقرر کی ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔ جواب میں جو یہ قول کیا گیا ہے: مراد طلب مواثبت ہے اس کا انکار ان کا قول کرتا ہے کیونکہ اس کا حق ثابت ہو چکا ہے کیونکہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ مراد طلب تملک ہے۔ ''ابو سعود''۔

میں کہتا ہوں: نظر معلول ہے اور جواب مقبول ہے۔ کیونکہ بیع کے بعد شفیع کے لئے شفعہ کا ثبوت اور دونوں طلبوں کے بعد اس کا استقرار ہو جاتا ہے جس طرح متن میں گزر چکا ہے جب بیع صادر ہو جائے اور اس کا حق اس میں ثابت ہو جائے۔ پھر اسے اس کا علم ہوا اور وہ طلب مواثبہ نہ کرے تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ حق کے ثبوت کے بعد خاموش رہا ہے اور جو قول گزر چکا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ثبوت استقرار کے ساتھ مشتبہ ہو چکا ہے۔ ''فتدبر''

31721۔ (قولہ: بِمِثْلِ الْخَمْرِ وَقِيمَةِ الْخِنْزِيرِ) اگر اسے مردار کے بدلے میں بیچا جائے تو شفعہ نہیں ہو گا مگر جب وہ اس کے ساتھ مالدار بنتے ہوں۔ ''اتقانی''۔

اگر مشتری اور شفیع ذمی ہوں تو بائع کا بھی ذمی ہونا ضروری ہے

31722۔ (قولہ: وَ الشَّفِيعُ ذِمِّيًّا) اسی کی مثل المستامن ہے نہ کہ مرتد وہ اسلام قبول کرے، مر جائے، دار الحرب

لَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ الْبَائِعُ أَيْضًا ذِمِّيًّا، وَإِلَّا يَفْسُدُ الْبَيْعُ فَلَا تَثْبُتُ الشُّفْعَةُ ابْنُ كَمَالٍ مَعْزِيًّا لِلْمَبْسُوطِ (وَ) يَأْخُذُ (بِقِيمَتِهَا) لِمَا مَرَّ (لَوْ) كَانَ الشَّفِيعُ (مُسْلِمًا) لِمَنْعِهِ عَنْ تَمَلُّكِهَا وَتَمْلِيكِهَا، ثُمَّ قِيمَةُ الْخِنْزِيرِ هُنَا قَائِمَةٌ مَقَامَ الدَّارِ لَا مَقَامَ الْخِنْزِيرِ وَلِذَا لَا يَحْرُمُ تَمَلُّكُهَا بِخِلَافِ الْمُرُورِ عَلَى الْعَاشِرِ

توضروری ہے کہ بائع بھی ذمی ہو ورنہ بیع فاسد ہو جائے گی پس شفعہ ثابت نہیں ہوگا ''ابن کمال''۔ جب کہ ''مبسوط'' کی طرف منسوب ہے۔ اور اس کی قیمت کے ساتھ اسے لے لے اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے اگر شفیع مسلمان ہوگا۔ کیونکہ مسلمان کو اس کے مالک بننے اور اس کا مالک بنانے سے روک دیا گیا ہے پھر یہاں خنزیر کی قیمت گھر کے قائم مقام ہے خنزیر کے قائم مقام نہیں۔ اسی وجہ سے اس کا مالک بننا حرام نہیں۔ عاشر کے پاس سے گزرنے کا معاملہ مختلف ہے۔

چلا جائے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے اور اس کے وارثوں کے لئے شفعہ ثابت نہیں ہوگا مگر جو آدمی خریدے اور اسے قتل کر دیا جائے تو شفیع کا شفعہ باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ شفعہ ملک سے نکلنے کے متعلق ہے اگر مسلمان نے دارالحرب میں کوئی گھر خریدا اس کا شفیع مسلمان ہو تو اس کے لئے کوئی شفعہ نہ ہوگا اگرچہ اس کے اہل اسلام قبول کر لیں۔ کیونکہ ہمارے احکام دارالحرب میں جاری نہیں ہوتے۔ ''اتقانی''۔

31723۔ (قولہ: لَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ الخ) یہ بائع اور مشتری کی جانب سے زیادتی کے بیان کا فائدہ ہے۔

31724۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی کتاب الغصب میں گزر چکا ہے کیونکہ کہا: ان الخمر فی حقنا قیمی حکما ہمارے حق میں شراب حکماً قیمی ہے یہ ابھی قول گزرا ہے: ولو حکما کالخمر فی حق المسلم یہ اس پر مبنی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس کا حق یہ ہے کہ اس کا ذکر ان کے قول وفی القیمی کے بعد کرتے۔

31725۔ (قولہ: لَوْ كَانَ الشَّفِيعُ مُسْلِمًا) اگر وہ مسلمان ہو اور کافر ہو پس نصف مسلمان کے لئے شراب کی نصف قیمت کے بدلے ہوگا اور کافر کے لئے اس کے نصف کی مثل کے بدلے میں ہوگا۔ ''اتقانی''۔ اور اس میں ہے: لینے سے قبل اس نے اسلام قبول کر لیا تو شفعہ باطل نہیں ہوگا اور وہ اصلی مسلمان کی طرح ہو جائے گا۔ اگر دونوں بیع وشرا کرنے والوں میں سے ایک مسلمان ہو جائے اور خمر پر قبضہ نہ کیا گیا ہو تو بیع ٹوٹ جائے گی دار پر قبضہ کیا تھا یا قبضہ نہیں کیا تھا اور شفعہ باطل نہیں ہوگا کیونکہ بیع کا منسوخ ہونا اسے باطل نہیں کرتا۔

31726۔ (قولہ: ثُمَّ قِيمَةُ الْخِنْزِيرِ الخ) یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے وہ یہ ہے کہ باب العاشر میں گزر چکا ہے کہ وہ خمر کی قیمت سے لے گا خنزیر کی قیمت سے نہیں لے گا۔ کیونکہ خنزیر قیمی ہے اور قیمی کی قیمت اس کے عین کی طرح ہے۔ جواب کی تقریر ظاہر ہے۔ شارح نے ایک اور جواب جو اس کے علاوہ ہے باب العاشر میں ''سعدی'' سے نقل کیا ہے وہ یہ ہے: اگر شفیع خنزیر کی قیمت کے ساتھ نہ لے تو اس کا حصہ اصلاً باطل ہو جائے گا۔ پس اسے ضرر لاحق ہوگا اور ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہوتے ہیں۔

31727۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْمُرُورِ عَلَى الْعَاشِرِ) کیونکہ وہ خمر سے ٹیکس لیتا ہے خنزیر سے ٹیکس نہیں لیتا، فافہم۔ پس

(وَطَرِيقُ مَعْرِفَةِ قِيمَةِ الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيرِ بِالرُّجُوعِ إِلَى ذِمِّيٍّ أَسْلَمَ أَوْ فَاسِقٍ تَابَ) وَلَوْ اخْتَلَفَا فِيهِ فَالْقَوْلُ لِلْمُشْتَرِي عِنَايَةٌ (وَ) يَأْخُذُ الشَّفِيعُ (بِالثَّمَنِ وَقِيمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ) مُسْتَحِقَّيِ الْقَلْعِ كَمَا مَرَّ فِي الْغَصْبِ قُلْت وَأَمَّا لَوْ دَهَنَهَا بِأَلْوَانٍ كَثِيرَةٍ أَوْ طَلَاهَا بِجِصٍّ كَثِيرٍ خُيِّرَ الشَّفِيعُ بَيْنَ تَرْكِهَا أَوْ أَخْذِهَا وَإِعْطَاءِ مَا زَادَ الصَّبْغُ فِيهَا لِتَعَذُّرِ نَقْضِهِ وَلَا قِيمَةَ لِنَقْضِهِ، بِخِلَافِ الْبِنَاءِ حَاوِي الزَّاهِدِيِّ

خمر اور خنزیر کی قیمت کی معرفت کا طریقہ یہ ہے کہ ایسے ذمی کی طرف رجوع کیا جائے جو مسلمان ہو چکا ہو یا ایسے فاسق کی طرف جو توبہ کر چکا ہو۔ اگر دونوں اس میں اختلاف کریں تو قول مشتری کا معتبر ہوگا۔ ''عنایہ''۔ اور شفیع ثمن۔ عمارت اور درخت جو اکھیڑ دینے کے مستحق ہیں کی قیمت کے ساتھ لے لے۔ میں کہتا ہوں: اگر اس نے بہت قسموں کا اسے تیل لگایا یا بہت ہی گچکاری کی تو شفیع کو اختیار دیا جائے گا کہ اسے ترک کر دے یا اسے لے لے اور رنگ نے اس میں جو اضافہ کیا ہے وہ اسے دے دے۔ کیونکہ رنگ کو الگ کرنا متعذر ہے جبکہ اکھیڑے گئے رنگ کی کوئی قیمت نہیں۔ عمارت کا معاملہ مختلف ہے۔ ''حاوی زاہدی''۔

اس کا غیر سبقت قلم ہے۔

خمر اور خنزیر کی قیمت کی معرفت کا طریقہ

31728۔ (قولہ: بِالرُّجُوعِ) یا صورت بیان کرنے کے لئے ہے۔

31729۔ (قولہ: إِلَى ذِمِّيٍّ أَسْلَمَ الخ) ''البحر'' میں ''الکافی'' کے دسویں باب سے منقول ہے اہل ذمہ کی طرف رجوع کرنے سے اسے پہچانا جا سکتا ہے۔

31730۔ (قولہ: وَلَوْ اخْتَلَفَا فِيهِ) یعنی شفیع اور مشتری اس میں اختلاف کریں جو قیمت ذکر کی گئی ہے۔ ''ط''۔

31731۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ لِلْمُشْتَرِي) ''العنایہ'' میں کہا: جس طرح وہ ثمن کی مقدار میں اختلاف کریں۔

31732۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ فِي الْغَصْبِ) یعنی دونوں جو اکھیڑنے کے مستحق ہیں ان کی قیمت اکھڑے ہوؤں سے اکھیڑنے کی اجرت کی مقدار برابر کم ہو۔ ''ط''۔

31733۔ (قولہ: قُلْت وَأَمَّا لَوْ دَهَنَهَا الخ) یہ قول عمارت اور رنگ میں فرق بیان کرنے کے لئے ہے چاہئے یہ تھا کہ اسے ان کے قول او کلف المشتری قلعها سے موخر کرتے کیونکہ ان دونوں میں مخالفت اس جہت سے ہے۔ ''تامل''

31734۔ (قولہ: أَوْ طَلَاهَا بِجِصٍّ كَثِيرٍ) یہ ''زاہدی'' کی عبارت میں سے ہے بلکہ ''رملی'' نے ''زاہدی'' کی عبارت کے بعد اپنے اس قول کے ساتھ ذکر کیا ہے: اقول وعلی هذا لو طلاها الخ۔

31735۔ (قولہ: لِتَعَذُّرِ نَقْضِهِ) یہ محذوف کی علت ہے تقدیر کلام اس طرح ہے: ولا يكلف المشتري النقض لتعذر نقضه یعنی ایسی وجہ میں جس کی اس کی قیمت ہو۔

وَسَيَجِيءُ (لَوْ بَنَى الْمُشْتَرِي أَوْ غَرَسَ أَوْ كَلَّفَ) الشَّفِيعُ (الْمُشْتَرِيَ قَلْعَهُمَا) إِلَّا إِذَا كَانَ فِي الْقَلْعِ نُقْصَانُ الْأَرْضِ فَإِنَّ الشَّفِيعَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَهَا مَعَ قِيمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ مَقْلُوعَةً غَيْرَ ثَابِتَةٍ قُهُسْتَانِيٌّ، وَعَنْ الثَّانِي إِنْ شَاءَ أَخَذَ بِالثَّمَنِ وَقِيمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ أَوْ تَرَكَ، وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَمَالِكٌ قُلْنَا بَنَى فِيمَا لِغَيْرِهِ فِيهِ حَقٌّ أَقْوَى وَلِذَا تَقَدَّمَ عَلَيْهِ فَيَنْقُضُهُ (كَمَا يَنْقُضُ) الشَّفِيعُ (جَمِيعَ تَصَرُّفَاتِهِ) أَيْ الْمُشْتَرِي

اور عنقریب آئے گا۔ اگر مشتری نے کوئی عمارت بنائی ہو یا اس نے کوئی درخت لگایا ہو (تو شفیع ان کی قیمت دے) یا شفیع مشتری کو یہ دونوں چیزیں اکھیڑ لینے کا کہے مگر جب اکھیڑنے میں زمین کا نقصان ہو کیونکہ شفیع کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عمارت اور درخت کی قیمت کے ساتھ لے لے جبکہ وہ اکھڑے ہوئے غیر ثابت ہوں۔ ''قہستانی''۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اگر شفیع چاہے تو ثمن اور عمارت اور درخت کی قیمت کے ساتھ لے لے یا اسے ترک کر دے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے۔ ہم کہتے ہیں: اس نے اس زمین میں عمارت بنائی جس میں غیر کا حق اقویٰ ہے۔ اسی وجہ سے یہ مقدم ہوگا۔ پس یہ اسے توڑ دے گا جس طرح شفیع مشتری کے تمام تصرفات کو توڑ دیتا ہے

31736۔ (قولہ: وَسَيَجِيءُ) یعنی جسے اپنے قول وما لو دهنها کے ساتھ کتاب الشفعہ کے آخر میں فروع میں ذکر کیا ہے۔

31737۔ (قولہ: أَوْ كَلَّفَ) اس کا عطف یاخذ پر ہے۔

31738۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا كَانَ...... وَعَنْ الثَّانِي) یہ بعض نسخوں میں موجود ہے۔

''طحطاوی'' نے کہا ہے: یہ محذوف سے استثنا ہے اس کی تقدیر کلام یہ ہے: ولا یجبر المشتری علی البیع۔

میں کہتا ہوں: ''اتقانی'' کا قول اس کی تائید کرتا ہے قول یہ ہے: ویامرہ القاضی بالقلع الا اذا کان الخ۔

31739۔ (قولہ: أَنْ يَأْخُذَهَا) یعنی مشتری پر جبر کرتے ہوئے زمین لے لے گا۔

31740۔ (قولہ: مَعَ قِيمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ) زیادہ واضح ''النہایہ'' کا قول ہے: مع البناء والاغراس بقیمتها۔

31741۔ (قولہ: مَقْلُوعَةً) یعنی جو اکھیڑے جانے کے مستحق ہو اس پر غیر ثابتة کا قول دلالت کرتا ہے۔ ''ط''۔

31742۔ (قولہ: وَعَنْ الثَّانِي الخ) یعنی متن کے مسئلہ میں ہے پس شفیع مشتری کو وہ اکھیڑنے کا پابند نہیں کرے گا کیونکہ وہ عمارت بنانے اور درخت لگانے میں حد سے تجاوز کرنے والا نہیں۔ کیونکہ خریداری کے ساتھ اس کی ملکیت اس سے ثابت ہو چکی تھی پس اس کے ساتھ عدوان کا معاملہ نہیں کیا جائے گا جو اکھیڑنا ہے۔ ''ط''۔

31743۔ (قولہ: وَقِيمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ) یعنی جو زمین پر قائم ہیں ان کو اکھیڑا نہیں گیا ''نہایہ'' میں ''شرح الطحاوی'' سے مروی ہے۔

31744۔ (قولہ: وَلِذَا) اسم اشارہ سے مراد غیر کا حق ہونا۔ یعنی غیر کے حق ہونے کی وجہ سے وہ شفیع ہے وہ اقویٰ ہے۔

(حَتَّى الْوَقْفُ وَالْمَسْجِدُ وَالْمَقْبَرَةُ) وَالْهِبَةُ زَيْلَعِيٌّ وَزَاهِدِيٌّ وَأَمَّا الزَّرْعُ فَلَا يُقْلَعُ اسْتِحْسَانًا لِأَنَّ لَهُ نِهَايَةً مَعْلُومَةً وَيَبْقَى بِالْأَجْرِ (وَرَجَعَ الشَّفِيعُ بِالثَّمَنِ فَقَطْ، إنْ) أَخَذَ بِالشُّفْعَةِ ثُمَّ (بَنَى أَوْ غَرَسَ ثُمَّ اُسْتُحِقَّتْ) وَلَا يَرْجِعُ بِقِيمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ عَلَى أَحَدٍ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَغْرُورٍ، بِخِلَافِ الْمُشْتَرِي (وَ) يَأْخُذُ (بِكُلِّ الثَّمَنِ إنْ خَرِبَتْ أَوْ جَفَّ الشَّجَرُ) بِلَا فِعْلِ أَحَدٍ

یہاں تک کہ مشتری اگر وقف کر دے، مسجد بنا دے، قبرستان بنا دے اور ہبہ کر دے ''زیلعی'' اور ''زاہدی''۔ جہاں تک کھیتی کا تعلق ہے تو وہ بطور استحسان نہیں اکھیڑے گا۔ کیونکہ اس کی انتہا معلوم ہے اور وہ اجر کے ساتھ باقی رہے گی۔ اور شفیع صرف ثمن کا مطالبہ کرے گا اگر اس نے شفعہ کے ساتھ اسے لیا تھا پھر اس نے کوئی چیز بنائی یا درخت لگایا پھر اس زمین کا کوئی اور مستحق نکل آیا اور وہ عمارت اور درخت کی قیمت کا کسی سے مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ مغرور نہیں۔ مشتری کا معاملہ مختلف ہے۔ اور وہ پوری قیمت کے ساتھ لے گا۔ اگر گھر کھنڈر بن جائے یا درخت خشک ہو جائے جبکہ یہ کسی کے فعل سے نہ ہوا ہو۔

31745۔ (قولہ: وَيَبْقَى بِالْأَجْرِ) یعنی مشتری اور شفیع کی جانب سے رعایت کرنے کے لئے اسے اجر کے ساتھ باقی رکھا جائے گا جس طرح ''زیلعی'' نے اسے واضح کیا۔

یہ ذہن نشین کر لو ''اتقانی'' کی ''شرح الطحاوی'' سے یہ عبارت مروی ہے: مشتری کو بالاجماع اس کے اکھیڑنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے پکنے تک مہلت دی جائے گی پھر شفیع کے حق میں اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ اجرت لازم نہ ہوگی جب زمین مشتری کی ملک سے نہ نکلے کیونکہ فیصلہ نہیں ہوا ''تامل''۔ ''سائحانی'' نے کہا: جو ''مقدسی'' میں ہے پھر زمین کو اجرت کے بغیر چھوڑ دیا جائے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اجرت کے ساتھ اسے چھوڑا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: اس کی مثل ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔

31746۔ (قولہ: وَلَا يَرْجِعُ بِقِيمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ) یعنی زمین کی قیمت میں جو نقصان واقع ہوا ہے اس کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: وہ واپس لے گا۔

31747۔ (قولہ: عَلَى أَحَدٍ) خواہ اس نے بائع سے یا مشتری سے اسے وصول کیا ہو ''ط''۔

31748۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَغْرُورٍ) کیونکہ اس نے اسے شفعہ کے ساتھ جبراً لیا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔

31749۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْمُشْتَرِي) مشتری نے جسے خریدا تھا اس میں عمارت بنانے کے بعد کوئی اور اس کا مستحق نکل آیا۔ کیونکہ بائع نے عقد کے ساتھ اسے دھوکہ دیا ہے تو اسے جو نقصان ہوا ہے اس کا مطالبہ کرے گا۔

31750۔ (قولہ: وَيَأْخُذُ بِكُلِّ الثَّمَنِ الخ) جب ایک آدمی نے گھر خریدا اور وہ کھنڈر بن گیا یا اس نے باغ خریدا تو درخت خشک ہو گئے تو شفیع کو حق حاصل ہے کہ پوری قیمت کے ساتھ اسے لے لے کیونکہ یہ دونوں زمین کے تابع ہیں۔ ''منح''۔

31751۔ (قولہ: بِلَا فِعْلِ أَحَدٍ) اس کا محترز عنقریب متن میں آئے گا۔

وَالْأَصْلُ أَنَّ الثَّمَنَ يُقَابِلُ الْأَصْلَ لَا الْوَصْفَ (وَ) هٰذَا إِذَا (لَمْ يَبْقَ شَيْءٌ مِنْ نَقْضٍ أَوْ خَشَبٍ) فَلَوْ بَقِيَ وَأَخَذَهُ الْمُشْتَرِي لِانْفِصَالِهِ مِنَ الْأَرْضِ حَيْثُ لَمْ يَكُنْ تَبَعًا لِلْأَرْضِ تَسْقُطُ حِصَّتُهُ مِنَ الثَّمَنِ، فَيُقَسَّمُ الثَّمَنُ عَلَى قِيمَةِ الدَّارِ يَوْمَ الْعَقْدِ وَعَلَى قِيمَةِ النَّقْضِ يَوْمَ الْأَخْذِ زَيْلَعِيٌّ قُلْت فَلَوْ لَمْ يَأْخُذْهُ الْمُشْتَرِي كَأَنْ هَلَكَ بَعْدَ انْفِصَالِهِ لَمْ يَسْقُطْ شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ لِعَدَمِ حَبْسِهِ إِذْ هُوَ مِنَ التَّوَابِعِ وَالتَّوَابِعُ لَا يُقَابِلُهَا شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ وَبِالْأَخْذِ بِالشُّفْعَةِ تَحَوَّلَتِ الصَّفْقَةُ إِلَى الشَّفِيعِ، فَقَدْ هَلَكَ مَا دَخَلَ تَبَعًا قَبْلَ الْقَبْضِ وَلَا يَسْقُطُ بِمِثْلِهِ شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ قَالَهُ شَيْخُنَا (بِخِلَافِ مَا إِذَا تَلِفَ بَعْضُ الْأَرْضِ)

اصل یہ ہے کہ ثمن اصل کے مقابل ہے وصف کے مقابل نہیں۔ یہ حکم اس وقت ہے جب ملبہ یا لکڑی میں سے کوئی شے باقی نہ رہے۔ اگر وہ باقی رہے اور مشتری اسے لے لے کیونکہ وہ زمین سے الگ ہو چکی تھی کیونکہ وہ زمین کی تبع میں نہیں ہے تو ثمن میں سے اس کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔ پس ثمن کو گھر کی اس قیمت پر تقسیم کر دیا جائے گا جو قیمت عقد کے روز تھی اور جس روز لے رہا ہے اس روز ملبہ کی جو قیمت تھی اس پر اسے تقسیم کیا جائے گا''زیلعی''۔ میں کہتا ہوں: اگر مشتری اسے نہ لے جیسے اس کے جدا ہونے کے بعد وہ ہلاک ہو جائے تو ثمن میں سے کوئی شے ساقط نہ ہوگی۔ کیونکہ مشتری نے اسے روکا نہیں۔ کیونکہ یہ توابع میں سے ہے۔ اور توابع ایسی چیز ہے کہ ثمن میں سے کوئی شے اس کے مقابل نہیں اور شفعہ کے ساتھ لینے کی صورت میں صفقہ شفیع کی طرف منتقل ہو گیا ہے تو جو چیز تبع کے طور پر داخل ہوئی تھی وہ قبضہ سے پہلے ہلاک ہو گئی ہے۔ پس ثمن میں سے کوئی شے اس کی مثل کے بدلے میں ساقط نہ ہوگی۔ یہ ہمارے شیخ نے کہا ہے۔ جب زمین کا کچھ حصہ غرق ہونے کی صورت میں تلف ہو گیا تو اس کا معاملہ مختلف ہے

31752۔(قولہ: لَا الْوَصْفَ) جب تک اس کے تلف کرنے کا قصد نہ کرے پس یہ ثمن میں سے حصہ کے مقابل ہوگا جس طرح آگے آئے گا''رحمتی''۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ وہ کہتے: لا التبع کیونکہ عمارت اور درخت دار اور بستان کے وصف نہیں۔ ہاں خشک ہو جانا یہ وصف ہے۔

''التبیین'' میں کہا: کیونکہ یہ دونوں زمین کے تابع ہیں یہاں تک کہ ذکر کے بغیر وہ بیع میں داخل ہوں گے پس ثمن میں سے کوئی شے ان دونوں کے مقابل نہ ہوگی۔ اسی وجہ سے اس صورت میں وہ بغیر بیان کے مرابحہ پر بیچے گا''ط''۔

31753۔(قولہ: مِنْ نَقْضٍ أَوْ خَشَبٍ) یہ لف نشر مرتب ہے''ط''۔

31754۔(قولہ: حَيْثُ لَمْ يَكُنْ تَبَعًا لِلْأَرْضِ) یہ ان کے قول تسقط حصتہ من الثمن کی علت ہے''ط''۔ پس یہ عین ہے، مال ہے، قائم ہے، جو اپنے بدل کو کفایت کرتا ہے اور مشتری کے ہاں محبوس ہے۔''زیلعی''۔

31755۔(قولہ: فَقَدْ هَلَكَ مَا دَخَلَ تَبَعًا) جب توابع میں سے تھا اور صفقہ یعنی عقد شفیع کی طرف منتقل ہو گیا تھا پس تبع، شفیع کی ملک میں اصل کے داخل ہونے کے بعد قبضہ سے پہلے ہلاک ہو گیا۔ فافہم۔

بِغَرَقٍ حَيْثُ يَسْقُطُ مِنَ الثَّمَنِ بِحِصَّتِهِ لِأَنَّ الْفَائِتَ بَعْضُ الْأَصْلِ زَيْلَعِيٌّ (وَ) يَأْخُذُ (بِحِصَّةِ الْعَرْصَةِ) مِنَ الثَّمَنِ (إِنْ نَقَضَ الْمُشْتَرِي الْبِنَاءَ) لِأَنَّهُ قَصَدَ الْإِتْلَافَ وَفِي الْأَوَّلِ الْآفَةُ سَمَاوِيَّةٌ، وَيُقَسَّمُ الثَّمَنُ عَلَى قِيمَةِ الْأَرْضِ وَالْبِنَاءِ يَوْمَ الْعَقْدِ،

توثمن میں سے اس کے حصہ کے مقابلہ میں چیز ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ فوت ہونے والی چیز اصل کا بعض ہوتی ہے۔ ''زیلعی''۔ اگر مشتری نے عمارت کو توڑ دیا تو ثمن میں سے سفیدہ زمین کا جو حصہ ہے اس کے بدلے میں شفیع اسے لے لے گا۔ کیونکہ اس نے تلف کرنے کا قصد کیا ہے پہلی صورت میں آفت سماوی ہے۔ اور ثمن کو عقد کے دن جو زمین کی قیمت تھی اور عمارت کی قیمت تھی اس پر اسے تقسیم کیا جائے گا

اگر تو کہے: پہلے ''زیلعی'' سے گزر چکا ہے تو شفعہ کے ساتھ لینا یہ مشتری سے خریدنا ہے اگر یہ لینا مشتری کے قبضہ کرنے کے بعد ہو ورنہ یہ ''بدائع'' سے خریدنا ہوگا۔ کیونکہ صفقہ بائع کی طرف منتقل ہو چکا ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ اس صورت میں بھی ساقط نہ ہو جس میں مشتری نے اسے لیا ہے۔ کیونکہ یہ شفیع کے خریدنے اور اس کے قبضہ کرنے سے پہلے ہوا ہے۔ پس یہ تبع کے طور پر داخل نہیں ہوگا۔

میں کہتا ہوں: یہ بھی پہلے گزر چکا ہے کہ شفعہ یہ ہے کہ بقعہ زمین کا اس کے ساتھ مالک بن جانا جو مشتری پر لازم ہوا تھا اگر ثمن میں سے اس کا حصہ ساقط نہ ہو تو یہ اس طرح نہ ہوگا۔ تامل۔ جو آگے آئے گا اس میں یہی بات کی جائے گی۔

31756۔ (قولہ: لِأَنَّ الْفَائِتَ بَعْضُ الْأَصْلِ) بعض نسخوں میں ہے: لان الغائب یہ سب صحیح ہے۔ کیونکہ فائت سے مراد ہلاک ہونے والا ہے اور بالغائب سے مراد یعنی جو پانی میں بھی ہلاک ہو۔ لیکن جو پہلی تعبیر ہے وہ ''زیلعی'' میں ہے۔ پھر یہ اس مخالفت کا بیان ہے جو اس میں اور سابقہ مسئلہ میں ہے۔

31757۔ (قولہ: إِنْ نَقَضَ الْمُشْتَرِي الْبِنَاءَ) اگر وہ اس کو نہ بیچے لیکن کسی اور کے ہاتھ زمین کے بغیر بیچ دے تو شفیع کو حق حاصل ہے کہ بیع کو توڑ دے اسی طرح نباتات اور کھجور کے درخت ہیں۔ ''طوری'' نے ''تاتر خانیہ'' سے نقل کیا ہے۔

31758۔ (قولہ: لِأَنَّهُ قَصَدَ الْإِتْلَافَ) یعنی تبع جب مقصود ہو تو اس کے مقابل جو ثمن ہو گی وہ ساقط ہو جائے گی۔ ''ط''۔

31759۔ (قولہ: وَيُقَسَّمُ الثَّمَنُ الخ) یعنی زمین کی قیمت لگائی جائے گی جبکہ اس پر عمارت ہو اور اس کے علاوہ اس کی قیمت لگائی جائے گی اور تفاوت کے حساب سے ثمن میں سے ساقط ہو جائے گا۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: اگر دونوں عمارت کی قیمت میں اختلاف کریں تو قول مشتری کا ہوگا اور گواہ شفیع کے ہوں گے۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک گواہ مشتری کے لئے بھی ہوں گے اگر زمین کی قیمت میں اختلاف ہو، جس روز کی

بِخِلَافِ انْهِدَامِهِ كَمَا مَرَّ لِتَقَوُّمِهِ بِالْجِنْسِ (وَنَقْضُ الْأَجْنَبِيِّ كَنَقْضِهِ) أَيْ الْمُشْتَرِي (وَالنِّقْضُ) بِالْكَسْرِ الْمَنْقُوضُ (لَهُ) أَيْ لِلْمُشْتَرِي وَلَيْسَ لِلشَّفِيعِ أَخْذُهُ لِزَوَالِ التَّبَعِيَّةِ بِانْفِصَالِهِ (وَ) يَأْخُذُ (بِثَمَرِهَا) اسْتِحْسَانًا لِاتِّصَالِهِ (إِنْ ابْتَاعَ أَرْضًا وَنَخْلًا وَثَمَرًا أَوْ أَثْمَرَ بَعْدَ الشِّرَاءِ (فِي يَدِهِ وَإِنْ جَذَّهُ الْمُشْتَرِي)

اس کے انہدام کا معاملہ مختلف ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ کیونکہ اس کی قیمت اس کی جنس سے لگائی جاتی ہے۔ اجنبی کا توڑنا مشتری کے توڑنے کی طرح ہے اور نقض جب کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ملبہ ہے۔ یہ ملبہ مشتری کے لئے ہوگا اور شفیع کو حق حاصل نہیں کہ اسے لے۔ کیونکہ اس کے منفصل ہونے کے ساتھ اس کی تبعیت زائل ہو چکی ہے اور بطور استحسان اس کا پھل لے لے گا۔ کیونکہ وہ اس کے ساتھ متصل ہے اگر وہ زمین، کھجور اور پھل خریدے یا خریدنے کے بعد اس کے قبضہ میں درخت پھلدار ہو جائے۔ اگر مشتری اُسے کاٹ لے

خریداری واقع ہوئی اس کی جو قیمت ہے اس کو دیکھنے کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ اسی طرح تھا پس ظاہر جس کی تائید کرے قول اس کا معتبر ہوگا۔ ''اتقانی''۔

31760۔ (قولہ: بِخِلَافِ انْهِدَامِهِ الخ) یعنی یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ خود بخود گر جائے اور وہ ملبہ لے لے گا کیونکہ اس کی قیمت کا اعتبار اس دن کے حوالے سے ہوگا جس روز اس نے وہ چیز لی ہے۔ جس طرح گزر چکا ہے کیونکہ روکنے کے ساتھ وہ مانع بنا ہے تو محبوس کرنے کے ساتھ اس پر اس دن کے حساب سے لازم ہوگا۔ تامل، فافہم۔

31761۔ (قولہ: وَالنِّقْضُ بِالْكَسْرِ) ''مکی'' نے کہا: میں کہتا ہوں: نقض جو منقوض کے معنی میں ہے میں دو لغتیں حاصل ہوئی ہیں نون کا ضمہ اور اس کا کسرہ۔ ''ازہری'' اور صاحب ''المحکم'' نے صرف ضمہ پر اکتفا کیا ہے۔ ''جوہری'' اور ''ابن فارس'' نے کسرہ پر اکتفا کیا ہے۔ یہی قیاس ہے جیسے ذبح، رعی اور نکث ہے یہ مذبوح، مرعی اور منکوث کے معنی میں ہے۔ ''ط''۔

31762۔ (قولہ: بِثَمَرِهَا) با، مع کے معنی میں ہے۔

31763۔ (قولہ: لِاتِّصَالِهِ) یہ استحسان کی دلیل ہے۔ قیاس میں ہے: اسے پھل لینے کا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ تبعیت نہیں پائی گئی جس طرح وہ سامان جو اس میں رکھا گیا ہو۔ ''منح''۔ استحسان کی وجہ کی وضاحت یہ ہے کہ اتصال کے اعتبار سے وہ عقار کے تابع ہوگا جس طرح عمارت گھر (حویلی) کے تابع ہوتی ہے۔ ''ہدایہ''۔

31764۔ (قولہ: ثَمَرًا) اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے بیع میں شرط لگائی ہو۔ کیونکہ ثمر بیع میں شرط کے بغیر داخل نہیں ہوتا کیونکہ وہ تبع میں نہیں ہے۔ ''زیلعی''۔

31765۔ (قولہ: بَعْدَ الشِّرَاءِ فِي يَدِهِ) یہ اثمر کے متعلق ہیں اس کی قید اپنے اس قول فی یدہ کے ساتھ لگاتے کیونکہ جب وہ درخت بائع کے پاس قبضہ سے پہلے ثمر بار ہو گئے پھر مشتری نے ان پر قبضہ کیا تو پھل کا ثمن میں سے حصہ ہوگا جس طرح وہ خریداری کے وقت موجود ہو۔ ''کفایہ''۔

فَلَيْسَ لِلشَّفِيعِ أَخْذُهُ لِمَا مَرَّ (أَوْ هَلَكَ بِآفَةٍ سَمَاوِيَّةٍ وَقَدْ اشْتَرَاهَا بِثَمَرِهَا سَقَطَ حِصَّتُهُ مِنْ الثَّمَنِ فِي الْأَوَّلِ) أَيْ شِرَائِهَا بِثَمَرِهَا (وَبِكُلِّ الثَّمَنِ فِي الثَّانِي) لِحُدُوثِهِ بَعْدَ الْقَبْضِ (قُضِيَ بِالشُّفْعَةِ لِلشَّفِيعِ لَيْسَ لَهُ تَرْكُهَا) شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ

توشفیع کوحق حاصل نہیں کہ اسے لے اس کی دلیل وہی ہے جوگزر چکی ہے یا وہ آفت سماویہ کے ساتھ ہلاک ہو جائے جبکہ اس نے اس کے پھل کے ساتھ اسے خریدا تھا تو پہلی صورت یعنی جب وہ اسے اس کے پھل کے ساتھ خریدے تو ثمن میں سے اس کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔ اور دوسری صورت میں تمام ثمن کے ساتھ اسے لے گا۔ کیونکہ یہ اس کے قبضہ کے بعد پھل ظاہر ہوا تھا۔ قاضی نے شفیع کے حق میں شفعہ کا فیصلہ کر دیا اب اسے ترک کرنے کا حق نہیں ہوگا ''شرح وہبانیہ''۔

31766۔ (قولہ: وَإِنْ جَذَّهُ) یہ ذال معجمہ مشددہ کے ساتھ ہے۔ ''زیلعی'' نے باب البیع الفاسد میں کہا ہے۔ اجذاذ ذال کے ساتھ پھل کاٹنے میں عام ہے۔ اور ذال مہملہ کے ساتھ یہ کھجور کے ساتھ خاص ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''حموی'' سے نقل کیا ہے۔ یہاں ''مسکین'' نے اسے مہملہ کے ساتھ لکھا ہے۔ ''ابوسعود'' نے کہا: کیونکہ یہ مقام کے زیادہ مناسب ہے اور ان کا قول المشتری قید نہیں ہے بلکہ اسی کی مثل بائع اور اجنبی ہے جس طرح ''غایۃ البیان'' میں ہے۔

31767۔ (قولہ: فَلَيْسَ لِلشَّفِيعِ أَخْذُهُ) یعنی دونوں صورتوں میں شفیع کو لینے کا حق نہیں ''ہدایہ''۔ یعنی جب اس نے پھل کے ساتھ خریدا ہو یا اس کے قبضہ میں وہ ثمر بار ہوا ہو اور ان پر لازم تھا کہ اسے ولیس یعنی واؤ کے ساتھ ذکر کرتے اور اسے آنے والے جواب شرط کے بعد ذکر کرتے۔

31768۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی ابھی گزرا ہے وہ یہ قول ہے: لزوال التبعية بانفصاله۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ پہلی صورت میں پھل اگرچہ شرط کے ساتھ داخل ہوا ہے جس طرح گزر چکا ہے اور اس پر شرا قصداً واقع ہوا ہے لیکن شفعہ میں اس کا دخول عقار کی تبع میں ہوا ہے۔ یہ اتصال کے اعتبار سے ہے جس طرح ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں اور انفصال کی صورت میں عقار کے تابع ہونا زائل ہو چکا ہے پس شفعہ ساقط ہو جائے گا۔ فافہم۔

31769۔ (قولہ: وَقَدْ اشْتَرَاهَا بِثَمَرِهَا) یہ ''درر'' پر زائد ہے اور اس کا کوئی معنی نہیں۔ ''ح''۔ کیونکہ یہ آنے والی تفصیل کے منافی ہے۔

31770۔ (قولہ: سَقَطَ حِصَّتُهُ مِنْ الثَّمَنِ فِي الْأَوَّلِ) کیونکہ یہ بیع میں قصداً داخل ہے۔ پس ثمن میں سے کوئی شے اس کے مقابل ہوگی۔ ''ہدایہ''۔

31771۔ (قولہ: لِحُدُوثِهِ بَعْدَ الْقَبْضِ) پس یہ مبیع نہیں ہوگا مگر تبع میں مبیع ہوگا پس ثمن میں سے کوئی شے اس کے مقابل نہ ہوگی۔ ''ہدایہ''۔

لِتَحْوِيلِ الصَّفْقَةِ إِلَيْهِ، بِخِلَافِ مَا قَبْلَ الْقَضَاءِ (الطَّلَبُ فِي بَيْعٍ فَاسِدٍ وَقْتَ انْقِطَاعِ حَقِّ الْبَائِعِ اتِّفَاقًا وَفِي هِبَةٍ بِعِوَضٍ) مَشْرُوطٌ وَلَا شُيُوعَ فِيهِمَا (وَقْتَ التَّقَابُضِ) وَفِي بَيْعِ فُضُولِيٍّ أَوْ بِخِيَارِ بَائِعٍ وَقْتَ الْبَيْعِ عِنْدَ الثَّانِي

کیونکہ صفقہ اس کی طرف منتقل ہو چکا ہے۔ قضا سے پہلے کا معاملہ مختلف ہے۔ بیع فاسد میں شفعہ اس وقت ہے جب بائع کا حق منقطع ہو جائے اس پر سب کا اتفاق ہے اور ایسا ہبہ جو عوض کے ساتھ مشروط ہے اور دونوں میں اشتراک نہ ہو یہ دونوں عوضوں پر قبضہ کے وقت ہے۔ اور فضولی کی بیع یا بائع کے خیار کی صورت میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع کے وقت ہے۔

قاضی نے شفیع کے حق میں شفعہ کا فیصلہ کر دیا اب اسے ترک کرنے کا حق نہیں ہوگا

31772۔ (قولہ: لِتَحْوِيلِ الصَّفْقَةِ إِلَيْهِ) یعنی اسے انفرادی طور پر شرعی تقاضا کے بغیر شفعہ کو باطل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ ''ط''۔

31773۔ (قولہ: بِخِلَافِ مَا قَبْلَ الْقَضَاءِ) مصنف نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ یہ باہم رضامندی اور قاضی کے فیصلہ سے ملکیت حاصل کرنا ہے یہاں قضا قید نہیں۔ تامل۔

بیع فاسد میں شفعہ اس وقت ہے جب بائع کا حق منقطع ہو جائے

31774۔ (قولہ: وَقْتَ انْقِطَاعِ حَقِّ الْبَائِعِ) اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری اس میں عمارت وغیرہ بنا کر تصرف کرے جس طرح آگے آئے گا۔

31775۔ (قولہ: وَفِي هِبَةٍ بِعِوَضٍ مَشْرُوطًا) یعنی عقد میں اس کی شرط ہے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہتے: میں نے تجھے یہ ہبہ کیا ہے تا کہ تو مجھے فلاں چیز عوض میں دے اور علماء نے اس پر اجماع کیا ہے اگر وہ کہے: میں نے تجھے یہ اتنے کے عوض میں ہبہ کیا تو یہ بیع ہے ''اتقانی''۔ ''الخانیہ'' میں ہے: اگر عوض کی شرط کے بغیر ہو پھر اس کے بعد عوض دیا تو شفعہ نہیں ہوگا۔

31776۔ (قولہ: وَلَا شُيُوعَ فِيهِمَا) یعنی ہبہ اور عوض میں اشتراک نہیں اس کی صورت یہ ہے کہ عوض عقار بھی ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: جب یہ مشترک میں ہوا گر تو وہ ان چیزوں میں سے ہیں جو تقسیم ہو سکتی ہیں تو یہ فاسد ہوگا ورنہ یہ صحیح ہوگا اور اسی میں شفعہ جاری ہوگا۔ یہ وہ قیاس ہے جو کتاب الھبہ میں گزر چکا ہے۔

''غایۃ البیان'' میں ہے: ہمارے اصحاب نے کہا: جب ایک آدمی نے نصف گھر عوض کے ساتھ ہبہ کیا اس میں کوئی شفعہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایسی مشترک چیز جو تقسیم ہو سکتی ہو اس کا ہبہ جائز نہیں

31777۔ (قولہ: وَقْتَ التَّقَابُضِ) یعنی جس وقت جانبین سے قبضہ کر لیا جائے۔ اگر دو عوضوں میں سے ایک پر قبضہ کر لیا جائے تو کوئی شفعہ نہ ہوگا۔ ''اتقانی''۔ اگر دوسرے کے قبضہ کرنے سے پہلے اس نے شفعہ چھوڑ دیا تو یہ باطل ہوگا جس طرح شارح عنقریب اسے ''مبسوط'' سے ذکر کریں گے۔ اس کی مثل ''جوہرہ'' میں ''المستصفی'' سے مروی ہے۔

وَوَقْتَ الْإِجَازَةِ عِنْدَ الثَّالِثِ، وَبِخِيَارِ مُشْتَرٍ وَقْتَ الْبَيْعِ اتِّفَاقًا مُجْتَبَى (مَنْ لَمْ يَرَ الشُّفْعَةَ بِالْجِوَارِ) كَالشَّافِعِيِّ مَثَلًا (طَلَبَهَا عِنْدَ حَاكِمٍ يَرَاهُ يَقُولُ لَهُ هَلْ تَعْتَقِدُ وُجُوبَهَا؟ إنْ قَالَ نَعَمْ) أَعْتَقِدُ ذَلِكَ (حَكَمَ بِهَا لَهُ وَإِلَّا) يَقُلْهُ (لَا) يَحْكُمُ مُنْيَةٌ وَبَزَّازِيَّةٌ فُرُوعٌ أَخَّرَ الشَّفِيعُ إيجَابَ الطَّلَبِ

اور امام ''محمد'' رطیٹھلیہ کے نزدیک اجازت کے وقت ہے۔ اور مشتری کے اختیار کی صورت میں بالاتفاق بیع کے وقت ہے۔ ''مجتبیٰ''۔ جو آدمی جوار کی وجہ سے شفعہ کی رائے نہ رکھتا ہو جیسے مثلاً شافعی ہو وہ ایسے حاکم کے پاس شفعہ کا مطالبہ کرے جو جوار کی وجہ سے شفعہ کی رائے رکھتا ہے حاکم اسے کہے گا: کیا تو شفعہ کے وجوب کا اعتقاد رکھتا ہے۔ اگر وہ کہے: ہاں میں اس کا اعتقاد رکھتا ہوں تو شفعہ کا اس کے حق میں فیصلہ کر دے گا۔ اگر وہ ایسا نہ کہے تو وہ شفعہ کا فیصلہ نہ کرے گا۔ ''منیہ''، ''بزازیہ''۔ فروع: شفیع طلب کے ایجاب کو موخر کرے۔

''النہایہ'' میں کہا ہے: ہمارے نزدیک قبضہ ضروری ہے امام ''زفر'' نے اس سے اختلاف کیا ہے تو جب تک دونوں قبضہ میں نہ کرلیں کوئی شفعہ نہیں ہوگا۔ امام ''زفر'' کے قول کے مطابق دونوں جانب سے قبضہ کرنے سے پہلے شفعہ ثابت ہو جاتا ہے۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ عوض کی شرط کے ساتھ ہبہ امام زفر کے نزدیک ابتدا اور انتہا کے اعتبار سے بیع ہے۔ ہمارے نزدیک ابتداءً یہ نیکی ہے اور جب جانبین سے اس پر قبضہ ہو جائے تو یہ بیع کے قائم مقام ہے۔ ''مبسوط'' میں اسی طرح ہے۔

''قہستانی'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: ظاہر روایت دونوں جانب سے قبضہ کے وقت طلب کا اعتبار کیا جائے گا۔ ''سائحانی'' کا ''مقدسی'' سے یہ قول مروی ہے: ایک روایت میں وقت العقد ہے یہ صحیح اور مشکل ہے۔ کیونکہ یہ امام ''زفر'' کے قول پر مبنی ہے۔ ''ہدایہ'' وغیرہا کے شارحین میں سے میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس کی تصحیح کی ہو۔ ''فتامل''

31778۔ (قوله: وَقْتَ الْإِجَازَةِ عِنْدَ الثَّالِثِ) یہی قول صحیح ہے جس طرح شارح آنے والے باب میں اس کا ذکر کریں گے۔ اس میں بحث و اعتراض ہے جسے عنقریب آپ پہچان لیں گے۔

31779۔ (قوله: يَقُولُ لَهُ الخ) ''بزازیہ'' میں کہا: کتب میں یہ ذکر نہیں کہ جو جواز کی وجہ سے شفعہ کی رائے رکھتا ہو جب وہ ایسے حاکم کے پاس اس کا مطالبہ کرے جو اس کی رائے رکھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اپنے دعویٰ کے بطلان کا دعویٰ کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ حاکم اس کی رائے رکھتا ہے۔ ایک قول کیا گیا ہے: حاکم اسے کہے گا الخ۔ ''حلوانی'' نے کہا: یہ اقوال میں سے سب سے اچھا ہے۔

31780۔ (قوله: وَإِلَّا يَقُلْهُ) ''بزازیہ'' کی عبارت ہے: اگر وہ کہے نہیں تو وہ فیصلہ نہیں کرے گا۔ ''تامل''

31781۔ (قوله: إيجَابَ الطَّلَبِ) یعنی قاضی کے ہاں اس طلب کو ثابت کرنا۔ کیونکہ قاضی کے نزدیک اس کو طلب کرنا جو تیسری طلب ہے۔ یہ طلب مواثبہ اور طلب تقریر کو متضمن ہے۔ پس ایجاب کا لفظ اپنے محل میں ہے فافہم۔ یہ امام ''محمد'' رطیٹھلیہ کے مفتی بہ قول پر مبنی ہے۔ اگر وہ ایک ماہ تک عذر کے بغیر اسے موخر کرے تو شفعہ باطل ہو جائے گا جس طرح گزر چکا ہے۔

لِكَوْنِ الْقَاضِي لَا يَرَاهَا فَهُوَ مَعْذُورٌ، وَكَذَا لَوْ طَلَبَ مِنَ الْقَاضِي إِحْضَارَهُ فَامْتَنَعَ بِخِلَافِ سَبْتِ الْيَهُودِيِّ كَمَا يَأْتِي شَرَى أَرْضًا بِمِائَةٍ فَرَفَعَ تُرَابَهَا وَبَاعَهُ بِمِائَةٍ ثُمَّ أَخَذَهَا الشَّفِيعُ بِالشُّفْعَةِ أَخَذَهَا بِخَمْسِينَ لِأَنَّ ثَمَنَهَا يُقَسَّمُ عَلَى قِيمَةِ الْأَرْضِ يَوْمَ الشِّرَاءِ قَبْلَ رَفْعِ التُّرَابِ وَعَلَى قِيمَةِ التُّرَابِ الَّذِي بَاعَهُ وَهُمَا سَوَاءٌ، وَلَوْ كَبَسَهَا كَمَا كَانَتْ فَالْجَوَابُ لَا يَتَفَاوَتُ وَيُقَالُ لِلْمُشْتَرِي ارْفَعْ مَا كَبَسْتَ فِيهَا فَهُوَ مِلْكُكَ حَاوِي الزَّاهِدِيِّ وَفِيهِ شَرَى دَارًا إِلَى الْحَصَادِ فَلَيْسَ لِلشَّفِيعِ أَنْ يُعَجِّلَ الثَّمَنَ وَيَأْخُذَهَا بِالشُّفْعَةِ

کیونکہ قاضی شفعہ کی رائے نہیں رکھتا تو وہ معذور ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ قاضی سے مشتری حاضر کرنے کا مطالبہ کرے تو قاضی ایسا کرنے سے رک جائے۔ یہودی کے سبت کا معاملہ مختلف ہے جس طرح آگے آئے گا۔ اس نے سو کے بدلے میں زمین خریدی تو اس نے اس کی مٹی اٹھائی اور سو سے بیچ دی پھر شفیع نے وہ زمین شفعہ کے ساتھ لے لی تو وہ اسے پچاس سے لے گا۔ کیونکہ اس کی ثمن کو زمین کی قیمت پر تقسیم کیا جائے گا جو زمین کی قیمت مٹی اٹھانے سے پہلے تھی اور اسے مٹی کی اس قیمت پر تقسیم کیا جائے گا جو اس نے بیچی ہے جبکہ وہ دونوں برابر ہیں اگر اس نے اسے بھر دیا جس طرح وہ زمین پہلے تھی تو جواب متفاوت نہیں ہوگا اور مشتری سے کہا جائے گا تو نے اس میں جو مٹی ڈالی ہے وہ اٹھا لے وہ تیری ملکیت ہے۔ ''حاوی الزاہدی''۔ اس میں ہے: اس نے گھر خریدا فصل کاشت کرنے کے وقت تک تو شفیع کو حق حاصل نہیں کہ وہ ثمن فوراً ادا کرے اور شفعہ کے ساتھ اسے لے لے۔

31782۔ (قولہ: فَامْتَنَعَ) یعنی قاضی ایسا کرنے سے رک جائے یا جس پر شفعہ واجب ہو وہ اس سے رک جائے۔ ''ابو سعود'' نے اسے بیان کیا ہے۔

31783۔ (قولہ: بِخِلَافِ سَبْتِ الْيَهُودِيِّ) کیونکہ قاضی اسے حاضر کرے گا اگرچہ ہفتہ کا دن ہو۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب شفعہ اس پر واجب ہوا گر اس کے حق میں ثابت ہو تو معنی ہوگا وہ قاضی سے مطالبہ کرے گا اگرچہ ہفتہ کا دن ہو یہ امر ظاہر ہوتا ہے جب ہفتہ کا دن مہینہ کا آخر ہو۔ کیونکہ مہینہ سے پہلے طلب کو موخر کرنا اسے بالاتفاق باطل نہیں کریگا مگر جب مراد طلب مواثبہ اور طلب تقریر ہو۔ ''تامل'' سبت کی مثل نصرانی کے لئے اتوار ہے جس طرح ''حموی'' نے بیان کیا ہے۔

31784۔ (قولہ: كَمَا يَأْتِي) کتاب الشفعہ کے آخر میں فروع میں آئے گا۔

31785۔ (قولہ: أَخَذَهَا بِخَمْسِينَ) ''الخانیہ'' میں اسے ''ابن فضل'' کی طرف منسوب کیا ہے پھر اس کے بعد کہا: قاضی ''سعدی'' نے کہا: شفیع سے نصف ثمن ساقط نہ کی جائے گی اس سے نقصان کا حصہ ساقط کیا جائے گا۔ ''خانیہ'' کا پہلے قول مقدم کرنا یہ اس پر ان کا اعتماد ہے جس طرح ان کی عادت ہے۔

31786۔ (قولہ: لِأَنَّ ثَمَنَهَا الخ) تعلیل کا ظاہر یہ ہے کہ دونوں کی قیمت عقد کے وقت برابر ہے اگر مختلف ہو تو پچاس کے بدلے لینا متعین نہ ہوگا بلکہ ثمن اس کے حساب سے تقسیم کی جائے گا۔ تامل۔

لِأَنَّهُ مَلَكَهَا بِبَيْعٍ فَاسِدٍ قُلْت وَسَيَجِيءُ أَنَّهُ لَا شُفْعَةَ فِيمَا بِيعَ فَاسِدًا وَلَوْ بَعْدَ الْقَبْضِ لِاحْتِمَالِ الْفَسْخِ، نَعَمْ إذَا سَقَطَ الْفَسْخُ بِبِنَاءٍ وَنَحْوِهِ وَجَبَتْ وَفِي الْمَبْسُوطِ الْهِبَةُ بِشَرْطِ الْعِوَضِ إنَّمَا تُثْبِتُ الْمِلْكَ لِلْمَوْهُوبِ لَهُ إذَا قَبَضَ الْكُلَّ، فَلَوْ وَهَبَ دَارًا عَلَى عِوَضِ أَلْفِ دِرْهَمٍ فَقَبَضَ أَحَدَ الْعِوَضَيْنِ دُونَ الْآخَرِ ثُمَّ سَلَّمَ الشَّفِيعُ الشُّفْعَةَ فَهُوَ بَاطِلٌ حَتَّى إذَا قَبَضَ الْعِوَضَ الْآخَرَ كَانَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ الدَّارَ بِالشُّفْعَةِ

کیونکہ وہ بیع فاسد کے ساتھ اس کا مالک ہوا ہے۔ میں کہتا ہوں: عنقریب یہ آئے گا کہ جسے بیع فاسد کی صوت میں بیچا گیا ہے اس میں کوئی شفعہ نہیں اگرچہ قبضہ کے بعد ہو۔ کیونکہ فسخ کا احتمال موجود ہے۔ ہاں جب عمارت تعمیر کرنے سے یا کسی اور صورت سے فسخ ساقط ہو جائے تو شفعہ واجب ہو گا۔ ''المبسوط'' میں ہے: ہبہ عوض کی شرط کے ساتھ ہو جب موہوب لہ کل پر قبضہ کر لے گا تو اس کے لئے ملکیت ثابت ہو جائے گی۔ اگر وہ ہزار کے عوض پر گھر ہبہ کرے تو دونوں عوضوں میں سے ایک عوض پر قبضہ کر لیا گیا دوسرے پر قبضہ نہ کیا گیا پھر شفیع نے شفعہ چھوڑ دیا تو چھوڑنا باطل ہو گیا یہاں تک کہ دوسرے عوض پر قبضہ کر لیا گیا تو اسے حق حاصل ہو گا کہ وہ شفعہ کے ساتھ لے لے۔

31787_(قولہ: إِذَا قَبَضَ الْكُلَّ) یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی دونوں بدلوں میں سے ہر ایک پر قبضہ کر لیا جائے یا معروف کا صیغہ ہو گا یعنی دونوں متبادلوں میں سے ہر ایک قبضہ کر لے۔

31788_(قولہ: فَهُوَ) ضمیر سے مراد تسلیم ہے۔

31789_(قولہ: كَانَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ الدَّارَ الشُّفْعَةَ) کیونکہ یہ معاوضہ کے انعقاد کا وقت ہے۔ اسی وجہ سے مصنف نے تقابض سے تعبیر کیا ہے جو دونوں سے قبضہ کے حصول پر دال ہے اس قول میں: وفی هبة بعوض وقت التقابض۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ مَا تَثْبُتُ هِيَ فِيهِ أَوْ لَا تَثْبُتُ

(لَا تَثْبُتُ قَصْدًا إِلَّا فِي عَقَارٍ مُلِّكَ بِعِوَضٍ) خَرَجَ الْهِبَةُ (هُوَ مَالٌ) خَرَجَ الْمَهْرُ (وَإِنْ لَمْ يَكُنْ (يُقَسَّمُ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ (كَرَحًى) أَيْ بَيْتِ الرَّحَى مَعَ الرَّحَى نِهَايَةٌ (وَحَمَّامٍ وَبِئْرٍ وَنَهْرٍ (وَبَيْتٍ صَغِيرٍ) لَا يُمْكِنُ قَسْمُهُ

ان چیزوں کا بیان جن میں شفعہ واجب ہوتا ہے یا نہیں

شفعہ قصداً ثابت نہیں ہوتا مگر ایسی عقار میں جو عوض کے بدلے مملوک ہو ایسے عوض کے ساتھ جو مال ہو عوض کی قید سے ہبہ خارج ہو گیا اور مال کی قید سے مہر خارج ہو گیا۔ اگرچہ اسے تقسیم نہ کیا جا سکتا ہو۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے جیسے چکی کے ساتھ چکی والا کمرہ ''نہایہ''۔ حمام، کنواں یا نہر اور چھوٹا گھر جس کی تقسیم ممکن نہ ہو شفعہ ثابت نہیں ہوتا۔

31790۔ (قولہ: لَا تَثْبُتُ قَصْدًا الخ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ یہ عقار کے علاوہ میں ثابت ہوتا ہے یہ عقار کسی تبع میں ثابت ہوتا ہے جیسے عمارت کے درخت اور پھل جیسا گزر چکا ہے۔ اسی طرح کھیتی کے آلات میں زمین کی تبع میں ان میں شفعہ ثابت ہوگا جس طرح ہم نے اسے ''شرح المجمع'' سے بیان کیا ہے۔

31791۔ (قولہ: مُلِّكَ) یہ لفظ لام کی تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے یہ عقار کی صفت ہے۔ اس کا محترز عنقریب آئے گا یہ وہ چیز ہوتی ہے جسے بائع وغیرہ کے خیار کے ساتھ بیچا جائے۔

31792۔ (قولہ: خَرَجَ الْهِبَةُ) یعنی ایسا ہبہ جس میں عوض شرط نہیں ہوتا یہ ایسے محترزات ہیں جسے مصنف بعد میں لائے ہیں پس اولیٰ یہ ہے کہ ان کو حذف کیا جائے۔ ''ط''۔

31793۔ (قولہ: وَإِنْ لَمْ يَكُنْ يُقَسَّمُ) لفظ یکن کو داخل کیا تا کہ اس امر کا فائدہ دے کہ مراد وہ ہے جو ان میں سے نہیں ہے جو تقسیم کے وصف کو قبول کرے یعنی جو تقسیم کو قبول کرے مراد تقسیم کی نفی نہیں جو اس سے عام ہے کہ وہ اسے قبول کرے یا قبول نہ کرے۔ ''تامل''

31794۔ (قولہ: خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ) کیونکہ ان کے ہاں قاعدہ یہ ہے شفعہ کے ساتھ لینا تقسیم کی مؤنت کے ضرر کو دور کرنے کے لئے ہے۔ اور جو تقسیم کا احتمال نہ رکھے اس میں یہ متحقق نہ ہوگا۔ ہمارے نزدیک ہمیشہ کے لئے برے پڑوسی سے جو اذیت کا ضرر لاحق ہوتا ہے اس کو دور کرنے کے لئے ہے۔ ''کفایہ''۔

حمام، کنواں، نہر اور ایسا چھوٹا گھر جس کی تقسیم ممکن نہ ہو میں شفعہ ثابت نہیں ہوتا

31795۔ (قولہ: وَحَمَّامٍ) شفیع اس کے حساب سے لے گا۔ کیونکہ حمام بنا میں سے ہے قصاع (پانی جو استعمال کیا جائے) میں سے نہیں ہے کیونکہ وہ عمارت کے ساتھ متصل نہیں ہوتا۔ ''نہایہ''۔ ''طوری'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: چکی میں

(لَا فِي عَرْضٍ) بِالسُّكُونِ مَا لَيْسَ بِعَقَارٍ فَيَكُونُ مَا بَعْدَهُ مِنْ عَطْفِ الْخَاصِّ عَلَى الْعَامِّ (وَفُلْكٍ) خِلَافًا لِمَالِكٍ (وَبِنَاءٍ وَنَخْلٍ) إذَا (بِيعَا قَصْدًا) وَلَوْ مَعَ حَقِّ الْقَرَارِ خِلَافًا لِمَا فَهِمَهُ ابْنُ الْكَمَالِ لِمُخَالَفَتِهِ الْمَنْقُولَ كَمَا أَفَادَهُ شَيْخُنَا الرَّمْلِيُّ (وَلَا فِي (إرْثٍ وَصَدَقَةٍ وَهِبَةٍ لَا بِعِوَضٍ) مَشْرُوطٍ

عرض (سامان) میں عرض کالفظ را کے سکون کے ساتھ ہے جو جائیداد نہ ہو۔ پس اس کا مابعد خاص کے عام پر عطف کے قبیل سے ہے اور کشتی میں شفعہ نہیں ہوگا۔ امام ''مالک'' نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ عمارت اور کھجور کے درخت میں شفعہ نہیں جب دونوں کو قصداً بیچا گیا ہو اگر ثابت رہنے کے حق کے ساتھ ہو۔ ''ابن کمال'' نے جو سمجھا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ منقول کے خلاف ہے جس طرح ہمارے شیخ ''رملی'' نے اسے بیان کیا ہے۔ وراثت، صدقہ اور ہبہ میں شفعہ ثابت نہیں نہ کہ ایسا ہبہ جو مشروط عوض کے ساتھ ہو۔

نیچے والا پتھر داخل ہوتا ہے اوپر والا داخل نہیں ہوتا کیونکہ وہ زمین پر پڑا ہوتا ہے یعنی زمین سے متعلق ہوتا ہے۔

31796۔(قولہ: بِالسُّكُونِ) یعنی را کے سکون کے ساتھ۔

مغرب میں ہے۔ عرض دو فتحوں کے ساتھ ہے اس کی جمع عروض آتی ہے یعنی دنیا کا سامان۔

31797۔(قولہ: مَا لَيْسَ بِعَقَارٍ) یہاں جو مراد ہے اس کی تفسیر ہے۔ ''صحاح'' میں کہا: عرض را کے سکون کے ساتھ ہے سامان پس دراہم اور دنانیر کے سوا ہر شے عرض ہے۔ ''ابوعبیدہ'' نے کہا: عروض سے مراد سامان ہے جس میں کیل اور وزن داخل نہیں ہوتا اور یہ حیوان اور جاگیر نہ ہو۔

31798۔(قولہ: إِذَا بِيعَا قَصْدًا) یعنی جب ان دونوں کو قصدی بیع کے ساتھ بیع کیا گیا ہو۔ پس عقار کی تبع میں ان دونوں میں شفعہ ثابت ہوگا اگر اس نے کھجور کا درخت خریدا اس کی زمین کے ساتھ اسے خریدا تو اس میں زمین کی تبع میں شفعہ ہوگا جب وہ اسے خریدے تا کہ اسے اکھیڑے تو اس میں شفعہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ منقولہ ہے جس طرح عمارت اور کھیتی میں ہے۔ جس طرح ''المحیط'' میں ہے۔ ''قہستانی''۔

31799۔(قولہ: وَلَوْ مَعَ حَقِّ الْقَرَارِ) ہم اس بارے میں ایسی گفتگو کر چکے ہیں جس سے مزید کی گنجائش نہیں۔

وراثت، صدقہ اور ہبہ میں شفعہ ثابت نہیں

31800۔(قولہ: وَلَا فِي إرْثٍ) ارث معروث کے معنی میں ہے، ''درر''۔ کیونکہ وارث میت کی ملک کے حکم پر مالک ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بائع پر عیب کی وجہ سے اسے رد کر دیا جاتا ہے گویا میت کی ملکیت زائل نہیں ہوتی ''اتقانی''۔ یہ بھی ان کے قول ملک کا محترز ہے۔ تامل۔

31801۔(قولہ: وَصَدَقَةٍ وَهِبَةٍ الخ) کیونکہ یہ مال سے معاوضہ نہیں پس یہ وراثت کی طرح ہیں۔ ''منح''۔

31802۔(قولہ: لَا بِعِوَضٍ مَشْرُوطٍ) ہم نے اس کا فائدہ پہلے بیان کر دیا ہے۔

(وَدَارٌ قُسِمَتْ) أَوْ جُعِلَتْ أُجْرَةً أَوْ بَدَلَ خُلْعٍ أَوْ عِتْقٍ أَوْ صُلْحٍ عَنْ دَمِ عَمْدٍ أَوْ مَهْرٍ (وَإِنْ قُوبِلَ بِبَعْضِهَا) أَيِ الدَّارِ (مَالٌ) لِأَنَّ مَعْنَى الْبَيْعِ تَابِعٌ فِيهِ، وَأَوْجَبَاهَا فِي حِصَّةِ الْمَالِ (أَوْ) دَارٍ

اور ایسا گھر جو تقسیم کیا گیا ہو یا جب اجرت، بدل خلع، بدل عتق، دم عمد کی صلح یا مہر بنایا گیا ہو اگرچہ بعض گھر کے بدلے میں مال رکھا گیا ہو۔ کیونکہ بیع کا معنی اس میں تابع ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے مال کے حصہ میں شفعہ کو ثابت کیا ہے یا نہ ایسے گھر میں

31803۔ (قولہ: وَدَارٌ قُسِمَتْ) یعنی ایسا گھر ہے جسے شرکاء میں تقسیم کر دیا گیا کیونکہ اس میں تقسیم الگ کرنے کے معنی میں ہے۔ اسی وجہ سے اس میں جبر جاری ہوتا ہے اور شفعہ مبادلہ مطلقہ میں جاری نہیں ہوتا۔ ''منح''۔

31804۔ (قولہ: أَوْ جُعِلَتْ أُجْرَةً الخ) کیونکہ یہ خلاف قیاس آثار کی وجہ سے ثابت ہوئی ایسے مال کے مطلق مال کے بدلے میں ہے پس اسی پر اکتفا کیا جائے گا۔ ''منح''۔

31805۔ (قولہ: أَوْ صُلْحٍ عَنْ دَمِ عَمْدٍ) اس کے ساتھ تو شفعہ واجب ہوگا اگر وہ دو جنایتوں جو ایک عمد اور ایک خطا ہے کے بدلے میں ہو تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کوئی صلح نہیں۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک شفعہ واجب ہوگا۔ اس بدل میں جو خطا کے ساتھ خاص ہے۔ ''طوری''۔

ایک آدمی نے ایک انسان پر حق دعویٰ کیا تو اس انسان نے اس سے ایک گھر پر صلح کر لی تو شفیع کو حق حاصل ہوگا کہ اسے لے لے خواہ یہ صلح اقرار، انکار یا سکوت کی صورت میں ہو اگر مدعی علیہ نے اقرار کیا تھا تو شفعہ ثابت ہوگا۔ کیونکہ اس نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ اس کا مالک عوض کے ساتھ ہوا تھا اگر انکار کی صورت میں ہو تو شفعہ ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کا گمان یہ ہوتا ہے کہ وہ ابھی اس کی ملک میں ہے یا صلح سکوت سے ہو۔ کیونکہ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اپنی قسم کا فدیہ دینے والا ہے جس طرح ''درر البحار'' میں ہے۔

31806۔ (قولہ: أَوْ مَهْرٍ) صحیح او مہر انصب کے ساتھ ہے جس طرح ''غرر'' میں ہے۔ اس کا عطف اجرۃ پر ہے۔ کیونکہ اگر اسے عقد کے وقت مہر مثل یا مہر مسمی کا بدل بنایا جائے تو اس میں شفعہ ثابت ہوگا۔ کیونکہ یہ مال کا مال کے بدلے میں معاوضہ ہے۔ کیونکہ یہ اس کا بدل ہے جو اس کے ذمہ میں مہر ہے جس طرح ''التبیین'' وغیرہ میں ہے۔

31807۔ (قولہ: وَإِنْ قُوبِلَ بِبَعْضِهَا مَالٌ) اس کی صورت یہ ہے کہ ایک مرد نے کسی عورت سے گھر پر شادی کی اس شرط پر کہ وہ اسے ہزار درہم لوٹا دے گا تو اس میں سے کسی شے میں شفعہ نہیں ہوگا۔ ''منح''۔

31808۔ (قولہ: لِأَنَّ مَعْنَى الْبَيْعِ تَابِعٌ فِيهِ) یعنی اس عقد میں بیع کا معنی تابع ہے اگرچہ یہ نکاح اور بیع پر مشتمل ہے لیکن اس سے مقصود نکاح ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ لفظ نکاح کے ساتھ منعقد ہوتا ہے پس اصل میں کوئی شفعہ نہیں تو تبع میں شفعہ نہیں۔

(بِيعَتْ بِخِيَارِ الْبَائِعِ وَلَمْ يَسْقُطْ خِيَارُهُ، فَإِنْ سَقَطَ وَجَبَتْ إِنْ طَلَبَ عِنْدَ سُقُوطِ الْخِيَارِ) فِي الصَّحِيحِ، وَقِيلَ عِنْدَ الْبَيْعِ وَصُحِّحَ

جسے بائع کے خیار کے ساتھ بیچا گیا ہو اور اس کا خیار ساقط نہ ہوا گر خیار ساقط ہو جائے تو شفعہ ثابت ہو جائے گا اگر خیار کے سقوط کے وقت وہ شفعہ طلب کرے۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بیع کے وقت شفعہ ثابت ہوگا اور اس کی تصحیح کی گئی ہو۔

ایسا گھر جسے بائع کے خیار کے ساتھ بیچا گیا ہو اور اس کا خیار ساقط نہ ہو تو شفعہ نہیں ہوگا

31809۔ (قولہ: بِيعَتْ بِخِيَارِ الْبَائِعِ) اسی طرح کا حکم ہوگا اگر دونوں کو خیار حاصل ہو۔ کیونکہ مبیع اس کی ملک میں نہیں نکلا۔ مشتری کے خیار کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ حکم اس گھر میں ہے جس میں خیار ہوا گر کوئی گھر اس کے پہلو میں بیچا گیا اور خیار ان دونوں میں سے ایک کو ہو تو اسے شفعہ کا حق حاصل ہوگا۔ اگر خیار بائع کو ہو تو ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ اس گھر کو اپنی ملکیت میں باقی رکھنا چاہتا ہے۔ اسی طرح مشتری کا معاملہ ہے۔ اور یہ شفعہ اجازت ہوگی۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ اسے خریدے اور اس نے اسے نہ دیکھا ہو تو جو گھر اس کے پہلو میں بیچا گیا ہے اس کے لینے سے اس کا خیار باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ خیار رؤیت صریح ابطال ہے۔ باطل نہیں ہوتا تو اس کی دلالت سے کیسے باطل ہو جائے گا؟ پھر جب پہلے کا شفعہ آئے گا تو اسے لینے کا حق ہو گا دوسرے کے شفیع کو حق حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ پہلے میں اس کی ملکیت معدوم ہے جب دوسرے کو بیچا گیا تھا۔ ''عنایہ'' ملخص

31810۔ (قولہ: فِي الصَّحِيحِ) ''ہدایہ'' میں اسی طرح ہے جبکہ اس کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ بیع اس وقت ملکیت کے زوال کا سبب ہو جائے گی۔ اس کی مثل ''جوہرہ''، ''درر'' اور ''منح'' میں ہے۔ ''ہدایہ'' کے شارحین نے اسے ثابت رکھا ہے۔ ''عنایہ'' اور ''معراج الدرایہ'' میں کہا ہے: ان کا قول فی الصحیح یہ بعض مشائخ کے اس قول سے احتراز ہے بیع کے پائے جانے کے وقت طلب شرط ہے کیونکہ یہ سبب ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''الظہیریہ'' نے کہا: بیع کے وقت طلب اور گواہ بنانا شرط ہے یہاں تک کہ اگر وہ شفعہ طلب نہ کرے اور بیع پر گواہ نہ بنائے پھر اجازت کے ساتھ بیع جائز ہو جائے یا خیار کی مدت گزرنے کے ساتھ بیع جائز ہو جائے تو ظاہر روایت میں اس کے لئے کوئی شفعہ نہیں۔

بعض علما نے کہا ہے: بیع کے جواز کے وقت یہ شرط ہے جبکہ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے۔ اس کی مثل ہے: گھر جب بیچا گیا اور اس کا ایک پڑوسی ہے اور شریک ہے تو شفعہ شریک کا حق ہے پڑوسی کا حق نہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ بیع کے وقت پڑوسی کی جانب سے طلب شرط ہے۔ فضولی کی بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں طلب اس وقت لازم ہے جب مالک اجازت دے فرق یہ ہے کہ خیار کی صورت میں بیع عقد تام ہوتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ کسی کی اجازت کے بغیر عمل کرتا ہے فضولی کا عقد اس طرح نہیں ہوتا۔ فلیتامل۔

(أَوْ بِيعَتْ) الدَّارُ بَيْعًا (فَاسِدًا وَلَمْ يَسْقُطْ فَسْخُهُ فَإِنْ سَقَطَ) حَقُّ فَسْخِهِ كَأَنْ بَنَى الْمُشْتَرِي فِيهَا (تَثْبُتُ) الشُّفْعَةُ كَمَا مَرَّ (أَوْ رَدَّ بِخِيَارِ رُؤْيَةٍ أَوْ شَرْطٍ أَوْ عَيْبٍ بِقَضَاءٍ) مُتَعَلِّقٌ بِالْأَخِيرِ فَقَطْ خِلَافًا لِمَا زَعَمَهُ الْمُصَنِّفُ تَبَعًا لِلدُّرَرِ

یا گھر کو بیع فاسد کے ساتھ بیچا گیا اور اس کا فسخ ساقط نہ ہوا اگر اس کے فسخ کا حق ساقط ہو گیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری اس میں کوئی شے تعمیر کرے شفعہ ثابت ہوگا جس طرح یہ گزر چکا ہے یا خیار رؤیت، خیار شرط یا خیار عیب کی وجہ سے قاضی کے فیصلہ سے اس سے رد کیا جائے۔ یہ قاضی کی قضا صرف آخری سے متعلق ہے مصنف نے ''الدرر'' کی پیروی میں جو گمان کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے،

''قہستانی'' میں ہے: جب خیار ساقط ہو جائے گا تب شفعہ کی طلب کی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بیع کے وقت طلب کی جائے گی۔ پہلا قول اصح ہے جس طرح ''کافی'' میں ہے اور دوسرا صحیح ہے۔ جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت مقلوب ہے۔ کیونکہ ''ہدایہ'' میں جس کی تصحیح کی گئی ہے وہ پہلا قول ہے۔ پس دونوں قولوں میں سے ہر ایک قول کی تصحیح ظاہر ہوتی ہے لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ دوسرا قول ظاہر روایت ہے تو اس سے عدول نہیں کیا جائے گا۔

31811۔ (قولہ: أَوْ بِيعَتْ الدَّارُ بَيْعًا فَاسِدًا) یعنی اس میں بھی شفعہ نہیں ہے۔ جہاں تک قبضہ سے پہلے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بائع کی ملکیت زائل نہیں ہوتی۔ جہاں تک اس کے بعد کا تعلق ہے تو اس میں فسخ کا احتمال ہے اور شفعہ کا اثبات اس فساد کو پختہ کرنا ہے۔ پس یہ جائز نہیں ہوگا ''جوہرہ''۔ کلام میں اس طرف اشارہ ہے کہ فساد ابتداءً واقع ہو جائے گا۔ کیونکہ فساد جب اس کے صحیح منعقد ہونے کے بعد ہو تو شفعہ کا حق اپنی حالت پر باقی رہے گا۔ کیونکہ نصرانی اگر نصرانی سے شراب کے بدلے میں گھر خریدے گا پس دونوں باہم قبضہ نہ کریں یہاں تک کہ دونوں اسلام قبول کریں یا دونوں میں سے ایک اسلام قبول کرے یا گھر پر قبضہ کرے اور شراب پر قبضہ نہ کرے تو یہ بیع کو فاسد کر دیتا ہے اور شفعہ کا حق باقی رہے گا۔ کیونکہ اس کا فساد اس کے صحیح واقع ہونے کے بعد ہوا ہے۔ ''عنایہ''۔

31812۔ (قولہ: كَأَنْ بَنَى الْمُشْتَرِي فِيهَا) یا بیع وغیرہ کے ساتھ اسے اپنی ملک سے نکال لیا اگر اس نے اسے بیچا تو شفیع کو حق حاصل ہے کہ اسے دوسری بیع کی وجہ سے اس کی ثمن کے ساتھ لے لے یا پہلی بیع کی وجہ سے قیمت کے ساتھ لے لے۔ کیونکہ یہ قیمت اس میں ثابت ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''التبیین'' میں ہے۔

31813۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی باب سے تھوڑا پہلے گزرا ہے۔

31814۔ (قولہ: خِلَافًا لِمَا زَعَمَهُ الْمُصَنِّفُ الخ) کیونکہ انہوں نے اسے لوٹانے کے ساتھ معلق کیا ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں کہا: خیار رویت یا خیار شرط کے ساتھ لوٹانے میں خطا ہے۔ کیونکہ عیب کی وجہ سے لوٹانے میں قضا یہ اس امر میں شرط نہیں کہ شفعہ کے ساتھ لینا مطلقاً باطل ہے بلکہ اس میں شرط ہے جس میں بیع پر قبضہ کیا جا چکا ہو۔ کیونکہ قبضہ سے پہلے یہ

(بَعْدَمَا سُلِّمَتْ) أَيْ إِذَا بِيعَ وَسُلِّمَتْ الشُّفْعَةُ ثُمَّ رَدَّ الْمَبِيعَ بِخِيَارِ رُؤْيَةٍ أَوْ شَرْطٍ كَيْفَمَا كَانَ أَوْ بِعَيْبٍ بِقَضَاءٍ فَلَا شُفْعَةَ لِأَنَّهُ فَسْخٌ لَا بَيْعٌ (بِخِلَافِ الرَّدِّ) بِعَيْبٍ بَعْدَ الْقَبْضِ (بِلَا قَضَاءٍ أَوْ بِإِقَالَةٍ) فَإِنَّ لَهُ الشُّفْعَةَ، لِأَنَّ الرَّدَّ بِعَيْبٍ بِلَا قَضَاءٍ وَالْإِقَالَةَ

اس کے بعد کہ شفعہ چھوڑ دیا گیا تھا یعنی جب بیع ہوئی اور شفعہ چھوڑ دیا گیا پھر مبیع خیار رویت یا خیار شرط کے ساتھ واپس کیا گیا کوئی بھی صورت ہو یا قاضی کے فیصلہ کے ساتھ خیار عیب کی صورت میں واپس کیا گیا تو کوئی شفعہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ عقد کا فسخ ہے یہ بیع نہیں۔ عیب کی وجہ سے قبضہ کے بعد قاضی کے فیصلہ کے بغیر یا اقالہ کے ساتھ لوٹانے کا معاملہ مختلف ہے۔ بے شک اسے شفعہ کا حق ہوگا۔ کیونکہ قاضی کے فیصلہ کے بغیر عیب کی وجہ سے واپس کرنا اور اقالہ کی وجہ سے واپس کرنا

اصل سے ہی فسخ ہے جس طرح ''کافی'' وغیرہ میں ہے اور قبضہ کے بعد وہ اقالہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی قضا موجود نہیں۔ یہ تیسرے آدمی کے حق میں بیع جدید ہے اور تیسرا آدمی شفیع ہے پس اسے شفعہ کا حق ہوگا۔

''الذخیرہ'' میں کہا ہے: جب شفیع نے شفعہ چھوڑ دیا پھر مشتری نے گھر بائع پر لوٹا دیا اگر رد کسی سبب سے ہو تو وہ ہر اعتبار سے فسخ ہوتا ہے جس طرح خیار رؤیت، خیار شرط یا خیار عیب جو قبضہ لے پہلے لوٹانا خواہ قاضی کے فیصلہ کے ساتھ ہو یا یہ فیصلہ کے بغیر ہو اور قبضہ کے بعد قاضی کے فیصلہ سے ہو تو شفیع کے حق میں شفعہ کا حق متجدد نہیں ہوتا اگر لوٹانا ایسے سبب سے ہو جو تیسرے آدمی کے حق میں بیع جدید ہو جیسے عیب کی وجہ سے لوٹانا قبضہ کے بعد قاضی کے فیصلہ کے بغیر ہو اور حکم اقالہ کی وجہ سے اسے لوٹایا جائے تو شفیع کے لئے شفعہ متجدد ہوگا۔

31815۔(قولہ: بَعْدَمَا سُلِّمَتْ) اگر شفعہ چھوڑ دینے سے پہلے ہو تو شفعہ ہر فسخ اور فسخ کے بغیر باقی رہے گا ''شرنبلالیہ''۔

31816۔(قولہ: لِأَنَّهُ فَسْخٌ) یہ تینوں کی علت ہے۔

31817۔(قولہ: بَعْدَ الْقَبْضِ) یہ تقیید صاحب ''ہدایہ'' کی ہے۔ یہ اس کے موافق ہے جس کو ہم نے ابھی ''الذخیرہ'' سے نقل کیا ہے۔

''زیلعی'' نے کہا: یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق درست ہے۔ کیونکہ عقار کی بیع جو قبضہ سے پہلے ہو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں جس طرح منقولہ چیز کی بیع میں ہوتا ہے۔ پس بیع پر اسے محمول کرنا ممکن نہیں۔ جہاں تک شیخین کا تعلق ہے تو قبضہ سے پہلے اس کی بیع جائز ہوتی ہے تو اسے بیع پر محمول کرنے سے کون سا مانع ہے: یعنی شفیع کو دیکھنے کی بنا پر۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ ''ابوسعود'' نے کہا: ''شلبی'' نے اس پر اعتراض کیا ہے جبکہ ''قاری ہدایہ'' کی تحریر سے نقل کیا ہے کہ قبضہ سے پہلے عیب کی وجہ سے لوٹانا یہ سب کے حق میں فسخ ہے یہاں تک کہ اسے حق حاصل ہوگا کہ اسے اس کے بائع پر لوٹا دے اگرچہ قاضی کے فیصلہ کے بغیر ہو اور یہ خیار شرط اور خیار رؤیت کے قائم مقام ہوگا۔ پس اس کی بحث باطل ہو جائے گی۔

31818۔(قولہ: وَالْإِقَالَةَ) یہ نصب کے ساتھ ہے اس کا عطف ''الرد'' پر ہے اور اس کے بعد ظرف ان کی خبر ہے۔

بِمَنْزِلَةِ بَيْعٍ مُبْتَدَأٍ (وَتَثْبُتُ) الشُّفْعَةُ (لِلْعَبْدِ الْمَأْذُونِ الْمُسْتَغْرِقِ بِالدَّيْنِ) إِحَاطَةُ الدَّيْنِ بِرَقَبَتِهِ وَكَسْبُهُ لَيْسَ بِشَرْطٍ ابْنُ كَمَالٍ (فِي مَبِيعِ سَيِّدِهِ، وَ) تَثْبُتُ (لِسَيِّدِهِ فِي مَبِيعِهِ) بِنَاءً عَلَى أَنَّ الْأَخْذَ بِالشُّفْعَةِ بِمَنْزِلَةِ الشِّرَاءِ، وَشِرَاءُ أَحَدِهِمَا مِنَ الْآخَرِ يَجُوزُ (وَ) تَثْبُتُ (لِمَنْ شَرَى) أَصَالَةً أَوْ وَكَالَةً (أَوْ اشْتَرَى لَهُ) بِالْوَكَالَةِ، وَفَائِدَتُهُ أَنَّهُ لَوْ كَانَ الْمُشْتَرِي أَوْ الْمُوَكِّلُ بِالشِّرَاءِ شَرِيكًا وَلِلدَّارِ شَرِيكٌ آخَرُ فَلَهُمَا الشُّفْعَةُ،

یہ نئی بیع کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اور شفعہ ایسے غلام کے لئے ثابت ہوتا ہے جس کو تجارت کی اجازت دی گئی ہو اور وہ دین میں غرق ہے دین کا اس کی ذات اور اس کی کمائی کو محیط ہونا شرط نہیں۔''ابن کمال''۔ غلام کا شفعہ اس کے آقا کے بیع میں ثابت ہوگا اور غلام کی بیع میں اس کے آقا کیلئے شفعہ ثابت ہوگا۔ یہ اس امر پر مبنی ہے کہ شفعہ کے ساتھ کسی چیز کو لینا یہ شرا کے قائم مقام ہے اور دونوں کا ایک دوسرے سے خریدنا جائز نہیں اور شفعہ ثابت ہوگا جس کو اس نے خود خریدا یا بطور وکالت کے خریدا یا اس کے لئے وکالت کے ساتھ خریدا گیا۔ اس کا فائدہ یہ ہے اگر مشتری یا شرا کا مؤکل شریک ہو اور گھر کا کوئی اور شریک ہو تو دونوں کو شفعہ کا حق ہوگا۔

اقالہ کا نئی بیع کے قائم مقام ہونا اس وقت ہوتا ہے جب وہ اقالہ کے لفظ کے ساتھ ہو۔ اگر مفاسخہ، متارکہ یا تراد کے لفظ کے ساتھ ہو تو اسے بالاتفاق بیع نہیں بنایا جائے گا جس طرح اس کے باب میں گزر چکا ہے۔

31819۔ (قولہ: الْمُسْتَغْرِقِ) یہ اسم فاعل کا صیغہ ہو تو معنی ہوگا جس کی ذات اور مال نے دین کا احاطہ کر رکھا ہے اور اسم مفعول کا صیغہ ہو تو معنی ہوگا جسے دین نے گھیر رکھا ہے۔''ط''۔

31820۔ (قولہ: لَيْسَ بِشَرْطٍ) بلکہ شرط یہ ہے کہ وہ مدیون ہو جب بائع عبد ماذون کا آقا ہو اور غلام اس کا شفعہ ہو یا صورتحال اس کے برعکس ہو۔ مگر جب وہ آقا کے علاوہ ہو تو دین کا پایا جانا اصلاً شرط نہیں جس طرح ''النہایہ'' میں اسے بیان کیا ہے۔

31821۔ (قولہ: وَشِرَاءُ أَحَدِهِمَا مِنَ الْآخَرِ يَجُوزُ) یعنی اگر غلام مدیون ہو جس طرح ہم نے پہلے بیان کیا ہے ورنہ وہ شرا باطل ہے۔ پس آقا کے لئے کوئی شفعہ نہیں کیونکہ بیع اس کے لئے واقع ہوئی ہے غرباء کے لئے واقع نہیں ہوئی۔

31822۔ (قولہ: أَصَالَةً أَوْ وَكَالَةً) لیکن وکیل مؤکل ہے شفعہ طلب کرے گا۔ اصیل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اسے طلب کی احتیاج نہیں جس طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔ اسی طرح شفعہ باپ کے لئے ثابت ہوتا ہے اگر وہ اپنے لڑکے کے لئے خریدے جس طرح اس کی وضاحت فروع میں آئے گی۔

31823۔ (قولہ: وَفَائِدَتُهُ أَنَّهُ لَوْ كَانَ الْمُشْتَرِي) یعنی اصل کے اعتبار سے یا وکالت کے اعتبار سے خریدے۔ اس کی وضاحت یہ ہے: دو ایک گھر میں شریک ہیں ان میں سے ایک اپنا حصہ دوسرے کو بیچے وہ دوسرا اسے اپنے لئے

وَلَوْ هُوَ شَرِيكًا وَلِلدَّارِ جَارٌ فَلَا شُفْعَةَ لِلْجَارِ مَعَ وُجُودِهِ (لَا) شُفْعَةَ (لِمَنْ بَاعَ) أَصَالَةً أَوْ وَكَالَةً (أَوْ بِيعَ لَهُ) أَيْ وَكَّلَ بِالْبَيْعِ

اگر وہ شریک ہو اور گھر کا ایک پڑوسی ہو تو شریک کی موجودگی میں پڑوسی کا کوئی شفعہ نہیں۔ جس نے خود کوئی چیز بیچی یا وکالت کے ذریعے کوئی چیز بیچی یا اس کیلئے بیچی گئی یا بیع کے لئے اس نے کسی کو وکیل بنایا

خریدے یا غیر کے لئے وکالت کے ساتھ خریدے یا دونوں میں سے ایک اپنا حصہ دوسرے شریک کے وکیل کو بیچے تیسرا آئے اور شفعہ طلب کرے اگر یہ بھی شریک ہو تو اس حصہ کو اس میں اور مشتری میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ یہ پہلی صورت میں ہے یا اس میں اور موکل میں دوسری صورت میں تقسیم کر دیا جائے گا اگر وہ تیسرا آدمی پڑوسی ہو تو مشتری یا موکل کی موجودگی میں اس کے لئے کوئی شفعہ نہیں۔ کیونکہ یہ اس وقت تک شریک ہے جب تک وہ شفعہ چھوڑ نہ دے۔

''القنیہ'' میں ہے: پڑوسی نے گھر خریدا اور اس کا ایک اور پڑوسی ہو اس نے شفعہ طلب کیا اور اس طرح مشتری نے شفعہ طلب کیا تو یہ گھر دونوں میں نصف نصف ہوگا۔ کیونکہ یہ دونوں شفیع ہیں۔ ''ابن شحنہ'' نے کہا ہے: ان کا قول و کذا المشتری یعنی وہ مشتری شفعہ طلب کرے اور وہ دوسرے شفیع کے لئے شفعہ نہ چھوڑا۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر تیسرا شفیع آ جائے تو اس گھر کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا یا چوتھا آ جائے تو اسے چوتھائی چوتھائی تقسیم کر دیا جائے گا۔ پھر ''ظہیریہ'' سے نقل کیا گیا ہے: اگر مشتری پڑوسی نے تمام دوسرے پڑوسی کے لئے چھوڑ دیا تو اس کا نصف اس کے لئے شفعہ کے ساتھ اور نصف شرا کے ساتھ ہوگا۔ ''شرنبلالی'' نے کہا: اس میں تامل ہے۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ یہ باہم لینے اور دینے کے ساتھ شرا ہے۔ کیونکہ وہ نصف کا مالک ہوا ہے شفعہ کے ساتھ جبکہ مشتری پر جبر کیا ہے جب اس نے دوسرا نصف رضامندی کے ساتھ اس کے سپرد کر دیا اور دوسرے نے اسے قبول کیا تو یہ شرا ہو گی۔ ''تامل''

یہ ذہن نشین کر لو۔ ''ابن شحنہ'' کے کلام میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ''قنیہ'' کا قول: فطلب الشفعة سے مراد ہے اس نے تمام دوسرے کو سپرد نہیں کیا نہ کہ اس قول سے مراد طلب کی حقیقت ہے تو یہ اس کے منافی نہیں جو ہم نے پہلے ''الخانیہ'' سے نقل کیا ہے کہ اصیل طلب کا محتاج نہیں۔ ''تامل''

جس نے خود یا وکالت کے ذریعے کوئی چیز بیچی تو اس کے لیے شفعہ نہیں

31824۔ (قولہ: لَا شُفْعَةَ لِمَنْ بَاعَ أَصَالَةً) اس کی صورت یہ ہے اس نے اپنی عقار بیچی جس کے مجاور اس کی ایک اور عقار ہے اور بیچی گئی عقار کا ایک پڑوسی ہے جس نے شفعہ طلب کیا تو بائع اس میں اس کا شریک نہ ہوگا۔

31825۔ (قولہ: أَوْ وَكَالَةً) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ وکالت کے ساتھ عقار بیچے جبکہ وہ اس کی عقار کے مجاور ہے۔

31826۔ (قولہ: أَيْ وَكَّلَ بِالْبَيْعِ) یہ ان کے قول او بیع لہ کی تفسیر ہے اس نے کسی اور کو ایسی عقار بیچنے کا وکیل بنایا

(أَوْ ضَمِنَ الدَّرَكَ) وَالْأَصْلُ أَنَّ الشُّفْعَةَ تَبْطُلُ بِإِظْهَارِ الرَّغْبَةِ عَنْهَا لَا فِيهَا

یا وہ ملک کا ضامن ہوا اس کے لئے کوئی شفعہ نہیں۔اصل یہ ہے کہ شفعہ باطل ہو جاتا ہے جب اس سے بے رخی کا اظہار کیا جائے نہ کہ شفعہ باطل ہو جاتا ہے جب اس میں رغبت کا اظہار کیا جائے۔

جو اس کی عقار کے مجاور تھا۔

31827۔(قولہ: أَوْ ضَمِنَ الدَّرَكَ) الدرك دو فتحوں کے ساتھ یا ایک فتحہ اور سکون کے ساتھ ہے یعنی را مفتوح ہے یا ساکن ہے۔اس سے مراد ایسی ثمن ہے جو استحقاق کے وقت لازم ہوتی ہے۔پس بائع کی عقار میں اس کے ضامن کے لئے کوئی شفعہ نہیں کیونکہ وہ بائع کی طرح ہے۔''قہستانی''۔کیونکہ درک کا ضمان بیع کو ثابت کرنا ہے جس طرح ''الدرر'' میں ہے۔

31828۔(قولہ: وَالْأَصْلُ الخ) کیونکہ شفعہ کے ساتھ لینا یہ اس چیز کو ختم کرنے کا سبب ہے جو اس عقد کی جہت سے مکمل ہوتا ہے جیسے مشتری کی ملک اور اس کا قبضہ اور انسان کی کوشش اس چیز کو ختم کرنے میں جو اس کی جہت سے مکمل ہو وہ مسدود ہے''درر''۔وکیل بالشراء یا جو خود مشتری ہو اس کا معاملہ مختلف ہے۔کیونکہ وہ اس چیز کو ثابت کرنے والا ہے جو اس کی جہت سے مکمل ہو۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ مَا يُبْطِلُهَا

(يُبْطِلُهَا تَرْكُ طَلَبِ الْمُوَاثَبَةِ) تَرْكُهُ بِأَنْ لَا يَطْلُبَ فِي مَجْلِسِ أُخْبِرَ فِيهِ بِالْبَيْعِ ابْنُ كَمَالٍ، وَتَقَدَّمَ تَرْجِيحُهُ (أَوْ) تَرْكُ طَلَبِ (الْإِشْهَادِ) عِنْدَ عَقَارٍ أَوْ ذِي يَدٍ لَا الْإِشْهَادِ عِنْدَ طَلَبِ الْمُوَاثَبَةِ لِأَنَّهُ غَيْرُ لَازِمٍ

وہ چیزیں جو شفعہ کو باطل کرتی ہیں

طلب مواثبہ کوترک کرنا یہ شفعہ کو باطل کر دیتا ہے۔ اس کا ترک کرنا یہ ہے کہ وہ اس مجلس میں شفعہ کو طلب نہ کرے جس میں اسے بیع کے باب میں خبر دی گئی ہو۔ ''ابن کمال''۔ اس کی ترجیح پہلے گزر چکی ہے یا عقار یا قابض کے ہاں طلب اشہاد کوترک کرنا یہ شفعہ کو باطل کر دیتا ہے نہ کہ طلب مواثبہ کے وقت گواہ بنانے کوترک کرنا یہ شفعہ کو باطل کرتا ہے۔ کیونکہ یہ لازم نہیں

31829۔ (قولہ: يُبْطِلُهَا تَرْكُ طَلَبِ الْمُوَاثَبَةِ) یعنی اگرچہ اس کے لئے طلب کے ثبوت سے وہ ناواقف ہو۔ کیونکہ ''خانیہ'' میں ہے: دو آدمی ایک جنگل کے وارث ہوئے ان دونوں میں سے میراث کی بارے میں آگاہ نہ تھا ایک اور جنگل اس کے پہلو میں بیچا گیا اس نے شفعہ طلب نہ کیا جب اسے علم ہوا کہ اس کا پہلے جنگل میں حصہ ہے تو اس نے دوسرے بیچے گئے جنگل میں شفعہ طلب کیا۔ علماء نے کہا: اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا اور جہالت عذر نہیں ہے۔

31830۔ (قولہ: وَتَقَدَّمَ تَرْجِيحُهُ) یعنی یہ اس قول کے مطابق ہے جس میں یہ ہے طلب علم کے ہونے کے فوراً بعد ہے اس میں جو ضعف ہے وہ باب الطلب میں جان چکے ہیں۔

31831۔ (قولہ: أَوْ ذِي يَدٍ) زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ کہتے: او احد العاقدین۔ کیونکہ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ مشتری پر گواہ بنانا صحیح ہے اگرچہ عقار ہو اس کے قبضہ میں نہ ہو اسی طرح بائع پر گواہ بنانا صحیح ہے اگرچہ گھر اس کے قبضہ میں نہ ہو یہ بطور استحسان ہے جس طرح ''شیخ الاسلام'' نے ذکر کیا ہے۔ ''ط''۔

31832۔ (قولہ: لَا الْإِشْهَادِ) یہ طلب پر عطف ہے۔ الاشہاد پر عطف نہیں جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ ''ح''۔

31833۔ (قولہ: لِأَنَّهُ غَيْرُ لَازِمٍ) ''الہدایہ'' میں اسی طرح کہا ہے۔ بلکہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ انکار کا خوف ہوتا ہے پس اس کے بغیر طلب صحیح ہوتی ہے اگر مشتری اس کی تصدیق کرے جس طرح ہم پہلے اسے بیان کر چکے ہیں۔ یہ صاحب ''الدرر'' کا رد ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا: طلب مواثبہ پر اشہاد کا ترک کرنا جبکہ وہ اس پر قادر ہو یہ شفعہ کو باطل کر دیتا ہے۔ یہ یہاں ''ہدایہ'' کے قول کے ظاہر سے دھوکہ کھانا ہے۔ جب شفیع نے گواہ بنانا ترک کیا جب اسے بیع کا علم ہوا تھا جبکہ وہ اس پر قادر تھا اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔ پس اس کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ جب اسے علم ہوا جبکہ اس کے پاس وہ موجود ہے جس کو وہ گواہ بنا سکتا ہے تو وہ خاموش رہا اور اس نے گواہ نہ بنائے اس کی دلیل ان کا قول ہے: وھویقدر۔

(مَعَ الْقُدْرَةِ) كَمَا مَرَّ (وَ) يُبْطِلُهَا (تَسْلِيمُهَا بَعْدَ الْبَيْعِ) عَلِمَ بِالسُّقُوطِ أَوْ لَا (فَقَطْ)

جبکہ وہ قدرت رکھتا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اور بیع کے بعد صرف شفعہ کو چھوڑ دینا شفعہ کو باطل کر دیتا ہے اور سقوط کا علم ہو یا سقوط کا علم نہ ہو

''ہدایہ'' کے پہلے قول: انہ غیر لازم کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ جب وہ ایسی جگہ بیع سے آگاہ ہو جو خالی ہو۔ ''شرنبلالی'' نے اس کا رد اس کے ساتھ کیا ہے کہ شرط صرف طلب ہے نہ کہ اس پر گواہ بنانا شرط ہے۔ اور اس کا رد اس کے ساتھ کیا ہے جو ''اکمل'' وغیرہ نے کہا ہے کہ ''ہدایہ'' کے قول میں اشہاد سے یہی مراد ہے۔ کیونکہ اشہاد کو ترک کرنا یہ نفس طلب مواثبہ کو ترک کرنا ہے۔ اس کی دلیل ان کا یہ قول ہے: لا عراضہ عن الطلب اور اس کی دلیل یہ قول ہے: اس سے قبل اس کی تصریح کی ہے تو ''قدوری'' کے قول اشھد فی مجلسہ سے مراد طلب مواثبہ ہے۔ پس ''ہدایہ'' کے دونوں کلاموں میں کوئی منافات نہیں۔ ملخص۔

بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: مراد یہ ہے جب وہ دونوں متعاقدین میں سے ایک یا گھر کے ہاں گواہ بنانے کے عمل کو ترک کرے جب اسے بیع کا علم ہو اور وہ اسے ترک کر دے جبکہ وہ گواہ بنانے پر قادر تھا لیکن اس میں ہے کہ شفعہ باطل نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر مشتری اس کی تصدیق کرے تو یہ صحیح ہوگا جس طرح تو جان چکا ہے۔ فافہم

31834۔ (قولہ: مَعَ الْقُدْرَةِ كَمَا مَرَّ) کیونکہ انہوں نے کہا: یہ طلب ضروری ہے یہاں تک کہ اگر وہ اس پر قادر ہو اگرچہ مکتوب کے ذریعے یا قاصد کے ذریعے ہو اور وہ گواہ نہ بنائے تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا اگر وہ قادر نہ ہو تو شفعہ باطل نہیں ہوگا۔ یعنی اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی اس کا منہ بند کرے یا وہ نماز میں ہو ''منح''۔ ہم نے جو پہلے ''الخانیہ'' سے نقل کیا ہے کہ اس میں گواہ بنانا شرط نہیں اسے بھی نہ بھولو۔

بیع کے بعد شفعہ کو چھوڑ دینا شفعہ کو باطل کر دیتا ہے

31835۔ (قولہ: وَيُبْطِلُهَا تَسْلِيمُهَا) ''تاترخانیہ'' میں کہا ہے: جب اس نے کہا: میں نے اس گھر کا شفعہ چھوڑ دیا ہے تو یہ صحیح ہوگا اگرچہ وہ کسی کو معین نہ کرے۔ اسی طرح اگر اس نے بائع سے کہا: میں نے اس کا شفعہ تیرے لئے چھوڑ دیا ہے اگرچہ مشتری کے قبضہ کرنے کے بعد ہو یہ بطور استحسان ہے۔ کیونکہ اس کا معنی ہے: میں نے تیری وجہ سے شفعہ چھوڑ دیا ہے۔ اسی طرح اگر اس نے وکیل سے کہا: اگرچہ موکل کو حوالے کرنے کے بعد ہو یہ بطور استحسان ہے۔ اگر ایک آدمی نے اجنبی سے کہا: اگر اس سے پہلے کوئی کلام ہو جیسے اجنبی کہے: اس مشتری کے لئے شفعہ چھوڑ دو۔ شفیع نے کہا: میں تیرے لئے شفعہ چھوڑتا ہوں تو یہ صحیح ہوگا اگر یہ کلام کا آغاز ہو تو پھر جائز نہیں ہوگا۔ جب پڑوسی نے شریک کے ہوتے ہوئے شفعہ چھوڑ دیا تو صحیح ہوگا۔ اگر شریک نے اس کے بعد شفعہ چھوڑ دیا تو پڑوسی کو لینے کا حق نہیں ہوگا۔ ملخص۔ ''المجمع'' میں ہے: ولا یجعل یعنی امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ شفیع کے قول آخذ نصفھا کو شفعہ چھوڑنا نہیں کہتے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے جبکہ پہلا قول اصح ہے۔ ''ابن ملک'' نے ''محیط'' سے نقل کیا ہے۔

31836۔ (قولہ: عَلِمَ بِالسُّقُوطِ أَوْ لَا) ''المنح'' میں کہا ہے: کیونکہ دار الاسلام میں احکام سے ناواقفی کوئی عذر نہیں۔

لَا قَبْلَهُ كَمَا مَرَّ (وَلَوْ) تَسْلِيمُهَا (مِنْ أَبٍ وَوَصِيٍّ) خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ فِيمَا بِيعَ بِقِيمَتِهِ أَوْ أَقَلَّ مُلْتَقًى (الْوَكِيلُ بِطَلَبِهَا إِذَا سَلَّمَ) الشُّفْعَةَ (أَوْ أَقَرَّ عَلَى الْمُوَكِّلِ بِتَسْلِيمِهِ) الشُّفْعَةَ (صَحَّ) لَوْ كَانَ التَّسْلِيمُ أَوْ الْإِقْرَارُ (عِنْدَ الْقَاضِي) وَإِلَّا لَمْ يَصِحَّ، لَكِنَّهُ يَخْرُجُ مِنَ الْخُصُومَةِ وَسُكُوتُ مَنْ يَمْلِكُ التَّسْلِيمَ تَسْلِيمُ

اس سے قبل اس کا چھوڑ دینا شفعہ کو باطل نہیں کرتا جس طرح گزر چکا ہے اگر چہ شفعہ کا چھوڑنا یہ باپ کی جانب سے ہو یا وصی کی جانب سے ہو۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے اس صورت میں جسے اس کی قیمت یا اس سے اقل سے بیچا گیا ہو، ''ملتقی''۔ جسے طلب شفعہ کا وکیل بنایا گیا جب وہ شفعہ چھوڑ دے یا موکل کے خلاف شفعہ کے چھوڑ دینے کا اقرار کرے تو یہ صحیح ہوگا۔ اگر یہ شفعہ کو چھوڑنا یا اقرار کرنا قاضی کے پاس ہو ورنہ یہ صحیح نہیں ہوگا۔ لیکن وہ خصومت سے خارج ہو جائے گا اور جو شفعہ چھوڑ دینے کا مالک ہو اس کا خاموش ہونا یہ شفعہ کو چھوڑ دینا ہے

زیادہ واضح یہ ہے کہ اس کا ذکر اس صورت میں کرتے جب وہ خاموش ہو جاتے۔ کیونکہ وہی وہم کرتا ہے کہ جہالت اس میں عذر ہے۔ جہاں تک شفعہ چھوڑنے کا معاملہ ہے تو اس کی کوئی وجہ نہیں۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: پس مناسب وہ قول ہے جو'' تاتر خانیہ'' میں ہے: علم بوجوب الشفعة اولا وعلم من سقط اليه هذا الحق اولا شفعہ کے ثابت ہونے کا علم ہو یا علم نہ ہو اسے یہ علم ہو کہ حق اس کی طرف ساقط ہوا ہے یا نہیں۔

31837۔ (قولہ: لَا قَبْلَهُ كَمَا مَرَّ) جو گزر چکا ہے اس میں میں نے صراحۃً نہیں دیکھا۔

31838۔ (قولہ: خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ) کیونکہ انہوں نے سپرد کرنے کو باطل قرار دیا ہے اور صغیر کو یہ حق دیا ہے کہ وہ بالغ ہونے کے بعد اسے لے لے۔ اس اختلاف کی بنا پر یہی امر مبنی ہوگا جب دونوں (باپ اور وصی) کو ایسے گھر کی خریداری کے بارے میں خبر پہنچی جو بچے کے گھر کے پڑوس میں ہو اور وہ دونوں طلب نہ کریں۔ ''ابن ملک''۔

31839۔ (قولہ: فِيمَا بِيعَ بِقِيمَتِهِ أَوْ أَقَلَّ) اگر اس سے زیادہ کے ساتھ بیچا گیا ہو جس کی مثل میں لوگ غبن نہیں کرتے تو ان کی جانب سے شفعہ کا چھوڑ دینا بالاتفاق جائز ہوگا۔ اصح یہ ہے کہ بالاتفاق جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ لینے کا مالک نہیں تو شفعہ چھوڑ دینے کا مالک نہیں ہوگا۔ ''ابن ملک''۔ اس کا مقتضا یہ ہے اگر اس نے شفعہ چھوڑ دیا ایسی جائیداد میں جو زیادہ ثمن کے ساتھ بیچا گیا تھا پھر بچہ بالغ ہوا تو اسے شفعہ کے مطالبہ کا حق ہوگا۔

31840۔ (قولہ: وَإِلَّا لَمْ يَصِحَّ) یہ طرفین کا قول ہے۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا قول ہے۔ اور دوسرا قول ہے: مطلق صحیح ہے جس طرح'' تاتر خانیہ'' میں ہے۔ اس میں ''ولولواجیہ'' سے مروی ہے: وکیل کی جانب سے شفعہ سپرد کرنا صحیح ہے اگر چہ گھر اس کے قبضہ میں نہ ہو۔ یہ شیخین کے نزدیک ہے۔ اس پر فتویٰ ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

وہ شخص جو شفعہ چھوڑ دینے کا مالک ہو اس کا خاموش ہونا شفعہ کو چھوڑ دینا ہے

31841۔ (قولہ: وَسُكُوتُ مَنْ يَمْلِكُ التَّسْلِيمَ تَسْلِيمُ) ان میں سے باپ اور وصی ہے جس طرح ہم نے ابھی

(وَ) يُبْطِلُهَا (صُلْحُهُ مِنْهَا عَلَى عِوَضٍ) أَيْ غَيْرِ الْمَشْفُوعِ لِمَا يَأْتِي (وَعَلَيْهِ رَدُّهُ) لِأَنَّهُ رِشْوَةٌ (وَ) يُبْطِلُهَا (بَيْعُ شُفْعَتِهِ لِمَالٍ) وَلَا يَلْزَمُ الْمَالُ وَكَذَا الْكَفَالَةُ بِالنَّفْسِ بِخِلَافِ الْقَوَدِ،

اور اس کا مشفوع کے علاوہ عوض پر شفعہ سے صلح کر لینا شفعہ کو باطل کر دیتا ہے اس وجہ سے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اور اس پر عوض واپس کرنا لازم ہے۔ کیونکہ یہ رشوت ہے اور حق شفعہ کو مال سے بیچ دینا شفعہ کو باطل کر دیتا ہے اور مال لازم نہیں ہوگا۔ اسی طرح کفالت بالنفس کا معاملہ ہے۔ قصاص کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔

پہلے اسے بیان کیا ہے۔ ہم نے پہلے ''الخانیہ'' اور ''فتاوی مصنف'' سے جو نقل کیا ہے اسے نہ بھولنا کہ شفیع جب بیع کے بارے میں سنے اور خاموش رہے تو اس کا شفعہ باطل نہیں ہوگا جب تک اسے مشتری اور ثمن کا علم نہ ہو جیسے باکرہ جب اس سے رائے پوچھی جائے۔

31842۔ (قولہ: وَيُبْطِلُهَا صُلْحُهُ مِنْهَا عَلَى عِوَضٍ الخ) کیونکہ شفعہ اپنے محل میں ثابت شدہ حق نہیں بلکہ محض تملک کا حق ہے۔ پس اس کا عوض لینا صحیح نہ ہوگا اس کا اسقاط جائز شرط کے ساتھ متعلق نہیں ہوتا تو شرط فاسد کے ساتھ بدرجہ اولیٰ متعلق نہیں ہوتا۔ پس شرط باطل ہو جائے گی اور اسقاط صحیح ہوگا۔ ''ہدایہ''۔ تعلیق کے جائز نہ ہونے میں بحث ہے جسے ہم فروع میں ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

31843۔ (قولہ: لِمَا يَأْتِي) یعنی ڈیڑھ سطر بعد آئے گا چاہئے یہ تھا کہ اس کا ذکر یہاں بیع کے مسئلہ سے پہلے کرتے۔

حق شفعہ کو مال سے بیچ دینا شفعہ کو باطل کر دیتا ہے

31844۔ (قولہ: وَيُبْطِلُهَا بَيْعُ شُفْعَتِهِ لِمَالٍ) ''ہدایہ'' میں کہا: اس کی دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ ''نہایہ'' میں کہا جبکہ اس کے بطلان کو ''مبسوط'' کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ اور ''ذخیرہ'' میں ہے: جب اس نے شفعہ کسی کو ہبہ کر دیا یا کسی انسان کو بیچ دیا تو یہ سپرد کرنا نہیں ہوگا۔ کیونکہ بیع اپنے محل میں نہیں ملی۔ پہلا قول اصح ہے۔ ملخص۔

میں کہتا ہوں: ''الخانیہ'' میں ہے: شفیع جب شفعہ بیچ دے یا کسی انسان کو ہبہ کر دے اس کے بعد کہ شفعہ اس کے لئے ثابت ہو چکا تھا تو شفعہ باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ تملیک کا احتمال نہیں رکھتا پس اس نے اپنے محل کو نہیں پایا۔ اس کا ظاہر یہ ہے: بطلان کو اس پر محمول کیا جائے گا جب بیع شفعہ کے ثبوت سے پہلے ہو۔ کیونکہ اس میں شفعہ کی طلب کا ترک لازم آ رہا ہے مگر وہ اصح کے مقابل پر محمول ہو۔ اس میں ساتھ ہی انہوں نے ''المنح'' میں ''الخانیہ'' اور ''المجتبیٰ'' سے جو ذکر کیا ہے اس میں غور و فکر کرو۔

31845۔ (قولہ: وَكَذَا الْكَفَالَةُ) جب نفس کے کفیل نے مکفول لہ سے مال پر صلح کی تو کفالت ساقط ہو جائے گی اور ایک روایت میں مال واجب نہیں ہوگا۔ یہی اصح ہے۔ دوسری روایت میں شفعہ باطل نہیں ہوگا اور مال واجب نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل وضاحت ''الکفایہ'' اور ''غایۃ البیان'' میں ہے۔

31846۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْقَوَدِ) کیونکہ یہ ایسا حق ہے جو محل میں ثابت ہے۔ کیونکہ قاتل کا نفس اس آدمی کے حق

وَلَوْ صَالَحَ عَلَى أَخْذِ نِصْفِ الدَّارِ بِبَعْضِ الثَّمَنِ صَحَّ، وَلَوْ صَالَحَ عَلَى أَخْذِ بَيْتٍ بِحِصَّتِهِ مِنَ الثَّمَنِ لَا لِجَهَالَةِ الثَّمَنِ عِنْدَ الْأَخْذِ، وَلَا تَسْقُطُ شُفْعَتُهُ (وَ) يُبْطِلُهَا (مَوْتُ الشَّفِيعِ قَبْلَ الْأَخْذِ بَعْدَ الطَّلَبِ أَوْ قَبْلَهُ) وَلَا تُورَثُ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ، وَلَوْ مَاتَ بَعْدَ الْقَضَاءِ لَمْ تَبْطُلْ (لَا) يُبْطِلُهَا (مَوْتُ الْمُشْتَرِي) لِبَقَاءِ الْمُسْتَحِقِّ (وَ) يُبْطِلُهَا (بَيْعُ مَا يَشْفَعُ بِهِ قَبْلَ الْقَضَاءِ بِالشُّفْعَةِ مُطْلَقًا)

اگر ثمن کے کچھ حصہ کے بدلے میں گھر کا نصف لینے پر صلح کی تو یہ صحیح ہوگا اگر کمرہ لینے پر صلح کی ثمن میں سے اس کے حصہ کے عوض میں تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ لیتے وقت ثمن مجہول ہے اور اس کا شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔ اور شفعہ کو یہ امر باطل کر دیتا ہے کہ شفیع طلب کے بعد بیع لینے سے پہلے مر جائے یا طلب سے پہلے مر جائے اور اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر قضا کے بعد وہ مر جائے تو شفعہ باطل نہیں ہوگا۔ مشتری کی موت شفعہ کو باطل نہیں کرے گی۔ کیونکہ مستحق باقی ہے اور جس کے سبب شفیع شفعہ کر رہا تھا۔ شفعہ کے فیصلہ سے قبل اسے بیچ دے تو اس کا بیچنا شفعہ کو مطلقاً باطل کر دیتا ہے

میں مباح تھا جس کے لئے قصاص ثابت ہے اور صلح کے ساتھ اس کے دم میں اس کے لئے عصمت ثابت ہو جاتی ہے۔ پس اس کے مقابلہ میں عوض جائز ہے۔ ''معراج''۔

شفیع کی مشتری کے ساتھ صلح کی صورتیں

31847۔ (قولہ: وَلَا تَسْقُطُ شُفْعَتُهُ) کیونکہ شفعہ کے ساتھ لینے سے اعراض نہیں پایا گیا متن کا سابقہ مسئلہ اس کے خلاف ہے۔

حاصل یہ ہے جس طرح ''النہایہ'' میں ہے: شفیع کی مشتری کے ساتھ صلح کی تین صورتیں ہیں۔ (1) وہ صحیح ہے (2) وہ صحیح نہیں اور شفعہ باطل نہیں ہوتا (3) وہ شفعہ باطل ہو جاتا ہے اور مال واجب نہیں ہوتا۔

31848۔ (قولہ: وَيُبْطِلُهَا مَوْتُ الشَّفِيعِ الخ) کیونکہ یہ محض تملیک کا حق ہے یہ صاحب حق کی موت کے بعد باقی نہیں رہتا تو اس میں وراثت کیسے جاری ہوگی۔ ''درر''۔

31849۔ (قولہ: وَلَوْ مَاتَ بَعْدَ الْقَضَاءِ لَمْ تَبْطُلْ) کیونکہ یہ پہلے متن میں گزر چکا ہے کہ باہم رضامندی سے ساتھ لینے اور قاضی کے فیصلہ کے ساتھ ملکیت حاصل کرنا ہے۔

31850۔ (قولہ: لَا مَوْتُ الْمُشْتَرِي) بائع بھی اسی طرح ہے ''خانیہ''۔ مشتری کے دین اور اس کی وصیت میں اسے نہیں بیچا جائے گا۔ اگر قاضی یا وصی اسے بیچ دے یا مشتری اس میں کوئی وصیت جاری کر دے تو شفیع کو حق حاصل ہے کہ اسے باطل کر دے اور گھر لے لے۔ کیونکہ اس کا حق مقدم ہے۔ اس وجہ سے اس کی زندگی میں اس کا تصرف ختم ہو جائے گا۔ ''ہدایہ''۔

31851۔ (قولہ: وَيُبْطِلُهَا بَيْعُ مَا يَشْفَعُ بِهِ) یعنی جب اس سب کو بیچ دے۔ کیونکہ ''خانیہ'' میں ہے: پڑوس کی

عَلِمَ بِبَيْعِهَا أَمْ لَا، وَكَذَا لَوْ جَعَلَ مَا يَشْفَعُ بِهِ مَسْجِدًا أَوْ مَقْبَرَةً أَوْ وَقْفًا مُسَجَّلًا دُرَرٌ (وَلَوْ بَاعَ بِشَرْطِ الْخِيَارِ) لِنَفْسِهِ (لَا) تَبْطُلُ لِبَقَاءِ السَّبَبِ (وَ) يُبْطِلُهَا (شِرَاءُ الشَّفِيعِ مِنَ الْمُشْتَرِي) فَلِمَنْ دُونَهُ أَوْ مِثْلَهُ أَخَذَ بِالشُّفْعَةِ بِالْعَقْدِ الْأَوَّلِ أَوِ الثَّانِي،

اس کی بیع کا علم ہو یا علم نہ ہو۔ اسی طرح اگر وہ چیز جس کی وجہ سے وہ شفعہ کر رہا تھا اسے مسجد بنا دیتا ہے، مقبرہ بنا دیتا ہے یا وقف بنا دیتا ہے جس کو سجل (ریکارڈ کا رجسٹر) میں تحریر کر دیتے ہیں شفعہ کو باطل کر دے گا۔ ''درر''۔ اگر وہ اپنے لئے خیار شرط رکھتے ہوئے کوئی شے بیچتا ہے تو یہ شفعہ کو باطل نہیں کرے گا۔ کیونکہ سبب باقی ہے۔ شفیع کا مشتری سے اس گھر کو خرید لینا یہ شفعہ کو باطل کر دیتا ہے تو جو فرد شفعہ میں اس سے درجہ میں کم ہے یا اس کی مثل ہے اس کے لئے شفعہ کے ساتھ اسے پہلے عقد یا دوسرے عقد کے ساتھ لینے کا حق ہے۔

وجہ سے شفعہ کرنے والا جب وہ گھر بیچ دے جس گھر کی وجہ سے شفعہ کا مستحق تھا مگر اس کا ایک حصہ نہ بیچے اس کا شفعہ باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ جو حصہ باقی ہے وہ شفعہ کی ابتدا کے لئے کافی ہے پس اس کی بقا کے لئے کافی ہوگا۔

31852۔ (قولہ: عَلِمَ بِبَيْعِهَا) ضمیر سے مراد وہ گھر ہے جس پر شفعہ کر رہا ہے یعنی جس کی وجہ سے شفعہ کر رہا ہے اس کو بیچتے وقت اس دوسرے گھر کی بیع کا اسے علم ہو یا علم نہ ہو۔

31853۔ (قولہ: وَكَذَا) اس کا عطف یبطلها پر ہے۔ یعنی شفعہ کا فیصلہ ہونے سے پہلے ان اشیا کے ساتھ شفعہ باطل ہو جائے گا کیونکہ یہ اس کی ملک سے زائل ہونے کے قائم مقام ہے جس طرح ''الدرر'' میں ہے۔

31854۔ (قولہ: أَوْ وَقْفًا مُسَجَّلًا) وہ قول جس کے مطابق محض قول سے وقف لازم ہو جاتا ہے۔ چاہئے کہ قول کے ساتھ شفعہ ساقط ہو جائے اگرچہ سجل میں تحریر نہ ہو۔ ''شرنبلالیہ''۔

31855۔ (قولہ: وَلَوْ بَاعَ) یعنی شفیع نے اس کو بیچ دیا جس کی وجہ سے وہ شفعہ کر رہا تھا۔ اور یہ فائدہ دیا کہ ان کے قول بیبع بالشفع بہ سے مراد حتمی بیع ہے۔

31856۔ (قولہ: لِبَقَاءِ السَّبَبِ) سبب یہ ہے کہ اس کی ملک اس گھر کے ساتھ متصل ہو جس پر وہ شفعہ کر رہا ہے کیونکہ بائع کا خیار مبیع کو اسکی ملک سے نکلنے سے روکتا ہے۔ ''ہدایہ'' کی عبارت ہے: کیونکہ یہ زوال کا مانع ہے پس اتصال باقی رہے گا، فافہم۔

31857۔ (قولہ: وَيُبْطِلُهَا شِرَاءُ الشَّفِيعِ مِنَ الْمُشْتَرِي) کیونکہ مشتری سے خریدنے کا اقدام کر کے اس نے طلب سے اعراض کیا ہے اس کے ساتھ شفعہ باطل ہو جاتا ہے۔ ''منح''۔

31858۔ (قولہ: فَلِمَنْ دُونَهُ) جس طرح وہ شریک ہو یا مبیع کا پڑوسی ہو۔

31859۔ (قولہ: بِالْعَقْدِ الْأَوَّلِ أَوِ الثَّانِي) اسے دیکھئے جسے ہم نے ''تاتر خانیہ'' سے مصنف کے قول: دیفسخ

بِخِلَافِ مَا لَوْ اشْتَرَاهَا ابْتِدَاءً حَيْثُ لَا شُفْعَةَ لِمَنْ دُونَهُ (وَكَذَا) يُبْطِلُهَا (إنْ اسْتَأْجَرَهَا أَوْ سَاوَمَهَا) بَيْعًا أَوْ إجَارَةً مُلْتَقَى (أَوْ طَلَبَ مِنْهُ أَنْ يُوَلِّيَهُ) عَقْدَ الشِّرَاءِ (أَوْ ضَمِنَ الدَّرَكَ) مُسْتَدْرَكٌ لِمَا مَرَّ آنِفًا، فَتَبْطُلُ فِي الْكُلِّ لِدَلِيلِ الْإِعْرَاضِ زَيْلَعِيٌّ (قِيلَ لِلشَّفِيعِ إنَّهَا بِيعَتْ بِأَلْفٍ فَسَلَّمَ ثُمَّ عَلِمَ أَنَّهَا بِيعَتْ بِأَقَلَّ أَوْ بِبُرٍّ أَوْ شَعِيرٍ أَوْ عَدَدِيٍّ مُتَقَارِبٍ)

اگر وہ شفیع ابتدا میں ہی اسے لے لے تو پھر معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اس سے کم درجہ کے لئے شفعہ ثابت نہیں۔ اسی طرح اس کے شفعہ کو باطل کر دے گا اگر وہ اسے اجرت پر لے گا اس کا بھاؤ لگائے گا۔ بیع کی صورت میں یا اجارہ کی صورت میں، ''ملتقی''۔ یا اس سے طلب کرے کہ وہ اسے عقد شرا کا والی بنا دے یا ملک کا ضامن بن جائے اس سے مستدرک ہے جو ابھی گزرا ہے پس دلیل اعراض کی وجہ سے سب میں شفعہ باطل ہو جائے گا۔ ''زیلعی''۔ شفیع سے کہا گیا: یہ گھر ہزار میں بیچا گیا ہے تو اس نے شفعہ ترک کر دیا پھر اسے علم ہوا کہ اسے اس سے کم سے، گندم، جو یا عددی متقارب سے بیچا گیا ہے

بحضورہ کے ہاں لکھا ہے۔

31860۔(قوله: بِخِلَافِ مَا لَوْ اشْتَرَاهَا ابْتِدَاءً) یعنی قبل اس کے کہ اس میں لینے کا حق ثابت ہو۔ کیونکہ یہ اعراض کو متضمن نہیں۔ کیونکہ وہ ملکیت حاصل کرنے پر متوجہ ہے۔ یہی شفعہ کے ذریعے لینے کا معنی ہے اس نے اسے خریدا ہے کیونکہ وہ کسی اور طریقہ سے اسے لینے پر قادر نہیں۔ ''زیلعی''۔

31861۔(قوله: حَيْثُ لَا شُفْعَةَ لِمَنْ دُونَهُ) بلکہ شفعہ کا حق اسے حاصل ہوگا یا اسے حاصل ہوگا جو درجہ میں اس کی مثل ہو جس طرح ہم نے اس باب سے پہلے میں اسے واضح کر دیا ہے۔

31862۔(قوله: إنْ اسْتَأْجَرَهَا أَوْ سَاوَمَهَا الخ) یعنی بیع کا علم ہونے کے بعد ''معراج''۔ دار مشفوعہ کی ضمیر کے ساتھ قید لگائی ہے۔ کیونکہ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے گھر خریدا اور شفیع نے اس کو گھر کا بھاؤ لگایا جبکہ اس نے اپنی طلب پر شاہد بنائے تھے تو وہ اپنے شفعہ پر قائم ہوگا۔

31863۔(قوله: أَوْ طَلَبَ مِنْهُ) شفیع نے مشتری سے مطالبہ کیا۔

31864۔(قوله: أَنْ يُوَلِّيَهُ) یعنی اس سے مطالبہ کیا کہ اس سے بیع تولیہ کرے اور یہ ایسی بیع ہوتی ہے جو پہلی ثمن کی مثل کے بدلے میں ہوتی ہے۔ ''ح''۔ تولیہ کی مثل مرابحہ ہے ''ط''۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ اسے مزارعت یا مساقات پر طلب کرے جبکہ اسے اس کی بیع کا علم ہو۔ ''اتقانی''۔

31865۔(قوله: مُسْتَدْرَكٌ لِمَا مَرَّ آنِفًا) یہ باب جو بطلان شفعہ کے لئے باندھا گیا ہے اس میں یہ نہیں گزرا۔ اس سے تھوڑا پہلے گزرا ہے۔ ''اتقانی''۔

(قِيمَتُهُ أَلْفٌ أَوْ أَكْثَرُ فَلَهُ الشُّفْعَةُ، وَلَوْ بَانَ أَنَّهَا بِيعَتْ بِدَنَانِيرَ أَوْ بِعُرُوضٍ (قِيمَتُهَا أَلْفٌ فَلَا شُفْعَةَ) وَالْفَرْقُ بَيْنَهُمَا أَنَّ هَذَا قِيَمِيٌّ وَذَاكَ مِثْلِيٌّ فَرُبَّمَا يَسْهُلُ عَلَيْهِ وَإِنْ كَثُرَ (وَلَوْ عَلِمَ أَنَّ الْمُشْتَرِيَ زَيْدٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ بَانَ أَنَّهُ بَكْرٌ فَلَهُ الشُّفْعَةُ، وَلَوْ عَلِمَ أَنَّ الْمُشْتَرِيَ هُوَ مَعَ غَيْرِهِ كَانَ لَهُ أَخْذُ نَصِيبِ غَيْرِهِ) لِعَدَمِ التَّسْلِيمِ فِي حَقِّهِ (وَلَوْ بَلَغَهُ شِرَاءُ النِّصْفِ فَسَلَّمَ

جس کی قیمت ہزار ہے یا اس سے زائد ہے تو اسے شفعہ کا حق ہوگا۔ اگر یہ ظاہر ہوا کہ اسے دنانیر سے بیچا گیا یا سامان تجارت سے بیچا گیا جس کی قیمت ہزار ہے تو کوئی شفعہ نہیں ہوگا۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ یہ قیمی ہے اور وہ مثلی ہے۔ پس بعض اوقات اس پر یہ آسان ہوتا ہے اگر چہ زائد ہو۔ اگر اسے علم ہوا کہ مشتری زید ہے تو وہ شفعہ چھوڑ دے پھر یہ ظاہر ہوا کہ وہ بکر ہے تو اسے شفعہ کا حق ہوگا۔ اگر اسے علم ہو کہ مشتری وہ ہے اور اس کے ساتھ کوئی اور تو اسے غیر کا حصہ لینے کا حق ہوگا۔ کیونکہ اس دوسرے کے حق میں اس نے شفعہ ترک نہیں کیا تھا۔ اگر اسے نصف کی خریداری کا علم ہوا تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا

31866۔ (قولہ: قِيمَتُهُ أَلْفٌ أَوْ أَكْثَرُ) اسی طرح اگر قیمت اقل ہو تو بدرجہ اولی اسے شفعہ کا حق ہوگا جس طرح ''العنایہ'' میں ہے۔

31867۔ (قولہ: فَلَهُ الشُّفْعَةُ) کیونکہ شفعہ اس لئے چھوڑا تھا۔ کیونکہ پہلی صورت میں اس نے ثمن کو زیادہ خیال کیا تھا۔ یا دوسری صورت میں وہ دراہم پر قادر نہ تھا پس اس کی جانب سے شفعہ چھوڑنا لازم نہ آیا۔

31868۔ (قولہ: قِيمَتُهَا أَلْفٌ) یا اس سے زیادہ ہو اقل کا معاملہ مختلف ہے۔

سامان تجارت، گندم، جو اور عددی متقارب میں فرق

31869۔ (قولہ: وَالْفَرْقُ بَيْنَهُمَا) سامان تجارت، گندم، جو اور عددی متقارب میں فرق یہ ہے کہ عرض قیمی ہے اور اس میں واجب قیمت ہے اس کی مثل کے بدلے میں لے لے گا۔ بعض اوقات مثلی چیز سے لینا اس کے لئے آسان ہوتا ہے کیونکہ وہ دراہم پر قادر نہیں ہوتا۔ مگر دنانیر کے مسئلہ میں فرق یہ ہے جس طرح ''عنایہ'' میں ہے دونوں مقصود ہیں جنس واحد ہیں وہ ہمارے نزدیک اس کا ثمن ہونا ہے اور ایک کا دوسرے سے مبادلہ عادت میں آسان ہے۔ امام ''زفر'' نے کہا: اسے شفعہ کا حق حاصل ہوگا کیونکہ جنس مختلف ہے۔

تنبیہ

اسے یہ خبر دی کہ ثمن عروض ہے جیسے کپڑے اور غلام پھر واضح ہوا کہ وہ کیلی چیز ہے یا وزنی چیز ہے یا اسے خبر دی گئی کہ وہ کیلی یا وزنی چیز ہے تو یہ امر ظاہر ہوا کہ یہ اور جنس ہے تو وہ اپنے شفعہ پر قائم رہے گا۔ اگر یہ پتا چلا کہ سامان تجارت کی ایک اور جنس ہے یا وہ چاندی یا سونا ہے جس کی قیمت اس تک پہنچتی ہے تو کوئی شفعہ نہیں ہوگا کوئی فائدہ نہیں۔ ''زیلعی''۔

31870۔ (قولہ: وَلَوْ عَلِمَ أَنَّ الْمُشْتَرِيَ هُوَ مَعَ غَيْرِهِ) زیادہ مناسب یہ قول تھا: ولو بان جس طرح یہ امر مخفی

ثُمَّ بَلَغَهُ شِرَاءُ الْكُلِّ، فَلَهُ الشُّفْعَةُ فِي الْكُلِّ وَفِي عَكْسِهِ) بِأَنَّ أُخْبِرَ بِشِرَاءِ الْكُلِّ فَسَلَّمَ ثُمَّ ظَهَرَ شِرَاءُ النِّصْفِ (لَا شُفْعَةَ لَهُ عَلَى الظَّاهِرِ) لِأَنَّ التَّسْلِيمَ فِي الْكُلِّ تَسْلِيمٌ فِي كُلِّ أَبْعَاضِهِ بِخِلَافِ عَكْسِهِ ثُمَّ شَرَعَ فِي الْحِيَلِ فَقَالَ (وَإِنْ بَاعَ) رَجُلٌ (عَقَارًا إِلَّا ذِرَاعًا) مَثَلًا (فِي جَانِبِ) حَدِّ (الشَّفِيعِ فَلَا شُفْعَةَ) لِعَدَمِ الِاتِّصَالِ وَالْقَوْلُ بِأَنَّ نَصْبَ ذِرَاعًا سَهْوٌ سَهْوٌ (وَكَذَا) لَا شُفْعَةَ

پھر اسے تمام کے بیچنے کی خبر پہنچی تو اسے کل میں شفعہ کا حق ہوگا اور اس کے برعکس میں اس کی صورت یہ ہے کہ اسے کل کے خریدنے کی خبر دی گئی تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا پھر نصف کی خریداری ظاہر ہوئی تو اسے شفعہ کا حق نہیں ہوگا۔ یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے کہ کل میں شفعہ کو چھوڑا یہ اس کے تمام اجزاء میں شفعہ کو چھوڑنا ہے۔ اس کے برعکس معاملہ مختلف ہے۔ پھر حیل میں شروع ہوئے ہیں اور کہا: اگر ایک آدمی عقار بیچے مگر ایک ذراع مثلاً شفیع کی حد کی جانب نہ بیچے تو اتصال نہ ہونے کی وجہ سے شفعہ نہ ہوگا۔ یہ قول کہ ذراع کے لفظ کو نصب دینا سہو ہے یہ خود سہو ہے۔ اسی طرح کوئی شفعہ نہ ہوگا

نہیں۔ ''ح''۔

31871۔ (قولہ: لَا شُفْعَةَ لَهُ) ''الذخیرہ'' میں کہا: یہ اس پر محمول ہے جب نصف کی ثمن کل کی ثمن کے مثل ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کل ہزار کے بدلے میں خریدنے کی خبر دی گئی تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا تو یہ ظاہر ہوا کہ اس نے نصف ہزار کے بدلے میں خریدا ہے اگر یہ ظاہر ہو کہ اس نے پانچ سو کے بدلے میں خریدا ہے تو وہ اپنے شفعہ پر باقی رہے گا۔ ''جوہرہ''۔ ''زیلعی'' نے ان سے اسے قیل کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

31872۔ (قولہ: عَلَى الظَّاهِرِ) یعنی ظاہر روایت ''عنایہ'' میں کہا: یہ اس روایت سے احتراز ہے جو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے برعکس مروی ہے۔ کیونکہ بعض اوقات وہ نصف کی ثمن حاصل کرنے پر قادر ہوتا ہے تمام ثمن حاصل کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ بعض اوقات اس کی ضرورت نصف تک کے لئے ہوتی ہے تاکہ اس کی ملک کے منافع مکمل ہو جائیں۔

شفعہ سے بچنے کے حیلے

31873۔ (قولہ: إِلَّا ذِرَاعًا مَثَلًا) یعنی ذراع، بالشت یا انگلی کی چوڑائی کی مقدار اور اس کا طول یہ ہے کہ شفیع کے گھر کے ساتھ جس قدر ملاصق ہے۔ ''درر''۔

31874۔ (قولہ: لِعَدَمِ الِاتِّصَالِ) ''سائحانی'' نے اس حیلہ میں اشکال کا ذکر کیا ہے اس کے ساتھ جیسے ''شرنبلالی'' نے ''عیون المسائل'' سے نقل کیا ہے: ایک بڑا گھر ہے جو کئی کمروں والا ہے اس نے ایک مقصورہ بیچا تو گھر کے پڑوسی کو شفعہ کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ بیع مجموعی گھر میں سے ہے۔ اور گھر کا پڑوسی بیع کا پڑوسی ہے اگرچہ اس کے ساتھ متصل نہ ہو۔

میں کہتا ہوں: اشکال وہ قول پیدا کرتا ہے جو ''عیون'' میں ہے نہ کہ وہ قول جو یہاں ہے۔ ''تامل''

31875۔ (قولہ: وَالْقَوْلُ) یہ مبتدا ہے اور دوسرا لفظ سہو خبر ہے۔ یہ صاحب ''الدرر'' کا رد ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا:

(لَوْ وَهَبَ هٰذَا الْقَدْرَ لِلْمُشْتَرِي) وَقَبَضَهُ (وَإِنْ ابْتَاعَ سَهْمًا مِنْهُ بِثَمَنٍ ثُمَّ ابْتَاعَ بِقِيمَتِهَا فَالشُّفْعَةُ لِلْجَارِ فِي السَّهْمِ الْأَوَّلِ فَقَطْ) وَالْبَاقِي لِلْمُشْتَرِي

اگر اتنی مقدار مشتری کو دی اور اس نے اس پر قبضہ کرلیا اگر اس نے اس سے ایک حصہ ثمن کے بدلے خریدا پھر اس کا باقی ماندہ حصہ خریدا تو صرف پہلے حصہ میں شفعہ کا حق ہوگا اور باقی ماندہ مشتری کا ہوگا۔

و کذا لا تثبت فیما بیع الا ذراع اسی طرح شفعہ ثابت نہیں ہوگا اس سے جسے بیچا گیا مگر ایک ذراع نہ بیچا گیا۔ اور ''الوقایہ'' میں جو قول ہے: الا ذراعا جو نصب کے ساتھ ہے گویا وہ سہو ہے۔ ''عزمیہ'' میں اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ ما سے مستثنیٰ ہے بیع کی ضمیر سے مستثنیٰ نہیں۔ پس نصب، مجرور کے محل کے اعتبار سے تبعیت کی بنا پر ہے اور بیع کی ضمیر کے تبعیت رفع کا تقاضا کرتی ہے۔ کیونکہ یہ کلام تام ہے غیر موجب ہے۔

میں کہتا ہوں: مصنف کی عبارت میں ذراع پر نصب بغیر کسی شبہ کے واجب ہے۔ کیونکہ یہ کلام تام اور موجب سے مستثنیٰ ہے۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے جو ''الوقایہ'' اور ''الدرر'' میں ہے تو اس کا حکم اسی طرح ہے۔ استثنا بیع کی ضمیر سے ہے موصول سے نہیں ہے۔ یہ بھی کلام تام اور موجب ہے۔ کیونکہ نفی اس کی طرف متوجہ نہیں۔ اس کی وضاحت یہ قول کرتا ہے: لو اھانك جماعة الا زیدا منھم تو تو کہے: لا اکرم من اھانونی الا زیدا کیونکہ یہ نفی کے داخل ہونے سے پہلے واو سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ معنی ہے جنہوں نے میری اہانت کی سوائے زید کے میں ان کی تعظیم بجا نہیں لاؤں گا اور زید کے بارے میں اس سے سکوت کیا گیا ہے کہ اسے اکرام حاصل ہوا ہے یا نہیں اگر تو اسے اسم موصول سے مستثنیٰ بنائے اس طرح کہ وہ ذلیل کیے گئے لوگوں میں سے ہے تو اس میں نصب اور رفع جائز ہے۔ کیونکہ یہ کلام تام غیر موجب میں سے ہے۔ پس وہ اس پر قطعی طور پر اکرام کا حکم لگایا گیا۔ ''الدرر'' کی عبارت پہلے کے قبیل سے ہے۔ کیونکہ معنی ہے: نہیں بیچا گیا مگر ایک ذراع جس میں شفعہ نہیں۔ اگر ذراع اسم موصول سے مستثنیٰ ہوتا تو معنی ہوتا۔ اس میں شفعہ ثابت ہوگا اور اس کا فساد مخفی نہیں۔ اس مقام میں اس وضاحت کو غنیمت جان اس میں کثیر اذہان پھسلے ہیں۔

31876۔ (قولہ: لَوْ وَهَبَ هٰذَا الْقَدْرَ) یعنی اس نے ایک ذراع مثلاً کسی کو ہبہ کیا ظاہر یہ ہے کہ مراد یہ ہے کہ اس نے یہ ہبہ کیا بعد اس کے کہ اس نے اس مقدار کے علاوہ کو بیچ دیا تھا۔ اس کا قرینہ ان کا قول للمشتری ہے۔ اس کی مثل ہے: اگر اس نے اسے اس کے لئے بیچ دیا۔ کیونکہ وہ حقوق میں شریک ہو گیا۔ پس پڑوسی کے لئے کوئی شفعہ نہیں اس تعبیر کی بنا پر یہ دوسرا حیلہ نہیں بلکہ یہ پہلے کا تتمہ ہے اور یہ احتمال موجود ہے کہ ہبہ بیع سے پہلے ہے اور ان کا قول للمشتری یہ پہلے کا مجاز ہے۔ پس ہبہ سے شرط ہوگا کہ وہ ایسے عوض کے بدلے میں نہ ہو جس کی شرط لگائی گئی ہو پس یہ دوسرا حیلہ ہوگا۔ ''تامل''

31877۔ (قولہ: فَالشُّفْعَةُ لِلْجَارِ فِي السَّهْمِ الْأَوَّلِ فَقَطْ) ''مستصفی'' میں کہا ہے: اس مسئلہ کی تاویل یہ ہے جب اسے اس میں سے ایک سہم کی بیع کی خبر پہنچی پس اس نے اسے رد کر دیا مگر جب اسے دو بیعوں کی خبر پہنچی تو اسے شفعہ کا حق ہوگا

لِأَنَّہُ شَرِیکٌ وَحِیلَۃُ کُلِّہِ أَنْ یَشْتَرِیَ الذِّرَاعَ أَوْ السَّہْمَ بِکُلِّ الثَّمَنِ
کیونکہ وہ شریک ہے۔ اور اس کے کل کا حیلہ یہ ہے کہ وہ ذراع یا سہم تمام ثمن سے خریدے

اور اپنے اس قول کے ساتھ تعلیل: لان الشفیع جار فیھا الا ان المشتری فی الثانی شریک فیقدم علیہ یہ اطلاق کا تقاضا کرتا ہے اسی پر عام کتب کی عبارت ہے۔ ''کفایہ''۔

31878۔ (قولہ: لِأَنَّہُ شَرِیکٌ) یہ اس سے لینے سے ماقبل کو دیکھنے کی بنا پر ہے۔ ''العنایہ'' میں کہا ہے: کیونکہ جب اس نے باقی ماندہ کو خریدا تو وہ پہلے جز کے خریدنے کے ساتھ شریک ہو چکا تھا اور شفیع کا پہلے جز میں استحقاق خصومت سے قبل دوسرے جز میں مشتری کے شفعہ کو باطل نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ ابھی تک اس کی ملک میں ہے۔ پس یہ پڑوسی پر مقدم ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اس کی مثل وہ ہے جسے ''اتقانی'' میں ذکر کیا ہے: جب ایک آدمی نے اپنے گھر کے ملاصق گھر خریدا پھر اس نے اپنے گھر کو بیچ دیا پھر دوسرے گھر کا پڑوسی حاضر ہوا تو اس کے حق میں نصف کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

31879۔ (قولہ: وَحِیلَۃُ کُلِّہِ) یعنی تمام جائیداد میں شفعہ کو روکنے کا حیلہ یہ ہے یعنی کیونکہ اگر چہ اس کے لئے پہلے سہم میں شفعہ کا حق ثابت ہوگا۔ لیکن جب وہ اسے دیکھے گا کہ ثمن کے بہت بڑے حصہ کے ساتھ بیچا گیا ہے تو اس کی رغبت کم ہو جاتی ہے۔ پس وہ اسے لینے سے رک جاتا ہے۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ پہلا حیلہ بھی پوری عقار کے لئے حیلہ ہو۔ کیونکہ ذرائع کو خریدنے والا وہ حقوق میں شریک ہوگا پس اسے پڑوسی پر مقدم کیا جائے گا جس طرح ہم نے پہلے اسے بیان کر دیا ہے۔ پس ان کی کلام صرف دوسرے حیلہ کی طرف نظر کرنے کی بنا پر ہے۔

31880۔ (قولہ: أَنْ یَشْتَرِیَ الذِّرَاعَ أَوْ السَّہْمَ) یعنی وہ معین جز خریدے جیسے مثلاً ایک ذراع جو کسی بھی جہت سے ہو یا مشترک جز خریدے جیسے نو یا دس۔

میں کہتا ہوں: مگر ان کی کلام میں جو واقع ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ذراع اس پر محمول کیا جائے جسے پہلے حیلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ وہ اس میں شفیع کو کل سے روکنے میں مستقل ہے جبکہ یہ کثرت ثمن پر موقوف نہیں۔ فافہم

یہ جان لو کہ یہ حیلہ شفیع کی رغبت کو کم کرنے کے لئے ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کے شفعہ کو باطل کرنے کے لئے ہو۔ اور یہ جان لو کہ یہ حیلہ مشتری کے لئے مضر ہے اگر گھر چھوٹے بچے کا ہو۔ کیونکہ باقی گھر باقی ثمن کے عوض بیچنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں غبن فاحش پایا جاتا ہے پس مشتری کو وہ سہم ثمن کثیر کے عوض لازم ہوگا۔ اور باقی ماندہ کو خریدنا جائز نہیں ہوگا۔ جس طرح ''غایۃ البیان'' میں ہے۔

فائدہ: جب دونوں میں سے ایک خوف زدہ ہو کہ اس کا ساتھی اپنا حق پورا نہیں دے گا تو وہ اپنے لئے تین دن کے خیار کی شرط لگالے جب وہ مدت میں اپنا حق ادا نہ کرے تو اس میں فسخ کر دے۔ اگر دونوں فریقوں کو خوف ہو تو ان میں سے ہر ایک اپنے لئے خیار کی شرط لگالے پھر دونوں اکٹھے عقد کو جائز قرار دے دیں اگر دونوں میں سے ہر ایک کو خوف ہو کہ جب وہ اسے

إِلَّا دِرْهَمًا ثُمَّ الْبَاقِيَ بِالْبَاقِي، وَلَيْسَ لَهُ تَحْلِيفُهُ بِاللهِ مَا أَرَدْتَ بِهِ إِبْطَالَ شُفْعَتِي، وَلَهُ تَحْلِيفُهُ بِاللهِ إِنَّ الْبَيْعَ الْأَوَّلَ مَا كَانَ تَلْجِئَةً مُؤَيَّدُ زَادَهُ مَعْزِيًّا لِلْوَجِيزِ (وَإِنِ ابْتَاعَهُ بِثَمَنٍ) كَثِيرٍ (ثُمَّ دَفَعَ ثَوْبًا عَنْهُ فَالشُّفْعَةُ بِالثَّمَنِ لَا بِالثَّوْبِ) فَلَا يَرْغَبُ فِيهِ، وَهَذِهِ حِيلَةٌ تَعُمُّ الشَّرِيكَ وَالْجَارَ

مگر ایک درہم سے پھر باقی ماندہ سے خریدے اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم لے کہ تو نے اس کے ساتھ میرے شفعہ کو باطل کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ اور اسے یہ حق حاصل ہے کہ قسم لے اللہ کی قسم پہلی بیع تلجئہ نہیں ''مؤید زادہ''۔ یہ ''وجیز'' کی طرف منسوب ہے۔ اگر اسے ثمن کثیر کے ساتھ خریدا پھر اس نے ثمن کی جانب سے کپڑا دے دیا تو شفعہ ثمن کے ساتھ ہوگا کپڑے کے ساتھ نہیں ہوگا۔ پس وہ اس میں رغبت نہیں رکھے گا۔ یہ ایسا حیلہ ہے جو شریک اور پڑوسی کو عام ہے۔

جائز قرار دے گا تو اس کا ساتھی اسے جائز قرار نہیں دے گا تو دونوں میں سے ہر ایک ایک وکیل بنائے گا اور اس پر یہ شرط لگائے گا کہ اسے جائز قرار دے اس شرط کے ساتھ کہ دوسرا اسے جائز قرار دے۔ ''زیلعی'' نے کچھ اضافہ کے ساتھ اسے ذکر کیا ہے۔

31881۔ (قولہ: وَلَيْسَ لَهُ تَحْلِيفُهُ الخ) اس باب کے آخر میں اس کی تحقیق آئے گی جس سے زائد کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

31882۔ (قولہ: مَا كَانَ تَلْجِئَةً) بیع التلجئہ یہ ہے: وہ دونوں ایسے عقد کو ظاہر کریں جس کا وہ دونوں ارادہ نہیں کرتے دشمن کا خوف اس کی طرف پناہ لینے پر مجبور کرتا ہے یہ حقیقت میں بیع نہیں بلکہ یہ مذاق کی طرح ہے جس طرح کتاب الکفالہ سے تھوڑا پہلے گزرا ہے۔ ''ح''۔

31883۔ (قولہ: وَإِنِ ابْتَاعَهُ) یعنی اگر عقار خریدے جس طرح شرح کی کلام سے ظاہر ہے اور ضمیر کو سہم کی طرف لوٹانے میں کوئی مانع نہیں۔ ''تامل''

31884۔ (قولہ: بِثَمَنٍ كَثِيرٍ) جیسے اس کی قیمت کا کئی گنا ہونا۔

31885۔ (قولہ: ثُمَّ دَفَعَ ثَوْبًا عَنْهُ) یعنی اس کثیر ثمن کی جگہ کپڑا دیتا ہے یعنی ثمن کے بدلے میں ایسا کپڑا دے دیتا ہے جس کپڑے کی قیمت بیع کی قیمت کی طرح ہے۔

31886۔ (قولہ: لَا بِالثَّوْبِ) کیونکہ کپڑا اس کا عوض ہے جو مشتری کے ذمہ میں ہے۔ پس بائع پہلے عقد کے علاوہ دوسرے عقد کے ساتھ کپڑا خریدنے والا ہوگا۔ ''زیلعی''۔

31887۔ (قولہ: فَلَا يَرْغَبُ) پس شفیع ثمن کی کثرت کی وجہ سے اس بیع میں رغبت نہیں کرے گا اور اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ یہ حیلہ اس کے شفعہ کو باطل نہیں کرے گا۔ کیونکہ اگر وہ یہ ثمن دینے پر راضی ہو جائے تو اسے بیع لینے کا حق ہوگا۔ پہلے حیلہ کا معاملہ مختلف ہے جس طرح ہم اسے پہلے بیان کر آئے ہیں۔

31888۔ (قولہ: وَهَذِهِ حِيلَةٌ تَعُمُّ الشَّرِيكَ وَالْجَارَ) جو اس سے پہلے حیلے ہیں ان کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ

لَكِنَّهَا تَضُرُّ بِالْبَائِعِ، إِذْ يَلْزَمُهُ كُلُّ الثَّمَنِ إِذَا اسْتَحَقَّ الْمَنْزِلَ، فَالْأَوْلَى بَيْعُ دَرَاهِمِ الثَّمَنِ بِدِينَارٍ لِيَبْطُلَ الصَّرْفُ إِذَا أُسْتُحِقَّ وَحِيلَةٌ أُخْرَى أَحْسَنُ وَأَسْهَلُ وَهِيَ الْمُتَعَارَفَةُ فِي الْأَمْصَارِ ذَكَرَهَا بِقَوْلِهِ (وَكَذَا لَوْ اشْتَرَى بِدَرَاهِمَ مَعْلُومَةٍ) بِوَزْنٍ أَوْ إِشَارَةٍ (مَعَ قَبْضَةِ فُلُوسٍ أُشِيرَ إِلَيْهَا وَجَهِلَ قَدْرَهَا وَضَيَّعَ الْفُلُوسَ بَعْدَ الْقَبْضِ) فِي الْمَجْلِسِ لِأَنَّ جَهَالَةَ الثَّمَنِ تَمْنَعُ الشُّفْعَةَ دُرَرٌ

لیکن بائع کے لئے ضرر کا باعث ہے۔ کیونکہ اسے تمام ثمن لازم ہوتی ہے جب وہ منزل کا مستحق ہو۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ ثمن کے دراہم کو دینار سے بیچ دے تا کہ جب وہ مستحق ہو تو بیع صرف باطل ہو۔ ایک اور حیلہ اس سے اچھا اور سب سے آسان ہے یہ ملکوں میں متعارف ہے اس کا ذکر اپنے اس قول کے ساتھ کیا ہے: اسی طرح اگر اس نے اسے معلوم دراہم کے بدلے میں خریدا، وزن کے ساتھ یا اشارہ کے ساتھ، ساتھ ہی ایک مٹھی فلوس کے ساتھ جن کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اور ان کی مقدار مجہول تھی اور قبضہ کے بعد مجلس میں ان فلوس کو ضائع کر دیا گیا کیونکہ ثمن کی جہالت شفعہ کے مانع ہوتی ہے، ''درر''۔

ان دونوں کے ساتھ شریک کے حق میں حیلہ نہیں کیا جاتا۔ جہاں تک پہلے حیلے کا تعلق ہے تو وہ ظاہر ہے۔ جہاں تک دوسرے حیلے کا تعلق ہے تو شریک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ثمن قلیل میں سے باقیماندہ نصف باقی نصف سے لے لے۔

31889۔(قولہ: لَكِنَّهَا تَضُرُّ بِالْبَائِعِ) زیادہ بہتر یہ قول تھا: قد تضر۔

31890۔(قولہ: إِذْ يَلْزَمُهُ كُلُّ الثَّمَنِ الخ) کیونکہ یہ دوسری بیع سے اس پر واجب ہوتی ہے پھر اس کی براءت ثابت ہوتی ہے۔ جیسے عقار کی ثمن کے بدلے میں بطریق مقاصہ یعنی ادلے کے بدلہ کے طور پر ثابت ہوتی ہے۔ جب اس کا کوئی مستحق نکل آیا تو مقاصہ باطل ہو گیا۔ ''زیلعی''۔

31891۔(قولہ: بِدِينَارٍ) زیادہ بہتر یہ قول تھا: بدنانیر بقدر قیمۃ العقار جس طرح ''زیلعی'' نے اسے تعبیر کیا ہے۔

31892۔(قولہ: لِيَبْطُلَ الصَّرْفُ إِذَا أُسْتُحِقَّ) کیونکہ اس ذمہ میں جو دراہم ہیں اس کے بدلے میں بیع صرف ہے۔ جب وہ عقار کا مستحق ہو جائے تو یہ امر واضح ہو جائے گا کہ مشتری پر کوئی دین نہیں۔ پس بیع صرف باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ قبضہ سے پہلے وہ جدا ہو گئے ہیں پس دنانیر کا لوٹانا واجب ہو گا کسی اور کا لوٹانا واجب نہیں ہو گا۔ ''زیلعی''۔

31893۔(قولہ: مَعَ قَبْضَةِ فُلُوسٍ) قبضہ قاف کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس کا ضمہ اکثر آتا ہے کسی شے میں سے جو تو مٹھی بھرے۔ ''قاموس''۔ اسی کی مثل الخاتم ہے جس کا عین معلوم اور مقدار مجہول ہو جس طرح ''المنح'' میں ہے۔

31894۔(قولہ: أُشِيرَ إِلَيْهَا) اس کے ساتھ قید لگائی ہے تا کہ ثمن کے ساتھ اس کا الحاق صحیح ہو۔ اور اپنے قول و جهل قدرها کے ساتھ قید لگائی تا کہ شفعہ ساقط ہو جائے اور وضیع الخ کے قول کے ساتھ قید لگائی ہے تا کہ شفیع کے لئے اس کی معرفت ممکن نہ ہو۔ اسی وجہ سے فی المجلس کے لفظ کا اضافہ کیا ہے۔ ''المنح'' کے قول جو ''المضمرات'' سے لیا گیا ہے ماخوذ

قُلْت وَنَحْوُهُ فِي الْمُضْمَرَاتِ، وَيَنْبَغِي أَنَّ الشَّفِيعَ لَوْ قَالَ أَنَا أَعْلَمُ قِيمَةَ الْفُلُوسِ وَهِيَ كَذَا أَنْ يَأْخُذَ بِالدَّرَاهِمِ وَقِيمَتِهَا، كَمَا لَوْ اشْتَرَى دَارًا بِعَرَضٍ أَوْ عَقَارٍ لِلشَّفِيعِ أَخْذُهَا بِقِيمَتِهِ كَمَا مَرَّ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ، ثُمَّ نَقَلَ عَنْ مُقَطَّعَاتِ الظَّهِيرِيَّةِ مَا يُوَافِقُهُ قُلْت وَوَافَقَهُ فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ، وَأَقَرَّهُ شَيْخُنَا، لَكِنْ تَعَقَّبَهُ ابْنُهُ فِي زَوَاهِرِ الْجَوَاهِرِ بِأَنَّهُ مُخَالِفٌ لِلْأَوَّلِ،

میں کہتا ہوں: اسی کی مثل ''مضمرات'' میں ہے۔ اور چاہئے کہ شفیع اگر یہ کہے: میں فلوس کی قیمت جانتا ہوں اور یہ اتنے ہیں تو وہ دراہم اور فلوس کی قیمت کے ساتھ لے لے جس طرح اگر وہ گھر سامان تجارت یا عقار کے بدلے خریدے تو شفیع کو حق حاصل ہوگا کہ اس کی قیمت دے کر گھر لے لے جس طرح گزر چکا ہے۔ یہ مصنف نے کہا ہے۔ پھر مقطعات ''ظہیریہ'' سے وہ قول نقل کیا ہے جو اس کے موافق ہے۔ میں کہتا ہوں: ''تنویر البصائر'' میں اس کی موافقت کی ہے اب ہمارے شیخ نے اسے ثابت رکھا ہے لیکن ان کے بیٹے نے ''زواہر الجواہر'' میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ اول کے مخالف ہے

ہے مضمرات کا قول یہ ہے: ثم یستھلکه من ساعته۔ فافہم۔

31895۔ (قولہ: عَنْ مُقَطَّعَاتِ الظَّهِيرِيَّةِ) یعنی اس کے کتاب الشفعہ سے ان کا معمول یہ ہے کہ وہ متفرقات کو مقطعات سے تعبیر کرتے ہیں۔ ''المنح'' میں لفظ مقطعات کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ ''رملی'' نے اسے ذکر کیا ہے۔ اس میں اس کی نص یہ ہے: ایک آدمی نے عقار ایسے دراہم کے بدلے خریدی جو اندازے سے تھے۔ دونوں (خریدار اور بائع) اس پر متفق ہو گئے کہ وہ دراہم کی مقدار کو نہیں جانتے اور باہم قبضہ کرنے کے بعد بائع کے ہاتھ میں وہ ہلاک ہو گئے تو شفیع کیا کرے؟

قاضی امام ''عمر بن ابی بکر'' نے کہا: وہ گھر شفعہ کے بدلے میں لے لے پھر اپنے گمان کے مطابق ثمن لے لے۔ مگر جب مشتری اس سے زائد ثابت کر دے۔

میں کہتا ہوں: یہ اشکال کا باعث ہے۔ کیونکہ اس کے لئے مشتری پر جبر کرتے ہوئے لینا کیسے حلال ہوگا۔ کیونکہ محض اس کا گمان ہو ساتھ ہی شفیع کے لئے اسی کے بدلے میں لینا حلال ہوتا ہے جو ثمن مشتری پر لازم ہوئی ہو مگر وہ اس کی مقدار جانتا ہو۔ اس کا قرینہ یہ قول ہے: مگر مشتری اس پر زیادتی کو ثابت کر دے۔ کیونکہ یہ قول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ثمن کی ہلاکت سے پہلے معلوم ہو چکی تھی۔ ''فتامل''

شیخ خیر رملی کے بیٹے کا اعتراض اور اس کا جواب

31896۔ (قولہ: أَقَرَّهُ شَيْخُنَا) یعنی ''خیر رملی'' نے ''حاشیۃ المنح'' اور اپنے ''فتاوی خیریہ'' میں اسے ثابت رکھا ہے۔

31897۔ (قولہ: لَكِنْ تَعَقَّبَهُ ابْنُهُ) یعنی مصنف کے بیٹے نے اعتراض کیا ہے۔

31898۔ (قولہ: بِأَنَّهُ مُخَالِفٌ لِلْأَوَّلِ) یعنی جو متن میں ہے اس کے مخالف ہے۔

میں کہتا ہوں: کوئی مخالف نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ پہلے کے اطلاق کی تخصیص ہے۔ کیونکہ اس میں یہ نہیں کہ یہ

وَمَا فِي الْمُتُونِ وَالشُّرُوحِ مُقَدَّمٌ عَلَى مَا فِي الْفَتَاوَى كَمَا مَرَّ مِرَارًا وَقَدَّمْنَا

اور جو متون اور شروح میں ہوتا ہے وہ اس پر مقدم ہوتا ہے جو فتاوی میں ہے جس طرح کئی دفعہ گزر چکا ہے اور ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں

حیلہ باطل ہے بلکہ اس کی صحت اس امر پر مبنی ہے کہ جب شفیع ان دونوں میں سے اس امر پر موافقت کرے کہ وہ فلوس کی معرفت نہیں رکھتے اگر وہ ان فلوس کو جانتا ہو اور اس کا دعویٰ کرے تو حیلہ باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ جہالت جو حاکم کے حکم کے مانع ہے وہ مجہول ہے۔ اس تخصیص پر ''مضمرات'' کا کلام بھی دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کو سقوط کی علت قرار دیا ہے کہ شفیع مبیع، مثل ثمن یا اس کی قیمت کے ساتھ لے سکتا ہے۔ یہاں قاضی جہالت کے سبب ان دونوں کے ساتھ فیصلہ کرنے سے عاجز ہے۔

''رملی'' نے کہا: ''الظہیریہ'' میں جو قول ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ شفیع نے جو گمان کیا ہے اس پر قسم نہیں اٹھائے گا۔ کیونکہ دونوں (خریدار اور بائع) نے معین مقدار کا دعویٰ نہیں کیا جس کا شفیع انکار کرے بلکہ دونوں نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ وہ ثمن کی مقدار کو نہیں جانتے۔ پس یہ نہ کہا جائے گا کہ وہ منکر ہے پس وہ قسم نہیں اٹھائے گا۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ حیلہ مکمل ہو جاتا ہے اگر شفیع عدم معرفت پر ان دونوں سے موافقت کرے۔ اس کی طرف ان کا قول اشارہ کرتا ہے۔ کیونکہ حکم متعذر ہے۔ فتامل۔ یہ بعینہ وہ قول ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

31899۔ (قولہ: وَمَا فِي الْمُتُونِ) جیسے ''غرر'' اور شروح جیسے ''مضمرات''۔ کیونکہ یہ ''قدوری'' کی شرح ہے۔ اور ان کا قول مقدم یہ ما کی خبر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ متون کے مسائل جو ہمارے تینوں ائمہ یا ان میں سے بعض سے منقول ہیں اسی طرح شروح ہیں فتاویٰ میں جو کچھ ہے اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ ایسے واقعات پر مبنی ہوتے ہیں جو ان کے سامنے واقع ہوتے ہیں اور ان کے بارے میں ان سے پوچھا جاتا ہے اور وہ اہل تخریج سے ہوتے ہیں۔ پس ان میں سے ہر ایک مفتی فتویٰ دیتا ہے اس کے مطابق جو اس کے لئے مذہب کے قواعد کے مطابق تخریج کرتے ہوئے ظاہر ہوتا ہے اگر وہ اس بارے میں کوئی نص نہ پائے۔ اسی وجہ سے تو فتاویٰ میں کثیر اختلاف پاتا ہے اور یہ امر معلوم ہے کہ تینوں ائمہ سے جو منقول ہے وہ اس منقول کی طرح نہیں ہو سکتا جو ان سے بعد کے مشائخ سے منقول ہے اور آپ پر یہ امر مخفی نہیں کہ ہمارا یہ مسئلہ اس طرح کا نہیں۔ کیونکہ یہ ان متون میں مذکور نہیں جن کی یہ شان ہو جیسے ''مختصر''، ''قدوری''، ''ہدایہ''، ''کنز''، ''وقایہ''، ''نقایہ''، ''مجمع''، ''ملتقی''، ''مواہب'' اور ''اصلاح''۔

''المنح'' میں کہا: میں اس حیلہ پر کتاب مذکور یعنی ''الدرر'' و ''الغرر'' کے علاوہ میں آگاہ نہیں ہوا۔ پھر میں نے اسے ''مضمرات'' میں دیکھا اور ''المضمرات'' میں اس کا ذکر اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ ائمہ مذہب سے منقول ہے یہاں تک کہ وہ فتاویٰ پر راجح ہو جائے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ شروح میں سے کثیر جیسے ''نہایہ'' وغیرہا اصحاب فتاوی سے نقل کرتے ہیں۔ پس یہ احتمال موجود ہے کہ یہ ان ائمہ سے بھی منقول ہو پس انصاف سے کام لیتے ہوئے غور کیجئے۔

31900۔ (قولہ: وَقَدَّمْنَا الخ) یہ وہ حیلہ ہے جسے ''رملی'' نے ''حاوی الزاہدی'' سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا ہے یہ

أَنَّهُ لَا شُفْعَةَ فِيمَا بِيعَ فَاسِدًا وَلَوْ بَعْدَ الْقَبْضِ لِاحْتِمَالِ الْفَسْخِ نَعَمْ إِذَا سَقَطَ الْفَسْخُ بِالْبِنَاءِ وَنَحْوِهِ وَجَبَتْ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ (تُكْرَهُ الْحِيلَةُ لِإِسْقَاطِ الشُّفْعَةِ بَعْدَ ثُبُوتِهَا وِفَاقًا) كَقَوْلِهِ لِلشَّفِيعِ اشْتَرِهِ مِنِّي ذَكَرَهُ الْبَزَّازِيُّ وَأَمَّا الْحِيلَةُ لِدَفْعِ ثُبُوتِهَا ابْتِدَاءً، فَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَا تُكْرَهُ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ تُكْرَهُ، وَيُفْتَى بِقَوْلِ أَبِي يُوسُفَ فِي الشُّفْعَةِ قَيَّدَهُ فِي السِّرَاجِيَّةِ بِمَا إِذَا كَانَ الْجَارُ غَيْرَ مُحْتَاجٍ إِلَيْهِ، وَاسْتَحْسَنَهُ مُحَشِّي الْأَشْبَاهِ

کہ اس میں شفعہ نہیں جس میں بیع فاسد سے بیع کی گئی ہو اگر چہ قبضہ کے بعد ہو۔ کیونکہ فسخ کا احتمال موجود ہے ہاں جب عمارت بنانے وغیرہ سے فسخ عقد ساقط ہو جائے تو شفعہ ثابت ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔ جب شفعہ ثابت ہو جائے تو شفعہ کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا بالاتفاق مکروہ ہے جس طرح شفیع سے کہے: اسے مجھ سے خرید لو۔ ''بزازی'' نے اسے ذکر کیا ہے۔ جہاں تک ابتداءً شفعہ کے ثبوت کے دفاع کے لئے حیلہ کرنے کا تعلق ہے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ نہیں۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ شفعہ میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''سراجیہ'' میں اس کی یہ قید لگائی ہے۔ جب پڑوسی اس کا محتاج نہ ہو۔ ''محشی الاشباہ'' نے اسے مستحسن قرار دیا ہے۔

بھی حیلوں میں سے ایک ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں کوئی شبہ نہیں اس کا کرنا حلال نہیں اور یہ ایسا کرنے والے کو اس کے دین میں مضرات (نقصانات) کا باعث ہوتا ہے کیونکہ اس نے عقد فاسد کیا ہے اور اس کی دنیا میں مضرت کا باعث ہے جب شفیع اس وقت شفعہ طلب کرے گا جب فسخ عقد عمارت بنانے کے بعد ساقط ہو چکا ہے۔

31901۔ (قولہ: ذَكَرَهُ الْبَزَّازِيُّ) میں کہتا ہوں: جس پر ''بزازی'' نے اکتفا کیا ہے وہ مسقط بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اگر شفیع خاموش ہو جائے یا وہ کہے: میں نہیں خریدتا اس کا شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔ ''النہایہ'' کی عبارت یہ ہے: اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری شفیع سے کہے: میں تیرے ہاتھ اسے اتنے میں بیچتا ہوں جتنے میں میں نے اسے لیا ہے تو لینے میں تجھے کوئی فائدہ نہیں۔ شفیع کہتا ہے: ہاں یا کہتا ہے: میں نے اسے خرید لیا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔

میں کہتا ہوں: ان میں سے ایک حیلہ یہ ہے اس سے شفعہ خریدے یا شفعہ پر مال سے صلح کرلے تو شفعہ باطل ہو جائے گا اور وہ مال واپس لے لے گا جس طرح گزر چکا ہے۔

31902۔ (قولہ: وَيُفْتَى بِقَوْلِ أَبِي يُوسُفَ فِي الشُّفْعَةِ) بلکہ ''کفایہ'' میں نقل کیا گیا ہے کہ ان میں سے کچھ وہ علماء ہیں جنہوں نے کہا: اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ ''بزازیہ'' میں ہے: اگر ثبوت سے پہلے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں وہ عادل ہو یعنی شفیع عادل ہو یا فاسق ہو یہ مختار مذہب کے مطابق ہے کیونکہ یہ ابطال نہیں۔

31903۔ (قولہ: وَاسْتَحْسَنَهُ مُحَشِّي الْأَشْبَاهِ) وہ علامہ ''شرف الدین غزی'' ہیں وہ ''تنویر البصائر'' میں کہتے

(وَبِضِدِّهِ) وَهُوَ الْكَرَاهَةُ (فِي الزَّكَاةِ) وَالْحَجِّ وَآيَةِ السَّجْدَةِ جَوْهَرَةٌ (وَلَا حِيلَةَ) مَوْجُودَةٌ فِي كَلَامِهِمْ (لِإِسْقَاطِ الْحِيلَةِ) بَزَّازِيَّةٌ قَالَ وَطَلَبْنَاهَا كَثِيرًا فَلَمْ نَجِدْهَا (إِذَا اشْتَرَى جَمَاعَةٌ عَقَارًا أَوْ الْبَائِعُ وَاحِدٌ يَتَعَدَّدُ الْأَخْذُ

اور زکوۃ میں، حج میں اور آیت سجدہ میں حیلہ کرنا مکروہ ہے۔''جوہرہ''۔ اور حیلہ کو ساقط کرنے کے لئے علماء کی کلام میں کوئی حیلہ موجود نہیں۔''بزازیہ'': کہا: ہم نے اسے بہت زیادہ تلاش کیا ہے پس ہم نے اس کو نہیں پایا۔ جب ایک جماعت نے جائیداد خریدی اور بائع ایک ہے تو مشتریوں کے متعدد ہونے کی وجہ سے

ہیں کیونکہ انہوں نے کہا: چاہئے کہ اس قول پر اعتماد کیا جائے کیونکہ یہ بہت اچھا قول ہے۔''ط''۔

31904۔(قولہ: فِي الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ وَآيَةِ السَّجْدَةِ) جیسے وہ چرنے والے جانوروں کو سال گزرنے سے پہلے کسی اور مال سے بیچ دے یا سال گزرنے سے پہلے وہ مال اپنے بیٹے کو دے دے یا حج کے مہینوں سے پہلے انہیں ہبہ کر دے یا سورۂ سجدہ پڑھے اور آیت سجدہ چھوڑ دے۔

''طحطاوی'' نے کہا: میں کہتا ہوں: وہ اسے اتنا آہستہ پڑھے کہ وہ اپنے آپ کو نہ سنائے یہ مشہور مذہب کے مطابق ہے۔ یعنی معتبر یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو سنائے نہ صرف حروف کی تصحیح مراد ہے۔

31905۔(قولہ: لِإِسْقَاطِ الْحِيلَةِ) یعنی شفعہ میں حیلہ کو ساقط کرنے کیلئے جہاں تک ان کے علاوہ کا تعلق ہے تو وہ موجود ہیں جس طرح''بیری'' نے بیان کیا ہے۔

31906۔(قولہ: قَالَ) یعنی''بزازیہ'' میں کہا۔

میں کہتا ہوں: اس کلام کی اصل''صاحب الظہیریہ'' کی اپنے والد سے مروی ہے۔''رحمتی'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ جو پہلے گزر چکا ہے کہ اسے حق حاصل ہے کہ اس سے یہ قسم لے کر پہلی بیع بیع تلجئہ نہ تھی۔ اسی طرح ان کا قول ہے میں فلوس کی قیمت کو جانتا ہوں۔ یہ اس امر کی صلاحیت رکھتا ہے کہ یہ حیلہ کے اسقاط کا حیلہ ہے۔

وہ شخص جس کے لیے کسی گھر کا اقرار کیا گیا اسے شفعہ کا حق حاصل ہے

تتمہ: میں نے اپنے مشائخ کے شیخ''منلا علی'' کی تحریر جو''جواہر الفتاویٰ'' سے مروی ہے کو دیکھا جس کا حاصل یہ ہے: اس کے گھر کے ایک حصہ کا اقرار کیا پھر اس سے باقی ماندہ کو بیچا تو پڑوسی کے لئے کوئی شفعہ نہیں۔ اسے''خصاف'' نے ذکر کیا ہے اور''خوارزمی'' نے اس کا انکار کیا ہے۔ مذہب وہ ہے جو انہوں نے کہا ہے۔ روایت اس آدمی کے بارے میں منصوص ہے جس نے دوسرے آدمی کے حق میں گھر کا اقرار کیا اور اسے حوالے کر دیا پھر ایک گھر اس کے پہلو میں بیچا گیا تو امام''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق مقرلہ کے لئے کوئی شفعہ نہیں۔ امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ یعنی اقرار حجت قاصرہ ہے اس کا مقتضایہ ہے کہ مقر کے لئے بھی کوئی شفعہ نہیں یہ اس کے اقرار پر اس کا مواخذہ ہے۔''تامل''

31907۔(قولہ: وَالْبَائِعُ وَاحِدٌ) میں کہتا ہوں: اگر بائع اور مشتری میں سے ہر ایک متعدد ہوں میں نے اس

بِالشُّفْعَةِ بِتَعَدُّدِهِمْ فَلِلشَّفِيعِ أَنْ يَأْخُذَ نَصِيبَ بَعْضِهِمْ وَيَتْرُكَ الْبَاقِيَ وَبِعَكْسِهِ) وَهُوَ مَا إِذَا تَعَدَّدَ الْبَائِعُ وَاتَّحَدَ الْمُشْتَرِي (لَا يَتَعَدَّدُ الْأَخْذُ، بَلْ يَأْخُذُ الْكُلَّ أَوْ يَتْرُكُ لِأَنَّ فِيهِ تَفْرِيقَ الصَّفْقَةِ عَلَى الْمُشْتَرِي، بِخِلَافِ الْأَوَّلِ لِقِيَامِ الشَّفِيعِ مَقَامَ أَحَدِهِمْ فَلَمْ تَتَفَرَّقُ الصَّفْقَةُ بِلَا فَرْقٍ بَيْنَ كَوْنِهِ قَبْلَ الْقَبْضِ أَوْ بَعْدَهُ سَمَّى لِكُلِّ بَعْضٍ ثَمَنًا أَوْ سَمَّى لِلْكُلِّ جُمْلَةً، لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِاتِّحَادِ الصَّفْقَةِ لَا لِاتِّحَادِ الثَّمَنِ وَاعْلَمْ

متعدد شفعوں کے ساتھ اسے لینا ہوگا۔ اور شفیع کو حق حاصل ہوگا کہ بعض کا حصہ لے اور باقی ماندہ کو چھوڑ دے اور اس کے برعکس اس کی صورت یہ ہے کہ بائع متعدد ہوں اور مشتری متحد ہو تو متعدد شفعوں کے ساتھ لینا جائز نہیں ہوگا بلکہ یا تو سب لے گا یا سب کو چھوڑ دے گا۔ کیونکہ اس میں مشتری پر صفقہ کو متفرق کرنا ہے۔ پہلے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ان میں شفیع ایک کے قائم مقام ہے۔ پس صفقہ متفرق نہیں ہوا اس میں فرق کئے بغیر یہ قبضہ سے پہلے ہو قبضہ کے بعد ہو یہ بعض کے لئے ثمن کا ذکر کرے یا سب کے لئے ایک ہی دفعہ ثمن ذکر کر دے۔ کیونکہ اعتبار صفقہ کے متحد ہونے کا ہے ثمن کے اتحاد کا نہیں۔ یہ جان لو

بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا۔ ظاہر یہی ہے کہ حکم اسی طرح ہے جس طرح اس کے برعکس ہے جس طرح آنے والے تعلیل اس کو بیان کرتی ہے۔ پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہئے۔

31908۔(قولہ: لِأَنَّ فِيهِ تَفْرِيقَ الصَّفْقَةِ عَلَى الْمُشْتَرِي) پس شرکت کے عیب کی وجہ سے اسے ضرر لاحق ہوتا ہے۔ ''کفایہ'' میں ''ذخیرہ'' سے مروی ہے: اگر اس نے ہر ایک کا حصہ ایک صفقہ سے خریدا تو شفیع کو حق حاصل ہوگا کہ ان میں سے ایک کا حصہ لے لے۔ کیونکہ مشتری اس عیب سے راضی ہو چکا ہے۔ کیونکہ اس نے ہر ایک کا حصہ ایک صفقہ کے ساتھ خریدا ہے۔ پھر اس کی وضاحت کی جس کی وجہ سے صفقہ متفرق ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے متحد ہوتا ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

31909۔(قولہ: لِقِيَامِ الشَّفِيعِ الخ) کیونکہ پڑوسی متعدد ہیں پس اس کو حق حاصل ہے کہ وہ ان میں ایک سے راضی ہو دوسرے سے راضی نہ ہو مگر جب مشتری سے ایک حصہ میں جوار سے راضی ہو جائے تو وہ دوسرے حصہ میں بھی راضی ہو گیا ایک کے جوار کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ ''درر البحار''۔

31910۔(قولہ: بِلَا فَرْقٍ الخ) یہی صحیح ہے مگر قبضہ سے پہلے اس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ ان میں سے کسی ایک کا حصہ لے جب اس نے اپنے اوپر موجود حق کو نقد ادا کر دیا ہو جب تک دوسرا اپنا حصہ نقد نہ دے۔ تاکہ بائع پر ید (قبضہ) کے متفرق ہونے کی طرف نہ لے جائے جو مشتریوں میں سے ایک کے قائم مقام ہے۔ ''ہدایہ''۔ یعنی جب اس نے اپنے اوپر لازم ثمن کو نقد ادا کیا تو گھر میں سے اس کا حصہ قبضہ میں نہیں لے گا یہاں تک کہ تمام مشتری اپنے اوپر لازم ثمن ادا کر دیں اسی طرح شفیع کا حکم ہے۔

31911۔(قولہ: قَبْلَ الْقَبْضِ أَوْ بَعْدَهُ) یعنی مشتری کے گھر پر قبضہ کرنے سے پہلے ''معراج''۔

أَنَّهُ لَوْ طَلَبَ الْحِصَّةَ فَهُوَ عَلَى شُفْعَتِهِ، وَلَوْ اشْتَرَى دَارَيْنِ أَوْ قَرْيَتَيْنِ بِمِصْرَيْنِ صَفْقَةً أَخَذَهُمَا شَفِيعُهَا مَعًا أَوْ تَرَكَهُمَا لَا أَحَدَهُمَا وَلَوْ إِحْدَاهُمَا بِالْمَشْرِقِ وَالْأُخْرَى بِالْمَغْرِبِ شَرْحُ مَجْمَعٍ وَيَأْتِي (وَالْمُعْتَبَرُ فِي هَذَا) أَيْ الْعَدَدِ وَالِاتِّحَادِ (الْعَاقِدُ) لِتَعَلُّقِ حُقُوقِ الْعَقْدِ بِهِ (دُونَ الْمَالِكِ) فَلَوْ وَكَّلَ وَاحِدٌ جَمَاعَةً

اگر اس نے حصہ طلب کیا تو وہ اپنے شفعہ پر ہوگا اگر اس نے دو گھر خریدے یا دو دیہات خریدے جو دو شہروں میں سے ہیں ایک عقد میں تو ان میں شفعہ کرنے والا یا تو ان دونوں کو اکٹھے لے گا یا دونوں کو چھوڑ دے گا نہ کہ ان دونوں میں سے ایک کو چھوڑے گا اگر چہ دونوں میں سے ایک مشرق میں ہو اور دوسرا دیہات مغرب میں ہو۔ ''شرح مجمع'' اور آگے آئے گا: اس عدد اور اتحاد میں معتبر عقد کرنے والا ہے۔ کیونکہ عقد کے حقوق اس کے متعلق ہوتے ہیں مالک کے متعلق نہیں ہوتے۔ اگر ایک آدمی نے جماعت کو وکیل بنایا

31912۔ (قولہ: فَهُوَ عَلَى شُفْعَتِهِ) یعنی باقی ماندہ وہ اپنے شفعہ پر ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا ''قہستانی''۔ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: جب مشتری ایک تھا اور بائع دو تھے اور شفیع نے دونوں میں سے ایک کا حصہ طلب کیا حالانکہ اسے یہ لینے کا حق نہیں کیا وہ اپنے شفعہ پر ہوگا؟ اصل میں ذکر کیا ہے: ہاں۔ ان میں سے بعض نے کہا ہے: یہ اس پر محمول ہوگا جب وہ تمام میں طلب مواثبہ اور طلب اشہاد کے بعد ہوا اگر وہ نصف میں اول طلب کرے تو شفعہ باطل ہو جائے گا ان میں سے بعض نے کہا: یہ اپنے اطلاق پر ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلے کی وہ قول تائید کرتا ہے جو شارح نے پہلے باب الطلب سے تھوڑا پہلے ''زیلعی'' سے نقل کیا ہے کہ اس کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ کل کو طلب کرے اس کے ساتھ اسے تقویت حاصل ہو جاتی ہے جو ہم نے وہاں اس میں اور ''مجمع'' کے قول میں تطبیق ذکر کی ہے اور ان کے قول: آخذ نصفها کو شفعہ چھوڑ دینا نہیں بنایا جائے گا۔ ''فتدبر''

31913۔ (قولہ: لَا أَحَدَهُمَا) امام ''زفر'' نے کہا: اسے یہ حق حاصل ہے کہ ان دونوں میں سے ایک پر شفعہ کرلے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فتویٰ امام ''زفر'' کے قول پر ہے۔ مصرین کی قید لگائی ہے کیونکہ ''الحقائق'' میں ہے: اگر دونوں ایک مصر میں ہوں۔ پس ان کا قول ہمارے قول کی طرح ہے۔ ''مصفی'' اور ''ایضاح'' میں ہے کہ یہ اتفاقی قید ہے اور وہ ایک عقد کے ساتھ ہو۔ کیونکہ اگر دونوں کو دو صفقوں سے بیچا جائے تو اسے حق حاصل ہے کہ ان دونوں میں سے جس کو چاہے لے لے۔ یہ متفق علیہ ہے اور وہ ان دونوں کا شفیع ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ دونوں میں سے ایک کا شفیع ہوتا تو صرف وہی لیتا جس کا وہ شفیع ہے یہ بالاتفاق ہے۔ کیونکہ صفقہ اگر ایک ہو تو وہ اس پر مشتمل ہے جس میں شفعہ ہے اور اس پر مشتمل ہے جس میں شفعہ نہیں۔ شفعہ کا حکم اس میں لگایا جائے گا جس میں یہ بندے کے حق کی ادائیگی کے طور پر ثابت ہو۔ ''درر البحار'' اور ''شرح المجمع'' میں اسی طرح ہے۔

31914۔ (قولہ: وَيَأْتِي) یہ ''نظم وہبانی'' سے آئے گا۔

31915۔ (قولہ: فَلَوْ وَكَّلَ وَاحِدٌ جَمَاعَةً) یعنی ایک آدمی نے جماعت کو شرا کا وکیل بنایا تو ان سب نے ایک صفقہ

فَلِلشَّفِيعِ أَخْذُ نَصِيبِ بَعْضِهِمْ (اشْتَرَى نِصْفَ دَارٍ غَيْرَ مَقْسُومٍ فَقَاسَمَ) الْمُشْتَرِي (الْبَائِعُ أَخَذَ الشَّفِيعُ نَصِيبَ الْمُشْتَرِي الَّذِي حَصَلَ لَهُ بِالْقِسْمَةِ) وَإِنْ وَقَعَ فِي غَيْرِ جَانِبِهِ عَلَى الْأَصَحِّ (وَلَيْسَ لَهُ) أَيْ لِلشَّفِيعِ (نَقْضُهَا مُطْلَقًا) سَوَاءٌ قُسِمَ بِحُكْمٍ أَوْ رِضًا عَلَى الْأَصَحِّ لِأَنَّهَا مِنْ تَمَامِ الْقَبْضِ، حَتَّى لَوْ قَاسَمَ الشَّرِيكُ كَانَ لِلشَّفِيعِ النَّقْضُ كَمَا ذَكَرَهُ بِقَوْلِهِ (بِخِلَافِ مَا إِذَا بَاعَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ نَصِيبَهُ مِنْ دَارٍ مُشْتَرَكَةٍ وَقَاسَمَ الْمُشْتَرِي الشَّرِيكَ الَّذِي لَمْ يَبِعْ

توشفیع کوحق حاصل ہے کہ ان میں سے بعض کا حصہ لے لے۔ایک آدمی نے نصف گھرخریدا جو تقسیم نہیں تومشتری نے بائع سے اس کوتقسیم کیا توشفیع مشتری کا وہ حصہ لے لے گا جواس کوتقسیم سے حاصل ہوا اگر چہ وہ اس کی جانب نہ ہو۔ یہ اصح قول کے مطابق ہے۔اور شفیع کوحق حاصل نہیں کہ وہ اس تقسیم کو مطلقاً توڑے خواہ اس کی تقسیم قاضی کے فیصلہ سے ہو یا باہمی رضامندی سے ہو۔ یہ اصح قول کے مطابق ہے۔ کیونکہ یہ قبضہ کی تکمیل ہے۔ یہاں تک کہ اگر شریک تقسیم کرے توشفیع کوحق حاصل ہے کہ اسے توڑ دے جس طرح اس کا ذکر اپنے اس قول سے کیا ہے: یہ صورت مختلف ہوگی جب دونوں شریکوں میں سے ایک شریک مشترک گھر میں سے اپنا حصہ بیچ دے اور مشتری اس شریک کے ساتھ اسے بیچے جس نے اسے نہیں بیچا

یا متعدد صفقوں سے ایک عقار خریدی۔''زیلعی''۔تفریع کی تکمیل اس طرح ہے: اگر جماعت نے ایک آدمی کو وکیل بنایا توشفیع کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس میں سے بعض کا حصہ لے۔

31916۔(قولہ: فَلِلشَّفِيعِ الخ) یہ حکم اس صورت میں ہے جب ہر ایک کو ایک حصہ میں اپنا وکیل بنائے۔مگر جب وہ سب کو سب خریدنے کا وکیل بنائے تو پھر شفعہ سب میں ہوگا۔ فلیتامل ''ط''۔

میں کہتا ہوں: یہ نفس کو مقبول (پسند) ہے اگر اس کے وہ قول مخالف نہ ہو جسے ہم نے ابھی ''زیلعی'' سے نقل کیا ہے۔فتامل

31917۔(قولہ: وَإِنْ وَقَعَ فِي غَيْرِ جَانِبِهِ) امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ اسے لے گا جب وہ گھر کی اس جانب واقع ہو جس کے باعث وہ شفعہ کررہا ہے کیونکہ وہ دوسری جانب ہو تو وہ پڑوسی نہیں رہتا۔''ہدایہ''۔

31918۔(قولہ: أَوْ رِضًا عَلَى الْأَصَحِّ) امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اگر چہ قضا کے بغیر ہو تو اسے توڑنے کا حق ہے۔''اتقانی''۔

31919۔(قولہ: لِأَنَّهَا مِنْ تَمَامِ الْقَبْضِ) کیونکہ یہ معروف ہے کہ مشترک چیز کا قبضہ جو تقسیم کو قبول کرتا ہو یہ ناقص قبضہ ہے۔''کفایہ''۔

31920۔(قولہ: حَتَّى لَوْ قَاسَمَ) یعنی اگر مشتری تقسیم کرے یہ اس تعلیل پر تفریع ہے کہ تقسیم قبضہ کا تمہ ہے۔ ''طحطاوی'' نے یہ بیان کیا ہے۔

حَيْثُ يَكُونُ لِلشَّفِيعِ نَقْضُهُ) كَنَقْضِهِ بَيْعَهُ وَهِبَتَهُ (كَمَا لَوْ اشْتَرَى اثْنَانِ دَارًا وَهُمَا شَفِيعَانِ ثُمَّ جَاءَ شَفِيعٌ ثَالِثٌ بَعْدَ مَا اقْتَسَمَا بِقَضَاءٍ أَوْ غَيْرِهِ فَلَهُ) أَيْ لِلشَّفِيعِ (أَنْ يَنْقُضَ الْقِسْمَةَ) ضَرُورَةَ صَيْرُورَةِ النِّصْفِ ثُلُثًا شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ (اخْتَلَفَ الْجَارُ وَالْمُشْتَرِي فِي مِلْكِيَّةِ الدَّارِ الَّتِي يَسْكُنُ فِيهَا) الشَّفِيعُ الَّذِي هُوَ الْجَارُ (فَالْقَوْلُ لِلْمُشْتَرِي) لِأَنَّهُ يُنْكِرُ اسْتِحْقَاقَ الشُّفْعَةِ (وَلِلْجَارِ تَحْلِيفُهُ) أَيْ تَحْلِيفُ الْمُشْتَرِي (عَلَى الْعِلْمِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَبِهِ يُفْتَى، كَمَا لَوْ أَنْكَرَ الْمُشْتَرِي طَلَبَ الْمُوَاثَبَةِ) فَإِنَّهُ يَحْلِفُ عَلَى الْعِلْمِ (وَإِنْ أَنْكَرَ) الْمُشْتَرِي (طَلَبَ الْإِشْهَادِ عِنْدَ لِقَائِهِ حَلَفَ)

توشفیع کو اس کے توڑنے کا حق حاصل ہوگا جس طرح وہ اس کی بیع اور اس کا ہبہ توڑ دیتا ہے۔ جس طرح دو آدمیوں نے ایک گھر خریدا اور وہ دونوں اس کے شفیع ہیں پھر تیسرا شفیع آ جائے اس کے بعد کہ دونوں نے قاضی کے فیصلہ سے یا کسی اور وجہ سے آدمیوں میں تقسیم کرلیا تو شفیع کو حق حاصل ہے کہ وہ تقسیم کو توڑ دے۔ کیونکہ نصف تہائی ہو چکا ہے اس ضرورت کی وجہ سے وہ تقسیم کو توڑ دے، ''شرح وہبانیہ''۔ پڑوسی اور مشتری میں اس گھر کی ملکیت میں اختلاف ہو گیا جس میں شفیع ایک ہے اور وہی پڑوسی ہے تو قول مشتری کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ شفعہ کے استحقاق کا انکاری ہے اور پڑوسی کو حق حاصل ہے کہ مشتری سے علم پر قسم لے۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے جس طرح مشتری جب طلب مواثبہ کا انکار کرے تو اس سے علم (جاننے) پر قسم لی جائے گی۔ اگر ملاقات کے وقت وہ مشتری طلب اشہاد کا انکار کرے تو مشتری سے امر یقینی پر قسم

31921_(قولہ: حَيْثُ يَكُونُ لِلشَّفِيعِ نَقْضُهُ) کیونکہ یہ تقسیم دو متعاقدین کے درمیان جاری نہیں تو یہ ممکن نہیں کہ اس تقسیم کو عقد کے حکم سے قبضہ بنایا جائے۔ پس اس کو مبادلہ بنایا جائے گا اور شفیع کو حق حاصل ہے کہ وہ مبادلہ کو ختم کر دے۔ ''کفایہ''۔

31922_(قولہ: كَمَا لَوْ اشْتَرَى الخ) یہ اسے توڑنے میں تشبیہ ہے۔ ''ط''۔

31923_(قولہ: وَلِلْجَارِ تَحْلِيفُهُ عَلَى الْعِلْمِ) کیونکہ یہ غیر کے فعل پر قسم لینا ہے۔ ''منح''۔ پس وہ کہے گا: میں نہیں جانتا کہ یہ اس کا مالک ہے جس کی بنا پر وہ اس پر شفعہ کر رہا ہے۔

31924_(قولہ: فَإِنَّهُ يَحْلِفُ عَلَى الْعِلْمِ) یہ اس کے موافق ہے جو ''تاتر خانیہ'' میں ''فتاویٰ ابو اللیث'' سے مروی ہے۔ یہ اس پر محمول ہے جب شفیع کہے: مجھے کل علم ہوا ہے اور میں نے شفعہ طلب کیا تو اسے اس امر کا مکلف بنایا جائے گا کہ وہ گواہیاں پیش کرے اگر وہ گواہیاں پیش نہ کرے تو مشتری سے قسم لی جائے گی مگر جب وہ کہے: میں نے اس وقت شفعہ طلب کیا جب مجھے علم ہوا یعنی اس نے زمانہ گزشتہ کی طرف منسوب نہ کیا تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا۔ جس طرح ''الدرر''، ''الخانیہ'' اور ''بزازیہ'' میں ہے۔ پس تطبیق حاصل ہو جائے گی۔ ''رملی'' نے اسے بیان کیا ہے اور ہم اس بارے میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔

31925_(قولہ: عِنْدَ لِقَائِهِ) اس کی قید لگائی ہے کیونکہ جب بائع سے ملاقات یا گھر کے بارے میں وہ طلب اشہاد

الْمُشْتَرِي (عَلَى الْبَتَاتِ) لِأَنَّهُ يُحِيطُ بِهِ عِلْمًا دُونَ الْأَوَّلِ حَاوِي الزَّاهِدِيِّ، وَلَوْ بَرْهَنَا فَبَيِّنَةُ الشَّفِيعِ أَحَقُّ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ بَيِّنَةُ الْمُشْتَرِي فُرُوعٌ بَاعَ مَا فِي إِجَارَةِ الْغَيْرِ وَهُوَ شَفِيعُهَا، فَإِنْ أَجَازَ الْبَيْعَ أَخَذَهَا بِالشُّفْعَةِ وَإِلَّا بَطَلَتِ الْإِجَارَةُ، وَإِنْ رَدَّهَا شَرَى لِطِفْلِهِ وَالْأَبُ شَفِيعٌ

لی جائے گی۔ کیونکہ یہ علم کو محیط ہے نہ کہ پہلی صورت ''حاوی زاہدی''۔ اگر دونوں گواہیاں قائم کردیں تو شفیع کی گواہیاں زیادہ حقدار ہیں۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مشتری کی گواہیاں زیادہ حقدار ہیں۔ فروع: غیر کے اجارہ میں موجود چیز کو بیچا جبکہ مستاجر اس کا شفیع ہے اگر وہ بیع کو جائز قرار دے تو اسے شفعہ کے ساتھ لے لے گا ورنہ اجارہ باطل ہو جائے گا اگر چہ وہ اس بیع کو روک دے۔ اس نے اپنے بچے کے لئے اسے خریدا اور باپ اس کا شفیع ہے

کا انکار کرے تو اس سے علم یقینی پر قسم لی جائے گی کیونکہ علم کا احاطہ نہیں۔ ''ح''۔

31926۔ (قولہ: فَبَيِّنَةُ الشَّفِيعِ أَحَقُّ) کیونکہ یہ اخذ کو ثابت کرتے ہیں اور بینات تو اثبات کیلئے ہوتی ہیں۔ ''ط''۔

31927۔ (قولہ: وَهُوَ) یعنی غیر جو مستاجر ہے۔

31928۔ (قولہ: أَخَذَهَا بِالشُّفْعَةِ) کیونکہ اس کا سبب پایا جارہا ہے اور اجارہ باطل ہو چکا ہے۔

بیع کی اجازت نہ دینا اجارہ کے بطلان کو ثابت نہیں کرتا

31929۔ (قولہ: وَإِلَّا بَطَلَتِ الْإِجَارَةُ وَإِنْ رَدَّهَا) اشباہ کی عبارت ہے: بان ردّھا۔ اور مسئلہ کو ''ولوالجیہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''حموی'' نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ بیع کی اجازت نہ دینا یہ اجارہ کے بطلان کو ثابت نہیں کرتا۔ جو ''ولوالجیہ'' میں ہے: اگر بیع جائز نہ ہو لیکن اس نے شفعہ کو طلب کیا یہ اجارہ کو باطل کر دے گا کیونکہ طلب شفعہ اسی وقت صحیح ہوتا ہے جب پہلے اجارہ باطل ہو چکا ہو صحیح یہ ہے ان طلبھا یعنی شفعہ طلب کرے۔ ملخص۔ اور جو ''الولوالجیہ'' میں ہے وہ ''خانیہ''، ''قنیہ'' اور ''ہندیہ'' میں ''محیط'' سے مروی ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ اسے شفعہ کے ساتھ لینے کا اختیار ہے۔ کیونکہ بیع متعاقدین میں نافذ ہے۔ اس وقت کوئی فرق نہیں کہ وہ بیع کی اجازت دے اور طلب شفعہ کرے یا صرف شفعہ کو طلب کرے۔ اور عبارت ضعف سے خالی نہیں کیونکہ یہ وہم دلاتی ہے کہ اگر وہ صرف شفعہ طلب کرے تو اس کے لئے شفعہ نہیں حالانکہ اس کے لئے شفعہ ہوتا ہے جس طرح ''خانیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

میں کہتا ہوں: ''ولوالجیہ'' وغیرھا میں مسئلہ اس لئے چلایا گیا ہے تاکہ اس میں اور اس میں فرق کیا جائے کہ جب وہ گھر بیچے اس شرط پر کہ شفیع ثمن کا کفیل بنے تو اس نے شفعہ کی ضمانت اٹھالی تو اس کے لئے کوئی شفعہ نہیں ہوگا۔ فرق یہ ہے کہ جب کفالہ بیع میں شرط ہو تو اس کا جواز کفالہ کی طرف منسوب ہوگا اور شفیع بائع کے قائم مقام ہوگا۔ یہاں بائع بیع، مستاجر کی اجازت کے بغیر جائز ہے آخر تک جو انہوں نے ذکر کیا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ مستاجر کو شفعہ کا حق حاصل ہے خواہ اس نے بیع کو صراحۃً یا ضمناً جائز قرار دیا ہو۔ کفیل کا معاملہ مختلف

لَهُ الشُّفْعَةُ وَالْوَصِیُّ کَالْأَبِ قُلْتُ لٰکِنْ فِی شَرْحِ الْمَجْمَعِ مَا یُخَالِفُهُ فَتَنَبَّهْ لَوْ کَانَتْ دَارُ الشَّفِیعِ
اسے شفعہ کا حق ہوگا۔ اور وصی باپ کی طرح ہے۔ میں کہتا ہوں: لیکن ''شرح المجمع'' میں وہ قول ہے جو اس کے مخالف ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔ اگر شفیع کا گھر

ہے۔ پس ان کے مقصد پر آگاہی کے بعد ان کی کلام میں کوئی ضعف نہیں۔ فافہم۔

31930۔ (قولہ: الشُّفْعَةُ) پس وہ کہے گا: میں نے خریدا اور شفعہ کے ساتھ لیا پس گھر اس کا ہو جائے گا اور قضا کی ضرورت نہ ہوگی۔ ''خانیہ''۔ ''النہایہ'' اور ''المعراج'' میں اس کو اس امر کے ساتھ مقید کیا ہے جب اس میں بچے کے لئے ظاہر ضرر نہ ہو جس طرح وہ اپنے بیٹے کا مال اپنے لئے خریدے۔

31931۔ (قولہ: وَالْوَصِیُّ کَالْأَبِ) یہ قول اس کے نقطہ نظر کے مطابق ہے جو میں کہتا ہوں: وصی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یتیم کا مال اپنے لئے خریدے اور اس کے قول کے مطابق جو یہ کہتا ہے وہ اس کا مالک نہیں ہوتا تو اس کے لئے بھی شفعہ کرنا جائز ہے۔ لیکن وہ کہے گا: میں نے خریدا اور شفعہ کو طلب کیا۔ پھر وہ امر قاضی کے سامنے کرے گا تا کہ وہ چھوٹے کی جانب سے نگران معین کرے۔ پس وصی اس سے شفعہ کے ساتھ لے لے اور ثمن اس کے سپرد کر دے پھر وہ ثمن وصی کے حوالے کر دے۔ ''ولوالجیہ''، ''خانیہ'' اور ''قنیہ''۔

اگر صغیر کے لیے نفع ہو تو وصی کو شفعہ کا حق حاصل ہوگا

31932۔ (قولہ: لٰکِنْ فِی شَرْحِ الْمَجْمَعِ مَا یُخَالِفُهُ) کیونکہ کہا: اب کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ وصی اسے اپنے لئے بالاتفاق لینے کا مالک نہیں۔ کیونکہ یہ شرا کے قائم مقام ہے اور وصی کے لئے جائز نہیں کہ وہ یتیم کا مال اپنے لئے مثل قیمت کے ساتھ لے لے۔ اسی کی مثل ''درر البحار'' اور ''خانیہ'' میں بھی ایک اور جگہ ہے لیکن اس سے متفق علیہ کا ذکر نہیں۔

اور تطبیق یوں ممکن ہے کہ اسے یہ حق حاصل نہیں جب تک وہ قاضی کے سامنے مسئلہ پیش نہ کرے اور وہ نگران مقرر نہ کرے۔ لیکن ''خزانۃ الاکمل'' میں ہے کہ وصی طلب کرتا ہے اور گواہی دیتا ہے اور خصومت کو صغیر کے بالغ ہونے تک موخر کرتا ہے۔ یہی ''منظومہ وہبانیہ'' سے آئے گا۔ ''طرطوسی'' نے اسی طریقہ سے تطبیق دی ہے اور جو ابھی گزرا ہے اسے فی الحال تملک کی طلب کی نفی پر محمول کیا ہے جس طرح ''شرنبلالی'' نے اسے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اور چاہئے کہ اس مذکورہ تاخیر کا لزوم اس وقت ہو جب امر قاضی کے سامنے پیش نہ کیا جائے۔ اور اسی طریقہ سے اس قول جو ''خزانۃ'' میں ہے اور وہ قول جسے ہم نے پہلے ''ولوالجیہ'' وغیرہ سے بیان کیا ہے اس میں تطبیق دی جائے۔

یہ ذہن نشین کر لو۔ ''النہایہ''، ''معراج'' میں ایک اور تفصیل ذکر کی گئی ہے جبکہ ''زیلعی'' نے ان دونوں کی پیروی کی ہے۔

وہ یہ ہے کہ شرا میں تھوڑا سا غبن ہو ورنہ اگر صغیر کے لئے شرا مثل قیمت کے ساتھ ہو تو بالاتفاق یہ جائز نہیں جس طرح وہ صغیر کا مال اپنے لئے خریدے۔ اس کی مثل ''ذخیرہ'' اور ''تاتر خانیہ'' میں ہے اور جو ہم نے پہلے سابقہ اقوال ذکر کئے ہیں اس پر ان کو

مُلَاصِقَةٌ لِبَعْضِ الْمَبِيعِ كَانَ لَهُ الشُّفْعَةُ فِيمَا لَاصَقَهُ فَقَطْ وَلَوْ فِيهِ تَفْرِيقُ الصَّفْقَةِ الْإِبْرَاءُ الْعَامُّ مِنَ الشَّفِيعِ يُبْطِلُهَا قَضَاءً مُطْلَقًا لَا دِيَانَةً إِنْ لَمْ يَعْلَمْ بِهَا

مبیع کے بعض حصہ کے ملاصق ہو تو اسے صرف اس حصہ میں شفعہ کا حق ہوگا جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے اگر چہ اس میں صفقہ متفرق ہو۔ شفیع کی جانب سے ابراء عام یہ قضاءً شفعہ کو مطلقاً باطل کر دیتا ہے دیانۃً باطل نہیں کرتا اگر اسے اس کا علم نہ ہو۔

محمول کیا جائے گا۔

اس تمام بحث سے جو امر واضح ہوتا ہے کہ وصی کو شفعہ کا حق حاصل ہوگا اگر وہاں صغیر کے لئے ظاہر نفع ہو اس شرط کے ساتھ کہ مسئلہ قاضی کے سامنے پیش کیا جائے ورنہ خصومت صغیر کے بالغ ہونے تک موخر کر دی جائے اگر اس میں ظاہر نفع نہ ہو تو پھر جائز نہیں۔ علما کی ان بکھری ہوئی کلاموں میں جو یگانہ تطبیق ہے اسے غنیمت جانو۔

31933۔ (قولہ: لِبَعْضِ الْمَبِيعِ) ''اشباہ'' میں اسی طرح ہے۔ اس کا معنی ہے: جب مبیع متعدد ہوں جیسے دو گھر ہوں اسے ایک گھر کے ساتھ پڑوس حاصل ہے جس طرح ''حموی'' وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور ہم پہلے اسے ''اتقانی'' سے نقل کر چکے ہیں: اگر دونوں پڑوسیوں میں ایک مبیع کے ساتھ ایک جانب سے ملاصق ہے اور دوسرا تین جانب سے ملاصق ہے تو وہ شفعہ میں برابر ہوں گے۔ فتنبہ۔

''بزازیہ'' میں ہے: ایک خاص دیہات ہے جس کو اس کے مالک نے اس بستی کے گھروں کے ساتھ بیچا اور اس کی ایک طرف ایک انسان کی زمین کے ساتھ ملی ہوئی ہے تو شفیع کو وہ طرف لینے کا حق ہے جو اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے یعنی کیونکہ وہ بستی متعدد کے حکم میں ہے۔ ''تامل''

شفیع کی جانب سے ابراء عام قضاءً شفعہ کو باطل کر دیتا ہے

31934۔ (قولہ: الْإِبْرَاءُ الْعَامُّ مِنَ الشَّفِيعِ) جس طرح بائع یا مشتری شفیع کو کہے: ہمیں اس خصومت سے بری کر دے جو خصومت ہماری جانب تجھے حاصل ہے۔ ''ولوالجیہ''۔

31935۔ (قولہ: مُطْلَقًا) خواہ اسے یہ معلوم ہو کہ اسے ان دونوں کی جانب شفعہ ثابت ہے یا شفعہ ثابت نہیں۔

31936۔ (قولہ: لَا دِيَانَةً إِنْ لَمْ يَعْلَمْ بِهَا) ''زواہر الجواہر'' میں کہا ہے: یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے۔ جہاں تک امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تعلق ہے تو مجہول سے براءت کی صورت میں وہ قضاءً اور دیانۃً بری ہو جائے گا۔ اسی پر فتوی ہے جس طرح ''شرح المنظومہ'' اور ''خلاصہ'' میں ہے۔ ''ح''۔

میں کہتا ہوں: ''ولوالجیہ'' میں دیانۃً بری نہ ہونے کی اس قول کے ساتھ علت بیان کی ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس حق کو جانتا ہوتا تو ان دونوں کو بری نہ کرتا۔ کہا: اسی کی مثل ہے اگر دوسرا کہے مجھے حلت میں بنا دے تو وہ دیانۃً بری نہیں ہوگا جب وہ ایسی حالت میں ہو اگر وہ اس حق کو جانتا ہوتا تو اسے بری نہ کرتا ''فتامل'' اسے ذہن نشین کر لو۔ ''حموی'' نے اس مسئلہ میں اس قول

إِذَا صَبَغَ الْمُشْتَرِي الْبِنَاءَ فَجَاءَ الشَّفِيعُ خُيِّرَ إِنْ شَاءَ أَعْطَاهُ مَا زَادَ الصَّبْغُ أَوْ تَرَكَ أَخَّرَ الْجَارُ طَلَبَهُ تَكُونُ الْقَاضِي لَا يَرَاهَا فَهُوَ مَعْذُورٌ يَهُودِيٌّ سَمِعَ بِالْبَيْعِ يَوْمَ السَّبْتِ فَلَمْ يَطْلُبْ لَمْ يَكُنْ عُذْرًا قُلْتُ يُؤْخَذُ مِنْهُ إِنَّ الْيَهُودِيَّ إِذَا طَلَبَ خَصْمُهُ مِنَ الْقَاضِي إِحْضَارَهُ يَوْمَ سَبْتِهِ فَإِنَّهُ يُكَلِّفُهُ الْحُضُورَ وَلَا يَكُونُ سَبْتُهُ عُذْرًا

جب مشتری عمارت پر روغن کر دے تو شفیع آئے اسے اختیار دیا جائے گا اگر چاہے تو اسے وہ عطا کر دے جس قدر روغن نے اس کی قدر میں اضافہ کیا ہے یا شفعہ چھوڑ دے۔ پڑوسی نے شفعہ کی طلب کو موخر کیا کیونکہ قاضی ایسا ہے جو اس شفعہ کی رائے نہیں رکھتا تو وہ معذور ہوگا۔ ایک یہودی ہے جس نے ہفتہ کے روز بیع کے بارے میں سنا اس نے شفعہ طلب نہ کیا تو یہ عذر نہیں ہوگا۔ میں کہتا ہوں: اس سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ جب یہودی کے خصم نے قاضی سے مطالبہ کیا کہ ہفتہ کے روز اسے حاضر کرے تو وہ یہودی کو حاضر ہونے کا مکلف بنائے گا اور اس کا سبت عذر نہیں ہوگا۔

کے ساتھ اشکال کا ذکر کیا ہے جو ''الظہیریہ'' میں ہے۔ اگر وہ کہے: اگر میں تین دنوں تک ثمن نہ لاؤں تو میں شفعہ سے بری ہوں تو وہ ثمن نہ لائے۔ عام مشائخ نے کہا: اس کا شفعہ باطل نہیں ہوگا۔ یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ جب طلب مواثبہ کیساتھ شفعہ ثابت ہو گیا اور گواہ بنانے کے ساتھ پختہ ہو گیا تو شفعہ باطل نہ ہوگا جب تک وہ زبان سے شفعہ نہ چھوڑے۔ یہ اس میں صریح ہے کہ شفعہ ابراء خاص سے باطل نہیں ہوتا تو ابراء عام سے بدرجہ اولی باطل نہیں ہوگا۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اس اشکال کا کوئی معنی نہیں۔ کیونکہ ''ظہیریہ'' سے جو مستفاد ہے اس کی غایت ہے کہ صحیح قول کے مطابق ابراء عام شفعہ کو باطل نہیں کرے گا۔

میں کہتا ہوں: اس میں غفلت واقع ہوئی ہے کہ یہ امر مستفاد اس اعتراض کا منشا ہے۔

بعض اوقات اشکال کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ جو ''ظہیریہ'' میں قول ہے وہ اس بارے میں ہے کہ جب شفعہ دونوں طلبوں کے ساتھ ثابت ہو چکا ہو اور ظاہر یہ ہے کہ ہمارا مسئلہ اس بارے میں ہے جو اس سے پہلے ہے۔ ''فتامل''

31937۔ (قولہ: إِذَا صَبَغَ الْمُشْتَرِي الخ) یہ اور اس کا مابعد اس کا مستدرک ہے جو باب الطلب میں پہلے گزر چکا ہے۔ ''طحطاوی'' نے یہ بیان کیا ہے۔

31938۔ (قولہ: أَخَّرَ الْجَارُ طَلَبَهُ) ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے مفتی بہ قول پر مبنی ہے۔

31939۔ (قولہ: يَهُودِيٌّ سَمِعَ الخ) ظاہر یہ ہے کہ یہ قید اتفاقی ہے پس اتوار کا دن نصرانی کے لئے کوئی عذر نہیں۔ یہودی کو خصوصاً ذکر کرنے کا نکتہ یہ ہے کہ انہیں ہفتہ کے روز اعمال سے منع کر دیا گیا ہے اور نصاریٰ کو اتوار کے روز اعمال سے منع نہیں کیا گیا لیکن ہماری شریعت میں یہ منسوخ ہے۔ ''حموی''۔

31940۔ (قولہ: لَمْ يَكُنْ عُذْرًا) اسی طرح اگر شفیع خارجیوں کے لشکر میں ہو یا باغیوں کے لشکر میں ہو تو اسے اپنی جان کے بارے میں خوف ہے کہ وہ حکومت وقت کے لشکر میں داخل ہو تو وہ شفعہ طلب نہ کرے تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔

وَّهِيَ وَاقِعَةُ الْفَتْوٰى قَالَهُ الْمُصَنِّفُ قُلْتُ وَهِيَ فِيْ وَاقِعَاتِ الْحُسَامِيْ اِدَّعَى الشَّفِيعُ عَلَى الْمُشْتَرِي أَنَّهُ احْتَالَ لِإِبْطَالِهَا يَحْلِفُ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ خِلَافُهُ قُلْت وَسَنَذْكُرُهُ لِأَنَّ ابْنَ الْمُصَنِّفِ فِي حَاشِيَتِهِ لِلْأَشْبَاهِ أَيَّدَهُ بِمَا لَا مَزِيدَ عَلَيْهِ فَلْيُحْفَظْ

یہ واقعۃ الفتویٰ ہے۔ یہ مصنف نے کہا ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ ''واقعات حسامی'' میں ہے۔ شفیع نے مشتری پر دعویٰ کیا کہ اس نے شفعہ کو باطل کرنے کا حیلہ کیا ہے تو اس سے قسم لی جائے گی۔ ''وہبانیہ'' میں اس کے برعکس ہے۔ میں کہتا ہوں: ہم عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔ کیونکہ مصنف کے بیٹے نے ''اشباہ'' کے اپنے حاشیہ میں ایسی کلام کے ساتھ اس کی تائید کی ہے جس پر مزید کی گنجائش نہیں پس اس کو یادرکھا جائے۔

کیونکہ وہ معذور نہیں۔

شفیع نے مشتری کے خلاف حیلے کے ساتھ شفعہ کو باطل کرنے کا دعویٰ کیا تو اس کا حکم

31941۔(قولہ: قَالَهُ الْمُصَنِّفُ) باب ماتثبت هي فيه اولا سے تھوڑا پہلے مصنف نے یہ کہا ہے۔''ح''۔

31942۔(قولہ: وَسَنَذْكُرُهُ) یعنی ہم ''وہبانیہ'' کا کلام قریب ہی ذکر کریں گے۔''ح''۔

31943۔(قولہ: لِأَنَّ ابْنَ الْمُصَنِّفِ) ظاہر یہ ہے کہ یہ اس اعادہ کی علت ہے جو ان کے قول و سنذ کرہ سے مفہوم ہے۔ کیونکہ یہ عنایت اور تاکید کا تقاضا کرتی ہے۔''ط''۔

31944۔(قولہ: أَيَّدَهُ) کیونکہ کہا: میں کہتا ہوں: ''ابن وہبان'' جس طرف لے گئے ہیں وہ فقہ کے حوالے سے اولیٰ ہے۔ کیونکہ اس نے کہا ہے: ہر وہ موقع جس کا اگر وہ اقرار کرے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہو اگر وہ اس کا انکار کرے تو اس سے قسم نہ لی جائے گی۔ یہاں اگر وہ حیلہ کا اقرار کرے کیونکہ شفعہ ابتداءً ثابت نہیں تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ پس اس سے قسم نہیں لی جائے گی۔ شفعہ کیونکہ ابتداءً ثابت نہیں اس لئے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مکروہ نہیں۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ ہے جس طرح ''الدرر'' و ''الغرر'' میں ہے۔ ''قاضی خان'' نے ان حیلوں کو ذکر کرنے کے بعد جو شفعہ کو باطل کر دیتے ہیں کہا: ان صورتوں میں اگر شفیع یہ ارادہ کرے کہ وہ مشتری یا بائع سے یہ قسم لے: اللہ تعالیٰ کی قسم اس نے یہ عمل شفعہ سے فرار اختیار کرنے کے لئے نہیں کیا تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے ایسی شے کا دعویٰ کیا ہے اگر وہ اس کا اقرار کرے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔

میں کہتا ہوں: بندہ ضعیف اس طرف زیادہ مائل ہے جس طرف ''ابن وہبان'' گئے ہیں اور جسے علامہ فقیہ النفس ''فخر الدین قاضی خان'' نے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''ولوالجیہ'' میں ہے: پھر شفعہ کی بعض کتب میں ان حیلوں کے ذکر کرنے کے بعد کہا: مشتری سے یہ قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم میں نے یہ شفعہ سے فرار کے لئے نہیں کیا۔ اس کا کوئی معنی نہیں۔ کیونکہ وہ ایسے معنی کا دعویٰ کرتا ہے اگر وہ

....

اس کا اقرار کرے تو اس پر کوئی شے لازم نہیں آتی تو اس سے کیسے قسم لی جائے گی؟۔ مصنف کے بیٹے کا کلام ''الزواہر'' میں ہے۔''ح''۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہی توفیق کا طالب ہوں۔ ''ولوالجیہ'' میں بھی تیسری فصل کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے: ایک آدمی نے وہ دیوار جو اس کے پڑوسی کے ساتھ ملی ہوئی تھی ایک ایسے آدمی پر صدقہ کی جو اس کے نیچے تھا اس آدمی نے اس دیوار پر قبضہ کر لیا پھر مالک نے باقی ماندہ مکان اس کے ہاتھ فروخت کر دیا تو پڑوسی کو شفعہ کا حق نہیں ہوگا۔ اگر وہ مشتری سے قسم کا مطالبہ کرے: اللہ کی قسم اس نے پہلا عمل نقصان پہنچانے کے لئے نہیں کیا اور نہ ہی شفعہ سے فرار اختیار کرتے ہوئے تلجئہ کے طریقہ پر کیا ہے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا۔ کیونکہ وہ اس پر ایسے امر کا دعویٰ کرتا ہے اگر وہ اس کا اقرار کرتا تو وہ اس پر لازم ہو جاتا جبکہ وہ خصم ہے اگر وہ قسم اٹھا دے تو کوئی شفعہ نہیں ہوگا۔ ورنہ شفعہ ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ جار ملازق ہے۔

امام ''قاضی خان'' نے اس کی سابقہ عبارت کے بعد کہا: لیکن اگر وہ مشتری سے یہ قسم لینے کا ارادہ کرے کہ پہلی بیع تلجئہ نہ تھی تو اسے یہ حق حاصل ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس پر ایسی شے کا دعویٰ کیا ہے اگر وہ اس کا اقرار کرتا ہے تو یہ اس پر لازم ہو جاتا۔ کہا: جو ''اصل'' میں مذکور ہے: شفیع جب اس سے یہ قسم لینے کا ارادہ کرے کہ اس نے اس سے شفعہ کو باطل کرنے کا ارادہ نہیں کیا تو اسے یہ حق حاصل ہوگا اس کا معنی ہے جب اس نے یہ دعویٰ کیا کہ بیع تلجئہ تھی۔ اس کی مثل ''تجنیس'' اور صاحب ''ہدایہ'' کی ''مزید'' میں ہے۔ شارح نے اسے ''مؤیدزادہ'' سے ''وجیز'' کی طرف منسوب کرتے ہوئے پہلے بیان کر دیا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ شارح نے یہاں ''اشباہ'' میں جو قول ذکر کیا ہے اور جو قول ''وہبانیہ'' سے آگے آئے گا میں منافات نہیں۔ ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ بیع تلجئہ یہ ہے کہ وہ ایسا عقد ظاہر کریں جس کا وہ ارادہ نہ کرتے ہوں الخ۔ پس بیع باطل ہو جائے گی۔

یہ ذہن نشین کر لو۔ یہ امر مخفی نہیں کہ جو قول ہم نے نقل کیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ متعاقدین نے اگر بیع کی حقیقت کا قصد کیا ہے جبکہ شفعہ سے فرار اختیار کیا ہے تو وہ بیع جائز ہوگی اگر ایسا نہ ہو بلکہ انہوں نے اسے شفیع کے لئے ظاہر کیا ہے تو یہ جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ تلجئہ ہے۔ اسی وجہ سے شفیع کو یہ جواب دیا جائے گا کہ وہ اس سے قسم لے لے اگر وہ دوسری کا دعویٰ کرے نہ کہ پہلی کا دعویٰ کرے۔ ان کی کلام میں ایسی کوئی بات نہیں کہ وہ عمل جس کے ساتھ وہ شفعہ باطل کرنے کا حیلہ کرے وہ تلجئہ ہے۔ ورنہ ان کا قول: انه ليس له ان يحلفه انه ما فعل هذا فرارا من الشفعة الخ باطل ہو جائے گا۔

جس نے اس میں اشکال کا خیال کیا اور کہا: میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس کا ذکر کیا ہو پھر اس قول کے ساتھ جواب دیا ہو جو کچھ نفع مند نہیں تو اس پر مقصد مخفی ہو گیا۔ اس مقام میں اس تحقیق کو غنیمت جانو۔

تَعْلِيقُ إِبْطَالِهَا بِالشَّرْطِ جَائِزٌ لَهُ دَعْوَى فِي رَقَبَةِ الدَّارِ وَشُفْعَةٌ فِيهَا يَقُولُ هَذِهِ الدَّارُ دَارِي وَأَنَا أَدَّعِيهَا، فَإِنْ وَصَلَتْ إِلَيَّ وَإِلَّا فَأَنَا عَلَى شُفْعَتِي فِيهَا اسْتَوْلَى الشَّفِيعُ عَلَيْهَا بِلَا قَضَاءٍ،

شفعہ کے ابطال کو شرط کے ساتھ معلق کرنا جائز ہے۔اس کے گھر کی ملکیت میں اور اس پر شفعہ کا دعویٰ ہے تو وہ کہے گا: یہ گھر میرا ہے میں اس کا مدعی ہوں اگر گھر مجھے مل گیا ورنہ اس میں اپنے شفعہ پر ہوں۔ شفیع نے گھر پر قاضی کے فیصلہ کے بغیر غلبہ پالیا

شفعہ کے ابطال کو شرط کے ساتھ معلق کرنا جائز ہے

31945۔(قولہ: تَعْلِيقُ إِبْطَالِهَا بِالشَّرْطِ جَائِزٌ)''جامع صغیر'' میں کہا ہے: میں نے تیرے لئے شفعہ کو چھوڑ دیا ہے اگر تو نے اسے اپنے لئے خریدا ہے جبکہ اس نے اسے کسی اور کے لئے خریدا تھا تو یہ شفعہ کا چھوڑ نا نہیں۔ کیونکہ شفعہ چھوڑ نا یہ اسقاط محض ہے جیسے طلاق اور عتاق۔ پس اسے شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہوگا۔ پس یہ (شفعہ کا چھوڑ نا) متحقق نہیں ہوگا مگر شرط کے پائے جانے کے بعد ہی ہوگا۔''العنایہ'' میں کہا ہے: یہ مصنف''صاحب ہدایہ'' کے قول اس میں جو پہلے گزر چکا ہے کے مناقض ہے۔اس کا اسقاط جائز شرط کے ساتھ متعلق نہیں ہوگا تو شرط فاسد کے ساتھ بدرجہ اولیٰ متعلق نہیں ہوگا۔

''طوری'' نے کہا: بعض اوقات اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ شرط شرط میں فرق کیا جاتا ہے۔ جو پہلے گزر چکا ہے وہ اس کے بارے میں ہے جو شفعہ سے اعراض اور مجاورت پر رضا پر دلالت کرتا ہے اور جو یہاں ہے وہ اس پر دلالت نہیں کرتا۔

میں کہتا ہوں:''ظہیریہ'' میں اس قول پر اعتراض کیا گیا ہے جو''ظہیریہ'' میں ہے جیسے''سرخسی'' نے اپنی''مبسوط'' میں ذکر کیا کہ قصاص کے اسقاط کو شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں اور یہ وقت کی طرف منسوب ہونے کا احتمال نہیں رکھتا اگرچہ یہ اسقاط محض ہے۔ اسی وجہ سے جس کے ذمہ قصاص ہو اس کے رد کرنے سے رد نہیں ہوتا۔ اگر اسے شفعہ کے اسقاط پر مجبور کیا جائے تو شفعہ باطل نہیں ہوتا۔

کہا: اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ شفعہ کو چھوڑ دینا یہ اسقاط محض نہیں ورنہ یہ اکراہ کے ساتھ صحیح ہو جائے گا جس طرح عام اسقاطات ہوتے ہیں۔ اسی پر''خیر رملی'' نے بنا رکھی ہے کہ اگر شفیع بیع سے پہلے کہے: اگر تو اسے خریدے تو تحقیق میں نے اسے چھوڑ دیا ہے تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ ہم اسے باب الصرف سے تھوڑا پہلے بیان کر چکے ہیں۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

31946۔(قولہ: هَذِهِ الدَّارُ دَارِي) کیونکہ جب وہ اس کی ملکیت کا دعویٰ کرے تو اس کا شفعہ باطل ہو جاتا ہے جب شفعہ کا دعویٰ کرے تو ملکیت کا دعویٰ باطل ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ مناقض ہو جاتے ہیں۔ جب وہ یہ کہے گا تو شفعہ کی طلب سے خاموشی متحقق نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ سب ایک کلام ہے۔''ابوسعود'' نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ اس پر مبنی ہے کہ طلب فوراً شرط ہے۔ جہاں تک قول صحیح کا تعلق ہے کہ وہ اپنی مجلس علم میں اس کو طلب کرے۔ پس یہ ممکن ہوگا کہ وہ اس کی ملکیت کا دعویٰ کرے جبکہ وہ اسی مجلس میں ہو پھر اس میں شفعہ کو طلب کرے اگر اسے اس سے روکا جائے۔

إِنِ اعْتَمَدَ عَلَى قَوْلِ عَالِمٍ لَا يَكُونُ ظَالِمًا وَإِلَّا كَانَ ظَالِمًا أَشْيَاءُ عَلَى عَدَدِ الرُّءُوسِ الْعَقْلُ وَالشُّفْعَةُ وَأُجْرَةُ الْقَسَّامِ

اگر اس نے کسی عالم کے قول پر اعتماد کیا تو وہ ظالم نہیں ہوگا ورنہ وہ ظالم ہوگا۔ کچھ اشیاء افراد کی تعداد کے اعتبار سے ہیں۔ دیت، شفعہ، تقسیم کرنے والے کی اجرت

31947۔(قولہ: إِنِ اعْتَمَدَ عَلَى قَوْلِ عَالِمٍ)''زواہر'' میں اس بارے میں بحث کی ہے کہ ان کا قول ''شفیع کے لئے ملکیت ثابت نہ ہوگی مگر جب وہ باہمی رضامندی کے ساتھ اسے حاصل کرے یا قاضی کے فیصلہ کے بعد اسے حاصل کرے'' یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس پر اس چیز پر غلبہ پانا حرام ہے اور عالم کا قول اس کے لئے نافع نہیں۔''ح''۔

میں کہتا ہوں: ''ولوالجیہ'' کی عبارت یہ ہے: اگر وہ اہل استنباط میں سے ہے اور اسے علم ہے کہ بعض علما نے یہ کہا ہے تو وہ فاسق نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ ظالم نہیں الخ۔ پس بحث کی کوئی توجیہ نہیں۔ ''فتدبر''

31948۔(قولہ: وَإِلَّا كَانَ ظَالِمًا) اس سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اس پر تعزیر لگائی جائے گی۔ ''ابوسعود'' نے اسے ''زواہر'' سے نقل کیا ہے۔

31949۔(قولہ: أَشْيَاءُ عَلَى عَدَدِ الرُّءُوسِ) یعنی انہیں افراد کی تعداد پر تقسیم کیا جائے حصوں کی مقدار پر تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

مملوک جگہ میں مقتول کی قیمت یا دیت مالکوں کی تعداد کے اعتبار سے تقسیم کی جائے گی

31950۔(قولہ: الْعَقْلُ) مراد دیت یا قیمت ہے۔ جب آزاد یا غلام ایک مملوک جگہ میں مقتول پایا گیا تو قیمت یا دیت مالکوں کی تعداد کے اعتبار سے تقسیم کی جائے گی ملک کی مقدار کے اعتبار سے تقسیم نہیں کی جائے گی۔ اس کی مکمل وضاحت حموی کی ''حاشیۃ الاشباہ'' میں ہے۔ کہا: عقل کے دیت کے معنی میں ہونے پر ''دمامینی'' نے ''ابن نباتہ'' کے قول کو مستحسن قرار دیا ہے۔

وارضَى بِأَنْ اَمْضِيَ قَتِيْلًا كَمَا مَضَى ۔۔۔ بِلَا قَوَدٍ مجنونُ ليلَى وَلَا عَقْلِ

أُعِيْذُ سَنَاهُ وَالْعِذَارَ وَرِيْقَهُ ۔۔۔ بِمَا قَدْ اَتَى فِي النُّوْرِ وَالنَّمْلِ وَالنَّحْلِ

وَأَصْبُو اِلَى السِّحْرِ الَّذِيْ فِيْ جُفُوْنِهِ ۔۔۔ وَاِنْ كُنْتُ اَدْرِيْ اَنَّهُ جَالِبُ قَتْلِيْ

میں اس بات پر راضی ہوں کہ مقتول کی حیثیت سے گزر جاؤں جس طرح لیلیٰ کا مجنوں قصاص اور دیت کے بغیر گزر گیا۔

میں اس کی چمک، حیا اور تھوک کو اس کی پناہ میں دیتا ہوں جو سورۂ نور، سورۂ نمل اور سورۂ نحل میں آیا ہے۔

میں اس جادو کا مشتاق ہوں جو اس کی پلکوں میں ہے اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وہ میرے قتل کا باعث ہے۔

31951۔(قولہ: وَأُجْرَةُ الْقَسَّامِ) قسام کی قید لگائی کیونکہ شارح نے قریب ہی کتاب التتمہ میں ذکر کریں گے

وَالطَّرِيقُ إِذَا اخْتَلَفُوا فِيهِ، الْكُلُّ فِي الْأَشْبَاهِ
اور راستے جب اس میں وہ اختلاف کریں۔ یہ سب ''اشباہ'' میں ہے۔

کہ کیل کرنے والے اور وزن کرنے والے کی اجرت حصوں کے مطابق ہوگی اس پر اجماع ہے۔ اس طرح باقی موونتیں ہیں۔ الخ۔

وہ امور جن میں تقسیم افراد کے اعتبار سے ہوتی ہے

31952۔ (قولہ: وَالطَّرِيقُ إِذَا اخْتَلَفُوا فِيهِ) یہاں عام طریق کا ارادہ نہیں کیا کیونکہ یہ کسی کا مملوک نہیں، بلکہ وہی گلی میں ہے جو آگے سے بند ہے۔

تتمہ

متفرقات قضا سے پہلے گزر چکا ہے کہ گھر کا صحن جب لوگوں نے اس میں اختلاف کیا تو اسے افراد کی تعداد کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا تو ایک کمرے والا کئی کمروں والوں کی طرح ہوگا۔ شارح عنقریب کتاب القسمة کے آخر میں ذکر کریں گے کہ اگر غرامات (چٹیاں) نفوس کی حفاظت کیلئے ہوں تو اس طرح ہوں گی۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر کشتی سے اسے پھینکنے پر اتفاق کریں اگر سب کو غرق ہونے کا خوف ہو اس کی وضاحت ان شاء اللہ آئے گی۔ کل سات ہیں۔ فاضل ''حموی'' نے انہیں نظم کیا ہے۔

إِنَّ التقاسُمَ بالرؤوسِ يكون فی سبعٍ لهنّ حُلَى عِقْدِ نِظَامِ
فِیْ سَاحَةٍ مع شُفعةٍ و نوائبٍ ان من هداءِ اجرةُ القسام
وَ كَذَاكَ مَا يُرْمَی مِنَ السُّفُنِ التی يُخْشٰی بِهَا غَرَقٌ وَ طُرُقُ كِرامِ
وَ كَذَاكَ عَاقِلَةٌ وَ قَدْ تَمَّ الَّذِیْ حَرَّرْتُهُ لِأَفَاضِلِ الْأَعْلَامِ

بے شک باہم تقسیم افراد کے اعتبار سے سات امور میں ہوتی ہیں جن کے لئے اچھے ہار کا زیور ہوتا ہے۔ (1) صحن میں، ساتھ ہی شفعہ اور چٹیاں (ٹیکس) اگر چہ فضا سے ہوں اور قسام (تقسیم کرنے والا) کی اجرت۔ اسی طرح جس مال کو ان کشتیوں سے پھینکا جائے جن کے غرق ہونے کا خوف ہو اسی طرح کریم لوگوں کے راستے اس طرح دیت ہے جسے میں نے فاضل لوگوں کے لئے تحریر کیا ہے وہ مکمل ہو چکا ہے۔

کہا: جو ''فتاویٰ حانوتی'' میں ہے وہ باقی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ضیافت جو اوقات میں معمول ہے وہ افراد کی تعداد کے اعتبار سے تقسیم ہوتی ہے۔ وظائف کے اعتبار سے تقسیم نہیں ہوتی۔ ان میں سے وہ ہے جس کا فتویٰ ہمارے شیخ یعنی ''شرنبلالی'' نے اپنے مشائخ کی تبع میں دیا ہے وہ حلوان ہے جس کا اوقاف میں معمول ہے اسے افراد کی تعداد کے اعتبار سے تقسیم کیا جاتا ہے وظائف کی مقدار کے اعتبار سے اسے تقسیم نہیں کیا جاتا۔ نگران اس کے ساتھ خاص نہیں۔

ان میں سے وہ ہے جس کا ''قہستانی'' نے بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے اگر دو غیر محرموں نے حرم کا شکار قتل کیا تو یہ نصف

لَا شُفْعَةَ لِمُرْتَدٍّ عِنَايَةٌ صَبِيٌّ شَفِيعٌ لَا وَلِيَّ لَهُ لَا تَبْطُلُ شُفْعَتُهُ، وَإِنْ نَصَبَ الْقَاضِي قَيِّمًا يَطْلُبُهَا جَازَ جَوَاهِرُ شَرَى كَرْمًا وَلَهُ شَفِيعٌ غَائِبٌ فَأَثْمَرَتْ الْأَشْجَارُ فَأَكَلَهَا الْمُشْتَرِي ثُمَّ أَتَى الشَّفِيعُ وَأَخَذَهُ، إنْ الْأَشْجَارُ وَقْتَ الْقَبْضِ مُثْمِرَةٌ سَقَطَ بِقَدْرِهِ وَإِلَّا لَا، لِأَنَّهُ لَا حِصَّةَ لَهُ مِنْ الثَّمَنِ حِينَئِذٍ مُؤَيَّدُ زَادَهْ مَعْزِيًّا لِوَاقِعَاتِ الْحُسَامِيِّ، وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ

وَيَأْخُذُ فِيمَا يُشْتَرَى لِصَغِيرِهِ أَبٌ وَوَصِيٌّ لِلْبُلُوغِ يُؤَخَّرُ

وَلَيْسَ لَهُ تَفْرِيقُ دَارَيْنِ بِيعَتَا ....

مرتد کوشفعہ کا حق نہیں۔''عنایہ''۔ایک بچہ ہے وہ شفیع ہے جس کا کوئی ولی نہیں اس کا شفعہ باطل نہیں ہوگا۔اگر قاضی نے نگران معین کیا وہ شفعہ کو طلب کرتا ہے تو یہ جائز ہوگا۔''جواہر''۔ایک آدمی انگور کی بیلیں خریدتا ہے جبکہ اس کا ایک شفیع ہے جو غائب ہے درخت ثمر بار ہوئے مشتری نے وہ کھا لئے پھر اس کے بعد شفیع آیا اور انگور کی بیلیں لے لیں اگر درخت قبضہ کے وقت پھلدار ہوں تو پھلوں کی مقدار کے حساب سے ثمن ساقط ہو جائے گی۔ورنہ ثمن ساقط نہ ہوگی۔کیونکہ اس وقت ثمن میں سے اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا''مؤیدزادہ''۔جبکہ یہ''واقعات حسامی'' کی طرف منسوب ہے۔''وہبانیہ'' میں ہے: باپ اور وصی اپنے صغیر کے لئے جو خریدتا ہے اس میں شفعہ کے ذریعے لے سکتا ہے بچے کے لئے شفعہ میں تاخیر کی جائے گی۔وہ دو گھر جو اکٹھے بیچے گئے ان میں اسے تفریق کا حق نہیں

پر اس کی قیمت ہوگی اور چاہیے کہ اسے افراد کی تعداد پر تقسیم کیا جائے جب ایک جماعت نے اسے قتل کیا ہو۔

31953۔(قولہ: لَا وَلِيَّ لَهُ) یعنی اس کا باپ، دادا یا دونوں میں سے ایک کا وصی نہ ہو۔اور اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ بچے کی جانب سے شفعہ میں اس کے حق میں یا اس کے خلاف وہ ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں قاضی یا اس کا نگران ہوتا ہے جس طرح''شرنبلالیہ'' میں ہے۔اس باب کے شروع میں اس بارے میں کلام گزر چکی ہے کہ وہ شفعہ سپرد کریں اور وہ اس سے خاموش رہیں۔

31954۔(قولہ: لَا تَبْطُلُ شُفْعَتُهُ) اسے حق حاصل ہے جب وہ بالغ ہو تو شفعہ طلب کرے۔''ط''۔

31955۔(قولہ: إنْ الْأَشْجَارُ وَقْتَ الْقَبْضِ مُثْمِرَةٌ) خواہ عقد کے وقت وہ پھلدار ہوں یا عقد کے بعد قبضہ سے پہلے پھلدار ہوں جس طرح مصنف نے اسے پہلے بیان کیا ہے۔''ط''۔

31956۔(قولہ: وَيَأْخُذُ الخ) شعر میں دو مسئلے ہیں ہم نے قریب ہی دونوں پر مفصل گفتگو کی ہے اور اس کا قول اب اس میں یاخذ اور یشتری نے تنازع کیا ہے۔اور ان کا قول و وصی مبتدا ہے اور اس میں واؤ جملہ مستانفہ ہے اور یؤخر کا جملہ اس کی خبر ہے اور للبلوغ اس کا متعلق ہے۔

31957۔(قولہ: وَلَيْسَ لَهُ) لہ کی ضمیر سے مراد شفیع ہے اور ان کا قول بیعتا یعنی ایک ہی عقد سے ان کی بیع ہوگی۔

وَلَوْ غَیْرَ جَارٍ وَالتَّفَرُّقُ أَجْدَرُ ....

وَمَا ضَرَّ إِسْقَاطُ التَّحَیُّلِ مُسْقِطًا وَتَحْلِیفُهُ فِی النُّکْرِ لَا شَكَّ أَنْکَرُ

اگر ایک پڑوس میں نہ ہو تو تفریق مناسب ہے شفعہ کو ساقط کرنے کا حیلہ کرنا دراں حالیکہ وہ اسقاط کا قصد کرنے والا ہو کچھ ضرر کا باعث نہیں۔ حالت انکار میں متعاقدین سے قسم لینا بے شک بہت ہی ناپسندیدہ ہے۔

وہ ان دونوں کا شفیع ہے پس وہ ان دونوں کو لے گا یا دونوں کو ترک کرے گا۔ کیونکہ صفقہ متفرق ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

31958۔ (قولہ: وَلَوْ غَیْرَ جَارٍ) اگرچہ وہ دونوں کا اکٹھے پڑوسی نہ ہو بلکہ دونوں میں سے ایک کا پڑوسی ہو اس میں لو وصلیہ ہے۔ اور ان کا قول والتفرق اجدر یہ مبتدا خبر ہیں یہ اس قول کو راجح قرار دینا ہے کہ اسے صرف وہ گھر لینے کا حق ہے جس کا وہ پڑوسی ہے۔ یہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول دوسرا ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ نسخ ''وہبانیہ'' میں ہے۔ فالتفرق فا کے ساتھ ہے یعنی واو کے ساتھ نہیں اور لو شرطیہ ہے۔

حیلہ کے ساتھ شفعہ ساقط کرنے میں کوئی حرج نہیں

31959۔ (قولہ: وَمَا ضَرَّ الخ) یعنی حیلہ کے ساتھ شفعہ ساقط کرنے میں کوئی حرج نہیں مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے اور مفعول محذوف ہے وہ شفعہ ہے اور ضر کا فاعل مصدر ہے اور اس کا مفعول مسقطا کا قول ہے۔ اس کا مفعول محذوف نہیں۔ ''فافہم''

شفیع کا متعاقدین سے ان کے انکار کے وقت قسم لینا ناپسندیدہ ہے

31960۔ (قولہ: وَتَحْلِیفُهُ الخ) شفیع کا دونوں متعاقدین سے ان کے انکار کے وقت قسم لینا یہ زیادہ ناپسندیدہ ہے یعنی شرعی طور پر ناپسندیدہ ہے۔ کیونکہ وہ اس پر ایسے امر کا دعویٰ کرتا ہے اگر وہ اس کا اقرار کرے تو اس پر لازم نہ آئے۔ یہ اس پر محمول ہے جب وہ یہ دعویٰ نہ کرے کہ بیع تلجئہ تھی۔ ورنہ اسے قسم لینے کا حق ہوگا۔ پس اس میں اور جو گزر چکا ہے اس میں کوئی منافات نہیں جس طرح ہم نے اس پر پہلے متنبہ کر دیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں جو ہر نعمت کا مالک ہے کہ ہمارے حق میں اپنے رسول جو نبی رحمت ہیں کی شفاعت کا وافر حصہ خاص کر دے وہ جواد کریم رءوف اور رحیم ہے۔

كِتَابُ الْقِسْمَةِ

مُنَاسَبَتُهُ أَنَّ أَحَدَ الشَّرِيكَيْنِ إِذَا أَرَادَ الِافْتِرَاقَ بَاعَ فَتَجِبُ الشُّفْعَةُ أَوْ قَسَمَ (هِيَ) لُغَةً اسْمٌ لِلِاقْتِسَامِ كَالْقُدْوَةِ لِلِاقْتِدَاءِ

قسمت (تقسیم) کے احکام

اس کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں شریکوں میں سے ایک شریک جب افتراق کا ارادہ کرے گا تو اسے بیچے گا تو شفعہ ثابت ہوگا یا اس کو تقسیم کرے گا۔ لغت میں قسمت سے مراد تقسیم کرنے کا اسم ہے جیسے قدوۃ یہ اقتدا کا اسم ہوتا ہے۔

یہ کتاب اللہ سے شروع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ (القمر:28) یعنی انہیں آگاہ کر دو کہ ہر ایک کے لئے حاضر باری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (الشعراء) اس کے لئے باری ہے اور تمہارے لئے معلوم دن کی باری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى (النساء:8) جب تقسیم کے وقت قریبی رشتہ دار حاضر ہوں۔ اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے جو آپ نے خود غنائم اور میراث میں جاری فرمائی۔ فرمایا: اعط كل ذي حق حقه (1) ہر حق دار کو اس کا حق دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج میں باری معین فرمایا کرتے تھے۔ یہ امر مشہور ہے۔ امت نے اس کے مشروع ہونے پر اجماع کیا ہے۔ ''معراج''۔

31961۔ (قولہ: مُنَاسَبَتُهُ الخ) زیادہ بہتر یہ مناسبت تھی کہ شفیع مشتری پر جبر کرتے ہوئے اس کے مال کا مالک بن جاتا ہے اور تقسیم میں وہ شریک کے حصہ کا اس پر جبر کرتے ہوئے مالک بن جاتا ہے۔ کیونکہ تقسیم قیمی اور مثلی چیزوں میں مطلقاً مبادلہ کے معنی پر مشتمل ہوتی ہے۔ شفعہ کو مقدم کیا کیونکہ شفعہ کلی تملک ہے اور یہ بعض کا تملک ہے۔ پس شفعہ اقوی ہوگا۔ ''رحمتی''۔

قسمت کی لغوی اور شرعی تعریف

31962۔ (قولہ: اسْمٌ لِلِاقْتِسَامِ) جس طرح ''مغرب'' وغیرہ میں ہے یا یہ تقسیم سے اسم ہے جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔ لیکن جو قاسم کا لفظ آگے آرہا ہے اس کے باعث زیادہ مناسب یہ ہے کہ قسمت یہ قسم الشئی کا مصدر ہو یعنی اس کے اجزاء بنا دیئے جس طرح مقدمہ وغیرہا میں ہے۔ ''قہستانی''۔

31963۔ (قولہ: كَالْقُدْوَةِ) اس کا پہلا حرف قاف مضموم ہے جیسے عدۃ کا وزن ہے۔ اس سے مراد وہ ہے جس کی تو سنت اپنائے اور اس کی اقتدا کرے۔ ''قاموس''۔ ان کا قول للاقتداء اس میں مناسب یہ تھا الاقتداء تا کہ یہ وہم نہ دلائے کہ یہ اس کا اسم مصدر ہے۔ ''تامل''

1۔ سنن نسائی، کتاب الوصایا، باب ابطال الوصیۃ للوارث، جلد 2، صفحہ 627، حدیث نمبر 3580

وَشَرْعًا (جَمْعُ نَصِيبٍ شَائِعٍ لَهُ فِي مَكَانٍ مُعَيَّنٍ وَسَبَبُهَا طَلَبُ الشُّرَكَاءِ أَوْ بَعْضِهِمْ الِانْتِفَاعَ بِمِلْكِهِ عَلَى وَجْهِ الْخُصُوصِ) فَلَوْ لَمْ يُوجَدْ طَلَبُهُمْ لَا تَصِحُّ الْقِسْمَةُ (وَرُكْنُهَا هُوَ الْفِعْلُ الَّذِي يَحْصُلُ بِهِ الْإِفْرَازُ وَالتَّمْيِيزُ بَيْنَ الْأَنْصِبَاءِ) كَكَيْلٍ وَذَرْعٍ (وَشَرْطُهَا عَدَمُ فَوْتِ الْمَنْفَعَةِ بِالْقِسْمَةِ) وَلِذَا لَا يُقْسَمُ نَحْوُ حَائِطٍ وَحَمَّامٍ

اور شرع میں اس سے مراد مشترک حصہ کو ایک معین مکان میں جمع کرنا ہے۔ اس کا سبب تمام شرکاء کا یا ان میں سے بعض کا اپنی ملک سے مخصوص طریقہ سے نفع حاصل کرنا ہے۔ اگر ان کی طلب نہ پائی جائے تو تقسیم درست نہ ہوگی۔ اس کا رکن ایسا فعل ہے جس سے حصوں میں جدائی اور تمیز حاصل ہو جائے جیسے اس میں کیل جاری کیا جائے یا ذراع جاری کیا جائے۔ اس کی شرط یہ ہے کہ تقسیم کے ساتھ منفعت فوت نہ ہو۔ اسی وجہ سے دیوار اور حمام کو تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

31964۔ (قولہ: فِي مَكَانٍ) یہ جمع کے متعلق ہے۔

قسمت کا سبب

31965۔ (قولہ: عَلَى وَجْهِ الْخُصُوصِ) کیونکہ تقسیم سے پہلے دونوں شریکوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھ کے حصہ سے نفع حاصل کرتا ہے۔ پس تقسیم کا طالب قاضی سے یہ سوال کرتا ہے کہ اسے اس کے حصہ سے نفع حاصل کرنے کے لئے خاص کر دے اور غیر کو اس کی ملک سے نفع حاصل کرنے سے منع کر دے۔ پس قاضی پر واجب ہے کہ اس کی عرضداشت قبول کرے۔ ''نہایہ''۔

31966۔ (قولہ: كَكَيْلٍ وَذَرْعٍ) اسی طرح وزن کرنا اور شمار کرنا ہے ''کفایہ''۔ اس میں بحث ہے۔ کیونکہ علماء نے اس میں اختلاف کیا کہ تقسیم کی اجرت افراد پر ہو حصوں کے اعتبار سے نہ ہو۔ اور علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ کیل وغیرہ کی اجرت حصوں کے اعتبار سے ہوگی۔ ''شرنبلالیہ'' نے ''مقدسی'' سے نقل کیا ہے یعنی اس کے رکن ہونے کا مقتضا یہ ہے کہ وہ بھی مختلف فیہ ہو۔ ''ابو سعود'' نے کہا ہے: اس کا جواب اس سے دیا جاتا ہے جس کا ذکر عنقریب آئے گا کہ کیل اور وزن اگر تقسیم کے لئے ہو ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ اختلاف کا محل ہوگا۔ فلیتامل۔

قسمت کی شرط

31967۔ (قولہ: وَشَرْطُهَا الخ) تقسیم کے لزوم کی شرط یہ ہے کہ کوئی ایک شریک اس کو طلب کرے۔ ''شرنبلالیہ''۔

31968۔ (قولہ: الْمَنْفَعَةِ) یعنی معہود منفعت۔ وہ وہ منفعت ہے جو تقسیم سے پہلے ہو کیونکہ حمام سے تقسیم کے بعد بھی نفع حاصل کیا جا سکتا ہے جیسے جانور باندھنا۔ شارح عنقریب ''مجتبیٰ'' سے اسے ذکر کریں گے۔

31969۔ (قولہ: وَلِذَا لَا يُقْسَمُ نَحْوُ حَائِطٍ) یعنی جب تمام اس سے راضی نہ ہوں مگر جب تمام اس سے راضی ہو جائیں تو تقسیم صحیح ہوگی۔ جس طرح عنقریب متن میں آئے گا۔ ''ح''۔

(وَحُكْمُهَا تَعْيِينُ نَصِيبِ كُلٍّ) مِنَ الشُّرَكَاءِ (عَلَى حِدَةٍ وَتَشْتَمِلُ) مُطْلَقًا (عَلَى) مَعْنَى (الْإِفْرَازِ) وَهُوَ أَخْذُ عَيْنِ حَقِّهِ (وَ) عَلَى مَعْنَى (الْمُبَادَلَةِ) وَهُوَ أَخْذُ عِوَضِ حَقِّهِ (وَ) الْإِفْرَازُ (هُوَ لِلْغَالِبِ فِي الْمِثْلِيِّ) وَمَا فِي حُكْمِهِ وَهُوَ الْعَدَدِيُّ الْمُتَقَارِبُ، فَإِنَّ مَعْنَى الْإِفْرَازِ غَالِبٌ فِيهِ أَيْضًا ابْنُ كَمَالٍ عَنِ الْكَافِي (وَالْمُبَادَلَةُ) غَالِبَةٌ (فِي غَيْرِهِ) أَيْ غَيْرِ الْمِثْلِيِّ وَهُوَ الْقِيَمِيُّ إِذَا تَقَرَّرَ هَذَا الْأَصْلُ (فَيَأْخُذُ الشَّرِيكُ حِصَّتَهُ بِغَيْبَةِ صَاحِبِهِ فِي الْأَوَّلِ) أَيْ الْمِثْلِيِّ لِعَدَمِ التَّفَاوُتِ (لَا الثَّانِي) أَيْ الْقِيَمِيِّ لِتَفَاوُتِهِ

تقسیم کا حکم یہ ہے کہ شرکاء میں سے ہر ایک کا حصہ علیحدہ معین کر دیا جائے۔ اور تقسیم مطلقاً افراز اور مبادلہ کے معنی پر مشتمل ہوتی ہے۔ افراز سے مراد اپنے عین حق کو لینا ہے اور مبادلہ سے مراد اپنے حق کے عوض کو لینا ہے۔ افراز یہ عموماً مثلی اور جو اس کے حکم میں ہو جو عددی متقارب ہے میں جاری ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں افراز کا معنی بھی غالب ہے۔ ''ابن کمال'' نے ''کافی'' سے اسے نقل کیا ہے۔ اور مبادلہ غیر مثلی میں غالب ہے اور وہ قیمی ہے۔ جب یہ اصل ثابت ہو گئی پس شریک اپنا حصہ پہلی یعنی مثلی میں اپنے ساتھی کی عدم موجودگی میں لے گا۔ کیونکہ اس میں تفاوت نہیں۔ دوسری یعنی قیمی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں تفاوت ہے۔

قسمت کا حکم

31970۔ (قولہ: وَحُكْمُهَا) حکم سے مراد وہ اثر ہے جو اس پر مرتب ہوتا ہے۔ ''منح''۔

31971۔ (قولہ: مُطْلَقًا) خواہ وہ مثلی ہو یا قیمی میں ہو۔ ''منح''۔

31972۔ (قولہ: وَ الْإِفْرَازُ هُوَ لِلْغَالِبِ فِي الْمِثْلِيِّ) کیونکہ ان دونوں میں سے جو لیتا ہے اس کا نصف حقیقت میں اس کی ملکیت ہوتی ہے اور اس کا دوسرا نصف اس نصف کا بدل ہوتا ہے دوسرے کے قبضہ میں ہوتا ہے اول کا اعتبار کیا جائے تو یہ افراد ہے اور دوسرے کا اعتبار کیا جائے تو یہ مبادلہ ہے۔ مگر مثلی چیز کا جب اس نے بعض کو بعض کے بدلے میں لیا تو ماخوذ ماخوذ عنہ کا مکمل عین ہوگا۔ کیونکہ مماثلت پائی جاتی ہے۔ قیمی کا معاملہ مختلف ہے۔

مثلی اور قیمی میں فرق

31973۔ (قولہ: وَمَا فِي حُكْمِهِ) یعنی جو مثلی کے حکم میں ہے۔

میں کہتا ہوں: ''جامع الفصولین'' میں ''شرح الطحاوی'' سے نقل کیا گیا ہے کہ ہر کیلی اور ہر وزنی جس سے کوئی شے نہ بنائی گئی ہو اور عددی متقارب جیسے فلوس، انڈے اور اخروٹ وغیرہ مثلی ہیں اور حیوانات، ذراع سے پیمائش کی جانی والی چیزیں اور عددی متفاوت جیسے انار اور بہی اور وزنی جس کی تقسیم میں ضرر ہو جبکہ اس سے کوئی شے بنا لی گئی ہو وہ قیمی ہوتی ہیں۔ ''جامع'' سے منقول ہے عددی متقارب تمام کی تمام مثلی ہیں ان میں کیل جاری ہو، عدد جاری ہو یا وزن جاری ہو۔ امام ''زفر'' کے نزدیک وہ قیمی ہے اور جس کی آحاد قیمت میں متفاوت ہوں تو عددی متفاوت میں مثلی نہیں۔ فتامل۔

فِي الْخَانِيَّةِ مَكِيلٌ أَوْ مَوْزُونٌ بَيْنَ حَاضِرٍ وَغَائِبٍ أَوْ بَالِغٍ وَصَغِيرٍ فَأَخَذَ الْحَاضِرُ أَوْ الْبَالِغُ نَصِيبَهُ نَفَذَتْ الْقِسْمَةُ إِنْ سَلَّمَ حَظَّ الْآخَرَيْنِ وَإِلَّا لَا كَصُبْرَةٍ بَيْنَ دُهْقَانٍ وَزَرَّاعٍ أَمَرَهُ الدِّهْقَانُ بِقِسْمَتِهَا، إِنْ ذَهَبَ بِمَا أَفْرَزَهُ لِلدِّهْقَانِ أَوَّلًا فَبِهَلَاكِ الْبَاقِي عَلَيْهِمَا، وَإِنْ بِحَظِّ نَفْسِهِ أَوَّلًا فَالْهَلَاكُ عَلَى الدِّهْقَانِ خَاصَّةً كَذَا قَالَهُ بَعْضُ الْمَشَايِخِ انْتَهَى مُلَخَّصًا

''خانیہ'' میں ہے: کیلی یا وزنی چیز حاضر اور غائب یا بالغ اور صغیر میں مشترک ہے حاضر یا بالغ نے اپنا حصہ لے لیا تو تقسیم نافذ ہو جائے گی۔ اگر دوسروں کا حصہ ان کے حوالے کر دیا گیا ورنہ تقسیم نافذ نہ ہوگی جیسے ایک ڈھیر ہو جو دہقان اور مزارع کے درمیان ہے دہقان نے اسے حکم دیا کہ اسے تقسیم کرے اگر مزارع پہلے اسے دہقان کی طرف لے گیا جو اس نے الگ کیا تھا تو باقی ماندہ فصل اور پیداوار ہلاک ہو گئی تو وہ دونوں پر پڑے گی اگر مزارع اپنا حصہ پہلے لے گیا تو ہلاک ہونے والی پیداوار صرف دہقان کے ذمہ ہو گی۔ بعض مشائخ نے اسی طرح کہا ہے کلام ختم ہوئی۔ ملخص۔

31974۔(قولہ: فِي الْخَانِيَّةِ) اس کے ساتھ ایک فائدہ کو بیان کرنے کا قصد کیا ہے جب قابض نے اپنا حصہ اپنے ساتھی کی عدم موجودگی میں تقسیم کیا جس طرح متن میں کہا ہے: تقسیم نافذ نہ ہوگی جب تک دوسرے کا حصہ سپرد نہ کر دیا جائے۔

31975۔(قولہ: إِنْ سَلَّمَ حَظَّ الْآخَرَيْنِ) آخرین سے مراد غائب اور صغیر ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے جو حصہ لیا ہے اس کی سلامتی شرط نہیں جس طرح عنقریب ظاہر ہو جائے گا۔

31976۔(قولہ: وَإِلَّا لَا) یعنی اگر ان کا حصہ ان کے سپرد نہ کیا گیا اس کی صورت یہ ہے کہ ان تک حصہ پہنچنے سے پہلے وہ ہلاک ہو گیا تو تقسیم نافذ نہ ہوگی بلکہ تقسیم ٹوٹ جائے گی اور ہلاک ہونے والی چیز سب کے ذمہ پڑے گی اور اس نے جو حصہ لیا تھا دوسرے دو بھی اس میں شریک ہوں گے۔ کیونکہ اس تقسیم میں مبادلہ کا معنی پایا جاتا ہے۔

31977۔(قولہ: بَيْنَ دُهْقَانٍ) دہقان اسے کہتے ہیں جس کی بہت زیادہ زمین ہو جس طرح مغرب میں ہے یہاں اس سے مراد زمین کا مالک ہے۔

31978۔(قولہ: أَمَرَهُ الدِّهْقَانُ بِقِسْمَتِهَا) اس مزارع نے پیداوار کو تقسیم کیا جبکہ دہقان غائب ہو۔ ''منح''۔

31979۔(قولہ: فَبِهَلَاكِ الْبَاقِي عَلَيْهِمَا) یعنی جب وہ لوٹا تو اس نے پایا کہ اس نے پیداوار میں سے جو اپنے لئے الگ کیا تھا وہ ہلاک ہو چکا ہے تو وہ ان دونوں پر پڑے گا اور وہ مزارع دہقان کے ساتھ اس میں شریک ہو گا جو اس نے دہقان کے حوالے کیا تھا۔

31980۔(قولہ: وَإِنْ بِحَظِّ نَفْسِهِ) یعنی اگر وہ اپنا ذاتی حصہ اپنے گھر لے گیا یا نہ لے گیا جب وہ واپس لوٹا تو اس نے یہ پایا کہ اس نے دہقان کے لئے جو حصہ الگ کیا تھا وہ ہلاک ہو چکا ہے تو وہ صرف دہقان پر پڑے گا جس طرح ''المنح'' میں ''الخانیہ'' سے مروی ہے۔

(وَإِنْ أُجْبِرَ عَلَيْهَا) أَيْ عَلَى قِسْمَةِ غَيْرِ الْمِثْلِ

اگر متحد الجنس میں صرف غیر مثلی کی تقسیم پر اسے مجبور کیا جائے گا

شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی صورت میں جب وہ دہقان کا حصہ پہلے لے گیا تو اس نے پہلے دہقان کے لئے قبضہ کا ارادہ کیا اور اپنے لئے اس نے باقی ماندہ میں قبضہ لوٹنے کے بعد کیا جب وہ لوٹا اور اس نے باقی ماندہ کو دیکھا تو وہ ہلاک ہو چکا ہے تو قبضہ سے پہلے ہلاکت دونوں کے مال میں سے ہوگی۔ پس وہ ہلاک ہونے والی چیز دونوں پر پڑے گی جس طرح تقسیم سے قبل اصلاً بعض مال ہلاک ہو جائے۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ اپنا حصہ اپنے گھر کی طرف پہلے اٹھا کر لے گیا۔ کیونکہ محض اٹھانے اور لے جانے سے وہ قابض ہو گیا۔ پس اس کے اپنے حصہ پر قبضہ کرنے کے بعد یقیناً باقی ماندہ ہلاک ہوا ہے۔ پس اس کی ہلاکت اس کے اپنے ساتھی پر ہوگی۔ لیکن اس کی مخالفت آنے والے مسئلہ: نفذت القسمة الی سلم حظ الآخرین والا لا کے قول کے ساتھ ظاہر ہے۔ کیونکہ اس نے جب یہاں غائب کا حصہ سپرد کر دیا جو دہقان ہے تو تقسیم ٹوٹ جائے گی۔ اور ہلاک ہونے والی چیز دونوں پر پڑے گی جب حاضر کا حصہ سپرد کر دیا گیا وہ مزارع ہے نہ کہ غائب ہے تو تقسیم نافذ ہو جائے گی۔ یہاں تقسیم کا حکم غائب کی جانب سے واقع ہوا تھا پہلے مسئلہ میں مختلف ہے اس سے فرق ظاہر نہیں ہوتا۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے تو مراد عدم فرق ہوگا جس طرح تشبیہ جوان کے اس قول کصبرة میں ہے تقاضا کرتی ہے۔ فلیتامل۔

یہ چیز ذہن نشین کر لو۔ ''بزازیہ'' میں نقل کیا گیا ہے اس کے بعد کہ ''واقعات سمرقند'' سے کچھ چیزیں پہلے منقول ہیں جس کی نص یہ ہے: جب دہقان کا حصہ دہقان کے قبضہ کرنے سے قبل تلف ہو گیا تو وہ تقسیم کو توڑ دے گا اور کاشتکار سے اس کے نصف کا مطالبہ کیا جائے گا جس نصف پر اس نے قبضہ کیا تھا اگر کاشتکار کا حصہ تلف ہو گیا تو تقسیم نہ ٹوٹے گی۔ کیونکہ اس کا تلف اس کے قبضہ کے بعد ہوا ہے اور غلہ تمام کا تمام اس کے قبضہ میں ہے۔ قاعدہ یہ ہے جس کے قبضہ میں وکیل ہے اس کے حصہ کی ہلاکت دوسرے کے اپنے حصہ پر قبضہ کرنے سے قبل تقسیم کو توڑنے کا تقاضا نہیں کرتی۔ یہ تقریر اور قاعدہ واضح ہے اور پہلے مسئلہ کی موافقت سے ''صاحب الذخیرہ'' نے اپنی وضاحت میں طویل گفتگو کی ہے اور اسے ''شیخ الاسلام'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور کہا: اسی پر ان مسائل کی جنس کی تخریج کی جاتی ہے پھر کہا: ''حاکم عبد الرحمٰن'' نے کہا اور شارح نے یہاں ''خانیہ'' سے جو بحث ذکر کی ہے اسی کو چلایا ہے۔ شاید ''خانیہ'' کا قول: کذا قاله بعض المشائخ اس سے انہوں نے حاکم مذکور ہی مراد لیا ہے اور کذا کے لفظ سے اس کے عدم اختیار کی طرف اشارہ کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تقسیم کی اقسام

31981۔ (قوله: وَإِنْ أُجْبِرَ عَلَيْهَا الخ) ان وصلیہ ہے اور اس سے مراد یہ بیان کرنا ہے کہ قیمی میں مبادلہ غالب ہوتا ہے اور متحد الجنس میں اسے تقسیم پر مجبور کیا جا سکتا ہے، میں منافات نہیں۔ شارح نے اس کی وجہ اپنے قول کا فیہا الخ میں ذکر کر دی ہے۔

(فِي مُتَّحِدِ الْجِنْسِ) مِنْهُ (فَقَطْ) سِوَى رَقِيقٍ غَيْرِ الْمَغْنَمِ (عِنْدَ طَلَبِ الْخَصْمِ) فَيُجْبَرُ لِمَا فِيهَا مِنْ مَعْنَى الْإِفْرَازِ، عَلَى أَنَّ الْمُبَادَلَةَ قَدْ يَجْرِي فِيهَا الْجَبْرُ عِنْدَ تَعَلُّقِ حَقِّ الْغَيْرِ كَمَا فِي الشُّفْعَةِ وَبَيْعِ مِلْكِ الْمَدْيُونِ لِوَفَاءِ دَيْنِهِ

جب خصم مطالبہ کرے سوائے اس غلام کے جوغنیمت کا نہ ہو پس جس میں احراز کا معنی پایا جائے گا اس میں اس پر جبر کیا جائے گا۔ کیونکہ مبادلہ میں بعض اوقات جبر جاری ہوتا ہے جب غیر کا حق اس سے متعلق ہو جس طرح شفعہ میں ہے اور مدیون کی مملوکہ چیز اس کے دین کو ادا کرنے کے لئے بیچی جائے گی۔ ایک تقسیم کرنے والا معین کیا جائے گا

فائدہ: تقسیم کی تین قسمیں ہیں: (1) ایسی تقسیم جس پر انکار کرنے والے کو مجبور نہیں کیا جا سکتا جیسے مختلف اجناس کی تقسیم۔ (2) ایسی تقسیم جس پر مثلی چیزوں میں مجبور کیا جاتا ہے۔ (3) ایسی تقسیم جس پر غیر مثلی چیزوں میں اسے مجبور کیا جاتا ہے جیسے ایک ہی نوع کے کپڑے ہوں اور بقر اور غنم۔

خیار تین طرح ہیں: (1) خیار شرط، (2) خیار عیب۔ (3) خیار رویت۔

مختلف اجناس کی تقسیم میں تینوں ثابت ہوتے ہیں۔ مثلی میں صرف خیار غیب ثابت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ میں جیسے ایک ہی نوع کے کپڑے ان میں خیار عیب ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح خیار رویت اور خیار شرط ہے۔ یہ صحیح اور مفتی بہ قول کے مطابق ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔

31982۔ (قولہ: فِي مُتَّحِدِ الْجِنْسِ مِنْهُ) منہ کی ضمیر سے مراد غیر مثلی ہے۔

31983۔ (قولہ: فَقَطْ) یہ متحد الجنس کی قید ہے۔ وہ چیز جس کی جنس ایک ہو وہ مثلی ہو بدرجہ اولی اس میں داخل ہو گی۔ جس طرح ''طحطاوی'' نے اسے بیان کیا ہے۔ ''شرنبلالی'' نے اسے گمان کیا ہے کہ یہ غیر مثل کی قید ہے تو کہا: اس میں تامل ہے۔ کیونکہ وہ یہ وہم دلاتا ہے کہ متحد الجنس مثلی میں انکار کرنے والے کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ یہ نص کے خلاف ہے۔

31984۔ (قولہ: سِوَى رَقِيقٍ غَيْرِ الْمَغْنَمِ) کیونکہ مال غنیمت کے غلام کو بالاتفاق تقسیم کیا جائے گا اور غنیمت کے علاوہ کا غلام ایک آدمی کی طلب پر تقسیم نہیں کیا جائے گا اگرچہ وہ خالص لونڈیاں ہو یا خالص غلام ہوں۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ غلام وغیرہ جن کی جنس متحد ہو میں آپ کے نزدیک فرق ہی ہے کہ معانی باطنہ جیسے ذہن اور ذہانت میں فحش فرق ہوتا ہے۔ غنیمت حاصل کرنے والوں اور دوسروں میں فرق یہ ہے کہ غنیمت حاصل کرنے والوں کا حق مالیت سے ہوتا ہے عین سے نہیں ہوتا یہاں تک کہ امام کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ غنیمتوں کو بیچ دے اور ان کی قیمت تقسیم کر دے۔ ''زیلعی''۔

31985۔ (قولہ: عَلَى أَنَّ الْمُبَادَلَةَ الخ) یہ جواب میں ترقی ہے۔ یعنی اگر ہم اس میں موجود مبادلہ کے معنی کی طرف نظر کریں تو بھی کوئی منافات نہیں کیونکہ مبادلہ الخ یہ ایسا مبادلہ ہے جس میں غیر کا حق متعلق ہے۔ کیونکہ تقسیم کا طالب اپنی ملک کے ساتھ اختصاص اور غیر کو اس سے نفع حاصل کرنے سے روکنے کا ارادہ کرتا ہے۔ پس اس میں بھی جبر جاری ہوگا۔

(وَيُنْصَبُ قَاسِمٌ يُرْزَقُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ لِيَقْسِمَ بِلَا) أَخْذِ (أَجْرٍ مِنْهُمْ (وَهُوَ أَحَبُّ) وَمَا فِي بَعْضِ النُّسَخِ وَاجِبٌ غَلَطٌ (وَإِنْ نُصِبَ بِأَجْرِ الْمِثْلِ (صَحَّ) لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِقَضَاءٍ حَقِيقَةً فَجَازَ لَهُ أَخْذُ الْأُجْرَةِ عَلَيْهَا

جس کو روزینہ بیت المال سے دیا جائے گا تا کہ حصہ داروں سے اجرت لئے بغیر وہ ان میں تقسیم کر دے۔ یہ زیادہ پسندیدہ ہے۔ بعض نسخوں میں واجب کے جو الفاظ ہیں وہ غلط ہیں۔ اگر اجرت مثلی معین کر دی جائے تو یہ زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت میں قضا نہیں۔ پس تقسیم کرنے والے کے لئے جائز ہے کہ اس پر اجرت لیا کرے

31986۔ (قولہ: وَيُنْصَبُ قَاسِمٌ) یعنی قاضی یا امام کے لئے مستحب ہے کہ وہ اسے معین کرے۔ ''ملتقی'' اور اس کی شرح میں ہے۔

31987۔ (قولہ: يُرْزَقُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ) یعنی وہ بیت المال جو خراج کے لئے تیار کیا گیا ہو اس سے اس کا روزینہ دیا جائے۔ اسی طرح وہ اموال جو کفار سے لئے جاتے ہیں جیسے جزیہ اور بنی تغلب کا صدقہ۔ پس باقی ماندہ تینوں اموال سے اسے روزینہ نہیں دیا جائے گا جیسے بیت مال الزکاۃ وغیرہ مگر اس سے بطور قرض دیا جا سکتا ہے۔ ''قہستانی''۔

31988۔ (قولہ: غَلَطٌ) کیونکہ یہ مابعد کے مناقض ہے اگر ھو کی ضمیر بلا اجر کی طرف لوٹے۔ اگر یہ ضمیر لفظ نصب کی طرف لوٹے تو کیونکہ ''ملتقی'' وغیرہ کا قول اس کے مخالف ہے اس وجہ سے مستحب ہے۔ ''تامل''

قاضی کے لیے اجرت لے کر تقسیم کرنا جائز ہے

31989۔ (قولہ: لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِقَضَاءٍ حَقِيقَةً الخ) ''العنایہ'' میں کہا: قاضی کے لئے جائز ہے کہ وہ بذات خود اجرت لے کر اسے تقسیم کرے۔ لیکن اولیٰ یہ ہے کہ وہ اجرت نہ لے۔ کیونکہ تقسیم حقیقت میں قضا نہیں یہاں تک قاضی پر یہ فرض نہیں کہ وہ خود یہ عمل کرے اس پر یہ فرض ہے جو اس امر سے انکاری ہے اسے تقسیم پر مجبور کرے مگر اسے قضا کے ساتھ مشابہت ہے۔ کیونکہ ولایت وقضا سے ہی اس کا استفادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اجنبی جبر پر قادر نہیں ہوتا۔ اس حیثیت سے کہ یہ قضا نہیں تو اس پر اجر لینا جائز ہوگا۔ اس حیثیت سے کہ یہ قضا کے مشابہ ہے تو نہ لینا مستحب ہے۔ اسی کی مثل ''النہایہ''، ''الکفایہ''، ''معراج'' اور ''تبیین'' میں ہے۔ ''الدرر'' میں اس کے مخالف ہے۔ کیونکہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ اصح یہ ہے کہ تقسیم قاضیوں کے عمل کی جنس سے ہے۔ پھر کہا: اگر قاضی بذات خود تقسیم کرے تو اس روایت کے مطابق کہ تقسیم قاضیوں کے عمل کی جنس میں سے ہے اس کا لینا جائز نہ ہوگا۔ اور اس روایت کی بنا پر کہ یہ اس میں سے نہیں ہے یہ جائز ہوگا۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ عدم جواز کو ترجیح دی جائے گی۔ ''الدر المنتقی'' میں ''الخلاصہ'' اور ''وہبانیہ'' سے اسے نقل کیا ہے۔ کہا: ''قہستانی'' وغیرہ نے اسے ثابت رکھا ہے۔ میں کہتا ہوں: لیکن متون پہلے قول پر مبنی ہیں۔ ''تامل''

یہ چیز ذہن نشین کر لو۔ اور ان کی کلام کا ظاہر یہ ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ قاسم خود قاضی ہو یا اس کا معین کردہ فرد ہو اسی وجہ سے شارح نے کہا: قاضی کیلئے جائز ہے جس طرح ''المنح'' میں ہے جبکہ کلام اسکے معین کردہ فرد کے بارے میں ہے۔ ''تامل''

وَإِنْ لَمْ يَجُزْ عَلَى الْقَضَاءِ ذَكَرَهُ أَخِي زَادَهْ (وَهُوَ عَلَى عَدَدِ الرُّءُوسِ) مُطْلَقًا لَا الْأَنْصِبَاءِ خِلَافًا لَهُمَا، قَيَّدَ بِالْقَاسِمِ لِأَنَّ أُجْرَةَ الْكَيَّالِ وَالْوَزَّانِ بِقَدْرِ الْأَنْصِبَاءِ إجْمَاعًا، وَكَذَا سَائِرُ الْمُؤَنِ كَأُجْرَةِ الرَّاعِي وَالْحَمْلِ وَالْحِفْظِ وَغَيْرِهَا شَرْحُ مَجْمَعٍ، زَادَ فِي الْمُلْتَقَى إنْ لَمْ يَكُنْ لِلْقِسْمَةِ،

اگر چہ قضا پر اجرت لینا جائز نہیں۔ ''اخی زادہ'' نے اسے ذکر کیا ہے اور یہ اجرت مطلقاً حصہ داروں کی تعداد کے اعتبار سے ہو گی حصوں کے اعتبار سے نہیں ہو گی۔ ''صاحبین'' رحمۃاللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ قاسم کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ کیال اور وزان کی اجرت بالاجماع حصوں کی مقدار کے اعتبار سے ہو گی۔ اسی طرح باقی مؤنتیں ہیں جس طرح چرواہے کی اجرت، سامان اٹھانے، حفاظت کرنے وغیرہ کی اجرت۔ ''شرح مجمع''۔ ''الملتقی'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے: اگر وہ تقسیم کے لیے نہ ہو۔

تقسیم کی اجرت حصہ داروں کی تعداد کے برابر ہو گی

31990۔ (قولہ: مُطْلَقًا) خواہ وہ حصوں میں برابر ہوں یا برابر نہ ہوں۔ خواہ وہ سب تقسیم کو طلب کریں یا ان میں سے ایک تقسیم کو طلب کرے۔ ''ہدایہ'' میں کہا: ان سے یہ مروی ہے کہ یہ اجرت طلب کے ذمہ ہو گی ممتنع (جو تقسیم نہیں چاہتا) کے ذمہ نہیں ہو گی۔ کیونکہ طالب کے لئے اس میں نفع ہے اور ممتنع کے لئے مضرت ہے۔

31991۔ (قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) کیونکہ دونوں نے کہا ہے: اجرت حصوں کے حساب سے ہو گی۔ کیونکہ یہ ملک کی مؤنت ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃاللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اجرت تمیز (الگ کرنا) کے مقابل ہے اور بعض اوقات تمیز دینا یہ تھوڑے حصہ میں زیادہ مشکل ہوتا ہے بعض اوقات اس کے برعکس ہوتا ہے۔ پس اس کا اعتبار کرنا متعذر ہے۔ پس اصل تمیز کا اعتبار کیا جائے گا۔ ''ابن کمال''۔

31992۔ (قولہ: قَيَّدَ بِالْقَاسِمِ) یعنی ان کے قول: و ینصب قاسم میں قاسم کی قید لگائی ہے۔ یہ مضاف کے مقدر ہونے کی بنا پر ہے یعنی ھاجر القاسم جس کی طرف و ھو علی عدد الرؤس کی ضمیر لوٹتی ہے۔ یہ اپنے مابعد کے زیادہ مناسب ہے۔ ''تامل''۔

31993۔ (قولہ: وَغَيْرِهَا) جیسے مشترک دیوار بنانے کی اجرت، چھت پر مٹی لگانے کی اجرت، نہر کھودنے کی اجرت، قناۃ درست کرنے کی اجرت۔ کیونکہ یہ اجرت مٹی، پانی اور طین (کیچڑ) کو منتقل کرنے کی اجرت ہے۔ یہ قلت و کثرت کے اعتبار سے متفاوت ہوتی ہے۔ جہاں تک تمیز کا عمل ہے تو دونوں کے لئے ایک ہی عمل کے ساتھ واقع ہو جاتی ہے۔ ''معراج''۔

31994۔ (قولہ: زَادَ فِي الْمُلْتَقَى) یعنی اجماعا کے قول کے بعد یہ اضافہ کیا ہے۔

31995۔ (قولہ: إنْ لَمْ يَكُنْ) یعنی اگر کیل اور وزن تقسیم کے لئے نہ ہو بلکہ اندازہ لگانے کے لئے ہو شارح نے کہا: اگر دونوں کیلی یا وزنی چیز خریدیں اور دونوں کسی انسان کو حکم دیں کہ وہ اس کا کیل کرے تا کہ وہ اس کی مقدار کو جان لیں پس اجرت حصوں کی مقدار کے اعتبار سے ہو گا۔

وَإِنْ كَانَ لَهَا فَعَلَى الْخِلَافِ لَكِنْ ذَكَرَهُ فِي الْهِدَايَةِ بِلَفْظِ قِيلَ، وَتَمَامُهُ فِيمَا عَلَّقْته عَلَيْهِ (وَ) الْقَاسِمُ (يَجِبُ كَوْنُهُ عَدْلًا أَمِينًا عَالِمًا بِهَا،

اگر تقسیم کے لئے ہو تو یہ اسی اختلاف پر مبنی ہوگی۔ لیکن ''ہدایہ'' میں قیل کے لفظ کے ساتھ اسے ذکر کیا ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے جسے میں نے اس پر بطور تعلیق ذکر کیا ہے۔ قاسم کے لئے ضروری ہے کہ وہ عادل ہو امین ہو اور تقسیم کو جانتا ہو

31996۔ (قولہ: لَكِنْ ذَكَرَهُ فِي الْهِدَايَةِ) یعنی اس تفصیل کو قیل کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا ہے پس اس کے ضعف کا شعور دلایا ہے بلکہ اس کے بعد اس کی نفی کی تصریح کی ہے۔ کیونکہ کہا: ولا یفصل۔ ''اتقانی'' نے کہا: یعنی کیل اور وزن کی اجرت میں کوئی کیل نہیں بلکہ یہ حصوں کی مقدار کے اعتبار سے ہے۔ ''معراج'' میں ''المبسوط'' سے مروی ہے: اصح اطلاق ہے۔

31997۔ (قولہ: تَمَامُهُ الخ) یعنی اس کلام کی مکمل بحث۔ وہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں اور قسام میں جو فرق ہے یہاں اجرت حصوں کے اعتبار سے ہے اگرچہ کیل تقسیم کے لئے ہو۔ کیونکہ عمل میں تفاوت ہے کیونکہ جس کا حصہ زیادہ ہو تو اس کے لئے اس کا عمل زیادہ ہوتا ہے۔ پس وہ زیادہ مشکل ہوگا اور اجرت عمل کی مقدار کے حساب سے ہوگا قسّام کا معاملہ مختلف ہے۔

قضا کے صحیح ہونے کے لیے عدالت واجب نہیں

31998۔ (قولہ: يَجِبُ كَوْنُهُ عَدْلًا الخ) کیونکہ تقسیم قاضیوں کے عمل کی جنس سے ہے ''ہدایہ''۔ ''قہستانی'' نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ تعلیل اس امر کا شعور دلاتی ہے کہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ واجب نہیں۔ کیونکہ قضا میں یہ واجب نہیں۔ وجوب سے مراد وجوب عرفی ہے جس کا مرجع روایت ہے جس طرح ''الاختیار'' اور ''خزانۃ المفتین'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: کتاب القضاء میں یہ پہلے گزر چکا ہے کہ فاسق اس کا اہل ہے لیکن اسے قاضی نہیں بنایا جائے گا۔ یہ امر وجوبی ہے اور اسے یہ منصب تفویض کرنے والا گنہگار ہوگا تو اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ قضا کے صحیح ہونے کے لئے عدالت واجب نہیں بلکہ امام پر واجب ہے کہ عادل آدمی کو یہ امر تفویض کرے۔ یہاں بھی یہی کہا جائے گا۔ واجب ہے کہ وہ ایسے قاسم کو معین کرے جو عادل ہو اور اس کے معین کرنے کے صحیح ہونے کے لئے عادل ہونا واجب نہیں۔ پہلا وجوب اپنے حقیقی معنی میں ہے اور دوسرا شرط کے معنی میں ہے۔ ''فتدبر''

31999۔ (قولہ: أَمِينًا) عدالت کے بعد امانت کا ذکر کیا اگرچہ امانت عدالت کے لوازم میں سے ہے۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ اس کی امانت ظاہر نہ ہو۔ ''کفایہ''۔

''یعقوبیہ'' میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ عدالت کا ظہور امانت کے ظہور کو مستلزم ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ اس کا یہ جواب دیا گیا کہ مذکور عدالت ہے اس کا ظہور نہیں۔

وَلَا يَتَعَيَّنُ وَاحِدٌ لَهَا) لِئَلَّا يَتَحَكَّمَ بِالزِّيَادَةِ (وَلَا يَشْتَرِكُ الْقُسَّامُ) خَوْفَ تَوَاطُئِهِمْ (وَصَحَّتْ بِرِضَا الشُّرَكَاءِ إِلَّا إِذَا كَانَ فِيهِمْ صَغِيرٌ أَوْ مَجْنُونٌ (لَا نَائِبَ عَنْهُ) أَوْ غَائِبٌ لَا وَكِيلَ عَنْهُ لِعَدَمِ لُزُومِهَا حِينَئِذٍ إِلَّا بِإِجَازَةِ الْقَاضِي أَوِ الْغَائِبِ أَوِ الصَّبِيِّ إِذَا بَلَغَ أَوْ وَلِيِّهِ، هَذَا

اوراس عمل کے لئے ایک آدمی کو معین نہیں کیا جائے گا تا کہ وہ اجرت کی زیادتی پر وہ تحکم نہ کرلیں اور قسام اشتراک نہ کریں۔ کیونکہ ان کے باہم اتفاق کا خوف ہے اور شرکاء کی رضامندی سے تقسیم صحیح ہے مگر جب ان میں کوئی صغیر ہو یا مجنون ہو اور اس کی جانب سے کوئی نائب نہ ہو یا جب ان سے کوئی غائب ہو جس کی جانب سے کوئی وکیل نہ ہو۔ کیونکہ اس وقت تقسیم لازم نہیں مگر قاضی یا غائب کی اجازت سے یا بچہ جب بالغ ہو جائے وہ اجازت دے یا اس کا ولی اجازت دے یہ حکم اس صورت میں ہے

32000_(قوله: وَلَا يَتَعَيَّنُ الخ) زیادہ بہتر ''ملتقی'' کا قول ہے جیسے ''ہدایہ'' ہے: لوگوں کو ایک ہی قاسم پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی قاسموں کو آزاد چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ آپس میں اشتراک کرلیں۔

32001_(قوله: بِالزِّيَادَةِ) یعنی اجرت مثلی سے زائد پر۔

32002_(قوله: الْقُسَّامُ) یہ قاف کے ضمہ اور سین کی تشدید کے ساتھ ہے یہ قاسم کی جمع ہے۔

32003_(قوله: خَوْفَ تَوَاطُئِهِمْ) یعنی وہ اپنی اجرت کو بڑھانے پر اتفاق نہ کرلیں اور جب باہم اشتراک نہ ہو تو ان میں سے ہر ایک اس عمل کی طرف جلدی کرتا ہے۔ کیونکہ اسے اپنی اجرت کے فوت ہونے کا خوف ہوتا ہے پس وہ اجرت میں تخفیف کرتا ہے۔ ''ہدایہ''۔

32004_(قوله: وَصَحَّتْ الخ) یعنی تقسیم میں جو جبر کا ذکر گزرا ہے یہ باہم رضامندی سے تقسیم کے بارے میں ہے۔

32005_(قوله: إِلَّا إِذَا كَانَ) یہ مستثنیٰ منقطع ہے جس طرح اس کے بعد والا قول: لعدم لزومها فائدہ دیتا ہے۔ یہ محذوف سے مستثنیٰ ہے یعنی ولزمت ''ط''۔ صحت سے مراد لزوم لیا ہے۔

32006_(قوله: إِلَّا بِإِجَازَةِ الْقَاضِي) ظاہر یہ ہے کہ اس کا رجوع تینوں مستثنیات کی طرف ہو۔

32007_(قوله: أَوِ الْغَائِبِ أَوِ الصَّبِيِّ إِذَا بَلَغَ) اگر غائب یا بچہ مر جائے تو اس کے وارث اجازت دے دیں تو شیخین کے نزدیک وہ تقسیم نافذ ہو جائے گی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ''منیۃ المفتی''۔ پہلا استحسان ہے اور دوسرا قیاس ہے۔ جس طرح اجازت قول کے ساتھ صراحۃً ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح فعل کے ساتھ دلالۃً ثابت ہوتی ہے جس طرح بیع ہے جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔ ''المنح'' میں ''الجواہر'' سے مروی ہے: ایک بچے اور بالغ نے ایک شے کو تقسیم کیا پھر بچہ بالغ ہو گیا اور اپنے حصہ میں تصرف کیا اور بعض کو بیچ دیا تو یہ اجازت ہوگی۔

وارثوں نے قاضی کے امر سے وراثت کو تقسیم کیا اور ان میں کوئی صغیر یا غائب ہو تو تقسیم نافذ نہ ہوگی

32008_(قوله: هَذَا) یعنی تقسیم کا قاضی کی اجازت وغیرہ سے لزوم اس وقت ہوگا جب وہ میراث میں شریک ہوں

لَوْ وَرَثَةً، وَلَوْ شُرَكَاءَ بَطَلَتْ مُنْيَةُ الْمُفْتِي وَغَيْرُهَا (وَقُسِمَ نَقْلِيٌّ يَدَّعُونَ إِرْثَهُ بَيْنَهُمْ) أَوْ مِلْكَهُ مُطْلَقًا (أَوْ شِرَاءَهُ) صَدْرُ الشَّرِيعَةِ فَلَا فَرْقَ فِي النَّقْلِيِّ بَيْنَ شِرَاءٍ وَإِرْثٍ وَمِلْكٍ مُطْلَقٍ قُلْتُ وَمِنَ النَّقْلِيِّ الْبِنَاءُ وَالْأَشْجَارُ حَيْثُ لَمْ تَتَبَدَّلِ الْمَنْفَعَةُ بِالْقِسْمَةِ وَإِنْ تَبَدَّلَتْ فَلَا جَبْرَ قَالَهُ شَيْخُنَا

جب وہ سب وارث ہوں اگر وہ شریک ہوں تو تقسیم باطل ہوگی۔ ''منية المفتی'' وغیرھا۔ اور منقولہ چیز کو تقسیم کیا جائے گا جس کے باہم ورثہ ہونے کا، ملک مطلق ہونے یا اس کی خرید کا دعویٰ کرتے ہیں ''صدر الشریعہ''۔ منقولہ چیز میں شرا، وراثت اور ملک مطلق میں کوئی فرق نہیں۔ میں کہتا ہوں: نقلی میں سے عمارت اور درخت ہیں۔ کیونکہ تقسیم سے منفعت نہیں بدلتی اگر منفعت تبدیل ہو جائے تو پھر کوئی جبر نہیں ہوگا۔ یہ ہمارے شیخ نے کہا ہے۔

اگر وہ کسی اور میں شریک ہوں تو تقسیم باطل ہو جائے گی۔ اس کا مقتضایہ ہے کہ یہ تقسیم اجازت کے ساتھ نافذ نہ ہوگی۔ فلیتامل۔

''المنیہ'' کی عبارت اس طرح ہے: وارثوں نے قاضی کے امر سے وراثت کو تقسیم کیا اور ان میں کوئی صغیر ہے یا غائب ہے تو تقسیم نافذ نہ ہوگی مگر غائب کی اجازت کے ساتھ یا صغیر کے ولی کی اجازت سے نافذ ہوگی یا جب وہ بالغ ہو تو شرکا اسے آپس میں تقسیم کرلیں جبکہ ان میں صغیر ہو یا غائب ہو تو تقسیم صحیح نہ ہوگی قاضی انہیں اس امر کا حکم دے گا تو یہ صحیح ہوگا۔

میں کہتا ہوں: مصنف عنقریب تمام متون کی پیروی کرتے ہوئے اس کا ذکر کریں گے کہ قاضی تقسیم نہیں کرے گا اگر وہ مشتری ہوں اور ان میں سے کوئی ایک غائب ہو تو قاضی کے امر سے شرکاء کا تقسیم کرنا کیسے صحیح ہوگا؟ مگر اس سے مراد میراث میں شرکاء لیے جائیں۔ لیکن شارح کا قول ولو شرکاء بطلت یہ قول منقول کا محتاج ہوگا۔

''زاہدی'' نے اپنی ''قنیہ'' میں نقل کیا ہے: اسے شرکا میں تقسیم کیا گیا جبکہ ان میں سے ایک ایسا شریک ہے جو غائب ہے جب وہ اس پر آگاہ ہو تو اس نے کہا: میں اس پر راضی نہیں۔ کیونکہ اس میں غبن ہے پھر اس نے اپنے حصہ کی زراعت میں کاشتکاروں کو اجازت دی تو رد کرنے کے بعد یہ رضا نہ ہوگی۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہئے۔ اسے نہ بھول جس کو اس نے پہلے ذکر کیا ہے کہ شریک کو حق حاصل ہے کہ مثلی چیز میں سے اپنے ساتھی کے غائب ہونے کی صورت میں اپنا حصہ لے لے۔ اور جو ''خانیہ'' سے نقل کیا ہے وہ یہاں ہے اس کے لئے وہ مخصوص ہے۔

32009۔ (قولہ: مِلْكَهُ مُطْلَقًا) یعنی جس کی ملکیت کا سبب بیان نہ کیا جائے۔ ''ط''۔

32010۔ (قولہ: أَوْ شِرَاءَهُ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ وہ یہ کہتے: او بسبب تا کہ یہ ہبہ وغیرہ کو عام ہوتا۔ ''ط''۔

32011۔ (قولہ: فَلَا فَرْقَ الخ) یعنی اس حیثیت سے کہ اسے محض اقرار کے ساتھ بالاتفاق تقسیم کیا جائے گا۔ مصنف نے ارث (وراثت) پر اتفاق کیا ہے۔ کیونکہ موروثی عقار برہان کی محتاج ہوتی ہے اور کیونکہ اس میں ہی اختلاف ہے اور جس سے سکوت اختیار کیا ہے اس کا حکم اس سے بطریق اولی سمجھ آجاتا ہے جس طرح ''المنح'' میں اس پر متنبہ کیا ہے۔

32012۔ (قولہ: وَمِنَ النَّقْلِيِّ الْبِنَاءُ وَالْأَشْجَارُ) یعنی انہیں تقسیم کیا جائے گا۔ اور ان کا قول حیث لم تبتدل

(وَعَقَارٌ يَدَّعُونَ شِرَاءَهُ) أَوْ مِلْكَهُ مُطْلَقًا (فَإِنْ ادَّعَوْا أَنَّهُ مِيرَاثٌ عَنْ زَيْدٍ لَا) يُقْسَمُ (حَتَّى يُبَرْهِنُوا عَلَى مَوْتِهِ وَعَدَدِ وَرَثَتِهِ) وَقَالَا يُقْسَمُ بِاعْتِرَافِهِمْ كَمَا فِي الصُّوَرِ الْأُخَرِ

ایک عقار ہے جس کے خریدنے یا اس کی ملک مطلق کا وہ دعویٰ کرتے ہیں اگر وہ یہ دعویٰ کریں کہ یہ زید سے انہیں میراث ملی ہے تو اسے تقسیم نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اس کی موت اور اس کے وارثوں کی تعداد پر گواہیاں قائم نہ کرلیں۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: ان کے اعتراف کرنے پر اسے تقسیم کیا جائے گا جس طرح دوسری صورتوں میں تقسیم کی جاتی ہے۔

الخ یہ اس مقولہ کے متعلق ہے۔ ''حاشیۃ المنح'' میں اس محل میں ان کے شیخ کی عبارت یہ ہے۔

میں کہتا ہوں: منقولہ میں عمارت اور درخت داخل ہوں گے۔ کیونکہ یہ منقولات کی قسم میں سے ہیں جس طرح ''البحر'' کے کتاب الدعوی میں اس کی تصریح کی ہے۔ پس اس میں جبر کی تقسیم جاری ہوتی ہے۔ کیونکہ تقسیم کے ساتھ منفعت نہیں ہوتی۔ اگر تقسیم کے ساتھ منفعت بدل جائے تو تقسیم جائز نہ ہوگی جیسے کنواں، دیوار، حمام وغیرہا ہے۔ ''تامل''

میں کہتا ہوں: حیثیت مذکورہ کے ساتھ قید لگانا اس کے وہ منافی نہیں جو ''مبسوط'' میں ہے کیونکہ کہا: ایک عمارت ہے جو دو آدمیوں میں مشترک ہے ایک آدمی کی زمین میں ہے ان دونوں نے اس کی اجازت سے اسے بنایا پھر دونوں نے اس کی تقسیم کا ارادہ کیا جبکہ زمین کا مالک غائب ہے تو باہم رضامندی سے ان دونوں کو یہ حق حاصل ہوگا اگر دونوں میں سے ایک رک جائے تو اسے اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ''ابن وہبان'' نے اسے اشعار میں بیان کیا ہے۔ ''تامل''

امام صاحب کے نزدیک ترکہ تقسیم سے قبل میت کی ملکیت میں باقی رہتا ہے

32013۔ (قولہ: وَقَالَا يُقْسَمُ) یعنی اس عقار کو تقسیم کیا جائے گا جس کے بارے میں وراثت کا دعویٰ کیا گیا یہ تقسیم ان کے اعتراف کی وجہ سے کی جائے گی جس طرح دوسری صورتوں میں اسے تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ مطلقاً نقلی ہے۔ اسی طرح اس عقار کو تقسیم کیا جائیگا جس کی شرا کا دعویٰ کیا گیا ہے یا جس کی ملکیت مطلقہ کا دعویٰ کیا گیا۔

''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ وہ ان کے قبضہ میں ہے۔ یہ ملک کی دلیل ہے اور ان کے ساتھ نزاع کرنے والا کوئی بھی نہیں۔

''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ترکہ تقسیم سے قبل میت کی ملکیت پر باقی رہتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ زائد میں اس کا حق باقی رہتا ہے جس طرح اس کی اولاد کی ملک اور اس کے منافع ہیں یہاں تک کہ ان میں سے اس کے دیون ادا کئے جاتے ہیں اور اس کی وصیتیں نافذ ہوتی ہیں۔ اور تقسیم کے ساتھ اس کا حق منقطع ہو جاتا ہے پس ان کے اقرار کی وجہ سے ان پر یہ قضا ہوگی جبکہ اقرار حجت قاصرہ ہے۔ پس گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ منقول کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس پر تلف ہونے کا خوف ہوتا ہے اور عقار محفوظ ہے۔ وہ عقار جسے خریدا گیا ہو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ تقسیم سے قبل بائع کی ملکیت زائل ہو چکی ہے۔ پس یہ غیر پر تقسیم نہ ہوگی جس کی ملکیت مطلقہ کا دعویٰ کیا گیا تھا اس کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ انہوں نے غیر کی ملکیت

(وَلَا إِنْ بَرْهَنَا أَنَّ الْعَقَارَ مَعَهُمَا حَتَّى يُبَرْهِنَا أَنَّهُ لَهُمَا) اِتِّفَاقًا فِي الْأَصَحِّ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنَّهُ مَعَهُمَا بِإِجَارَةٍ أَوْ إِعَارَةٍ فَتَكُونُ قِسْمَةَ حِفْظٍ وَالْعَقَارُ مَحْفُوظٌ بِنَفْسِهِ

اور نہ ہی اسے تقسیم کیا جائے گا اگر وہ دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو عقار ان دونوں کے پاس تھی یہاں تک کہ وہ یہ گواہیاں پیش کر دیں کہ جائیداد ان کی ملکیت ہے۔ یہ متفق علیہ ہے اور اصح قول کے مطابق ہے۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ جائیداد ان کے پاس بطور اجارہ یا اعارہ کے ہو۔ پس یہ حفاظت کی تقسیم ہوگی جبکہ عقار بنفسہ محفوظ ہے۔

کا اقرار نہیں کیا۔ یہ اس بحث کا حاصل ہے جو ''الدرر'' اور ''شرح المجمع'' میں ہے۔

32014۔ (قولہ: وَلَا إِنْ بَرْهَنَا) اس کا عطف ان کے قول لا یقسم پر ہے ''عینی'' نے ''زیلعی'' کی تبع میں کہا: یہ مسئلہ بعینہ سابقہ مسئلہ ہے۔ وہ مسئلہ ان کا یہ قول ہے او ملکہ مطلقا۔ کیونکہ اس میں مراد یہ ہے کہ وہ ملکیت کا دعویٰ کریں اور یہ ذکر نہ کریں کہ وہ ان کی طرف کیسے منتقل ہوگی۔ اور اس میں یہ شرط نہیں کہ وہ یہ گواہیاں قائم کریں کہ یہ ان کی ملک ہے۔ یہ ''قدوری'' کی روایت ہے۔ اور یہاں اس کی شرط لگائی ہے۔ یہ ''جامع صغیر'' کی روایت ہے۔ اگر شیخ کا قصد دونوں روایتوں کی تعیین ہے تو اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس پر دلالت کرے ورنہ مسئلہ مکرر واقع ہوگا۔

''مقدسی'' نے اس کا جواب یہ دیا ہے: جو قول ''جامع'' میں ہے اسے اس پر محمول کیا جائے جب وہ دونوں صرف یہ ذکر کریں کہ یہ ان دونوں کے ہاتھ میں ہے اور اس پر گواہی قائم کریں۔ پس یہ دو روایتوں کے اختلاف میں سے نہیں ہوگا۔ کیونکہ موضوع مختلف ہے۔ پس کوئی تکرار نہیں ہوگا۔

میں کہتا ہوں: ''ہدایہ'' کے قول سے یہی ظاہر ہے: ''جامع صغیر'' میں ہے: ایک زمین ہے دو آدمیوں نے اس کی ملکیت کا دعویٰ کیا اور دونوں نے گواہیاں قائم کر دیں کہ وہ ان کے قبضہ میں ہے تو اسے تقسیم نہ کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ یہ گواہیاں پیش نہ کریں کہ وہ ان کی ملکیت ہے کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ زمین ان دونوں کے علاوہ کسی اور کی ہو یعنی وہ ان دونوں کے پاس ودیعت، اجارہ یا اعارہ کے طور پر ہو جس طرح شارح نے کہا ہے۔ ''عزمیہ'' میں اسی طرح ثابت کیا ہے۔ فافہم۔

32015۔ (قولہ: اِتِّفَاقًا فِي الْأَصَحِّ) ''ہدایہ'' میں کہا اس کے بعد کہ جس کو ہم نے ابھی نقل کیا ہے پھر یہ کہا گیا: یہ خاص کر امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سب کا قول ہے۔ یہی اصح ہے۔ کیونکہ عقار کی حفاظت کے لئے تقسیم کی زمین کو ضرورت نہیں اور ملکیت کی تقسیم ملکیت کے موجود ہونے کی محتاج ہے اور یہاں کوئی ملکیت نہیں پس جواز ممتنع ہے۔

32016۔ (قولہ: فَتَكُونُ قِسْمَةَ حِفْظٍ الخ) یہ وہ قسم ہوتی ہے جو قبضہ کے حق کے طور پر ہوتی ہے تاکہ اس کی حفاظت کی جائے جس طرح دو ایسے افراد ہیں جن کے پاس ودیعت رکھی گئی تو وہ حفاظت کی نظر سے ودیعت کو تقسیم کر لیتے ہیں اور ملکیت کی تقسیم حق ملک کے ساتھ ہوتی ہے تاکہ منفعت مکمل ہو جس طرح ''غایۃ البیان'' میں ہے۔

(وَلَوْ بَرْهَنَا عَلَى الْمَوْتِ وَعَدَدِ الْوَرَثَةِ وَهُوَ) أَيِ الْعَقَارُ قُلْتُ قَالَ شَيْخُنَا وَكَذَا الْمَنْقُولُ بِالْأَوْلَى (مَعَهُمَا وَفِيهِمْ صَغِيرٌ أَوْ غَائِبٌ قُسِمَ بَيْنَهُمْ وَنُصِبَ قَابِضٌ لَهُمَا) نَظَرًا لِلْغَائِبِ وَالصَّغِيرِ، وَلَا بُدَّ مِنَ الْبَيِّنَةِ عَلَى أَصْلِ الْمِيرَاثِ عِنْدَهُ أَيْضًا

اگر دونوں موت پر اور وارثوں کی تعداد پر گواہیاں پیش کریں اور عقار ان دونوں کے پاس ہے میں کہتا ہوں: ہمارے شیخ نے کہا: اس طرح منقول کا بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہے۔ جبکہ ان وارثوں میں صغیر یا غائب ہو تو ان کے درمیان اسے تقسیم کر دیا جائے گا اور ان دونوں کے لئے ایک قابض معین کیا جائے گا۔ یہ غائب اور صغیر کی منفعت کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اصل میراث پر گواہ بنانا بھی ضروری ہے۔

32017۔ (قولہ: وَلَوْ بَرْهَنَا) یعنی دو بالغ حاضر آدمی گواہیاں پیش کریں پس صغیر یا غائب ان کا تیسرا ہے پس وارث متعدد ہو گئے۔ اسی وجہ سے ان قولوں فیھم، بینھم میں جمع کی ضمیر لائے ہیں اور معھما میں تثنیہ کی ضمیر لائے ہیں یعنی ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے گواہیاں پیش کیں۔ ''ہدایہ'' میں جو قول ہے وہ اس کے مخالف ہے۔ کیونکہ اس کو عنقریب ذکر کریں گے کہ صغیر یا غائب کے پاس کوئی چیز ہے جسے تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

اگرچہ ''ہدایہ'' کی جانب سے یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ یہ اس پر مبنی ہے کہ اقل جمع دو افراد ہوتے ہیں۔

32018۔ (قولہ: بِالْأَوْلَى) کیونکہ اس میں موت اور وارثوں کی تعداد پر گواہیاں پیش کرنا ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرط نہیں۔

32019۔ (قولہ: وَفِيهِمْ صَغِيرٌ) یعنی وہ حاضر ہے جس طرح آگے آئے گا۔

32020۔ (قولہ: قُسِمَ بَيْنَهُمْ) یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ قاضی نے یہ کہا ہے۔ ''المحیط'' میں کہا ہے: اگر قضا کے بغیر اسے تقسیم کیا گیا تو یہ تقسیم جائز نہ ہوگی مگر جب وہ حاضر ہو یا بالغ ہو پس وہ اس کو جائز قرار دے ''طوری''۔ یہ وہ ہے جسے شارح پہلے بیان کر چکے ہیں۔

32021۔ (قولہ: نُصِبَ قَابِضٌ لَهُمَا) وہ بچے کی جانب سے وصی ہے اور غائب کی جانب سے وکیل ہے۔ ''درر''۔

32022۔ (قولہ: وَلَا بُدَّ مِنَ الْبَيِّنَةِ عَلَى أَصْلِ الْمِيرَاثِ) ''الدرر'' میں اسی طرح ہے۔ شاید اس سے مراد وراثت کی جہت ہے جیسے باپ ہونا وغیرہ۔ جو ''ہدایہ'' اور ''تبیین'' میں ہے وہ یہ ہے: یہاں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گواہ پیش کرنا ضروری ہیں۔ ان دونوں کتابوں میں اصل میراث کا ذکر نہیں اور پہلے مسئلہ میں ذکر نہیں کیا۔ مراد یہ ہے کہ ان کا قول ''اگر وہ دونوں موت اور وارثوں کی تعداد پر گواہ بنائیں تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے سوا بھی کوئی چارہ کار نہیں ہے جس طرح سابقہ مسئلہ میں تھا بلکہ یہ اولیٰ ہے۔ کیونکہ وہاں تمام وارث بڑے اور حاضر ہیں۔ برہان شرط ہے اس میں بھی غائب پر قضا ہے یا صغیر پر قضا ہے جس طرح ''النہایہ'' میں اسے بیان کیا ہے۔

خِلَافًا لَهُمَا كَمَا مَرَّ (فَإِنْ بَرْهَنَ) وَارِثٌ (وَاحِدٌ) لَا يُقْسَمُ، إِذْ لَا بُدَّ مِنْ حُضُورِ اثْنَيْنِ،

''صاحبین'' رحمہما اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اگر ایک وارث اس پر گواہیاں پیش کر دے تو اسے تقسیم نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ ان کا حاضر ہونا ضروری ہے

32023۔ (قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک اسے دونوں کے درمیان ان کے اقرار کی وجہ سے تقسیم کیا جائے گا۔

32024۔ (قولہ: لَا يُقْسَمُ الخ) یعنی اگرچہ وہ گواہیاں قائم کر دے۔ کیونکہ ایک آدمی مخاصِم اور مخاصَم نہیں بن سکتا اسی طرح مقاسِم اور مقاسَم نہیں بن سکتا۔ ''ہدایہ''۔ پہلا یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے کیونکہ آپ گواہیاں پیش کرنے کا قول کرتے ہیں۔ اور دوسرا یہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک ہے کیونکہ ان کا قول ہے کہ گواہیاں پیش کرنا لازم نہیں۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: قاضی غائب کی جانب سے ایک خصم کھڑا کرے گا اور اس کے خلاف گواہیاں سنے گا اور وہ تقسیم کر دے گا۔ ''الکفایہ'' میں اسے بیان کیا ہے۔

میراث کے دعویٰ کے وقت دودھ پیتے بچے کو حاضر کرنا شرط نہیں

32025۔ (قولہ: وَلَوْ أَحَدُهُمَا صَغِيرًا) پس قاضی اسکی جانب سے ایک وصی معین کرے گا جس طرح گزر چکا ہے۔

یہ جان لو کہ یہاں ایک مسئلہ ہے جس کی معرفت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ وہ وصی کی جانب سے ایک وصی معین کرے گا جب وہ حاضر ہوا گر وہ غائب ہو تو وصی معین نہیں کرے گا۔ کیونکہ غائب کی جانب سے خصم معین نہیں کیا جاتا مگر ضرورت کی بنا پر معین کیا جاتا ہے۔ جب مدعیٰ علیہ بچہ ہے اور اس کی جانب سے جواب سے عجز واقع ہو چکا ہے یہ اس کے حاضر ہونے سے عجز واقع نہیں ہوا تو وہ اس بچے کی جانب سے غیر حاضری کے حق میں خصم معین نہیں کرے گا پس دعویٰ صحیح نہ ہوا۔ کیونکہ دعویٰ اس سے تعلق رکھتا ہے جس میں مدعیٰ علیہ حاضر نہیں جب مدعیٰ علیہ حاضر ہوگا تو معاملہ اس طرح نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ جواب سے عاجز آیا ہے پس وہ اسے معین کرے گا جو اس کی طرف سے جواب دے گا۔ میت پر دعویٰ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے حاضر کرنے اور اس کے جواب کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ پس وہ اس کی جانب سے دونوں میں امور کے لئے ایک آدمی معین کرے گا۔ ''کفایہ''۔ اسی کی مثل ''النہایہ''، ''معراج'' وغیرہما میں ہے۔ ''بزازیہ'' میں کہا ہے: یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ جو آدمی صغیر کے خلاف اس کے وصی کی موجودگی میں صغیر کی عدم موجودگی میں دعویٰ کرے تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ کتاب الدعویٰ میں اس کے خلاف گزر چکا ہے۔ اس کی مثل ''المنیہ'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: ''البحر'' کے کتاب الدعویٰ کے اوائل میں ہے صحیح یہ ہے: کہ دعویٰ کے وقت دودھ پیتے بچوں کو حاضر کرنا شرط نہیں۔ ''فتامل''۔ اس پر اس قول سے اعتراض کیا جاتا ہے جو ''کفایہ'' وغیرہا میں ہے کہ اس میں غائب اور بالغ کے ساتھ نقض واقع ہو جاتا ہے جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ''مقدسی'' سے مروی ہے۔ لیکن ''ابو سعود'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ ان کی طرف

وَلَوْ أَحَدُهُمَا صَغِيرًا أَوْ مُوصًى لَهُ (أَوْ كَانُوا) أَيْ الشُّرَكَاءُ (مُشْتَرِينَ) أَيْ شُرَكَاءَ بِغَيْرِ الْإِرْثِ (وَغَابَ أَحَدُهُمْ) لِأَنَّ فِي الشِّرَاءِ لَا يَصْلُحُ الْحَاضِرُ خَصْمًا عَنْ الْغَائِبِ بِخِلَافِ الْإِرْثِ

اگرچہ ان میں سے ایک صغیر یا موصی لہ ہو۔ یا وہ شریک مشتری ہیں یعنی ایسے شریک ہیں جو وراثت کے علاوہ ہے اور ان میں سے ایک غائب ہو۔ کیونکہ شرا میں حاضر غائب کی جانب سے خصم بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ وراثت کا معاملہ مختلف ہے۔

سے یہ جواب دیا گیا کہ وصی معین کرنے کے لئے حاضر ہونے کی شرط اس کے ساتھ خاص ہے جب حاضر وارث ایک ہو۔ کیونکہ یہ دعویٰ کی تصحیح کے لئے ہو مگر جب وہ دو ہوں تو اس کی تعیین قبضہ کرنے کے لئے ہوگی۔ کیونکہ دعویٰ کی صحت اور تقسیم اس سے قبل موجود ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کو خصم بنا دیا جائے۔

32026۔ (قولہ: أَوْ مُوصًى لَهُ) کیونکہ وہ وارث کے قائم مقام شریک ہو جائیگا گویا دو وارث حاضر ہوئے۔ ''معراج''۔

32027۔ (قولہ: أَوْ مُشْتَرِينَ) یہ لفظ ایک یا کے ساتھ ہے دو یاؤں کے ساتھ نہیں جس طرح بعض نسخوں میں ہے۔ کیونکہ یہ مفتین اور قاضین کی مثل ہے جس طرح یہ ظاہر ہے۔

32028۔ (قولہ: أَيْ شُرَكَاءَ الخ) اس قول کے ساتھ یہ بیان کیا کہ مراد وراثت کے بغیر ملک میں مطلق شرکت ہے۔ یہ ان کے شیخ ''رملی'' کے ''حاشیہ'' سے ماخوذ ہے۔

32029۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْإِرْثِ) ''الدرر'' میں کہا ہے: کیونکہ وارث کی ملکیت اس کے برعکس ہے یہاں تک کہ عیب کی وجہ سے مورث کے بائع پر اسے لوٹا دیا جائے گا اور وہ مورث کی خریداری سے مغرور ہو جائے گا یہاں تک کہ اگر وہ ایسی لونڈی سے وطی کرے جسے اس کے مورث نے خریدا تھا تو اس نے بچہ جن دیا تو اس کا کوئی اور مستحق نکل آیا تو وارث بائع پر اس کی ثمن اور بچے کی قیمت کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ اس کی جانب سے دھوکہ ہوا ہے۔ پس ان میں سے ایک میت کی جانب سے اس میں خصم ہوگا جو اس کے قبضہ میں ہے اور دوسرا اپنی ذات کی جانب سے خصم ہوگا۔ پس تقسیم باہم تقسیم کرنے والوں کی موجودگی میں قضا ہو جائے گی۔ مگر وہ ملکیت جو شرا سے ثابت ہو وہ ملک جدید ہے جو ایسے سبب سے ہے جسے اس نے اپنے حصہ میں خود واقع کیا ہے۔ اسی وجہ سے عیب کی وجہ سے اسے اس کے بائع کے بائع پر نہیں لوٹایا جائے گا۔ پس حاضر غائب کی جانب سے خصم نہیں ہوگا۔ پس گواہیاں غائب کے حق میں خصم کے بغیر قائم ہوں گی تو انہیں قبول نہیں کیا جائے گا۔

شرکت کی اصل جب میراث یا شرا ہو تو اس کا حکم

شرکت کی اصل جب میراث ہو۔ پس اس میں شرا جاری ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ان میں سے ایک نے اپنا حصہ بیچا یا اس کی اصل شرا ہو تو اس میں میراث جاری ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ان میں ایک مر گیا پہلی وجہ میں قاضی تقسیم کرے گا جب بعض حاضر ہوں دوسری وجہ میں تقسیم نہیں کرے گا۔ کیونکہ پہلی وجہ میں مشتری پہلی شرکت میں بائع کے قائم مقام ہوگا جبکہ اس کی اصل وراثت تھی اور دوسری وجہ میں وارث پہلی شرکت میں مورث کے قائم مقام ہوگا جبکہ اس کی اصل شرا

(أَوْ كَانَ) فِي صُورَةِ الْإِرْثِ الْعَقَارِ أَوْ بَعْضِهِ (مَعَ الْوَارِثِ الطِّفْلُ أَوْ الْغَائِبُ أَوْ) كَانَ (شَيْءٌ مِنْهُ لَا يُقْسَمُ لِلُزُومِ الْقَضَاءِ عَلَى الطِّفْلِ أَوْ الْغَائِبِ بِلَا خَصْمٍ حَاضِرٍ عَنْهُمَا (وَقُسِمَ) الْمَالُ الْمُشْتَرَكُ (بِطَلَبِ أَحَدِهِمْ إنْ انْتَفَعَ كُلٌّ) بِحِصَّتِهِ (بَعْدَ الْقِسْمَةِ وَبِطَلَبِ ذِي الْكَثِيرِ

یا وراثت کی صورت میں عقار یا اس کا بعض ہو اور وارث کے ساتھ بچہ یا غائب ہو یا اس میں سے کوئی ایسی شے ہو تو اسے تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ قضا طفل یا غائب کے خلاف لازم آتی ہے جبکہ ان کی جانب سے خصم حاضر نہیں۔ مشترک مال تقسیم کیا جائے گا اگر تقسیم کے بعد ہر ایک اپنے حصہ سے نفع حاصل کر سکتا ہو اگر ان میں سے کوئی ایک اس کا مطالبہ کرے

تھی۔ پس اس باب میں اول کی طرف دیکھا جائے گا۔ ''ولوالجیہ'' وغیرہا۔

32030۔ (قولہ: فِي صُورَةِ الْإِرْثِ) وہ ان کا یہ قول ہے ولو برھنا الخ یہ ان کے اس قول سے احتراز ہے جو وہاں ہے وہ ہے العقار معھما۔

32031۔ (قولہ: أَوْ بَعْضِهِ) یہ متن کے قول کیساتھ مکرر ہے او شئی۔ ''ح''۔

32032۔ (قولہ: مَعَ الْوَارِثِ الطِّفْلُ أَوْ الْغَائِبُ) یا غائب کے مودع کا قبضہ، صغیر کی ماں کا قبضہ جبکہ صغیر غائب ہے۔ پس اس کو تقسیم نہیں کیا جائے گا اگرچہ حاضر امین ہو۔ ''بزازیہ'' وغیرہا۔

32033۔ (قولہ: لِلُزُومِ الْقَضَاءِ) یعنی تاکہ دونوں پر قضا لازم نہ ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے قبضہ سے ایسی چیز خارج کی ہے جو ان کے قبضہ میں تھی ایسے خصم کے بغیر جو ان دونوں کی جہت سے حاضر ہو۔ جو ''ہدایہ'' وغیرہا میں ہے وہ عنھما ہے۔ یہ ذہن نشین کرلو۔ ''قہستانی'' نے یہ ذکر کیا ہے: اسے تقسیم نہیں کیا جائے گا یہاں تک اس کی جانب سے ایک خصم معین کیا جائے۔ اور وہ گواہیاں قائم کردے تو اسے تقسیم کیا جائے گا۔ یہ اس روایت کی بنا پر ہے جو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ ''انتہی''۔ ''عزمیہ'' میں اسے ثابت رکھا ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''ہدایہ'' اور ''تبیین'' میں ہے: اس میں اس بارے میں کوئی فرق نہیں یعنی وراثت اور اس کے نہ ہونے پر گواہیاں قائم کرے۔ یہی قول صحیح ہے جس طرح کتاب میں مطلق ذکر کیا ہے یعنی اس قول میں لایقسم۔ یہ ''مبسوط'' کی روایت سے احتراز ہے۔ روایت یہ ہے: یقسم اذا قامت البینة جب گواہیاں قائم ہو جائیں تو اسے تقسیم کر دیا جائے گا۔ ''کفایہ''۔ فتامل۔

32034۔ (قولہ: وَقُسِمَ الْمَالُ الْمُشْتَرَكُ) یعنی جس مال میں تقسیم جبراً جاری ہوتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایک ہی جنس سے ہوں جس طرح گزر چکا ہے اور عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

32035۔ (قولہ: وَبِطَلَبِ ذِي الْكَثِيرِ) یعنی اگر وہ اپنے حصہ سے نفع حاصل کرلے اسے مطلق ذکر کیا ہے۔ کیونکہ یہ اپنے مقام کی وجہ سے معلوم ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے تھوڑے حصہ والے کے مطالبہ پر اسے تقسیم نہیں کیا جائے گا جو اپنے حصہ

إِنْ لَمْ يَنْتَفِعُ الْآخَرُ لِقِلَّةِ حِصَّتِهِ) وَفِي الْخَانِيَّةِ يُقْسَمُ بِطَلَبِ كُلٍّ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى، لَكِنَّ الْمُتُونَ عَلَى الْأَوَّلِ فَعَلَيْهَا لِلْعُوَلِ (وَإِنْ تَضَرَّرَ الْكُلُّ لَمْ يُقْسَمْ إِلَّا بِرِضَاهُمْ) لِئَلَّا يَعُودَ عَلَى مَوْضُوعِهِ بِالنَّقْضِ فِي الْمُجْتَبَى حَانُوتٌ لَهُمَا يَعْمَلَانِ فِيهِ طَلَبَ أَحَدُهُمَا الْقِسْمَةَ إِنْ أَمْكَنَ لِكُلٍّ أَنْ يَعْمَلَ فِيهِ بَعْدَ الْقِسْمَةِ مَا كَانَ يَعْمَلُ فِيهِ قَبْلَهَا قُسِمَ وَإِلَّا لَا

اگر دوسرا اپنے حصہ کی کمی کے باعث نفع حاصل نہ کرسکتا ہو تو جس کا حصہ زیادہ ہے اس کے مطالبہ سے اسے تقسیم کیا جائے گا۔ ''الخانیہ'' میں ہے: ہر ایک کے مطالبہ پر اسے تقسیم کیا جائے گا۔ اس پر فتویٰ ہے۔ لیکن متون پہلے قول پر مبنی ہیں۔ پس اسی پر اعتماد کیا جائے گا۔ اگر تقسیم سب کو نقصان دیتی ہو تو رضامندی کے بغیر اسے تقسیم نہیں کیا جائے گا تا کہ تقسیم اپنی اصل وضع کے برعکس کی طرف نہ لوٹ جائے۔ ''مجتبیٰ'' میں ہے: ایک مکان دو آدمیوں کی ملکیت ہے دونوں اس میں کام کرتے ہیں ان دونوں میں سے ایک تقسیم کا مطالبہ کرتا ہے اگر یہ ممکن ہو کہ تقسیم کے بعد وہ اس میں وہی کام کرے جو اس سے قبل اس میں کرتا تھا تو اسے تقسیم کر دیا جائے گا ورنہ تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

سے نفع حاصل نہیں کر پاتا جب نفع اٹھانے والا تقسیم سے انکار کرے۔ اس کی وجہ جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے کہ پہلا نفع اٹھانے والا ہے۔ پس اس کی طلب کا اعتبار کیا جائے گا اور دوسرا سرکشی کرنے والا ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اسی وجہ سے قاضی ان میں وہ مال تقسیم نہیں کرے گا اگر تقسیم سب کے لئے نقصان دہ ہو اگرچہ سب اس کا مطالبہ کریں جس طرح ''النہایہ'' میں ہے۔ اس وقت قاضی مہایات کا حکم دے گا جس طرح شارح عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔

32036۔ (قولہ: وَفِي الْخَانِيَّةِ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس کے برعکس ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

32037۔ (قولہ: فَعَلَيْهَا لِلْعُوَلِ) ''ہدایہ'' اور اس کی شروح میں اس امر کی تصریح ہے کہ یہ اصح ہے۔ ''الدرر'' میں اس کا اضافہ ہے: اسی پر فتویٰ ہے۔

32038۔ (قولہ: لَمْ يُقْسَمْ إِلَّا بِرِضَاهُمْ) اس کا ظاہر معنی اسی طرح ہے جس طرح دوسرے متون کی عبارت ہے مگر قاضی کو حق حاصل ہے کہ خود یہ عمل کرے۔ ''زیلعی'' نے کہا ہے: لیکن قاضی بذات خود یہ عمل یعنی تقسیم نہیں کرے گا اگرچہ وہ اس سے اس کا مطالبہ کریں۔ کیونکہ قاضی ایسے عمل میں مشغول نہیں ہوتا جس کا فائدہ نہ ہو اور نہ ہی انہیں اس عمل سے روکے گا۔ کیونکہ جو آدمی اپنے مال کو تلف کرنے کا اقدام کرے قاضی حکم میں اسے منع نہیں کرتا۔ ''ابن کمال'' نے اسے ''مبسوط'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''طوری'' نے یہ ذکر کیا ہے: اس میں دو روایتیں ہیں۔

32039۔ (قولہ: لِئَلَّا يَعُودَ عَلَى مَوْضُوعِهِ بِالنَّقْضِ) یعنی تقسیم کا مقصود تو یہ تھا کہ مالک اپنی مملوکہ چیز سے اپنے طور پر نفع اٹھائے جبکہ یہ یہاں مفقود ہے۔ ''حلبی''۔

32040۔ (قولہ: فِي الْمُجْتَبَى) اس سے یہ ارادہ کیا کہ متن میں مذکور انتفاع کی مراد کو بیان کریں۔ ورنہ حمام جیسی چیز

(وَقُسِمَ عُرُوضٌ اتَّحَدَ جِنْسُهَا لَا الْجِنْسَانِ) بَعْضُهُمَا فِي بَعْضٍ لِوُقُوعِهِمَا مُعَاوَضَةً لَا تَمْيِيزًا فَتَعْتَمِدُ التَّرَاضِيَ دُونَ جَبْرِ الْقَاضِي (وَ) لَا (الرَّقِيقُ) وَحْدَهُ لِفُحْشِ التَّفَاوُتِ فِي الْآدَمِيِّ وَقَالَا يُقْسَمُ لَوْ ذُكُورًا فَقَطْ وَإِنَاثًا فَقَطْ

ایسا سامان جو ایک ہی جنس کا ہو اس کو تقسیم کیا جاتا ہے جس کی دو جنسیں ہوں اسے تقسیم نہیں کیا جاتا۔ دونوں جنسوں کا بعض بعض میں ہو کیونکہ دونوں معاوضہ واقع ہوتی ہیں تمیز واقع نہیں ہوتیں۔ پس یہ تقسیم باہم رضامندی پر منحصر ہوگی قاضی کے جبر پر منحصر نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی ایک غلام کو تقسیم کیا جائے گا کیونکہ انسان میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: اگر وہ غلام صرف مذکر ہوں تو انہیں تقسیم کیا جائے گا اور صرف مؤنث ہوں تو انہیں تقسیم کیا جائے گا

سے بعض اوقات تقسیم کے بعد جانور وغیرہ باندھنے کے ساتھ نفع حاصل کیا جاتا ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

32041۔ (قولہ: وَقُسِمَ عُرُوضٌ اتَّحَدَ جِنْسُهَا) کیونکہ تقسیم حقوق کو تمیز دینا ہے۔ یہ ایک صنف میں ممکن ہوتا ہے جیسے اونٹ، گائے، غنم، کپڑے، چوپائے، گندم یا جو۔ ان میں سے ہر صنف کو علیحدہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ ''جوہرہ''۔

32042۔ (قولہ: بَعْضُهُمَا فِي بَعْضٍ) یعنی بعض کو بعض میں داخل کرنے کے ساتھ اس کی صورت یہ ہے کہ ان میں سے ایک اونٹ دے اور دوسرا مثلاً دو بکریاں دے جبکہ وہ ان میں سے بعض کو بعض کے مقابل بنا دے۔ ''درر''۔

32043۔ (قولہ: فَتَعْتَمِدُ التَّرَاضِيَ الخ) کیونکہ قاضی کی جبر کرنے کی ولایت یہ تمیز کے حق میں ثابت ہوتی ہے معاوضہ کے حق میں ثابت نہیں ہوتی۔ ''درر''۔

غلام سے مقصود مفادات

32044۔ (قولہ: لَا الرَّقِيقُ) کیونکہ آدمی میں تفاوت بہت زیادہ ہے پس مساوات کو ضبط کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ غلام سے جو مفادات مقصود ہوتے ہیں وہ یہ ہیں: عقل، فطانت، خدمت اور برداشت پر صبر، وقار، صدق، شجاعت اور موافقت۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جن پر آگاہی ممکن نہیں۔ پس وہ غلام اجناس مختلفہ کی طرح ہو گئے۔ بعض اوقات ان میں سے ایک اس کی جنس کے ہزار سے بہتر ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا:

میں نے تفاوت میں لوگوں کی مثل کسی کو نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ ہزار ایک کے مقابلہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ باقی حیوانات کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ان میں تفاوت جنس کے ہونے کی صورت میں کم ہوتا ہے۔ کیونکہ تو نہیں دیکھتا کہ بنی آدم میں سے مذکر اور مؤنث دو جنسیں ہیں اور حیوانات میں یہ ایک جنس ہیں۔ ''جوہرہ''۔

اگر غلام کے ساتھ ایسی شے ہو جو قسمت جمع کا محل ہو تو اس کا حکم

32045۔ (قولہ: وَحْدَهُ) یہ جان لو کہ جب غلام کے ساتھ جانور، سامان تجارت یا کوئی اور شے ہو تو قاضی سب کو ائمہ کے قول کے مطابق تقسیم کر دے گا مگر جب وہ مذکر ہوں یا صرف مونث ہوں تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حکم اسی طرح

كَمَا تُقْسَمُ الْإِبِلُ وَالْغَنَمُ وَرَقِيقُ الْمَغْنَمِ (وَ) لَا (الْجَوَاهِرُ) لِفُحْشِ تَفَاوُتِهَا (وَالْحَمَّامُ) وَالْبِئْرُ وَالرَّحَى وَالْكُتُبُ وَكُلُّ مَا فِي قَسْمِهِ ضَرَرٌ (إِلَّا بِرِضَاهُمْ)

جس طرح اونٹ، بھیڑ بکریوں اور غنیمت کے غلام کو تقسیم کیا جائے گا۔ جواہر کو تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ان میں تفاوت بہت زیادہ ہے۔ حمام، کنواں، چکی اور کتب کو تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ اور ہر ایسی چیز کو تقسیم نہیں کیا جائے گا جس کی تقسیم میں ضرر ہو۔ مگر ان کی رضامندی سے انہیں تقسیم کیا جائے گا۔

ہوگا۔ اگر مذکر اور مؤنث ہوں تو پھر ان کی رضامندی کے بغیر تقسیم نہیں کرے گا۔

حاصل کلام یہ ہے: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غلام تقسیم کرنے پر جبر کرنا جائز نہیں مگر جب اس کے ساتھ کوئی اور شے ہو جو قسمت جمع (1) کا محل ہو پس سب کو قسمت جمع پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ ''ابوبکر رازی'' کہا کرتے تھے: اس مسئلہ کی تاویل یہ ہے کہ اسے شرکاء کی رضامندی سے تقسیم کیا جائے گا مگر جب ان میں سے بعض ناراض ہوں تو قاضی تقسیم نہیں کرے گا۔ اظہر یہ ہے کہ جبر کی تقسیم امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جاری ہوتی ہے اس اعتبار سے کہ دوسری جنس جو غلام کے ساتھ ہے اسے تقسیم میں اصل بنایا جائے گا اور جبراً تقسیم اس میں ثابت ہوگی اور غلام میں بھی تبعاً ثابت ہوگا۔ بعض اوقات شے میں حکم تبعاً ثابت ہوتا ہے اگرچہ مقصوداً ثابت نہیں ہوتا جیسے بیع میں پانی کی باری اور راستہ ہے اور وقف میں منقولات ہیں۔ اسی طرح ''ہدایہ''، ''کنز'' اور ''درر'' کی شروح میں ہے۔ ''المنح'' میں جس پر وہ چلے ہیں وہ اظہر کے خلاف ہے۔

32046۔ (قولہ: كَمَا تُقْسَمُ الْإِبِلُ) یعنی اس کی مثل جیسے گائے اور بھیڑ بکری۔

32047۔ (قولہ: رَقِيقُ الْمَغْنَمِ) ہم پہلے ''زیلعی'' سے اس میں اور دوسرے غلام میں جو فرق ہے اسے بیان کر چکے ہیں۔

32048۔ (قولہ: وَالْحَمَّامُ وَالْبِئْرُ وَالرَّحَى) چاہئے یہ تھا کہ اس کی یہ قید لگاتے کہ جب وہ صغیر ہو ہر شریک کو اس سے انتفاع ممکن نہ ہو جس طرح پہلے جو انتفاع ممکن تھا۔ اگر وہ بڑا ہو اس کی صورت یہ ہے کہ حمام دو حصوں والا ہو، چکی دو پتھروں والی ہو تو اسے تقسیم کیا جائے گا۔ ''حامدیہ'' میں یہ فتویٰ دیا ہے کہ تین نچوڑنے والی چیز کی تقسیم کے جواز کا فتویٰ دیا ہے جو دو کی ملکیت ہو جبکہ وہ ان کے درمیان نصف نصف ہو یہ دو لکڑیوں، دو چکیوں اور تیل کے دو کنوؤں پر مشتمل ہوتی ہے یہ تقسیم کو قبول کرتے ہیں جبکہ اس میں کسی کو کوئی ضرر نہیں ہوتا۔ ''خزانۃ الفتاویٰ'' میں جو مروی ہے اس سے استدلال کرتے ہیں: حمام، دیوار اور چھوٹے گھر کو تقسیم نہیں کیا جائے گا جب وہ ایسے مال میں ہوں اگر ان کو تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کے لئے ایسی جگہ نہیں رہتی جس میں وہ عمل کرے۔

32049۔ (قولہ: وَكُلُّ مَا فِي قَسْمِهِ ضَرَرٌ) ایک کپڑے کو تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ تقسیم ضرر پر مشتمل ہے۔ کیونکہ

1۔ اس کی وضاحت صفحہ نمبر 324 مقولہ منفردۃ میں ہے۔

لِمَا مَرَّ، وَلَوْ أَرَادَ أَحَدُهُمَا الْبَيْعَ وَأَبَى الْآخَرُ لَمْ يُجْبَرْ عَلَى بَيْعِ نَصِيبِهِ خِلَافًا لِمَالِكٍ وَفِي الْجَوَاهِرِ لَا تُقْسَمُ الْكُتُبُ بَيْنَ الْوَرَثَةِ وَلَكِنْ يَنْتَفِعُ كُلٌّ بِالْمُهَايَأَةِ، وَلَا تُقْسَمُ بِالْأَوْرَاقِ وَلَوْ بِرِضَاهُمْ ؛ وَكَذَا لَوْ كَانَ كِتَابًا ذَا مُجَلَّدَاتٍ كَثِيرَةٍ، وَلَوْ تَرَاضَيَا أَنْ تُقَوَّمَ الْكُتُبُ وَيَأْخُذَ كُلٌّ بَعْضَهَا بِالْقِيمَةِ لَوْ كَانَ بِالتَّرَاضِي جَازَ وَإِلَّا لَا خَانِيَّةٌ دَارٌ أَوْ حَانُوتٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ لَا يُمْكِنُ قِسْمَتُهَا تَشَاجَرَا فِيهِ فَقَالَ أَحَدُهُمَا لَا أُكْرِي وَلَا أَنْتَفِعُ، وَقَالَ الْآخَرُ أُرِيدُ ذَلِكَ أَمَرَ الْقَاضِي بِالْمُهَايَأَةِ، ثُمَّ يُقَالُ لِمَنْ لَا يُرِيدُ الِانْتِفَاعَ إنْ شِئْتَ فَانْتَفِعْ، وَإِنْ شِئْتَ فَأَغْلِقْ الْبَابَ

اس کی دلیل میں ہے جو گزر چکی ہے: اگر دونوں میں سے ایک بیع کا ارادہ کرے اور دوسرا انکار کر دے تو اسے اپنے حصہ کو بیچنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ امام ''مالک'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ''جواہر'' میں ہے: کتاب وارثوں میں تقسیم نہیں کی جائیں گی۔ لیکن ہر ایک مہایات کے ساتھ نفع حاصل کرے گا۔ کتابوں کو اوراق کے اعتبار سے تقسیم نہیں کیا جائے گا اگرچہ ان کی رضامندی ہو۔ اسی طرح اگر ایک کتاب ہو جس کی بہت سی جلدیں ہوں۔ اگر وہ دونوں رضامند ہوں تو کتابوں کی قیمت لگائی جائے اور ہر ایک ان میں سے بعض کو اس کی قیمت کے ساتھ لے لے اگر باہم رضامندی کے ساتھ ہو تو یہ جائز ہو گا ورنہ جائز نہیں ہو گا۔ ''خانیہ''۔ ایک گھر یا ایک دکان دو افراد میں مشترک ہے جس کی تقسیم ممکن نہیں وہ دونوں میں جھگڑا کرتے ہیں ان دونوں میں سے ایک کہتا ہے: میں اسے کرایہ پر نہ دوں گا اور نہ ہی اس سے نفع حاصل کروں گا۔ اور دوسرا کہتا ہے: میں اس کا ارادہ کرتا ہوں۔ قاضی انہیں مہایات کا امر کرے گا یعنی باری باری فائدہ اٹھاؤ۔ پھر اسے کہا جائے گا جو اس سے نفع حاصل کرنا چاہتا تھا: اگر تو چاہے تو اس سے نفع حاصل کر اور اگر تو چاہے تو دروازہ بند کر دے۔

تقسیم اس کپڑے کو پھاڑنے سے ہی متحقق ہوتی ہے۔ ''ہدایہ''۔ کیونکہ اس میں ایک جز کا اتلاف ہے ''عنایہ''۔ راستہ کو تقسیم نہ کیا جائے گا اگر اس میں ضرر ہو۔ ''بزازیہ''۔

32050۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) مراد یہ قول ہے: لئلا یعود علی موضوعه بالنقض یہ اس کے تقسیم نہ کرنے کی علت ہے۔

32051۔ (قولہ: وَلَا تُقْسَمُ بِالْأَوْرَاقِ وَلَوْ بِرِضَاهُمْ) ظاہر معنی یہ ہے کہ قاضی خود اس کی تقسیم نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ قاضی بذات خود یہ عمل نہیں کرے گا اور نہ ہی وہ انہیں اس امر سے منع کرے گا۔ ''المنح'' کی عبارت ہیں غور و فکر کیجئے۔

شرکا میں سے ہر ایک کو گھر کے کچھ حصہ میں اپنے حصے کے مطابق رہنے کا حق حاصل ہے

32052۔ (قولہ: أَمَرَ الْقَاضِي بِالْمُهَايَأَةِ) میں کہتا ہوں: ''عمادیہ'' میں فصل چوبیس میں یہ ذکر کیا ہے کہ شرکاء میں سے ہر ایک کو حق حاصل ہے کہ وہ گھر کے کچھ حصہ میں اپنے حصہ کے مطابق رہے۔ اسی کی مثل ''حامدیہ'' میں فتویٰ دیا ہے۔ اس میں غور کرو۔ جب ان میں سے ایک اس کا مطالبہ کرے اور دوسرا مہایاۃ کا مطالبہ کرے تو دونوں میں سے کس کو مقدم کیا جائے

(دُوْرٌ مُشْتَرَكَةٌ أَوْ دَارٌ وَضِيعَةٌ أَوْ دَارٌ وَحَانُوتٌ قُسِمَ كُلٌّ وَحْدَهَا) مُنْفَرِدَةً مُطْلَقًا وَلَوْ مُتَلَازِقَةً

کئی گھر مشترک ہیں یا ایک گھر اور جاگیر یا ایک گھر اور دکان مشترک ہے ہر ایک چیز کو علیحدہ علیحدہ مطلقاً تقسیم کیا جائے گا اگرچہ وہ دونوں ملی ہوئی ہوں،

گا؟ یہ اکثر واقع ہوتا ہے۔

وہ کہتا ہے: میری لکڑی ہے میں اس کے نیچے رہائش اختیار کروں گا۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہئے۔ مہایاۃ کا بیان اور اس کے احکام باب کے آخر میں آئیں گے اور یہ بھی آئے گا کہ جب ان دونوں میں سے ہر ایک مطالبہ کرے تو قاضی تقسیم پر مجبور کیا جائیگا اس سے جواب ظاہر ہو جاتا ہے۔ تامل۔

32053۔ (قولہ: دُوْرٌ مُشْتَرَكَةٌ) اسی کی مثل اقرحہ ہیں جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔ اقرحہ قراح کی جمع ہے۔ زمین کا ایسا ٹکڑا ہے جس میں نہ درخت ہو اور نہ کوئی عمارت ہو۔ دور کا لفظ ذکر کر کے بیوت سے احتراز کیا ہے۔ منازل منزل کی جمع ہے یہ دار سے چھوٹی ہوتی ہے اور بیت سے بڑی ہوتی ہے کیونکہ یہ چھوٹا گھر ہوتا ہے جس میں دو یا تین کمرے ہوتے ہیں۔ بیت اسے کہتے ہیں جو ایک کمرہ پر مشتمل ہو جس کی چھت ہو اس کی دہلیز ہوتی ہے۔

32054۔ (قولہ: مُنْفَرِدَةً) یعنی گھروں اور گھر میں سے ہر ایک کو تقسیم کیا جائے گا اور ضیعۃ سے مراد سفیدہ زمین ہے جس میں کوئی عمارت نہ ہو۔ یا اس سے مراد دار ہوتا ہے۔

حانوت: یہ دکان ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو قسمت فرد کے اعتبار سے تقسیم کیا جائیگا۔ پس سفیدہ زمین کو ذراع کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا، عمارت کو قیمت کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا۔ ''قہستانی''۔ انہیں قسمتِ جمع کے اعتبار سے تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ قسمت جمع یہ ہے کہ ان میں سے بعض کا حصہ مثلاً گھر میں رکھا جائے اور دوسرے کا حصہ اس کے علاوہ میں رکھا جائے۔ کیونکہ یہ مختلف اجناس ہیں یا ان کے حکم میں جس طرح ''ہدایہ'' سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ''قہستانی'' نے کہا: اگر جو قول گزر چکا ہے ولا الجنسان اس پر اکتفا کرتے تو یہ زیادہ مختصر ہوتا۔

32055۔ (قولہ: مُطْلَقًا) اس کی تفسیر اس کا بعد کرتا ہے۔ منازل اور بیوت کا ذکر نہیں کیا جس سے احتراز کیا ہے۔ ''مسکین'' نے کہا: بیوت کو ایک تقسیم سے تقسیم کیا جائے گا وہ الگ الگ ہوں یا باہم ملے ہوئے ہوں۔ اور منازل بیوت کی طرح ہیں اگر وہ باہم ملے ہوئے ہوں اور گھروں کی طرح اگر وہ جدا جدا ہوں۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے تمام فصول میں کہا: قاضی ان وجوہ میں سے جو سب سے مناسب وجہ ہے اس کی طرف دیکھے گا تو اس پر تقسیم کو جاری کر دے گا۔ ''رملی'' نے کہا: اس سے اس کو مستثنیٰ کیا جائے گا جب وہ دونوں دو شہروں میں ہوں۔ پس ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں: شاید یہ ان کے زمانہ میں ہے ورنہ منازل اور بیوت اگرچہ ایک ہی گھر کے ہوں ہمارے زمانہ میں بہت ہی مختلف ہوتے ہیں۔ اس پر ان کا یہ قول دلالت کرتا ہے جو یہاں ہے۔ کیونکہ بیوت سکنی کے معنی میں متفاوت نہیں ہوتے۔ اسی

أَوْ فِي مَحَلَّتَيْنِ أَوْ مِصْرَيْنِ مِسْكِينٌ (إِذَا كَانَتْ كُلُّهَا فِي مِصْرٍ وَاحِدٍ أَوْ لَا) وَقَالَا إِنَّ الْكُلَّ فِي مِصْرٍ وَاحِدٍ فَالرَّأْيُ فِيهِ لِلْقَاضِي، وَإِنْ فِي مِصْرَيْنِ فَقَوْلُهُمَا كَقَوْلِهِ (وَيُصَوِّرُ الْقَاسِمُ مَا يَقْسِمُهُ عَلَى قِرْطَاسٍ) لِيَرْفَعَهُ لِلْقَاضِي (وَيُعَدِّلُهُ عَلَى سِهَامِ الْقِسْمَةِ وَبِذَرْعِهِ، وَيُقَوِّمُ الْبِنَاءَ وَيُفْرِزُ كُلَّ نَصِيبٍ بِطَرِيقِهِ وَشِرْبِهِ، وَيُلَقِّبُ الْأَنْصِبَاءَ بِالْأَوَّلِ وَالثَّانِي وَالثَّالِثِ) وَهَلُمَّ جَرًّا (وَيَكْتُبُ أَسَامِيَهُمْ وَيُقْرِعُ)

دو محلوں میں ہوں یا دو شہروں میں ہوں، ''مسکین''۔ جب وہ سب ایک شہر میں ہوں یا ایک شہر میں نہ ہوں۔ ''صاحبین'' رحمہااللہ علیہما نے کہا: اگر سب ایک شہر میں ہوں تو اس میں قاضی کی رائے کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر دو شہروں میں ہوں تو ''صاحبین'' رحمہااللہ علیہما کا قول ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرح ہے۔ تقسیم کرنے والا جس کو تقسیم کرنا چاہتا ہے کاغذ پر اس کا نقشہ بنائے تاکہ قاضی کے سامنے اسے پیش کرے اور تقسیم کے حصوں پر اس کی برابری کرے۔ اور ذراع سے اس کی پیمائش کرے عمارت کی قیمت لگائے اور ہر ایک کا حصہ اس کے راستے اور پانی کی باری کے ساتھ اسے الگ کردے اور حصوں کے نام رکھے پہلا، دوسرا، تیسرا اور اس طرح اس کے آگے سلسلہ چلائے ان کے نام لکھے اور قرعہ اندازی کرے

وجہ سے ہر محلہ میں ایک ہی اجرت پر انہیں دیا جاتا ہے۔ خیار رؤیت میں انہوں نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ یہاں ان کا فتویٰ امام ''زفر'' کے قول کے مطابق ہے کہ کمرہ کو اندر سے دیکھ لینا ضروری ہے کیونکہ وہ مختلف ہوتے ہیں۔ ''تامل''

32056۔(قولہ: أَوْ مِصْرَيْنِ) یہ متن کا قول ہے جو پہلے گزر چکا ہے اس کے ساتھ مکرر ہے۔ ''ح''۔

32057۔(قولہ: إِذَا كَانَتْ كُلُّهَا فِي مِصْرٍ وَاحِدٍ أَوْ لَا) اگر وہ کہتے ولو فی مصر تو یہ کلام زیادہ مختصر اور زیادہ ظاہر ہوتی۔ ''ح''۔

32058۔(قولہ: فَقَوْلُهُمَا كَقَوْلِهِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ وہ یہ کہتے فکقولہ۔

32059۔(قولہ: وَيُصَوِّرُ الْقَاسِمُ الخ) یعنی جب وہ تقسیم میں شروع ہو تو چاہئے کہ جس کو وہ تقسیم کرنا چاہتا ہے اس کا نقشہ بنائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے کاغذ میں یہ لکھے کہ فلاں کا فلاں حصہ ہے اور فلاں کا فلاں حصہ ہے تاکہ اسے یاد رکھنا ممکن ہو اگر وہ قاضی کے سامنے پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تاکہ ان کے درمیان وہ خود قرعہ اندازی کر سکے اور اس میں برابری کرے۔ ایک یہ مروی ہے کہ یہ لفظ یعزلہ ہے یعنی تقسیم کے ساتھ اسے غیر سے الگ کردے تاکہ اس کی مقدار کو پہچان لے۔ ''عنایہ''۔

32060۔(قولہ: وَبِذَرْعِهِ) یہ عمارت کو شامل ہے۔ کیونکہ ''زیلعی'' نے کہا ہے: وہ اس کی پیمائش کرے اور عمارت کی قیمت لگائے۔ کیونکہ پیمائش کی مقدار پیمائش کرنے سے ہوتی ہے اور مالیت کی مقدار قیمت لگانے سے ہوتی ہے دونوں کی معرفت ضروری ہے تاکہ مالیت میں برابری ممکن ہو جائے۔ زمین کی قیمت لگانا اور عمارت کی پیمائش کرنا ضروری ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

32061۔(قولہ: وَيُفْرِزُ الخ) یہ افضل کا بیان ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے یا ممکن نہ ہو تو یہ جائز ہوگا ''ہدایہ'' وغیرہا۔

لِتَطِيبَ الْقُلُوبُ، (فَمَنْ خَرَجَ اسْمُهُ أَوَّلًا فَلَهُ السَّهْمُ الْأَوَّلُ، وَمَنْ خَرَجَ ثَانِيًا فَلَهُ السَّهْمُ الثَّانِي إِلَى أَنْ يَنْتَهِيَ إِلَى الْأَخِيرِ وَ) اعْلَمْ أَنَّ (الدَّرَاهِمَ لَا تَدْخُلُ فِي الْقِسْمَةِ) لِعَقَارٍ

تا کہ حصہ داروں کے دلوں کو تسکین حاصل ہو جس کا نام پہلے نکلے اس کے لئے پہلا حصہ ہوگا اور جس کا نام دوسری دفعہ نکلے تو اس کا دوسرا حصہ ہوگا یہاں تک کہ یہ سلسلہ آخر تک جائے۔ یہ جان لو کہ عقار یا منقول چیز کی تقسیم میں دراہم

ظاہر یہ ہے کہ اس کا معنی ہے جب تقسیم کرنے والا اس کی شرط لگائے تو جو آگے آرہا ہے یہ اس کے منافی نہیں ہوگا۔ جب اس نے اس میں شرط نہ لگائی ہو تو اگر ممکن ہو تو اسے پھیر دے ورنہ تقسیم منسوخ ہو جائے گی۔ فافہم۔

32062۔ (قولہ: لِتَطِيبَ الْقُلُوبُ) اس قول کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قرعہ اندازی کرنا واجب نہیں یہاں تک کہ اگر قاضی نے ہر ایک کے لئے ایک حصہ قرعہ اندازی کے بغیر معین کر دیا تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ یہ قضا کے معنی میں ہے پس وہ قاضی لازم کرنے کا مالک ہے۔ ''ہدایہ''۔

جس کے نام قرعہ نکلے اسے رجوع کا حق حاصل ہوگا

تنبیہ: جب قاضی یا اس کے نائب نے قرعہ کے ذریعے تقسیم کیا تو جب بعض کے کچھ حصے نکل آئے ہوں تو ان میں سے بعض کے لئے انکار کا کوئی حق نہیں۔ جس طرح قرعہ نکلنے سے پہلے اس کے انکار کی طرف توجہ نہ کی جائے گی۔ اگر تقسیم باہم رضامندی سے ہو تو اسے رجوع کا حق ہوگا مگر جب تمام حصے نکل آئیں مگر ایک باقی ہو تو اس ایک کا حصہ متعین ہو جائے گا اگرچہ اس کا حصہ نہ نکلے۔ تقسیم کے مکمل ہونے کے بعد رجوع کا کوئی حق نہیں۔

32063۔ (قولہ: فَمَنْ خَرَجَ اسْمُهُ أَوَّلًا الخ) اس کی وضاحت یہ ہے ایک ایسی زمین ہے جو جماعت میں مشترک ہے ان میں سے ایک کے لئے اس کا چھٹا حصہ ہے اور دوسرے کے لئے اس کا نصف ہے اور ایک اور کے لئے اس کا ایک تہائی ہے تو اقل کا اعتبار کرتے ہوئے اس کے چھ حصے بنائے پھر وہ حصوں کے نام رکھے پہلا، دوسرا یہاں تک کے چھ تک لے جائے اور شرکا کے نام لکھے اور اسے اپنی آستین میں رکھ لے پس جس کا نام پہلے نکلے اسے پہلا حصہ دے اگر وہ چھٹے حصہ والا ہے تو اس کے لئے پہلا حصہ ہے اگر وہ ایک تہائی والا ہے تو اس کے لئے پہلا اور اس کے ساتھ والا ہے۔ اگر وہ نصف والا ہے تو اس کے لئے پہلا اور وہ دو ہیں جو اس کے ساتھ ہیں جس طرح ''النہایہ'' میں ہے۔

عقار یا منقول چیز کی تقسیم میں دراہم داخل نہیں ہوتے مگر رضامندی سے

32064۔ (قولہ: وَ اعْلَمْ أَنَّ الدَّرَاهِمَ) ''الدرر'' میں ایسے دراہم کی قید لگائی ہے جو ترکہ میں سے نہ ہوں۔ ''شرنبلالیہ'' میں یہ ذکر کیا ہے کہ یہ احترازی نہیں پس یہ تقسیم میں داخل نہیں اگرچہ ترکہ میں سے ہو۔

میں کہتا ہوں: ''الدرر'' میں جو قول ہے اسے ''ابن کمال''، ''قہستانی'' اور ''ہدایہ'' کے شارحین جیسے ''معراج''، ''نہایہ'' اور ''کفایہ'' نے ذکر کیا ہے۔ ''زیلعی'' نے مسئلہ کی یہ علت بیان کی ہے کہ اس میں کوئی شرکت نہیں۔ نیز اس کے ذریعے تقسیم

أَوْ مَنْقُولٍ (إِلَّا بِرِضَاهُمْ) فَلَوْ كَانَ أَرْضٌ وَبِنَاءٌ قُسِمَ بِالْقِيمَةِ عِنْدَ الثَّانِي وَعِنْدَ الثَّالِثِ يَرُدُّ مِنَ الْعَرْصَةِ بِمُقَابَلَةِ الْبِنَاءِ، فَإِنْ بَقِيَ فَضْلٌ وَلَا تُمْكِنُ التَّسْوِيَةُ رَدَّ الْفَضْلَ دَرَاهِمَ لِلضَّرُورَةِ، وَاسْتَحْسَنَهُ فِي الِاخْتِيَارِ (قُسِمَ وَلِأَحَدِهِمْ مَسِيلُ مَاءٍ أَوْ طَرِيقٌ فِي مِلْكِ الْآخَرِ وَ) الْحَالُ أَنَّهُ (لَمْ يُشْتَرَطْ فِي الْقِسْمَةِ صُرِفَ عَنْهُ إِنْ أَمْكَنَ وَإِلَّا فُسِخَتِ الْقِسْمَةُ) إِجْمَاعًا وَاسْتُؤْنِفَتْ، وَلَوِ اخْتَلَفُوا فَقَالَ بَعْضُهُمْ

داخل نہیں ہوتے مگر ان کی رضامندی سے داخل ہوتے ہیں اگر وہ زمین اور عمارت ہو تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قیمت کے ساتھ اسے تقسیم کیا جائے گا۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سفیدہ زمین کو عمارت کے مقابلہ میں لوٹایا جائے گا۔ اگر زائد بچ جائے اور برابری ممکن نہ ہو تو زیادتی کو ضرورت کی بنا پر دراہم کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ ''الاختیار'' میں اسے مستحسن قرار دیا ہے۔ تقسیم کی گئی اور شرکاء میں سے ایک کی پانی کی گزرگاہ یا راستہ دوسرے کی ملک میں ہے جبکہ حال یہ ہے کہ تقسیم میں یہ شرط نہیں لگائی گئی تھی۔ اگر ممکن ہو تو اسے اس جگہ سے پھیر دیا جائے ورنہ تقسیم منسوخ ہو جائے گی۔ اس پر اجماع ہے۔ اور نئے سرے سے تقسیم کی جائے گی اگر وہ اختلاف کریں۔ ان میں سے بعض کہیں:

میں تعدیل فوت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان میں سے بعض مشترک مال کے عین تک فی الحال پہنچ جاتا ہے اور بعض دراہم تک پہنچتا ہے جو ذمہ میں ہیں۔ پس ان پر ہلاکت کا خوف ہے۔ کیونکہ دو مشترک جنسوں کو تقسیم نہیں کیا جاتا تو جب اشتراک ہی نہ ہو تو تیرا کیا گمان ہوگا۔

بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے دوسری تعلیل اس کا فائدہ دیتی ہے جس کا ''شرنبلالی'' نے ذکر کیا ہے۔ ''تامل''

32065۔ (قولہ: أَوْ مَنْقُولٍ) ''قہستانی'' نے اس کی تصریح کی ہے۔

32066۔ (قولہ: إِلَّا بِرِضَاهُمْ) اگر بعض عقار ملک ہو اور اس کا بعض وقف ہو۔ اگر معطی ہی وقف کرنے والا ہو تو یہ جائز ہوگا اور وہ یوں ہو جائے گا گویا اس نے وقف لیا ہو اور جو وقف نہیں اسے اپنے شریک سے خریدا ہو۔ اگر اس کے برعکس ہو تو پھر جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس سے بعض وقف کا نقص لازم آتا ہے۔ وقف کا حصہ وقف رہے گا اس نے جو خریدا ہے وہ اس کا مالک بن جائے گا اور وہ وقف نہیں ہوگا۔ ''الاسعاف'' کی فصل المشاع میں اسی طرح ہے۔

32067۔ (قولہ: وَلَا تُمْكِنُ التَّسْوِيَةُ) یعنی سفیدہ زمین عمارت کی قیمت کو پوری نہ ہوتی ہو۔ ''زیلعی''۔

32068۔ (قولہ: وَاسْتَحْسَنَهُ فِي الِاخْتِيَارِ) ''ہدایہ'' میں کہا: یہ اصل کی روایت کے موافق ہے۔

32069۔ (قولہ: لَمْ يُشْتَرَطْ) مگر جب شرط لگائی ہو تو ان دونوں کو ان کی حال پر چھوڑے رکھے گا۔ پس اس کو فسخ نہیں کیا جائے گا تو یہ اس کا ہوگا جس طرح تقسیم سے پہلے تھا۔ ''جوہرہ''۔

32070۔ (قولہ: وَاسْتُؤْنِفَتْ) یعنی ایسے طریقہ سے نئے سرے سے تقسیم کریں گے کہ دونوں میں سے ہر ایک اس پر قادر ہو کہ وہ اپنے لئے راستہ اور پانی کی گزرگاہ بنائے تاکہ شرکت ختم ہو جائے۔

أَبْقَيْنَاهُ مُشْتَرَكًا كَمَا كَانَ إِنْ أَمْكَنَ إِفْرَازُ كُلٍّ فُعِلَ كَمَا بَسَطَهُ الزَّيْلَعِيُّ (اخْتَلَفُوا فِي مِقْدَارِ عَرْضِ الطَّرِيقِ جُعِلَ) عَرْضُهَا (قَدْرَ عَرْضِ بَابِ الدَّارِ) وَأَمَّا فِي الْأَرْضِ فَبِقَدْرِ مَمَرِّ الثَّوْرِ زَيْلَعِيٌّ (بِطُولِهِ) أَيْ ارْتِفَاعِهِ حَتَّى يَخْرُجَ كُلٌّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ جَنَاحًا فِي نَصِيبِهِ، إِنْ فَوْقَ الْبَابِ

ہم نے اسے مشترک باقی چھوڑا تھا جس طرح وہ پہلے تھا اگر یہ ممکن ہو کہ ہر ایک کا راستہ، پانی کی گزرگاہ الگ کر دی جائے تو وہ اسی طرح کرے جس طرح ''زیلعی'' نے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ شریکوں نے راستہ کی چوڑائی کی مقدار میں اختلاف کیا تو اس کی چوڑائی اتنی رکھی جائے گی جتنی چوڑائی گھر کے دروازہ کی ہے۔ جہاں تک عام زمین میں راستہ کی چوڑائی کا معاملہ ہے تو بیل کے گزرنے کی جگہ کے برابر ہوگی۔ ''زیلعی''۔ اور جتنی اس کی اونچائی ہے یعنی گھر کے دروازہ کی اونچائی ہے یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک اپنے حصہ میں سے جھروکا نکالے اگر دروازہ سے اوپر نکالے تو ٹھیک،

یہ صورت باقی رہ گئی ہے جب یہ اصلاً ممکن نہ ہو۔ اگر نئے سرے سے تقسیم کی جائے تو اس کا کیا حکم ہوگا۔ ظاہر یہ ہے کہ اسے نئے سرے سے بھی تقسیم کیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں یہ شرط ہے پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہئے۔

32071۔ (قولہ: أَبْقَيْنَاهُ) مناسب وہ ہے جو ''زیلعی'' میں ہے یعنی نبقیہ۔ اس کی نص یہ ہے: اگر تقسیم میں راستہ داخل کرنے کے بارے میں اختلاف کریں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ان میں سے بعض کہیں: راستہ تقسیم نہ کیا جائے بلکہ وہ مشترک ہی رہے گا جس طرح وہ پہلے تھا حاکم اس میں غور وفکر کرے گا۔ اگر یہ درست ہو کہ وہ ایک اپنے حصہ سے راستہ کھولے تو حاکم جماعت کے لئے راستہ کے بغیر تقسیم کر دے گا کیونکہ راستہ کے علاوہ میں منفعت کی تکمیل متحقق ہے۔

32072۔ (قولہ: إِنْ أَمْكَنَ إِفْرَازُ كُلٍّ) مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے اور مفعول محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے: افراز کل منہم طریقا علی حدۃ۔

32073۔ (قولہ: اخْتَلَفُوا فِي مِقْدَارِ عَرْضِ الطَّرِيقِ) یعنی اس کی وسعت، اس کی تنگی اور اس کے طول میں اختلاف لازم کیا گیا۔ ان میں سے بعض نے کہا: یعنی اس کی چوڑائی بڑے دروازے کی چوڑائی سے زیادہ اور اس کا طول یعنی اونچائی اس دروازے کے اوپر والے حصہ سے آسمان تک ہوگی۔ بعض علماء نے اس کے علاوہ بھی کہا ہے۔ ''عنایہ''۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اختلاف مشترک راستہ کے اندازہ میں ہے نہ کہ ہر حصہ کے راستہ میں ہے۔ ''فافہم''

32074۔ (قولہ: أَيْ ارْتِفَاعِهِ) اس قول نے یہ بیان کیا ہے کہ مراد اونچائی کے اعتبار سے طول ہے نہ کہ چلنے کے اعتبار سے، پہلے یہ طول عرض کی ضد ہے۔ کیونکہ یہ راستہ وہاں تک ہوتا ہے جہاں وہ اس راستہ کے ذریعے بڑے راستہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ ''کفایہ'' وغیرہ جو ''ہدایہ'' کی شروح ہیں اسے بیان کیا ہے۔ ''عطا'' نے یہ بیان کیا ہے کہ دروازہ سے اوپر والے حصہ کو ان میں تقسیم کر دیا جائے گا اور دروازہ کی لمبائی کے برابر جو فضا ہوگی وہ ان میں مشترک ہوگی۔

32075۔ (قولہ: إِنْ فَوْقَ الْبَابِ) یعنی اسے حق ہوگا اگر وہ اس حصہ میں ہو جو دروازہ کی لمبائی سے اوپر ہے۔ کیونکہ

لَا فِيمَا دُونَهُ لِأَنَّ قَدْرَ طُولِ الْبَابِ مِنَ الْهَوَاءِ مُشْتَرَكٌ وَالْبِنَاءُ عَلَى الْهَوَاءِ الْمُشْتَرَكِ لَا يَجُوزُ إِلَّا بِرِضَا الشُّرَكَاءِ جَلَالِيَّةٌ (وَلَوْ شَرَطُوا أَنْ يَكُونَ الطَّرِيقُ فِي قِسْمَةِ الدَّارِ عَلَى التَّفَاوُتِ جَازَ وَإِنْ) وَصْلِيَّةٌ (كَانَ سِهَامُهُمْ فِي الدَّارِ مُتَسَاوِيَةً وَ) ذَلِكَ لِأَنَّ (الْقِسْمَةَ عَلَى التَّفَاوُتِ بِالتَّرَاضِي فِي غَيْرِ الْأَمْوَالِ الرِّبَوِيَّةِ جَائِزَةٌ) فَجَازَ قِسْمَةُ التِّينِ بِالْأَكْرَارِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِوَزْنِيٍّ، لَا الْعِنَبِ بِالشِّيحَةِ عَلَى الصَّحِيحِ بَلْ بِالْقَبَّانِ أَوِ الْمِيزَانِ لِأَنَّهُ وَزْنِيٌّ (سُفْلٌ لَهُ) أَيْ فَوْقَهُ (عُلْوٌ مُشْتَرَكَانِ (وَسُفْلٌ مُجَرَّدٌ) مُشْتَرَكٌ وَالْعُلْوُ لِآخَرَ (وَعُلْوٌ مُجَرَّدٌ) مُشْتَرَكٌ

اس سے نیچے نکالے تو ٹھیک نہیں۔ کیونکہ دروازہ کی لمبائی برابر فضا مشترک ہے۔ اور مشترک فضا پر کوئی چیز بنانا جائز نہیں مگر شرکا راضی ہوں تو ایسا کرسکتا ہے۔ ''جلالیہ''۔ اگر وہ شرط لگائیں کہ گھر کی تقسیم میں راستہ متفاوت ہو یہ جائز ہے اگرچہ گھر میں ان کے حصے مساوی ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کیونکہ تفاوت کی صورت میں تقسیم باہمی رضامندی کے ساتھ غیر سودی اموال میں جائز ہے پس انجیر کی تقسیم کُر کے ساتھ جائز ہے۔ کیونکہ یہ وزنی نہیں۔ عنب کی شیرج کے ساتھ صحیح نہیں۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے بلکہ قبان یا میزان کے ساتھ تقسیم کی جائے کیونکہ یہ وزنی ہے۔ ایک زیریں منزل ہے جس کی بالائی منزل ہے جو دونوں مشترک ہیں صرف نچلی منزل مشترک ہے اور بالائی منزل کسی اور کی ہے، صرف بالائی منزل مشترک ہے

یہ ان کے درمیان تقسیم کردیا گیا ہے جس طرح تو نے جان لیا ہے پس وہ خالص اپنے حق پر بنانے والا ہے نہ کہ اس کے نیچے۔ کیونکہ نیچے والا حصہ مشترک ہے جو ہم نے وضاحت کی ہے اس سے وہ اعتراض ختم ہوجاتا ہے جو ''حموی'' نے بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

32076_(قولہ: مُشْتَرَكٌ) کیونکہ شرکاء کا اختلاف اس ایک راستہ کی مقدار میں ہے جو ان کے درمیان مشترک ہے جس طرح اسے اس قول نے بیان کیا ہے جو ہم نے پہلے ''عنایہ'' سے نقل کیا ہے نہ کہ اس راستہ کے بارے میں جو ہر حصہ والے کا علیحدہ ہوتا ہے یہاں تک یہ اعتراض وارد ہو کہ مقاسم کا حق ہے۔ فافہم۔

32077_(قولہ: جَازَ) کیونکہ اصلی میں راستہ ان کی ملکیت ہے یہ معاوضہ کا محل ہے۔ ''ولوالجیہ''۔

32078_(قولہ: بِالْأَكْرَارِ) یہ کُر کی جمع ہے یہ معروف کیل ہے۔ ''ولوالجیہ'' میں ہے: اجمال کے ساتھ یہ جائز ہے کیونکہ اس میں فرق تھوڑا ہوتا ہے۔

32079_(قولہ: بِالشِّيحَةِ) ''قاموس'' میں شین کی فصل میں باب الجیم میں ہے: شیحہ ایسی شے ہے جو پتوں سے بنائی جاتی ہے اس میں بطیخ وغیرہ لادے جاتے ہیں۔

32080_(قولہ: سُفْلٌ) یہ لفظ سین کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ ہے۔

32081_(قولہ: وَعُلْوٌ مُجَرَّدٌ مُشْتَرَكٌ) یعنی دو شریکوں میں جو پہلے زیریں منزل میں ہیں جس طرح ''شرح المجمع''

وَالسُّفْلُ لِآخَرَ (قُوِّمَ كُلٌّ وَاحِدٍ) مِنْ ذَلِكَ (عَلَى حِدَةٍ، وَقُسِمَ بِالْقِيمَةِ) عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَبِهِ يُفْتَى (أَنْكَرَ بَعْضُ الشُّرَكَاءِ بَعْدَ الْقِسْمَةِ اسْتِيفَاءَ نَصِيبِهِ وَشَهِدَ الْقَاسِمَانِ بِالِاسْتِيفَاءِ) لِحَقِّهِ (تُقْبَلُ) وَإِنْ قَسَمَا بِأَجْرٍ فِي الْأَصَحِّ ابْنُ مَلَكٍ (وَلَوْ شَهِدَ قَاسِمٌ وَاحِدٌ لَا) لِأَنَّهُ فَرْدٌ (وَلَوْ ادَّعَى أَحَدُهُمْ أَنَّ مِنْ نَصِيبِهِ شَيْئًا) وَقَعَ (فِي يَدِ صَاحِبِهِ غَلَطًا وَقَدْ) كَانَ (أَقَرَّ بِالِاسْتِيفَاءِ)

اور زیریں منزل کسی اور کی ہے ان میں سے ہر ایک کی علیحدہ قیمت لگائی جائے گی۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی قیمت کیساتھ اس کی تقسیم کی جائے گی۔ اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ایک شریک نے تقسیم کے بعد اپنا حصہ پورا وصول کرنے سے انکار کیا اور دو تقسیم کنندگان نے اس کا حق پورا لینے کی گواہی دی تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی اگرچہ دونوں نے اصح قول کے مطابق اجرت لے کر اسے تقسیم کیا ہو، ''ابن ملک''۔ اگر ایک تقسیم کنندہ اس کی گواہی دے تو اس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی۔ کیونکہ یہ فرد ہے۔ اگر ان میں سے ایک دعویٰ کرے کہ اس کے حصہ میں سے کوئی شے اس کے ساتھی کے حصہ میں غلطی سے واقع ہوگئی ہے جبکہ اس نے پورا پورا حق لینے کا اقرار کیا تھا

میں ہے۔ اس کا ثمرہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر ظاہر ہوتا ہے۔ ''تدبر''

32082۔ (قولہ: وَقُسِمَ بِالْقِيمَةِ) کیونکہ زیریں منزل ایسے امر کی صلاحیت رکھتی ہے جس کی بالائی منزل صلاحیت نہیں رکھتی جیسے وہ اسے پانی کا کنواں بنالے، تہہ خانہ بنالے، اصطبل بنالے یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز۔ پس اس میں برابری صرف قیمت سے ہی ہوسکتی ہے۔ ''ہدایہ''۔

32083۔ (قولہ: عِنْدَ مُحَمَّدٍ) شیخین کے نزدیک اسے ذراع کے ذریعے تقسیم کیا جائے گا۔ پھر علماء میں اختلاف ہے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نچلی منزل کا ایک ذراع اور اوپر والی منزل کے دو ذراع۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایک ذراع کے بدلے میں ایک ذراع۔ اس کی وضاحت ''ہدایہ'' اور اس کی شروح میں ہے۔ پھر اختلاف صحن میں ہے: جہاں تک قیمت کا تعلق ہے تو بالاتفاق قیمت کے حساب سے اسے تقسیم کیا جائے گا جس طرح ''جواہر'' اور ''ایضاح'' میں ہے۔

32084۔ (قولہ: تُقْبَلُ) کیونکہ دونوں نے یہ گواہی دی ہے کہ اس نے اپنا حق پورا لے لیا ہے جبکہ یہ فعل ان کے علاوہ کا ہے۔ تقسیم کا معاملہ مختلف ہے۔ ''جوہرہ'' میں ہے: یہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے۔ قاضی کے جانب سے تقسیم کرنے والا ہو یا کوئی اور ہو برابر ہیں۔

32085۔ (قولہ: وَإِنْ قَسَمَا بِأَجْرٍ فِي الْأَصَحِّ) اس کی مثل ''جوہرہ'' میں ہے جو ''مستصفی'' کی طرف منسوب ہے۔ اس سے قبل ذکر کیا ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں گواہی قبول نہ کی جائے گی۔ کیونکہ وہ دونوں اپنے ذاتی فعل پر گواہی دیتے ہیں۔ کیونکہ ان دونوں کا فعل تمیز دینا ہے مگر جب وہ دونوں اجرت لے کر تقسیم کریں تو جب تقسیم صحیح ہو تو اس میں ان کی منفعت ہے۔ الخ۔

أَوْ لَمْ يُقِرَّ بِهِ ذَكَرَهُ الْبِرْجَنْدِيُّ (لَمْ يُصَدَّقْ إلَّا بِبُرْهَانٍ) أَوْ إقْرَارِ الْخَصْمِ أَوْ نُكُولِهِ، فَلَوْ قَالَ إلَّا بِحُجَّةٍ لَعَمَّتْ وَلَا تَنَاقُضَ لِأَنَّهُ اعْتَمَدَ عَلَى فِعْلِ الْأَمِينِ ثُمَّ ظَهَرَ غَلَطُهُ (وَإِنْ قَالَ قَبَضْته فَأَخَذَ شَرِيكِي بَعْضَهُ وَأَنْكَرَ) شَرِيكُهُ ذَلِكَ (حَلَفَ)

یا اس نے اقرار نہیں کیا تھا۔ ''برجندی'' نے یہ ذکر کیا ہے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی مگر برہان سے، خصم کے اقرار سے یا اس کے قسم اٹھانے سے انکار سے۔ اگر وہ الا بحجة کے الفاظ ذکر کرتے تو یہ زیادہ عام ہوتا۔ اس میں کوئی تناقض نہیں کیونکہ اس نے امین کے فعل پر اعتماد کیا ہے۔ پھر اس کی غلطی ظاہر ہوئی اگر اس نے کہا: میں نے اپنے حق پر قبضہ کیا اور میرے شریک نے اس کا بعض لے لیا اور اس کا شریک اس کا انکار کرتا ہے تو وہ قسم اٹھائے گا۔

32086۔(قولہ: أَوْ لَمْ يُقِرَّ بِهِ) میں کہتا ہوں: یہ اس جہت سے بدرجہ اولیٰ سمجھا جا سکتا ہے کہ برہان کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اگر وہ اصلاً متناقض نہ ہو جب اقرار کے ساتھ وہ اس کی تصدیق کرے تو اقرار نہ ہونے کی صورت میں اس کی بدرجہ اولیٰ تصدیق کی جائے گی۔ یہاں بھی برہان کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ''الخانیہ'' میں ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ تقسیم معادلہ کے طریقہ پر ہوئی ہے پس تقسیم اسی وقت ٹوٹے گی جب گواہیاں موجود ہوں گی اگر گواہیاں موجود نہ ہوں تو قسم سے انکار کی صورت میں تقسیم ٹوٹ جائے گی۔

32087۔(قولہ: أَوْ نُكُولِهِ) اگر وہ ایک جماعت ہوں اور ایک قسم دینے سے انکار کرے تو اس کا حصہ مدعی کے حصہ کے ساتھ جمع کیا جائے گا اور پھر ان کے حصہ کے مطابق دونوں میں اسے تقسیم کر دیا جائے گا جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔

32088۔(قولہ: فَلَوْ قَالَ الخ) ''قاموس'' میں کہا: برہان سے مراد حجت ہے۔ اس وقت کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک بینہ، خصم کے اقرار یا اس کے قسم سے انکار کو عام ہے۔ ''رحمتی''۔

32089۔(قولہ: وَلَا تَنَاقُضَ الخ) یہ ''صاحب ہدایہ'' کے قول کا جواب ہے: چاہئے کہ اس کا دعویٰ اصلاً قبول نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس میں تناقض پایا جا رہا ہے۔ بعد میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی امام ''قدوری'' نے اس کے بعد اپنے قول: وان قال قبل اقرارہ بالاستیفاء اصابنی من کذا الی کذا الخ سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے اگر اس نے اقرار کیا تو تحالف (باہم قسم اٹھانا) نہیں ہوگا۔ اور یہ نہیں ہوگا مگر اس لئے کہ تناقض کے سبب دعویٰ صحیح نہیں۔ شارحین نے اس بحث پر اسے ثابت رکھا ہے۔

اس کے حق میں اس چیز سے استدلال کیا ہے جو متن و شرح میں ''الخانیہ'' سے آئے گا اور اس سے استدلال کیا ہے جو ''مبسوط'' میں ہے: دو آدمیوں نے گھر تقسیم کیا، تقسیم، قبضہ اور پورا پورا حق لینے پر انہوں نے گواہ بنائے پھر ان دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی کے قبضے میں ایک کمرہ کے ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کی تقسیم نہیں کی جائے گی مگر اس کا ساتھی اس کا اقرار کرے۔ کیونکہ یہ متناقض ہے۔ ''ابن کمال'' نے یوں تطبیق دی ہے کہ حجت کو اقرار پر محمول کیا جائے گا اور ''قہستانی'' نے یہ

لِأَنَّهُ مُنْكِرٌ (وَإِنْ قَالَ قَبْلَ إِقْرَارِهِ بِالِاسْتِيفَاءِ أَصَابَنِي مِنْ ذٰلِكَ كَذَا إِلَى كَذَا وَلَمْ يُسَلِّمْهُ إِلَيَّ)

کیونکہ وہ منکر ہے۔ اگر اس نے اپنا پورا حق لینے کے اقرار سے قبل کہا: مجھے فلاں سے فلاں تک پہنچا تھا اور اس نے مجھے وہ سپرد نہ کیا

اضافہ کیا ہے: او یراد بالغلط الغصب یا غلط سے غصب کا ارادہ کیا جائے۔

''صدر الشریعہ'' نے کہا: متن کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنے اقرار میں تقسیم کرنے والے پر اعتماد کیا ہے۔ پھر جب اس نے اچھی طرح غور وفکر کیا تو اس کے فعل میں غلطی ظاہر ہوگئی تو حق ظاہر ہونے کی صورت میں اس کے اقرار پر مواخذہ نہیں ہوگا۔ اسی کی مثل ''الدرر'' میں ہے۔ شارح نے اسی کا ذکر کیا ہے۔ ''حامدیہ'' میں اس سے بہترین تطبیق اخذ کی ہے کہ متن میں جو قول ہے اسے اس پر محمول کیا ہے کہ جب کوئی اور تقسیم کرے اور جو قول ''خانیہ'' اور ''مبسوط'' میں ہے جب وہ خود تقسیم کرے اس کی دلیل ''مبسوط'' کا قول ہے: اقتسما۔ کیونکہ اس قول کا ظاہر یہ ہے کہ دونوں نے خود تقسیم کی۔ ''تامل''

''صدر الشریعہ'' کے کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ دو روایتیں ہیں پس تطبیق کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ اہم ترجیح ہے۔ پس ہم کہتے ہیں: عام متون وہ ہیں جس پر مصنف گامزن ہوئے ہیں یہی مذہب کو نقل کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے۔ اور کیونکہ اس پر فتویٰ ہے۔ ''مواہب'' کے متن کی عبارت ہے: تقبل بینتہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہیں۔ ''الاختیار'' میں ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: تناقض کی وجہ سے اس کا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا۔ پس دونوں نے دوسرے پر اعتماد نہ کرنے کا فائدہ دیا ہے۔ ''بزازیہ'' میں ہے: اگر اس نے اقرار کیا اور گواہیاں پیش کیں تو دعویٰ صحیح نہیں ہوگا مگر اس روایت پر جسے متاخرین نے اختیار کیا ہے کہ ہزل میں اقرار صحیح نہیں ہوگا اور مقابلہ سے یہ قسم لی جائے گی کہ یہ اپنے اقرار میں جھوٹا نہیں۔

میں کہتا ہوں: شارح نے کتاب الاقرار میں باب الاستثناء سے تھوڑا پہلے یہ ذکر کیا ہے کہ اس کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا لیکن اس میں اور جو قول آگے متن میں آرہا ہے اس کے مفہوم میں منافات باقی رہے گی۔ جس طرح ''ہدایہ'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ''صدر الشریعہ'' نے جو ذکر کیا ہے وہ منافات کو ختم نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ اقرار اگرچہ دعویٰ کی صحت کے مانع ہے تو گواہیاں نہیں سنی جائیں گی کیونکہ گواہیوں کو سننا یہ دعویٰ کی صحت پر مبنی ہے اگر وہ مانع نہ ہو تو چاہیے کہ دونوں قسم اٹھائیں جس طرح ''حواشی سعدیہ'' میں ہے۔ بعض اوقات یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ان کا یہاں قول: وقد اقر بالاستیفاء صریح ہے اور ان کا آنے والا قول جو پورا پورا حق لینے کے اقرار سے پہلے ہو وہ مفہوم ہے اور اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ صریح مفہوم پر مقدم ہے۔ فلیتامل

32090۔ (قولہ: لِأَنَّهُ مُنْكِرٌ) اور دوسرا اس پر غصب کا دعویٰ کرتا ہے۔

32091۔ (قولہ: وَإِنْ قَالَ قَبْلَ إِقْرَارِهِ بِالِاسْتِيفَاءِ) اس سے مراد یہ ہے کہ اس سے اصلاً اقرار حاصل نہیں ہوا۔ ''طحطاوی'' نے ''شرنبلالیہ'' سے نقل کیا ہے۔

32092۔ (قولہ: أَصَابَنِي مِنْ ذٰلِكَ كَذَا إِلَى كَذَا) زیادہ بہتر یہ ہے کہ ذلك کا لفظ حذف کیا جائے جس طرح

وَكَذَّبَهُ شَرِيكُهُ (تَحَالَفَا وَتُفْسَخُ الْقِسْمَةُ) كَالِاخْتِلَافِ فِي قَدْرِ الْمَبِيعِ (وَلَوْ اقْتَسَمَا دَارًا وَأَصَابَ كُلًّا طَائِفَةٌ فَادَّعَى أَحَدُهُمَا بَيْتًا فِي يَدِ الْآخَرِ أَنَّهُ مِنْ نَصِيبِهِ وَأَنْكَرَ الْآخَرُ فَعَلَيْهِ الْبَيِّنَةُ) لِأَنَّهُ مُدَّعٍ (وَإِنْ أَقَامَاهَا فَالْعِبْرَةُ لِبَيِّنَةِ الْمُدَّعِي) لِأَنَّهُ خَارِجٌ، وَإِنْ كَانَ قَبْلَ الْإِشْهَادِ عَلَى الْقَبْضِ تَحَالَفَا وَفُسِخَتْ وَكَذَا لَوْ اخْتَلَفَا فِي الْحُدُودِ (وَإِنْ اُسْتُحِقَّ بَعْضٌ مُعَيَّنٌ مِنْ نَصِيبِهِ لَا تُفْسَخُ الْقِسْمَةُ اتِّفَاقًا)

اوراس کے شریک نے اسے جھٹلایا تو دونوں قسم اٹھائیں گے اور تقسیم فسخ ہو جائے گی جس طرح مبیع کے مقدار میں اختلاف ہو جائے۔ اگر وہ دونوں گھر کو تقسیم کریں اور ہر ایک کو ایک حصہ پہنچے تو دونوں میں سے ایک دوسرے کے قبضہ میں کوٹھری کا دعویٰ کرے کہ یہ اس کے حصہ میں ہے اور دوسرا اس کا انکار کر دے تو اس پر گواہیاں پیش کرنا لازم ہوں گی۔ کیونکہ وہ مدعی ہے۔ اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو اعتبار مدعی کی گواہیوں کا ہوگا۔ کیونکہ وہ قابض نہیں۔ اگر یہ قبضہ پر گواہیوں سے قبل ہو تو دونوں قسم اٹھائیں گے اور تقسیم فسخ ہو جائے گی اس طرح کا حکم ہوگا اگر وہ دونوں حدود میں اختلاف کریں اگر اس کے حصہ میں سے کسی معین حصہ کا کوئی اور مستحق نکل آیا تو بالاتفاق تقسیم فسخ نہ کی جائے گی۔

''الغرر'' میں تعبیر کیا گیا ہے۔

32093۔ (قولہ: تَحَالَفَا وَتُفْسَخُ الْقِسْمَةُ) کیونکہ اختلاف اس مقدار میں ہے جو اسے تقسیم کے ساتھ حاصل ہوئی ہے۔

32094۔ (قولہ: لَوْ اقْتَسَمَا دَارًا) یہ بعینہ وہ قول ہے جو گزشتہ قول ولو ادعی الخ میں گزر چکا ہے مگر اسے دوبارہ ذکر کیا تاکہ دوسرے مسائل کی اس پر بنا کی جائے۔ ''کفایہ''۔

32095۔ (قولہ: لِأَنَّهُ خَارِجٌ) پس اس کی گواہیوں کو قابض کی گواہیوں پر راجح قرار دیا جائے گا جس طرح یہ اپنے محل میں گزر چکا ہے۔

32096۔ (قولہ: وَإِنْ كَانَ قَبْلَ الْإِشْهَادِ) یہ ان کے قول واصاب کلا طائفة کا مفہوم ہے۔ کیونکہ مراد ہے اور انہوں نے اس پر گواہی دی۔ ''ح''۔

32097۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ اخْتَلَفَا فِي الْحُدُودِ) اس کی صورت یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کہتا ہے: یہ میری ہے جو اس کے حصہ میں داخل ہو چکی ہے اور دوسرا بھی اسی طرح کہے۔ اور دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو ایک کے حق میں اس جز کا فیصلہ کر دیا جائے گا جو اس کے ساتھی کے قبضہ میں ہے۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک کے حق میں گواہیاں قائم ہوں تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں میں سے کسی کے حق میں بھی گواہیاں قائم نہ ہوں تو دونوں قسم اٹھائیں گے جس طرح بیع میں ہے۔ ''ہدایہ، کفایہ''۔

32098۔ (قولہ: وَإِنْ اُسْتُحِقَّ بَعْضٌ مُعَيَّنٌ الخ) بعض کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر اس تمام حصہ کا کوئی اور مستحق

عَلَی الصَّحِیحِ (وَفِی اسْتِحْقَاقِ بَعْضٍ شَائِعٍ فِی الْکُلِّ تُفْسَخُ) اتِّفَاقًا (وَفِی اسْتِحْقَاقِ (بَعْضٍ شَائِعٍ مِنْ نَصِیبِهِ لَا تُفْسَخُ) جَبْرًا خِلَافًا لِلثَّانِی (بَلْ) الْمُسْتَحَقُّ مِنْهُ (یَرْجِعُ) بِحِصَّةِ ذٰلِكَ (فِی نَصِیبِ شَرِیکِهِ) إنْ شَاءَ أَوْ نَقَضَ الْقِسْمَةَ دَفْعًا لِضَرَرِ التَّشْقِیصِ قُلْتُ قَدْ بَقِیَ هَاهُنَا احْتِمَالٌ آخَرُ،

اور بعض ایسے کا کوئی مستحق نکل آیا جو سب میں مشترک تھا تو بالاتفاق تقسیم کو فسخ کر دیا جائے گا۔ اگر اس کے حصہ میں سے بعض مشترک حصہ کا کوئی مستحق نکل آیا اس پر جبر کرتے ہوئے تو تقسیم کو فسخ نہ کیا جائے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے بلکہ اس میں سے جس پر کسی کا استحقاق ثابت ہوا ہے اس کا حصہ اس کے شریک کے حصہ کی طرف لوٹا دیا جائے گا اگر وہ چاہے یا تقسیم کو توڑ دے تاکہ تقسیم کے ضرر کو دور کیا جائے۔ میں کہتا ہوں: یہاں ایک اور احتمال باقی ہے

نکل آیا جو اس کے قبضہ میں تھا تو اس کے شریک کے قبضے میں جو ہے اس کے نصف کا وہ مطالبہ کرے گا جس طرح ''شرح المجمع'' میں ہے۔

32099۔ (قوله: عَلَی الصَّحِیحِ) زیادہ بہتر یہ قول تھا: علی الصواب جس طرح ''ہدایہ'' کے شارحین کے کلام سے ظاہر ہے۔

32100۔ (قوله: تُفْسَخُ اتِّفَاقًا) کیونکہ اگر تقسیم باقی رہے گی تو مستحق کو ضرر لاحق ہوتا ہے کہ اس کا حصہ دونوں کے حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ایک حصہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی ضرر نہیں۔ اسے ''ہدایہ'' میں بیان کیا ہے۔

32101۔ (قوله: لَا تُفْسَخُ جَبْرًا) یعنی مستحق منه پر جبر کرتے ہوئے تقسیم کو فسخ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اسے اختیار حاصل ہوتا ہے۔

32102۔ (قوله: خِلَافًا لِلثَّانِی) امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مستحق کی وجہ سے اسے فسخ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ وہ تیسرا شریک ہے اور اس کی رضامندی کے بغیر تقسیم باطل ہے۔ اور اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرح ہے۔ یہی اصح ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔

32103۔ (قوله: بَلْ الْمُسْتَحَقُّ مِنْهُ یَرْجِعُ الخ) یہ قول وہم دلاتا ہے کہ پہلی صورت میں یہ اس طرح نہیں۔ اگر وہ کہتے جیسے ''ابن کمال'' کا قول ہے تو یہ زیادہ مختصر اور زیادہ ظاہر ہوتا۔ یعنی اگر دونوں میں سے ایک کے بعض حصہ کا کوئی مستحق نکل آیا وہ مشترک ہو یا نہ ہو تو تقسیم فسخ نہ ہوگی اور وہ اپنے حصہ کو اپنے شریک کے حصہ کی طرف پھیر دے گا یا وہ تقسیم توڑ دے گا اور ایسا بعض جو کل میں مشترک ہو اس کا کوئی مستحق نکل آیا تو تقسیم کو فسخ کیا جائے گا۔

32104۔ (قوله: أَوْ نَقَضَ الْقِسْمَةَ) یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس نے اس میں سے کسی شے کو نہ بیچا جو اس کے قبضہ میں ہو جبکہ یہ استحقاق سے پہلے ہو۔ ورنہ اسے صرف رجوع کا حق ہوگا جس طرح اسے ''ہدایہ'' میں بیان کیا ہے۔

32105۔ (قوله: قُلْتُ) یہ ''ابن کمال'' کی عبارت ہے جو ''صدر الشریعہ'' کی کلام جو ''المنح'' میں مذکور ہے کا خلاصہ ہے۔

وَهُوَ أَنْ يُسْتَحَقَّ بَعْضٌ مِنْ نَصِيبِ كُلٍّ وَاحِدٍ، فَإِنْ كَانَ شَائِعًا فُسِخَتْ، وَإِنْ كَانَ مُعَيَّنًا، فَإِنْ تَسَاوَيَا فَظَاهِرٌ وَإِلَّا فَالْعِبْرَةُ لِذَلِكَ الزَّائِدِ كَمَا مَرَّ فَلِذَا لَمْ يُفْرِدُوهَا بِالذِّكْرِ

وہ یہ ہے کہ ہر ایک کے حصہ سے بعض کا کوئی مستحق نکل آیا اگر وہ حصہ مشترک ہو تو بیع فسخ ہو جائے گی اگر وہ معین ہو اگر وہ دونوں برابر ہوں تو امر ظاہر ہے ورنہ اعتبار زائد کا ہوگا جس طرح گزر چکا ہے اس وجہ سے انہوں نے اسے الگ ذکر نہیں کیا۔

32106۔ (قولہ: فَإِنْ كَانَ شَائِعًا) جیسے اس میں سے جو ہر ایک کے قبضہ میں ہے وہ مشترک ہو یا دونوں میں سے ایک کا نصف اور دوسرے کا چوتھائی۔ پس یہ تساوی اور تفاوت پر صادق آئے گا۔ سابقہ مسئلہ میں کل میں مشترک ہونے کا معاملہ مختلف ہے تو ہر ایک کے قبضہ میں جو ہوگا اس کا نصف ہوگا۔ لیکن شیوع میں سے ہر ایک میں حکم ایک ہوگا وہ فسخ ہے اس کی دلیل وہ ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ فافہم۔

32107۔ (قولہ: فَإِنْ تَسَاوَيَا فَظَاهِرٌ) یعنی نہ تقسیم فسخ ہوگی اور نہ ہی ایک کا حصہ دوسرے میں لوٹایا جائے گا جس طرح ہر ایک کے حصہ میں سے پانچ ذرائع کا کوئی مستحق نکل آیا۔

32108۔ (قولہ: وَإِلَّا) یعنی اگر وہ دونوں برابر نہ ہوں جیسے دونوں میں سے ایک کے حصہ سے چار اور دوسرے میں سے چھ۔ تو بھی تقسیم کو فسخ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ مستحق پر کوئی ضرر نہیں جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور دوسرے سے ایک ذراع کا مطالبہ کرے گا کیونکہ یہ اس پر زائد ہے۔

32109۔ (قولہ: فَلِذَا الخ) یہ ان کے قول کما مرّ کے قول پر تفریع ہے جب یہ مسائل احکام میں ان کے مشابہ ہیں جو گزر چکے ہیں تو ان مسائل کو الگ ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ انہیں سابقہ علل سے سمجھا جا سکتا ہے۔ جہاں تک مشترک میں فسخ اور معین میں عدم فسخ کا تعلق ہے تو یہ مستحق پر ضرر کے ہونے اور ضرر کے نہ ہونے کی بنا پر ہے جس طرح تو جان چکا ہے۔ جہاں تک برابری نہ ہونے کی صورت میں شریک کی طرف رجوع کا تعلق ہے تو یہ ان کے قول: یرجع فی نصیب شریکہ سے معلوم ہو جاتا ہے ہر ایک اپنے حق تک پہنچ جاتا ہے جبکہ ان دونوں میں سے ایک کی دوسرے پر زیادتی نہیں ہوتی۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ اسے تقسیم توڑ دینے کا بھی حق حاصل ہے تا کہ حصے بنانے کے ضرر کو دور کیا جائے۔ جہاں تک مساوات نہ ہونے کی صورت میں رجوع نہ کرنے کا تعلق ہے تو یہ ظاہر ہے۔ کیونکہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے پر کسی شے میں بڑھ کر نہیں۔ فافہم۔

تتمہ

جب دو گھروں میں یا دو زمینوں میں تقسیم واقع ہوگی اور ہر ایک نے اپنا حصہ لے لیا پھر جب اس میں اس کا مالک کوئی عمارت تعمیر کر چکا تھا تو ان میں سے ایک اور مستحق نکل آیا تو وہ اپنے ساتھی سے عمارت کی نصف قیمت کا مطالبہ کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ "امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ کیونکہ آپ کے نزدیک جبر کی تقسیم دونوں گھروں میں جاری نہیں ہوگی۔ پس یہ تقسیم بیع کے معنی میں ہوگی۔ اصح یہ ہے کہ یہ تمام ائمہ کا قول ہے۔ "خانیہ"۔ اگر تقسیم ایک گھر میں ہو تو وہ مطالبہ نہیں کرے گا۔

(ظَهَرَ دَيْنٌ فِي التَّرِكَةِ الْمَقْسُومَةِ تُفْسَخُ) الْقِسْمَةُ (إِلَّا إِذَا قَضَوْهُ) أَيِ الدَّيْنَ (أَوْ أَبْرَأَ الْغُرَمَاءُ ذِمَمَ الْوَرَثَةِ أَوْ يَبْقَى مِنْهَا) أَيْ مِنَ التَّرِكَةِ (مَا يَفِي بِهِ) لِزَوَالِ الْمَانِعِ (وَلَوْ ظَهَرَ غَبْنٌ فَاحِشٌ) لَا يَدْخُلُ تَحْتَ التَّقْوِيمِ (فِي الْقِسْمَةِ) فَإِنْ كَانَتْ بِقَضَاءٍ (بَطَلَتْ) اتِّفَاقًا لِأَنَّ تَصَرُّفَ الْقَاضِي مُقَيَّدٌ بِالْعَدْلِ وَلَمْ يُوجَدْ (وَلَوْ وَقَعَتْ بِالتَّرَاضِي) تَبْطُلُ أَيْضًا (فِي الْأَصَحِّ)

تقسیم کئے گئے ترکہ میں دین ظاہر ہوا تو تقسیم کو فسخ کر دیا جائے گا مگر جب وہ دین کو ادا کر دیں یا غرباء وارثوں کے ذمہ کو بری کر دیں یا ترکہ میں بھی ابھی اتنا باقی ہو جو اسے کافی ہو کیونکہ مانع زائل ہو چکا ہے۔ اگر تقسیم میں غبن فاحش ظاہر ہو جائے یعنی جو قیمت لگانے کے تحت داخل نہیں ہو سکتا اگر قاضی کے فیصلہ سے یہ تقسیم ہو تو تقسیم باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ قاضی کا اقرار عدل کے ساتھ مقید ہے جبکہ یہ صورت نہیں پائی جاتی۔ اگر باہم رضامندی سے تقسیم واقع ہو تو اصح قول کے مطابق باطل ہو جائے گی۔

تقسیم کیے گئے ترکہ میں دین ظاہر ہوا تو تقسیم کو فسخ کر دیا جائے گا

32110۔ (قولہ: ظَهَرَ دَيْنٌ الخ) اس کی مثل ہوگا اگر موصی لہ ظاہر ہوا ایسے ہزار کے بارے میں جو مطلق ہے تو تقسیم فسخ ہو جائے گی مگر جب وہ اس کو ادا کر دیں۔ کیونکہ دائن اور موصی لہ کا حق مالیت کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے۔ جب کوئی اور وارث ظاہر ہو جائے یا تہائی مال یا چوتھائی کا موصی لہ ظاہر ہو جائے تو وارثوں نے کہا اس کا حق ادا کر دیتے ہیں اور تقسیم کو فسخ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ان دونوں کا حق عین ترکہ سے ظاہر ہو چکا ہے پس وہ حق دوسرے مال کی طرف منتقل نہیں ہوگا مگر دونوں کی رضامندی سے منتقل ہوگا جس طرح ''النہایہ'' میں ہے۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب تقسیم قاضی کے بغیر ہو۔ اگر تقسیم قاضی کے ذریعے ہو تو ایک وارث ظاہر ہو جائے جبکہ قاضی نے اس کا حصہ الگ کر دیا ہو تو تقسیم ختم نہیں ہوگی یہی حکم ہوگا اگر موصی لہ ظاہر ہو یہ اصح قول کے مطابق ہے جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔

32111۔ (قولہ: ذِمَمَ الْوَرَثَةِ) ''الدرر'' میں اسی طرح ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اس میں ہے کہ دین ترکہ کے عین کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے بعد اس کے کہ وہ میت کے ذمہ کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے۔

غریم نے دین کی ادائیگی سے پہلے ورثہ کی تقسیم کو جائز قرار دیا تو اسے تقسیم توڑنے کا حق ہوگا

غریم نے دین کی ادائیگی سے قبل ورثہ کی تقسیم کو جائز قرار دیا تو اسے تقسیم توڑنے کا حق ہوگا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب بعض وارثوں نے میت کے دین کی غریم کی رضامندی سے ضمانت ادا کر دی مگر شرط یہ ہے کہ میت بری ہو جائے۔ کیونکہ براءت کی شرط کے ساتھ وہ حوالہ ہو جائے گا پس دین اس پر منتقل ہو جائے گا اور ترکہ اس سے خالی ہوگا یہ اس ترکہ کی تقسیم کا حیلہ ہے جس میں دین ہو جس طرح ''زیلعی'' وغیرہا میں اسے کھول کر بیان کیا ہے۔

32112۔ (قولہ: وَلَوْ ظَهَرَ غَبْنٌ فَاحِشٌ فِي الْقِسْمَةِ) یعنی تقسیم میں قیمت لگانے میں غبن فاحش ظاہر ہو گیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے ہزار کی قیمت لگائی جبکہ یہ امر ظاہر تھا کہ یہ پانچ سو کے مساوی ہے فاحش کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر

لِأَنَّ شَرْطَ جَوَازِهَا الْمُعَادَلَةُ وَلَمْ تُوجَدْ فَوَجَبَ نَقْضُهَا خِلَافًا لِتَصْحِيحِ الْخُلَاصَةِ قُلْت فَلَوْ قَالَ كَالْكَنْزِ تُفْسَخُ لَكَانَ أَوْلَى (وَتُسْمَعُ دَعْوَاهُ ذَلِكَ) أَيْ مَا ذُكِرَ مِنْ الْغَبْنِ الْفَاحِشِ (إنْ لَمْ يُقِرَّ بِالِاسْتِيفَاءِ، وَإِنْ أَقَرَّ بِهِ لَا) تُسْمَعُ دَعْوَى الْغَلَطِ وَالْغَبْنِ لِلتَّنَاقُضِ، إلَّا إذَا ادَّعَى الْغَصْبَ فَتُسْمَعُ دَعْوَاهُ،

کیونکہ تقسیم کے جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ عدل کیا جائے جبکہ عدل نہیں پایا گیا پس اس کو توڑنا واجب ہے۔ ''خلاصہ'' نے جس کی تصحیح ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ میں کہتا ہوں: اگر وہ ''کنز'' کی طرح کہتے: تفسخ تو یہ کلام اولیٰ ہوتی۔ اور اس کا غبن فاحش کے بارے میں دعویٰ سنا جائے گا جس کا ذکر کیا ہے۔ اگر اس نے اپنا حق پورا لینے کا اقرار نہ کیا ہو تو اگر وہ اس کا اقرار کرے تو غلطی اور غبن فاحش کے بارے میں دعویٰ نہیں سنا جائے گا کیونکہ تناقض پایا جا رہا ہے مگر جب وہ غصب کا دعویٰ کرے پس اس کا دعویٰ سنا جائے گا۔

غبن یسیر ہو جو قیمت لگانے والوں کی تقویم کے تحت داخل ہو جاتا ہے تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا اور نہ ہی اس کی گواہیاں قبول کی جائیں گی جس طرح ''المنح'' میں ہے۔

32113۔ (قولہ: خِلَافًا لِتَصْحِيحِ الْخُلَاصَةِ) ''خلاصہ'' کی تصحیح یہ ہے کہ اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ ''مصنف'' نے ''المنح'' میں کہا: صحیح اور قابل اعتقاد وہ ہے جو ہم پہلے ''کافی'' اور ''قاضی خان'' سے نقل کر چکے ہیں۔ اصحاب متون نے اس کو یقین سے بیان کیا ہے اور اصحاب شروح نے اس کی تصریح کی ہے۔ میں نے اس کے مطابق کئی دفعہ فتویٰ دیا ہے۔

اگر تقسیم میں غبن فاحش ظاہر ہوا تو تقسیم کو فسخ کر دیا جائے گا

32114۔ (قولہ: قُلْت الخ) یہ ''حاشیہ رملی'' سے ماخوذ ہے کیونکہ کہا: وقولہ بطلت، ''الکنز'' میں کہا ہے: ولو ظهر غبن فاحش فی القسمة تفسخ۔ ''غرر'' کے متن میں ہے: تبطل۔ پس انہوں نے یہاں اپنے قول: بطلت میں ان کی پیروی کی ہے۔ اس کے ظاہر سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ فسخ کی محتاج ہے جبکہ معاملہ اس کے خلاف ہے۔ پس انہیں چاہئے یہ تھا کہ اس کی موافقت کرتے نہ کہ ''غرر'' کے متن کی موافقت کرتے۔

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے جس پر ''الخانیہ'' کا قول: تسمع دعواہ فی الغبن الخ دلالت کرتا ہے یعنی غبن کے بارے میں اس کا دعویٰ سنا جائے گا اور اسے تقسیم باطل کرنے کا حق ہوگا جس طرح وہ تقسیم قاضی کے فیصلہ سے ہو۔ یہی قول صحیح ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ یہ فسخ کی محتاج ہے اور ان کے قول: تبطل او بطلت کا معنی ہے اسے تقسیم باطل کرنے کا حق ہے۔ ''کنز'' کا قول تفسخ اسی کا شعور دلاتا ہے کیونکہ یہ نہیں کہا: تنفسخ۔ ظاہر یہ ہے کہ لاکا لفظ ''رملی'' کے قلم سے ساقط ہے جو ان کے قول محتاج سے پہلے ہے۔ ''تامل''

32115۔ (قولہ: لَا تُسْمَعُ دَعْوَى الْغَلَطِ) اس پر پہلے کلام مفصل گزر چکی ہے اور یہ گزر چکا ہے کہ یہ متون کے خلاف ہے۔

وَتَمَامُهُ فِي الْخَانِيَّةِ (ادَّعَى أَحَدُ الْمُتَقَاسِمِينَ) لِلتَّرِكَةِ (دَيْنًا فِي التَّرِكَةِ صَحَّ) دَعْوَاهُ لِأَنَّهُ لَا تَنَاقُضَ لِتَعَلُّقِ الدَّيْنِ بِالْمَعْنَى وَالْقِسْمَةِ لِلصُّورَةِ (وَلَوْ ادَّعَى عَيْنًا) بِأَيِّ سَبَبٍ كَانَ (لَا) تُسْمَعُ لِلتَّنَاقُضِ، إذْ الْإِقْدَامُ عَلَى الْقِسْمَةِ اعْتِرَافٌ بِالشَّرِكَةِ وَفِي الْخَانِيَّةِ اقْتَسَمُوا دَارًا أَوْ أَرْضًا ثُمَّ ادَّعَى أَحَدُهُمْ فِي قِسْمِ الْآخَرِ بِنَاءً أَوْ نَخْلًا زَعَمَ أَنَّهُ بَنَاهُ أَوْ غَرَسَهُ لَمْ تُقْبَلْ بَيِّنَتُهُ (وَقَعَتْ شَجَرَةٌ فِي نَصِيبِ أَحَدِهِمَا أَغْصَانُهَا

اس کی مکمل بحث ''خانیہ'' میں ہے۔ ترکہ کو دو تقسیم کرنے والوں میں سے ایک نے ترکے میں دین کا دعویٰ کیا تو اس کا دعویٰ صحیح ہوگا کیونکہ کوئی تناقض نہیں۔ کیونکہ دین معنی کے متعلق ہے اور تقسیم صورت کے متعلق ہے اگر وہ عین کا دعویٰ کرے وہ کسی سبب سے ہو تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ کیونکہ تناقض پایا جا رہا ہے۔ کیونکہ تقسیم پر اقدام یہ شرکت کا اعتراف ہے۔ ''خانیہ'' میں ہے: انہوں نے گھر کو تقسیم کیا یا زمین کو تقسیم کیا پھر ان میں سے ایک نے دوسرے کے حصہ میں عمارت یا درخت کا دعویٰ کیا اس نے یہ گمان کیا کہ اس نے اسے بنایا ہے یا اسے لگایا ہے تو اس کی گواہیاں قبول نہ کی جائیں گی۔ ایک درخت دونوں میں سے ایک کے حصہ میں واقع ہوا اس کی ٹہنیاں

32116۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِي الْخَانِيَّةِ) ''المنح'' میں اس کی عبارت کو ذکر کیا ہے۔

32117۔ (قولہ: صَحَّ دَعْوَاهُ) پس تقسیم توڑ دی جاتی ہے مگر جب قضا یا بری کرنے کے ساتھ ہو جس طرح قول گزر چکا ہے اگر ان میں سے اپنا حصہ بیچ دے تو بیع باطل ہو جاتی ہے جس طرح تقسیم باطل ہو جاتی ہے جس طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔

32118۔ (قولہ: لِتَعَلُّقِ الدَّيْنِ بِالْمَعْنَى) وہ ترکہ کی مالیت ہے اسی وجہ سے انہیں حق حاصل ہے کہ وہ غریم کو دین دے دیں اور ترکہ کے غیر کی شرکت کے بغیر مالک بن جائیں جس طرح قول گزر چکا ہے۔

32119۔ (قولہ: بِأَيِّ سَبَبٍ كَانَ) وہ خریداری کی صورت میں ہو، ہبہ کی صورت میں ہو یا کسی اور طریقہ سے ہو۔ ''سائحانی'' نے ''مقدسی'' سے نقل کیا ہے: دونوں نے ترکہ کو تقسیم کیا پھر دونوں میں سے ایک نے دعویٰ کیا کہ اس کے والد نے یہ چیز اس کے لئے معین کی ہے اگر اس نے کہا: اس کے بچپنے میں تو اس قول کو قبول کیا جائے گا اگر مطلقاً ہو تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ خفا کے محل میں تناقض معاف ہے جس طرح اس کے محل میں گزر چکا ہے۔

32120۔ (قولہ: إذْ الْإِقْدَامُ عَلَى الْقِسْمَةِ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ جب یہ مدعی پر جبر ہو تو اس کا دعویٰ سنا جائے گا اور یہ تناقض نہیں ہوگا۔ ''رملی''۔

32121۔ (قولہ: لَمْ تُقْبَلْ بَيِّنَتُهُ) کیونکہ عمارت اور درخت تبع میں داخل ہیں اگر وہ درخت یا عمارت کو تقسیم کریں تو ان میں سے ایک تمام زمین کا یا بعض زمین کا دعویٰ کر دے تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ تبعیت نہیں پائی جا رہی کیونکہ یہ جائز ہے کہ وہ درخت یا عمارت مشترک ہو زمین مشترک نہ ہو۔

''الخلاصہ'' وغیرہا میں ہے: اگر ایک آدمی نے درخت کے بارے میں دعویٰ کیا تو مدعیٰ علیہ نے اس سے کہا: مجھ سے اس کے

مُتَدَلِّيَةٌ فِي نَصِيبِ الْآخَرِ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَجْبُرَهُ عَلَى قَطْعِهَا، بِهِ يُفْتَى) لِأَنَّهُ اسْتَحَقَّ الشَّجَرَةَ بِأَغْصَانِهَا اخْتِيَارٌ (بَنَى أَحَدُهُمَا) أَيْ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ (بِغَيْرِ إِذْنِ الْآخَرِ) فِي عَقَارٍ مُشْتَرَكٍ بَيْنَهُمَا (فَطَلَبَ شَرِيكُهُ رَفْعَ بِنَائِهِ قُسِمَ) الْعَقَارُ (فَإِنْ وَقَعَ) الْبِنَاءُ (فِي نَصِيبِ الْبَانِي فَبِهَا) وَنِعْمَتْ (وَإِلَّا هُدِمَ) الْبِنَاءُ، وَحُكْمُ الْغَرْسِ كَذَلِكَ بَزَّازِيَّةٌ

دوسرے کے حصہ میں لٹکی ہوئی ہیں تو اسے یہ حق حاصل نہیں کہ اسے قطع کرے اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ٹہنیوں کے ساتھ درخت کا مستحق بنا ہے،''اختیار''۔ دونوں شریکوں میں سے ایک نے مشترک عقار میں دوسرے کی اجازت کے بغیر کوئی شے تعمیر کی اس کے شریک نے مطالبہ کیا کہ عمارت کو اکھیڑے تو اس عقار کو تقسیم کیا جائے گا اگر عمارت اس کے حصہ میں واقع ہو جس نے اس میں بنایا ہے تو بہت اچھا ورنہ عمارت کو گرا دیا جائے گا اور درخت کا حکم اسی طرح ہے،''بزازیہ''۔

پھل کے بارے میں بھاؤ لگالے یا مجھ سے خرید لے یہ دعویٰ کا دفاع نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ درخت اس کا ہو اور پھل کسی اور کا ہو۔ یہ''واقعۃ الفتوی''ہے۔ میں نے اس دعویٰ کے سماع کا فتویٰ دیا اس دلیل کی وجہ سے جس کا ذکر کیا گیا ہے۔''رملی''۔

32122۔ (قولہ: لَيْسَ لَهُ أَنْ يَجْبُرَهُ عَلَى قَطْعِهَا) یعنی اسے ٹہنیاں کاٹنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔''خانیہ''میں کہا ہے: جس طرح اگر ایک کے حصہ میں دیوار آجائے جس پر دوسرے کی کڑیاں ہوں تو اسے یہ حکم نہیں دیا جائے گا کہ وہ انہیں اٹھالے۔

32123۔ (قولہ: لِأَنَّهُ اسْتَحَقَّ الشَّجَرَةَ بِأَغْصَانِهَا) یعنی اس حالت میں وہ ٹہنیوں کے ساتھ درخت کا مستحق بنا ہے۔''ط''۔

32124۔ (قولہ: بِغَيْرِ إِذْنِ الْآخَرِ) اسی طرح کا حکم ہوگا اگر اس نے اسے اس کی ذات کے لئے اجازت دی ہو کیونکہ وہ غیر کے حصہ کو عاریۃً لینے والا ہے اور معیر کو حق حاصل ہے جب چاہے رجوع کر لے مگر جب اس نے شرکت کے طور پر اجازت دی ہو تو بلاشبہ اپنے حصے کا اس سے مطالبہ کرے گا۔''رملی''نے''الاشباہ''پر اپنے''حاشیہ''میں لکھا ہے۔

32125۔ (قولہ: وَإِلَّا هُدِمَ الْبِنَاءُ) یا اس کی قیمت دینے پر اسے راضی کرلے۔''طحطاوی''نے''ہندیہ''سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں:''فتاوی قاری الہدایہ''میں ہے: اگر شریک کے حصہ میں عمارت واقع ہو تو اسے اکھیڑا جائے گا اور اس وجہ سے زمین میں جو نقص واقع ہو اس کی ضمانت دے گا۔ کتاب الغصب کے متن میں یہ گزرا ہے کہ جس نے عمارت بنائی یا غیر کی زمین میں اس نے درخت لگایا اور مالک کو یہ حق حاصل ہے کہ اسے اس عمارت کی قیمت یا درخت کی قیمت ضمانت کے طور پر دے جس کو اکھیڑ دینے کا حکم دیا گیا اگر زمین کو اس کی وجہ سے نقصان ہوتا ہو۔ ظاہر یہ ہے یہاں یہ تفصیل اسی طرح جاری ہوگی۔''تامل''

(الْقِسْمَةُ تَقْبَلُ النَّقْضَ، فَلَوْ اقْتَسَمُوا وَأَخَذُوا حِصَّتَهُمْ ثُمَّ تَرَاضَوْا عَلَى الِاشْتِرَاكِ بَيْنَهُمْ صَحَّ) وَعَادَتْ الشَّرِكَةُ فِي عَقَارٍ أَوْ غَيْرِهِ، لِأَنَّ قِسْمَةَ التَّرَاضِي مُبَادَلَةٌ وَيَصِحُّ فَسْخُهَا وَمُبَادَلَتُهَا بِالتَّرَاضِي بَزَّازِيَّةٌ (الْمَقْبُوضُ بِالْقِسْمَةِ الْفَاسِدَةِ) كَقِسْمَةٍ عَلَى شَرْطِ هِبَةٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ بَيْعٍ مِنْ الْمَقْسُومِ أَوْ غَيْرِهِ (يَثْبُتُ الْمِلْكُ وَيُفِيدُ) جَوَازَ (التَّصَرُّفِ فِيهِ) لِقَابِضِهِ وَيَضْمَنُهُ بِالْقِيمَةِ (كَالْمَقْبُوضِ بِالشِّرَاءِ الْفَاسِدِ) فَإِنَّهُ يُفِيدُ الْمِلْكَ كَمَا مَرَّ فِي بَابِهِ (وَقِيلَ لَا) يُثْبِتُهُ جَزَمَ بِالْقِيلِ فِي الْأَشْبَاهِ،

تقسیم تقسیم ختم کرنے کو قبول کرتی ہے اگر وہ تقسیم کر لیں اور اپنا حصہ لے لیں پھر باہم اشتراک پر راضی ہو جائیں تو یہ صحیح ہوگا اور شرکت عقار یا اس کے علاوہ میں لوٹ آئے گی۔ کیونکہ تراضی کی تقسیم مبادلہ ہے باہمی رضامندی سے پہلے اس کا فسخ کرنا اور اس کا مبادلہ کرنا صحیح ہے۔''بزازیہ''۔ فاسد تقسیم کے ساتھ جس چیز پر قبضہ کیا گیا ہو یہ ملکیت کا فائدہ دیتا ہے اور اس میں قابض کے لئے تصرف کے جواز کا فائدہ دیتا ہے فاسد تقسیم سے مراد ہے جیسے ہبہ کی شرط، صدقہ کی شرط یا مقسوم وغیرہ کی بیع ہے۔ اور جس نے قبضہ کیا ہے وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا جس طرح شراء فاسد کے ساتھ جس شے پر قبضہ کیا جائے تو وہ ملکیت کا فائدہ دیتا ہے جس طرح اس کے باب میں گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ملکیت کو ثابت نہیں کرتا۔ ''الاشباہ'' میں ضعیف قول کو جزم و یقین سے بیان کیا ہے

32126۔(قولہ: فِي عَقَارٍ أَوْ غَيْرِهِ) میں نے کسی اور کے ہاں ایسی تعمیم نہیں دیکھی اگرچہ متن کا یہی ظاہر معنی ہے کیونکہ مصنف نے اسے ''بزازیہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کی عبارت ہے: انہوں نے زمین کو تقسیم کیا اور اپنے حصے لے لئے الخ۔ پس یہ عقار کے ساتھ خاص ہے جس طرح عنقریب یہ ظاہر ہوگا۔

32127۔(قولہ: لِأَنَّ قِسْمَةَ التَّرَاضِي) غالب نسخوں میں اسی طرح ہے۔ بعض نسخوں میں: الاراضی کا لفظ ہے اور یہی متن میں ہے۔ ''بزازیہ'' وغیرہ میں میں نے اسی طرح دیکھا ہے۔ ''ذخیرۃ'' میں اس کی یہ علت بیان کی گئی ہے کہ کیلی اور وزنی کے علاوہ میں تقسیم یہ بیع کے معنی میں ہے۔ پس اس کا نقض یعنی تقسیم ختم کرنا اقالہ کے قائم مقام ہے۔

میں کہتا ہوں: اس سے جو معنی ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مثلی میں تقسیم محض رضامندی سے ختم نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ عقد مبادلہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں راجح افراز (الگ کرنا) کی جانب ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ ہاں جب وہ اس مثلی چیز کو خلط ملط کر دیں جس کو انہوں نے تقسیم کیا تھا جبکہ یہ ان کی رضامندی سے ہوا تو ایک اور شرکت متجدد ہو جائے گی۔ اس سے وہ امر ظاہر ہو جاتا ہے جس کو ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ ''تامل''

32128۔(قولہ: وَمُبَادَلَتُهَا) ''بزازیہ'' کی عبارت ہے: واقالتها۔

32129۔(قولہ: جَزَمَ بِالْقِيلِ فِي الْأَشْبَاهِ) لیکن ''بیری'' میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ ان کے اس گمان پر مبنی ہے کہ تقسیم میں باطل اور فاسد برابر ہیں جبکہ منقول اس کے برعکس ہے۔ ''حموی'' نے مصنف سے نقل کیا ہے۔ ''الاشباہ'' میں

وَبِالْأَوَّلِ فِي الْبَزَّازِيَّةِ وَالْقُنْيَةِ (وَلَوْ تَهَايَآ فِي سُكْنَى دَارٍ) وَاحِدَةٍ يَسْكُنُ هَذَا بَعْضًا وَذَا بَعْضًا أَوْ هَذَا شَهْرًا وَذَا شَهْرًا (أَوْ دَارَيْنِ) يَسْكُنُ كُلٌّ دَارًا (أَوْ فِي خِدْمَةِ عَبْدٍ) يَخْدُمُ هَذَا يَوْمًا وَذَا يَوْمًا

اور ''بزازیہ'' اور ''قنیہ'' میں پہلے قول پر جزم و یقین کا اظہار کیا ہے۔ اگر دو شریک ایک گھر کی رہائش میں باری مقرر کرلیں یہ اس کے بعض حصہ میں رہے گا اور یہ اس کے بعض حصہ میں رہے گا یا یہ ایک ماہ رہے گا اور وہ دوسرے ماہ رہے گا یا دو گھروں میں باری مقرر کرلیں ہر ایک ایک گھر میں رہے گا یا غلام کی خدمت میں باری مقرر کرلیں غلام اس کی ایک دن خدمت کرے گا اور اس کی ایک دن خدمت کرے گا

ذکر کیا ہے وہ اس پر مطلع نہیں انہوں نے بھی یہ ذکر کیا ہے کہ وہ اس پر مطلع نہیں۔ اور یہ احتمال موجود ہے کہ لا کا لفظ سہو کے طور پر واقع ہوا ہو پھر کہا: ہر قول کی بنا پر فتویٰ اور عمل اس پر ہے کہ ملکیت قبضہ کے ساتھ حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہی مذہب کی کتب میں منقول ہے۔ اس پر اطلاع نہیں ہوتی مگر جو ''اشباہ'' کی عبارت میں ہے ساتھ ہی اس میں احتمال موجود ہے۔ پس اس پر اعتماد کرنا صحیح نہیں۔

میں کہتا ہوں: مصنف سے تعجب اس بات پر ہے کہ انہوں نے اسے متن میں اپنے اس قول: لم اطلع علیه کے بعد ذکر کیا ہے ان کے لئے گنجائش تھی کہ اسے ذکر ہی نہ کرتے۔ خصوصاً متون اختصار پر مبنی اور موضوع ہیں اسی پر فتویٰ ہے۔

تتمہ

انہوں نے وقف شدہ زمین باہمی رضامندی سے تقسیم کردی پھر ان میں سے ایک نے کئی سال بعد تقسیم کو باطل کرنے کا مطالبہ کر دیا تو اسے یہ حق حاصل ہوگا۔ کیونکہ اسے ان لوگوں کے درمیان تقسیم کرنا سب کے نزدیک جائز نہیں۔ ''حاوی زاہدی''۔ اس میں ہے: ایک زمین ہے جسے تقسیم کیا گیا تو ان میں سے ایک اپنے حصہ پر راضی نہ ہوا پھر اس نے اسے کاشت کیا تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ تقسیم ادا کرنے سے رد ہو جاتی ہے۔

32130۔ (قولہ: وَلَوْ تَهَايَآ) الهيئة سے مراد اس کی حالت ظاہرہ ہے جو کسی شے کے لیے تیار کی گئی ہو۔ تہایو یہ اس سے تفاعل کا صیغہ ہوتا ہے لغت میں اس کا یہ معنی ہے وہ کسی امر پر اتفاق کریں اور اس سے راضی ہو جائیں۔ مہایاۃ ہمزہ کو الف سے بدلنے کے ساتھ ہے۔

شرح کی زبان میں اس سے منافع کی تقسیم ہے یہ ان مشترک اعیان میں جائز ہوتا ہے جن سے نفع حاصل کرنے کی ملکیت حاصل ہوتی ہے جب کہ ان کا عین باقی رہتا ہے۔ اس کی مفصل بحث ''ہدایہ'' کی شرح میں ہے۔

تہایو بعض اوقات زمان میں ہوتا ہے اور بعض اوقات مکان میں

32131۔ (قولہ: يَسْكُنُ هَذَا بَعْضًا الخ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ تہایو بعض اوقات زمان میں ہوتا ہے اور بعض اوقات مکان کی حیثیت سے ہوتا ہے اور پہلا غلام وغیرہ میں متعین ہوتا ہے جیسے چھوٹا سا کمرہ۔ اگر دو شریک زمان کے

(أَوْ عَبْدَيْنِ) يَخْدُمُ هٰذَا هٰذَا وَالْآخَرُ الْآخَرَ (أَوْ فِي غَلَّةِ دَارٍ أَوْ دَارَيْنِ) كَذٰلِكَ (صَحَّ) التَّهَايُؤُ فِي الْوُجُوهِ السِّتَّةِ اسْتِحْسَانًا اتِّفَاقًا

یا دو غلاموں میں باری مقرر کریں یہ اس کی خدمت کرے گا اور دوسرا اس کی خدمت کرے گا یا ایک گھر کے کرایہ یا دو گھروں میں کرایہ میں اسی طرح باری مقرر کریں تو چھ وجوہ میں بطور استحسان تہایو صحیح ہے۔ یہ حکم بالاتفاق ہے۔

اعتبار سے تہایو میں اختلاف کریں اور مکان ایسے محل میں ہے جو اس کا احتمال رکھتا ہے۔ قاضی یہ حکم دے گا کہ دونوں اتفاق کر لیں۔ کیونکہ ایک ہی زبان میں ہر ایک کے نفع حاصل کرنے میں مکان میں یہ زیادہ مناسب ہے۔ اور زبان میں یہ زیادہ کامل ہے۔ کیونکہ ہر ایک کل سے نفع حاصل کرتا ہے جب جہت مختلف ہوگئی تو اتفاق ضروری ہے۔ اگر دونوں زبان کے اعتبار سے تہایو اختیار کریں تو تہمت کی نفی کے لیے وہ شروع میں قرعہ اندازی کر لیں گے۔ ''ہدایہ''۔

زمان کی قید لگائی کیونکہ مکان میں تسویہ فی الحال اس امر پر قادر بنا دیتا ہے کہ یہ اس کے بعض حصہ میں رہائش اختیار کرے اور یہ اس کے بعض حصہ میں رہائش اختیار کرے جہاں تک زبان کا تعلق ہے تو یہ ایک کی مدت کے گزر جانے سے ہی قدرت عطا کرتا ہے۔ ''کفایہ''۔

میں کہتا ہوں: مگر بعض اوقات مکان کی تعین میں اختلاف واقع ہو جاتا ہے پس چاہیے کہ اس میں قرعہ ڈال لیا جائے۔ تامل۔ ''رملی'' نے کہا: اگر وہ مدت کی تعیین میں بخل سے کام لیں مثلاً ان میں سے ایک کہے سال بسال اور دوسرا کہے مہینہ مہینہ۔ میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا ظاہر یہ ہے کہ قاضی کو یہ امر سپرد کر دیا جائے۔

یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا وہ دونوں کو اتفاق کرنے کا حکم دے گا جس طرح زبان یا مکان کی حیثیت سے اختلاف واقع ہو جائے۔ کیونکہ ہر ایک کے ساتھ اس میں وجہ موجود ہے۔ یہاں معاملہ مختلف ہے۔ اگر یہ کہا جائے: اقل کو مقدم کیا جائے گا کیونکہ دوسرے کو ضرر لاحق ہوتا ہے کیونکہ حق تک پہنچنے میں یہ زیادہ تیز ہے پس اس کی کوئی وجہ ہوگی۔ تامل

تنبیہ

''ہدایہ'' میں ہے: ہر ایک کو حق حاصل ہے کہ مہایاۃ کے ذریعے اسے جو چیز پہنچی ہے اس سے منافع حاصل کرے اگرچہ وہ اس کی شرط نہ لگائے کیونکہ منافع اس کی ملک کی حالت میں واقع ہوئے ہیں۔ ''سائحانی'' نے کہا: ''تاتر خانیہ'' میں اسے بیان کیا ہے کہ مستاجروں کا تہایو صحیح نہیں لازم نہیں۔ اگر وہ دونوں موجر پر شرط لگائیں کہ دونوں میں سے ایک کا گھر کا اگلا حصہ ہے اور دوسرے کا پچھلا حصہ ہے تو عقد فاسد ہو جائے گا اگر وہ گھر دونوں کی رہائش کی گنجائش نہ رکھتا ہو اور ان میں سے ایک اس میں رہائش پذیر ہو اور دوسرا زمانہ کے اعتبار سے اس میں تہایو کا مطالبہ کرے تو اس کی بات قبول کی جائے گی جس طرح ''الخانیہ'' کی کتاب الحیطان میں ہے۔

32132۔(قولہ: كَذٰلِكَ) یعنی یہ ایک ماہ لے گا اور دوسرا ایک ماہ لے گا یا یہ اس کا کرایہ لے گا اور دوسرا دوسرے گھر کا

وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْقَاضِيَ يُهَايِئُ بَيْنَهُمَا جَبْرًا بِطَلَبِ أَحَدِهِمَا، وَلَا تَبْطُلُ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا وَلَا بِمَوْتِهِمَا، وَلَوْ طَلَبَ أَحَدُهُمَا الْقِسْمَةَ فِيمَا يُقْسَمُ بَطَلَتْ، وَلَوْ اتَّفَقَا عَلَى أَنَّ نَفَقَةَ كُلِّ عَبْدٍ عَلَى مَنْ يَخْدُمُهُ جَازَ اسْتِحْسَانًا

اصح یہ ہے کہ قاضی اس کے مطالبہ پر دونوں کے درمیان زبردستی باری مقرر کرے اور تہایو دونوں میں سے ایک کی موت یا دونوں کی موت سے باطل نہیں ہوتا۔ اگر دونوں میں سے ایک نے اس میں تقسیم کا مطالبہ کیا تو تقسیم باطل ہو جائے گی۔ اگر دونوں اتفاق کر لیں کہ ہر ایک غلام کا نفقہ اس کے ذمہ ہوگا غلام جس کی خدمت کرے گا تو یہ بطور استحسان جائز ہے۔

کرایہ لے گا۔

32133۔(قولہ: وَلَا تَبْطُلُ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا الخ) کیونکہ اگر تہایو باطل ہو جائے تو حاکم نئے سرے سے اسے شروع کرے گا جب کہ نئے سرے سے شروع کرنے میں کوئی فائدہ نہیں، ''زیلعی''۔ جب دو مملوکوں میں خدمت لینے کے اعتبار سے وہ تہایو کریں تو ان دونوں میں سے ایک مر جائے یا بھاگ جائے تو تہایو ٹوٹ جائے گا اگر اس نے پورا مہینہ خدمت لے لی تھی مگر تین دن باقی تھے تو دوسرے مہینے سے تین دن کم کر دیئے جائیں گے اگر وہ تین دن زیادہ رہے تو دوسرا زائد نہیں کرے گا۔ اگر وہ پورا مہینہ بھاگا رہا اور دوسرے نے اس میں خدمت لی تو نہ کوئی اجرت ہوگی اور نہ ہی ضمانت ہوگی اگر دونوں خادموں میں سے ایک ہلاک ہو جائے یا رہائش کی وجہ سے گھر گر جائے یا اس آگ کی وجہ سے گھر جل جائے جس کو آگ نے روشن کیا تھا تو کوئی ضمانت نہیں ہوگی۔ ''تاتر خانیہ''۔

32134۔(قولہ: بَطَلَتْ) ''ہدایہ'' کی عبارت ہے: اسے تقسیم کیا جائے گا اور مہایاۃ باطل ہو جائے گا۔ اس قول نے یہ فائدہ دیا: اگر دونوں میں سے ایک نے مہایاۃ طلب کیا اور دوسرے نے تقسیم کو طلب کیا تو دوسرے کی بات مانی جائے گی جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: ہر ایک نے وہ گھر اجرت پر دیا جو اس کے قبضہ میں تھا تو ان دونوں میں سے ایک نے مہایاہ کے توڑ دینے کا ارادہ کیا اور گھر کی تقسیم کا ارادہ کیا تو اسے یہ حق حاصل ہے جب اجارہ کی مدت گزر جائے اس سے قبل ذکر کیا: ہر ایک کو مہایاۃ ختم کرنے کا حق ہوگا اگرچہ عذر کے بغیر ہو یہ ظاہر مذہب میں ہے۔

''حلوانی'' نے کہا: یہ حکم اس وقت ہے جب وہ کہے: میں اپنا حصہ بیچنا چاہتا ہوں یا اس کی تقسیم چاہتا ہوں۔ اگر جب منافع کے مشترک طور پر لوٹنے کا ارادہ کرے تو یہ جائز نہیں۔ ''شیخ الاسلام'' نے کہا: جو ظاہر روایت میں ہے کہ اسے مہایاۃ توڑ دینے کا اختیار ہے اگرچہ بغیر عذر کے ہو یہ اس وقت ہے جب تہایو دونوں کی رضامندی سے ہوا اگر قاضی کے فیصلہ سے ہو تو جب تک دونوں مصالحت نہ کریں تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ پہلی صورت میں یہ اس کا محتاج ہے جو زیادہ مناسب ہے وہ قضا کے ساتھ تقسیم کرنا ہے۔

32135۔(قولہ: وَلَوْ اتَّفَقَا الخ) اسی طرح اگر وہ دونوں خاموش رہیں تو بطور استحسان ہر ایک کا کھانا اس کے مخدوم پر ہوگا۔ قیاس میں یہ ہے کہ ان کا کھانا ان دونوں مالکوں پر ہوگا۔ اور ان کا قول بخلاف الکسوۃ اس میں تفصیل ہے۔ اگر وہ

بِخِلَافِ الْكِسْوَةِ، وَمَا زَادَ فِي نَوْبَةِ أَحَدِهِمَا فِي الدَّارِ الْوَاحِدَةِ مُشْتَرَكٌ لَا فِي الدَّارَيْنِ، وَتَجُوزُ فِي عَبْدٍ وَدَارٍ عَلَى السُّكْنَى وَالْخِدْمَةِ

لباس کا معاملہ مختلف ہے۔ اور ایک گھر کی باری میں جو گھر کے کرایہ میں اضافی ہوا ہے وہ مشترک ہے نہ کہ جو دو گھروں کے کرایہ میں اضافہ ہو تہایو غلام اور دار میں، رہائش اور خدمت پر جائز ہے

معلوم مقدار کی وضاحت نہ کریں تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اگر وہ دونوں بیان کر دیں تو بطور استحسان جائز ہوگا۔ جہاں تک طعام کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں یہ شرط لگانا جائز ہوگا کہ جس کی خدمت کرے اس پر لازم ہے اگرچہ اس کی مقدار بیان نہ کرے یہ بطور استحسان ہے۔ ''طحطاوی'' نے اسے ''ہندیہ'' سے بیان کیا ہے۔

32136۔ (قولہ: وَمَا زَادَ الخ) یعنی کرایہ میں جو اضافہ ہو۔ یہ مصنف کے قول: او فی غلة دار او دارین کے ساتھ مرتبط ہے۔

32137۔ (قولہ: مُشْتَرَكٌ) تاکہ تعدیل ثابت کی جائے۔ مگر جب تہایو منافع کے بارے میں ہو تو ان میں سے ایک اپنی باری میں زیادہ منافع حاصل کر لے۔ کیونکہ تعدیل حاصل ہے اس چیز میں جس پر تہایو واقع ہوا ہے وہ منافع ہیں۔ پس منافع کی زیادتی اسے کوئی نقصان نہیں دیتی۔ ''ہدایہ''۔

میں کہتا ہوں: اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں میں سے ایک کی باری میں کرایہ کی زیاتی یہ مہایاہ کی صحت اور اس پر جبر کے منافی نہیں اس کے ساتھ اس میں تامل کیا جائے گا جو ''فتاویٰ قاری الہدایہ'' میں ہے کہ کشتی کے بارے میں سامان لادنے میں نہ تہایو پر جبر کیا جائے گا اور نہ ہی کرایہ کے حصول میں زمانہ کے اعتبار سے تہایو پر جبر کیا جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ یہ ایک ماہ کرایہ لے اور دوسرا ایک ماہ کرایہ لے بلکہ دونوں اجرت پر اسے دیں گے اور اجرت ان دونوں کے لیے ہوگی۔ بعض علماء نے اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ بعض اوقات ایک ماہ کا کرایہ دوسرے ماہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ پس مساوات نہیں پائی جائے گی۔ شاید مراد یہ ہے کہ ایسی صورت پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ دونوں میں سے ہر ایک زائد کرایہ کے ساتھ خاص ہو جائے۔ ورنہ یہ اشکال کا باعث ہوگا۔ فلیتامل

32138۔ (قولہ: لَا فِي الدَّارَيْنِ) کیونکہ دونوں میں تمیز اور افراز کا معنی راجح ہے۔ کیونکہ منافع حاصل کرنے کا زمانہ ایک ہے۔ ایک گھر میں منافع کا وصول پے در پے ہوتا ہے پس اس میں قرض کا اعتبار کیا جائے گا پس دونوں میں ہر ایک کو اس کی باری میں اپنے ساتھی کا وکیل بنایا جائے گا۔ ''ہدایہ''۔

32139۔ (قولہ: عَلَى السُّكْنَى وَالْخِدْمَةِ) اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک گھر میں ایک سال تک رہے اور دوسرا ایک سال تک غلام سے خدمت لے اور کرایہ پر ایسا تہایو باطل ہے۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے، ''ذخیرہ''۔ ''الدر المنتقی'' میں کہا: متحد میں جواز ہے اور مختلف میں بدرجہ اولیٰ ہے۔

وَكَذَا فِي كُلِّ مُخْتَلِفِي الْمَنْفَعَةِ مُلْتَقَى، وَتَمَامُهُ فِيمَا عَلَّقْته عَلَيْهِ (وَلَوْ تَهَايَآ فِي غَلَّةِ عَبْدٍ أَوْ فِي غَلَّةِ عَبْدَيْنِ أَوْ) تَهَايَآ (فِي غَلَّةِ بَغْلٍ أَوْ بَغْلَيْنِ أَوْ) فِي (رُكُوبِ بَغْلٍ أَوْ بَغْلَيْنِ أَوْ) فِي (ثَمَرَةِ شَجَرَةٍ أَوْ) فِي (لَبَنِ شَاةٍ لَا) يَصِحُّ فِي الْمَسَائِلِ الثَّمَانِ وَحِيلَةُ الثِّمَارِ

اسی طرح ہر اس چیز میں جن کی منفعت مختلف ہو ''ملتقی''۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے جو میں نے اس کی شرح لکھی ہے۔ اگر وہ دونوں ایک غلام کے کرایہ یا دو غلاموں کے کرایہ میں باری مقرر کریں یا ایک خچر اور دو خچروں کے کرایہ میں باری مقرر کریں یا ایک خچر یا دو خچروں کی سواری میں یا ایک درخت کے پھل یا بکری کے دودھ میں باری مقرر کریں تو آٹھوں مسائل میں تہایو (باری مقرر کرنا) صحیح نہیں۔ پھلوں میں حیلہ یہ ہے

ہر اس چیز میں باری مقرر کرنا صحیح ہے جس کی منفعت مختلف ہو

32140۔ (قولہ: وَكَذَا فِي كُلِّ مُخْتَلِفِي الْمَنْفَعَةِ) ''الدر المنتقی'' میں کہا: جیسے گھروں کی رہائش، زمینوں کی کاشت اور جیسے حمام اور گھر جس طرح ''الاختیار'' میں ہے۔

32141۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ الخ) وہ وہ ہے جسے ہم ذکر کر چکے ہیں۔

متن میں مذکور آٹھوں مسائل میں تہایو کے عدم جواز کی علت

32142۔ (قولہ: لَا يَصِحُّ فِي الْمَسَائِلِ الثَّمَانِ) لیکن دوسرا، چوتھا، پانچواں اور چھٹا۔ یہ صرف ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور باقی بالاتفاق ہے جس طرح ''المنح'' میں اس کی وضاحت کی ہے۔

''الدرر'' میں کہا ہے: جہاں تک ایک غلام یا ایک خچر کا تعلق ہے تو کیونکہ دونوں حصے منافع حاصل کرنے میں وہ دونوں ایک دوسرے کے پیچھے ہوتے ہیں تو ظاہر یہ ہے کہ حیوان میں تغیر ہو پس معاملہ فوت ہو جائے گا۔ ایک گھر کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ عقار میں تغیر نہیں ہوتا۔ جہاں تک دو غلاموں یا دو خچروں کا تعلق ہے تو خدمت میں تہایو ضرورت کی بنا پر جائز قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کی تقسیم ممتنع ہے اور کرایہ میں کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اسے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک ایک خچر یا دو خچروں کی سواری کا تعلق ہے تو دو سواری کرنے والوں کی وجہ سے اس میں فرق ہوتا ہے۔ پس اس میں برابری متحقق نہیں ہو سکتی پس قاضی کو اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں تک درخت کے پھل یا بکری کے دودھ وغیرہ کا مسئلہ ہے تو تہایو منافع کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ ان کے پائے جانے کے بعد ان کی تقسیم ممتنع ہے۔ اعیان کا معاملہ مختلف ہے۔ ملخص

اگر اس کی دو لونڈیاں ہوں تو وہ تہایو کریں کہ ان لونڈیوں میں سے ایک دونوں میں سے ایک کے بچے کو دودھ پلائے اور دوسری لونڈی دوسرے بچے کو دودھ پلائے تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ انسان کے دودھ کی کوئی قیمت نہیں ہوگی۔ پس یہ منافع کے قائم مقام ہو جائیں گے۔ ''منح''۔

وَنَحْوِهَا أَنْ يَشْتَرِيَ حَظَّ شَرِيكِهِ ثُمَّ يَبِيعَ كُلَّهَا بَعْدَ مُضِيِّ نَوْبَتِهِ أَوْ يَنْتَفِعَ بِاللَّبَنِ بِمِقْدَارٍ مَعْلُومٍ اسْتِقْرَاضًا لِنَصِيبِ صَاحِبِهِ، إِذْ قَرْضُ الْمُشَاعِ جَائِزٌ

کہ اپنے شریک کا حصہ خریدے پھر اپنی باری گزرنے کے بعد سب کو بیچ دے یا اپنے ساتھی کے حصہ کو قرض لیتے ہوئے دودھ کی معلوم مقدار سے نفع حاصل کرے۔ کیونکہ مشترک شے کا قرض جائز ہے۔

پھلوں میں تہایو کے جواز کا حیلہ

32143۔(قولہ: وَنَحْوِهَا) یعنی ایسے اعیان جن میں مہایاۃ (موافقت کرنا) جاری نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں: انہیں میں سے حمام کا سامان ہے جیسے مزبلہ (ٹوکری) حمیر (استرا) تولیے وغیرہ اس پر متنبہ ہو جایئے کیونکہ عمومی طور پر اس سے غفلت کی جاتی ہے۔

32144۔(قولہ: أَنْ يَشْتَرِيَ حَظَّ شَرِيكِهِ) یعنی درخت اور بکری میں سے جس طرح ''الکفایہ'' میں ہے نہ کہ پھل۔ فافہم

32145۔(قولہ: ثُمَّ يَبِيعَ كُلَّهَا) یعنی اپنا حصہ اور اس نے اپنے شریک سے جو خریدا تھا اس کو بیچ دے۔ فافہم

32146۔(قولہ: أَوْ يَنْتَفِعَ بِاللَّبَنِ) یہ ان کے قول ان یشتری کے مقابل ہے لیکن شاۃ کی طرف نظر کر رہے ہیں۔ یعنی یا تو بکری سے اپنا حصہ خریدے یا اس کا دودھ قرض لے پس واؤ کے ساتھ عطف صحیح نہیں۔ فافہم

32147۔(قولہ: بِمِقْدَارٍ مَعْلُومٍ) کہ ہر روز جتنا وہ دودھ دوہتا ہے اس کا وزن کرے یہاں تک کہ مدت گزر جائے پھر اس کا ساتھی اپنی باری میں اتنی مقدار پوری کر لے۔ ''خانیہ'' میں ہے: ان دونوں نے گائے میں اتفاق کیا کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے پاس پندرہ دن رہے گی وہ اس کا دودھ دوہے گا تو یہ باطل ہوگا اور زائد دودھ دونوں میں سے کسی کے لیے حلال نہیں ہوگا اگرچہ اس کا ساتھی حلال قرار دے۔ کیونکہ مشترک کا ہبہ اس میں ہوتا ہے جو مشترک ہو مگر یہ کہ وہ اسے جان بوجھ کر ہلاک کر دے۔ پس یہ ضمان سے بری کرنا ہوگا۔ پس یہ جائز ہوگا۔

مشترک چیز کو قرض کے طور پر دینا جائز ہے لیکن اس کی اجل مقرر کرنا جائز نہیں

32148۔(قولہ: إِذْ قَرْضُ الْمُشَاعِ جَائِزٌ) اس میں سے وہ ہے جو ''النہایہ'' کے کتاب الہبہ میں ہے جب وہ اسے ہزار دے اور کہے پانچ سو قرض ہے اور پانچ سو شرکت کے طور پر ہے یہ جائز ہے۔ ''سعدیہ'' میں یہ اعتراض کیا ہے: مشترک چیز کو قرض کے طور پر دینا جائز ہے لیکن اس کی اجل مقرر کرنا جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ یہ غیر لازم ہے جائز نہیں جس طرح اس کے باب میں گزر چکا ہے۔ فتدبر

فُرُوعٌ الْغَرَامَاتُ إِنْ كَانَتْ لِحِفْظِ الْأَمْلَاكِ فَالْقِسْمَةُ عَلَى قَدْرِ الْمِلْكِ، وَإِنْ لِحِفْظِ الْأَنْفُسِ فَعَلَى عَدَدِ الرُّءُوسِ وَلَا يَدْخُلُ صِبْيَانٌ وَنِسَاءٌ، فَلَوْ غَرَّمَ السُّلْطَانُ قَرْيَةً تُقْسَمُ عَلَى هَذَا،

فروع: چٹیاں اگر املاک کی حفاظت کی غرض سے ہوں تو تقسیم ملک کی مقدار کے مطابق ہوگی اگر نفوس کی حفاظت کے لیے ہو تو افراد کی تعداد کے اعتبار سے تقسیم ہوگی۔ بچے اور عورتیں اس میں داخل نہ ہوں گے۔ اگر سلطان کسی دیہات پر چٹی لازم کرے تو اس طریقہ سے اسے تقسیم کیا جائے گا۔

تتمہ

کتاب میں دو کپڑوں کے پہننے پر مہایاۃ کا ذکر نہیں کیا۔ ہمارے بعض مشائخ نے کہا: ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ لوگ لباس پہننے میں بہت زیادہ متفاوت ہوتے ہیں۔ ''طوری'' نے ''المحیط'' سے نقل کیا ہے۔

چٹیاں اگر املاک کی حفاظت کی غرض سے ہوں تو تقسیم ملک کی مقدار کے مطابق ہوگی

32149۔ (قولہ: إِنْ كَانَتْ) یہ ان تین اقوال میں سے ایک قول ہے جنہیں ''ولوالجیہ'' وغیرہ میں حکایت کیا ہے۔ ان میں سے دوسرا مطلق املاک پر ہے اور تیسرا اس کے برعکس ہے۔ اس کی معرفت میں کلام باقی ہے ہمارے زمانہ میں جو املاک کی حفاظت کے لیے ہیں اور افراد کی حفاظت کے لیے ہیں جب کہ یہ مشکل ہے۔ کیونکہ ظالم حکمران اہل دہ، اہل محلہ اور اہل حرفہ سے مال لیتے ہیں جو اوقات معلوم میں مرتب ہوتے ہیں سبب اور سبب کے بغیر پر مرتب نہیں ہوتے۔ میں نے ''الحامدیہ'' کی کتاب القسمہ کے آخر میں دیکھا جس کی تلخیص بڑی واضح ہے: میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس تفصیل کا ذکر کیا ہو سوائے میرے والد ''علی افندی عمادی'' نے اس کا ذکر کیا ہے۔ وہ قاعدہ یہ ہے کہ جب وہ املاک کو اہل قریہ کی طرف مضاف کرنے سے قطع نظر کرے تو ایسی بستی کے اہل ترکمان اور عربان کی طرح ہو جاتے ہیں۔ تو ان پر اسے تقسیم نہیں کیا جائے گا مگر جو سلطان، ترکمانی سے طلب کرتے ہیں جیسے عوارض اور چوری، قتل اور اس کی مدافعت نہ کرنے کی جوان پر تہمت لگائی جاتی ہے اس کا جرمانہ اور مہمانوں کی خدمت۔ مگر چارہ وغیرہ ان پر لازم نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ کاشت کاری نہیں کرتے اور والی جو مہینہ کے اعتبار سے لیتا ہے اور اس کے علاوہ جو چیزیں لیتا ہے جن کو املاک کے سبب سے طلب کیا جاتا ہے جیسے بھوسہ، جو، لکڑی اور ذخیرہ تو وہ زمین کے مالک پر ان کی ملکیت کے حساب سے ہوگا۔ فتامل

32150۔ (قولہ: وَلَا يَدْخُلُ صِبْيَانٌ وَنِسَاءٌ) ظاہر یہ ہے کہ یہ اس میں خاص ہے جو نفوس کی حفاظت کی غرض سے لازم کیا جاتا ہے۔ تعلیل اس کی طرف اشارہ کرتی ہے ''ولوالجیہ'' میں کہا: اگر وہ املاک کی حفاظت کی غرض سے ہو تو املاک کی مقدار کے مطابق ہوگا۔ کیونکہ یہ ملک کی حفاظت کی خاطر ہے۔ پس یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح نہر کھودنے کا ٹیکس اگر ابدان کی حفاظت کی خاطر ہو تو افراد کی تعداد کے اعتبار سے ہوگی جن سے یہ متعلق ہے کیونکہ یہ فرد کی مؤنت ہے۔ عورتوں اور

وَلَوْ خِيفَ الْغَرَقُ فَاتَّفَقُوا عَلَى إِلْقَاءِ أَمْتِعَةٍ فَالْغُرْمُ بِعَدَدِ الرُّءُوسِ لِأَنَّهَا لِحِفْظِ الْأَنْفُسِ الْمُشْتَرَكُ إِذَا انْهَدَمَ فَأَبَى أَحَدُهُمَا الْعِمَارَةَ،

اگر غرق ہو جانے کا خوف ہو تو انہوں نے سامان پھینکنے پر اتفاق کیا تو چٹی افراد کی تعداد کے اعتبار سے ہو گی۔ کیونکہ یہ نفوس کی حفاظت کے لیے عمل کیا گیا۔ مشترک عمارت جب گر جائے اور دونوں میں سے ایک شریک تعمیر کرنے سے انکار کر دے

بچوں پر کوئی شے لازم نہ ہو گی کیونکہ ان سے تعرض نہیں کیا جاتا۔ فتدبر

32151۔ (قولہ: وَلَوْ خِيفَ الْغَرَقُ الخ) ''الاشباہ'' میں ''فتاوی قاری الہدایہ'' سے اسے نقل کیا ہے۔

32152۔ (قولہ: فَاتَّفَقُوا الخ) اس میں سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جب وہ اسے پانی میں پھینکنے پر اتفاق نہ کریں تو یہ حکم اس طرح نہ ہو گا بلکہ یہ حکم صرف پھینکنے والے پر ہو گا۔ ''زاہدی'' نے ''حاوی'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ رمز کے انداز میں کہا: کشتی غرق ہونے لگی تو ان میں سے بعض لوگوں نے کسی اور کی گندم کو بحر میں پھینک دیا یہاں تک کہ کشتی ہلکی ہونے لگی تو اس حال میں اس گندم کی جو قیمت ہے اس کا ضامن ہو گا۔ ''رملی علی اشباہ''۔ ان کا قول: فی تلك الحال یہ بقیمتها کے متعلق ہے یعنی اس کی اس قیمت کا ضامن ہو گا جو غرق ہونے والی ہے جس طرح شارح نے اسے کتاب الغصب میں ذکر کیا ہے پھر ''رملی'' نے کہا: اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس غائب پر کوئی شے لازم نہ ہو گی جس کا مال اس کشتی میں ہو اور اس نے پھینکنے کی اجازت نہ دی ہو۔ اگر وہ اجازت دے۔ جیسے وہ کہے: جب یہ حالت متحقق ہو جائے تو اسے پھینک دو تو یہ اس کا اذن معتبر ہو گا۔

32153۔ (قولہ: بِعَدَدِ الرُّءُوسِ) اس کی یہ قید لگانا واجب ہے جب نفوس کی حفاظت کا قصد کیا جائے جس طرح اس کی تعلیل سے مفہوم ہے مگر جب صرف سامان کی حفاظت کا قصد کیا جائے جس طرح جب لوگوں کے بارے میں ہلاک کا خوف نہ ہو اور سامان کے بارے میں یعنی وہ جگہ ایسی ہے جس میں انسان غرق نہیں ہوتا اور سامان تلف ہو جاتا ہے تو چٹی اموال کی مقدار کے اعتبار سے ہو گی۔ جب اموال اور نفوس کی ہلاکت کا خوف ہو۔ پس وہ اتفاق کے بعد اسے دونوں کی حفاظت کی خاطر پھینک دیں تو ان کی مقدار کے مطابق ہو گا۔ پس جو آدمی غائب ہو اور اس نے سامان پھینک دینے کی اجازت دی ہو جب اس قسم کے حالات بنیں تو اس کے مال کا اعتبار ہو گا ذات کا اعتبار نہیں ہو گا۔ اور جو مال کے ساتھ خود حاضر ہو تو اس کے مال اور اس کی ذات کا اعتبار ہو گا۔ اور جو صرف خود ہو تو صرف اس کی ذات کا اعتبار ہو گا۔ میں نے یہ وضاحت اپنے علاوہ نہیں دیکھی لیکن میں نے اسے تعلیل سے اخذ کیا ہے، فتامل۔ ''رملی علی الاشباہ''، ''حموی'' وغیرہ نے اسے ثابت رکھا ہے۔

اگر مشترک عمارت گر جائے اور شریکین میں سے ایک تعمیر کرنے سے انکار کر دے تو اس کا حکم

32154۔ (قولہ: الْمُشْتَرَكُ إِذَا انْهَدَمَ الخ) ''شیخ شرف الدین'' نے اس سے ایک مسئلہ مستثنیٰ کیا ہے۔ وہ ایک ایسی دیوار ہو جو دو یتیموں کے درمیان مشترک ہے جس کے گرنے کا خوف ہے اور یہ دیوار کو چھوڑ دینے سے دونوں پر ضرر ہے جب کہ دونوں کے وصی ہیں دونوں میں سے ایک اسے تعمیر کرنے سے انکار کر دے تو اسے اس کے ساتھی کے ساتھ عمارت بنانے پر اسے

إِنِ احْتَمَلَ الْقِسْمَةَ لَا جَبْرَ وَقُسِمَ وَإِلَّا بَنَى ثُمَّ آجَرَهُ لِيَرْجِعَ بِمَا أَنْفَقَ لَوْ بِأَمْرِ الْقَاضِي،
اگر وہ تقسیم کا احتمال رکھے تو کوئی جبر نہیں ہوگا اور اسے تقسیم کر دیا جائے گا اگر وہ تقسیم کا احتمال نہ رکھے تو وہ اس کو بنائے پھر اسے اجرت پر دے تاکہ وہ واپس لے جو اس نے خرچ کیا ہے اگر اس نے یہ تعمیر قاضی کے حکم سے کی ہو

مجبور کیا جائے گا۔ یہ دو مالکوں میں سے ایک کے انکار کی طرح نہیں۔ کیونکہ وہ اپنے او پر ضرر کے داخل ہونے پر راضی ہے۔ پس اس پر جبر نہیں کیا جائے گا یہاں ضرر صغیر پر ہے جس طرح ''خانیہ'' میں ہے۔ ضروری ہے کہ وقف اسی طرح ہو۔''ابوسعود ملخص''

32155۔ (قولہ: وَإِلَّا بَنَى الخ) ''اشباہ'' پر شیخ صالح کے ''حاشیہ'' میں ہے: جو تقسیم کا احتمال نہ رکھے اس میں جبر نہ کرنے کو مصنف نے مطلقاً ذکر کیا ہے۔ پس یہ اسے شامل ہوگا جب وہ تمام منہدم ہو جائے اور وہ صحرا بن جائے یا اس میں سے کوئی شے باقی رہے۔

''الخلاصہ'' میں ہے: ایک پن چکی ہے یا حمام ہے جو مشترک ہے جو گر گیا اگر شریک نے اس کی تعمیر سے انکار کر دیا تو اسے مجبور کیا جائے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس میں سے کوئی شے باقی ہو مگر جب وہ سب منہدم ہو جائے اور وہ صحرا ہو جائے تو اسے مجبور نہیں کیا جائے گا اگر شریک تنگدست ہو تو اسے کہا جائے گا تو خرچ کر اور وہ شریک پر دین ہوگا۔''خلاصہ'' میں بھی ہے: اگر دونوں میں سے ایک انکار کر دے کہ وہ کھیتی کو سیراب کرے گا تو اسے مجبور کیا جائے گا۔ فتاویٰ کے ادب القضاء میں ہے: اسے مجبور نہیں کیا جائے گا لیکن اسے کہا جائے گا اسے سیراب کرو اور اس پر خرچ کرو پھر جو تو نے خرچ کیا ہے اس کا نصف لے لو۔''ابوسعود''۔

میں کہتا ہوں: ''الخلاصہ'' میں جو کچھ ہے اس میں یہ استفادہ کیا جاتا ہے کہ اگر وہ تنگ دست ہو تو اس پر جبر نہیں کیا جائے گا، تامل۔ یہ امر مخفی نہیں کہ حمام وغیرہ جب تمام گر جائے اور وہ صحرا ہو جائے تو وہ اس چیز میں سے ہو جائے گا جس کو تقسیم کیا جاتا ہے جس طرح علماء نے اس کی تصریح کی ہے مصنف کے اطلاق پر اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ گفتگو اس چیز کے بارے میں ہے جو تقسیم کا احتمال نہیں رکھتی۔ فافہم۔ یہ امر ذہن نشین کر لو۔''خلاصہ'' کے دوسرے کلام کا ظاہر معنی یہ ہے: جبر ضرب اور محبوس کرنے وغیرہ کے ساتھ ہے۔ ایک اور جگہ قاضی کے امر کی تفسیر اس سے کی ہے کہ وہ خرچ کرے اور جو خرچ کیا ہے وہ واپس لے لے۔ اس کی مثل ''بزازیہ'' میں ہے: تامل۔ شارح نے جو ذکر کیا ہے عنقریب ''وہبانیہ'' سے منقول آئے گا۔

تتمہ

دو افراد کی زمین میں کھیتی ہے دونوں نے اس کھیتی کی تقسیم کا مطالبہ کیا اس کی زمین کی تقسیم کا مطالبہ نہ کیا اگر کھیتی سبزی ہو اور دونوں اس کے اکھیڑنے پر اتفاق کریں تو یہ جائز ہوگا۔ اگر دونوں اسے باقی رکھنے کی شرط لگائیں یا دونوں میں سے ایک اسے باقی رکھنے کی شرط لگائے تو جائز نہیں ہوگا اگرچہ وہ پک چکی ہو۔ اگر دونوں کاٹنے کی شرط لگائیں تو بالاتفاق یہ جائز ہے اگر وہ چھوڑنے کی شرط لگائیں تو جائز نہیں۔ یہ شیخین کے نزدیک جائز نہیں اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔ اسی تفصیل پر کھجور پر گابے کا

وَإِلَّا فَبِقِيمَةِ الْبِنَاءِ وَقْتَ الْبِنَاءِ لَهُ التَّصَرُّفُ فِي مِلْكِهِ وَإِنْ تَضَرَّرَ جَارُهُ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ الْكُلُّ فِي الْأَشْبَاهِ، وَفِي الْمُجْتَبَى وَبِهِ يُفْتَى، وَفِي السِّرَاجِيَّةِ الْفَتْوَى عَلَى الْمَنْعِ قَالَ الْمُصَنِّفُ فَقَدْ اخْتَلَفَ الْإِفْتَاءُ، وَيَنْبَغِي أَنْ يُعَوَّلَ عَلَى ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ قُلْت وَمَرَّ فِي مُتَفَرِّقَاتِ الْقَضَاءِ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ وَشَرْحِهَا

ورنہ تعمیر کے وقت جو عمارت کی قیمت ہے وہ واپس لے۔ اسے اپنی ملک میں تصرف کا حق حاصل ہے اگر چہ اس کے پڑوسی کو ضرر لاحق ہو یہ ظاہر روایت میں ہے۔ یہ سب ''الاشباہ'' میں ہے۔ ''المجتبیٰ'' میں ہے: اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''سراجیہ'' میں فتویٰ منع پر ہے۔ مصنف نے کہا: فتویٰ مختلف ہے اور چاہیے کہ ظاہر روایت پر اعتماد کیا جائے۔ میں کہتا ہوں: متفرقات القضاء میں گزر چکا ہے ''وہبانیہ'' اور اس کی شرح میں ہے:

معاملہ ہے اگر وہ دونوں قاضی سے مطالبہ کریں تو ترک کرنے کی شرط پر اسے تقسیم نہیں کرے گا۔ جہاں تک اکھیڑنے کی شرط کا تعلق ہے تو دونوں روایتوں پر مبنی ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک اس سے مطالبہ کرے تو مطلقاً اسے تقسیم نہیں کرے گا۔ ''تاتر خانیہ''۔

32156۔ (قولہ: لَهُ التَّصَرُّفُ فِي مِلْكِهِ الخ) اگر ملک سے مراد وہ ہے جو منفعت کی ملکت کو عام ہے تو یہ اس موقوف کو شامل ہوگا جو رہائش کے لیے یا کرایہ کے لیے وقف کی گئی ہو۔ ''حموی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

انسان اپنی ملک میں تصرف کرسکتا ہے اگر چہ وہ دوسرے کو غیر واضح ضرر پہنچائے

32157۔ (قولہ: قَالَ الْمُصَنِّفُ الخ) ''ابن شحنہ'' نے ہمارے تینوں ائمہ، امام ''زفر'' اور ''ابن زیاد'' سے نقل کیا ہے۔ کہا: میں اسی طرف مائل ہوتا ہوں اور اس پر اعتماد کرتا ہوں۔ میرے والد کو پیروی کرتے ہوئے اس کے مطابق فتویٰ دیا ہے اور اسے ''عمادیہ'' میں قیاس کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ کہا: لیکن ان مواضع میں قیاس کو ترک کیا جائے گا جن مشائخ نے اخذ کیا ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ تیسرا قول ہے۔ علامہ ''بیری'' نے کہا: جس پر متاخرین کی رائے قرار پذیر ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے اگر چہ وہ غیر کو ضرر پہنچائے جب تک ضرر واضح نہ ہو۔ واضح ضرر یہ ہے جو گرانے کا سبب بنے یا جو عمارت کو کمزور کردے یا کلی طور پر انتفاع سے نکال دے اور وہ یہ ہے کہ جو ضرورت اصلیہ سے مانع ہو جائے جس طرح روشنی کلی طور پر بند کردے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

شیخ ''صالح'' کے ''حاشیہ'' میں ہے: منع کرنا یہ استحسان ہے میں اسی طرف مائل ہوں جب ضرر واضح ہو۔ ''ابوسعود مفتی'' نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ ہمارے زمانے میں اسی پر عمل ہے۔ ''شرنبلالی'' اس پر گامزن ہوئے ہیں۔ کتاب القضا کے متفرقات میں مصنف اسی طرف مائل ہوئے ہیں وہاں شارح اس پر راضی ہوئے ہیں۔ پھر کہا: یہ چیز باقی رہ گئی ہے اگر وہ اشکال کا باعث ہو کیا وہ ضرر کا باعث ہوگا یا باعث نہیں ہوگا؟ ''محشی الاشباہ'' نے سفل اور علو کے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے منع کی وضاحت کی ہے کہ جب کیل ٹھونکنا ضرر کا باعث ہو تو وہ کیل نہ ٹھونکے اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ اشکال کا باعث ہو۔ یہ مختار مذہب کے مطابق ہے۔

32158۔ (قولہ: وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ وَشَرْحِهَا) پہلے تین اشعار ''وہبانیہ'' سے ہیں اور باقی ماندہ چار اس کے شارح

وَلَوْ زَرَعَ الْإِنْسَانُ أُرْزًا بِدَارِهِ	فَلَيْسَ لِجَارٍ مَنْعُهُ لَوْ يُضَرُّ
وَحَيْطٌ لَهُ أَهْلٌ فَحِمْلٌ وَاحِدٌ	وَلَا حِمْلَ فِيهِ قَبْلَ لَيْسَ يُغَيَّرُ
وَمَا لِشَرِيكٍ أَنْ يُعَلِّيَ حَيْطَهُ	وَقِيلَ التَّعَلِّي جَائِزٌ فَيُعَمِّرُ

اگر ایک انسان نے اپنے گھر میں چاول کاشت کیے تو اس کے پڑوسی کو اس سے روکنے کا حق نہیں اگرچہ اسے نقصان دے۔ ایک دیوار ہے جس کے مالک ہیں ایک مالک نے اس پر دھنیاں رکھیں جب کہ پہلے اس پر دھنیاں نہ تھیں تو اسے تبدیل کرنے کا حق نہیں۔ اور شریک کو حق نہیں کہ وہ اپنی دیوار کو بلند کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلند کرنا جائز ہے وہ اس کی تعمیر کرے گا۔

''ابن شحنہ'' کی نظم کے ہیں۔ لیکن آخری کو چند ابیات کے بعد ذکر کیا۔ فافہم

32159۔ (قولہ: وَلَوْ زَرَعَ الْإِنْسَانُ أُرْزًا الخ) ارز، قفل کی طرح ہے بعض اوقات اس کی را کو ضمہ دیا جاتا ہے اور زا کو شد دی جاتی ہے۔ بعض ہمزہ کو فتحہ دیتے ہیں اور بعض اسے حذف کرتے ہیں۔ یہ ظاہر روایت پر مبنی ہے۔ فتویٰ تفصیل پر مبنی ہے ''شرنبلالیہ''۔

32160۔ (قولہ: وَحَيْطٌ) ''ابن شحنہ'' نے واؤ بمعنی رب کے ساتھ اسے مجرور بنایا ہے۔ زیادہ بہتر اسے مبتدا کی حیثیت سے رفع دینا ہے۔ اور لہ اهل یہ جملہ اس کی صفت ہے۔ اہل سے مراد اصحاب ہیں۔ اور ان کا قول فحمل واحد یعنی اس پر کڑیاں رکھ دیں یہ جار کے متعلق پر معطوف ہے۔ اور ان کا قول ولا حمل فیہ قبل یہ جملہ حالیہ ہے اور فی، علی کے معنی میں ہے یعنی اس سے پہلے اس پر کوئی کڑیاں نہ تھیں۔ اور جملہ لیس یغیر یہ مبتدا کی خبر ہے۔ یعنی دوسرے شریک کو حق حاصل نہیں کہ ان میں سے ایک نے جو کڑیاں رکھی ہیں انہیں اٹھا دے۔ ''ابن شحنہ'' نے کہا: یہ حکم اس صورت میں ہے جب دیوار اس کو برداشت کر سکتی ہو جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے دوسرے کو کہا جائے گا: اگر تو چاہتا ہے تو اس کی مثل کو بھی رکھ لے۔ یہ حکم اس کے برعکس ہوگا جب دونوں کے اس پر شہتیر ہوں تو دونوں میں سے ایک ارادہ کرے کہ وہ اپنے ساتھی کے شہتیر پر شہتیر رکھے یا اس دیوار پر پردہ بنائے یا روشن دان رکھے یا دروازہ کھولے تو دوسرے کو منع کرنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ قیاس یہ ہے کہ مشترک چیز میں تصرف سے روکے مگر ہم نے پہلی صورت میں قیاس کو ترک کر دیا کیونکہ ضرورت تھی۔ کیونکہ بعض اوقات اس کا شریک اجازت نہیں دیتا تو دیوار کی منفعت اس پر معطل ہو جاتی ہے۔

32161۔ (قولہ: وَمَا لِشَرِيكٍ الخ) اس کی صورت یہ ہے: ایک دیوار ہے جو دو آدمیوں میں مشترک ہے انسان کی قامت کی ہے ایک آدمی ارادہ کرتا ہے کہ اس کی اونچائی میں اضافہ کر دے اور دوسرا اس سے انکار کرتا ہے تو اسے روکنے کا حق ہوگا۔ ''ذخیرہ'' وغیرہ۔ کیونکہ یہ روایت امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ اس کی ترجیح کی طرف اشارہ اسے مقدم ذکر کرنے کے ساتھ کیا ہے اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے اسے قیل کے ساتھ بیان کیا ہے ''ابن شحنہ'' نے اسے بیان کیا ہے۔ پھر منع کی قید اس سے نقل کی ہے جب وہ ایسی شے ہو جو عادت سے خارج ہو اور دونوں قولوں کے درمیان اس کی تطبیق دی ہے اور اس پر

وَمَمْنُوعُ قَسْمٍ عِنْدَ مَنْعِ مُشَارِكٍ مِنَ الرَّمِّ قَاضٍ مُؤْجِرٌ فَيُعَمَّرُ
وَيُنْفِقُ فِي الْمُخْتَارِ رَاضٍ بِإِذْنِهِ وَيَمْنَعُ نَفْعًا مَنْ أَبَى قَبْلَ يُخْسَرُ
وَخُذْ مُنْفَقًا بِالْإِذْنِ مِنْهُ كَحَاكِمٍ وَخُذْ قِيمَةً إِلَّا وَهٰذَا الْمُحَرَّرُ

جس کی تقسیم ممنوع ہو جب شریک اس کی مرمت سے رک جائے تو قاضی اسے اجرت پر دے گا پس اس کی تعمیر کی جائے گی۔ مختار مذہب کے مطابق جو شریک راضی ہے وہ قاضی کی اجازت سے خرچ کرے گا جب تک خسارہ پورا نہ کرلے جس نے خرچ کرنے سے انکار کیا تھا اس سے نفع کو روک لے گا۔ حاکم سے اجازت لے کر خرچ کیا ہو تو خرچ کیا ہوا لے لو ورنہ قیمت لو یہ امر واضح ہے۔

اعتماد کیا ہے۔ اور اسے ایک ایسے شعر میں نظم کیا ہے جس کے ساتھ ''وہبانیہ نظم'' میں تبدیلی کردی ہے۔ گویا شارح نے اس پر اعتماد نہیں کیا۔ کیونکہ پہلے کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ یہ ضرورت کے بغیر مشترک کا تصرف ہے پس یہ اصل یعنی ممنوع پر باقی رہے گا۔ اسی وجہ سے ''خانیہ'' میں باب الحیطان میں اسی پر اکتفا کیا ہے۔ کیا اسے زیادہ کرنے کا حق نہیں ہوگا جب تک شریک اسے اجازت نہ دے وہ شریک کو نقصان دے یا نقصان نہ دے۔ اس کی مثل کثیر کتب اور فقہ میں ہے اس میں وہ اجازت کے بغیر غیر کی ملک میں مستعمل ہوتا ہے پس اس کو منع کیا جائے گا۔ یہ ایسا امر ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔

32162۔ (قولہ: وَمَمْنُوعُ قَسْمٍ) یعنی جس کی تقسیم ممکن نہ ہو جیسے حمام ان کا قول من الرم یہ منع کے متعلق ہے یعنی شریک اس کو مرمت کرنے سے رک جائے۔ اور ان کا قول قاض موجر مبتدا اور خبر ہے اور جملہ مبتدا کی خبر ہے۔ جو ممنوع ہے یعنی قاضی اسے اجرت پر دے گا اور اجرت کے ساتھ اس کی تعمیر کرے گا۔ یہ دو قولوں میں سے ایک ہے جن کو ''خانیہ'' میں حکایت کیا ہے۔

32163۔ (قولہ: وَيُنْفِقُ فِي الْمُخْتَارِ الخ) یہ دوسرا قول ہے۔ ''خانیہ'' میں کہا: اس پر فتویٰ ہے۔ ''ابن شحنہ'' نے کہا: راضی سے مراد وہ ہے جو مرمت کرنے اور تعمیر کرنے پر راضی ہے۔ یہ اس کے مقابل الآبی سے ظاہر ہے۔ اذنہ کی ضمیر قاضی کے لیے ہے۔ وقیل یخسہ یعنی قبل اس کے کہ بنانے والے کا خسارہ پورا ہو جائے اس نے جو صرف کیا ہے یہ اس کے ساتھ خاص ہوگا۔

اس کا حاصل یہ ہے: جو شریک اس کی مرمت کرانے پر راضی ہے وہ قاضی کی اجازت سے اسے صرف کرے گا اور جو انکار کرنے والا ہے اسے اس سے نفع حاصل کرنے سے منع کرے گا جب تک جو اس کے ساتھ خاص ہے وہ ادا نہ ہو جائے۔ ''ابن شحنہ'' نے کہا: مرمت کرانے کی تقیید کا مفہوم یہ ہے اگر وہ مکمل منہدم ہو جائے یہاں تک کہ صحرا بن جائے تو جو اختلاف ذکر کیا گیا ہے وہ جاری نہیں ہوگا جس طرح ''بزازیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے یعنی اس وقت وہ ان میں سے ہوگا جس کو تقسیم کیا جاتا ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

32164۔ (قولہ: وَخُذْ مُنْفَقًا) منفق یہ فا کے فتحہ کے ساتھ اسم مفعول کا صیغہ ہے یہ وہ شعر ہے جسے ''ابن شحنہ'' نے

....

''وہبانیہ'' کے شعر کی تفصیل بیان کرنے پر زائد ذکر کیا ہے وہ یہ ہے

و ذوا العلو لم یلزم لصاحب سفله　بناه خلا من هذه منه یصدر

او پر والی منزل والا نیچے والی منزل والے کو اس کے بنانے پر مجبور نہیں کر سکتا سوائے اس کے جو اس میں سے اس کی طرف سے صادر ہو۔

''شرنبلالی'' نے کہا: لزوم کا لفظ ہمزہ کے ساتھ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے۔ یہاں یہ مفعول اول ہے اور دوسرے میں لام کے ساتھ جو لصاحب ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے هذا البناء جب اسے گرائے۔ مسئلہ ''ذخیرہ'' سے ہے: جب کسی عمل کے بغیر نچلی منزل گر جائے تو اس کے مالک کو اس کے بنانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اور او پر والی منزل کے مالک سے کہا جائے گا۔ اگر تو چاہے تو اپنے مال سے نچلی منزل بنا تا کہ تو اپنی منفعت پالے۔ جب اس نے قاضی کی اجازت سے اسے بنایا یا شریک کے امر سے بنایا تو اس نے جو کچھ خرچ کیا ہے اسے واپس لے لے ورنہ تعمیر کے وقت عمارت کی جو قیمت تھی وہ لے لے۔ یہی صحیح اور فتویٰ کے لیے مختار قول ہے۔ پس وہ نچلی منزل کے مالک کو نفع حاصل کرنے سے روک دے گا یہاں تک کہ اس سے زبردستی لے لے گا۔ مگر جب اسے اپنے فعل سے گرائے تو عمارت بنانے کے بارے میں مواخذہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس حق کو فوت کیا ہے جس پر استحقاق تھا۔ اور اس لیے تا کہ او پر والی منزل والا اپنے نفع کو پالے۔ شارح نے تفصیل بیان کی ہے۔ تصحیح شعر میں کہا: و خذ منفقا الخ ''شارح ابن شحنہ'' نے دیوار میں بھی یہ تفصیل ذکر کی ہے۔ پس منه میں ضمیر صاحب علو یا دیوار میں شریک کے لیے ہے۔ اور ان کا قول کحاکم میں مضاف مقدر ہے کاذن حاکم۔ اور ان کا قول الا ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ان شرطیہ ہے یعنی: ان لا اذن ممن ذکر، فافہم۔

یہ وہ مسئلہ ہے جسے شارح نے ''الاشباہ'' سے نقل کیا ہے۔ وہاں ان کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ حکم نچلی منزل اور دیوار کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

كِتَابُ الْمُزَارَعَةِ

مُنَاسَبَتُهَا ظَاهِرَةٌ (هِيَ) لُغَةً مُفَاعَلَةٌ مِنَ الزَّرْعِ

مزارعت کے احکام

اس کی ماقبل کتاب یعنی کتاب القسمۃ سے مناسبت ظاہر ہے۔ لغت میں یہ زرع سے مفاعلہ کا وزن ہے

اسے مخابرہ اور محاقلہ کہتے ہیں۔ اسے اہل عراق قراح کہتے ہیں۔ اس کی وضاحت ''المنح'' میں ہے۔

32165۔ (قولہ: مُنَاسَبَتُهَا ظَاهِرَةٌ) مزارعت یہ پیداوار کی تقسیم ہے۔

مزارعت کی لغوی تعریف

32166۔ (قولہ: هِيَ لُغَةً مُفَاعَلَةٌ مِنَ الزَّرْعِ) ''البدائع'' میں ذکر کیا ہے کہ مفاعلہ اپنے باب یعنی اپنی اصل پر ہے کیونکہ لغت اور شرع میں زرع سے مراد اگانا ہے۔ بندے سے جو متصور ہوتا ہے وہ نبات کے حصول میں سبب بنتا ہے اور دونوں میں سے ایک کی جانب سے عمل کی صورت میں پایا گیا ہے اور دوسرے کی جانب سے اس کی قدرت دی گئی ہے یعنی آلات عطا کیے گئے ہیں۔ مگر عرف میں عامل اس نام کے ساتھ خاص ہو گیا ہے جس طرح دابہ کا اسم چوپائے کے لیے خاص ہو گیا ہے۔

یا یہ کہا جائے گا: مفاعلہ بعض اوقات ایسے فعل میں استعمال کیا جاتا ہے جو صرف ایک آدمی سے پایا جاتا ہے جیسے مداواۃ، معالجہ۔

''حموی'' نے کہا: اس میں گفتگو کی کوئی حاجت نہیں۔ کیونکہ فقہاء نے اس لفظ کو نقل کیا اور اسے عقد پر علم بنا دیا۔ ''ابو سعود''، ملخص۔

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ کلام معنی لغوی میں ہے معنی اصطلاحی میں نہیں۔ تامل

32167۔ (قولہ: مِنَ الزَّرْعِ) زرع سے مراد بیج کو پھینکنا ہے۔ زراعہ یہ زا کے ضمہ کے ساتھ ہے جس کا معنی بیج ہے۔ اس کا موضع مزرعہ ہے جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔ مگر یہ مجاز ہے، اس کا حقیقی معنی انبات یعنی اگانا ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لا یقولون احدکم زرعت بل حرثت (1) تم میں سے کوئی یہ نہ کہے: زرعت بلکہ کہے: حرثت یعنی میں نے بیج ڈالا۔ جس طرح ''کشاف'' وغیرہ میں ہے۔ ''قہستانی''۔

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب المزارعۃ، باب ما یستحب من حفظ المنطق فی الزرع، جلد 6، صفحہ 138

ایضاً، شعب الایمان، باب فی حفظ اللسان، جلد 4، حدیث 5217

وَشَرْعًا (عَقْدٌ عَلَى الزَّرْعِ بِبَعْضِ الْخَارِجِ) وَأَرْكَانُهَا أَرْبَعَةٌ أَرْضٌ، وَبَذْرٌ، وَعَمَلٌ، وَبَقَرٌ (وَلَا تَصِحُّ عِنْدَ الْإِمَامِ)؛

اور شرع میں اس سے مراد ایسا عقد ہے جو پیداوار کے کچھ حصہ کے بدلے میں زراعت پر کیا جاتا ہے۔ اس کے ارکان چار ہیں: زمین، بیج، محنت و مزدوری اور بیل وغیرہ آلہ زراعت۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ صحیح نہیں۔

مزارعت کی شرعی تعریف

32168۔ (قولہ: عَقْدٌ عَلَى الزَّرْعِ) یہ صحیح ہے کہ زرع سے مراد مصدر اور اسم مفعول لیا جائے۔ کیونکہ ''بزازیہ'' میں ہے: زرع ارض غیرہ باذنہ اس نے غیر کی زمین اس کی اجازت کے ساتھ کاشت کی۔ پھر زمین کے مالک سے کہا: میرا بیج مجھے دے دو پس میں کاشت کار ہو جاؤں گا۔ اگر بیج زمین میں ہلاک کیا جانے والا ہو جائے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اگر قائم رہنے والا ہو تو یہ جائز ہوگا۔ اس کا معنی ہے وہ گندم جس کو زمین میں ڈالا گیا وہ زمین میں قائم ہے، اور زارع مزروعہ گندم کی مثل کا مالک بنانے والا ہے اور یہ جائز ہے۔ لیکن شرائط کے نہ ہونے کی وجہ سے مزارعت فاسد ہوئی۔ جب کھیتی اپنی انتہا کو نہ پہنچی ہو تو اس نے وہ کسی اور کو دی تا کہ وہ اس کی نگہبانی کرے تو یہ صحیح ہوگا اگر وہ اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہو تو صحیح نہ ہوگا۔ ''سائحانی''۔

32169۔ (قولہ: بِبَعْضِ الْخَارِجِ) اس کے ساتھ عقد ختم نہیں ہوگا جب تمام پیداوار زمین کے مالک کے لیے یا عامل کے لیے ہو۔ کیونکہ یہ مزارعت نہیں ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں یہ عامل سے استعانت ہے اور دوسری صورت میں مالک کی جانب سے اعارہ ہے جس طرح ''ذخیرہ'' میں ہے۔ ''قہستانی''۔

مزارعت کے ارکان

32170۔ (قولہ: وَأَرْكَانُهَا الخ) اس کا فی الحال حکم منفعت کی ملکیت ہے اور آخر کار میں پیداوار میں شرکت ہے۔ اس کی صفت یہ ہے کہ جس کی جانب سے بیج نہیں اس کی جانب سے یہ لازم ہے۔ پس یہ عقد کے بغیر فسخ نہیں ہوگا۔ اور جس کے ذمہ بیج ہے زمین میں بیج ڈالنے سے قبل لازم نہیں۔ پس وہ عذر کے بغیر اسے منسوخ کرنے کا مالک ہے۔ یہ بیج کو تلف کرنے سے بچانے کے لیے ہے۔ مساقات کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ جانبین سے لازم ہے۔ کیونکہ اس میں کسی شے کو تلف کرنا لازم نہیں۔ ''بزازیہ''، موضحا۔

مزارعت کے جواز اور عدم جواز میں امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

32171۔ (قولہ: وَلَا تَصِحُّ عِنْدَ الْإِمَامِ) مگر جب بیج اور آلات زمین کے مالک کے ہوں اور دوسری جانب عامل ہو۔ پس مالک عامل کو اجرت پر رکھنے والا ہوگا اور عامل زمین میں اجرت معلوم اور مدت معلوم کے لیے کام کرنے والا ہوگا۔ پس باہمی رضامندی سے اس کے لیے بعض پیداوار ہوگی۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس عقد کے خبث کو زائل کرنے کا حیلہ ہے۔ اس کے بغیر عقد صحیح نہیں۔ کیونکہ اس میں صحابہ اور تابعین کا اختلاف ہے۔ کیونکہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے

لِأَنَّهَا كَقَفِيزِ الطَّحَّانِ (وَعِنْدَهُمَا تَصِحُّ، وَبِهِ يُفْتَى) لِلْحَاجَةِ، وَقِيَاسًا عَلَى الْمُضَارَبَةِ (بِشُرُوطٍ) ثَمَانِيَةٍ (صَلَاحِيَةُ الْأَرْضِ لِلزَّرْعِ وَأَهْلِيَّةِ الْعَاقِدَيْنِ، وَذِكْرُ الْمُدَّةِ)

کیونکہ یہ طحان کے قفیز کی طرح ہے اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ صحیح ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی ضرورت ہے اور دوسری دلیل مضاربت پر اسے قیاس کیا گیا ہے۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک عقد مزارعت آٹھ شرطوں کے ساتھ صحیح ہوگا: زمین کاشت کی صلاحیت رکھتی ہو، متعاقدین عقد کی اہلیت رکھتے ہوں، اور مدت ذکر کی جائے

مروی اخبار میں تعارض ہے جس طرح ''مبسوط'' میں ہے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے فساد کا بغیر کسی حد کے فیصلہ سنایا ہے۔ اور اس سے شدید ترین انداز میں منع نہیں کیا جس طرح ''حقائق'' میں ہے۔ اس پر یہ امر دلالت کرتا ہے کہ آپ نے اس پر کثیر مسائل کی تفریع کی ہے یہاں تک کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: انا فارس فیھا میں ان میں شاہسوار ہوں۔ کیونکہ انہوں نے ان پر تفریعات کا ذکر کیا اور وقف کے مسائل میں پیدل ہوں۔ کیونکہ اس پر آپ نے تفریعات کا ذکر نہیں کیا جس طرح ''النظم'' میں ہے۔ ''قہستانی''۔

''ہدایہ'' میں ہے: جب ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مزارعت فاسد ہے اگر مزارع نے زمین کو سیراب کیا اور اس میں ہل چلایا اور پیداوار نہ ہوئی تو عامل کو اجرت مثلی ملے گی اگر بیج زمین کے مالک کی جانب سے ہو اگر بیج عامل کی جانب سے ہو تو اس کے ذمہ زمین کی اجرت مثلی ہوگی اور دونوں صورتوں میں پیداوار بیج کے مالک کی ہوگی۔

32172۔ (قولہ: لِأَنَّهَا كَقَفِيزِ الطَّحَّانِ) کیونکہ یہ ایسا عقد اجارہ ہے جو کہ عمل سے پیدا ہوتا ہے اس کے بعد کے عوض پر منعقد ہوتا ہے۔ پس یہ اس کے معنی میں ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ وہ یہ صورت ہے کہ ایک آدمی کو اجرت پر لے تا کہ اس کی گندم کے اتنے سیر پیسے اس کے آٹا میں سے ایک قفیز اسے معاوضہ ملے گا (1)۔ جانبین سے تمام ادلہ ''ہدایہ'' اور اس کی شروح میں مفصل موجود ہیں۔ ''شرنبلالیہ'' میں ''خلاصہ'' سے مروی ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے ان مسائل کو مزارعت میں بطور تفریع اس کے قول پر ذکر کیا ہے جو اس کے جواز کا قائل ہے۔ کیونکہ آپ کو علم تھا کہ لوگ آپ کے قول نہیں اپنائیں گے۔

''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مزارعت کی صحت کی شرائط

32173۔ (قولہ: صَلَاحِيَةُ الْأَرْضِ لِلزَّرْعِ) اگر وہ شوریدہ ہو یا بہت زیادہ چشموں والی ہو تو جائز نہ ہوگا اگرچہ وہ عقد کے وقت ایسے عارضہ کی وجہ سے زراعت کی صلاحیت نہ رکھتی ہو جو زائل ہونے والا ہے جس طرح پانی کا منقطع ہونا اور موسم سرما وغیرہ کا ہونا۔ ''ط'' ملخص

32174۔ (قولہ: وَأَهْلِيَّةِ الْعَاقِدَيْنِ) اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں آزاد ہوں بالغ ہوں یا وہ غلام اور بچہ ہو جن

1۔ سنن دارقطنی، کتاب البیوع، جلد 3، صفحہ 47، حدیث نمبر 195

أَيِ مُدَّةٍ مُتَعَارَفَةٍ، فَتَفْسُدُ بِمَا لَا يَتَمَكَّنُ فِيهَا مِنْهَا، وَبِمَا لَا يَعِيشُ إِلَيْهَا أَحَدُهُمَا غَالِبًا، وَقِيلَ فِي بِلَادِنَا تَصِحُّ بِلَا بَيَانِ مُدَّةٍ، وَيَقَعُ عَلَى أَوَّلِ زَرْعٍ وَاحِدٍ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى مُجْتَبَى وَبَزَّازِيَّةٌ، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ (وَ) ذَكَرَ رَبَّ الْبَذْرِ وَقِيلَ يُحَكَّمُ الْعُرْفُ (وَ) ذَكَرَ (جِنْسَهُ)

یعنی ایسی مدت ذکر کی جائے جو متعارف ہو۔ پس مزارعت فاسد ہو جائے گی جب ایسی مدت ذکر کی جائے جس میں زراعت ممکن نہ ہو اور جس مدت میں عموماً دونوں میں سے ایک کے زندہ رہنے کا امکان نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہمارے علاقوں میں مدت کے بیان کے بغیر صحیح ہے اور یہ عقد پہلی فصل پر واقع ہوگا اسی پر فتویٰ ہے ''مجتبیٰ''، ''بزازیہ''۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے۔ اور بیج کے مالک کا ذکر کرنا شرط ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عرف اس کا حکم ہے اور بیج کی جنس ذکر کرنا شرط ہے

دونوں کو عقد کی اجازت دی گئی تھی یا دونوں ذمی ہوں۔ کیونکہ اہلیت کے بغیر عقد صحیح نہیں ہوگا جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے پس یہ اس کے ساتھ خاص نہیں پس اس کا ترک کرنا اولیٰ ہے۔ ''قہستانی''۔

32175۔ (قولہ: مُجْتَبَى وَبَزَّازِيَّةٌ) ''بزازیہ'' کی عبارت ہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے کہ مدت بیان کیے بغیر عقد مزارعت جائز ہے۔ اور یہ عقد اس کھیتی پر واقع ہوگا جو کوئی اس سے اگاتا ہے۔ فقیہ نے یہی اخذ کیا ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کوفہ وغیرہا میں مدت بیان کرنے کی شرط لگائی ہے، کیونکہ اس کا وقت ان کے نزدیک متفاوت تھا اور اس کی ابتدا اور انتہا کی مدت ان کے نزدیک مجہول تھی۔ لیکن ''الخانیہ'' میں اس کے بعد کہا: فتویٰ کتاب کے جواب پر ہے یعنی یہ کہ یہ شرط ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں کہا: جس میں فتویٰ ہے اس میں تعارض ہے۔

32176۔ (قولہ: وَذَكَرَ رَبَّ الْبَذْرِ) بیج کے مالک کا ذکر ضروری ہے اگرچہ دلالۃً ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے تجھے یہ زمین دے دی تاکہ تو اسے میرے لیے کاشت کرے یا میں نے تجھے یہ اجارہ پر دی یا میں نے تجھے اجرت پر لیا تاکہ تو اس میں عمل کرے۔ کیونکہ اس میں وضاحت ہے کہ بیج زمین کے مالک کی جانب سے ہوتا ہے۔

اگر وہ کہے: تاکہ تو اسے خود کاشت کرے تو اس میں یہ وضاحت ہے کہ بیج عامل کی جانب سے ہے۔ اگر اس میں سے کوئی چیز نہ ہو ''ابوبکر بلخی'' نے کہا: اس میں عرف فیصلہ کرے گا اگر عرف ایک ہو ورنہ عقد مزارعت فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ بیج جب زمین کے مالک کی جانب سے ہو تو وہ عامل کو اجرت پر رکھنے والا ہوگا یا عامل کی جانب سے ہو تو وہ زمین کو اجرت پر لینے والا ہو گا۔ حکم کے اختلاف کی صورت میں بیان ضروری ہے جس طرح ''واقعات'' میں ہے۔ ''قہستانی''۔

32177۔ (قولہ: وَذَكَرَ جِنْسَهُ) کیونکہ اجرت پیداوار کا بعض ہے اور اجرت کی جنس سے آگاہ کرنا یہ شرط ہے۔ کیونکہ بعض زمین کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔ جب وہ وضاحت کرے اگر بیج زمین کے مالک کی جانب سے ہو تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ بیج پھینکنے سے متاکد نہیں ہوتا اور پھینکنے پر اجرت معلوم ہو جاتی ہے۔ اور عامل کی جانب سے ہو تو یہ جائز نہیں مگر جب عموم کا ذکر کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: تو جو پسند کرے وہ کاشت کر ورنہ عقد مزارعت فاسد ہو جائے گا۔ اگر وہ

لَا قَدْرَهُ لِعِلْمِهِ بِأَعْلَامِ الْأَرْضِ، وَشَرَطَهُ فِي الِاخْتِيَارِ (وَ) ذِكْرُ (قِسْطِ) الْعَامِلِ (الْآخَرِ) وَلَوْ بَيَّنَا حَظَّ رَبِّ الْبَذْرِ وَسَكَتَا عَنْ حَظِّ الْعَامِلِ جَازَ اسْتِحْسَانًا (وَ) بِشَرْطِ (التَّخْلِيَةِ بَيْنَ الْأَرْضِ)

اس کی مقدار کا ذکر کرنا شرط نہیں۔ کیونکہ زمین کی مقدار بتا دینے سے اس کی مقدار کا علم ہو جاتا ہے۔ ''الاختیار'' میں اس کی شرط لگائی ہے۔ اور دوسرے یعنی عامل کا حصہ ذکر کرنا ضروری ہے۔ اگر دونوں بیج کے مالک کا حصہ بیان کر دیں اور عامل کے حصہ سے خاموش رہیں تو بطور استحسان جائز ہے۔ زمین اور عامل میں کسی مانع کا نہ ہونا شرط ہے

کاشت کرے تو یہ عقد جائز ہو جائے گا۔ ''خانیہ''، ''ظہیریہ''۔

''منیۃ المفتی'' میں ہے: اس نے کہا: اگر تو نے اس میں گندم کاشت کی تو اتنے کے بدلے میں اگر تو جو کاشت کرے تو اتنے کے بدلے میں تو یہ جائز ہوگا۔ اگر اس نے کہا: اس شرط پر کہ تو اس کے بعض میں گندم کاشت کرے اور بعض میں جو کاشت کرے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔

32178۔ (قولہ: لَا قَدْرَهُ) ''الخانیہ'' میں اسی طرح کہا ہے۔ تعلیل سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ زمین کی معرفت شرط ہے۔ لیکن ''الخانیہ'' میں یہ بھی ہے: چاہیے کہ عامل زمین کو پہچانتا ہو کیونکہ وہ جب یہ نہ جانتا ہو جب کہ زمینیں متفاوت ہوتی ہیں تو عمل معلوم نہیں ہوتا۔ تامل

بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: مقدار کا جاننا شرط نہیں اگر زمین معلوم ہو ورنہ بیج کی مقدار کا جاننا شرط ہے۔ اس سے ان اقوال میں تطبیق حاصل ہو جاتی ہے جو ''الخانیہ'' اور ''الاختیار'' میں ہیں۔ تامل

32179۔ (قولہ: وَ ذِكْرُ قِسْطِ الْعَامِلِ الْآخَرِ) اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی جانب سے بیج نہ ہو۔ زیادہ واضح یہ تھا کہ عامل کا ذکر لفظ الآخر کے بعد کرتے تا کہ عاملوں کے متعدد ہونے کا احتمال نہ ہوتا۔

''الخانیہ'' میں ہے: چوتھی شرط یہ ہے کہ جس کا بیج نہیں اس کا حصہ بیان کیا جائے۔ کیونکہ جو وہ لے گا یا تو وہ اس کے عمل کی اجرت ہوگی یا اس کی زمین کی اجرت ہوگی۔ پس اجرت سے آگاہی شرط ہوتی ہے۔ اگر وہ دونوں عامل کا حصہ بیان کر دیں اور بیج کے مالک کے حصہ سے خاموش رہیں تو عقد جائز ہوگا۔ کیونکہ بیج کا مالک پیداوار کا مستحق ہوتا ہے اس حکم کی وجہ سے کہ یہ اس کی ملک کی بڑھوتری ہے یہ اجرت کے طریقہ پر نہیں ہے۔ اس کے برعکس جائز نہیں یہ قیاس کی بنا پر ہے۔ کیونکہ جو وہ لے گا وہ اجرت ہے پس اس سے آگاہی شرط ہے۔ استحسان میں ہے: عقد جائز ہے کیونکہ جب اس نے بیج کے مالک کا حصہ بیان کر دیا تو یہ اس امر کا بیان ہوگا کہ باقی ماندہ اجیر کا ہوگا۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جس کا بیج نہیں اس کے حصہ کا بیان صراحۃً یا ضمناً شرط ہے۔ تامل

32180۔ (قولہ: وَ بِشَرْطِ التَّخْلِيَةِ الخ) اس کی صورت یہ ہے کہ زمین کا مالک عامل سے کہے: میں نے تجھے زمین سپرد کر دی۔ پس ہر وہ چیز جو تخلیہ سے مانع ہو جیسے یہ شرط لگائی جائے کہ زمین کا مالک عامل کے ساتھ کام کرے گا یہ جواز

وَلَوْ مَعَ الْبَذْرِ (وَالْعَامِلُ وَ) بِشَرْطِ (الشَّرِكَةِ فِي الْخَارِجِ) ثُمَّ فَرَّعَ عَلَى الْأَخِيرِ بِقَوْلِهِ (فَتَبْطُلُ إِنْ شُرِطَ لِأَحَدِهِمَا قُفْزَانٌ مُسَمَّاةٌ أَوْ مَا يَخْرُجُ مِنْ مَوْضِعٍ مُعَيَّنٍ، أَوْ رَفْعُ) رَبِّ الْبَذْرِ (بَذْرَهُ أَوْ رَفْعُ الْخَرَاجِ الْمُوَظَّفِ وَتَنْصِيفُ الْبَاقِي) بَعْدَ رَفْعِهِ (بِخِلَافِ) شَرْطِ رَفْعِ (خَرَاجِ الْمُقَاسَمَةِ)

اگرچہ بیج کے ساتھ ہواور پیداوار میں شرکت شرط ہے۔ پھر آخری شرط پر اپنے اس قول سے تفریع کا ذکر کیا: اگر دونوں میں سے ایک کے لیے معین قفیزوں کی شرط لگائی گئی یا جو معین جگہ کی پیداوار ہواس کی شرط لگائی تو مزارعت باطل ہو جائے گی یا یہ شرط لگائی گئی کہ بیج والا اپنا بیج پہلے منہا کرے گا یا خراج موظف پہلے منہا کرے گا اور باقی ماندہ پیداوار نصف نصف ہوگی۔ اس کے منہا کرنے کے بعد خراج مقاسمہ

کے مانع ہے۔ اور تخلیہ میں سے یہ بھی ہے کہ زمین عقد کے وقت فارغ ہو۔ اگر اس میں کھیتی ہو جو اگی ہوئی ہو تو عقد جائز نہ ہوگا اور یہ معاملہ ہوگا مزارعت نہ ہوگی۔ اگر وہ کھیتی پک چکی ہو تو عقد جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ فصل پک جانے کے بعد کھیتی عمل کی محتاج نہیں پس اسے معاملہ کے طور پر جائز قرار دینا یہ بھی متعذر ہے۔ ''خانیہ''۔

32181۔ (قولہ: وَلَوْ مَعَ الْبَذْرِ) یعنی اگر بیج زمین کے مالک کا ہو۔ بے شک اس نے یہ قول کیا ہے کیونکہ اگر بیج عامل کی جانب سے ہو تو تخلیہ بدرجہ اولیٰ شرط ہوگا۔ کیونکہ وہ زمین کو اجرت پر لینے والا ہے۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جس کا بیج ہوتا ہے وہ مستاجر ہوتا ہے جس طرح ہم عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔ پس انہوں نے قول فتوھم کے ساتھ تصریح کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بیج زمین کے مالک کی جانب سے ہو تو وہ عامل کو اجرت پر لینے والا ہوگا۔ بعض اوقات یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ عامل اور زمین میں تخلیہ شرط نہیں کیونکہ زمین کو اجرت پر نہیں لیا گیا۔

32182۔ (قولہ: وَ بِشَرْطِ الشَّرِكَةِ فِي الْخَارِجِ) یعنی جب پیداوار حاصل ہو چکی ہو تو اس میں شرکت شرط ہے کیونکہ یہ انتہا میں شرکت ہے۔ پس جو اس شرکت کو قطع کرے تو وہ عقد کے لیے مفسد ہے۔ ''ہدایہ''۔

''شرنبلالیہ'' میں ہے: یہ شرط مستدرک ہے کیونکہ عامل کی قسط کے ذکر کی شرط کے ساتھ اس سے استغنا حاصل ہو جاتی ہے۔

32183۔ (قولہ: فَتَبْطُلُ) یعنی مزارعت فاسد ہو جائے گی جس طرح اس کا فائدہ وہ قول دیتا ہے جس کو ہم نے ابھی ''ہدایہ'' سے نقل کیا ہے۔

32184۔ (قولہ: أَوْ رَفْعُ) یہ لفظ دونوں جگہ مرفوع ہے اس کا عطف قفزان پر ہے جو شرط کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ فافہم

32185۔ (قولہ: وَتَنْصِيفُ الْبَاقِي) یہ بھی مرفوع ہے کیونکہ یہ شرط کا معمول ہے۔ ''حلبی'' نے کہا: یہ چاروں مسائل کی طرف راجع ہے ان میں مزارعت فاسد ہے۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ زمین صرف اتنی پیداوار دے جس کی شرط لگائی گئی۔

32186۔ (قولہ: بَعْدَ رَفْعِهِ) یعنی اس مشروط کو منہا کرنے کے بعد اور طرفین باقی کے متعلق ہیں۔ فافہم

كَثُلُثٍ أَوْ رُبُعٍ (أَوْ شَرَطَ رَفْعَ (الْعُشْرِ) لِلْأَرْضِ أَوْ لِأَحَدِهِمَا؛ لِأَنَّهُ مُشَاعٌ فَلَا يُؤَدِّي إِلَى قَطْعِ الشَّرِكَةِ (أَوْ شَرَطَ (التِّبْنُ لِأَحَدِهِمَا وَالْحَبُّ لِلْآخَرِ) أَيْ تَبْطُلُ لِقَطْعِ الشَّرِكَةِ فِيمَا هُوَ الْمَقْصُودُ (أَوْ شَرَطَ (تَنْصِيفُ الْحَبِّ وَالتِّبْنُ لِغَيْرِ رَبِّ الْبَذْرِ) لِأَنَّهُ خِلَافُ مُقْتَضَى الْعَقْدِ (أَوْ شَرَطَ (تَنْصِيفُ التِّبْنِ وَالْحَبُّ لِأَحَدِهِمَا) لِقَطْعِ الشَّرِكَةِ فِي الْمَقْصُودِ (وَإِنْ شَرَطَ تَنْصِيفَ الْحَبِّ وَالتِّبْنِ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ)

جیسے تہائی یا چوتھائی کو منہا کرنے کی شرط کا معاملہ مختلف ہے۔ یا زمین کے عشر کو منہا کرنے یا کسی ایک کے لیے دسویں حصہ کی شرط لگائی گئی۔ کیونکہ یہ مشترک ہے پس یہ شرکت کے ختم کرنے کی طرف نہیں لے جاتا۔ یا بھوسہ کی ان دونوں میں سے ایک کے لیے شرط لگائی گئی اور دانے کی دوسرے کے لیے شرط لگائی گئی یعنی مزارعت باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ جو مقصود ہے اس میں شرکت قطع ہو رہی ہے۔ یا دانے اور بھوسے میں سے نصف کی اس کے لیے شرط لگائی گئی جو بیج کا مالک نہیں۔ کیونکہ یہ عقد کے مقتضا کے خلاف ہے۔ یا بھوسے میں سے نصف کی شرط لگائی گئی اور دانے کی دونوں میں سے ایک کے لیے شرط لگائی گئی۔ کیونکہ مقصود میں شرکت ختم ہو چکی ہے۔ اگر دانے کے نصف نصف اور بھوسہ کے بیج والے کے لیے شرط لگائی گئی

32187۔ (قولہ: لِلْأَرْضِ أَوْ لِأَحَدِهِمَا) لام دونوں میں تعلیل کے لیے ہے،''ح''۔ یعنی زمین کا عشر اس کی صورت یہ ہے کہ وہ زمین عشری ہو یا ان دونوں میں سے ایک کے لیے دسواں حصہ معین کیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک کے لیے پیداوار کے دسویں حصہ کو منہا کرنے کی شرط لگائیں اور باقی ماندہ دونوں میں تقسیم کرنے کی شرط لگائیں۔ کیونکہ یہ جائز ہے۔

''قہستانی'' نے کہا: یہ زمین کے مالک کا حیلہ ہے جب وہ یہ ارادہ کرے کہ وہ اپنے بیج کو منہا کرے۔ ''سائحانی'' نے کہا: اگر زمین کا عشر منہا کرنے کی شرط نہ لگائیں تو شارح نے کتاب الزکاۃ میں کہا: اگر بیج زمین کے مالک کی جانب سے ہو تو عشر مالک کے ذمہ ہوگا، اگر بیج عامل کی جانب سے ہو تو عشر دونوں پر ہوگا میں کہتا ہوں: یہ اچھی تفصیل ہے۔

32188۔ (قولہ: أَوْ شَرَطَ التِّبْنُ الخ) یہ مسئلہ آٹھ صورتوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے چھ فاسد ہیں اور دو صحیح ہیں جس طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔ یہاں ایک کو ساقط کر دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب وہ دونوں بھوسہ کے نصف نصف کرنے کی شرط لگائیں اور دانہ سے خاموش رہیں یہ جائز نہیں۔ اور سات کو ذکر کیا ہے۔ کیونکہ یہاں ان کا قول لاحدھما اور اس کے بعد ان کا قول وللحب لاحدھما دونوں کے تحت چار صورتیں ہیں۔ کیونکہ دونوں میں احد سے مراد یا تو بیج کا مالک ہے یا عامل ہے۔

32189۔ (قولہ: وَالتِّبْنُ لِغَيْرِ رَبِّ الْبَذْرِ) تبن کا لفظ مرفوع ہے اس کا عطف تنصیف پر ہے۔ اسی طرح ان کا قول والحب لاحدھما ہے۔

32190۔ (قولہ: لِأَنَّهُ خِلَافُ مُقْتَضَى الْعَقْدِ) کیونکہ یہ قطع شرکت کی طرف لے جاتا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات زمین کو کوئی آفت آ پہنچتی ہے تو وہ صرف بھوسہ ہی پیداوار کے طور پر دیتی ہے۔''معراج''۔

كَمَا هُوَ مُقْتَضَى الْعَقْدِ (أَوْ لَمْ يَتَعَرَّضْ لِلتِّبْنِ صَحَّتْ)، وَحِينَئِذٍ التِّبْنُ لِرَبِّ الْبَذْرِ، وَقِيلَ بَيْنَهُمَا تَبَعًا لِلْحَبِّ كَذَا قَالَهُ الْمُصَنِّفُ تَبَعًا لِلصَّدْرِ وَغَيْرِهِ لَكِنْ اعْتَمَدَ صَاحِبُ الْمُلْتَقَى الثَّانِي حَيْثُ قَدَّمَهُ فَقَالَ وَالتِّبْنُ بَيْنَهُمَا، وَقِيلَ لِرَبِّ الْبَذْرِ قُلْت وَفِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ عَنْ الْقُنْيَةِ الْمُزَارِعُ بِالرُّبْعِ لَا يَسْتَحِقُّ مِنْ التِّبْنِ شَيْئًا، وَبِالثُّلُثِ يَسْتَحِقُّ النِّصْفَ

جس طرح عقد کا تقاضا ہے یا بھوسہ سے تعرض نہ کیا ہو تو مزارعت صحیح ہوگی۔ اس وقت بھوسہ بیج والے کے لیے ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں میں مشترک ہوگا یہ دانہ کی تبع میں ہوگا۔ مصنف نے ''صدر'' وغیرہ کی تبع میں یہی کہا ہے۔ لیکن صاحب ''الملتقی'' نے دوسرے قول پر اعتماد کیا ہے۔ کیونکہ اسے مقدم ذکر کیا ہے۔ اور کہا: بھوسہ دونوں میں مشترک ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بیج والے کا ہوگا۔ میں کہتا ہوں: ''شرح وہبانیہ'' میں ''قنیہ'' سے مروی ہے: جو چوتھائی پر مزارع ہو وہ بھوسہ میں سے کسی شے کا مستحق نہیں ہوتا اور جو ایک تہائی پر مزارع ہو وہ نصف بھوسہ کا مستحق ہوگا۔

32191۔ (قولہ: كَمَا هُوَ مُقْتَضَى الْعَقْدِ) کیونکہ اگر دونوں اس سے خاموش رہیں تو بھوسہ اس کا ہوگا۔ اگر شرط لگالیں تو بدرجہ اولیٰ بھوسہ اس کا ہوگا۔ کیونکہ یہ عقد کے موجب کی شرط ہے اور اس کے ساتھ عقد کی صفت متغیر نہیں ہوتی۔ ''معراج''۔

32192۔ (قولہ: تَبَعًا لِلصَّدْرِ) ''صدر الشریعہ'' وغیرہ جیسے صاحب ''ہدایہ'' کی پیروی کرتے ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے کہا ہے: پھر بھوسہ اس کا ہوگا جس کا بیج ہوگا۔ کیونکہ یہ اس کے بیج سے بڑھوتری ہوتی ہے اور اس کے حق میں شرط لگانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مشائخ بلخ نے فرمایا: بھوسہ بھی ان دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا۔ کیونکہ جس کے بارے میں متعاقدین کچھ نہ کہیں اس میں عرف کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ دانہ کے تابع ہوتا ہے اور تبع اصل کی شرط کے قائم مقام ہوتا ہے۔ ''شرنبلالی'' کی ''شرح وہبانیہ'' میں ہے: بھوسہ بیج والے کا ہوگا۔ یہ ظاہر روایت ہے۔ ''کفایہ'' میں کہا ہے: مشائخ بلخ نے جو کہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اصل عدم جواز ہے۔ کیونکہ یہ منافی کے ساتھ ثابت ہوتا ہے تو جس قدر مجوز پایا جائے گا اس پر عمل کیا جائے گا اور جب مجوز نہ پایا جائے تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

32193۔ (قولہ: الْمُزَارِعُ بِالرُّبْعِ الخ) یہ اس پر محمول ہوگا جب یہ دونوں صورتوں میں شرط یا عرف ہو۔ اس کی دلیل وہ ہے جو مشائخ بلخ کا قول گزر چکا ہے مگر فقہ جس کا تقاضا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک کے حصہ کے مطابق مشارکت ہو۔ ''سید مرشدی'' نے اسے اسی طرح ثابت کیا ہے، ''ح''۔ ملخص

میں کہتا ہوں، ''قنیہ'' میں اپنے اس قول: لمکان المتعارف کے ساتھ تعلیل کی تصریح کی ہے پھر یہ بھی کہا ہے: ہمارے استاذ نے فرمایا: ہمارے زمانہ میں مختار مذہب یہ ہے: جو چوتھائی پر مزارع ہوتا ہے اس کے لیے بھوسہ میں کوئی شے نہیں ہوتی۔ کیونکہ عرف یہی ہے اور ظاہر روایت یہی ہے۔ ''ابن شحنہ'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ ''قنیہ'' کی کلام اس کے بارے میں ہے جب عمل مزارع کی جانب سے خاص ہو۔

(وَكَذَا) صَحَّتْ (لَوْ كَانَ الْأَرْضُ وَالْبَذْرُ لِزَيْدٍ وَالْبَقَرُ وَالْعَمَلُ لِلْآخَرِ) أَوْ الْأَرْضُ لَهُ وَالْبَاقِي لِلْآخَرِ (أَوْ الْعَمَلُ لَهُ وَالْبَاقِي لِلْآخَرِ) فَهَذِهِ الثَّلَاثَةُ جَائِزَةٌ (وَبَطَلَتْ) فِي أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ (لَوْ كَانَ الْأَرْضُ وَالْبَقَرُ لِزَيْدٍ، أَوْ الْبَقَرُ وَالْبَذْرُ لَهُ وَالْآخَرَانِ لِلْآخَرِ) أَوْ الْبَقَرُ أَوْ الْبَذْرُ لَهُ (وَالْبَاقِي لِلْآخَرِ)،

اسی طرح مزارعت صحیح ہوگی اگر زمین اور بیج زید کا ہو اور بیل اور عمل دوسرے کے ہوں یا عمل اس کا ہو اور باقی ماندہ دوسرے کے ہوں یہ تینوں جائز ہیں۔ اور چار صورتوں میں مزارعت باطل ہے: اگر زمین اور بیل زید کے ہوں یا بیل اور بیج اس کے ہوں اور دوسری دو چیزیں دوسرے کی ہوں یا بیل یا بیج اس کا ہو اور باقی ماندہ دوسرے کے ہوں۔

میں کہتا ہوں: حاصل کلام یہ ہے: دونوں مسئلوں کی بنیاد عرف کے اعتبار پر ہے جس طرح بلخیوں کا مذہب ہے لیکن پہلے مسئلہ میں عرف کے ساتھ اس کا ظاہر روایت کے ساتھ موافق ہونا شامل ہے وہ یہ کہ بھوسہ بیج والے کا ہوتا ہے۔ پس یہ متفق علیہ ہو گئیں اور دوسرا مسئلہ صرف ان کے مذہب پر باقی رہے گا۔ یہی اس محل کی وضاحت ہے یہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے۔ جہاں تک فقہ کا مقتضا مشارکت ہونا جب کہ عرف نہ ہو اور نہ ہی شرط ہو تو اس میں اعتراض کی گنجائش ہے بلکہ فقہ کا مقتضا ظاہر روایت ہے بلکہ یہی فقہ ہے۔ فافہم

32194۔ (قولہ: وَكَذَا صَحَّتْ الخ) یہ جملے اس کی شروط میں سے ہیں۔ ''زیلعی''۔

32195۔ (قولہ: فَهَذِهِ الثَّلَاثَةُ جَائِزَةٌ) کیونکہ جو اسے جائز قرار دیتا ہے وہ اسے اس لیے جائز قرار دیتا ہے کہ یہ اجازت ہے۔ پہلی صورت میں زمین اور بیج کا مالک عامل کو اجرت پر لینے والا ہے اور اس کا بیل اس کی تبع میں ہے۔ کیونکہ منفعت متحد ہے۔ کیونکہ بیل اس کا آلہ ہے جس طرح وہ ایک درزی کو اجرت پر لے تاکہ وہ اپنی سوئی کے ساتھ اسے سی کر دے۔

دوسری صورت میں بیج کا مالک زمین کو پیداوار میں سے معلوم اجرت کے ساتھ اجارہ پر لیتا ہے تو یہ مزارعت جائز ہوگی جس طرح وہ اسے ذمہ میں دراہم کے بدلے اجرت پر لے۔

تیسری صورت میں صرف عامل کو اجرت پر لیتا ہے۔ اس میں اصل یہ ہے کہ بیج والا وہی متاجر ہے۔ اور مسائل کا اسی طریقہ پر استخراج کیا جاتا ہے جس طرح تو نے دیکھا ہے، ''زیلعی'' ملخص۔ میں نے ان تینوں مسائل کو ایک شعر میں ذکر کیا ہے۔

أَرْضٌ وَبَذْرٌ كَذَا أَرْضٌ كَذَا عَمَلٌ مِنْ وَاحِدٍ ذِي ثَلَاثٍ كُلُّهَا قُبِلَتْ

زمین، بیج اور اسی طرح زمین اور اسی طرح عمل جو ایک کی جانب سے ہو تین صورت والا ہو یہ سب قبول ہے۔

مزارعت کے بطلان کی صورتیں

32196۔ (قولہ: وَبَطَلَتْ فِي أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ الخ) جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو کیونکہ بیج کے مالک نے زمین کو اجرت پر لیا اور زمین کے مالک پر بیل کی شرط لگانا یہ اجارہ کو فاسد کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ بیل کو زمین کے تابع بنا دے کیونکہ منفعت مختلف ہے۔ کیونکہ زمین اگانے کے لیے ہے اور بیل زمین پھاڑنے کے لیے ہیں۔

فَهِيَ بِالتَّقْسِيمِ الْعَقْلِيِّ سَبْعَةُ أَوْجُهٍ؛ لِأَنَّهُ إِذَا كَانَ مِنْ أَحَدِهِمَا أَحَدُهَا وَالثَّلَاثَةُ مِنَ الْآخَرِ، فَهِيَ أَرْبَعَةٌ، وَإِذَا كَانَ مِنْ أَحَدِهِمَا اثْنَانِ وَاثْنَانِ مِنَ الْآخَرِ
یہ عقلی تقسیم کی بنا پر سات صورتیں ہیں۔ کیونکہ جب دونوں میں سے ایک کی جانب سے ان میں سے ایک ہو اور تین دوسرے کی جانب سے ہوں تو یہ چار صورتیں ہوں گی۔ جب دونوں میں سے ایک سے دو ہوں اور دو دوسرے سے ہوں

جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے تو زمین کو اسی طرح اس کے عمل کے تابع بنانا ممکن نہیں۔

جہاں تک تیسری صورت کا تعلق ہے تو علماء نے کہا: یہ فاسد ہے چاہیے کہ یہ صرف عامل یا صرف زمین پر قیاس کرتے ہوئے جائز ہو۔

جواب یہ ہے کہ قیاس یہ ہے کہ مزارعت اس میں جائز نہ ہو جس میں بعض پیداوار کے بدلے میں اجرت پر لیا جائے۔ اثر کو ترک کیا گیا وہ اثر عامل یا زمین کو اجرت پر لینے کے بارے میں وارد ہوا ہے پس اسے اسی پر محدود کیا جائے گا۔

جہاں تک چوتھی صورت کا تعلق ہے تو اس کی وجہ وہی ہے جو ہم نے دوسری صورت میں ذکر کر دی ہے، ''زیلعی''، ملخص۔

''یعقوبیہ'' میں ہے: اس کا جو فعل قوت حیوانیہ سے صادر ہوا ایک جنس ہے اور جو کسی اور قوت سے صادر ہو دوسری جنس ہے۔

''الکفایہ'' میں ہے: یہ جان لو کہ مزارعت کے مسائل جائز ہونے اور فاسد ہونے میں ایک ضابطہ پر مبنی ہیں وہ قاعدہ یہ ہے کہ یہ اجارہ کے طور پر منعقد ہوتی ہے اور شرکت کے طور پر مکمل ہوتی ہے اور مزارعت زمین کی منفعت یا عامل کی منفعت کے اجارہ پر ہوتی ہے اور دونوں کے علاوہ یعنی بیل اور بیج کی منفعت پر جائز نہیں میں نے ان چاروں کو ایک شعر میں جمع کر دیا ہے۔ میں نے کہا:

وَالْبَذْرُ مَعْ بَقَرٍ اَوْلَا كَذَا بَقَرٌ　　لَا غير اَوْ مَعْ اَرْضٍ اَرْبَعٌ بَطَلَتْ

بیج، بیل کے ساتھ ہو یا نہ ہو اسی طرح بیل اس کے علاوہ نہ ہو یا زمین کے ساتھ چار صورتیں ہیں جو باطل ہیں۔

32197۔(قولہ: فَهِيَ بِالتَّقْسِيمِ الْعَقْلِيِّ سَبْعَةُ أَوْجُهٍ) حصر صحیح ہے۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ چار میں سے بعض ایک کی جانب سے ہیں اور باقی دوسرے کی جانب سے ہیں۔ مگر جب بعض ایک کی جانب سے ہوں اور باقی دونوں کی جانب سے ہوں تو یہ سات سے زیادہ صورتیں ہیں جس طرح امر مخفی نہیں۔

ان سات صورتوں کے علاوہ کا جو حکم ہے اس میں کلام باقی ہے۔ ''بزازی'' نے اس کا ضابطہ ذکر کیا ہے اور کہا: تمام وہ صورتیں جو جائز نہیں جب ایک کی طرف سے ہوں تو وہ جائز نہ ہوں گی جب وہ دو کی جانب سے ہوں۔ اس پر اس تفریع کا ذکر کیا ہے: اگر دو آدمی ایک آدمی کی زمین لیں اس شرط پر کہ بیج ایک کی جانب سے ہو گا اور بیل اور عمل دوسرے کی جانب سے ہو گا تو یہ صحیح نہیں ہو گا۔ کیونکہ یہاں زمین دونوں کی جانب سے ہے۔ اگر زمین دونوں میں سے ایک کی جانب سے ہو تو یہ صحیح نہ ہو گا اس ضابطہ کو ''رملی'' نے ذکر کیا ہے اور کہا: اس سے احکام کا استخراج کیا جاتا ہے۔ مثلاً: جب بیج مشترک ہو اور باقی ماندہ ایک کی جانب سے ہو تو یہ جائز نہیں ہو گا۔ کیونکہ اگر یہ ایک کی جانب سے ہو تو یہ جائز نہیں ہو گا تو جب دونوں کی جانب سے ہو تو اسی

فَهِيَ ثَلَاثَةٌ، وَمَتَى دَخَلَ ثَالِثٌ، فَأَكْثَرُ بِحِصَّةٍ فَسَدَتْ، وَإِذَا صَحَّتْ، فَالْخَارِجُ عَلَى الشَّرْطِ وَلَا شَيْءَ لِلْعَامِلِ إِنْ لَمْ يَخْرُجْ شَيْءٌ فِي الصَّحِيحَةِ (وَيُجْبَرُ مَنْ أَبَى عَلَى الْمُضِيِّ

تو یہ تین صورتیں ہیں۔ جب تیسرا شخص یا زائد حصہ کے ساتھ اس میں داخل ہوں تو مزارعت فاسد ہو جائے گی جب مزارعت صحیح ہو گئی تو پیداوار شرط کے مطابق تقسیم ہو گی۔ اور اگر کوئی پیداوار نہ ہو تو مزارعہ صحیحہ میں عامل کے لیے کوئی شے نہ ہو گی۔ اور جو اس عقد پر عمل کرنے سے انکار کرے اسے مجبور کیا جائے گا

طرح جائز نہیں ہوگا۔ اس کی مثل ہوگا جب کل مشترک ہو لیکن ان دو صورتوں میں پیداوار دونوں میں ان کے بیج کی مقدار کے مطابق ہوئی اور عامل کے لیے کوئی اجرت نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ مشترک میں عمل کرنے والا ہے۔ فافہم

باقی ماندہ احکام اپنے فہم سے استخراج کر۔ متن کی عبارت میں وہ آئے گا جو اس نوع میں سے ہے۔ میں کہتا ہوں: ''قہستانی'' نے وہ کچھ ذکر کیا ہے جو اس ضابطہ کے خلاف ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

32198۔ (قولہ: فَهِيَ ثَلَاثَةٌ) کیونکہ زمین کے ساتھ یا تو بیج ہوگا، بیل ہوگا یا عمل ہوگا اور باقی ماندہ دوسرے کی جانب سے ہوگا۔ ''ط''۔

32199۔ (قولہ: وَمَتَى دَخَلَ ثَالِثٌ، فَأَكْثَرُ بِحِصَّةٍ فَسَدَتْ) ''الخانیہ'' میں کہا ہے: اگر تین یا چار افراد شریک ہوں اور بعض کی جانب سے صرف بیل ہو یا صرف بیج ہو تو مزارعت فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر اس سے ایک کی جانب سے صرف بیج ہو یا صرف بیل ہو۔ کیونکہ بیج کا مالک زمین کو اجرت پر لیتا ہے پس مستاجر اور زمین میں تخلیہ ضروری ہے اور زمین عامل کے ہاتھ میں ہوگی بیج کے مالک کے ہاتھ میں نہ ہوگی الخ۔

''جامع الفصولین'' میں اسے فاسد صورتوں میں شمار کیا ہے جب بیج ایک کا ہو اور زمین دوسرے کی ہو، بیل تیسرے کا ہو اور عمل چوتھے کا ہو۔ یا بیج اور زمین ایک کی ہو اور بیل دوسرے کا ہو اور عمل تیسرے کا ہو۔ کیونکہ بیل کو پیداوار کے بعض کے بدلے میں اجرت پر لینا اس کے بارے میں اثر وارد نہیں۔ جب اجارہ بیل کے حصہ میں فاسد ہو گیا تو باقی ماندہ میں فاسد ہو جائے گا اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک بعض کا فساد کل میں عام نہیں ہوتا۔ اس کی مکمل بحث تیسویں فصل میں ہے۔

''بزازیہ'' میں ہے: اسے زمین دی تاکہ اس زمین کو اپنے بیج اور اپنے بیل سے کاشت کرے اور اجنبی آدمی اس میں عمل کرے گا اس شرط پر کہ پیداوار ان کے درمیان تہائی تہائی تقسیم ہوگی۔ یہ عقد ان دونوں اور اجنبی کے درمیان جائز نہیں ہوگا اور پہلے دونوں افراد میں جائز ہوگا۔ اور پیداوار کا تیسرا حصہ زمین کے مالک کا اور دو تہائی عامل کے لیے ہوں گے اور عامل پر اجنبی کے عمل کے مثل اجرت لازم ہوگی۔ اگر بیج زمین کے مالک کی جانب سے ہو تو سب میں یہ عقد جائز ہوگا۔ اس سے وہ اجمال ظاہر ہو جاتا ہے جو شارح کی کلام میں ہے۔

32200۔ (قولہ: فِي الصَّحِيحَةِ) اس کا محترز قریب ہی آئے گا لیکن اس سے ان کا قول واذا صحت غنی کر دیتا ہے۔

إِلَّا رَبُّ الْبَذْرِ، فَلَا يُجْبَرُ قَبْلَ إِلْقَائِهِ) وَبَعْدَهُ يُجْبَرُ دُرَرٌ (مَتَى فَسَدَتْ، فَالْخَارِجُ لِرَبِّ الْبَذْرِ) ؛ لِأَنَّهُ نَمَاءُ مِلْكِهِ (وَ) يَكُونُ لِلْآخَرِ أَجْرُ مِثْلِ عَمَلِهِ أَوْ أَرْضِهِ وَلَا يُزَادُ عَلَى (الشَّرْطِ)

اسے بیج ڈالنے سے پہلے مجبور نہیں کیا جائے گا اور بیج ڈالنے کے بعد اسے مجبور کیا جائے گا''درر''۔ جب مزارعت فاسد ہو گئی تو پیداوار بیج کے مالک کی ہوگی۔ کیونکہ یہ اس کی ملک کی بڑھوتری ہے اور دوسرے کے لیے اس کے عمل کی مثل اجرت ہوگی یا اس کی زمین کی اجرت مثلی ہوگی اور وہ شرط پر زائد نہ ہوگی۔

اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ اس کا مستحق شراکت کی وجہ سے بنتا ہے جب کہ یہاں کوئی شرکت نہیں۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب اجارہ فاسد ہو۔ کیونکہ اجرت مثلی ذمہ میں ہے اور پیداوار کے نہ ہونے سے ذمہ فوت نہیں ہوتا۔''ہدایہ''۔

32201۔(قولہ: إِلَّا رَبُّ الْبَذْرِ الخ) کیونکہ اسے جاری رکھنا ممکن نہیں مگر جب وہ اپنا مال تلف کر دے اور مال تلف کرنا زمین میں بیج ڈالنے کے ساتھ ہے اور یہ معلوم نہیں کہ وہ زمین سے نکلے گا یا نہیں؟ پس یہ اس کی مثل ہو گیا جب وہ اسے اپنا گھر گرانے کے لیے اجرت پر لے پھر وہ اس عمل سے رک جائے۔''منح''۔

''رملی'' نے کہا: جب وہ انکار نہ کرے لیکن وہ ایسا عامل پائے جو اس سے سستا ہو یا خود ہی عمل کا ارادہ کرے تو اسے مجبور کیا جائے گا کیونکہ علت موجود نہیں۔ اس پر تشبیہ دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ جب وہ گرانے سے نہ رکے لیکن اس مزدور سے سستا مزدور پائے یا وہ خود گرانے کا ارادہ کرے تو اسے یہ حق نہیں ہوگا۔ اس تعبیر کی بنا پر عامل کو حق حاصل ہے کہ پروگرام چھوڑ دینے پر حاکم کے ہاں اس سے قسم لے۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ اس نے جو ظاہر کیا ہے اس کے غیر کا ارادہ کیا ہو،''جوہرہ'' میں کتاب الاجارہ میں بدا للمستاجر عن السفر یعنی مستاجر کے لیے سفر سے مانع ظاہر ہو جاتا ہے جو ان احکام کا فائدہ دیتا ہے یہ بہت زیادہ واقع ہوتا ہے۔

اگر مزارعت فاسد ہو جائے تو اس کا حکم

32202۔(قولہ: مَتَى فَسَدَتْ الخ) اگر وہ ارادہ کرے کہ پیداوار دونوں کے لیے پاکیزہ ہو جائے تو دونوں اپنا حصہ الگ کر لیں پھر دونوں میں سے ہر ایک اس مقدار پر مصالحت کر لے اس کے بدلے میں جو اس پر واجب ہوا۔ اگر وہ ایسا نہ کرے اگر بیج کا مالک زمین کا مالک ہے تو وہ کسی شے کو صدقہ نہیں کرے گا ورنہ وہ اس زائد چیز کو صدقہ کرے گا جس کی اس نے چٹی بھری ہے یعنی نفقہ اور اجرت کی جو چٹی بھری ہے۔ وہ اپنی اجرت کا اعتبار نہیں کرے گا کیونکہ اس نے اپنے منافع پر عقد نہیں کیا تھا۔ کیونکہ وہی اصل کا مالک ہے اور اصل بیج ہے جس طرح''مقدسی''میں ہے۔''سائحانی''۔

32203۔(قولہ: وَيَكُونُ لِلْآخَرِ) آخر سے مراد عامل ہے اگر بیج زمین کے مالک کی جانب سے ہو، یا آخر سے مراد زمین کا مالک ہے اگر بیج عامل کی جانب سے ہو جس طرح''ہدایہ''میں ہے۔ اور ان کا قول اجر مثل عمل او ارضہ یہ اس پر لف نشر ہے۔ اگر وہ زمین اور بیل کو جمع کرے یہاں تک کہ عقد مزارعت فاسد ہو جائے تو عامل پر زمین اور بیل کی اجرت مثلی

وَبَالِغًا مَا بَلَغَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ (وَإِنْ لَمْ يَخْرُجْ شَيْءٌ) فِي الْفَاسِدَةِ (فَإِنْ كَانَ الْبَذْرُ مِنْ قِبَلِ الْعَامِلِ، فَعَلَيْهِ أَجْرُ مِثْلِ الْأَرْضِ وَالْبَقَرِ، وَإِنْ كَانَ مِنْ قِبَلِ رَبِّ الْأَرْضِ، فَعَلَيْهِ أَجْرُ مِثْلِ الْعَامِلِ) حَاوِي (وَلَوْ امْتَنَعَ رَبُّ الْأَرْضِ مِنْ الْمُضِيِّ فِيهَا وَقَدْ كَرَبَ الْعَامِلُ) فِي الْأَرْضِ (فَلَا شَيْءَ لَهُ) لِكِرَابِهِ (حُكْمًا) أَيْ فِي الْقَضَاءِ إِذْ لَا قِيمَةَ لِلْمَنَافِعِ (وَيُسْتَرْضَى دِيَانَةً) فَيُفْتَى بِأَنْ يُوفِيَهُ أَجْرَ مِثْلِهِ لِغَرَرِهِ (وَتُفْسَخُ الْمُزَارَعَةُ

اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ جہاں تک جا پہنچے وہی لازم ہوگی اگر مزارعت فاسدہ میں کوئی پیداوار نہ ہو۔ اگر بیج عامل کی جانب سے ہو تو اس پر زمین اور بیل کی اجرت مثلی لازم ہوگی۔ اگر بیج زمین کے مالک کی جانب سے ہو تو اس کے ذمہ عامل کی اجرت مثلی لازم ہوگی۔ ''حاوی''۔ اگر زمین کا مالک عقد مزارعت کو جاری رکھنے سے رک جائے جب کہ عامل نے زمین میں ہل چلایا تھا تو ہل چلانے کی وجہ سے قاضی کے حکم میں اس عامل کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ کیونکہ منافع کی کوئی قیمت نہیں اور دیانۃً اسے راضی کیا جائے گا۔ پس یہ فتویٰ دیا جائے گا کہ اس کی اجرت مثلی دے کیونکہ اس نے دھوکہ کھایا ہے۔ اور مزارعت فاسد ہوگی

ہوگی یہی صحیح ہے۔ ''ہدایہ''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہل چلایا گیا زمین کی اجرت مثلی ہوگی۔ ''نہایہ''۔

32204۔ (قولہ: بَالِغًا مَا بَلَغَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ) اس کا عطف ان کے قول ولایزاد الخ پر ہے اور بالغا اس لیے منصوب ہے کیونکہ یہ اجر سے حال ہے۔ اور ما اسم موصول ہے یا نکرہ موصوفہ ہے یہ محل نصب میں ہے اور بالغا کا مفعول ہے اور بلغ والا جملہ صلہ ہے یا صفت ہے۔

32205۔ (قولہ: وَلَوْ امْتَنَعَ رَبُّ الْأَرْضِ) یعنی جب بیج زمین کے مالک کی جانب سے ہو جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے ورنہ اسے عقد مزارعت جاری رکھنے پر مجبور کیا جائے گا جس طرح گزر چکا ہے۔

32206۔ (قولہ: إِذْ لَا قِيمَةَ لِلْمَنَافِعِ) اس میں ایجاز ہے۔ ''ہدایہ'' کے شارحین کی عبارت ہے: کیونکہ جسے لایا گیا ہے وہ محض منفعت ہے اور منفعت کی قیمت نہیں لگائی جاتی مگر عقد کے ساتھ اور عقد کی قیمت پیداوار کے جز سے لگائی گئی ہے جب کہ وہ فوت ہو چکا ہے۔

32207۔ (قولہ: وَيُسْتَرْضَى دِيَانَةً) یعنی وہ امور جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں ان میں اسے راضی کرنا لازم ہے یہ وہ قول ہے جسے ''ہدایہ'' میں قیل کے ساتھ تعبیر کیا ہے لیکن ''الملتقی''، ''التبیین'' وغیرہما میں اسے جزم ویقین کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

32208۔ (قولہ: فَيُفْتَى) یعنی مفتی اس کا فتویٰ دے گا اگرچہ اس کے خلاف اس کا فیصلہ نہیں کرے گا۔

32209۔ (قولہ: لِغَرَرِهِ) کیونکہ اس کے ساتھ زمین کے مالک کی جانب سے عقد کی وجہ سے اس کے عمل میں دھوکہ ہوا ہے، ''ط''۔ پھر استرضاء کو اجرت مثلی کے ساتھ معین کرنا یہ اس کے موافق ہے جو ''التبیین'' میں ہے۔ تامل

32210۔ (قولہ: وَتُفْسَخُ) یعنی مزارعت کو فسخ کرنا جائز ہے اگرچہ قاضی کے فیصلہ اور باہمی رضامندی کے بغیر ہو

بِدَيْنٍ مُحْوِجٍ إِلَى بَيْعِهَا إِذَا لَمْ يَنْبُتْ الزَّرْعُ) لَكِنْ يَجِبُ أَنْ يَسْتَرْضِيَ الْمُزَارِعَ دِيَانَةً إِذَا عَمِلَ (كَمَا مَرَّ، أَمَّا إِذَا نَبَتَ وَلَمْ يُسْتَحْصَدْ لَمْ تُبَعْ الْأَرْضُ لِتَعَلُّقِ حَقِّ الْمُزَارِعِ) حَتَّى لَوْ أَجَازَ جَازَ

اس دین کی وجہ سے جو اس زمین کی بیع کرنے پر مجبور کر دے جب کھیتی نہ اگی ہو لیکن یہ واجب ہے کہ جب مزارع نے عمل کیا ہو تو مزارع کو راضی کرے یہ دیانۃً ہے جس طرح گزر چکا ہے مگر جب کھیتی اگ چکی ہو اور اسے کاٹا نہ گیا ہو تو زمین کو نہ بیچا جائے گا۔ کیونکہ مزارع کا حق اس سے متعلق ہو چکا ہے یہاں تک کہ اگر مزارع اسے جائز قرار دے دے تو یہ عقد جائز ہو جائے گا۔

جس طرح ''الاصل'' کی روایت میں ہے۔ اسی طرف بعض علماء گئے ہیں۔ ایک روایت میں دونوں یعنی قضا اور رضا میں سے ایک شرط ہے۔ اس کو بعض علماء نے اپنایا ہے جس طرح ''ذخیرہ'' میں ہے، ''قہستانی''۔ یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر بیج اس کی جانب سے ہو۔

''مقدسی'' میں ہے: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے لیے اس کے بیج کا ضامن ہو گا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: زمین کی قیمت لگائی جائے گی جب اس میں بیج ڈالا گیا اور جب اس میں بیج نہ ڈالا گیا ہو پس بیج نے اس میں جو اضافہ کیا ہے اس کا ضامن ہو گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے نہیں بیچا جائے گا کیونکہ بیج ڈالنا یہ ہلاک کرنا نہیں ہے یہاں تک کہ وصی وغیرہ اس کا مالک ہو جائے گا۔ ''سائحانی''۔

32211۔ (قولہ: بِدَيْنٍ مُحْوِجٍ إِلَى بَيْعِهَا) اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس زمین کے سوا اس کا کوئی مال نہیں۔ ان چیزوں کا ذکر نہیں کیا جو مزارع کی جانب سے فسخ کا موجب ہوں جیسے اس کا بیمار ہو جانا اور اس کا خیانت کرنا۔ یہ اس پر اکتفا کیا ہے جس کا ذکر مساقات میں آئے گا۔ اس میں سے مزارع کا سفر کا ارادہ ہے یا اس کا دوسرے حصہ میں داخل ہونا ہے جس طرح ''النظم'' ہے۔

اور اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگر وہ کھیتی اگنے کے بعد بیچے جب کہ عذر نہ ہو تو مزارع کی اجازت پر موقوف ہو گا۔ اگر مزارع اس کی اجازت نہ دے تو عقد مزارعت فسخ نہ ہو گا یہاں تک کہ اسے کاٹ لے یا مدت گزر جائے جیسا کہ ''فضلی'' نے کہا ہے جس طرح ''قاضی خان'' میں ہے۔ ''قہستانی''۔

32212۔ (قولہ: لَكِنْ يَجِبُ أَنْ يَسْتَرْضِيَ الخ) ''ابن کمال'' نے اسی طرح کہا ہے اور میں نے اسے کسی اور کے ہاں نہیں دیکھا۔ ''الملتقی'' کی عبارت ہے: اگر عامل نے زمین میں ہل جوتا یا نہر کھودی تو عامل کے لیے کچھ نہیں۔ ''ہدایہ''، ''تبیین''، ''درر'' وغیرہا میں اسی طرح ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے سابقہ مسئلہ میں ذکر کیا ہے کہ وہ راضی کرے گا مگر یہاں ان کی نفی کو قضا پر محمول کیا جائے جس طرح شارح نے اس پر محمول کیا ہے۔ ''ملتقی'' کی عبارت اس کی شرح میں ہے۔ تامل

پھر میں نے ''النہایہ'' میں دیکھا ہے کہا: ان کا قول ولا شیء للعامل یہ صحیح ہو گا اگر بیج اس کی جانب سے ہو۔ اگر بیج زمین کے مالک کی جانب سے ہو تو عامل کے لیے اس کے عمل کی مثل اجرت ہو گی۔ کیونکہ پہلی صورت میں عامل زمین کو اجرت پر

(فَإِنْ مَضَتْ الْمُدَّةُ قَبْلَ إِدْرَاكِ الزَّرْعِ فَعَلَى الْعَامِلِ أَجْرُ مِثْلِ نَصِيبِهِ مِنْ الْأَرْضِ إِلَى إِدْرَاكِهِ) أَيْ الزَّرْعِ كَمَا فِي الْإِجَارَةِ، بِخِلَافِ مَا لَوْ مَاتَ أَحَدُهُمَا قَبْلَ إِدْرَاكِ الزَّرْعِ

اگر کھیتی پکنے سے پہلے مدت گزر جائے تو عامل پر کھیتی پکنے تک زمین کی جو اجرت مثلی ہوگی وہ لازم ہوگی جس طرح اجارہ میں ہے۔ اگر کھیتی پکنے سے پہلے دونوں میں سے ایک مر گیا تو معاملہ مختلف ہوگا۔

لینے والا ہے پس عقد زمین کی منفعت پر وارد ہونے والا ہوگا پس عامل کا عمل عقد کے بغیر باقی رہے گا اور نہ ہی شبہ عقد یہاں موجود ہے پس زمین کے مالک پر کوئی اس کی قیمت نہیں لگائی جائے گی۔

دوسری صورت میں زمین کا مالک عامل کو مزدوری پر لینے والا ہوگا پس عقد اجیر کے منافع پر وارد ہوگا۔ اور زمین کے مالک پر ان کی قیمت لگائی جائے گی اور وہ اپنے عمل کی مثلی اجرت کا اس سے مطالبہ کرے گا۔ ''ذخیرہ'' میں ''مزارعہ شیخ الاسلام'' سے اسی طرح مروی ہے۔ اس میں گہری نظر سے غور و فکر کرو۔

32213۔ (قولہ: فَإِنْ مَضَتْ الخ) زیادہ بہتر یہ ہے کہ فا کی بجائے ولو سے اسے لاتے جس طرح ''الملتقی'' وغیرہ میں ہے تا کہ فسخ کے مسئلہ پر تفریع کا وہم نہ دلائے۔

یہ جان لو کہ اس مسئلہ کے احکام کے تتمہ میں سے یہ ہے کہ کھیتی کا نفقہ دونوں پر حصہ کے مطابق ہوگا یہاں تک کہ وہ پک جائے۔ مصنف اس کا ذکر بعد میں کریں گے۔ پس ان پر یہ لازم تھا کہ وہ اپنے قول فان مضت الخ میں ان مسائل پر مؤخر کرتے جن مسائل میں اس میں اور اس کے احکام کے تتمہ میں فرق کیا ہے تا کہ ان کی کلام کا نظام مکمل ہو جائے اور ان کے مقصد کا فہم واقع ہو جائے۔

''الدرر'' اور ''غرر'' کی عبارت ہے: فصل پکنے سے پہلے مدت گزر گئی تو مزارع پر زمین کی اجرت لازم ہوگی یہاں تک کہ کھیتی پک جائے۔ کیونکہ اس نے زمین کی بعض منفعت کو حاصل کیا تا کہ فصل پکنے تک اس میں اپنے حصہ کو بڑھائے اور کھیتی کا نفقہ جیسے سیراب کرنے، حفاظت کرنے، کاٹنے، منتقل کرنے، گاہنے اور دانہ اور بھوسہ کو الگ کرنے کی اجرت دونوں پر اس کے حقوق کے برابر لازم ہوگی یہاں تک کہ وہ پک جائے اور فصل پکنے سے پہلے دونوں میں سے ایک مر جائے تو اس کے پکنے تک اسے اس جگہ چھوڑا جائے گا اور مزارع پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ یہاں ہم نے عقد اجارہ کو بطور استحسان باقی رکھا ہے۔ کیونکہ اجارہ کی مدت باقی ہے۔ پس عامل یا اس کے وارث کا اس پر استمرار جو دونوں کے ذمہ لازم تھا ممکن ہے۔ جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو مدت کے ختم ہونے کے بعد اسے باقی رکھنا ممکن نہیں۔

32214۔ (قولہ: أَجْرُ مِثْلِ نَصِيبِهِ) یعنی زمین میں سے اس کا جو حصہ بنتا ہے اس کی اجرت مثلی۔ ''ابن کمال''۔

32215۔ (قولہ: كَمَا فِي الْإِجَارَةِ) یعنی جب وہ زمین اجرت پر لے اور فصل پکنے سے پہلے مدت گزر جائے تو کھیتی زمین میں پکنے تک اجرت مثلی کے ساتھ باقی رہے گی جس طرح اس کے باب میں گزر چکا ہے۔

حَيْثُ يَكُونُ الْكُلُّ عَلَى الْعَامِلِ أَوْ وَارِثِهِ لِبَقَاءِ الْعَقْدِ اسْتِحْسَانًا كَمَا سَيَجِيءُ (دَفَعَ) رَجُلٌ (أَرْضَهُ إِلَى آخَرَ عَلَى أَنْ يَزْرَعَهَا بِنَفْسِهِ وَبَقَرِهِ وَالْبَذْرُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَالْخَارِجُ بَيْنَهُمَا كَذَلِكَ، فَعَمِلَا عَلَى هَذَا فَالْمُزَارَعَةُ فَاسِدَةٌ وَيَكُونُ الْخَارِجُ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ، وَلَيْسَ لِلْعَامِلِ عَلَى رَبِّ الْأَرْضِ أَجْرٌ لِشَرِكَتِهِ فِيهِ (وَ) الْعَامِلُ (يَجِبُ عَلَيْهِ أَجْرُ نِصْفِ الْأَرْضِ لِصَاحِبِهَا) لِفَسَادِ الْعَقْدِ (وَكَذَا لَوْ كَانَ الْبَذْرُ ثُلُثَاهُ مِنْ أَحَدِهِمَا وَثُلُثُهُ مِنْ الْآخَرِ وَالريح بَيْنَهُمَا) أَوْ (عَلَى قَدْرِ بَذْرِهِمَا) نِصْفَيْنِ فَهُوَ فَاسِدٌ أَيْضًا لِاشْتِرَاطِهِ الْإِعَارَةَ فِي الْمُزَارَعَةِ عِمَادِيَّةٌ

کیونکہ سب عامل یا اس کے وارث کے ذمہ ہوگا۔ کیونکہ استحساناً عقد باقی ہے جس طرح عنقریب آئے گا۔ ایک آدمی نے دوسرے کو اپنی زمین اس شرط پر دی کہ وہ خود اور اپنے بیل سے زمین کاشت کرے جب کہ بیج دونوں میں نصف نصف ہوگا اور پیداوار بھی دونوں میں اسی طرح تقسیم ہوگی ان دونوں نے اس پر کام کیا تو مزارعت فاسد ہوگئی اور پیداوار دونوں میں نصف نصف ہوگی اور زمین کے مالک پر عامل کے لیے کوئی اجرت نہ ہوگی کیونکہ وہ اس میں شریک ہے۔ اور عامل پر زمین کے مالک کے لیے نصف زمین کی اجرت واجب ہوگی کیونکہ عقد فاسد ہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر بیج کا دو تہائی دونوں میں سے ایک کی جانب سے اور اس کا ایک تہائی دوسرے کی جانب سے ہو اور حاصل دونوں کے درمیان برابر ہو یا ان کے بیج کی مقدار کے حساب سے ہو تو یہ بھی فاسد ہوگا کیونکہ وہ مزارعہ میں اعارہ کی شرط لگا رہا ہے۔ ''عمادیہ''۔

32216۔(قولہ: حَيْثُ يَكُونُ الْكُلُّ) یعنی سیراب کرنے اور حفاظت کرنے کی اجرت آخر تک جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ''ہدایہ'' کی عبارت ہے: حیث یکون العمل۔

32217۔(قولہ: عَلَى أَنْ يَزْرَعَهَا) یعنی دوسرا اسے کاشت کرے۔ اس کے بعد دونوں ضمیریں اسی طرح ہیں۔

32218۔(قولہ: فَالْمُزَارَعَةُ فَاسِدَةٌ) کیونکہ عنقریب ذکر کریں گے کہ یہ اجارہ کی شرط میں سے ہے۔

32219۔(قولہ: وَيَكُونُ الْخَارِجُ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ) یہ بیج کی تبع میں ہے۔

32220۔(قولہ: أَجْرُ نِصْفِ الْأَرْضِ لِصَاحِبِهَا) اگر زمین بیت المال کی ہو تو اس کا جو حصہ بنتا ہے وہ اسے دے دیا جائے گا۔ پھر باقی ماندہ دونوں میں نصف نصف تقسیم کر دیا جائے گا یہ واقعۃ الحال ہے۔ ''رملی علی جامع الفصولین''۔

32221۔(قولہ: لِفَسَادِ الْعَقْدِ) اس نے فاسد عقد کے ساتھ نصف زمین کے منافع حاصل کیے ہیں پس اس کا اجر واجب ہوگا۔

32222۔(قولہ: وَالريح) یہ لفظ را کے فتحہ اور یا کے سکون کے ساتھ ہے یعنی فضل اور زیادتی۔ مراد پیداوار ہے۔

32223۔(قولہ: لِاشْتِرَاطِهِ الْإِعَارَةَ فِي الْمُزَارَعَةِ) یعنی کچھ زمین عامل کو عاریۃً دے رہا ہے۔

''الخانیہ'' میں کہا ہے: کیونکہ زمین کا مالک عامل کو یہ کہنے والا ہو جاتا ہے: میری زمین میرے بیج کے ساتھ کاشت کر لو اس

(وَ) اعْلَمْ أَنَّ (نَفَقَةَ الزَّرْعِ) مُطْلَقًا بَعْدَ مُضِيِّ مُدَّةِ الْمُزَارَعَةِ (عَلَيْهِمَا بِقَدْرِ الْحِصَصِ) وَأَمَّا قَبْلَ مُضِيِّهَا فَكُلُّ عَمَلٍ قَبْلَ انْتِهَاءِ الزَّرْعِ كَنَفَقَةِ بَذْرٍ وَمُؤْنَةِ حِفْظٍ وَكَرْيِ نَهْرٍ عَلَى الْعَامِلِ وَلَوْ بِلَا شَرْطٍ، فَإِذَا تَنَاهَى بَقِيَ مَالًا مُشْتَرَكًا بَيْنَهُمَا،

یہ جان لو کہ کھیتی کا نفقہ مطلقاً مزارعت کی مدت گزر جانے کے بعد دونوں پر حصص کی مقدار کے مطابق ہوگا۔ جہاں تک مدت کے گزرنے سے پہلے کا تعلق ہے تو ہر عمل جو کھیتی کے پکنے سے پہلے ہے جیسے بیج کا نفقہ، حفاظت کی مؤنت اور نہر کی کھدائی ہر عامل کے ذمہ ہے اگرچہ شرط کے بغیر ہو۔ جب وہ پک جائے تو وہ بطور مشترک مال باقی رہے گا۔

شرط پر کہ تمام پیداوار میرے لیے ہوگی اور اسے اپنے بیج کے ساتھ کاشت کر اس شرط کے ساتھ کہ تمام پیداوار تیرے لیے ہو گی تو مزارعت فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ ایسا عقد مزارعت ہے جو تمام پیداوار کے بدلے میں ہے اس شرط کے ساتھ کہ نصف زمین عامل کو عاریۃً دے رہا ہے۔ اس طرح اگر دونوں تہائی تہائی کی شرط لگائیں پہلے خارج میں مراد وہ پیداوار ہے جو زمین کے مالک کے بیج میں سے ہو اور دوسرے خارج سے مراد جو عامل کے بیج سے ہو۔ پھر ''الخانیہ'' میں کہا ہے: جب مزارعت فاسد ہو جائے تو پیداوار دونوں کے درمیان ان دونوں کے بیج کی مقدار کے حساب سے ہوگی۔ اور زمین کے مالک نے جو لیا وہ صحیح سالم ہے۔ کیونکہ یہ اس کی زمین میں اس کی مملوکہ چیز کی بڑھوتری ہے۔ اور عامل کے لیے اس کے بیج کی مقدار کے برابر حلال و پاکیزہ ہے۔ اور وہ نصف زمین کی اجرت کی مقدار منہا کرے گا اور اس نے جو خرچ کیا ہے اسے بھی منہا کرے گا اور زائد صدقہ کر دے گا۔ کیونکہ اسے یہ عقد فاسد کے ساتھ غیر کی زمین سے حاصل ہوا ہے۔ اگر زمین ان دونوں میں سے ایک کی ہو اور بیج دونوں کی جانب سے ہو اور دونوں پر عمل کی شرط لگائیں اس شرط پر کہ پیداوار نصف نصف ہوگی تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ دونوں عامل نصف زمین میں بیج کے بدلے کام کر رہے ہیں۔ پس یہ اعادہ ہوگا وہ عمل کی شرط سے کام نہیں کر رہے۔ پہلی صورت کا معاملہ مختلف ہے۔ یعنی یہ مزارعت نہیں ہے یہاں تک کہ یہ کہا جائے کہ اس میں اعارہ کی شرط لگائی گئی ہے جس طرح ''فصولین'' میں اسے بیان کیا ہے۔ ان مسائل کی مکمل وضاحت ''الخانیہ'' میں ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

32224۔ (قولہ: مُطْلَقًا) خواہ فصل پکنے سے پہلے یا اس کے بعد اس کی ضرورت ہو۔ ''ح''۔

32225۔ (قولہ: بَعْدَ مُضِيِّ مُدَّةِ الْمُزَارَعَةِ) جس امر نے اس تقیید کی طرف انہیں مجبور کیا ہے وہ مصنف کا اس میں اور اپنے اس قول فان مضت المدۃ میں فصل کرنا ہے۔ اگر وہ اسے اس کے ساتھ ملا دیتے جس طرح دوسرے علماء نے کیا ہے تو اس کی ضرورت نہ ہوتی۔

32226۔ (قولہ: عَلَيْهِمَا) کیونکہ یہ عامل کے ذمہ ہے کیونکہ عقد باقی ہے۔ کیونکہ وہ مدت میں مستاجر ہے جب مدت گزر گئی تو عقد ختم ہو گیا تو دونوں پر ان کی ملکیت کی مقدار کے مؤنت واجب ہوگی۔ کیونکہ یہ دونوں میں مشترک ہے۔ ''منح''۔

32227۔ (قولہ: كَنَفَقَةِ بَذْرٍ) زمین میں بیج بونے اور جہاں اسے ڈالنا ہے اس تک اٹھا لے جانے کی اجرت۔ ''ط''۔

فَتَجِبُ عَلَيْهِمَا مُؤْنَتُهُ كَحَصَادٍ وَدِيَاسٍ، كَذَا حَرَّرَهُ الْمُصَنِّفُ، وَحُمِلَ عَلَيْهِ أَصْلُ صَدْرِ الشَّرِيعَةِ فَلْيُحْفَظْ (فَإِنْ شَرَطَاهُ عَلَى الْعَامِلِ فَسَدَتْ) كَمَا لَوْ شَرَطَاهُ عَلَى رَبِّ الْأَرْضِ (بِخِلَافِ مَا لَوْ مَاتَ رَبُّ الْأَرْضِ وَالزَّرْعِ بَقْلٌ) فَإِنَّ الْعَمَلَ فِيهِ جَمِيعًا عَلَى الْعَامِلِ أَوْ وَارِثِهِ) لِبَقَاءِ مُدَّةِ الْعَقْدِ وَالْعَقْدُ يُوجِبُ عَلَى الْعَامِلِ عَمَلًا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ إِلَى انْتِهَاءِ الزَّرْعِ

پس اس کی مؤنت اس کے ذمہ باقی رہے گی جیسے فصل کاٹنا اور اس کا گاہنا۔ مصنف نے اس کی وضاحت کی ہے اور ''صدر الشریعہ'' کے قاعدہ کو اس پر محمول کیا گیا ہے پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ اگر دونوں عامل پر اس کی شرط لگائیں تو مزارعت فاسد ہو جائے گی جس طرح اگر وہ دونوں زمین کے مالک پر اس کی شرط لگائیں۔ یہ صورت مختلف ہو گی اگر زمین کا مالک مر جائے اور کھیتی سبزیاں ہوں تو اس میں تمام عمل عامل پر یا اس کے وارث پر ہو گا۔ کیونکہ عقد کی مدت باقی ہے اور عقد عامل پر ایسا عمل واجب کرتا ہے جس کی ضرورت ہو یہاں تک کہ کھیتی اپنی انتہا کو پہنچ جائے

32228۔ (قولہ: كَحَصَادٍ) یہ لفظ حا کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے۔ اسی طرح رفاع کا لفظ ہے اس سے مراد جہاں فصل اگائی جاتی ہے وہاں اسے جمع کرنا ہے یہ ایسی جگہ ہے جسے جرن بیدر کہتے ہیں۔ ''سائحانی''۔

32229۔ (قولہ: وَحُمِلَ عَلَيْهِ أَصْلُ صَدْرِ الشَّرِيعَةِ) کیونکہ کہا: اس سے تیرے لیے ''صدر شریعہ'' کا قول منکشف ہو جاتا ہے۔ فالحاصل ان کل عمل قبل الادراك فھو علی العامل (حاصل کلام یہ ہے کہ فصل پکنے سے پہلے ہر عمل عامل کے ذمہ ہے) یہ اس پر محمول ہو گا جب مزارعت کی مدت گزرنے سے پہلے ہوتا کہ عقد کے باقی رہنے کا تصور اور عامل پر عمل کے استحقاق کا تصور باقی رہے۔ کیونکہ جب مدت گزر جائے تو کوئی عقد نہیں ہو گا اور نہ ہی استحقاق ہو گا۔

32230۔ (قولہ: فَإِنْ شَرَطَاهُ) ضمیر زرع کے نفقہ کی طرف راجع ہے مطلقاً نہیں بلکہ اس نفقہ کی طرف جس کی انتہا کے بعد ضرورت نہیں۔ کلام میں استخدام کا شبہ ہے۔ ''ح''۔

32231۔ (قولہ: فَسَدَتْ) یہ ظاہر روایت ہے جس طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔ اس کے برعکس کی تصحیح آگے آئے گی۔

اگر زمین کا مالک مر جائے اور کھیتی سبزیاں ہوں تو اس کا حکم

32232۔ (قولہ: بِخِلَافِ) یہ ان کے قول و نفقه الذرع علیهما بالحصص کے متعلق ہے۔ ''ح''۔

32233۔ (قولہ: أَوْ وَارِثِهِ) یہ اس صورت میں ہے اگر میت عامل ہو۔ عنقریب فروع میں ''الملتقی'' سے مروی آئے گا یا میت دونوں میں سے کوئی ایک ہو۔ تامل

32234۔ (قولہ: لِبَقَاءِ مُدَّةِ الْعَقْدِ) یعنی عقد بطور استحسان باقی ہو گا۔ پس زمین کے لیے اس پر کوئی اجر نہیں ہو گا لیکن جو سال باقی ہیں ان میں عقد ٹوٹ جائے گا جس طرح ''الخانیہ'' وغیرہا میں ہے۔ کیونکہ ضرورت نہیں۔

''تاتر خانیہ'' میں کہا ہے: یہ حکم اس صورت میں ہے جب مزارع کہے: میں کھیتی کو نہیں اکھیڑوں گا۔ اگر وہ کہے: میں کھیتی

كَمَا مَرَّ، وَلَوْ مَاتَ قَبْلَ الْبَذْرِ بَطَلَتْ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِكِرَابِهِ كَمَا مَرَّ، وَكَذَا لَوْ فُسِخَتْ بِدَيْنٍ مُحْوِجٍ مُجْتَبَى

جس طرح اگر بیج بونے سے پہلے وہ مرجائے تو مزارعت باطل ہو جائے گی اور اس کے ہل چلانے کی وجہ سے کوئی شے لازم نہ ہو گی جس طرح گزر چکا ہے اسی طرح کا حکم ہوگا اگر ایسے دین کی وجہ سے اسے فسخ کر دیا جائے جو اس پر مجبور کر دے۔ ''مجتبیٰ''۔

اکھیڑ دیتا ہوں تو عقد اجارہ باقی نہیں رہے گا جب اس نے فصل اکھیڑنے کو اختیار کیا تو زمین کے مالک کے ورثا کو تین خیار حاصل ہوں گے: اگر وہ چاہیں تو اکھیڑ دیں اور کھیتی ان کے درمیان ہوگی یا قاضی کے حکم سے اس پر خرچ کریں تا کہ وہ مزارع سے وہ تمام اخراجات لے لیں جو حصہ کے ساتھ مقدر ہیں یا مزارع کے حصہ کی چٹی بھر لیں اور کھیتی ان کے لیے ہوگی۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب زمین کا مالک زراعت کے بعد مرجائے۔ اگر زراعت سے پہلے مرجائے جب کہ مزارع زمین میں عمل کر چکا ہو تو مزارعت ٹوٹ جائے گی اور اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ اگر زراعت کے بعد نبات سے پہلے مرجائے تو عقد ٹوٹ جانے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اگر مزارع مرجائے اور کھیتی سبزی ہو اگر اس کے وارث اس کے اکھیڑ لینے کا ارادہ کریں تو انہیں عمل پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اور زمین کے مالک کو تینوں خیار ہوں گے۔ ملخص

''ذخیرہ'' میں ہے: زمین دینے والے کی موت جب کہ کھیتی سبزیاں ہوں اور مدت کے ختم ہونے کے درمیان فرق کیا ہے۔ اسی طرح زمین دینے والے کے وارث دوسری صورت میں نصف قیمت کا مطالبہ کریں گے جب کہ وہ حصہ کے ساتھ مقدر ہے۔ کیونکہ مدت ختم ہونے کے بعد نفقہ دونوں کے ذمہ نصف نصف ہوتا ہے اور موت کی صورت میں صرف عامل کے ذمہ ہوتا ہے۔ کیونکہ عقد باقی ہے۔ ایک اور وجہ سے فرق کیا ہے وہ یہ ہے کہ زمین دینے والے اگر کھیتی میں سے عاقل کے حصہ کی چٹی بھریں تو وہ چٹی بھریں گے اس فصل کی جو اکھیڑی نہیں گئی۔ کیونکہ اسے قرار اور ترک کا حق ہے۔ کیونکہ عقد مزارعت قائم ہے اور مدت کے ختم ہونے کی صورت میں وہ اس فصل کی چٹی بھریں گے جب کہ وہ اکھیڑی گئی ہو۔

ان شاءاللہ کتاب المساقاۃ میں مزید وضاحت آگے آئے گی۔

32235۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی ان کا قول واما قبل مضیها الخ۔

32236۔ (قولہ: لَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِكِرَابِهِ) جو قول گزر چکا ہے ''یعنی اگر زمین کا مالک اسی عقد کو جاری رکھنے سے رک جائے جب کہ عامل نے زمین میں ہل چلایا تھا تو مالک اسے راضی کرے یہ بطور دیانت ہے'' یہ اس کے خلاف ہے۔ ''زیلعی'' نے کہا: کیونکہ عامل کو زمین کے مالک کی جانب سے دھوکہ ہوا ہے کیونکہ وہ اپنے اختیار سے رکا ہے اور یہ صورت یہاں موجود نہیں کیونکہ مدت اختیار کے بغیر آجاتی ہے۔

32237۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) میں نے اس کی سابقہ کلام میں ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی جو اس کو بیان کر رہی ہو۔

32238۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ فُسِخَتْ بِدَيْنٍ مُحْوِجٍ) یعنی عامل کو حق حاصل نہیں کہ اس سے کسی شے کا مطالبہ کرے، ''زیلعی''۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اسے یہ امر دیانۃً نہیں کیا جائے گا کہ اسے راضی کرے۔ یہ اس کے برعکس ہے جسے مصنف

(وَصَحَّ اشْتِرَاطُ الْعَمَلِ) كَحَصَادٍ وَدِيَاسٍ وَنَسْفٍ عَلَى الْعَامِلِ (عِنْدَ الثَّانِي لِلتَّعَامُلِ وَهُوَ الْأَصَحُّ) وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى مُلْتَقَى (الْغَلَّةُ فِي الْمُزَارَعَةِ مُطْلَقًا) وَلَوْ فَاسِدَةً (أَمَانَةٌ فِي يَدِ الْمُزَارِعِ) ثُمَّ فَرَّعَ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ (فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ لَوْ هَلَكَتْ) الْغَلَّةُ فِي يَدِهِ بِلَا صُنْعِهِ، فَلَا تَصِحُّ الْكَفَالَةُ بِهَا؛ نَعَمْ لَوْ كَفَلَهُ بِحِصَّتِهِ

عمل جیسے فصل کاٹنے، اسے گاہنے اور اسے صاف کرنے کی عامل پر شرط لگانا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح ہے۔ کیونکہ تعامل پایا جا رہا ہے۔ یہی قول اصح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ ''ملتقی''۔ مطلق مزارعت میں اگرچہ مزارعت فاسد ہو مزارع کے قبضہ میں غلہ امانت ہوتا ہے پھر اس پر اپنے اس قول سے تفریع کا ذکر کیا ہے۔ اگر اس کے عمل کے بغیر غلہ اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا تو اس پر کوئی ضمان نہ ہوگی پس اس غلہ کی ضمانت صحیح نہ ہوگی۔ ہاں اگر اپنے حصہ کی ضمانت اٹھائی

نے پہلے بیان کیا ہے اور ہم اس پر کلام پہلے کر چکے ہیں۔

عمل (فصل کاٹنا، گاہنا اور صاف کرنا وغیرہ) کی عامل پر شرط لگانا صحیح ہے

32239۔ (قولہ: وَصَحَّ اشْتِرَاطُ الْعَمَلِ) یعنی اس عمل کی شرط لگانا جس کی مدت کے ختم ہونے کے بعد ضرورت ہو یہ اس ظاہر روایت کے مقابل ہے جسے پہلے بیان کیا ہے۔

32240۔ (قولہ: وَنَسْفٍ) اس سے مراد بھوسہ سے دانے الگ کرنا ہے اسے تذریہ کہتے ہیں، ''سائحانی''۔

32241۔ (قولہ: لِلتَّعَامُلِ) پس یہ استصناع کی طرح ہو گیا، ''در منتقی''۔ ''خانیہ'' میں کہا: لیکن اگر شرط نہ لگائے تو یہ دونوں پر لازم ہوگا۔ جس طرح اگر وہ شہر میں لکڑیاں خریدے تو بائع پر یہ لازم نہیں کہ مشتری کے گھر تک پہنچائے۔ جب اس پر شرط لگائے تو عرف کی وجہ سے یہ عمل لازم ہو جائے گا۔ اگر معاملہ میں فصل کاٹنے کی شرط عامل پر لگائے تو سب کے نزدیک یہ شرط فاسد ہوگی کیونکہ عرف نہیں۔ ''نصر بن یحییٰ'' اور ''محمد بن سلمہ'' سے مروی ہے یہ سب عامل کے ذمہ ہے اس پر شرط لگائے یا شرط نہ لگائے یہ عرف کی وجہ سے ہے۔ ''سرخسی'' نے کہا: ہمارے علاقہ میں یہ بھی صحیح ہے۔ اگر دونوں اس میں سے کسی شے کی زمین کے مالک پر شرط لگائیں تو سب کے نزدیک عقد فاسد ہو جائے گا کیونکہ عرف نہیں۔

32242۔ (قولہ: وَلَوْ فَاسِدَةً) یہ اطلاق کا بیان ہے۔

32243۔ (قولہ: فَلَا تَصِحُّ الْكَفَالَةُ بِهَا) یعنی ان میں سے زمین کے حصہ کی کفالت صحیح نہیں تو کفیل اس چیز کا ضامن نہیں ہوگا جو عامل کے پاس اس کے عمل کے بغیر ہلاک ہو گیا خواہ بیج زمین کے مالک کی طرف سے ہو یا عامل کی جانب سے ہو کیونکہ اس کا حصہ مزارع کے نزدیک امانت ہے۔ اگر اس میں کفالت شرط ہو تو معاملہ کی طرح مزارعت فاسد ہو جائے گی۔ ''خانیہ''۔

32244۔ (قولہ: نَعَمْ لَوْ كَفَلَهُ) مالک کی جانب سے اس کے حصہ کی ضمانت اٹھائی۔

إِنْ اسْتَهْلَكَهَا صَحَّتْ الْمُزَارَعَةُ وَالْكَفَالَةُ إِنْ لَمْ تَكُنْ عَلَى وَجْهِ الشَّرْطِ وَإِلَّا فَسَدَتْ الْمُزَارَعَةُ خَانِيَّةٌ (وَمِثْلُهُ) فِي الْحُكْمِ (الْمُعَامَلَةُ) أَيْ الْمُسَاقَاةُ، فَإِنَّ حِصَّةَ الدِّهْقَانِ فِي يَدِ الْعَامِلِ أَمَانَةٌ (وَإِذَا قَصَّرَ الْمُزَارِعُ فِي سَقْيِ الْأَرْضِ حَتَّى هَلَكَ الزَّرْعُ بِهَذَا السَّبَبِ (لَمْ يَضْمَنْ) الْمُزَارِعُ (فِي) الْمُزَارَعَةِ (الْفَاسِدَةِ، وَيَضْمَنُ فِي الصَّحِيحَةِ) لِوُجُوبِ الْعَمَلِ عَلَيْهِ فِيهَا كَمَا مَرَّ؛ وَهِيَ فِي يَدِهِ أَمَانَةٌ فَيَضْمَنُ بِالتَّقْصِيرِ فِي السِّرَاجِيَّةِ أَكَّارٌ تَرَكَ السَّقْيَ عَمْدًا حَتَّى يَبِسَ ضَمِنَ وَقْتَ مَا تَرَكَ السَّقْيَ قِيمَتَهُ نَابِتًا فِي الْأَرْضِ،

اگرا سے جان بوجھ کر ہلاک کر دے تو مزارعت اور کفالت صحیح ہوگی اگر وہ شرط کے طریقہ پر نہ ہو ورنہ مزارعت فاسد ہو جائے گی، ''خانیہ''۔ حکم میں اسی کی مثل معاملہ یعنی مساقات ہے۔ کیونکہ عامل کے قبضہ میں دہقان کا حصہ امانت ہوتا ہے۔ اگر مزارع نے زمین سیراب کرنے میں کوتاہی کی یہاں تک کہ اس سبب سے کھیتی ہلاک ہوگئی تو مزارعت فاسد میں مزارع ضامن نہیں ہوگا اور مزارعت صحیح میں ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس میں اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے جس طرح گزر چکا ہے یہ اس کے ہاتھ میں امانت ہوگا پس کوتاہی کرنے کی وجہ سے ضامن ہوگا۔ ''سراجیہ'' میں ہے: مزارع نے جان بوجھ کر سیراب کرنا ترک کیا یہاں تک کہ کھیتی خشک ہوگئی تو وہ اس وقت کی قیمت کا ضامن ہوگا جس وقت اس نے سیراب کرنا ترک کیا تھا جب کہ وہ زمین میں اگی ہوئی ہو۔

32245۔ (قولہ: إِنْ اسْتَهْلَكَهَا) یہ کفل کی شرط ہے یہ صحت کی شرط نہیں۔

32246۔ (قولہ: صَحَّتْ الْمُزَارَعَةُ وَالْكَفَالَةُ) کیونکہ کفالت ضمان کے وجوب کے سبب کی طرف منسوب ہے وہ جان بوجھ کر ہلاک کرنا ہے۔ ''خانیہ''۔

32247۔ (قولہ: وَإِلَّا) اس کی صورت یہ ہے کہ یہ شرط کے طریقہ پر ہو تو مزارعت فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ جان بوجھ کر ہلاک کرنے کا تعلق عقد مزارعہ سے ثابت نہیں ہوتا پس مزارعت فاسد ہو جائے گی جس طرح جو مشتری کی جانب سے بائع کے لیے اس چیز کی ضمانت اٹھائے جو مشتری پر واجب ہوتی ہے نہ کہ عقد بیع کی ضمانت اٹھائے ''خانیہ''۔ فساد کو مزارعت کے ساتھ خاص کرنا یہ اس امر کا فہم دلاتا ہے کہ کفالت صحیح ہے۔ کیونکہ منافات نہیں۔ یہ اس میں ہے جو میرے لیے ظاہر ہوا پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔ پھر میں نے ''تاتر خانیہ'' میں ''المحیط'' سے یہ قول صریح دیکھا۔

32248۔ (قولہ: بِهَذَا السَّبَبِ) سبب سے مراد کوتاہی ہے۔

32249۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی ان کے قول واما قبل مضیها الخ میں گزر چکا ہے۔

32250۔ (قولہ: وَهِيَ) ضمیر سے مراد دوسرے کا حصہ ہے یہ مقام کا قرینہ ہے۔ کیونکہ تمام کھیتی اس کے قبضہ میں امانت نہیں کیونکہ اس کا بعض اس کے لیے ہے۔ فافہم

32251۔ (قولہ: فِي السِّرَاجِيَّةِ) اس قول کے نقل کرنے کا مقصود مضمون کی وضاحت ہے۔

وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لِلزَّرْعِ قِيمَةٌ قُوِّمَتْ الْأَرْضُ مَزْرُوعَةً وَغَيْرَ مَزْرُوعَةٍ فَيَضْمَنُ فَضْلَ مَا بَيْنَهُمَا فُرُوعٌ أَخَّرَ الْأَكَّارُ السَّقْيَ، إنْ تَأْخِيرًا مُعْتَادًا لَا يَضْمَنُ وَإِلَّا ضَمِنَ شَرَطَ عَلَيْهِ الْحَصَادَ فَتَغَافَلَ حَتَّى هَلَكَ ضَمِنَ إلَّا أَنْ يُؤَخِّرَ تَأْخِيرًا مُعْتَادًا تَرَكَ حِفْظَ الزَّرْعِ حَتَّى أَكَلَهُ الدَّوَابُّ ضَمِنَ، وَإِنْ لَمْ يَرُدَّ الْجَرَادَ حَتَّى أَكَلَهُ كُلَّهُ، إنْ أَمْكَنَ طَرْدُهُ ضَمِنَ وَإِلَّا لَا بَزَّازِيَّةٌ زَرَعَ أَرْضَ رَجُلٍ بِلَا أَمْرِهِ طَالَبَهُ بِحِصَّةِ الْأَرْضِ، فَإِنْ كَانَ الْعُرْفُ جَرَى فِي تِلْكَ الْقَرْيَةِ بِالنِّصْفِ أَوْ بِالثُّلُثِ وَنَحْوِهِ وَجَبَ ذَلِكَ حَرْثٌ بَيْنَ رَجُلَيْنِ

اگر کھیتی کی قیمت نہ ہوتو مزروعہ زمین اور غیر مزروعہ زمین کی قیمت لگائی جائے گی تو دونوں میں جو زیادتی ہوگی اس کا ضامن ہو گا۔فروع: مزارع نے سیراب کرنے کو مؤخر کیا اگر ایسی تاخیر ہو جو معتاد ہے تو ضامن نہیں ہوگا ورنہ ضامن ہوگا۔اس پر فصل کاٹنے کی شرط لگائی تو مزارع نے غفلت کا اظہار کیا یہاں تک کہ فصل ہلاک ہوگئی تو ضامن ہوگا مگر جب وہ معتاد تاخیر کرے۔ اس نے کھیتی کی حفاظت کو ترک کیا یہاں تک کہ چوپائے کھا گئے تو ضامن ہوگا۔اگر اس نے ٹڈی دل کو نہ روکا یہاں تک کہ وہ سب فصل کھا گئی اگر اس کو روکنا ممکن ہوتو ضامن ہوگا ورنہ نہیں۔''بزازیہ''۔ایک آدمی نے کسی کی زمین اس کے امر کے بغیر کاشت کی تو وہ اس سے زمین کے حصہ کا مطالبہ کرے اگر اس بستی میں نصف یا تہائی وغیرہ کا عرف جاری ہو تو وہ اس پر واجب ہو جائے گا۔ایک کھیتی دو آدمیوں میں مشترک ہے

32252۔(قولہ: فَيَضْمَنُ فَضْلَ مَا بَيْنَهُمَا) یعنی جو زیادتی ہے اس کا نصف جس طرح ''خانیہ'' میں ہے۔

32253۔(قولہ: لَا يَضْمَنُ) کیونکہ یہ کوتاہی نہیں۔

32254۔(قولہ: إلَّا ضَمِنَ) یعنی اگر مزارعت صحیح ہو جس طرح قول گزر چکا ہے۔

32255۔(قولہ: شَرَطَ عَلَيْهِ الْحَصَادَ الخ) یہ اصح قول پر مبنی ہے کہ اس پر شرط لگانا صحیح ہے۔

32256۔(قولہ: تَرَكَ حِفْظَ الزَّرْعِ الخ) یہ حکم اس صورت میں ہے جب کھیتی پکی ہوئی نہ ہو مگر جب فصل پک جائے تو حفاظت ترک کرنے کی وجہ سے مزارع پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔''ہندیہ'' میں ''ذخیرہ'' سے مروی ہے۔عنقریب آئے گا کہ یہ عامل پر لازم ہے کیونکہ یہی عرف ہے۔''ط''۔

32257۔(قولہ: حَتَّى أَكَلَهُ كُلَّهُ) کل کی قید لگانا اتفاقی ہے اس میں جو ظاہر ہے۔''ط''۔

32258۔(قولہ: زَرَعَ أَرْضَ رَجُلٍ) ہم نے کتاب الغصب میں اس پر مفصل کلام کر دی ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

دو آدمیوں میں ایک کھیتی مشترک ہو ان میں سے ایک سیراب سے انکار کرے تو اس کا حکم

32259۔(قولہ: حَرْثٌ) یعنی کھیتی،''قاموس''۔اس کا قول بين رجلين یعنی ان دو افراد میں مشترک ہے نہ کہ مزارعت کی وجہ سے ہے۔کیونکہ مزارع ضامن ہوتا ہے جب قاضی کے سامنے پیش کیے بغیر وہ کوتاہی کرے جس طرح پہلے

أَبَى أَحَدُهُمَا أَنْ يَسْقِيَهُ أُجْبِرَ، فَلَوْ فَسَدَ قَبْلَ رَفْعِهِ لِلْحَاكِمِ لَا ضَمَانَ عَلَيْهِ، وَإِنْ رَفَعَ إِلَى الْقَاضِي وَأَمَرَهُ بِذَلِكَ، ثُمَّ امْتَنَعَ ضَمِنَ جَوَاهِرُ الْفَتَاوَى شَرَطَ الْبَذْرَ عَلَى الْمُزَارِعِ ثُمَّ زَرَعَهَا رَبُّ الْأَرْضِ، إِنْ عَلَى وَجْهِ الْإِعَانَةِ فَمُزَارَعَةٌ وَإِلَّا فَنَقْضٌ لَهَا

دونوں میں سے ایک نے انکار کیا کہ اسے سیراب کرے تو اسے مجبور کیا جائے گا۔ اگر حاکم کے سامنے پیش کرنے سے پہلے ہی وہ فاسد ہو جائے تو کوئی ضمانت نہیں۔ اگر قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کیا تھا اور قاضی نے اس کا حکم دیا پھر وہ رک گیا تو ضامن ہوگا۔ ''جواہر الفتاویٰ''۔ مزارع پر بیج ڈالنے کی شرط لگائی پھر زمین کے مالک نے اسے کاشت کیا اگر اعانت کے طریقہ پر ہو تو یہ مزارعت ہے ورنہ یہ مزارعت کو توڑ دینا ہے۔

ذکر کر دیا ہے۔ اور جسے یہاں ذکر کیا ہے اسے ''جامع الفصولین'' میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ''تاتر خانیہ'' میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔

32260۔ (قولہ: أَبَى أَحَدُهُمَا) یعنی جب دوسرے نے اس سے اس کے ساتھ زمین سیراب کرنے کا مطالبہ کیا تو وہ سیراب کرنے سے رک گیا۔

32261۔ (قولہ: أُجْبِرَ) یعنی حاکم اسے مجبور کرے۔ یہ ان دو قولوں میں سے ایک ہے جن دونوں کو ہم نے کتاب القسمۃ کے آخر میں ''الخلاصہ'' سے نقل کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے: اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اور طالب سے کہا جائے گا: اسے سیراب کر اور خرچ کر پھر تو نے جو خرچ کیا اس کے نصف کا مطالبہ کرے۔ ''تاتر خانیہ'' میں ''جامع الفصولین'' سے دوسرا قول نقل کیا گیا ہے جب کہ صرف اسی پر اکتفا کیا ہے۔

32262۔ (قولہ: وَإِنْ رَفَعَ إِلَى الْقَاضِي الخ) ضمان کی وجہ یہ ہے کہ قاضی کے حکم سے اس پر وجوب متحقق ہو گیا ہے۔ جس طرح اس مالک پر گواہیاں قائم کرنا جس کی دیوار جھکی ہوئی ہو جب وہ اس کے بعد رکا رہے اور کھیتی فاسد ہو جائے تو تعدی کرنے والا ہو جائے گا پس وہ اپنے شریک کے حصہ کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ کھیتی ان کے درمیان مشترک ہے اس کے شریک کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اس میں سے اپنے حصہ کو سیراب کرے۔ اور تمام کھیتی کو اکیلے سیراب کرنا اس پر لازم نہیں اور جبر کرتے ہوئے اسے تقسیم کرنا ممکن نہیں اور نہ ہی باہمی رضامندی سے اسے تقسیم کرنا ممکن ہے جب تک وہ اکھیڑنے پر متفق نہ ہوں۔ جس طرح ہم نے اسے پہلے کتاب القسمۃ میں بیان کر دیا ہے۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔ فافہم

32263۔ (قولہ: شَرَطَ الْبَذْرَ الخ) ''جامع الفصولین'' میں اس نوع کے مسائل کو ذکر کیا پھر کہا: حاصل یہ ہے اگر بیج زمین کے مالک کا ہو یا مزارع کا ہو اور دونوں میں سے ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر اسے کاشت کرے اور کھیتی اگ آئے یا ابھی نہ اگی ہو یہاں تک کہ دوسرا اجازت کے بغیر اس کی نگہبانی کرے یہاں تک کہ فصل پک جائے تو تمام صورتوں میں پیداوار دونوں میں مشترک ہوگی۔ مگر ایک صورت میں مشترک نہ ہوگی وہ یہ ہے کہ بیج زمین کے مالک کا ہے اور زمین کے مالک نے مزارع کی اجازت کے بغیر اسے کاشت کیا اور کھیتی اگ آئی پھر مزارع نے اس کی نگہبانی کی تو تمام پیداوار

دَفَعَ الْأَرْضَ الْمُسْتَأْجَرَةَ مِنَ الْآجِرِ مُزَارَعَةً جَازَ، إنِ الْبَذْرُ مِنَ الْمُسْتَأْجِرِ وَمُعَامَلَةٌ لَمْ يَجُزْ اسْتَأْجَرَ أَرْضًا، ثُمَّ اسْتَأْجَرَ صَاحِبَهَا لِيَعْمَلَ فِيهَا جَازَ، الْكُلُّ مِنْ مِنَحِ الْمُصَنِّفِ قُلْتُ وَفِيهِ فِي آخِرِ بَابِ جِنَايَةِ الْبَهِيمَةِ مَعْزِيًّا لِلْخُلَاصَةِ بُسْتَانِيٌّ ضَيَّعَ أَمْرَ الْبُسْتَانِ وَغَفَلَ حَتَّى دَخَلَ الْمَاءُ وَتَلِفَتْ الْكُرُومُ وَالْحِيطَانُ، قَالَ يَضْمَنُ الْكُرُومَ لَا الْحِيطَانَ،

اجرت پر لی ہوئی زمین آجر کو مزارعت پر دی تو یہ جائز ہوگا اگر بیج مستاجر کی جانب سے ہو اگر معاملہ پر دی تو یہ جائز نہیں۔ ایک آدمی نے زمین اجرت پر لی پھر اس کے مالک کو اجرت پر رکھ لیا تا کہ اس میں عمل کرے تو یہ جائز ہوگا یہ سب مصنف کی شرح ''منح'' سے لیا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں: اس میں باب جنایۃ البہیمۃ کے آخر میں ہے جب کہ ''خلاصہ'' کی طرف منسوب ہے۔ بستانی (مساقات پر کام کرنے والا) باغ کے معاملہ کو خراب کر دیتا ہے اور اس سے غافل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ پانی داخل ہو گیا اور انگور کی بیلیں اور دیواریں تلف ہو گئیں کہا: وہ انگور کی بیلوں کا ضامن ہوگا دیواروں کا ضامن نہیں ہوگا زمین کے مالک کی ہوگی۔

32264۔(قولہ: مِنَ الْآجِرِ) یہ جیم کے ساتھ ہے یعنی مؤجر یہ دفع کے متعلق ہے۔

32265۔(قولہ: جَازَ إنِ الْبَذْرُ مِنَ الْمُسْتَأْجِرِ) کیونکہ اگر بیج مؤجر کی جانب سے ہو جب کہ زمین اس کی ہو اور عمل اس کی جانب سے تو دوسرے کی کوئی شے باقی نہ رہی پس مزارعت کا مفہوم منتفی ہو جائے گا۔ ''ح''۔

میں کہتا ہوں: یہ تفصیل قول معتمد کے خلاف ہے۔ اسے ''بزازیہ'' میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا ہے پھر کہا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر بیج مستاجر یا مؤجر کی جانب سے ہو تو یہ جائز ہوگا پھر اس سے رجوع کیا اور کہا نہیں۔ اسی کو اخذ کیا گیا ہے کیونکہ اسے اجرت پر اکٹھا کیا گیا ہے اس کے نصف کے بدلے میں جو زمین سے پیدا ہوگا مگر جب وہ اس آدمی کو دراہم کے بدلے اجرت پر رکھے۔ ''المنح'' میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ قول اصح ہے۔

32266۔(قولہ: وَمُعَامَلَةٌ) یعنی مساقات کے طور پر۔ اس کا عطف مزارعۃ پر ہے۔

32267۔(قولہ: لَمْ يَجُزْ) ''حلبی'' نے کہا: اس دلیل کی وجہ سے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

32268۔(قولہ: لِيَعْمَلَ فِيهَا) یعنی ایسا عمل کرے تو معاملہ کے علاوہ ہے کیونکہ معاملہ کا حکم یہ ہے کہ یہ جائز نہیں جس طرح اسے اپنے قول و معاملۃ لم یجز کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ''ط''۔

32269۔(قولہ: بُسْتَانِيٌّ) یعنی معامل ہے مزدور نہیں اس کا قرینہ وہ ہے جو آگے آرہا ہے۔ ''ح''۔

32270۔(قولہ: وَتَلِفَتْ الْكُرُومُ) یعنی درخت تلف ہو گئے۔

32271۔(قولہ: يَضْمَنُ الْكُرُومَ) یعنی ان کی حفاظت اس پر واجب تھی دیواروں کی حفاظت اس پر واجب نہ تھی۔ ''جامع الفصولین''۔

وَلَوْ فِيهِ حِصْرِمٌ ضَمِنَ الْحِصْرِمَ لَا الْعِنَبَ لِنِهَايَتِهِ فَصَارَ حِفْظُهُ عَلَيْهِمَا قُلْتُ قَالَ قِ وَيَضْمَنُ الْعِنَبَ فِي عُرْفِنَا أَنْفَقَ بِلَا إِذْنِ الْآخَرِ وَلَا أَمْرِ قَاضٍ، فَهُوَ مُتَبَرِّعٌ كَمَرَمَّةِ دَارٍ مُشْتَرَكَةٍ مَاتَ الْعَامِلُ فَقَالَ وَارِثُهُ أَنَا أَعْمَلُ إِلَى أَنْ يَسْتَحْصِدَ فَلَهُ ذٰلِكَ وَإِنْ أَبَى رَبُّ الْأَرْضِ مُلْتَقَى وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ

وَيَأْخُذُ أَرْضًا لِلْيَتِيمِ وَصِيُّهُ مُزَارَعَةً إِنْ كَانَ مَا هُوَ يَبْذُرُ

اگر اس میں کچے انگور ہوں تو کچے انگوروں کا ضامن ہوگا۔ انگوروں کا ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنی انتہا کو پہنچ چکے ہیں پس ان کی حفاظت دونوں پر لازم ہے۔ میں کہتا ہوں: قاضی نے کہا: وہ ہمارے عرف میں انگوروں کا ضامن ہوگا۔ اس نے دوسرے کی اجازت کے بغیر اور قاضی کے امر کے بغیر خرچ کیا تو وہ تبرع واحسان کرنے والا ہے۔ جس طرح مشترک گھر کی مرمت کر دے۔ عامل مر گیا اور اس کے وارث نے کہا میں اس کے کاٹنے کے وقت تک عمل کروں گا تو اسے یہ حق حاصل ہو گا۔ اگرچہ زمین کا مالک اس کا انکار کر دے۔ ''ملتقی''۔ ''وہبانیہ'' میں ہے: یتیم کی زمین اس کا وصی مزارعت پر لیتا ہے اگر وہ بیج ڈالنے والا نہ ہو۔

32272۔ (قولہ: لَا الْعِنَبَ) ''جامع الفصولین'' میں کہا: مگر انگور کی بیلوں کا نقصان واجب ہوگا کیونکہ اس کی حفاظت اس پر لازم تھی پس بیلوں کی انگوروں کے ساتھ اور اس کے بغیر قیمت لگائی جائے گی تو دونوں میں جو زیادتی ہوگی اس کا ضامن ہوگا۔ یہ کتاب کا جواب ہے جہاں تک مشائخ کے قول کا تعلق ہے وہ بیلوں کے مالک کا جو حصہ ہے وہ انگوروں کے مثل کا ضامن ہوگا۔

32273۔ (قولہ: أَنْفَقَ بِلَا إِذْنِ الْآخَرِ) اس میں اس بات کا شعور دلایا گیا ہے تو دوسرا زندہ ہے۔ ''منیۃ المفتی'' میں کہا ہے: عامل مر گیا اور بیل کے مالک نے قاضی کی اجازت کے بغیر خرچ کیا تو وہ تبرع نہیں ہوگا اور جس قدر اس نے خرچ کیا ہے ثمن میں سے اتنا واپس لے لے گا۔ اسی طرح مزارعت ہے۔ اگر عامل غائب ہو جائے اور مسئلہ اپنے حال پر ہو تو وہ کسی چیز کو واپس نہیں لے گا۔

32274۔ (قولہ: كَمَرَمَّةِ دَارٍ مُشْتَرَكَةٍ) اس پر گفتگو کتاب القسمۃ کے آخر میں گزر چکی ہے۔

32275۔ (قولہ: فَلَهُ ذٰلِكَ) کیونکہ عقد حکماً باقی ہے یہ وارث کو دیکھنے کی بنا پر ہے۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اگر وہ اکھیڑنے کو اختیار کرے تو اسے یہ اختیار ہوگا اور زمین کے مالک کو تین خیار حاصل ہوں گے۔

32276۔ (قولہ: إِنْ كَانَ مَا هُوَ يَبْذُرُ) ما نافیہ ہے اور ھو کی ضمیر یتیم کے لیے ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے: اگر بیج وصی کی جانب سے ہو تو یہ جائز ہوگا اگر یتیم کی جانب سے ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ وہ پہلی صورت میں یتیم کی زمین بعض پیداوار کے عوض اجرت پر لینے والا ہے اور دوسری صورت میں وہ اپنے آپ کو یتیم کے سامنے اجرت پر دینے والا ہے۔ اور پہلی صورت جائز ہے دوسری جائز نہیں۔ ''ولوالجیہ''۔

''ابن وہبان'' نے کہا: چاہیے کہ اس میں شک کیا جائے جو یتیم کے لیے شرط لگائی جاتی ہے جیسا کہ ان تمام تصرفات میں

وَلَوْ قَالَ بَذْرُ الْأَرْضِ مِنِّي مُزَارِعٌ لَهُ الْقَوْلُ بَعْدَ الْحَصْدِ وَالْخَصْمُ يُنْكِرُ
اگر مزارع کہے: زمین کا بیج میری جانب سے ہے۔ تو فصل کاٹنے کے بعد اس کا قول معتبر ہوگا جب کہ خصم اس کا انکار کرتا ہے۔

معروف ہے جو یتیم کے لیے کیے جاتے ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر چاہیے کہ وصی کے لیے یہ جائز ہے کہ یتیم کے درختوں میں معاملہ کیا جائے۔ اس کی مکمل بحث ''شرح ابن شحنہ'' میں ہے۔

32277۔(قولہ: مُزَارِعٌ) یہ قال کا فاعل ہے۔ حصد یہ حَصَدَ کا مصدر ہے۔

مسئلہ ''قاضی خان'' سے ہے: ایک آدمی نے کسی اور کی زمین کاشت کی اس نے فصل کو کاٹا اس کے مالک نے کہا: تو میرا مزدور تھا تو نے میرے بیج سے اسے کاشت کیا مزارع نے کہا: میں مزارع تھا اور میں نے اپنے بیج کو کاشت کیا تو قول مزارع کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ بیج مزارع کے قبضہ میں تھا۔ اس کی مکمل بحث شرح میں ہے۔

خاتمہ بفرع مہم

یہ امر اکثر واقع ہوتا ہے۔ اسے ''تاتر خانیہ'' وغیرہا میں ذکر کیا ہے: ایک آدمی فوت ہو گیا اور اس نے چھوٹے اور بڑے بچے اور ایک بیوی چھوڑی بڑی اولاد اس عورت سے اور ایک اور بیوی سے ہیں بڑوں نے کھیتی کاشت کی اور انہوں نے مشترک زمین یا غیر کی زمین کو کاشت کیا جس طرح عام معمول ہے تمام اولاد اس عورت کی کفالت میں ہے وہ ان سب کی نگہداشت کرتی ہے وہ فصل کاشت کرتے ہیں اور تمام منافع اور غلہ ایک کمرے میں جمع کرتے ہیں اور اس سے اکٹھے خرچ کرتے ہیں یہ واقعۃ الفتویٰ بن گیا۔

تمام جواب اس پر متفق ہیں اگر وہ اس بیج سے کاشت کرتے ہیں جو ان میں مشترک ہے باقی اولاد نے اس کی اجازت دی ہے اگر وہ بڑے ہیں، یا وصی نے اجازت دی ہے اگر وہ چھوٹے ہیں تو غلہ مشترک ہوگا۔ اگر انہوں نے اپنا بیج بویا ہے یا مشترک بیج بویا ہے مگر اجازت کے بغیر بویا ہے تو غلہ کاشت کرنے والے کا ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کِتَابُ الْمُسَاقَاةِ

لَا تَخْفَى مُنَاسَبَتُهَا (وَهِيَ) الْمُعَامَلَةُ بِلُغَةِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ: فَهِيَ لُغَةً وَشَرْعًا مُعَاقَدَةٌ (دَفْعُ الشَّجَرِ

مساقات کے احکام

کتاب المساقاۃ کی کتاب المزارعۃ سے مناسبت مخفی نہیں۔ اہل مدینہ کی لغت میں اسے معاملہ کہتے ہیں۔ لغت اور شرع میں درخت اور انگور کی بیلیں اس آدمی کو دینے کا عقد ہے

32278۔ (قولہ: لَا تَخْفَى مُنَاسَبَتُهَا) وہ پیداوار میں اشتراک ہے پھر بے شمار علماء معاملہ کے جواز کا قول کرتے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اہل خیبر کے ساتھ معاملہ کیا ہے (1) اس کے بارے میں احادیث وارد ہیں اس کے باوجود مزارعت کے باب کو معاملہ کے باب پر مقدم کیا ہے کیونکہ اس کے احکام اس کے فروع اور مسائل کی کثرت کی بنا پر اس کی معرفت کی شدید حاجت ہوتی ہے جس طرح ''النہایہ'' میں اسے بیان کیا ہے۔

اہل مدینہ کی لغت میں مساقات کا معنی

32279۔ (قولہ: وَهِيَ الْمُعَامَلَةُ بِلُغَةِ) مساقات کو ترجیح دی کیونکہ یہ اشتقاق کے زیادہ موافق ہے ''قہستانی''۔ کیونکہ اس میں غالباً سیراب کرنا ہوتا ہے۔ اور مفاعلہ پر کلام ہم پہلے کر چکے ہیں۔

مساقات کی لغوی اور شرعی تعریف

32280۔ (قولہ: فَهِيَ لُغَةً وَشَرْعًا مُعَاقَدَةٌ) دونوں میں معنی کے اتحاد کو بیان کیا ہے۔ یہ ''النہایہ'' اور ''العنایہ'' میں جو کچھ ہے اس کی تبع میں کہا ہے۔ یہ اس سے اخذ کیا ہے جو ''صحاح'' میں ہے: یہ ایک آدمی کو کھجوروں اور انگوروں وغیرہما میں کام پر لگانا ہے تا کہ وہ اس کی پیداوار میں سے معلوم حصہ پر اس کی اصلاح کی کوشش کرے۔ ''زیلعی'' وغیرہ نے اس کی لغوی تعبیر یہ کی ہے کہ یہ سقی سے مفاعلہ کا وزن ہے اور اس کی شرعی تعبیر یہ ہے کہ اس سے مراد باہم عقد کرنا ہے۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ ان میں مغایرت ہے کیونکہ شرع میں اس کی ایسی شروط کا اعتبار کیا جاتا ہے جن کا لغت میں اعتبار نہیں کیا جاتا اور شروط قیود ہوتی ہے اور اخص مفہوم کے اعتبار سے اعم کا غیر ہوتا ہے۔ فتدبر

32281۔ (قولہ: مُعَاقَدَةٌ دَفْعُ الشَّجَرِ) یعنی ایسی بالفعل یا بالقوہ نبات جو زمین میں سال بھر یا اس سے زیادہ عرصہ کے لیے باقی رہتی ہے اس کا قرینہ آگے آ رہا ہے۔ پس یہ لفظ سبزیوں کی جڑوں، فوہ (درخت کی لمبی اور سرخ جڑیں جو

1۔ السنن الکبری، کتاب المساقاۃ، باب المعاملۃ، جلد 6، صفحہ 113

ایضاً، سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی المساقاۃ، جلد 2، صفحہ 571، حدیث 2959

وَالْکُرُومِ، وَھَلِ الْمُرَادُ بِالشَّجَرِ مَا یَعُمُّ غَیْرَ الْمُثْمِرِ کَالْحُورِ وَالصَّفْصَافِ؟ لَمْ أَرَہُ (إِلَی مَنْ یُصْلِحُہُ بِجُزْءٍ مَعْلُومٍ مِنْ ثَمَرِہِ وَھِیَ کَالْمُزَارَعَۃِ حُکْمًا

جو اس کے پھل میں سے معلوم جز کے بدلے میں اس کی اصلاح کرے گا۔ کیا درخت سے مراد وہ ہے جو پھلدار کے علاوہ کو عام ہے جیسے چنار کا درخت اور بید کا درخت میں نے اس بارے میں کوئی صریح قول نہیں دیکھا۔ یہ حکم اور اختلاف ان میں

رنگنے اور علاج کے لیے استعمال ہوتی ہے) اور زعفران کے بدل کو شامل ہوگا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے یہ کھجوریں اتنے کے عوض مساقات پر دیں اور ساقی کہے: میں نے قبول کیا۔ اس میں اس امر کا شعور دلایا گیا ہے کہ اس کا رکن ایجاب اور قبول ہے جس طرح ''کرمانی'' میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ''قہستانی''۔

''رملی'' نے کہا: شجر کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر وہ بھیڑ، بکریاں، مرغیاں اور ریشم کا کپڑا معاملہ کے طور پر دے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ ''مجتبیٰ'' وغیرہ میں اسی طرح ہے اسی طرح کھجور کے درخت ہیں۔

''تاتر خانیہ'' میں ہے: اسے بذر فیلق (خشک بیج) دیا تا کہ وہ اس کی نگہداشت کرے اور اوراق کے ساتھ اسے چارہ بنائے اس شرط پر کہ حاصل پیداوار دونوں کے درمیان مشترک ہوگی تو وہ بیج والے کی ہوگی اور آدمی کے لیے اس پر اوراق کی قیمت اور اس کی اجرت مثلی ہوگی۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر اسے گائے چارہ کے بدلے میں دی تا کہ پیدا ہونے والی چیز دونوں میں نصف نصف ہو۔

32282۔ (قولہ: وَھَلِ الْمُرَادُ الخ) جواب ہاں سے ہے جس طرح ''قہستانی'' کا گزشتہ کلام اس کی وضاحت کرتا ہے۔ اور تعریف کی تصریح جو ثمر سے کی ہے یہ اس کے منافی نہیں۔ کیونکہ اس سے مراد وہ ہے جو اس سے پیدا ہو۔ پس یہ سبزیوں وغیرہا کو شامل ہوگا جس طرح ''قہستانی'' نے بھی اس کی تصریح کی ہے یا یہ غالب امر پر مبنی ہے۔ تامل

32283۔ (قولہ: لَمْ أَرَہُ) میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' میں ہے جس کی نص ہے: چنار کے درخت معاملہ کے طور پر دینا جائز ہے کیونکہ اسے سیراب کرنے اور حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر وہ محتاج نہ ہو تو جائز نہیں۔ اس میں باب کے آخر میں ہے: غیطہ کو پتوں اور لکڑیوں کے معاملہ پر دینا جائز ہے جس طرح بید کے درخت کو معاملہ کے طور پر دینا جائز ہے۔ اختلاف کسرہ اور تخفیف کے ساتھ کتاب کے وزن پر ہے۔ یہ دقاق کی ضد ہے یہ صفصاف (بید کا درخت) کی نوع ہے جب کہ صفصاف نہیں جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔

32284۔ (قولہ: إِلَی مَنْ یُصْلِحُہُ) جیسے پانی کی نالیوں کو صاف کرنا، پانی دینا، ملاقحہ کا عمل کرنا، نگہبانی کرنا وغیرہا۔ ''قہستانی''۔

مساقات کی شرائط اور حکم

32285۔ (قولہ: حُکْمًا) مفتی بہ قول کے مطابق اس کا صحیح ہونا ہے۔ خلافاً یعنی امام اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے

وَخِلَافًا (وَ) كَذَا (شُرُوطًا) تُمْكِنُ هُنَا لِيَخْرُجَ بَيَانُ الْبَذْرِ وَنَحْوِهِ (إلَّا فِي أَرْبَعَةِ أَشْيَاءَ) فَلَا تُشْتَرَطُ هُنَا (إذَا امْتَنَعَ أَحَدُهُمَا يُجْبَرُ عَلَيْهِ) إذْ لَا ضَرَرَ (بِخِلَافِ الْمُزَارَعَةِ) كَمَا مَرَّ (وَإِذَا انْقَضَتْ الْمُدَّةُ تُتْرَكُ بِلَا أَجْرٍ) وَيَعْمَلُ بِلَا أَجْرٍ (وَفِي الْمُزَارَعَةِ بِأَجْرٍ)

مزارعت کی طرح ہے۔ اور اسی طرح مساقات شروط میں مزارعت کی طرح ہے جو یہاں ممکن ہوتی ہیں تا کہ بیج وغیرہ کا بیان یہاں سے نکل جائے مگر چار اشیاء میں پس وہ یہاں شرط نہیں۔ جب دونوں میں سے ایک رک جائے تو اس پر جبر کیا جائے گا کیونکہ کوئی ضرر نہیں۔ مزارعت کا معاملہ مختلف ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ جب مدت گزر جائے تو اجرت کے بغیر اسے ترک کر دیا جائے گا اور اجرت کے بغیر عمل کیا جائے گا اور مزارعت میں اجرت کے ساتھ عمل کیا جائے گا۔

نزدیک اختلاف ہے۔

32286۔ (قولہ: تُمْكِنُ) یہ ان کے قول شروطا کی صفت ہے اور ان کا قول لیخرج یہ اس کی قید لگانے کی تعلیل ہے کیونکہ یہاں اس کی جنس بیان کرنا شرط نہیں۔ اسی طرح بیج کے مالک اور زراعت کے لیے زمین کی صلاحیت رکھنے کی وضاحت شرط نہیں۔ پس یہ تینوں یہاں ممکن نہیں پس یہ شرط نہیں۔ اسی طرح مدت کو بیان کرنا شرط نہیں۔ مزارعت کی آٹھ شروط میں سے جو یہاں ممکن ہیں ان میں سے عاقدین کی اہلیت، عامل کے حصہ کا ذکر، اس میں اور اشجار میں تخلیہ، پیداوار میں شرکت باقی رہ گئی ہے۔ آخری میں یہ داخل ہوگی کہ جس جز کی اس کے لیے شرط لگائی گئی ہے وہ مشترک ہے۔ فافہم

''تاتر خانیہ'' میں ہے: معاملہ کی شروط میں سے ایک یہ ہے کہ عقد اس پر واقع ہو جو عامل کے عمل سے نمو کی حد میں ہو۔ جہاں تک اس کی صفت کا تعلق ہے تو ہم پہلے اسے بیان کر آئے ہیں کہ یہ جانبین سے معلوم ہے۔ مزارعہ کا معاملہ مختلف ہے۔

32287۔ (قولہ: فَلَا تُشْتَرَطُ هُنَا الخ) اس میں مصنف کی پیروی کی ہے کیونکہ مصنف نے کہا: الا فی اربعۃ اشیاء یہ ان کے قول و شروطا سے مستثنیٰ ہے۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ ان کے قول وھی کالمزارعۃ سے مستثنیٰ بناتے۔ کیونکہ جن کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ سب کے سب مزارعت میں شروط نہیں۔ فتدبر۔ ''ط''۔

32288۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْمُزَارَعَةِ) کیونکہ بیج کا مالک جب بیج ڈالنے سے پہلے مزارعت سے رک جائے تو ضرر کی وجہ سے اس پر جبر نہیں کیا جائے گا۔

32289۔ (قولہ: تُتْرَكُ بِلَا أَجْرٍ) یعنی عامل کے لیے جائز ہے کہ وہ ان کی نگہداشت کرے یہاں تک کہ پھل اپنی انتہا کو پہنچ جائے لیکن اس پر کوئی اجرت نہ ہوگی کیونکہ درخت کو اجرت پر لینا جائز نہیں۔

32290۔ (قولہ: وَفِي الْمُزَارَعَةِ بِأَجْرٍ) یعنی مزارعت میں جب اسے اس طرح فصل کو چھوڑا جائے اور اس پر عمل کیا جائے تو اجرت ہوگی۔ کیونکہ زمین کو اجرت پر لینا جائز ہوتا ہے اور دونوں پر کھیتی میں ملکیت کے حساب سے عمل لازم ہوگا۔ کیونکہ زمین کا مالک جب عامل پر اجر کو واجب جانتا ہے تو اپنے حصہ میں مدت گزرنے کے بعد اس پر عمل کو واجب نہیں جانتا۔

(وَإِذَا اُسْتُحِقَّ النَّخِيلُ يَرْجِعُ الْعَامِلُ بِأَجْرِ مِثْلِهِ، وَفِي الْمُزَارَعَةِ بِقِيمَةِ الزَّرْعِ وَ) الرَّابِعُ (بَيَانُ الْمُدَّةِ

جب کھجور کے درختوں کا کوئی اور مستحق نکل آیا تو عامل اپنی اجرت مثلی کا مطالبہ کرے گا اور مزارعت میں کھیتی کی قیمت کا مطالبہ کرے گا۔ اور چوتھی یہ کہ یہاں مدت کا بیان کرنا

یہاں سب میں عمل عامل کے ذمہ ہے جس طرح مدت ختم ہونے سے پہلے عمل عامل کے ذمہ تھا۔ ''کفایہ''۔

32291۔ (قولہ: وَإِذَا اُسْتُحِقَّ النَّخِيلُ يَرْجِعُ الخ) یہ اس کے ساتھ مقید ہے جب اس میں پھل ہو ورنہ اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا۔

''ولوالجیہ'' میں کہا: جب کھجور کے درخت کوئی پھل نہ دیں یہاں تک کہ ان کا کوئی مستحق نکل آئے تو عامل کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ کیونکہ عقد مزارعت کی صورت میں عمل کے بعد مزارعت سے پہلے اس کا کوئی مستحق نکل آیا تو مزارع کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ اسی طرح یہاں حکم ہے۔ اگر وہ پھل دے تو عامل زمین دینے والے سے اجرت مثلی کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ اجرت انتہا میں عین ہو جاتی ہے یہ ابتداءً تعیین کی طرح ہے۔ جب وہ عین ہے اور اس کا کوئی مستحق نکل آیا تو وہ منافع کی قیمت کا مطالبہ کرے گا۔ اسی طرح اگر اس نے عامل کو کھیتی مزارعت پر دی اس نے نگہداشت کی یہاں تک کہ وہ پھلدار ہو گئی پھر اس کا کوئی مستحق نکل آیا تو اسے اختیار ہوگا کہ اکھیڑی گئی فصل کا نصف لے لے یا اسے واپس کر دے اور دینے والے سے اجرت مثلی کا مطالبہ کرے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا مگر اسے زمین مزارعت پر دی اور بیج زمین دینے والے کی جانب سے ہے عامل نے اسے کاشت کیا اور وہ فصل اگ آئی پھر اسے کاٹنے سے پہلے اس کا کوئی مستحق نکل آیا تو مزارع نے اسے اختیار کیا کہ مقلوع فصل واپس کر دے تو اپنے عمل کی اجرت مثلی کا مطالبہ کرے گا۔ ''ہندوانی'' نے کہا: اگی فصل میں سے جو اس کا حصہ ہے اس کی قیمت کا مطالبہ کرے گا۔

32292۔ (قولہ: وَفِي الْمُزَارَعَةِ بِقِيمَةِ الزَّرْعِ) ''زیلعی'' نے اسی طرح مطلق ذکر کیا ہے تو تفصیل جان چکا ہے۔

''تاتر خانیہ'' میں ہے: اس نے اپنی زمین مزارعت پر دی اور بیج عامل کی جانب سے ہے۔ پھر اس کا کوئی اور مستحق نکل آیا مستحق کھیتی کے بغیر اسے لے لے گا۔ اسے حق حاصل ہوگا کہ اسے اکھیڑ لینے کا حکم دے اگر کھیتی بقل ہو اور اکھیڑنے کی مؤنت زمین دینے والے اور مزارع پر نصف نصف ہوگی۔ مزارع کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو نصف مقلوع پر راضی ہو جائے اور زمین دینے والے سے کسی شے کا مطالبہ نہ کرے یا مقلوع کو اس پر لوٹا دے اور اپنے اس حصہ کی قیمت کی ضمانت اس سے لے لے جب کہ وہ اگا ہو اور اسے باقی رکھنے کا حق ہو۔ اگر بیج زمین دینے والے کی جانب سے ہو تو مزارع کو اختیار دیا جائے گا اگر چاہے تو اکھیڑی گئی فصل کے نصف پر راضی ہو جائے یا اسے زمین کے مالک کی طرف لوٹا دے اور اپنے عمل کی اجرت مثلی اس سے لے لے۔ یہ ''بلخی'' کے نزدیک ہے۔ اور امام ''ابوجعفر'' کے نزدیک اس کی قیمت لے لے۔ ''رملی'' کی مثل ''ذخیرہ'' میں ہے۔ اس میں غور کرو ساتھ ہی جسے ہم نے ''الولواجیہ'' میں پہلے بیان کیا ہے۔

لَيْسَ بِشَرْطٍ) هُنَا اسْتِحْسَانًا لِلْعِلْمِ بِوَقْتِهِ عَادَةً (وَ) حِينَئِذٍ (يَقَعُ عَلَى أَوَّلِ ثَمَرٍ يَخْرُجُ) فِي أَوَّلِ السَّنَةِ، وَفِي الرَّطْبَةِ عَلَى إِدْرَاكِ بَذْرِهَا إِنَّ الرَّغْبَةَ فِيهِ وَحْدَهُ،

بطور استحسان شرط نہیں۔ کیونکہ عادت کے طور پر اس کا وقت معلوم ہوتا ہے اس وقت یہ پہلے پھل پر عقد واقع ہوگا جو پہلے سال میں نکلے گا اور رطبہ میں جب اس کا بیج پک جائے گا۔ کیونکہ صرف اس میں رغبت ہوتی ہے۔

32293۔(قولہ: لَيْسَ بِشَرْطٍ هُنَا) یعنی مساقات میں یہ شرط نہیں اگر مدت کا علم ہو بھی جائے جس طرح تعلیل اس کو بیان کر رہی ہے نہ کہ یہ مطلقاً اس طرح ہے اس کی دلیل وہ ہے جو آگے آ رہی ہے۔

32294۔(قولہ: لِلْعِلْمِ بِوَقْتِهِ عَادَةً) کیونکہ پھل کے پکنے کا وقت معلوم ہوتا ہے بہت کم وہ متفاوت ہوتا ہے۔ کھیتی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اگر بیج پہلے ڈالا جائے تو اس کی کٹائی کا وقت پہلے ہوتا ہے اگر اسے مؤخر کیا جائے تو اس کی کٹائی کا وقت مؤخر ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات اسے موسم خزاں، موسم گرما اور موسم بہار میں کاشت کیا جاتا ہے۔''اتقانی''۔ اگر کاشت کی ابتدا کا وقت عرف میں معلوم ہو تو بھی یہ جائز ہوتا ہے اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ اس پر فتویٰ ہے پس کوئی فرق نہیں ہوگا۔

32295۔(قولہ: وَحِينَئِذٍ) یعنی جب مدت کا بیان کرنا شرط نہیں اور انہوں نے اسے بیان نہیں کیا۔''قہستانی'' نے کہا: مدت کا آغاز معلوم ثمر میں عمل کا وقت ہے اور اس کا آخری وقت اس کے پکنے کا معلوم وقت ہے۔

فرع: مزارعت اور معاملہ کو مستقبل میں ایک وقت کی طرف مضاف کرنا جائز ہے۔''بزازیہ''۔

32296۔(قولہ: فِي أَوَّلِ السَّنَةِ)''ابن ملک'' کی عبارت ہے: یعنی اس سال میں کیونکہ یہ امر یقینی ہے اور اس کا مابعد مشکوک ہے یہ اولیٰ ہے۔''ط''۔

32297۔(قولہ: وَفِي الرَّطْبَةِ) یہ فتحہ کے ساتھ کلبۃ کے وزن پر ہے ایسی سبزی (جسے بار بار کاٹا جائے) جب تک تر ہو اسے رطبہ کہتے ہیں، اس کی جمع رطاب ہے، یہ کلاب کے وزن پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد تمام قسم کی سبزیاں ہیں۔''طحطاوی'' نے حموی سے نقل کیا ہے۔ اس میں ضعف ہے جو آگے آ رہا ہے۔

32298۔(قولہ: عَلَى إِدْرَاكِ بَذْرِهَا) یعنی جب اس نے مساقات کے طور پر دی تو اس میں مدت کو بیان کرنا شرط نہیں۔ پس یہ بیج کے پکنے تک ممتد ہوگی۔ کیونکہ یہ اس طرح ہے جس طرح درخت میں پھل پک جائے''ابن کمال''۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس کا کاٹنا مکمل ہو جائے جس طرح''العنایہ'' میں اس کی قید لگائی ہے۔ مصنف عنقریب اس کا ذکر کریں گے مگر جب مقصود رطبہ ہو پس یہ عقد اس کی پہلی دفعہ کاٹنے پر واقع ہوگا۔ جس طرح آگے آئے گا۔

32299۔(قولہ: إِنَّ الرَّغْبَةَ فِيهِ وَحْدَهُ) اسی طرح''العنایہ'' میں بھی اس کی قید لگائی ہے کہا: کیونکہ درخت کے لیے پھل کے معنی میں ہو جائے گا اور اس کے پکنے کا وقت معلوم ہے۔ یہ عامل کے عمل سے حاصل ہوتا ہے۔ پس اس میں نصف نصف کی شرط لگانا صحیح ہے۔ اور رطبہ اس زمین کے مالک کے لیے ہوگی۔ اگر اس قید کو مصنف کے آنے والے قول کے ہاں ذکر

فَإِنْ لَمْ يَخْرُجْ فِي تِلْكَ السَّنَةِ ثَمَرٌ فَسَدَتْ (وَلَوْ ذَكَرَ مُدَّةً لَا تَخْرُجُ الثَّمَرَةُ فِيهَا فَسَدَتْ، وَلَوْ تَبْلُغُ الثَّمَرَةُ فِيهَا (أَوْ لَا) تَبْلُغُ (صَحَّ) لِعَدَمِ التَّيَقُّنِ بِفَوَاتِ الْمَقْصُودِ (فَلَوْ خَرَجَ فِي الْوَقْتِ الْمُسَمَّى فَعَلَى الشَّرْطِ) لِصِحَّةِ الْعَقْدِ (وَإِلَّا) فَسَدَتْ (فَلِلْعَامِلِ أَجْرُ الْمِثْلِ) لِيَدُومَ عَمَلُهُ إِلَى إِدْرَاكِ الثَّمَرِ

اگر اس سال پھل نہ آئے تو مساقات فاسد ہو جائے گی۔ اگر ایسی مدت ذکر کی جس میں پھل نہیں پکتا تو مساقات فاسد ہو جائے گی۔ اگر کبھی اس مدت میں پھل پک جاتا ہو اور کبھی پھل نہ پکتا ہو تو یہ عقد صحیح ہو گا۔ کیونکہ مقصود کے فوت ہونے کا یقین نہیں۔ اگر معین وقت میں پھل پک جائے تو وہ شرط پر ہو گا۔ کیونکہ عقد صحیح ہے ورنہ مساقات فاسد ہو جائے گی تو عامل کے لیے اجرت مثلی ہو گی تا کہ اس کا عمل پکنے تک جاری وساری رہے۔

کرتے تو یہ زیادہ مختصر اور زیادہ ظاہر ہوتی۔

32300۔ (قولہ: فَإِنْ لَمْ يَخْرُجْ الخ) یہ متن کے ساتھ مرتبط ہے۔ مصنف نے اسے ''خانیہ'' سے نقل کیا ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ کسی مدت کا ذکر نہ کرے جب وہ کسی مدت کا ذکر کرے تو اس کی وضاحت عنقریب آئے گی۔ ''ط''۔

32301۔ (قولہ: لَوْ تَبْلُغُ الخ) یعنی وہ ایسی مدت ذکر کرے جس میں وہ پھل پک جاتا ہے یا اس میں وہ نہیں پکتا یعنی یہ احتمال ہے کہ اس میں پک جائے یا نہ پکے۔

32302۔ (قولہ: لِعَدَمِ التَّيَقُّنِ الخ) بلکہ ہر مزارعت اور مساقات میں اس کا وہم ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کھیتی یا پھل کو آسمانی آفت آپہنچے۔ ''درر''۔

اگر معین وقت میں پھل نہ پکے تو مساقات فاسد ہو جائے گی

32303۔ (قولہ: فَعَلَى الشَّرْطِ) یہ حکم اس صورت میں ہے جب پیداوار ایسی ہو جس میں رغبت کی جاتی ہو۔ اگر معاملہ میں اس کی مثل میں رغبت نہ کی جاتی ہو تو یہ جائز نہیں ہو گا۔ ''شرنبلالیہ'' نے ''بزازیہ'' سے نقل کیا ہے۔ کیونکہ جس میں رغبت نہیں کی جاتی اس کا وجود اور اس کا عدم برابر ہوتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: ''حامدیہ'' میں یہ فتویٰ دیا جاتا ہے: اگر مدت میں بعض پھل ظاہر ہو بعض ظاہر نہ ہو تو مدت میں جو اس کے عمل سے پھل ظاہر ہوا سے وہ دینا جائز ہے نہ کہ وہ پھل جو اس کے بعد ظاہر ہو۔

32304۔ (قولہ: وَإِلَّا فَسَدَتْ) اگر معین وقت میں وہ ظاہر نہ ہو بلکہ وہ پھل متاخر ہو جائے تو عقد کے فاسد ہونے کی وجہ سے اس کے لیے اجرت مثلی ہو گی۔ کیونکہ معین مدت میں خطا ظاہر ہو گئی ہے۔ پس یہ اس طرح ہو گیا جس طرح یہ ابتدا میں معلوم ہوا۔ جب اصلاً پھل نہ نکلے تو معاملہ مختلف ہو گا۔ کیونکہ پھل کا ضائع ہونا آفت کی وجہ سے ہے اس مدت کا فساد ظاہر نہیں ہو گا۔ پس عقد صحیح ہو گا۔ پس دونوں میں سے ہر ایک صاحب کے لیے اس کے ساتھی پر کوئی شے لازم نہ ہو گی۔ ''ہدایہ''۔

32305۔ (قولہ: لِيَدُومَ عَمَلُهُ الخ) ''صدر الشریعہ'' کی عبارت یہ ہے: لیعمل الی ادراک الثمر مصنف نے

(وَلَوْ دَفَعَ غِرَاسًا فِي أَرْضٍ لَمْ تَبْلُغْ الثَّمَرَةُ عَلَى أَنْ يُصْلِحَهَا فَمَا خَرَجَ كَانَ بَيْنَهُمَا تَفْسُدُ) هٰذِهِ الْمُسَاقَاةُ (إِنْ لَمْ يَذْكُرَا أَعْوَامًا مَعْلُومَةً) فَإِنْ ذَكَرَا ذٰلِكَ صَحَّ (وَكَذَا لَوْ دَفَعَ أُصُولَ رَطْبَةٍ فِي أَرْضٍ مُسَاقَاةٍ وَلَمْ يُسَمِّ الْمُدَّةَ، بِخِلَافِ الرَّطْبَةِ فَإِنَّهُ يَجُوزُ) وَإِنْ لَمْ يُسَمِّ الْمُدَّةَ

اگر وہ باغبان کو زمین میں لگے ایسے درخت دیتا ہے جو ابھی پھل تک نہیں پہنچے شرط یہ ہے کہ وہ ان درختوں کی اصلاح احوال کرے تو جو پیداوار ہوگی وہ ان دونوں کے درمیان ہوگی تو یہ مساقات فاسد ہے اگر وہ معین سال ذکر نہ کرے۔ اگر وہ دونوں معین سال ذکر کریں تو یہ صحیح ہوگا۔ اگر وہ ترکاریوں کی جڑیں جو زمین میں موجود ہیں انہیں مساقات پر دے اور مدت کا ذکر نہ کرے تو حکم اسی طرح ہوگا۔ اگر وہ ترکاریاں (سبزیاں) ہوں تو یہ عقد جائز ہوگا اگرچہ وہ مدت کا ذکر نہ کرے۔

''یعقوبیہ'' وغیرہا کی پیروی کرتے ہوئے اس عبارت پر اعتراض کیا ہے کہ اس عبارت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اجر اس عمل کے مقابل ہے جو اس کے پکنے تک لاحق ہو جب کہ معاملہ اس طرح نہیں۔ کیونکہ جب پھل نہ نکلنے سے عقد فاسد ہو گیا تو سابقہ عمل کا اجر لازم ہوگا۔

علما نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ کہنا ممکن ہے کہ ان کے قول: لیعمل کا معنی یہ ہے تا کہ اس کا عمل جاری رہے۔ ادراک، خروج کے معنی میں ہے کیونکہ جب پھل نکلے ہی نہ تو وہ اصلاً اجر کا مستحق نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ وہ آفت سماویہ کی وجہ سے نہ نکلے۔

''ابن کمال'' نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ معنی ہے: اس عامل کی اجرت مثلی جس کو اجرت پر لیا گیا تا کہ وہ پھل پکنے تک کام کرے نہ کہ اس عامل کی اجرت مثلی جسے عقد کے فساد کے ظہور کے زمانے تک اجرت پر لیا گیا ہو۔ کیونکہ اجرت مثلی مدت کے قلیل اور کثیر ہونے کے ساتھ متفاوت ہوتی رہتی ہے، فافہم۔ بے شک یہ بڑا دقیق مسئلہ ہے۔ تامل

32306۔ (قولہ: لَمْ تَبْلُغْ الثَّمَرَةُ) تقدیر کلام یوں ہے: لم تبلغ الغراس الثمرة۔ ''ہدایہ'' کی شروح میں اسی طرح ہے۔ ثمرة کا لفظ منصوب ہے یہ تبلغ کا مفعول ہے اس کا فاعل غراس کی ضمیر ہے معنی ہے انہوں نے ایسا زمانہ نہیں پایا جس میں وہ پھل دار ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ بالفعل پھلدار نہیں۔ کیونکہ اگر یہ پھلدار ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں لیکن دینے کے وقت وہ پھلدار نہ ہوں تو مدت کے بغیر مساقات صحیح ہوگی اور یہ عقد اس پہلے پھل پر واقع ہوگا جو پیدا ہوا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اسی وجہ سے وہاں شجر سے تعبیر کیا اور یہاں غراس سے تعبیر کیا اسی دقیق نکتہ کو سمجھ جائیے۔

32307۔ (قولہ: تَفْسُدُ) کیونکہ زمین کی قوت اور ضعف کی وجہ سے پیداوار میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔ پس اس کو اس پہلے کی طرف پھیرنا ممکن نہیں جو اس سے پیدا ہو، ''زیلعی''۔

32308۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ دَفَعَ أُصُولَ رَطْبَةٍ الخ) یعنی مساقات فاسد ہو جائے گی۔ اور ان کا قول بخلاف الرطبة الخ وہم دلاتا ہے کہ دونوں میں فرق اس حیثیت سے ہے کہ پہلی صورت میں جو چیزیں حوالے کی ہیں وہ سبزیوں کی جڑیں ہیں اور دوسری صورت میں سبزیاں ہیں جب کہ معاملہ اس طرح نہیں بلکہ فرق یہ ہے کہ جب اس کا پہلی دفعہ کاٹنا معلوم

(وَيَقَعُ عَلَى أَوَّلِ جَزٍّ يَكُونُ، وَلَوْ دَفَعَ رَطْبَةً انْتَهَى جِذَاذُهَا عَلَى أَنْ يَقُومَ عَلَيْهَا حَتَّى يُخْرِجَ بَذْرَهَا وَيَكُونَ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ جَازَ بِلَا بَيَانِ مُدَّةٍ وَالرَّطْبَةُ لِصَاحِبِهَا، وَلَوْ شَرَطَا الشَّرِكَةَ فِيهَا) أَيْ فِي الرَّطْبَةِ (فَسَدَتْ) لِشَرْطِهِمَا الشَّرِكَةَ فِيمَا لَا يَنْمُو بِعَمَلِهِ (وَتَصِحُّ فِي الْكَرْمِ وَالشَّجَرِ وَالرِّطَابِ) الْمُرَادُ مِنْهَا جَمِيعُ الْبُقُولِ

اور پہلی دفعہ اس کے کاٹنے پر عقد واقع ہوگا اگر وہ ایسی سبزیاں دے جن کا کاٹنا ختم ہو چکا ہے شرط یہ لگاتا ہے کہ ان کی نگہبانی کرے یہاں تک کہ ان کا بیج پک جائے اور وہ ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا تو مدت کے بیان کے بغیر یہ جائز ہو گا۔ اور سبزیاں اس کے مالک کی ہوں گی اگر وہ سبزیوں میں شرکت کی شرط لگائیں تو مساقات فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ دونوں نے ایسی چیز میں شرکت کی شرط لگائی ہے جس میں اس کے عمل سے بڑھوتری نہیں ہوتی۔ معاملہ انگور کی بیلوں، درختوں اور سبزیوں میں صحیح ہوتا ہے۔ اس سے مراد تمام قسم کی سبزیاں ہیں۔

نہیں تو مساقات فاسد ہو جائے گی۔ اگر معلوم ہو تو یہ جائز ہوگی۔

''غایۃ البیان'' میں کہا ہے: اگر اس نے ترکاریوں کی جڑیں حوالے کیں جن کی وہ نگہبانی کرے یہاں تک کہ اس کی جڑیں ختم ہو جائیں اور ان کا اگنا منقطع ہو جائے اور جو پیدا ہو تو نصف نصف ہوگا تو یہ فاسد ہے۔ اسی طرح کھجور کے درخت اور عام درخت ہیں۔ کیونکہ اس کا وقت معلوم ہے مدت مجہول تھی۔ مگر جب اس نے کھجور کے درخت یا سبزیوں کی جڑیں معاملہ پر دیں اور یہ نہیں کہا یہاں تک کہ اس کی جڑیں ختم ہو جائیں تو یہ عقد جائز ہوگا۔ اگر وہ مدت بیان نہ کرے جب سبزیوں کے کاٹنے کا وقت معلوم ہو تو یہ پہلی دفعہ کاٹنے پر محمول ہوگا اور کھجور کے درخت میں پہلے پھل پر ہوگا جو پیدا ہو۔ جب سبزیوں کے کاٹنے کا وقت معلوم نہ ہو تو مدت کے بیان کے بغیر یہ جائز نہ ہوگا۔

32309۔ (قولہ: عَلَى أَوَّلِ جَزٍّ) یہ جیم کے فتحہ اور زا کی تشدید کے ساتھ ہے یعنی مجزوز جو مقطوع کے معنی میں ہے۔

32310۔ (قولہ: جَازَ) یعنی اگر بیج ایسا ہو جس میں رغبت کی جاتی ہے جس طرح قول گزر چکا ہے۔

چنار اور بید پر مساقات کا بیان

تنبیہ

ہم چنار کے درخت اور بید کے درخت وغیرہ میں عقد معاملہ کے صحیح ہونے کا ذکر کر چکے ہیں جب کہ یہ ان درختوں میں سے ہیں جن کا پھل نہیں ہوتا اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس کا حکم سبزیوں کی طرح ہے پس یہ صحیح ہوگا اگرچہ وہ مدت کا ذکر نہ کرے اور یہ پہلی دفعہ کاٹنے پر واقع ہوگا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب وہ اس کی جڑیں حوالے کرے اور مدت بیان کرے۔ تامل

32311۔ (قولہ: الْمُرَادُ مِنْهَا جَمِيعُ الْبُقُولِ) ''ابن کمال'' نے اسی طرح کہا ہے۔ اور منہا کی ضمیر رطاب کے لیے ہے۔ ''جوہرہ'' میں ہے: رطاب رطبہ کی جمع ہے جیسے قصعہ اور قصاع ہے۔ بقول رطاب کا غیر ہیں بقول جیسے کراث (گیندنا) سلق (چقندر) وغیرہا۔ اور رطاب ہیں جیسے ککڑی، خربوزہ، تربوز، انار، انگور، بہی، بینگن وغیرہا۔ تامل

(وَأُصُولِ الْبَاذِنْجَانِ وَالنَّخْلِ) وَخَصَّهَا الشَّافِعِيُّ بِالْكَرْمِ وَالنَّخْلِ (لَوْ فِيهِ) أَيْ الشَّجَرُ الْمَذْكُورُ (ثَمَرَةٌ غَيْرُ مُدْرَكَةٍ) يَعْنِي تَزِيدُ الْعَمَلَ (وَإِنْ مُدْرَكَةً) قَدْ انْتَهَتْ (لَا تَصِحُّ) (كَالْمُزَارَعَةِ) لِعَدَمِ الْحَاجَةِ (دَفَعَ أَرْضًا بَيْضَاءَ مُدَّةً مَعْلُومَةً لِيَغْرِسَ وَتَكُونُ الْأَرْضُ وَالشَّجَرُ بَيْنَهُمَا لَا تَصِحُّ)

بینگن اور کھجور کے درختوں میں سے یہ عقد جائز ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے انگور کی بیلوں اور کھجور کے درختوں کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اگر اس مذکورہ درخت میں ایسا پھل ہو جو پکا ہوا نہ ہو یعنی جو عمل سے زیادہ ہو جاتا ہو۔ اگر وہ پھل پک چکا ہو یعنی اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہو تو معاملہ صحیح نہ ہوگا جس طرح مزارعت ہے۔ کیونکہ حاجت نہیں۔ سفید زمین ایک معلوم مدت کے لیے دی تا کہ وہ اس میں درخت لگائے جب کہ زمین اور درخت دونوں کے درمیان مشترک ہوں گے تو یہ مساقات صحیح نہ ہوگی۔

32312۔ (قولہ: لَوْ فِيهِ الخ) تقیید سے مراد ایسے درخت سے احتراز نہیں جس کا پھل نہ ہو۔ اس کی علت وہی ہے جسے تو جان چکا ہے۔ بلکہ اس درخت سے احتراز ہے جس کا پھل پکا ہوا ہے اس کا قرینہ مابعد ہے۔

32313۔ (قولہ: يَعْنِي تَزِيدُ الْعَمَلَ) میں کہتا ہوں: عمل سے مراد وہ ہے جو حفظ کو شامل ہے۔ کیونکہ ''ولوالجیہ'' وغیرہا میں ہے: اس نے انگور کی بیلیں معاملہ کے طور پر دے دیں جنہیں حفاظت کے سوا کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اگر وہ اس میں ہوں اگر ان کی حفاظت نہ کی جائے تو پکنے سے پہلے ان کا پھل جاتا رہتا ہے تو یہ عقد جائز ہوگا اور حفاظت پھل میں زیادتی کے لیے ہوگی۔ اگر وہ ایسی حالت میں ہوں کہ انہیں حفاظت کی ضرورت نہیں تو عقد جائز نہیں ہوگا اور اس میں سے عامل کے لیے کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

32314۔ (قولہ: وَإِنْ مُدْرَكَةً الخ) ''کرخی'' نے اپنی ''مختصر'' میں کہا ہے: اسے کھجور کے درخت معاملہ کے طور پر دیئے جس میں گا بھا تھا اور حصہ نصف مقرر کیا تو یہ جائز ہوگا اسی طرح اگر اس نے کھجور کے درخت دیئے جب کہ پھل سبز یا سرخ بسر بن چکا تھا مگر اس کا بڑا ہونا ختم نہ ہوا تھا۔ اگر اس وقت دے جب اس کا بڑا ہونا ختم ہو چکا تھا اور عمل اس کی قلت اور کثرت میں اضافہ نہیں کرتا مگر ابھی وہ مکمل پکی نہیں تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ اگر اس نے کام کیا اور اس کی حفاظت کی یہاں تک کہ وہ پھل بن گیا تو پھل مالک کا ہوگا اور عامل کے لیے اجرت مثلی ہوگی۔ اسی طرح انگور اور درختوں میں تمام پھل ہیں۔ اسی طرح کھیتی کا حکم ہے جو کاٹنے کی عمر کو نہ پہنچی ہو۔ جب وہ کاٹنے کی مدت کو پہنچ چکی ہو تو اسے دینا جائز نہیں جو اس کے بعض حصہ کے بدلے میں کام کرتا ہے اس میں جواب پہلے کی طرح ہے۔ ''اتقانی''۔

32315۔ (قولہ: بَيْضَاءَ) یعنی ایسی زمین جس میں کوئی نباتات نہیں۔

32316۔ (قولہ: مُدَّةً مَعْلُومَةً) اگر مدت معلوم نہ ہو تو بدرجہ اولی صحیح نہ ہوگی۔

32317۔ (قولہ: وَتَكُونُ الْأَرْضُ وَالشَّجَرُ بَيْنَهُمَا) اس کی ساتھ قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر اس نے یہ شرط لگائی کہ صرف درخت ان کے درمیان مشترک ہوں گے تو یہ عقد صحیح ہوگا۔

....

مناصبت میں مدت کو بیان کرنا شرط ہے

''خانیہ'' میں کہا: ایک معلوم مدت تک کے لیے زمین اس شرط پر دی کہ وہ اس میں درخت لگائے گا اس شرط پر کہ درختوں اور پھلوں میں سے جو کچھ حاصل ہوگا وہ ان دونوں کے درمیان مشترک ہوگا تو یہ جائز ہے۔ اس کی مثل کثیر کتب میں ہے۔ مدت کو صراحۃً بیان کرنا، یہ اس میں صریح ہے کہ مدت بیان نہ کی تو عقد فاسد ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پھلوں کے پکنے کی کوئی معلوم مدت نہیں جس طرح علماء نے اس بارے میں فرمایا: اگر وہ ایسے درخت حوالے کرے جو پھل تک نہ پہنچے ہوں اس شرط پر کہ وہ ان کی اصلاح کرے، ''خیریہ''، کتاب الوقف و المساقاۃ۔ اسی کی مثل ''مرادیہ'' اور ''حامدیہ'' میں ہے۔ ''رملی'' نے اپنے ''حاشیہ'' میں اسی کو ثابت رکھا ہے اس کو مناصبہ کہتے ہیں۔ لوگ ہمارے زمانہ میں مدت بیان کیے بغیر یہ معاہدہ کرتے ہیں جب کہ تو اس کے فساد کو جان چکا ہے۔

''رملی'' نے کہا: جب مدت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے یہ فاسد ہوگیا تو چاہیے کہ پھل اور درخت زمین کے مالک کے ہوں۔ اور دوسروں کے لیے درخت لگانے کی قیمت اور اجرت مثلی ہوگی جس طرح بعض زمین کی شرط لگانے سے عقد فاسد ہو جاتا ہے کیونکہ دونوں علت میں مساوی ہیں۔ یہ واقعۃ الفتویٰ ہے۔

میں کہتا ہوں: ''ذخیرہ'' میں ہے: جب مدت ختم ہوجائے گی تو زمین کے مالک کو اختیار دیا جائے گا اگر چاہے تو درخت کی نصف قیمت چٹی دے اور اس کا مالک ہوجائے اگر چاہے تو اسے اکھیڑ لے اس کی وضاحت اس میں پانچویں فصل میں ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجیے۔

یہ ذہن نشین کرلو۔ ''تاتر خانیہ'' اور ''ذخیرہ'' میں ہے: ایک آدمی نے اپنے بیٹے کو زمین دی کہ اس میں درخت لگائے۔ اس شرط پر کہ پیداوار دونوں میں نصف نصف ہوگی اور اس کے لیے وقت معین کیا تو اس نے اس میں درخت لگائے پھر زمین دینے والے اس بچے اور دوسرے وارث کو چھوڑ کر مرگیا تو وارثوں نے ارادہ کیا کہ وہ اسے اس امر کا مکلف بنائیں کہ وہ تمام درخت اکھیڑ لے تا کہ وہ زمین تقسیم کر دیں اگر زمین تقسیم کا احتمال رکھتی ہوگی تو اسے تقسیم کر دیا جائے گا اور جو درخت دوسرے کے حصہ میں آئیں تو اسے وہ اکھیڑ لے گا اور زمین ہموار کرنے کا مکلف بنایا جائے گا جب تک وہ باہم مصالحت نہ کریں۔ اگر وہ زمین تقسیم کا احتمال نہ رکھتی ہو تو درخت لگانے والے کو حکم دیا جائے گا کہ جب تک وہ باہم مصالحت نہ کریں اس وقت تک وہ سب اکھیڑ لے۔ یہ امر صریح کی طرح ہے کہ مناصبت فاسد ہوجاتی ہے جب مدت کو بیان نہ کیا جائے جس طرح ''رملی'' نے یہ سمجھا کہ وہ مدت کی قید لگائیں۔ کیونکہ اگر یہ صحیح ہو تو درخت نصف نصف ہوتے جس طرح ان دونوں نے شرط لگائی۔ لیکن یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ جب یہ عقد فاسد ہوگیا تو درخت، درخت لگانے والے کے ہوں گے زمین دینے والے کے نہیں ہوں گے یہ اس کے خلاف ہے جو ''رملی'' نے بحث کی ہے۔ فلیتامل

لِاشْتِرَاطِ الشَّرِكَةِ فِيمَا هُوَ مَوْجُودٌ قَبْلَ الشَّرِكَةِ فَكَانَ كَقَفِيزِ الطَّحَّانِ فَتَفْسُدُ (وَالثَّمَرُ وَالْغَرْسُ لِرَبِّ الْأَرْضِ) تَبَعًا لِأَرْضِهِ (وَلِلْآخَرِ قِيمَةُ غَرْسِهِ)

کیونکہ اس میں شرکت کی شرط لگائی جارہی ہے جو شرکت سے پہلے موجود ہے۔ پس یہ طحان کے قفیز کی طرح ہو جائے گا۔ پس یہ فاسد ہوگی۔ پھل دار درخت زمین کی تبع میں زمین کے مالک کے ہوں گے اور دوسرے کے لیے درخت لگانے کے دن جو درخت لگانے کی قیمت

اس میں اور اس میں جب وہ نصف زمین کی شرط لگائے تو عقد فاسد ہو جاتا ہے میں فرق کا دعویٰ کرنا ممکن ہے۔ اور یہ اس سے ظاہر ہو جاتا ہے جس کے ساتھ انہوں نے فساد کی علت بیان کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے تین وجوہ سے اس کی علت بیان کی ہے۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو ''النہایہ'' میں ہے کہ نصف زمین کو تمام درختوں کا عوض بنادیا ہے اور نصف پیداوار کو اپنے عمل کا عوض بنادیا ہے۔ پس عامل نصف زمین کو مجہول درخت کے عوض خریدنے والا ہوگا۔ پس عقد فاسد ہو جائے گا جب اس نے زمین میں زمین کے مالک کے امر سے اسے کاشت کیا گویا زمین کے مالک نے خود یہ عمل کیا۔ پس وہ اس تعلق کی وجہ سے قبضہ کرنے والا اور خود ہلاک کرنے والا ہو گیا۔ پس اس پر اس کی قیمت اور اجرت مثلی واجب ہوگی۔ ہمارے مسئلہ میں یہ واقع نہیں ہوتا۔ بلکہ نصف پیداوار کے عوض زمین کو اجرت پر لینے کے معنی میں ہے جب مدت نہ ہونے کی وجہ سے عقد فاسد ہو گیا تو درخت درخت لگانے والے کے ہوں گے۔ اس کی مثل وہ ہے جو کتاب المزارعہ میں گزر چکا ہے کہ جب مزارعت کا عقد فاسد ہو جائے تو پیداوار بیج والے کے لیے ہوگی۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ درخت لگانا بیج کی طرح ہے۔ چاہیے کہ زمین کی اجرت مثلی لازم ہو جس طرح مزارعت میں اجرت مثلی لازم ہوتی ہے۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

32318۔ (قولہ: لِاشْتِرَاطِ الشَّرِكَةِ الخ) یہ وجوہ میں سے دوسری وجہ ہے جس وجہ کے ساتھ انہوں نے اس عقد کے فاسد ہونے کی علت بیان کی ہے۔ ''ہدایہ'' میں اس پر اکتفا کیا ہے اور کہا: یہ ان میں سے اصح ہے۔ ''العنایہ'' میں کہا: کیونکہ یہ اس کی مثل ہے جس نے کسی کو اجرت پر دیا جس نے کسی صباغ کو اجرت پر لیا تا کہ وہ خود اس کا کپڑا رنگ دے اور شرط ہو کہ نصف مصبوغ کپڑا رنگریز کا ہوگا۔ کیونکہ درخت آلہ ہیں جس کے زمین کو باغ بنادیا جاتا ہے جس طرح کپڑے کے لیے رنگ ہوتا ہے جب عقد فاسد ہو گیا تو آلہ زمین کے مالک کی ملکیت کے ساتھ متصل ہو گیا۔ پس یہ درخت قیمت والے ہیں پس اس کی قیمت اس پر لازم ہوگی جس طرح کپڑے کے مالک پر وہ قیمت لازم ہو جاتی ہے جو رنگ اس کے کپڑے میں اضافہ کرتا ہے اور اس کے عمل کا اجر لازم ہو جاتا ہے۔

32319۔ (قولہ: فِيمَا هُوَ مَوْجُودٌ قَبْلَ الشَّرِكَةِ) وہ زمین ہے۔

32320۔ (قولہ: فَكَانَ كَقَفِيزِ الطَّحَّانِ) کیونکہ یہ اسے اس کے بعض حصہ کے بدلے میں اجرت پر دینا ہے جو اس کے عمل سے پیدا ہوتا ہے اور نصف باغ ہے۔ ''ہدایہ''۔

يَوْمَ الْغَرْسِ (وَأَجْرُ مِثْلِ (عَمَلِهِ) وَحِيلَةُ الْجَوَازِ أَنْ يَبِيعَ نِصْفَ الْغِرَاسِ بِنِصْفِ الْأَرْضِ وَيَسْتَأْجِرَ رَبُّ الْأَرْضِ الْعَامِلَ ثَلَاثَ سِنِينَ مَثَلًا بِشَيْءٍ قَلِيلٍ لِيَعْمَلَ فِي نَصِيبِهِ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ (ذَهَبَتْ الرِّيحُ بِنَوَاةِ رَجُلٍ وَأَلْقَتْهَا فِي كَرْمِ آخَرَ فَنَبَتَ مِنْهَا شَجَرَةٌ فَهِيَ لِصَاحِبِ الْكَرْمِ) إِذْ لَا قِيمَةَ لِلنَّوَاةِ (وَكَذَا لَوْ) (وَقَعَتْ خَوْخَةٌ فِي أَرْضِ غَيْرِهِ فَنَبَتَتْ) لِأَنَّ الْخَوْخَةَ لَا تَنْبُتُ إِلَّا بَعْدَ ذَهَابِ لَحْمِهَا

ہوگی وہ ہوگی اور اس کے عمل کی مثل کی اجرت ہوگی۔ اس کو جائز کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ نصف درختوں کو نصف زمین کے عوض بیچے اور زمین کا مالک مزدور کو مثلاً تین سال کے لیے تھوڑی سی شے کے بدلے اجرت پر لے تاکہ وہ اس کے حصہ میں عمل کرے۔ ''صدر الشریعہ''۔ ہوا ایک آدمی کی گٹھلی لے گئی اور دوسرے آدمی کے انگوروں کے بیلوں میں پھینک دیا اس سے ایک درخت اگ آیا تو یہ درخت انگوروں کے بیلوں کے مالک کا ہوگا۔ کیونکہ گٹھلی کی کوئی قیمت نہیں۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر غیر کی زمین میں شفتالو گر گیا اور وہ اگ آیا کیونکہ شفتالو نہیں اگتا مگر اس کے گودے کے چلے جانے کے بعد۔

یہ امر ذہن نشین کرلو۔ جہاں تک مناصبہ کے صحیح ہونے کی وجہ ہے تو ''ذخیرہ'' میں کہا: کیونکہ ان دونوں نے اس تمام میں شرکت کی شرط لگائی ہے جو عامل کے عمل سے پیدا ہوتا ہے یہ عقد مزارعہ میں جائز ہے۔ اسی طرح معاملہ میں جائز ہے۔ اس کا مقتضایہ ہے کہ یہ اس کا طحان کے قفیز کے معنی میں ہونا کچھ نقصان نہیں دیتا۔ کیونکہ یہ قاعدہ مزارعت اور معاملہ کے اکثر مسائل میں جاری ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کے فاسد ہونے کا قول کیا ہے اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے قیاس کو ترک کیا ہے اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل خیبر سے اس کے نصف پر معاملہ کیا جو اس کے پھل یا کھیتی میں سے پیدا ہوگا (1)۔ یہ اس وجہ کی ترجیح کو بیان کرتا ہے جسے ہم نے پہلے ''النہایہ'' سے نقل کیا ہے۔ فلیتامل

32321۔ (قولہ: يَوْمَ الْغَرْسِ) ''الرملی'' نے اسی طرح بیان کیا ہے اور کہا: کیونکہ اس کی مثل میں ضمانت اس وقت سے ہوتی ہے جب اس کو ہلاک کیا جائے۔ پس اس کی قیمت کا اعتبار اس وقت سے کیا جائے گا نہ کہ اس وقت سے جس وقت وہ پھلدار درخت بنا ہے اور نہ ہی اس وقت سے جب باہم مخاصمت واقع ہوئی ہے۔ اسے جان لو کیونکہ محل بعض اوقات مشتبہ ہو جاتا ہے۔

32322۔ (قولہ: وَحِيلَةُ الْجَوَازِ الخ) یہ حیلہ اگرچہ زمین اور درختوں میں اشتراک کے صحیح ہونے کا فائدہ دیتا ہے لیکن یہ زمین کے مالک کو نقصان پہنچاتا ہے۔ کیونکہ مشترک چیز میں شریک کو عمل پر اجرت پر لینا یہ صحیح نہیں ہوتا اگر وہ عمل کرے تو وہ اجرت کا مستحق نہیں ہوتا۔ بعض اوقات وہ عمل سے رک جاتا ہے اور نصف زمین تھوڑی سی ثمن کے عوض لے لیتا ہے مگر اسے اس پر محمول کیا جائے کہ انہوں نے درخت الگ الگ کر لیے تھے اور ہر ایک کے درخت کا نصف ایک جانب ہے پس اجارہ بھی صحیح ہو جائے گا۔ فتامل

32323۔ (قولہ: إِلَّا بَعْدَ ذَهَابِ لَحْمِهَا) یعنی جب شفتالو کا گودا ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ گٹھلی کی کوئی قیمت نہیں۔

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب المساقات، باب المعاملہ علی النخل، جلد 6، صفحہ 113

(وَتَبْطُلُ) أَيِ الْمُسَاقَاةُ (كَالْمُزَارَعَةِ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا وَمُضِيِّ مُدَّتِهَا وَالثَّمَرُ نِيءٌ) هٰذَا قَيْدٌ لِصُورَتَيِ الْمَوْتِ وَمُضِيِّ الْمُدَّةِ (فَإِنْ مَاتَ الْعَامِلُ تَقُومُ وَرَثَتُهُ عَلَيْهِ) إِنْ شَاءُوا حَتَّى يُدْرَكَ الثَّمَرُ (وَإِنْ كَرِهَ الدَّافِعُ) أَيْ رَبُّ الْأَرْضِ، وَإِنْ أَرَادُوا الْقَلْعَ لَمْ يُجْبَرُوا عَلَى الْعَمَلِ (وَإِنْ مَاتَ الدَّافِعُ يَقُومُ الْعَامِلُ كَمَا كَانَ وَإِنْ كَرِهَ وَرَثَةُ الدَّافِعِ) دَفْعًا لِلضَّرَرِ

اور مزارعت کی طرح مساقات دونوں میں سے ایک کی مدت کے ساتھ اور اس کی مدت کے گزر جانے کے ساتھ باطل ہو جاتی ہے جب کہ پھل کچا ہو یہ مدت اور مدت کے گزرنے کی دونوں صورتوں کے لیے قید ہے۔ اگر عامل مرجائے تو اس کے وارث یہ ذمہ داری ادا کریں گے اگر چاہیں گے یہاں تک کہ پھل پک جائے اگرچہ زمین کا مالک یعنی دینے والا اسے ناپسند کرے۔ اگر وہ درخت اکھیڑنے کا ارادہ کریں تو انہیں عمل پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اگر زمین دینے والا مرجائے تو عامل وہ ذمہ داری ادا کرے گا جس طرح وہ پہلے ادا کر رہا تھا اگرچہ زمین دینے والے کے ورثا اسے ناپسند کریں یہ ضرر کو دور کرنے کے لیے ہے۔

پس یہ پہلے مسئلہ کی طرح ہو گیا۔ ''ط''۔

''المنح'' میں ''الخانیہ'' سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے: شکار کا معاملہ مختلف ہے جب وہ کسی انسان کی زمین میں بچے دے یا انڈے دے۔ کیونکہ شکار زمین کی جنس میں سے نہیں اور نہ ہی زمین کے ساتھ متصل ہے۔

32324۔ (قولہ: فَإِنْ مَاتَ الْعَامِلُ الخ) یہ قول اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ عقد اگرچہ باطل ہو چکا ہے لیکن حکماً یہ باقی رہے گا یعنی استحساناً باقی رہے گا جس طرح ''الملتقی'' وغیرہا پر ان کی شرح میں ہے۔ یہ ضرر کو دور کرنے کے لیے ہے ''شرنبلالیہ'' میں جو منافات کا دعویٰ ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ تامل

32325۔ (قولہ: وَإِنْ أَرَادُوا الْقَلْعَ) اس لفظ کے ساتھ تعبیر یہ مزارعت کے مناسب ہے۔ مساقات کے مناسب نہیں۔ ''ح''۔

میں کہتا ہوں: احسن لفظ قطع ہے کیونکہ یہ زیادہ جامع ہے۔ تامل

32326۔ (قولہ: لَمْ يُجْبَرُوا عَلَى الْعَمَلِ) بلکہ دوسرے کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ شرط کے مطابق بسر کھجوریں تقسیم کرے یا سب میں سے جو ان کا حصہ بنتا ہے اس کی قیمت انہیں دے دے یا وہ بسر پر خرچ کرے یہاں تک کہ وہ پک جائیں تو پھل میں سے اس کے حصہ میں اس کا مطالبہ کرلے جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔

اگر مساقات پر زمین دینے والا مرجائے تو اس کا حکم

32327۔ (قولہ: يَقُومُ الْعَامِلُ الخ) اگر ضرر لازم آتا ہے تو دوسرے کے وارثوں کو اختیار دیا جائے گا جس طرح گزر چکا ہے۔ اس کی مثل مزارعت میں ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں بھی ہے۔

''زیلعی'' نے اس میں اشکال کا ذکر کیا ہے کہ صرف پھل میں سے اس کا جو حصہ بنتا ہے اس میں عامل یا اس کے وارثوں

(وَإِنْ مَاتَا فَالْخِيَارُ فِي ذَلِكَ لِوَرَثَةِ الْعَامِلِ) كَمَا مَرَّ

اگر دونوں مرجائیں تو اس میں اختیار عامل کے وارثوں کو ہوگا جس طرح گزر چکا ہے

پر مطالبہ کیا جائے۔ پس چاہیے کہ تمام نفقہ کا مطالبہ کیا جائے۔ کیونکہ عامل عمل کا مستحق ہوتا ہے اور تمام کا تمام عمل اس کے ذمہ ہوتا ہے اسی وجہ سے عقد جاری رکھنے کو اختیار کیا یا اس کا مالک نہ مرے تو تمام عمل اس کے ذمہ ہوگا۔ اگر مطالبہ صرف اس کے حصہ کا ہو تو یہ امر اس کی طرف لے جاتا ہے کہ عمل دونوں پر واجب تھا یہاں تک کہ مؤنت صرف اس کے حصہ کی لازم آتی ہے یہ خلف ہے۔ کیونکہ یہ اس کی طرف لے جاتا ہے کہ عامل بعض مدت میں عمل کے بغیر مستحق ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ اشکال مزارعت میں بھی وارد ہوتا ہے۔

''سعدیہ'' میں یہ جواب دیا ہے کہ معنی یہ ہے کہ عامل کے حصہ میں مطالبہ تمام نفقہ کے بارے میں ہے نہ کہ صرف اس کے حصہ کے بارے میں ہے جس طرح اس فاضل نے سمجھا ہے۔

یہ جواب اس کے موافق ہے جسے ہم کتاب المزارعہ میں ''تاتر خانیہ'' سے نقل کر چکے ہیں کہ وہ حصہ کا اندازہ لگاتے ہوئے تمام نفقہ کا مطالبہ کرے۔ اور وہاں جو ''ہدایہ'' کا قول ہے اس کے موافق ہے اس نے جو اس کے حصہ میں خرچ کیا اس کا مطالبہ کرے گا۔ انہوں نے بنصفہ نہیں کہا اور نہ ہی بحصتہ کہا ہے۔ مقدرا بحصتہ کا معنی یہ ہے کہ عامل کے حصہ میں جو اس نے خرچ کیا اس کا مطالبہ کرے گا اگر اس کے حصہ کے برابر ہو یا اس سے کم ہو نہ کہ اس پر زائد ہو جس طرح ''مقدسی'' سے نقل کیا ہے۔ ''حموی'' نے کہا: ہاں ''زیلعی'' کا یہ اشکال اس قول پر وارد ہوتا ہے جو ''کافی''، ''غایہ'' اور ''مبسوط'' میں ہے کہ اس نے جو خرچ کیا اس کے نصف کا مطالبہ کرے گا۔

یہ امر ذہن نشین کر لیجئے۔ یہ جان لو کہ تمام نفقہ کا مطالبہ یہ اس کے موافق ہے جسے مزارعہ میں ثابت رکھا ہے اور متن میں یہ پہلے گزر چکا ہے اگر زمین کا مالک مر گیا جب کہ کھیتی بقل ہے تو عمل عمال پر ہوگا۔ کیونکہ عقد باقی ہے اگر مدت ختم ہو جائے تو دونوں پر عمل حصہ کے مطابق لازم ہوگا۔ اس کی وجہ سے ''ذخیرہ'' میں تصریح کی ہے کہ زمین کے مالک کے وارث جب قاضی کے امر سے خرچ کریں تو تمام نفقہ حصہ کا اندازہ لگائے ہوئے واپس لیں گے۔ مدت کے ختم ہونے کی صورت میں زمین کا مالک مزارع پر حصہ کا اندازہ لگاتے ہوئے نصف کا مطالبہ کرے گا۔ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں عقد باقی رہے گا اور عمل صرف عامل کے ذمہ ہوگا۔ دوسرے کا مسئلہ مختلف ہے۔ اس کی مکمل بحث مزارعت میں ہے۔ یہ سب اگرچہ مزارعت کے بارے میں ہے۔ لیکن مساقات مزارعت کی مثل ہے جس طرح ہم ابھی ''ہدایہ'' سے بیان کر چکے ہیں اور آگے آئے گا۔ علماء نے یہاں دونوں میں ایک وجہ کے علاوہ کسی میں فرق نہیں کیا جس کا عنقریب ذکر کریں گے۔ پھر جان لو کہ قاضی کے امر کی قید لگانے کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ قاضی کے امر کے بغیر واپسی کا کوئی مطالبہ نہیں۔ فتنبہ۔

32328۔ (قولہ: وَإِنْ مَاتَا الخ) ''ہدایہ'' میں کہا ہے: اگر عامل کے وارث انکار کر دیں کہ وہ اس سلسلہ کو جاری رکھیں گے تو اس میں خیار زمین کے مالک کے ورثا کو ہوگا جیسا ہم بیان کر چکے ہیں۔

(وَإِنْ لَمْ يَمُتْ أَحَدُهُمَا بَلْ انْقَضَتْ مُدَّتُهَا) أَيْ الْمُسَاقَاةِ (فَالْخِيَارُ لِلْعَامِلِ) إنْ شَاءَ عَمِلَ عَلَى مَا كَانَ (وَتُفْسَخُ بِالْعُذْرِ) (كَالْمُزَارَعَةِ) كَمَا فِي الْإِجَارَاتِ (وَمِنْهُ كَوْنُ الْعَامِلِ عَاجِزًا عَنْ الْعَمَلِ، وَكَوْنُهُ سَارِقًا يُخَافُ عَلَى ثَمَرِهِ وَسَعَفِهِ مِنْهُ) دَفْعًا لِلضَّرَرِ فُرُوعٌ مَا قَبْلَ الْإِدْرَاكِ كَسَقْيٍ وَتَلْقِيحٍ وَحِفْظٍ فَعَلَى الْعَامِلِ،

اگر دونوں میں سے کوئی بھی نہ مرے بلکہ مساقات کی مدت ختم ہو جائے تو خیار عامل کو ہوگا اگر چاہے تو عمل کرے جیسے وہ کر رہا تھا اور مساقات عذر کی وجہ سے فسخ ہو جائے گی۔ جس طرح مزارعت عذر کی وجہ سے فسخ ہو جاتی ہے اور اس میں یہ ہے کہ عامل عمل سے عاجز ہو اور وہ چور ہو اور اس سے پھل اور شاخوں کے بارے میں خوف ہو یہ ضرر کو دور کرنے کی وجہ سے ہے۔
فروع: پھل پکنے سے قبل جیسے سیراب کرنا، عمل ملاقحہ کرنا یعنی نر درخت کے شگوفہ کا پانی مادہ درخت کے شگوفہ تک پہنچانا اور حفاظت کا اہتمام کرنا تو وہ عامل کے ذمہ ہے

اگر مساقات کی مدت ختم ہو جائے تو عقد مساقات کا حکم

32329۔ (قولہ: بَلْ انْقَضَتْ مُدَّتُهَا) یعنی مدت گزر چکی ہے اور پھل کچا ہے یہ اور پہلا برابر ہے۔ ''ہدایہ''۔

32330۔ (قولہ: إنْ شَاءَ عَمِلَ) یعنی مزارعت کی طرح عمل کرے لیکن یہاں عامل پر اس کے حصہ کا اجر واجب نہیں ہوگا یہاں تک کہ پھل پک جائے۔ کیونکہ درخت کو اجرت پر لینا جائز نہیں۔ مزارعت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس پر زمین کی اجرت مثلی واجب ہوتی ہے۔ اسی طرح تمام عمل عامل کے ذمہ ہوگا۔ مزارعت میں عمل دونوں کے ذمہ ہوگا ''زیلعی''۔ اگر عامل عمل سے رک جائے تو دوسرے کو تین خیارات میں خیار دیا جائے گا جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔ ''اتقانی''۔

فرع: انگور کی بیلوں پر چند روز کام کرنے والے نے کام کیا پھر چھوڑ دیا جب پھل پک گیا تو حصہ طلب کرتے ہوئے آ گیا اگر ایسے وقت میں ترک کیا تھا جس وقت پھل کی کوئی قیمت تھی تو اسے طلب کرنے کا حق ہوگا اگر اس سے پہلے ہو تو اسے مطالبہ کا حق نہیں ہوگا۔ ''بزازیہ''۔

32331۔ (قولہ: وَتُفْسَخُ بِالْعُذْرِ) کیا قاضی کے فیصلے کی حاجت ہوگی؟ اس میں دو روایتیں ہیں دونوں کو ہم نے مزارعت میں ذکر کیا ہے، ''اتقانی''۔ کیا عامل کا سفر عذر ہے؟ اس میں دو روایتیں ہیں۔ ''بزازیہ'' میں کہا: صحیح یہ ہے کہ دونوں میں تطبیق دی جائے گی۔ پس یہ عذر ہوگا جب اس پر اس کے اپنے عمل کی شرط لگائے جب وہ مطلق ذکر کرے تو عذر نہیں ہوگا۔ عامل کے مریض ہونے میں اسی طرح تفصیل ہے۔

32332۔ (قولہ: وَسَعَفِهِ) یہ عین کی حرکت کے ساتھ ہے۔ یہ سعفہ کی جمع ہے یہ کھجور کی شاخیں ہیں، ''صحاح''۔ ''ابن کمال'' نے اسے ''مغرب'' سے نقل کیا ہے اور حاشیہ میں لکھا گیا ہے کہ ''العنایہ'' کی کتاب الزکاۃ میں جو ہے کہ یہ جرید کے پتے ہیں جس سے پنکھے بنائے جاتے ہیں یہ وہ نہیں۔ لیکن ''قہستانی'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس لفظ کا اطلاق دونوں پر کیا جاتا ہے۔

32333۔ (قولہ: مِنْهُ) ضمیر سے مراد عامل ہے یہ یخاف کے متعلق ہے۔

وَمَا بَعْدَهُ كَجِذَاذٍ وَحِفْظٍ فَعَلَيْهِمَا، وَلَوْ شَرَطَ عَلَى الْعَامِلِ فَسَدَتْ اتِّفَاقًا مُلْتَقًى وَالْأَصْلُ أَنَّ مَا كَانَ مِنْ عَمَلٍ قَبْلَ الْإِدْرَاكِ كَسَقْيٍ فَعَلَى الْعَامِلِ وَبَعْدَهُ كَحَصَادٍ عَلَيْهِمَا كَمَا بَعْدَ الْقِسْمَةِ فَلْيُحْفَظْ دَفَعَ كَرْمَةً مُعَامَلَةً بِالنِّصْفِ ثُمَّ زَادَ أَحَدُهُمَا عَلَى النِّصْفِ، إِنْ زَادَ رَبُّ الْكَرْمِ لَمْ يَجُزْ لِأَنَّهُ هِبَةُ مُشَاعٍ يُقْسَمُ، وَإِنْ زَادَ الْعَامِلُ جَازَ لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ

اور اس کے بعد جو عمل ہے جیسے کاٹنا اور حفاظت کرنا یہ دونوں کے ذمہ ہے۔ اگر عامل نے یہ شرط لگائی تو بالاتفاق عقد فاسد ہو جائے گا، ''ملتقی''۔ قاعدہ یہ ہے: ہر وہ عمل جو پھل کے پکنے سے پہلے ہو جیسے پانی دینا تو وہ عامل کے ذمہ ہے اور جو اس کے بعد ہو جیسے پھل کاٹنا تو یہ دونوں کے ذمہ ہے جس طرح تقسیم کے بعد دونوں کے ذمہ ہوتا ہے پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ ایک آدمی نے انگور کی بیلیں نصف کے عوض پر معاملہ کے طور پر دیں اور پھر دونوں میں سے ایک نے نصف پر زائد کر دیا اگر بیلوں کے مالک نے اضافہ کیا تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ ایسی مشترک چیز کا ہبہ ہے جو تقسیم کے قابل ہے۔ اگر عامل اضافہ کرے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ یہ اسقاط ہے۔

32334۔ (قولہ: وَلَوْ شَرَطَ عَلَى الْعَامِلِ فَسَدَتْ اتِّفَاقًا) ''ہدایہ'' کی عبارت ہے: اگر پھل کاٹنے کی عامل پر شرط لگائی تو معاملہ بالاتفاق فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ عرف نہیں۔ شارح نے پہلے کتاب مزارعہ کے آخر میں ''الخلاصہ'' سے یہ نقل کیا ہے کہ حفاظت ترک کرنے کی وجہ سے انگوروں کا ضامن ہوگا یہ عرف کی وجہ سے ہے۔ فتنبہ

صرف پھل پکنے سے پہلے کا عمل عامل کے ذمہ ہے

32335۔ (قولہ: وَالْأَصْلُ الخ) اس نے ماقبل جو مذکور ہوا اس پر کسی زائد شے کو بیان نہیں کیا۔ کیونکہ ماقبل جس کو ذکر کیا ہے وہ اصل ہے۔ کیونکہ اسے علی وجہ العموم ذکر کیا ہے۔ تامل

''تاتر خانیہ'' میں ''ینابیع'' سے ذکر کیا ہے جس کی منفعت مدت کے بعد باقی نہ رہے اس کے ساقی (عامل) پر شرط لگانا جیسے ملاقحہ کا عمل کرنا، تابیر کا عمل کرنا اور سیراب کرنا یہ جائز ہے اور جس عمل کی منفعت مدت کے بعد باقی رہے جیسے کھاد ڈالنا، چھپر بنانا، درخت لگانا وغیرہ یہ اس عقد کو فاسد کر دیتا ہے۔

32336۔ (قولہ: بَعْدَ الْقِسْمَةِ) جس طرح ایسا عمل جو پیداوار کی تقسیم کے بعد ہو۔ ''عنایہ'' میں کہا: گھر تک اٹھا کر لے جانا، پیسنا اور ان دونوں کے مشابہ۔ یہ دونوں اس کے اعمال میں سے نہیں ہیں۔ پس یہ دونوں عمل دونوں پر لازم ہوں گے۔ لیکن جو تقسیم سے پہلے ہے وہ اشتراک کے طریقے پر ہے اور جو تقسیم کے بعد ہے وہ دونوں میں سے ہر ایک پر صرف اس کے حصہ میں ہوگا۔ کیونکہ ہر ایک کی ملکیت دوسرے کی ملکیت سے ممتاز ہو چکی ہے۔

32337۔ (قولہ: ثُمَّ زَادَ أَحَدُهُمَا الخ) ''ہندیہ'' میں بہت اچھا قاعدہ ذکر کیا ہے: وہ قاعدہ جو کئی دفعہ گزر چکا ہے ہر وہ محل جو نئے عقد کا احتمال رکھتا ہو وہ زیادتی کا احتمال رکھے گا ورنہ زیادتی کا احتمال نہیں رکھے گا دونوں مواقع پر کمی کرنا جائز

دَفَعَ الشَّجَرَ لِشَرِيكِهِ مُسَاقَاةً لَمْ يَجُزْ فَلَا أَجْرَ لَهُ

اپنے شریک کو مساقات پر درخت دینا جائز نہیں پس اس کے لیے کوئی اجرت نہ ہوگی

ہے۔ جب اس نے کھجور کے درخت نصف کے عوض معاملہ پر دیئے تو پھل نکل آیا اگر اس کا بڑا ہونا ختم نہیں ہوا تو دونوں کی جانب سے زیادتی جائز ہے وہ کسی کی جانب سے ہو اگر بسر کی بڑھوتری ختم ہو چکی ہو تو عامل کی جانب سے زمین کے مالک کے لیے زیادتی جائز ہوگی۔ اور زمین کے مالک کی جانب سے عامل کے لیے کسی شے کی زیادتی جائز نہیں۔ جو قول یہاں ذکر کیا گیا ہے اگر اسے اس پر محمول کیا جائے جب اس کی بڑھوتری انتہا کو پہنچ چکی ہو تو تطبیق حاصل ہو جائے گی۔ جہاں تک ختم ہونے سے قبل کا تعلق ہے تو یہ نیا عقد کرنے کے قائم مقام ہے اور اس وقت دونوں جانب سے نیا عقد کرنا جائز ہے جس طرح ''ہندیہ'' کا قاعدہ اشارہ کرتا ہے۔ فتدبر۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: اس قاعدہ کی مثل ''تاتر خانیہ'' میں قاعدہ ذکر کیا گیا ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ مزارعت اور معاملہ برابر ہیں۔

اپنے شریک کو مساقات پر درخت دینا جائز نہیں

32338۔ (قولہ: دَفَعَ الشَّجَرَ لِشَرِيكِهِ مُسَاقَاةً لَمْ يَجُزْ) یعنی جب اس کے لیے اس کے حصہ سے زائد کی شرط لگائی۔ ''تاتر خانیہ'' میں کہا: جب مساقات فاسد ہو جائے تو پیداوار دونوں میں نصف نصف ہوگی جس طرح کھجور کے درختوں میں ان کا حصہ تھا۔ اگر دونوں شرط لگائیں کہ پیداوار دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگی تو یہ جائز ہے۔ شریک کے ساتھ مساقات کا فاسد ہونا۔ یہ ''المنح'' وغیرہ میں مذکور ہے۔ ''خیریہ'' اور ''حامدیہ'' میں اس کا فتویٰ دیا ہے ہمارے زمانہ میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ فاسد ہے۔ فتنبہ۔ مساقات کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ زمین میں دو شریکوں کے درمیان مزارعت ہے جب کہ بیج دونوں کی جانب سے ہو تو دو روایتوں میں سے اصح روایت کے مطابق صحیح ہے جس طرح ''ذخیرہ'' میں ہے۔ فرق یہ ہے کہ معاملہ میں اجارہ کا معنی شرکت کے معنی پر راجح ہے۔ مزارعت میں اس کے برعکس ہے۔

فرع: اگر دو شریکوں میں سے ایک نے اپنے حصہ پر دوسرے کی اجازت کے بغیر مساقات کا عقد کیا کیا وہ صحیح ہوگا؟ شافعیہ کے نزدیک ہاں یہ صحیح ہے۔ ''رملی'' نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ ہمارا مذہب اسی طرح ہے۔ کیونکہ مساقات اجارہ ہے اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مشترک چیز میں یہ جائز ہے۔ مساقات اور مزارعت میں جس پر اعتماد کیا جاتا ہے وہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب ہے پس مشترک چیز میں مساقات جائز ہوگی۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس کی تصریح کی ہو۔ پھر میں نے مؤلف کو دیکھا جنہوں نے جواب دیا کہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ صحیح ہے جس طرح میں نے سمجھا ہے۔ وللہ تعالیٰ الحمد والمنۃ۔

میں کہتا ہوں: اس میں بحث ہے۔ کیونکہ اجارہ معناً اگرچہ مساقات میں راجح ہے جیسے ہم اسے ابھی بیان کر آئے ہیں۔ لیکن اس میں اجارہ عامل کی جانب سے ہے درخت کے مالک کی جانب سے نہیں۔ کیونکہ درخت کو اجرت پر لینا جائز نہیں جس

لِأَنَّهُ شَرِيكٌ فَيَقَعُ الْعَمَلُ لِنَفْسِهِ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ
وَمَا لِلْمُسَاقِي أَنْ يُسَاقِيَ غَيْرَهُ وَإِنْ أَذِنَ الْمَوْلَى لَهُ لَيْسَ يُنْكَرُ

کیونکہ وہ شریک ہے اور عمل اس کی ذات کے لیے واقع ہوگا ''وہبانیہ'' میں ہے: مساقی کو حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کے ساتھ مساقات کرے۔ اگر آقا اسے اجازت دے دے تو پھر انکار نہیں کیا جاسکتا۔

طرح گزر چکا ہے۔ حقیقت میں عامل درخت کے مالک کا، پیداوار کے جز کے بدلے میں، مزدور ہے عامل میں کوئی اشتراک نہیں بلکہ اشتراک اجرت میں ہے پس یہاں اس مشترک کا اجارہ نہیں پایا گیا جس میں اختلاف ہے۔ فتدبر۔

''تاتر خانیہ'' کی پانچویں فصل میں ذکر کیا گیا ہے۔ جس کی نص یہ ہے: جب ایک آدمی نے کھجور کے درخت معاملہ پر دو آدمیوں کو دیے امام ''ابویوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جائز ہوگا۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں ہوگا۔ اگر اس نے نصف درخت معاملہ پر دیے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اگر مراد یہ ہے کہ تمام کھجور کے درخت دینے والے کے ہیں جس طرح متبادر معنی ہے تو اس میں عدم جواز، مشترک میں بدرجہ اولیٰ عدم جواز پر دلالت کرے گا۔ بلکہ عدم جواز کا فائدہ دے گا اگرچہ شریک کی اجازت سے ہو جس طرح یہ امر متامل پر مخفی نہیں۔ اگر مراد ہو کہ کھجور کے درخت مشترک ہیں اور دونوں میں سے ایک نے اجنبی کو دیے تو امر زیادہ ظاہر ہے۔ پس جو ہم نے کہا وہ متعین ہو گیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ شریک کا اجنبی کے ساتھ مساقات کرنا اگرچہ دوسرے شریک کی اجازت سے ہو یہ صحیح نہیں جس طرح دو شریکوں میں سے ایک کا دوسرے کے ساتھ مساقات کرنا صحیح نہیں۔ یہ وہ امر ہے جو میرے فہم قاصر کے لیے ظاہر ہوا ہے۔ واللہ اعلم

32339۔ (قولہ: لِأَنَّهُ شَرِيكٌ الخ) یہ تیرے لیے اسے واضح کر دیتا ہے جس کا ہم نے اس حیلہ پر ارادہ کیا ہے جسے انہوں نے ''صدر الشریعہ'' سے نقل کیا ہے۔

32340۔ (قولہ: فَيَقَعُ الْعَمَلُ لِنَفْسِهِ) یعنی اس کا عمل اپنے لیے بطور اصل اور غیر کے لیے بطور تبع کے ہوگا۔ ''ط''۔

مساقی کو کسی دوسرے کے ساتھ مساقات کرنے کا حق نہیں

32341۔ (قولہ: وَمَا لِلْمُسَاقِي الخ) اگر اس نے اجازت کے بغیر عقد مساقات کیا تو پیداوار مالک کے لیے ہوگی جس طرح ''حامدیہ'' میں اس کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔

''ذخیرہ'' میں کہا ہے: اسے معاملہ کے طور پر دیا اور اسے یہ نہیں کہا: اپنی رائے سے عمل کرو اس نے کسی اور کو وہ درخت دے دیے تو پیداوار کھجور کے مالک کے لیے ہوگی اور عامل کے لیے اجرت پہلے عامل کے ذمہ ہوگی وہ جہاں تک پہنچ جائے۔ اور پہلے کے لیے کوئی اجرت نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ دینے کا مالک نہیں تھا کیونکہ یہ غیر کے مال میں شرکت کو ثابت کرتا ہے اور دوسرے کا عمل اس کی طرف منسوب نہیں ہوگا۔ کیونکہ پہلا عقد اسے شامل نہیں تھا۔ اگر دوسرے عامل کے قبضہ میں پھل اس کے عمل کے بغیر ہلاک ہو جائے جب کہ وہ کھجور کے درخت پر ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔ اگر مزدور کے ایسے عمل سے ضائع ہو جس عمل میں وہ پہلے

وَفِي مُعَايَاتِهَا

وَأَيُّ شِيَاهٍ دُونَ ذَبْحٍ يُحِلُّهَا وَأَيُّ الْمُسَاقِي وَالْمُزَارِعِ يُكْفَرُ

ان کی پہیلیوں میں ہے: کون سی بکری کو ذبح کے بغیر شارع حلال قرار دیتا ہے اور کون سے مساقی اور مزارع کو کافر قرار دیا جاتا ہے۔

کے امر کی مخالفت کر رہا ہو تو کھجور کے مالک کے لیے دوسرا عامل ضامن ہوگا پہلا عامل ضامن نہیں ہوگا۔ اگر وہ اس کے عمل سے ایسے امر میں ہلاک ہو کہ اس نے پہلے عامل کے امر کی مخالفت نہ کی ہو تو کھجور کے مالک کو حق حاصل ہے جس سے چاہے ضمانت لے لے اور دوسرا اگر ضمانت دے تو اسے پہلے سے مطالبہ کا حق ہوگا۔ اس کی مثل ''تاتر خانیہ'' اور ''بزازیہ'' میں ہے۔ علامہ ''قاسم'' نے اس کا فتویٰ دیا ہے اور کئی کتب سے اسے نقل کیا ہے پس اس پر متنبہ ہو جایئے کیونکہ یہ کثیر علماء پر امر مخفی ہے۔

یہ امر باقی ہے کہ مزارع کا حکم بیان نہیں کیا۔ ''ذخیرہ'' وغیرہ میں یہ ذکر کیا ہے کہ اس کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ بیج زمین کے مالک کی جانب سے ہو اور مزارع کو حق حاصل نہیں کہ اسے مزارعت کے طور پر دے مگر اجازت کے ساتھ اگرچہ وہ اجازت دلالۃً ہو۔ کیونکہ اس میں غیر کو زمین کے مالک کے مال میں اس کی رضامندی کے بغیر شریک کرنا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بیج مزارع کی جانب سے ہو تو اسے دینے کا حق حاصل ہوگا اگرچہ اجازت کے بغیر ہو۔ کیونکہ وہ غیر کو اپنے مال میں شریک کر رہا ہے۔ مسئلہ کی تفاصیل طویل ہیں پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

32342۔ (قولہ: وَأَيُّ شِيَاهٍ الخ) اس سے مراد وہ بکری ہے جو شہر کے باہر بھاگ گئی اور مالک اس کے پکڑنے پر قادر نہیں اس میں زخم کافی ہے وہ زخم کسی جگہ بھی لگ جائے ساتھ ہی اس نے تکبیر پڑھی ہو جیسے شکار۔ کفر سے مراد چھپانا ہے مزارع کو کافر کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ دانے کو چھپاتا ہے پس ہر مزارع اور مساقی جب بیج بوتا ہے تو اسے چھپاتا ہے ''شرنبلالی''۔ مساقی کے بیج چھپانے میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ فتدبر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کِتَابُ الذَّبَائِحِ

مُنَاسَبَتُهَا لِلْمُزَارَعَةِ كَوْنُهُمَا إِتْلَافًا فِي الْحَالِ لِلِانْتِفَاعِ بِالنَّبَاتِ وَاللَّحْمِ فِي الْمَآلِ الذَّبِيحَةُ اسْمُ مَا يُذْبَحُ كَالذِّبْحِ بِالْكَسْرِ،

ذبیحہ کے احکام

کتاب الذبائح کی مزارعت کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ دونوں فی الحال ایک چیز کو تلف کرنا ہے تا کہ آخر کار نبات اور گوشت سے نفع حاصل کیا جائے۔ ذبیحہ اسے کہتے ہیں جسے ذبح کیا جاتا ہے جیسے ذِبح یعنی ذال کے کسرہ کے ساتھ

کتاب الذبائح کی مزارعت کے ساتھ مناسبت

32343۔ (قولہ: مُنَاسَبَتُهَا لِلْمُزَارَعَةِ الخ) ''ہدایہ'' کی شروح میں اسی طرح ہے۔ ''حواشی سعدیہ'' میں کہا ہے: یہ چاہیے تھا کہ ذبائح اور مساقات میں مناسبت کو بیان کیا جاتا۔ کیونکہ اس کا ذکر مساقات کے بعد کیا ہے۔ اور وہ کہتے ان دونوں میں سے ہر ایک میں اس چیز کی اصلاح ہے جس سے فی الحال کھانے سے نفع حاصل نہیں کیا جاتا تا کہ آخر کار اس سے نفع حاصل کیا جائے۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ جب مساقات مزارعت کے ساتھ شروط، حکم اور اختلاف میں متحد ہے اور کثیر کتابوں میں دونوں کو ایک عنوان کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔ ''قہستانی'' نے ''النتف'' سے یہ نقل کیا ہے کہ مساقات مزارعت کی ایک قسم ہے اس میں علماء نے تسامح سے کام لیا ہے۔

32344۔ (قولہ: إِتْلَافًا فِي الْحَالِ الخ) کیونکہ اس (مزارعت) میں زمین میں بیج ڈالنا ہے اور زمین میں اسے ہلاک کرنا ہوتا ہے اور (ذبح میں) حیوان کی روح نکالنا اور اس کے ڈھانچے کو برباد کرنا ہوتا ہے لیکن یہ اتلاف حقیقت میں اصلاح ہے۔ پس یہ اس قول کے منافی نہیں جو گزر چکا ہے۔ فتدبر

ذبیحہ کی تعریف

32345۔ (قولہ: الذَّبِيحَةُ اسْمُ مَا يُذْبَحُ) یہ اطلاق مایکون کے اعتبار سے ہے۔

ذِبح اور ذَبح میں فرق

32346۔ (قولہ: كَالذِّبْحِ بِالْكَسْرِ) یہ دونوں ایک معنی میں ہیں۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (الصافات) ہم نے بچالیا اسے فدیہ میں ایک عظیم ذبیحہ دے کر۔

وَأَمَّا بِالْفَتْحِ فَقَطْعُ الْأَوْدَاجِ (حُرِّمَ حَيَوَانٌ مِنْ شَأْنِهِ الذَّبْحُ) خَرَجَ السَّمَكُ وَالْجَرَادُ فَيَحِلَّانِ بِلَا ذَكَاةٍ، وَدَخَلَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَكُلُّ (مَا لَمْ يُذَكَّ) ذَكَاءً شَرْعِيًّا اخْتِيَارِيًّا كَانَ أَوْ اضْطِرَارِيًّا (وَذَكَاةُ الضَّرُورَةِ جَرْحٌ) وَطَعْنٌ وَإِنْهَارُ دَمٍ (فِي أَيِّ مَوْضِعٍ وَقَعَ مِنَ الْبَدَنِ، وَ) ذَكَاةُ (الِاخْتِيَارِ ذَبْحٌ بَيْنَ الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ)

مگر جب ذبح ذال کے فتحہ کے ساتھ ہوتو اس سے مراد رگوں کو کاٹنا ہے۔ وہ جانور ذبح کرنا جس کے لائق ہے، مچھلی اور مکڑی خارج ہو گئے پس یہ دونوں ذبح کے بغیر حلال ہو جائیں گے۔ اور وہ جانور جو اوپر سے نیچے لڑھک کر مر جائے اور جسے کسی نے سینگ مار دیا ہو اور جسے شرعی طریقہ سے ذبح نہ کیا گیا ہو وہ ذبح اختیاری ہو یا اضطراری ہو وہ حرام ہو جائے گا۔ اور ذبح ضرورت یہ ہے کہ بدن کی کسی جگہ پر زخم لگا دیا جائے، نیزہ مارا جائے اور اس کا خون بہا دیا جائے۔ اختیاری ذبح یہ حلق اور لبہ کے درمیان ذبح کرنا ہے

32347_(قولہ: وَأَمَّا بِالْفَتْحِ) بعض نسخوں میں واما الفتح ہے اور مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے۔

32348_(قولہ: فَقَطْعُ الْأَوْدَاجِ) اس میں تغلیب ہے جس طرح آگے آئے گا۔

32349_(قولہ: مِنْ شَأْنِهِ الذَّبْحُ) یعنی شرع میں جو ذبح کرنے کے لائق ہو کیونکہ مچھلی اور مکڑی کو ذبح کرنا ممکن ہے،''ط''۔ یعنی اگرچہ ان دونوں کی رگیں ہوں ورنہ دونوں کو اصلاً ذبح کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ تامل

32350_(قولہ: وَدَخَلَ) یعنی جو حرام ہو جاتے ہیں ان میں لڑھکنے والا اور جسے کسی جانور نے سینگ مارا ہو داخل ہے۔ اسی طرح مریضہ ہے اور جس کے پیٹ کو بھیڑیئے نے پھاڑ دیا ہو اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

ہر وہ جانور جسے شرعی طریقہ سے ذبح نہ کیا گیا ہو حرام ہے

32351_(قولہ: وَكُلُّ مَا لَمْ يُذَكَّ) یہ دخول تقاضا کرتا ہے کہ متن اس سے خارج ہو جائے تو یہ تعریف میں قید ہے۔''ح''۔

32352_(قولہ: ذَكَاءً شَرْعِيًّا) معروف ذکاۃ ہے یعنی ہمزہ کی بجائے ۃ ہے پس کتب کی طرف رجوع کیا جائے،''ح''۔ میں کہتا ہوں:''قاموس'' میں ہے: التذکیہ سے مراد ذبح ہے جیسے ذکاء اور ذکاۃ۔

ذبح اضطراری اور اختیاری میں فرق

32353_(قولہ: وَذَكَاةُ الضَّرُورَةِ) یعنی ایسے شکار میں جو مانوس نہ ہو اس کی مثل وہ ہے جو متن اور شرح میں آئے گا۔

32354_(قولہ: وَطَعْنٌ وَإِنْهَارُ دَمٍ)''المنح'' میں اسی طرح ہے۔ پہلا خاص کا عام پر عطف ہے۔ اور دوسرا دونوں کا مسبب ہے۔''طحطاوی'' نے کہا: اگر صرف جرح پر اکتفا کرتے جس طرح دوسرے علماء نے اکتفا کیا ہے تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔

32355_(قولہ: بَيْنَ الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ) حلق اصل میں حلقوم ہے جس طرح''قاموس'' میں ہے: یعنی عقدہ سے لے کر سینے کے شروع ہونے تک ہے۔''تحفہ'' اور''کافی'' وغیرہا کا کلام اسی پر دلالت کرتا ہے کہ حلق گردن کے معنی میں علاقہ

بِالْفَتْحِ الْمَنْحَرُ مِنَ الصَّدْرِ (وَعُرُوقُهُ الْحُلْقُومُ) كُلُّهُ وَسَطُهُ أَوْ أَعْلَاهُ أَوْ أَسْفَلُهُ وَهُوَ مَجْرَى النَّفَسِ

اور یہ لام کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس سے مراد سینے کی جانب سے نحر کرنے کی جگہ ہے۔ حلق کی عروق (رگیں) تمام کا تمام حلقوم ہے اس کا درمیانہ حصہ، اس کے اوپر والا حصہ یا اس کے نیچے والا حصہ ہے۔ صحیح قول کے مطابق یہ سانس کا راستہ ہے۔

جزئیت کے باعث استعمال ہوتا ہے۔ معنی ہے حلق کے مبدا کے درمیان یعنی گردن کی جڑ جس طرح ''قہستانی'' میں ہے۔ مصنف کا کلام آنے والی دونوں روایتوں کا احتمال رکھتا ہے۔

32356۔ (قوله: بِالْفَتْحِ) یعنی لام کے فتحہ اور با کی تشدید کے ساتھ۔

32357۔ (قوله: وَعُرُوقُهُ) یعنی حلق کی عروق مراد ہیں نہ کہ ذبح کی عروق۔ ''قہستانی''۔

32358۔ (قوله: الْحُلْقُومُ) اس سے مراد حلق ہے اس میں واؤ اور میم زائد ہے جس طرح ''مقاییس'' میں ہے، ''قہستانی''۔

ذبح کے محل میں فقہا کے اقوال

32359۔ (قوله: وَسَطُهُ أَوْ أَعْلَاهُ أَوْ أَسْفَلُهُ) یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ہے جو ''جامع صغیر'' میں ہے۔ لیکن یہ عبارت واؤ کے ساتھ ہے۔ شارح اسے او کے ساتھ لائے ہیں یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ واؤ اس میں او کے معنی میں ہے۔ کیونکہ شرط یہ نہیں کہ ذبح اوپر والے حصہ میں، درمیان میں یا نیچے والے حصہ میں ہو بلکہ ان میں سے کسی ایک میں ہو۔ فافہم

''ہدایہ'' اور ''جامع صغیر'' میں کہا: پورے حلق میں ذبح میں کوئی حرج نہیں وہ اس کے وسط میں ہو، اوپر والے حصہ میں ہو یا نیچے والے حصہ میں ہو اس میں اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: الذكاة ما بين اللبة واللحيين (1)، ذبح لبہ اور لحیین کے درمیان ہے۔ اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ رگوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے تو بالفعل اس میں خون کا بہانا موثر ترین طریقہ سے حاصل ہوتا ہے۔ پس ہر ایک کا حکم ایک جیسا ہوگا۔ ''المبسوط'' کی عبارت ہے: ذبح لبہ اور لحیین کے درمیان ہے جس طرح حدیث ہے۔

''النہایۃ'' میں کہا ہے: دونوں میں ظاہر کے اعتبار سے اختلاف ہے۔ کیونکہ ''مبسوط'' کی روایت اس صورت میں حلت کا تقاضا کرتی ہے جب ذبح عقدہ سے پہلے واقع ہو۔ کیونکہ یہ لبہ اور لحیین کے درمیان ہوتا ہے۔ اور ''جامع'' کی روایت عدم حلت کا تقاضا کرتی ہے۔ کیونکہ جب ذبح اس سے پہلے واقع ہو تو حلق محل ذبح نہیں ہوگا۔ پس ''جامع'' کی روایت ''مبسوط'' کی روایت کے اطلاق کے لیے مقید ہوگی۔ ''ذخیرہ'' میں اس کی تصریح کی ہے کہ ذبح جب حلقوم سے اوپر واقع ہو تو یہ حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ ذبح کی جگہ حلقوم ہے۔ لیکن امام ''رستغفنی'' کی روایت اس کے مخالف ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا: یہ عوام کا قول ہے یہ معتبر نہیں پس وہ مذبوحہ حلال ہوگا خواہ عقدہ سر کی جانب ہو یا سینے کی جانب ہو۔ کیونکہ ہمارے نزدیک معتبر اکثر

1۔ نصب الرایۃ، کتاب الذبائح، جلد 4، صفحہ 471، ایضاً، سنن کبریٰ للبیہقی، باب الذکاۃ فی المقدور علیہ، جلد 9، صفحہ 278

....

رگوں کو کاٹنا ہے جو عمل پایا گیا ہے۔ ہمارے شیخ اس کا فتویٰ دیا کرتے تھے اور کہتے تھے: ''رستغفنی'' امام ہے قول اور عمل میں قابل اعتماد ہے اگر قیامت کے روز ان کی روایت پر عمل کرنے کی وجہ سے ہمیں پکڑا گیا تو ہم ان کو پکڑ لیں گے جس طرح ہمیں پکڑا گیا۔ ''النہایہ'' میں جو کلام ہے یہ اس کی تلخیص ہے۔ یہ ''العنایہ'' میں ذکر کیا ہے کہ حدیث اس روایت کی ظاہر دلیل ہے اور ''مبسوط'' کی روایت اس کی مددگار ہے۔ اور ''ذخیرہ'' میں جو روایت ہے وہ حدیث کے ظاہر کے خلاف ہے۔

میں کہتا ہوں: بلکہ ''جامع'' کی روایت بھی ''رستغفنی'' کی روایت کی مدد کرتی ہے اور ''مبسوط'' کی روایت کے مخالف نہیں۔ یہ اس پر مبنی ہے جو ''قہستانی'' سے گزر چکا ہے کہ حلق کا اطلاق گردن پر ہوتا ہے۔ ''اتقانی'' نے ''غایۃ البیان'' میں اس پر سخت طعن و تشنیع کی ہے جس نے اس روایت کی مخالفت کی اور کہا: کیا آپ نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا ''جامع'' میں قول نہیں دیکھا: او اعلاہ یعنی جب وہ اوپر والی جانب ذبح کرے تو ضروری ہے کہ عقدہ نیچے رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ کی کلام میں عقدہ کی طرف التفات نہیں کیا گیا اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں اس کی طرف التفات کیا گیا ہے۔ بلکہ ذبح لبہ اور جبڑوں کے درمیان ہوگا۔ یہ حدیث طیبہ سے ثابت ہے۔ جو ذبح حاصل ہو چکا ہے خصوصاً امام کے قول کے مطابق۔ کیونکہ اس نے چار میں سے کوئی سی تین رگیں کاٹنے پر اتفاق کیا ہے۔ حلقوم کو اصلاً ترک کرنا جائز ہے تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا جب وہ اس کے اوپر سے وہ گردن قطع کر دے اور عقدہ نیچے رہ جائے۔ اسی کی مثل ''المنح'' میں ''بزازیہ'' سے مروی ہے۔ ''صاحب الدرر''، ''الملتقی''، ''العینی'' وغیرہم نے اسے جزم و یقین سے بیان کیا ہے لیکن ''نقایہ''، ''مواہب'' اور ''صلاح'' میں اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ضروری ہے کہ عقدہ سر کی جانب ہو۔ ''زیلعی'' اس طرف مائل ہوئے ہیں اور کہا: جو ''رستغفنی'' نے کہا ہے وہ اشکال کا باعث ہے۔ کیونکہ اس میں حلقوم کا کٹنا نہیں پایا گیا۔ اور نہ ہی مری کا کٹنا پایا گیا ہمارے ائمہ نے اگرچہ اکثر کے کٹنے کی شرط لگائی ہے تو ان دونوں میں سے ایک کا کٹنا سب کے نزدیک ضروری ہے۔ جب عقدہ میں سے کوئی چیز سر کی جانب نہ ہو تو ان دونوں میں سے ایک کا کٹنا حاصل نہیں ہوا تو بالاجماع اسے نہیں کھایا جائے گا۔ ان کے محشی ''شلبی'' اور ''حموی'' نے اس کا رد کیا ہے۔ ''مقدسی'' نے کہا: ان کا قول ان دونوں سے کسی ایک کا کٹنا حاصل نہیں ہوا یہ ممنوع ہے بلکہ امر واقع کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان دونوں کو کاٹنے سے مراد سر سے ان دونوں کو جدا کرنا ہے، لبہ کے ساتھ جو اتصال ہے اس سے الگ کرنا ہے۔ ''رملی'' نے کہا: اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مری نہیں کٹی کیونکہ یہ ممکن ہے کہ حرقد کو کاٹا جائے جیسے زبرج ہے یہ زبان کی جڑ ہے اور وہ مری پر جا پڑے اور اسے کاٹ دے پس تین کو کاٹنا حاصل ہو چکا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس مقام کی وضاحت یہ ہے کہ یہ کہا جائے: اگر عقدہ کے اوپر سے ذبح کرنے کی صورت میں عروق میں سے تین کا کٹنا حاصل ہو جائے تو حق وہ ہے جو ''ہدایہ'' کے شارحین نے ''رستغفنی'' کی تبع میں کہا ہے ورنہ حق اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ اہل مذہب کے اتفاق کے مطابق حلت کی شرط نہیں پائی گئی یہ امر مشاہدہ اور باخبر لوگوں سے سوال سے ظاہر ہوا ہے اس گفتگو کو غنیمت جانو اور جدال کو اپنی ذات سے دور کر دے۔

عَلَى الصَّحِيحِ (وَالْمَرِيءُ) هُوَ مَجْرَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ (وَالْوَدَجَانِ) مَجْرَى الدَّمِ (وَحَلَّ) الْمَذْبُوحُ (بِقَطْعِ أَيِّ ثَلَاثٍ مِنْهَا) إذْ لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ وَهَلْ يَكْفِي قَطْعُ أَكْثَرِ كُلٍّ مِنْهَا؟ خِلَافٌ وَصَحَّحَ الْبَزَّازِيُّ قَطْعَ كُلِّ حُلْقُومٍ وَمَرِيءٍ وَأَكْثَرِ وَدَجٍ

اور مری ہے یہ کھانے اور پینے کا راستہ ہے۔اور ودجین ہے یہ خون کا راستہ ہے۔اور مذبوح حلال ہو جائے گا جب ان چار میں سے کوئی سی تین رگیں کاٹ دی جائیں۔کیونکہ اکثر کے لیے کل کا حکم ہوتا ہے کیا ان میں سے اکثر کو کاٹ دیا جائے تو یہ کافی ہو گا؟ اس میں اختلاف ہے۔''بزازی'' نے اس کی تصحیح کی ہے جب مکمل حلقوم، مری اور خون کی رگ کا اکثر حصہ کٹ جائے۔

32360۔(قولہ: عَلَى الصَّحِيحِ) کیونکہ یہ کتب لغت اور کتب طب میں سے اکثر میں مذکور ہے۔

''ہدایہ'' میں ہے: یہ چارے اور پانی کا راستہ ہے اور مری سانس کے گزرنے کا راستہ ہے۔''صدر الشریعہ'' نے کہا: یہ سہو ہے۔لیکن ''ابن کمال'' نے اس کی مثل ''کشاف'' سے سورۂ احزاب میں نقل کیا ہے اور ''قہستانی'' نے ''مبسوطین'' سے نقل کیا ہے۔''طلبہ'' میں کہا: حلقوم کھانے کا راستہ ہے اور مری پینے کا راستہ ہے، ''قہستانی''۔

مُری کھانے پینے کا جبکہ ودجین خون کا راستہ ہے

32361۔(قولہ: وَالْمَرِيءُ) یہ ہمزہ کے ساتھ ہے ''قاموس'' سے کہا: یہ امیر کے وزن کی طرح ہے۔

32362۔(قولہ: وَالْوَدَجَانِ) یہ ودج جو دو فتحوں کے ساتھ ہے سے تثنیہ ہے یہ بڑی رگیں ہیں جو گردن کی اگلی جانب ہوتی ہیں ان دونوں کے درمیان حلقوم اور مری ہوتی ہے۔''قہستانی''۔

32363۔(قولہ: لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ) کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: افر الاوداج بما شئت (1)، جس کے ساتھ چاہے رگوں کو کاٹ دے۔یہ اسم جمع ہے اس کی کم سے کم مقدار تین ہے۔''العنایہ'' میں کہا: فری یہ اصلاح کے لیے کاٹنا ہے اور افراء یہ خراب کرنے کے لیے کاٹنا ہے۔پس ہمزہ کو کسرہ دینا زیادہ مناسب ہے۔

32364۔(قولہ: وَهَلْ يَكْفِي قَطْعُ أَكْثَرِ كُلٍّ مِنْهَا) یعنی ہا ضمیر سے مراد چاروں ہیں یعنی چاروں میں سے اکثر کو۔یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور پہلا ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلی دونوں اور ودجین میں سے ایک کا کاٹنا شرط ہے ان کا قول ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک تیسری روایت ہے وہ یہ ہے کہ حلقوم کے ساتھ آخری دو کو کاٹنا۔''اتقانی'' وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔

32365۔(قولہ: وَصَحَّحَ الْبَزَّازِيُّ الخ) اس کی عبارت ہے: اکثر میں ان سے سب سے صحیح جواب یہ ہے: جب وہ حلقوم، مری اور ودجین میں سے ہر ایک کے اکثر حصہ کو کاٹے تو اسے کھایا جائے گا۔اور جسے نہ کاٹا جائے تو اسے نہیں کھایا جائے گا اور غیر کی کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عنہ کی ضمیر امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف راجع ہے۔فتامل

1۔نصب الرایہ، کتاب الذبائح، جلد 4، صفحہ 471، دار الکتب العلمیہ بیروت

وَسَیَجِیْءُ أَنَّهُ یَکْفِی مِنَ الْحَیَاةِ قَدْرُ مَا یَبْقَی فِی الْمَذْبُوحِ (وَ) حَلَّ الذَّبْحُ (بِکُلِّ مَا أَفْرَی الْأَوْدَاجَ) أَرَادَ بِالْأَوْدَاجِ کُلَّ الْأَرْبَعَةِ تَغْلِیبًا (وَأَنْهَرَ الدَّمَ) أَیْ أَسَالَهُ (وَلَوْ) بِنَارٍ أَوْ (بِلِیطَةٍ) أَیْ قِشْرِ قَصَبٍ (أَوْ مَرْوَةٍ)

اور عنقریب یہ آئے گا کہ اتنی حیات کافی ہے جس قدر مذبوح میں باقی ہوتی ہے اور ذبح کرنا حلال ہے ہر ایسی چیز کے ساتھ جو رگوں کو کاٹ دے۔ اور ان سے مراد چاروں عروق ہیں۔ یہ نام غلبہ کے طور پر دیا ہے اور خون بہا دے اگر یہ عمل آگ کے ساتھ ہو، سرکنڈے کے چھلکے کے ساتھ ہو یا مروہ کے ساتھ ہو

32366۔ (قولہ: وَسَیَجِیْءُ) یعنی ان کے قول ذبح شاۃ سے تھوڑا پہلے ''المنح'' میں ''الجوہرہ'' اور ''ینابیع'' سے منقول ہے: جب بکری بیمار ہو جائے اور اس میں زندگی باقی نہ رہے مگر اتنی مقدار جس قدر مذبوح زندہ رہتا ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃاللہ علیہما کے نزدیک وہ ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا۔ مختار مذہب یہ ہے کہ ہر شے جسے ذبح کیا جائے جب کہ وہ زندہ ہو تو اسے کھایا جائے گا۔ اس پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ (المائدہ: 3) سوائے اس کے جسے تم ذبح کر لو۔ اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے۔

32367۔ (قولہ: بِکُلِّ) یہ قطع کے متعلق ہے۔

32368۔ (قولہ: أَرَادَ بِالْأَوْدَاجِ الخ) یہ قول اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مراد خصوصاً ودجین نہیں۔ اور جمع کا صیغہ ایک سے زائد کی بنا پر ہے۔ بلکہ مراد چاروں ہیں انہیں یہ نام غلبہ کی بنا پر دیا گیا ہے یعنی ہر وہ آلہ جس کے ساتھ اسے کاٹا جاتا ہے۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ آلہ کی صفت اس سے لگانا اس امر کا فائدہ نہیں دیتا کہ حلال ہونے کے لیے چاروں کو کاٹنا شرط ہے یہاں تک کہ یہ اس کے منافی ہو جو قول گزر چکا ہے۔ فافہم

وہ چیزیں جن کے ساتھ ذبح کرنا جائز ہے اور جس کے ساتھ جائز نہیں

32369۔ (قولہ: لَوْ بِنَارٍ) ''الدر المنتقیٰ'' میں کہا: کیا ذبح کی جگہ آگ کے ساتھ کاٹنے سے جانور حلال ہو جائے گا؟ اس بارے میں دو قول ہیں زیادہ مناسب یہ ہے کہ حلال نہیں ہوگا جس طرح ''قہستانی'' میں ''زاہدی'' سے مروی ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن علماء نے جنایات میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ آگ فعل عمد ہے اور اس کے ساتھ ذبیحہ حلال ہو جائے گا۔ لیکن ''المنح'' میں ''الکفایہ'' سے نقل کیا ہے: اگر آگ سے خون بہہ پڑے تو وہ جانور حلال ہو جائے گا اگر وہ جل جائے تو حلال نہیں ہوگا پس اسے یاد رکھا جائے اور تطبیق ہو جائے گی۔

32370۔ (قولہ: أَوْ بِلِیطَةٍ) یہ لفظ لام کے کسرہ اور یا (جو آخری حرف ہے) کے سکون کے ساتھ ہے یہ سرکنڈے کا چھلکا ہے اس کی جمع لیط ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''حموی'' سے اسے ذکر کیا ہے۔

32371۔ (قولہ: أَوْ مَرْوَةٍ) ''وقایہ'' کے بعض شارحین نے اس کی تصحیح میم کے کسرہ کے ساتھ کی ہے۔ میں نے معتبر لغات میں یہ نہیں پایا۔ صاحب ''الدستور'' اسے میم مفتوح کے ساتھ لائے ہیں ''اخی زادہ'' نے اسی طرح کہا ہے۔ ''منح''۔

هِيَ حَجَرٌ أَبْيَضُ كَالسِّكِّينِ يُذْبَحُ بِهَا (إِلَّا سِنًّا وَظُفْرًا قَائِمَيْنِ، وَلَوْ كَانَا مَنْزُوعَيْنِ حَلَّ) عِنْدَنَا (مَعَ الْكَرَاهَةِ) لِمَا فِيهِ مِنَ الضَّرَرِ بِالْحَيَوَانِ كَذَبْحِهِ بِشَفْرَةٍ كَلِيلَةٍ (وَنُدِبَ إِحْدَادُ شَفْرَتِهِ قَبْلَ الْإِضْجَاعِ، وَكُرِهَ بَعْدَهُ كَالْجَرِّ بِرِجْلِهَا إِلَى الْمَذْبَحِ وَذَبْحُهَا مِنْ قَفَاهَا) إِنْ بَقِيَتْ حَيَّةً حَتَّى تُقْطَعَ الْعُرُوقُ وَإِلَّا لَمْ تَحِلَّ لِمَوْتِهَا بِلَا ذَكَاةٍ

یہ چھری کی طرح سفید پتھر ہوتا ہے جس کے ساتھ ذبح کیا جاتا ہے۔ مگر دانت اور ناخن جو قائم ہوں اگر دونوں کو اکھاڑا گیا ہو تو ہمارے نزدیک کراہت کے ساتھ حلال ہے۔ کیونکہ اس میں حیوان کو ضرر لاحق ہوتا ہے جس طرح کند چھری کے ساتھ اسے ذبح کرنا۔ اور جانور کو پہلو کے بل لٹانے سے پہلے چھری تیز کر لینا مستحب ہے۔ اور اس کے بعد مکروہ ہے جس طرح اس کی ٹانگ پکڑ کر مذبح کی طرف کھینچنا اور اسے گدی کی جانب سے ذبح کرنا اگر وہ زندہ باقی رہے یہاں تک کہ رگیں کاٹی جائیں ورنہ وہ ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ ذبح کے بغیر مر چکا ہے۔

32372۔ (قولہ: مَعَ الْكَرَاهَةِ) یعنی اس کے ساتھ ذبح کرنا مکروہ ہے۔ مگر جس جانور کو اس کے ساتھ ذبح کیا گیا ہو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں جس طرح ''عنایہ'' اور ''اختیار'' میں ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

32373۔ (قولہ: بِشَفْرَةٍ) یہ لفظ شین کے فتحہ کے ساتھ ہے، ''ح''۔ یہ ''جامع اللغات'' سے مروی ہے۔ ''قاموس'' میں ہے: یہ بڑی چھری ہے جسے لوہے سے چوڑا کیا گیا ہو اور اسے تیز کیا گیا ہو اس کی جمع شفار ہے۔

ذبح کے وقت مستحب اور مکروہ امور کا بیان

32374۔ (قولہ: وَنُدِبَ الخ) کیونکہ حدیث طیبہ میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کے بارے میں جو ارادہ کیا جاتا ہے وہ اسے پہچانتے ہیں جس طرح حدیث میں ہے: ابهمت البهائم الاعن اربعة خالقها و رازقها و حتفها و سفادها(1) جانوروں سے ہر شے چھپائی گئی مگر چار چیزوں کو وہ پہچانتے ہیں اپنے خالق، اپنے رازق، اپنی موت اور نر کے مادہ پر کودنے کو۔ ''شرنبلالیہ'' میں ''المبسوط'' سے مروی ہے۔

32375۔ (قولہ: إِنْ بَقِيَتْ حَيَّةً الخ) فقیہ ''ابوبکر اعمش'' نے کہا: یہ اس وقت درست ہو سکتا ہے اگر وہ رگیں کاٹنے سے قبل اس سے زیادہ وقت زندہ رہے جس میں مذبوح زندہ رہتا ہے یہاں تک کہ وہ رگیں کاٹنے سے حلال ہو جائے تاکہ موت اس کی رگیں کاٹنے کی طرف منسوب ہو ورنہ وہ حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ موت اس کے سابقہ فعل کی طرف منسوب ہوگی۔ ''اتقانی''۔ لیکن میں نے اس کے حاشیہ میں دیکھا۔ ''حاکم شہید'' نے کہا: یہ تفصیل اس صورت میں صحیح ہوگی جب وہ دفعوں کے ساتھ کاٹے اگر وہ ایک ہی دفعہ کے ساتھ کاٹے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں جس طرح ہم نے ''دیات'' میں کہا ہے: اگر اس نے ایک ہی ضرب سے دو موضحہ زخم لگائے تو اس میں ایک دیت ہوگی اور دو ضربوں سے دو زخم لگائے تو دو چٹیاں ہوں گی۔

1۔ درر الحکام شرح فی الغرر، کتاب الذبائح، جلد 3، صفحہ 125

(وَالنَّخْعُ) بِفَتْحٍ فَسُكُونٍ بُلُوغُ السِّكِّينِ النُّخَاعَ، وَهُوَ عِرْقٌ أَبْيَضُ فِي جَوْفِ عَظْمِ الرَّقَبَةِ (وَ) كُرِهَ كُلُّ تَعْذِيبٍ بِلَا فَائِدَةٍ مِثْلُ (قَطْعِ الرَّأْسِ وَالسَّلْخِ قَبْلَ أَنْ تَبْرُدَ) أَيْ تَسْكُنَ عَنِ الِاضْطِرَابِ وَهُوَ تَفْسِيرٌ بِاللَّازِمِ كَمَا لَا يَخْفَى (وَ) كُرِهَ (تَرْكُ التَّوَجُّهِ إِلَى الْقِبْلَةِ) لِمُخَالَفَتِهِ السُّنَّةَ (وَشَرْطُ كَوْنِ الذَّابِحِ مُسْلِمًا حَلَالًا خَارِجَ الْحَرَمِ إِنْ كَانَ صَيْدًا)

اور نخع کا لفظ فتحہ اور سکون کے ساتھ ہے یعنی چھری نخاع تک پہنچ جائے یہ گردن کی ہڈی میں سفید رگ ہے۔ اور بے فائدہ ہر قسم کی تکلیف مکروہ ہے جیسے ٹھنڈا ہونے یعنی اضطراب سے سکون پانے سے قبل اس کی گردن کاٹنا اور چمڑا اتارنا۔ یہ لازم کے ساتھ تفسیر ہے جس طرح یہ مخفی نہیں۔ اور قبلہ کی طرف منہ کرنے کو ترک کرنا یہ سنت کی مخالفت کی وجہ سے مکروہ ہے۔ ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا احرام سے خالی ہونا شرط ہے جب کہ وہ حرم سے باہر ہو اگر مذبوح شکار ہو۔

میں کہتا ہوں: جو آدمی غور وفکر کرتا ہے اس کے لیے یہ ظاہر ہو جاتا ہے اس وجہ سے جمہور شارحین نے اس تفصیل کو ذکر نہیں کیا۔

لفظ نخع کی لغوی تحقیق

32376۔(قولہ: وَالنَّخْعُ) یہ لفظ نون، خا معجمہ اور عین مہملہ کے ساتھ ہے۔

32377۔(قولہ: بُلُوغُ السِّكِّينِ النُّخَاعَ) مناسب ابلاغ السکین تھا،''ح''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: النخع یہ ہے کہ اس کا سر کھینچے یہاں تک کہ اس کا مذبح ظاہر ہو جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ابھی وہ جانور اضطراب سے سکون نہ پائے کہ اس کی گردن توڑ دے کیونکہ یہ سب مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں حیوان کو بغیر کسی فائدہ کے اذیت دینا ہے۔''ہدایہ''۔

''زمخشری'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ دوسرا نخع ہے نخع نہیں۔''مطرزی'' وغیرہ نے اس کی تصویب کی ہے مگر''کواشی'' نے اس کو رد کیا ہے کہ بخاع با کے ساتھ لغت میں نہیں پایا گیا۔''ابن اثیر'' نے کہا: طویل عرصہ تک میں نے کتب لغت، کتب طب اور کتب تشریح میں چھان بین کی میں نے اسے نہیں پایا۔ محض فاضل''تفتازانی'' کا اس سے منع کرنا یہ کوئی شے نہیں ہے۔ ''قہستانی''۔ نخاع نون کے ساتھ ہے۔''العنایہ'' میں کہا: فتحہ، کسرہ اور ضمہ کے ساتھ یہ اس میں لغات ہیں۔

32378۔(قولہ: وَ كُرِهَ الخ) کراہت کا معنی بیان کرنے میں یہ جامع اصول ہے۔''عنایہ''۔

32379۔(قولہ: أَيْ تَسْكُنَ عَنِ الِاضْطِرَابِ) جس طرح''ہدایہ'' میں اس کی تفسیر بیان کی ہے۔

32380۔(قولہ: وَهُوَ تَفْسِيرٌ بِاللَّازِمِ) کیونکہ اس کے ٹھنڈا ہونے کو اس کا سکون لازم ہے مگر اس کے برعکس نہیں۔

32381۔(قولہ: لِمُخَالَفَتِهِ السُّنَّةَ) کیونکہ اس نے سنت موکدہ کی مخالفت کی ہے کیونکہ لوگ اسے ورثہ در ورثہ نقل کرتے آرہے ہیں پس عذر کے بغیر اس کا ترک مکروہ ہے۔''اتقانی''۔

ذبح کی شرط

32382۔(قولہ: إِنْ كَانَ صَيْدًا) اس کے احرام کے بغیر ہونے اور حرم سے باہر ہونے کی قید لگائی ہے اس قول کے

فَصَيْدُ الْحَرَمِ لَا تُحِلُّهُ الذَّكَاةُ فِي الْحَرَمِ مُطْلَقًا (أَوْ كِتَابِيًّا ذِمِّيًّا أَوْ حَرْبِيًّا)
حرم کے شکار کو حرم میں ذبح کرنا مطلقاً حلال نہیں کرتا یا ذبح کرنے والا کتابی ہو وہ ذمی ہو یا حربی ہو

ساتھ بکری وغیرہ کے ذبح کرنے سے احتراز کیا ہے پس اس کو ذبح کرنا یہ محرم وغیرہ کے لیے حلال ہے اگرچہ وہ حرم میں ہو۔

32383_(قولہ: فَصَيْدُ الْحَرَمِ لَا تُحِلُّهُ الذَّكَاةُ فِي الْحَرَمِ مُطْلَقًا) خواہ ذبح کرنے والا محرم ہو یا غیر محرم ہو جس طرح محرم کے ذبح کرنے سے شکار نہ حل میں حلال ہوتا ہے اور نہ ہی حرم میں حلال ہوتا ہے۔ اور ان کے قول فی الحرم کے ساتھ قید لگانا اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اگر غیر محرم اسے حرم کی طرف لے جائے اور اس میں ذبح کر دے تو یہ حلال ہوگا۔ ''طحطاوی'' نے کہا: ظاہر اس کے خلاف ہے۔

میں کہتا ہوں: ''اتقانی'' کا اطلاق اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ انہوں نے کہا: اس طرح کا شکار اس کا ذبیحہ اصلاً حلال نہیں ہوتا نہ محرم کے لیے اور نہ غیر محرم کے لیے۔ ''ہدایہ'' کا قول بھی اس کی تائید کرتا ہے: کیونکہ ذبح کرنا یہ مشروع فعل ہے یہ عمل حرام کر دیا گیا ہے پس یہ ذبح نہ ہوگا۔

32384_(قولہ: ذِمِّيًّا أَوْ حَرْبِيًّا) اسی طرح عربی یا تغلبی ہو۔ کیونکہ شرط حلت کا قائم ہونا ہے۔ ''ہدایہ''۔ اس طرح صابئہ ہے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اقرار کرتے ہیں۔ ''قہستانی''۔

''البدائع'' میں ہے: ان کی کتاب زبور ہے شاید ان کے کئی فرقے ہوں شارح نے کتاب الجزیہ میں پہلے بیان کیا ہے کہ سامرہ یہود میں داخل ہوں گے۔ کیونکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی تابعداری کرتے ہیں اور نصاریٰ میں افرنگی ارمنی داخل ہوں گے، ''سائحانی''۔

''حامدیہ'' میں ہے: کیا یہودیوں میں یہ شرط ہے کہ وہ اسرائیلی ہو اور کیا نصرانی میں یہ شرط ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ مسیح الہ ہے؟ ''ہدایہ'' وغیرہ کے اطلاق کا مقتضا یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ دادا نے اسرائیلی کے بارے میں اس کا فتویٰ دیا ہے۔ ''المستصفی'' میں یہ شرط لگائی ہے کہ ان کے ساتھ نکاح کے حلال ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ نصرانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں الہ ہونے کا اعتقاد نہ رکھتا ہو۔ ''المبسوط'' میں ہے: واجب ہے کہ مسلمان اہل کتاب کا ذبیحہ نہ کھائیں اگر وہ یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ حضرت مسیح علیہ السلام الہ ہیں اور حضرت عزیر علیہ السلام الہ ہیں اور نہ ہی ان کی عورتوں سے شادیاں کریں۔ لیکن ''شمس الائمہ'' کی ''مبسوط'' میں ہے نصاریٰ کا ذبیحہ مطلقاً حلال ہے خواہ وہ تین میں سے تیسرا کہے یا نہ کہے۔ دلائل کا مقتضا یہ ہے کہ یہ جائز ہے جس طرح ''تمرتاشی'' نے اسے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ مسلمان ان کا ذبیحہ نہ کھائے اور ان سے شادی نہ کرے مگر ضرورت کے وقت ایسا کرے جس طرح کمال ''ابن ہمام'' نے اسے نقل کیا ہے۔

معراج میں ہے: نصاریٰ کے بارے میں جو ذکر کیا گیا ہے ان کی شرط لگانا یہ عام روایات کے مخالف ہے۔

إِلَّا إِذَا سُمِعَ مِنْهُ عِنْدَ الذَّبْحِ ذِكْرُ الْمَسِيحِ (فَتَحِلُّ ذَبِيحَتُهُمَا، وَلَوْ الذَّابِحُ (مَجْنُونًا أَوْ امْرَأَةً أَوْ صَبِيًّا يَعْقِلُ التَّسْمِيَةَ وَالذَّبْحَ)

مگر جب ذبح کے وقت اس سے حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر سنا جائے تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں۔ ان دونوں (مسلمان اور کتابی) کا ذبیحہ حلال ہے اگرچہ ذبح کرنے والا مجنون ہو، عورت ہو یا ایسا بچہ ہو جو تکبیر اور ذبح کو سمجھتا ہے

32385۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا سُمِعَ مِنْهُ عِنْدَ الذَّبْحِ ذِكْرُ الْمَسِيحِ) اگر اس سے اللہ تعالیٰ کا ذکر سنے لیکن اس سے مسیح مراد لے علما نے کہا: اسے کھایا جائے گا مگر جب وہ یہ کہے: اس اللہ کے نام سے جو تین میں سے تیسرا ہے، ''ہندیہ''۔ اس قول نے یہ بیان کیا ہے اسے کھایا جائے گا جب مذبوح حالت میں اسے لایا جائے گا ''عنایہ''۔ جس طرح مسلمان کی موجودگی میں اور اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کے نام کو ذکر کرتے ہوئے اسے ذبح کرے۔

32386۔ (قولہ: وَلَوْ الذَّابِحُ مَجْنُونًا) ''ہدایہ'' میں اسی طرح ہے۔ اس سے مراد معتوہ ہے جس طرح ''العنایہ'' میں ''النہایہ'' سے مروی ہے۔ کیونکہ مجنون کا نہ قصد ہوتا ہے اور نہ ہی نیت ہوتی ہے۔ کیونکہ تسمیہ یعنی تکبیر کہنا اس کا شرط ہونا نص سے ثابت ہے۔ یہ قصد وارادہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور قصد وارادہ کا صحیح ہونا یہ اس چیز کے ساتھ ہوتا ہے جسے ہم نے ذکر کیا ہے۔ یعنی جوان کا قول ہے: اذا کان یعقل التسمیۃ والذبیحۃ ویضبط۔ اسی وجہ سے ''جوہرہ'' میں کہا ہے: اس بچے کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا جو سمجھ بوجھ نہ رکھتا ہو مجنون اور جو نشہ میں ہو وہ سمجھ بوجھ نہیں رکھتا۔ ''شرنبلالیہ''۔ لیکن ''التبیین'' میں ہے۔ اگر وہ تکبیر کہے اور اس کی نیت حاضر نہ ہو تو یہ صحیح ہوگا۔ پس یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ تاویل کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسی طرح قول کیا گیا ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ ''زیلعی'' کا اس کے بعد قول ہے کیونکہ اس کا ظاہر حال اسی پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے ذبیحہ پر تسمیہ کا قصد کیا۔ کیونکہ مجنون مستغرق کا کوئی قصد نہیں ہوتا۔ فتدبر

32387۔ (قولہ: يَعْقِلُ التَّسْمِيَةَ الخ) ''ہدایہ'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے: ویضبط یہ دونوں قید تمام معطوفات سابقہ اور لاحقہ کے لیے قید ہیں۔ کیونکہ اشتراک قیود میں اصل ہے جس طرح یہ امر ثابت ہو چکا ہے، ''قہستانی''۔ اس میں ضمیر اس مذکور ذبح کے لیے ہے جو اس قول و شرط کون الذابح میں سے الصبی کے لیے نہیں جس طرح وہم کیا گیا ہے۔

اس کے معنی میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ''العنایہ'' میں ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے یعنی وہ تسمیہ کے لفظ کی سمجھ سوجھ رکھتا ہو ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ یہ سمجھ بوجھ رکھتا ہو کہ ذبیحہ تسمیہ سے حلال ہوتا ہے اور وہ ذبح پر قادر ہو اور ذبح کی شرائط کو جانتا ہو کہ رگوں اور حلقوم کو کاٹنا ہے۔

''ابوسعود'' نے ''مناہی الشرنبلالیہ'' سے نقل کیا ہے کہ پہلا قول ایسا ہے جس پر عمل کیا جانا چاہیے۔ کیونکہ تسمیہ شرط ہے پس اس کا حصول شرط ہے تحصیل شرط نہیں۔ پس حلت بچے کے اس علم پر موقوف نہ ہوگی کہ ذبیحہ تسمیہ سے حلال ہو جاتا ہے۔ میرے لیے یہ امر اس طرح ظاہر ہوا تھا قبل اس کے کہ میں اسے مسطور حالت میں دیکھتا۔ ''حقائق'' اور ''بزازیہ'' میں جو قول ہے وہ

وَیَقْدِرُ (أَوْ أَقْلَفَ أَوْ أَخْرَسَ) (لَا) تَحِلُّ (ذَبِیحَةُ) غَیْرِ کِتَابِيٍّ مِنْ (وَثَنِيٍّ وَمَجُوسِيٍّ وَمُرْتَدٍّ) وَجِنِّيٍّ وَجَبْرِيٍّ
اور اس پر قادر ہو یا اس کا ختنہ ہوا ہو یا وہ گونگا ہو غیر کتابی یعنی بت پرست، مجوسی، مرتد، جنی اور جبری کا ذبیحہ حلال نہیں

اس کی تائید کرتا ہے اگر وہ تسمیہ کو یاد کرتے ہوئے تسمیہ نہیں پڑھتا جب کہ اسے اس کے شرط ہونے کا علم نہیں ہے تو وہ ناسی (بھول جانے والا) کے معنی میں ہے۔

32388۔(قولہ: أَوْ أَقْلَفَ) اقلف وہ ہوتا ہے جس کا ختنہ نہیں کیا ہوتا۔ اسی طرح اغلف کا لفظ ہے۔ اسے اس سے بطور قید احترازی کے ذکر کیا ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ اس کے ذبیحہ کو مکروہ خیال کرتے تھے۔ ''اتقانی''۔

32389۔(قولہ: أَوْ أَخْرَسَ) یعنی وہ مسلمان ہو یا کتابی ہو۔ کیونکہ اس کا تسمیہ سے عاجز آنا اس کے ذبح کے صحیح ہونے کے مانع نہیں۔ جس طرح اس کی نماز سے مانع نہیں۔ ''اتقانی''۔

غیر کتابی، بت پرست، مرتد، مجوسی، جنی اور جبری کا ذبیحہ حلال نہیں

32390۔(قولہ: لَا تَحِلُّ ذَبِیحَةُ غَیْرِ کِتَابِيٍّ) اسی طرح ''دروز'' ہیں جس طرح شافعیہ میں سے ''حصنی'' نے اس کی تصریح کی ہے یہاں تک کہ کہا: قریشہ حلال نہیں جو ان کے مذبوحات سے بنایا جاتا ہے۔ ہمارے قواعد اس کی موافقت کرتے ہیں کیونکہ نہ ان کی کتاب منزل ہے اور نہ ہی وہ نبی مرسل پر ایمان رکھتے ہیں۔ کتابی وہ ہوتا ہے جو نبی پر ایمان رکھتا ہے اور کتاب کا اقرار کرتا ہے۔ ''رملی''۔

میں کہتا ہوں ''دروز'' کے علاقوں میں بے شمار نصاریٰ ہیں جب قریشہ اور جبن ان کے علاقوں سے لایا جائے تو ان پر حلت کا حکم نہیں لگایا جائے گا جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ درزی کے ذبیحہ کے معدہ کے پنیر سے بنایا گیا ہے کیونکہ بعض اوقات معدہ کے پنیر کے علاوہ سے اسے بنایا جاتا ہے اور بعض اوقات نصرانی اسے ذبح کرتا ہے۔ تامل

عنقریب کتاب الصید کے آخر میں مصنف سے آئے گا کہ اس کا علم ہونا کہ ذبح کرنے والا ذبح کا اہل تھا کوئی شرط نہیں۔ اس کی وضاحت ان شاء اللہ تعالیٰ وہاں آئے گی۔

32391۔(قولہ: وَجِنِّيٍّ) کیونکہ ''الملتقط'' میں ہے: نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذبائح الجن (1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں کے ذبیحوں سے منع فرمایا ہے۔ ''اشباہ''۔ ظاہر معنی یہ ہے کہ اس کا محل یہ ہے کہ جب وہ انسان کی صورت نہ اپنائے اور اسے ذبح کرے ورنہ ظاہر صورت کو دیکھتے ہوئے وہ حلال ہوگا اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ ''ط''۔

معتزلہ اور جبریہ کے نظریات اور جبریہ کی اقسام

32392۔(قولہ: وَجَبْرِيٍّ الخ) ظاہر یہ ہے کہ صاحب ''الاشباہ'' نے یہ ''القنیہ'' سے اخذ کیا ہے۔ ان کی عبارت کی نص یہ ہے بعد اس کے کہ انہوں نے بعض مشائخ کے اقوال رقم کیے ہیں: ''ابوعلی'' سے مروی ہے کہ مجبرہ کا ذبیحہ حلال ہے اگر

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الذبائح، باب ماجاء فی معاقرۃ الاعراب، جلد 9، صفحہ 314

....

ان کے آباء مجبرہ ہوں۔ کیونکہ وہ اہل ذمہ کی طرح ہیں۔ اگر ان کے آباء اہل عدل سے ہوں تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ مرتدین کے قائم مقام ہیں۔

''ابوعلی'' سے ان کی مراد ''ابوعلی جبائی'' ہے جو معتزلہ کا رئیس ہے۔ اور مجبرہ سے مراد اہلسنت جماعت ہے۔ کیونکہ وہ اہل سنت کو یہی نام دیتے تھے جس طرح ''بیہقی جشمی'' جو ان میں سے ہے، کا کلام جو اس کی تفسیر میں ہے اس کی وضاحت کرتا ہے۔ اور اہل عدل سے مراد وہ خود ہیں جس طرح یہ علم کلام میں معلوم ہے صاحب ''الاشباہ'' نے المجبرہ کو جبریہ سے تبدیل کر دیا ہے۔ ''منح''۔

میں کہتا ہوں: نیز اہل عدل کو سنی سے تبدیل کر دیا ہے کیونکہ معتزلہ اپنے آپ کو اہل سنت نہیں کہا کرتے تھے بلکہ اپنے آپ کو اہل عدل سے موسوم کرتے تھے۔ کیونکہ وہ اللہ پر صلاح اور اصلح کے واجب ہونے کا قول کرتے تھے اور وہ یہ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ شر کو پیدا نہیں فرماتا۔ کیونکہ ان کا گمان فاسد یہ تھا کہ اس کے برعکس کرنا ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے جو اس کے شایان شان نہیں بہت ہی بلند و بالا ہے۔ لیکن مجبرہ کو جبریہ سے بدلنے میں کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ''سید شریف'' کی ''تعریفات'' میں ہے: جبریہ ہے کہ بندے کے فعل کو اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف منسوب کرنا اور جبریہ دو قسم کے ہیں (۱) متوسطہ: یہ بندے کے لیے فعل میں کسب کو ثابت کرتے ہیں جس طرح اشاعرہ ہیں (۲) خالصہ: وہ بندے کے لیے فعل میں کسب کو ثابت نہیں کرتے جبریہ کا لفظ دونوں پر بولا جاتا ہے۔ لیکن جبریہ خالصہ کہتے ہیں: بندہ جمادات کے قائم مقام ہے اور اللہ تعالیٰ کسی شے کے وقوع سے پہلے اس کا علم نہیں رکھتا اور اس کا علم حادث ہے کسی محل میں نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز سے متصف نہیں جس کے ساتھ کوئی اور موصوف ہے جیسے علم اور قدرت اور جنت اور جہنم فانی ہیں۔ اور انہوں نے رویت باری تعالیٰ کی نفی اور کلام کے مخلوق ہونے میں معتزلہ کے ساتھ موافقت کی ہے جس طرح ''مواقف'' میں ہے۔

حاصل کلام

اگر جبری سے یہ مراد لیا جائے کہ جو اہل سنت و جماعت میں سے ہے اور اس کا ذبیحہ حلال نہیں اگر اس کا باپ اہل عدل یعنی معتزلہ میں سے ہے جس طرح ''القنیہ'' میں ہے۔ یہ ایسی فرع ہے جو معتزلہ کے عقائد فاسدہ پر تخریج شدہ ہے اور اس پر مخرج ہے کہ معتزلہ اہل سنت و جماعت کی تکفیر کیا کرتے تھے۔ کیونکہ اہل سنت اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے صفات قدیمہ ثابت کرتے ہیں۔

کیونکہ معتزلہ نے کہا: نصاریٰ دو قدیموں کو ثابت کرنے کی وجہ سے کافر ہوئے تو وہ کیسے کافر نہ ہوں گے جو کثیر کو قدیم ثابت کرتے ہیں؟ علم کلام میں اس کا واضح انداز میں رد کیا گیا ہے۔

اگر جبریہ سے مراد جہمیہ ہے اور جہمی کا ذبیحہ حلال نہیں اگر اس کا باپ سنی ہے۔ کیونکہ یہ مرتد ہے۔ یہ اس قول پر مبنی ہے کہ اہل ہوا یعنی بدعتی کو کافر قرار دیا جاتا ہے۔ اکثر فقہاء اور متکلمین کے نزدیک راجح اس کے برعکس ہے اور وہ فاسق، نافرمان اور گمراہ ہیں ان کے پیچھے نماز پڑھی جائے گی، ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے باہم وارث

لَوْ أَبُوهُ سُنِّيًا، وَلَوْ أَبُوهُ جَبْرِيًا حَلَّتْ أَشْبَاهٌ، لِأَنَّهُ صَارَ كَمُرْتَدٍّ قُنْيَةٌ بِخِلَافِ يَهُودِيٍّ أَوْ مَجُوسِيٍّ تَنَصَّرَ لِأَنَّهُ يُقَرُّ عَلَى مَا انْتَقَلَ إِلَيْهِ عِنْدَنَا فَيُعْتَبَرُ ذَلِكَ عِنْدَ الذَّبْحِ؛

اگر اس جبری کا باپ سنی ہو اگر اس کا باپ جبری ہو تو اس کا ذبیحہ حلال ہوگا، ''اشباہ''۔ کیونکہ وہ مرتد کی طرح ہے۔ ''قنیہ''۔ یہودی اور مجوسی کا معاملہ مختلف ہے جو نصرانیت کو اپناتا ہے تو اسے اسی پر ثابت رکھا جائے گا جس کی طرف وہ منتقل ہوا یہ ہمارے نزدیک ہے پس ذبح کے وقت اس کا اعتبار کیا جائے گا

ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ محقق ''ابن ہمام'' نے ''شرح الہدایہ'' میں کہا: اہل مذہب کے کلام میں کثیر علماء کی جانب سے تکفیر واقع ہوگئی ہے۔ لیکن یہ ان فقہاء کے کلام میں سے نہیں ہے جو مجتہدین ہیں بلکہ دوسرے لوگوں میں سے ہیں فقہاء کے علاوہ کی کلام کا اعتبار نہیں مجتہدین سے جو منقول ہے وہ ہے کہ ان کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

جب تو نے یہ جان لیا ہے کہ تیرے لیے یہ امر ظاہر ہوگیا کہ یہ فرع اگر معتزلہ کے عقائد پر مبنی ہے تو بلا شبہ باطل ہے اگر ہمارے عقائد پر مبنی ہے اور صاحب ''الاشباہ'' نے معتزلہ کی تفریع پر اسے قیاس کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اسے ہمارے بارے میں فرض کیا ہے اور صاحب ''الاشباہ'' نے اسے ان کی امثال میں فرض کیا اس کا قرینہ ان کا یہ قول ہے او سنیا تو یہ راجح قول کے برعکس پر مبنی ہے نہ تو نہیں اسے ذکر کرنا چاہیے تھا اور نہ ہی اس پر اعتماد کرنا چاہیے تھا۔ اس کے ذبیحہ کو حلال نہ ہونے کا قول کیسے کیا جا سکتا ہے جب کہ ہم یہودیوں اور نصاریٰ کے ذبیحہ کو حلال قرار دیتے ہیں جو تثلیث کے قائل ہیں۔ اس کا اپنے ہی باپ کے مذہب سے جبریہ کے مذہب کی طرف منتقل ہونا اسے دین اسلام سے خارج نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ نبی مرسل اور کتاب منزل کی تصدیق کرنے والا ہے اور کتاب عزیز کی دلیل سے ہی منتقل ہوا ہے اگرچہ وہ اس میں خطا کرنے والا ہے تو وہ نصرانی سے ادنیٰ حال والا کیسے ہو سکتا ہے جو اصلاً دلیل کے شبہ کے بغیر تثلیث کا قائل ہے۔ بلکہ وہ اس میں اپنے رسول اور اپنی کتاب کی مخالفت کرنے والا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا (الانبیاء: 25) اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف بلا شبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (البینہ: 5) حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی، دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے جو یہ توفیق عطا فرمائی ہے اس پر اس کی حمد ہے۔

32393۔ (قولہ: لِأَنَّهُ صَارَ كَمُرْتَدٍّ) یہ عدم حلت کی علت ہے۔

32394۔ (قولہ: بِخِلَافِ يَهُودِيٍّ) یہ ان کے قول و مرتد کے ساتھ متعلق ہے اور ان کا قول لانہ یقر الخ یہ دونوں میں فرق ہے کیونکہ مسلمان جب کسی بھی دین کی طرف منتقل ہو تو اسے اس (اسلام) پر ثابت نہیں رکھا جاتا۔

32395۔ (قولہ: فَيُعْتَبَرُ ذَلِكَ) یعنی جس کی طرف وہ منتقل ہوا ہے اس کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ جس پر وہ پہلے تھا۔ یہ

حَتَّى لَوْ تَمَجَّسَ يَهُودِيٌّ لَا تَحِلُّ ذَكَاتُهُ، وَالْمُتَوَلِّدُ بَيْنَ مُشْرِكٍ وَكِتَابِيٍّ كِتَابِيٌّ لِأَنَّهُ أَخَفُّ (وَتَارِكُ تَسْمِيَةٍ عَمْدًا) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ

یہاں تک کہ اگر یہودی مجوسی ہو گیا تو اس کا ذبح حلال نہ ہو گا۔ اور جو مشرک اور کتابی سے پیدا ہو وہ کتابی کی طرح ہے۔ کیونکہ وہ دونوں میں سے خفیف ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

قاعدہ کلیہ ہے۔

32396۔ (قولہ: لِأَنَّهُ أَخَفُّ) کیونکہ کتاب النکاح میں گزر چکا ہے کہ بچہ والدین میں سے جو ضرر کے اعتبار سے کم ہے اس کے تابع ہو گا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو کسی کتاب پر ایمان رکھتا ہو اگرچہ وہ منسوخ ہو چکی ہو اس مشترک سے زیادہ خفیف ہے جو بتوں کی پوجا کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے لیے تو کوئی شبہ ہی نہیں جب دلائل کا مقابلہ ہو تو اس کا سہارا لے سکے۔ پہلے کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ منسوخ ہونے سے پہلے اس کا دین حق تھا۔

جو شخص عمداً تسمیہ کو چھوڑے اس کے ذبیحہ کا حکم

32397۔ (قولہ: وَتَارِكُ تَسْمِيَةٍ عَمْدًا) تارک یہ مجرور ہے اس کا عطف وثنی پر ہے۔ یعنی جس نے جان بوجھ کر تسمیہ کو چھوڑ دیا اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہو گا وہ مسلمان ہو یا کتابی ہو۔ کیونکہ قرآن کی نص ہے اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ سے قبل کے جو علماء ہیں ان کا اس پر اجماع ہے۔ بے شک اختلاف ناسی کے بارے میں ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے فرمایا: اس میں اجتہاد کو نہیں سنا جائے گا اگر کوئی قاضی اس کے بیچنے کے جواز کا فیصلہ کرے تو وہ نافذ نہیں ہو گا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان: المسلم یذبح علی اسم اللہ سمی اولم یسم (1) یہ نسیان کی حالت پر محمول ہو گا تا کہ اس ارشاد اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد میں تعارض کو دور کیا جائے جو ارشاد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت فرمایا جب حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں پوچھا کہ انہوں نے اپنے کتے کے ساتھ ایک دوسرا کتا پایا تھا: لا تأکل انما سمیت علی کلبك ولم تسم علی کلب غیرك (2) تو اسے نہ کھا بے شک تو نے اپنے کتے پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہے اور تو نے اپنے غیر کے کتے پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرمت کی علت تسمیہ کو چھوڑ دینا قرار دیا ہے۔ اس کی مکمل مباحث ''ہدایہ'' اور اس کی شروح میں ہیں۔ اسی اختلاف پر مبنی مسئلہ ہو گا جب وہ باز اور کتاب چھوڑتے وقت تسمیہ نہ پڑھے اور تیر پھینکتے وقت تسمیہ نہ پڑھے۔ ''ہدایہ''۔

32398۔ (قولہ: خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ) بعض نسخوں میں اس کے بعد یہ قول موجود ہے: ھو مخالف للاجماع قبلہ کما بسطہ الزیلعی یہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ سے قبل علما کا جو اجماع ہے اس کے مخالف ہے جس طرح ''زیلعی'' نے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

1۔ نصب الرایۃ، کتاب الذبائح، جلد 4، صفحہ 466

2۔ سنن نسائی، کتاب الصید والذبائح، باب اذا وجد مع مکبہ مکبہ غیرہ، جلد 3، صفحہ 195، حدیث نمبر 4195

(فَإِنْ تَرَكَهَا نَاسِيًا حَلَّ) خِلَافًا لِمَالِكٍ (وَإِنْ) (ذَكَرَ مَعَ اسْمِهِ) تَعَالَى (غَيْرَهُ، فَإِنْ وَصَلَ) بِلَا عَطْفٍ (كُرِهَ كَقَوْلِهِ بِسْمِ اللهِ اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ فُلَانٍ) أَوْ مِنِّي، وَمِنْهُ بِسْمِ اللهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ بِالرَّفْعِ لِعَدَمِ الْعَطْفِ

اگر وہ بھول کر تسمیہ ترک کر دے تو اس کا ذبح حلال ہوگا امام ''مالک'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام ذکر کرے اگر وہ عطف کے بغیر ملائے تو یہ مکروہ ہوگا جس طرح اس کا یہ قول ہے بسم اللہ اے اللہ فلاں یا میری جانب سے اسے قبول فرما۔ اس میں سے یہ ہے بسم اللہ محمد رسول اللہ اور لفظ محمد پر رفع پڑھے۔ کیونکہ یہ عطف نہیں

اگر کوئی بھول کر تسمیہ ترک کر دے تو اس کا ذبیحہ حلال ہوگا

32399۔ (قولہ: فَإِنْ تَرَكَهَا نَاسِيًا حَلَّ) ہم پہلے ''الحقائق'' اور ''بزازیہ'' سے نقل کر آئے ہیں کہ ناسی کے معنی میں وہ بھی ہے جو اسے اس کے شرط ہونے سے جاہل ہونے کی بنا پر ترک کرے۔ ''بزازیہ'' وغیرہا میں جو قول ہے اس کی وجہ سے اس میں اشکال پیدا ہوتا ہے۔ اگر وہ تکبیر کہے اور اس کے ساتھ ایک جانور ذبح کرے پھر دوسرا جانور ذبح کرے اور یہ گمان کرے کہ ایک دفعہ تکبیر ہی اس کے لیے کافی ہے تو (دوسرا جانور) حلال نہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں: جو اصلاً اس کے شرط ہونے کو نہیں جانتا اور جو اس کے بالجملہ شرط ہونے کو جانتا ہے میں فرق کرنا ممکن ہے۔ پس پہلے کو معذور مانا جائے گا دوسرے کو معذور نہیں مانا جائے گا۔ کیونکہ وہ شرط ہونے کی اصل سے آگاہ ہے۔ کیونکہ تسمیہ میں شرط یہ ہے کہ اسے فی الفور پڑھا جائے جس طرح آگے آئے گا اور پہلے جانور کو ذبح کرنے کے ساتھ فی الفور دوسرے میں منقطع ہو گیا جب کہ وہ اس کے شرط ہونے کو جانتا ہے، تامل۔ لیکن ''بدائع'' میں یہ ذکر کیا ہے: اس کا ظن جو دوسرے تسمیہ کے قائم مقام ہے عذر نہیں بنایا جائے گا جس طرح نسیان عذر ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ حکم شرع سے جہالت کے باب سے تعلق رکھتا ہے اور یہ عذر نہیں۔ نسیان کا معاملہ مختلف ہے جس طرح کوئی آدمی یہ گمان کرے کہ کھانا کھانا یہ روزہ دار کے لیے افطار کا باعث نہیں، فلیتامل

32400۔ (قولہ: خِلَافًا لِمَالِكٍ) ہماری کتب میں یہ اکثر واقع ہوا ہے۔ مگر جو آپ کے مذہب کی مشہور کتب ہیں کہ وہ کتا وغیرہ چھوڑتے وقت اور ذبح کرتے وقت تکبیر پڑھے گا اگر وہ اسے جان بوجھ کر چھوڑ دے تو مشہور مذہب کے مطابق اسے نہیں کھایا جائے گا اور اگر بھول کر اسے چھوڑا تھا تو ذبیحہ کھایا جائے گا۔ ''غرر الافکار''۔

32401۔ (قولہ: بِلَا عَطْفٍ) انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ یہاں وصل سے مراد عطف کو ترک کرنا ہے اس کا قرینہ ان کا قول: وان عطف ہے۔ یہ وصل و فصل کے بارے میں جو علم بلاغت کے علماء کی اصطلاح ہے اس کے خلاف ہے۔

32402۔ (قولہ: كَقَوْلِهِ بِسْمِ اللهِ اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ فُلَانٍ) میں کہتا ہوں: اگر وہ عطف کرے تو چاہیے یہ تھا کہ یہ کچھ نقصان نہ دیتا۔ کیونکہ ''غایۃ البیان'' میں ہے: اگر وہ کہے: بسم اللہ صلی اللہ علی محمد تو وہ جانور حلال ہوگا۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ ایسا نہ کرے۔ اگر وہ واؤ کے ساتھ کہتے تو اس کا کھانا حلال ہوتا۔

32403۔ (قولہ: وَمِنْهُ) ضمیر سے مراد ایسا فعل ہے جو عطف کے بغیر ہے اس میں سے یہ مثال ہے۔

وَيَكُونُ مُبْتَدِئًا، لَكِنْ يُكْرَهُ لِلْوَصْلِ صُورَةً، وَلَوْ بِالْجَرِّ أَوْ النَّصْبِ حَرُمَ دُرَرٌ، قِيلَ هَذَا إذَا عَرَفَ النَّحْوَ وَالْأَوْجَهُ أَنْ لَا يُعْتَبَرَ الْإِعْرَابُ، بَلْ يَحْرُمُ مُطْلَقًا بِالْعَطْفِ لِعَدَمِ الْعُرْفِ زَيْلَعِيٌّ كَمَا أَفَادَهُ بِقَوْلِهِ (وَإِنْ عَطَفَ

اور وہ نئے سرے سے کلام کرنے والا ہے لیکن صورۃً وصل کی وجہ سے یہ مکروہ ہے اگر جر یا نصب کے ساتھ ہوتو یہ حرام ہے، ''درر''۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حکم اس وقت ہے جب وہ نحو کو پہچانتا ہو۔زیادہ مناسب یہ ہے کہ اعراب کا اعتبار نہ کیا جائے بلکہ عطف کی صورت میں مطلقاً وہ مذبوح حرام ہو جائے گا۔کیونکہ یہ عرف نہیں، ''زیلعی''۔جس طرح مصنف نے اپنے اس قول ''اگر اس نے عطف کیا

32404۔(قولہ: وَلَوْ بِالْجَرِّ أَوْ النَّصْبِ حَرُمَ) اسے ''غایۃ البیان'' میں ''فتاویٰ'' اور ''روضہ'' سے نقل کیا ہے۔ کیونکہ یہ اپنے ماقبل سے لفظ یا محل پر بدل ہے۔

بسم اللہ اور محمد رسول اللہ میں وصل عطف کے بغیر ہو تو ذبیحہ مکروہ وگرنہ حرام ہوگا

32405۔(قولہ: قِيلَ هَذَا) اسم اشارہ سے مراد تحریم ہے جو وصل کی صورت میں ہے وہ وصل جر کے ساتھ ہو یا نصب کے ساتھ ہو۔''النہایہ'' میں کہا: اس صورت میں جب وہ عطف کے بغیر وصل کرے۔اگر رفع کے ساتھ ہو تو جانور حلال ہوگا اگر جر کے ساتھ ہو تو حلال نہیں ہوگا۔''نوازل'' میں اسی طرح ہے۔بعض علما نے فرمایا: یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ نحو کو پہچانتا ہو۔بعض علما نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی قول: آپ نماز وغیرہ میں نحو (اعراب) میں خطا کا اعتبار نہیں کرتے تھے، پر قیاس کرتے ہوئے کہا: ذبیحہ حرام نہیں ہوگا۔''ذخیرہ'' میں اسی طرح ہے۔

امام ''تمرتاشی'' نے ذکر کیا ہے کہ واؤ کے بغیر وصل تمام وجوہ میں اسے حلال کر دیتا ہے کیونکہ یہ عطف کے طریقہ پر مذکور نہیں پس وہ اس سے کلام کا آغاز کرنے والا ہوگا۔لیکن صورت میں وصل پایا جا رہا ہے اس لیے یہ مکروہ ہے۔اگر واؤ کے ساتھ وصل کرے اگر وہ اسے جر دے تو حلال نہیں ہوگا۔کیونکہ وہ ان دونوں کے ساتھ ذبح کرنے والا ہے۔اگر وہ اسے رفع دے تو حلال ہوگا۔کیونکہ یہ نئی کلام ہے۔اگر وہ نصب دے تو اس میں علما نے اختلاف کیا ہے۔''کفایہ'' اور ''معراج'' میں اسی طرح ہے۔''البدائع'' میں اس قول کو یقین سے ذکر کیا ہے جو ''تمرتاشی'' نے کہا ہے۔

32406۔(قولہ: وَالْأَوْجَهُ الخ) ''زیلعی'' کی عبارت اس طرح ہے: زیادہ مناسب ہے کہ اعراب معتبر نہ ہو بلکہ عطف کی وجہ سے مطلقاً حرام ہو۔کیونکہ لوگوں کے کلام اس پر جاری نہیں ہوتے۔شیخ ''شلبی'' نے اپنے حاشیہ میں کہا: جتنے نسخوں پر میں آگاہ ہوا ہوں ان سب میں یہ اس طرح ہے جب کہ یہ غیر ظاہر ہے۔کیونکہ کلام اس کے بارے میں ہے جب وہاں عطف نہ ہو۔ظاہر یہ تھا کہ یوں کہا جاتا: بلکہ عطف کے بغیر مطلقاً حرام نہیں۔''ابوسعود طحطاوی'' نے اس کی تائید اس سے کی ہے جو ابھی ''نہایہ'' سے گزرا ہے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ''بدائع'' میں اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔

32407۔(قولہ: كَمَا أَفَادَهُ بِقَوْلِهِ وَإِنْ عَطَفَ الخ) کیونکہ اس کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ حالت جر وغیرہا میں جر کی

حُرِّمَتْ نَحْوُ بِاسْمِ اللهِ وَاسْمِ فُلَانٍ أَوْ فُلَانٍ) لِأَنَّهُ أَهَلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ، قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَوْطِنَانِ لَا أُذْكَرُ فِيهِمَا عِنْدَ الْعُطَاسِ، وَعِنْدَ الذَّبْحِ، (فَإِنْ فُصِلَ صُورَةً وَمَعْنًى كَالدُّعَاءِ قَبْلَ الْإِضْجَاعِ وَ) الدُّعَاءِ (قَبْلَ التَّسْمِيَةِ أَوْ بَعْدَ الذَّبْحِ

تو ذبیحہ حرام ہو جائے گا'' میں بیان کیا ہے جیسے وہ کہے: اللہ کے نام سے اور فلاں یا فلاں کے نام سے۔ کیونکہ اس نے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: دو ایسے مواقع ہیں جن میں میرا ذکر نہیں کیا جاتا چھینک کے وقت اور ذبح کے وقت (1)۔ اگر وہ صورت اور معنی دونوں اعتبار سے فصل کرے جیسے لٹانے سے پہلے دعا کرے تسمیہ سے پہلے یا ذبح کے بعد دعا کرے

صورت میں وہ جانور حرام ہو۔ کیونکہ انہوں نے اسے مطلق ذکر کیا ہے اور ''ہدایہ'' کے قول کی طرح قول نہیں کیا و محمد رسول اللہ جو دال کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ ''زیلعی'' کے کلام کا یہ مستفاد ہونا تقاضا کرتا ہے کہ ان کی کلام کو اس کے ظاہر معنی پر محمول کیا جائے۔ اس کی تائید یہ قول بھی کرتا ہے کہ ''ابن ملک'' نے عطف کی صورت میں کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ رفع دے تو مذبوح حلال ہوگا۔ لیکن زیادہ مناسب یہ ہے جو ہم نے پہلے ''زیلعی'' سے نقل کیا ہے اور انہوں نے اسے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا۔ ہاں ''زیلعی'' کی عبارت عطف نہ ہونے کی صورت میں مفروض ہے جیسا کہ وہ ظاہر ہے کہ وہ دعویٰ جو ''شلبی'' سے گزر چکا ہے وہ راجح ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

32408۔ (قولہ: وَإِنْ عَطَفَ حُرِّمَتْ) یہی قول صحیح ہے۔ ''ابن سلمہ'' نے کہا ہے: وہ ذبیحہ مردار نہیں ہوگا کیونکہ اگر وہ مردار ہو جائے تو آدمی کافر ہو جائے گا۔ ''خانیہ''۔

میں کہتا ہوں: ملازمت ممنوع قرار دی جائے گی۔ کیونکہ کفر امر باطنی ہے اور اس کے بارے میں حکم مشکل ہے۔ پس فرق کیا جائے گا۔ ''شرح مقدسی'' میں اسی طرح ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

32409۔ (قولہ: أَوْ فُلَانٍ) بعض نسخوں میں ہے: او و فلان یعنی او کے ساتھ واؤ ہے۔ یہ زیادہ ظاہر ہے۔ مراد یہ ہے اس عطف میں کوئی فرق نہیں جو اس کے فلاں کی طرف مضاف ہونے میں تکرار کی صورت میں ہو یا نہ ہو۔

32410۔ (قولہ: لِأَنَّهُ أَهَلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ) ''ہدایہ'' میں اسی طرح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرنا اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب صرف اس کا نام لیا جائے اس کا کوئی شریک نہ ہو۔

32411۔ (قولہ: لَا أُذْكَرُ فِيهِمَا) اس مقام سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ یہ نہی تحریم کے لیے ہے۔ کیونکہ ذبیحہ پر آپ کا نام کہنے سے وہ حرام ہو جاتا ہے اور مردار بن جاتا ہے جس طرح پہلے تفصیل گزر چکی ہے۔ کیا چھینک مارنے کا حکم اسی طرح ہوگا یا اس کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خلاف اولیٰ ہوگا۔ اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ ''ط''۔

32412۔ (قولہ: فَإِنْ فُصِلَ) یعنی تسمیہ اور اس کے علاوہ میں فصل کیا۔ اور ان کا قول صورۃ و معنی کے بارے میں

1۔ البحر الرائق، کتاب الذبائح باب ما یقولہ عند الذبح، ایضاً، البدائع والصنائع، فصل فی بیان شرط حل الاکل فی الحیوان،

لَا بَأْسَ بِهِ) لِعَدَمِ الْقِرَانِ أَصْلًا (وَالشَّرْطُ فِي التَّسْمِيَةِ هُوَ الذِّكْرُ الْخَالِصُ
تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اصلاً ملانا نہیں پایا گیا۔ تسمیہ میں شرط ایسا ذکر ہے جو دعا وغیرہ کے

میرے لیے جو امر ظاہر ہوا ہے کہ اس میں واؤ، او کے معنی میں ہے۔ یہ مانعۃ الخلو ہے۔ اور ان کا قول قبل الاضجاع یہ صورۃً اور معنیً فصل کی مثال ہے۔ اسی طرح ان کا قول او بعد الذبح اور ان کا قول و قبل التسمية یہ صرف معنیً فصل کی مثال ہیں۔ کیونکہ جب وہ اسے پہلو کے بل لٹائے گا پھر وہ دعا مانگے یا وہ تکبیر اور ذبح کے بعد دعا مانگے تو صورۃً فصل حاصل نہیں ہوگا یعنی حساً فصل نہیں ہوگا بلکہ معنیً فصل حاصل ہوگا۔ یعنی تقدیراً فصل حاصل ہوگا۔ کیونکہ واجب یہ تھا کہ تسمیہ کو الگ کیا جاتا جو حاصل ہو چکا ہے۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ تکبیر کے بعد اور ذبح سے پہلے دعا مانگے جیسے: بسم الله اللهم تقبل منى او اغفرلى۔ یہ مکروہ ہے کیونکہ اس نے تسمیہ (تکبیر) کو الگ نہیں کیا جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ''الذخیرہ'' وغیرہا سے نقل کیا ہے۔ تامل

32413۔ (قولہ: لَا بَأْسَ بِهِ) یعنی مکروہ نہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ مروی ہے کہ آپ نے ذبح کے بعد کہا: اللهم تقبل هذا عن امة محمد ممن شهد لك بالوحدانية ولى البلاغ (1) اے اللہ اسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی جانب سے قبول فرمالے جس نے تیری وحدانیت اور میرے بارے میں پیغام حق پہنچانے کی شہادت دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی جانور کو ذبح کرنے کا ارادہ کرتے تو کہتے: اللهم هذا منك ولك ان صلاتى و نسكى و محياى و مماتى لله رب العالمين لا شريك له و بذلك امرت و انا من المسلمين بسم الله والله اكبر (2)۔ اے میرے اللہ یہ تیری جانب سے ہے اور تیرے لیے ہے بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے میں مسلمانوں میں سے ہوں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اللہ سب سے بڑا ہے۔ پھر آپ ذبح کرتے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے۔ ''زیلعی'' وغیرہ۔

تسمیہ میں شرط

32414۔ (قولہ: وَالشَّرْطُ فِي التَّسْمِيَةِ هُوَ الذِّكْرُ الْخَالِصُ) کوئی بھی اسم ہو جو اللہ تعالیٰ کی صفت کے ساتھ ملا ہوا ہو جیسے اللہ اکبر، اللہ اجل، اللہ اعظم یا صفت کے ساتھ مقرون نہ ہو جیسے اللہ، الرحمٰن یا تہلیل و تسبیح کے ساتھ ہو وہ تسمیہ سے جاہل ہو یا نہ ہو، عربی زبان میں ہو یا نہ ہو اگرچہ اس پر قادر ہو۔ شرط یہ ہے کہ یہ تسمیہ ذبح کرنے والے کی جانب سے ہو کسی اور کی جانب سے نہ ہو۔ ''ہندیہ''۔ اس کی باقی شروط آنے والی کلام سے معلوم ہو جائیں گی۔ چاہیے کہ شروط میں اس کا اضافہ کیا جائے کہ اس کے ساتھ مخلوق کی تعظیم کا قصد نہ کیا جائے۔ کیونکہ عنقریب آئے گا اگر امیر کے آنے وغیرہ پر جانور کو ذبح کیا جائے تو وہ جانور حرام ہو جائے گا اگرچہ وہ تسمیہ پڑھے، تامل۔

1۔ نصب الرایۃ، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر، جلد 3، صفحہ 191، ایضاً سنن کبریٰ للبیہقی، جلد 9، صفحہ 287 2۔ ایضاً

عَنْ شَوْبِ الدُّعَاءِ) وَغَيْرِهِ (فَلَا يَحِلُّ بِقَوْلِهِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي) لِأَنَّهُ دُعَاءٌ وَسُؤَالٌ (بِخِلَافِ الْحَمْدُ لِلَّهِ، أَوْ سُبْحَانَ اللهِ مُرِيدًا بِهِ التَّسْمِيَةَ) فَإِنَّهُ يَحِلُّ (وَلَوْ) (عَطَسَ عِنْدَ الذَّبْحِ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ لَا يَحِلُّ فِي الْأَصَحِّ) لِعَدَمِ قَصْدِ التَّسْمِيَةِ (بِخِلَافِ الْخُطْبَةِ) حَيْثُ يُجْزِئُهُ قُلْت يَنْبَغِي حَمْلُهُ عَلَى مَا إِذَا نَوَى وَإِلَّا لَا لِيُوَفَّقَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَا مَرَّ فِي الْجُمُعَةِ فَتَأَمَّلْ

شائبہ سے خالص ہو۔ پس ذبیحہ ان کے قول: اللھم اغفرلی سے حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ دعا اور سوال ہے۔ الحمد للہ یا سبحان اللہ کا معاملہ مختلف ہے جب کہ وہ ان سے تسمیہ کا ارادہ رکھتا ہو تو ذبیحہ حلال ہوگا۔ اگر ذبح کے وقت چھینک مارے اور وہ کہے: الحمدللہ تو اصح قول کے مطابق ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے تسمیہ کا ارادہ نہیں کیا۔ خطبہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ اسے کفایت کر جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں: جب وہ نیت کرے تو اسے اس پر محمول کرنا چاہیے ورنہ نہیں تا کہ اس میں اور جو قول کتاب الجمعہ میں گزر چکا ہے اس میں تطبیق ہو جائے۔ فتامل۔

32415۔(قولہ: عَنْ شَوْبِ) یعنی ملاوٹ۔

32416۔(قولہ: مُرِيدًا بِهِ التَّسْمِيَةَ) ان کی قید لگائی ہے کیونکہ ''غایۃ البیان'' میں ہے: اگر اس نے تسمیہ کا ارادہ نہیں کیا تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ ''شیخ الاسلام'' نے اپنی شرح میں فرمایا: کیونکہ یہ الفاظ تسمیہ کے باب میں صریح نہیں۔ بے شک اس میں صریح بِسْمِ اللهِ ہے۔ پس یہ کنایہ ہوں گے اور کنایہ نیت کے ساتھ صریح کے قائم مقام ہوتا ہے جس طرح کتاب الطلاق میں کنایات میں ہے۔

32417۔(قولہ: لِعَدَمِ قَصْدِ التَّسْمِيَةِ) اس سے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس سے چھینک مارنے والے کیلئے تحمید کا قصد کیا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس سے ذبیحہ کا ارادہ کرتے تو وہ ذبیحہ حلال ہو جاتا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر اس کی نیت نہ ہو۔ ''شرنبلالیہ''۔

میں کہتا ہوں: آخری میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ ابھی تو نے جانا ہے کہ یہ کنایہ ہے۔ ان کے قول بِسْمِ اللهِ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ صحیح ہے اگرچہ نیت نہ ہو جس طرح آگے آئے گا کیونکہ یہ صریح ہے۔ فتنبہ

32418۔(قولہ: قُلْت يَنْبَغِي حَمْلُهُ عَلَى مَا إِذَا نَوَى) یعنی خطبہ کے لیے تحمید کی نیت کی۔ اس میں ہے: اس وقت دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوگا کیونکہ تو جان چکا ہے کہ ذبح میں بھی نیت کا ہونا ضروری ہے۔

''خانیہ'' میں ہے جس کی نص یہ ہے: اگر کسی کو چھینک آئی اور اس نے کہا: الحمدللہ، وہ اس سے چھینک مارنے والے پر تحمید کا ارادہ کرتا ہے تو اس نے جانور ذبح کر دیا تو جانور حلال نہیں ہوگا۔ خطیب کا معاملہ مختلف ہے جب اسے منبر پر چھینک آئے تو وہ کہے: الحمدللہ تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے جو دو روایتیں مروی ہیں ان میں سے ایک روایت کے مطابق جمعہ جائز ہوگا۔ کیونکہ جمعہ میں جس کا حکم دیا گیا ہے وہ مطلقاً اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ یہاں شرط ذبح پر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اس کی مثل ''النہایہ'' اور ''معراج'' میں ہے۔ ان کا قول: فی احدی الروایتین سے تطبیق ظاہر ہو جاتی ہے کہ جو کتاب الجمعہ میں گزرا ہے اسے دوسری

(وَالْمُسْتَحَبُّ أَنْ يَقُولَ بِسْمِ اللهِ اللهُ أَكْبَرُ بِلَا وَاوٍ، وَكُرِهَ بِهَا) لِأَنَّهُ يَقْطَعُ فَوْرَ التَّسْمِيَةِ كَمَا عَزَاهُ الزَّيْلَعِيُّ لِلْحَلْوَانِيِّ وَقَالَ قَبْلَهُ وَالْمُتَدَاوَلُ الْمَنْقُولُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْوَاوِ (وَلَوْ سَمَّى وَلَمْ تَحْضُرْهُ النِّيَّةُ صَحَّ، بِخِلَافِ مَا لَوْ قَصَدَ بِهَا التَّبَرُّكَ فِي ابْتِدَاءِ الْفِعْلِ) أَوْ نَوَى بِهَا أَمْرًا آخَرَ

مستحب یہ ہے کہ وہ کہے: بسم اللہ اللہ اکبر اور درمیان میں واؤ ذکر نہ کرے واؤ کے ساتھ مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ فی الفور تسمیہ میں قطع کا باعث ہے جس طرح ''زیلعی'' نے اسے ''حلوانی'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس سے قبل کہا: متداول اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو منقول ہے وہ واؤ کے ساتھ ہے۔ اگر وہ تکبیر کہے جب کہ نیت موجود نہ ہو تو یہ صحیح ہوگا۔ اگر وہ فعل کے آغاز پر اس سے برکت حاصل کرنے کی نیت کرے تو معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔ یا اس کے ساتھ کسی اور امر کی نیت کرے

روایت پر محمول کیا جائے یہی اصح ہے۔ وہاں مصنف کی عبارت ہے: اگر اس نے اپنی چھینک پر الحمد للہ کہا تو مذہب کے مطابق خطبہ کے قائم مقام نہیں ہوگا۔ فافہم

ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر واؤ کے بغیر کہنا مستحب ہے

32419۔(قولہ: وَالْمُسْتَحَبُّ أَنْ يَقُولَ بِسْمِ اللهِ) ہا کے اظہار کے ساتھ ہے۔ اگر ہا کو ظاہر نہ کرے اگر اللہ تعالیٰ کے ذکر کا قصد کرے تو وہ ذبیحہ حلال ہوگا۔ اگر وہ قصد نہ کرے اور ہا کے ترک کا قصد کرے تو حلال نہیں ہوگا۔ ''اتقانی'' نے ''الخلاصہ'' سے نقل کیا ہے۔

32420۔(قولہ: لِأَنَّهُ يَقْطَعُ فَوْرَ التَّسْمِيَةِ) ''اتقانی'' نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ اس کی وجہ اس سے ظاہر ہو جاتی ہے جو قریب ہی آئے گی جو فی الفور کو ختم کر دے۔ ظاہر یہ ہے کہ مراد فوریت کا کمال ہے ورنہ لازم آئے گا کہ ذبیحہ مردار ہو۔ اور فصل کرنا حرام ہو مکروہ نہ ہو۔ لیکن اس میں ہے: اگر اس نے اس قول اللہ اکبر پر اکتفا کیا جب کہ اس سے تسمیہ کا قصد کیا ہو تو یہ کافی ہوگا۔

32421۔(قولہ: وَقَالَ قَبْلَهُ) اس کی نص ہے: ذبح کے وقت جو زبانوں پر متداول ہے وہ بسم اللہ واللہ اکبر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی مثل منقول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے فرمان فَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ (الحج: 36) ''پس لو اللہ تعالیٰ کا نام ان پر اس حال میں کہ ان کا ایک پاؤں بندھا ہو اور تین پر کھڑے ہوں'' کی تفسیر میں کہا ہے۔ ''ذخیرہ'' میں ''بقال'' سے مروی ہے کہ یہ مستحب ہے۔ ''جوہرہ'' میں ہے: اگر اس نے بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہا تو یہ اچھا ہے۔

32422۔(قولہ: وَلَوْ سَمَّى) یعنی بسم اللہ کہا جس طرح ''الخانیہ'' میں اس کی تعبیر کی ہے۔ کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ کنایہ کے وقت نیت ضروری ہوتی ہے۔

32423۔(قولہ: صَحَّ) یہ عام کے نزدیک ہے یہی صحیح ہے۔ ''خانیہ''۔

فَإِنَّهُ لَا يَصِحُّ فَلَا تَحِلُّ (كَمَا لَوْ قَالَ اللهُ أَكْبَرُ وَأَرَادَ بِهِ مُتَابَعَةَ الْمُؤَذِّنِ فَإِنَّهُ لَا يَصِيرُ شَارِعًا فِي الصَّلَاةِ) بَزَّازِيَّةٌ وَفِيهَا (وَ تُشْتَرَطُ) التَّسْمِيَةُ مِنَ الذَّابِحِ (حَالَ الذَّبْحِ) أَوْ الرَّمْيِ لِصَيْدٍ أَوْ الْإِرْسَالِ أَوْ حَالَ وَضْعِ الْحَدِيدِ لِحِمَارِ الْوَحْشِ إِذَا لَمْ يَقْعُدْ عَنْ طَلَبِهِ

تو یہ صحیح نہیں ہوگا پس ذبیحہ حلال نہ ہوگا جس طرح اگر وہ کہے: اللہ اکبر اور اس سے موذن کی متابعت کا ارادہ کرے تو وہ نماز میں شروع ہونے والا نہیں ہوگا، ''بزازیہ''۔ اس میں ہے: ذبح کی حالت میں ذابح کی جانب سے تسمیہ شرط ہے یا شکار کی طرف تیر پھینکنے یا کتا چھوڑے یا وحشی گدھے پر لوہا رکھے تو تکبیر شرط ہے جب وہ اس کی تلاش سے بیٹھ نہ جائے

32424_(قولہ: كَمَا لَوْ قَالَ الخ) یہ ان کے قول بخلاف کے متعلق ہے۔

ذبح اختیاری میں تسمیہ ذبح کے وقت جبکہ شکار میں جانور یا تیر چھوڑنے کے وقت شرط ہے

32425_(قولہ: مِنَ الذَّابِحِ) ذابح سے مراد حیوان کو حلال کرنے والا ہے تا کہ یہ تیر پھینکنے والے، شکاری جانور چھوڑنے والے اور لوہا رکھنے والے کو شامل ہو جائے ''ح''۔ اس کے ساتھ اس سے احتراز کیا ہے اگر اس کے لیے کوئی اور تسمیہ کہے۔ پس وہ حلال نہیں ہوگا جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور اس کو شامل ہوگا جب ذابح دو ہوں اگر دونوں میں سے ایک تسمیہ کہے اور دوسرا جان بوجھ کر چھوڑ دے تو اس کا کھانا حرام ہے جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔ عنقریب کتاب الذبح کے آخر میں اشعار میں ایک پہیلی اس کے جواب کے ساتھ ذکر کریں گے۔

32426_(قولہ: حَالَ الذَّبْحِ) ''ہدایہ'' میں کہا: ذبح اختیاری میں تسمیہ ذبح کے وقت شرط ہے اور یہ مذبوح پر پڑھا جائے گا اور شکار میں شکاری جانور چھوڑنے اور تیر پھینکنے کے وقت شرط ہے اور یہ آلہ پر پڑھا جائے گا یہاں تک کہ ایک آدمی بکری کو لٹائے اور تسمیہ کہے اور کوئی اور چیز اس تسمیہ سے ذبح کرے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اگر شکار کی طرف تیر پھینکا، تسمیہ کہا اور وہ کسی اور شکار کو جا لگا تو وہ شکار حلال ہوگا۔ شکاری جانور چھوڑنے میں یہی حکم ہے۔ اگر ایک آدمی نے بکری لٹائی اور تسمیہ پڑھا پھر چھری پھینک دی اور اسے کسی اور چھری کے ساتھ ذبح کیا تو اسے کھایا جائے گا۔ اگر وہ تیر پر تسمیہ پڑھے پھر کسی اور تیر کو شکار پر پھینکے تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔

32427_(قولہ: إِذَا لَمْ يَقْعُدْ عَنْ طَلَبِهِ) یہ تینوں مسائل میں قید ہے۔ ''ح''۔

اگر تو یہ کہے: علما نے یہ ذکر کیا ہے جب وہ درانتی پھینکے جس کے ساتھ وحشی گدھے کو شکار کرے پھر گدھے کو مردہ پائے تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ میں کہتا ہوں: ''بزازی'' نے کہا: تطبیق یہ ہے: یہ اس پر محمول ہے جب وہ اس کی تلاش سے بیٹھ جائے ورنہ درانتی رکھتے وقت تسمیہ کا کوئی مطلب نہیں۔ ''منح''۔

میں کہتا ہوں: ''زیلعی'' نے جو مسائل شتی میں فرائض سے تھوڑا پہلے ذکر کیا ہے کہ اسے نہیں کھایا جائے گا اگرچہ وہ اسے اسی ساعت مردہ پائے کیونکہ شرط یہ ہے کہ انسان اس کو زخمی کرے یا اسے ذبح کرے اس کے بغیر وہ اس جانور کی طرح ہے جسے کسی

كَمَا سَيَجِيءُ (وَالْمُعْتَبَرُ الذَّبْحُ عِقِبَ التَّسْمِيَةِ قَبْلَ تَبَدُّلِ الْمَجْلِسِ) حَتَّى لَوْ أَضْجَعَ شَاتَيْنِ إِحْدَاهُمَا فَوْقَ الْأُخْرَى فَذَبَحَهُمَا ذَبْحَةً وَاحِدَةً بِتَسْمِيَةٍ وَاحِدَةٍ حَلًّا، بِخِلَافِ مَا لَوْ ذَبَحَهُمَا عَلَى التَّعَاقُبِ لِأَنَّ الْفِعْلَ يَتَعَدَّدُ فَتَتَعَدَّدُ التَّسْمِيَةُ ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ فِي الصَّيْدِ، وَلَوْ سَمَّى الذَّابِحُ ثُمَّ اشْتَغَلَ بِأَكْلٍ أَوْ شُرْبٍ ثُمَّ ذَبَحَ، إِنْ طَالَ وَقَطَعَ الْفَوْرَ حَرُمَ وَإِلَّا لَا، وَحَدُّ الطُّولِ مَا يَسْتَكْثِرُهُ النَّاظِرُ، وَإِذَا حَدَّ الشَّفْرَةَ يَنْقَطِعُ الْفَوْرُ بَزَّازِيَّةٌ

جس طرح عنقریب آئے گا۔ معتبر ایسی ذبح ہے جو تسمیہ کے بعد مجلس کے تبدیل ہونے سے پہلے ہو یہاں تک کہ اگر وہ دو بکریاں لٹاتا ہے ان دو میں سے ایک دوسری کے اوپر ہے تو دونوں کو ایک ہی تسمیہ کے ساتھ ایک ہی بار ذبح کرتا ہے تو دونوں حلال ہوں گی۔ اگر وہ یکے بعد دیگرے دونوں کو ذبح کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ فعل متعدد ہو گیا ہے۔ پس تسمیہ متعدد لازم ہوں گے۔ ''زیلعی'' نے اسے کتاب الصید میں ذکر کیا ہے۔ اگر ذابح تسمیہ پڑھے پھر کھانے یا پینے میں مشغول ہو جائے پھر وہ ذبح کرے اگر یہ عمل طویل ہو جائے اور فی الفور کو قطع کر دے تو یہ حرام ہو جائے گا ورنہ حرام نہیں ہوگا۔ اور طوالت کی حد وہ ہے جسے دیکھنے والا کثیر خیال کرے۔ جب وہ چھری کو تیز کرے تو فی الفور منقطع ہو جائے گا، ''بزازیہ''۔

جانور نے سینگ مارا ہو یا وہ بلندی سے نیچے لڑھک آیا ہو۔ شارح نے وہاں اسے یقین کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے مگر یہ کہا جائے: ''زیلعی'' کا کلام ''کنز'' وغیرہ کی کلام کے مخالف ہے۔ کیونکہ کہا: وہ دوسرے دن آیا اور اسے زخمی مردہ پایا تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ یہ ''بزازی'' کی تطبیق کی تائید کرتا ہے۔ اگر ''زیلعی'' کہے: دوسرے دن کی قید لگانا یہ اتفاقی ہے۔ شاید ''زیلعی'' کی مراد یہ ہو یہ حلال نہیں ہوگا جب اختیاری ذبح پر قادر ہو ورنہ انسان کا ذبح اضطراری میں براہ راست زخم لگانا شرط نہیں۔ فلیتامل

32428۔ (قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی کتاب کے آخر میں مسائل شتی میں۔ اس کی یہاں کے قول سے جو مخالفت ہے اس کو تو جان چکا ہے۔

32429۔ (قولہ: تَبَدُّلِ الْمَجْلِسِ) یعنی حقیقت میں یا حکم میں مجلس تبدیل ہو جائے جس طرح طویل فاصلہ ہوتا ہے جس طرح عنقریب آئے گا، فافہم۔ ''زیلعی'' نے کہا: یہاں تک کہ جب وہ تسمیہ کہے اور وہ کسی اور عمل میں مشغول ہو جائے وہ تھوڑی کلام کی صورت میں ہو، پانی پینے کی صورت میں ہو، لقمہ کھانے کی صورت میں ہو یا چھری تیز کرنے کی صورت میں ہو پھر وہ ذبح کرے تو حلال ہوگا۔ اگر وہ عمل کثیر ہو تو حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ ذبح کو تسمیہ کے متصل واقع کرنا اس حیثیت میں کوئی شے درمیان میں حائل نہ ہو یہ ممکن نہیں مگر حرج عظیم کے ساتھ ممکن ہے پس مجلس اتصال کے قائم مقام واقع ہو جائے گی۔ عمل قلیل اسے قطع نہیں کرتا اور عمل کثیر فی الفور کو قطع کر دیتا ہے۔

32430۔ (قولہ: لِأَنَّ الْفِعْلَ يَتَعَدَّدُ) پس اس سے مجلس حکماً بدل جاتی ہے۔

32431۔ (قولہ: وَإِذَا حَدَّ الشَّفْرَةَ يَنْقَطِعُ الْفَوْرُ) یہ اس کے مخالف ہے جسے ہم نے ابھی ''زیلعی'' سے نقل کیا ہے

(وَحُبَّ) بِالْحَاءِ (نَحْرُ الْإِبِلِ) فِي سُفْلِ الْعُنُقِ (وَكُرِهَ ذَبْحُهَا، وَالْحُكْمُ فِي غَنَمٍ وَبَقَرٍ عَكْسُهُ) فَنُدِبَ ذَبْحُهَا (وَكُرِهَ نَحْرُهَا لِتَرْكِ السُّنَّةِ) وَمَنَعَهُ مَالِكٌ (وَلَا بُدَّ مِنْ ذَبْحِ صَيْدٍ مُسْتَأْنِسٍ) لِأَنَّ ذَكَاةَ الِاضْطِرَارِ

لفظ حُبَّ حا کے ساتھ ہے اور اونٹ کی گردن کے نیچے والے حصہ میں نحر کرنا مستحب ہے اور اس کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔ اور بھیڑ بکری اور گائے میں حکم اس کے برعکس ہے اس کو ذبح کرنا مستحب ہے اور اس کو نحر کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ سنت کو ترک کیا گیا ہے۔ امام ''مالک'' نے اس سے منع کیا ہے۔ وہ شکار جو مانوس ہو اس کو ذبح کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اضطراری ذبح کی طرف اس وقت رجوع ہوتا ہے

اور یہ ممکن ہے کہ اسے اذا کثر کے ساتھ مقید کیا جائے جس پر ''زیلعی'' کے کلام کا سیاق دلالت کرتا ہے۔ اور ''جوہرہ'' میں ان کا قول ہے: او شحذ السکین قلیلا اجزأه، یا اس نے چھری کو تھوڑا سا تیز کیا یہ اسے کفایت کر جائے گا۔ لیکن ''تاتر خانیہ'' میں کہا: ''زعفرانی'' کی کتاب الاضاحی میں ہے: جب اس نے چھری کو تیز کیا تو تسمیہ منقطع ہو جائے گا اس میں کوئی فرق نہیں کیا کہ وہ تھوڑا تیز کرے یا زیادہ تیز کرے، فلیتامل۔ ''قاموس'' میں ہے: شحذ السکین یہ منع کے وزن پر ہے۔ یعنی چھری کو تیز کیا یہ اشحذھا کی طرح ہے۔ اس میں یہ بھی ہے: حدّ السکین واحدّھا اسے تیز کیا اور پتھر یا ریتی کے ساتھ رگڑا۔

32432۔ (قولہ: وَحُبَّ) یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ حب فعل متعدی ہے۔ یہ ایک لغت ہے، ''ح''۔ ''ہدایہ'' کی تبع میں اس سے تعبیر کیا ہے وہ قول ہے: والمستحب۔ ''الکنز'' میں کہا: سن یہ سنت ہے۔ شاید صاحب ''ہدایہ'' کی یہی مراد ہے نہ کہ مستحب اصطلاحی مراد ہے۔ اس کی تائید ان کا یہ قول کرتا ہے: اما الاستحباب فلموا فقة السنة المتوارثة۔ جہاں تک استحباب کا تعلق ہے تو کیونکہ یہ سنت متوارثہ کے موافق ہے پس کوئی مخالفت نہیں۔ ''شرنبلالیہ''۔

میں کہتا ہوں: اس کی تائید یہ بھی کرتا ہے کہ یہ تصریح کی ہے کہ اس کا ترک کرنا مکروہ ہے۔

نحر کا ضابطہ

32433۔ (قولہ: نَحْرُ الْإِبِلِ) نحر سے مراد سینے کے پاس گردن کے نیچے حصے سے عروق کو کاٹنا ہے۔ اور ذبح سے مراد گردن کے اوپر والے حصہ سے جبڑے کے نزدیک انہیں کاٹنا ہے، ''زیلعی''۔

یہ جان لو کہ شتر مرغ اور بطخ اونٹ کی طرح ہیں ان کو نحر کیا جائے گا۔ ضابطہ یہ ہے ہر وہ جاندار جس کی گردن لمبی ہو اسے نحر کیا جائے گا ''ابوسعود'' نے ''ابیاری'' کی ''شرح کنز'' سے اسے لیا ہے۔ ''المضمرات'' میں ہے: سنت یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑے کھڑے نحر کیا جائے اور بھیڑ بکری اور گائے کو پہلو کے بل لٹا کر ذبح کیا جائے گا۔ ''قہستانی''۔

32434۔ (قولہ: وَكُرِهَ) چاہیے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہو۔ ''ابوسعود'' نے ''دیری'' سے اسے نقل کیا ہے۔

32435۔ (قولہ: وَمَنَعَهُ مَالِكٌ) ان کا مشہور مذہب یہ ہے: اگر ضرورت کی وجہ سے ایسا ہو تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ورنہ اس کا کھانا مکروہ ہے۔ ''ابوسعود'' نے دیری سے اسے نقل کیا ہے۔

إِنَّمَا يُصَارُ إِلَيْهَا عِنْدَ الْعَجْزِ عَنْ ذَكَاةِ الِاخْتِيَارِ (وَكَفَى جَرْحُ نَعَمٍ) كَبَقَرٍ وَغَنَمٍ (تَوَحَّشَ) فَيُجْرَحُ كَصَيْدٍ (أَوْ تَعَذَّرَ ذَبْحُهُ) كَأَنْ تَرَدَّى فِي بِئْرٍ أَوْ نَدَّ أَوْ صَالَ، حَتَّى لَوْ قَتَلَهُ الْمَصُولُ عَلَيْهِ مُرِيدًا ذَكَاتَهُ

جب ذبح اختیاری سے عاجز آجائے۔ گائے اور بھیڑ بکری جو وحشی بن گئے ہوں تو زخمی کرنا کافی ہے۔ پس اس کو شکار کی طرح زخمی کیا جائے گا یا جس کو ذبح کرنا متعذر ہو چکا ہو جیسے وہ کنویں میں گر جائے یا بھاگ جائے یا حملہ کردے یہاں تک کہ اگر وہ اسے قتل کردے جس پر اس جانور نے حملہ کیا تھا جب قتل کے وقت وہ اس کے ذبح کا ارادہ کرتا تھا

جب ذبح اختیاری سے عجز ثابت ہو جائے تو ذبح اضطراری کی طرف رجوع ہوتا ہے

32436۔ (قولہ: وَكَفَى جَرْحُ نَعَمٍ الخ) نعم دو فتحوں کے ساتھ ہے۔ بعض اوقات یہ ساکن ہوتا ہے، ''قہستانی''۔ ''ہدایہ'' میں کہا ہے: جانوروں میں سے جو وحشی ہو جائے اس میں مطلق ذکر کیا ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: بکری جب صحرا میں بھاگ جائے تو اس کی ذبح زخمی کرنا ہو گا۔ اگر شہر میں بھاگ جائے تو زخمی کرنے سے حلال نہیں ہو گی۔ کیونکہ وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتی۔ پس شہر میں اس کو پکڑنا ممکن ہے۔ پس عجز ثابت نہیں ہو گا۔ گائے اور اونٹ میں شہر اور اس کے علاوہ برابر ہیں۔ کیونکہ یہ اپنا دفاع کر سکتے ہیں پس وہ ان دونوں کے پکڑنے پر قادر نہیں ہو گا اگرچہ وہ شہر میں ہوں۔ اس تفصیل کو ''جوہرہ'' اور ''درر'' میں تفصیل کو یقین سے بیان کیا ہے۔ اضطراری ذبح میں یہی تعلیل کا مقتضا ہے۔

32437۔ (قولہ: تَوَحَّشَ) یعنی وہ وحشی اور بھاگنے والا ہو گیا اور اس کو ذبح کرنا ممکن نہیں، ''قہستانی''۔

32438۔ (قولہ: فَيُجْرَحُ كَصَيْدٍ) اگر اس کے سینگ اور کھر کو جا پہنچے اگر اسے خون آلود کردے تو وہ حلال ہو جائے گا ورنہ حلال نہیں ہو گا۔ ''اتقانی''۔

32439۔ (قولہ: أَوْ تَعَذَّرَ ذَبْحُهُ) یہ ماقبل سے اعم ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں ''منیۃ المفتی'' سے مروی ہے: ایک اونٹ یا بیل شہر میں بھاگ گیا اگر اس کا مالک جان لے کہ وہ اس کے پکڑنے پر قادر نہ ہو گا مگر جب بڑی جماعت جمع ہو تو اسے تیر مارنے کا حق ہے پس تعذر شرط نہیں بلکہ تعسر (مشکل ہونا) شرط ہے۔

32440۔ (قولہ: كَأَنْ تَرَدَّى فِي بِئْرٍ) یعنی وہ کنویں میں گر جائے اور اس کی موت زخم لگنے سے معلوم ہو جائے یا اشکال کا باعث ہو۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ موت اس سے واقع ہوگئی ہے۔ اگر یہ معلوم ہو کہ وہ زخم سے نہیں مرا تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ اسی طرح مرغی ہے جب درخت پر لٹک جائے اور اس کے فوت ہونے کا خوف ہو تو اس کی ذبح زخم لگانا ہے۔ ''زیلعی''۔

32441۔ (قولہ: أَوْ نَدَّ) یعنی بھاگ جائے۔

32442۔ (قولہ: مُرِيدًا ذَكَاتَهُ) یعنی اس کی صورت یہ ہے کہ زخمی کرتے وقت وہ تسمیہ پڑھے۔ مگر جب وہ اس کا ارادہ نہ کرے اور اس پر تسمیہ نہ پڑھے بلکہ اس کو مارنے کا ارادہ کرے تاکہ اپنی ذات سے اسے الگ کرے تو اس کے حلال نہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ فافہم

حَلَّ وَفِي النِّهَايَةِ بَقَرَةٌ تَعَسَّرَتْ وِلَادَتُهَا فَأَدْخَلَ رَبُّهَا يَدَهُ وَذَبَحَ الْوَلَدَ حَلَّ، وَإِنْ جَرَحَهُ فِي غَيْرِ مَحَلِّ الذَّبْحِ، إِنْ لَمْ يَقْدِرْ عَلَى ذَبْحِهِ حَلَّ وَإِنْ قَدَرَ لَا قُلْتُ وَنَقَلَ الْمُصَنِّفُ أَنَّ مِنَ التَّعَذُّرِ مَا لَوْ أَدْرَكَ صَيْدَهُ حَيًّا أَوْ أَشْرَفَ ثَوْرُهُ عَلَى الْهَلَاكِ وَضَاقَ الْوَقْتُ عَلَى الذَّبْحِ أَوْ لَمْ يَجِدْ آلَةَ الذَّبْحِ فَجَرَحَهُ حَلَّ فِي رِوَايَةٍ وَفِي مَنْظُومَةِ النَّسَفِيِّ قَوْلُهُ

إِنَّ الْجَنِينَ مُفْرَدٌ بِحُكْمِهِ　　لَمْ يَتَذَكَّ بِذَكَاةِ أُمِّهِ

تو وہ حلال ہوگا۔ ''النہایہ'' میں ہے: ایک گائے ہے جس کا بچہ جننا مشکل ہوگیا اس کے مالک نے اپنا ہاتھ اس میں داخل کیا اور بچہ کو ذبح کر دیا تو وہ حلال ہو جائے گا۔ اگرچہ اس نے محل ذبح کے علاوہ میں اسے زخمی کیا اگر اس کے ذبح پر قادر نہ تھا تو وہ حلال ہو جائے گا، اگر اس پر قادر تھا تو حلال نہیں ہوگا۔ میں کہتا ہوں: مصنف نے ذبح کے مشکل ہونے کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ نقل کی ہے: اگر اس نے اپنے شکار کو زندہ پایا یا اس کا بیل ہلاک ہونے کے قریب تھا اور ذبح پر وقت تنگ تھا یا اس نے آلہ ذبح نہ پایا تو اسے زخمی کر دیا تو ایک روایت میں وہ حلال ہوگا۔ ''منظومہ نسفی'' میں ہے: جنین اپنے حکم میں منفرد ہے وہ اپنی ماں کے ذبح کیے جانے سے ذبح نہیں ہوتا۔

32443۔(قولہ: حَلَّ) یعنی جب وہ اس کے پکڑنے پر قادر نہ ہو اور اس کی قیمت کا ضامن ہو۔ ''اتقانی''۔

32444۔(قولہ: وَفِي النِّهَايَةِ) یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ ان کا قول بچے کی زندگی کا اعتبار کیا جائے گا جب کہ اس کا اکثر حصہ باہر آ چکا ہو۔ یہ انسان کے بچے کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ اگر ماں کے پیٹ میں بچے کے زندہ ہونے کا اعتبار نہ ہو تو اس کے ذبح کرنے کا اعتبار نہیں ہوگا اور اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ ''رحمتی''۔

32445۔(قولہ: وَذَبَحَ الْوَلَدَ) یعنی اس کی زندگی کے جاننے کے بعد اس کو ذبح کیا گیا۔ تامل

32446۔(قولہ: حَلَّ فِي رِوَايَةٍ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ کہتے فی قول۔ کیونکہ مصنف نے اسے ''القنیہ'' سے نقل کیا ہے جب کہ یہ قول بعض مشائخ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ بعض دوسرے مشائخ نے کہا: اس کا کھانا حلال نہیں یہاں تک کہ اس کی رگیں کاٹ دے۔ ''طحطاوی'' نے یہ بیان کیا ہے۔ ''ط''۔

32447۔(قولہ: وَفِي مَنْظُومَةِ النَّسَفِيِّ) یہ خبر مقدم ہے اور قولہ کا لفظ یہ مبتدا مؤخر ہے یعنی ''نسفی'' کا قول اور اس کا مابعد قول کا مقولہ ہے۔ اور ان کا قول فحذف المصنف ان یعنی ان کی بجائے واؤ سے لائے ہیں۔ ''المنح'' میں کہا ہے: اس میں کچھ تبدیلی کی گئی ہے۔ یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ ان کا قول والجنین الخ یہ متن میں سے ہے جس طرح ''المنح'' میں موجود ہے۔ میں نے اس شرح کے متعدد نسخوں میں جو دیکھا ہے یہ اس کے خلاف ہے کیونکہ یہ سیاہ روشنائی کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔

شعر کا معنی یہ ہے کہ جنین جو بطن میں بچہ ہے اگر اس کو الگ طور پر ذبح کیا جائے تو وہ حلال ہوگا ورنہ حلال نہیں ہوگا۔ اگر وہ مردہ نکلے تو وہ اپنے ماں کے ذبح کرنے کے تابع نہیں ہوگا۔ پس دوسرا مصرعہ پہلے مصرعہ کی تفسیر بیان کرنے والا ہے۔ اس کی

فَحَذَفَ الْمُصَنِّفُ إِنْ وَقَالَا إِنْ تَمَّ خَلْقُهُ أُكِلَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ وَحَمَلَهُ الْإِمَامُ عَلَى التَّشْبِيهِ أَيْ كَذَكَاةِ أُمِّهِ، بِدَلِيلِ أَنَّهُ رُوِيَ بِالنَّصْبِ، وَلَيْسَ فِي ذَبْحِ الْأُمِّ إِضَاعَةُ الْوَلَدِ لِعَدَمِ التَّيَقُّنِ بِمَوْتِهِ (وَلَا يَحِلُّ ذُو نَابٍ يَصِيدُ بِنَابِهِ) فَخَرَجَ نَحْوُ الْبَعِيرِ

مصنف نے ان شرطیہ کو حذف کر دیا ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: اگر اس کی خلقت مکمل ہو چکی ہو تو اسے کھایا جائے گا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: جنین کی ذبح اس کی ماں کو ذبح کرنا ہے(1)۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے تشبیہ پر محمول کیا ہے یعنی جنین کی ذبح اس کی ماں کی ذبح کی طرح ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اسے نصب کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔ اور ماں کو ذبح کرنے میں بچے کو ضائع کرنا نہیں کیونکہ بچے کی موت کا یقین نہیں ہوتا۔ اور ایسا کچلی والا جانور حلال نہیں جو اپنی کچلی سے شکار کرتا ہو۔ پس اونٹ وغیرہ اس سے نکل گیا

دلیل یہ ہے کہ اسے نصب کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

32448۔ (قولہ: بِدَلِيلِ أَنَّهُ رُوِيَ بِالنَّصْبِ) اس تعبیر کی بنا پر اس میں کوئی اشکال نہیں کہ یہ تشبیہ ہے۔ اگر وہ مرفوع ہو تو حکم اسی طرح ہوگا۔ کیونکہ یہ تشبیہ میں پہلے سے اقوی ہے جس طرح علم بیان میں معروف ہے۔ ایک قول کیا گیا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ جنین کے ذبح کرنے کا ذکر پہلے کیا گیا ہے جس طرح اس قول میں ہے

وعیناك عیناها و جیدك جیدها سوی ان عظم الساق منك دقیق ''عنایہ''

تیری دونوں آنکھیں اس کی آنکھیں ہیں اور تیری گردن اس کی گردن ہے سوائے اسکے کہ پنڈلی کی ہڈی تجھ سے کمزوری ہے۔

32449۔ (قولہ: وَلَيْسَ فِي ذَبْحِ الْأُمِّ الخ) یہ اس اعتراض کا جواب ہے جو یہ کیا جاتا ہے: اگر جنین اپنی ماں کی ذبح سے حلال نہیں ہوتا تو اس مادہ کو ذبح کرنا حلال نہ ہوتا جب کہ وہ حاملہ ہو کیونکہ اس طریقہ سے حیوان کو تلف کرنا لازم کرتا ہے۔

جواب کی وضاحت ظاہر ہے لیکن ''الکفایہ'' میں ہے: اگر ولادت کا وقت قریب ہو تو اس کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی فرع ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے: جب بچہ زندہ نکلے اور وقت میں سے اتنا وقت نہ ہو جس میں اس جنین کی ذبح پر قدرت ہو تو وہ مرجائے تو اسے کھایا جائے گا اور یہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر تفریع ہے۔

کچلی والے جانور کے حرام ہونے میں حکمت

32450۔ (قولہ: وَلَا يَحِلُّ ذُو نَابٍ الخ) زیادہ مناسب یہ تھا کہ ان مسائل کا ذکر کتاب الصید میں کرتے۔ کیونکہ یہ مسائل اس کتاب سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر گھوڑا، خچر اور گدھا، ''اتقانی''۔ اس پر دلیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے: نهی عن اكل كل ذی ناب من السباع و كل ذی مخلب من الطير(2)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر کچلی والے جانور کے کھانے سے

1۔ سنن ترمذی، کتاب الصید، باب ماجاء فی زکاۃ الجنین، جلد 1، صفحہ 785، حدیث نمبر 1396

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمة، باب النہی عن اکل السباع، جلد 3، صفحہ 95، حدیث نمبر 3309

(أَوْ مِخْلَبٍ يَصِيدُ بِمِخْلَبِهِ) أَيْ ظُفْرِهِ فَخَرَجَ نَحْوُ الْحَمَامَةِ (مِنْ سَبُعٍ) بَيَانٌ لِذِي نَابٍ وَالسَّبُعُ كُلُّ مُخْتَطِفٍ مُنْتَهِبٍ جَارِحٍ قَاتِلٍ عَادَةً (أَوْ طَيْرٍ) بَيَانٌ لِذِي مِخْلَبٍ (وَلَا الْحَشَرَاتُ) هِيَ صِغَارُ دَوَابِّ الْأَرْضِ وَاحِدُهَا حَشَرَةٌ (وَالْحُمُرُ الْأَهْلِيَّةُ)

اور ایسے پنجے والا جو اپنے پنجے سے شکار کرتا ہو یعنی اپنے ناخن سے شکار کرتا ہو۔ پس کبوتر وغیرہ نکل گیا جو درندے میں سے ہو۔ من سبع، یہ ذی ناب کا بیان ہے۔ اور سبع، ہر اچک لینے والا، زخمی کرنے والا اور عام معمول کے مطابق کرنے والا ہے یا طیر یہ ذی مخلب کا بیان ہے۔ اور حشرات حلال نہیں۔ یہ چھوٹے، زمین کے جانور ہیں۔ اسکا واحدہ حشرہ ہے۔ اور گھروں میں رہنے والے گدھے۔

منع کیا جو درندوں میں سے ہوں اور ہر ناخن والے پرندہ کے کھانے سے منع کیا۔

اس میں راز یہ ہے کہ ان اشیا کی طبیعت شرعاً مذموم ہے پس خوف ہے کہ ان کے گوشت سے ایسی طبیعت پیدا ہو پس انسان کی تکریم کی خاطر انہیں حرام کیا گیا جس طرح ہر ایسی چیز حلال کی گئی جو انسان کے لیے تکریم لائے۔ ''طحطاوی'' نے ''حموی'' سے اسے نقل کیا ہے۔ ''کفایہ'' میں ہے: وقت میں مؤثر اذیت دینا ہے۔ بعض اوقات یہ کبھی کچلی سے اور کبھی ناخن سے یا خباثت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ کبھی یہ خباثت خلقۃً ہوتی ہے جس طرح حشرات اور ہوام میں ہوتی ہے اور کبھی کسی عارضہ کی وجہ سے ہوتی ہے جس طرح جلالہ (ایسا حلال جانور جو غلاظت کھاتا ہے)

32451۔ (قولہ: أَوْ مِخْلَبٍ) یہ خلب سے مفعل کا وزن ہے اس سے مراد ہے جو جلد کو پھاڑ دے، ''زیلعی''۔ یہ ہر درندے کے ناخن ہیں وہ زمین پر چلنے والا ہو یا اڑنے والا ہو جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔ ''قہستانی''۔

32452۔ (قولہ: مِنْ سَبُعٍ) یہ دو فتحوں کے ساتھ اور با کے سکون اور اس کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ یہ ایسا حیوان ہے جو غارت گری مچاتے ہوئے زمین سے کوئی چیز لے لیتا ہے اور فضا سے اچک لیتا ہے یہ زخمی کرنے والا اور قتل کرنے والا ہوتا ہے اور اس کا عام معمول ہوتا ہے۔ یہ لفظ بہائم اور پرندوں کے درندوں کو شامل ہوتا ہے۔ پس او طیر کے قول کی کوئی ضرورت نہیں۔ شاید حدیث کی موافقت میں اسے ذکر کر دیا ہے۔ ''قہستانی''۔

حشرات کی حرمت

32453۔ (قولہ: وَاحِدُهَا حَشَرَةٌ) دونوں میں شین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ حشرات سے مراد چوہا، وزغہ (چھپکلی) سام ابرص (چھپکلی)، قنفذ (سیہ)، حیہ (سانپ)، ضفدع (مینڈک)، زنبور (بھڑ)، برغوث (پسو)، قمل (چیونٹی)، ذباب (مکھی)، بعوض (مچھر)، قراد (چیچڑی) اور جو یہ قول کیا گیا ہے کہ حشرات سے مراد زمین کے کیڑے مکوڑے ہیں جیسے یربوع (چوہے کی مانند جانور) وغیرہ۔ تو اس میں یہ ہے کہ ہامہ اسے کہتے ہیں جنہیں زہر کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہے جیسے بچھو۔ ''قہستانی''۔

32454۔ (قولہ: وَالْحُمُرُ الْأَهْلِيَّةُ) اگرچہ وہ وحشی ہو جائیں۔ ''تاتر خانیہ''۔

بِخِلَافِ الْوَحْشِيَّةِ فَإِنَّهَا وَلَبَنَهَا حَلَالٌ (وَالْبَغْلُ) الَّذِي أُمُّهُ حِمَارَةٌ، فَلَوْ أُمُّهُ بَقَرَةٌ أُكِلَ اتِّفَاقًا وَلَوْ فَرَسًا فَكَأُمِّهِ (وَالْخَيْلُ) وَعِنْدَهُمَا، وَالشَّافِعِيُّ تَحِلُّ وَقِيلَ إِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ رَجَعَ عَنْ حُرْمَتِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ بِثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى عِمَادِيَّةٌ

وحشی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اور ان کا دودھ حلال ہے۔ اور خچر جس کی ماں گدھی ہو حلال نہیں۔ اگر اسکی ماں گائے ہو تو بالاتفاق اسے کھایا جاتا ہے۔ اگر اسکی ماں گھوڑی ہو تو اس کا حکم اسکی ماں کی طرح ہوگا۔ اور گھوڑے حلال نہیں۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حلال ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی حرمت سے اپنے وصال سے تین سال قبل رجوع کر لیا تھا اور اس پر فتویٰ ہے ''عمادیہ''۔

32455۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْوَحْشِيَّةِ) اگرچہ وہ اہلی ہو جائیں۔ اور اس پر پالان رکھا جائے۔ ''قہستانی''۔

32456۔ (قولہ: الَّذِي أُمُّهُ حِمَارَةٌ) حمارہ ہا کے ساتھ گدھی کو کہتے ہیں۔ ''قاموس''۔ باب النون میں کہا: الاتان سے مراد گدھی ہے۔ فافہم

32457۔ (قولہ: فَكَأُمِّهِ) گھوڑے کے بارے میں جو اختلاف آ رہا ہے یہ اسی پر ہوگا۔ کیونکہ حل اور حرمت میں معتبر ماں ہے کہ وہ ماکول سے پیدا ہو یا غیر ماکول سے پیدا ہو ''ط''۔ اس بارے میں مکمل کلام اس باب کے آخر میں آئے گی۔

گھوڑے کے گوشت کی حلت وحرمت میں آئمہ کا اختلاف

32458۔ (قولہ: وَالْخَيْلُ) ''ابن کمال باشا'' نے لایحل ذوناب پر عطف کرتے ہوئے اسی طرح کہا ہے۔ اسی کی مثل ''الاختیار'' میں ہے۔ ''قدوری'' اور ''ہدایہ'' کی عبارت ہے: امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ ہے۔ اور مکروہ تحریمی پر عدم حلت کا اطلاق کیا جاتا ہے، ''شرنبلالیہ''۔ اس قول نے یہ بیان کیا کہ حرمت اس کے گوشت کے نجس ہونے کی وجہ سے نہیں۔ اسی وجہ سے ''غایۃ البیان'' میں گھوڑے کے جوٹھے کے طاہر ہونے میں ظاہر روایت ہے۔ اس کا جواب اس سے دیا ہے کہ اس کا گوشت کھانے کی حرمت احترام کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ دشمن کو خوفزدہ کیا جاتا ہے اس کی حرمت اس کی نجاست کی وجہ سے نہیں۔ پس یہ جوٹھے کی نجاست کو ثابت نہیں کرتا جس طرح یہ حکم انسان میں ہے۔

32459۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ یہ ظاہر روایت ہے جس طرح ''کفایۃ البیہقی'' میں ہے۔ یہی صحیح ہے جس طرح فخر الاسلام وغیرہ نے ذکر کیا ہے، ''قہستانی''۔ پھر ''خلاصہ''، ''ہدایہ''، ''محیط''، ''مغنی''، ''قاضی خان''، ''عمادی'' وغیرہم سے اس کی کراہت تحریمی کی تصحیح کو نقل کیا ہے اسی پر متون ہیں۔ ''ابو سعود'' نے بیان کیا ہے کہ پہلے حکم پر ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اگرچہ اس کی حلت کا قول کیا ہے مگر ساتھ ہی مکروہ تنزیہی کا ذکر کیا ہے جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں اسے ''برہان'' سے نقل کیا ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اختلاف خشکی کے گھوڑے کے بارے میں ہے۔ جہاں تک سمندری گھوڑوں کا تعلق ہے تو بالاتفاق ان کو نہیں کھایا جائے گا۔

وَلَا بَأْسَ بِلَبَنِهَا عَلَى الْأَوْجَهِ (وَ الضَّبُعُ وَ الثَّعْلَبُ) لِأَنَّ لَهُمَا نَابًا، وَعِنْدَ الثَّلَاثَةِ يَحِلُّ (وَ السُّلَحْفَاةُ) بَرِّيَّةً وَبَحْرِيَّةً (وَ الْغُرَابُ الْأَبْقَعُ) الَّذِي يَأْكُلُ الْجِيَفَ لِأَنَّهُ مُلْحَقٌ بِالْخَبَائِثِ

اس کے دودھ کے استعمال کرنے میں سب سے وجیہ قول کے مطابق کوئی حرج نہیں۔ اور حلال نہیں بجو اور لومڑی۔ کیونکہ ان دونوں کی کچلی ہوتی ہے۔ اور باقی تینوں ائمہ کے نزدیک یہ حلال ہے۔ اور کچھوا خشکی کا اور پانی کا حرام ہے۔ اور ابقع کوا حلال نہیں۔ یہ وہ کوا ہوتا ہے جو مردار کھاتا ہے۔ کیونکہ اسے خبائث کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے۔

گھوڑی کے دودھ کا شرعی حکم

32460۔ (قولہ: وَلَا بَأْسَ بِلَبَنِهَا عَلَى الْأَوْجَهِ) ''غایۃ البیان'' میں ''قاضی خان'' سے نقل کیا ہے کہ عام مشائخ نے کہا: ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مکروہ تحریمی ہے مگر اس کی وجہ سے اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی اگرچہ اس کی عقل زائل ہو جائے جس طرح بنج کی وجہ سے عقل زائل ہو جائے۔ ''ہدایہ'' میں ہے: جہاں تک اس کے دودھ کا تعلق ہے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کے پینے میں آلہ جہاد میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ کتاب الحدود میں اسے مباح کہا ہے۔ اور کہا: مباح چیز کے استعمال سے نشہ کا آنا یہ حد کو واجب نہیں کرتا جیسے بنج اور رماک (گھوڑی) کا دودھ۔

مصنف نے ''المنح'' میں کہا: میں کہتا ہوں: یہی وہ ہے جس کی وجہ ظاہر ہے جس طرح امر مخفی نہیں۔ ''بزازیہ'' میں ہے: ''وانجانی'' نے اسے اختیار کیا ہے۔ شارح کا قول: علی الاوجہ یہ مصنف کی کلام سے ماخوذ ہے۔ یہ سب اس پر مبنی ہے کہ اس کا گوشت کھانا مکروہ تحریمی ہے۔ تامل

32461۔ (قولہ: وَ الضَّبُعُ) یہ لفظ با کے ضمہ اور اس کے سکون کے ساتھ ہے، ''قہستانی''۔ یہ مؤنث کا نام ہے مذکر کو ضبعان یعنی ضاد کے کسرہ اور با کے سکون کے ساتھ۔ اور یہ عجیب امر ہے کہ اسے حیض آتا ہے اور ایک سال یہ مذکر ہوتا ہے اور ایک سال یہ مونث ہوتا ہے۔ ''ابوسعود'' نے ''ابیاری'' سے اسے نقل کیا ہے۔

32462۔ (قولہ: لِأَنَّ لَهُمَا نَابًا) یعنی وہ کچلی کے ساتھ شکار کرتے ہیں۔ پس یہ گزشتہ حدیث کے تحت داخل ہوں گے جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔ اور جو روایت ان دونوں کی اباحت پر دلالت کرتی ہے اسے حرمت سے قبل پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے جب دو نصیں آپس میں متعارض آجائیں تو محرم کو مبیح پر مقدم کیا جائے گا جس طرح شارح کو وہ میں عنقریب (ایک صفحہ کے بعد) ذکر کریں گے۔

32463۔ (قولہ: وَ السُّلَحْفَاةُ) یہ لفظ سین کے ضمہ، لام کے فتحہ اور حا مہملہ ساکنہ کے ساتھ ہے۔ ''رملی'' نے ''شرح الروض'' سے نقل کیا ہے۔ دوسرے علما نے اسے سین کے کسرہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ''قاموس'' میں یہ اسی طرح ہے۔

غراب ابقع اور اسود کی اقسام

32464۔ (قولہ: وَ الْغُرَابُ الْأَبْقَعُ) جس میں سفیدی اور سیاہی رنگت ہوتی ہے، ''قہستانی''۔ ''العنایہ'' میں کہا:

قَالَهُ الْمُصَنِّفُ ثُمَّ قَالَ وَالْخَبِيثُ مَا تَسْتَخْبِثُهُ الطِّبَاعُ السَّلِيمَةُ (وَالْغُدَافُ) بِوَزْنِ غُرَابِ النَّسْرِ جَمْعُهُ غِدْفَانٌ قَامُوسٌ
یہ مصنف نے کہا ہے۔ پھر کہا: خبیث اسے کہتے ہیں جسے سلیم طبیعتیں خبیث خیال کرتی ہیں۔ اور غداف یہ غراب کے وزن پر ہے اس سے مراد گدھ ہے اس کی جمع غدفان آتی ہے، ''قاموس''۔

غراب ابقع اور اسود کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) یہ دانہ چگتا ہے اور مردار نہیں کھاتا۔ یہ مکروہ نہیں (۲) یہ مردار ہی کھاتا ہے اسی کو مصنف نے ابقع نام دیا ہے۔ یہ مکروہ ہے (۳) یہ کبھی دانہ کھاتا ہے اور کبھی مردار کھاتا ہے۔ مصنف نے کتاب میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غیر مکروہ ہے اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ آخری ہی عقعق ہے جس طرح ''المنح'' میں ہے اس کا ذکر عنقریب (ایک مقولہ بعد) آئے گا۔

32465۔ (قولہ: وَالْخَبِيثُ الخ) ''معراج الدرایہ'' میں کہتے ہیں: علما نے اس پر اجماع کیا ہے کہ مستخبثات نص کی وجہ سے حرام ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف: 157) اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں۔ اور جسے عرب طیب و حلال جانیں وہ حلال ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ (الاعراف: 157) اور حلال کرتا ہے ان کے لیے پاک چیزیں۔ جسے عرب خبیث جانیں وہ نص کی وجہ سے حرام ہے۔ جن کے پاکیزہ وطیب جاننے کا اعتبار کیا جاتا ہے اہل امصار میں سے وہ اہل حجاز ہیں۔ کیونکہ کتاب اللہ ان پر نازل ہوئی۔ اور وہ اس کے مخاطب ہوئے۔ بادیہ کے لوگوں کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ وہ ضرورت اور بھوک کی وجہ سے جو چیز پاتے ہیں کھا جاتے ہیں اور جو مسلمانوں کے شہروں میں چیز پائی جائے جسے اہل حجاز نہ پہچانتے ہوں اسے اس جانور کی طرف پھیر دیا جائے گا جو حجاز میں پایا جاتا ہے اور اس کے مشابہ ہوتا ہے۔ اگر وہ اس کی کسی شے کے مشابہ نہ ہو تو وہ مباح ہوگا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان قُلْ لَّآ اَجِدُ (الانعام: 145) ''آپ فرمائیے میں نہیں پاتا'' کے تحت داخل ہوگا۔ اور اس وجہ سے مباح ہوگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ما سكت الله عنه فهو ما عفا الله عنه(1) اللہ تعالیٰ نے جس سے سکوت اختیار فرمایا ہے تو وہ ان چیزوں میں سے ہوگی جس سے اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔

لفظ غداف (گدھ) کی تحقیق

32466۔ (قولہ: قَامُوسٌ) اس کی عبارت کی نص یہ ہے: الغداف كغراب غراب القيظ والنسر الكثير الريش جمعه غدفان۔ غداف غراب کے وزن پر ہے یہ غراب قیظ ہے اور نسر زیادہ پروں والا پرندہ ہے اس کی جمع غدفان ہے۔ ''مسکین'' نے کہا: یہی عقعق ہے۔ جب عقعق میں اصح قول یہ ہے کہ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں تو شارح نے دوسرے معنی پر اکتفا کیا ہے۔ فافہم۔ ''اتقانی'' نے پہلے پر اکتفا کیا ہے۔ اور کہا: و كذا الغداف لا يوكل اس طرح کو انہیں

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمہ، باب مالم یذکر تحریمہ، جلد 3، صفحہ 94، حدیث نمبر 3306

(وَالْفِيلُ) وَالضَّبُّ، وَمَا رُوِيَ مِنْ أَكْلِهِ مَحْمُولٌ عَلَى الِابْتِدَاءِ (وَالْيَرْبُوعُ وَابْنُ عُرْسٍ وَالرَّخَمَةُ وَالْبُغَاثُ) هُوَ طَائِرٌ دَنِيءُ الْهِمَّةِ يُشْبِهُ الرَّخَمَةَ وَكُلُّهَا مِنْ سِبَاعِ الْبَهَائِمِ وَقِيلَ الْخُفَّاشُ لِأَنَّهُ ذُو نَابٍ

اور ہاتھی اور گوہ۔ اور گوہ کے کھانے کے بارے میں جو روایت ہے یہ ابتداء اسلام پر محمول ہوگی۔ جنگلی چوہا، نیولا اور کرگس اور بغاث یہ کم ہمت پرندہ ہے جو کرگس کے مشابہ ہوتا ہے۔ یہ سب بہائم درندوں میں سے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: چمگادڑ حلال نہیں کیونکہ وہ کچلی والا ہوتا ہے۔

کھایا جائے گا۔ یہ موسم گرما کا کوا ہے جو عام کوؤں سے بڑے جسم والا ہوتا ہے اس کے دونوں پر بھرپور ہوتے ہیں۔ یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ عقعق اس کے علاوہ ہے جس طرح اس سے یہ معلوم ہوگا جسے ہم عنقریب ذکر کریں گے، تامل۔ قیظ کا معنی گرمی ہے اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ یہ گرمی کے موسم میں آتا ہے۔

ہاتھی، گوہ، جنگلی چوہا، نیولا، چمگادڑ وغیرہ کا حکم

32467۔ (قولہ: عَلَى الِابْتِدَاءِ) یعنی ابتداء اسلام پر اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف: 157) کے نزول سے پہلے پر محمول کیا جائے گا۔ یہ گزشتہ قاعدہ کی بنا پر ہے۔

32468۔ (قولہ: وَالْيَرْبُوعُ) یہ یفعول کے وزن پر ہے یہ چوہے کی طرح چھوٹا جانور ہے لیکن اس کی دم اور اس کے دونوں کان اس سے لمبے ہوتے ہیں اور اس کی پچھلی ٹانگیں اس کی اگلی ٹانگوں سے لمبی ہوتی ہے یہ زرافہ کے برعکس ہوتا ہے۔ اس کی جمع یرابیع آتی ہے عام لوگ جیم کے ساتھ اسے جربوع کہتے ہیں۔''ابوسعود''۔

32469۔ (قولہ: وَابْنُ عُرْسٍ) یہ چھوٹا سا جانور ہوتا ہے جو زیادہ کاٹنے والا، کٹے کانوں والا اور مضبوط دانتوں والا ہوتا ہے اس کی جمع بنات عرس (نیولا) ہے۔ اسی طرح مذکر اور مونث کی جمع بنائی جاتی ہے۔''قاموس''۔

32470۔ (قولہ: وَالرَّخَمَةُ) یہ دو فتحوں کے ساتھ لفظ ہے یہ سیاہ رنگ کا پرندہ ہے وہ شکل وصورت میں گدھ کے مشابہ ہوتا ہے اسے آکل العظم (ہڈیاں کھانے والا) کہتے ہیں۔''غرر الافکار''۔

32471۔ (قولہ: وَالْبُغَاثُ) یہ غین معجمہ اور ثا کے ساتھ ہے۔''رملی''۔

32472۔ (قولہ: وَكُلُّهَا مِنْ سِبَاعِ الْبَهَائِمِ) پھر اس کے ساتھ اس کا ارادہ کیا جو پرندے کو شامل ہے۔''قاموس'' میں ہے: بہیمہ ہر چوپائے کو کہتے ہیں اگرچہ پانی میں رہتا ہو اور یہ زندہ ہو جو تمیز نہ کر سکتا ہو۔

32473۔ (قولہ: وَقِيلَ الْخُفَّاشُ) یعنی اسی طرح چمگادڑ حلال نہیں۔ الخفاش مبتدا ہے اس کی خبر حذف کر دی گئی ہے۔ یہ قول کرنے والا''قاضی خان'' ہیں۔''اتقانی'' نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ ہر کچلی والے سے نہی نہیں کی گئی جب وہ کچلی سے شکار نہ کرتا ہو۔''قاموس'' میں ہے: خفاش رمان کے وزن پر ہے اسے وطواط کہتے ہیں اسے یہ نام اس کی آنکھوں کے چھوٹا ہونے اور نظر کے کمزور ہونے کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔

(وَلَا يَحِلُّ (حَيَوَانٌ مَائِيٌّ إِلَّا السَّمَكُ) الَّذِي مَاتَ بِآفَةٍ وَلَوْ مُتَوَلِّدًا فِي مَاءٍ نَجِسٍ وَلَوْ طَافِيَةً مَجْرُوحَةً وَهْبَانِيَّةٌ

اور مچھلی کے سوا پانی کا حیوان حلال نہیں۔ وہ مچھلی حلال ہے جو کسی آفت کی وجہ سے مرگئی ہے اگر چہ وہ ناپاک پانی میں پیدا ہوئی ہو اگر چہ زخمی حالت میں پانی کے اوپر آگئی ہو،''وہبانیہ''۔

ہر وہ جاندار جس میں خون نہ ہو اس کا کھانا مکروہ ہے سوائے مکڑی کے

''غرر الافکار'' میں کہا: ہمارے نزدیک خطاف (سیاہ رنگ کا پرندہ) اور الو کھایا جاتا ہے اور صرد (موٹے سر، سفید پیٹ اور سبز پیٹھ والا پرندہ) لٹورا اور ہدہد کو مکروہ سمجھا جاتا ہے اور چمگادڑ میں اختلاف ہے۔ جہاں تک دبسی، صلصل (گدھا) عقعق (کوے کی ایک قسم) لقلق (سارس) اور لحام کا تعلق ہے تو ان کا کھانا مستحب نہیں اگر چہ یہ اصل میں حلال ہیں۔ کیونکہ لوگوں میں معروف یہ ہے کہ ان میں سے جس کو کسی نے کھایا تو اس کو آفت پہنچی۔ پس چاہیے کہ وہ ان سے بچے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے خطاف، بغاء، اور ہدہد کو حرام قرار دیا ہے اور گھروں میں رہنے اور وحشی بلی کو نہیں کھایا جائے گا۔ سمور، سنجاب، فنک، اور دلق کو نہیں کھایا جائے گا جس طرح ''قہستانی'' میں ہے۔ ہر وہ جاندار جس میں خون نہ ہو اس کا کھانا مکروہ ہے مگر مکڑی کا یہ حکم نہیں جیسے بھڑ اور مکھی۔''اتقانی''۔ بھڑ کے کیڑے کے کھانے میں جب کہ ابھی اس میں روح نہ پھونکی گئی ہو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ جس میں روح نہ ہو اس کو مردار نہیں کہتے۔''خانیہ'' وغیرہا۔''طحطاوی'' نے کہا: اس سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ پنیر، سرکہ اور پھل جیسے بیر اس کے کیڑے کے ساتھ کھانا جائز نہیں اگر ان کے کیڑے میں روح پھونک دی گئی ہو۔

وہ جانور جو غلاظت کھاتے ہوں ان کا شرعی حکم

32474۔ (قولہ: وَلَوْ مُتَوَلِّدًا فِي مَاءٍ نَجِسٍ) اسے فی الحال کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس کا حلال ہونا نص سے ثابت ہے اور اس کا نجاست سے غذا حاصل کرنا اس کی حلت کے مانع نہیں۔ اس قول کے ساتھ اونٹ، گائے جو غلاظت کھاتے ہیں اور مرغی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جن میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے توقف کیا ہے۔ فرمایا: میں نہیں جانتا ان کا کھانا کب حلال ہوتا ہے۔

''تجنیس'' میں ہے: جب ان کی خوراک ناپاک ہو تو مرغی کو تین دن محبوس رکھا جائے گا، بکری کو چار دن محبوس رکھا جائے گا، اونٹ اور گائے کو دس دن محبوس رکھا جائے گا۔ ظاہر روایت کے مطابق یہی مختار مذہب ہے۔''سرخسی'' نے کہا: اصح قول یہ ہے تعیین نہیں کی جائے گی اسے محبوس رکھا جائے گا یہاں تک کہ بدبو زائل ہو جائے۔''الملتقی'' میں ہے: وہ جلالہ مکروہ ہے جب اس کے قریب جایا جائے تو اس سے بو محسوس ہو تو اسے نہیں کھایا جائے گا، اس کا دودھ نہیں پیا جائے گا اور اس پر کام نہیں کیا جائے گا۔ اس کو بیچنا اور اس کو ہبہ کرنا مکروہ ہے یہ اس کا حال ہے۔

''بقالی'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس کا پسینہ ناپاک ہے۔''مختصر المحیط'' میں ہے: گلیوں میں کھلی پھرنے والی مرغی مکروہ نہیں

(غَيْرُ الطَّافِي) عَلَى وَجْهِ الْمَاءِ الَّذِي مَاتَ حَتْفَ أَنْفِهِ وَهُوَ مَا بَطْنُهُ مِنْ فَوْقُ، فَلَوْ ظَهْرُهُ مِنْ فَوْقُ فَلَيْسَ بِطَافٍ فَيُؤْكَلُ كَمَا يُؤْكَلُ مَا فِي بَطْنِ الطَّافِي، وَمَا مَاتَ بِحَرِّ الْمَاءِ أَوْ بَرْدِهِ

مگر وہ مچھلی جو پانی کی سطح پر اپنی موت آپ مرنے سے مر کر تیر رہی ہو وہ حلال نہیں اور یہ وہ مچھلی ہوتی ہے جس کا پیٹ اوپر کی جانب ہو اگر اس کی پشت اوپر کی جانب ہو تو وہ طافی نہیں پس اس مچھلی کو کھایا جائے گا جس طرح اس مچھلی کو کھایا جاتا ہے جو اس مچھلی کے پیٹ میں ہو۔ اور جو مچھلی پانی کی گرمی، اس کی ٹھنڈک،

اگرچہ وہ نجاست کھائے یعنی جب اس سے بو نہ آتی ہو۔ اس کی علت وہ ہے جو گزر چکی ہے کیونکہ وہ خوراک میں خلط ملط کرتی ہے اس کا گوشت متغیر نہیں ہوتا اور چند دن تک اس کو محبوس رکھنا یہ بطور احتیاط ہے۔ ''شرنبلالی علی الوہبانیہ''۔ مچھلی کو اس پر محمول کیا جائے گا جب وہ بدبودار نہ ہو اور جلالہ سے مراد جو بدبودار ہو۔ تامل

مچھلی کے مباح ہونے میں قاعدہ

32475۔ (قولہ: وَلَوْ طَافِيَةً مَجْرُوحَةً وَهْبَانِيَّةٌ) نہ یہ ''وہبانیہ'' میں موجود ہے اور نہ اس کی شرح میں موجود ہے۔ ''علامہ عبدالبر'' نے کہا ہے: مچھلی کے مباح ہونے میں یہ قاعدہ ہے کہ جو آفت ساویہ سے مر جائے اسے کھایا جائے گا اور جو آفت کے بغیر مر جائے تو اسے نہیں کھایا جائے گا، ''ط''۔ ہاں ''الاشباہ'' میں اس مسئلہ کی تصریح کی ہے۔ پس مناسب یہ تھا کہ اس کی طرف منسوب کیا جاتا۔

32476۔ (قولہ: غَيْرُ الطَّافِي) یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے جیسے سامی، ''قاموس'' میں ہے: طفا فوق الماء طفوا علا وہ پانی پر بلند ہو گیا۔

32477۔ (قولہ: حَتْفَ أَنْفِهِ) حتف سے مراد موت ہے۔ کمات حتف انفہ الخ وہ اپنی موت مر گیا۔ اس میں موت قلیل ہے۔ وہ قتل اور ضرب کے بغیر اپنی موت مر گیا یہاں انف (ناک) کو خاص کیا ہے کیونکہ اس نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس کی روح اس کی ناک سے سانس پے در پے لینے سے نکل جاتی ہے یا وہ یہ خیال کرتے تھے کہ مرض کی روح اس کی ناک سے نکلتی ہے اور زخمی کی روح اس کے زخم سے نکلتی ہے۔ ''قاموس''۔

32478۔ (كَمَا يُؤْكَلُ مَا فِي بَطْنِ الطَّافِي) کیونکہ مچھلی کے پیٹ میں جو مچھلی ہے وہ جگہ کی تنگی کی وجہ سے مری ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جو اندر مچھلی ہے وہ صحیح ہو جس طرح متن میں آئے گا۔

الکفایہ میں ہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس مچھلی کے بارے میں قول مروی ہے جو کتے کے پیٹ میں پائی جاتی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اس سے یہ ارادہ فرماتے ہیں جب وہ متغیر نہ ہو۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اگر مچھلی کے پیٹ میں ایک مکڑی پائی گئی یا مکڑی کے پیٹ میں مکڑی پائی گئی تو وہ حلال ہوگی۔ ''مکی'' نے ''البحرالزاخر'' سے نقل کیا ہے۔

32479۔ (قولہ: وَمَا مَاتَ بِحَرِّ الْمَاءِ أَوْ بَرْدِهِ) یہ عام مشائخ کا قول ہے۔ یہ زیادہ ظاہر اور زیادہ مناسب ہے

وَبِرَبْطِهِ فِيهِ أَوْ إِلْقَاءِ شَيْءٍ فَمَوْتُهُ بِآفَةٍ وَهْبَانِيَّةٌ (وَ) إِلَّا (الْجِرِّيثَ) سَمَكٌ أَسْوَدُ (وَالْمَارْمَاهِي) سَمَكٌ فِي صُورَةِ الْحَيَّةِ، وَأَفْرَدَهُمَا بِالذِّكْرِ لِلْخَفَاءِ وَخِلَافِ مُحَمَّدٍ (وَحَلَّ الْجَرَادُ) وَإِنْ مَاتَ حَتْفَ أَنْفِهِ، بِخِلَافِ السَّمَكِ (وَأَنْوَاعُ السَّمَكِ بِلَا ذَكَاةٍ) لِحَدِيثِ أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ السَّمَكُ وَالْجَرَادُ،

پانی میں اسے باندھنے یا کوئی چیز پھینکنے سے مرجائے تو اس کی موت آفت سے ہے۔ ''وہبانیہ''۔ مگر جریث حلال نہیں یہ سیاہ مچھلی ہے۔ اور مار ماہی ہے یہ ایسی مچھلی ہے جو سانپ کی شکل کی ہوتی ہے۔ ان دونوں کو الگ ذکر کیا ہے کیونکہ ان کے حکم میں خفا پایا جاتا ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اور مکڑی حلال ہے اگرچہ وہ اپنی موت آپ مرجائے۔ مچھلی کا معاملہ مختلف ہے۔ اور مچھلی کی تمام انواع ذبح کے بغیر حلال ہیں۔ کیونکہ حدیث طیبہ ہے: ہمارے لیے دو مردار حلال ہیں: مچھلی اور مکڑی۔

''تجنیس''۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''شرنبلالیہ'' نے ''منیۃ المفتی'' سے نقل کیا ہے۔

32480_(قولہ: بِرَبْطِهِ فِيهِ) فیہ کی ضمیر سے مراد پانی ہے کیونکہ وہ آفت سے مرگئی ہے، ''اتقانی''۔ اسی طرح جب وہ جال میں مرجائے جس سے نکلنے پر وہ قادر نہ ہو۔ ''کفایہ''۔

32481_(قولہ: أَوْ إِلْقَاءِ شَيْءٍ) وہ جانتا ہو کہ مچھلی اس سے مرجاتی ہے۔ ''المنح'' میں کہا: یا اس نے کوئی ایسی چیز کھائی جسے اس آدمی نے پانی میں پھینکا تا کہ وہ اسے کھائے پس وہ مچھلی اس کے کھانے سے مرگئی اور یہ امر معلوم ہے۔

32482_(قولہ: فَمَوْتُهُ بِآفَةٍ) یعنی جو کچھ ذکر کیا گیا اس کی حلت میں یہی قاعدہ ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اس میں سے ہے جو ''الکفایہ'' میں ہے: اگر اسے ایک باڑہ میں جمع کرے جس سے نکلنے کی وہ طاقت نہ رکھے اور وہ اسے شکار کے بغیر پکڑنے پر قادر ہو تو وہ اس سے مرجائے کیونکہ جگہ کی تنگی اس کی موت کا سبب ہے۔ اگر شکار کے بغیر اسے نہ پکڑا جا سکتا ہو تو پھر حلال نہ ہوگی اگر پانی جم جائے اور وہ مچھلی اس کے درمیان رہے۔ ''غرر الافکار'' میں ہے: اگر اسے مردہ پائے اور اس کا منہ پانی سے باہر ہو تو اسے کھایا جائے گا اگر اس کا سر پانی میں اور باہر نصف یا اس سے کم ہو تو اسے نہیں کھایا جائے گا ورنہ اسے کھایا جائے گا۔

32483_(قولہ: وَإِلَّا الْجِرِّيثَ) یہ جیم کے کسرہ اور را مہملہ کے ساتھ ہے۔ ''قاموس'' میں کہا: یہ سکیت کی طرح ہے۔

32484_(قولہ: سَمَكٌ أَسْوَدُ) ''عینی'' نے اسی طرح کہا ہے: ''وانی'' نے کہا: یہ مچھلی کی قسم ہے یہ ڈھال کی طرح گول ہوتی ہے۔ ''ابو سعود''۔

32485_(قولہ: لِلْخَفَاءِ) یعنی ان کے مچھلی کی جنس سے ہونے میں خفا ہے۔ ''ابن کمال''۔

32486_(قولہ: وَخِلَافِ مُحَمَّدٍ) اسے ''مغرب'' سے نقل کیا ہے۔ ''الدرر'' میں کہا: یہ قول ضعیف ہے۔

مچھلی کی تمام انواع ذبح کے بغیر حلال ہیں

32487_(قولہ: لِحَدِيثِ أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ الخ) یہ حدیث مشہور ہے اجماع کے ساتھ اسے تائید حاصل ہو چکی

وَدَمَانِ الْكَبِدُ وَالطِّحَالُ بِكَسْرِ الطَّاءِ (وَ) حَلَّ (غُرَابُ الزَّرْعِ) الَّذِي يَأْكُلُ الْحَبَّ (وَالْأَرْنَبُ وَالْعَقْعَقُ) هُوَ غُرَابٌ يَجْمَعُ بَيْنَ أَكْلِ جِيَفٍ وَحَبٍّ، وَالْأَصَحُّ حِلُّهُ (مَعَهَا) أَيْ مَعَ الذَّكَاةِ

اور دو خون حلال ہیں۔ جگر اور تلی (1)۔ طحال یہ طا کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اور کھیتی کا کوا حلال ہے جو دانا کھاتا ہے اور خرگوش اور عقعق حلال ہے۔ یہ ایسا کوا ہے جو مردار اور دانا دونوں کھاتا ہے اصح یہ ہے کہ ذبح کرنے کے ساتھ وہ حلال ہو جاتا ہے۔

ہے۔ پس اس کے ساتھ کتاب اللہ کی تخصیص جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ (المائدہ:3) حرام کیے گئے ہیں تم پر مردار اور خون۔ اس بنا پر کہ مچھلی کی حلت اللہ تعالیٰ کے فرمان: تَأْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا (فاطر:12) ''تم کھاتے ہو تر و تازہ گوشت'' کے مطلق ہونے سے ثابت ہے، ''کفایہ''۔ مچھلی کی انواع کے علاوہ جو پانی کی چیزیں ہیں جیسے پانی کا انسان اور اس کا خنزیر وہ خبیث ہے وہ حرمت کے تحت داخل ہوں گے۔ اور حدیث طیبہ: ھو الطھور ماءہ والحل میتتہ (2)، اس سے مراد مچھلی ہے جس طرح یہ ثابت ہے: اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ (المائدہ:96) حلال کیا گیا ہے تمہارے لیے دریائی شکار۔ کیونکہ مچھلی بالاجماع مراد ہے۔ اس کے ساتھ ادلہ کے درمیان جو تعارض تھا وہ ختم ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ میں حلت کا اثبات دلیل کا محتاج ہوگا اور جو مچھلی پانی پر تیرنے لگے اس کی حرمت ابوداؤد کی حدیث سے ثابت ہے: وما مات فیہ وطفا فلا تاکلوہ (3) اور جو اس میں مر جائے اور جو اس پر تیرنے لگے اسے نہ کھاؤ۔ ''اتقانی''۔ ملخص

32488_ (قولہ: وَحَلَّ غُرَابُ الزَّرْعِ) یہ سیاہ چھوٹا کوا ہے۔ اسے زاغ کہتے ہیں بعض اوقات اس کی چونچ اور پاؤں سرخ ہوتے ہیں، ''رملی''۔ ''قہستانی'' نے کہا: اس سے ایسا کوا مراد لیا گیا ہے جو صرف دانا کھاتا ہے جو ابقع ہو، سیاہ ہو یا زاغ ہو۔ اس کی مکمل بحث ''ذخیرہ'' میں ہے۔

32489_ (قولہ: وَالْعَقْعَقُ) اس کا وزن جعفر کا ہے۔ یہ کبوتر کی طرح کا پرندہ ہے اس کی دم لمبی ہوتی ہے اس میں سفیدی اور سیاہی رنگت ہوتی ہے۔ یہ ایسی نوع ہے جس سے نحوست کا خیال کیا جاتا ہے۔ اور یہ ایسی آواز نکالتا ہے جو عین اور قاف کی مشابہ ہوتی ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''مکی'' سے اسے نقل کیا ہے۔

32490_ (قولہ: وَالْأَصَحُّ حِلُّهُ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ کہتے: علی الاصح۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ مکروہ ہے۔ ''ط''۔

32491_ (قولہ: مَعَهَا) یہ حل کے متعلق ہے جسے شارح نے مقدر کیا ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: والاولی بھا یعنی اس (ذبح) کے ساتھ بدرجہ اولیٰ حلال ہوگا۔

1۔ الجامع الصغیر للسیوطی، جلد 1، صفحہ 13، المکتبۃ العلمیۃ بیروت
2۔ نصب الرایۃ، کتاب الذبائح، جلد 4، صفحہ 490
3۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الصید والذبائح، جلد 9، صفحہ 256

(وَ ذَبحُ مَا لَا یُؤکَلُ یُطَهِّرُ لَحمَهُ وَ شَحمَهُ وَ جِلدَهُ) تَقَدَّمَ فِی الطَّهَارَةِ تَرجِیحُ خِلَافِهِ (إِلَّا الآدَمِیَّ وَ الخِنزِیرَ) کَمَا مَرَّ (ذَبحَ شَاةً) مَرِیضَةً

جس جانور کا گوشت نہیں کھایا جاتا اس کو ذبح کرنا اس کے گوشت، اس کی چربی اور اس کی جلد کو پاک کر دیتا ہے۔ کتاب الطہارۃ میں اس کے برعکس کو ترجیح دی گئی ہے مگر آدمی اور خنزیر اس سے پاک نہیں ہوتا جس طرح گزر چکا ہے۔ ایک آدمی نے بیمار بکری ذبح کی

غیر ماکول اللحم جانوروں کو ذبح کرنا ان کے گوشت چربی اور جلد کو پاک کر دیتا ہے

32492۔ (قولہ: وَ ذَبحُ مَا لَا یُؤکَلُ) یعنی جن جانوروں کو نہیں کھایا جاتا ان کو ذبح کرنا۔ کیونکہ ''درر'' میں ہے: اور شکار کرنے سے نجس العین کے علاوہ کا گوشت پاک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ شکار کرنا یہ حکماً ذبح کرنا ہے۔

32493۔ (قولہ: یُطَهِّرُ لَحمَهُ وَ شَحمَهُ وَ جِلدَهُ) یہاں تک کہ اگر وہ تھوڑے سے پانی میں گر پڑے تو اسے ناپاک نہیں کرے گا۔ کیا کھانے کے علاوہ میں اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ یہ جائز نہیں۔ یہ کھانے پر قیاس کرنے کی بنا پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز ہے جیسے تیل جب مردار کی چربی اس میں مل جائے اور تیل غالب ہو تو اسے نہیں کھایا جائے گا اور کھانے کے علاوہ میں اسے استعمال کیا جائے گا۔ ''ہدایہ''۔

32494۔ (قولہ: فِی الطَّهَارَةِ تَرجِیحُ خِلَافِهِ) وہ یہ ہے کہ گوشت ذبح کرنے سے پاک نہیں ہوتا اور جلد ذبح کرنے سے پاک ہو جائے گی۔ ''ح''۔

میں کہتا ہوں: یہ دونوں ایسے قول ہیں جن کی تصحیح کی گئی ہے اور ''ہدایہ'' اور ''کنز'' میں یہاں تفصیل کے بغیر یقینی سے ذکر کیا ہے۔

یہ ذہن نشین کر لو۔ ''جوہرہ'' میں ہے: جس جانور کا گوشت نہیں کھایا جاتا اس کی طہارت کا موجب کیا ہے؟ علما نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ کیا وہ محض ذبح کرنا ہے یا تسمیہ کے ساتھ ذبح کرنا ہے؟ ظاہر دوسرا قول ہے ورنہ یہ لازم آئے گا کہ جسے مجوسی ذبح کرے وہ پاک ہو۔ لیکن صاحب ''البحر'' نے کتاب الطہارۃ میں ذکر کیا ہے کہ مجوسی کا ذبیحہ اور جو جان بوجھ کر تسمیہ چھوڑتا ہے۔ یہ اصح قول کے مطابق طہارت کو ثابت کرتا ہے اس کی تائید اس سے کی گئی ہے کہ ''النہایہ'' میں اس کے برعکس قول کو قیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

32495۔ (قولہ: إِلَّا الآدَمِیَّ) یہ متن کے لازم سے استثنا ہے اس سے استعمال کا جواز اخذ کیا جاتا ہے۔ انسان اگرچہ پاک ہے اس کا استعمال اس کی کرامت کی وجہ سے جائز نہیں اور خنزیر کو استعمال نہیں کیا جاتا یہ اپنی نجاست پر باقی رہتا ہے کیونکہ اس کے تمام اجزاء ناپاک ہوتے ہیں۔ ''ط''۔

32496۔ (قولہ: کَمَا مَرَّ) یعنی کتاب طہارت میں گزر چکا ہے۔

(فَتَحَرَّكَتْ أَوْ خَرَجَ الدَّمُ حَلَّتْ وَإِلَّا لَا إِنْ لَمْ تُدْرَ حَيَاتُهُ) عِنْدَ الذَّبْحِ، وَإِنْ عُلِمَ حَيَاتُهُ (حَلَّتْ) مُطْلَقًا (وَإِنْ لَمْ تَتَحَرَّكْ وَلَمْ يَخْرُجِ الدَّمُ) وَهَذَا يَتَأَتَّى فِي مُنْخَنِقَةٍ وَمُتَرَدِّيَةٍ وَنَطِيحَةٍ، وَالَّتِي فَقَرَ الذِّئْبُ بَطْنَهَا فَذَكَاةُ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ تُحَلِّلُ، وَإِنْ كَانَتْ حَيَاتُهَا خَفِيفَةً

اس نے حرکت کی یا اس کا خون نکلا تو وہ حلال ہوگی ورنہ حلال نہ ہوگی اگر ذبح کے وقت اس کی زندگی کا پتا نہ ہو۔ اگر اس کی زندگی پتا ہو تو مطلقاً حلال ہوگی اگر چہ وہ حرکت نہ کرے اور اس کا خون نہ نکلے۔ یہی حکم ہوگا اس جانور میں جس کا گلا دبایا گیا ہو، جو لڑھک کر گر جائے جیسے کسی جانور نے سینگ مارا ہو جس کے بطن کو بھیڑیئے نے پھاڑ دیا ہو تو ان اشیا کو ذبح کرنا انہیں حلال کر دیتا ہے اگر چہ ان کی زندگی خفیف ہو

اگر ذبح کے وقت زخمی جانور میں زندگی کی کوئی علامت پائی جائے تو اسے کھایا جائے ورنہ نہیں

32497۔ (قولہ: فَتَحَرَّكَتْ) جو زندگی پر دلالت نہیں کرتی۔ جیسے ٹانگ لمبی کرنا اور آنکھ کھولنا اس کے علاوہ اس نے حرکت کی جس طرح اس کا ذکر آگے (اگلے صفحہ پر) آئے گا۔

32498۔ (قولہ: أَوْ خَرَجَ الدَّمُ) جس طرح زندہ سے نکلتا ہے۔ ''بزازیہ'' میں کہا: ''شرح الطحاوی'' میں ہے: خون کا نکلنا یہ زندگی پر دلالت نہیں کرتا مگر جب وہ اس سے اس طرح نکلے جس طرح زندہ سے خون نکلتا ہے۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ یہ ظاہر روایت ہے۔

32499۔ (قولہ: حَلَّتْ) کیونکہ زندگی کی علامت موجود ہے۔

32500۔ (قولہ: حَيَاتُهُ) زیادہ بہتر یہ قول تھا: حیاتہا جس طرح ''المنح'' میں اسے تعبیر کیا ہے۔ لیکن مذبوح کا اعتبار کرتے ہوئے ضمیر مذکر ذکر کی ہے۔

32501۔ (قولہ: حَلَّتْ مُطْلَقًا) مابعد قول اس کی تفسیر بیان کرتا ہے۔ ''المنح'' میں کہا: کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ وہ باقی رہے جس پر وہ پہلے ہے۔ پس شک کی وجہ سے زندگی کے زوال کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

32502۔ (قولہ: وَهَذَا يَتَأَتَّى فِي مُنْخَنِقَةٍ الخ) یعنی جس کا گلا دبایا گیا ہو یا جو مریضہ ہو۔ جس طرح کتاب الصید میں آئے گا۔

32503۔ (قولہ: وَالَّتِي فَقَرَ الذِّئْبُ بَطْنَهَا) فقر کا معنی کھودنا ہے اور پرونے کے لیے گھونگے میں سوراخ کرنا ہے بعض نسخوں میں بقر ہے یعنی پھاڑنا۔

32504۔ (قولہ: وَإِنْ كَانَتْ حَيَاتُهَا خَفِيفَةً) بعض نسخوں میں خفیۃ ہے۔ پہلا قول اولیٰ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس میں اس کی زندگی باقی رہے جس قدر مذبوح میں ذبح کے بعد زندگی باقی رہتی ہے جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ اس میں ہے: ایک بکری ہے بھیڑیئے نے اس کی رگیں کاٹ دیں جب کہ وہ زندہ ہو تو اسے ذبح نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ محل ذبح

وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى، لِقَوْلِهِ تَعَالَى إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ وَسَيَجِيءُ فِي الصَّيْدِ (ذَبَحَ شَاةً لَمْ تُدْرَ حَيَاتُهَا وَقْتَ الذَّبْحِ) وَلَمْ تَتَحَرَّكْ وَلَمْ يَخْرُجِ الدَّمُ (إِنْ فَتَحَتْ فَاهَا لَا تُؤْكَلُ، وَإِنْ ضَمَّتْهُ أُكِلَتْ، وَإِنْ فَتَحَتْ عَيْنَهَا لَا تُؤْكَلُ وَإِنْ ضَمَّتْهَا أُكِلَتْ، وَإِنْ مَدَّتْ رِجْلَهَا لَا تُؤْكَلُ، وَإِنْ قَبَضَتْهَا أُكِلَتْ، وَإِنْ نَامَ شَعْرُهَا لَا تُؤْكَلُ، وَإِنْ قَامَ أُكِلَتْ) لِأَنَّ الْحَيَوَانَ يُسْتَرْخَى بِالْمَوْتِ؛ فَفَتْحُ فَمٍ وَعَيْنٍ وَمَدِّ رِجْلٍ وَنَوْمِ شَعْرٍ عَلَامَةُ الْمَوْتِ لِأَنَّهَا اسْتِرْخَاءٌ وَمُقَابِلُهَا حَرَكَاتٌ تَخْتَصُّ بِالْحَيِّ فَدَلَّ عَلَى حَيَاتِهِ، وَهَذَا كُلُّهُ إِذَا لَمْ تُعْلَمِ الْحَيَاةُ (وَإِنْ عُلِمَتْ حَيَاتُهَا) وَإِنْ قَلَّتْ (وَقْتَ الذَّبْحِ أُكِلَتْ مُطْلَقًا) بِكُلِّ حَالٍ زَيْلَعِيٌّ (سَمَكَةٌ فِي سَمَكَةٍ) (فَإِنْ كَانَتِ الْمَظْرُوفَةُ صَحِيحَةً حَلَّتَا) يَعْنِي الْمَظْرُوفَةَ،

اسی پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مگر جسے تم نے ذبح کیا ہو۔ اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے۔ کتاب الصید میں عنقریب یہ آئے گا۔ ایک بکری ذبح کی ذبح کے وقت جس کی زندگی معلوم نہ تھی اور اس نے حرکت نہ کی اور نہ ہی خون نکلا اگر اس نے اپنا منہ کھولا تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ اگر اس نے اپنا منہ بند کیا تو اس کو کھایا جائے گا۔ اگر اس نے اپنی آنکھ کھولی تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ اگر آنکھوں کو بند کیا تو اسے کھایا جائے گا۔ اگر اس نے پاؤں کو لمبا کیا تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ اگر اس نے اسے اپنی طرف کھینچا تو اسے کھایا جائے گا۔ اگر اس کے بال گر گئے تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ اگر وہ کھڑے ہو گئے تو اسے کھایا جائے گا۔ کیونکہ موت کے ساتھ حیوان کے اعضاء میں ڈھیلا پن آتا ہے۔ پس منہ اور آنکھ کا کھولنا، پاؤں کو لمبا کرنا اور بالوں کا گر جانا یہ موت کی علامت ہے۔ کیونکہ یہ سب اعضاء کا ڈھیلا ہونا ہے۔ اور اس کے مقابل ایسی حرکات ہیں جو زندہ کے ساتھ خاص ہیں۔ پس وہ اس کی زندگی پر حلال ہوں گی۔ یہ سب احکام اس صورت میں ہیں جب زندگی کا علم نہ ہو۔ اگر ذبح کے وقت اس کی زندگی معلوم ہو اگرچہ وہ قلیل ہو تو مطلقاً اسے ہر حال میں کھایا جائے گا، ''زیلعی''۔ ایک مچھلی دوسری مچھلی میں ہے اگر مظروف مچھلی (جو مچھلی کے پیٹ میں ہے) صحیح ہو تو دونوں حلال ہوں گی یعنی مظروف

فوت ہو چکا ہے۔ اگر اس کا سر کھینچ دیا جب کہ وہ زندہ ہو تو اسے لبہ اور جبڑوں کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا۔

32505۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

32506۔ (قولہ: مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ) یعنی خفیف زندگی اور کامل زندگی میں کوئی فرق نہیں کیا۔

32507۔ (قولہ: ذَبَحَ شَاةً الخ) یہ دونوں علامات کا بیان ہے۔

32508۔ (قولہ: وَلَمْ تَتَحَرَّكْ الخ) یعنی ذبح کے بعد حرکت نہ کرے جو اضطرابی حرکت ہو جس طرح مذبوح حرکت کرتا ہے ورنہ آنکھ کو بند کرنا اور پاؤں کھینچنا حرکت ہے۔

32509۔ (قولہ: وَهَذَا كُلُّهُ الخ) اسے دوبارہ ذکر کیا ہے تاکہ متن پر داخل ہو۔

32510۔ (قولہ: بِكُلِّ حَالٍ) خواہ وہ علامات پائی جائیں یا نہ پائی جائیں۔

وَالظَّرْفُ لِمَوْتِ الْمَبْلُوعَةِ بِسَبَبٍ حَادِثٍ (وَإِلَّا) تَكُنْ صَحِيحَةً (حَلَّ الظَّرْفُ لَا الْمَظْرُوفُ) كَمَا لَوْ خَرَجَتْ مِنْ دُبُرِهَا لِاسْتِحَالَتِهَا عَذِرَةً جَوْهَرَةٌ، وَقَدْ غَيَّرَ الْمُصَنِّفُ عِبَارَةَ مَتْنِهِ إِلَى مَا سَمِعْتَهُ، وَلَوْ وَجَدَ فِيهَا دُرَّةً مَلَكَهَا حَلَالًا وَلَوْ خَاتَمًا أَوْ دِينَارًا مَضْرُوبًا لَا وَهُوَ لُقَطَةٌ (ذُبِحَ لِقُدُومِ الْأَمِيرِ)

اور ظرف دونوں مچھلیاں حلال ہوں گی۔ کیونکہ جس مچھلی کو نگلا گیا ہے وہ نئے سبب سے مری ہے۔ اگر وہ صحیح نہ ہوتو ظرف (یعنی جس نے نگلا ہے) حلال ہوگی مظروف حلال نہ ہوگی۔ جس طرح اگر وہ مچھلی اس کی وجہ سے نکل جائے تو حلال نہیں۔ کیونکہ وہ مچھلی عذرہ کی صورت میں متغیر ہو چکی ہے،''جوہرہ''۔ مصنف نے اس کے متن کی عبارت اس طرف تبدیل کر دی ہے جسے تو سن چکا ہے۔ اگر وہ اس مچھلی میں موتی پائے تو اس کا مالک ہوگا اس حال میں کہ وہ اس کے لیے حلال ہوگا اگر وہ انگوٹھی یا دینار ہو جو ٹیکسال سے نکلا ہو تو حلال نہیں ہوگا اور وہ لقطہ ہوگا۔ امیر وغیرہ،

32511۔ (قولہ: لِاسْتِحَالَتِهَا عَذِرَةً) اگر غیر متغیر نکلنے کو فرض کیا جائے تو بھی حلال ہو گی۔ کیونکہ حرمت کا دارومدار اس کا متغیر ہونا ہے نہ کہ دبر سے اس کا نکلنا ہے۔ اسی وجہ وہ جو حلال ہے جو جانور کے گوبر میں پایا جائے جب وہ سخت ہو۔ تامل،''رحمتی''۔

میں کہتا ہوں:''معراج الدرایہ'' میں ہے: اگر پرندے کے معدہ میں مچھلی پائی گئی تو اسے کھایا جائے گا۔ اور امام''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ وہ بیٹ کی طرح ہے اور پرندے کی بیٹ امام''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نجس ہے۔ ہم کہتے اسے رجیع (بیٹ) ہونے کا اس وقت اعتبار کیا جائے گا جب وہ متغیر ہو جائے۔ اور چھوٹی مچھلیاں جن کے پیٹ چاک کیے بغیر انہیں بھونا جاتا ہے تو امام''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب نے کہا: ان کا کھانا حلال نہیں۔ کیونکہ اس کی رجیع ناپاک ہے۔ باقی ائمہ کے نزدیک حلال ہے۔

32512۔ (قولہ: وَقَدْ غَيَّرَ الْمُصَنِّفُ عِبَارَةَ مَتْنِهِ) مصنف نے جسے''المنح'' میں ذکر کیا ہے اس میں انہوں نے ''الفوائد'' کی عبارت کو تبدیل کر دیا ہے۔ وہ یہ ہے: اگر وہ صحیح ہو تو دونوں حلال ہوں گی ورنہ نہیں۔ مصنف نے کہا: مطلوب کو بیان کرنے میں ان کی کوتاہی مخفی نہیں۔ اسی وجہ سے''المختصر'' میں اسے اس کی طرف پھیر دیا ہے جسے تو نے سن لیا ہے۔ لیکن محشی نے ذکر کیا ہے تو انہوں نے متن کے نسخہ میں دیکھا ہے: فان كانت المظروفة صحيحة حلت والالا۔

32513۔ (قولہ: مَلَكَهَا حَلَالًا) یعنی اگر وہ صدف میں ہو۔ اگر شکاری نے مچھلی بیچی تو مشتری موتی کا مالک بن جائے گا۔ اگر وہ صدف میں نہ ہو تو یہ موتی شکاری کا ہوگا اور یہ لقطہ ہوگا۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ لوگوں کے ہاتھ میں شکاری کا ہاتھ اس تک پہنچا ہے۔''ولوالجیہ''، ملخص

32514۔ (قولہ: وَهُوَ لُقَطَةٌ) پس اسے حق حاصل ہوگا کہ اعلان کے بعد خود استعمال کرے اگر وہ محتاج ہو اگر غنی ہو تو پھر اپنی ذات پر صرف نہیں کر سکتا۔''منح''۔''الاشباہ'' کا قول ہے: و كذا ان كان غنيا، یہ سبقت قلم ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

وَنَحْوِهِ كَوَاحِدٍ مِنَ الْعُظَمَاءِ (يَحْرُمُ) لِأَنَّهُ أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ (وَلَوْ) وَصْلِيَّةٌ (ذَكَرَ اسْمَ اللهِ تَعَالَى وَلَوْ) ذُبِحَ (لِلضَّيْفِ لَا) يَحْرُمُ لِأَنَّهُ سُنَّةُ الْخَلِيلِ وَإِكْرَامُ الضَّيْفِ إِكْرَامُ اللهِ تَعَالَى وَالْفَارِقُ أَنَّهُ إِنْ قَدَّمَهَا لِيَأْكُلَ مِنْهَا كَانَ الذَّبْحُ لِلّٰهِ وَالْمَنْفَعَةُ لِلضَّيْفِ أَوْ لِلْوَلِيمَةِ أَوْ لِلرِّبْحِ، وَإِنْ لَمْ يُقَدِّمْهَا لِيَأْكُلَ مِنْهَا بَلْ يَدْفَعُهَا لِغَيْرِهِ كَانَ لِتَعْظِيمِ غَيْرِ اللهِ فَتَحْرُمُ،

جیسے کوئی عظیم آدمی ہو، کے آنے پر اس نے جانور ذبح کیا تو وہ حرام ہو جائے گا۔ کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کے لیے ذبح کیا گیا ہے اگرچہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ اگر مہمان کے لیے اسے ذبح کیا گیا تو وہ حرام نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی سنت ہے اور مہمان کی ضیافت اللہ تعالیٰ کی ضیافت ہے۔ فرق یہ چیز کرے گی اگر اس نے اسے پیش کیا تا کہ امیر اس سے کھائے تو ذبح اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگی اور منفعت مہمان کے لیے ہوگی یا ولیمہ کے لیے ہوگی یا نفع کے لیے ہوگی اگر وہ حاکم کے سامنے پیش نہ کرے تا کہ اس سے کھائے بلکہ وہ کسی اور کو دے دے تو یہ غیر اللہ کی تعظیم ہوگی تو وہ ذبیحہ حرام ہو جائے گا۔

32515۔ (قولہ: لَا يَحْرُمُ الخ) ''بزازی'' نے کہا: جس نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ حلال نہیں کیونکہ یہ انسان کی تکریم کے لیے ذبح کیا گیا ہے۔ پس اس نے اسے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا۔ پس اس نے قرآن، حدیث اور عقل کی خلاف ورزی کی۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ قصاب نفع کے لیے ذبح کرتا ہے اگر وہ جانتا کہ یہ نجس ہے تو وہ ذبح نہ کرتا اس جاہل پر یہ لازم آئے گا جسے قصاب نے ذبح کیا ہے اور جسے ولیمہ شادی اور عقیقہ کے لیے ذبح کیا گیا ہے اسے نہ کھائے۔

32516۔ (قولہ: وَالْفَارِقُ) یعنی جسے مخلوق کی تعظیم کے لیے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا گیا اور جسے اس کے علاوہ کے لیے ذبح کیا گیا۔ اس میں فرق کرنے والی یہ بات ہے: اس تعبیر کی بنا پر جو دیوار شروع کرنے، مرض کے لاحق ہونے یا اس سے شفا حاصل ہونے پر جو جانور ذبح کیا جاتا ہے تو اس کے حلال ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ اس سے مقصود صدقہ کرنا ہوتا ہے، ''حموی''۔ اسی کی مثل کسی عبادت کی نذر ہے مثلاً سمندر سے سلامتی کے ساتھ نکل آنے کے ساتھ معلق ہو۔ پس اس پر لازم ہوگا کہ وہ صرف فقرا پر اسے صدقہ کرے جس طرح ''فتاویٰ شلبی'' میں ہے۔

32517۔ (قولہ: إِنْ قَدَّمَهَا لِيَأْكُلَ مِنْهَا) فرق کا دارومدار اس پر ہے نہ کہ محض وہ غیر کو دے دیتا ہے۔ لغیرہ یعنی جس کے لیے اسے ذبح کیا گیا اس کے علاوہ کو یا ذابح کے علاوہ کو دے دینا۔ کیونکہ ذبح کرنے والا بعض اوقات اسے چھوڑ دیتا ہے یا تمام لے لیتا ہے۔ فافہم

یہ جان لو کہ دارومدار ذبح کے شروع میں ارادہ پر ہے۔ پس یہ لازم نہیں آتا کہ اگر وہ مہمان کو اس کے علاوہ پیش کرے تو وہ حلال نہ ہو۔ کیونکہ ذبح کے وقت اس کی تعظیم کا قصد نہیں کیا بلکہ اس سے کھانے کے ساتھ اس کی تکریم کا قصد کیا ہے اگرچہ وہ اسے اس کے علاوہ کوئی چیز پیش کرے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے اگر اس کی ضیافت کرے اور اس کے آنے پر وہ جانور ذبح کرے۔ اگر اس کی تعظیم کا قصد کیا تو یہ ذبیحہ حلال نہ ہوگا اگرچہ اس کے ساتھ اس کی ضیافت کرے۔ اگر تکریم کا قصد کیا تھا تو وہ

وَهَلْ يُكَفَّرُ؟ قَوْلَانِ بَزَّازِيَّةٌ وَشَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ قُلْت وَفِي صَيْدِ الْمُنْيَةِ أَنَّهُ يُكْرَهُ وَلَا يُكَفَّرُ لِأَنَّا لَا نُسِيءُ الظَّنَّ بِالْمُسْلِمِ أَنَّهُ يَتَقَرَّبُ إِلَى الْآدَمِيِّ بِهَذَا النَّحْرِ، وَنَحْوُهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ عَنْ الذَّخِيرَةِ وَنَظَمَهُ فَقَالَ

وَفَاعِلُهُ جُمْهُورُهُمْ قَالَ كَافِرٌ وَفَضْلِيٌّ وَإِسْمَاعِيلِي لَيْسَ يُكَفَّرُ

(الْعُضْوُ) يَعْنِي الْجُزْءَ (الْمُنْفَصِلَ مِنْ الْحَيِّ)

کیا اسے کافر قرار دیا جائے گا اس کے بارے میں دو قول ہیں ''بزازیہ''، ''شرح وہبانیہ''۔ میں کہتا ہوں: ''المنیہ'' کے کتاب الصید میں ہے: یہ مکروہ ہے اور اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ ہم مسلمان کے بارے میں سوئے ظن نہیں رکھتے کہ وہ اس قربانی وغیرہ کے ساتھ کسی انسان کی عبادت کرتا ہوگا۔ ''شرح الوہبانیہ'' میں ''ذخیرہ'' سے مروی ہے۔ اور اسے نظم کیا: جمہور علمانے کہا: ایسا کرنے والا کافر ہے۔ اور ''فضلی'' اور ''اسماعیلی'' نے کہا: اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ وہ جز جو زندہ سے جدا ہو جائے وہ اس کے مردار کی طرح ہے وہ زندہ

حلال ہوگا اگر چہ اس کے علاوہ اسے کھائے۔ تامل

32518۔ (قولہ: وَهَلْ يُكَفَّرُ) یعنی جو اس بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاملہ ہے اس میں اسے کافر قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ کسی ایسے مسلمان کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا جس کے کلام یا اس کے فعل کو اپنے حسن محمول پر محمول کرنا ممکن ہو یا اس کے کفر میں اختلاف ہے۔

32519۔ (قولہ: أَنَّهُ يَتَقَرَّبُ إِلَى الْآدَمِيِّ) یعنی وہ عبادت کے طریقہ پر اس کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ یہ عمل اس کو کافر بناتا ہے۔ یہ مسلمان کے حال سے بعید ہے۔ پس ظاہر یہ ہے کہ اس نے دنیا کا قصد کیا یا اس کے مقبول ہونے کا قصد کیا۔ یہ اظہار محبت کے طور پر تھا اور اس کی جانب سے جانور ذبح کرنے کی صورت میں تھا۔ لیکن اس عمل میں جب اس کی تعظیم تھی تو تسمیہ محض اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہوا جس طرح اگر وہ کہے: اللہ کے نام سے اور فلاں کے نام سے تو وہ ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے۔ پس حرمت اور کفر میں کوئی ملازمت نہیں جس طرح ہم اسے پہلے ''مقدسی'' سے نقل کر چکے ہیں۔ فافہم

32520۔ (قولہ: وَفَضْلِيٌّ وَإِسْمَاعِيلُ) یعنی دونوں نے کہا: اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ دونوں سے مراد امام ''فضلی'' ہے۔ ضرورت کی بنا پر اس کا نام تبدیل کر دیا گیا اور امام ''اسماعیل زاہد'' ہے۔

وہ عضو جو زندہ سے الگ ہو جائے اس کا حکم

32521۔ (قولہ: الْمُنْفَصِلَ مِنْ الْحَيِّ) یعنی مچھلی اور مکڑی کے علاوہ۔ مراد گوشت سے جو الگ ہو۔ اگر اس کی جلد کے ساتھ لٹک رہا ہو تو حکم مختلف نہ ہوگا۔ گوشت کے ساتھ لٹکنے کا حکم مختلف ہے۔ کیونکہ اسے کھایا جائے گا جس طرح ''شرح بیری'' میں ''شرح الطحاوی'' سے مروی ہے۔ حی کا لفظ مطلقاً ذکر کیا ہے یہ صید کو شامل ہوگا۔ شارح نے کتاب الصید میں ''الملتقی'' سے ذکر کیا ہے: اگر شکار کی طرف تیر پھینکا اور اس نے اس کا ایک عضو کاٹ دیا اور اسے جدا نہ کیا اگر عضو کے مل

حَقِيقَةً وَحُكْمًا لِأَنَّهُ مُطْلَقٌ فَيَنْصَرِفُ لِلْكَامِلِ كَمَا حَقَّقَهُ فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ قُلْتُ لَكِنْ ظَاهِرُ الْمَتْنِ التَّعْمِيمُ بِدَلِيلِ الِاسْتِثْنَاءِ فَتَأَمَّلْهُ (كَمَيْتَتِهِ) كَالْأُذُنِ الْمَقْطُوعَةِ وَالسِّنِّ السَّاقِطَةِ إِلَّا فِي حَقِّ صَاحِبِهِ فَطَاهِرٌ وَإِنْ كَثُرَ أَشْبَاهٌ مِنَ الطَّهَارَةِ، وَهُوَ الْمُخْتَارُ كَمَا فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ (إِلَّا مِنْ مَذْبُوحٍ قَبْلَ مَوْتِهِ فَيَحِلُّ أَكْلُهُ لَوْ مِنَ الْحَيَوَانِ (الْمَأْكُولِ) لِأَنَّ مَا بَقِيَ مِنَ الْحَيَاةِ غَيْرُ مُعْتَبَرٍ أَصْلًا بَزَّازِيَّةٌ

حقیقۃً ہو یا حکماً ہو۔ کیونکہ یہ مطلق ہے۔ پس یہ کامل کی طرف پھر جائے گا جس طرح ''تنویر البصائر'' میں اس کو ثابت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: لیکن متن کا ظاہر عموم پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس سے استثنا کی گئی ہے۔ پس اس میں غور وفکر کیجئے۔ عضو سے مراد اس کا کٹا ہوا کان ہے اور گرنے والا دانت ہے مگر اس کے اپنے حق میں وہ ظاہر ہے اگرچہ وہ کثیر ہو۔ ''الاشباہ''، کتاب الطہارۃ۔ یہی مختار ہے جس طرح ''تنویر البصائر'' میں ہے۔ اگر وہ عضو جو مذبوح سے اس کی موت سے پہلے جدا کر دیا گیا ہو پس اس کو کھایا جائے گا اگر وہ ایسے جانور سے ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہو۔ کیونکہ باقی ماندہ زندگی۔ اصلاً معتبر نہیں، ''بزازیہ''۔

جانے کا احتمال ہو تو عضو کو کھایا جائے گا ورنہ عضو کو نہیں کھایا جائے گا۔

32522۔ (قولہ: حَقِيقَةً وَحُكْمًا) یہ حی کے متعلق ہے۔ یہ ذبح کے بعد حی سے احتراز ہے۔ کیونکہ اس سے جدا ہونے والا مراد نہیں اگرچہ اس میں حیات ہو۔ کیونکہ یہ حیات حکمی ہے۔ اس کے ساتھ ''ہدایہ'' کے کتاب الصید میں جو قول ہے اس سے احتراز ہے یعنی جو زندہ سے صورۃً جدا ہو حکماً جدا نہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس سے جس کو جدا کیا گیا ہے اس میں ایسی حیات باقی ہو جس طرح مذبوح کی حیات ہوتی ہے پس تمام کو کھایا جائے گا۔

''العنایہ'' میں ہے: اگر عضو جدا کرنے کے بعد اس جانور کی زندگی ممکن ہو تو اس عضو کو نہیں کھایا جائے گا ورنہ اسے کھایا جائے گا۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے اگر سر کو جدا کیا تو دونوں کو کھایا جائے گا۔ کیونکہ یہ زندہ سے حقیقۃً اور حکماً جدا نہیں بلکہ صرف حقیقۃً جدا ہے۔ کیونکہ جدائی کے وقت وہ حکماً منفصل ہے۔ اس کی مکمل وضاحت کتاب الصید میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

32523۔ (قولہ: لَكِنْ ظَاهِرُ الْمَتْنِ التَّعْمِيمُ) یعنی زندہ کی تعمیم اس زندہ میں جو حقیقت اور حکم میں زندہ ہو۔ اور اس زندہ میں ہے جو صرف حکماً زندہ ہو۔ پس یہ قول اس امر کو بیان کرے گا کہ مذبوح سے جو منفصل ہے وہ مردار ہے لیکن آنے والی استثنا سے خارج ہو جائے گا پس دونوں وجوہ میں حکم میں کوئی مخالفت نہیں۔ اس کی غایت یہ ہے کہ پہلی صورت میں مستثنیٰ منقطع ہے اور دوسری صورت میں متصل ہے۔ ''ح''۔

32524۔ (قولہ: وَالسِّنِّ السَّاقِطَةِ) کتاب الطہارۃ میں پہلے گزر چکا ہے کہ مذہب دانت کا ظاہر ہونا ہے۔ ''ح''۔

32525۔ (قولہ: وَإِنْ كَثُرَ) یعنی درہم کے وزن سے زائد ہوا گر وہ نماز پڑھے جب کہ وہ اس کے پاس ہو تو اس کی نماز صحیح ہوگی۔ زندہ کے علاوہ سے متصل کا معاملہ مختلف ہے۔ جو گزر چکا ہے ان تمام میں منفصل سے مراد وہ ہے جس میں زندگی واقع ہوتی ہے جس طرح امر مخفی نہیں۔

قُلْت لَكِنْ يُكْرَهُ كَمَا مَرَّ وَحَرَّرْنَا فِي الطَّهَارَةِ قَوْلَ الْوَهْبَانِيَّةِ

وَقَدْ حَلَّلَا لَحْمَ الْبِغَالِ وَأُمُّهَا ... مِنْ الْخَيْلِ قَطْعًا وَالْكَرَاهَةُ تُذْكَرُ

وَإِنْ يَنْزُ كَلْبٌ فَوْقَ عَنْزٍ فَجَاءَهَا ... بِتَاجٍ لَهُ رَأْسٌ كَكَلْبٍ فَيُنْظَرُ

فَإِنْ أَكَلَتْ لَحْمًا فَكَلْبٌ جَمِيعُهَا ... وَإِنْ أَكَلَتْ تِبْنًا فَذَا الرَّأْسُ يُبْتَرُ

میں کہتا ہوں: لیکن یہ مکروہ ہوگا جس طرح گزر چکا ہے ہم کتاب الطہارۃ میں ''وہبانیہ'' کا قول تحریر کر چکے ہیں۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما نے خچر اور اس کی ماں جو گھوڑی ہو کا گوشت قطعاً حلال قرار دیا ہے۔ اور کراہت ذکر کی جاتی ہے۔ اگر کتا بکری سے جفتی کرے وہ بکری ایسا بچہ جنے جس کا سر کتے کے سر جیسا ہو تو غور کیا جائے گا۔ اگر وہ گوشت کھائے تو مکمل کتا ہے اگر وہ گھاس کھائے تو اس کے سر کو کاٹ دیا جائے

32526۔(قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی اس قول و قطع الراس والسلخ قبل ان تبرد۔ ''ح''۔

32527۔(قولہ: وَحَرَّرْنَا فِي الطَّهَارَةِ) یعنی تیمم سے تھوڑا پہلے جو وہاں تحریر کیا ہے وہ یہ ہے کہ مشابہت کے غلبہ کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ علماء نے تصریح کی ہے کہ وہ بھیڑیا حلال ہوگا جسے ایک بکری نے جنا ہو وہ اسے ماں پر قیاس کرتے ہیں۔ ''ح''۔

32528۔(قولہ: وَأُمُّهَا مِنْ الْخَيْلِ) یہ جملہ حالیہ ہے اگر اس کی ماں گدھی ہو تو بالاتفاق اسے نہیں کھایا جائے گا۔

32529۔(قولہ: وَالْكَرَاهَةُ تُذْكَرُ) یعنی ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس کی کراہت مذکور ہے۔ یہ دو قولوں میں سے ایک قول ہے جنہیں ''ذخیرہ'' میں حکایت کیا ہے۔ ''سوسی'' نے یہ سمجھا کہ کراہت تنزیہی ہے۔ ناظم نے اس سے منازعہ کیا ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اور شیخین کے نزدیک وہ حلت کے زیادہ قریب ہے۔ ''ابن شحنہ'' نے پہلے قول کو مسئلہ شاۃ سے ترجیح دی ہے۔ جب بھیڑیا بکری سے جفتی کرے تو یہ بچہ کراہت کے بغیر حلال ہوگا۔ کہا: لیکن ''بزازیہ'' میں کہا ہے: خچر نہیں کھایا جائے گا اور تفصیل بیان نہیں کی۔ اور آگے جو مشابہت پر اعتماد آ رہا ہے یہ حرمت کا تقاضا کرتا ہے۔ کیونکہ خچر گھوڑے کی بجائے گدھے کے زیادہ مشابہ ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: ظاہر پہلا قول ہے۔ کیونکہ گزر چکا ہے کہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک گھوڑے کی کراہت تنزیہی ہے۔ اسی طرح اس کے بچے کی کراہت تنزیہی ہے۔ اور مشابہت کا کوئی اعتبار نہیں۔ تامل

اگر کتا بکری سے جفتی کرے اور وہ بکری ایسا بچہ جنے جس کا سر کتے کے سر جیسا ہو تو اس کا حکم

32530۔(قولہ: وَإِنْ يَنْزُ الخ) یہ جملہ بولا جاتا ہے: نزا الفحل جب وہ مونث پر اچھلے اور اس پر جا پڑے۔ نتاج کسرہ کے ساتھ اسم ہے جو بکری وغیرہ کے بچہ جننے کو شامل ہے۔ ''شارح''۔

32531۔(قولہ: فَإِنْ أَكَلَتْ الخ) یہ ان کے قول فینظر کی تفصیل ہے۔ تبنا یہ تا کے ساتھ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ نبتا ہو یعنی با کو موخر اور نون کو مقدم کر دیا جائے۔ بتر کا معنی قطع کرنا ہے یعنی سر کو کاٹے گا اور اسے پھینک دیا جائے گا اور باقی

وَیُؤکَلُ بَاقِیهَا وَإِنْ أَکَلَتْ لِذَا	وَذَا فَاضْرِبَنْهَا وَالصِّیَاحُ یُخْبِرُ
وَإِنْ أَشْکَلَتْ فَاذْبَحْ فَإِنْ کِرْشُهَا بَدَا	فَعَنْزٌ وَإِلَّا فَهُوَ کَلْبٌ فَیُطْمَرُ

وَفِي مُعَایَاتِهَا

وَأَيُّ شِیَاهٍ دُونَ ذَبْحٍ یُحِلُّهَا	وَمَنْ ذَا الَّذِي ضَحَّى وَلَا دَمَ یَنْهَرُ

اور باقی ماندہ کھایا جائے۔ اگر وہ گوشت اور گھاس دونوں کھائے تو اسے مارا جائے۔ اور اس کا آواز نکالنا خبر دے گا اگر وہ اشکال کا باعث ہو تو اس کو ذبح کرو۔ اگر اس کی اوجڑی ظاہر ہو تو وہ بکری ہے ورنہ وہ کتا ہوگا اور اسے دفن کیا جائے گا یعنی کھایا نہیں جائے گا۔ اس کی پہیلیوں میں ہے: کون سی بکری ہے جسے ذبح کے بغیر شارع حلال قرار دیتا ہے اور وہ کون شخص ہے جو چاشت کرتا ہے اور خون نہیں بہاتا۔

ماندہ کھائے گا۔

32532۔(قولہ: وَالصِّیَاحُ یُخْبِرُ) یعنی اگر وہ بھونکے تو اسے نہیں کھایا جائے گا اگر وہ ممنائے تو اس کا سر پھینکا جائے گا اور باقی ماندہ کو کھایا جائے گا۔

32533۔(قولہ: وَإِنْ أَشْکَلَتْ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کتے کی طرح بھونکے اور بکری کی طرح ممنائے۔

32534۔(قولہ: فَعَنْزٌ) یعنی سر کے علاوہ اسے کھایا جائے گا۔

32535۔(قولہ: وَإِلَّا) اس کی صورت یہ ہے کہ اس کی آنتیں اوجڑی کے بغیر نکلیں۔ طمر کا معنی زمین میں دفن کرنا ہے۔ یہ چیز ذہن نشین کر لو۔ اس کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ان امور کا اعتبار اس ترتیب سے ہوگا۔ کھانے کی علامت کے ظاہر ہونے کے بعد آواز نکالنے کا مطلقاً اعتبار نہیں ہوگا۔ اور آواز نکالنے کی علامت کے واضح ہونے کے بعد اس کے پیٹ میں جو کچھ ہے اس کا مطلقاً اعتبار نہیں ہوگا۔ اس تعبیر کی بنا پر جب وہ گوشت کھائے اور ممنائے یا اس کی اوجڑی ظاہر ہو جائے تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ جب وہ گھاس کھائے اور بھونکے یا اس کی انتڑیاں ظاہر ہو جائیں تو اسے کھایا جائے گا۔ تامل

32536۔(قولہ: وَأَيُّ شِیَاهٍ الخ) اس سے مراد وہ بکری، بھیڑ لی ہے جو شہر سے باہر بھاگ جائے تو وہ زخمی کرنے سے حلال ہو جاتی ہے۔ کتاب الذبائح سے تھوڑا پہلے یہ گزر چکا ہے۔

32537۔(قولہ: وَمَنْ ذَا الَّذِي ضَحَّى الخ) اس کا جواب یہ ہے: ایک آدمی چاشت کے وقت تک اپنے گھر میں مقیم رہا تو اس نے خون بہائے بغیر چاشت کی۔

تتمہ

وہ حیوان جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کے اجزاء میں سے سات اجزاء کو کھانا حرام ہے: دم مسفوح، آلہ تناسل، خصیتین، قبل، غدود، مثانہ اور پتا۔ ''بدائع''۔ اس کی مکمل وضاحت کتاب کے آخر میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

كِتَابُ الْأُضْحِيَّةِ

مِنْ ذِكْرِ الْخَاصِّ بَعْدَ الْعَامِّ (هِيَ) لُغَةً اسْمٌ لِمَا يُذْبَحُ أَيَّامَ الْأَضْحَى، مِنْ تَسْمِيَةِ الشَّيْءِ بِاسْمِ وَقْتِهِ وَشَرْعًا (ذَبْحُ حَيَوَانٍ

قربانی کے احکام

یہ عام کے بعد خاص کے ذکر کی قسم میں سے ہے۔ لغت میں اس سے مراد وہ جانور ہے جسے قربانی کے دنوں میں ذبح کیا جاتا ہے۔ یہ شے کو اس کے وقت کے نام کے ساتھ نام رکھنا ہے۔ اور شرع میں اس سے مراد مخصوص حیوان کو

یہ افعولۃ کا وزن ہے اس کی اصل اضحویۃ ہے واؤ اور یا جمع ہو گئے دونوں میں سے ایک سے پہلے سکون ہے پس واؤ کو یا سے تبدیل کر دیا گیا اور یا کو یا میں مدغم کر دیا گیا اور حا کو کسرہ دیا گیا کیونکہ یا ثابت ہے۔ اس کی جمع اضاحی یا کی تشدید کے ساتھ ہے۔ ''عنایہ''۔

''شرنبلالیہ'' میں منقول ہے اس میں آٹھ لغات ہیں۔ اضحیۃ ہمزہ کے ضمہ اور اسکے کسرہ کے ساتھ، یا کی تشدید کیساتھ اور اس کی تخفیف کے ساتھ، ضحیۃ ہمزہ کے بغیر ضاد کے فتحہ اور اس کے کسرہ کے ساتھ، اضحاۃ ہمزہ کے فتحہ اور اس کے کسرہ کے ساتھ۔

32538۔ (قولہ: مِنْ ذِكْرِ الْخَاصِّ بَعْدَ الْعَامِّ) اس قول میں اس کتاب کو پیچھے لانے کی وجہ کے ساتھ مناسبت کا بیان ہے جس طرح ''العنایہ'' میں کہا ہے: اسے کتاب الذبائح کے بعد لائے ہیں کیونکہ تضحیہ خاص ذبح ہے اور خاص عام کے بعد ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے عام خاص کا جز ہوتا ہے اور حیوان مثلاً انسان کی ماہیت کا جز ہے کیونکہ حیوان ناطق ہے اور جز طبعاً متقدم ہوتا ہے پس اسے وضع میں مقدم کیا گیا۔

اضحیہ کی لغوی تعریف

32539۔ (قولہ: مِنْ تَسْمِيَةِ الشَّيْءِ بِاسْمِ وَقْتِهِ) یعنی شے کو ایسے اسم کے ساتھ نام دیا گیا جو اس کے ذبح کے وقت کے اسم سے ماخوذ ہے۔ فافہم

''المغرب'' میں ہے: یہ کہا جاتا ہے ضحی: جب وہ چاشت کے وقت قربانی کو ذبح کرے۔ یہ اس کی اصل ہے پھر اسے کسرہ دیا گیا یہاں تک کہا گیا ایام تشریق میں کسی وقت اس نے جانور قربان کیا اگرچہ دن کے آخری حصہ میں ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ اضحی کی طرف منسوب ہے۔

اضحیہ کی شرعی تعریف

32540۔ (قولہ: وَشَرْعًا ذَبْحُ حَيَوَانٍ) ''العنایہ'' میں اس طرح ہے جو ''الدرر'' میں ہے۔ یہ ہر مخصوص حیوان کا نام

مَخْصُوصٍ بِنِيَّةِ الْقُرْبَةِ فِي وَقْتٍ مَخْصُوصٍ وَشَرَائِطُهَا الْإِسْلَامُ وَالْإِقَامَةُ
مخصوص وقت میں قربت کی نیت سے ذبح کرنا ہے۔ اور اس کی شرائط یہ ہیں: مسلمان ہونا، مقیم ہونا

ہے۔''ابن کمال'' نے اسی طرح کہا ہے: یہ وہ جانور ہے جسے ذبح کیا جاتا ہے۔ اس کے حاشیہ میں لکھا جس نے کہا ذبح حیوان گویا اس نے اضحیۃ اور تضحیہ میں فرق نہیں کیا۔ اس کو دیکھنے سے پہلے میرے دل میں یہ کھٹکا تھا۔

32541۔(قولہ: مَخْصُوصٍ) یعنی نوع اور عمر کے اعتبار سے۔''ط''۔

32542۔(قولہ: بِنِيَّةِ الْقُرْبَةِ) معہود اور مشہور قربت یعنی قربانی دینا،''البدائع'' میں کہا: نیت کے بغیر تضحیہ کفایت نہیں کرتی۔ کیونکہ ذبح کا فعل بعض اوقات گوشت کے لیے ہوتا ہے اور بعض اوقات قربت کے لیے ہوتا ہے۔ اور کوئی بھی فعل نیت کے بغیر قربت نہیں بنتا۔ قربت کی کئی جہتیں ہیں: متعہ، قران، احصار وغیرہ۔ پس اضحیہ نیت کے ساتھ ہی متعین ہوگی۔ یہ شرط نہیں کہ انسان نے جو دل سے نیت کی ہے وہ اپنی زبان سے کہے جس طرح نماز میں یہی طریقہ ہے۔''بزازیہ'' میں ہے: اگر اضحیہ کے لیے خریدا گیا جانور اس نے قربانی کی نیت کے بغیر ذبح کر دیا تو یہ جائز ہوگا۔ یہ خریداری کے وقت کی گئی نیت پر اکتفا کرنے کی وجہ سے ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں اس کی مخالفت ہے جس کو''البدائع'' میں بھی ذکر کیا ہے کہ شروط میں سے یہ ہے کہ نیت جانور قربان کرنے کے ساتھ ملی ہوئی ہو جس طرح نماز میں ہے۔ کیونکہ وہی نیت معتبر ہوتی ہے۔ نیت کے ملانے کا اعتبار ساقط نہیں ہوگا مگر ضرورت کے وقت ہی ساقط ہوگا جس طرح روزے میں ہے۔ کیونکہ نیت کو روزہ شروع کرنے کے وقت کے ساتھ ملانا متعذر ہے۔''اشباہ'' کے پہلے قاعدہ میں اس کے اولیٰ ہونے کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ تامل

اضحیہ کے وجود کی شرائط

32543۔(قولہ: وَشَرَائِطُهَا) اس کے وجوب کی شرائط۔ آزاد ہونے کو صراحۃً ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ یہ ان کے قول والیسار سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اور نہ ہی عاقل ہونا اور بالغ ہونے کو صراحۃً ذکر کیا ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں اختلاف ہے جس طرح آگے آئے گا۔ معتبر یہ ہے کہ یہ شرائط آخری وقت میں موجود ہوں اگرچہ اس کے آغاز میں نہ ہوں جس طرح عنقریب آئے گا۔

32544۔(قولہ: وَالْإِقَامَةُ) مسافر پر قربانی واجب نہیں۔ اگر بطور نفل قربانی دے تو یہ اسے قربانی کی جانب سے کفایت کر جائے گی۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ خریدنے سے پہلے سفر شروع کر دے کیونکہ جس بکری کو خریدا گیا ہے وہ قربانی کے لیے تھی پھر اس نے سفر کیا ہے۔''المنتقی'' میں ہے: وہ اسے بیچ دے گا اور اس کی قربانی نہیں دے گا یعنی اس پر اس کی قربانی دینا واجب نہیں۔ امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح مروی ہے۔ اور مشائخ سے تفصیل مروی ہے۔ کہا: اگر وہ خوشحال ہو تو اس پر قربانی واجب نہیں۔ ورنہ چاہیے کہ اس پر واجب ہو اور اس کے سفر سے وہ ساقط نہ ہو اگر وہ وقت کے داخل ہونے

وَالْيَسَارُ الَّذِي يَتَعَلَّقُ بِهِ) وُجُوبُ (صَدَقَةِ الْفِطْرِ) كَمَا مَرَّ (لَا الذُّكُورَةُ فَتَجِبُ عَلَى الْأُنْثَى) خَانِيَةٌ (وَسَبَبُهَا الْوَقْتُ) وَهُوَ أَيَّامُ النَّحْرِ

اور ایسی خوشحالی ہونا جس کے ساتھ صدقہ فطر کا وجوب متعلق ہوگا جس طرح گزر چکا ہے نہ کہ زکوٰۃ جس سے متعلق ہوتی ہے۔ پس یہ مونث پر واجب ہوتی ہے، ''خانیہ''۔ اس کا سبب وقت ہے اور وہ نحر کے ایام ہیں۔

کے بعد سفر شروع کرے تو علماء نے کہا: چاہیے کہ جواب اسی طرح ہو۔ ''طحطاوی'' میں ''ہندیہ'' سے مروی ہے: ''البدائع'' میں اس کی مثل مروی ہے۔

32545۔(قولہ: وَالْيَسَارُ الخ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ دوسو درہم کا مالک ہو یا ایسے سامان کا مالک ہو جو اس کے دوسو درہم کے مساوی ہو یہ اس کے مسکن، لباس کے کپڑے، یا اس سامان کے علاوہ ہو جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ قربانی ذبح کر دے۔ اگر اس کی جائیداد ہو جس سے منافع حاصل کرتا ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس پر قربانی لازم ہوگی اگر اس منافع کی قیمت نصاب تک پہنچتی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اس جائیداد سے سال بھر کی خوراک حاصل ہوتی ہو تو قربانی لازم ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ماہ بھر کی خوراک حاصل ہوتی ہو تو قربانی لازم ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب نصاب بھر مال بچ جائے تب قربانی لازم ہوگی۔ اگر جائیداد وقف ہو اگر قربانی کے دنوں میں نصاب ثابت ہو تو قربانی لازم ہوگی۔ چار کپڑوں والا اگر چوتھا کپڑا نصاب کے برابر ہو تو غنی ہے اور تین والا غنی نہیں۔ کیونکہ ان کپڑوں میں سے ایک استعمال کے لیے ہے دوسرا محنت مزدوری کے لیے ہے اور تیسرا جمعہ، وفد اور عید کے لیے ہے۔ عورت مہر معجّل کے ساتھ خوشحال ہوگی اگر اس کا خاوند خوشحال ہو اور مہر موجل کے ساتھ خوشحالی نہیں ہوگی، اور ایسے گھر کی وجہ سے خوشحال ہوگی جس میں وہ خاوند کے ساتھ رہ رہی ہے اگر خاوند اسے رہائش عطا کرنے پر قادر ہو۔

ایک آدمی کا کثیر مال ہے جو غائب ہے اس کے مضارب کے قبضہ میں ہے یا اس کے شریک کے قبضہ میں ہے اور اس کے اپنے پاس سونا اور چاندی ہے یا گھر کا سامان ہے جس کے ساتھ وہ قربانی دے سکتا ہے تو قربانی لازم ہوگی۔ تمام فروع ''بزازیہ'' وغیرہا میں ہیں۔

اضحیہ کا سبب

32546۔(قولہ: وَسَبَبُهَا الْوَقْتُ) حکم کا سبب وہ چیز ہوتی ہے جس پر حکم مرتب ہو۔ یہ ان میں سے ہوتی ہے جس کی تاثیر کا عقل ادراک نہ کر سکے اور وہ مکلف کے عمل سے نہ ہو جس طرح نماز کے لیے وقت ہوتا ہے۔ سبب، علت اور شرط میں فرق ہمارے حاشیہ ''نسمات الاسحار علی شرح المنار'' جو شارح کی شرح ہے میں موجود ہے۔

''النہایہ'' میں یہ ذکر کیا ہے کہ قربانی کے وجوب کا سبب اور اس میں قدرت کا وصف کہ وہ ممکنہ ہے یا میسرہ ہے اس کو نہ اصول فقہ میں ذکر کیا گیا ہے اور نہ ہی اس کی فروع میں ذکر کیا گیا ہے پھر اس کو ثابت کیا کہ سبب وقت ہے۔ کیونکہ سبب کی

وَقِيلَ الرَّأْسُ وَقَدَّمَهُ فِي التَّتَارْخَانِيَّةِ (وَرُكْنُهَا) ذَبْحُ (مَا يَجُوزُ ذَبْحُهُ) مِنَ النَّعَمِ لَا غَيْرُ، فَيُكْرَهُ ذَبْحُ دَجَاجَةٍ وَدِيكٍ لِأَنَّهُ تَشَبُّهٌ بِالْمَجُوسِ بَزَّازِيَّةٌ (وَحُكْمُهَا الْخُرُوجُ عَنْ عُهْدَةِ الْوَاجِبِ) فِي الدُّنْيَا (وَالْوُصُولُ إِلَى الثَّوَابِ) بِفَضْلِ اللهِ تَعَالَى (فِي الْعُقْبَى) مَعَ صِحَّةِ النِّيَّةِ

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا سبب فرد ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں اسے پہلے ذکر کیا ہے۔ اور اس کا رکن یہ ہے کہ اس جانور کو ذبح کیا جائے جس کا ذبح کرنا جائز ہے کسی اور جانور کو ذبح کرنا جائز نہیں۔ پس مرغی اور مرغ کو (قربانی کے طور پر) ذبح کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ مجوسیوں کے ساتھ مشابہت ہے۔ ''بزازیہ''۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ دنیا میں وہ واجب کی ذمہ داری سے فارغ ہو جاتا ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ثواب پاتا ہے۔ ساتھ ہی نیت کا صحیح ہونا ضروری ہے

پہچان اس سے ہوتی ہے کہ حکم اس کی طرف منسوب ہوتا ہے اور اس سے متعلق ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک شے کو دوسری شے کی طرف منسوب کرنے میں قاعدہ یہ ہے کہ وہ سبب ہو۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب اسے لازم ہو۔ پس اس کے تکرار سے حکم میں تکرار ہو گا۔ پس وقت کے متکرر ہونے سے قربانی کا وجوب متکرر ہوگا۔ یہ امر ظاہر ہے اور اضافت پائی گئی کیونکہ یہ کہا جاتا ہے: یوم الاضحی جس طرح کہا جاتا ہے: یوم الجمعة، یوم العید اگرچہ اصل یہ ہے کہ حکم اپنے سبب کی طرف مضاف ہو جیسے صلاۃ الظہر۔ لیکن بعض اوقات معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے جیسے یوم الجمعة۔ وقت کے سبب ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اسے وقت پر مقدم کرنا ممتنع ہوتا ہے جس طرح نماز کو وقت پر مقدم کرنا ممتنع ہے۔ اور فقیر پر قربانی واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ شرط نہیں پائی گئی وہ غنا ہے اگرچہ سبب پایا گیا ہے۔ ''العنایہ'' اور ''معراج'' میں اس کی پیروی کی ہے۔

32547۔ (قولہ: وَقِيلَ الرَّأْسُ) اس میں اعتراض کی گنجائش ہے جو گزشتہ کلام سے معلوم ہو جاتا ہے۔ بے شک سبب کو پہچانا جائے گا کہ حکم کو شارح کی کلام میں اس کی طرف منسوب کیا گیا ہے جس طرح ہم نے اس کی وضاحت ''منار'' کے حاشیہ میں سنت کی بحث سے تھوڑا پہلے کر دی ہے۔ فتدبر

اضحیہ کا رکن

32548۔ (قولہ: وَرُكْنُهَا ذَبْحُ الخ) کیونکہ شے کا رکن وہ شے ہوتی ہے جس کے ساتھ وہ شے قائم ہو۔ اور قربانی اس شے کے ساتھ قائم ہوتی ہے پس یہ رکن ہوگا۔ ''نہایہ''۔

32549۔ (قولہ: فَيُكْرَهُ ذَبْحُ دَجَاجَةٍ وَدِيكٍ الخ) یعنی قربانی کی نیت سے ایسا کرنا مکروہ ہے اور مکروہ تحریمی ہے جس طرح تعلیل اس پر دلالت کرتی ہے یہ حکم اس آدمی کے بارے میں ہے جس پر قربانی لازم نہ ہو ورنہ امر زیادہ ظاہر ہے۔

اضحیہ کا حکم

32550۔ (قولہ: بِفَضْلِ اللهِ) یہ اہل حق کا مذہب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کوئی شے واجب نہیں۔

32551۔ (قولہ: مَعَ صِحَّةِ النِّيَّةِ) یعنی قربت کی نیت سے وہ نیت کو خالص کرے۔

إِذْ لَا ثَوَابَ بِدُونِهَا (فَتَجِبُ) التَّضْحِيَةُ أَيْ إِرَاقَةُ الدَّمِ مِنَ النَّعَمِ عَمَلًا لَا اعْتِقَادًا
کیونکہ نیت کے بغیر کوئی ثواب نہیں۔ تضحیہ یعنی چوپائے کا عملاً خون بہانا واجب ہوتا ہے نہ کہ اعتقاداً

32552۔ (قولہ: إِذْ لَا ثَوَابَ بِدُونِهَا) یعنی سنت کے بغیر کوئی ثواب نہیں۔ کیونکہ اعمال کا ثواب نیتوں کے ساتھ ہے یا اس کا معنی ہے کہ نیتوں کے صحیح ہونے کے بغیر کوئی ثواب نہیں۔ کیونکہ اگر مثلاً اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ریا کو خلط ملط کر دے تو بھی اس پر کوئی ثواب نہیں ہوگا اگرچہ واجب ساقط ہو جائے۔ کیونکہ ثواب قبول پر متفرع ہوتا ہے اور فعل کے جواز کے بعد قبولیت کا حصول لازم نہیں۔ یہ مختار مذہب ہے جس طرح ''شرح المنار'' میں ہے۔

''ولوالجیہ'' میں کہا: ایک آدمی نے وضو کیا اور ظہر کی نماز پڑھی تو اس کی نماز جائز ہوگی اور قبول کا پتا نہیں۔ یہی مختار مذہب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ۝ (المائدہ) قبول فرماتا ہے اللہ صرف پرہیزگاروں سے۔ اور تقویٰ کی شرائط عظیم ہیں۔ اس کی مکمل وضاحت ''نسمات الاسحار'' میں ہے۔

32553۔ (قولہ: فَتَجِبُ التَّضْحِيَةُ) وجوب کو فعل کی طرف منسوب کرنا یہ اسے عین کی طرف منسوب کرنے سے زیادہ بہتر ہے جس طرح ''قدروی'' نے کیا ہے ''ط''۔ وجوب والا قول یہ امام ''ابوحنیفہ''، امام ''محمد''، امام ''زفر''، امام ''حسن'' اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہم سے مروی دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے۔

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ یہ سنت ہے۔ یہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، ''ہدایہ''۔ دلائل مطولات میں ہے۔

32554۔ (قولہ: أَيْ إِرَاقَةُ الدَّمِ) اس امر پر دلیل کہ واجب خون بہانا ہے یہ ہے اگر وہ جانور صدقہ کر دے تو یہ جائز نہ ہوگا اور ذبح کے بعد گوشت صدقہ کرنا مستحب ہے اور واجب نہیں۔

فرض عملی اور اعتقادی میں فرق اور واجب کے مراتب

32555۔ (قولہ: عَمَلًا لَا اعْتِقَادًا) یہ جان لو فرض وہ ہوتا ہے جو اس دلیل قطعی سے ثابت ہو جس میں شبہ نہ ہو جیسے ایمان اور ارکان اربعہ۔ اس کا حکم لزوم ہے از روئے علم کے یعنی اس کے ثبوت سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے اور از روئے تصدیق کے یعنی اس کے حق ہونے کا اعتقاد لازم ہے اور از روئے بدن کے ساتھ عمل کرنے کے یہاں تک کہ جو اس کا انکار کرے اس کو کافر قرار دیا جاتا ہے اور بغیر عذر کے جو اسے ترک کرے اسے فاسق قرار دیا جاتا ہے۔

واجب اسے کہتے ہیں جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں شبہ ہو جیسے صدقہ فطر، قربانی۔ اس کا حکم لزوم ہے۔ یہ عمل میں فرض کی طرح ہے یقین پر علم کے اعتبار سے اس کی طرح نہیں۔ کیونکہ دلیل میں شبہ پایا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے منکر کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا اور بغیر تاویل کے جو اسے ترک کرے اس کو فاسق قرار دیا جاتا ہے جس طرح کتب اصول میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

....

پھر واجب کے کئی مراتب ہیں جس طرح امام ''قدوری'' نے کہا ہے۔ بعض بعض سے زیادہ مؤکد ہیں۔ سجدہ تلاوت کا وجوب صدقہ فطر کے وجوب سے زیادہ مؤکد ہے۔ اور صدقہ فطر کا وجوب قربانی کے وجوب سے زیادہ مؤکد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ادلہ میں قوت کے اعتبار سے تفاوت ہے۔ اور ''تلویح'' میں ذکر کیا گیا ہے کہ لفظ فرض کا استعمال ایسے امر میں جو دلیل ظنی سے ثابت ہو اور واجب کا استعمال ایسے امر میں جو دلیل قطعی سے ثابت ہو جو مشہور و معروف ہے جس طرح علما کا قول ہے وتر فرض ہے وغیرہ۔ اسے فرض عملی کہتے ہیں جس طرح علما کا قول ہے زکوٰۃ واجب ہے۔ واجب کا لفظ اس پر واقع ہوتا ہے جو علم و عمل دونوں اعتبار سے فرض ہو جیسے صلاۃ الفجر۔ اور اس کا اطلاق ظنی پر ہوتا ہے۔ یہ عمل میں فرض کی قوت میں ہوتا ہے جیسے وتر ہے یہاں تک یہ یاد ہو تو نماز فجر کی صحت کے مانع ہوتا ہے جس طرح عشا کی نماز یاد ہو تو فجر کی صحت کے مانع ہے۔ اور اس کا اطلاق ظنی پر ہوتا ہے جو عمل میں فرض سے کم ہو اور سنت سے اوپر ہو جیسے سورۃ فاتحہ کی تعیین یہاں تک کہ اسے ترک کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی بلکہ سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ اور جس کا یہاں وجود نہیں اس تمام کی تحقیق اس کتاب مذکور میں جمع ہے جو ''المنار'' پر ہمارے حاشیہ میں ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوا ہے۔

جب تو نے یہ جان لیا تو تیرے لیے یہ ظاہر ہو چکا ہوگا کہ فرض، واجب میں سے ہر ایک عمل کے لزوم میں شریک ہیں اگرچہ لزوم کے مراتب میں تفاوت ہے جس طرح وجوب کے مراتب میں تفاوت ہے۔

دونوں فرضیت کے طریقہ پر اعتقاد کے لزوم میں مختلف ہیں۔ اسی وجہ سے واجب کو صرف فرض عملی کہتے ہیں۔ تو جان چکا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا دوسرے پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ شارح کا قول عملا لا اعتقادا یہ فرض قطعی سے احتراز ہے۔ اس وجہ سے ''المنح'' میں کہا: یعنی اس کے منکر کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ اس قول نے یہ بیان کیا ہے کہ اس سے مراد واجب ظنی ہے جیسے وتر وغیرہ نہ کہ فرض قطعی مراد ہے جو علم و عمل دونوں اعتبار سے فرض ہے۔ کیونکہ اس کا منکر کافر ہوتا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ واجب ظنی کے منکر کا معاملہ مختلف ہے یعنی اس کے وجوب کے منکر کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اسے کافر قرار نہیں دیا جاتا۔ کیونکہ اس میں شبہ پایا جا رہا ہے۔ مگر جب وہ اس کے مشروع ہونے کا انکار کر دے جس کے مشروع ہونے پر امت میں اتفاق ہے تو اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔ مصنف نے باب الوتر والنوافل میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ جو فجر کی سنتوں کا انکار کرے اس پر کفر کا خوف ہے۔ پھر میں نے ''القنیہ'' میں باب ما یکفر بہ میں ''حلوانی'' سے ایک قول نقل کیا ہے: اگر وہ وتر کی اصل اور اضحیہ کی اصل کا انکار کرے تو اسے کافر قرار دیا جائے گا پھر ''زندوستی'' سے نقل کیا ہے: اگر وہ اس کی فرضیت کا انکار کرے تو اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ پھر کہا: دونوں میں کوئی منافات نہیں کیونکہ اس کی اصل پر اجماع ہے فرضیت اور وجوب میں اختلاف ہے۔ فافہم

بِقُدْرَةٍ مُمَكِّنَةٍ هِيَ مَا يَجِبُ بِمُجَرَّدِ التَّمَكُّنِ مِنَ الْفِعْلِ؛ فَلَا يُشْتَرَطُ بَقَاؤُهَا لِبَقَاءِ الْوُجُوبِ لِأَنَّهَا شَرْطٌ مَحْضٌ لَا مُيَسَّرَةٌ، هِيَ مَا يَجِبُ

یہ قدرت ممکنہ کے ساتھ واجب ہوتی ہے۔ قدرت ممکنہ وہ ہوتی ہے جو محض فعل پر قدرت سے ثابت ہو جاتی ہے اور وجوب کے بقا کے لیے اس قدرت کی بقا شرط نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ شرط محض ہے یہ قدرت میسرہ نہیں یہ اس وقت ثابت ہوتی ہے

32556۔(قولہ: بِقُدْرَةٍ) یہ تجب کے متعلق ہے۔

32557۔(قولہ: مُمَكِّنَةٍ) یہ تمکین مصدر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ "ط"۔

قدرت ممکنہ کی تعریف اور اقسام

32558۔(قولہ: هِيَ مَا يَجِبُ) زیادہ واضح یہ قول ہے: والواجب بهذه القدرة مايجب الخ۔ "ط"۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ وہ قدرت جس کے ساتھ بندہ اس فعل کے بجالانے پر قادر ہوتا ہے جو فعل اس پر لازم ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) مطلق: یہ وہ ادنی قدرت ہے جس کے ساتھ بندہ اس عمل کو بجالانے پر قادر ہوتا ہے جو اس پر لازم ہو۔ یہ قدرت ہر مامور بہ کے ادا کے واجب ہونے میں شرط ہے۔

(۲) کامل: یہ وہ قدرت ہے جو قدرت کے بعد ادائیگی کو آسان بنا دیتی ہے۔ اور وہ واجب جو نفس پر شاق ہو اس کے دوام کے لیے اس قدرت کا دوام شرط ہوتا ہے جس طرح اکثر مالی واجبات ہیں یہاں تک کہ ادائیگی پر قدرت کے بعد مال کے ہلاک ہو جانے سے زکوٰۃ، عشر اور خراج باطل ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ قدرت میسرہ جو نما کا وصف ہے، مال ہلاک ہو جانے سے فوت ہو گیا ہے پس وجوب کا دوام اس کی شرط کے فوت ہو جانے سے فوت ہو جاتا ہے۔ پہلی قدرت کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کی بقا واجب کی بقا کے لیے شرط نہیں یہاں تک کہ حج اور صدقہ فطر مال کے ہلاک ہونے سے ساقط نہیں ہوں گے۔ کیونکہ یہ دونوں قدرت ممکنہ کے ساتھ واجب ہوتے ہیں۔ یہ زاد اور سواری اور نصاب کی ملکیت پر قدرت ہے۔ اس میں یسر واقع نہیں ہوتی مگر پہلی صورت میں کئی خادم، سواریوں اور مددگاروں کے ساتھ اور دوسری صورت میں کثیر اموال کا مالک بننے کے ساتھ قدرت حاصل ہوگی اور بالا جماع یہ شرط نہیں۔

32559۔(قولہ: بِمُجَرَّدِ التَّمَكُّنِ مِنَ الْفِعْلِ) یعنی فعل بجالانے کی قدرت جو قدرت کے دوام کی شرط سے خالی ہو۔ "ط"۔

32560۔(قولہ: لِأَنَّهَا شَرْطٌ مَحْضٌ) یعنی اس میں علت کا معنی نہیں پایا جاتا، اور شرط وہ ہوتی ہے کہ مشروط کے متحقق ہونے کے لیے اس کا محض مطلق وجود کافی ہوتا ہے۔ "ط"۔

قدرت میسرہ کی تعریف

32561۔(قولہ: هِيَ مَا يَجِبُ الخ) زیادہ واضح یہ قول ہے: والواجب بها مايجب الخ۔ "ط"۔

بَعْدَ التَّمَكُّنِ بِصِفَةِ الْيُسْرِ، فَغَيَّرَتْهُ مِنَ الْعُسْرِ إِلَى الْيُسْرِ، فَيُشْتَرَطُ بَقَاؤُهَا لِأَنَّهَا شَرْطٌ فِي مَعْنَى الْعِلَّةِ كَمَا مَرَّ فِي الْفِطْرَةِ بِدَلِيلِ وُجُوبِ تَصَدُّقِهِ

جب کہ آسانی کی صفت کے ساتھ ثابت ہو۔ پس اسے تنگی سے آسانی کی طرف پھیر دے پس اس قدرت کی بقا شرط ہے۔ کیونکہ یہ علت کے معنی میں شرط ہے جس طرح صدقہ فطر میں گزر چکا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر دن گزر جائیں

32562۔ (قوله: بِصِفَةِ الْيُسْرِ) با مصاحبت کے لیے ہے۔ ''ط''۔

32563۔ (قوله: فَغَيَّرَتْهُ مِنَ الْعُسْرِ) یعنی جو محض قدرت سے واجب ہو رہا تھا اسے یسر کی طرف پھیر دیا وہ ایسا وجوب ہے جو قدرت کے بعد یسر کی صفت کے ساتھ واجب ہو اور یہ میسرہ کے ساتھ اس کا نام رکھنے کا بیان ہے اور تغییر تقدیری ہے۔ کیونکہ مراد یہ نہیں کہ یہ قدرت ممکنہ کے ساتھ عسر کے ساتھ واجب تھا پھر یسر کی طرف تبدیل ہو گیا۔ بلکہ مراد یہ ہے اگر یہ قدرت ممکنہ کے ساتھ باقی واجبات کی طرح واجب ہوتا تو یہ جائز تھا جب اس پر موقوف ہو گیا تو گویا یہ متغیر ہو گیا۔

32564۔ (قوله: لِأَنَّهَا شَرْطٌ فِي مَعْنَى الْعِلَّةِ) کیونکہ علت ہی مؤثر ہوتی ہے جب یہ شرط واجب کو یسر کی صفت کی طرف تبدیل کرنے میں مؤثر ہو گی تو وہ علت کے معنی میں ہو گی۔ اور علت وہ ہوتی ہے جس کے بغیر حکم باقی رکھنا ممکن نہیں ہوتا۔ کیونکہ قدرت میسرہ کے بغیر کوئی آسانی نہیں۔ اور وہ واجب جو یسر کی صفت کے ساتھ ہی مشروع ہو اس کے بغیر باقی نہیں رہے گا۔

اضحیہ کے قدرت ممکنہ کے ساتھ واجب ہونے کی دلیل

32565۔ (قوله: بِدَلِيلِ) یہ اس کے قدرت ممکنہ ہونے کی علت ہے نہ کہ قدرت میسرہ ہونے کی علت ہے۔ ''ح''۔

''العنایہ'' میں کہا: یہ قدرت ممکنہ کے ساتھ واجب ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ خوشحال آدمی جب قربانی کے لیے یوم نحر کے پہلے دن بکری خریدے اور قربانی نہ دے یہاں تک کہ ایام نحر گزر جائیں پھر وہ فقیر ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ بکری ہی صدقہ کر دے اس سے قربانی ساقط نہ ہو گی۔ اگر وہ قدرت میسرہ کے ساتھ لازم ہوتی تو اس قدرت کا دوام شرط ہوتا جس طرح زکوۃ، عشر اور خراج میں ہے کیونکہ وہ مال کے ہلاک ہونے کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ جب ایام نحر گزرنے کے بعد وہ محتاج ہو گیا تو ان دنوں میں قدرت میسرہ حاصل تھی اسی وجہ سے بعد میں یہ ساقط نہ ہو گی۔ ''الحواشی السعدیہ'' میں بھی اس پر اعتراض کیا ہے کہ ''ہدایہ'' کا قول و تفوت بمضی الوقت دلالت کرتا ہے کہ وجوب قدرت ممکنہ کے ساتھ نہیں ورنہ وہ ساقط نہ ہوتی۔ اس پر لازم تھا کہ وہ قربانی کرتا اگرچہ وہ یوم نحر کو بکری نہ خریدتا۔

اور یہ کہ ایام نحر گزرنے سے پہلے مال ہلاک ہو جانے کی صورت میں یہ ساقط ہو جاتی ہے جیسے زکوۃ نصاب ہلاک ہونے کی صورت میں ساقط ہو جاتی ہے۔ صدقہ فطر کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ یوم فطر کو طلوع فجر کے بعد مال ہلاک ہو جانے کی

بِعَيْنِهَا أَوْ بِقِيمَتِهَا لَوْ مَضَتْ أَيَّامُهَا
تو اس کا عین یا اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے۔

صورت میں ساقط نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ قربانی کا وقت معین ہے جس طرح نماز اور روزہ ہے اور وجوب کا اعتبار اس وقت کے آخر میں ہوتا ہے جس طرح آگے آئے گا۔ جو وقت کے آخر میں غنی ہو تو اس پر قربانی لازم ہو گی اور جو وقت کے آخر میں فقیر ہو اس پر لازم نہ ہو گی اگرچہ اس کے اول وقت میں اس کے برعکس ہو جس نے بکری کو غنی ہونے کی حالت میں خریدا تھا پھر اس کے ایام گزرنے کے بعد وہ فقیر ہو گیا تو وہ اس کے آخری وقت میں قدرت ممکنہ کے ساتھ قادر تھا یہاں تک کہ اس پر قضا لازم ہو گی قدرت میسرہ کے ساتھ قادر نہیں تھا ورنہ قدرت میسرہ کا دوام شرط ہوتا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ جب وہ فقیر ہوتا تو اس سے وہ ساقط ہو جاتی۔ اور امر واقع اس کے خلاف ہے۔

اور ''ہدایہ'' کے قول و تفوت بمضی الوقت کا معنی یہ ہے اس کی ادائیگی فوت ہو جائے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس پر اس کی قیمت صدقہ کرنا یا اسی بکری کو صدقہ کرنا لازم ہوتا ہے جس طرح اس کی وضاحت میں آئے گا۔

اور ایام گزرنے سے پہلے مال کے ہلاک ہونے کے ساتھ قربانی کا سقوط اس امر کا فائدہ نہیں دیتا کہ قدرت میسرہ تھی۔ کیونکہ اعتبار آخری وقت کا ہوتا ہے جب کہ اس میں اصلاً قدرت نہیں پائی جاتی۔ زکوٰۃ اور صدقہ فطر کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ان دونوں کا کوئی ایسا وقت نہیں جس کے فوت ہو جانے سے اس کی ادائیگی فوت ہو جائے کیونکہ زکوٰۃ ہر وقت میں زکوٰۃ ہے۔ اسی طرح صدقہ فطر ہے۔ اضحیہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے وقت کے بعد واقع ہونے والا امر اس کا نائب ہے۔ پس زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ادائیگی کے وجوب کے وقت میں وہ مال ہلاک ہو گیا ہے۔ اور صدقہ فطر ساقط نہیں ہوا۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ پہلی قدرت میسرہ کے ساتھ واجب ہوئی اور دوسری قدرت ممکنہ کے ساتھ واجب ہوئی۔ اور قربانی میں مال کا ہلاک ہونا ان دونوں میں سے کسی پر محمول کرنا ممکن نہیں مگر جب ادا کے وجوب کے بعد وہ ہلاک ہو اور وہ ایام نحر کا آخری دن ہے۔ کیونکہ اس کا وقت مقدر ہے جس طرح تو جان چکا ہے تو جب ایام نحر گزرنے کے بعد مال ہلاک ہو گیا اور ہم نے اس کے عین یا اس کی قیمت کو صدقہ کرنا لازم کیا تو ہم یہ جان گئے کہ قربانی اس سے ساقط نہیں ہو گی جس طرح صدقہ فطر ساقط نہیں ہوتا اور اضحیہ کا وجوب قدرت ممکنہ کے ساتھ ہے۔ مگر جب قربانی کے دن گزرنے سے پہلے مال ہلاک ہو جائے تو ہلاکت ادائیگی کے وجوب سے پہلے ہو گی تو اس کا حمل ان دونوں میں سے کسی پر ممکن نہ ہوا۔ اس تحقیق میں تدبر کیجئے یہ قول کیے جانے کے لائق ہے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

32566۔ (قولہ: بِعَيْنِهَا) یعنی اگر اس نے اس کی نذر مانی یا فقیر تھا تو اسے اس کے لیے خرید لیا یا اس کی قیمت یعنی اگر وہ غنی ہو اور اس نے اس کی نذر نہ مانی تھی جس طرح آگے آئے گا، فتامل۔

(عَلَى حُرٍّ مُسْلِمٍ مُقِيمٍ) بِمِصْرٍ أَوْ قَرْيَةٍ أَوْ بَادِيَةٍ عَيْنِيٌّ، فَلَا تَجِبُ عَلَى حَاجٍّ مُسَافِرٍ؛ فَأَمَّا أَهْلُ مَكَّةَ فَتَلْزَمُهُمْ وَإِنْ حَجُّوا، وَقِيلَ لَا تَلْزَمُ الْمُحْرِمَ سِرَاجٌ (مُوسِرٌ) يَسَارَ الْفِطْرَةِ (عَنْ نَفْسِهِ لَا عَنْ طِفْلِهِ) عَلَى الظَّاهِرِ، بِخِلَافِ الْفِطْرَةِ (شَاةٌ) بِالرَّفْعِ بَدَلٌ مِنْ ضَمِيرِ تَجِبُ أَوْ فَاعِلِهِ (أَوْ سُبْعُ بَدَنَةٍ) هِيَ الْإِبِلُ وَالْبَقَرُ؛

(یعنی قربانی واجب ہے) آزاد مسلمان مقیم پر جو شہر، دیہات یا جنگل میں مقیم ہو ''عینی''۔ یہ مسافر حاجی پر واجب نہیں۔ جہاں تک اہل مکہ کا تعلق ہے تو ان پر قربانی واجب ہوگی اگر چہ وہ حج کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ محرم پر لازم نہیں، ''سراج''۔ خوشحال پر واجب ہے ایسی خوشحالی جو صدقہ فطر کی ہے۔ وہ اپنی جانب سے قربانی کرے گا اپنے چھوٹے بچے کی جانب سے قربانی نہیں کرے گا۔ یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے۔ صدقہ فطر کا معاملہ مختلف ہے۔ ایک بکری یا بھیڑ واجب ہو گی۔ شاۃ کا لفظ مرفوع ہے یہ تجب کی ضمیر سے بدل ہے یا تجب کا فاعل ہے۔ یا بدنہ کا ساتواں حصہ واجب ہوگا۔ بدنہ سے مراد اونٹ یا بیل ہے۔

32567۔ (قولہ: فَتَلْزَمُهُمْ وَإِنْ حَجُّوا) ''البدائع'' میں اس پر اکتفا کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مقیم ہیں۔

32568۔ (قولہ: وَقِيلَ لَا تَلْزَمُ الْمُحْرِمَ) اگر چہ وہ اہل مکہ میں سے ہو۔ ''جوہرہ'' نے ''خرجندی'' سے اسے نقل کیا ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں اسے مسافر پر محمول کیا ہے اس میں اعتراض ظاہر ہے۔

32569۔ (قولہ: لَا عَنْ طِفْلِهِ) یعنی باپ کے مال میں سے بچے کی جانب سے۔ ''ط''۔

32570۔ (قولہ: عَلَى الظَّاهِرِ) ''خانیہ'' میں کہا: ظاہر روایت میں ہے کہ یہ مستحب ہے واجب نہیں۔ صدقہ فطر کا معاملہ مختلف ہے۔ ''حسن'' نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے واجب ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی جانب سے اور اس پوتے کی جانب سے جس کا باپ نہ ہو قربانی کرے۔ فتویٰ ظاہر روایت پر ہے۔ اگر وہ اپنی بڑی اولاد یا اپنی بیوی کی جانب سے قربانی کرے تو جائز نہیں مگر ان کی اجازت سے کر سکتا ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: بطور استحسان ان کی اجازت کے بغیر جائز ہے۔ ''بزازیہ''۔

''ذخیرہ'' میں کہا: شاید امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ جب معمول یہ ہے کہ ہر سال باپ کی جانب سے ان کی طرف سے قربانی کی جاتی ہے تو یہ ان کی طرف سے اذن کی طرح ہو گیا۔ اگر یہ اس توجیہ پر ہے تو جسے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مستحسن خیال کیا ہے وہ مستحسن ہے۔

32571۔ (قولہ: شَاةٌ) یعنی بکری وغیرہ ذبح کرنا واجب ہے کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ واجب حقیقت میں خون بہانا ہے۔

32572۔ (قولہ: بَدَلٌ مِنْ ضَمِيرِ تَجِبُ أَوْ فَاعِلِهِ) ''المنح'' میں اسی طرح ہے۔ یہ محض متن کو دیکھنے کی بنا پر ہے ورنہ شارح نے تجب کا فاعل اس میں ذکر کر دیا ہے جو گزر چکا ہے وہ التضحیۃ ہے۔ یہ بھی ''المنح'' کی تبع میں ہے۔ پس شرح کو دیکھتے ہوئے شاۃ، تضحیہ کا بدل ہوگا یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگی ساتھ ہی خبر کا مضاف محذوف ہوگا یعنی الواجب ذبح شاۃ، فافہم

سُمِّيَتْ بِهِ لِضَخَامَتِهَا، وَلَوْ لِأَحَدِهِمْ أَقَلُّ مِنْ سُبُعٍ لَمْ يُجْزِ عَنْ أَحَدٍ، وَتُجْزِي عَمَّا دُونَ سَبْعَةٍ بِالْأَوْلَى (فَجْرَ) نُصِبَ عَلَى الظَّرْفِيَّةِ (يَوْمِ النَّحْرِ إِلَى آخِرِ أَيَّامِهِ)

اسے یہ نام دیا گیا یہ اس کی ضخامت کی وجہ سے ہے۔ اگر ان میں سے کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہو تو کسی کی جانب سے قربانی جائز نہ ہوگی اور سات سے کم افراد کی جانب سے جائز ہوگی۔ اور یہ قربانی یوم نحر کی فجر سے لے کر یوم نحر کے آخری دن تک ہوگی۔ فجر کا لفظ ظرف ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔

اونٹ اور گائے کو بدنہ کہنے کی وجہ

32573۔ (قولہ: لِضَخَامَتِهَا) یعنی اس کے بدن کے بڑا ہونے کی وجہ سے۔

32574۔ (قولہ: لَوْ لِأَحَدِهِمْ) یعنی سات میں سے ایک کا جو سات ان کے قول سبعة بدنة سے معلوم ہیں۔ کیونکہ مراد یہ ہے کہ یہ سات کی جانب سے کافی ہے جب کہ یہ ہر ایک کی جانب سے قربت کی نیت سے ہو اگرچہ قربت کی جہات مختلف ہوں جس طرح آگے آئے گا۔

32575۔ (قولہ: لَمْ يُجْزِ عَنْ أَحَدٍ) یجزیہ جواز سے مشتق ہے یا اجزاء سے مشتق ہے دوسرا مابعد کے اعتبار سے زیادہ مناسب ہے۔

اونٹ اور گائے میں سات افراد شریک ہو سکتے ہیں

32576۔ (قولہ: وَتُجْزِي عَمَّا دُونَ سَبْعَةٍ) زیادہ بہتر عمن ہے۔ کیونکہ ما غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔ اسے مطلق ذکر کیا ہے پس یہ اسے شامل ہوگا جب مقدار کے حساب سے حصے متفق ہوں یا متفق نہ ہوں۔ مگر ساتویں سے کم نہ ہو۔ اگر سات افراد پانچ گائیوں میں شریک ہو یا زیادہ میں تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا گائے میں ساتواں حصہ ہے۔ اگر آٹھ افراد سات گائیوں میں شریک ہوں یا زیادہ میں شریک ہوں تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ ہر گائے آٹھ حصوں میں تقسیم ہوئی۔ اور ہر ایک کے لیے ساتویں میں سے کم حصہ ہوگا۔ ان حصوں میں کوئی روایت نہیں۔ اگر سات افراد سات بکریوں میں شریک ہو جائیں تو قیاس کے طور پر یہ امر انہیں کفایت نہ کرے گا۔ کیونکہ ہر بکری ان میں سات حصوں پر تقسیم ہوگی۔ استحسان میں یہ انہیں کافی ہوگا۔ اسی طرح جب دو افراد دو بکریوں میں شریک ہوں۔ اس تعبیر کی بنا پر چاہیے کہ یہ پہلی صورت میں قیاس اور استحسان ہو اس میں مذکور قیاس کا جواب ہے۔ ''بدائع''۔

32577۔ (قولہ: نُصِبَ عَلَى الظَّرْفِيَّةِ) یعنی تجب قول کی ظرف ہے یہ شہری اور دیہاتی کے لیے مطلقاً اس کے پہلے وقت کا بیان ہے جس طرح اس کی وضاحت آگے آئے گی۔ فافہم

قربانی کا وقت

32578۔ (قولہ: إِلَى آخِرِ أَيَّامِهِ) اس میں رات داخل ہے اگرچہ مکروہ ہے جس طرح آگے آئے گا۔ اس قول نے یہ

وَهِيَ ثَلَاثَةٌ أَفْضَلُهَا أَوَّلُهَا (وَيُضَحِّي عَنْ وَلَدِهِ الصَّغِيرِ مِنْ مَالِهِ)

ایام نحر تین ہیں ان میں سے افضل پہلا ہے۔ وہ اپنے چھوٹے بچے کی جانب سے اس کے مال سے قربانی دے گا۔

فائدہ دیا کہ وجوب پورے وقت میں وسیع کر دیا گیا ہے یہ کسی میں معین نہیں۔

قاعدہ یہ ہے کہ جو اس طرح واجب ہو تو وہ وقت متعین ہو جاتا ہے جس میں وجوب ادا کیا جائے یا اس کے لیے آخری وقت متعین ہو جاتا ہے جس طرح نماز میں ہے۔ یہی قول صحیح ہے اسی پر مسائل کو تخریج کیا جائے گا جب وہ آخری وقت میں وجوب کا اہل ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ آخری وقت میں مسلمان ہو، آزاد ہو خوشحال ہو یا مقیم ہو تو اس پر قربانی لازم ہو جائے گی۔ اگر وہ آخری وقت میں مرتد ہو جائے یا تنگدست ہو جائے یا مسافر ہو جائے تو اس پر قربانی ادا نہ ہوگی۔ اگر وقت کے نکلنے کے بعد وہ تنگدست ہو جائے تو اس بکری کی قیمت جو قربانی کی صلاحیت رکھتی ہو اس کے ذمہ رہن ہو جائے گی۔ اگر ان دنوں میں خوشحال مر جائے تو اس کے ذمہ سے قربانی ساقط ہو جائے گی۔ حقیقت میں اس پر واجب ہی نہ ہو گی اگر فقیر قربانی کرے پھر آخری دن خوشحال ہو جائے تو صحیح قول کے مطابق اس پر قربانی کا اعادہ لازم ہوگا۔ کیونکہ یہ امر واضح ہو گیا کہ پہلی قربانی نفلی تھی۔ ''بدائع''، ملخص۔ لیکن ''بزازیہ'' وغیرہا میں ہے کہ متاخرین علماء نے کہا: اس پر اعادہ لازم نہ ہوگا۔ ہم اسی کو اپناتے ہیں۔

ایام نحر

32579۔ (قولہ: هِيَ ثَلَاثَةٌ) اسی طرح ایام تشریق تین ہیں۔ سب چار کے ساتھ گزر جاتے ہیں پہلا یوم نحر ہے کوئی اور نہیں آخری ایام تشریق میں سے ہے کوئی اور نہیں۔ درمیان والے دو دن نحر اور تشریق دونوں ہیں۔ ''ہدایہ''۔

ان میں اس امر کا شعور دلایا گیا ہے کہ قربانی آخری دو راتوں میں جائز ہے پہلی رات میں جائز نہیں۔ کیونکہ رات ہر وقت میں آنے والے دن کے تابع ہوتی ہے۔ مگر قربانی کے دنوں میں کیونکہ یہ گزشتہ دن کے تابع ہوتی ہیں جس طرح ''مضمرات'' وغیرہ میں ہے۔ اس میں یہ اشکال ہے کیونکہ چوتھی رات قربانی کا وقت نہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں مگر یہ کہا جائے مراد وہ راتیں ہیں جو قربانی کے دنوں کے درمیان ہے۔ ''قہستانی''۔

ایام نحر کی افضلیت میں ترتیب

32580۔ (قولہ: أَفْضَلُهَا أَوَّلُهَا) سب سے افضل پہلا دن اس کے بعد دوسرا دن پھر تیسرا دن ہے جس طرح ''قہستانی'' میں ''سراجیہ'' سے منقول ہے۔

کیا باپ اپنے چھوٹے بچے کی طرف سے اس کے مال سے قربانی کر سکتا؟

32581۔ (قولہ: وَيُضَحِّي عَنْ وَلَدِهِ الصَّغِيرِ مِنْ مَالِهِ) مالہ میں ضمیر سے مراد صغیر ہے۔ اس کی مثل مجنون کا حکم ہے۔

''البدائع'' میں کہا: جہاں تک بالغ ہونے اور عاقل ہونے کا تعلق ہے تو یہ دونوں شیخین کے قول کے مطابق قربانی کے

صَحَّحَهُ فِي الْهِدَايَةِ (وَقِيلَ لَا) صَحَّحَهُ فِي الْكَافِي قَالَ وَلَيْسَ لِلْأَبِ أَنْ يَفْعَلَهُ مِنْ مَالِ طِفْلِهِ، وَرَجَّحَهُ ابْنُ الشِّحْنَةِ قُلْتُ وَهُوَ الْمُعْتَمَدُ لِمَا فِي مَتْنِ مَوَاهِبِ الرَّحْمَنِ مِنْ أَنَّهُ أَصَحُّ مَا يُفْتَى بِهِ وَعَلَّلَهُ فِي الْبُرْهَانِ بِأَنَّهُ إنْ كَانَ الْمَقْصُودُ الْإِتْلَافَ فَالْأَبُ لَا يَمْلِكُهُ فِي مَالِ وَلَدِهِ كَالْعِتْقِ أَوْ التَّصَدُّقِ بِاللَّحْمِ فَمَالُ الصَّبِيِّ لَا يَحْتَمِلُ صَدَقَةَ التَّطَوُّعِ، وَعَزَاهُ لِلْمَبْسُوطِ فَلْيُحْفَظْ ثُمَّ فَرَّعَ عَلَى الْقَوْلِ الْأَوَّلِ بِقَوْلِهِ (وَأَكَلَ مِنْهُ الطِّفْلُ وَادَّخَرَ لَهُ قَدْرَ حَاجَتِهِ (وَمَا بَقِيَ يُبَدَّلُ بِمَا يَنْتَفِعُ) الصَّغِيرُ (بِعَيْنِهِ)

''ہدایہ'' میں اس کی تصحیح کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ایسا نہیں کرے گا۔ ''الکافی'' میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ کہا: باپ کو یہ حق حاصل نہیں کہ بچے کے مال میں سے قربانی دے۔ ''ابن شحنہ'' نے اسے ترجیح دی ہے۔ میں کہتا ہوں: یہی قول قابل اعتماد ہے۔ کیونکہ ''مواہب الرحمٰن'' کے متن میں ہے کہ جس پر فتویٰ دیا جاتا ہے ان میں سے یہ اصح ہے۔ ''برہان'' میں اس کی یہ علت بیان کی ہے: اگر مقصود مال کو تلف کرنا ہے تو باپ اپنے بچے کے مال میں اس کا مالک نہیں جیسے آزاد کرنا یا گوشت صدقہ کرنا، بچے کا مال نفلی صدقہ کا احتمال نہیں رکھتا۔ اسے ''مبسوط'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جائے۔ پھر پہلے قول پر اس قول سے تفریع کا ذکر کیا ہے: بچہ اس سے کھائے گا اور بچے کی ضرورت کے مطابق ذخیرہ کیا جائے گا اور جو گوشت بچ جائے تو اسے ایسی چیز سے بدل لیا جائے گا جس کے عین سے بچہ فائدہ اٹھا سکے

واجب ہونے کی شرائط نہیں۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ وجوب کی شرائط ہیں یہاں تک کہ اگر یہ دونوں خوشحال ہوں تو ان دونوں کے مال سے قربانی واجب نہ ہوگی۔ باپ یا وصی شیخین کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضامن ہوگا۔ جس کو جنون ہوتا ہو اور افاقہ ہوتا ہو اس کے حال کا اعتبار کیا جائے گا اگر وہ ایام نحر میں مجنون ہو تو حکم اختلاف پر مبنی ہوگا اگر اس کو افاقہ ہوتا ہو تو بغیر اختلاف کے قربانی واجب ہوگی۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''الخانیہ'' میں ہے: مگر جسے جنون اور افاقہ ہوتا ہو تو وہ صحیح کی طرح ہے مگر اسے اس پر محمول کیا جائے کہ ایام نحر میں اسے جنون اور افاقہ لاحق ہوتا ہو۔ فتامل۔

32582۔ (قولہ: صَحَّحَهُ فِي الْهِدَايَةِ) کیونکہ کہا: اصح یہ ہے کہ اس کے مال میں سے قربانی کرے۔ اور ''ابن شحنہ'' کا قول: انہ فی الہدایۃ یہ کسی شے کی تصحیح نہیں کرتا بلکہ اس کے عمل کا مقتضا یہ ہے کہ عدم وجوب کو ترجیح دی جائے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ شاید یہ ان کے نسخہ سے ساقط ہے۔

32583۔ (قولہ: قُلْت وَهُوَ الْمُعْتَمَدُ) ''الملتقی'' میں اسے اختیار کیا ہے کیونکہ اسے مقدم ذکر کیا ہے۔ اور پہلے قول کو قیل سے تعبیر کیا ہے۔ ''طرسوی'' نے اسے ترجیح دی کہ قواعد اس کی تائید کرتے ہیں اور اس لیے کہ یہ عبادت ہے۔ قربانی کے وجوب کا قول اس کے مال میں زکوٰۃ واجب کرنے سے اولیٰ نہیں۔

32584۔ (قولہ: بِمَا يَنْتَفِعُ بِعَيْنِهِ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس کی دراہم کے بدلے میں بیع جائز نہیں پھر وہ ان

كَثَوْبٍ وَخُفٍّ لَا بِمَا يُسْتَهْلَكُ كَخُبْزٍ وَنَحْوِهِ ابْنُ كَمَالٍ وَكَذَا الْجَدُّ وَالْوَصِيُّ (وَصَحَّ اشْتِرَاكُ سِتَّةٍ فِي بَدَنَةٍ شُرِيَتْ لِأُضْحِيَةٍ) أَيْ إنْ نَوَى وَقْتَ الشِّرَاءِ الِاشْتِرَاكَ صَحَّ اسْتِحْسَانًا وَإِلَّا لَا (اسْتِحْسَانًا وَذَا) أَيْ الِاشْتِرَاكُ (قَبْلَ الشِّرَاءِ أَحَبُّ،

جیسے کپڑا اور موزہ نہ کہ اس سے بدلا جائے گا جو ہلاک ہو جائے جیسے روٹی وغیرہ، ''ابن کمال''۔ دادا اور وصی اسی طرح ہے۔ وہ بدنہ جو قربانی کے لیے خریدا گیا اس میں چھ افراد کا شریک ہونا صحیح ہے یعنی اگر خریدنے کے وقت اشتراک کی نیت کی تو یہ بطور استحسان صحیح ہو گا ورنہ یہ بطور استحسان صحیح نہیں ہو گا۔ یہ اشتراک خریداری سے پہلے زیادہ پسندیدہ ہے۔

دراہم کے بدلے وہ چیزیں خریدے جن کا ذکر کیا گیا۔ ''ط''۔ اس کو ہی وہ قول بیان کرتا ہے جسے ہم ''البدائع'' سے ذکر کریں گے۔

32585۔ (قولہ: وَكَذَا الْجَدُّ وَالْوَصِيُّ) یعنی دادا اور وصی تمام مذکورہ احکام میں باپ کی طرح ہیں۔

32586۔ (قولہ: وَصَحَّ اشْتِرَاكُ سِتَّةٍ) جو ہم نے نسخے دیکھے ہیں ان میں اسی طرح افتعال سے تا کے ساتھ ہے متعدد کتب میں یہ اسی طرح ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ یہ متعدی ہے اور اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے اور فاعل محذوف ہے۔ وہ خریدار ہے۔ اسی وجہ سے ''الدرر'' میں کہا: یعنی وہ ان سب کو اپنا شریک بنالیتا ہے۔

32587۔ (قولہ: فِي بَدَنَةٍ شُرِيَتْ لِأُضْحِيَةٍ) یعنی وہ اسے اپنی جانب سے قربانی کرے۔ ''ہدایہ'' وغیرہ میں یہ غنی پر محمول ہو گا۔ کیونکہ وہ بدنہ متعین نہیں ہو گا کہ اس کی قربانی کرنا واجب ہو اس کے باوجود یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں وعدہ خلافی ہے۔ علما نے کہا: اسے چاہیے کہ وہ اس کی ثمن صدقہ کر دے اگرچہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بطور نص ذکر نہیں کیا۔ جہاں تک فقیر کا تعلق ہے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس میں کسی کو شریک کرے۔ کیونکہ اس نے اسے قربانی کے لیے خریدنے کے ساتھ اپنی ذات پر اسے واجب کر دیا ہے پس وہ وجوب کے لیے متعین ہو جائے گا۔ ''بدائع''، ''غایۃ البیان''۔ لیکن ''الخانیہ'' میں غنی اور فقیر میں برابری کی ہے پھر بعض علما سے تفصیل کو بیان کیا ہے۔ تامل

خریدنے سے پہلے بدنہ میں اشتراک کرنا احسن ہے

32588۔ (قولہ: أَيْ إنْ نَوَى وَقْتَ الشِّرَاءِ الِاشْتِرَاكَ صَحَّ اسْتِحْسَانًا وَإِلَّا لَا) بعض نسخوں میں اسی طرح ہے۔ واجب یہ ہے کہ اسے ساقط کیا جائے جس طرح بعض نسخوں میں ہے۔ کیونکہ مسئلہ استحسانیہ کا موضوع یہ ہے کہ وہ اسے خریدے تا کہ اپنی جانب سے اسے قربانی کرے جس طرح ''ہدایہ''، ''خانیہ'' وغیرہا میں ہے۔ اسی وجہ سے مصنف نے اپنے قول استحسانا کے بعد کہا: ذا قبل الشراء احب۔

''ہدایہ'' میں ہے: احسن یہ ہے کہ وہ یہ اشتراک خریدنے سے پہلے کرے تا کہ یہ اختلاف سے اور قربت میں رجوع کی صورت سے دور ہو جائے۔ ''الخانیہ'' میں ہے: اگر وہ خریداری کے وقت نیت نہ کرے پھر ان کو شریک کرے تو امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔

وَيُقْسَمُ اللَّحْمُ وَزْنًا لَا جُزَافًا
گوشت کو وزن کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے اندازہ سے تقسیم نہیں کیا جائے گا

میں کہتا ہوں: ہم ہدی کی باب میں پہلے ''فتح القدیر'' سے نقل کر چکے ہیں جو کہ ''اصل'' اور ''مبسوط'' کی طرف منسوب ہے: جب ایک آدمی نے حج تمتع کے لیے مثلاً بدنہ خریدا پھر اس نے اس میں چھ افراد کو شریک کیا بعد اس نے اسے خاص طور پر اپنے لیے واجب کر لیا تھا تو اس کے لیے گنجائش نہ ہوگی۔ کیونکہ جب اس نے اسے اپنے اوپر واجب کیا تھا تو تمام کا تمام واجب ہو گیا تھا بعض شرع کے واجب کرنے سے واجب ہوا اور بعض اس کے خود واجب کرنے سے واجب ہوا اگر وہ ایسا کرے تو اس پر لازم ہے کہ اس کی ثمن صدقہ کرے۔ اگر اس نے یہ نیت کی تھی کہ وہ اس میں چھ اور افراد کو شریک کرے گا تو یہ اس کے لیے جائز ہوگا۔ کیونکہ اس نے خریدنے کے ساتھ سب کو اپنے اوپر واجب نہیں کیا تھا۔ اگر خریداری کے وقت اس کی نیت نہ ہو لیکن اس نے اسے اپنے اوپر واجب نہ کیا ہو یہاں تک کہ چھ کو شریک کر لیا تو یہ جائز ہوگا۔ افضل یہ ہے کہ خریداری کا آغاز ان سب سے ہو یا ان میں سے ایک سے ہو جب کہ باقی افراد نے اسے حکم دیا ہو۔ تا کہ ابتدا میں شرکت ثابت ہو جائے۔ شاید وہ فقیر پر محمول ہو یا اس نے نذر کے ساتھ اسے واجب کیا ہو یا ہدی اور اضحیہ میں فرق کیا جائے گا۔ تامل

قربانی کے گوشت کو تقسیم کرنے کا طریقہ

32589۔ (قولہ: وَيُقْسَمُ اللَّحْمُ) اور دیکھیے کیا یہ تقسیم متعین ہے یا نہیں؟ یہاں تک کہ اگر وہ اپنے لیے، اپنی زوجہ کے لیے اور بڑی اولاد کے لیے بدنہ خریدتا ہے اور وہ اسے تقسیم نہیں کرتے یہ انہیں کفایت کرے گا یا نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ شرط نہیں۔ کیونکہ اس سے مقصود خون بہانا ہے جو حاصل ہو چکا ہے۔ ''فتاویٰ الخلاصہ'' اور ''فیض'' میں ہے: گوشت کی تقسیم ان کے ارادہ پر معلق ہوگی یہ سابقہ قول کی تائید کرتا ہے۔ مگر جب ان میں ایک فقیر ہو اور باقی اغنیاء ہوں تو اس پر یہ معین ہوگا کہ وہ اپنا حصہ لے تا کہ اسے صدقہ کرے۔

اس کا حاصل یہ ہے: مراد یہ ہے تقسیم کی شرط کو بیان کرنا ہے اگر تقسیم کی جائے نہ کہ یہ مطلب ہے کہ تقسیم شرط ہے۔ لیکن فقیر کی استثنا کرنے میں اعتراض ہے۔ کیونکہ اس پر صدقہ کرنا متعین نہیں جس طرح آگے آئے گا۔ ہاں نذر ماننے والے کے لیے متعین ہے۔ فافہم

32590۔ (قولہ: لَا جُزَافًا) کیونکہ تقسیم میں مبادلہ کا معنی موجود ہے اگرچہ ان میں سے بعض بعض کو حلال کر دیں۔ ''البدائع'' میں کہا: جہاں تک اندازے سے تقسیم کے جائز نہ ہونے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تملیک کا معنی موجود ہے اور گوشت سود کے اموال میں سے ہے۔ پس اس کی تملیک اندازے سے جائز نہیں۔ جہاں تک تحلیل کے جائز نہ ہونے کا تعلق ہے تو ربا حلال کرنے سے حلال ہونے کا احتمال نہیں رکھتا اور اس لیے کہ یہ ہبہ کے معنی میں ہے اور مشترک کا ہبہ جو تقسیم کا احتمال نہ رکھتا ہو صحیح نہیں۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ عدم جواز یہ لا یصح کے معنی میں ہے اور مبادلہ کے فساد

إِلَّا إِذَا ضَمَّ مَعَهُ مِنَ الْأَكَارِعِ أَوِ الْجِلْدِ) صَرْفًا لِلْجِنْسِ لِخِلَافِ جِنْسِهِ (وَأَوَّلُ وَقْتِهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ إِنْ ذَبَحَ فِي مِصْرٍ) أَيْ بَعْدَ أَسْبَقِ صَلَاةِ عِيدٍ، وَلَوْ قَبْلَ الْخُطْبَةِ لَكِنْ بَعْدَهَا أَحَبُّ وَبَعْدَ مُضِيِّ وَقْتِهَا

ورنہ جب گوشت کے ساتھ کھر یا جلد شامل کی جائے یہ جنس کو جنس کے خلاف پھیرنے کی وجہ سے ہے۔ قربانی کا پہلا وقت نماز عید کے بعد ہے اگر اس شہر میں ذبح کیا جائے یعنی اس نماز کے بعد جو سب سے پہلے پڑھی جائے اگرچہ خطبہ سے پہلے ہو لیکن اس کے بعد زیادہ پسندیدہ ہے اور نماز کا وقت گزر جانے کے بعد اس کا وقت ہے

کی وجہ سے حلال نہیں۔ ''شرنبلالیہ'' میں جو بحث کی ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں ہے کہ یہ لا یصح ولا حرمة فیه کے معنی میں ہے۔

32591۔ (قوله: إِلَّا إِذَا ضَمَّ مَعَهُ الخ) اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک کے پاس گوشت کے ساتھ کھر ہیں اور دوسرے کے پاس گوشت کے ساتھ جلد ہے۔

قربانی کا اول وقت

32592۔ (قوله: وَأَوَّلُ وَقْتِهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ الخ) اس میں تسامح ہے۔ کیونکہ شہری اور غیر شہری میں قربانی کے وقت میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ اختلاف قربانی کی شرط میں ہے۔ شہری اور دیہاتی کے حق میں اس کا پہلا وقت فجر کا طلوع ہونا ہے مگر شہری کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ قربانی پر نماز کو مقدم کرے تو عدم جواز شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے ہے وقت کے نہ ہونے کی وجہ سے نہیں جس طرح ''المبسوط'' میں ہے۔ ''ہدایہ'' وغیرہا میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ''قہستانی''۔ اسی طرح ''ابن کمال'' نے اپنی شرح کے ''منہوات'' میں ذکر کیا ہے: یہ ان مواقع میں سے ہے جن میں ''تاج الشریعہ'' نے خطا کی ہے اور ''صدر الشریعہ'' اس پر متنبہ نہیں ہوئے۔

32593۔ (قوله: بَعْدَ أَسْبَقِ صَلَاةِ عِيدٍ) اگر اس نے قربانی کی اس کے بعد کہ اہل مسجد نماز پڑھ چکے تھے اور عید گاہ والوں نے نماز عید نہ پڑھی تھی یہ بطور استحسان جائز ہوگا۔ کیونکہ یہ نماز معتبر ہے یہاں تک کہ اگر لوگ اس پر اکتفا کریں تو یہ انہیں کافی ہو جائے۔ اسی طرح اس کے برعکس ہے، ''ہدایہ''۔ اگر اس نے جانور قربان کیا جب لوگ تشہد کی مقدار نماز پڑھ چکے تھے تو ظاہر روایت میں جائز نہیں۔ بعض علماء نے کہا: یہ جائز ہوگا اور وہ گناہگار ہوگا۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے۔ ''خانیہ''۔

32594۔ (قوله: وَلَوْ قَبْلَ الْخُطْبَةِ) ''المنح'' میں کہا: ''حسن'' سے مروی ہے: اگر اس نے امام کے خطبہ سے فارغ ہونے سے پہلے قربانی کی تو اس نے غلطی کی۔

32595۔ (قوله: وَبَعْدَ مُضِيِّ وَقْتِهَا) وقتها میں ضمیر سے مراد الصلاة ہے۔ یعنی نماز کے وقت کے بعد قربانی کی۔ یہ ان کے قول بعد الصلاة پر معطوف ہے۔ اور نماز کا وقت سورج کے بلند ہونے سے لے کر زوال تک ہے۔

لَوْ لَمْ يُصَلُّوا لِعُذْرٍ، وَيَجُوزُ فِي الْغَدِ وَبَعْدَهُ قَبْلَ الصَّلَاةِ لِأَنَّ الصَّلَاةَ فِي الْغَدِ تَقَعُ قَضَاءً لَا أَدَاءً زَيْلَعِيٌّ وَغَيْرُهُ (وَبَعْدَ طُلُوعِ فَجْرِ يَوْمِ النَّحْرِ إنْ ذَبَحَ فِي غَيْرِهِ) وَآخِرُهُ قُبَيْلَ غُرُوبِ يَوْمِ الثَّالِثِ
اگر وہ عذر کی وجہ سے نماز عید نہ پڑھیں۔ اگلے روز اور اس کے بعد نماز عید سے پہلے جائز ہے۔ کیونکہ اگلے روز نماز بطور قضا واقع ہوتی ہے بطور ادا واقع نہیں ہوتی۔ ''زیلعی'' وغیرہ۔ اگر شہر کے علاوہ میں اسے ذبح کیا جائے تو یوم نحر کی فجر کے طلوع ہونے کے بعد اس کا وقت ہے اور اس کا آخری وقت تیسرے دن کے غروب سے تھوڑا پہلے ہے۔

32596۔ (قولہ: لِعُذْرٍ) یعنی اس فتنہ کے علاوہ جس کا ذکر بعد میں ہے۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: ''زیلعی'' نے عذر کا لفظ ذکر نہیں کیا ساتھ ہی یہ اس کے مخالف ہے جس کا ذکر شارح ینابیع سے کریں گے۔ ''البدائع'' میں ہے: اگر امام عید کی نماز کو مؤخر کر دے تو کوئی ذبح جائز نہیں یہاں تک کہ دن نصف ہو جائے۔ اگر امام مشغول ہو جائے اور نماز پڑھے یا جان بوجھ کر نماز کو ترک کر دے یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے تو نماز کے بغیر تمام ایام میں ذبح حلال ہو گا۔ کیونکہ زوال کے ساتھ نماز کا وقت فوت ہو گیا ہے۔ امام دوسرے اور تیسرے دن نماز کی قضا کے طریقہ پر نکلے گا اور ترتیب ادا میں شرط ہے قضا میں شرط نہیں جس طرح ''قدوری'' نے ذکر کیا۔ ''زیلعی'' نے ''المحیط'' سے اس کی مثل ذکر کیا ہے۔ اس سے قبل اس سے بھی نقل کیا ہے کہ دوسرے دن زوال سے قبل قربانی جائز نہ ہو گی مگر جب انہیں یہ امید نہ ہو کہ امام انہیں نماز پڑھائے گا۔

تنبیہ

''مبسوط سرخسی'' میں کہا ہے: یوم نحر کو اہل منیٰ پر نماز عید نہیں۔ کیونکہ وہ اس کے وقت میں مناسک حج کی ادائیگی میں مشغول ہوتے ہیں اور فجر کے طلوع ہونے کے بعد ان کے لیے قربانی جائز ہوتی ہے جس طرح دیہات کے لوگوں کے لیے جائز ہوتی ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ اہل منیٰ وہ ہیں جو وہاں حاجی اور اہل مکہ کے لوگ ہیں، ''شرنبلالیہ''۔ یعنی اہل مکہ میں سے جو محرم ہیں۔ پھر یہ اس اختلاف میں صریح ہے جسے ''بیری'' نے ذکر کیا ہے انہوں نے کہا: منیٰ میں زوال کے بعد ہی قربانی جائز ہے۔ کیونکہ یہ ایسی جگہ ہے جس میں نماز عید جائز ہے مگر حاجی سے اسے ساقط کر دیا گیا ہے۔ ہم نے اس بارے میں کوئی روایت منقول نہیں دیکھی جب کہ بہت زیادہ کتب کی طرف رجوع کیا ہے۔ یوم نحر کو مکہ میں کوئی نماز عید نہیں۔ کیونکہ میں اور مشائخ میں سے جسے ہم نے پایا ہے اس نے مکہ میں نماز عید قربان نہیں پڑھی۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس کا سبب کیا ہے۔

32597۔ (قولہ: إنْ ذَبَحَ فِي غَيْرِهِ) یعنی غیرہ میں ضمیر سے مراد شہر ہے یہ تمام بادیہ نشینوں کو شامل ہے۔ ''قاضی خان'' نے کہا: جہاں تک بستی، دیہاتوں اور قلعوں کے مکینوں کا تعلق ہے ہمارے نزدیک طلوع فجر کے بعد قربانی کرنا ان کے لیے جائز ہے۔ جہاں تک بادیہ نشینوں کا تعلق ہے تو وہ قربانی نہیں کریں گے مگر اس امام کی نماز کے بعد جو ان کے قریب ترین ہے۔ ''قہستانی'' نے اسے ''النظم'' وغیرہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں یہ ذکر کیا ہے کہ یہ اس کے مخالف ہے جو

وَجَوَّزَهُ الشَّافِعِيُّ فِي الرَّابِعِ، وَالْمُعْتَبَرُ مَكَانُ الْأُضْحِيَةِ لَا مَكَانُ مَنْ عَلَيْهِ، فَحِيلَةُ مِصْرِيٍّ أَرَادَ التَّعْجِيلَ أَنْ يُخْرِجَهَا لِخَارِجِ الْمِصْرِ، فَيُضَحِّي بِهَا إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ مُجْتَبًى (وَالْمُعْتَبَرُ آخِرُ وَقْتِهَا لِلْفَقِيرِ وَضِدِّهِ وَالْوِلَادَةِ وَالْمَوْتِ، فَلَوْ كَانَ غَنِيًّا فِي أَوَّلِ الْأَيَّامِ فَقِيرًا فِي آخِرِهَا لَا تَجِبُ عَلَيْهِ، وَإِنْ وُلِدَ فِي يَوْمِ الْآخِرِ تَجِبُ عَلَيْهِ، وَإِنْ مَاتَ فِيهِ لَا) تَجِبُ عَلَيْهِ (تَبَيَّنَ أَنَّ الْإِمَامَ صَلَّى بِغَيْرِ طَهَارَةٍ تُعَادُ الصَّلَاةُ دُونَ الْأُضْحِيَةِ) لِأَنَّ مِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ قَالَ لَا يُعِيدُ الصَّلَاةَ إِلَّا الْإِمَامُ وَحْدَهُ

امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے چوتھے روز اسے جائز قرار دیا ہے۔ معتبر قربانی کا مکان ہے نہ کہ جس میں وہ رہتا ہے اس شہری کا حیلہ جو یہ ارادہ رکھتا ہے کہ قربانی میں جلدی کرے یہ ہے کہ اسے شہر سے باہر لے جائے اور اسے صبح طلوع ہوتے ہی قربان کر دے، ''مجتبیٰ''۔ فقیر اور اس کی ضد یعنی غنی کے لیے، ولادت اور موت کے لیے معتبر اس کا آخری وقت ہے۔ اگر وہ پہلے دن میں غنی ہو اس کے آخری میں فقیر ہو تو اس پر قربانی واجب نہ ہوگی۔ اگر آخری دن میں پیدا ہوا تو اس پر قربانی واجب ہوگی۔ اگر اس میں مرجائے تو اس پر قربانی واجب نہ ہوگی۔ یہ بات واضح ہوگئی کہ امام نے وضو کے بغیر نماز پڑھی ہے تو نماز کا اعادہ کیا جائے گا قربانی کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ علما میں سے کچھ نے کہا ہے: صرف امام نماز کا اعادہ کرے

''التبیین'' وغیرہ میں ہے اور ''شیخ الاسلام'' نے جو اسے مطلق ذکر کیا ہے اس کے مخالف ہے۔

32598۔ (قولہ: وَالْمُعْتَبَرُ مَكَانُ الْأُضْحِيَةِ الخ) اگر قربانی بستی میں کی جائے اور قربانی کرنے والا شہر میں ہو تو نماز سے قبل جائز ہے اور اس کے برعکس جائز نہیں۔ ''قہستانی''۔

32599۔ (قولہ: أَنْ يُخْرِجَهَا) یعنی وہ اسے خارج کرنے کا حکم دے۔

32600۔ (قولہ: لِخَارِجِ الْمِصْرِ) یعنی جس میں نماز میں قصر مباح ہو۔ ''قہستانی''، ''زیلعی''۔

32601۔ (قولہ: مُجْتَبًى) جب مسئلہ ''ہدایہ'' اور ''تبیین'' وغیرہا معتبر کتابوں میں ہے تو اسے ''مجتبیٰ'' کی طرف منسوب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

32602۔ (قولہ: وَالْوِلَادَةِ) یہ اس قول کے مطابق ہے کہ قربانی صغیر کے مال میں یا باپ کے مال میں واجب ہے جب کہ یہ معتمد قول کے خلاف ہے جس طرح گزر چکا ہے۔

اگر امام عید کی نماز بغیر وضو کے پڑھا دے تو اس کا حکم

32603۔ (قولہ: تُعَادُ الصَّلَاةُ دُونَ الْأُضْحِيَةِ الخ) ''البدائع'' میں کہا: اگر لوگوں کے بکھرنے سے قبل یہ معلوم ہو جائے تو روایات کے اتفاق کے مطابق وہ لوگوں کو دوبارہ نماز پڑھائے گا۔ کیا نماز کے اعادہ سے قبل اس نے جو قربانی کی وہ جائز ہے؟ بعض روایات میں یہ مذکور ہے کہ یہ جائز ہے۔ کیونکہ اس نے اس نماز کے بعد جانور ذبح کیا ہے جسے بعض فقہاء نے جائز قرار دیا ہے وہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ ہیں کیونکہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امام کی نماز کا فساد مقتدی کی نماز کے فساد کا

فَكَانَ لِلِاجْتِهَادِ فِيهِ مَسَاغًا زَيْلَعِيٌّ وَفِي الْمُجْتَبَى إنَّمَا تُعَادُ قَبْلَ التَّفَرُّقِ لَا بَعْدَهُ وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ بَلْدَةٌ فِيهَا فِتْنَةٌ فَلَمْ يُصَلُّوا وَضَحَّوْا بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ جَازَ فِي الْمُخْتَارِ، لَكِنْ فِي الْيَنَابِيعِ وَلَوْ تَعَمَّدَ التَّرْكَ

پس اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔''زیلعی''۔''مجتبیٰ'' میں ہے: لوگوں کے بکھرنے سے پہلے اس کا اعادہ ہوگا اس کے بعد اعادہ نہیں ہوگا۔''بزازیہ'' میں ہے: ایک شہر جس میں فتنہ برپا ہے پس لوگوں نے عید کی نماز نہیں پڑھی اور طلوع فجر کے بعد انہوں نے قربانی دے دی تو مختار مذہب کے مطابق جائز ہے۔لیکن ''ینابیع'' میں ہے: اگر اس نے جان بوجھ کر نماز کو ترک کیا

موجب نہیں پس وہ نماز امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معتبر ہے۔اس تعبیر کی بنا پر صرف امام نماز کا اعادہ کرے گا قوم نماز کا اعادہ نہیں کرے گی۔یہ استحسان ہے اس کی مثل ''بزازیہ'' میں ہے۔

32604۔(قولہ: فَكَانَ لِلِاجْتِهَادِ فِيهِ مَسَاغًا) ''المنح'' میں اور ''التبیین'' کے بعض نسخوں میں بھی اسی طرح ہے۔صحیح مساغ رفع کے ساتھ ہے۔

32605۔(قولہ: وَفِي الْمُجْتَبَى الخ) یہ متن کے اطلاق کی تقیید ہے یہ توجیہ ذی شان ہے۔کیونکہ لوگوں کے بکھر جانے کے بعد نماز کے اعادہ میں مشقت ہے۔''ح''۔

32606۔(قولہ: لَا بَعْدَهُ) میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' میں ہے: اگر امام نے لوگوں کو ندا کی تاکہ وہ نماز کا اعادہ کریں تو جس نے اس کا علم ہونے سے پہلے جانور ذبح کر دیا تو نماز جائز ہوگی اور اسے علم ہو جائے تو اس کا ذبح کرنا جائز نہیں جب وہ زوال سے پہلے جانور ذبح کرے اور اس کے بعد جائز ہوگا۔لیکن جو ہم نے پہلے ''البدائع'' سے قول نقل کیا ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ مطلقاً نماز کا اعادہ نہیں اس پر یہ قول دلالت کرتا ہے کہ ''بدائع'' میں اس کا ذکر ہے جو ''بزازیہ'' میں دوسری روایت ہے۔تامل

اگر کسی شہر میں فتنہ برپا ہو تو اس میں نماز عید اور قربانی کا حکم

32607۔(قولہ: فَلَمْ يُصَلُّوا) کیونکہ ان کا کوئی والی نہیں جو انہیں نماز پڑھائے۔''اتقانی''،''زیلعی''۔

32608۔(قولہ: جَازَ فِي الْمُخْتَارِ) کیونکہ شہر اس حکم میں بستی کی طرح ہو گیا ہے۔''اتقانی''۔''تاتر خانیہ'' میں ہے: اس پر فتویٰ ہے۔''زیلعی'' نے بھی اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے۔اور پہلے جو ان سے نقل کیا ہے یہ اس کے معارض نہیں جس طرح ''حلبی'' نے گمان کیا ہے۔کیونکہ امام وہاں موجود ہے پس یہ بستی کے حکم میں نہ ہوا۔فافہم

32609۔(قولہ: لَكِنْ فِي الْيَنَابِيعِ الخ) بعض نسخوں سے یہ ساقط ہے یہ اولیٰ ہے کیونکہ یہ ماقبل کے مخالف نہیں کیونکہ اسے عذر کی وجہ سے ترک کیا تھا یہ عذر کے بغیر ہے۔

32610۔(قولہ: وَلَوْ تَعَمَّدَ التَّرْكَ) یہ مجہول کا صیغہ ہے یا معلوم کا صیغہ ہے اس کا فاعل امام ہے۔

فَسَنَّ أَوَّلَ وَقْتِهَا لَا يَجُوزُ الذَّبْحُ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ وَقِيلَ لَا تَجُوزُ قَبْلَ الزَّوَالِ فِي الْيَوْمِ الْأَوَّلِ وَتَجُوزُ فِي بَقِيَّةِ الْأَيَّامِ قُلْت وَقَدَّمْنَا أَنَّهُ مُخْتَارُ الزَّيْلَعِيِّ وَغَيْرِهِ، وَبِهِ جَزَمَ فِي الْمَوَاهِبِ فَتَنَبَّهْ (كَمَا لَوْ شَهِدُوا أَنَّهُ يَوْمُ الْعِيدِ عِنْدَ الْإِمَامِ فَصَلَّوْا ثُمَّ ضَحَّوْا ثُمَّ بَانَ أَنَّهُ يَوْمُ عَرَفَةَ أَجْزَأَتْهُمُ الصَّلَاةُ وَالتَّضْحِيَةُ) لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ عَنْ مِثْلِ هَذَا الْخَطَأِ فَيُحْكَمُ بِالْجَوَازِ صِيَانَةً لِجَمِيعِ الْمُسْلِمِينَ زَيْلَعِيٌّ (وَكُرِهَ) تَنْزِيهًا

تو اس نے اس کے اول وقت میں جانور ذبح کیا تو ذبح جائز نہیں ہوگا یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلے دن زوال سے پہلے جائز نہیں اور باقی ماندہ دنوں میں جائز ہے۔ میں کہتا ہوں: ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ ''زیلعی''، وغیرہ کا مختار مذہب ہے ''مواہب'' میں اسے یقین کے صیغوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ فتنبہ۔ جس طرح لوگوں نے امام کے پاس گواہی دی تو انہوں نے نماز پڑھی پھر انہوں نے قربانی دی پھر یہ امر واضح ہو گیا کہ یوم عرفہ ہے تو سب کی جانب سے نماز اور قربانی جائز ہوگی۔ کیونکہ اس قسم کی خطا سے بچنا ممکن نہیں۔ پس تمام مسلمانوں کی حفاظت کی خاطر اس کے جواز کا حکم لگایا جائے گا، ''زیلعی''۔ اور رات کے وقت ذبح کرنا

32611۔ (قولہ: فَسَنَّ) یہ جملہ بولا جاتا ہے سن فلانا اسے نیزہ مارا۔ یہاں مراد ذبح کرنا ہے۔

32612۔ (قولہ: وَقِيلَ الخ) ظاہر یہ ہے کہ یہ سمجھا گیا کہ یہ اس کے معارض ہے جسے ''بزازیہ'' سے نقل کیا ہے جس طرح محشی نے سمجھا ہے اور معارضہ اس سے ختم ہو چکا ہے جو ہم نے پہلے قول کیا ہے۔

32613۔ (قولہ: قُلْت الخ) ''زیلعی'' کی عبارت میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس کا فائدہ دے کیونکہ انہوں نے ''المحیط'' سے دو قول نقل کیے ہیں جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور کسی کو ترجیح نہیں دی۔

32614۔ (قولہ: أَجْزَأَتْهُمُ الصَّلَاةُ وَالتَّضْحِيَةُ) ''البدائع'' میں بھی اسی طرح ہے۔ اس میں ہے: اگر لوگوں نے نصف النہار کے بعد گواہی دی کہ یہ دسویں ذی الحجہ ہے تو ان کے لیے جائز ہوگا کہ وہ قربانی دے دیں اور امام اگلے دن نکلے گا تو انہیں عید کی نماز پڑھائے گا۔ اگر دن کے پہلے پہر معلوم ہو کہ یہ یوم نحر ہے پس امام نکلنے سے مشغول رہا یا وہ غافل رہا اور وہ نہ نکلا اور نہ ہی اس نے کسی کو حکم دیا کہ انہیں نماز پڑھائے تو کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ قربانی دے یہاں تک کہ امام انہیں نماز پڑھائے یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے۔ جب امام کے نکلنے سے پہلے سورج ڈھل جائے تو لوگ قربانی دے دیں۔ اگر کسی نے اس سے قبل قربانی دے دی تو جائز نہ ہوگا۔ اگر اس نے یوم عرفہ کو زوال کے بعد قربانی دی پھر یہ ظاہر ہوا کہ یہ یوم نحر ہے تو ہمارے نزدیک یہ جائز ہے کیونکہ قربانی اس کے وقت میں ہوئی ہے۔

32615۔ (قولہ: صِيَانَةً لِجَمِيعِ الْمُسْلِمِينَ) جو قول میں نے ''زیلعی'' میں دیکھا ہے وہ لجمع یعنی یا کے بغیر ہے۔ یعنی جماعت کے ساتھ ان کا نماز پڑھنا۔ تامل

32616۔ (قولہ: تَنْزِيهًا) یہ مصنف کے جانب سے بحث ہے کیونکہ کہا: قلت۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے اور

(الذَّبْحُ لَيْلًا) لِاحْتِمَالِ الْغَلَطِ (وَلَوْ تُرِكَتْ التَّضْحِيَةُ وَمَضَتْ أَيَّامُهَا تَصَدَّقَ بِهَا حَيَّةً نَاذِرٌ) فَاعِلُ تَصَدَّقَ (لِمُعَيَّنَةٍ)

مکروہ ہے کیونکہ غلطی کا احتمال ہوتا ہے۔ اور قربانی نہ کی گئی اور قربانی کے دن گزر گئے تو نذر ماننے والا اس معین جانور کو زندہ ہی صدقہ کر دے۔ ''ناذر'' یہ ''تصدق'' کا فاعل ہے۔

اس کا مرجع خلاف اولیٰ ہے۔ کیونکہ غلطی کا احتمال مکروہ تحریمی پر دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

میں کہتا ہوں: ''البدائع'' کے کتاب الذبائح میں اس کی تصریح ہے۔

رات کے وقت قربانی کرنے کا شرعی حکم

32617۔ (قولہ: لَيْلًا) یعنی درمیانی دو راتوں میں نہ کہ پہلی اور چوتھی رات۔ کیونکہ پہلی اور چوتھی رات میں ہم قربانی کو اصلاً صحیح قرار نہیں دیتے۔ جس طرح ظاہر ہے ''النہایہ'' میں اس پر متنبہ کیا ہے۔ اس کے باوجود بعض پر یہ امر مخفی رہا ہے۔

قربانی کی قضا

32618۔ (قولہ: وَلَوْ تُرِكَتْ التَّضْحِيَةُ الخ) قربانی کی قضا کے بیان میں شروع ہو رہے ہیں جب وہ اپنے وقت سے فوت ہو جائے۔ کیونکہ یہ قربانی کی فی الجملہ قضا کے ساتھ ضمانت ہوتی ہے جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔

32619۔ (قولہ: وَمَضَتْ أَيَّامُهَا الخ) اس کے ساتھ قید لگائی ہے کیونکہ ''النہایہ'' میں ہے: قربانی واجب ہو چکی ہو جب اس نے صراحۃً اسے واجب کیا ہو یا قربانی دینے کے لیے خریدنے کے ساتھ واجب ہوئی ہو۔ اگر قربانی کے ایام میں اس کے عین کو صدقہ کر دیا ہو تو اس پر اس کی جگہ اس کی مثل لازم ہوگی۔ کیونکہ اس پر فرض خون بہانا ہے۔ بے شک یہ صدقہ کی طرف منتقل ہوگی۔ جب قربانی کے دن گزرنے کے بعد قربانی کرنے سے مایوسی واقع ہوگئی ہو اگر وہ اس کی مثل نہ خریدے یہاں تک کہ قربانی کے دن گزر جائیں تو اس کی قیمت کی قضا کرے گا۔ کیونکہ خون کا بہانا مخصوص زمانہ میں بطور قربت معروف ہے۔ اور جو امر بعد میں لازم ہوا سے پہلا صدقہ اسے کفایت نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ وجوب کے سبب سے پہلے واقع ہوا ہے۔

32620۔ (قولہ: تَصَدَّقَ بِهَا حَيَّةً) کیونکہ خون بہانے کے ساتھ قربت کے حصول سے مایوسی واقع ہو چکی ہے۔ اگر اس کی قیمت صدقہ کر دے تو بھی اسے یہ کفایت کر جائے گا۔ کیونکہ یہاں واجب بعینہا اسے صدقہ کرنا ہے۔ یہ اس کی مثل ہے اس امر میں جو مقصود ہے۔ ''ذخیرہ''۔

32621۔ (قولہ: نَاذِرٌ لِمُعَيَّنَةٍ) ''البدائع'' میں کہا: غنی اور فقیر پر جو چیز واجب ہے وہ وہ ہے جس کی نذر مانی گئی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے: اس نے کہا: اللہ تعالیٰ کے لیے مجھ پر لازم ہے کہ میں بکری، بدنہ یا بکری یا یہ بدنہ قربانی دوں یا اس نے کہا: میں نے یہ بکری قربانی بنادی۔ کیونکہ یہ ایسی قربت ہے جس کی جنس سے وہ واجب کر رہا ہے وہ متعہ، قران اور احصار کی ہدی ہے۔ پس یہ دوسری تمام قربتوں کی طرح ہے اور نذر سے جو واجب ہوتی ہے اس میں غنی اور فقیر برابر ہوتے ہیں اس سے

وَلَوْ فَقِيرًا، وَلَوْ ذَبَحَهَا تَصَدَّقَ بِلَحْمِهَا، وَلَوْ نَقَصَهَا
اگرچہ وہ فقیر ہو اگر وہ اس کو ذبح کردے تو اس کے گوشت کو صدقہ کردے اگر اس میں کوئی نقص واقع کیا تھا

یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جعل مذکور نذر ہے اور واجب کی نذر ماننا صحیح ہے۔

اس اشکال کا ذکر کیا کہ نذر کے صحیح ہونے کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے واجب نہ ہو۔

''ابوسعود'' نے یہ جواب دیا کہ واجب مطلقاً تضحیہ ہے اور نذر کا صحیح ہونا یہ معین نسبت کی بنا پر ہے۔ اس میں اعتراض ہے کیونکہ تو یہ جان چکا ہے کہ نذر معینہ نسبت کے بغیر بھی صحیح ہے۔

یہ جان لو کہ ''البدائع'' میں کہا ہے: اگر وہ نذر مانے کہ وہ بکری قربانی دے گا اور یہ نحر کے دنوں میں ہو جب کہ وہ خوشحال ہو تو اس پر لازم ہے کہ ہمارے نزدیک دو بکریوں کی قربانی دے ایک بکری نذر کی اور ایک بکری اس لیے کہ شرع نے ابتدا سے اسے واجب کیا ہے مگر جب وہ یہ مراد لے کہ اس قربانی کی خبر دے جو اس پر واجب ہے تو اس پر صرف ایک قربانی لازم ہو گی۔ اگر ایام نحر سے پہلے ہو تو بغیر کسی اختلاف کے اس پر دو بکریاں لازم ہوں گی۔ کیونکہ صیغہ واجب کی خبر دینے کا احتمال نہیں رکھتا۔ کیونکہ وقت سے پہلے کوئی وجوب نہیں۔ اسی طرح اگر وہ تنگدست ہو پھر نحر کے دنوں میں خوشحال ہو جائے تو اس پر دو بکریاں لازم ہوں گی۔

اس کا مقتضا یہ ہے کہ خوشحال آدمی جب ایام نحر میں نذر مانے اور خبر دینے کا قصد کرے تو حقیقت میں اس کی طرف سے نذر نہ ہو گی۔ اور اس پر بکری کا لزوم شرع کے واجب کرنے سے ہو گا۔ مگر جب وہ مطلق کلام کرے اور خبر دینے کا قصد نہ کرے یا یہ ایام نحر سے پہلے کا وقت ہے یا وہ تنگدست تھا تو وہ ان دنوں میں خوشحال ہو گیا اگرچہ اس پر نذر کی وجہ سے دوسری بکری لازم ہو گی لیکن وہ پہلے واجب نہ تھی بلکہ جو واجب تھی وہ اور تھی تو یہ حقیقت میں نذر ہے اور ہر ایک پر اس واجب کے ساتھ حقیقی نذر نہ پائی گئی جو اس سے قبل واجب تھا پس صورتحال واضح ہو گئی اور اشکال خطا ہو گیا۔ ''کتاب الاضحیہ'' کے آخر میں اس بحث کی مزید تحقیق آئے گی۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ جب اس نے خبر دینے کا قصد کیا تو اس قربانی میں سے اس کے لیے کھانا صحیح ہو گا کیونکہ یہ قربانی نذر سے لازم نہیں ہو گی۔

فرع: اللہ تعالیٰ کے لیے مجھ پر لازم ہے کہ میں بکری کی قربانی دوں اس نے اونٹ یا گائے کی قربانی کی تو یہ جائز ہو گا۔ ''تاتر خانیہ''۔

32622۔ (قولہ: وَلَوْ فَقِيرًا) زیادہ مناسب یہ قول تھا ولو غنیا۔ کیونکہ فقیر کے بارے میں یہ وہم نہیں کیا جاتا کہ معینہ کے ساتھ اس کی نذر صحیح نہ ہو۔ کیونکہ اس پر اس سے پہلے قربانی واجب نہ تھی۔ غنی کا معاملہ مختلف ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہے جب فقیر اسے اس مقصد کے لیے خریدے تو اس بکری کے عین کو صدقہ کرنا نذر کے بغیر لازم ہوتا ہے۔ غنی کا معاملہ مختلف ہے۔ اور او وصیلہ کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کے مابعد کی نقیض حکم میں اولیٰ ہوتی ہے۔ تامل

32623۔ (قولہ: وَلَوْ نَقَصَهَا) یعنی ذبح نے اس میں نقص پیدا کر دیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ذبح کے بعد اس کی قیمت اس کے پہلے سے کم ہو جائے۔ ''تاتر خانیہ''۔

تَصَدَّقَ بِقِيمَةِ النُّقْصَانِ أَيْضًا وَلَا يَأْكُلُ النَّاذِرُ مِنْهَا؛ فَإِنْ أَكَلَ تَصَدَّقَ بِقِيمَةِ مَا أَكَلَ (وَفَقِيرٌ) عُطِفَ عَلَيْهِ (شَرَاهَا لَهَا) لِوُجُوبِهَا عَلَيْهِ بِذَلِكَ حَتَّى يَمْتَنِعَ عَلَيْهِ بَيْعُهَا

تو نقصان کی قیمت کو بھی صدقہ کرے اور نذر ماننے والا اس سے نہ کھائے۔ اگر وہ کھائے تو اس نے جو کھایا ہے اس کی قیمت صدقہ کر دے۔ اور فقیر جس نے قربانی کے لیے اسے خریدا تھا وہ اسے زندہ صدقہ کر دے۔ فقیر کا عطف ناذر پر ہے۔ کیونکہ خریدنے کے ساتھ قربانی اس پر واجب ہوگئی تھی یہاں تک کہ اس پر اس کی بیع کرنا ممتنع ہوگئی تھی

32624۔ (قولہ: بِقِيمَةِ النُّقْصَانِ) مناسب یہ تھا کہ قیمت کا لفظ ساقط کر دیتے یا کہتے: بقدر النقصان۔ کیونکہ یہ فرض کیا گیا ہے کہ نقصان قیمت میں ہے بکری کی ذات میں نہیں ہے۔ تامل

32625۔ (قولہ: وَلَا يَأْكُلُ النَّاذِرُ مِنْهَا) یعنی جس نے حقیقی نذر مانی تھی اس میں سے ناذر نہیں کھائے گا جس طرح تو نے جان لیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ناذر قید نہیں کیونکہ کلام اس کے متعلق ہو رہی ہے جب اس کا وقت گزر جائے اور اس پر وہ بکری صدقہ کرنا واجب ہے اگر وہ زندہ ہو یا اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے۔ اسی وجہ سے اگر وہ ذبح کرے اور اس میں نقص واقع کر دے تو وہ نقصان کا ضامن ہوگا۔ یہ قول فقیر کو شامل ہوگا جب وہ بکری قربانی کے لیے خریدے۔ اس پر وہ قول دلالت کرتا ہے جو ''غایۃ البیان'' میں ہے: جب اس نے معین بکری واجب کی یا اس کو خریدا تاکہ اس کی قربانی دے تو اس کے ذبح کرنے سے قبل ایام نحر گزر گئے تو وہ اسے زندہ صدقہ کر دے اور اس کے گوشت سے نہ کھائے۔ کیونکہ واجب خون بہانے سے صدقہ کرنے کی طرف منتقل ہو چکا ہے۔ وہ واجب نہ کرے اور نہ خریدے جب کہ خوشحال ہو جب کہ ایام گزر چکے ہوں تو اس بکری کی قیمت واجب ہوگی جو قربانی کو کافی ہو۔ اس میں اس پر واضح دلالت موجود ہے جو ہم نے کہا ہے پھر میں نے اسے ''کفایہ'' میں دیکھا انہوں نے اس قول: او فقیر شراھا لھا کے بعد کہا: اگر وہ ذبح کرے تو اس سے نہیں کھائے گا۔ اس کی مزید وضاحت ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

32626۔ (قولہ: عُطِفَ عَلَيْهِ) یعنی فقیر کا عطف تصدق کے فاعل پر ہے۔

32627۔ (قولہ: شَرَاهَا لَهَا) اگر وہ اس کی ملک میں ہو اور وہ یہ نیت کرے کہ وہ اس کی قربانی دے یا وہ اسے خریدے اور خریداری کے وقت قربانی کی نیت نہ کرے۔ پھر اس کے بعد نیت کرے تو واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ نیت شرا کے مقارن نہیں پس اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ ''بدائع''۔

32628۔ (قولہ: لِوُجُوبِهَا عَلَيْهِ بِذَلِكَ) یعنی خریدنے کے ساتھ قربانی اس پر واجب ہوگی۔ یہ ظاہر روایت ہے کیونکہ قربانی کے لیے اس کا خریدنا یہ واجب کرنے کے قائم مقام ہے۔ یہ عرف میں قربانی کی نذر ہے جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔

(وَ) تَصَدَّقَ (بِقِيمَتِهَا غَنِيٌّ شَرَاهَا أَوْلَا) لِتَعَلُّقِهَا بِذِمَّتِهِ بِشِرَائِهَا أَوْلَا، فَالْمُرَادُ بِالْقِيمَةِ قِيمَةُ شَاةٍ تُجْزِي فِيهَا (وَصَحَّ الْجَذَعُ) ذُو سِتَّةِ أَشْهُرٍ

اور غنی اس کی قیمت صدقہ کرے گا اس نے اسے خریدا ہو یا نہ خریدا ہو۔ کیونکہ وہ اس کے ذمہ سے متعلق ہو چکی تھی وہ اسے خریدے یا نہ خریدے۔ قیمت سے مراد بکری کی وہ قیمت ہے جو اس میں کفایت کرتی ہو۔ اور بھیڑ میں سے جذع یعنی چھ ماہ کا دنبہ

''تاتر خانیہ'' میں تعبیر اس قول شراھا لھا ایام النحر کے ساتھ واقع ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ اگر وہ اسے قربانی کے لیے ان دنوں سے پہلے خریدے تو قربانی واجب نہ ہوگی۔ میں نے اسے صریح نہیں دیکھا پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

32629۔ (قولہ: وَ تَصَدَّقَ بِقِيمَتِهَا غَنِيٌّ شَرَاهَا أَوْلَا) ''ہدایہ'' وغیرہ جیسے ''الدرر'' میں اسی طرح ہے۔ شیخ ''شاہین'' نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ قیمت کا صدقہ کرنا یہ اس کے ساتھ مقید ہے کہ جب وہ اسے نہ خریدے مگر جب وہ اسے خریدے تو اسے اختیار ہوگا کہ وہ اس کی قیمت صدقہ کر دے یا اس کو زندہ ہی صدقہ کر دے جس طرح ''زیلعی'' میں ہے۔ ''ابوسعود''۔

میں کہتا ہوں: ''بدائع'' میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ قربانی کے لیے خریدی گئی بکری کو جب وہ قربان نہ کرے یہاں تک کہ وقت گزر جائے تو خوشحال آدمی بعینہا اس کو زندہ صدقہ کر دے جیسے فقیر کرتا ہے۔ ہمارے اصحاب میں اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ، امام ''ابویوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارا قول ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ یہ اس کے موافق ہے جسے ہم نے ابھی پہلے ''غایۃ البیان'' سے نقل کیا ہے۔ ہر ایک کی تعبیر کی بنا پر ظاہر یہ ہے کہ اس کے لیے اس سے کھانا حلال نہیں جب وہ ذبح کرے جس طرح اس کی قیمت میں سے کسی شے کو محبوس کرنا جائز نہیں۔ تامل

32630۔ (قولہ: فَالْمُرَادُ بِالْقِيمَةِ الخ) یہ اس کا بیان ہے جسے مصنف نے مجمل ذکر کیا ہے۔ کیونکہ ان کا قول تصدق بقیمتہا اس میں ظاہر ہے کہ جب وہ اسے خریدے۔ کیونکہ اس کی قیمت معلوم ہے مگر جب وہ اسے نہ خریدے تو پھر اس کا کیا معنی ہے کہ اس کی قیمت صدقہ کرے۔ کیونکہ بکری تو غیر معین ہے تو اس امر کو بیان کیا کہ مراد یہ ہے کہ جب وہ اسے نہ خریدے تو ایسی بکری کی قیمت لازم ہوگی جو قربانی میں کفایت کرتی ہو جس طرح ''الخلاصہ'' وغیرہا میں ہے، ''قہستانی'' نے کہا: یا درمیانی بکری کی قیمت جس طرح ''زاہدی النظم'' وغیرہا میں ہے۔

جزع (چھ ماہ کا دنبہ) کی قربانی کا حکم

32631۔ (قولہ: وَصَحَّ الْجَذَعُ) جذع دو فتحوں کے ساتھ ہے یعنی جیم اور ذال اس کا مفتوح ہے۔ ''قہستانی''۔

32632۔ (قولہ: ذُو سِتَّةِ أَشْهُرٍ) ''ہدایہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''شرح الملتقی'' میں اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ شرع میں اس سے مراد یہ ہے کہ اس پر سال کا اکثر حصہ گزر چکا ہے۔ ''قہستانی'' نے کہا: ''المحیط'' میں اکثر کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ جو آٹھویں مہینہ میں داخل ہو چکا ہو۔ ''خزانہ'' میں ہے کہ جس پر چھ ماہ اور کچھ مزید گزر چکا ہو۔ ''زعفرانی'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد سات ماہ ہے۔ ان سے ایک قول آٹھ ماہ یا نو ماہ ہے اور اس سے جو کم ہوتا ہے اسے حمل کہتے ہیں۔

(مِنَ الضَّأْنِ) إِنْ كَانَ بِحَيْثُ لَوْ خُلِطَ بِالثَّنَايَا لَا يُمْكِنُ التَّمْيِيزُ مِنْ بُعْدٍ (وَ) صَحَّ (الثَّنِيُّ) فَصَاعِدًا مِنَ الثَّلَاثَةِ وَالثَّنِيُّ (هُوَ ابْنُ خَمْسٍ مِنَ الْإِبِلِ، وَحَوْلَيْنِ مِنَ الْبَقَرِ

صحیح ہے اگر ایسا ہو۔ اگر اسے ثنی (جس کے دو دانت نکلے ہوئے ہوں) عمر کے بھیڑ کے بچوں کے ساتھ ملا یا جائے تو تمیز دینا ممکن نہ ہو۔ ثنی (جس کے دو دانت نکل چکے ہوں) اور اس سے زائد عمر کا تینوں قسموں سے صحیح ہے اور اونٹ میں سے ثنی پانچ سال کا، گائے، بھینس میں

میں کہتا ہوں: ''الخانیہ'' میں اس پر اکتفا کیا ہے جو ''الخزانہ'' میں ہے اور شرعاً کے قول کے ساتھ اس کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ لغت میں اسے کہتے ہیں جس کا سال مکمل ہو چکا ہو۔ ''نہایہ''۔

32633۔ (قولہ: مِنَ الضَّأْنِ) ضان اسے کہتے ہیں جس کی الیہ یعنی چکی ہو، ''منح''۔ یہ قید اس لیے لگائی کہ بکری وغیرہ سے جذع جائز نہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں جس طرح ''مبسوط'' میں ہے، ''قہستانی''۔ اور گائے سے جذع ایک سال کا ہوتا ہے اور اونٹ سے جذع چار سال کا ہوتا ہے۔ ''بدائع''۔

32634۔ (قولہ: إِنْ كَانَ الخ) اگر وہ چھوٹے جثہ کا ہو تو جائز نہیں ہوگا مگر اس کا سال مکمل ہو چکا ہو اور دوسرے سال میں قدم رکھ چکا ہو۔ ''اتقانی''۔

32635۔ (قولہ: مِنَ الثَّلَاثَةِ) یعنی آنے والی تینوں قسمیں: وہ اونٹ، گائے ان کی دونوں نوعیں یعنی مذکر اور مونث اور شاۃ کی دونوں نوعیں۔

ثنی کا معنی

32636۔ (قولہ: وَالثَّنِيُّ هُوَ ابْنُ خَمْسٍ الخ) ''المنح'' میں ثنی اور جذع کی عمر میں چار اشعار ہیں جو کسی کے ہیں نظم کے انداز میں ذکر کیا ہے۔ میں نے انہیں دو اشعار میں نظم کیا ہے۔ میں نے کہا:

ذُوالحَولِ مِنْ غَنَمٍ والخمسُ من ابلٍ — واثنين مِنْ بَقَرٍ ذا بالثنی دُعِیَ

والحولُ من بقرٍ والنِصفُ من غَنَمٍ — واربعٌ من بعیر سُمّ بِالجذعِ

بھیڑ بکری میں سے سال والا، اونٹ میں سے پانچ سال والا اور گائے میں سے دو سال والا ثنی کہلاتا ہے۔ گائے میں سے سال والا، بھیڑ میں سے اس کے نصف اور اونٹ میں سے چار سال والا جذع کہلاتا ہے۔

''البدائع'' میں ہے: ان کی عمروں کا اندازہ لگانا اس کے ساتھ جس کا ذکر کیا گیا ہے اس لیے ہے۔ کیونکہ نقصان مانع ہے زیادتی مانع نہیں۔ اگر ایسی عمر والا جانور قربانی کرے جو اس سے کم عمر والا ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ زیادہ عمر والا قربانی دے تو جائز ہوگا یہ افضل ہے۔ حمل (میمنہ) جدی (بکری کا پہلے سال کا بچہ) عجول (گائے کا بچہ) اور فصیل (اونٹ کا بچہ) جائز نہیں۔ کیونکہ شرع کا حکم مذکورہ عمروں کے ساتھ وارد ہوتا ہے۔

وَالْجَامُوسِ، وَحَوْلٌ مِنَ الشَّاةِ، وَالْمَعْزِ وَالْمُتَوَلِّدُ بَيْنَ الْأَهْلِيِّ، وَالْوَحْشِيِّ يَتْبَعُ الْأُمَّ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ فُرُوعٌ الشَّاةُ أَفْضَلُ مِنْ سُبْعِ الْبَقَرَةِ إِذَا اسْتَوَيَا فِي الْقِيمَةِ وَاللَّحْمِ، وَالْكَبْشُ أَفْضَلُ مِنَ النَّعْجَةِ إِذَا اسْتَوَيَا فِيهِمَا، وَالْأُنْثَى مِنَ الْمَعْزِ أَفْضَلُ مِنَ التَّيْسِ إِذَا اسْتَوَيَا قِيمَةً،

سے دوسال کا اور بھیڑ بکری میں سے ایک سال کا ہوتا ہے اہلی اور وحشی سے جنم لینے والا ماں کے تابع ہوگا۔ فروع: بکری گائے کے ساتویں حصہ سے افضل ہے جب وہ قیمت اور گوشت میں برابر ہوں۔ اور مینڈھا بھیڑ سے افضل ہے جب دونوں ان دونوں چیزوں میں برابر ہوں۔ اور بکری میں سے مادہ نر سے افضل ہے جب دونوں قیمت میں برابر ہوں۔

32637۔ (قولہ: وَالْجَامُوسِ) یہ بقرہ کی نوع ہے۔ اسی طرح معز ہے یہ غنم کی نوع میں سے ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ میں اسے گائے کے ساتھ ملایا ہے۔ ''البدائع''۔

32638۔ (قولہ: قَالَهُ الْمُصَنِّفُ) یہ ''ہدایہ'' وغیرہا کی تبع میں ہے۔ ''البدائع'' میں کہا: اگر وحشی بیل اہلی گائے پر جا پڑے تو وہ ایک بچہ جنے تو اس کی قربانی دے گا اس کے برعکس نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ ماں سے منفصل ہوا ہے جب کہ یہ ایسا حیوان ہے جس کی قیمت لگائی جاتی ہے جس سے احکام متعلق ہوتے ہیں اور باپ سے حقیر پانی کا حصہ ہے اس وجہ سے وہ غلامی اور آزادی میں ماں کے تابع ہوگا۔

32639۔ (قولہ: فُرُوعٌ الی قولہ يَنَابِيعُ) یہ بعض نسخوں میں موجود ہے۔

قربانی کے جانوروں کی افضلیت میں ترتیب

32640۔ (قولہ: أَفْضَلُ مِنْ سُبْعِ الْبَقَرَةِ الخ) اسی طرح مکمل گائے کا حکم ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں کہا۔ اور ''العتابیہ'' میں ہے: استاد فرمایا کرتے تھے عظیم موٹی بکری جو قیمت اور گوشت میں گائے کے برابر ہو وہ گائے سے افضل ہے۔ کیونکہ تمام بکری بغیر کسی اختلاف کے فرض واقع ہوئی ہے۔

گائے میں علما نے اختلاف کیا ہے: بعض علماء نے کہا: اس کا ساتواں حصہ فرض ہے اور باقی نفل ہے۔

32641۔ (قولہ: إِذَا اسْتَوَيَا الخ) اگر گائے کا ساتواں حصہ گوشت میں بڑھ کر ہو تو یہ افضل ہوگا۔ اس میں اصل یہ ہے جب وہ دونوں گوشت اور قیمت میں برابر ہوں تو جوان دونوں میں سے گوشت کے اعتبار سے زیادہ پاکیزہ ہوگا وہ افضل ہو گا۔ جب دونوں اس میں مختلف ہوں تو فاضل (زیادہ والا) اولیٰ ہے۔ ''تاتر خانیہ''۔

32642۔ (قولہ: أَفْضَلُ مِنَ النَّعْجَةِ) نعجہ یہ بھیڑ میں سے مؤنث ہے۔ ''قاموس''۔

32643۔ (قولہ: إِذَا اسْتَوَيَا فِيهِمَا) اگر بھیڑ قیمت یا گوشت میں بڑھ کر ہو تو وہ افضل ہوگی، ''ذخیرہ''۔ ''ط''۔

32644۔ (قولہ: وَالْأُنْثَى مِنَ الْمَعْزِ أَفْضَلُ) یہ اس کے مخالف ہے جو ''الخانیہ'' وغیرہا میں ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: ''ابن وہبان'' اس پر گامزن ہوئے ہیں کہ بھیڑ اور بکری میں سے مذکر افضل ہے۔ لیکن اس میں یہ قید ہے کہ جب اس کو خصی کر

وَالْأُنْثَى مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ أَفْضَلُ حَاوِيٌّ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ أَنَّ الْأُنْثَى أَفْضَلُ مِنَ الذَّكَرِ إِذَا اسْتَوَيَا قِيمَةً، وَاللهُ أَعْلَمُ وَلَدَتِ الْأُضْحِيَةُ وَلَدًا قَبْلَ الذَّبْحِ يُذْبَحُ الْوَلَدُ مَعَهَا وَعِنْدَ بَعْضِهِمْ يَتَصَدَّقُ بِهِ بِلَا ذَبْحٍ

اور اونٹ اور گائے میں سے مؤنث افضل ہے، حاوی۔ ''وہبانیہ'' میں ہے: مؤنث مذکر سے افضل ہے جب وہ دونوں قیمت میں برابر ہوں۔ واللہ اعلم۔ قربانی کے جانور نے ذبح سے پہلے بچہ جن دیا تو بچے کو اس کے ساتھ ذبح کیا جائے گا۔ اور بعض علما کے نزدیک ذبح کے بغیر اس کو صدقہ کرے گا۔

دیا گیا ہو۔ علامہ ''ابن عبدالبر'' نے کہا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ نر جب خصی نہ ہو تو افضل نہیں۔

32645۔ (قولہ: وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ) یہ اطلاق کو استوا کے ساتھ مقید کیا ہے یعنی اونٹ اور گائے میں سے مؤنث افضل ہے جب مؤنث اور مذکر برابر ہوں۔ ''تاتر خانیہ'' میں کہا: کیونکہ ان کا گوشت زیادہ پاکیزہ ہے۔ یہ گزشتہ قاعدہ کے موافق ہے۔

32646۔ (قولہ: قَبْلَ الذَّبْحِ) اگر اس کے بطن سے زندہ نکلے تو عام علماء کی یہ رائے ہے کہ بچے کے ساتھ وہ وہی معاملہ کرے گا جو اس کی ماں کے ساتھ کرتا ہے۔ اگر وہ اسے ذبح نہ کرے یہاں تک کہ ایام نحر گزر جائیں تو اس کو زندہ ہی صدقہ کر دے۔ اگر وہ ضائع ہو جائے، اسے ذبح کر دے اور اسے کھا لے تو اس کی قیمت صدقہ کرے گا۔ اگر وہ اس کے پاس باقی ہو اور آنے والے سال کے لیے بطور قربانی ذبح کرے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اور اس پر اس سال کی ایک اور قربانی ہوگی۔ جس سال کی اس نے قربانی دینی ہے اور اس کو بطور مذبوح صدقہ دے دے گا ساتھ ہی ذبح کرنے کی وجہ سے جو اس میں نقص واقع ہوا اس کی قیمت صدقہ کرے گا۔ فتویٰ اس پر ہے۔ ''خانیہ''۔

قربانی کا جانور ذبح سے پہلے بچہ جن دے تو اس کا حکم

32647۔ (قولہ: يُذْبَحُ الْوَلَدُ مَعَهَا) مگر وہ اس سے نہیں کھائے گا بلکہ اس کو صدقہ کر دے گا اگر وہ اس سے کھائے تو اس نے جو کھایا ہے اس کی قیمت صدقہ کر دے گا۔ مستحب یہ ہے کہ صدقہ کر دے۔ ''خانیہ''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ بچہ قربانی کے قائم مقام ہونے کی عمر کو نہیں پہنچا تو قربت صرف اس کے گوشت میں ہوگی اس کے بہانے میں نہیں ہوگی۔ تامل

''البدائع'' میں کہا: اصل میں کہا: اگر وہ اس کو بیچ دے تو اس کی قیمت صدقہ کر دے۔ کیونکہ ماں قربانی کے لیے متعین ہو چکی ہے اور بچہ ماں کی صفات شرعیہ پر پیدا ہوتا ہے۔ مشائخ میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے کہا: یہ حکم اس قربانی کے بارے میں ہے جو نذر سے واجب ہوئی ہو یا اس کے معنی میں ہو جیسے کوئی فقیر قربانی کو خرید لے ورنہ نہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر قربانی دینا جائز ہے تو اسی طرح اس کے بچے کا معاملہ ہوگا۔

32648۔ (قولہ: وَعِنْدَ بَعْضِهِمْ يَتَصَدَّقُ بِهِ بِلَا ذَبْحٍ) ہم پہلے ''الخانیہ'' سے نقل کر چکے ہیں کہ یہ مستحب ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے اگرچہ وہ ایام نحر ہوں۔ ''شرنبلالیہ'' میں ''بدائع'' سے جو مروی ہے اس میں غور وفکر کیجئے۔

ضَلَّتْ أَوْ سُرِقَتْ فَاشْتَرَى أُخْرَى ثُمَّ وَجَدَهَا فَالْأَفْضَلُ ذَبْحُهَا، وَإِنْ ذَبَحَ الْأُولَى جَازَ، وَكَذَا الثَّانِيَةُ لَوْ قِيمَتُهَا كَالْأُولَى أَوْ أَكْثَرَ، وَإِنْ أَقَلَّ ضَمِنَ الزَّائِدَ وَيَتَصَدَّقُ بِهِ بِلَا فَرْقٍ بَيْنَ غَنِيٍّ وَفَقِيرٍ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنْ وَجَبَتْ عَنْ يَسَارٍ فَكَذَا الْجَوَابُ، وَإِنْ عَنْ إِعْسَارٍ ذَبَحَهُمَا يَنَابِيعُ (وَيُضَحِّي بِالْجَمَّاءِ وَالْخَصِيِّ وَالثَّوْلَاءِ) أَيْ الْمَجْنُونَةِ (إِذَا لَمْ يَمْنَعْهَا مِنْ السَّوْمِ وَالرَّعْيِ وَإِنْ مَنَعَهَا لَا) تَجُوزُ التَّضْحِيَةُ بِهَا (وَالْجَرْبَاءِ السَّمِينَةِ)

بکری گم ہوگئی یا اسے چوری کیا گیا اس نے دوسری خریدی پھر اس نے پہلی پالی تو افضل دوسری کو ذبح کرنا ہے اگر پہلی کو ذبح کرے تو یہ جائز ہے۔ اسی طرح دوسری کا حکم ہے۔ اگر اس کی قیمت پہلی کی طرح یا اس سے زیادہ ہو۔ اگر کم ہو تو زائد کا ضامن ہوگا اور غنی اور فقیر میں فرق کیے بغیر اسے صدقہ کردے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: اگر خوشحالی کی وجہ سے واجب ہوئی تھی تو جواب اسی طرح ہوگا اگر تنگدستی سے واجب ہو تو دونوں کو ذبح کرے ''ینابیع''۔ اور وہ قربان کرے ایسے جانور کو جس کے سینگ نہ ہوں، ایسے نر کو جو خصی ہو اور مجنونہ کو جب جنون اسے چرنے چگنے سے مانع نہ ہو اگر اسے اس سے مانع ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں اور ایسا جانور جس کو خارش کا مرض ہو اور موٹا ہو۔

32649۔ (قولہ: ثُمَّ وَجَدَهَا) یعنی گم شدہ یا چوری کی گئی کو پالیتا ہے اس کا معنی ہے وہ اس کے ہاتھ تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ ایام نحر میں پائے۔

32650۔ (قولہ: وَقَالَ بَعْضُهُمْ الخ) ''البدائع'' میں اس پر اکتفا کیا ہے ''سائحانی'' نے کہا: ''شمنی'' نے اسے یقین کے صیغہ کے ساتھ بیان کیا ہے جس طرح شارح اس کا ذکر کریں گے۔ یہ قواعد کے موافق ہے۔ ''بدائع'' میں ہے: اگر اس نے دوسری کو ذبح نہ کیا یہاں تک کہ ایام نحر گزر گئے پھر پہلے کو پایا تو اس پر لازم ہے کہ ان دونوں میں سے جو افضل ہے اس کو صدقہ کرے اور ذبح نہ کرے۔

وہ جانور جن کی قربانی جائز نہیں

32651۔ (قولہ: وَيُضَحِّي بِالْجَمَّاءِ) جماء اس جانور کو کہتے ہیں جس کے پیدائشی سینگ نہ ہوں۔ اسی طرح العظماء ہے جس کا بعض سینگ جا چکا ہو یہ ٹوٹنے کی وجہ سے یا کسی اور کی وجہ سے ہے اگرچہ ٹوٹنا گودے تک پہنچ جائے تو ایسا جانور جائز نہیں ہوگا۔ ''قہستانی''۔

''البدائع'' میں ہے: اگر ٹوٹنا مشاش تک پہنچ جائے تو یہ جائز نہ ہوگا اور مشاش سے مراد ہڈیوں کے سرے ہیں جیسے دونوں گھٹنے اور دونوں کہنیاں۔

32652۔ (قولہ: وَالثَّوْلَاءِ) یہ لفظ ثا کے ساتھ ہے۔ ''قاموس'' میں ہے: الثول حرکت کے ساتھ خاص کر بکری کے اعضاء میں ڈھیلا پن ہے یا جنون کی طرح جو اسے لاحق ہوتا ہے پس وہ ریوڑ کے پیچھے نہیں چلتی اور چراگاہ میں چکر لگاتی رہتی ہے۔

32653۔ (قولہ: وَالرَّعْيِ) یہ عطف تفسیری ہے۔ ''ط''۔

فَلَوْ مَهْزُولَةً لَمْ يَجُزْ، لِأَنَّ الْجَرَبَ فِي اللَّحْمِ نَقْصٌ (لَا) (بِالْعَمْيَاءِ وَالْعَوْرَاءِ وَالْعَجْفَاءِ) الْمَهْزُولَةِ الَّتِي لَا مُخَّ فِي عِظَامِهَا (وَالْعَرْجَاءِ الَّتِي لَا تَمْشِي إِلَى الْمَنْسَكِ) أَيْ الْمَذْبَحِ، وَالْمَرِيضَةِ الْبَيِّنِ مَرَضُهَا (وَمَقْطُوعِ أَكْثَرِ الْأُذُنِ أَوْ الذَّنَبِ أَوْ الْعَيْنِ) أَيْ الَّتِي ذَهَبَ أَكْثَرُ نُورِ عَيْنِهَا

اگر وہ کمزور ہوتو جائز نہیں۔ کیونکہ خارش کا مرض گوشت میں نقص ہے۔ اندھے، کانے اور ایسے کمزور جانور کی قربانی جائز نہیں جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو اور ایسی لنگڑی جو قربانی کی جگہ کی طرف چل کر نہ جائے اور ایسی مریض، جس کا مرض واضح ہو، کی قربانی جائز نہیں۔ جس کے کان، دم یا آنکھ کا اکثر کٹ چکا ہو یعنی آنکھ کا اکثر نور ضائع ہو چکا ہو۔

32654_(قولہ: فَلَوْ مَهْزُولَةً الخ) ''خانیہ'' میں کہا: مجنون اور جسے خارش کا مرض ہو جب دونوں موٹی ہوں تو قربانی جائز ہوگی۔ اگر دونوں کمزور ہوں جن کا مخ نہ ہو تو وہ جائز نہیں جب اس کی ہڈیوں کا مغز جاتا رہے۔ اگر وہ کمزور ہو مگر اس میں کچھ چربی ہو تو یہ جائز ہے یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ اور ان کا قول لا تنقی یہ نقی سے ماخوذ ہے۔ نقی یہ نون کے کسرہ اور قاف کے اسکان کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد مغز ہے یعنی جس کا مغز نہیں ہوتا۔ یہ کمزوری کی شدت کی وجہ سے ہوتا ہے اس پر متنبہ ہو جائیے۔

''قہستانی'' نے کہا: یہ جان لو کہ کوئی بھی تین عیب سے خالی نہیں۔ مستحب یہ ہے کہ وہ ظاہری عیوب سے محفوظ ہو۔ جس نے یہاں اسے جائز قرار دیا ہے اسے کراہت کے ساتھ جائز قرار دیا ہے جس طرح ''مضمرات'' میں ہے۔

32655_(قولہ: الْمَهْزُولَةِ الخ) یہ مراد کی تفسیر ہے کیونکہ عجف کا لفظ جب جیم کی حرکت کے ساتھ ہو تو مراد موٹاپے کا ختم ہو جانا ہے جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔ اصل کمزوری کو یہ کچھ نقصان نہیں دیتا جس طرح اس سے یہ معلوم ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اسی وجہ سے ''موطا'' کی حدیث میں العجفاء کی یہ قید لگائی ہے جس کا مغز نہ ہو(1)۔

32656_(قولہ: وَالْعَرْجَاءِ) یعنی جس کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ اپنی لنگڑی ٹانگ کے ساتھ چل سکے وہ تین پاؤں پر چلتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ چوتھے پاؤں کو زمین پر رکھے اور اس سے مدد لے تو یہ جائز ہوگا۔ ''عنایہ''۔

32657_(قولہ: إِلَى الْمَنْسَكِ) یہ سین کے کسرہ کے ساتھ ہے اور قیاس فتحہ ہے۔

32658_(قولہ: وَمَقْطُوعِ أَكْثَرِ الْأُذُنِ الخ) ''البدائع'' میں ہے: اگر بعض کان یا بعض چکی، بعض ذنب یا بعض آنکھیں جاتی رہیں۔ ''جامع صغیر'' میں یہ ذکر کیا ہے۔ اگر وہ کثیر ہو تو یہ مانع ہوتا ہے اگر تھوڑا ہو تو مانع نہیں ہوتا۔

قلیل اور کثیر میں ہمارے علماء نے اختلاف کیا ہے؟ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے چار روایات مروی ہیں۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاصل'' اور ''الجامع الصغیر'' میں امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ مانع وہ ہے جو ایک تہائی سے زیادہ کٹ جائے۔ ان سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ ایک تہائی کٹ جائے۔ ان سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ ایک چوتھائی کٹ

1۔ سنن نسائی، کتاب الضحایا، باب مانهي عنه من الاضاحي العجفاء، جلد 3 صفحہ 225، حدیث نمبر 4294

فَأَطْلِقَ الْقَطْعُ عَلَى الذَّهَابِ مَجَازًا، وَإِنَّمَا يُعْرَفُ بِتَقْرِيبِ الْعَلَفِ

قطع کا لفظ ذہاب پر بطور مجاز ذکر کیا ہے اس کو اس سے پہچانا جا سکتا ہے کہ چارہ اس کے قریب کیا جائے

جائے۔ اور ایک روایت ان سے یہ مروی ہے کہ کٹنے والا باقی ماندہ سے اقل ہو یا اس کی مثل ہو۔ یہ بالمعنی روایت ہے۔ پہلی ظاہر روایت ہے۔ ''خانیہ'' میں اس کی تصحیح کی ہے کیونکہ کہا: صحیح یہ ہے کہ کٹنے والا حصہ ایک تہائی ہو اور جو اس سے کم ہو وہ قلیل ہے اور جو اس سے زائد ہے وہ کثیر ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ ''مختصر الوقایہ'' اور ''الاصلاح'' میں اسی پر گامزن ہوئے ہیں۔

چوتھا قول ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے۔ ''ہدایہ'' میں کہا: جب نصف سے زیادہ باقی ہو تو یہ اسے کفایت کر جائے گا۔ یہ فقیہ ''ابولیث'' کا اختیار ہے۔

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں نے اپنے قول سے امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کو آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا: قولی هو قولك میرا قول ہی تیرا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی ہے میرا قول تیرے قول کے قریب ہے اور نصف کے مانع ہونے میں دونوں ائمہ سے دو روایات ہیں۔

''بزازیہ'' میں ہے: دونوں کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ نصف کثیر ہے۔ ''غایۃ البیان'' میں ہے: چوتھی روایت کی وجہ جب کہ یہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے اور اسی کی طرف ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے رجوع کیا کہ ہر شے میں سے کثیر اس کا اکثر ہوتا ہے اور نصف میں جانبین سے تعارض ہوتا ہے۔ اور عدم جواز کا قول بطور احتیاط کیا ہے۔ ''بدائع''۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ جو متن میں ہے جیسے ''ہدایہ''، ''کنز'' اور ''ملتقی'' یہ چوتھا قول ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے جس طرح شارح ''مجتبیٰ'' سے اسے ذکر کریں گے۔ گویا علماء نے اسے اختیار کیا ہے۔ کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے سابقہ قول سے جو متبادر معنی سمجھ آتا ہے وہ یہ ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے ظاہر روایت سے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

''بزازیہ'' میں ہے کہ قربانی کے دونوں کانوں میں جو پھٹن ہے اسے جمع کیا جائے گا؟ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: شارح نے باب المسح علی الخفین میں پہلے یہ بیان کیا ہے کہ بطور دونوں کانوں میں جو پھٹن یا سوراخ ہوں ان کو جمع کیا جائے۔

32659_(قولہ: مَجَازًا) یعنی سب یا ملزوم کا ذکر کیا اور ارادہ سبب یا لازم کا لیا۔

32660_(قولہ: وَإِنَّمَا يُعْرَفُ الخ) ''ہدایہ'' میں کہا: آنکھ کے علاوہ میں مقدار کی معرفت آسان ہے۔ آنکھ میں علماء نے کہا: بکری کو ایک یا دو دن چارہ نہ ڈالا جائے پھر وہ آنکھ جس میں عیب ہے اسے باندھا جائے پھر چارہ تھوڑا تھوڑا اس کے قریب کیا جائے جب وہ چارہ کو جس جگہ سے دیکھ لے اس پر نشان لگا لیا جائے پھر صحیح آنکھ کو باندھ دیا جائے اور چارہ کو اسی طرح تھوڑا تھوڑا قریب کیا جائے جب وہ چارہ دیکھ لے تو اس پر نشان لگا لیا جائے پھر دونوں میں جو تفاوت ہے اس کی طرف دیکھا جائے وہ ایک تہائی تک ہو تو نقصان ایک تہائی کا ہے اگر نصف ہو تو نقصان نصف ہے۔

(أَوْ أَكْثَرِ (الْأَلْيَةِ) لِأَنَّ لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ بَقَاءً وَذِهَابًا فَيَكْفِي بَقَاءُ الْأَكْثَرِ، وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى مُجْتَبَى (وَلَا) (بِالْهَتْمَاءِ) الَّتِي لَا أَسْنَانَ لَهَا، وَيَكْفِي بَقَاءُ الْأَكْثَرِ، وَقِيلَ مَا تَعْتَلِفُ بِهِ (وَالسَّكَّاءِ) الَّتِي لَا أُذُنَ لَهَا خِلْقَةً فَلَوْ لَهَا أُذُنٌ صَغِيرَةٌ خِلْقَةً أَجْزَأَتْ زَيْلَعِيٌّ (وَالْجَذَّاءِ) مَقْطُوعَةِ رُءُوسِ ضَرْعِهَا أَوْ يَابِسَتِهَا، وَلَا الْجَدْعَاءِ

یا اس کی اکثر چکی ضائع ہو چکی ہو۔ کیونکہ باقی رہنے اور ضائع ہونے، ختم ہونے میں اکثر کے لیے کل کا حکم ہوتا ہے پس اکثر کا باقی رہنا کافی ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ ''مجتبیٰ''۔ اور ہتماء کی قربانی جائز نہیں اور ہتماء وہ ہوتا ہے جس کے دانت نہ ہوں۔ اور اکثر کا باقی ہونا کافی ہے۔ ایک قول یہ کیا ہے: وہ کافی ہیں جن کے ساتھ وہ چارہ چر سکے۔ اور سکاء کی قربانی جائز نہیں یہ وہ جانور ہوتا ہے جس کا کان پیدائشی طور پر نہ ہوا گر اس کا چھوٹا سا کان خلقۃً ہو تو یہ اسے کفایت کرے گا، ''زیلعی''۔ جذاء کی قربانی جائز نہیں جذاء وہ جانور ہوتا ہے جس کی کھیری کے سرے کٹے ہوئے ہوں یا اس کے سرے خشک ہوں۔ اور جدعاء کی قربانی جائز نہیں

32661۔ (قولہ: الْأَلْيَةِ) یہ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے جیسے سجدہ۔ اس کی جمع الیات اور الایا ہے۔ جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔

32662۔ (قولہ: مَا تَعْتَلِفُ بِهِ) یہ اور اس سے ماقبل دو روایتیں ہیں۔ دونوں کو ''ہدایہ'' میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ اور ''خانیہ'' میں دوسرے قول کو جزم و یقین سے بیان کیا ہے۔ اور اس سے قبل کہا: اور جس کے دانت نہ ہوں وہ چارہ چرتا ہو یا نہ چرتا ہو جائز نہیں۔

32663۔ (قولہ: الَّتِي لَا أُذُنَ لَهَا خِلْقَةً) ''البدائع'' میں کہا: جس کے دونوں کانوں میں سے ایک مکمل کٹا ہوا ہو اور جس کا پیدائشی طور پر ایک کان ہو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

32664۔ (قولہ: فَلَوْ لَهَا أُذُنٌ صَغِيرَةٌ خِلْقَةً أَجْزَأَتْ) اس کو صمعا کو کہتے ہیں یعنی صاد اور عین نقطہ کے بغیر ہیں جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔

32665۔ (قولہ: وَالْجَذَّاءِ الخ) یہ جیم کے ساتھ ہے۔ یہ وہ جانور ہوتا ہے جس کی کھیری خشک ہو جائے۔ حا کے ساتھ ہو تو جس کی کھیری کٹی ہوئی ہو، ''عینی''۔ یہ متعدد نسخوں میں ذال معجمہ کے ساتھ ہے۔ اور ''قاموس'' میں دونوں معنوں میں سے کسی شے کا ذکر نہیں کیا۔ ہاں جذ کا ذکر کیا جو جیم کے ساتھ ہے کلی طور پر قطع کرنا اور حا کے ساتھ دم کا باریک ہونا۔ جداء کا ذکر کیا جو جیم اور دال مہملہ کے ساتھ ہے جس کے پستان چھوٹے ہوں اور کان کٹا ہوا ہو اور دودھ ختم ہو چکا ہو۔ اسی کی مثل ''نہایہ'' ''ابن الاثیر'' میں ہے اور جس کا دودھ ختم ہو چکا ہو اس کا حکم آگے آئے گا۔ ''الظہیریہ'' میں ہے: جدعاء کی قربانی دینے میں کوئی حرج نہیں یہ وہ ہوتی ہے جو صغیرۃ الاطباء ہے۔ اطباء یہ طبی کی جمع ہے طبی کا معنی کھیری ہے۔

32666۔ (قولہ: وَلَا الْجَدْعَاءِ) یہ لفظ جیم، دال اور عین مہملہ کے ساتھ ہے۔ بعض نسخوں میں ذال معجمہ کے ساتھ

مَقْطُوعَةِ الْأَنْفِ، وَلَا الْمُصَرَّمَةِ أَطْبَاؤُهَا وَهِيَ الَّتِي عُولِجَتْ حَتَّى انْقَطَعَ لَبَنُهَا، وَلَا الَّتِي لَا أَلْيَةَ لَهَا خِلْقَةً مُجْتَبَى،

یہ وہ جانور ہوتا ہے جس کا ناک کٹا ہوا ہو اور نہ ہی اس کی قربانی جائز ہے جو مصرم الاطباء ہو یہ وہ ہوتا ہے جس کا علاج کیا گیا یہاں تک کہ اس کا دودھ ختم ہو جائے۔ اور نہ ہی وہ جس کی چکی پیدائشی طور پر نہ ہو۔ ''مجتبیٰ''۔

ہے۔ یہ تحریف ہے۔ بعض نسخوں میں ذال معجمہ کے ساتھ ہے اور اس کے بعد میم ہے۔ شارح کی تفسیر مناسب نہیں اگرچہ معنی صحیح ہے کیونکہ اجذم کا مطلب جس کا اگلا پاؤں کٹا ہوا یا جس کے پورے ختم ہو چکے ہوں، ''قاموس''۔ ''الدرر'' میں اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ جس کا اگلا پاؤں یا پچھلا پاؤں کٹا ہوا یہ جائز نہیں۔

32667۔ (قولہ: وَلَا الْمُصَرَّمَةِ أَطْبَاؤُهَا) مصرمۃ یہ معظمۃ کی طرح ہے۔ یہ صرم سے مشتق ہے۔ جس کا معنی قطع کرنا ہے۔ الاطباء طا مہملہ کے ساتھ ہے۔ یہ طبی کی جمع ہے جو طا کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ ہے۔ یہ کھیری کے تھن ہیں جو ایسے جانور کے ہوتے ہیں جو خف والا، ناخن والا، حافر ہو اور درندہ ہو۔ ''قاموس''۔

ہم نے جو متعدد نسخوں میں دیکھا ہے کہ یہ لفظ ظا معجمہ کے ساتھ ہے تو یہ تحریف ہے۔

32668۔ (قولہ: وَهِيَ الخ) ''زیلعی'' نے اس کی تفسیر اس سے کی ہے جو یہ استطاعت نہ رکھے کہ وہ اپنے بچے کو دودھ پلا سکے۔ یہ معنی کے لازم کی تفسیر ہے۔ کیونکہ ''قاموس'' میں ہے۔ یہ ایسی اونٹنی ہوتی ہے جس کی کھیری کاٹ دی جاتی ہے اس کی وجہ سوارخوں کا خشک ہو جانا ہے۔ پس دودھ نہیں نکلتا کہ اس کی لیے جو تقویت کا باعث ہو۔ بعض اوقات یہ دودھ کے ختم ہو جانے سے ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اس کی کھیری کو کوئی چیز لاحق ہوتی ہے تو اس کا دودھ ختم ہو جاتا ہے۔ ''الخلاصہ'' میں ہے: جس کی کھیری کے سرے کٹے ہوئے ہوں اس کی قربانی جائز نہیں ہوتی۔ اگر ان میں سے ایک، نصف سے کم خراب ہو جائے تو یہ اسی اختلاف پر مبنی ہوگا جس کا ذکر ہم نے آنکھ اور کان میں کیا ہے۔ بھیڑ اور بکری میں جب اس کے دو تھنوں میں سے ایک خلقۃ نہ ہو یا وہ کسی آفت کی وجہ سے ختم ہو جائے اور ایک باقی رہ جائے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اونٹ اور گائے میں اگر ایک تھن ختم ہو جائے تو قربانی جائز ہوگی دو خراب ہو جائیں تو قربانی جائز نہ ہوگی۔ بھیڑ بکری میں سے یہ وہ ہے جس کا دودھ ایک تھن سے ختم ہو جائے اور اونٹ اور گائے میں سے وہ ہے جس کے دونوں تھنوں سے دودھ ختم ہو جائے۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک کے چار تھن ہوتے ہیں۔

32669۔ (قولہ: وَلَا الَّتِي لَا أَلْيَةَ لَهَا خِلْقَةً) بکری کا جب کان پیدائشی طور پر نہ ہو اور نہ ہی دنب ہو۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ایسا نہیں ہوتا اگر ایسا ہو تو یہ جائز نہ ہوگی۔ ''الاصل'' میں امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا ہے کہ یہ جائز ہے۔ ''خانیہ''۔ پھر کہا: اگر اس کی چھوٹی سی چکی ہو جو دنب کی طرح ہوتی ہے یہ پیدائشی طور پر ایسی ہو تو قربانی جائز ہوگی۔ جہاں تک امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے تو یہ امر ظاہر ہے۔ کیونکہ آپ کے نزدیک اگر اس کے اصلاً کان نہ ہوں اور نہ ہی چکی ہو تو یہ

وَلَا بِالْخُنْثَى لِأَنَّ لَحْمَهَا لَا يَنْضَجُ شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٌ، وَتَمَامُهُ فِيهِ (وَ) لَا (الْجَلَّالَةُ) الَّتِي تَأْكُلُ الْعُذْرَةَ وَلَا تَأْكُلُ غَيْرَهَا

اور نہ ہی خنثیٰ کی قربانی جائز ہے کیونکہ اس کا گوشت نہیں پکتا۔''شرح وہبانیہ''۔اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔اور نہ ہی جلالہ کی قربانی جائز ہے جلالہ وہ ہوتا ہے جو گندگی کھاتا ہو اور وہ کوئی اور چیز نہ کھاتا ہو۔

جائز ہوتا ہے۔جہاں تک امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تعلق ہے جس کے دونوں کان چھوٹے ہوں تو ان کی قربانی جائز ہوتی ہے اگر اس کی نہ پیدائشی چکی ہو اور نہ ہی اس کے پیدائشی کان ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں۔

32670۔(قولہ: لِأَنَّ لَحْمَهَا لَا يَنْضَجُ) یہ سمع کے باب سے ہے اس تعلیل کے ساتھ وہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے جو ''ابن وہبان'' نے کیا ہے کہ وہ اس حالت سے خالی نہ ہوگا کہ مذکر ہو یا مونث ہو ہر حالت میں قربانی جائز ہے۔

32671۔(قولہ: وَ لَا الْجَلَّالَةُ الخ) یعنی اسے محبوس کرنے سے قبل اس کی قربانی جائز نہیں۔''الخانیہ'' میں کہا: اگر وہ اونٹ ہو تو اسے چالیس روز تک محبوس رکھا جائے گا یہاں تک کہ اس کا گوشت پاک ہو جائے اور گائے کو بیس روز اور بھیڑ بکری کو دس روز۔

32672۔(قولہ: وَلَا تَأْكُلُ غَيْرَهَا) اس قول نے یہ بیان کیا ہے کہ جب وہ چارہ اور یہ ملا کر کھائے تو قربانی جائز ہوگی۔''ط''۔

تتمہ

وہ نر جس کا ذکر کٹا ہوا ہو اور وہ جماع سے عاجز ہو تو اس کی قربانی جائز ہوتی ہے، جسے کھانسی لگی ہو اس کی قربانی جائز ہوتی ہے، اور جو بچہ جننے سے عاجز ہو کیونکہ وہ بوڑھی ہو چکی ہے اس کی قربانی جائز ہے، اور جو لاچار ہو چکی ہو اس کی قربانی جائز ہے، اور بھیڑ بکری میں جس کی زبان نہ ہو اس کی قربانی جائز ہے،''خلاصہ''۔نہ کہ گائے جس کی زبان نہ ہو کیونکہ وہ چارہ زبان کے ساتھ چرتی ہے اور بھیڑ بکری دانتوں کے ساتھ گھاس چرتی ہے۔جس طرح''قہستانی'' میں''المنیہ'' سے مروی ہے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر زبان سے ایک تہائی سے زیادہ کٹ جائے تو یہ جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہی وہ ہے جو کان اور زبان پر قیاس کرنے کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ اس سے بدرجہ اولیٰ ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اس کے کھانے کا قصد کیا جاتا ہے۔زبان کا کٹنا یہ چرنے میں مخل ہے تامل۔''البدائع'' میں ہے:''شرقاء'' جس کا کان لمبائی کی صورت میں کاٹا گیا ہو۔''خرقاء'' جس کے کان میں سوراخ کیے گئے ہوں۔اور مقابلہ جس کے کان کے اگلے حصے سے کوئی شے کاٹی گئی ہو اور اسے معلق چھوڑ دیا گیا ہو اور مدابرہ بکری میں سے جس کے کان کے آخری حصہ سے اسی طرح کا عمل کیا گیا ہو ان کی قربانی جائز ہے۔اور ان کے متعلق جو نہی وارد ہے وہ استحباب پر محمول ہے خرقاء میں کثیر کی مقدار میں اختلاف ہے جسے ہم نے بیان کیا ہے،''بدائع''۔حولاء کی قربانی جائز ہے۔حولاء وہ ہوتی ہے جس کی آنکھ میں بھینگا پن ہو۔اور مجزوزہ کی

(وَلَوْ اشْتَرَاهَا سَلِيمَةً ثُمَّ تَعَيَّبَتْ بِعَيْبٍ مَانِعٍ) كَمَا مَرَّ (فَعَلَيْهِ إِقَامَةُ غَيْرِهَا مَقَامَهَا إِنْ) كَانَ (غَنِيًّا، وَإِنْ) كَانَ (فَقِيرًا أَجْزَأَهُ ذَلِكَ) وَكَذَا لَوْ كَانَتْ مَعِيبَةً وَقْتَ الشِّرَاءِ لِعَدَمِ وُجُوبِهَا عَلَيْهِ بِخِلَافِ الْغَنِيِّ، وَلَا يَضُرُّ تَعَيُّبُهَا مِنْ اضْطِرَابِهَا عِنْدَ الذَّبْحِ وَكَذَا لَوْ مَاتَتْ فَعَلَى الْغَنِيِّ غَيْرُهَا لَا الْفَقِيرِ

اگر ایک آدمی نے قربانی کا جانور خریدا وہ صحیح وسالم تھا پھر اسے ایسا عیب لگ گیا جو قربانی سے مانع تھا جس طرح گزر چکا ہے تو اس پر کسی اور جانور کو اس کے قائم مقام کرنا واجب ہے اگر وہ غنی ہو۔ اگر وہ فقیر ہو تو یہ اسے کفایت کر جائے گا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ خریداری کے وقت ہی عیب دار ہو۔ کیونکہ فقیر پر قربانی واجب نہیں۔ غنی کا معاملہ مختلف ہے۔ ذبح کے وقت اس کے اضطراب سے اگر جانور کو کوئی عیب لاحق ہو گیا تو یہ نقصان دہ نہیں۔ اسی طرح اگر وہ مر جائے تو غنی پر دوسری قربانی لازم ہو گی فقیر پر لازم نہ ہوگی۔

قربانی جائز ہے جس کی اون کاٹی گئی ہو۔ ''خانیہ''۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہاں جسے جائز قرار دیا گیا ہے اسے کراہت کے ساتھ جائز قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ مستحب کے خلاف ہے۔

32673۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی ان موانع کی طرح جو گزر چکے ہیں۔ ''ط''۔

اگر کوئی صحیح وسالم قربانی کا جانور خریدے پھر اسے عیب لگ جائے تو اس کا حکم

32674۔ (قولہ: وَإِنْ فَقِيرًا أَجْزَأَهُ ذَلِكَ) کیونکہ خریداری کے ساتھ وہ اس کے حق میں متعین ہو چکی ہے یہاں تک کہ اگر اس نے تعین کے بغیر اپنے اوپر قربانی کو واجب کیا تو اس نے صحیح سالم قربانی کا جانور خریدا پھر اس کے ہاں وہ عیب دار ہو گیا تو اس نے اسے قربانی دے دیا تو اس سے واجب ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس پر کامل جانور واجب ہوا تھا جس طرح وہ خوشحال ہو۔ ''زیلعی''۔

32675۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ كَانَتْ مَعِيبَةً وَقْتَ الشِّرَاءِ) یعنی عیب باقی رہا اگر وہ عیب زائل ہو جائے تو غنی کو بھی کفایت کر جائے گی۔ ''الخانیہ'' میں کہا: اگر خریداری کے وقت وہ کمزور ہو تو اس کے بعد وہ موٹی ہو جائے تو یہ جائز ہو جائے گی۔

32676۔ (قولہ: وَلَا يَضُرُّ تَعَيُّبُهَا مِنْ اضْطِرَابِهَا الخ) یعنی اس طرح اگر وہ اس حالت میں عیب دار ہو جائے اور وہ کھسک جائے پھر اسے فوراً پکڑ لیا گیا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر اسے فی الفور کے بعد پکڑا گیا۔ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ مقدمات ذبح سے حاصل ہوا ہے۔ ''زیلعی''۔

32677۔ (قولہ: فَعَلَى الْغَنِيِّ غَيْرُهَا لَا الْفَقِيرِ) اگرچہ مردار کی ہی نذر مانی گئی ہو۔ کیونکہ ''بدائع'' میں ہے: اگر نذر مانی گئی بکری ہلاک ہو گئی یا ضائع ہو گئی تو نذر کے سبب قربانی ساقط ہو جائے گی مگر جب وہ خوشحال ہو تو اس پر دوسری قربانی واجب ہو گی کیونکہ شرح نے اس پر ابتداءً قربانی واجب کی ہے نذر کے ساتھ واجب نہیں کی۔ اگر وہ تنگدست ہو تو اس پر اصلاً کوئی شے واجب نہ ہوگی۔

وَلَوْ ضَلَّتْ أَوْ سُرِقَتْ فَشَرَى أُخْرَى فَظَهَرَتْ فَعَلَى الْغَنِيِّ إِحْدَاهُمَا وَعَلَى الْفَقِيرِ كِلَاهُمَا شُمُنِّيٌّ (وَإِنْ) (مَاتَ أَحَدُ السَّبْعَةِ) الْمُشْتَرِكِينَ فِي الْبَدَنَةِ (وَقَالَ الْوَرَثَةُ اذْبَحُوا عَنْهُ وَعَنْكُمْ) (صَحَّ) عَنْ الْكُلِّ اسْتِحْسَانًا لِقَصْدِ الْقُرْبَةِ مِنْ الْكُلِّ،

اگر وہ گم ہو جائے یا اسے چوری کر لیا جائے تو اس نے ایک اور خرید لی تو وہ ظاہر ہوگئی تو غنی پر ان دونوں میں سے ایک لازم ہو گی اور فقیر پر دونوں لازم ہوں گی، ''شمنی''۔ اگر ان سات افراد میں سے جو بدنہ میں شریک تھے ایک مر گیا اور وارثوں نے کہا: اسے تم اس میت اور اپنی جانب سے ذبح کر دو تو یہ سب کی جانب سے بطور استحسان صحیح ہوگا۔ کیونکہ سب کی جانب سے قربت کا ارادہ ہے

اگر قربانی کا جانور چوری یا گم ہو جائے پھر ایام نحر میں مل جائے تو اس کا حکم

32678۔ (قولہ: وَلَوْ ضَلَّتْ أَوْ سُرِقَتْ الخ) یہ مستدرک ہے اس سے جو فروع میں پہلے بیان کیا ہے جو اکثر نسخوں میں ہے۔

32679۔ (قولہ: فَظَهَرَتْ) یعنی ایام نحر میں پہلا جانور ظاہر ہو گیا، ''زیلعی''۔ ہم اس کا مفہوم ''البدائع'' سے نقل کر چکے ہیں۔

32680۔ (قولہ: فَعَلَى الْغَنِيِّ إِحْدَاهُمَا) یعنی گزشتہ تفصیل کے مطابق اس پر ایک قربانی لازم ہوگی۔ یعنی اگر وہ پہلا جانور قربانی دے دے تو یہ اسے کافی ہو جائے گا اور اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی اگرچہ اس کی قیمت کم ہو۔ اگر وہ دوسرا جانور قربانی دے اور اس کی قیمت کم ہو تو وہ زائد صدقہ کرے۔ ''البدائع'' میں کہا: مگر جب وہ پہلا جانور بھی قربانی دے دے تو صدقہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے اصل اپنے وقت میں ادا کر دیا ہے پس نائب ساقط ہو جائے گا۔

32681۔ (قولہ: شُمُنِّيٌّ) اس کی مثل ''التبیین'' میں ہے۔ اس کی مکمل وضاحت اس میں ہے۔

32682۔ (قولہ: وَقَالَ الْوَرَثَةُ) یعنی وارثوں میں سے جو بڑے ہیں۔ ''نہایہ''۔

32683۔ (قولہ: لِقَصْدِ الْقُرْبَةِ مِنْ الْكُلِّ) یہ استحسان کی وجہ ہے۔ ''البدائع'' میں کہا: کیونکہ موت میت کی جانب سے قربت کے مانع نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے اس کی طرف سے صدقہ کرنا اور حج کرنا جائز ہیں۔ اور یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے قربانی دیئے ان دونوں میں سے ایک اپنی جانب سے اور دوسرا اپنی امت کے ان افراد کی جانب سے جنہوں نے قربانی نہیں دی (1)۔ اگرچہ ان میں سے کچھ ایسے تھے جو ذبح سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر ولایت حاصل تھی، ''اتقانی''۔ ''النہایہ'' میں کہا: اسی تعبیر کی بنا پر جب ان میں سے ایک ام ولد ہو اس کی جانب سے اس کا آقا قربانی دے یا کوئی چھوٹا بچہ ہو اس کی جانب سے اس کا باپ قربانی دے۔

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الضحایا، باب الرجل یضحی عن نفسہ، جلد 9، صفحہ 283,273,266

وَلَوْ ذَبَحُوهَا بِلَا إِذْنِ الْوَرَثَةِ لَمْ يُجْزِهِمْ لِأَنَّ بَعْضَهَا لَمْ يَقَعْ قُرْبَةً (وَإِنْ كَانَ شَرِيكُ السِّتَّةِ نَصْرَانِيًّا أَوْ مُرِيدًا اللَّحْمَ لَمْ يُجْزِ عَنْ وَاحِدٍ) مِنْهُمْ

اگر وہ دوسرے شریک وارثوں کی اجازت کے بغیر اسے ذبح کر دیں تو یہ ان سب کو کفایت نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس کا بعض قربت واقع نہیں ہوگی اگر شریک نصرانی یا گوشت کا ارادہ رکھنے والا ہو تو ان میں سے کسی کی جانب سے بھی جائز نہ ہوگی۔

32684۔(قولہ: لِأَنَّ بَعْضَهَا لَمْ يَقَعْ قُرْبَةً) اسی طرح تمام کی تمام قربانی واقع نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ تقسیم کو قبول نہیں کرتی جس طرح آگے آئے گا۔

فرع: جس نے میت کی جانب سے قربانی دی تو وہ اس میں اس طرح کا عمل کرے جس طرح وہ اپنی قربانی میں کرتا ہے یعنی صدقہ کرنا، کھانا کھانا، اجر میت کے لیے ہوگا اور ملکیت ذابح کی ہوگی۔ ''صدر'' نے کہا: مختار مذہب یہ ہے اگر اس نے یہ قربانی میت کے حکم سے کی ہو تو اس سے نہ کھائے ورنہ کھائے۔ ''بزازیہ''۔ ''النظم'' میں عنقریب اس کو ذکر کریں گے۔

اگر شرکا میں سے کوئی نصرانی یا گوشت کا ارادہ رکھنے والا ہو تو قربانی کا حکم

32685۔(قولہ: وَإِنْ كَانَ شَرِيكُ السِّتَّةِ نَصْرَانِيًّا الخ) اسی طرح کا حکم ہوگا جب وہ غلام ہو یا مدبر ہو وہ قربانی کا ارادہ رکھتا ہو۔ کیونکہ اس کی نیت باطل ہے۔ کیونکہ وہ اس قربت کا اہل نہیں۔ پس اس کا حصہ گوشت ہے تو وہ اصلاً جواز سے مانع ہو گیا۔ ''بدائع''۔

تنبیہ

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ شرط یہ ہے کہ سب کی جانب سے قربت کا قصد ہو۔ اور یہ قول اسے شامل ہے اگر ان میں سے ایک تمام افراد کی جانب سے یا گزرے ہوئے احباب کی جانب سے قربانی کی نیت کرے۔ قربانی اس کی جانب سے جائز ہو جائے گی اور اپنے اصحاب کی نیت باطل ہو جائے گی اور وہ سب نفلی قربانی کرنے والے ہوں گے ان پر اس کا صدقہ کرنا لازم ہوگا۔ اور ایک پر بھی ایسا کرنا لازم ہوگا۔ کیونکہ اس کا حصہ مشترک ہے جس طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس میں سے کھانا جائز نہیں۔ تامل

یہ قول اسے بھی جامع ہے اگر قربت سب پر واجب ہو یا بعض پر واجب ہو اس کی جہات متفق ہوں یا متفق نہ ہوں جیسے قربانی، احصاء کا دم، شکار کی جزا، حلق، متع اور قران کا دم۔ امام ''زفر'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ سب سے مقصود قربت ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنے بچے کے عقیقہ کا ارادہ کیا ہو جو اس سے قبل پیدا ہو چکا ہے کیونکہ یہ بچے کی نعمت پر شکر کی جہت سے ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ذکر کیا ہے اور ولیمہ کا ذکر نہیں کیا۔ یہ چاہیے کہ یہ جائز ہو کیونکہ یہ نعمت نکاح پر اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر کیا جاتا ہے اور اس بارے میں سنت وارد ہے جب اس نے اس سے شکر کا ارادہ کیا یا سنت کے قائم کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے قربت کا ارادہ کیا۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: جہتوں کے مختلف ہونے کی بنا پر

لِأَنَّ الْإِرَاقَةَ لَا تَتَجَزَّأُ هِدَايَةٌ لِمَا مَرَّ فُرُوعٌ وَلَوْ أَنَّ ثَلَاثَةَ نَفَرٍ اشْتَرَى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ شَاةً لِلْأُضْحِيَةِ أَحَدُهُمْ بِعَشَرَةٍ وَالْآخَرُ بِعِشْرِينَ وَالْآخَرُ بِثَلَاثِينَ وَقِيمَةُ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِثْلُ ثَمَنِهَا فَاخْتَلَطَتْ

کیونکہ خون کا بہانا تقسیم اور تجزی کو قبول نہیں کرتا، ''ہدایہ''۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ فروع: اگر تین افراد میں سے ہر ایک نے ایک بکری قربانی کے لیے خریدی ان میں سے ایک نے دس کے عوض، دوسرے نے بیس کے عوض اور تیسرے نے تیس کے عوض اور ان میں سے ہر ایک کی قیمت اس کی ثمن کی مثل ہے وہ آپس میں خلط ملط ہو گئیں

اشتراک مکروہ ہے اور یہ مروی ہے کہ آپ نے کہا: اگر ایک نوع سے ہو تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ ''البدائع''۔

''شرنبلالیہ'' میں عقیقہ کے ساتھ جواز میں اشکال کا ذکر کیا ہے اس کا باعث یہ ہے کہ علماء نے کہا: قربانی کے وجوب نے اس سے قبل جتنے اراقہ دم تھے سب کو منسوخ کر دیا یعنی وہ عقیقہ ہو، رجبیہ ہو اور عتیرہ ہو۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے اشکال کا ذکر کیا ہے کہ آپ نے عقیقہ کے بارے میں فرمایا: جو چاہے ایسا کرے اور جو چاہے ایسا نہ کرے۔ ''جامع'' میں کہا: وہ عقیقہ نہ کرے۔ پہلا قول اباحت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور دوسرا قول کراہت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ لایعق سے مراد ہے کہ وہ سنت سمجھتے ہوئے عقیقہ نہ کرے اس پر دلیل پہلی کلام ہے۔ ''غرر الافکار'' میں یہ ذکر کیا ہے کہ عقیقہ مباح ہے۔ یہ اس قول کی بنا پر ہے جو ''جامع المحبوبی'' میں ہے۔ یا یہ نفل ہے یہ اس قول کی بنا پر ہے جو ''شرح الطحاوی'' میں ہے۔ جو قول گزر چکا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے کہ یہ نفل ہے۔ کیونکہ اگرچہ ہم نے یہ کہا کہ یہ مباح ہے لیکن شکر کا ارادہ کرنے کی وجہ سے یہ قربانی قربت بن گئی ہے۔ کیونکہ نیت عادت کو عبادت اور مباحات کو طاعات بنا دیتی ہے۔

32686۔ (قولہ: لِأَنَّ الْإِرَاقَةَ لَا تَتَجَزَّأُ) شارح کے نسخہ کے حاشیہ میں ان کی تحریر سے یہ پایا گیا اور بعض نسخوں میں سے ساقط ہے۔

32687۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی ان میں سے بعض قربت واقع نہیں ہوئیں۔

32688۔ (قولہ: فُرُوعٌ) انہیں مسئلہ کی دونوں صورتوں کو اور جنہیں اس پر قیاس کیا ہے۔ ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے جمع کیا ہے۔ تامل

اگر چند افراد قربانی کے لیے بکریاں خریدیں جن کی ثمن مختلف ہوں اور وہ خلط ملط ہو جائیں تو اس کا حکم

32689۔ (قولہ: اشْتَرَى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ شَاةً) اور ان میں سے ہر ایک نے اپنی بکری کی قربانی کو واجب کیا، ''تاتر خانیہ''۔ اس سے آنے والے صدقہ کے لازم ہونے کی وجہ ظاہر ہوتی ہے۔

32690۔ (قولہ: وَقِيمَةُ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِثْلُ ثَمَنِهَا) اگر وہ ثمن زائد یا کم ہوئی تو اس کے مطابق وہ صدقہ کرے گا اس

حَتَّى لَا يَعْرِفُ كُلُّ وَاحِدٍ شَاتَهُ بِعَيْنِهَا وَاصْطَلَحُوا عَلَى أَنْ يَأْخُذَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ شَاةً يُضَحِّي أَجْزَأَتْهُمْ، وَيَتَصَدَّقُ صَاحِبُ الثَّلَاثِينَ بِعِشْرِينَ وَصَاحِبُ الْعِشْرِينَ بِعَشَرَةٍ وَلَا يَتَصَدَّقُ صَاحِبُ الْعَشَرَةِ بِشَيْءٍ، وَإِنْ أَذِنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ أَنْ يَذْبَحَهَا عَنْهُ أَجْزَأَتْهُ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ، كَمَا لَوْ ضَحَّى أُضْحِيَّةَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ أَمْرِهِ يَنَابِيعُ (وَيَأْكُلُ مِنْ لَحْمِ الْأُضْحِيَّةِ

یہاں تک کہ ان میں سے کوئی ایک بھی اپنی معین بکری کو نہیں پہچانتا وہ آپس میں صلح کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک ایک بکری لے جسے وہ قربانی دے دے تو یہ انہیں کفایت کر جائے گا۔ تیس والا بیس صدقہ کرے گا بیس والا دس صدقہ کرے گا اور دس والا کسی شی کا صدقہ نہیں کرے گا۔ اگر ان میں سے ہر ایک یہ اجازت دے دے کہ دوسرا اس کی جانب سے ذبح کر دے تو یہ انہیں کفایت کر جائے گا اور اس پر کوئی شے لازم نہ ہو گی جس طرح اگر کوئی آدمی کسی اور کی قربانی کا جانور اس کے امر کے بغیر قربانی دے دے، ''الینابیع''۔ وہ قربانی کا گوشت خود کھائے

میں جو ظاہر ہیں۔ ''ط''۔

32691۔ (قولہ: حَتَّى لَا يَعْرِفُ كُلُّ وَاحِدٍ شَاتَه) اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً وہ سخت تاریکی میں ہیں۔ ورنہ تمیز کا نہ ہونا، جب کہ حالت یہ ہو، یہ بعید ہے جس طرح ''طحطاوی'' نے کہا ہے۔

32692۔ (قولہ: وَيَتَصَدَّقُ صَاحِبُ الثَّلَاثِينَ بِعِشْرِينَ الخ) کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ اس نے وہ بکری ذبح کی ہو جسے دس کے بدلے میں خریدا گیا تھا اسی طرح کا حکم ہے بیس والے کا۔ پس وہ بیس کو صدقہ کرے گا تا کہ ان میں سے ہر ایک اس سے یقینی طور پر بری ہو جائے جس کو اس نے واجب کیا تھا۔ جہاں تک دس والے کا تعلق ہے تو اس نے جس کو بھی ذبح کیا وہ یقینی طور پر بری ہو گیا۔

32693۔ (قولہ: أَجْزَأَتْهُ) کیونکہ ان میں سے جس نے ذبح کیا ہے وہ اپنے ساتھی کی جانب سے وکیل ہو جائے گا۔

32694۔ (قولہ: كَمَا لَوْ ضَحَّى أُضْحِيَّةَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ أَمْرِهِ) ''تاتر خانیہ'' میں ''ینابیع'' سے اس زیادتی کے بغیر مسئلہ ذکر کیا ہے اور لفظ غیر کو ساقط کیے بغیر تشبیہ تامل کے بغیر ظاہر نہیں ہوتی۔

واجب، مستحب اور وہ قربانی جو نذر کی وجہ سے واجب ہو کے گوشت کا حکم

32695۔ (قولہ: وَيَأْكُلُ مِنْ لَحْمِ الْأُضْحِيَّةِ الخ) یہ حکم واجب قربانی اور مستحب قربانی میں برابر ہے جب وہ قربانی نذر سے واجب نہ ہوئی ہو اگر قربانی نذر سے واجب ہوئی ہو تو اس میں سے کوئی شے نہیں کھائے گا اور نہ ہی غنی کو کھلائے گا خواہ نذر ماننے والا غنی ہو یا فقیر ہو۔ کیونکہ اس کی راہ صدقہ کی ہے اور صدقہ کرنے والے کے لیے یہ جائز نہیں اگر وہ اس میں سے کھاتا ہے تو اس نے جو کھایا ہے اس کی قیمت اس پر لازم ہو گی۔ ''زیلعی''۔ سنت اضحیہ سے انہوں نے فقیر کی قربانی لی ہے۔ کیونکہ انہوں نے تصریح کی ہے کہ اس کی جانب سے یہ سنت کے طور پر واقع ہوئی۔ یہ قول انہوں نے ''الکنز'' کے قول و

يُؤْكَلُ غَنِيًّا وَيَدَّخِرُ،
اور غنی کو کھلائے وہ ذخیرہ کرے

یضحی بالجماء سے تھوڑا پہلے کیا ہے۔ لیکن ''النہایہ'' میں جو قول ہے یہ اس کے خلاف ہے کہ اس کی جانب سے نہ سنت واقع ہوئی اور نہ ہی واجب واقع ہوئی بلکہ محض نفلی واقع ہوئی۔ اسی طرح ''البدائع'' میں اس کی تصریح کی ہے کہ یہ نفل ہوگی۔ یہ نفلی قربانی مسافر اور اس سے فقیر کی قربانی ہے جس سے نہ نذر پائی جاتی ہو اور نہ ہی قربانی کے لیے اسے خریدا گیا ہو۔ کیونکہ وجوب کا سبب اور اس کی شرط معدوم ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ سنت سے مراد نفل ہے، تامل۔ پھر اس کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ فقیر پر خریداری کی وجہ سے جو قربانی واجب ہوئی اس میں سے اس کا کھانا جائز ہے۔ ''ابوسعود'' نے یہ ذکر کیا ہے: اس کا قربانی کے لیے اسے خریدنا یہ نذر کے قائم مقام ہے تو اس پر اس کا صدقہ کرنا لازم ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ علت ہے کہ یہ نذر کے قائم مقام ہو جاتی ہے اس کی ان کی کلام میں تصریح کر دی گئی ہے اس سے وہ مستفاد ہوتا ہے جس کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

''تاتر خانیہ'' میں ہے: قاضی ''بدیع الدین'' سے اس فقیر کے بارے میں سوال کیا گیا جب وہ قربانی کے لیے ایک بکری خریدتا ہے کیا اس کے لیے کھانا حلال ہے؟ کہا: ہاں۔ قاضی ''برہان الدین'' نے کہا: حلال نہیں۔ فتامل

پھر یہ جان لو کہ یہ سب اس بارے میں ہے جب وہ اسے ایام نحر میں ذبح کرے۔ اس کی دلیل وہ ہے جسے ہم نے پہلے ''الخانیہ'' سے نقل کیا ہے کہ جب وہ معین بکری کو واجب کرے یا اسے خریدے تا کہ اس کی قربانی دے اور ایام نحر گزر جائیں تو اسے زندہ ہی صدقہ کر دے اور اس میں سے کوئی شے کھائے۔ کیونکہ واجب خون بہانے سے صدقہ کرنے کی طرف منتقل ہو چکا ہے اگر وہ واجب نہ کرے اور نہ ہی خریدے جب کہ وہ خوشحال ہو تو قیمت صدقہ کر دے۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ان کی کلام سے یہ مستفاد ہے کہ غنی کے لیے جائز ہے کہ وہ نذر مانی ہوئی قربانی کے گوشت کو کھائے جب اس کی نذر سے اپنے اوپر واجب قربانی کے بارے میں خبر دے۔ ''زیلعی'' کے کلام میں نذر سے مراد یہاں وہ نذر ہے جو ابتداءً نذر مانے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جس قربانی کا گوشت نہیں کھایا جائے گا وہ وہ ہے جس کی ابتداءً نذر مانی ہوئی ہو اور ایام نحر کے بعد جس کو صدقہ کرنا واجب ہو اور جس میت کی جانب سے اس کے امر سے قربانی کیا ہو۔ یہ مختار مذہب کے مطابق ہے جس طرح ہم پہلے ''بزازیہ'' سے نقل کر چکے ہیں۔

اور فقیر پر جو قربانی خریدنے کی وجہ سے واجب ہوئی یہ گزشتہ دو قولوں میں سے ایک قول کی بنا پر ہے اور جسے قربانی کے جانور نے جن دیا ہو جس طرح ہم ابھی اسے ''خانیہ'' سے نقل کر آئے ہیں۔ یہ سب ایسی ہیں جن کو فقیر پر صدقہ کرنا واجب ہے۔ پس اس تحریر کو غنیمت جانو۔ شارح کی کلام میں بھی اس قبیل سے بعض مسائل آئیں گے۔

32696۔(قولہ: يُؤْكَلُ غَنِيًّا وَيَدَّخِرُ) کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ذخیرہ'' کرنے سے نہی کے بعد فرمایا: کلوا واطعموا

وَنُدِبَ أَنْ لَا يَنْقُصَ التَّصَدُّقُ عَنِ الثُّلُثِ) وَنُدِبَ تَرْكُهُ لِذِى عِيَالٍ تَوْسِعَةً عَلَيْهِمْ (وَأَنْ يَذْبَحَ بِيَدِهِ إِنْ عَلِمَ ذٰلِكَ وَإِلَّا) يَعْلَمْهُ (شَهِدَهَا) بِنَفْسِهِ وَيَأْمُرُ غَيْرَهُ بِالذَّبْحِ كَيْ لَا يَجْعَلَهَا مَيْتَةً (وَكُرِهَ ذَبْحُ الْكِتَابِيِّ)

اور یہ مستحب ہے کہ وہ ایک تہائی سے کم صدقہ نہ کرے۔ اور یہ مستحب ہے کہ وہ اپنے عیال پر وسعت پیدا کرنے کے لیے صدقہ نہ کرے اور اگر وہ خود ذبح کرنا جانتا ہو تو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے۔ اگر وہ خود نہیں جانتا تو خود وہاں حاضر ہو اور دوسرے کو ذبح کا حکم دے تا کہ وہ اسے مردار نہ بنا دے۔ ''کتابی کا قربانی کو ذبح کرنا مکروہ ہے

وادخروا(1)، الحديث رواه الشيخان واحمد۔ کھاؤ کھلاؤ اور ذخیرہ کرو۔

گوشت کی تقسیم کا مستحب طریقہ

32697۔ (قولہ: وَنُدِبَ الخ) ''البدائع'' میں کہا: افضل یہ ہے کہ وہ ایک تہائی صدقہ کرے اور ایک تہائی اپنے قریبیوں اور دوستوں کے لیے ضیافت بنائے اور ایک تہائی ذخیرہ کر لے۔ اور یہ مستحب ہے کہ اس میں سے کھائے۔ اگر تمام گوشت اپنے لیے روک لے تو یہ جائز ہے کیونکہ قربت تو خون بہانے میں ہے اور گوشت صدقہ کرنا یہ نفل ہے۔

32698۔ (قولہ: وَنُدِبَ تَرْكُهُ) یعنی صدقہ کو چھوڑ دینا جو سیاق کلام سے مفہوم ہے۔

32699۔ (قولہ: لِذِى عِيَالٍ) یعنی جو خوشحال نہ ہو۔ ''بدائع''۔

32700۔ (قولہ: شَهِدَهَا بِنَفْسِهِ) کیونکہ امام ''کرخی'' نے ''عمران بن حصین'' کی طرف نسبت کرتے ہوئے روایت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: قومی یا فاطمة فاشهدی اضحیتك فانه یغفر لك باول قطرة من دمها كل ذنب عملته و قولی: ان صلاتی و نسكی و محیای و مماتی لله رب العالمین لا شریك له(2)۔ ''اتقانی''۔ اے فاطمہ اٹھو اپنی قربانی کے پاس حاضر ہو اس کے خون کے پہلے قطرہ کے ساتھ تیرے وہ تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے جو تو نے کیے اور کہو: میری نماز، میری قربانیاں، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

32701۔ (قولہ: كَيْ لَا يَجْعَلَهَا مَيْتَةً) یہ اپنے ہاتھ سے ذبح نہ کرنے کی علت ہے جو ان کے قول شهدها و یامر غیرہ کے قول سے مفہوم ہے۔

اگر قربانی کے جانور کو کتابی یا مجوسی ذبح کرے تو اس کا حکم

32702۔ (قولہ: وَكُرِهَ ذَبْحُ الْكِتَابِيِّ) یعنی کتابی امر کی وجہ سے قربانی کو ذبح کرے تو یہ مکروہ ہوگا۔ کیونکہ یہ قربت ہے اور یہ نہیں چاہیے کہ دین کے امور میں کافر سے مدد طلب کی جائے۔ اگر وہ ذبح کرے تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ وہ ذبح کرنے کا اہل ہے۔ مجوسی کا معاملہ مختلف ہے، ''اتقانی''، ''قہستانی'' وغیرہا۔ ''زیلعی'' وغیرہ کے کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اگر وہ مسلمان کے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاضاحی، باب مایوکل من لحوم الاضاحی، جلد 3، صفحہ 269، حدیث نمبر 5143

2۔ نصب الرایۃ، کتاب الاضحیۃ، جلد 4، صفحہ 514

وَأَمَّا الْمَجُوسِيُّ فَيَحْرُمُ لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ دُرَرٌ (وَيَتَصَدَّقُ بِجِلْدِهَا أَوْ يَعْمَلُ مِنْهُ نَحْوَ غِرْبَالٍ وَجِرَابٍ) وَقِرْبَةٍ وَسُفْرَةٍ وَدَلْوٍ (أَوْ يُبَدِّلُهُ بِمَا يَنْتَفِعُ بِهِ بَاقِيًا) كَمَا مَرَّ (لَا بِمُسْتَهْلَكٍ كَخَلٍّ وَلَحْمٍ وَنَحْوِهِ) كَدَرَاهِمَ (فَإِنْ بِيعَ اللَّحْمُ أَوْ الْجِلْدُ بِهِ) أَيْ بِمُسْتَهْلَكٍ

جہاں تک مجوسی کا تعلق ہے تو اس کا ذبح کرنا حرام ہے۔ کیونکہ وہ اس کا اہل نہیں ''درر''۔ وہ اس کی جلد صدقہ کرے گا یا اس سے چھلنی، تھیلا، مشک، دسترخوان اور ڈول بنالے یا ایسی چیز سے بدل لے جس کے باقی رہتے ہوئے نفع حاصل کرے جس طرح گزر چکا ہے اسے ایسی چیز سے نہ بدلے جو ہلاک ہونے والی ہو جیسے سرکہ گوشت وغیرہ جیسے دراہم۔ کیونکہ گوشت یا چمڑے کو ہلاک ہونے والی چیز سے

کہنے پر قربانی ذبح کرے تو یہ مکروہ نہ ہوگا۔ ''مسکین'' نے اس کی تصریح کی ہے وہ ''کافی'' کے قول سے استدلال کرتے ہیں۔

اگر مسلمان نے کتابی کو حکم دیا کہ وہ اس کی قربانی کو ذبح کرے تو یہ جائز ہوگا اور اس کے امر کے بغیر ذبح کرے تو یہ مکروہ ہوگا۔ لیکن ''ابوسعود'' نے ''حموی'' سے نقل کیا ہے کہ بعض نے یہ ذکر کیا ہے کہ ''کافی'' کی عبارت اس کے خلاف ہے جو ان سے قول نقل کیا گیا ہے۔ ''جوہرہ'' میں ہے: جب وہ اسے مسلمان کے لیے اسکے امر سے ذبح کرے تو یہ اسے کفایت کرے گا اور مکروہ ہوگا۔

32703۔ (قولہ: وَأَمَّا الْمَجُوسِيُّ فَيَحْرُمُ) کیونکہ وہ قربانی کو ذبح کرنے کا اہل نہیں، ''درر''۔ بعض نسخوں میں اسی طرح ہے۔

قربانی کے جانور کی جلد، رسی اور جل وغیرہ کا حکم

32704۔ (قولہ: وَيَتَصَدَّقُ بِجِلْدِهَا) اسی طرح اس کی جلد اور قلادہ ہے۔ کیونکہ جب وہ گائے کی قربانی کو اپنے اوپر واجب کرے تو اس پر واجب ہے کہ اسے جل (کپڑا جو جانور پر ڈالا جاتا ہے) پہنائے اور قلادہ ڈالے۔ جب وہ اسے ذبح کرے تو اس کو صدقہ کردے جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔

32705۔ (قولہ: بِمَا يَنْتَفِعُ بِهِ بَاقِيًا) کیونکہ یہ مبدل کے قائم مقام ہے گویا جلد معنوی طور پر موجود ہے۔ جس کو جان بوجھ کر ہلاک کیا گیا ہو اس کا معاملہ مختلف ہے۔

32706۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی چھوٹے بچے کی قربانی میں گزر چکا ہے۔ بعض نسخوں میں مما مر کے الفاظ ہیں یعنی ان کے قول سے نحو غربال الخ۔

32707۔ (قولہ: فَإِنْ بِيعَ اللَّحْمُ أَوْ الْجِلْدُ بِهِ الخ) اس قول نے یہ بیان کیا ہے کہ اسے یہ حق حاصل نہیں کہ ان دونوں چیزوں کو کسی ہلاک ہونے والی چیز سے بیچ دے۔ اسے چمڑا ایسی چیز سے بیچنے کا حق حاصل ہے جو باقی رہے۔ اور اس کے بدلے میں گوشت بیچنے سے سکوت اختیار کیا ہے۔ کیونکہ اس میں اختلاف ہے۔

''الخلاصہ'' وغیرہا میں ہے: اگر اس نے گوشت بیچنے کا ارادہ کیا تاکہ اس کی ثمن صدقہ کردے تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہو

(أَوْ بِدَرَاهِمَ تَصَدَّقَ بِثَمَنِهِ) وَمُفَادُهُ صِحَّةُ الْبَيْعِ مَعَ الْكَرَاهَةِ، وَعَنْ الثَّانِي بَاطِلٌ لِأَنَّهُ كَالْوَقْفِ مُجْتَبَى (وَلَا يُعْطِي أَجْرَ الْجَزَّارِ مِنْهَا) لِأَنَّهُ كَبَيْعٍ، وَاسْتُفِيدَتْ مِنْ قَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَنْ بَاعَ جِلْدَ أُضْحِيَّتِهِ فَلَا أُضْحِيَّةَ لَهُ هِدَايَةٌ

یا دراہم سے بیچا گیا تو اس کی ثمن کو صدقہ کر دے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ بیع کراہت کے ساتھ صحیح ہوئی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: باطل ہوئی کیونکہ یہ وقف کی طرح ہے۔ ''مجتبیٰ''۔ قصاب کو اس کے گوشت سے اجرت نہیں دے گا کیونکہ یہ بیع کی طرح ہے۔ اور یہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''جس نے اپنی قربانی کی جلد بیچی تو اس کی کوئی قربانی نہیں'' (1) سے مستفاد ہے، ''ہدایہ''۔

گا۔ اسے اس میں صرف یہ حق حاصل ہے کہ کھلائے یا کھائے۔ صحیح قول وہ ہے جو ''ہدایہ'' اور اس کی شروح میں ہے کہ دونوں بیع کے جواز میں برابر ہیں جب ان کی بیع اس چیز سے کی جائے جس کے عین سے نفع حاصل کیا جاتا ہو نہ کہ اس چیز سے جو ہلاک ہونے والی ہو۔ ''الکفایہ'' میں اس کی تائید اس سے کی ہے جو ''ابن سماعہ'' نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے۔ اگر وہ گوشت کے ساتھ کپڑا خریدے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

فروع: ''القنیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے قربانی کے گوشت سے کوئی کھانے والی چیز خرید لی تو اسے کھالیا تو بطور استحسان اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب نہ ہوگا۔ جب اس نے فقیر کو گوشت زکوٰۃ کی نیت سے دیا تو ظاہر روایت کے مطابق اسے زکوٰۃ شمار نہیں کیا جائے گا۔ مگر جب وہ گوشت کسی غنی کو دے پھر وہ زکوٰۃ کی نیت سے فقیر کو دے دے تو اسے شمار کیا جائے گا۔ ''قہستانی''۔

32708۔ (قولہ: تَصَدَّقَ بِثَمَنِهِ) یعنی دراہم صدقہ کر دے یہ اس صورت میں ہے جب دراہم سے اسے بدلا۔

32709۔ (قولہ: وَمُفَادُهُ صِحَّةُ الْبَيْعِ) یہ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، ''بدائع''۔ کیونکہ ملکیت اور سپرد کرنے کی قدرت موجود ہے۔ ''ہدایہ''۔

32710۔ (قولہ: مَعَ الْكَرَاهَةِ) یہ آنے والی حدیث کی وجہ سے ہے۔

32711۔ (قولہ: لِأَنَّهُ كَبَيْعٍ) کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک معاوضہ ہے۔ کیونکہ وہ قصاب کو اس کے عمل کے عوض دے رہا ہے بیع مکروہ ہے۔ اسی طرح وہ مکروہ ہے جو اس کے معنی میں ہے۔ ''کفایہ''۔

32712۔ (قولہ: وَاسْتُفِيدَتْ الخ) بعض نسخوں میں اسی طرح ہے اور ضمیر کراہت کے لیے ہے۔ لیکن صاحب ''ہدایہ'' نے اس حدیث کو کتاب البیوع میں ذکر کیا ہے پھر اپنے قول: لا یعطی اجر الجزار منہا کے بعد کہا: کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے لیے فرمان ہے: تصدق بجلالها و خطامها ولا تعط اجر الجزار منها شیئا (2) ان

1۔ المستدرک للحاکم، تفسیر سورۃ الحج، جلد 2، صفحہ 389،

السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الضحایا، باب لا یبیع من اضحیتہ شیئا، حدیث نمبر 19233

2۔ نصب الرایہ، کتاب الاضحیۃ، جلد 4، صفحہ 514

(وَكُرِهَ) (جَزُّ صُوفِهَا قَبْلَ الذَّبْحِ) لِيَنْتَفِعَ بِهِ، فَإِنْ جَزَّهُ تَصَدَّقَ بِهِ، وَلَا يَرْكَبُهَا وَلَا يَحْمِلُ عَلَيْهَا شَيْئًا وَلَا يُؤَجِّرُهَا فَإِنْ فَعَلَ تَصَدَّقَ بِالْأُجْرَةِ حَاوِي الْفَتَاوَى لِأَنَّهُ الْتَزَمَ إِقَامَةَ الْقُرْبَةِ بِجَمِيعِ أَجْزَائِهَا (بِخِلَافِ مَا بَعْدَهُ) لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ مُجْتَبَى (وَيُكْرَهُ) (الِانْتِفَاعُ بِلَبَنِهَا قَبْلَهُ) كَمَا فِي الصُّوفِ، وَمِنْهُمْ مَنْ أَجَازَهُمَا لِلْغَنِيِّ لِوُجُوبِهِمَا فِي الذِّمَّةِ فَلَا تَتَعَيَّنُ زَيْلَعِيٌّ

اور ذبح سے قبل اس کی اون کاٹنا مکروہ ہے تا کہ اس سے نفع حاصل کرے۔ اگر وہ اس کو کاٹے تو اسے صدقہ کر دے اور اس پر سوار نہ ہو اور نہ اس پر کوئی شے لادے اور نہ ہی اسے اجرت پر دے۔ اگر وہ ایسا کرے تو اجرت کو صدقہ کر دے، ''حاوی الفتاویٰ''۔ کیونکہ قربت کو بجالانا یہ اس کے تمام اجزاء کے ساتھ لازم ہوا ہے۔ مابعد کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ مقصود حاصل ہو چکا ہے، ''مجتبیٰ''۔ اس سے پہلے اس کے دودھ سے انتفاع مکروہ ہے جس طرح اون میں ہے۔ اور علما میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے غنی کے لیے اسے جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ دونوں ذمہ میں واجب ہیں پس یہ متعین نہ ہوں گے، ''زیلعی''۔

کی جلدیں اور ان کی نکیلیں صدقہ کر دو اور جزار کی اجرت کے طور پر اس میں سے کوئی شے نہ دو۔ اس سے نہی بیع سے بھی نہی ہے۔ کیونکہ یہ بیع کے معنی میں ہے۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ دونوں حدیثوں میں مطلوب پر دو مواقع سے دلالت موجود ہے۔

قربانی کے جانور کی اون اور دودھ کا حکم

32713۔(قولہ: فَإِنْ جَزَّهُ تَصَدَّقَ بِهِ الی قولہ حَاوِي الْفَتَاوَى) بعض نسخوں میں یوں پایا جاتا ہے: فان فعل تصدق بالاجرۃ یعنی اس صورت میں اگر وہ اسے اجرت پر دے مگر جب وہ اس پر سوار ہو یا اس پر کوئی شے لادے تو اس میں جو اس نے نقص واقع کیا وہ صدقہ کر دے جس طرح ''الخلاصہ'' میں ہے۔

اور ''المنتقی'' میں ''الظہیریہ'' سے مروی ہے: اس نے چمڑے سے تھیلا بنالیا اور اسے اجرت پر دیا تو اس پر اجرت صدقہ کرنا واجب ہے۔

32714۔(قولہ: لِأَنَّهُ الْتَزَمَ إِقَامَةَ الْقُرْبَةِ بِجَمِيعِ أَجْزَائِهَا) اس میں ہے کہ قربت خون کے بہانے کے ساتھ ادا ہو جاتی ہے۔ پس قربت خون بہانے کے ساتھ ادا ہو جائے گی کسی اور سے ادا نہ ہوگی تو یہ کیسے مکروہ ہے، ''منح''۔ اس کا رد قریب ہی آئے گا۔

32715۔(قولہ: وَيُكْرَهُ الِانْتِفَاعُ بِلَبَنِهَا) اگر قربانی کا وقت ہو تو ٹھنڈے پانی کے ساتھ اس کی کھیری پر چھڑکاؤ کرے ورنہ اس کا دودھ دوھے اور اسے صدقہ کر دے جس طرح ''کفایہ'' میں ہے۔

32716۔(قولہ: لِوُجُوبِهِمَا فِي الذِّمَّةِ فَلَا تَتَعَيَّنُ) جواب یہ ہے کہ قربانی کے لیے خریدا گیا جانور قربت کے لیے متعین ہو جاتا ہے یہاں تک کہ کوئی اور اس کے قائم مقام ہو جائے تو جب تک وہ متعین ہے اس سے نفع حاصل کرنا حلال نہیں اس وجہ سے جب وہ اسے اس کے وقت سے پہلے ذبح کرے تو اس کا گوشت اس کے لیے حلال نہیں ہوگا۔ اور قریب ہی یہ

(وَلَوْ غَلِطَ اثْنَانِ وَذَبَحَ كُلٌّ شَاةَ صَاحِبِهِ) يَعْنِي عَنْ نَفْسِهِ عَلَى مَا دَلَّ عَلَيْهِ قَوْلُهُ غَلِطَ أَوْ لَمْ يَغْلَطَا فَيَكُونُ كُلٌّ وَاحِدٍ وَكِيلًا عَنِ الْآخَرِ دَلَالَةً هِدَايَةٌ قَالَهُ ابْنُ الْكَمَالِ،
اگر دو افراد نے غلطی کی اور ہر ایک نے اپنے ساتھی کی بکری اپنی جانب سے ذبح کر دی جس پر غلط اولم یغلطا کا قول دلالت کرتا ہے۔ پس ہر ایک دوسرے کی جانب سے بطور دلالت کے وکیل ہوگا، ''ہدایہ''۔ یہ ''ابن کمال'' نے قول کیا ہے۔

آئے گا کہ یہ مکروہ ہوگا کہ اسے غیر سے بدل لے۔ پس یہ تعین کا بھی فائدہ دے گی۔ اس سے وہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے جو ''المنح'' سے گزر چکا ہے۔ فتدبر

32717۔ (قولہ: وَلَوْ غَلِطَ اثْنَانِ) ''اتقانی'' نے کہا: ان کا قول غلط شرط ہے۔ کیونکہ ''ابن سماعہ'' کی ''نوادر'' میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اگر وہ جان بوجھ کر ایسا کرے اور کسی آدمی کی قربانی اپنی جانب سے کرے تو وہ قربانی اس کی مالک کی جانب سے جائز نہ ہوگی اور غلطی کی صورت میں اس کے مالک کی جانب سے جائز ہوگی۔ عمد، غلط کے مشابہ نہ ہوگا۔ اگر جان بوجھ کر ذبح کرنے کی صورت میں اس کی قیمت کی ضمانت دی تو وہ قربانی ذابح کی جانب سے جائز ہوگی۔

''الاملاء'' میں ہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر اس نے قربانی کو نحر کے دن اپنے ساتھی کی جانب سے جان بوجھ کر ذبح کیا اور اس کے مالک نے اس کا امر نہ کیا تھا تو یہ بھی بطور استحسان جائز ہوگا۔ کیونکہ اسے ذبح کے لیے تیار کیا گیا تھا۔

اگر کسی نے غلطی سے اپنے ساتھی کی بکری اپنی جانب سے ذبح کر دی تو اس کا حکم

32718۔ (قولہ: وَذَبَحَ كُلٌّ شَاةَ صَاحِبِهِ) یعنی قربانی کی بکری۔ زیادہ بہتر تھا کہ اسے شاۃ الاضحیۃ سے اسے تعبیر کرتے جس طرح ''کنز'' اور ''ہدایہ'' میں ہے تاکہ اس امر کا فائدہ دے کہ اگر وہ قربانی کے لیے نہ ہو تو اس پر اس کی ضمانت ہوگی۔ ''شرنبلالیہ''۔

32719۔ (قولہ: يَعْنِي عَنْ نَفْسِهِ) ''البدائع'' وغیرہا میں اس کی تصریح کی ہے۔ اگر اس نے اپنے ساتھی کی جانب سے نیت کی جب کہ ساتھ ہی اسے یہ گمان تھا کہ یہ اس کی اپنی قربانی ہے تو بھی کیا مالک کی جانب سے واقع ہو جائے گی۔ ظاہر یہ ہے کہ ہاں۔ میں نے اس قول کو نہیں دیکھا پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

32720۔ (قولہ: عَلَى مَا دَلَّ عَلَيْهِ قَوْلُهُ غَلِطَ) کیونکہ یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اس نے یہ گمان کیا کہ یہ اس کی اپنی بکری ہے تو معمول یہ ہے کہ وہ اسے اپنی جانب سے ذبح کرے گا۔

32721۔ (قولہ: أَوْ لَمْ يَغْلَطَا) یہاں سے لے کر عن صاحبہ تک بعض نسخوں میں موجود ہے۔ اور اولم یغلطا یہ سبقت قلم ہے۔ کیونکہ غیر کی کلام میں اس کا کوئی وجود نہیں۔ اور ان کا قول: فیکون کل واحد وکیلا عن الآخر دلالۃ، ''ہدایہ''۔ چاہیے تھا کہ اس کا ذکر صح استحسانا کے بعد کرتے۔

''ہدایہ'' کی عبارت ہے: استحسان کی دلیل یہ ہے کہ یہ ذبح کے لیے متعین ہوگی۔ کیونکہ یہ قربانی کے لیے متعین ہوگئی

وَظَاهِرُ كَلَامِ صَدْرِ الشَّرِيعَةِ وَغَيْرِهِ وُقُوعُهُ عَنْ صَاحِبِهِ (صَحَّ) اسْتِحْسَانًا (بِلَا غُرْمٍ) وَيَتَحَالَّانِ وَلَوْ أَكَلَا وَلَمْ يَعْرِفَا ثُمَّ عَرَفَا هِدَايَةٌ، وَإِنْ تَشَاحَّا ضَمِنَ كُلٌّ لِصَاحِبِهِ قِيمَةَ لَحْمِهِ وَتَصَدَّقَ بِهَا

''صدر الشریعہ'' وغیرہ کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ اس کے ساتھی کی جانب سے ذبح واقع ہوگا۔ بغیر چٹی کے بطور استحسان صحیح ہوگا اور دونوں ایک دوسرے سے حلال ہونے کا مطالبہ کریں گے اگر دونوں نے اسے کھالیا ہو اور نہ پہچانا ہو پھر انہوں نے پہچانا ہو ''ہدایہ''۔ اگر وہ حلال کرانے سے بخل کا اظہار کریں تو ہر ایک اپنے ساتھی کے لیے اس کے گوشت کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اسے صدقہ کرے گا۔

یہاں تک کہ اس پر یہ واجب ہے کہ وہ ایام نحر میں اس کی قربانی دے یعنی اگر قربانی دینے والا فقیر ہو، ''نہایہ''۔ اس کے لیے یہ مکروہ ہے کہ وہ اسے غیر سے بدل دے یعنی جب وہ غنی ہو۔ ''نہایہ''۔ یعنی مالک ہر اس شخص سے مدد طلب کرنے والا ہے جو ذبح کا اہل ہے اسے دلالت کے طور پر اجازت دینے والا ہے۔ ان کا قول ''ہدایہ'' یہ حاصل معنی کو نقل کرنا ہے۔ اور ان کا قول قالہ ''ابن کمال'' اس میں ہے: ''ابن کمال'' نے اسے ''ہدایہ'' سے نقل نہیں کیا۔ شاید قالہ کی ضمیر زائد ہے اور قول کا مقولہ اس کے بعد ہے۔ وہ ان کا یہ قول ہے: و ظاہر کلام صدر الشریعۃ وغیرہ و قوعہ عن صاحبہ۔ لیکن یہ قول وہم دلاتا ہے کہ ''ابن کمال'' نے اسے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے ساتھ ہی اسے حاشیہ پر اپنی ''منہوات'' میں ذکر کیا ہے۔

پھر جسے ذکر کیا گیا ہے یہ ''صدر الشریعہ'' کے کلام کا ظاہر معنی ہے۔ کتب مذاہب میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: امام ''زفر'' کے علاوہ اہل مذہب نے اس پر اجماع کیا ہے کہ یہ قربانی مالک کی جانب سے واقع ہوئی۔ کیونکہ دلالۃً اجازت موجود ہے۔

32722۔ (قولہ: صَحَّ اسْتِحْسَانًا بِلَا غُرْمٍ) یعنی اس کے ساتھی کی جانب سے قربانی واقع ہونا صحیح ہے جس پر قربانی اس کے مالک کی جانب سے واقع ہوئی جس طرح تو جان چکا ہے۔ پس ہر ایک اترے ہوئے چمڑے والی قربانی لے لے گا۔ ہم استحسان کی وجہ پہلے بیان کر چکے ہیں۔ جہاں تک قیاس کا تعلق ہے جو امام ''زفر'' کا قول ہے وہ یہ ہے کہ وہ اس کے لیے اس کی قیمت کی ضمانت دے گا۔ کیونکہ اس نے غیر کی بکری اس کی اجازت کے بغیر ذبح کی ہے۔

32723۔ (قولہ: وَيَتَحَالَّانِ) یعنی اگر دونوں نے گوشت کھالیا پھر دونوں کو علم ہوا تو ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی سے اسے حلال کروائے۔ ''ہدایہ''۔

32724۔ (قولہ: وَإِنْ تَشَاحَّا) اگر حلال کروانے سے بخل سے کام لیں۔

32725۔ (قولہ: وَتَصَدَّقَ بِهَا) کیونکہ یہ قیمت گوشت کا بدل ہے جس طرح وہ اسے بیچ دے۔ کیونکہ قربانی جب اس کے مالک کی جانب سے واقع ہوگئی تو گوشت اس کا ہوگا جس نے غیر کی قربانی کا گوشت تلف کیا تو اس میں حکم اس کا ہوگا جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ ''ہدایہ''۔

قُلْتُ وَفِي أَوَائِلِ الْقَاعِدَةِ الْأُولَى مِنَ الْأَشْبَاهِ لَوْ شَرَاهَا بِنِيَّةِ الْأُضْحِيَّةِ فَذَبَحَهَا غَيْرُهُ بِلَا إِذْنِهِ، فَإِنْ أَخَذَهَا مَذْبُوحَةً وَلَمْ يُضَمِّنْهُ أَجْزَأَتْهُ، وَإِنْ ضَمَّنَهُ لَا تُجْزِئُهُ، وَهَذَا إِذَا ذَبَحَهَا عَنْ نَفْسِهِ أَمَّا إِذَا ذَبَحَهَا عَنْ مَالِكِهَا فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ اهـ فَرَاجِعْهُ

میں کہتا ہوں: ''الاشباہ'' کے پہلے قاعدہ کے اوائل میں ہے: اگر اس نے قربانی کی نیت سے اسے خریدا اور غیر نے اس کی اجازت کے بغیر اسے ذبح کر دیا اگر اسے ذبح شدہ لے اور اس سے ضمانت نہ لے تو یہ اسے کافی ہو جائے گی۔ اگر ذابح سے ضمانت لے تو یہ اسے کافی نہ ہوگی۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ اسے اپنی جانب سے ذبح کرے مگر جب وہ اسے اس کے مالک کی جانب سے ذبح کرے تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی پس اس کی طرف رجوع کیجئے

ایک چیز باقی رہ گئی ہے کہ مصنف کا سابقہ قول بلا غرم اسی طرح ''ہدایہ'' کا قول: ولا ضمان علیهما اور علماء کا قول لانه صار ذابحا لاذن دلالة اس امر کا فائدہ دیتا ہے اگر ہر ایک اپنے ساتھی کو اس کی قیمت کی ضمانت دینا چاہے تو اسے یہ حق حاصل نہیں۔

''البدائع'' میں وہ قول ہے جو اس کے مخالف ہے کیونکہ کہا: اگر دونوں بخل سے کام لیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کو اس کی قیمت کی ضمانت اپنی جانب سے دے دے تو قربانی اس کی واقع ہوگی اور اس کی طرف سے جائز ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ ضمانت دینے کے ساتھ اس کا مالک بن چکا ہے۔ پس اس تعبیر کی بنا پر ان دونوں میں سے ہر ایک کو خیار ہوگا کہ وہ اپنے ساتھی کو ضمانت دے تو ہر ایک کا ذبیح اس کی جانب سے قربانی ہوگی یا ضمانت نہ دے تو ہر ایک کا ذبیحہ اس کے ساتھی کی جانب سے قربانی ہوگا۔ اور ان کے قول بلا غرم کو اس پر محمول کیا جائے گا جب ہر ایک دوسرے کے فعل سے راضی ہو۔ تامل

32726۔ (قولہ: قُلْتُ الخ) جب سابقہ مسئلہ اس بارے میں تھا جب ذابح غلطی کرے اور اپنی جانب سے ذبح کرے تو انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ یہ بیان کر دیں جب وہ جان بوجھ کر صریح امر کے بغیر قربانی ذبح کرے تو اس نے اپنی جانب سے جانور کو ذبح کیا یا اپنے مالک کی جانب سے اسے ذبح کیا ہم اسے ''الاتقانی'' سے ملخص دونوں میں ذکر کر چکے ہیں۔

32727۔ (قولہ: أَجْزَأَتْهُ) یعنی یہ خریدنے والے کو قربانی کی جانب سے کفایت کر جائے گی۔ کیونکہ اس نے نیت کی تو کسی اور کا اسے ذبح کرنا اسے کچھ نقصان نہیں دے گا جیسے ہم نے اسے بیان کر دیا ہے۔ ''زیلعی''۔

32728۔ (قولہ: وَإِنْ ضَمَّنَهُ الخ) خریدنے والا اس سے اس کی قیمت کی ضمانت لے تو یہ خریدار کو کفایت نہ کرے گی اور ذابح کی جانب سے قربانی کے طور پر جائز ہوگی۔ کیونکہ یہ امر ظاہر ہو چکا ہے کہ خون بہانا اس کی ملکیت پر حاصل ہوا ہے۔ ''زیلعی''۔

32729۔ (قولہ: وَهَذَا) یعنی مالک کی جانب سے قربانی واقع ہوگی اگر ذابح سے وہ ضمانت نہ لے۔ اگر وہ مالک ضمانت لے تو یہ مالک کی جانب سے قربانی واقع نہ ہوگی۔ بلکہ ذابح کی جانب سے واقع ہوگی۔

32730۔ (قولہ: أَمَّا إِذَا ذَبَحَهَا الخ) ''شرنبلالیہ'' میں ''منیۃ المفتی'' سے مروی ہے: جب اس نے غیر کی قربانی اس

(كَمَا) يَصِحُّ (لَوْ ضَحَّى بِشَاةِ الْغَصْبِ) إنْ ضَمَّنَهُ قِيمَتَهَا حَيَّةً؛ كَمَا إذَا بَاعَهَا وَكَذَا لَوْ أَتْلَفَهَا ضَمِنَ لِصَاحِبِهَا قِيمَتَهَا هِدَايَةٌ

جس طرح یہ صحیح ہے اگر وہ غصب شدہ بکری قربانی دے اگر وہ ذابح سے زندہ بکری کی قیمت ضمانت کے طور پر لے جس طرح جب اسے بیچ دے اسی طرح اگر وہ اسے تلف کر دے تو وہ اس کے مالک کے لیے اس کی قیمت کا ضامن ہوگا ''ہدایہ''۔

کے مالک کی نیت کرتے ہوئے اس کے امر کے بغیر ذبح کی تو یہ جائز ہوگا اور اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی یہ استحسان ہے۔ کیونکہ دلالۃ اذن پایا جا رہا ہے جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں کہا: ''الاصل'' میں مسئلہ کو مطلقاً ذکر کیا ہے اور ''الاجناس'' میں اسے مقید ذکر کیا ہے کہ جب اس کا مالک اسے قربانی کے لیے پہلو کے بل لٹائے۔ ''العنایہ'' میں ہے: پہلا ہی مختار ہے یعنی جب خریدے تو اس وقت کی نیت پر اکتفا کیا جائے گا۔ پس یہ قربانی کے لیے متعین ہو گئی جس طرح ہم اسے ایک صفحہ پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر وہ غیر معین ہو تو قربانی میں یہ اسے کفایت نہ کرے گی اور وہ ضامن ہوگا۔

''الخانیہ'' میں کہا: اس نے قربانی کے دنوں میں پانچ بکریاں خریدیں اس نے یہ ارادہ کیا کہ ان میں سے ایک قربانی دے گا مگر اس نے ایک بکری معین نہ کی تو ایک آدمی قربانی کے دن اس کے مالک کی نیت سے اس کے حکم کے بغیر ذبح کر دی تو ذابح ضامن ہوگا۔

اس محل میں جو امر واضح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر وہ غلط ہو اور وہ غیر کی قربانی اپنی جانب سے ذبح کر دے تو مالک کو اختیار ہوگا اگر اس سے ضمانت لے تو وہ قربانی ذابح کی طرف سے واقع ہو جائے گی ورنہ مالک کی جانب سے واقع ہوگی جیسے ہم پہلے ''البدائع'' سے نقل کر چکے ہیں۔ اسی طرح اگر وہ جان بوجھ کر یہ عمل کرے اور اسے اپنی جانب سے ذبح کرے اور اس پر ضمانت لازم ہو تو دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ اس میں غور و فکر کرو ساتھ ہی اس میں جو ہم نے پہلے ''الاتقانی'' سے نقل کیا ہے کہ عمد غلط کے مشابہ نہیں مگر جب وہ اسے مالک کی جانب سے ذبح کرے تو وہ قربانی مالک کی جانب سے واقع ہوگی تو کیا تب بھی اسے خیار ہوگا؟ میں نے اس بارے میں قول نہیں دیکھا ظاہر یہ ہے کہ ہاں ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم

32731۔(قولہ: كَمَا يَصِحُّ) یعنی ذابح کی جانب سے صحیح ہے۔

اگر کوئی مغصوبہ بکری قربانی دے تو اس کا حکم

32732۔(قولہ: إنْ ضَمَّنَهُ قِيمَتَهَا حَيَّةً الخ) صحیح نسخوں میں اسی طرح ہے۔ بعض نسخوں میں ایسی زیادتی ہے جس کو ساقط کرنا واجب ہے۔ کیونکہ یہاں اس قول کی: کما اذا باعھا کے سوا کوئی معنی نہیں کیونکہ بیع صحیح ہوگی جب مالک اس سے ضمانت لے لے۔ کیونکہ ملکیت استناد کے طریقہ پر واقع ہوتی ہے۔ اور اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے کہ وہ اسے ذبح شدہ حالت میں لے لے۔ ''البدائع'' میں کہا: اس نے ایک بکری غصب کی اور اسے اپنی جانب سے قربانی کے طور پر دے دیا تو یہ اسے کفایت نہیں کرے گی۔ کیونکہ ملکیت نہیں اور نہ ہی اس کے مالک کی جانب سے قربانی ہوگی۔ کیونکہ اذن موجود نہیں۔

لِظُهُورِ أَنَّهُ مَلَكَهَا بِالضَّمَانِ مِنْ وَقْتِ الْغَصْبِ (لَا الْوَدِيعَةِ وَإِنْ ضَمِنَهَا) لِأَنَّ سَبَبَ ضَمَانِهِ هُنَا بِالذَّبْحِ وَالْمِلْكُ يَثْبُتُ بَعْدَ تَمَامِ السَّبَبِ وَهُوَ الذَّبْحُ فَيَقَعُ فِي غَيْرِ مِلْكِهِ قُلْتُ وَيَظْهَرُ

کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ وہ غصب کے وقت سے ضمان کے ساتھ اس کا مالک ہوا ہے۔ ودیعت کی بکری ذبح کی صورت میں قربانی صحیح نہ ہوگی اگرچہ وہ اسے قیمت کی ضمانت دے۔ کیونکہ یہاں ضمانت ذبح کرنے کے سبب سے ہے اور ملکیت سبب کے مکمل ہونے کے بعد ثابت ہوتی ہے وہ ذبح ہے پس ذبح غیر کی ملکیت میں واقع ہوئی۔ میں کہتا ہوں: یہ امر ظاہر ہوتا ہے

پھر اگر اس نے ذبح شدہ لے لیا اور نقصان کی ضمانت لے لی تو بھی دونوں کی جانب سے جائز نہ ہوگی۔ اور ہر ایک پر یہ لازم ہو گا کہ وہ ایک اور قربانی دے اگر اس کی ضمانت زندہ حالت کی لے تو پھر یہ ذابح کی جانب سے کفایت کر جائے گی۔ کیونکہ وہ غصب کے وقت سے بطریق استناد ضمان کے ساتھ اس کا مالک ہو گیا ہے۔ پس وہ اس بکری کو ذبح کرنے والا ہو گیا جو اس کی ملکیت ہے۔ پس یہ اسے کفایت کر جائے گی لیکن وہ گناہگار رہو گا۔ کیونکہ اس کے فعل کا آغاز ممنوع حالت میں ہوا ہے پس اس پر توبہ و استغفار لازم ہوگا۔

میں کہتا ہوں: یہ اس قول کے مشابہ نہیں جو ''الاشباہ'' اور ''الزیلعی'' میں گزرا ہے کہ اگر وہ اس سے ضمانت لے لے تو یہ قربانی ذابح کی جانب سے واقع ہوگی ورنہ مالک کی جانب سے واقع ہوگی۔ کیونکہ یہ حکم اس صورت میں ہوگا جب اس کے مالک نے اسے قربانی کے لیے تیار کیا ہو۔ پس ذابح کو دلالۃً اجازت دی گئی جس طرح اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ جب کہ یہ اس کے علاوہ میں ہے۔ اسی وجہ سے یہاں انہوں نے غصب کی بکری سے تعبیر کیا ہے اسے اضحیۃ الغیر سے تعبیر نہیں کیا۔ فافہم

32733۔ (قولہ: لِظُهُورِ الخ) یہ اس امر کی علت ہے کہ صحیح ہونے کی قید ضمان سے لگائی گئی ہے۔ ''قہستانی'' میں ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ جائز ہوگا جب وہ ضمان کو ایام نحر میں ادا کرے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''زفر'' سے مروی ہے کہ یہ صحیح نہیں۔

ودیعت اور عاریۃً لیے ہوئے جانور کی قربانی کا حکم

32734۔ (قولہ: فَيَقَعُ فِي غَيْرِ مِلْكِهِ) غصب کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں ملک استناد کی بنا پر ہے جس طرح گزر چکا ہے ''صدر الشریعہ'' کی یہاں بحث ہے جو اس کے جواب کے ساتھ ''المنح'' میں مذکور ہے۔

32735۔ (قولہ: وَيَظْهَرُ الخ) ''شرنبلالیہ'' میں کہا، ودیعت سے مراد یہ ایسی بکری ہے جو امانت ہو جس طرح ''الفیض'' میں ''الزندویستی'' سے مروی ہے، ''ح''۔ ''البدائع'' میں ہے: ہر وہ جواب جو ودیعت میں تو پہچان چکا ہے وہ العاریہ اور الاجارہ میں جواب ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے ایک اونٹنی، بیل یا اونٹ عاریۃ لیا یا اسے اجرت پر لیا تو اسے قربانی دے دیا یہ قربانی کی طرف سے اسے کفایت نہیں کرے گا خواہ مالک اسے لے لے یا اس کی قیمت کی ضمانت لے۔ کیونکہ یہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے۔ بے شک وہ ذبح کرنے کے ساتھ اس کی ضمانت دے گا تو وہ ودیعت کی طرح ہو

أَنَّ الْعَارِيَةَ كَالْوَدِيعَةِ وَالْمَرْهُونَةَ كَالْمَغْصُوبَةِ لِكَوْنِهَا مَضْمُونَةً بِالدَّيْنِ، وَكَذَا الْمُشْتَرَكَةُ فَلْيُرَاجَعْ فُرُوعٌ لَوْنُ أُضْحِيَّتِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ سَوْدَاءُ
کہ عاریۃ ودیعت کی طرح ہے اور مرہونہ مغصوبہ کی طرح ہے کیونکہ وہ دین کے بدلے میں مضمون ہوتی ہے۔ اسی طرح مشترکہ ہوتی ہے۔ فلیراجع۔ فروع: آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کا رنگ سیاہ تھا۔

جائے گا۔ ''الخلاصہ''، ''بزازیہ'' اور ''قہستانی'' میں ''النظم'' سے یہ زائد ذکر کیا ہے: مستبضع، مرتہن، بکری کی خریداری کرنے کا وکیل اور مال کی حفاظت کا وکیل جب وہ اپنے موکل کی بکری قربانی دے دے اور میاں یا بیوی اپنے ساتھی کی بکری اجازت کے بغیر قربانی دے دے۔

32736۔ (قولہ: وَالْمَرْهُونَةَ كَالْمَغْصُوبَةِ) یہ اس کے مخالف ہے جو ''الظہیریہ'' میں ہے کہ یہ ودیعت کی طرح ہے اسی طرح ہم پہلے ''الخلاصہ'' وغیرہ سے نقل کر چکے ہیں۔ لیکن ''تاتر خانیہ'' میں ''صیرفیہ'' سے مروی ہے: جب مرتہن مرہونہ بکری کی قربانی دے دے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ قاضی ''جمال الدین'' نے کہا: یہ جائز ہے اگر راہن اس کی قربانی دے دے تو یہ جائز ہے۔ ''خانیہ''۔

''البدائع'' میں ہے: اگر وہ رہن ہو تو چاہیے کہ قربانی جائز ہو جائے کیونکہ یہ قبضہ کے وقت سے اس کی ملکیت ہو جاتی ہے جس طرح غصب میں ہوتا ہے بلکہ اس سے بدرجہ اولی اس کی ملکیت حاصل ہو جاتی ہے۔ مشائخ سے اس بارے میں تفصیل مروی ہے۔ کہا: اگر رہن کے برابر ہو تو یہ جائز ہے اگر دین سے زائد ہو تو چاہیے کہ یہ جائز نہ ہو۔ کیونکہ اس میں سے بعض کی ضمانت لازم ہے اور بعض امانت ہے۔ امانت کے مقدار میں وہ ذبح کی وجہ سے ضمانت دے گا۔ پس یہ ودیعت کے قائم مقام ہوگی۔

32737۔ (قولہ: وَكَذَا الْمُشْتَرَكَةُ) یعنی یہ امانت ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اس کے شریک کا حصہ اس کے قبضہ میں امانت ہو'' ح''۔ یعنی یہ قربانی کو کفایت نہ کرے گی جس طرح ودیعت ہے۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ مراد ایک مشترک بکری ہے۔ دو بکریاں جو دو افراد میں مشترک ہوں دونوں ان دونوں کو قربانی دے دیں تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ یہ جائز ہے جس طرح عنقریب اس کو ذکر کریں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کا رنگ

32738۔ (قولہ: لَوْنُ أُضْحِيَّتِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ سَوْدَاءُ) اس میں عین کو عرض پر محمول کیا ہے۔ ''طحطاوی'' نے جواب دیا ہے کہ سوداء کا لفظ مونث ذکر کیا یہ لون اضحیتہ میں لون کے مضاف الیہ کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ جو ذکر کیا ہے کہ قربانی کا رنگ سیاہ تھا یہ اس پر مبنی ہے جو ''ابن شحنہ'' نے ''ابن وہبان'' کی کلام سے سمجھا ہے۔ جو کلام ان کی شرح میں ہے جس میں تحریف واقع ہوئی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اس کا رنگ سفید تھا جس طرح اس پر ''شرنبلالی'' نے آگاہ کیا۔ ہم عنقریب ان کا کلام نظم کے ہاں ذکر کریں گے۔ اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جو ''ہدایہ'' میں ہے: یہ صحیح و ثابت

نَذَرَ عَشْرَ أُضْحِيَاتٍ لَزِمَهُ ثِنْتَانِ لِمَجِيءِ الْأَثَرِ بِهَا خَانِيَّةٌ، وَالْأَصَحُّ وُجُوبُ الْكُلِّ لِإِيجَابِهِ مَا لِلَّهِ مِنْ جِنْسِهِ إِيجَابٌ شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ

ایک آدمی نے دس قربانیوں کی نذر مانی تو اس پر دو قربانیاں لازم ہوں گی کیونکہ اس بارے میں اثر آیا ہے،''خانیہ''۔ اصح قول یہ ہے کہ سب واجب ہوں گی کیونکہ اس نے جسے اللہ تعالیٰ کیلئے واجب کیا ہے اس کی جنس میں سے واجب ہے،''شرح وہبانیہ''۔

ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھوں کی قربانی دی جو سرمگین رنگ کے تھے اور جن کو خصی کیا گیا تھا (1)۔ وجاء کا لفظ فعال کے وزن پر ہے یہ خصاء کی نوع ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

املح میں اختلاف کیا گیا ہے''ابو سعود'' میں''فتح الباری'' جو''ابن حجر'' کی تالیف ہے سے منقول ہے: یہ وہ ہوتا ہے جس کی سفیدی اس کی سیاہی سے زیادہ ہو۔ اسے اغبر کہا جاتا ہے۔ یہ امام''اصمعی'' کا قول ہے۔''خطابی'' نے زائد کہا ہے: یہ وہ ہوتا ہے جس کی اون کے درمیان سیاہ تہیں ہوں۔ ایک قول کیا جاتا ہے: خالص سفید کو املح کہتے ہیں۔ یہ''ابن اعرابی'' نے کہا ہے۔ شافعیہ نے قربانی میں سفید رنگت کو اسی وجہ سے فضیلت دی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس پر سرخی غالب ہو۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: جو سیاہی میں دیکھتا ہو، سیاہی میں کھاتا ہو، سیاہی میں چلتا ہو اور سیاہی میں بیٹھتا ہو۔ یعنی اس جانور کے یہ مقامات آنکھ، منہ، پاؤں اور پیٹ یعنی اس کی یہ جگہیں سیاہ ہوں اور باقی ماندہ سفید ہو۔

میں کہتا ہوں:''البدائع'' میں ہے: بھیڑوں میں سے سب سے افضل ایسا مینڈھا جو سفید ہو سینگوں والا ہو اور جس کو خصی کیا گیا ہو۔ اقرن: جس کے سینگ بڑے ہوں۔ املح سے مراد سفید ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ مراد خالص سفید ہے۔ پس یہ شافعیہ کے قول کے موافق ہے۔''العنایہ'' اور''الکفایہ'' میں اس کی تفسیر اس سفید سے کی ہے جس میں سیاہ بال ہوں۔ ''قاموس'' میں یہ اسی طرح ہے۔''البدائع'' میں جو قول ہے اسے اس پر محمول کرنا ممکن ہے۔

اگر کوئی دس قربانیوں کی نذر مانے تو اس کا حکم

32739۔ (قولہ: لَزِمَهُ ثِنْتَانِ)''خانیہ'' کی عبارت ہے۔ علما نے کہا: لزمہ ثنتان۔

32740۔ (قولہ: لِمَجِيءِ الْأَثَرِ بِهَا) جو''الخانیہ'' وغیرہا میں ہے وہ ثا کے ساتھ ہے بعض نسخوں میں اسی طرح ہے۔ اس سے مراد وہ ہے جو روایت کیا گیا ہے: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضحی بکبیشن املحین (2)''شرنبلالی'' نے اپنی شرح میں کہا: بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ ان میں سے ایک آپ اور آپ کی آل کی جانب سے اور دوسرا آپ کی امت کی جانب سے ہے تو کسی بھی شخص پر دو کو سنت قرار نہیں دیا جائے گا۔

32741۔ (قولہ: وَالْأَصَحُّ وُجُوبُ الْكُلِّ)''الظہیریہ'' میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، با ما یستحب من الضحایا، جلد 2، صفحہ 323، حدیث نمبر 2411

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب ما یستحب من الضحایا، جلد 2، صفحہ 323، حدیث نمبر 2412

....

''تاتر خانیہ'' میں ''صدر الشہید'' سے نقل کیا ہے کہ یہی ظاہر ہے اور عنقریب ''النظم'' میں آئے گا: پس اس پر لازم ہوگا کہ وہ ایام نحر میں اس کو قربانی دے اور ان دنوں کے بعد وہ ان کو زندہ صدقہ کردے اگر وہ معین ہوں جس طرح یہ اس سے اخذ کیا جا سکتا ہے جو متن میں گزرا ہے۔

''شرنبلالی'' نے اپنی شرح میں کہا ہے: دو یا دس کے لازم ہونے میں جو صحیح ہے اس کے بارے میں تامل ہے۔ جو امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ یہ اس کی مثل ہے کہ اس نے اپنے اوپر ظہر کی دس نمازیں لازم کیں تو اس پر اس نماز کے علاوہ واجب نہ ہوگی جو اللہ تعالیٰ نے اس پر واجب کی۔ کیونکہ نفس واجب اور اس کے تعدد کی نذر صحیح نہیں۔ ہاں اس کی مثل کی نذر جیسے اس کا قول: میں نے فلاں وقت میں دس بکریاں ذبح کرنے کی نذر مانی ہے تو یہ نذر صحیح ہوگی اور وقت کا ذکر لغو ہو جائے گا۔ اور کتاب الحج میں پہلے گزر چکا ہے اگر اس نے کہا: اللہ تعالیٰ کے لیے مجھ پر اسلام کا حج یعنی فرض دو دفعہ لازم ہے تو مشروع حج کے علاوہ اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ساتھ ہی نفلی حج مشروع ہے لیکن اسے حجۃ الاسلام نہیں کہتے۔ اسی طرح قربانی صرف ایک بطور لازم مشروع ہے۔ پس ان کی متعدد کی نذر وجوبی طور پر غیر مشروع لازم کرنا ہے پس یہ لازم نہ ہوں گی۔ فلیتامل

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کی ذات ہی توفیق دینے والی ہے۔ مذہب کی کتب غنی اور فقیر کی جانب سے نذر کے صحیح ہونے کی خبر دیتی ہیں اور ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ غنی جب نذر سے اس واجب کی خبر دینے کا قصد کرے جو اس پر پہلے سے لازم ہے جب کہ وہ ایام نحر میں ہو تو اس پر ایک قربانی لازم ہوگی ورنہ دو لازم ہوں گی۔

پھر یہ امر مخفی نہیں کہ اضحیہ مثلاً اس بکری کا نام ہے جسے ایام نحر میں ذبح کیا جاتا ہے وہ واجب ہو یا نفل ہو جب وہ قربانی کی نذر مانے تو یہ اس کی طرف نہیں پھرتی جو اس پر واجب تھی جب تک وہ نذر سے خبر دینے کا قصد نہ کرے جس طرح جب وہ کہے: اللہ تعالیٰ کے لیے مجھ پر حج ہے جب کہ اس پر اسلام کا حج لازم ہو۔ ''زیلعی'' نے کہا: اس پر دوسرا حج لازم ہوگا مگر جب وہ اس حج کی نیت کرے جو اس پر واجب تھا۔

جب اس نے دس قربانیوں کی نذر مانی جب کہ وہ اصلاً واجب کی خبر دینے کا احتمال نہیں رکھتی جس طرح ہم پہلے ''البدائع'' سے بیان کر چکے ہیں کہ غنی اگر ایام نحر سے پہلے نذر مانے کہ وہ ایک بکری قربانی دے گا تو اس پر دو بکریاں قربانی دینا ہوں گی ایک نذر کی وجہ سے اور دوسری وہ جو غنی پر لازم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ صیغہ واجب کی خبر دینے کا احتمال نہیں رکھتا۔ کیونکہ وقت سے پہلے کوئی وجوب نہیں۔ اسی طرح اگر وہ نذر مانے جب کہ وہ فقیر ہو پھر وہ غنی ہو جائے یہاں حکم اس طرح ہے۔ کیونکہ دس واجب نہیں۔ پس اس پر دس لازم ہو جائیں گی۔ کیونکہ اس کی جنس سے عبادت واجب ہے۔ اگر وہ کہے: اللہ تعالیٰ کے لیے مجھ پر دو دفعہ حجۃ الاسلام ہے۔ کیونکہ حجۃ الاسلام یہ فرضیت کے طریقہ پر مخصوص فعل کا نام ہے۔ جب اس نے ایک دفعہ یا دو دفعہ کہا تو اس پر لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایک نذر سے پہلے لازم تھا اور دوسرے کو حجۃ الاسلام بنانا ممکن نہیں جو عمر کا فریضہ ہے۔ اس کی مثل رمضان کی ایک دفعہ یا دو دفعہ کی نذر ہے قربانی جس کا اطلاق واجب اور نفل پر ہوتا ہے جس طرح نماز ہے۔ حج میں فرق اور حجۃ

قُلْت وَمَفَادُهُ لُزُومُ النَّذْرِ بِمَا ضِمن جِنْسَهُ وَاجِبٌ اعْتِقَادِيٌّ أَوْ اصْطِلَاحِيٌّ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ فَلْيُحْفَظْ غَنَمٌ بَيْنَ رَجُلَيْنِ ضَحَّيَا بِهَا جَازَ: بِخِلَافِ الْعِتْقِ لِصِحَّةِ قِسْمَةِ الْغَنَمِ لَا الرَّقِيقِ ضَحَّى بِشْنْتَيْنِ

میں کہتا ہوں: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اس چیز کی نذر لازم ہو جائے گی جس کی جنس کو اعتقادی یا اصطلاحی واجب ضامن ہو۔ یہ مصنف نے کہا ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ ایک ریوڑ دو آدمیوں میں مشترک ہے دونوں نے اس کی قربانی دے دی تو یہ جائز ہوگا۔ آزاد کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ریوڑ کی تقسیم کرنا صحیح ہے غلام کی تقسیم کرنا صحیح نہیں۔ ایک آدمی نے دو قربانیاں دیں

الاسلام میں فرق اس طرح ہے جیسے رمضان کے روزے اور ظہر کی نماز میں ہے جو سورج کے ڈھلنے کے بعد ہوتی ہے۔

جب تو نے جان لیا کہ اضحیۃ نام ہے اس جانور کا جسے مخصوص وقت میں ذبح کیا جاتا ہے اس میں وقت کا لغو کرنا نہیں جب وہ اس کی نذر مانے گا تو اس میں اس کا عمل لازم ہو جائے گا ورنہ وہ مذکورہ فعل بجالانے والا نہیں ہوگا۔ کیونکہ ان دنوں کے بعد اسے اضحیہ نہیں کہتے۔ اسی وجہ سے وہ اسے زندہ ہی صدقہ کر دیتا ہے جب اس کا وقت نکل جائے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ مخصوص وقت میں بکری ذبح کی نذر مانے تو وقت کا ذکر لغو ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ شاۃ کے مسمی پر زائد وصف ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے زمان اور مکان کی تعین کو لغو قرار دیا ہے۔ اضحیہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وقت کو اس کے مفہوم کا جز بنا دیا گیا ہے۔ پس اس کا اعتبار کرنا لازم ہے۔ اس کی نظیر ہے اگر وہ بکری کی ہدی کی نذر مانے تو علماء نے کہا: حرم میں اس کو ذبح کرنا اور اسے وہاں ہی صدقہ کر دینا ذمہ داری سے خارج کر دے گا۔ ساتھ ہی علماء نے کہا: اگر وہ مکہ کے فقراء پر ایک درہم صدقہ کرنے کی نذر مانے تو اسے دوسرے فقہاء پر صدقہ کرنے کا حق ہوگا۔ اور یہ نہیں ہے مگر اس لیے کہ ہدی نام ہے اس جانور کا جسے مکہ مکرمہ کی طرف بھیجا جاتا ہے اور مکہ مکرمہ میں اسے صدقہ کیا جاتا ہے۔ پس مکان کو اس کے مفہوم کا جز بنا دیا گیا ہے جس طرح قربانی میں زمانہ کو جز بنا دیا گیا ہے۔ جب وہ مکہ مکرمہ کے علاوہ میں صدقہ کرے تو اس نے اپنی نذر پوری نہیں کی۔ جب وہ مکہ مکرمہ میں درہم کے صدقہ کی نذر مانے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ بے شک مکان کو درہم کے مفہوم کا جز نہیں بنایا گیا۔ بے شک درہم درہم ہے وہ مکہ مکرمہ میں اسے صدقہ کرے یا کسی اور جگہ صدقہ کرے۔ ہدی کا معاملہ مختلف ہے۔ پس دس قربانیوں کی تصحیح کی وجہ دو ایام نحر میں ان کے ذبح کے لازم ہونے کی وجہ ظاہر ہوئی۔ اسی عظیم فائدہ کو غنیمت جانو۔ یہ میری کمزور فکر کا نتیجہ ہے۔ میں نے کسی کتاب میں اسے نہیں دیکھا۔ والحمد للملک الوھاب

32742۔ (قولہ: غَنَمٌ) ''المنح'' وغیرہا میں یہاں شاتان کا لفظ ہے۔

32743۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْعِتْقِ) اگر دو غلام ہوں دو آدمیوں میں مشترک ہوں جن دونوں پر دو کفارے ہوں اور وہ دونوں اپنے کفاروں کی طرف سے ان دونوں کو آزاد کر دیں تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ حصے دو بکریوں میں جمع ہو سکتے ہیں غلام میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بھیڑ بکریوں کی تقسیم جبر ہو سکتا ہے غلام میں جبر نہیں ہو سکتا۔ ''بدائع''۔

فَالْأُضْحِيَّةُ كِلَاهُمَا، وَقِيلَ الزَّائِدُ لَحْمٌ: وَالْأَفْضَلُ الْأَكْثَرُ قِيمَةً، فَإِنِ اسْتَوَيَا فَالْأَكْثَرُ لَحْمًا، فَإِنِ اسْتَوَيَا فَأَطْيَبُهُمَا. وَلَوْ ضَحَّى بِالْكُلِّ فَالْكُلُّ فَرْضٌ كَأَرْكَانِ الصَّلَاةِ، فَإِنَّ الْفَرْضَ مِنْهَا مَا يَنْطَلِقُ الِاسْمُ عَلَيْهِ، فَإِذَا طَوَّلَهَا يَقَعُ الْكُلُّ فَرْضًا مُجْتَبَى شَرَى أُضْحِيَّةً وَأَمَرَ رَجُلًا بِذَبْحِهَا فَقَالَ تَرَكْتُ التَّسْمِيَةَ عَمْدًا لَزِمَهُ قِيمَتُهَا يَشْتَرِي الْآمِرُ بِهَا أُخْرَى وَيُضَحِّي وَيَتَصَدَّقُ وَلَا يَأْكُلُ

تو دونوں قربانیاں ہوں گی۔ایک قول یہ ذکر کیا گیا ہے: جس کا گوشت زیادہ ہوگا وہ قربانی ہوگی۔افضل یہ ہے کہ جس کی قیمت زیادہ ہو وہ اس کی قربانی دے۔اگر دونوں برابر ہوں تو جس کا گوشت زیادہ ہو وہ قربانی دے۔اگر دونوں کا گوشت برابر ہو تو جس کا گوشت زیادہ پاکیزہ ہو وہ قربانی دے اگر سب کو قربان کر دے تو سب فرض ہیں جس طرح نماز کے ارکان ہوتے ہیں۔کیونکہ ان میں سے فرض وہ ہے جس پر اسم کا اطلاق ہوتا ہے۔جب اس نے اس کو طویل کیا تو تمام فرض کے طور پر واقع ہوگا۔''مجتبیٰ''۔ایک آدمی نے قربانی کا جانور خریدا اور ایک آدمی کو اسے ذبح کرنے کا حکم دیا اور اس نے کہا: میں نے جان بوجھ کر تسمیہ نہیں پڑھا تو اس پر اس قربانی کی قیمت لازم ہوگی تا کہ آمر اس قیمت کے ساتھ دوسری خریدے اور قربانی دے اور وہ گوشت صدقہ کر دے اور وہ اس سے نہ کھائے

32744۔(قولہ: فَالْأُضْحِيَّةُ كِلَاهُمَا)''الخلاصہ'' میں کہا: اگر وہ ایک سے زیادہ قربانی دے تو ایک قربانی فرض ہوگی اور زائد عام علماء کے نزدیک نفل ہوگی۔بعض نے کہا: وہ گوشت ہوگا اور مختار مذہب یہ ہے دونوں جائز ہیں۔

''تاتر خانیہ'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے کہ یہی اصح ہے۔

32745۔(قولہ: الزَّائِدُ لَحْمٌ) یعنی قربانی نفل نہ ہوگی۔''خانیہ''۔

32746۔(قولہ: وَالْأَفْضَلُ الخ) یعنی جس کا ثواب سب سے زیادہ ہوگا۔ہم اس پر پہلے گفتگو کر چکے ہیں۔

32747۔(قولہ: وَلَوْ ضَحَّى بِالْكُلِّ الخ) ظاہر معنی یہ ہے مراد یہ ہے اگر اس نے بدنہ کی قربانی دی تو تمام کی تمام واجب ہوگی نہ کہ واجب ساتواں حصہ ہوگا۔اس کی دلیل ''خانیہ'' میں ان کا قول ہے: اگر ایک خوشحال آدمی خاص طور پر اپنی جانب سے بدنہ کی قربانی دے تو تمام کی تمام عام علماء کے نزدیک قربانی واجب ہوگی اسی پر فتویٰ ہے۔ساتھ ہی چند سطر پہلے ذکر کیا: اگر غنی نے دو بکریاں قربانی دیں تو عام علماء کے نزدیک زائد نفل ہے تو یہ ان کے قول کان الکل اضحیۃ واجبۃ کے منافی نہیں ہوگا اور دونوں مسئلوں میں تکرار حاصل نہیں ہوگا۔فافہم

شاید فرق کی وجہ یہ ہے کہ دو بکریوں کی قربانی دو منفصل فعلوں سے اور دو خونوں کے بہانے سے حاصل ہوتی ہے۔پس واجب دونوں میں سے ایک ہوگا اور زائد نفل ہے۔بدنہ کا معاملہ مختلف ہے۔یہ ایک فعل اور ایک خون کے بہانے سے واقع ہوتی ہے پس سب کا سب واجب واقع ہوگا۔یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔

32748۔(قولہ: فَالْكُلُّ فَرْضٌ) یہ فرض عملی (واجب) ہے۔''ح''۔

32749۔(قولہ: وَلَا يَأْكُلُ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے اگرچہ وہ غنی ہو جب کہ علماء نے تصریح کی ہے کہ یہ اس کے ذمہ

لَوْ أَيَّامُ النَّحْرِ بَاقِيَةً وَإِلَّا تَصَدَّقَ بِقِيمَتِهَا عَلَى الْفُقَرَاءِ خَانِيَّةٌ وَفِيهَا أَرَادَ التَّضْحِيَةَ فَوَضَعَ يَدَهُ مَعَ يَدِ الْقَصَّابِ فِي الذَّبْحِ وَأَعَانَهُ عَلَى الذَّبْحِ سَمَّى كُلٌّ وُجُوبًا، فَلَوْ تَرَكَهَا أَحَدُهُمَا أَوْ ظَنَّ أَنَّ تَسْمِيَةَ أَحَدِهِمَا تَكْفِي حَرُمَتْ، وَهِيَ تَصْلُحُ لُغْزًا فَيُقَالُ أَيُّ شَاةٍ لَا تَحِلُّ بِالتَّسْمِيَةِ مَرَّةً بَلْ لَا بُدَّ أَنْ يُسَمَّى عَلَيْهَا مَرَّتَيْنِ وَقَدْ نَظَمَهُ شَيْخُنَا الْخَيْرُ الرَّمْلِيُّ فَقَالَ

أَيُّ ذَبْحٍ لَا بُدَّ لِلْحِلِّ فِيهِ أَنْ يُثَنَّى بِذِكْرِ ذِي التَّنْزِيهِ

اگر ایام نحر باقی ہوں ورنہ اس کی قیمت فقرا پر صدقہ کر دے،''خانیہ''۔ اس میں ہے: اس نے قربانی دینے کا ارادہ کیا تو اس نے ذبح کے وقت اپنا ہاتھ قصاب کے ہاتھ کے ساتھ رکھا اور ذبح میں قصاب کی مدد کی ہر ایک وجوبی طور پر تکبیر کہے۔ اگر دونوں میں سے ایک تسمیہ ترک کر دے یا یہ گمان کرے کہ ایک کا تسمیہ کافی ہے تو قربانی کا جانور حرام ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ پہیلی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کہا جائے گا: کوئی بکری ہے جو ایک دفعہ تسمیہ کہنے سے حلال نہیں ہوتی بلکہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ اس پر دو دفعہ تسمیہ کہے۔ اور اسے ہمارے شیخ خیر رملی نے نظم کیا اور کہا: کون سی وہ ذبح ہے جس کے حلال ہونے کے لیے اللہ کا ذکر دو دفعہ ضروری ہے۔

میں واجب ہے اس پر متعین نہیں یہاں تک کہ اس کے لیے جائز ہے کہ اسے کسی اور سے بدل لے جب کہ یہ مکروہ ہوگا''ط''۔

32750_(قولہ: لَوْ أَيَّامُ النَّحْرِ بَاقِيَةً) اس قول کا تعلق یشتری اور اس کے مابعد کے ساتھ ہے۔

32751_(قولہ: وَإِلَّا) اس کی صورت یہ ہے ایام نحر گزر چکے ہوں تو قیمت کے ساتھ کوئی اور جانور نہیں خریدے گا کیونکہ خون بہانا ایام نحر میں ہی یہ قربت کے طور پر معروف ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

32752_(قولہ: خَانِيَّةٌ)''الذخیرہ'' اور''الخلاصہ'' وغیرہا میں اسی طرح ہے۔''ابن وہبان'' اور''ابن شحنہ'' نے اس کو نظم کیا ہے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے نہ کھانے کی وجہ ذکر کی ہو۔

یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا قربانی کی قیمت کو لینا یہ اس کے بیچنے کی طرح ہے۔ اعتراض اس لیے نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ قربانی کا بدلہ نہیں کیونکہ وہ تو مردہ ہو چکی ہے۔ کیونکہ اس پر دراہم کا صدقہ کرنا لازم ہے جس طرح وہ اپنی قربانی کا گوشت بیچے تو دراہم کو صدقہ کرنا لازم ہے جس طرح گزر چکا ہے ظاہر یہ ہے کہ اس کی نذر مانی گئی ہے۔ فلیتامل

32753_(قولہ: فَلَوْ تَرَكَهَا) ھا ضمیر سے مراد تسمیہ ہے جو سمی کے لفظ سے مفہوم ہے۔

32754_(قولہ: وَقَدْ نَظَمَهُ شَيْخُنَا الخ) مصنف نے اسے''المنح'' میں سوال و جواب کے انداز میں نظم کیا ہے۔ لیکن اس نظم میں ایسی ضرورات (نقائص) کا ارتکاب کیا ہے جس کا ارتکاب نہیں کیا جاتا ساتھ بعض اشعار میں نظم میں خلل ہے۔

وہ جانور جس کے حلال ہونے کے لیے اللہ کا ذکر دو دفعہ ضروری ہے

32755_(قولہ: أَنْ يُثَنَّى) یہ مجہول کا صیغہ ہے اور جار مجرور نائب فاعل ہے۔

فَأَجِبْ عَنْهُ بِالْقَرِيضِ فَإِنَّا لَا نَرَاهُ نَثْرًا وَلَا نَرْتَضِيه

فَقُلْتُ فِي الْجَوَابِ

خُذْ جَوَابًا نَظْمًا كَمَا تَبْتَغِيه مِنْ فَقِيهٍ يَرْوِيهِ عَنْ فَقِيهِ

هِيَ شَاةٌ فِي ذَبْحِهَا اشْتَرَكَ اثْنَانِ فَتَكْرَارُ الذِّكْرِ شَرْطٌ كَمَا تَرْوِيهِ

ذَاكَ ذَبْحٌ قَصَّابُهُ وَضَعَ الْيَدَ مَعَ الصَّاحِبِ الَّذِي يَرْتَجِيه

فَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنْ يَذْكُرَ اللهَ جَلَّ عَنْ تَشْبِيهِ

اس کا جواب شعر سے دیجیے بے شک ہم نہ نثر کو دیکھتے ہیں اور نہ ہی ہم راضی ہوتے ہیں۔ میں نے جواب میں کہا: اشعار کی صورت میں جواب لو جس طرح تو چاہتا ہے ایسے فقیہ سے جو فقیہ سے روایت کرتا ہے۔ یہ ایسی بکری ہے جس کے ذبح کرنے میں دو آدمی شریک ہیں۔ پس ذکر کا تکرار شرط ہے جس طرح تو روایت کرتا ہے۔ وہ ایسی ذبح ہے جس کا قصاب مالک کے ساتھ ہاتھ رکھتا ہے جو اس بارے میں خوف رکھتا ہے۔ پس ان دونوں میں سے ہر ایک پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے جو تشبیہ سے بالا ہے۔

32756۔ (قولہ: بِالْقَرِيضِ) یعنی شعر۔

32757۔ (قولہ: فَقُلْتُ فِي الْجَوَابِ) پہلا مصرعہ اور دوسرا شعر مکمل صاحب ''المنح'' کی نظم میں سے ہے اور باقی ماندہ ''خیر رملی'' کے اشعار میں سے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے سابقہ سوال کو نظم کرنے کے بعد کہا: وقلت فی الجواب۔

خُذْ جَوَابًا لَا نَقْدَ يُوجَدُ فِيهِ مِنْ فَقِيهٍ مَرْوِيَّةٍ عَنْ فَقِيهٍ

ذَاكَ ذَبْحٌ قَصَّابُهُ وَضَعَ الْيَدَ مَعَ الصَّاحِبِ الذی يَرْتَجِيهِ

جواب لو اس بارے میں کسی فقیہ سے مروی کوئی روایت نہیں۔ وہ ایسی ذبح ہے جس کا قصاب اس مالک کے ساتھ ہاتھ رکھتا ہے جو اس جانور کے بارے خوف رکھتا ہے۔

32758۔ (قولہ: فَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ الخ) اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ شارح کا یہ جواب نہیں سوائے اس کے کہ انہوں نے مصنف اور اپنے شیخ کے کلام کو ملا دیا اگرچہ شیخ کی کلام ملتی جلتی نہیں۔

32759۔ (قولہ: هِيَ شَاةٌ الخ) بعض نسخوں میں اس شعر کے بعد ایک اور شعر پایا جاتا ہے وہ یہ ہے ذاك ذبح۔ ''رملی'' کے گزشتہ شعر کے آخر تک جو ''رملی'' سے مروی ہے اگر وہ اسی پر اکتفا کر دیتے تو یہ مناسب ہوتا۔ کیونکہ ان کا قول هی شاۃ الخ غیر موزوں ہے۔ اور اس لیے کہ ان کے قول فعلی کل واحد الخ کو بطور استدراک ذکر نہ کرتے۔ کیونکہ اس نے جس امر کا فائدہ دیا ہے اس میں اس نے کسی زائد امر کا فائدہ نہیں دیا۔

32760۔ (قولہ: هِيَ شَاةٌ الخ) بلکہ اگر شارح جواب میں پہلے اور دوسرے شعر پر اکتفا کرتے اور وہ اپنے قول

وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ وَشَرْحِهَا قَالَ:

وَلَوْ ذَبَحَا شَاةً مَعًا ثُمَّ وَاحِدٌ أَخَلَّ بِبِسْمِ اللهِ فَالشَّاةُ تُهْجَرُ

وَإِنْ يَشْتَرِي مِنْهَا ثَلَاثًا ثَلَاثَةً وَأَشْكَلَ فَالتَّوْكِيلُ بِالذَّبْحِ يُذْكَرُ

وَكِيلُ شِرَاءِ الشَّاةِ لِلْعَنْزِ إِنْ شَرَى يَصِحُّ خِلَافُ الْعَكْسِ وَالْقَوْدُ يُخْسَرُ

''وہبانیہ'' اور اس کی شرح میں کہا: اگر دو افراد اکٹھے ایک بکری ذبح کریں پھر ان میں سے ایک تسمیہ چھوڑ دے تو بکری کو چھوڑ دیا جائے گا۔ اور تین افراد تین بکریاں خریدیں اور اشکال پیدا ہو جائے تو ذبح کا وکیل بنانا ذکر کیا جاتا ہے۔ شاۃ کو خریدنے کا وکیل اگر بکرے کو خریدے تو یہ صحیح ہوگا۔ اس کے برعکس معاملہ مختلف ہے۔ اور ہانکنے کی اجرت کا ضامن ہوگا۔

شرط کما نرویہ جس سے نظم میں خلل واقع ہوا ہے اسے اپنے قول شرط نعیہ یا شرط فیہ سے بدل دیتے تو وزن درست ہو جاتا اور مابعد سے اسے غنی کر دیتا گویا دو دفعہ جواب کے ذکر کرنے کا قصد کیا۔ کیونکہ پہلا شعر دوسرے شعر کے ساتھ مل کر جواب ہے اور تیسرا شعر چوتھے کے ساتھ مل کر بھی جواب ہے۔

32761۔ (قولہ: وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ وَشَرْحِهَا) دوسرے اور آخری شعر کے سوا تغییر کے بغیر یہ ''ابن وہبانیہ'' کے اشعار میں سے نہیں ہیں ان دو اشعار کے علاوہ ''ابن شحنہ'' نے اس میں تصرف کیا ہے اور اس کی اصلاح کی ہے۔

32762۔ (قولہ: وَإِنْ يَشْتَرِي) ضرورت کی بنا پر حرف علت کو ثابت رکھتے ہوئے۔

32763۔ (قولہ: مِنْهَا) ہا ضمیر سے مراد شاۃ ہے یا الاضاحی ہے۔

32764۔ (قولہ: وَأَشْكَلَ) اس کی صورت یہ ہے وہ خلط ملط ہو جائیں اور کسی کے لیے ممتاز نہ رہے۔

32765۔ (قولہ: فَالتَّوْكِيلُ الخ) ''ابن فضل'' نے کہا: چاہیے تو ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھیوں کو ذبح کا وکیل بنا دے یہاں تک کہ اگر وہ اپنی بکری ذبح کرے گا تو یہ جائز ہوگا اگر وہ غیر کی جانب سے اس کے حکم سے ذبح کرے گا تو بھی یہ جائز ہوگا۔ ''شارح''۔

32766۔ (قولہ: يُذْكَرُ) ''وہبانیہ'' میں ہے: وہ یحسر حا مہملہ کے ساتھ ہے اس میں فتحہ اور ضمہ جائز ہوتا ہے یہ حسر عن ذارعیۃ سے ماخوذ ہے جب وہ امر واضح کر دے، ''شارح''۔

32767۔ (قولہ: لِلْعَنْزِ) لام تقریب کے لیے ہے یہ اس معمول پر داخل ہے جو اپنے عامل سے متقدم ہے وہ یہاں شری ہے جسے إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ۝ (یوسف) اگر تم خوابوں کی تعبیر بنایا کرتے ہو۔

32768۔ (قولہ: يَصِحُّ) کیونکہ شاۃ کا لفظ اسم جنس ہے جو ضان اور معز دونوں کو شامل ہے۔ ''شارح عن الظہیریہ''۔

32769۔ (قولہ: خِلَافُ الْعَكْسِ) یعنی اگر وہ بکری خریدنے کا وکیل بنائے تو وہ بھیڑ خرید لائے تو وہ آمر پر لازم نہ ہوگی۔ ''شارح عن الخانیہ''۔

32770۔ (قولہ: وَالْقَوْدُ يُخْسَرُ) جسے قربانی خریدنے کا وکیل بنایا گیا تھا اگر وکیل نے اسے ایک درہم اجرت پر لیا

وَلَوْ قَالَ سَوْدَاءُ فَغَيَّرَ صَحَّ لَا	إِذَا كَانَ فِي قَرْنَاءَ عَيْنَا يُغَيَّرُ
بِثِنْتَيْنِ مِمَّنْ يَنْذُرُ الْعَشْرَ أَلْزَمُوا	وَتَصْحِيحُ إِيجَابِ الْجَمِيعِ مُحَرَّرُ

اگر موکل نے کہا تھا۔ سیاہ خریدنا تو اس نے رنگ بدل لیا تو یہ صحیح ہوگا۔ جب وہ کہے: سینگوں والی اور سیاہ آنکھوں والی تو تبدیل کرنے کی صورت صحیح نہ ہوگا۔ جس نے دس قربانیوں کی نذر مانی تو علما نے دو کو لازم کیا ہے اور اس کو واجب کرنے کی تصحیح کو بیان کیا گیا ہے۔

جو اسے لے جائے تو یہ اجرت آمر پر لازم نہ ہوگی۔ ''ظہیریہ''، ''ط''۔

32771۔(قولہ: وَلَوْ قَالَ سَوْدَاء) یہ ضرورت کی بنا پر مد اور تنوین کے ساتھ ہے اور کان میں جو ضمیر ہے وہ قول کے لیے ہے اور قرناء مد کے ساتھ ہے اور عینا قصر کے ساتھ ہے۔ اقرن جس کے بڑے سینگ ہوں۔ اعین جس کی آنکھوں کی سیاہی زیادہ پھیلی ہوئی ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں کہا: شعر ''ظہیریہ'' کا ہے۔

ایک آدمی نے دوسرے کو قربانی کے لیے سیاہ گائے خریدنے کا وکیل بنایا تو اس نے سفید یا سرخ یا بلقاء خریدی بلقاء وہ ہوتی ہے جس میں سیاہ اور سفید جمع ہو جائیں تو آمر کو یہ لازم ہو جائے گا۔ اگر اس نے قربانی کے لیے بڑے سینگوں والا اور سیاہ آنکھو والا مینڈھا خریدنے کا وکیل بنایا تو اس نے اجم خریدا اعین نہ خریدا تو اس آمر کو لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ اعین کی قربانی میں رغبت کی جاتی ہے پس اس نے آمر کے امر میں مخالفت کی۔ ''ناظم'' نے کہا: چاہیے کہ جب وہ اسے سفید رنگ کا خریدنے کا امر کرے تو وہ سیاہ خریدے تو یہ آمر کے لیے واقع نہ ہوگی۔

میں کہتا ہوں: یہی صحیح اور درست ہے۔ کاتب نے لا نافیہ مصنف کے نسخہ سے ساقط کر دیا۔ اور شارح نے ''ابن شحنہ'' کی پیروی کی جس طرف ناظم کا قول رہنمائی کرتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کا رنگ سفید تھا۔ اور اس لیے کہ یہ رنگوں میں سے سب سے احسن رنگ ہے۔ پس چاہیے کہ یہ افضل ہو اور اس لیے کہ حضرت ورقہ بنت سعد کی لونڈی سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دم عفراء ازکی من دم سوداء (1) سفید رنگ کی بکری کی قربانی سیاہ رنگ کی بکری سے سے زیادہ پاکیزہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دم بیضاء ازکی عند اللہ فی غیرہ (2) سفید رنگ کے جانور کی قربانی اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی دوسرے رنگ کی قربانی سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ لا نافیہ کے گرنے سے دلیل اپنے مدعی کے مخالف ہو جاتی ہے۔ کیونکہ سفید غیر سے زیادہ پاکیزہ ہے اور خاکی سیاہ سے زیادہ پاکیزہ ہے تو مخالفت ہوتے ہوئے آمر کو کیسے لازم ہوگا۔ ملخص

32772۔(قولہ: بِثِنْتَيْنِ) یہ الزموا کے متعلق ہے ہم فروع میں اس پر گفتگو کر چکے ہیں۔

1۔ المستدرک للحاکم، جلد 4، صفحہ 227

2۔ المسند للامام احمد مسند ابی ہریرہ، صفحہ 657، حدیث نمبر 9393

وَعَنْ مَيِّتٍ بِالْأَمْرِ الْزِمْ تَصَدُّقًا　وَإِلَّا فَكُلْ مِنْهَا وَهٰذَا الْمُنَيَّرُ
وَمِنْ مَالِ طِفْلٍ فَالصَّحِيحُ سُقُوطُهَا　وَعَنْ أَبِيهِ فِي حَقِّهِ وَهُوَ أَظْهَرُ
وَوَاهِبُ شَاةٍ رَاجِعٌ بَعْدَ ذَبْحِهَا　فَيُجْزِئُ مَنْ ضَحَّى عَلَيْهَا وَيُؤْجَرُ

میت کی جانب سے اس کے امر سے قربانی کی گئی ہو تو اس کا صدقہ کرنا لازم ہے ورنہ اس میں سے کھاؤ۔ یہ اختیار دیا گیا ہو۔ بچے کے مال میں سے صحیح قول یہ ہے کہ قربانی ساقط ہے اور اس کے باپ کی جانب سے باپ کے حق میں ہونا جب کہ یہ اظہر ہے جس نے بکری ہبہ کی اس کے ذبح کے بعد رجوع کر سکتا ہے جس نے اس کی قربانی دی یہ اسے کفایت کر جائے گی اور اسے اجر دیا جائے گا۔

اگر میت کی جانب سے اس کے وارث نے اس کے امر سے قربانی کی تو اس کے گوشت کا حکم

32773۔ (قولہ: عَنْ مَيِّتٍ) اگر میت کی جانب سے اس کے وارث نے اس کے امر سے قربانی دی تو اس پر اس کا صدقہ کرنا اور اس سے کچھ نہ کھانا لازم ہوگا۔ اگر اس کی جانب سے بطور نفل قربانی دے تو اس سے کھانے کی اجازت ہوگی۔ کیونکہ یہ ذابح کی ملکیت پر واقع ہوگی اور ثواب میت کے لیے ہوگا۔ اسی وجہ سے اگر ذابح پر ایک قربانی لازم ہو تو اس سے قربانی ساقط ہو جائے گی جس طرح ''الاجناس'' میں ہے۔ ''شرنبلالی'' نے کہا: لکن فی سقوط الاضحیة عنه، تامل۔ یعنی اس سے قربانی کے ساقط ہونے میں تامل ہے۔

میں کہتا ہوں، ''فتح القدیر'' میں باب الحج عن الغیر لغیرہ بلا امر میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ یہ حج فاعل کی جانب سے واقع ہوگا۔ پس اس سے فرض ساقط ہو جائے گا اور دوسرے کے لیے ثواب ہوگا۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

32774۔ (قولہ: وَهٰذَا الْمُخْبَرُ) یعنی مختار جس طرح ہم پہلے ''بزازیہ'' سے نقل کر چکے ہیں۔

32775۔ (قولہ: وَمِنْ مَالِ طِفْلٍ الخ) اس کا حاصل ہے صحیح قول یہ ہے کہ بچے کے مال میں قربانی واجب نہیں اور نہ ہی بچے کے حق میں باپ پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنے مال میں سے اس کی جانب سے قربانی دے۔ یہ ظاہر روایت میں ہے جس طرح ''مبسوط'' میں گزرا ہے اور ان کا قول وعن ابیہ یہ یا کے بغیر ''نقص'' کی لغت کے مطابق ہے۔

32776۔ (قولہ: وَاهِبُ شَاةٍ الخ) یعنی اگر اسے بکری ہبہ کی اور جسے ہبہ کی گئی تھی اس نے اسے ہبہ کر دیا پھر واہب نے ہبہ سے رجوع کر دیا تو ظاہر روایت کے مطابق رجوع صحیح ہوگا اور یہ تضحیہ ذابح کو کفایت کر جائے گی۔

خاتمہ: جس کا بچہ پیدا ہو اس کے لیے مستحب ہے کہ اس کے ہفتہ بعد اس کا نام رکھے، اس کے سر کا حلق کرائے اور تینوں ائمہ کے نزدیک اس کے بالوں کے وزن برابر سونا یا چاندی صدقہ کرے پھر حلق کراتے وقت عقیقہ دے۔ جو ''جامع محبوبی'' میں قول ہے اس کے مطابق یہ مباح ہے۔ اور جو ''شرح الطحاوی'' میں ہے اس کے مطابق نفل ہے۔ یہ ایسی بکری، بھیڑ ہے جو

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

قربانی کے قابل ہو۔ اسے مذکر اور مونث بچے کے لیے ذبح کیا جائے گا خواہ اس کا گوشت کچا ہی تقسیم کر دے یا اسے پکائے۔ نمک کے ساتھ یا نمک کے بغیر ہڈیاں توڑ کر یا ہڈیاں توڑے بغیر، دعوت کا اہتمام کرے یا اس کے بغیر۔ امام ''مالک'' نے یہی کہا ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک نے اسے سنت موکدہ قرار دیا ہے بچے کی جانب سے دو اور بچی کی جانب سے ایک۔ ''غرر الافکار'' ملخص۔ واللہ تعالیٰ اعلم

كِتَابُ الْحَظْرِ وَالْإِبَاحَةِ

مُنَاسَبَتُهُ ظَاهِرَةٌ وَالْحَظْرُ لُغَةً الْمَنْعُ وَالْحَبْسُ وَشَرْعًا

حظر واباحت کے احکام

اس کی مناسبت ظاہر ہے۔ لغت میں حظر سے مراد روکنا اور محبوس کرنا ہے اور شرع میں اس سے

''الخانیہ'' اور ''التحفہ'' میں عنوان اسی طرح ہے۔ ''الجامع الصغیر'' اور ''الہدایہ'' میں عنوان الکراھیۃ کے ساتھ ہے۔ ''المبسوط'' اور ''الذخیرہ'' میں عنوان الاستحسان کے ساتھ ہے۔ اس کتاب کے مسائل اجناس مختلفہ میں سے ہیں۔ اسے یہ عنوان دیا ہے کیونکہ اس میں عام مسائل کراہت، حظر، اباحت اور استحسان کے پائے جاتے ہیں جس طرح ''النہایہ'' میں ہے۔ بعض علماء نے اس کا عنوان کتاب الزہد والورع سے دیا ہے کیونکہ اس میں کثیر ایسے مسائل میں سے ہیں جنہیں شرع نے مطلق ذکر کیا ہے۔ زہد اور ورع سے مراد ان کو چھوڑ دینا ہے۔ ''ابوسعود'' میں ''طلبة الطلبة'' سے مروی ہے: استحسان سے مراد اچھے مسائل کا استخراج ہے۔ اس کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے یہ اس کے زیادہ مشابہ ہے۔ جہاں تک اس قیاس اور استحسان کا تعلق ہے جو مسائل الفقہ کے جواب میں مذکور ہیں تو ان کی وضاحت اصول کی کتب میں مذکور ہے۔

32777۔ (قولہ: مُنَاسَبَتُهُ ظَاهِرَةٌ) بعض نسخوں میں مناسبتھا ہے جب کہ پہلی عبارت زیادہ بہتر ہے جس طرح ''ہدایہ'' کی شروح میں ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس کتاب اور اضحیہ سے عام مسائل فرع اور اصل سے خالی نہیں جس میں کراہت وارد ہو مصنف کے عنوان پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے اس میں حظر واقع ہوتا ہے یا اباحت وارد ہوتی ہے۔ جب اضحیہ اور اس کے ماقبل میں مناسبت ذکر کر دی گئی کہ اضحیہ اپنے محل میں واقع ہوئی تو یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ یہ مناسبت اس امر کا فائدہ نہیں دیتی کہ اس کتاب کو کتاب الاضحیہ کے بعد کیوں ذکر کیا گیا اور یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ اس کتاب کو ہر کتاب کے ساتھ مناسبت حاصل ہے۔ فافہم

حظر کا لغوی معنیٰ

32778۔ (قولہ: وَالْحَظْرُ لُغَةً الْمَنْعُ وَالْحَبْسُ) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ (الاسراء) اور آپ کے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں۔ یعنی تیرے رب کا رزق نیک اور فاجر سے نہیں روکا گیا، ''جوہرہ''۔ اباحہ کا معنی اطلاق ہے یعنی چھوڑ دینا، آزاد کر دینا، ''زیلعی''۔

حظر کی شرعی تعریف

32779۔ (قولہ: وَشَرْعًا الخ) اس قول میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں مصدر سے مراد اسم مفعول ہے۔

مَا مُنِعَ مِنْ اسْتِعْمَالِهِ شَرْعًا، وَالْمَحْظُورُ ضِدُّ الْمُبَاحِ، وَالْمُبَاحُ مَا أُجِيزَ لِلْمُكَلَّفِينَ فِعْلُهُ وَتَرْكُهُ بِلَا اسْتِحْقَاقِ ثَوَابٍ وَعِقَابٍ، نَعَمْ يُحَاسَبُ عَلَيْهِ حِسَابًا يَسِيرًا اخْتِيَارٌ (كُلُّ مَكْرُوهٍ

مراد وہ چیز جس سے شرعی طور پر استعمال سے روک دیا گیا ہو۔ اور محظور کی ضد مباح ہے۔ اور مباح اسے کہتے ہیں جس کے بارے میں مکلفین کو اجازت دی گئی ہو کہ وہ اسے ثواب اور عقاب کے استحقاق کے بغیر کریں یا اسے ترک کریں ہاں اس پر آسان حساب ہوگا، ''اختیار''۔ ہر مکروہ

یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا جو ذکر کیا ہے یہ محظور اور مباح کی تعریف ہے حظر واباحت کی تعریف نہیں۔ تامل

32780۔ (قولہ: وَالْمَحْظُورُ ضِدُّ الْمُبَاحِ) محظور پر جب الف لام عہدی ہو تو مراد محظور شرعی ہے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے کہ جس کے استعمال سے شرعی طور پر روک دیا گیا وہ مباح کی ضد ہے۔ اس کے یہ قول منافی نہیں کہ مباح کی ایک اور ضد ہے جو واجب ہے۔ کیونکہ اس سے ان کی مراد اس کی تعریف نہیں کیونکہ اس کی تعریف پہلے ذکر کر دی ہے جس طرح تو جان چکا ہے۔ اس سے وہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے جو یہ کیا جاتا ہے: یہ اعم کے ساتھ تعریف ہے۔ کیونکہ یہ جس طرح مکروہ اور حرام پر واقع ہوتی ہے یہ واجب پر واقع ہوتی ہے۔ اس کی خاص تعریف یہ نہ ہوگی جس کا ممنوع ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو بلکہ شارح نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ جس کے استعمال سے شرعی طور پر روک دیا گیا تا کہ یہ اسے شامل ہو جائے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو۔ فافہم

مباح کی تعریف

32781۔ (قولہ: وَالْمُبَاحُ مَا أُجِيزَ لِلْمُكَلَّفِينَ فِعْلُهُ وَتَرْكُهُ) ''المنح'' میں اسی طرح ہے۔ ''جوہرہ'' میں یہ ہے: کما خیر المکلف بین فعلہ و ترکہ۔

32782۔ (قولہ: بِلَا اسْتِحْقَاقِ) استحقہ، استوجبہ، ''قاموس''۔ حق دار ہوا، واجب جانا۔ اس کا اطلاق ثواب وعقاب میں سے بندے کی جزا پر کیا جاتا ہے وہ بندہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے عدل سے جس کا مستحق بنتا ہے۔

32783۔ (قولہ: نَعَمْ يُحَاسَبُ عَلَيْهِ حِسَابًا يَسِيرًا) اس کے بارے میں یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا کہ یہ عذاب ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے جو حدیث وارد ہوئی ہے: من نوقش الحساب عذب(1)، جس کے حساب میں مناقشہ کیا جائے گا تو اس کو عذاب دیا جائے گا۔ کیونکہ مناقشہ کا مطلب حساب میں دور تک جانا یعنی سختی کرنا ہے جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔

32784۔ (قولہ: كُلُّ مَكْرُوهٍ) یوں باب ذکر کیا جاتا ہے: کرھت الشیء اکرھہ کراھۃ و کراھیۃ فھو کریہ و مکروہ، ''صحاح''۔ یعنی مکروہ اس سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ کراہت سے مراد رضا کا نہ ہونا ہے، معتزلہ کے نزدیک ارادہ کا نہ ہونا ہے۔ ''مطرزی'' کی ''مغرب'' میں اس کی ارادہ نہ ہونے سے تفسیر بیان کرنا یہ ان کے مذہب کی طرف میلان ہے جس طرح ''ابوسعود'' نے اسے بیان کیا ہے۔

1۔ شعب الایمان للبیہقی، باب فی حشر الناس، جلد 1، صفحہ 252، حدیث نمبر 270

أَيْ كَرَاهَةَ تَحْرِيمٍ (حَرَامٌ) أَيْ كَالْحَرَامِ فِي الْعُقُوبَةِ بِالنَّارِ (عِنْدَ مُحَمَّدٍ) وَأَمَّا الْمَكْرُوهُ كَرَاهَةَ تَنْزِيهٍ فَإِلَى الْحِلِّ أَقْرَبُ اتِّفَاقًا (وَعِنْدَهُمَا) وَهُوَ الصَّحِيحُ الْمُخْتَارُ،

یعنی جو مکروہ تحریمی ہوتا ہے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ حرام ہوتا ہے یعنی آگ کے عذاب میں حرام کی طرح ہوتا ہے۔ جہاں تک مکروہ تنزیہی کا تعلق ہے تو بالاتفاق حلال کے قریب تر ہوتا ہے اور شیخین کے نزدیک وہ حرام کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ صحیح اور مختار مذہب بھی یہی ہے۔

باب الحظر والاباحۃ میں جب لفظ کراہت مطلق ذکر کیا جائے تو کراہت تحریمی مراد ہوتی ہے

32785۔ (قولہ: كَرَاهَةَ تَحْرِيمٍ) جب لفظ کراہت کو مطلق ذکر کیا جائے تو یہی مراد ہوتی ہے جس طرح شرح میں ہے۔ اور اسے اس امر کے ساتھ مقید کیا ہے جب وہ باب الحظر والاباحۃ میں ہو۔ ''بیری''۔

32786۔ (قولہ: حَرَامٌ) اس سے یہ ارادہ کیا ہے کہ یہ حرام ہے۔ ''ہدایہ'' میں کہا: مگر جب وہ اس میں قطعی نص نہ پائے تو اس پر حرام کا لفظ نہ بولے، جب وہ نص پائے تو تحریم یا تحلیل کا قطعی قول کرے مگر حلت میں کہا: لا بأس اور حرمت میں کہا: اکرہ۔ ''اتقانی''۔

امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی حرام یعنی حرام کی طرح ہے

32787۔ (قولہ: أَيْ كَالْحَرَامِ الخ) ''قہستانی'' نے اسی طرح کہا ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ آپ کے نزدیک وہ حقیقت میں حرام نہیں بلکہ جہنم میں مزاج کے اعتبار سے یہ اس کے مشابہ ہے اگرچہ اس کا عذاب حرام قطعی کے عذاب سے کم ہو گا۔ یہ اس کے برعکس ہے جس کا تقاضا وہ اختلاف کرتا ہے جو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین کے درمیان ہے اور شیخین کے قول کی تصحیح تقاضا کرتی ہے۔ ہاں یہ اس کے موافق ہے جس کی تحقیق ''ابن ہمام'' نے ''تحریک الاصول'' میں کی ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول: یہ حرام ہے اس میں مجاز کی نوع ہے قدر مشترک عقاب میں استحقاق ہے۔ اور شیخین کا قول حقیقت کی بنا پر ہے۔ کیونکہ یہ امر قطعی ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ واجب اور مکروہ کے منکر کو کافر قرار نہیں دیتے جس طرح وہ فرض اور حرام کے منکر کو کافر قرار دیتے ہیں۔ پس معنی میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں جس طرح کے اختلاف کا گمان کیا جا رہا تھا۔

ان کے شارح ''ابن امیر حاج'' نے اس کی تائید اس قول کے ساتھ کی ہے جسے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''مبسوط'' میں ذکر کیا ہے کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی جب آپ کسی شے کے بارے میں یہ کہتے ہیں: اکرہ تو اس میں آپ کی کیا رائے ہوتی ہے؟ فرمایا تحریم یعنی حرام۔ اس میں یہ بھی آگے آئے گا جو بحث امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے لفظ قطع کے بارے میں ہے کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ مکروہ کے منکر کو کافر قرار نہیں دیتے۔ پس اس تعبیر کی بنا پر اختلاف صرف اطلاق کی صحت کے بارے میں ہے۔ اس بارے میں گفتگو عنقریب آئے گی۔

32788۔ (قولہ: فَإِلَى الْحِلِّ أَقْرَبُ) اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے فاعل کو اصلاً سزا نہیں دی جائے گی لیکن اس کے

وَمِثْلُهُ الْبِدْعَةُ وَالشُّبْهَةُ (إِلَى الْحَرَامِ أَقْرَبُ) فَالْمَكْرُوهُ تَحْرِيمًا (نِسْبَتُهُ إِلَى الْحَرَامِ كَنِسْبَةِ الْوَاجِبِ إِلَى الْفَرْضِ) فَيَثْبُتُ بِمَا يَثْبُتُ بِهِ الْوَاجِبُ يَعْنِي بِظَنِّيِّ الثُّبُوتِ، وَيَأْثَمُ بِارْتِكَابِهِ كَمَا يَأْثَمُ بِتَرْكِ الْوَاجِبِ، وَمِثْلُهُ السُّنَّةُ الْمُؤَكَّدَةُ وَفِي الزَّيْلَعِيِّ فِي بَحْثِ حُرْمَةِ الْخَيْلِ الْقَرِيبُ مِنَ الْحَرَامِ مَا تَعَلَّقَ بِهِ مَحْذُورٌ
اس کی مثل بدعت اور شبہ ہے۔ پس مکروہ تحریمی حرام کی طرف نسبت کے اعتبار سے اسی طرح ہے جس طرح واجب کی فرض کی طرف نسبت ہوتی ہے۔ پس یہ ایسی دلیل سے ثابت ہوتا ہے جس سے واجب ثابت ہوتا ہے یعنی ایسی دلیل سے جس کا ثبوت ظنی ہے اور اس کے ارتکاب سے وہ گناہگار ہوتا ہے جس طرح وہ واجب کے ترک سے گناہگار ہوتا ہے اسی کی مثل سنت مؤکدہ ہے۔ ''زیلعی'' میں گھوڑوں کی حرمت کی بحث میں ہے: حرام کے قریب وہ ہوتا ہے محذور جس کے متعلق ہو

تارک کو تھوڑا سا ثواب دیا جائے گا۔ ''تلویح''۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے یہ حلال نہیں۔ عدم حلت سے حرمت لازم نہیں آتی اور نہ ہی کراہت تحریمی لازم آتی ہے۔ کیونکہ جس طرح ''المنح'' میں ہے: مکروہ تنزیہی کا مرجع ترک اولیٰ ہے۔ دونوں کراہتوں میں حد فاصل جس طرح ''قہستانی'' اور ''المنح'' میں ''جواہر'' سے مروی ہے: اگر اس میں اصل حرمت ہو اگر وہ حرمت ساقط ہو جائے کیونکہ عموم بلوی پایا جا رہا ہے تو مکروہ تنزیہی ہوگی جیسے بلی کا جھوٹا ورنہ مکروہ تحریمی ہوگی جیسے گدھے کا گوشت۔ اگر اصل کا حکم اباحت ہو اور اسے کوئی ایسا امر لاحق ہو گیا جس نے اسے اباحت سے خارج کر دیا اگر ظن غالب محرم کا وجود ہو تو وہ شے مکروہ ہوگی جس طرح جلالہ گائے کا گوشت ورنہ مکروہ تنزیہی ہوگی جس طرح چیرنے پھاڑنے والے درندوں کا سؤر۔

32789۔(قولہ: مِثْلُهُ الْبِدْعَةُ وَالشُّبْهَةُ) ''قہستانی'' کا کلام جس کو بیان کرتا ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بدعت مکروہ کے مترادف ہے۔ اور شبہ یہ شیخین کے نزدیک مکروہ کے مترادف ہے۔

سمعی دلائل کی اقسام

32790۔(قولہ: نِسْبَتُهُ) یعنی ثبوت کے اعتبار سے اس کی نسبت۔ اور ان کا قول فیثبت الخ یہ اس کا بیان ہے لیکن ظنی الثبوت پر اکتفا کرنے میں عبارت میں کوتاہی ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ سمعی دلائل چار قسم کے ہیں: (۱) قطعی الثبوت، قطعی الدلالہ جیسے قرآن حکیم کی مفسر یا محکم نصوص، سنت متواترہ جن کا مفہوم قطعی ہوتا ہے۔

(۲) قطعی الثبوت ظنی الدلالہ جیسے وہ آیات جن میں تاویل ہوتی ہے۔ (۳) اس کے برعکس جیسے اخبار آحاد جن کا مفہوم قطعی ہو۔ (۴) ظنی الثبوت ظنی الدلالہ جیسے ایسی اخبار آحاد جن کا مفہوم ظنی ہو۔

پہلی قسم سے فرض اور حرام ثابت ہوتا ہے۔ اور دوسری اور تیسری قسم سے واجب اور مکروہ تحریمی ثابت ہوتا ہے۔ اور چوتھی قسم سے سنت اور استحباب ثابت ہوتا ہے۔

32791۔(قولہ: فِي الزَّيْلَعِيِّ) یہ اثم (گناہ) کی مراد کا بیان ہے۔

دُونَ اسْتِحْقَاقِ الْعُقُوبَةِ بِالنَّارِ، بَلْ الْعِتَابِ كَتَرْكِ السُّنَّةِ الْمُؤَكَّدَةِ، فَإِنَّهُ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ عُقُوبَةُ النَّارِ، وَلَكِنْ يَتَعَلَّقُ بِهِ الْحِرْمَانُ عَنْ شَفَاعَةِ النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَدِيثِ مَنْ تَرَكَ سُنَّتِي لَمْ يَنَلْ شَفَاعَتِي فَتَرْكُ السُّنَّةِ الْمُؤَكَّدَةِ قَرِيبٌ مِنْ الْحَرَامِ، وَلَيْسَ بِحَرَامٍ

نہ کہ آگ کے عذاب کا استحقاق متعلق ہے بلکہ عتاب جس کے متعلق ہو جس طرح سنت مؤکدہ کا ترک ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ جہنم کی آگ کا عذاب متعلق نہیں ہے۔ لیکن اس سے نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت متعلق ہے۔ کیونکہ حدیث طیبہ ہے: جس نے میری سنت کو ترک کیا اس نے میری شفاعت نہ پائی (1)۔ پس سنت مؤکدہ کا ترک یہ حرام کے قریب ہے اور حرام نہیں۔

سنت مؤکدہ کا ترک حرام کے قریب ہے لیکن حرام نہیں

32792۔(قولہ: وَيَأْثَمُ بِارْتِكَابِهِ الخ) ''زیلعی'' میں جو قول ہے یہ اس کے موافق ہے جو ''تلویح'' میں ہے کیونکہ کہا: حرمت کے قریب ہونے کا معنی یہ ہے کہ محذور اس کے متعلق ہوتا ہے جہنم کے عذاب کا استحقاق اس سے متعلق نہیں ہوتا اور سنت مؤکدہ کا ترک حرام کے قریب ہے اس سے وہ شفاعت سے محروم کا مستحق ہو جاتا ہے۔

اس کا مقتضا یہ ہے کہ سنت موکدہ کو ترک کرنا یہ مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ اسے حرام کے قریب کر دیتا ہے۔ اس سے مراد سنن ہدی ہیں جیسے جماعت، اذان اور اقامت۔ کیونکہ ان کا تارک گمراہ اور ملامت کا مستحق ہوتا ہے جس طرح ''التحریر'' میں ہے۔ اور مراد ایسا ترک ہے عذر کے بغیر اصرار طریقہ پر ہو۔ اسی وجہ سے جو لوگ جمعہ کی نماز کو چھوڑ دیتے ہیں ان سے قتال کیا جاتا ہے کیونکہ نماز جمعہ دین کی نشانیوں میں سے ہے۔ اس کے ترک پر اصرار دین کو خفیف جاننا ہے۔ پس ان سے اس پر قتال کیا جائے گا۔ اسے ''المبسوط'' میں ذکر کیا ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے: اس امر پر ان سے قتال اس کے واجب ہونے کی دلیل نہیں۔ مکمل وضاحت ''شرح التحریر'' میں ہے۔ تامل۔ پھر جو یہاں ذکر کیا ہے کہ وہ محذور کے متعلق ہوتا ہے جہنم کی آگ کا عذاب کا مستحق نہیں ہوتا یہ اس کے مخالف ہے جسے شارح نے ابھی بیان کیا ہے۔ اور ''ابن ہمام'' نے ''التحریر'' میں اسے یقین کے صیغوں کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ وہ آگ کے عذاب کا مستحق بن جاتا ہے مگر یہ کہا جائے: جو قول گزرا ہے وہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے ساتھ خاص ہے یہ اس پر مبنی ہے کہ ان کے نزدیک مکروہ حرام میں سے ہے اور جو یہاں قول ہے کہ یہ شیخین کے قول کی بنا پر ہے کہ مکروہ حرام کے زیادہ قریب ہے۔ یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اختلاف لفظی نہیں۔ یہ اس کے خلاف ہے جو ہم نے پہلے ''التحریر'' سے بیان کیا ہے۔ اسی وجہ سے ''ابوسعود'' نے ''مقدسی'' سے نقل کیا ہے کہ اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ کیونکہ حلت کے بارے میں دلیل قطعی موجود نہیں اور شیخین نے اسے حلال قرار دیا ہے۔ کیونکہ اشیاء میں اصل حلت ہے اور حرمت کے بارے میں دلیل قطعی نہیں اور کراہت اور حلت میں کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ ''قہستانی'' میں ''النہایہ'' کی کتاب الخلع سے مروی ہے: ہر مباح حلال ہے اس کے برعکس نہیں یعنی ہر حلال مباح

1۔ العرف الشذی لانور شاہ کشمیری، باب ماجاء فی الشفاعۃ، حدیث نمبر 2435

(الْأَكْلُ) لِلْغِذَاءِ وَالشُّرْبُ لِلْعَطَشِ وَلَوْ مِنْ حَرَامٍ أَوْ مَيْتَةٍ أَوْ مَالِ غَيْرِهِ وَإِنْ ضَمِنَهُ (فَرْضٌ)
غذا کے لیے کھانا اور پیاس دور کرنے کے لیے پینا اگرچہ حرام سے ہو، مردار سے ہو یا غیر کے مال سے ہو اگرچہ اس کی ضمانت دے یہ فرض ہے۔

نہیں جیسے اذان کے وقت بیع کرنا۔ کیونکہ یہ حلال ہے مباح نہیں کیونکہ یہ مکروہ ہے۔

''التلویح'' میں ہے: جس کا ترک کرنا اولی ہو تو فعل سے منع دلیل قطعی سے ہو تو وہ فعل حرام ہوگا اور دلیل ظنی سے ہو تو وہ مکروہ تحریمی ہوگا منع کے بغیر ہو تو مکروہ تنزیہی ہوگا۔ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق ہے اور شیخین کی رائے کے مطابق جس کا ترک کرنا اولیٰ ہو اور منع کے ساتھ یہ حرام ہوگا اور منع کے بغیر یہ مکروہ ہوگا۔ اگر حلت کے زیادہ قریب ہو تو مکروہ تنزیہی ہو گا۔ اگر حرام کے زیادہ قریب ہو تو مکروہ تحریمی ہوگا۔ اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ممنوع ہے شیخین کے نزدیک ممنوع نہیں۔ اس سے اس کی شیخین کی رائے کے مطابق سنت مؤکدہ کے ساتھ اس کی مساوات ظاہر ہو جائے گی کہ شفاعت سے محرومی کے ساتھ جزا میں متحد ہیں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ شفاعت سے مراد درجات کی بلندی کی شفاعت ہے یا جہنم میں داخل نہ ہونے کی شفاعت ہے اس سے نکلنے کی شفاعت مراد نہیں یا اس سے مراد ایک مخصوص وقت کی محرومی ہے یا وہ اس کا مستحق ہو جائے گا۔ پس یہ اس کے وقوع کے منافی نہیں۔ اس سے وہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے جو کیا کہ یہ جرم میں گناہ کبیرہ کے مرتکب سے بڑھ کر نہیں جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شفاعتی لاھل الکبائر من امتی (1)، میری شفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ کے ارتکاب کرنے والوں کے لیے ہے۔ جس طرح ''حسن حلبی'' نے ''حواشی تلویح'' میں ذکر کیا ہے۔ اس کی مکمل بحث ''المنار'' پر ہمارے حواشی میں ہے۔

کھانا کھانے کے مراتب

32793۔ (قولہ: الْأَكْلُ لِلْغِذَاءِ الخ) اسی طرح ستر عورت کا اہتمام کرنا اور جو سردی اور گرمی کو دور کرے اس کا اہتمام کرنا فرض ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

32794۔ (قولہ: وَلَوْ مِنْ حَرَامٍ) اگر اسے پیاس کی وجہ سے ہلاک ہونے کا خوف ہو جب کہ اس کے پاس شراب ہو تو اگر اسے علم ہو کہ شراب اس کی پیاس کو دور کر دے گی تو اسے اتنی مقدار کو پینے کی اجازت ہے جو اس کی پیاس کو دور کر دے۔ ''بزازیہ''۔ خمر کو بول پر مقدم کیا ہے ''تاتر خانیہ'' اس بارے میں کلام آگے آئے گی۔

32795۔ (قولہ: أَوْ مَيْتَةٍ) یہ خاص کا عام پر عطف ہے۔

32796۔ (قولہ: وَإِنْ ضَمِنَهُ) کیونکہ اضطرار کی حالت میں اباحت پر ضمان کے منافی نہیں۔

''بزازیہ'' میں ہے: بھوک کی وجہ سے اسے موت کا خوف ہو جب کہ اس کے ساتھی کے پاس کھانا ہو تو اس سے اتنی

1۔ سنن ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی الشفاعۃ، جلد 2، صفحہ 251، حدیث نمبر 2359

يُثَابُ عَلَيْهِ بِحُكْمِ الْحَدِيثِ، وَلَكِنْ (مِقْدَارُ مَا يَدْفَعُ) الْإِنْسَانُ (الْهَلَاكَ عَنْ نَفْسِهِ) وَمَأْجُورٌ عَلَيْهِ (وَ) هُوَ مِقْدَارُ مَا (يَتَمَكَّنُ بِهِ مِنْ الصَّلَاةِ قَائِمًا وَ) مِنْ (صَوْمِهِ) مُفَادُهُ جَوَازُ تَقْلِيلِ الْأَكْلِ بِحَيْثُ يَضْعُفُ عَنْ الْفَرْضِ، لَكِنَّهُ لَمْ يَجُزْ كَمَا فِي الْمُلْتَقَى وَغَيْرِهِ قُلْت وَفِي الْمُبْتَغَى بِالْغَيْنِ الْفَرْضُ بِقَدْرِ مَا يَنْدَفِعُ بِهِ الْهَلَاكُ وَيُمْكِنُ مَعَهُ الصَّلَاةُ قَائِمًا فَتَنَبَّهْ

حدیث کے حکم سے اس پر اسے ثواب دیا جائے گا لیکن اتنی مقدار میں جس سے انسان اپنے آپ سے ہلاکت کو دور کر دے اور جس پر اسے اجر دیا جائے گا وہ اتنی مقدار ہے جس سے وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکے اور روزہ رکھ سکے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اتنا کم کھانا جائز ہے جس سے وہ فرض کی ادائیگی سے کمزور ہو جائے لیکن یہ جائز نہیں جس طرح ''الملتقی'' وغیرہ میں ہے۔ میں کہتا ہوں: ''المبتغی'' جو غین کے ساتھ ہے فرض اس قدر ہے جس سے ہلاکت دور ہو جائے اور جس کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ممکن ہو۔ پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔

مقدار میں کھانا قیمت سے لے لے جو اس کی بھوک کو مٹا دے۔ اسی طرح اس قدر وہ مشروب لے جو اس کی پیاس کو دور کر دے اگر وہ ایسا کرنے سے رک جائے تو اسلحہ کے بغیر اس سے قتال کرے اگر اسے رفیق کے بارے میں بھوک یا پیاس کی وجہ سے مرجانے کا خوف ہو تو اس کے لیے کچھ چھوڑ دے اگر دوسرا کہے: میرا ہاتھ کاٹ دو اور اسے کھالو تو یہ حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ انسان کا گوشت حالت اضطرار میں مباح نہیں۔ یہ انسان کی کرامت کی وجہ سے ہے۔

32797۔ (قولہ: يُثَابُ عَلَيْهِ الخ) ''شرنبلالیہ'' میں ''الاختیار'' سے نقل کیا ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ لیوجر فی کل شیء حتی اللقمة یرفعها العبد الی فیه اللہ تعالیٰ ہر شے میں اجر عطا فرماتا ہے یہاں تک کہ وہ لقمہ جسے بندہ اپنے منہ کی طرف بلند کرتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ کھانا اور پینا چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جائے تو تحقیق اس نے نافرمانی کی۔ کیونکہ اس میں انسان اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم میں اسے اس سے منع کیا گیا ہے۔ جب وہ دوائی کرنے سے رکتا ہے یہاں تک کہ وہ مرجاتا ہے تو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ یقینی نہیں کہ دوائی اسے شفا عطا کرے گی جس طرح ''الملتقی'' اور اس کی شرح میں ہے۔

32798۔ (قولہ: مُفَادُهُ الخ) یعنی ان کے قول و ماجور علیہ سے مستفاد ہے۔ کیونکہ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ مندوب ہے۔ ''الملتقی'' کے متن میں اس کی تصریح کی ہے پس یہ ترک کے جواز کا فائدہ دیتا ہے۔

32799۔ (قولہ: كَمَا فِي الْمُلْتَقَى) یہ وہ ہے جسے قریب ہی ذکر کریں گے کیونکہ کہا: کم کھانے کی مشق کرنا جائز نہیں یہاں تک کہ وہ عبادت کی ادائیگی سے کمزور ہو جائے۔

32800۔ (قولہ: قُلْت الخ) یہ ان کے قول لم یجز کی تائید ہے۔

32801۔ (قولہ: فَتَنَبَّهْ) یہ مصنف کے مواخذہ پر اشارہ ہے اور اس پر مواخذہ کی طرف اشارہ ہے جو ''الملتقی'' میں

(وَمُبَاحٌ إِلَى الشِّبَعِ لِتَزِيدَ قُوَّتُهُ، وَحَرَامٌ)
اور سیر ہونے تک کھانا کھانا تاکہ اس کی قوت زائد ہو مباح ہے۔ اور حرام ہے

پہلے ذکر کیا ہے۔

وہ تین چیزیں جن کا حساب نہیں ہوگا

32802۔ (قولہ: وَمُبَاحٌ) یعنی اس میں اجر ہے اور نہ ہی اس پر بوجھ ہے۔ پس اس پر اس کا آسان سا حساب ہوگا اگرچہ وہ مال حلال ہو۔ کیونکہ یہ آیا ہے ہر شے پر حساب ہوگا مگر تین چیزوں پر حساب نہیں ہوگا۔ ایسا کپڑا جس کے ساتھ تو اپنی ستر عورت کا اہتمام کرے، روٹی کا ایسا ٹکڑا جس کے ساتھ تو اپنی بھوک مٹائے اور (ایسی بل) یعنی ایسا گھر جو تجھے گرمی اور سردی سے بچائے۔ اور یہ آیا ہے انسان کے لیے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی صلب کو سیدھا کریں (1) اور کفایت کرنے والی چیز پر اسے ملامت نہیں کی جائے گی۔ ''درمنتقی''۔

32803۔ (قولہ: إِلَى الشِّبَعِ) یعنی یہ لفظ شین کے کسرہ اور با کے فتحہ اور سکون کے ساتھ ہے اسے غذا بہم پہنچائے اور اس کے بدن کو قوت بہم پہنچائے۔ ''قہستانی''۔

32804۔ (قولہ: وَحَرَامٌ) کیونکہ یہ مال کو ضائع کرنا اور نفس کو مریض کرنا ہے۔ اور یہ آیا ہے انسان کوئی برتن نہیں بھرتا جو پیٹ سے زیادہ برا ہو اگر کوئی چارہ کار نہ ہو تو اس کا تیسرا حصہ کھانے کے لیے، تیسرا حصہ پانی کے لیے اور تیسرا حصہ سانس کے لیے۔ لوگوں میں سے سب سے طویل عذاب والا وہ ہوگا جو سب سے زیادہ سیر ہو کر کھانا کھاتا ہو (2)۔ ''درمنتقی''۔

تتمہ

''تبیین المحارم'' میں کہا: بعض علما نے دو مراتب کا اضافہ کیا ہے مندوب۔ یہ وہ کھانا ہوتا ہے جو نوافل کی ادائیگی میں اور علم کی تعلیم و تعلم میں معاون ہوتا ہے۔

مکروہ: یہ وہ ہوتا ہے جو سیری سے تھوڑا زائد ہو۔ اور اس سے اسے تکلیف نہ ہو۔ اور عابد کا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مندوب اور مباح کھانے کے درمیان کی حالت کو اختیار کرے اور اس سے یہ نیت کرے کہ وہ عبادت پر قوت حاصل کرے گا۔ پس وہ مطیع ہوگا اور وہ اس سے لذت لطف اندوزی کا قصد نہیں کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کی مذمت اس بنا پر کی ہے کہ وہ لطف اندوزی اور لذت کے لیے کھاتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَأْكُلُوْنَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝ (محمد) اور جنہوں نے کفر کیا وہ عیش اڑا رہے ہیں اور محض کھانے میں مصروف ہیں ڈنگروں کی طرح حالانکہ آتش جہنم ان کا ٹھکانہ ہے۔ جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ لطف اندوز ہوتے ہیں اور اسی طرح کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں جب کہ آگ ان کا ٹھکانہ ہے۔

1۔ کنز العمال، کتاب الادب، الفصل الثانی فی محظورات الاکل، جلد 15، صفحہ 261، حدیث نمبر 40870
2۔ ایضاً

عَبَّرَ فِي الْخَانِيَّةِ بِيُكْرَهُ (وَهُوَ مَا فَوْقَهُ) أَيْ الشِّبَعِ وَهُوَ أَكْلُ طَعَامٍ غَلَبَ عَلَى ظَنِّهِ أَنَّهُ أَفْسَدَ مَعِدَتَهُ، وَكَذَا فِي الشُّرْبِ قُهُسْتَانِيٌّ (إلَّا أَنْ يَقْصِدَ قُوَّةَ صَوْمِ الْغَدِ أَوْ لِئَلَّا يَسْتَحِيَ ضَيْفُهُ) أَوْ نَحْوُ ذَلِكَ،

''الخانیہ'' میں ''یکرہ'' سے تعبیر کیا ہے یعنی مکروہ ہے جو سیر ہونے اور اس سے زائد ہونے کی حالت میں ہو اور وہ ایسا کھانا ہے جس میں ظن غالب یہ ہو کہ کھانا اس کے معدہ کو خراب کر دے گا۔ اسی طرح پینے کا حکم ہے ''قہستانی''۔ مگر جب وہ سیر ہونے سے اگلے دن روزے پر قوت حاصل کرنے کا قصد کرے یا اس لیے سیر ہو کر کھائے کہ اس کا مہمان حیا محسوس نہ کرے یا اس جیسی کوئی صورت حال ہو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان ایک آنت سے کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں سے کھاتا ہے (2)۔ اسے شیخین اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔ حدیث میں سات آنتوں کی تخصیص مبالغہ اور کثرت کے اظہار کے لیے ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضرب المثل ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن اور دنیا میں جو اس کا زہد ہے اور کافر اور دنیا کے بارے میں جو اس کی حرص ہے کے بارے میں بیان فرمائی ہے: مومن گزارے کی مقدار اور قوت کے طور پر کھاتا ہے اور کافر شہوت اور حرص کے طور پر کھاتا ہے تاکہ لذت کو طلب کرے۔ مومن کو قلیل چیز سیر کر دیتی ہے اور کافر کو کثیر شے بھی سیر نہیں کرتی۔

32805۔ (قولہ: عَبَّرَ فِي الْخَانِيَّةِ بِيُكْرَهُ) شاید سب سے مناسب تعبیر پہلی ہے۔ کیونکہ یہ اسراف ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تُسْرِفُوْا (الاعراف: 31) اور فضول خرچی نہ کرو۔ یہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ ہے۔ تامل

32806۔ (قولہ: وَهُوَ أَكْلُ طَعَامٍ الخ) ''قہستانی'' نے اسے ''کرمانی'' وغیرہ کی کتاب الاشربہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اس کے ساتھ یہ بیان کیا ہے کہ مراد وہ سیری نہیں جس پر زیادتی حرام ہو جاتی ہے جسے شرعی طور سیری شمار کیا جاتا ہے جس طرح وہ بطن کے ایک تہائی حصہ میں کھائے۔

32807۔ (قولہ: إلَّا أَنْ يَقْصِدَ الخ) ظاہر یہ ہے کہ استثنا منقطع ہے۔ یہ اس پر مبنی ہے جو انہوں نے تاویل ذکر کی ہے۔ کیونکہ جب اس کا ظن غالب یہ ہو کہ کھانا اس کا معدہ خراب کر دے گا تو اس کے لیے یہ کیسے جائز ہو گا ساتھ ہی اگر مرض کا خوف ہو تو اس کے لیے روزہ افطار کرنا حلال ہے مگر یہ کہا جائے: مراد ایسا فساد ہے جس کے ساتھ زیادہ ضرر حاصل نہیں ہوتا۔ تامل۔ اور جو ذکر کیا گیا ہے یہ بعض متاخرین کی طرف سے استثنا ہے جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں بیان کیا ہے۔

32808۔ (قولہ: أَوْ لِئَلَّا يَسْتَحِيَ ضَيْفُهُ) یعنی وہ میزبان مہمان کے ساتھ حاضر ہے بعد میں آئے گا کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق کھا چکا ہے۔ ''قہستانی''۔

32809۔ (قولہ: أَوْ نَحْوُ ذَلِكَ) جب وہ ضرورت سے زائد کھا لے تاکہ اس کو قے کر دے۔ حضرت ''بصری'' نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ کہا: اس نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو مختلف قسم کے کھانے کھاتے ہوئے دیکھا وہ زیادہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب المؤمن من یأکل فی معی واحد، جلد 3، صفحہ 3، حدیث نمبر 4978

وَلَا تَجُوزُ الرِّيَاضَةُ بِتَقْلِيلِ الْأَكْلِ حَتَّى يَضْعُفَ عَنْ أَدَاءِ الْعِبَادَةِ، وَلَا بَأْسَ بِأَنْوَاعِ الْفَوَاكِهِ وَتَرْكُهُ أَفْضَلُ وَاتِّخَاذُ الْأَطْعِمَةِ سَرَفٌ، وَكَذَا وَضْعُ الْخُبْزِ فَوْقَ الْحَاجَةِ وَ سُنَّةُ الْأَكْلِ الْبَسْمَلَةُ أَوَّلَهُ وَالْحَمْدُ لَهُ آخِرَهُ، وَغَسْلُ الْيَدَيْنِ قَبْلَهُ وَبَعْدَهُ،

کہ کم کھانے کی ریاضت جائز نہیں یہاں تک کہ وہ عبادت کی ادائیگی سے کمزور ہو جائے اور مختلف قسم کے پھل میوے میں کوئی حرج نہیں اور اس کو ترک کرنا افضل ہے۔ اور کئی کھانے تیار کرنا فضول خرچی ہے۔ اسی طرح ضرورت سے زیادہ روٹیاں رکھنا فضول خرچی ہے۔ کھانا کھانے کی سنت یہ ہے کہ شروع میں بسم اللہ شریف پڑھا جائے اور اس کے آخر میں الحمد للہ پڑھا جائے اس کے شروع میں اور اس کے آخر میں ہاتھ دھوئے جائیں اور کھانے سے قبل

کھاتے پھرتے کر دیتے اور یہ امر انہیں نفع دیتا۔ ''خانیہ''۔

32810۔ (قولہ: عَنْ أَدَاءِ الْعِبَادَةِ) یعنی فرض عبادت کھڑے ہو کر ادا کرنے سے۔ اگر وہ اس طریقہ سے کھاتے کہ وہ اسے کمزور نہ کرے تو یہ امر اس کے لیے مباح ہوگا۔ ''درمنتقی''۔

32811۔ (قولہ: وَتَرْكُهُ أَفْضَلُ) تا کہ اس کا درجہ کم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت داخل نہ ہو: أَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا (الاحقاف: 20) اور تم نے ختم کر دیا تھا اپنی نعمتوں کا حصہ اپنی دنیوی زندگی میں۔

زائد مال کو صدقہ کر دینا یہ نیکیوں کو زائد کرنے میں بہت بڑھ کر ہے۔ ''درمنتقی''۔

32812۔ (قولہ: وَاتِّخَاذُ الْأَطْعِمَةِ سَرَفٌ) مگر جب وہ طاعت پر طاقت حاصل کرنے کا قصد کرے یا وہ مہمانوں کی ضیافت کا اہتمام ایک جماعت کے بعد دوسری جماعت کے طریقہ پر کرے۔ ''قہستانی''۔

کھانا کھانے کے آداب

32813۔ (قولہ: سُنَّةُ الْأَكْلِ) اگر وہ ابتدا میں بِسْمِ اللهِ شریف پڑھنا بھول جائے تو وہ کہے: بسم اللہ علی اولہ وآخرہ، ''اختیار''۔ جب تو بِسْمِ اللهِ کہے تو اپنی آواز کو بلند کر یہاں تک کہ تو اسے تلقین کرے جو تیرے ساتھ ہے اور وہ بلند آواز سے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نہ کہے یہاں تک کہ وہ کھانے سے فارغ ہو جائیں۔ ''تاتر خانیہ''۔ جب کھانا حلال ہو تو ابتدا میں بِسْمِ اللهِ شریف پڑھے اور اس کے آخر میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ پڑھے کھانا کیسا ہی ہو۔ ''قنیہ''۔ ''ط''۔

32814۔ (قولہ: وَغَسْلُ الْيَدَيْنِ قَبْلَهُ) یہ فقر کی نفی کرنے کے لیے ہے اور وہ اپنے ہاتھ کو رومال سے صاف نہ کرے تا کہ دھونے کا اثر باقی رہے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھوئے تا کہ لمم (تھوڑے جنون چھوٹے گناہ) کی نفی کرے۔ اور ہاتھوں کو رومال سے صاف کرلے تا کہ کھانے کا اثر زائل ہو جائے۔ اور یہ آیا ہے کہ کھانے کی برکت ہے اور آٹے کے ساتھ ہاتھ صاف کرنے میں کوئی حرج نہیں کیا کھانے کے لیے اپنے منہ کو دھونا سنت ہے جس طرح اپنے ہاتھ کو دھونا سنت ہے جواب ہے: نہیں۔ لیکن جنبی کے لیے منہ دھونے سے پہلے کھانا کھانا مکروہ ہے۔ حائضہ کا معاملہ مختلف ہے، ''درمنتقی''۔ اسی کی مثل

وَيُبْدَأُ بِالشَّبَابِ قَبْلَهُ وَبِالشُّيُوخِ بَعْدَهُ مُلْتَقَى

جوانوں کے ہاتھ پہلے دھلوائے جائیں اور کھانے کے بعد بوڑھوں کے ہاتھ پہلے دھلوائے جائیں۔ ''ملتقی''۔

''تاتر خانیہ'' میں ہے۔

32815۔ (قولہ: وَيُبْدَأُ) یعنی دھونے میں آغاز کرے جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔

32816۔ (قولہ: بِالشَّبَابِ قَبْلَهُ) کیونکہ نوجوان زیادہ کھانا کھاتے ہیں اور بوڑھے تھوڑا کھاتے ہیں۔ ''در منتقی''۔

32817۔ (قولہ: وَبِالشُّيُوخِ بَعْدَهُ) کیونکہ حدیث طیبہ ہے: لیس منا من لم یوقر کبیرنا(1) جو ہمارے بزرگوں کی عزت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ یہ طریقہ توقیر میں سے ہے۔ ''ط''۔

تتمہ

نمک دانی اور پیالے کو روٹی پر رکھنا مکروہ ہے۔ ہاتھ یا چھری کو اس کے ساتھ صاف کرنا مکروہ ہے۔ اور وہ روٹی کو خوان کے ساتھ نہ لٹکائے۔ ٹیک لگا کر اور ننگے سر کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ مختار مذہب کے مطابق ہے۔ یہ اسراف میں سے ہے کہ وہ روٹی کے درمیان سے کھائے اور اس کے کناروں کو چھوڑ دے اور اس سے جو پھولی ہوئی ہو وہ کھائے مگر جب کوئی اور اسے کھائے جس کو وہ ترک کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں جس طرح وہ ایک روٹی چھوڑ کر دوسری روٹی پسند کرے۔ روٹی کی تکریم میں سے یہ ہے کہ جب روٹی موجود ہو تو سالن کا انتظار نہ کرے اور جو لقمہ اس کے ہاتھ سے گر گیا ہے وہ اسے ترک نہ کرے۔ کیونکہ اسے ترک کرنا اسراف ہے بلکہ وہ اس لقمہ سے آغاز کرے۔ اور سنت میں سے یہ ہے کہ وہ پیالے کے درمیان سے نہ کھائے کیونکہ برکت اس کے وسط میں اترتی ہے۔ اور سنت میں سے یہ ہے کہ وہ ایک جگہ سے کھائے کیونکہ کھانا ایک ہے۔ جس کا معاملہ مختلف ہے جس میں مختلف قسم کے پھل ہوں تو وہ جہاں سے چاہے کھا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ مختلف انواع واقسام کے کھانے ہیں۔ ہر ایک کے بارے میں اثر وارد ہے۔ وہ اپنا بایاں پاؤں بچھائے گا اور دایاں پاؤں کھڑا کرے گا۔ اور وہ گرم کھانا نہیں کھائے گا اور نہ ہی اسے سونگھے گا۔

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: کھانے میں پھونک مارنا مکروہ نہیں مگر جس پھونک میں آواز ہو جیسے اف۔ یہ نہی کا محمل ہے۔ کھانے کی حالت میں خاموشی مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ مجوسیوں کے ساتھ مشابہت ہے اور وہ نیکی کی باتیں کریں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے پیالے میں سے کھایا پھر اسے انگلی وغیرہ سے صاف کیا تو پیالہ اسے کہتا ہے: اللہ تعالیٰ تجھے آگ سے آزادی نصیب فرمائے جس طرح تو نے مجھے شیطان سے آزادی نصیب فرمائی ہے(2)۔ امام ''احمد'' کی روایت میں ہے: پیالہ اس کے لیے استغفار کرتا ہے(3)۔ سنت میں سے یہ ہے کہ نمک سے کھانے کا آغاز کرے اور اس پر کھانے کو ختم کرے

1۔ سنن ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان، جلد 2، صفحہ 28، حدیث نمبر 1844

2۔ کنز العمال، الفصل الاول فی اداب الاکل، جلد 15، صفحہ 253، حدیث نمبر 40829

3۔ سنن ترمذی، کتاب الاطعمۃ، باب ماجاء فی اللقمۃ تسقط، جلد 1، صفحہ 924، حدیث نمبر 1726

(وَ كُرِهَ لَحْمُ الْأَتَانِ) أَيْ الْحِمَارَةِ الْأَهْلِيَّةِ خِلَافًا لِمَالِكٍ (وَلَبَنُهَا وَ) لَبَنُ (الْجَلَّالَةِ) الَّتِي تَأْكُلُ الْعَذِرَةَ (وَ) لَبَنُ (الرَّمَكَةِ) أَيْ الْفَرَسِ وَبَوْلُ الْإِبِلِ، وَأَجَازَهُ أَبُو يُوسُفَ لِلتَّدَاوِي

پالتو گدھی کا گوشت مکروہ ہے۔ امام ''مالک'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ پالتو گدھی کا دودھ اور جلالہ کا دودھ جو غلاظت کھاتی ہے اور گھوڑی کا دودھ اور اونٹ کا پیشاب مکروہ ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے دوائی کے طور پر اس کی اجازت دی ہے۔

بلکہ اس میں ستر بیماریوں سے شفا ہے اور پیالے کو صاف کرے۔ اسی طرح انگلیوں کو چاٹ لے یہ عمل رومال سے انگلیوں کو صاف کرنے سے پہلے کرے۔ اس کی مکمل بحث ''الدر المنتقی''، ''البزازیہ'' وغیرہما میں ہے۔

پالتو گدھی، جلالہ اور گھوڑی کے دودھ اور گوشت کا شرعی حکم

32818۔ (قولہ: الْأَهْلِيَّةِ) وحشی کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ اور اس کا دودھ حلال ہیں۔

32819۔ (قولہ: خِلَافًا لِمَالِكٍ) اختلاف کی وجہ سے حرام کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ ''منح''۔ کیونکہ یہ ادلہ کے تعارض کی دلیل ہے۔

32820۔ (قولہ: وَلَبَنُهَا) کیونکہ دودھ گوشت سے جنم لیتا ہے پس یہ گوشت کی مثل ہوگا۔ ''منح''۔

32821۔ (قولہ: الَّتِي تَأْكُلُ الْعَذِرَةَ) یعنی جو صرف غلاظت کھاتا ہے یہاں تک کہ اس کا گوشت بدبودار ہو جاتا ہے۔ ''شرح الوہبانیہ'' میں کہا: ''المنتقی'' میں ہے: مکروہ جلالہ وہ ہے کہ جب اس کے قریب ہوا جائے تو اس سے بدبو پائی جائے پس اس کو نہیں کھایا جائے گا اور نہ ہی اس کا دودھ پیا جائے گا۔ اور اس پر کوئی کام نہیں کیا جائے گا جب کہ اس کا یہ حال ہو اس جلالہ کی بیع کرنا اور اس کو ہبہ کرنا مکروہ ہے جب کہ اس کا یہ حال ہو۔ ''بقالی'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس کا پسینہ ناپاک ہے۔ پہلے اسے کتاب الذبائح میں بیان کر چکے ہیں۔

32822۔ (قولہ: وَلَبَنُ الرَّمَكَةِ) کتاب الذبائح میں پہلے مصنف سے یہ نقل کیا جا چکا ہے کہ تمام صورتوں میں اس کا دودھ پینے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس کا دودھ پینے میں آلہ جہاد میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ ہم وہاں پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قابل اعتماد قول یہ ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا کہ اس کا گوشت کھانا مکروہ تنزیہی ہے۔

32823۔ (قولہ: وَأَجَازَهُ أَبُو يُوسُفَ لِلتَّدَاوِي) ''ہندیہ'' میں ہے: ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے کہا: اونٹوں کا بول اور گھوڑوں کا گوشت دوائی کے طور پر استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ''جامع صغیر'' میں اسی طرح ہے۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: ''الخانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے اپنی انگلی میں پتا دوائی کے لیے داخل کیا۔ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: یہ مکروہ ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: مکروہ نہیں۔ جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا بول پینے میں جو اختلاف ہے یہ اس پر مبنی ہے۔ فقیہ ''ابو اللیث'' نے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اپنایا ہے۔

(وَ) كُرِهَ (لَحْمُهَا) أَيْ لَحْمُ الْجَلَّالَةِ وَالرَّمَكَةِ، وَتُحْبَسُ الْجَلَّالَةُ حَتَّى يَذْهَبَ نَتْنُ لَحْمِهَا وَقُدِّرَ بِثَلَاثَةِ أَيَّامٍ لِدَجَاجَةٍ وَأَرْبَعَةٍ لِشَاةٍ، وَعَشَرَةٍ لِإِبِلٍ وَبَقَرٍ عَلَى الْأَظْهَرِ وَلَوْ أَكَلَتْ النَّجَاسَةَ وَغَيْرَهَا بِحَيْثُ لَمْ يَنْتُنْ لَحْمُهَا حَلَّتْ كَمَا حَلَّ أَكْلُ جَدْيٍ غُذِّيَ بِلَبَنِ خِنْزِيرٍ لِأَنَّ لَحْمَهُ لَا يَتَغَيَّرُ، وَمَا غُذِّيَ بِهِ يَصِيرُ مُسْتَهْلَكًا لَا يَبْقَى لَهُ أَثَرٌ

جلالہ جانور کا گوشت اور گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے۔ اور جلالہ جانور کو محبوس کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کے گوشت کی بو ختم ہو جائے۔ مرغی کے لیے تین دن کا اندازہ لگایا گیا ہے، بھیڑ بکری کے لیے چار دن اور اونٹ گائے کے لیے دس دن۔ یہ اظہر قول کے مطابق ہے۔ اگر وہ جلالہ جانور نجاست اور اس کے علاوہ چیز کھائے اس طرح کہ اس کا گوشت بدبودار نہ ہو تو جلالہ جانور حلال ہوگا جس طرح بکری کے اس بچے کو کھانا حلال ہے جسے خنزیر کے دودھ سے غذا دی گئی ہو۔ کیونکہ اس کا گوشت متغیر نہیں ہوتا اور اسے جو غذا دی گئی وہ ہلاک ہو چکی ہے اس کا اثر باقی نہیں رہا۔

32824۔ (قولہ: عَلَى الْأَظْهَرِ) ''شرح الوہبانیہ'' میں ''التجنیس'' سے روایت نقل کی ہے: ظاہر روایت کے مطابق یہی مختار مذہب ہے۔ کیونکہ ظاہر معنی یہ ہے کہ ان جانوروں کی طہارت اس مدت میں حاصل ہو جاتی ہے۔ ''بزازیہ'' میں ہے: یہ اس میں شرط ہے جو صرف مردار کھاتا ہے لیکن اونٹ میں مہینہ کا اندازہ لگایا ہے گائے میں بیس دن کا اندازہ لگایا ہے اور بکری میں دس دن کا اندازہ لگایا ہے۔ ''سرخسی'' نے کہا: اصح اندازہ نہ لگانا ہے۔ اسے محبوس کیا جائے گا یہاں تک کہ بدبو ختم ہو جائے۔

32825۔ (قولہ: حَلَّتْ) اسی وجہ سے علماء نے فرمایا: مرغی کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اپنی خوراک میں مختلف چیزیں ملاتی ہے اور اس کا گوشت متغیر نہیں ہوتا۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرغی کھایا کرتے تھے (1) اور یہ جو روایت کی گئی ہے کہ مرغی کو تین دن محبوس کیا جائے پھر اس کو ذبح کیا جائے تو یہ احتیاط اور تنزہ کے طریقہ پر ہے۔ ''زیلعی''۔

ناپاک پانی سے سیراب شدہ فصلوں کا شرعی حکم

32826۔ (قولہ: لِأَنَّ لَحْمَهُ لَا يَتَغَيَّرُ الخ) ''الذخیرۃ'' میں اسی طرح ہے۔ یہ اس کے موافق ہے جو گزر چکا ہے کہ معتبر بدبو ہے۔ لیکن ''الخانیہ'' میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ''حسن'' نے کہا: اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ ''ابن مبارک'' نے کہا: جب وہ اس کے بعد چند دن چارہ چرے جیسے جلالہ۔ ''شرح الوہبانیہ'' میں ''القنیہ'' سے مروی ہے: جب چند ایام کے بعد اسے ذبح کیا جائے تو وہ حلال ہوگی ورنہ حلال نہ ہوگی۔

فرع

''ابوسعود'' میں ہے: وہ کھیتیاں جنہیں نجس پانی سے سیراب کیا جائے تو وہ ناپاک نہ ہوں گی اور اکثر فقہا کے نزدیک مکروہ نہیں۔

1۔ سنن ترمذی، کتاب الاطعمۃ، باب ماجاء فی اکل الزجاج، جلد 1، صفحہ 932، حدیث نمبر 1750

(وَلَوْ سُقِيَ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ خَمْرًا فَذُبِحَ مِنْ سَاعَتِهِ حَلَّ أَكْلُهُ وَيُكْرَهُ) زَيْلَعِيٌّ وَصَيْدٌ وَشَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ (وَ) كُرِهَ (الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ وَالِادِّهَانُ وَالتَّطَيُّبُ مِنْ إنَاءِ ذَهَبٍ وَفِضَّةٍ لِلرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ) لِإِطْلَاقِ الْحَدِيثِ (وَكَذَا) يُكْرَهُ (الْأَكْلُ بِمِلْعَقَةِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ وَالِاكْتِحَالُ بِمِيلِهِمَا) وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ مِنْ الِاسْتِعْمَالِ كَمُكْحُلَةٍ وَمِرْآةٍ وَقَلَمٍ وَدَوَاةٍ وَنَحْوِهَا؛

جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اگر اسے شراب پلائی اور اسی ساعت اسے ذبح کیا تو اس کا کھانا حلال ہے اور مکروہ ہے ''زیلعی''۔ کتاب الصید ''شرح وہبانیہ''۔ سونے اور چاندی کے برتن سے مرد اور عورت کے لیے کھانا، پینا، تیل لگانا اور خوشبو لگانا مکروہ ہے۔ کیونکہ حدیث مطلق ہے۔ اسی طرح سونے اور چاندی کی چمچ کے ساتھ کھانا مکروہ ہے اور ان دونوں کے سرچو سے سرمہ لگانا مکروہ ہے۔ اسی طرح کے دوسرے استعمال میں جیسے سرمہ دانی، آئینہ، قلم اور دوات وغیرہا

32827۔(قولہ: حَلَّ أَكْلُهُ وَيُكْرَهُ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ غور کیا جائے گا کہ اس میں اور اس جلالہ میں کیا فرق ہے جو نجاست وغیرہ کھاتا ہے اور اس میمنے میں کیا فرق ہے۔

سونے، چاندی کے برتن اور آلات کا شرعی حکم

32828۔(قولہ: لِلرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ) ''الخانیہ'' میں کہا: عورتیں زیورات کے علاوہ معاملات میں جیسے کھانے، پینے اور تیل لگانے میں سونے اور چاندی کے برتن اور عقود وغیرہ میں مردوں کی طرح ہیں۔ عورتوں کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ دیباج، ریشم، سونا، چاندی اور موتی استعمال کریں۔

32829۔(قولہ: لِإِطْلَاقِ الْحَدِيثِ) یہ وہ روایت ہے جو حضرت حذیفہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے: لا تلبسوا الحریر ولا الدیباج ولا تشربوا فی آنیة الذهب والفضة ولا تاکلوا فی صحافها فانها لهم فی الدنیا ولكم فی الآخرة(1)۔ اور احادیث ہیں جنہیں ''زیلعی'' نے ذکر کیا ہے۔ کہ حریر پہنو اور نہ ہی دیباج پہنو سونے اور چاندی کے برتن میں نہ پیو۔ اور ان کے پیالوں میں نہ کھاؤ۔ کیونکہ دنیا میں یہ کفار کے لیے ہیں اور آخرت میں تمہارے لیے ہیں۔ پھر کہا: جب یہ حکم کھانے اور پینے میں ثابت ہو گیا تو اسی طرح یہ حکم خوشبو لگانے وغیرہ میں ثابت ہوگا کیونکہ استعمال میں یہ اس کی مثل ہے۔

32830۔(قولہ: وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ الخ) اسی میں سے سونے اور چاندی کا خوان ہے اور ایسے ٹب یا لوٹے سے وضو کرنا جو ان دونوں سے بنا ہوا ہو اور ان دونوں سے بنی ہوئی انگیٹھی سے گرمائش حاصل کرنا اور ایسی کرسی پر بیٹھنا جو ان دونوں چیزوں سے بنی ہوئی ہو اس حکم میں مرد اور عورت برابر ہیں۔ ''تاتر خانیہ''۔

32831۔(قولہ: مِرْآةٍ) امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: آئینہ کا حلقہ چاندی کا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں جب

1۔صحیح بخاری، کتاب الاطعمة، باب الاکل فی انای مغضض، جلد 3، صفحہ 214، حدیث نمبر 5006

يَعْنِي إِذَا اُسْتُعْمِلَتْ ابْتِدَاءً فِيمَا صُنِعَتْ لَهُ بِحَسَبِ مُتَعَارَفِ النَّاسِ وَإِلَّا فَلَا كَرَاهَةَ حَتَّى لَوْ نَقَلَ الطَّعَامَ مِنْ إِنَاءِ الذَّهَبِ إِلَى مَوْضِعٍ آخَرَ أَوْ صَبَّ الْمَاءَ أَوْ الدُّهْنَ فِي كَفِّهِ لَا عَلَى رَأْسِهِ ابْتِدَاءً ثُمَّ اسْتَعْمَلَهُ لَا بَأْسَ بِهِ مُجْتَبَى وَغَيْرُهُ، وَهُوَ مَا حَرَّرَهُ فِي الدُّرَرِ فَلْيُحْفَظْ

یعنی جب ان برتنوں کو ابتداءً اس کام میں استعمال کیا جائے جس کے لیے اسے بنایا گیا جیسا لوگوں میں تعارف ہو ورنہ کراہت نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر وہ کھانا لانے کے برتن سے دوسری جگہ کی طرف منتقل کرے یا پانی یا تیل اپنی ہتھیلی میں انڈیلے نہ کہ ابتداءً اپنے سر پر انڈیلے پھر اسے استعمال کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ''مجتبیٰ'' وغیرہ۔ یہ وہی ہے جس کی وضاحت ''الدرر'' میں کی ہے پس اس کو یاد رکھا جائے۔

آئینہ لوہے کا ہو۔

32832۔ (قولہ: يَعْنِي الخ) یہ عنایت یعنی مراد لینا صاحب ''الدرر'' کی جانب سے ہے۔ اس بارے میں کلام آگے آئے گی۔ جہاں تک ''المجتبیٰ'' وغیرہ کی عبارت ہے: تو ان کے قول میں سے ہے: لونقل الطعام الخ۔

32833۔ (قولہ: مُجْتَبَى وَغَيْرُهُ) جیسے ''النہایہ'' اور ''الکفایہ'' ہے۔ دونوں نے صاحب ''الذخیرہ'' کی شرح ''الجامع الصغیر'' سے نقل کیا ہے اس کی نص ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: تیل لگانے کی صورت یہ ہے کہ وہ سونے اور چاندی کا برتن لے اور تیل کو سر پر انڈیلے مگر جب وہ اپنا ہاتھ برتن میں داخل کرے اور تیل لے پھر ہاتھ سے سر پر انڈیلے تو یہ مکروہ نہیں ہوگا۔ ''تاتر خانیہ'' میں یہ اضافہ کیا ہے: اسی طرح وہ پیالے سے کھانا لے اور اسے روٹی پر رکھے اور اس کے مشابہ جو طریقہ ہے پھر کھائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

''الدرر'' میں کہا: اس پر یہ اعتراض کیا کہ یہ قول تقاضا کرتا ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہوگا جب وہ سونے اور چاندی کے برتن سے کھانا چمچ کے ساتھ لے پھر اس سے کھانا کھائے۔ اسی طرح اگر وہ کھانا اپنے ہاتھ سے لے اور اس میں سے کھانا کھائے تو چاہیے کہ یہ مکروہ نہ ہو۔ پھر ایک قول کیا گیا: لیکن چاہیے کہ اس روایت پر فتویٰ نہ دیا جائے تا کہ اس کے استعمال کا دروازہ نہ کھل جائے۔

32834۔ (قولہ: وَهُوَ مَا حَرَّرَهُ فِي الدُّرَرِ) ''النہایہ'' اور ''الکفایہ'' میں جو قول ہے اس پر جو اعتراض ہے اس کا جواب اس سے دیا جس کی طرف شارح نے اشارہ کیا ہے کہ جو حرام ہے وہ ایسا استعمال ہے جس مقصد کے لیے اسے بنایا گیا ہے اور وہ استعمال لوگوں میں متعارف ہو۔ ''عزمیہ'' میں اسے اس پر ثابت رکھا ہے۔ ''وانی''، ''نوح آفندی'' وغیرہما کے کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ تسلیم نہیں۔ ''رملی'' نے اسی طرح کہا ہے: اگر کھانا اس برتن سے دوسری جگہ کی طرف منتقل کیا گیا یہ اس کا ابتدائی استعمال ہے اور ہاتھ سے تیل لیا پھر اسے سر پر ڈالا یہ متعارف استعمال ہے۔

میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کی توفیق دینے والا ہے: ''الدرر'' میں جو قول ذکر کیا ہے اس میں حرمت کا دارومدار اس

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

استعمال پر ہے جس کے لیے عرف میں اسے استعمال کیا گیا اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہ قول تقاضا کرتا ہے اگر اس نے تیل یا کھانے کے برتن سے پانی پیا یا غسل کیا تو یہ اس پر حرام نہیں ہوگا۔ حالانکہ یہ بلاشبہ استعمال ہے متون کے اطلاق کے تحت داخل ہے۔ وہ ادلہ جو اس میں وارد ہیں ان کے تحت داخل ہے اور ہم نے پہلے جو ''النہایہ'' وغیرہا سے وضاحت جس وجہ پر بیان کی ہے اس تقریر سے میرے لیے یہ امر ظاہر ہوتا ہے تو اس پر وہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ یہ کہا جائے اس برتن جس کی وضاحت کی گئی ہے میں مثلاً تیل یا کھانا رکھنا جائز ہے کیونکہ یہ اس کا قطعی استعمال ہے۔ پھر وہ چیز رکھنے کے بعد نفع حاصل کیے بغیر جب اس میں چھوڑے رکھے تو مال کا ضیاع لازم آئے گا۔ پس ضرورت کی بنا پر اس سے لینا ضروری ہے جب لینے والا اسے اس برتن سے کسی دوسری جگہ کی طرف منتقل کرنے کا قصد کرے۔ یہ استعمال کے طریقہ پر نہ ہو بلکہ اس لیے تاکہ دوسرے محل سے اسے استعمال کرے جس طرح جب وہ تیل کو اپنی ہتھیلی کی طرف منتقل کرے۔ پھر اس سے اپنے سر کو تیل لگائے یا طعام کو روٹی کی طرف منتقل کرے یا دوسرے برتن کی طرف منتقل کرے۔ اور اس سے اسے استعمال کرے تو وہ چاندی کے برتن کو استعمال کرنے والا نہیں کہلائے گا اور نہ ہی سونے کے برتن کو استعمال کرنے والا کہلائے گا نہ یہ شرعی طور پر ایسا ہوگا اور نہ ہی عرف میں استعمال کرنے والا ہوگا۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ تیل لگانے یا کھانے کے ارادہ سے ابتداءً اس سے وہ چیز لے۔ کیونکہ یہ استعمال ہے خواہ اپنے ہاتھ سے لے یا چمچ وغیرہ سے لے۔ کیونکہ یہ سرمچو کے ساتھ سرمہ لینے کی طرح ہے خواہ اس نے اسے عرف کے اعتبار سے استعمال کیا ہو جس میں اسے بنایا گیا تھا یا اسے اس طرح استعمال نہ کرے۔ تیل لینے سے مراد ہتھیلی میں اسے انڈیلنا مراد ہے۔ کیونکہ یہ متعارف استعمال ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اسے تیل والی بوتل سے ہاتھ کے ساتھ لینا ہے۔ لیکن اس سے لینا نقل کے ارادہ سے ہو نہ کہ استعمال کے ارادہ سے ہو جس طرح وہ قول جو گزر چکا ہے جو ''النہایہ'' میں ہے اس کا فائدہ دیتا ہے پس یہ اس کے منافی نہیں جو ''تاتر خانیہ'' میں ''العتابیہ'' سے مروی ہے کیونکہ کہا: یہ مکروہ ہے کہ چاندی کے برتن سے سر میں تیل ڈالے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ تیل اپنی ہتھیلی پر ڈالے پھر اپنے سر یا اپنی داڑھی پر ملے۔ اس سے گلاب پاش سے تیل لگانے کا حکم ظاہر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کبھی اس سے چہرے پر ابتداءً چھڑکاؤ کیا جاتا ہے اور بعض اوقات ہتھیلی میں انڈیلنے کے ساتھ چہرے پر لگایا جاتا ہے۔ دونوں عرف و شرع کے اعتبار سے استعمال ہیں اس سے بعض ان لوگوں نے اختلاف کیا ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر وہ ہتھیلی میں انڈیلے تو یہ استعمال نہیں وہ شارح کی کلام کے ظاہر سے دھوکہ کھاتے ہیں۔ ہم نے ''تاتر خانیہ'' سے اس کے برعکس کی تصریح آپ کو سنائی ہے۔ یہ وہ امر ہے جو میرے ناقص فہم کے لیے ظاہر ہوا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ''طحطاوی'' نے قہوہ کی پیالیاں اور گھڑیاں جو سونے اور چاندی کی بنی ہوئی ہوں جیسے برتنوں کے استعمال کی حرمت کو بیان کیا ہے۔ یہ امر ظاہر ہے ہم ان سے بعد میں اس کا ذکر کریں گے۔

وَاسْتَثْنَى الْقُهُسْتَانِيُّ وَغَيْرُهُ اسْتِعْمَالَ الْبَيْضَةِ وَالْجَوْشَنِ وَالسَّاعِدَانِ مِنْهُمَا فِي الْحَرْبِ لِلضَّرُورَةِ وَهَذَا فِيمَا يَرْجِعُ لِلْبَدَنِ وَأَمَّا لِغَيْرِهِ تَجَمُّلًا بِأَوَانٍ مُتَّخَذَةٍ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ وَسَرِيرٌ كَذَلِكَ وَفُرُشٌ عَلَيْهِ مِنْ دِيبَاجٍ وَنَحْوِهِ فَلَا بَأْسَ بِهِ بَلْ فَعَلَهُ السَّلَفُ خُلَاصَةٌ حَتَّى أَبَاحَ أَبُو حَنِيفَةَ تَوَسُّدَ الدِّيبَاجِ وَالنَّوْمَ عَلَيْهِ

''قہستانی'' وغیرہ نے خود، زرہ اور دستانے جوان دونوں سے بنے ہوئے ہوں کے استعمال کی حالت جنگ میں استثنا کی ہے۔ یہ ضرورت کی بنا پر ہے۔ یہ حکم اس بارے میں ہے جو استعمال بدن کے منافع کی طرف راجع ہو۔ جہاں تک اس کے علاوہ کے استعمال کا تعلق ہے جیسے ایسے برتنوں سے خوبصورتی حاصل کرنا جو سونے اور چاندی کے بنے ہوتے ہیں۔ اسی طرح چارپائی ہے اور اس پر دیباج کے بستر ہوں وغیرہ تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ سلف صالحین نے ایسا کیا ہے،''خلاصہ''۔ یہاں تک کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے دیباج کا سرہانہ بنانا اور اس پر سونا مباح قرار دیا ہے

32835_(قولہ: وَاسْتَثْنَى الْقُهُسْتَانِيُّ الخ) ''الذخیرہ'' میں علماء نے کہا: یہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کا قول ہے۔ کیونکہ جنگ میں ریشم کا استعمال ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ اسی طرح سونے کے استعمال کا حکم ہوگا۔ پھر دونوں ائمہ نے سونے کی بنی زرہ اور خود میں اور سونے سے بنے تلوار کے زیور میں فرق کیا ہے کہ شیر سونے پر سے پھسل جاتا ہے۔ جہاں تک تلوار کے زیور کا تعلق ہے تو یہ کوئی نفع نہیں دیتا بے شک یہ تو زینت کے لیے ہے پس یہ مکروہ ہوگا۔

32836_(قولہ: الْبَيْضَةِ) یہ زرہ کا ایسا حصہ ہے جو سر پر پہنا جاتا ہے۔ ''المغرب'' میں کہا: بیضہ سے مراد شتر مرغ اور ہر پرندے کا انڈہ ہے اسے لوہے کے خود کے لیے بطور مجاز استعمال کیا گیا ہے۔ کیونکہ دونوں میں کلی مناسبت موجود ہے اسے خود کہتے ہیں۔ ''المغرب'' میں کہا: مغفر اسے کہتے ہیں جسے خود کے نیچے پہنا جاتا ہے اور خود کو بھی مغفر کہتے ہیں۔

32837_(قولہ: وَالْجَوْشَنِ) اس سے مراد زرہ ہے۔ ''قاموس''۔

32838_(قولہ: وَالسَّاعِدَانِ مِنْهُمَا) مراد سونا اور چاندی ہے احسن عبارت یہ تھی: والساعدین یعنی یہ حالت جری کی صورت میں ہے۔ اسے ''تاتر خانیہ'' میں ذکر کیا ہے۔ اسے ''قہستانی'' نے ذکر نہیں کیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ زرہ میں داخل ہے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد ہے جسے مقاتل اپنے بازوؤں پر پہنتا ہے۔ جو سونے سے بنا ہو۔

32839_(قولہ: وَهَذَا فِيمَا يَرْجِعُ لِلْبَدَنِ) یعنی سونے اور چاندی کی حرمت ایسی چیز میں ہے جس کا استعمال بدن کی طرف راجع ہو یعنی جیسے وہ لباس، کھانے یا کتابت میں استعمال کرے اور یہ احتمال موجود ہے کہ مراد یہ ہے کہ اس کا نفع بدن کی طرف راجع ہو لیکن یہ قلم اور دوات کے استعمال کو جامع نہیں۔ احسن وہ قول ہے جو ''قہستانی'' میں ہے کیونکہ اس نے کہا: استعمال میں اس بات کا شعور دلایا ہے کہ خوبصورت کے لیے ان سے برتن بنانے میں کوئی حرج نہیں۔

32840_(قولہ: تَجَمُّلًا) یعنی اصلاً ان کو استعمال میں نہ لایا جائے۔

32841_(قولہ: بَلْ فَعَلَهُ السَّلَفُ) اسے ''الخلاصہ'' میں ذکر نہیں کیا بلکہ ''تاتر خانیہ'' میں ''المحیط'' سے نقل کیا ہے۔

32842_(قولہ: حَتَّى أَبَاحَ الخ) جب ان کی کلام اب استعمال کے بغیر برتن بنانے کے بارے میں ہے اور ریشم

كَمَا يَأْتِي وَيُكْرَهُ الْأَكْلُ فِي نُحَاسٍ أَوْ صُفْرٍ وَالْأَفْضَلُ الْخَزَفُ قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اتَّخَذَ أَوَانِيَ بَيْتِهِ خَزَفًا زَارَتْهُ الْمَلَائِكَةُ اخْتِيَارٌ (لَا يُكْرَهُ مَا ذُكِرَ (مِنْ) إنَاءِ (رَصَاصٍ وَزُجَاجٍ وَبَلُّورٍ وَعَقِيقٍ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ (وَحَلَّ الشُّرْبُ

جس طرح آگے آئے گا۔ تانبے یا پیتل کے برتن میں کھانا مکروہ ہے۔ سب سے بہتر برتن مٹی کے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو اپنے گھر کے برتن مٹی کے بنائے فرشتے اس کی زیارت کرتے ہیں (1)۔ ''الاختیار''۔ سیسہ، شیشہ، بلور اور عقیق کے برتن میں کھانا پینا مکرہ نہیں۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ایسے برتن سے پینا حلال ہے

بنانے کے ذکر کے بغیر ہے تو اس قول سے اس امر کا ارادہ کیا کہ اس اعتراض کو دور کیا جائے جس کا وہم کیا گیا کہ اس کو تکیہ بنانا اور اس پر سونا حلال نہیں۔

32843۔ (قولہ: كَمَا يَأْتِي) یعنی فصل لبس میں اس کا ذکر آئے گا۔

پیتل یا تانبے کے برتنوں میں کھانا کھانے کا شرعی حکم

32844۔ (قولہ: وَيُكْرَهُ الْأَكْلُ فِي نُحَاسٍ أَوْ صُفْرٍ) ''الدر المنتقی'' میں اسے ''المفید'' اور ''الشرعۃ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ صفر یہ قفل کی طرح ہے اور صا کے نیچے کسرہ اس میں لغت ہے۔ یہ تانبا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں سے سب سے عمدہ مصباح (بڑا پیالہ، چراغ) ہے۔ ''شرح الشرعۃ'' میں ہے: ہر ایسی شے جو معدنیات سے مرکب ہوتی ہے جیسے تانبا، اسرب (سیسہ) وغیرہ۔ پھر تانبے کی قید یہ لگائی ہے جس پر سکہ کی قلعی نہ کی گئی ہو۔ اسی طرح ان علما نے کہا جنہوں نے اس کتاب پر لکھا یعنی تانبے کے برتن کو استعمال کرنا مکروہ ہے جب کہ اسے قزدیر اور شب (کانی نمک) سے قلعی نہ کیا گیا ہو۔ کیونکہ زنگ کھانے میں داخل ہو جاتا ہے اور بہت بڑا نقصان پہنچا دیتا ہے۔ جہاں تک اس کے بعد کا تعلق ہے تو ضرر لاحق نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں: میں نے ''الاختیار'' میں جو قول دیکھا ہے وہ یہ ہے: انہیں مٹی سے بنانا افضل ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی فضول خرچی نہیں اور نہ ہی کوئی تہمت ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے: جو اپنے گھر میں مٹی کے برتن بناتا ہے فرشتے اس کی ملاقات کرتے ہیں۔ یہ جائز ہے کہ تانبے اور سیسے کے برتن بنائے جائیں۔ ''جوہرہ'' میں ہے: جہاں تک چاندی اور سونے کے علاوہ برتنوں کا تعلق ہے تو ان میں کھانا کھانے اور پانی پینے میں کوئی حرج نہیں اور ان سے نفع حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں جیسے لوہا، پیتل، تانبا، شیشہ، لکڑی اور مٹی۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ خزف کا لفظ زا کے ساتھ ہے ہر وہ برتن جو مٹی سے بنایا جائے اور آگ سے پکایا جائے یہاں تک کہ بجنے لگے۔ ''قاموس''۔

32845۔ (قولہ: مَا ذُكِرَ) یعنی جن امور کا ذکر کیا گیا ہے یعنی کھانے، پینے، تیل لگانے اور خوشبو لگانے۔

32846۔ (قولہ: رَصَاصٍ) یہ را کے فتحہ کے ساتھ ہے جیسے سحاب اسے کسرہ نہیں دیا جاتا۔ زجاج یہ زا کے ساتھ ہے

1۔ بریقۃ محمودیۃ علی طریقۃ شریعۃ محمدیۃ، باب صفۃ اکل الطعام، صفحہ 208، مکتبہ شاملہ

مِنْ إِنَاءٍ مُفَضَّضٍ) أَيْ مُزَوَّقٍ بِالْفِضَّةِ (وَالرُّكُوبُ عَلَى سَرْجٍ مُفَضَّضٍ وَالْجُلُوسُ عَلَى كُرْسِيٍّ مُفَضَّضٍ) وَلَكِنْ بِشَرْطِ أَنْ (يُتَّقَى) أَيْ يُجْتَنَبَ (مَوْضِعُ الْفِضَّةِ) بِفَمٍ قِيلَ وَيَدٍ وَجُلُوسِ سَرْجٍ وَنَحْوِهِ

جس پر چاندی کا پانی چڑھایا گیا ہو اور جس زین پر چاندی کا پانی چڑھایا گیا اس پر سوار ہونا اور جس کرسی پر چاندی کا پانی چڑھایا گیا ہو اس پر بیٹھنا حلال ہے لیکن شرط یہ ہے کہ چاندی کی جگہ پر منہ رکھنے سے اجتناب کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہاتھ رکھنے اور زین پر بیٹھنے کی جگہ وغیرہ میں چاندی کی جگہ سے اجتناب کرے۔

بلور یہ تنور، سنور کی طرح ہے سطر یہ معروف جوہر ہے عقیق۔ یہ امیر کے وزن پر ہے یہ سرخ نگینہ ہے۔ ''قاموس''۔

سونے کا پانی چڑھا برتن اور کرسی استعمال کرنے کا شرعی حکم

32847۔ (قولہ: مُفَضَّضٍ) اس کے حکم میں مذہب ہے یعنی جس پر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہو۔ ''قہستانی''۔

32848۔ (قولہ: أَيْ مُزَوَّقٍ بِالْفِضَّةِ) ''المنح'' میں اسی طرح ہے۔ ''شمنی'' نے اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ اس سے مراد مرصع ہے، ''ط''۔ ہر منقش اور مزین کو مزوق کہتے ہیں۔ ''قاموس''۔

32849۔ (قولہ: بِفَمٍ) پس وہ اپنا منہ لکڑی پر رکھے اگرچہ پکڑتے وقت اپنا ہاتھ چاندی پر رکھے۔ ''ط''۔

32850۔ (قولہ: قِيلَ وَيَدٍ) ''ہدایہ''، ''جوہرہ''، ''اختیار'' اور ''تبیین'' وغیرہا میں اسی طرح تعبیر کیا ہے۔ اس قول نے ''الدرر'' میں جو ضعف ہے اس کو بیان کر دیا ہے جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں اس پر متنبہ کیا ہے۔

32851۔ (قولہ: وَجُلُوسِ سَرْجٍ) اس کا عطف اسم مجرور پر ہے جو فم میں ہے۔ اس کا عطف ید پر نہیں جس طرح وہم ہوتا ہے۔ ''غرر الافکار'' میں کہا: وہ مصحف وغیرہ میں پکڑنے کی جگہ میں اجتناب کرے یعنی جہاں سونے اور چاندی کا زیور ہے اس جگہ سے نہ پکڑے۔ زین میں بیٹھنے کی جگہ چاندی وغیرہ داخل نہ ہو اور رکاب کی صورت میں پاؤں رکھنے کی جگہ چاندی والی نہ ہو۔ اور برتن میں منہ رکھنے کی جگہ چاندی والی نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پکڑنے کی جگہ ایسی نہ ہو۔ ''ایضاح الاصلاح'' میں اسی طرح ہے۔ اور قریب ہی آئے گا کہ وہ نعل، دستہ اور لگام میں ہاتھ کی جگہ میں اجتناب کرے یعنی اس جگہ سونا، چاندی نہ ہو۔

حاصل کلام

مراد اس عضو میں بچنا ہے جس کے استعمال کا وہ قصد کرتا ہے۔ پینے کی صورت میں جب مقصود منہ کا استعمال ہے تو اس میں بچنے کا اعتبار ہے ہاتھ میں اس کا اعتبار نہیں۔ اسی وجہ سے اگر چاندی کی جگہ سے اس نے رکاب کو اپنے ہاتھ میں اٹھایا تو یہ حرام نہیں ہوگا۔ پس دار و مدار منہ پر نہیں کیونکہ ہمارے اس قول: متقیا فی السرج والکرسی موضع الفم کا کوئی معنی نہیں۔ فافہم

یہ امر مخفی نہیں کہ گفتگو اس بارے میں ہے کہ جس پر چاندی کا پانی چڑھایا گیا ہو ورنہ وہ جو تمام کا تمام سونا ہو تو اس کا استعمال ہر اعتبار سے حرام ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اگرچہ جسم سے مس کیے بغیر ہو۔ اسی وجہ سے چاندی کی انگیٹھی میں عود جلانا حرام ہے جس طرح ''الخلاصہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ اس کی مثل بدرجہ اولی قہوہ کی پیالیاں، گھڑی،

وَكَذَا الْإِنَاءُ الْمُضَبَّبُ بِذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ وَالْكُرْسِيُّ الْمُضَبَّبُ بِهِمَا وَحِلْيَةُ مِرْآةٍ وَمُصْحَفٍ بِهِمَا

اسی طرح اس برتن کا حکم ہے یعنی حلال ہے جس پر سونے یا چاندی کی پتریاں لگی ہوں اور اس کرسی کا حکم ہے جس پر سونے اور چاندی کی پتریاں لگی ہوں۔ اور اسی طرح کا حکم ہے آئینہ کے زیور اور مصحف کے زیور کا جو ان دونوں چیزوں سے بنے ہوں۔

حقہ جس میں پانی ڈالا جاتا ہے اگر چہ ہاتھ اور منہ سے اسے مس نہ کرے۔ کیونکہ ان کا استعمال اس میں ہو رہا ہے جس کے لیے اسے بنایا گیا۔ اس قصب کا معاملہ مختلف ہے جسے تمباکو کی نالی کی ایک طرف لپیٹا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ آراستہ کرنا ہے جب کہ اس پر چاندی کا جڑاؤ کیا گیا ہو۔ پس اس میں ہاتھ اور منہ میں اجتناب کرنے کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور جو سب کا سب چاندی کا ہو وہ اس کے مشابہ نہیں ہوگا جس طرح یہ ان کی کلام کا صریح معنی ہے جب کہ یہ ظاہر ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: ایک جماعت نے شرع پر جرأت کا اظہار کیا اور انہوں نے کہا: اس قسم کے برتنوں کا استعمال مباح ہے وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ صرف منہ سے بچنا ہے اور ہاتھ سے مس کرنے میں کوئی حرج نہیں یہ عظیم جہالت ہے۔ ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم۔ کیونکہ خوان اور کھانے کے برتنوں کو وہ اپنے ہاتھ سے نہیں چھوتا جب کہ یہ دونوں حرام ہیں۔ اور ''ابوسعود'' کا قول جو ان کے شیخ سے مروی ہے یہ بھی جرأت میں سے ہے: یہ جان لو چاہیے جیسا کہ راجح یہ ہے کہ پکڑنے کی جگہ میں اجتناب کی شرط نہیں تو قہوہ ایسی پیالی سے پینا حلال ہے جو چاندی کے تبس میں ہو۔ کیونکہ مقام مختلف فیہ ہے۔ پس اس میں تدبر کرنا چاہیے جیسا تدبر کا حق ہے۔

میں کہتا ہوں: ''سائحانی'' نے اس کا رد اپنے اس قول سے کیا ہے: بہت بڑا فرق ہے چاندی کے اس برتن میں جو پیالی کی گرمی دور کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اس چاندی میں جسے مرصع کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ تبس سے مراد جس میں پیالی رکھی جاتی ہے۔ میرے پاس جو لغت کی کتب ہیں اس میں اس کے متعلق نہیں دیکھا۔ پھر ''طحطاوی'' نے کہا: اس میں غور کرو اگر برتن منہ پر نہ رکھا جاتا ہو اس کی صورت یہ ہے کہ اسے ہاتھ سے ہی استعمال کیا جاتا ہو جس طرح دوات ہے جس پر پانی چڑھایا گیا ہو کیا وہ اس پر ہاتھ رکھنے سے بچے۔ اس کی وضاحت کیجئے۔ علماء نے تلوار کے بارے میں جو ذکر کیا ہے کہ سونے اور چاندی کی جگہ سے ہاتھ کا بچانا شرط ہے اس کا مقتضایہ ہے کہ وہ دوات وغیرہ میں قصبہ کے دستہ پر ہاتھ نہ رکھے۔

میں کہتا ہوں: یہ اس کی مثل ہے جسے ہم پہلے قصبة التتن میں بیان کر چکے ہیں۔

وہ برتن جس پر سونے یا چاندی کی پتریاں لگی ہوں اس کا شرعی حکم

32852۔ (قولہ: وَكَذَا الْإِنَاءُ الْمُضَبَّبُ) یعنی اس میں حکم اس کا تھا جس پر چاندی کا پانی بہایا گیا ہو۔ یہ کہا جاتا ہے باب مضبب یعنی جسے پتریوں سے جوڑا گیا ہو یہ چوڑا لوہا ہوتا ہے جس کے ساتھ اسے جوڑا جاتا ہے کہتے ہیں ضبب اسنانه بالفضة جب وہ چاندی کی تاروں سے اپنے دانتوں کو باندھ دے۔ ''مغرب''۔

32853۔ (قولہ: وَحِلْيَةُ مِرْآةٍ) جو قول ''المنح''، ''الہدایہ'' وغیرہما میں ہے۔ وہ حلقة قاف کے ساتھ ہے۔ ''الکفایہ'' میں کہا: مراد یہ ہے جو آئینہ کے ارد گرد ہوتا ہے نہ کہ وہ مراد ہوتا ہے جسے عورت اپنے ہاتھ میں پکڑے کیونکہ یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔

(كَمَا لَوْ جُلُّهُ) أَيُ التَّفْضِيضِ (فِي نَصْلِ سَيْفٍ وَسِكِّينٍ أَوْ فِي قَبْضَتِهِمَا أَوْ لِجَامٍ أَوْ رِكَابٍ وَلَمْ يَضَعْ يَدَهُ مَوْضِعَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ) وَكَذَا كِتَابَةُ الثَّوْبِ بِذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ، وَفِي الْمُجْتَبَى لَا بَأْسَ بِالسِّكِّينِ الْمُفَضَّضِ وَالْمَحَابِرِ وَالرِّكَابِ وَعَنِ الثَّانِي يُكْرَهُ الْكُلُّ وَالْخِلَافُ فِي الْمُفَضَّضِ

اسی طرح اگر وہ سونے چاندی کا کام تلوار کے پھل، چھری میں کرے یا دونوں کے دستہ میں کرے یا لگام میں کرے یا رکاب میں کرے اور وہ اپنا ہاتھ سونے اور چاندی کی جگہ نہ رکھے۔ اسی طرح کپڑے پر سونے چاندی سے لکھائی کا مسئلہ ہے۔ ''مجتبیٰ'' میں ہے: چھری، دوات اور رکاب جن پر سونے چاندی کا کام کیا گیا ہو اس میں کوئی حرج نہیں۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: یہ سب مکروہ ہے۔ اختلاف اس میں ہے جس پر سونے اور چاندی کا کام کیا گیا ہو۔

32854۔ (قولہ: وَلَمْ يَضَعْ يَدَهُ) یہ رکاب کو شامل نہیں۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ وہ رجلہ کے لفظ کا اضافہ کرتے۔

کپڑے، چھری، دوات اور رکاب پر سونے چاندی کا کام کیا گیا ہو تو اس کا حکم

32855۔ (قولہ: وَكَذَا كِتَابَةُ الثَّوْبِ الخ) عنقریب یہ آئے گا کہ سونے سے بنا ہوا کپڑا حلال ہو گا اگر اس کی مقدار چار انگلیاں ہو۔ تامل

32856۔ (قولہ: وَعَنِ الثَّانِي) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اور روایت ہے۔ ''بزازیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ کراہت امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ یہ اس کے برعکس ہے جسے میں نے کئی مواقع پر دیکھا ہے۔ ''المنح'' کی عبارت ''ہدایہ'' وغیرہا کی طرح ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ مکروہ ہے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ روایت کیا جاتا ہے اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ روایت کیا جاتا ہے۔

32857۔ (قولہ: يُكْرَهُ الْكُلُّ) یعنی گزشتہ تمام مسائل میں مفضض (جس پر سونے چاندی کا کام کیا گیا ہو) یا مضبب جس پر سونے چاندی کی پتریاں لگائی گئی ہوں۔ سب مکروہ ہے۔ کیونکہ اخبار مطلق ہیں کیونکہ جو برتن استعمال کرتا ہے وہ اس کا ہر جز استعمال کرنے والا ہوتا ہے۔

امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیالہ ٹوٹ گیا تو جہاں سے وہ الگ ہوا تھا اس کی جگہ چاندی کی تار سے اسے جوڑ دیا (1)۔ اسے امام ''بخاری'' نے روایت کیا ہے اور امام ''احمد'' کی دلیل حضرت ''عاصم احول'' کی روایت ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیالہ دیکھا جس میں چاندی کی پتری لگی ہوئی تھی۔ اس کی مکمل وضاحت ''التبیین'' میں ہے۔ شعب کا لفظ منع کے وزن پر ہے جس کا معنی پھاڑنا ہے۔

32858۔ (قولہ: وَالْخِلَافُ فِي الْمُفَضَّضِ) اس سے اس چیز کا ارادہ کیا ہے جس میں چاندی کا ٹکڑا ہو پس یہ مضبب کو شامل ہو گا۔ زیادہ ظاہر ''عینی'' وغیرہ کی عبارت ہے وہ یہ ہے: هذا الاختلاف فيما يخلص یہ اختلاف اس سونے اور چاندی

1۔ صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، باب ما ذکر من درع النبی الخ، جلد 2، صفحہ 213، حدیث نمبر 2878

أَمَّا الْمَطْلِيُّ فَلَا بَأْسَ بِهِ بِالْإِجْمَاعِ بِلَا فَرْقٍ بَيْنَ لِجَامٍ وَرِكَابٍ وَغَيْرِهِمَا لِأَنَّ الطِّلَاءَ مُسْتَهْلَكٌ لَا يَخْلُصُ فَلَا عِبْرَةَ لِلَوْنِهِ عَيْنِيٌّ وَغَيْرُهُ (وَيُقْبَلُ قَوْلُ كَافِرٍ) وَلَوْ مَجُوسِيًّا (قَالَ اشْتَرَيْتُ اللَّحْمَ مِنْ كِتَابِيٍّ فَيَحِلُّ أَوْ قَالَ) اشْتَرَيْتُهُ (مِنْ مَجُوسِيٍّ فَيَحْرُمُ) وَلَا يَرُدُّهُ بِقَوْلِ الْوَاحِدِ وَأَصْلُهُ

جہاں تک اس کا تعلق ہے جس پر پانی چڑھایا گیا ہو تو بالاجماع اس میں کوئی حرج نہیں۔ لگام، رکاب وغیرہما میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ پانی چڑھانا اسے ہلاک کر دینا ہوتا ہے۔ اسے الگ نہیں کیا جا سکتا اس کی رنگت کا کوئی اعتبار نہیں ''عینی'' وغیرہ۔ کافر، اگرچہ مجوسی ہو، کا قول قبول کیا جائے گا۔ اس نے کہا: میں نے کتابی سے گوشت خریدا پس وہ گوشت کھانا حلال ہوگا یا اس نے کہا میں نے اسے مجوسی سے خریدا ہے تو وہ حرام ہوگا۔ ایک آدمی کے قول کی وجہ سے اسے رد نہیں کیا جائے گا۔ اس کا قاعدہ یہ ہے

میں ہے جسے الگ کیا جا سکتا ہو۔ جہاں تک تمویہ کا تعلق ہے جسے الگ نہیں کیا جا سکتا تو بالاجماع اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اسے تو ہلاک کیا جا چکا ہے تو اس کی رنگت کے باقی رہنے کا کوئی اعتبار نہیں۔

32859۔ (قولہ: أَوْ قَالَ اشْتَرَيْتُهُ مِنْ مَجُوسِيٍّ فَيَحْرُمُ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ حرمت محض اس سے ثابت ہو جائے گی اگرچہ وہ ذبیحة مجوسی کا لفظ نہ کہے۔ ''جامع صغیر'' کی عبارت ہے: اگر اس کے علاوہ ہو تو اس کے لیے گنجائش نہیں کہ اسے کھائے۔ ''ہدایہ'' میں کہا: اس کا معنی ہے: جب اس نے کہا: جب وہ غیر کتابی اور غیر مسلم کا ذبیح ہو۔ تامل۔

''تاتر خانیہ'' میں ''الاضحیۃ'' سے تھوڑا پہلے امام ''ابو یوسف'' رطیٹھلیہ کی ''جامع الجوامع'' سے یہ قول نقل کیا ہے: جس نے گوشت خریدا اس سے علم ہوا کہ یہ بیچنے والا مجوسی ہے اور خریدار نے اسے لوٹانے کا ارادہ کیا تو بیچنے والے نے کہا اسے مسلمان نے ذبح کیا ہے تو اس کا کھانا مکروہ ہوگا۔

اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ بائع کا محض مجوسی ہونا حرمت کو ثابت کر دیتا ہے۔ کیونکہ بعد میں جب وہ اس کے حلال ہونے کی خبر اپنے اس قول ذبحہ مسلم سے دے تو اس کا کھانا مکروہ ہوتا ہے تو اس کے بغیر کیسے مکروہ نہیں ہوگا۔ تامل

32860۔ (قولہ: وَلَا يَرُدُّهُ بِقَوْلِ الْوَاحِدِ) ''خانیہ'' میں کہا: ایک مسلمان ہے جس نے گوشت خریدا اور اس پر قبضہ کیا ایک قابل اعتماد مسلمان نے اسے خبر دی یہ مجوسی کا ذبیحہ ہے تو اس کے لیے مناسب نہیں کہ اسے کھائے اور نہ ہی غیر کو کھلائے۔ کیونکہ اس نے عین کی حرمت کی خبر دی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے پس حرمت خبر واحد کے ساتھ ثابت ہو جائے گی۔ ملکیت کا باطل ہونا یہ اس کی ضرورت میں سے نہیں ہے۔ پس حرمت ملکیت کے باقی رہنے کے ساتھ ثابت ہوگی اس وقت بائع پر اسے لوٹانا ممکن نہیں اور نہ ہی اس سے ثمن رد کرے گا کیونکہ بیع باطل نہیں ہوئی۔ ملخص

کافر کی خبر معاملات میں بالاجماع مقبول لیکن دیانات میں مقبول نہیں

32861۔ (قولہ: وَأَصْلُهُ الخ) جو حلت اور حرمت کے ثبوت کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی اصل یہ ہے یہ اس سوال اور اس کے جواب کی طرف اشارہ کرنا ہے جو ''النہایہ'' وغیرہا میں مذکور ہیں۔

أَنَّ خَبَرَ الْكَافِرِ مَقْبُولٌ بِالْإِجْمَاعِ فِي الْمُعَامَلَاتِ لَا فِي الدِّيَانَاتِ وَعَلَيْهِ يُحْمَلُ قَوْلُ الْكَنْزِ وَيُقْبَلُ قَوْلُ الْكَافِرِ فِي الْحِلِّ وَالْحُرْمَةِ يَعْنِي الْحَاصِلَيْنِ فِي ضِمْنِ الْمُعَامَلَاتِ لَا مُطْلَقَ الْحِلِّ وَالْحُرْمَةِ كَمَا تَوَهَّمَهُ الزَّيْلَعِيُّ (وَ) يُقْبَلُ قَوْلُ (الْمَمْلُوكِ) وَلَوْ أُنْثَى (وَالصَّبِيِّ فِي الْهَدِيَّةِ) سَوَاءٌ أَخْبَرَ بِإِهْدَاءِ الْمَوْلَى غَيْرَهُ أَوْ نَفْسَهُ (وَالْإِذْنِ) سَوَاءٌ كَانَ بِالتِّجَارَةِ

کہ کافر کی خبر معاملات میں بالاجماع مقبول ہے دیانات میں مقبول نہیں اس پر ''کنز'' کے قول کو محمول کیا جائے گا حلت اور حرمت میں کافر کا قول مقبول ہوگا ''عینی''۔ جو دونوں معاملات کے ضمن میں حاصل ہیں نہ کہ مطلق حلت اور حرمت میں ان کا قول مقبول ہوگا جس طرح ''زیلعی'' نے وہم کیا ہے۔ اور مملوک کا قول مقبول ہے اگرچہ مملوک مؤنث ہو اور بچے کا قول مقبول ہے ہدیہ کے بارے میں خواہ وہ یہ خبر دے کہ آقا نے کسی اور کو ہدیہ دیا ہے یا آقا نے اسے ہدیہ دیا ہے اور اذن میں قول مقبول ہوگا خواہ وہ تجارت کے متعلق ہو

سوال کا حاصل یہ ہے: یہ مسئلہ ان کے آنے والے قول کے مناقض ہے اور دیانات میں عدالت کی شرط لگائی ہے۔ کیونکہ دیانات میں حلت اور حرمت ہے جس طرح جب وہ یہ خبر دے کہ یہ حلال ہے یا حرام ہے تو اس نے اس میں عدل کی شرط لگائی اور اس سے مراد ایسا مسلمان ہے جو پسندیدہ و مقبول ہے یہاں ان کا قول ہے شہریتہ من کتابی الخ میں نے اسے کتابی سے خریدا۔ اس کا معنی ہے: وہ حلال ہے یا حرام ہے اس میں کافر کی خبر مقبول ہے اگرچہ وہ مجوسی ہو۔

اس کا جواب یہ ہے اس کا قول شہریتہ معاملات میں سے ہے۔ اس میں حلت اور حرمت کا ثبوت ضمنی ہے۔ قصدی نہیں۔ جیسے منقولہ چیز کو وقف کرنا اور پانی کی باری کو بیچنا۔ اس سے جواب واضح ہو جاتا ہے یہ ''کنز'' سے مروی ہے۔

32862۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ) یعنی ضمیر سے مراد الاصل ہے اس جواب کی طرف ''عینی'' ان سے سبقت لے گئے ہیں۔ مصنف نے ان دونوں کی پیروی کی ہے۔ اس پر صاحب ''کنز'' کی تقریر، جو ان کی کتاب ''کافی'' میں ہے، دلالت کرتی ہے۔

32863۔ (قولہ: لَا مُطْلَقَ الْحِلِّ وَالْحُرْمَةِ) یہ قصدی کو شامل ہے جیسے وہ کہے یہ حلال ہے یا یہ حرام ہے۔

مملوک کا قول مقبول ہوگا خواہ مملوک مؤنث ہو

32864۔ (قولہ: سَوَاءٌ أَخْبَرَ بِإِهْدَاءِ الْمَوْلَى غَيْرَهُ أَوْ نَفْسَهُ) زیادہ بہتر یہ تھا مولی کی بجائے ولی سے تعبیر کرتے۔ غیرہ اور نفسہ میں ضمیر اس خبر کے لیے ہے جو اخبر سے مفہوم ہے۔ ''المنح'' میں کہا: غلام، لونڈی یا بچہ یہ کہے: یہ ہدیہ ہے جو میرے آقا، میرے باپ نے تجھے ہدیہ بھیجا ہے۔ ''جامع صغیر'' میں ہے: جب ایک لونڈی کسی مرد سے کہے: میرے آقا نے تیری طرف ہدیہ بھیجا ہے تو اس کے لیے گنجائش ہے کہ وہ آدمی ہدیہ لے لے۔ کیونکہ اس میں کوئی فرق نہیں جب وہ یہ خبر دے کہ آقا نے کسی اور کو یہ ہدیہ دیا ہے یا اسے ہدیہ دیا ہے۔ ہدیہ میں ان کا قول قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ معمول یہی ہے کہ ہدایا انہیں لوگوں کے ہاتھ بھیجے جاتے ہیں۔

أَوْ بِدُخُولِ الدَّارِ مَثَلًا وَقَيَّدَهُ فِي السِّرَاجِ بِمَا إِذَا غَلَبَ عَلَى رَأْيِهِ صِدْقُهُمْ فَلَوْ شَرَى صَغِيرٌ نَحْوَ صَابُونٍ وَأُشْنَانٍ لَا بَأْسَ بِبَيْعِهِ وَلَوْ نَحْوَ زَبِيبٍ وَحَلْوَى لَا يَنْبَغِي بَيْعُهُ لِأَنَّ الظَّاهِرَ كَذِبُهُ وَتَمَامُهُ فِيهِ (وَ) يُقْبَلُ قَوْلُ الْفَاسِقِ وَالْكَافِرِ وَالْعَبْدِ فِي (الْمُعَامَلَاتِ) لِكَثْرَةِ وُقُوعِهَا (كَمَا إِذَا أَخْبَرَ أَنَّهُ وَكِيلُ فُلَانٍ فِي بَيْعِ كَذَا فَيَجُوزُ الشِّرَاءُ مِنْهُ) إِنْ غَلَبَ عَلَى الرَّأْيِ صِدْقُهُ

یا مثلاً گھر میں داخل ہونے کے متعلق ہو۔ اور ''السراج'' میں یہ قید لگائی ہے: جب اس کی غالب رائے یہ ہو کہ وہ سچ بول رہے ہیں اگر چھوٹا بچہ صابون یا اشنان خریدے تو اس کے ہاتھ بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر کشمش اور مٹھائی جیسی چیز خریدے تو اس کے ہاتھ بیع کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ بچے کا ظاہر حال یہ ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ معاملات میں فاسق اور کافر کا قول قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ بہت زیادہ واقع ہوتے ہیں جس طرح وہ یہ خبر دے کہ اس کے بیچنے میں وہ فلاں کا وکیل ہے تو اس سے چیز خریدنا جائز ہے اگر اس کی غالب رائے یہ ہو کہ وہ سچا ہے

32865۔ (قولہ: أَوْ بِدُخُولِ الدَّارِ مَثَلًا) ''المنح'' میں کہا ہے: جہاں تک گھر میں داخل ہونے کی اجازت کا تعلق ہے جب وہ اپنے غلام کو یا اپنے چھوٹے بیٹے کو دے تو قیاس اسی طرح ہے مگر لوگوں میں یہ معمول ہے کہ وہ اس سے نہیں رکتے تو اس وجہ سے اس کی اجازت دی گئی۔ فتامل

32866۔ (قولہ: وَقَيَّدَهُ فِي السِّرَاجِ الخ) پھر کہا جس طرح ''المنح'' میں ہے: اگر اس کی رائے میں اس کا صدقہ غالب نہ ہو تو ان سے اس قول کو قبول کرنے کی گنجائش نہ ہوگی۔ کیونکہ امر اس پر مشتبہ ہو گیا ہے۔ ''الاتقانی'' نے کہا: کیونکہ اصل یہ ہے کہ اس پر حجر ہے اور اجازت بعد میں لاحق ہوئی ہے۔ پس شک کے ساتھ اثبات جائز نہیں۔ بے شک ہم نے غلام کے قول کو قبول کیا جب وہ قابل اعتماد ہو۔ کیونکہ یہ معاملات کی خبروں میں سے ہے جب کہ یہ دیانات کی خبروں سے ضعیف ہے جب دین کے معاملات میں اس کا قول مقبول ہے تو معاملات میں بدرجہ اولیٰ مقبول ہوگا۔

32867۔ (قولہ: وَلَوْ نَحْوَ زَبِيبٍ وَحَلْوَى) یعنی جسے بچے عادۃً کھاتے ہیں۔ ''خانیہ''۔

32868۔ (قولہ: لِأَنَّ الظَّاهِرَ كَذِبُهُ) وہ اپنی ماں کے پیسوں پر مطلع ہوا اس نے وہ لے لیے تا کہ وہ اپنی ضرورت پوری کرے۔ ''منح'' میں ''المبسوط'' سے مروی ہے: یہ تمام بچوں کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا کیونکہ اغنیاء کا معمول ہے کہ وہ اپنے بچوں کو گنجائش دیتے ہیں اور انہیں مال دے دیتے ہیں جس کے ساتھ وہ اپنی خواہش کی چیزیں خرید لیتے ہیں۔ عام فقراء کا یہی معمول ہے۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: تو یہ جان چکا ہے کہ دارومدار غلبہ ظن پر ہے پس جو اس میں مبتلی ہے وہ قرائن میں غور وفکر کرے۔

معاملات کی انواع

32869۔ (قولہ: لِكَثْرَةِ وُقُوعِهَا) پس اس میں عدالت کی شرط لگانا حرج کی طرف لے جاتا ہے وہ کم ہی کسی ایسے

كَمَا مَرَّ وَسَيَجِيءُ آخِرَ الْحَظْرِ (وَشَرْطُ الْعَدَالَةِ فِي الدِّيَانَاتِ) هِيَ الَّتِي بَيْنَ الْعَبْدِ وَالرَّبِّ (كَالْخَبَرِ عَنْ نَجَاسَةِ الْمَاءِ فَيَتَيَمَّمُ) وَلَا يَتَوَضَّأُ (إِنْ أَخْبَرَ بِهَا مُسْلِمٌ عَدْلٌ)

کتاب الحظر کے آخر میں عنقریب آئے گا۔ دیانات میں عدالت شرط ہے دیانات ایسے امور ہیں جو بندے اور اس کے رب کے درمیان ہے جیسے پانی کی نجاست کے بارے میں خبر کا معاملہ ہے۔ پس وہ تیمم کرے گا اور وضو نہیں کرے گا اگر مسلمان عادل اس کے بارے میں خبر دے۔

انسان کو پاتا ہے جو عدالت کی تمام شرطوں کو جامع ہوتا کہ اس کے ساتھ معاملہ کرے یا اس سے خدمت لے یا اسے اپنے وکلاء کی طرف بھیجے۔

پھر یہ جان لو جس طرح کتب اصول میں ہے معاملات تین انواع کے ہیں (۱) جس میں کسی پر کوئی چیز لازم نہیں کی جاتی۔ جیسے وکالت، مضاربت اور تجارت کا اذن ہے۔

(۲) جس میں دوسرے پر محض ایک امر کو لازم کیا جاتا ہے جیسے حقوق جس میں خصومتیں جاری ہوتی ہیں۔

(۳) جس میں ایک اعتبار سے ایک امر لازم کیا جاتا ہے دوسرے اعتبار سے امر لازم نہیں کیا جاتا جیسے وکیل کو معزول کرنا اور ماذون پر حج کرنا۔ کیونکہ اس میں وکیل پر ذمہ داری ڈال دی جاتی ہے اور حج ہونے کے بعد عقد فاسد ہو جاتا ہے اس میں کسی امر کو لازم نہیں کیا گیا۔ کیونکہ موکل اور مولی خالص اپنے حق میں تصرف کرتا ہے۔ پس یہ اذن کی طرح ہو گیا۔ پہلی نوع میں صرف تمیز کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ دوسری قسم میں شہادت کی شرطوں کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اور تیسری نوع میں یا عدد یا عدالت کا اعتبار ہوتا ہے۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ پس یہ متعین ہو جاتا ہے کہ یہاں مراد پہلی نوع ہے جس طرح ''العزمیہ'' میں اس پر متنبہ کیا ہے۔

دیانات میں عدالت شرط ہے

32870۔ (قولہ: فِي الدِّيَانَاتِ) یعنی جو خالص دیانات ہیں۔ ''درر''۔ ان سے احتراز کیا ہے جب یہ ملکیت کے زوال کو متضمن ہوں جس طرح جب ایک آدمی خبر دے کہ دونوں میاں بیوی نے ایک عورت کا دودھ پیا تھا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ خبر متعہ کی ملکیت کے زوال کو متضمن ہے پس اس میں عدد اور عدالت دونوں شرط ہوں گی۔ ''اتقانی''۔ یہ اخبار کے خلاف ہے جیسے اس نے جو گوشت خریدا ہے وہ مجوسی کا ذبیحہ ہے۔ کیونکہ حرمت کا ثبوت ملکیت کے زوال کو متضمن نہیں جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ پس حرمت ثابت ہو جائے گی کیونکہ اس کی ملکیت کے ساتھ جمع ہونا جائز ہے۔

دیانات کی تعریف

32871۔ (قولہ: هِيَ) یعنی دیانات۔

32872۔ (قولہ: إِنْ أَخْبَرَ بِهَا مُسْلِمٌ عَدْلٌ) کیونکہ فاسق متہم ہے اور کافر پر حکم لازم نہیں ہوتا پس اسے یہ حق

مُنْزَجِرٌ عَمَّا يَعْتَقِدُ حُرْمَتَهُ (وَلَوْ عَبْدًا) أَوْ أَمَةً (وَيَتَحَرَّى فِي) خَبَرِ (الْفَاسِقِ) بِنَجَاسَةِ الْمَاءِ (وَ) خَبَرِ (الْمَسْتُورِ ثُمَّ يَعْمَلُ بِغَالِبِ ظَنِّهِ، وَلَوْ أَرَاقَ الْمَاءَ فَتَيَمَّمَ فِيمَا إِذَا غَلَبَ عَلَى رَأْيِهِ صِدْقُهُ وَتَوَضَّأَ وَتَيَمَّمَ فِيمَا إِذَا غَلَبَ) عَلَى رَأْيِهِ (كَذِبُهُ كَانَ أَحْوَطَ) وَفِي الْجَوْهَرَةِ وَتَيَمُّمُهُ بَعْدَ الْوُضُوءِ أَحْوَطُ قُلْتُ وَأَمَّا الْكَافِرُ

مسلمان عادل وہ ہوتا ہے جو اس سے دور ہوتا ہے جس کی حرمت کا اعتقاد رکھتا ہے اگرچہ وہ غلام ہو یا لونڈی ہو۔ فاسق اور مستور الحال جب پانی کے ناپاک ہونے کی خبر دے تو ان کی خبر میں چھان پھٹک کرے پھر اپنے ظن غالب پر عمل کرے۔ اگر وہ اس خبر کی بنا پر پانی بہا دے تو وہ تیمم کرے اس صورت میں جب اس کی غالب رائے میں وہ سچا ہو۔ اور وہ وضو کرے اور تیمم کرے جب اس کا ظن غالب یہ ہو کہ یہ جھوٹا ہے۔ یہ زیادہ احتیاط کا طریقہ ہے۔ ''جوہرہ'' میں ہے: وضو کے بعد اس کا تیمم کرنا زیادہ احتیاط کا باعث ہے۔ میں کہتا ہوں: جہاں تک کافر کا تعلق ہے

حاصل نہیں ہوگا کہ مسلمان پر اسے لازم کرے۔ ''ہدایہ''۔

32873۔(قولہ: مُنْزَجِرٌ الخ) یہ عدل کا بیان ہے۔

32874۔(قولہ: عَبْدًا أَوْ أَمَةً) یہ اس کی عمومیت کا اظہار ہے۔ ''الخلاصہ'' میں ہے: وہ قذف میں محدود ہو یا نہ ہو۔

فاسق اور مستور الحال جب پانی کے ناپاک ہونے کی خبر دے تو اس کا حکم

32875۔(قولہ: وَيَتَحَرَّى فِي خَبَرِ الْفَاسِقِ) جہاں تک ساتھ ہی عدالت ہونے کا تعلق ہے تو کذب کا احتمال ساقط ہو جائے گا پس پانی بہانے میں احتیاط کا کوئی معنی نہیں جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔

32876۔(قولہ: خَبَرِ الْمَسْتُورِ) یہ ظاہر روایت ہے یہی اصح ہے۔ آپ سے یہ مروی ہے کہ یہ عدل کی طرح ہے۔ ''نہایہ''۔

32877۔(قولہ: ثُمَّ يَعْمَلُ بِغَالِبِ ظَنِّهِ) اگر اس کا ظن غالب یہ ہے کہ یہ سچا ہے تو تیمم کرے اور اس پانی کے ساتھ وضو نہ کرے۔ اگر اس کا ظن غالب یہ ہو کہ یہ جھوٹا ہے تو اس کے ساتھ وضو کرے اور اس کے اس قول کی طرف متوجہ نہ ہو۔ یہ حکم کا جواب ہے۔ جہاں تک احتیاط کا تعلق ہے تو افضل یہ ہے کہ وہ وضو کے بعد تیمم کرے۔ ''تاتر خانیہ''۔

32878۔(قولہ: وَتَوَضَّأَ) اس کا عطف اراق پر ہے۔

32879۔(قولہ: أَحْوَطَ) کیونکہ تحری محض گمان ہے جو خطا کا احتمال رکھتا ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔

32880۔(قولہ: وَفِي الْجَوْهَرَةِ الخ) ''جوہرہ'' کا کلام ہے جب اس کی غالب رائے اس کا جھوٹ ہو تو متن میں جو کچھ ہے اس پر کچھ اضافہ نہیں کیا۔ فافہم

کافر کا صدق اس کے جھوٹ پر غالب ہو تو پانی بہا دینا زیادہ پسندیدہ ہے

32881۔(قولہ: وَأَمَّا الْكَافِرُ) اس کی مثل بچہ اور معتوہ ہے جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔

إِذَا غَلَبَ صِدْقُهُ عَلَى كَذِبِهِ فَإِرَاقَتُهُ أَحَبُّ قُهُسْتَانِيٌّ وَخُلَاصَةٌ وَخَانِيَّةٌ قُلْتُ لَكِنْ لَوْ تَيَمَّمَ قَبْلَ إِرَاقَتِهِ لَمْ يَجْزِئْهُ تَيَمُّمُهُ بِخِلَافِ خَبَرِ الْفَاسِقِ لِصَلَاحِيَّتِهِ مُلْزِمًا فِي الْجُمْلَةِ بِخِلَافِ الْكَافِرِ وَلَوْ أَخْبَرَ عَدْلٌ بِطَهَارَتِهِ

جب اس کا صدق اس کے جھوٹ پر غالب ہو تو اس کا پانی بہا دینا زیادہ پسندیدہ ہے۔''قہستانی''،''خلاصہ''،''خانیہ''۔میں کہتا ہوں: اگر وہ پانی بہانے سے قبل تیمم کرلے تو اس کا تیمم جائز نہیں ہوگا۔فاسق کی خبر کا معاملہ مختلف ہے۔کیونکہ وہ فی الجملہ امر لازم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔کافر کا معاملہ مختلف ہے۔اگر ایک عادل آدمی اس کی طہارت کی خبر دے

32882۔(قولہ: فَإِرَاقَتُهُ) پس وہ اس وجہ سے فاسق اور مستور کی طرح ہے۔''الخانیہ'' میں کہا: اگر وہ اس سے وضو کرے اور نماز پڑھے تو اس کی نماز جائز ہوگی۔

32883۔(قولہ: قُلْت لَكِنْ الخ) یہ ان کی جانب سے عبارات میں تطبیق ہے۔کیونکہ جسے پہلے ذکر کیا ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ اس میں اور فاسق میں کوئی فرق نہیں۔جس طرح ہم نے کہا ہے لیکن''تاتر خانیہ'' میں یہ واقع ہے: اگر اسے ذمی یا بچہ خبر دے اور اس کا ظن غالب یہ ہو کہ وہ سچا ہے تو اس پر تیمم واجب نہیں۔بلکہ مستحب ہے اگر وہ تیمم کرے تو تیمم اسے کفایت نہیں کرے گا جب تک وہ پہلے پانی نہ پائے۔اگر مستور الحال اسے خبر دے تو معاملہ مختلف ہوتا ہے یعنی اگر وہ پانی بہانے سے پہلے تیمم کرلے۔کیونکہ یہ اسے کفایت کرے گا۔میں نے''تاتر خانیہ'' کے حاشیہ میں شارح کے خط سے ان کے قول بل یستحب کے ہاں دیکھا ہے ظاہر یہ ہے کہ وہ وضو کے بعد تیمم کرے گا یہاں تک کہ پانی مفقود ہو چکا ہو۔اس کی دلیل اس کے بعد ہے۔فتامل۔اسی وقت وہ اس جہت سے فاسق کے مساوی ہوگا اگرچہ اس جہت سے اس کے مخالف ہوگا جس کا اس نے ذکر کیا ہے۔غور کیجئے اور کتابوں کی طرف رجوع کیجئے۔کیونکہ''الخانیہ'' اور''خلاصہ'' کی عبارت بغیر تفصیل کے پانی بہانے کو مستحب قرار دیتی ہے۔مگر اسے اس پر محمول کیا جائے۔پس اس کی وضاحت کی جائے۔جسے میں نے ان کی تحریر سے دیکھا ہے جب کہ تو دیکھ رہا ہے کہ انہوں نے اپنی شرح میں اسے جزم و یقین کے ساتھ بیان کیا ہے جب وہ اس میں متردد ہو۔پھر میں نے''الذخیرہ'' میں ذمی اور فاسق کے درمیان دو وجوہ سے فرق کرنے کی تصریح کو دیکھا ہے ان دونوں میں سے ایک یہ ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ فاسق میں تحری واجب ہے اور ذمی میں تحری مستحب ہے۔

32884۔(قولہ: بِخِلَافِ خَبَرِ الْفَاسِقِ) یعنی اس کا ظن غالب یہ ہو کہ وہ نجاست کی خبر دینے میں سچا ہے تو وہ تیمم کریگا اس کے ساتھ وضو نہیں کرے گا۔

32885۔(قولہ: لِصَلَاحِيَّتِهِ الخ)''خانیہ'' میں کہا: کیونکہ فاسق مسلمان کے خلاف شہادت دینے کا اہل ہے مگر کافر وہ مسلمان کے خلاف شہادت دینے کا اہل نہیں یعنی جب قاضی فاسق کی شہادت مسلمان کے خلاف قبول کرے تو اس کی قضا نافذ ہو جائے گی اگرچہ وہ گناہگار رہو۔

32886۔(قولہ: أَخْبَرَ عَدْلٌ بِطَهَارَتِهِ الخ) میں کہتا ہوں: شارحین''ہدایہ'' نے صاحب''ہدایہ'' کی''کفایۃ

وَعَدْلٌ بِنَجَاسَتِهِ حُكِمَ بِطَهَارَتِهِ بِخِلَافِ الذَّبِيحَةِ وَتُعْتَبَرُ الْغَلَبَةُ فِي أَوَانٍ طَاهِرَةٍ وَنَجِسَةٍ وَذَكِيَّةٍ وَمَيْتَةٍ، فَإِنْ الْأَغْلَبُ طَاهِرًا تَحَرَّى وَبِالْعَكْسِ وَالسَّوَاءُ لَا إِلَّا لِعَطَشٍ وَفِي الثِّيَابِ يَتَحَرَّى مُطْلَقًا

اور ایک عادل آدمی اس کی نجاست کی خبر دے تو اس کی طہارت کا حکم لگایا جائے گا۔ ذبیحہ کا معاملہ مختلف ہے۔ پاک اور ناپاک، ذبح شدہ اور مردار جانور مل جائیں اگر غالب طاہر ہوں تو وہ تلاش کرے اگر اس کے برعکس صورتحال ہو یا برابر ہوں تو تلاش نہ کرے مگر پیاس کی صورت میں تلاش کرے اور کپڑے پاک اور ناپاک مل جائیں تو مطلقاً تلاش کرے۔

المنتھی' سے نقل کیا ہے: ایک آدمی ایک قوم کے ہاں گیا جو کھا پی رہے ہیں تو ان لوگوں نے اسے اپنی جانب دعوت دی تو اسے ایک عادل مسلمان نے کہا: گوشت مجوسی کا ذبیحہ ہے اور مشروب میں شراب ملی ہوئی ہے تو دوسرے لوگوں نے کہا: نہیں یہ حلال ہے تو وہ لوگوں کی حالت میں غور وفکر کرے گا اگر وہ عادل ہوں تو ان کے قول کو لے لے اگر وہ جھوٹے ہوں متہم ہوں تو وہ کوئی شے نہ لے۔ اگر ان میں دو آدمی ثقہ ہوں تو ان کے قول کو اپنا لے یا ایک ثقہ ہو تو اپنی غالب رائے پر عمل کرے۔ اگر کوئی غالب رائے نہ ہو اور اس کے نزدیک دونوں حال برابر ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ کھائے، پیے اور وضو کرے۔ اگر دونوں امور میں سے ایک امر کے بارے میں دو ثقہ مملوک اسے خبر دیں تو دونوں کے قول کو اپنا لے۔ کیونکہ دینی خبر میں آزاد اور غلام برابر ہیں اور تثنیہ راجح ہو جائے گا۔ اگر دونوں میں سے ایک کے بارے میں ایک ثقہ غلام خبر دے اور دوسرا آزاد خبر دے تو وہ معاوضہ کی وجہ سے تحری کرے گا۔ اگر دونوں امور میں سے ایک کے بارے میں دو ثقہ آزاد آدمی خبر دیں اور دوسرے امر کے بارے میں دو مملوک ثقہ خبر دیں تو وہ دو آزاد آدمیوں کے قول کو اپنائے گا۔ کیونکہ آزاد آدمیوں کا قول دیانت اور حکم دونوں میں حجت ہوتا ہے۔ پس یہ دونوں راجح ہو جائیں گے مگر دونوں امروں میں سے ایک کے بارے میں تین ثقہ غلام خبر دیں اور دوسرے امر کے بارے میں دو ثقہ مملوک خبر دیں تو وہ غلام کے قول کو اپنائے گا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب ایک امر کے بارے میں ایک مرد اور دو عورتیں خبر دیں اور دوسرے کے بارے میں دو خبر دیں تو پہلے کو لیا جائے گا۔

اس جنس کے مسائل میں حاصل کلام یہ ہے کہ امر دینی میں عدالت کی برابری کے بعد غلام اور آزاد کی خبر برابر ہوتی ہے تو پہلے عدد کی بنا پر ترجیح دی جائے گی۔ کیونکہ یہ فی الجملہ احکام میں حجت ہے پھر تحری کی بنا پر ترجیح دی جائے گی۔ اسی کی مثل ''ذخیرہ'' وغیرہ میں ہے۔ علما نے دو خبروں کے درمیان برابری کی بنیاد پر معارضہ متحقق ہونے کے بعد تحری کا اعتبار کیا ہے جب کہ ذبیح اور پانی میں کوئی فرق نہیں۔ فتامل

پاک اور ناپاک، ذبح شدہ اور مردار جانور مل جائیں تو ان کا حکم

32887۔ (قولہ: وَتُعْتَبَرُ الْغَلَبَةُ الخ) میں کہتا ہوں: ''ذخیرہ برہانیہ'' میں جو ذکر کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ برتنوں میں اگر پاک برتن غالب ہوں تو پانی پینے اور وضو کرنے کے لیے حالت اضطرار اور حالت اختیار دونوں صورتوں میں وہ تحری کرے اگر وہ ناپاک غالب ہوں یا وہ برابر ہوں تو حالت اختیار میں وہ اصلاً تحری نہ کرے اور حالت اضطرار میں پینے

(دُعِیَ إِلَی وَلِیمَةٍ
ایک آدمی کو ولیمہ کی دعوت دی گئی

کے لیے تحری کرے وضو کے لیے تحری نہ کرے۔ ذبح شدہ اور مردار میں حالت اضطرار میں مطلقاً تحری کرے۔ اور حالت اختیار میں اگر مردار غالب ہوں یا برابر ہوں تو وہ تحری نہ کرے۔ اسی طرح کپڑوں کا معاملہ ہے۔ وہ حالت اضطرار میں مطلق تحری کرے اور حالت اختیار میں اس وقت تحری کرے جب پاکیزہ برتن غالب ہوں ورنہ تحری نہ کرے۔

اس کا حاصل یہ ہے: اگر پاکیزہ برتن غالب ہوں تو دونوں حالتوں میں تمام میں تحری کرے یہ غالب کا اعتبار کرنے کے اعتبار سے ہے ورنہ حالت اختیار میں تمام میں تحری نہ کرے اور حالت اضطرار میں تمام میں تحری کرے۔ مگر وہ وضو کے لیے برتنوں میں تحری نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس کا نائب ہے وہ تیمم ہے۔ ستر عورت کا معاملہ مختلف ہے۔ کھانے اور پینے میں وہ برتنوں میں تحری کرے گا۔ کیونکہ اس کا کوئی نائب نہیں۔ اس کی مثل عنقریب کتاب کے آخر میں مسائل شتی میں آئے گا۔ ان کی کلام میں جو ایجاز ہے جو پہیلی کی حد تک پہنچا ہوا ہے وہ ظاہر ہو جاتا ہے اگر وہ کہتے: فان الاغلب طاهرا تحری مطلقا و الا فلا الا حالة الضرورة لغیر وضوٴ تو یہ زیادہ مختصر اور زیادہ ظاہر ہوتا۔ اس میں تدبر کیجئے۔ ہاں یہاں ان کی کلام اس کے ساتھ موافق ہے جسے ''نور الایضاح'' کی ''کتاب الصلاۃ'' سے تھوڑا پہلے ذکر کیا ہے۔

دعوت ولیمہ میں لہو ولعب یا گانے بجانے کا اہتمام ہو تو اس میں شرکت کا حکم

32888۔ (قولہ: دُعِیَ إِلَی وَلِیمَةٍ) یہ شادی کا کھانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ولیمہ ہر کھانے کا نام ہے۔ ''ہندیہ'' میں ''تمرتاشی'' سے مروی ہے: دعوت کے قبول کرنے میں علما کا اختلاف ہے۔ بعض علما نے فرمایا: دعوت قبول کرنا واجب ہے اس کے ترک کرنے کی گنجائش نہیں۔ عام علما نے فرمایا: یہ سنت ہے۔ افضل یہ ہے جب وہ ولیمہ ہو تو واجب ہو ورنہ اسے اختیار ہو گا دعوت قبول کرنا افضل ہے۔ کیونکہ اس میں مومن کے دل میں سرور کو داخل کرنا ہے۔ جب وہ دعوت کو قبول کرے تو اس پر جو لازم ہے وہ کرے وہ کھانا کھائے یا نہ کھائے۔ افضل یہ ہے کہ اگر وہ روزے دار نہ ہو تو وہ کھانا کھائے۔ ''البنایہ'' میں ہے: دعوت کو قبول کرنا سنت ہے وہ ولیمہ ہو یا کوئی اور ہو۔ جہاں تک اس دعوت کا تعلق ہے جس میں اظہار فخر، تعریف و توصیف وغیرہ کا اہتمام ہو یا اس کے علاوہ کا معاملہ ہو تو اس دعوت کو قبول کرنا مناسب نہیں خصوصاً اہل علم کے لیے مناسب نہیں۔ یہ کہا گیا ہے: کوئی آدمی اپنا ہاتھ غیر کے پیالے میں داخل نہیں کرتا مگر وہ ذلیل ہو جاتا ہے، ''ط'' ملخص۔ ''الاختیار'' میں ہے: شادی کا ولیمہ قدیمی معمول ہے اگر وہ اس کی دعوت قبول نہیں کرے گا تو گناہگار ہو گا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: من لم یجب الدعوة فقد عصی الله و رسوله فان کان صائما اجاب و دعا و ان لم یکن صائما اکل و دعا و ان لم یاکل ولم یجب اثم و جفا (1) جو دعوت کو قبول نہ کرے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اگر وہ روزے سے ہو تو دعوت کو قبول کرے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمة، باب ماجاء فی اجابة الدعوة، جلد 3، صفحہ 75، حدیث نمبر 3250

وَثَمَّةَ لَعِبٌ أَوْ غِنَاءٌ قَعَدَ وَأَكَلَ) لَوْ الْمُنْكَرُ فِي الْمَنْزِلِ، فَلَوْ عَلَى الْمَائِدَةِ لَا يَنْبَغِي أَنْ يَقْعُدَ بَلْ يَخْرُجُ مُعْرِضًا لِقَوْلِهِ تَعَالَى فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (فَإِنْ قَدَرَ عَلَى الْمَنْعِ فَعَلَ وَإِلَّا) يَقْدِرُ

اور وہاں لہو ولعب ہے یا گانا گانے کا اہتمام ہے وہ وہاں بیٹھے اور کھانا کھالے اگر منکر گھر میں ہو اگر یہ اہتمام دستر خوان پر ہو تو اس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ وہاں بیٹھے بلکہ وہ اعراض کرتے ہوئے وہاں سے نکل جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یاد آنے کے بعد ظالم قوم کے پاس نہ بیٹھے۔ اگر انہیں روکنے پر قادر ہو تو ایسا کرے یعنی انہیں روکے اگر وہ انہیں روکنے پر قادر نہ ہو

اور دعا مانگے اگر وہ روزے دار نہ ہو تو وہ کھانا کھائے اور دعا مانگے اگر وہ کھانا نہ کھائے اور دعوت قبول نہ کرے تو وہ گناہگار ہوگا اور اس نے جفا کی۔ کیونکہ یہ میزبان کا مذاق اڑانا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لو دعیت الی کراع لاجبت (1) اگر مجھے جانور کے کھر کی طرف دعوت دی گئی تو میں اسے قبول کروں گا۔

اس کا مقتضا یہ ہے کہ یہ سنت موکدہ ہے۔ دوسری دعوتوں کا معاملہ مختلف ہے۔ شارحین ''ہدایہ'' نے اس کی تصریح کی ہے کہ یہ واجب کے قریب ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں ''ینابیع'' سے مروی ہے: اگر دعوت کی طرف بلایا گیا تو واجب یہ ہے کہ اسے قبول کیا جائے اگر وہاں معصیت نہ ہو اور نہ ہی بدعت ہو ہمارے زمانے میں دعوت قبول کرنے سے رک جانا یہ زیادہ محفوظ ہے مگر جب یقینی طور پر علم ہو کہ نہ وہاں کوئی بدعت ہوگی اور نہ ہی معصیت ہوگی ظاہر یہ ہے کہ اسے غیر ولیمہ پر محمول کیا جاتا۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے اور جو آگے آئے گا۔ فتامل

32889۔ (قولہ: وَثَمَّةَ لَعِبٌ) لعب عین کے کسرہ اور سکون کے ساتھ ہے۔ الغناء کا لفظ جب الف ممدودۃ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد راگ ہے اور جب الف مقصورہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد خوشحالی ہو۔

32890۔ (قولہ: لَا يَنْبَغِي أَنْ يَقْعُدَ) یعنی اس پر واجب ہے۔ ''الاختیار'' میں کہا ہے: کیونکہ لہو کو سننا حرام ہے دعوت کو قبول کرنا سنت ہے اور حرام سے رکنا اولیٰ ہے۔ اس طرح اگر دستر خوان پر ایسی قوم ہو جو باہم غیبت کرتے ہوں تو وہ نہ بیٹھے کیونکہ غیبت لہو ولعب سے شدید برائی ہے۔ ''تاتر خانیہ''۔

32891۔ (قولہ: فَلَوْ عَلَى الْمَائِدَةِ) ان پر واجب یہ تھا کہ اس کا ذکر مصنف کے آنے والے قول وان علم سے تھوڑا پہلے کرتے جس طرح صاحب ''ہدایہ'' نے کیا ہے۔ کیونکہ مصنف کا قول فان قدر الخ اس بارے میں ہے جب منکر گھر میں ہو مائدہ پر نہ ہو ان کی کلام میں وہم دلایا جا رہا ہے جو مخفی نہیں۔

لہو ولعب کی مجلس اور بندۂ مومن کا کردار

32892۔ (قولہ: بَعْدَ الذِّكْرَى) یعنی نہی کے یاد آنے کے بعد۔ ''ط''۔

32893۔ (قولہ: فَعَلَ) وہ وجوبی طور پر منع کرے یہ منکر کو زائل کرنے کے لیے ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب من اجاب الی کراع، جلد 3، صفحہ 111، حدیث نمبر 4780

(صَبَرَ إِنْ لَمْ يَكُنْ مِمَّنْ يُقْتَدَى بِهِ فَإِنْ كَانَ) مُقْتَدًى (وَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى الْمَنْعِ خَرَجَ وَلَمْ يَقْعُدْ) لِأَنَّ فِيهِ شَيْنَ الدِّينِ وَالْمَحْكِيُّ عَنِ الْإِمَامِ كَانَ قَبْلَ أَنْ يَصِيرَ مُقْتَدًى بِهِ (وَإِنْ عَلِمَ أَوَّلًا) بِاللَّعِبِ (لَا يَحْضُرُ أَصْلًا) سَوَاءٌ كَانَ مِمَّنْ يُقْتَدَى بِهِ أَوْ لَا لِأَنَّ حَقَّ الدَّعْوَةِ إِنَّمَا يَلْزَمُهُ بَعْدَ الْحُضُورِ لَا قَبْلَهُ ابْنُ كَمَالٍ

توصبر کرے اگر وہ ان میں نہ ہو جس کی اقتدا کی جاتی ہو۔ اگر اس کی اقتدا کی جاتی ہو اور وہ منع کرنے پر قادر نہ ہو تو وہاں سے نکل آئے اور نہ بیٹھے۔ کیونکہ اس میں دین میں عیب لگتا ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جو حکایت کیا گیا ہے وہ مقتدی بننے سے پہلے کا واقع ہے۔ اگر اسے لہو ولعب کے بارے میں پہلے ہی معلوم ہو جائے تو وہ اصلاً حاضر نہ ہو خواہ وہ ان لوگوں میں ہو جن کی اقتدا کی جاتی ہے یا اقتدا نہ کی جاتی ہو۔ کیونکہ دعوت کا حق اس پر حاضر ہونے کے بعد لازم آتا ہے اس سے قبل لازم نہیں آتا۔ ''ابن کمال''۔

32894۔ (قولہ: صَبَرَ) یعنی دل سے ناپسندیدگی کے ساتھ صبر کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذلك اضعف الایمان (1) تم میں سے جو منکر دیکھے تو اسے اپنی قوت بازو سے روکے اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے روکے اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل سے روکے یہ کمزور ترین ایمان ہے۔ یعنی اس کی ذات میں کمزور ترین حال ہے یعنی یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایمان کا ضعف بہت بڑھ جاتا ہے اور منع کرنے والا منکر کو زائل کرنے پر کوئی مددگار نہیں پاتا۔ ''ط''۔

یہ حکم اس لیے ہے کہ دعوت کو قبول کرنا سنت ہے تو وہ اس سنت کو ترک نہ کرے جب اس کے ساتھ کسی اور شخص کی جانب سے بدعت ملی ہوئی ہو جیسے نماز جنازہ واجب ہے اگرچہ اس کے ساتھ نوحہ کرنے والی موجود ہو۔ ''ہدایہ''۔ سنت کو واجب پر قیاس کیا ہے کیونکہ سنت واجب کے قریب ہے کیونکہ سنت کے ترک پر وعید موجود ہے۔ ''کفایہ''۔

32895۔ (قولہ: وَالْمَحْكِيُّ عَنِ الْإِمَامِ) آپ کا ایک قول ہے ایک دفعہ میں اس میں مبتلا ہوا تو میں نے صبر کیا، ''ہدایہ''۔

32896۔ (قولہ: وَإِنْ عَلِمَ أَوَّلًا) یہ قول اس امر کو بیان کرتا ہے کہ جو قول گزر چکا ہے وہ اس بارے میں ہے جب وہ اس سے پہلے نہ جانتا ہو۔

32897۔ (قولہ: لَا يَحْضُرُ أَصْلًا) مگر جب اسے یہ علم ہو کہ وہ اس کے احترام میں اس منکر کو چھوڑ دیں گے تو اس پر جانا واجب ہوگا۔ ''اتقانی''۔

32898۔ (قولہ: ابْنُ كَمَالٍ) میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا۔ ہاں ''ہدایہ'' میں اسے ذکر کیا ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ زیادہ واضح وہ قول ہے جو ''التبیین'' میں ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا: دعوت کو قبول کرنا اس پر لازم نہیں جب وہاں منکر ہو۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان، جلد 1، صفحہ 125، حدیث نمبر 129

وَفِي السِّرَاجِ وَدَلَّتُ الْمَسْأَلَةُ أَنَّ الْمَلَاهِيَ كُلَّهَا حَرَامٌ وَيَدْخُلُ عَلَيْهِمْ بِلَا إِذْنِهِمْ لِإِنْكَارِ الْمُنْكَرِ قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ صَوْتُ اللَّهْوِ وَالْغِنَاءِ

''سراج'' میں ہے: مسئلہ اس بارے میں راہنمائی کرتا ہے کہ تمام کی تمام ملاہی حرام ہیں اور وہ منکر کو ختم کرنے کے لیے ان سے اجازت لیے بغیر ان پر داخل ہو جائے گا۔ حضرت ''ابن مسعود'' رضی اللہ عنہ نے کہا: لہو ولعب اور نغمہ کی آواز

میں کہتا ہوں: لیکن یہ حاضر ہونے سے پہلے اور حاضر ہونے کے بعد جو فرق ہے اس کو بیان نہیں کرتا ''التبیین''۔ اس کے بعد اس روایت کو ذکر کیا ہے جسے ''ابن ماجہ'' نے روایت کیا ہے کہ حضرت ''علی'' شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے کھانا تیار کیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دی آپ تشریف لائے تو آپ نے گھر میں تصاویر دیکھیں تو آپ واپس تشریف لے گئے (1)۔

میں کہتا ہوں: حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ وہ لوٹ آئے اگرچہ حاضری کے بعد ہو۔ منکر کے ہوتے ہوئے دعوت قبول کرنا اصلاً لازم نہیں۔ تامل

مومن کا لہو باطل ہے سوائے دس چیزوں کے

32899۔ (قولہ: وَدَلَّتُ الْمَسْأَلَةُ الخ) کیونکہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے لعب اور غنا کا اسم مطلق ذکر کیا ہے۔ لعب ہی لہو ہے یہ نص سے حرام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لهو المومن باطل الا فی ثلاث تادیبه فرسه وفی روایة ملاعبته بفرسه و رمیه عن قوس و ملاعبته مع اهله (2)، ''کفایہ''۔ مومن کا لہو باطل ہے مگر تین چیزوں میں باطل نہیں اپنے گھوڑوں کو ادب سکھانے کے لیے، ایک روایت میں ہے: اپنے گھوڑے کے ساتھ ملاعبت، اپنی کمان سے تیر پھینکنا اور اپنے اہل کے ساتھ ملاعبت کرنا۔ اس طرح ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ابتلیت اس پر دلیل ہے کہ یہ حرام ہے۔ ''اتقانی''۔

اس میں اعتراض ہے ''ابن کمال'' کی اس بارے میں کلام ہے۔ پس اس کی طرف غور کرتے ہوئے رجوع کیجئے۔

32900۔ (قولہ: وَيَدْخُلُ عَلَيْهِمُ الخ) کیونکہ انہوں نے فعل منکر کا ارتکاب کرنے کے ساتھ اپنی حرمت ساقط کر دی ہے۔ پس ہتک کرنا جائز ہے جس طرح گواہوں کے لیے جائز ہے کہ وہ زانی کی شرمگاہ کی طرف دیکھیں۔ کیونکہ اس نے اپنی حرمت خود پامال کر دی ہے۔ اس کی مکمل بحث ''المنح'' میں ہے۔

لہو ولعب اور غنا سے متعلق حضرت عبد اللہ بن مسعود کا قول

32901۔ (قولہ: قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ الخ) ''السنن'' میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرفوع روایت نقل کی ہے الفاظ یہ ہیں: ان الغناء ينبت النفاق فی القلب (3) بے شک نغمہ دل میں نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح ''غایۃ البیان'' میں ہے۔ ایک

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب اذا رأى الضيف منكرا رجع، جلد 2، صفحہ 394، حدیث نمبر 3349

2۔ نصب الرایۃ، کتاب الکراھیۃ، جلد 4، صفحہ 584

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب کراھیۃ الغناء والزمر، جلد 3، صفحہ 507، حدیث نمبر 4279

....

قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ اس لیے نغمہ گاتا ہے کہ اشعار سے استفادہ کرے اور فصیح اللسان ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اگر وہ اکیلے اپنے لیے نغمہ گاتا ہے تاکہ اپنی ذات سے وحشت کو دور کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہو گا۔ ''سرخسی'' نے اسے ہی اپنایا ہے۔ ''شیخ الاسلام'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ سب ہمارے علماء کے نزدیک مکروہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡتَرِىۡ لَهۡوَ الۡحَدِيۡثِ (لقمان: 6) اور کئی ایسے لوگ بھی ہیں جو بیوپار کرتے ہیں غافل کر دینے والی باتوں کا۔ تفسیر میں آیا ہے: مراد نغمہ ہے اور بعض صحابہ سے جو واقع ہوا اسے مباح شعر پڑھنے پر محمول کیا جائے گا جس میں مواعظ اور حکمتیں ہیں۔ کیونکہ غناء کا لفظ جس طرح معروف پر بولا جاتا ہے اسے اس کے علاوہ پر بھی بولا جاتا ہے جس طرح حدیث طیبہ میں ہے: من لم یتغن بالقرآن فلیس منا (1) جو قرآن کو غناء کے ساتھ نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اس کی مکمل بحث ''النہایہ'' وغیرہا میں ہے۔

غنا کی تعریف

''قہستانی'' نے غنا کی یہ تعریف کی ہے کہ اس سے مراد شعر میں لحن کے ساتھ آواز کو لوٹانا ہے ساتھ ہی اس کے مناسب تالی بجائی جائے۔ کہا: اگر تین قیود میں سے کوئی ایک مفقود ہو تو غنا متحقق نہ ہوگا۔ ''الدر المنتقی'' میں کہا: اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ ان کا اس طرح تعریف کرنا ہماری کتب میں معروف نہیں۔ فتدبر

میں کہتا ہوں، ''فتح القدیر'' کی کتاب الشہادات میں اس کلام کے بعد جسے ہم اس سے پہچان چکے ہیں یہ ہے کہ جو غنا حرام ہے وہ یہ ہے کہ لفظ میں ایسی چیز ہو جو حلال نہ ہو جیسے مذکر کی صفت، معین زندہ عورت کی صفت، شراب کی ایسی صفت جو انسان کو شراب پینے پر برانگیختہ کرے، اس میں مختلف لحن ہوں، مسلمان کی ہجو ہو یا ذمی کی ہجو ہو جب متکلم اس کی ہجو کا ارادہ کرے نہ کہ جب وہ کوئی شعر پڑھے تاکہ اس سے استشہاد کرے یا اپنی فصاحت و بلاغت کو جانے اور اس میں عورت کا وصف ہو مگر اسی طرح کا نہ ہو یا ناز و ادا سے چلنے والی عورتوں کا ذکر ہو جو خوشبوؤں، کلیوں اور پانیوں کے وصف کو متضمن ہوں تو اس سے روکنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہاں جب یہ شعر لہو ولعب کے مواقع پر پڑھا جائے تو اس سے رک جائے اگرچہ وہ مواعظ اور حکم ہوں۔ تو یہ ان عوامل کی وجہ سے حرمت ہوگی نہ کہ اس تغنی کی وجہ سے حرمت ہوگی۔ ملخص۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ ''الملتقی'' میں ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کریم پڑھنے، جنازہ، شکر کی زندگی اور نصیحت کے وقت آواز بلند کرنے کو ناپسند کرتے تھے (2) تو غنا کے وقت جو لوگ عمل کرتے ہیں جسے وہ وجد اور محبت کہتے ہیں اس کے بارے میں تیرا کیا گمان ہے یہ مکروہ ہے دین میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ شارح نے کہا: ''جوہرۃ'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے: ہمارے زمانے کے متصوفہ جو کچھ کرتے ہیں یہ حرام ہے اس کا قصد کرنا اور اس میں بیٹھنا جائز

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، باب فی حسن صوت بالقرآن، جلد 1، صفحہ 417، حدیث نمبر 1326

2۔ المصنف لابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، باب رفع الصوت فی الحرب، جلد 6، صفحہ 513

يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ النَّبَاتَ قُلْتُ وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ اسْتِمَاعُ صَوْتِ الْمَلَاهِي كَضَرْبِ قَصَبٍ وَنَحْوِهِ حَرَامٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اسْتِمَاعُ الْمَلَاهِي مَعْصِيَةٌ وَالْجُلُوسُ عَلَيْهَا فِسْقٌ

دل میں نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی نباتات کو اگاتا ہے۔ میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' میں ہے: لہو ولعب کے آلات کی آواز سننا جیسے بانسری بجانے اور اس کے علاوہ کی آواز سننا حرام ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لہو ولعب کے آلات کی آواز کو سننا یہ معصیت ہے ان کے لیے بیٹھنا فسق ہے

نہیں اس سے قبل کے لوگ یہ نہیں کرتے تھے۔ اور جو یہ نقل کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر سنا ہے (1) یہ غنا کے مباح ہونے پر دال نہیں اور یہ جائز ہے کہ اسے ایسے مباح شعر پر محمول کیا جائے جو حکمت اور وعظ پر مشتمل ہو اور یہ حدیث کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی وہ صحیح نہیں۔ ''نصر اباذی'' سماع سنا کرتے تھے تو انہیں سزا دی گئی تو انہوں نے کہا: یہ غیبت کرنے سے بہتر ہے۔ تو انہیں کہا گیا: تم نے حقیقت سے کتنی بعید بات کی ہے بلکہ سماع کی لغزش فلاں فلاں معمول سے بری ہے جس میں لوگ غیبت کرتے ہیں۔

''سری'' نے کہا: جس پر وجد کی حالت طاری ہو اس کے ظاہر حال سے غائب ہونے میں یہی شرط ہے کہ وہ اس غیوبت میں اس حال تک پہنچ جائے کہ اگر اس کے چہرے پر تلوار ماری جائے تو اسے درد کا احساس نہ ہو۔

میں کہتا ہوں: ''تاتر خانیہ'' میں ''العیون'' سے مروی ہے: اگر سماع قرآن اور موعظت کا سماع ہو تو یہ جائز ہے۔ اگر غناء کا سماع ہو تو یہ حرام ہے علماء کا اس پر اجماع ہے۔ اور صوفیہ میں سے جنہوں نے اسے مباح قرار دیا ہے تو یہ اس شخص کے لیے ہے جو لہو سے خالی ہو اور تقویٰ سے آراستہ ہو اور وہ سماع کا یوں محتاج ہو جائے جس طرح مریض دوائی کا محتاج ہوتا ہے۔ اس کی چھ شرائط ہیں: ان میں کوئی امرد نہ ہو، ان کی جماعت ان کی جنس سے ہو، اور قول کی نیت اخلاص ہو اجر اور طعام کی نیت نہ ہو، وہ کھانا کھانے یا فتوح کے لیے جمع نہ ہوں، اور وہ اس سے اٹھیں تو مغلوب ہو کر اٹھیں، اور وہ وجد کا اظہار نہ کریں مگر اس میں صادق ہوں۔

حاصل کلام یہ ہے ہمارے زمانے میں سماع میں کوئی رخصت نہیں۔ کیونکہ حضرت ''جنید بغدادی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ میں سماع سے توبہ کر لی تھی۔ ''الفتاویٰ الخیریہ'' میں جو کچھ ہے اسے دیکھیے۔

32902۔ (قولہ: يُنْبِتُ النِّفَاقَ) یعنی نفاق عملی کو جنم دیتا ہے۔

32903۔ (قولہ: كَضَرْبِ قَصَبٍ) جسے میں نے ''بزازیہ'' میں دیکھا ہے وہ قصب کی بجائے قضیب ہے۔ یعنی ضاد کے بعد یا ہے۔

32904۔ (قولہ: فِسْقٌ) یعنی طاعت سے نکلنا ہے۔ یہ امر مخفی نہیں کہ الجلوس علیها سے مراد اس کو سننے کے لیے بیٹھنا ہے۔ سننا معصیت ہے پس یہ دو معصیتیں ہیں۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی الشعر، جلد 3، صفحہ 535، حدیث نمبر 4361

وَالتَّلَذُّذُ بِهَا كُفْرٌ أَيْ بِالنِّعْمَةِ فَصَرْفُ الْجَوَارِحِ إِلَى غَيْرِ مَا خُلِقَ لِأَجْلِهِ كُفْرٌ بِالنِّعْمَةِ لَا شُكْرٌ فَالْوَاجِبُ كُلُّ الْوَاجِبِ أَنْ يَجْتَنِبَ كَيْ لَا يَسْمَعَ لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَدْخَلَ أُصْبُعَهُ فِي أُذُنِهِ عِنْدَ سَمَاعِهِ وَأَشْعَارُ الْعَرَبِ لَوْ فِيهَا ذِكْرُ الْفِسْقِ تُكْرَهُ

اور اس سے لذت حاصل کرنا نعمت کی ناشکری ہے۔ اور اعضا کو ایسے مقاصد کے لیے استعمال کرنا جن کے لیے انہیں پیدا نہیں کیا گیا یہ ناشکری ہے۔ پس واجب ہے کہ وہ اس سے اجتناب کرے تا کہ اسے نہ سنے۔ کیونکہ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی اپنے کانوں میں داخل کر لی تھی جب اسے سنا تھا۔ عربوں کے اشعار میں اگر فسق کا ذکر ہو تو انہیں سننا مکروہ ہے

32905۔ (قولہ: فَصَرْفُ الْجَوَارِحِ الخ) اسے اس مقصد کے لیے ذکر کیا تا کہ لفظ کفر کے ناشکری پر اطلاق کے صحیح ہونے کی علت کو بیان کریں۔ ''ط''۔

32906۔ (قولہ: فَالْوَاجِبُ) یہ ان کے قول استماع الملاهی معصية کے قول پر تفریع ہے۔ ''ط''۔

32907۔ (قولہ: أَدْخَلَ أُصْبُعَهُ فِي أُذُنِهِ) ''بزازیہ'' اور ''المنح'' میں میں نے جو دیکھا ہے وہ تثنیہ ہے۔

عربوں کے اشعار میں فسق کا ذکر ہو تو انہیں سننا مکروہ ہے

32908۔ (قولہ: تُكْرَهُ) یعنی اس کی قراءت مکروہ ہے تو اس میں غناء کیسے مکروہ نہ ہوگی۔ ''تاتر خانیہ'' میں کہا: اشعار پڑھنا جب ان میں فسق اور بچوں وغیرہ کا ذکر نہ ہو تو یہ مکروہ نہیں۔ ''الظہیریہ'' میں ایک قول یہ کیا گیا ہے: شعر میں کراہت کا مطلب یہ ہے کہ انسان ذکر اور قراءت سے غافل ہو جائے ورنہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

''تبیین المحارم'' میں کہا: شعروں میں سے جو حرام ہے وہ وہ ہے جس میں فحش گفتگو ہو مسلمان کی ہجو ہو، اللہ تعالیٰ، اس کے رسول یا صحابہ پر یا تذکیہ نفس پر جھوٹ ہو یا عام جھوٹ اور مذموم تفاخر ہو، انساب میں عیب لگایا گیا ہو، اسی طرح جس میں امرد کا وصف ہو یا معین عورت کا وصف بیان کیا گیا ہو جب کہ وہ دونوں زندہ ہوں۔ کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ وہ معین زندہ عورت کا وصف بیان کرے یا معین امرد کا وصف بیان کرے جو زندہ ہو وہ حسین چہرے والا ہو جب کہ وہ یہ عمل لوگوں کے سامنے کر رہا ہو نہ کہ وہ اکیلا کر رہا ہو۔ جہاں تک مردہ عورت یا غیر معین کے وصف کا تعلق ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ امرد میں حکم اسی طرح ہے۔ اور شراب کا ایسا وصف بیان کرنا جو شراب پر برانگیختہ کرے، دیریات (عبادت گاہوں) حانات (شراب کی دکانوں) کی تعریف کرنا اور ہجو کرنا جائز نہیں اگرچہ وہ ذمی کی ہو۔ ''ابن ہمام'' اور ''زیلعی'' میں اسی طرح ہے۔ جہاں تک رخساروں، کنپٹیوں، قدوقامت کے حسن اور باقی ماندہ عورتوں اور امرد کے اوصاف کے ذکر کا تعلق ہے بعض علماء نے یہ کہا ہے: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ ''معارف'' میں کہا: دیندار لوگوں کے لیے یہ مناسب نہیں چاہیے کہ یہ اس آدمی کے پاس شعر پڑھنا جائز نہ ہو جس پر ہوی اور خواہش کا غلبہ ہے۔ کیونکہ یہ امر اسے اس پر برانگیختہ کرتا ہے کہ وہ اپنی فکر کو اس دائرہ میں لے

أَوْ لِتَغْلِيظِ الذَّنْبِ كَمَا فِي الِاخْتِيَارِ أَوْ لِلِاسْتِحْلَالِ كَمَا فِي النِّهَايَةِ فَائِدَةٌ وَمِنْ ذَلِكَ ضَرْبُ النَّوْبَةِ لِلتَّفَاخُرِ، فَلَوْ لِلتَّنْبِيهِ فَلَا بَأْسَ بِهِ كَمَا إذَا ضَرَبَ فِي ثَلَاثَةِ أَوْقَاتٍ لِتَذْكِيرِ ثَلَاثِ نَفَخَاتِ الصُّورِ لِمُنَاسَبَةٍ بَيْنَهُمَا فَبَعْدَ الْعَصْرِ لِلْإِشَارَةِ إلَى نَفْخَةِ الْفَزَعِ، وَبَعْدَ الْعِشَاءِ إلَى نَفْخَةِ الْمَوْتِ وَبَعْدَ نِصْفِ اللَّيْلِ إلَى نَفْخَةِ الْبَعْثِ

یا اسے کفر اس لیے قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ مقصود گناہ کی شدت کو بیان کرنا تھا جس طرح ''الاختیار'' میں ہے۔ یا اسے حلال جاننا کفر ہے جس طرح ''النہایہ'' میں ہے۔ فائدہ: ان میں سے تفاخر کے لیے نوبت بجانا ہے۔ اگر تنبیہ کے لیے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں جس طرح جب تین اوقات میں صور کے تین نفخوں کو یاد کرنے کے لیے بجائے۔ کیونکہ نوبت اور صور کے نفخہ میں مناسبت ہے۔ عصر کے بعد نوبت بجانے میں فزع کے نفخہ کی طرف اشارہ ہے اور عشا کے بعد موت کے نفخہ کی طرف اشارہ ہے اور نصف رات کے بعد بعث کے نفخہ کی طرف اشارہ ہے۔

جائے جو حلال نہیں اور جو کسی محظور امر کا سبب ہو وہ خود ممنوع ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ استشہاد کے لیے اس کا شعر پڑھنا کوئی نقصان نہیں دیتا اس کی مثل حکم اس بارے میں ہوگا جب اس کا شعر پڑھنا یا اس کا عمل کرنا بلیغ تشبیہات اور بدیع استعارات کے لیے ہو۔

32909۔ (قولہ: أَوْ لِتَغْلِيظِ الذَّنْبِ) اس کا عطف ان کے قول ای بالنعمۃ پر ہے یعنی کفر کا لفظ اس پر بطور تغلیظ ذکر کیا ہے۔ ''ح''۔

32910۔ (قولہ: مِنْ ذَلِكَ) یعنی ان ملاہی میں سے یہ ہے۔ ''ط''۔

32911۔ (قولہ: ثَلَاثِ نَفَخَاتِ الصُّورِ) یہ ان کے بعض کا طریقہ ہے۔ مشہور یہ ہے کہ دو نفخیں ہیں: نفخۃ الصعق، نفخہ البعث۔ ''ط''۔

32912۔ (قولہ: لِمُنَاسَبَةٍ بَيْنَهُمَا) یعنی نفخات میں اور تین اوقات میں نوبت بجانے میں۔

32913۔ (قولہ: فَبَعْدَ الْعَصْرِ الخ) یہ مناسبت کا بیان ہے کیونکہ لوگ عصر کے بعد بازاروں سے اپنے گھروں کی طرف جلدی کرتے ہیں عشا کے وقت ان کی نیند کا وقت ہے یہ چھوٹی موت ہے اور نصف رات کے بعد وہ اپنے گھروں جو ان کی قبروں کی طرح ہیں، سے اپنے اعمال کی طرف نکلتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ آلہ لہو فی نفسہ حرام نہیں ہے بلکہ جس کے بارے میں لہو کا قصد کیا جائے وہ حرام ہے یا تو لہو کا قصد اس کے سامع کی جانب سے ہوتا ہے یا جو اس میں مشغول ہوتا ہے اس کی جانب سے لہو کا قصد ہوتا ہے اضافت اس کا ہی شعور دلاتی ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ بعینہا اس آلہ کو بجانا بعض اوقات حلال ہے اور دوسری دفعہ حرام ہے۔ یہ اس کے سماع کے بارے میں نیت میں اختلاف کی وجہ سے ہے اور امور اپنے مقاصد کے اعتبار سے ہوتے ہیں۔ اس میں

وَتَمَامُهُ فِيمَا عَلَّقْتُهُ عَلَى الْمُلْتَقَى وَاللهُ أَعْلَمُ
اس کی مکمل وضاحت اس میں ہے جو میں نے ''الملتقی'' پر حاشیہ لکھا ہے۔ واللہ اعلم

ہمارے سردار صوفیہ کی دلیل ہے جو ایسے امور کا قصد کرتے ہیں جن کے بارے میں وہ خوب جانتے ہیں۔ پس معترض کو انکار میں جلدی نہیں کرنی چاہیے تاکہ ان کی برکت سے محروم نہ ہو جائے۔ کیونکہ وہ نیک سردار ہیں اللہ تعالیٰ ان کی امداد سے ہماری مدد فرمائے۔ اور ان کی صلاح دعاؤں اور برکتوں میں سے ہم پر لوٹائے۔

32914۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِيمَا عَلَّقْتُه عَلَى الْمُلْتَقَى) جو قول گزر چکا ہے اسے امام ''بزدوی'' کے ''ملاعب'' کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا: چاہیے کہ حمام کا بوق جائز ہو جس طرح نوبت بجانا جائز ہے۔ ''حسن'' سے مروی ہے: شادی کے موقع پر دف بجانے میں کوئی حرج نہیں تاکہ نکاح مشہور ہو جائے۔ ''سراجیہ'' میں ہے: یہ حکم اس وقت ہے جب اس کے جلاجل نہ ہوں اور انہیں عیش و نشاط کے طریقہ پر نہ بجایا جائے۔

میں کہتا ہوں: چاہیے رمضان شریف میں سحری کے لیے سونے والوں کو جگانے کے لیے سحری کا طبل حمام کے بوق کی طرح ہو۔ تامل

فَصْلٌ فِي اللُّبْسِ

....

لباس کے احکام

یہ جان لو کہ لباس میں سے کچھ فرض ہے اس سے مراد ایسا لباس ہے جو شرمگاہ کو ڈھانپ دے اور سردی و گرمی کو دور کرے زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ روئی کا ہو، کتان کا ہو یا اون کا ہو، سنت کے موافق ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس کا دامن اس کی نصف پنڈلی تک ہو اور اس کی آستین اس کی انگلیوں کے سروں تک ہو اس کا منہ ایک بالشت ہو جس طرح ''النقایہ'' میں ہے وہ نفیس اور خسیس کے درمیان ہو۔ کیونکہ امور میں سے درمیانہ بہترین ہوتا ہے۔ اور دونوں شہرتوں سے منع کیا گیا ہے یعنی جو انتہائی نفیس ہو یا انتہائی خسیس ہو۔

(۲) مستحب: یہ زائد ہوتا ہے یہ زینت حاصل کرنے کے لیے ہو اور نعمت کے اظہار کے لیے ہو۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے: ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ علی عبدہ (1) اللہ تعالیٰ اسے پسند کرتا ہے کہ وہ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندے پر دیکھے۔

(۳) مباح: یہ خوبصورت کپڑا ہے جو عیدوں، جمعوں اور لوگوں کے اجتماع کے مواقع پر زینت حاصل کرنے کے لیے پہنا جاتا ہے نہ کہ تمام اوقات میں ایسا کیا جائے۔ کیونکہ یہ اس وصف کی بنا پر مدح چاہنا ہے جو اس میں نہیں اور یہ تکبر ہے اور بعض اوقات یہ انداز محتاج لوگوں کو غیظ و غضب میں مبتلا کر دیتا ہے اس سے بچنا اولیٰ ہے۔

(۴) مکروہ: یہ تکبر کے لیے لباس پہننا ہے۔

سفید لباس پہننا مستحب ہے۔ اسی طرح سیاہ لباس پہننا مستحب ہے۔ کیونکہ یہ بنی عباس کا شعار ہے سرور دو عالم ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا (2) سبز لباس پہننا سنت ہے جس طرح ''الشرعہ'' میں ہے یہ ''الملتقی'' اور اس کی شرح سے ماخوذ ہے۔

''ہندیہ'' میں ''سراجیہ'' سے مروی ہے: خوبصورت لباس پہننا مباح ہے جب وہ تکبر کا اظہار نہ کرے۔ اس کی تفسیر یہ ہے کہ وہ ایسے لباس کے ساتھ اس طرح ہو جس طرح وہ پہلے تھا۔

معتاد لباس میں سے یہ ہے: وہ پوستین پہنے اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ تمام درندوں میں سے ہو یا اس کے علاوہ سے ہو وہ مردار کی دباغت شدہ جلد ہو یا ذبح شدہ کی جلد ہو۔ اس کی دباغت سے مراد اس کی رطوبت کو ختم کرنا ہے۔ چیتے اور دوسرے تمام درندوں کے چمڑوں سے پوستین بنانے میں کوئی حرج نہیں جب ان کی دباغت کر دی جائے، اس سے مصلی بنالیا جائے یا

1۔ سنن ترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء ان اللہ تعالیٰ یحب الخ، جلد 2، صفحہ 414، حدیث نمبر 2744

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اللباس، باب العمامۃ السوداء، جلد 2، صفحہ 456، حدیث نمبر 3574

(يَحْرُمُ لُبْسُ الْحَرِيرِ وَلَوْ بِحَائِلٍ) بَيْنَهُ وَبَيْنَ بَدَنِهِ (عَلَى الْمَذْهَبِ) الصَّحِيحِ وَعَنِ الْإِمَامِ إِنَّمَا يَحْرُمُ إِذَا مَسَّ الْجِلْدَ قَالَ فِي الْقُنْيَةِ وَهِيَ رُخْصَةٌ عَظِيمَةٌ فِي مَوْضِعٍ عَمَّتْ بِهِ الْبَلْوَى (أَوْ فِي الْحَرْبِ) فَإِنَّهُ يَحْرُمُ أَيْضًا عِنْدَهُ وَقَالَا يَحِلُّ فِي الْحَرْبِ (عَلَى الرَّجُلِ لَا الْمَرْأَةِ

صحیح مذہب کے مطابق ریشم کو پہننا اگرچہ ریشم اور اس کے بدن کے درمیان کوئی چیز حائل ہو حرام ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: یہ حرام ہے جب وہ جلد کو چھوئے۔ ''قنیہ'' میں کہا: یہ اس جگہ عظیم رخصت ہے جہاں عموم بلوی ہو یا وہ میدان جنگ میں ہو''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں بھی حرام ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: میدان جنگ میں حلال ہے۔ یہ حرمت مرد پر ہے عورت پر نہیں

زین کا منبر بنا لیا جائے۔

مردوں کے لیے ایسا پائجامہ پہننا مکروہ ہے جو ان کے دونوں قدموں کی پشت پر جا پڑتا ہو۔ ''عتابیہ''۔ ایسا جوتا پہننے میں کوئی حرج نہیں جسے لوہے کے کیلوں سے سیا گیا ہو۔

''الذخیرہ'' میں ہے: جس میں ایسی نجاست ہو جو نماز کے جواز کے مانع ہو کیا اس کا پہننا جائز ہے؟ ''سعید بن جبیر'' کی حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ لومڑی کی کھال کی بنی ٹوپی پہنا کرتے تھے اور اس میں نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ اس سے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے مکروہ ہونے کا استدلال کیا ہے یہ ان کی لغزش ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ضرورت کے بغیر اسے پہننا جائز نہیں ہے۔ ''تاتر خانیہ''۔ لیکن شارح نے شروط الصلاۃ میں پہلے ذکر کیا ہے کہ اسے نماز کے علاوہ ناپاک کپڑا پہننے کی اجازت ہے۔ اسے ''البحر'' میں ''المبسوط'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

ریشم کا لباس پہننے کا شرعی حکم

32915۔ (قولہ: يَحْرُمُ لُبْسُ الْحَرِيرِ الخ) ضرورت کے علاوہ ریشم کا لباس پہننا حرام ہے جس طرح آگے آئے گا۔ ''مغرب'' میں کہا: حریر سے مراد پکایا گیا ریشم ہے۔ اس سے جو کپڑا بنایا جاتا ہے اسے حریر کہتے ہیں۔

32916۔ (قولہ: قَالَ فِي الْقُنْيَةِ) اسے اپنے استاذ ''بدیع'' سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا: لیکن میں نے اسے امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی قول بہت سی کتب سے تلاش کیا تو میں نے اسے نہ پایا مگر صاحب ''المحیط'' کی ''برہان'' سے اسے پایا ہے۔ ''خیریہ'' میں کہا: حاصل کلام یہ ہے کہ یہ ان متون کے مخالف ہے جو مذہب کو نقل کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ پس عمل اور فتوی جائز نہیں۔

32917۔ (قولہ: وَقَالَا يَحِلُّ فِي الْحَرْبِ) یعنی اگر وہ گھنا بنا گیا ہو اس سے دشمن سے بچاؤ ہوتا ہو جس طرح آگے آئے گا۔ اختلاف اس میں ہے جس میں پیٹا اور تانا ریشم کا ہو مگر جس کا صرف پیٹا ریشم کا ہو یا جس کا تانا ریشم کا ہو تو حالت

إِلَّا قَدْرَ أَرْبَعِ أَصَابِعَ
مگر چار انگلیوں کے برابر حلال ہے،

جنگ میں اس کو پہننا بالاجماع جائز ہے جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں ہے اس کا ذکر آگے آئے گا۔

32918۔(قولہ: إِلَّا قَدْرَ أَرْبَعِ أَصَابِعَ الخ) جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ صحیح مروی ہے: ان نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن الثوب المصمت من الحرير الا موضع اصبع او اصبعين او ثلاث او اربع(1) نبی کریم ﷺ نے ریشم سے ٹھوس بنے کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے مگر ایک انگلی، دو انگلیاں، تین انگلیاں، یا چار انگلیاں، کیا چار انگلیوں سے مراد لمبائی اور چوڑائی دونوں صورتوں میں انگلیاں ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ نقش کی چوڑائی اور لمبائی اس سے زائد نہ ہو یا اس سے مراد صرف اس کی چوڑائی ہے اگر چہ اس کی طوالت انگلیوں کی طوالت سے بڑھ کر ہو ان کی کلام سے متبادر معنی دوسرا ہے اس کا فائدہ وہ کلام بھی دیتی ہے جو شارح کی کلام میں ''حاوی زاہدی'' سے آئے گا۔ علم ثوب سے مراد اس کے نقش ہیں یہ طراز ہے جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔ مراد یہ ہے جو خالص ریشم کا ہو وہ بنائی کے اعتبار سے ہو یا سلائی کے اعتبار سے ہو ان کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس میں اور مطرف میں کوئی فرق نہیں۔ اس سے مراد وہ ہوتا ہے جس کی اطراف میں ریشم کی گوٹ لگائی جائے جب کہ وہ چار انگلیوں کے ساتھ مقید ہوگا۔ اور مطرف کو غالب عادت کے مطابق ہر طرف سے بنایا ہے اگر چہ وہ مجموعی طور پر چار انگلیوں سے بڑھ جائے۔ ہمارے نزدیک نقش سے مراد وہ ہے جو ان دونوں کو شامل ہو پس اس میں سجاف (گوٹ) اور جسے وہ آستینوں کی اطراف پر سیتا ہے اور جو جبہ کے طوق (گلے) میں بنا تا ہے جسے قبہ کہتے ہیں سب کو شامل ہوگا۔ اسی طرح عروہ (کاج) اور زر (بٹن) ہے جس طرح آگے آئے گا۔ اس کی مثل وہ ہے جو طرہ طربوش میں ظاہر ہوتا ہے یعنی ایسی ٹوپی جو چار انگلیوں کی چوڑائی سے زائد نہیں ہوتی۔ اسی طرح بیت تکۃ سرویل ہے اور جو عبا کے کندھوں اور اس کی پشت پر ہوتا ہے اور حمام کا ازار جسے شطرنجی کا نام دیا جاتا ہے اور جو شاش کی اطراف میں ہوتا ہے خواہ سوئی کے ساتھ کشیدہ کاری کی جائے یا اس کی بنائی کی جائے۔ اور جسے عمامہ کے اطراف میں جوڑا جاتا ہے جسے صحق کہتے ہیں ان سب میں کوئی حرج نہیں جب اس کی چوڑائی چار انگلیاں ہوں اگر چہ طوالت میں اس سے زائد ہو جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اس کی مثل حکم ہوگا اگر وہ کپڑے پر دیباج کے ٹکڑے لگائے۔ اگر اس ٹکڑے کو زائد بنادے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ تامل

''ہندیہ'' میں کہا: اگر قز کو قبا کا زائد حصہ بنادیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ تبع میں ہے اگر اسے اس کا ظہارہ اور بطاسہ بنادے تو یہ مکروہ ہوگا۔ کیونکہ دونوں مقصود ہوتے ہیں۔ ''محیط سرخسی'' میں اسی طرح ہے۔ شرح ''القدوری'' میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: پس ٹوپیوں کے بطائن ابریشم کے ہوں تو انہیں ناپسند کرتا ہوں۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر جبہ کا قبہ چار انگلیوں سے زائد ہو جس طرح ہمارے زمانے کی عادت ہے تو اس پر کپڑے کے ایک ٹکڑے کو سی دیا گیا تو اس کا پہننا جائز ہوگا۔ کیونکہ ریشم زائد ہو چکا ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب كتاب اللباس والزينة، باب تحريم استعمال اوانى الذهب، جلد 3، صفحہ 141، حدیث نمبر 3910

كَأَعْلَامِ الثَّوْبِ (مَضْمُومَةٍ) وَقِيلَ مَنْشُورَةٍ وَقِيلَ بَيْنَ بَيْنَ وَظَاهِرُ الْمَذْهَبِ عَدَمُ جَمْعِ الْمُتَفَرِّقِ وَلَوْ فِي عِمَامَةٍ كَمَا بَسَطَ فِي الْقُنْيَةِ وَفِيهَا عِمَامَةٌ طَرَّزَهَا قَدْرَ أَرْبَعِ أَصَابِعَ مِنْ إِبْرَيْسَمٍ مِنْ أَصَابِعِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَذَلِكَ قِيسُ شِبْرِنَا يُرَخَّصُ فِيهِ (وَكَذَا الْمَنْسُوجُ بِذَهَبٍ إِذَا كَانَ هَذَا الْمِقْدَارُ) أَرْبَعَ أَصَابِعَ (وَإِلَّا لَا) يَحِلُّ لِلرَّجُلِ زَيْلَعِيٌّ

جیسے کپڑے کے نقش و نگار ہوتے ہیں، جو ملی ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کھلی ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بین بین ہوں۔ ظاہر مذہب یہ ہے کہ متفرق کو جمع نہ کیا جائیگا اگر چہ پگڑی میں ہو جس طرح ''القنیہ'' میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس میں ہے: ایک عمامہ ہے جس کے نقش و نگار ریشم کے ہیں جو چار انگلیوں کے برابر ہیں اور چار انگلیوں سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی انگلیاں ہیں ہماری بالشت کو اس پر قیاس کیا گیا ہے اسی میں رخصت ہوگی۔ اس طرح جسے سونے سے بنا گیا ہو جب وہ بنائی چار انگلیوں کی مقدار ہو تو حلال ہے ورنہ مرد کے لیے حلال نہیں ''زیلعی''۔

32919۔ (قولہ: وَظَاهِرُ الْمَذْهَبِ عَدَمُ جَمْعِ الْمُتَفَرِّقِ) یعنی مگر جب اس کا ایک خط قز کا اور ایک خط اس کے علاوہ ہو اس طرح وہ تمام کا تمام قز دکھائی دے۔ پس یہ جائز نہ ہوگا جس طرح عنقریب اسے ''حاوی'' سے ذکر کریں گے۔ اس کا مقتضا یہ ہے وہ کپڑا حلال ہے جس پر ریشم کے نقش ہوں خواہ کشیدہ کاری کی گئی ہو یا اسے بنا گیا ہو جب تک اس کے نقوش چار انگلیوں سے زائد نہ ہوں اگر چہ جمع کرنے سے چار انگلیوں سے زائد ہو جائیں جب کہ سارے کا سارا ریشم دکھائی نہ دیتا ہو۔ تامل

''طحطاوی'' نے کہا: کیا سونے اور چاندی سے جو بنا گیا ہو وہ متفرق ہو اسکا حکم اس طرح ہوگا اسکی وضاحت کی جانی چاہیے۔

32920۔ (قولہ: فِيهَا) یعنی ''القنیہ'' میں ہے۔ اس میں اس کے بعد ''نجم الائمہ'' نے یہ اشارہ کیا ہے کہ معتبر چار انگلیوں ہیں جس طرح وہ اپنی ہیئت پر ہوں نہ کہ آباؤ اجداد کی انگلیاں مراد ہوں گی۔ پھر ''کرمانی'' نے کھلی ہوئی انگلیوں کا اشارہ کیا ہے۔ پھر ''کرابیسی'' نے اشارہ کیا ہے کہ کھلی ہوئی انگلیوں کی مقدار سے بچنا اولی ہے۔

32921۔ (قولہ: وَإِلَّا لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ زَيْلَعِيٌّ) ''زیلعی'' کی عبارت رجل کی قید سے مطلق ہے۔ اور یہ اعتراض کیا کہ یہ زیور نہیں ہے پس ظاہر یہ ہے کہ اس میں عورتوں کا حکم مردوں کی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔ زیور اس کو کہتے ہیں جس سے زینت حاصل کی جاتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس کپڑے کو سونے سے بنا گیا ہو وہ زیور ہے۔ ہم پہلے ''الخانیہ'' سے نقل کر چکے ہیں کہ عورتیں زیور کے علاوہ کھانے، پینے اور تیل لگانے میں وہ سونے کے برتن ہوں یا چاندی کے اور عقود میں مردوں کے قائم مقام ہیں ان کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ دیباج، حریر، سونا، چاندی اور موتی پہنیں۔

''ہدایہ'' میں ہے: بچوں میں سے مذکر کے لیے یہ مکروہ ہے کہ وہ سونا اور چاندی پہنے عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔ ''القنیہ''

وَفِي الْمُجْتَبَى الْعَلَمُ فِي الْعِمَامَةِ فِي مَوْضِعَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ يُجْمَعُ، وَقِيلَ لَا وَفِيهِ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى عِمَامَةٌ عَلَيْهَا عَلَمٌ مِنْ قَصَبِ فِضَّةٍ قَدْرَ ثَلَاثِ أَصَابِعَ لَا بَأْسَ وَمِنْ ذَهَبٍ يُكْرَهُ وَقِيلَ لَا يُكْرَهُ وَفِيهِ تُكْرَهُ الْجُبَّةُ الْمَكْفُوفَةُ بِالْحَرِيرِ

''مجتبیٰ'' میں ہے: پگڑی میں نقش جو دو جگہ میں ہوں یا زیادہ جگہ میں ان کو جمع کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں جمع کیا جائے گا۔ اس میں ہے: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: ایک پگڑی ہے جس پر تین انگلیوں کی مقدار چاندی کے نقش ونگار ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور سونے کے ہوں تو یہ مکروہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مکروہ نہیں۔ اس میں ہے: ایسا جبہ مکروہ ہے جس کے اطراف میں ریشمی کپڑا سیا گیا ہو۔

میں ہے: عورتوں کے لیے اس نقش میں کوئی حرج نہیں جسے سونے سے بنا گیا ہو۔ جہاں تک مردوں کا تعلق ہے تو چار انگلیوں کا اندازہ لگایا گیا ہے اور جو اس سے زائد ہو وہ مکروہ ہے۔

32922۔ (قولہ: وَفِي الْمُجْتَبَى الخ) تو یہ جان چکا ہے کہ دوسرا قول ظاہر مذہب ہے یہ ان کے قول ولو فی عمامة کے ساتھ مکرر ہے جو قول گزر چکا ہے۔

32923۔ (قولہ: وَفِيهِ) یعنی ''المجتبیٰ'' میں ہے اسی طرح جو بعد کی ضمیریں ہیں وہ ''مجتبیٰ'' کے بارے میں ہیں۔

32924۔ (قولہ: وَمِنْ ذَهَبٍ يُكْرَهُ) ''القنیہ'' میں کہا: گویا انہوں نے اسے خاتم انگوٹھی پر قیاس کیا ہے اس میں ہے: اسی طرح ظاہر مذہب کے مطابق ٹوپی میں چار انگلیوں کی مقدار جائز ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ایک روایت میں ہے: یہ جائز نہیں جس طرح وہ ریشم سے ہوں۔

میں کہتا ہوں: کپڑے کے نقش سونے کے ہوں تو اس کے بارے میں کلام آگے آئے گی۔

وہ لباس جس کے اطراف میں ریشم ہو اس کا شرعی حکم

32925۔ (قولہ: تُكْرَهُ الْجُبَّةُ الْمَكْفُوفَةُ بِالْحَرِيرِ) عام علما جس نقطہ نظر پر ہیں یہ اس کا غیر ہے۔ کیونکہ ''ہندیہ'' میں ''ذخیرہ'' سے منقول ہے کہ ایسے لباس کو پہننا جس کے اطراف میں ریشم سیا گیا ہو عام فقہا کے نزدیک یہ مطلقاً جائز ہے۔ ''التبیین'' میں حضرت اسماء سے مروی ہے: انہوں نے طیالسی جبہ نکالا جس پر کسروانی دیباج کی ایک بالشت بھر چیٹ تھی اور اس کے دونوں سوراخ یعنی جن میں بازو ڈالے جاتے ہیں ان پر ریشم سیا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے جسے آپ پہنا کرتے تھے۔ اور وہ جبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو میں نے اسے قبضہ میں لیا ہم مریض کے لیے اسے دھویا کرتے تو وہ اس سے شفا حاصل کر لیتا (1)۔ اسے امام ''احمد'' اور امام ''مسلم'' نے ذکر کیا ہے اور انہوں نے شبر کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ ''ط''۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، جلد 3، صفحہ 139، حدیث نمبر 3905

قُلْتُ وَبِهَذَا ثَبَتَ كَرَاهَةُ مَا اعْتَادَهُ أَهْلُ زَمَانِنَا مِنَ الْقُمُصِ الْبَصْرِيَّةِ وَفِيهِ الْمُرَخَّصُ الْعَلَمُ فِي عَرْضِ الثَّوْبِ قُلْتُ وَمُفَادُهُ أَنَّ الْقَلِيلَ فِي طُولِهِ يُكْرَهُ قَالَ الْمُصَنِّفُ وَبِهِ جَزَمَ مُنْلَا خُسْرو وَصَدْرُ الشَّرِيعَةِ لَكِنَّ إِطْلَاقَ الْهِدَايَةِ وَغَيْرِهَا يُخَالِفُهُ وَفِي السِّرَاجِ عَنِ السِّيَرِ الْكَبِيرِ الْعَلَمُ حَلَالٌ مُطْلَقًا صَغِيرًا كَانَ أَوْ كَبِيرًا قَالَ الْمُصَنِّفُ وَهُوَ مُخَالِفٌ لِمَا مَرَّ مِنَ التَّقْيِيدِ بِأَرْبَعِ أَصَابِعَ

میں کہتا ہوں: اس سے ان بصری قمیصوں کی کراہت ثابت ہو جاتی ہے جس کے ہمارے زمانے کے لوگ عادی ہو چکے ہیں۔ اس میں ہے: جس کی رخصت ہے وہ نقش ہے جو کپڑے کے عرض میں ہو۔ میں کہتا ہوں: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اس کے طول میں قلیل مکروہ ہے۔ مصنف نے کہا: ''منلا خسرو'' اور ''صدر الشریعہ'' نے اسے جزم ویقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لیکن ''ہدایہ'' وغیرہا کا اطلاق اس کے مخالف ہے۔ ''سراج'' میں ''سیر کبیر'' سے مروی ہے: علم مطلقاً حلال ہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو مصنف نے کہا: جو چار انگلیوں کی قید گزر چکی ہے وہ اس کے مخالف ہے۔

''ہدایہ'' میں یہ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا جبہ پہنا کرتے تھے جس پر ریشم سیا گیا تھا (1)۔ ''قاموس'' میں ہے: کف الثوب کفا یعنی اس کے حاشیہ میں سیا۔ یہ شل (ہلکی سلائی) کے بعد دوسرا سینا ہے۔ اس میں سے لبنة القمیص یعنی نبیقته ہے یعنی وہ چٹ جو قمیص پر لگائی جاتی ہے۔

32926۔ (قوله: قُلْتُ) قائل صاحب ''المجتبیٰ'' ہے۔ تو وہ جانتا ہے جس پر اس قول کی بنیاد ہے۔

32927۔ (قوله: الْبَصْرِيَّةِ) ''المجتبیٰ'' میں لفظ المضربة ہے جو التضریب سے مشتق ہے۔

32928۔ (قوله: قُلْت وَمُفَادُهُ) اس کے بھی قائل صاحب ''المجتبیٰ'' ہیں۔

32929۔ (قوله: وَبِهِ جَزَمَ) یعنی عرض (چوڑائی) کی جو قید لگائی ہے۔ اسی طرح ''ابن کمال'' اور ''قہستانی'' نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں ''جامع الجوامع'' سے اسے نقل کیا ہے۔

32930۔ (قوله: لَكِنَّ إِطْلَاقَ الْهِدَايَةِ وَغَيْرِهَا يُخَالِفُهُ) یخالفه کی ہ ضمیر سے مراد التقیید بالعرض ہے۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا جس طرح کتب اصول میں اس کی تصریح کی ہے کہ مطلق کو مقید پر اعادہ حکم کی وجہ سے محمول کیا جاتا ہے جب کہ حادثہ یہ ہے کہ متون عمومی طور پر مسائل کو ان کی بعض قیود مطلق سے ذکر کرتے ہیں، تامل۔ لیکن متون کا اطلاق ادلہ کے اطلاق کے موافق ہے۔ یہ اس زمانہ کے لوگوں کے لیے زیادہ نرمی کا باعث ہے تاکہ لوگ فسق وعصیان میں واقع نہ ہو جائیں۔

32931۔ (قوله: وَهُوَ مُخَالِفٌ الخ) وہاں یہ قول متون کے صریح مخالف ہے اس پر پہلے گفتگو گزر چکی ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب الرخصة فی العلم، جلد 3، صفحہ 171، حدیث نمبر 3532،

ہدایہ، کتاب الکراھیة، فصل فی اللبس، جلد 4، صفحہ 456

وَفِيهِ رُخْصَةٌ عَظِيمَةٌ لِمَنْ أُبْتُلِيَ بِهِ فِي زَمَانِنَا قُلْتُ قَالَ شَيْخُنَا وَأَظُنُّ أَنَّهُ الرَّايَةُ وَمَا يُعْقَدُ عَلَى الرُّمْحِ فَإِنَّهُ حَلَالٌ وَلَوْ كَبِيرًا لِأَنَّهُ لَيْسَ بِلُبْسٍ وَبِهِ يَحْصُلُ التَّوْفِيقُ (وَلَا بَأْسَ بِكِلَّةِ الدِّيبَاجِ) هُوَ مَا سَدَاهُ وَلُحْمَتُهُ إِبْرَيْسَمٌ شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ (لِلرِّجَالِ) الْكِلَّةُ بِالْكَسْرِ الْبُشْخَانَةُ وَالنَّامُوسِيَّةُ لِأَنَّهُ لَيْسَ يُلْبَسُ وَنَظَمَهُ شَارِحُ الْوَهْبَانِيَّةِ

فَقَالَ وَفِي كِلَّةِ الدِّيبَاجِ فَالنَّوْمُ جَائِزٌ وَفِي قُنْيَةٍ وَالْمُنْتَقَى ذَا مُسَطَّرٌ

یہ اس آدمی کے لیے عظیم رخصت ہے جو ہمارے زمانہ میں اس میں مبتلا ہوا۔ میں کہتا ہوں: ہمارے شیخ نے کہا: میں گمان کرتا ہوں کہ یہ جھنڈا ہے اور جسے نیزے پر باندھا جاتا ہے کیونکہ یہ حلال ہے اگرچہ بڑا ہو کیونکہ یہ پہننا نہیں۔ اس سے تطبیق حاصل ہو جاتی ہے دیباج کے کلہ میں مردوں کے لیے کوئی حرج نہیں یہ وہ ہوتا ہے جس کا پیٹا اور تانا دونوں ریشم کے ہوں۔ ''شرح وہبانیہ''۔ کلہ یہ کاف کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ بشخانہ اور ناموسیہ ہے کیونکہ اسے پہنا نہیں جاتا۔ ''شارح وہبانیہ'' نے اسے نظم کیا ہے۔ ریشمی چھپرکٹ میں سورہنا جائز ہے۔ ''قنیہ'' اور ''منتقی'' میں یہ مرقوم ہے۔

32932۔ (قولہ: قُلْتُ الخ) یہ قول حقیقت سے بہت ہی دور ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: جہاں تک اس چیز کے پہننے کا تعلق ہے جس کے نقش ریشم کے ہوں یا اس پر ریشم سلا ہوا ہو تو عام فقہاء کے نزدیک مطلق ہے۔ بعض لوگوں نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ''ہشام'' نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے: چار انگلیوں کی مقدار کے نقش کپڑے میں ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ''شمس الائمہ سرخسی'' نے یہ ذکر کیا ہے: کپڑے میں نقش میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ تابع ہوتا ہے اور اس کا اندازہ نہیں لگایا جاتا۔ ان کی گفتگو اسی کپڑے میں نقش کے متعلق ہے جسے پہنا جاتا ہے۔ اس سے مراد وہ علم نہیں جو جھنڈا ہے ورنہ ان کے قول میں ثوب کا کوئی معنی نہیں رہ جاتا اور نہ ہی تبعیت کے ساتھ علت بیان کرنے کا کوئی فائدہ ہے۔

ذہن نشین کر لو۔ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: جس کی نص یہ ہے: عورتوں کے حق میں کلام باقی ہے۔ عام علماء فرماتے ہیں: عورتوں کے لیے خالص ریشم پہننا حلال ہے۔ بعض علماء نے کہا: حلال نہیں۔ جہاں تک اس لباس کے پہننے کا تعلق ہے جس کا نقش ریشم کا ہو آخر تک جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس عبارت سے جو متبادر معنی سمجھ آتا ہے وہ یہ ہے کہ جو علم کا لفظ مطلق ذکر کیا ہے وہ عورتوں کے حق میں ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تو اس میں کوئی اشکال نہیں اور یہ تطبیق ہی اچھی ہوگی ورنہ یہ روایتیں ہوں گی۔

32933۔ (قولہ: هُوَ مَا سَدَاهُ الخ) السدی یہ سین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ کپڑے میں سے جسے پھیلایا جائے اور لحمہ یہ لام کے ضمہ کے ساتھ ہے جو اس لمبائی میں داخل کیا جائے۔ ابریسم یہ سین کے فتحہ اور اس کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد ریشم ہے۔

32934۔ (قولہ: الْكِلَّةُ بِالْكَسْرِ الْبُشْخَانَةُ وَالنَّامُوسِيَّةُ) ''ابن شحنہ'' نے اسی طرح کہا ہے۔ ''قاموس'' میں ہے: الکلۃ یہ کاف کے کسرہ کے ساتھ ہے باریک پردہ۔ باریک اوڑھنی یا کوئی ایسی چیز جس سے مچھروں سے بچا جاتا ہے۔

(وَتُكْرَهُ التِّكَّةُ مِنْهُ) أَيْ مِنَ الدِّيبَاجِ هُوَ الصَّحِيحُ وَقِيلَ لَا بَأْسَ بِهَا (وَكَذَا) تُكْرَهُ (الْقَلَنْسُوَةُ وَإِنْ كَانَتْ تَحْتَ الْعِمَامَةِ وَالْكِيسُ الَّذِي يُعَلَّقُ) قُنْيَةٌ

اور دیباج کا ازار بند مکروہ ہے یہی قول صحیح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اس کی ٹوپی مکروہ ہے اگرچہ عمامہ کے نیچے ہو اور اسی طرح ریشمی تھیلی مکروہ ہے جسے لٹکایا جاتا ہے۔ ''قنیہ''۔

دیباج کے ازار بند، عمامہ اور ٹوپی کا شرعی حکم

32935۔ (قولہ: وَتُكْرَهُ التِّكَّةُ) تکہ یہ تا کے کسرہ کے ساتھ ہے جس کے ساتھ پائجامہ کو باندھا جاتا ہے۔ اس کی جمع تِکَک آتی ہے۔ ''قاموس''۔

32936۔ (قولہ: هُوَ الصَّحِيحُ) ''القنیہ'' میں ''شرح الارشاد'' سے اسے ذکر کیا ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: ریشم کا ازار بند مکروہ نہیں کیونکہ اسے نہیں پہنا جاتا۔ بعض مشائخ کی شرح ''جامع صغیر'' میں ہے: امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: مردوں کے لیے ریشم کے ازار بند میں کوئی حرج نہیں۔ ''صدر الشہید'' نے یہ ذکر کیا ہے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔ تامل

32937۔ (قولہ: وَكَذَا تُكْرَهُ الْقَلَنْسُوَةُ) ''منلا مسکین'' نے مصنف کے قول مسائل شتی میں جو کتاب کے آخر میں ہے ذکر کیا ہے: ٹوپیاں پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ جمع کا لفظ ریشم، سونے، چاندی، کرباس، سیاہ اور سرخ ٹوپی کو شامل ہے۔ ظاہر یہ ہے قابل اعتماد وہ ہے جو یہاں ہے کیونکہ اس کے محل میں صراحۃً ذکر کیا ہے نہ کہ اسے عموم سے اخذ کیا ہے۔ ''ط''۔

''فتاویٰ ہندیہ'' میں ہے: یہ مکروہ ہے کہ مذکر ریشم، سونے، چاندی، کرباس کی ٹوپی پہنے جس پر ابریسم میں سے کثیر شے کو سیا گیا ہو یا سونے یا چاندی میں سے چار انگلیوں سے زیادہ کو سیا گیا ہو۔ اس سے عرقیہ کا حکم معلوم ہو جاتا ہے جسے طاقیہ کہتے ہیں جب اس پر ریشم کے نقش ہوں اور ان میں سے ایک نقش چار انگلیوں سے زائد ہو تو حلال نہیں اگر اس سے کم ہو تو حلال ہے اگرچہ مجموعی نقوش چار انگلیوں سے زائد ہوں۔ یہ اس پر مبنی ہے جو گزر چکا ہے کہ ظاہر مذہب یہ ہے کہ متفرق کو جمع نہ کیا جائے۔

32938۔ (قولہ: وَالْكِيسُ الَّذِي يُعَلَّقُ) یعنی وہ تھیلی جسے آدمی اپنے ساتھ لٹکاتا ہے نہ کہ وہ تھیلی ہے جسے رکھا جاتا ہے اور نہ ہی وہ مراد ہے جسے گھر میں لٹکاتا ہے۔ اس قول کے ساتھ اس تھیلی سے احتراز کیا ہے جسے نہیں لٹکایا جاتا۔ اس کی وجہ میں ظاہر یہ ہے کہ لٹکانا پہننے کے مشابہ ہے۔ پس اس وجہ سے حرام ہوگا۔ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ محرمات کے باب میں شبہ یقین کے ساتھ لاحق کیا جاتا ہے۔ ''رملی''۔

ظاہر یہ ہے کہ کیس سے مراد وہ تھیلی ہے جسے لٹکایا گیا ہو جیسے تعویذ کی تھیلی جسے حمائل کہتے ہیں اسے گردن میں لٹکایا جاتا ہے۔ دراہم کی تھیلی کا معاملہ مختلف ہے جب وہ مثلاً لٹکانے کے بغیر اپنی جیب میں رکھتا ہے۔ ''الدر المنتقی'' میں ہے: ریشم کے سجادہ پر نماز پڑھنا مکروہ نہیں۔ کیونکہ حرام پہننا ہے۔ جہاں تک باقی وجوہ سے نفع حاصل کرنے کا تعلق ہے تو یہ حرام نہیں جس

(وَاخْتُلِفَ فِي عَصْبِ الْجِرَاحَةِ بِهِ) أَيْ بِالْحَرِيرِ كَذَا فِي الْمُجْتَبَى وَفِيهِ أَنَّ لَهُ أَنْ يُزَيِّنَ بَيْتَهُ بِالدِّيبَاجِ وَيَتَجَمَّلَ بِأَوَانِ ذَهَبٍ وَفِضَّةٍ بِلَا تَفَاخُرٍ وَفِي الْقُنْيَةِ يَحْسُنُ لِلْفُقَهَاءِ

حریر سے زخم کی پٹی لگانے میں اختلاف ہے''المجتبیٰ'' میں اسی طرح ہے اس میں ہے اسے حق حاصل ہے کہ وہ اپنے گھر کو دیباج سے مزین کرے اور تفاخر کے بغیر سونے اور چاندی کے برتنوں سے جمال کے حصول کا اہتمام کرے۔''القنیہ'' میں ہے: فقہا کے لیے یہ مستحسن ہے

طرح''صلاۃ الجواہر'' میں ہے۔''قہستانی'' وغیرہ علماء نے اسے ثابت رکھا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس سے سبحہ (تسبیح) کے بند، زنجیر کا حکم معلوم ہو جاتا ہے جس کے بارے میں کثرت سے سوال کیا جاتا ہے۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ ان کا قول ھو اللبس اس سے مراد پہننا ہے اگرچہ حکماً ہو۔ کیونکہ''القنیہ'' میں ہے: ابریسم کے لحاف کو استعمال کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ پہننے کی نوع ہے۔ گھڑی کے بند کے بارے میں کلام باقی رہ گئی ہے جس کے ساتھ گھڑی کو باندھا جاتا ہے اور ایک آدمی اپنے کپڑے کے بٹن کے ساتھ اسے لٹکاتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ اس تسبیح کے بند کی طرح ہے جس کے ساتھ اسے باندھا جاتا ہے۔ تامل۔ اس کی مثل چابیوں کا بند، میزان کے بنود اور دوات کا لیقہ (دوات میں جو صوف ڈالا جاتا ہے)۔ اسی طرح ریشم کے کاغذ میں لکھنے کا معاملہ ہے اور مصحف قجہ و دراہم کے تھیلے کا معاملہ ہے۔ اور جس کے ساتھ کپڑوں کو ڈھانپا جاتا ہے اور جس میں کپڑوں کو لپیٹا جاتا ہے اسے قجہ کہتے ہیں۔ اس کی مثل حکم ہوگا جس میں پہنے بغیر نفع حاصل کرنا ہو یا جو پہننے کے مشابہ ہو۔

''القنیہ'' میں ہے: دلال دیباج کا کپڑا جسے بیچنے کے لیے اپنے کندھے پر ڈالتا ہے تو یہ جائز ہے جب وہ اپنے ہاتھ آستینوں میں داخل نہیں کرتا۔''عین الائمہ کرابیسی'' نے کہا: مشائخ کے درمیان اس میں کلام ہے۔

پہلے کی دلیل یہ ہے کہ کندھوں پر کپڑا ڈالنے سے اس نے اٹھانے کا قصد کیا ہے استعمال کا قصد نہیں کیا پس یہ اس پہننے کے مشابہ نہیں ہے جس سے نفع حاصل کرنے کا قصد کیا گیا ہے، تامل۔''القنیہ'' میں یہ نقل کیا ہے کہ ابریسم کا لفافہ مکروہ ہے لفافہ سے ظاہر معنی یہ ہے کہ مراد ایسی شے ہے جس کے مکمل کو جسم پر لپیٹا جاتا ہے یا لفافہ کے بعض کو لپیٹا جاتا ہے نہ کہ لفافہ سے وہ مراد ہے جس کے ساتھ کپڑوں کو لپیٹا جاتا ہے۔ تامل

32939۔ (قولہ: وَاخْتُلِفَ الخ)''ہندیہ'' میں ہے: ریشم کا ازار بند باندھنے میں علماء میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔ اسی طرح جس نے فصد کرایا ہو اس کی پٹی ہے اگرچہ وہ چار انگلیوں سے کم ہو۔ کیونکہ وہ بنفسہ اصل ہے''تمرتاشی'' میں اسی طرح ہے۔''ط''۔

سونے چاندی کے برتنوں اور دیباج سے گھر کو مزین کرنے کا شرعی حکم

32940۔ (قولہ: أَنْ يُزَيِّنَ بَيْتَهُ الخ) فقیہ''ابوجعفر'' نے''شرح السیر'' میں ذکر کیا ہے: اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ

لَفُّ عِمَامَةٍ طَوِيلَةٍ وَلُبْسُ ثِيَابٍ وَاسِعَةٍ وَفِيهَا لَا بَأْسَ بِشَدِّ خِمَارٍ أَسْوَدَ عَلَى عَيْنَيْهِ مِنْ إبْرِيسَمٍ لِعُذْرٍ قُلْتُ وَمِنْهُ الرَّمَدُ وَفِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ عَنْ الْمُنْتَقَى لَا بَأْسَ بِعُرْوَةِ الْقَمِيصِ وَزِرِّهِ مِنْ الْحَرِيرِ لِأَنَّهُ تَبَعٌ

کہ لمبا عمامہ باندھیں اور کھلے کپڑے پہنیں اور اس میں ہے عذر کی وجہ سے اپنی آنکھوں پر ابریسم کی سیاہ اوڑھنی باندھنے میں کوئی حرج نہیں۔ میں کہتا ہوں: اس میں سے آشوب چشم ہے۔ ''شرح الوہبانیہ'' میں ''المنتقی'' سے مروی ہے: اور قمیص کا کاج اور بٹن ریشم کا بنانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ تبع میں ہے۔

کمروں کی دیواروں کو منقش گدوں سے ڈھانپ دے جب ایسا کرنے والا اس سے زینت کا قصد کرے تو یہ مکروہ ہوگا۔ ''الغاشیہ'' میں ہے: دروازے پر پردہ لٹکانا مکروہ ہے اور ''کبیر'' میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بیان کیا ہے کیونکہ یہ زینت اور تکبر ہے۔

حاصل کلام

ہر وہ عمل جو تکبر کے طریقہ پر ہو وہ مکروہ ہوتا ہے اگر وہ حاجت اور ضرورت کی بنا پر ایسا کرے تو مکروہ نہیں ہوگا۔ یہی قول مختار ہے، ''ہندیہ''۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے: اگر یہ محض زینت کے لیے ہو جب کہ تکبر اور تفاخر نہ ہو تو یہ مکروہ ہوگا لیکن اس کے بعد ''الظہیریہ'' میں ایسا قول نقل کیا ہے جو اس کے مخالف ہے۔ تامل

تنبیہ

اس سے یہ اخذ کیا جاتا کہ زینت کے ایام میں جو ریشم بچھایا جاتا ہے اور سونے اور چاندی کے برتن رکھے جاتے ہیں جب کہ انہیں استعمال نہیں کیا جاتا تو یہ جائز ہے جب اس سے تفاخر کا قصد نہ کیا جائے بلکہ محض سلطان کے حکم کی اطاعت ہوتی ہے۔ دن کے وقت شمع اور قندیل جلانے کا معاملہ مختلف ہوتا ہے کیونکہ یہ جائز نہیں کیونکہ یہ مال کو ضائع کرنا ہے مگر جب حاکم کی طرف سے سزا کا خوف ہو۔ کیونکہ یہ دن منکرات پر مشتمل ہوتے ہیں اس لیے ان پر خوشی کا اظہار جائز نہیں کتاب الشہادات میں گزر چکا ہے جس سے شہادت کو رد کر دیا جاتا ہے وہ امیر کے آنے پر خوشی کے اظہار کے لیے گھر سے باہر نکلنا ہے۔ کیونکہ یہ منکرات اور عورتوں کے ساتھ خلط ملط ہونے پر مشتمل ہوتے ہیں تو اس سے بدرجہ اولیٰ شہادت رد ہوگی۔ فتنبہ

32941۔ (قولہ: لَفُّ عِمَامَةٍ طَوِيلَةٍ) شاید یہ اس طرح متعارف ہوں۔ اگر دوسرے شہروں کا عرف یہ ہو تو طویل عمامہ کے بغیر اسے بڑا باندھا جاتا ہو تو وہ علم کے مقام کے اظہار کے لیے اور اس لیے کہ لوگ پہچان لیں اور امور دین کے بارے میں اس سے پوچھیں تو وہ اس طرح کرے۔ ''ط''۔

عذر کی وجہ سے آنکھوں پر ابریسم کا سیاہ کپڑا باندھنے میں کوئی حرج نہیں

32942۔ (قولہ: وَفِيهَا) یعنی ''القنیہ'' میں اسی طرح ہے اس کی نص یہ ہے: اس کا برف کی طرف لگاتار دیکھنا اسے نقصان دیتا ہے جب کہ وہ اس برف پر چل رہا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنی آنکھوں پر ابریسم کا سیاہ کپڑا باندھ لے۔ میں کہتا ہوں: آنکھ میں آشوب چشم ہو تو وہ بدرجہ اولیٰ ایسا کپڑا باندھ سکتا ہے۔

وَفِی التَّتَارْخَانِيَّةِ عَنْ السِّيَرِ الْكَبِيرِ لَا بَأْسَ بِأَزْرَارِ الدِّيبَاجِ وَالذَّهَبِ وَفِيهَا عَنْ مُخْتَصَرِ الطَّحَاوِيِّ لَا يُكْرَهُ عَلَمُ الثَّوْبِ مِنْ الْفِضَّةِ وَيُكْرَهُ مِنْ الذَّهَبِ قَالُوا وَهَذَا مُشْكِلٌ فَقَدْ رَخَّصَ الشَّرْعُ فِي الْكَفَافِ وَالْكَفَافُ قَدْ يَكُونُ مِنَ الذَّهَبِ (وَيَحِلُّ تَوَسُّدُهُ وَافْتِرَاشُهُ) وَالنَّوْمُ عَلَيْهِ

''تاتر خانیہ'' میں ''سیر کبیر'' سے مروی ہے: اس میں کوئی حرج نہیں کہ دیباج اور سونے کے بٹن بنائے جائیں۔ اس میں ''مختصر الطحاوی'' سے مروی ہے: چاندی سے کپڑے کا نقش بنانا مکروہ نہیں ہے اور سونے کا نقش بنانا مکروہ ہے۔ علما نے کہا: یہ مشکل ہے۔ شرع نے حاشیہ کی رخصت دی ہے اور حاشیہ کبھی سونے کا ہوتا ہے اس کا تکیہ بنانا اور بستر بنانا اور اس پر سونا حلال ہے۔

''تاتر خانیہ'' میں ہے: جہاں تک ضرورت کے لیے پہننے کا تعلق ہے تو اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو سخت خارش تھی دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ریشم کا لباس پہننے کی اجازت مانگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ریشم کا لباس پہننے کی اجازت دے دی (1)۔

میں کہتا ہوں، ''زیلعی'' نے آنے والی فصل سے تھوڑا پہلے یہ تصریح کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو خصوصی طور پر رخصت دی تھی۔ تامل

32943۔ (قولہ: فَقَدْ رَخَّصَ الشَّرْعُ فِي الْكَفَافِ الخ) کفاف سے مراد قمیص کا وہ حصہ ہے جہاں کنارہ ہوتا ہے۔ یہ بدن کے جوڑوں، بچیوں اور دامن کی طرف ہے، ''مغرب''۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اس میں ہے کہ حضرت شارع علیہ السلام کے بارے میں یہ وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا جبہ زیب تن کیا جس کی اطراف میں ریشم لگا ہوا تھا۔ اس میں چاندی اور سونے کا ذکر نہیں۔ پس اس میں تامل کیا جانا چاہیے اور وضاحت کی جانی چاہیے۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اشکال کی وجہ یہ ہے کہ کپڑے میں نقش اور کفاف یہ حلال ہے۔ کیونکہ یہ قلیل ہے اور تابع ہے جو مقصود نہیں جس طرح علما نے اس کی تصریح کی ہے۔ سونا، چاندی اور ریشم سب حرمت میں برابر ہیں۔ پس ریشم کے نقش اور کفاف کی رخصت دینا یہ اس کے علاوہ سے ان کی رخصت دینا ہے یہ مساوات کی دلیل کے ساتھ ہے۔ فرق نہ ہونے کی تائید وہ قول کرتا ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ چار انگلیوں کے برابر سونے سے بنا ہوا کپڑا مباح ہے۔ اسی طرح کپڑے پر سونے اور چاندی کی کتابت کا حکم ہے اور برتن وغیرہ ان دونوں کے ساتھ اسے پتری لگا کر جوڑا گیا ہو۔ جو اشکال یہاں وارد ہوا ہے وہ اس پر بھی وارد ہوگا جسے ''المجتبیٰ'' سے پگڑی کے نقش میں پہلے بیان کیا گیا ہے۔

ریشم کے تکیے کا شرعی حکم

32944۔ (قولہ: وَيَحِلُّ تَوَسُّدُهُ) وسادہ سے مراد جس پر رخسار رکھا جاتا ہے۔ ''منح''۔ اسے مرفقہ بھی کہتے ہیں یہ

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اللباس، باب من رخص لہ فی لبس الحریر، جلد 2، صفحہ 457، حدیث نمبر 3581

وَقَالَا وَالشَّافِعِيُّ وَمَالِكٌ حَرَامٌ وَهُوَ الصَّحِيحُ كَمَا فِي الْمَوَاهِبِ قُلْتُ فَلْيُحْفَظْ هٰذَا لٰكِنَّهُ خِلَافُ الْمَشْهُورِ وَأَمَّا جَعْلُهُ دِثَارًا أَوْ إِزَارًا فَإِنَّهُ يُكْرَهُ بِالْإِجْمَاعِ سِرَاجٌ وَأَمَّا الْجُلُوسُ عَلَى الْفِضَّةِ

صاحبین، امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''مالک'' نے کہا: یہ حرام ہے یہی قول صحیح ہے جس طرح ''المواہب'' میں ہے۔ میں کہتا ہوں: اسے یاد رکھا جائے لیکن یہ مشہور کے خلاف ہے۔ جہاں تک اسے دثار یا ازار بنانے کا تعلق ہے تو یہ بالاجماع مکروہ ہے، سراج۔ جہاں تک چاندی پر بیٹھنے کا تعلق ہے

حلال ہے۔ کیونکہ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ریشم کے تکیہ پر ٹیک لگا کر بیٹھے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قالین پر ریشم کا تکیہ تھا۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک ولیمہ میں حاضر ہوئے اور ریشم کے تکیہ پر ٹیک لگا کر بیٹھے۔ کیونکہ ریشم پر بیٹھنا یہ اس کو خفیف جاننا ہے یہ اس کی تعظیم نہیں پس یہ اس بیٹھنے کے قائم مقام ہوگا جو اس بساط پر بیٹھا جاتا ہے جس میں تصاویر ہوں۔ ''منح'' نے ''السراج'' سے نقل کیا ہے۔

32945۔ (قولہ: وَقَالَا الخ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔

32946۔ (قولہ: كَمَا فِي الْمَوَاهِبِ) اس کی مثل ''سنن درر البحار'' میں ہے۔ ''قہستانی'' نے کہا: اکثر مشائخ نے اسے اپنایا ہے۔ جس طرح ''کرمانی'' میں ہے۔ ''ابن کمال'' نے اس کی مثل نقل کیا ہے۔

32947۔ (قولہ: لٰكِنَّهُ خِلَافُ الْمَشْهُورِ) ''شرنبلالیہ'' میں کہا: میں کہتا ہوں: یہ صحیح اس کے خلاف ہے جس پر متون اور معتبر مشہور کتب اور شروح ہیں۔

دثار اور شعار میں فرق

32948۔ (قولہ: وَأَمَّا جَعْلُهُ دِثَارًا) دثار یہ لفظ دال کے کسرہ کے ساتھ ہے ہر وہ کپڑا ہوتا ہے جو شعار سے اوپر ہے اور شعار کا لفظ کتاب کے وزن پر ہے۔ اس سے مراد وہ لباس ہے جو دثار سے نیچے ہوتا ہے اور شعار وہ ہوتا ہے جو جسم کے بالوں کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ بعض اوقات اس کی شین کو فتحہ دیا جاتا ہے اس کی جمع اشعر آتی ہے ''قاموس''۔ دثار اسے کہتے ہیں جو جسم کے ساتھ نہ ملے اور شعار اس کے برعکس ہوتا ہے اور یہ دثار کو شامل ہوگا اگر وہ دو کپڑوں کے درمیان ہو اگرچہ وہ ظاہر نہ ہو مگر جب وہ زائد ہو جس طرح ہم نے پہلے اسے ''ہندیہ'' سے بیان کیا ہے۔

32949۔ (قولہ: فَإِنَّهُ يُكْرَهُ بِالْإِجْمَاعِ) مگر صاحب ''المحیط'' نے جو نقل کیا ہے کہ جو جسم کو مس کرے وہ حرام ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے شاید اس کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ اس میں ضعف پایا جاتا ہے۔ یہ ''طحطاوی'' نے بیان کیا ہے۔

1۔ نصب الرایۃ، کتاب الکراھیۃ، جلد 4، صفحہ 526

فَحَرَامٌ بِالْإِجْمَاعِ شَرْحُ مَجْمَعٍ (وَ) يَحِلُّ (لُبْسُ مَا سَدَاهُ إِبْرَيْسَمٌ وَلُحْمَتُهُ غَيْرُهُ) كَكَتَّانٍ وَقُطْنٍ وَخَزٍّ لِأَنَّ الثَّوْبَ إِنَّمَا يَصِيرُ ثَوْبًا بِالنَّسْجِ وَالنَّسْجُ بِاللُّحْمَةِ
تو یہ بالاجماع حرام ہے، شرح مجمع۔ جس کا تانا ابریسم کا ہو اور اس کا پیٹا کسی اور کا ہو اس کو پہننا حلال ہے جیسے کتان، روئی اور خز کیونکہ کپڑا بننے سے کپڑا بنتا ہے اور بننا پیٹے سے ہوتا ہے۔

32950۔(قولہ: فَحَرَامٌ بِالْإِجْمَاعِ) کیونکہ یہ مکمل استعمال ہے کیونکہ سونے اور چاندی کو پہنا نہیں جاتا۔

میں کہتا ہوں: شاید یہاں حرمت سے تعبیر کیا اور ماقبل کراہت سے تعبیر کیا کیونکہ اختلاف کا شبہ ہے۔ کیونکہ صاحب ''المحیط'' نے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے جو نقل کیا ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی نقل کیا گیا ہے۔ تامل

تتمہ

گزشتہ اختلاف ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان ریشم کے پردے اور درازوں پر لٹکانے میں جاری ہوگا جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔ اسی طرح بچے کے پنگھوڑے پر ریشم کی چادر رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ابریسم کے لحاف کے استعمال میں ہم پہلے کراہت نقل کر چکے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک قسم کا پہننا ہے۔ اس کے سجادہ پر نماز پڑھنے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ پہننا ہے نفع حاصل کرنا نہیں۔

میں کہتا ہوں: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ریشم سے وضو کا کپڑا بنانا جائز ہے جب تکبر نہ ہو۔ کیونکہ نہ یہ حقیقت میں پہننا ہے اور نہ حکم میں پہننا ہے۔ لحاف، ازار بند اور فصد کرانے والے کی پٹی کا معاملہ مختلف ہے، تامل۔ ''حموی'' نے ''حدادی'' کی شرح ''الہاملیہ'' سے یہ نقل کیا ہے کہ مردوں کے لیے ریشم کے کپڑے پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ مناسب ہے کیونکہ بیٹھنے، سونے یا نماز کے لیے بچھانے میں فرق ظاہر نہیں ہوتا۔ تدبر۔ لحاف، تھیلی جو لٹکائی گئی ہو وغیرہ کے مسئلہ سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ کھانا کھانے کے وقت جسے گھٹنوں پر پھیلایا جاتا ہے اور وہ کپڑے کو کھانے اور چربی وغیرہ سے جو چیز گرتی ہے اس سے بچاتا ہے جسے بشکیر کہتے ہیں۔ یہ مکروہ ہوگا جب وہ ریشم ہو۔ کیونکہ یہ ایک قسم کا پہننا ہے۔ اور لوگوں کی زبانوں پر جو یہ مشہور ہے کہ اس سے اہانت کا قصد کیا جاتا ہے تو یہ اس میں ہوتا ہے جس میں پہننے کی صورت ہو جیسے تکیہ بنانا اور بیٹھنا۔ بے شک اہانت ازار بند اور فصد کی پٹی میں زیادہ ہوتی ہے اس کے باوجود اسے ترک کیا یعنی اس کا استعمال مکروہ ہے اس طرح کا حکم ہوگا جسے ذکر کیا گیا ہے۔ تامل

32951۔(قولہ: لُحْمَتُهُ غَيْرُهُ) خواہ وہ مغلوب ہو، غالب ہو یا ریشم کے مساوی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے نہیں پہنا جائے گا۔ مگر جب پیٹا ریشم پر زائد ہو۔ صحیح پہلا قول ہے جس طرح ''المحیط'' میں ہے۔ ''قہستانی'' وغیرہ نے اسے ثابت رکھا ہے۔ ''در ملتقی''۔

32952۔(قولہ: وَخَزٍّ) یہ خا معجمہ کے فتحہ اور زا کی تشدید کے ساتھ ہے اس کا معنی ابھی آگے آئے گا۔

فَكَانَتْ هِيَ الْمُعْتَبَرَةُ دُونَ السَّدَى قُلْتُ وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ عَنِ الْمَوَاهِبِ يُكْرَهُ مَا سَدَاهُ ظَاهِرٌ كَالْعَتَّابِي وَقِيلَ لَا يُكْرَهُ وَنَحْوُهُ فِي الِاخْتِيَارِ قُلْتُ وَلَا يَخْفَى أَنَّ الْمُرَجَّحَ اعْتِبَارُ اللُّحْمَةِ كَمَا يُعْلَمُ مِنَ الْعَزْمِيَّةِ بَلْ فِي الْمُجْتَبَى أَنَّ أَكْثَرَ الْمَشَايِخِ أَفْتَوْا بِخِلَافِهِ وَفِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ الْخَزُّ صُوفُ غَنَمِ الْبَحْرِ

پس یہی معتبر ہوگا تانا معتبر نہیں ہوگا۔ میں کہتا ہوں: ''شرنبلالیہ'' میں ''مواہب'' سے مروی ہے جس کا تانا ظاہر ہو وہ مکروہ ہے جیسے عتابی کپڑا ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ مکروہ نہیں اس کی مثل ''الاختیار'' میں ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ امر مخفی نہیں جسے ترجیح دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اعتبار پیٹے کا ہوگا۔ جس طرح عزمیہ سے معلوم ہوتا ہے بلکہ ''المجتبیٰ'' میں ہے اکثر مشائخ نے اسکے برعکس فتویٰ دیا ہے ''شرح المجمع'' میں ہے خز سمندری بھیڑ کی اون ہے۔

32953۔(قولہ: فَكَانَتْ هِيَ الْمُعْتَبَرَةُ دُونَ السَّدَى) کیونکہ یہ معروف ہے کہ حکم میں اعتبار علت کے دو وصفوں میں سے آخری وصف کا ہے۔ ''کفایہ''۔

32954۔(قولہ: كَالْعَتَّابِي) یہ ہمارے زمانے میں روئی اور اطلس کی مثل ہے۔

32955۔(قولہ: وَنَحْوُهُ فِي الِاخْتِيَارِ) کیونکہ کہا: جس کا تانا ظاہر ہو جیسے عتابی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مکروہ ہو گا۔ کیونکہ آنکھ کے منظر میں اسے پہننے والا ریشم کو پہننے والا ہوتا ہے جب کہ اس میں تکبر کا پہلو موجود ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پیٹے کا اعتبار کرتے ہوئے مکروہ نہیں۔ ''ط''۔

32956۔(قولہ: قُلْتُ وَلَا يَخْفَى الخ) یہ جان لو کہ متون اس کپڑے کے پہننے کے حلال ہونے میں مطلق ہیں جس کا تانا ابریسم ہو اور اس کا پیٹا کسی اور چیز کا ہو جس طرح مصنف کی عبارت ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی ''جامع صغیر'' میں اسی طرح ہے۔ مشائخ نے مسئلہ کی دو علتیں بیان کی ہیں (۱) جسے شارح نے پہلے بیان کیا ہے۔ یہی ''ہدایہ'' میں مذکور ہے۔ اور دوسری علت وہ ہے جسے امام ''ابو منصور ماتریدی'' سے نقل کیا گیا ہے: پیٹے کو کپڑے کی ظاہر پر دیکھا جاتا ہے اور اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ پس پہلی تعلیل میں اس کو پیش نظر رکھا گیا ہے کہ مطلقاً لحمہ کا اعتبار ہوگا۔ کیونکہ یہ علت کے دونوں میں سے آخری وصف ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اور دوسری تعلیل اس کے ظہور کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے۔ پہلی تعلیل کی بنا پر عتابی وغیرہ کو پہننا جائز ہے۔ اور دوسری تعلیل کی بنا پر یہ مکروہ ہے جس طرح ''ہدایہ'' کے شارحین نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ''زیلعی'' کی تقدیر میں یہاں خفا ہے۔ متون کے اطلاق کا ظاہر معنی یہ ہے کہ پہلی تعلیل کا اعتبار کیا جائے۔ اسی وجہ سے ''ہدایہ'' میں اس کے بعد کہا: اعتبار پیٹے کا ہوگا جسے ہم نے بیان کر دیا ہے۔

32957۔(قولہ: بَلْ فِي الْمُجْتَبَى الخ) اس کی نص یہ ہے: جس کا تانا ریشم کا ہو اور اس کا پیٹا روئی کا ہو جب وہ آپس میں اس طرح محفوظ ہو جس میں ریشم واضح نہ ہو تو اس کو پہننا جائز ہے مگر جب وہ ریشم اس کے سامنے ہو جس طرح ہمارے زمانے میں عتابی، ششتری اور رقی ہے تو یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ جابروں کے لباس کے مشابہ ہے لیکن اکثر مشائخ نے

قُلْت وَهَذَا كَانَ فِي زَمَانِهِمْ وَأَمَّا الْآنَ فَمِنْ الْحَرِيرِ وَحِينَئِذٍ فَيَحْرُمُ بُرْجُنْدِيٌّ وتتارخانية فَلْيُحْفَظْ (وَ) حَلَّ (عَكْسُهُ فِي الْحَرْبِ فَقَطْ) لَوْ صَفِيقًا يَحْصُلُ بِهِ اتِّقَاءُ الْعَدُوِّ فَلَوْ رَقِيقًا حَرُمَ بِالْإِجْمَاعِ لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ سِرَاجٌ وَأَمَّا خَالِصُهُ فَيُكْرَهُ فِيهَا عِنْدَهُ

میں کہتا ہوں: یہ ان کے زمانہ میں تھا۔ جہاں تک آج کا تعلق ہے تو خز ریشم کا ہوتا ہے اس وقت یہ حرام ہوگا ''برجندی''، ''تاتر خانیہ''۔ پس اس کو یاد رکھنا جانا چاہیے۔ اس کے برعکس جنگ میں صرف حلال ہوتا ہے اگر وہ گھنا بنا ہوا ہو جس سے دشمن سے بچاؤ حاصل ہو جاتا ہو اگر وہ گھنا بنا ہوا نہ ہو تو بالا جماع حرام ہوگا۔ کیونکہ کوئی فائدہ نہیں ہوتا ''سراج''۔ جہاں تک خالص کا تعلق ہے تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔

اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔

32958۔(قولہ: قُلْت وَهَذَا) یعنی خز کا سمندری بھیڑ کے اون سے ہونا۔ ''تاتر خانیہ'' میں کہا: خز اس جانور کا نام ہے جس کے چمڑے پر خز ہوتی ہے۔ یہ ریشم کی قسم میں سے نہیں ہے پھر اس کے بعد کہا: امام ''ناصر الدین'' نے کہا: ان کے زمانہ میں خز یہ پانی کے حیوان کے بال ہیں۔

32959۔(قولہ: حَلَّ عَكْسُهُ فِي الْحَرْبِ فَقَطْ) مسئلہ کے حاصل کی تین صورتیں ہیں۔ ''تاتر خانیہ'' میں کہا: جس کا پیٹا ریشم کے علاوہ ہو اور جس کا تانا ریشم کا ہو اسے حالت جنگ میں پہننا مباح ہوتا ہے یعنی اور اس کے علاوہ میں مباح ہے جس کا پیٹا ریشم کا ہو اس کا تانا ریشم کا نہ ہو تو حالت جنگ میں اس کو پہننا بالا جماع مباح ہے، مگر جس کا پیٹا اور تانا ریشم کا ہو تو حالت جنگ میں اس کے پہننے میں ہمارے اصحاب اور ہمارے علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ حالت جنگ کی قید لگانے کا ظاہر معنی یہ ہے کہ مراد جنگ میں مشغول ہونے کا وقت ہے۔ لیکن ''قہستانی'' میں ہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: سپاہی جب جنگ کی تیاری کرے تو ریشم پہننے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ دشمن موجود نہ ہو لیکن اس میں نماز نہ پڑھے مگر جب اسے دشمن کا خوف ہو۔

32960۔(قولہ: لَوْ صَفِيقًا) یہ رقیق کی ضد ہے۔

32961۔(قولہ: فَلَوْ رَقِيقًا الخ) یہ جان لو کہ ریشم ضرورت کے بغیر پہننا مطلقاً جائز نہیں۔ پس جس کا تانا ریشم کا نہ ہو اور اس کا پیٹا ریشم کا ہو تو ضرورت کے لیے جنگ میں اس کا پہننا مباح ہے۔ یہ دو چیزیں ہیں اس کی صورت سے ہیبت کا طاری ہونا وہ اس کی چمک دمک ہے یہ اسلحہ کے وار کا کمزور پڑ جانا ''اتقانی''۔ جب وہ گاڑھا نہ ہو تو ضرورت پوری نہیں ہوتی تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان بالا جماع حرام ہوگا۔

32962۔(قولہ: فَيُكْرَهُ فِيهَا) یعنی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ کیونکہ ضرورت ادنیٰ کے ساتھ دور ہو جاتی ہے وہ مخلوط ہے وہ وہ ہوتی ہے جس کا پیٹا صرف حریر کا ہو۔ کیونکہ اس کے ظاہر سے چمک دمک حاصل ہو جاتی ہے جب کہ پیٹا ظاہر پر ہوتا ہے اور یہ اسلحہ کے وار سے دفاع کرتا ہے۔ مخلوط اگرچہ حکم میں ریشم ہے اس میں کاتنے کا شبہ ہے۔ پس یہ

خِلَافًا لَهُمَا مُلْتَقًى قُلْتُ وَلَمْ أَرَ مَا لَوْ خُلِطَتْ اللُّحْمَةُ بِإِبْرَيْسَمٍ وَغَيْرِهِ وَالظَّاهِرُ اعْتِبَارُ الْغَالِبِ وَفِي حَاوِي الزَّاهِدِيِّ

''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ''ملتقی''۔ میں کہتا ہوں: میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا اگر پیٹا ریشم وغیرہ سے ملا ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ غالب کا اعتبار کیا جائے گا۔ ''حاوی زاہدی'' میں ہے:

خالص ریشم سے درجہ میں کم ہوگا اور ضرورت ادنیٰ سے پوری ہو جاتی ہے۔ پس اسے اعلیٰ کی طرف نہیں پھیرا جائے گا اور جسے ''شعبی'' نے روایت کیا ہے اگر وہ صحیح ہو تو اسے مخلوط پر محمول کیا جائے گا۔ ''اتقانی''۔

32963۔ (قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) ''تاتر خانیہ'' میں کہا ہے: ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک جنگ میں ریشم پہننا مکروہ نہیں جب وہ گھنا بنا ہوا ہو جو اسلحہ کے وار کو روک دے اگر وہ گھنا بنا ہوا نہ ہو تو وہ اس کی صلاحیت نہیں رکھتا تو بالاجماع وہ مکروہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں: حاصل یہ ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جنگ میں مطلقاً ریشم مباح نہیں بلکہ صرف وہ مباح ہے جس کا صرف پیٹا حریر ہو اگر وہ گھنا بنا ہوا ہو۔ جہاں تک ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا تعلق ہے تو جنگ میں دونوں میں سے ہر ایک مباح ہے اگر وہ گھنا بنا ہوا ہو اگر وہ گھنا بنا ہوا نہ ہو تو اس کے مکروہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ فافہم۔ ''شرنبلالیہ'' میں جو بحث ہے اس میں غور و فکر کرو۔

32964۔ (قولہ: قُلْت وَلَمْ أَرَ الخ) ''حاشیہ شیخ رملی'' سے ماخوذ ہے۔ اس کی مکمل عبارت یہ ہے: پھر میں نے ''حاوی زاہدی'' کو دیکھا اس میں تفاریق کے جمع کرنے کی علت ہے اور جو ایسے کپڑوں سے ہو جس پر غالب ریشم کے علاوہ ہو جیسے اون وغیرہ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ پس ہماری بحث منقول کے موافق ہو گئی۔ وللہ الحمد

پھر ''حاوی'' کی عبارت نقل کی جسے شارح نے ذکر کیا ہے اور اس کے بعد کسی شے کا اضافہ نہیں کیا۔ اسی وجہ سے شارح نے کہا: ہمارے شیخ نے اسے ثابت رکھا ہے۔

شارح نے بھی اس کا جواب ''الملتقی'' کی اپنی شرح میں اس قول کے ساتھ دیا ہے: پھر میں نے ''الاشباہ'' قاعدہ: اذا اجتمع الحلال والحرام میں دیکھا کہ اسے برتنوں کے مسئلہ کے ساتھ لاحق کیا ہے اس وقت وہ حلال ہوگا اگر وہ ریشم ہو اور بانے کے مساوی ہو یا اس سے کم ہو اس سے زائد نہ ہو۔ دونوں جوابوں میں فرق ہے۔ کیونکہ جو ''الاشباہ'' میں ہے اس میں اس امر کی تصریح ہے کہ برابری ہو تو حلال ہے۔ اور ''رملی'' نے جو ذکر کیا ہے اور شارح نے اس کی پیروی کی ہے وہ اس سے خاموش ہیں بیری نے زاہدی کی گزشتہ عبارت کے ساتھ بھی جواب دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''زاہدی'' کی عبارت احتمال رکھتی ہے کہ وہ ضعیف قول پر مبنی ہو کہ بانے کو ریشم پر غلبہ دیا ہو جس طرح ہم اسے پہلے ذکر کر چکے ہیں یہ جواب کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ تامل

يُكْرَهُ مَا كَانَ ظَاهِرُهُ قَزًّا أَوْ خَطٌّ مِنْهُ خَزٌّ وَخَطٌّ مِنْهُ قَزٌّ وَظَاهِرُ الْمَذْهَبِ عَدَمُ جَمْعِ الْمُتَفَرِّقِ إِلَّا إِذَا كَانَ خَطٌّ مِنْهُ قَزٌّ وَخَطٌّ مِنْهُ غَيْرُهُ بِحَيْثُ يُرَى كُلُّهُ قَزًّا فَأَمَّا إِذَا كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مُسْتَبِينًا كَالطِّرَازِ فِي الْعِمَامَةِ فَظَاهِرُ الْمَذْهَبِ أَنَّهُ لَا يُجْمَعُ وَأَقَرَّهُ شَيْخُنَا قُلْتُ وَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّ الْعِبْرَةَ لِلُّحْمَةِ لَا لِلظَّاهِرِ عَلَى الظَّاهِرِ فَافْهَمْ (وَكُرِهَ لُبْسُ الْمُعَصْفَرِ وَالْمُزَعْفَرِ الْأَحْمَرِ وَالْأَصْفَرِ لِلرِّجَالِ) مُفَادُهُ أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ لِلنِّسَاءِ (وَلَا بَأْسَ بِسَائِرِ الْأَلْوَانِ) وَفِي الْمُجْتَبَى وَالْقُهُسْتَانِيِّ وَشَرْحِ النُّقَايَةِ

جس کا ظاہر ریشم ہو یا اس میں سے ایک خط اون اور اس کا ایک خط ریشم ہو تو وہ مکروہ ہوگا۔ ظاہر مذہب یہ ہے متفرق کو جمع نہ کیا جائے مگر جب اس میں سے ایک خط قز اور اس میں سے ایک خط کوئی اور ہو اس طرح کہ سب قز دکھائی دے مگر جب ان میں سے ہر ایک واضح ہو جس طرح پگڑی میں نقش ونگار ہوتا ہے تو ظاہر یہ ہے اسے جمع نہیں کیا جائے گا۔ ہمارے شیخ نے اسے ثابت رکھا ہے۔ میں کہتا ہوں: تو یہ جان چکا ہے کہ اعتبار بانے کا ہوگا نہ کہ ظاہر کا اعتبار ہوگا۔ یہ راجح روایت کے مطابق ہے، فافہم۔ مردوں کیلئے کسم کے رنگے ہوئے اور زعفران کے رنگے ہوئے کپڑے سرخ ہوں یا زرد مکروہ ہیں اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے مکروہ نہیں باقی رنگ والے کپڑے پہننے میں کوئی حرج نہیں، ''المجتبیٰ''، ''قہستانی'' اور ''شرح النقایہ''،

32965۔ (قولہ: ظَاهِرُهُ قَزٌّ) کان کا اسم ضمیر شان ہے مبتدا اور خبر سے مل کر بننے والا جملہ اس کی خبر ہے۔ قز سے مراد ریشم ہے جس طرح ''قاموس'' میں ہے یا اس کی نوع ہے جس طرح ''صحاح'' میں ہے۔

32966۔ (قولہ: خَطٌّ مِنْهُ خَزٌّ الخ) میں کہتا ہوں: خط (دھاری) سے مراد وہ نہیں ہے جو تانے میں لمبائی کی شکل کا ہوتا ہے۔ کیونکہ تانے کا اعتبار نہیں ہوتا اگرچہ وہ سارے کا سارا ریشم کا ہو بلکہ خط سے مراد وہ ہوتا ہے جو بانے میں چوڑائی کی شکل کا ہوتا ہے۔ جب مراد یہ ہے تو سابقہ مسئلہ کا ایک اور جواب ظاہر ہوتا ہے کہ یوں کہا جائے: جب بانے کو ریشم وغیرہ کے ساتھ خلط ملط کر دیا جائے اس طرح کہ تمام کا تمام ریشم ہی دکھائی دے تو یہ مکروہ ہوگا اگر ان میں سے ہر ایک نقش کی طرح واضح ہو تو یہ مکروہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ ظاہر مذہب یہ ہے کہ جو چار انگلیوں تک نہ پہنچے تو انہیں جمع نہ کیا جائے۔ میرے لیے یہ ظاہر ہوا ہے کہ یہ جواب سابقہ جواب سے زیادہ اچھا ہے۔ اس میں غور وفکر کیجیے۔

32967۔ (قولہ: قُلْتُ وَقَدْ عَلِمْتَ الخ) ''حاوی'' میں جو قول ہے اس پر اور اپنے شیخ پر استدراک ہے۔ کیونکہ انہوں نے اسے ثابت رکھا ہے۔ کیونکہ ان کا قول: يكره ما كان ظاهره قزیہ ظاہر کے اعتبار پر تفریع ہے اور عتابی کی طرح کراہت ہے۔ جس کو ترجیح دی گئی ہے وہ اس کے خلاف ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ جسے ہم نے ابھی جواب میں ظاہر روایت قرار دیا ہے اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ ظاہر کا اعتبار نہ کرنا یہ تانے میں ہے اور ہماری سابقہ کلام بانے میں ہے۔

32968۔ (قولہ: عَلَى الظَّاهِرِ) یعنی راجح روایت پر۔ مراد ظاہر روایت نہیں ہے جس طرح اس لفظ کے اطلاق کی حالت میں ان کی اصطلاح ہے۔ تامل

لِأَبِي الْمَكَارِمِ لَا بَأْسَ بِلُبْسِ الثَّوْبِ الْأَحْمَرِ وَمُفَادُهُ أَنَّ الْكَرَاهَةَ تَنْزِيهِيَّةٌ لَكِنْ صَرَّحَ فِي التُّحْفَةِ بِالْحُرْمَةِ فَأَفَادَ أَنَّهَا تَحْرِيمِيَّةٌ وَهِيَ الْمَحْمَلُ عِنْدَ الْإِطْلَاقِ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ قُلْتُ وَلِلشُّرُنْبُلَالِيِّ فِيهِ رِسَالَةٌ

جو ''ابی مکارم'' کی ہے، میں ہے: سرخ لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ کراہت تنزیہی ہے لیکن تحفہ میں حرمت کی تصریح کی ہے۔ اس قول نے اسے بیان کیا کہ یہ تحریمی ہے۔ اطلاق کے وقت یہی محمل ہوا کرتی ہے۔ یہ مصنف نے کہا ہے۔ میں کہتا ہوں: ''شرنبلالی'' کا اس میں ایک رسالہ ہے

کسم یا زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے پہننے کا شرعی حکم

32969۔ (قولہ: لَا بَأْسَ بِلُبْسِ الثَّوْبِ الْأَحْمَرِ) یہ ''امام صاحب'' سے مروی ہے جس طرح ''الملتقط'' میں ہے۔ ''ط''۔

32970۔ (قولہ: وَمُفَادُهُ أَنَّ الْكَرَاهَةَ تَنْزِيهِيَّةٌ) کیونکہ لا باس کا حکم عموماً ایسے امر میں استعمال ہوتا ہے جس کا ترک کرنا اولیٰ ہو۔ ''منح''۔

32971۔ (قولہ: فِي التُّحْفَةِ) یعنی ملوک کے تحفہ میں۔ ''منح''۔

32972۔ (قولہ: فَأَفَادَ أَنَّهَا تَحْرِيمِيَّةٌ الخ) یہ امر مسلم ہے جب اس کے غیر کی تصریح اس کے برعکس اس کے معارض نہ ہو۔ ''جامع الفتاویٰ'' میں ہے: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ، امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''مالک'' نے فرمایا: کسم سے رنگے ہوئے کپڑے پہننا جائز ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے کہا: یہ مکروہ تنزیہی کے ساتھ مکروہ ہے۔ ''منتخب الفتاویٰ'' میں ہے: صاحب ''الروضہ'' نے کہا: مردوں اور عورتوں کے لیے سرخ اور سبز رنگ کے کپڑے پہننا کراہت کے بغیر جائز ہیں۔ ''حاوی زاہدی'' میں ہے: مردوں کے لیے کسم، زعفران، ورس اور سرخ رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے پہننا مکروہ ہے یعنی وہ ریشم ہو یا ریشم نہ ہو جب وہ خون کے رنگ کا ہو ورنہ مکروہ نہیں۔ اسے کئی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ ''مجمع الفتاویٰ'' میں ہے: سرخ رنگ کا کپڑا پہننا مکروہ ہے۔ بعض کے نزدیک مکروہ نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مکروہ ہوگا جب قانی سرخ رنگا گیا ہو۔ کیونکہ یہ ناپاک سے مخلوط ہوتا ہے۔ ''الواقعات'' میں اس کی مثل ہے: اگر بقم کے درخت سے اسے رنگا جائے تو مکروہ نہیں ہوگا۔ اگر اخروٹ کے چھلکے سے اسے رنگا جائے جو شہد نما ہو تو اس کا پہننا بالاجماع مکروہ نہیں۔ یہ نقول اس قول کے ساتھ جسے ''المجتبیٰ''، ''قہستانی'' اور ''شرح ابی مکارم'' سے ذکر کیا ہے۔ سب مکروہ تحریمی کے قول کے معارض ہیں۔ اگر وہ اس تطبیق کا دعویٰ نہ کرے کہ تحریم کو اسے مصبوغ پر محمول کیا جائے گا جس میں ناپاکی کی آمیزش ہو یا اس جیسی چیز کے ساتھ اسے رنگا گیا ہو۔

32973۔ (قولہ: وَلِلشُّرُنْبُلَالِيِّ فِيهِ رِسَالَةٌ) اس کا نام انہوں نے ''تحفۃ الاکمل والھمام المصدر لبیان جواز لبس الاحمر'' رکھا اس میں کثیر نقول کا ذکر کیا۔ ان سب سے ایک نقل وہ ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہا: تو حرمت کو ثابت کرنے کی قطعی نص نہیں پائے گا۔ ہم نے اس کے پہننے سے نہی کو پایا ہے اس علت کی وجہ سے جو فاعل کے

نَقَلَ فِيهَا ثَمَانِيَةَ أَقْوَالٍ مِنْهَا أَنَّهُ مُسْتَحَبٌّ (وَلَا يَتَحَلَّى) الرَّجُلُ (بِذَهَبٍ وَفِضَّةٍ) مُطْلَقًا (إِلَّا بِخَاتَمٍ وَمِنْطَقَةٍ وَحِلْيَةِ سَيْفٍ

جس میں اس نے آٹھ اقوال نقل کیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ مستحب ہے مرد سونے اور چاندی کے زیورات مطلقاً نہیں پہن سکتا مگر انگوٹھی، کمر بند اور تلوار کا زیور

ساتھ قائم ہے جیسے عورتوں اور عجمیوں کے ساتھ مشابہت یا تکبر اور علت کے منتفی ہونے سے کراہت زائل ہو جائے گی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ظاہر کرنے کے لیے نیت کو خاص کرے۔ وہ کراہت جو ناپاک رنگ کی وجہ سے لاحق ہوئی تھی وہ اس کو دھونے سے زائل ہو جائے گی۔ ہم نے جواز پر ''امام اعظم'' کی نص اور اباحت پر قطعی دلیل پائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ زینت اپنانے کے بارے میں امر مطلق ہے۔ ہم نے ''صحیحین'' میں اس کا موجب پایا ہے اس کے ساتھ حرمت اور کراہت منتفی ہو جاتی ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرتے ہوئے استحباب ثابت ہوتا ہے جو آدمی اس پر زیادتی کا ارادہ کرے تو اس کی وجہ سے اس پر گناہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں: لیکن اکثر کتب اس کی کراہت کے بارے میں ہیں جیسے ''سراج''، ''محیط''، ''اختیار''، ''منتقی''، ''ذخیرہ'' وغیرہا۔ علامہ ''قاسم'' نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ ''حاوی زاہدی'' میں ہے: سر میں بالاجماع مکروہ نہیں۔

32974۔ (قولہ: ثَمَانِيَةَ أَقْوَالٍ) اسے ''قسطلانی'' سے نقل کیا ہے۔

32975۔ (قولہ: مِنْهَا أَنَّهُ مُسْتَحَبٌّ) اسے ''شرنبلالی'' نے بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے جس طرح ہم پہلے اسے بیان کر آئے ہیں یہ ان آٹھ میں سے نہیں ہے۔

32976۔ (قولہ: وَلَا يَتَحَلَّى) یعنی وہ آراستہ نہ ہو زینت حاصل نہ کرے۔ ''درر''۔

32977۔ (قولہ: مُطْلَقًا) خواہ وہ میدان جنگ میں ہو یا نہ ہو ''ط''۔ جہاں تک جنگ میں زرہ اور خود کا تعلق ہے تو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کا قول ہے۔

32978۔ (قولہ: وَمِنْطَقَةٍ) یہ میم کے کسرہ اور طا کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ ''قہستانی''۔ یہ اس چیز کا نام ہے جسے لوگ حیاصہ کہتے ہیں، ''مصباح''، حیاصہ ایک تسمہ ہے جس کے ساتھ زین کا تنگ باندھا جاتا ہے، ''قاموس''۔ منطقة، یہ مکنسة کے وزن پر ہے جس کے ساتھ وہ کمر باندھتا ہے۔ انتطق الرجل اس نے اپنی کمر کو پیٹی کے ساتھ باندھا جیسے تنطق ہے۔ یہ یہاں زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ حیاصہ جانور کا ہوتا ہے اور کلام اس کے بارے میں ہے انسان جس سے زینت حاصل کرتا ہے، تامل۔ پھر میں نے بعض شروح میں دیکھا کہ منطقہ فارسی زبان میں کمر کو کہتے ہیں اور لوگوں کے عرف میں حیاصہ کو کہتے ہیں۔

32979۔ (قولہ: وَحِلْيَةِ سَيْفٍ) اس کا حمائل اس کے حلیہ میں ہے ''شرنبلالیہ''۔ شرط یہ ہے کہ وہ اپنا ہاتھ چاندی کی جگہ نہ رکھے جس طرح پہلے بیان کیا ہے۔

مِنْهَا) أَيِ الْفِضَّةِ إِذَا لَمْ يُرِدْ بِهِ التَّزَيُّنَ وَفِي الْمُجْتَبَى لَا يَحِلُّ اسْتِعْمَالُ مِنْطَقَةٍ وَسَطُهَا مِنْ دِيبَاجٍ وَقِيلَ يَحِلُّ إِذَا لَمْ يَبْلُغْ عَرْضُهَا أَرْبَعَ أَصَابِعَ وَفِيهَا بَعْدَ سَبْعِ وَرَقٍ وَلَا يُكْرَهُ فِي الْمِنْطَقَةِ حَلْقَةُ حَدِيدٍ أَوْ نُحَاسٍ وَعَظْمٍ وَسَيَجِيءُ

جو چاندی کا ہو جب وہ اس سے زینت حاصل کرنے کا قصد نہ کرے۔ ''المجتبیٰ'' میں ہے: ایسے کمر بند کا استعمال حلال نہیں جس کا درمیانی حصہ دیباج کا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حلال ہے جب اس دیباج کی چوڑائی چار انگلیاں نہ ہو۔ اس میں سات اوراق کے بعد ہے: کمر بند میں لوہے، تانبے اور ہڈی کا حلقہ مکروہ نہیں ہے۔ عنقریب

32980۔ (قولہ: مِنْهَا) ضمیر سے مراد فضہ (چاندی) ہے نہ کہ سونا۔ ''درر''۔

''غرر الافکار'' میں کہا: اس حال میں کہ انگوٹھی، کمر بند اور زیور چاندی کا ہو۔ کیونکہ ایسے آثار وارد ہوئے ہیں کہ ان اشیاء میں خاص طور پر انہوں نے رخصت کا تقاضا کیا ہے۔

32981۔ (قولہ: إِذَا لَمْ يُرِدْ بِهِ التَّزَيُّنَ) ظاہر یہ ہے کہ بہ میں ضمیر صرف خاتم کی طرف لوٹ رہی ہے۔ کیونکہ تلوار اور کمر بند کا زیور صرف زینت کے لیے ہوتا ہے کسی اور شے کے لیے نہیں ہوتا۔ انگوٹھی کا معاملہ مختلف ہے۔ ''کفایہ'' میں جو قول ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ کہا: قولا بالخاتم یہ حکم اس وقت ہے جب وہ زینت حاصل کرنے کا ارادہ نہیں کرتا۔ امام ''محبوبی'' نے یہ ذکر کیا ہے: اگر وہ چاندی کی انگوٹھی بنوائے تو علماء نے کہا: اگر وہ اس سے تجبر کا قصد کرے تو یہ مکروہ ہے اگر وہ اس سے مہر وغیرہ لگانے کا قصد کرے تو یہ مکروہ نہیں ہوگا۔ لیکن عنقریب یہ آئے گا کہ جو آدمی مہر کا محتاج نہ ہو اس کی انگوٹھی بنوانے کو ترک کرنا افضل ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ زینت کے لیے ہو تو تجبر کے بغیر مکروہ نہیں ہوتا۔ اس کے بارے میں مکمل بحث آگے آئے گی۔ تامل

32982۔ (قولہ: قِيلَ يَحِلُّ الخ) ''المجتبیٰ'' میں قیل کے لفظ کا اعتبار نہیں کیا بلکہ پہلے کا ایک کتاب کی طرف اشارہ کیا ہے پھر اس کا ایک اور کتاب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پہلے قول کا مقتضا یہ ہے کسی شے کے ساتھ اس کا اندازہ نہیں لگایا گیا۔ چاندی میں یہی متون کا ظاہر ہے۔ ''حاوی قدسی'' میں ہے: مگر انگوٹھی جو ایک درہم کی مقدار لائی ہو کمر بند اور تلوار کا زیور چاندی کا ہو۔ اس طرح ان کی عام عبارات مطلق ہیں۔ لیکن ''القنیہ'' میں ہے: منطقہ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں جس کے دونوں حلقے چاندی کے ہوں جب چاندی قلیل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ورنہ ایسا نہیں ہوگا یعنی حرج ہوگا۔ ''الظہیریہ'' میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اس میں کوئی حرج نہیں کہ لگام کے تسموں کے اطراف میں اور کمر بند کے اطراف میں چاندی لگا دے اور یہ مکروہ ہے کہ تمام لگام یا اس کا عام حصہ چاندی کا ہو، فتامل۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے تلوار کے زیور میں کوئی اندازہ ذکر کیا ہو۔

32983۔ (قولہ: وَسَيَجِيءُ) یعنی آخر میں فروع سے تھوڑا پہلے۔

حُكْمُ لُبْسِ اللُّؤْلُؤِ (وَلَا يَتَخَتَّمُ) إِلَّا بِالْفِضَّةِ لِحُصُولِ الِاسْتِغْنَاءِ بِهَا فَيَحْرُمُ (بِغَيْرِهَا كَحَجَرٍ)

لؤلؤ (موتی) پہننے کا حکم آگے آئے گا۔ اور وہ چاندی کے سوا انگوٹھی نہ پہنے۔ کیونکہ چاندی کی انگوٹھی سے مستغنی ہونا حاصل ہو جاتا ہے۔ پس اس کے علاوہ کی انگوٹھی پہننا حرام ہوگا جیسے پتھر کی انگوٹھی۔

چاندی کی انگوٹھی پہننے کا جواز

32984۔ (قولہ: وَلَا يَتَخَتَّمُ إِلَّا بِالْفِضَّةِ) یہ ''جامع صغیر'' میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ہے یعنی کمر بند کے خلاف۔ پس اس میں لوہے اور تانبے کا حلقہ مکروہ نہیں جس طرح اسے پہلے ذکر کیا ہے۔ کیا تلوار کا زیور اسی طرح ہے؟ کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔ ''زیلعی'' نے کہا: چاندی کی انگوٹھی پہننے کے جواز کے بارے میں آثار وارد ہوئے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چاندی کی انگوٹھی تھی (1)، اور وہ آپ کے معزز ہاتھ میں موجود تھی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ پھر وہ انگوٹھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی یہاں تک کہ آپ کے ہاتھ سے کنویں میں جا گری آپ نے اس کی تلاش میں بہت زیادہ مال خرچ کیا تو اسے نہ پایا تو مسلمانوں میں باہم اختلاف ہو گیا اور اس وقت سے تشویش شروع ہو گئی یہاں تک کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔

لوہا، پیتل، تانبا اور سیسہ کی انگوٹھی مردوں اور عورتوں کے لیے مکروہ ہے

32985۔ (قولہ: فَيَحْرُمُ بِغَيْرِهَا الخ) ''طحاوی'' نے اپنی اسناد سے حضرت ''عمران بن حصین'' اور حضرت ''ابوہریرہ'' رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن خاتم الذهب (2) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی سے منع کیا۔ صاحب ''سنن'' نے اپنی سند سے حضرت ''عبداللہ بن بریدہ'' سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں: ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ اس نے پیتل کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا وجہ ہے میں تجھ سے بتوں کی بو پاتا ہوں؟ تو اس آدمی نے انگوٹھی کو پھینک دیا پھر وہ آیا جب کہ اس پر لوہے کی انگوٹھی تھی۔ فرمایا: کیا وجہ ہے میں تجھ پر جہنمیوں کا زیور پاتا ہوں؟ تو اس نے اسے پھینک دیا۔ عرض کی: یا رسول اللہ میں کس شے سے انگوٹھی بنواؤں؟ فرمایا: چاندی سے بنواؤ اسے مثقال پورا نہ کرو (3)۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ سونے، لوہے اور پیتل کی انگوٹھی حرام ہے۔ یشب کو اس کے ساتھ لاحق کیا گیا۔ کیونکہ بعض اوقات اس سے بت بنائے جاتے ہیں۔ پس یہ اس پیتل کے مشابہ ہو گیا جو نص کے ساتھ منصوص و معلوم ہے، ''اتقانی''۔ اور شبہ جب اسے حرکت دی جائے تو اس سے مراد زرد تانبا ہوتا ہے۔ ''قاموس''۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، جلد 3، صفحہ 375، حدیث نمبر 5429

2۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب خواتیم الذھب، جلد 3، صفحہ 370، حدیث نمبر 5415

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الخاتم، باب ماجاء فی خاتم الحدید، جلد 3، صفحہ 227، حدیث نمبر 3687

وَصَحَّحَ السَّرَخْسِيُّ جَوَازَ الْيَشْبِ وَالْعَقِيقِ وَعَمَّمَ مُنْلَا خُسْرو (وَذَهَبٍ وَحَدِيدٍ وَصُفْرٍ) وَرَصَاصٍ وَزُجَاجٍ وَغَيْرِهَا
''سرخسی'' نے یشب اور عقیق کی انگوٹھی کے جواز کو صحیح قرار دیا ہے ''منلا خسرو'' نے جواز کو تمام پتھروں میں عام کہا ہے اور سونے، لوہے، پیتل، سینے اور شیشے وغیرہ کی انگوٹھی (حرام ہے)

''جوہرہ'' میں ہے: لوہے، پیتل، تانبے اور سیسہ کی انگوٹھی بنانا یہ مردوں اور عورتوں کے لیے مکروہ ہے۔

32986۔ (قولہ: جَوَازَ الْيَشْبِ) یہ لفظ با، فا یا میم کے ساتھ ہے۔ اس کا پہلا حرف مفتوح اور اس کا دوسرا حرف ساکن ہے اس کو حرکت دینا خطا ہے جس طرح ''المغرب'' میں ہے۔ ''قہستانی'' نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ پتھر نہیں پس اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہی قول اصح ہے جس طرح ''خلاصہ'' میں ہے۔

عقیق وغیرہ کی انگوٹھی کا جواز

32987۔ (قولہ: وَالْعَقِيقِ) ''غرر الافکار'' میں کہا: اصح یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیق کی انگوٹھی پہنی۔ فرمایا: عقیق کی انگوٹھی پہنو کیونکہ یہ مبارک ہے اور کیونکہ یہ پتھر نہیں۔ کیونکہ اس میں پتھر کا وزن نہیں۔ بعض علما نے یشب، بلور اور شیشے کی انگوٹھی کو جائز قرار دیا ہے۔

32988۔ (قولہ: وَعَمَّمَ مُنْلَا خُسْرو) باقی ماندہ پتھروں سے انگوٹھی بنوانے کے جواز کو عام قرار دیا ہے۔ کیونکہ کلام کے بعد کہا: حاصل کلام یہ ہے کہ چاندی کی انگوٹھی مردوں کے لیے حلال ہے۔ یہ حدیث سے ثابت ہے۔ سونے، لوہے اور پیتل کی انگوٹھی ان پر حرام ہے۔ یہ حدیث سے ثابت ہے۔ اور پتھر کی انگوٹھی یہ حلال ہے۔ یہ ''شمس الائمہ'' اور ''قاضی خان'' کے اختیار کے مطابق ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے اخذ کیا ہے۔ کیونکہ عقیق کا حلال ہونا جب ان دونوں سے ثابت ہو گیا تو تمام پتھروں سے انگوٹھی بنوانے کی حلت ثابت ہو گئی۔ کیونکہ پتھر پتھر میں فرق نہیں اور صاحب ''ہدایہ'' اور ''کافی'' کے اختیار کے مطابق حرام ہے۔ وہ اسے ''جامع صغیر'' کی محتمل عبارت سے اخذ کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں اکتفا اور قصر سونے کی طرف نسبت کے اعتبار سے ہے اور دونوں ماخذوں میں جو تفاوت ہے وہ مخفی نہیں۔

میں کہتا ہوں: نص معلول ہے یعنی اس کی علت بیان کی گئی ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ جس میں نص وارد ہے اس کے ساتھ کسی امر کو لاحق کرنا اس علت کی وجہ سے جو اس نص میں ہے یہ بھی اس نص سے حکم اخذ کرنا ہے۔ عقیق کے بارے میں جواز کی نص یہ احتمال رکھتی ہے کہ مجتہد کے نزدیک ثابت نہ ہو یا کسی اور کو اس پر ترجیح دی گئی ہو اس پر بنا کرتے ہوئے کہ عقیق یا یشب یہ پتھر میں سے نہیں ہیں جس طرح گزر چکا ہے۔ پس ان کے غیر کو ان پر قیاس کرنا یہ دلیل کا محتاج ہے۔ اور مجتہد کی اتباع یہ نص کی اتباع ہے۔ کیونکہ یہ اس نص کے تابع ہے جس کو قطعی طور پر واضح نہ کیا گیا ہو۔ مجتہد جو کلام کے محاورات سے آگاہ ہو اس کی عبارت کی تاویل یہ انتظام سے عدول ہوتا ہے۔ یہ کیسے نہ ہو اگر اس میں اقتصار سونے کی

لِمَا مَرَّ فَإِذَا ثَبَتَ كَرَاهَةُ لُبْسِهَا لِلتَّخَتُّمِ ثَبَتَ كَرَاهَةُ بَيْعِهَا وَصِيَغِهَا لِمَا فِيهِ مِنَ الْإِعَانَةِ عَلَى مَا لَا يَجُوزُ وَكُلُّ مَا أَدَّى إِلَى مَا لَا يَجُوزُ لَا يَجُوزُ وَتَمَامُهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ

اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ جب ان کی کراہت انگوٹھی پہننے کے طور پر کراہت ثابت ہوگئی تو ان کی بیع اور ان کے بنانے کی کراہت ثابت ہوگئی۔ کیونکہ اس میں اس امر پر اعانت ہے جو جائز نہیں ہر وہ امر جو ناجائز کی طرف لے جائے وہ خود ناجائز ہوتا ہے۔ اس کی مکمل بحث ''شرح وہبانیہ'' میں ہے۔

طرف اضافت کے اعتبار سے ہو تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ پیتل اور لوہے وغیرہ کی اباحت لازم آئے جب کہ مجتہد کی مراد اباحت کا نہ ہونا ہے۔

32989۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی ان کا قول ولا یتختم الا بالفضۃ یہ ایسا جملہ ہے جو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی وضاحت کر رہا ہے۔ فافہم

32990۔ (قولہ: فَإِذَا ثَبَتَ الخ) ''ابن شحنہ'' نے ''ابن وہبان'' سے اسے نقل کیا ہے۔ پھر کہا: ظاہر یہ ہے کہ وہ اس کی بیع کی کراہت کی تصریح پر آگاہ نہیں ہوتے جب کہ تو ''القنیہ'' میں اس پر آگاہ ہو چکا ہے۔ کہا: لوہے، پیتل وغیرہ کی انگوٹھی کی بیع کرنا مکروہ ہے اسی کی مثل کھائی جانے والی شے کی بیع کا حکم ہے۔ جہاں تک تصویر کی بیع کا حکم ہے پس اس پر آگاہ نہیں۔ اس میں وجہ ظاہر ہے۔

32991۔ (قولہ: وَصِيَغِهَا) صحیح وصوغھا ہے، ''ح''۔ میں نے بعض نسخوں میں: وصنعھا ہے یعنی صاد اور عین کے درمیان نون ہے۔ ''شرح الوہبانیہ'' میں: صیغتھا ہے۔ ''قاموس'' میں ہے: صاغ اللہ فلانا صیغۃ حسنۃ یعنی اسے حسین و جمیل بنایا۔ اور وہ شے جسے درست مثال پر تیار کیا پس وہ تیار ہو گیا۔ اس سے اسم فاعل کا صیغہ صواغ، صائغ اور صیاغ ہے۔ صیاغہ جب کسرہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد اس کا پیشہ ہے۔ وصیاغ کے قول کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس کا عین کلمہ یا ہے۔ تامل

32992۔ (قولہ: لِمَا فِيهِ مِنَ الْإِعَانَةِ الخ) ''ابن شحنہ'' نے کہا: مگر بیع میں اس سے رکنا یہ پہننے میں اس سے رکنے سے زیادہ خفیف ہے۔ کیونکہ اس سے اور معاملات میں انتفاع ممکن ہے اس کو ڈھالنا اور اس کی ہیئت کو بدل دینا یہ ممکن ہے۔

ناجائز کام کی طرف لے جانے والے امور کی ممانعت

32993۔ (قولہ: وَكُلُّ مَا أَدَّى الخ) اس میں غور و فکر کیا جائے گا ساتھ یہ ہمارے ائمہ کا قول ہے: رس کی شراب بنانے کے ہاتھ بیچنا جائز ہے۔ ''شرنبلالی''۔

اس کے ساتھ فرق کرنا ممکن ہے جس کا ذکر آگے آئے گا کہ معصیت اس کے عین سے قائم نہیں ہوئی بلکہ اس میں معصیت اس کے تغیر کے بعد واقع ہوئی ہے۔

فرع: اس میں کوئی حرج نہیں کہ لوہے کی انگوٹھی بنوائی جائے جس پر چاندی لپیٹی گئی ہو اور اس پر چاندی چڑھادی گئی ہو

(وَالْعِبْرَةُ بِالْحَلْقَةِ) مِنَ الْفِضَّةِ (لَا بِالْفَصِّ) فَيَجُوزُ مِنْ حَجَرٍ وَعَقِيقٍ وَيَاقُوتٍ وَغَيْرِهَا وَحَلَّ مِسْمَارُ الذَّهَبِ فِي حَجَرِ الْفَصِّ وَيَجْعَلُهُ لِبَطْنِ كَفِّهِ فِي يَدِهِ الْيُسْرَى وَقِيلَ الْيُمْنَى إِلَّا أَنَّهُ مِنْ شِعَارِ الرَّوَافِضِ فَيَجِبُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ قُهُسْتَانِيٌّ وَغَيْرُهُ قُلْتُ

انگوٹھی میں چاندی کے حلقہ کا اعتبار ہوگا نگینہ کا اعتبار نہیں ہوگا پس نگینہ پتھر، عقیق یا قوت وغیرہا کا جائز ہے۔ پتھر کے نگینہ میں سونے کا کیل حلال ہے اس نگینہ کو اپنے بائیں ہاتھ میں ہتھیلی کے باطن کی طرف کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دائیں ہاتھ میں ایسا کرے مگر دائیں ہاتھ میں انگوٹھی رافضیوں کا شعار ہے اس سے بچنا واجب ہے ''قہستانی'' وغیرہ۔ میں کہتا ہوں:

یہاں تک کہ لوہا دکھائی نہ دے۔ ''تاتر خانیہ''۔

32994۔ (قولہ: وَحَلَّ مِسْمَارُ الذَّهَبِ الخ) اس سے مراد وہ کیل لیا ہے تا کہ اس کے ساتھ نگینہ کی حفاظت کرے۔ ''تاتر خانیہ''۔ کیونکہ یہ تابع ہے جس طرح کپڑے میں نقش۔ پس وہ اسے پہننے والا شمار نہیں ہوگا۔ ''ہدایہ''۔

''ہدایہ'' کی ''عینی'' کی شرح میں ہے: پس وہ اس طرح ہو گیا جس طرح کسی شے کو ہلاک کر دیا گیا ہو یا ان دندانوں کی طرح ہو گیا جو چاندی کی انگوٹھی کے اردگرد سونے سے بنائے جاتے ہیں۔ کیونکہ لوگ بغیر کسی انکار کے اسے جائز قرار دیتے ہیں اور ایسی انگوٹھیاں پہنتے ہیں۔ ''طحطاوی'' نے کہا: میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے سونے سے بنے اوپر والے دائرے کے جواز کا ذکر کیا ہو بلکہ اس میں کیل کے حلال ہونے کا ذکر دوسری چیزوں کی حرمت کا تقاضا کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: گزشتہ تعلیل کا مقتضا اس کا جواز ہے اسے چاندی میں داخل کرنا بھی ممکن ہے۔ تامل

32995۔ (قولہ: فِي حَجَرِ الْفَصِّ) یعنی نگینہ کے پتھر میں یعنی اس کے سوراخ میں، ''ہدایہ''۔ اس کا مقتضا تو یہ ہے کہ جیم کو حا پر مقدم کرتے یعنی یہ لفظ جحر ہے۔ یہ ایک روایت ہے۔ دوسری میں اس کے برعکس ہے ''المغرب''۔ جب کہ یہی صحیح ہے کیونکہ جحر یہ گو، سانپ یا جنگلی چوہے کے بل ہوتی ہے جب کہ یہ یہاں لائق نہیں۔

انگوٹھی پہننے کا طریقہ

32996۔ (قولہ: وَيَجْعَلُهُ) ہ ضمیر سے مراد الفص ہے یعنی نگینہ کو اپنی ہتھیلی کے باطن کی طرف کرے عورتوں کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ یہ ان کے حق میں زیب و زینت ہے۔ ''ہدایہ''۔

32997۔ (قولہ: فِي يَدِهِ الْيُسْرَى) چاہیے کہ انگوٹھی اس کی خنصر (سب سے چھوٹی انگلی) میں ہو دوسری انگلیوں میں ہو اور دائیں ہاتھ میں ہو۔ ''ذخیرہ''۔

32998۔ (قولہ: فَيَجِبُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ) ''قہستانی'' کی عبارت ''محیط'' سے مروی ہے: یہ جائز ہے کہ اسے دائیں ہاتھ میں رکھے مگر یہ رافضیوں کا شعار ہے۔ اسی کی مثل ''ذخیرہ'' میں ہے۔

وَلَعَلَّهُ كَانَ وَبَانَ فَتَبَصَّرْ وَيَنْقُشُهُ اسْمَهُ أَوْ اسْمَ اللهِ تَعَالَى لَا تِمْثَالَ إِنْسَانٍ أَوْ طَيْرٍ وَلَا مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ

شاید یہ شعار تھا اور اب جدا ہو چکا ہے پس دیکھ لے۔ وہ انگوٹھی جس میں اپنا نام کندہ کروائے یا اللہ تعالیٰ کا نام کندہ کروائے، پرندے یا انسان کی تصویر کندہ نہ کروائے اور نہ ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کندہ کروائے

32999۔ (قولہ: لَعَلَّهُ كَانَ وَبَانَ) یعنی سابقہ زمانہ میں یہ ان کے شعار میں تھا پھر اس زمانے میں منفصل اور منقطع ہو گیا ہے۔ پس وہ جیسے بھی انگوٹھی پہنے اس سے منع نہیں کیا جائے گا'' غایۃ البیان'' میں ہے: فقیہ'' ابولیث'' نے شرح'' جامع صغیر'' میں دائیں اور بائیں میں برابری کی ہے یہی حق ہے۔ کیونکہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات مختلف آئی ہیں۔ اور بعض علما کا قول کہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی کا ہونا یہ باغیوں کی علامات میں سے ہے یہ کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل صحیح اس کی نفی کرتی ہے۔ اس کی مکمل وضاحت اس میں ہے۔

انگوٹھی پر کیا کندہ کروانا چاہیے

32000۔ (قولہ: أَوْ اسْمَ اللهِ تَعَالَى) اگر وہ اللہ تعالیٰ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نگینہ میں نقش کروائے تو یہ مستحب ہے کہ وہ نگینہ اپنی آستین میں کرلے۔ اور جب وہ استنجا کرے تو اپنے دائیں ہاتھ میں پہن لے۔'' قہستانی''۔

32001۔ (قولہ: لَا تِمْثَالَ إِنْسَانٍ) تمثال تا کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی تمثیل ہے اور کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی صورت ہے۔'' قاموس''۔

32002۔ (قولہ: أَوْ طَيْرٍ) کیونکہ ذی روح کی تصویر حرام ہے۔ لیکن مکروہات الصلاۃ میں پہلے یہ گزر چکا ہے کہ غیر واضح نقش جو دور سے دکھائی نہ دیتا ہو یہ کوئی نقصان نہیں دیتا۔ حضرت دانیال علیہ السلام کی انگوٹھی میں ایک شیرنی کا نقش تھا جس کے سامنے ایک چھوٹا بچہ تھا جسے وہ دودھ پلا رہی ہے۔ بعض سلف صالحین کی انگوٹھی میں دو مکھیوں کا نقش تھا پس کتب کی طرف رجوع کیا جائے۔'' ط''۔

میں کہتا ہوں: جو پہلے گزرا ہے وہ یہ ہے کہ ایسی انگوٹھی پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں وہ کراہت کا نہ ہونا اس کے نقش میں نہیں۔ یہاں کلام نقش کے فعل میں ہے۔'' تاترخانیہ'' میں ہے: فقیہ نے کہا: اگر چاندی کی انگوٹھی پر تصویر ہو تو یہ مکروہ نہیں یہ کپڑے میں تصاویر کی طرح نہیں جو کپڑے گھروں میں ہوتے ہیں۔ کیونکہ انگوٹھی میں تصویر چھوٹی سی ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی انگوٹھی پر دو مکھیوں کی تصویر تھی۔ تامل

32003۔ (قولہ: وَلَا مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ) یہ جملہ محل نصب میں ہے اور اس کا عطف تمثال پر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کا نقش تھا یہ تین سطروں میں تھا۔ ہر کلمہ ایک سطر کا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا کہ کوئی ایک ایسا نقش بنوائے (1)۔ جس طرح'' الشمائل'' میں اسے روایت کیا ہے: بعض اس کی ہیئت یا اس کے نقش کی مثل۔ حضرت ابوبکر

1۔ سنن ترمذی، کتاب ابواب اللباس، باب ماجاء فی نقش الخاتم، جلد 1 صفحہ 902، حدیث نمبر 1669

وَلَا يَزِيدُهُ عَلَى مِثْقَالٍ (وَتَرْكُ التَّخَتُّمِ لِغَيْرِ السُّلْطَانِ وَالْقَاضِي) وَذِي حَاجَةٍ إِلَيْهِ كَمُتَوَلٍّ (أَفْضَلُ

اور اس کا وزن ایک مثقال سے زیادہ نہ کرے۔ سلطان، قاضی اور جس کی بارگاہ میں حاجت پیش کی جاتی ہے جیسے متولی ان کے علاوہ کا انگوٹھی کو ترک کر دینا افضل ہے

صدیق رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی کا نقش: نعم القادر الله، حضرت عمر کی انگوٹھی کا نقش: کفی بالموت واعظا اور حضرت عثمان کی انگوٹھی کا نقش: لتصبرن او لتندمن اور حضرت علی شیر خدا کی انگوٹھی کا نقش: الملك لله تھا۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کی انگوٹھی کا نقش: قل الخیر والا فاسکت۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کی انگوٹھی کا نقش: من عمل برأيه فقد ندم اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی انگوٹھی کا نقش تھا: من صبر ظفر ''قہستانی'' نے ''البستان'' سے نقل کیا ہے۔

انگوٹھی کا وزن

32004۔ (قولہ: وَلَا يَزِيدُهُ عَلَى مِثْقَالٍ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مثقال کے وزن تک نہ پہنچے۔ ''ذخیرہ''۔

میں کہتا ہوں: سابقہ روایت یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان: ولا تتمه مثقالا اس کی تائید کرتی ہے۔

سلطان، قاضی اور متولی وغیرہ کے علاوہ کے لیے انگوٹھی پہننے کو ترک کرنا افضل ہے

32005۔ (قولہ: وَتَرْكُ التَّخَتُّمِ الخ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ جس کی بارگاہ میں لوگ حاجات پیش کرتے ہوں اس کے لیے انگوٹھی بنوانا سنت ہے جس طرح ''اختیار'' میں ہے۔ ''قہستانی'' نے کہا: ''کرمانی'' میں ہے: ''حلوانی'' نے اپنے ایک شاگرد کو انگوٹھی پہننے سے منع کیا اور کہا: جب تو قاضی بن جائے گا تو تو انگوٹھی بنوا لینا۔ ''البستان'' میں بعض تابعین سے مروی ہے: صرف تین آدمی انگوٹھی (مہر) استعمال کر سکتے ہیں: امیر، کاتب، احمق۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جس کو ضرورت نہ ہو یہ اس کے لیے مکروہ ہے لیکن مصنف کا قول افضل ہے جس طرح ''ہدایہ'' وغیرہا میں ہے یہ اس کے جواز کو بیان کرتا ہے۔

بعض لوگوں نے انگوٹھی (مہر) کو مکروہ کہا ہے مگر جسے وجاہت اور سلطنت حاصل ہو اس کے لیے اسے جائز قرار دیا ہے۔ عام اہل علم نے اس کی اجازت دی ہے۔ ''یونس بن ابی اسحاق'' سے مروی ہے: کہا: میں نے ''قیس بن ابی حازم''، ''عبدالرحمٰن بن اسود''، ''شعبی'' وغیرہ کو دیکھا وہ اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے جب کہ انہیں حکومت وسلطنت حاصل نہ تھی۔ اور سلطان زینت کے لیے اور مہر لگانے کی حاجت کے لیے پہنتا ہے اور سلطان کے علاوہ زینت کے لیے پہنتا ہے اور مہر لگانا برابر ہے پس دوسرے افراد کے لیے اسے پہننا جائز ہے۔ ہم اسے اپناتے ہیں یہ جواز کا اختیار ہے جس طرح عام لوگوں کا قول ہے۔ اور یہ اس قول کے منافی نہیں جسے ضرورت نہ ہو اس کا ترک کرنا اولیٰ ہے۔ فافہم۔

اس کا مقتضا یہ ہے کہ زینت اور مہر لگانے کے ارادہ سے انگوٹھی بنوانا مکروہ نہیں مگر صرف زینت کے لیے ہوتی اس کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔ فتدبر

32006۔ (قولہ: وَذِي حَاجَةٍ إِلَيْهِ كَمُتَوَلٍّ) ''المنح'' میں کہا: ان کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ان دونوں یعنی سلطان

وَلَا يَشُدُّ سِنَّهُ الْمُتَحَرِّكَ (بِذَهَبٍ بَلْ بِفِضَّةٍ)
اور حرکت کرتے دانت کوسونے کے ساتھ نہ باندھے بلکہ چاندی کے ساتھ باندھے۔

اور قاضی کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ جس کے بارے لوگوں کی حاجات ہوں ان کا حکم اسی طرح ہوگا۔ اگر یوں قول کیا جاتا: و ترکہ لغیر ذی حاجة الیه افضل تا کہ اس میں مباشر اور اوقاف کا متولی اور ان کے علاوہ جنہیں مال کی حفاظت کی خاطر مہر لگانے کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس میں داخل ہو جاتے تو اس کا زیادہ فائدہ ہوتا جس طرح یہ مخفی نہیں۔

میں کہتا ہوں: ''الاختیار'' کا قول: جس کے ہاں لوگوں کی حاجات ہوں اس کے لیے انگوٹھی (مہر) بنوانا سنت ہے جیسے سلطان اور قاضی اور جوان کے معنی میں ہے اس میں صریح ہے۔ اور اس کی مثل ''خانیہ'' میں ہے۔ تو غور کر کیا حاجت میں اس کی مہر داخل ہے جیسے اجازت ہے یا شہادت ہے یا مکتوب کو بھیجنا ہے اگر چہ یہ نادر و نایاب ہو تو اس کے حق میں انگوٹھی کو ترک کرنا اولیٰ نہیں ہوگا۔

تتمہ

چاندی کی انگوٹھی بنوانا جائز ہے اگر وہ مردوں کی انگوٹھی کی ہیئت پر ہو مگر جب اس کے نگ زیادہ ہوں تو وہ حرام ہے، ''قہستانی''۔ علامہ ''عبدالرحمٰن بن شحنہ'' نے ذکر کیا ہے کہ ان کے والد نے یہ شعر پڑھا ہے:

تَخَتَّمْ كيفَ شِئتَ ولا تُبالي ۔۔۔ بخنصرك اليمينِ والشمالِ

سِوَى حجر و صفرٍ او حديدٍ ۔۔۔ او الذهبِ الحرامِ على الرِجالِ

وان احببت باسمك فانقشنه ۔۔۔ و باسمِ اللهِ ربك ذِي الجَلالِ

تو انگوٹھی پہن جیسے چاہے اور کوئی پروانہ کر اپنی دائیں اور بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں۔

مگر پتھر، پیتل، لوہے یا سونے کی نہ ہو یہ مردوں پر حرام ہے۔

اگر تو پسند کرے تو اپنا نام اس پر نقش کر لے اور اپنے رب اللہ ذوالجلال کا نام نقش کر لے۔

32007۔ (قوله: الْمُتَحَرِّكَ) اس کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ ''کرخی'' نے کہا ہے: جب کسی مرد کے ثنیہ (سامنے والے دو اوپر یا نیچے والے دانت) گر جائیں تو امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اسے مکروہ کہتے کہ وہ انہیں لوٹائے اور چاندی یا سونے کی تار کے ساتھ انہیں باندھے اور وہ فرماتے کہ یہ مردار کے دانت کی طرح ہیں۔ لیکن وہ ایسی بکری کا دانت لے جس کو ذبح کیا گیا ہو تو اس کی جگہ باندھ دے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی مخالفت کی ہے۔ فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس انسان کا دانت مردار کے دانت کے مشابہ نہیں اسے مستحسن قرار دیا گیا ہے۔ میرے نزدیک دونوں میں فرق ہے اگر چہ میرے ہاں حاضر نہیں۔ ''اتقانی''۔ ''تاتر خانیہ'' میں یہ اضافہ کیا ہے: ''بشر'' نے کہا: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں نے ایک اور مجلس میں امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں پوچھا تو آپ نے اس دانت کے دوبارہ اپنی جگہ لگانے میں کچھ حرج نہیں دیکھا۔

وَجَوَّزَهُمَا مُحَمَّدٌ (وَيَتَّخِذُ أَنْفًا مِنْهُ) لِأَنَّ الْفِضَّةَ تُنْتِنُهُ

امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کو جائز قرار دیا ہے۔ اور سونے کی ناک بنوا سکتا ہے کیونکہ چاندی اس کو بد بودار بنا دیتی ہے۔

سونے اور چاندی کے تار سے دانتوں کو باندھنا جائز ہے

32008۔ (قولہ: وَجَوَّزَهُمَا مُحَمَّدٌ) هما ضمیر سے مراد سونا اور چاندی ہے۔ یعنی دونوں کی تار کے ساتھ دانت باندھنے کو جائز قرار دیا ہے۔ جہاں تک امام "ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں اور ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ "امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔

سونے کی ناک بنوانا جائز ہے

32009۔ (قولہ: لِأَنَّ الْفِضَّةَ تُنْتِنُهُ) زیادہ بہتر تنتن کا قول ہے جو ضمیر کے بغیر ہو اور اس میں فرق کی طرف اشارہ کیا ہے جو "امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دانت باندھنے اور ناک لگانے کے درمیان ہے آپ نے سونے کی ناک لگانے کی اجازت دی ہے۔ کیونکہ چاندی کا بد بودار ہونا بدیہی امر ہے۔ کیونکہ حرام کردہ چیز صرف ضرورت کے لیے ہی مباح ہوتی ہے وہ ضرورت دانت میں چاندی سے پوری ہو جاتی ہے تو اعلیٰ کی ضرورت نہیں وہ سونا ہے۔ "اتقانی" نے کہا:

ایک اعتراف کرنے والا امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ کی امداد میں کہہ سکتا ہے: ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کہ دانت میں ضرورت چاندی سے پوری ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ بھی بد بودار ہو جاتا ہے۔ اس کی اصل وہ روایت ہے جو آپ نے اپنی اسناد سے "عرفجہ بن سعد" سے نقل کی ہے کہ دور جاہلیت میں کلاب کی جنگ میں ان کی ناک کٹ گئی تو انہوں نے چاندی کی ناک بنوائی تو وہ بد بودار ہو گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ سونے کی ناک بنوا لے تو انہوں نے ایسا کیا۔ کلاب کا لفظ کاف کے ضمہ اور لام کی تخفیف کے ساتھ ہے۔ ایک وادی کا نام ہے جس میں عربوں کی عظیم جنگ ہوئی۔ اسے ذہن نشین کر لے۔ اس کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ دونوں سے بالاتفاق ناک بنوانا جائز ہے۔ امام "بزدوی" نے اس کی تصریح کی ہے۔ امام "اسبیجابی" نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ بھی اختلاف پر مبنی ہے۔ "تاتر خانیہ" میں ہے: اسی اختلاف پر مبنی اختلاف ہو گا جب اس کی ناک کٹ جائے یا اس کا کان کٹ جائے یا اس کا دانت گر جائے اور وہ یہ ارادہ کرے کہ وہ دوسرے دانت بنوا لے۔ "امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ صرف چاندی سے بنوائے اور امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف سونے کا بنوائے۔ "اتقانی" نے ناک میں اختلاف کے ثبوت کا انکار کیا ہے کیونکہ یہ امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ، امام "کرخی" اور امام "طحاوی" کی کتب میں مذکور نہیں اور اس کو ماننے سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ "امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت ہو کیونکہ نص موجود ہے۔ "مقدسی" نے ان سے منازعہ کیا کہ "اسبیجابی" قول نقل کرنے میں حجت ہیں اور حدیث تاویل قبول کرنے والی ہے اور یہ احتمال موجود ہے کہ یہ صرف حضرت "عرفجہ" کی خصوصیت ہو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت "عبدالرحمٰن" اور حضرت "زبیر" رضی اللہ عنہما کو ریشم پہننے کی خصوصی اجازت دی کیونکہ ان کے جسم میں خارش تھی جس طرح "التبیین" میں ہے

(وَ كُرِهَ إِلْبَاسُ الصَّبِيِّ ذَهَبًا أَوْ حَرِيرًا) فَإِنَّ مَا حَرُمَ لُبْسُهُ وَشُرْبُهُ حَرُمَ إِلْبَاسُهُ وَإِشْرَابُهُ (لَا) يُكْرَهُ (خِرْقَةٌ لِوَضُوْءٍ) بِالْفَتْحِ بَقِيَّةُ بَلَلِهِ (أَوْ مُخَاطٍ)
بچہ کو سونا یا ریشم پہنانا مکروہ ہے۔ کیونکہ جس چیز کا پہننا اور پینا حرام ہے تو اس کا پہنانا اور اس کا پلانا حرام ہے۔ وضو کی باقی ماندہ تری کو ختم کرنے کے لیے ناک کے ریشہ کو صاف کرنے کے لیے

میں کہتا ہوں: یوں تطبیق دینا ممکن ہے کہ ''اسبیجابی'' نے جو ذکر کیا ہے وہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے شاذ روایت ہے۔ اسی وجہ سے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ، امام ''کرخی'' اور امام ''طحاوی'' کی کتب میں مذکور نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بچے کو سونا یا ریشم پہنانا مکروہ ہے

32010۔ (قولہ: وَكُرِهَ الخ) کیونکہ نص نے سونے اور چاندی کو امت کے مذکر افراد پر بالغ ہونے اور آزادی کی قید کے بغیر حرام قرار دیا ہے جس نے انہیں پہنایا گناہ اس پر ہوگا۔ کیونکہ ہمیں ان کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ ''تمرتاشی'' نے اسے ذکر کیا ہے۔ ''البحر الزاخر'' میں ہے: انسان کے لیے یہ مکروہ ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں پر مہندی لگائے۔ اسی طرح بچے کا حکم ہے مگر ضرورت ہو۔ عورتوں کے خضاب لگانے میں کوئی حرج نہیں'' ط''۔

میں کہتا ہوں: اس کا ظاہر معنی یہ ہے جس طرح مرد کے لیے یہ مکروہ ہے کہ وہ بچے کے ساتھ ایسا کرے عورت کے لیے بھی یہ مکروہ ہے اگرچہ اس کا اپنے لیے یہ فعل کرنا حلال ہے۔

ریشمی رومال کا شرعی حکم

32011۔ (قولہ: لَا يُكْرَهُ خِرْقَةٌ الخ) یہ وہ قول ہے جس کی متاخرین نے تصحیح کی ہے۔ کیونکہ یہ مسلمانوں کا تعامل ہے۔ ''غایۃ البیان'' میں ''ابوعیسیٰ ترمذی'' سے مروی ہے کہ اس باب میں کوئی شے صحیح نہیں یعنی نہ کراہت کے بارے میں اور نہ ہی کسی اور شے کے بارے میں۔ صحابہ کی ایک قوم اور ان کے بعد کے لوگوں نے وضو کے بعد تری کو خشک کرنے میں رخصت دی ہے(1)۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ پھر یہ حکم نماز کے بارے میں ہے۔ کیونکہ ''بزازیہ'' میں ہے: اور کپڑے کے ٹکڑے کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے جس کے ساتھ پسینہ خشک کیا جاتا ہے اور ریشہ لیا جاتا ہے۔ اس لیے مکروہ نہیں کیونکہ یہ ناپاک ہے بلکہ اس لیے کیونکہ جائے نماز قابل تعظیم چیز ہے اور ایسے کپڑے پر نماز پڑھنا اس میں کوئی تعظیم نہیں۔

32012۔ (قولہ: بَقِيَّةُ بَلَلِهِ) وضو کا لفظ جب واؤ کے ضمہ کے ساتھ ہو تو یہ فعل ہے یعنی مصدر ہے اور واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی پانی ہے'' قاموس''۔ انہوں نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ مراد کی تفسیر ہے۔ یہ دو مضافوں بلکہ تین مضافوں کی تقدیر پر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے: لمسح بقية بلل وضوئه۔ ظاہر یہ ہے کہ بقیۃ کے لفظ کی کوئی حاجت نہیں۔ اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ۔ (طٰہٰ: 96) یعنی تقدیر کلام یہ ہے: من اثر حافر فرس الرسول۔

1۔ سنن ترمذی، ابواب الطہارۃ، باب التمندل بعد الوضوء، جلد 1 صفحہ 73، حدیث نمبر 49

أَوْ عَرَقٍ لَوْ لِحَاجَةٍ وَلَوْ لِلتَّكَبُّرِ تُكْرَهُ (وَ) لَا (الرَّتِيمَةُ) هِيَ خَيْطٌ يُرْبَطُ بِأُصْبُعٍ أَوْ خَاتَمٍ لِتَذَكُّرِ الشَّيْءِ وَالْحَاصِلُ أَنَّ كُلَّ مَا فُعِلَ تَجَبُّرًا كُرِهَ وَمَا فُعِلَ لِحَاجَةٍ لَا، عِنَايَةٌ

یا پسینہ کو خشک کرنے کے لیے ریشم کا کپڑا مکروہ نہیں اگر حاجت ہو۔ وضو کا لفظ واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اگر تکبر کے لیے ہو تو مکروہ ہے۔ اور رتیمہ مکروہ نہیں یہ ایسا دھاگا ہوتا ہے جو انگلی، انگوٹھی کے ساتھ باندھا جاتا ہے تاکہ وہ شے یاد دلائے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہر وہ عمل جو تجبر کے طور پر کرے تو وہ مکروہ ہو گا اور جو کسی ضرورت کے لیے کیا جائے تو وہ مکروہ نہیں ہو گا۔ ''عنایہ''۔

32013۔ (قولہ: لِحَاجَةٍ) زیادہ بہتر یہ عبارت تھی لانہ لحاجة، تامل۔

32014۔ (قولہ: وَلَوْ لِلتَّكَبُّرِ تُكْرَهُ) قیمتی کپڑا یہ کبر کی علامت ہے ''بزازیہ''۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ صحیح نہیں ہے کہ خرقہ سے مراد وہ ہے جو ریشم کو جامع ہو۔ بعض علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔

اولیائے کرام اور صالحین کے مزارات پر چادر چڑھانے کا شرعی حکم

بعض فقہا نے چادریں، پگڑیاں اور کپڑے صالحین اور اولیا کی قبروں پر رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ ''فتاویٰ الحجہ'' میں ہے: قبروں پر چادریں رکھنا مکروہ ہے۔ لیکن اب ہم کہتے ہیں: جب اس سے یہ قصد کیا جائے کہ عام لوگوں کی نظر میں اس کی عظمت کا اظہار ہو یہاں تک کہ وہ صاحب قبر کو حقیر نہ جانیں اور غافل زائرین کے خشوع اور ادب کے حصول کا قصد ہو تو یہ عمل جائز ہو گا۔ کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اگرچہ یہ ایسا عمل ہے جو بدعت ہے (جو پہلے معمول نہیں رہا) پس یہ علما کے اس قول کی طرح ہے کہ وہ طواف وداع کے بعد پچھلے پاؤں پلٹے یہاں تک کہ وہ مسجد سے نکل جائے یہ بیت اللہ شریف کی تعظیم کے لیے ہو یہاں تک کہ ''منہاج السالکین'' میں کہا: اس میں کوئی مروی سنت اور محکی اثر نہیں یہ وہ عمل ہے جسے ہمارے اصحاب نے کیا ہے۔ اسی طرح کا قول کشف النور عن اصحاب القبور میں ہے۔ یہ استاذ ''عبد الغنی نابلسی'' قدس سرہ کی تالیف ہے۔

رتیمہ کا شرعی حکم

32015۔ (قولہ: وَلَا الرَّتِيمَةُ) اس کی جمع رتائم ہے اسے رتمہ کہتے ہیں یعنی جس کے پہلے تین حروف پر فتحہ ہے اس کی جمع رتم ہے جس میں بھی لگاتار فتحہ کے حرکات ہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے۔ ارتمت الرجل ارتاما جب تو اس کی انگلی میں دھاگا باندھے جس کے ساتھ تو اپنی حاجت کا ذکر کرے۔ ''اتقانی'' نے ''ابوعبیدہ'' سے اسے نقل کیا ہے۔ شاعر نے کہا:

اذا لم تكنْ حَاجَاتُنَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ　　فَلَيْسَ بِمُغْنٍ عنكَ عَقْدُ الرَّتَائِمِ

جب ہماری تمہارے دلوں میں کوئی حاجت نہیں تو دھاگوں کا باندھنا کچھ نفع مند نہیں ہو گا۔

''ہدایہ'' میں کہا: یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ سے یہ فرمایا تھا۔ ''المنح'' میں ہے: اس کا ذکر کیا ہے کیونکہ بعض لوگوں کی عادت ہے کہ وہ بعض اعضا پر دھاگے باندھ دیتے ہیں۔ اسی طرح زنجیروں وغیرہ کا معاملہ ہے۔ یہ عمل مکروہ ہے کیونکہ یہ محض عبث ہے۔ کہا: رتم اس قبیل سے نہیں ہے۔ ''شرح الوقایہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''طحطاوی''

فَرْعٌ فِی الْمُجْتَبَى التَّمِيمَةُ الْمَكْرُوهَةُ مَا كَانَ بِغَيْرِ الْعَرَبِيَّةِ
فرع: مکروہ تعویذ وہ ہے جو عربی زبان کے علاوہ ہو۔

نے کہا: دملج (بازوبند) کا مکروہ ہونا اس سے معلوم ہوگیا ہے۔ یہ وہ ہے جو بعض لوگ اپنے بازو میں باندھتے ہیں۔

تعویذات کا شرعی حکم اور نظر بد کے اثرات اور ان کے تدارک کا طریقہ

32016۔(قولہ: التَّمِيمَةُ الْمَكْرُوهَةُ) میں کہتا ہوں: جسے میں نے ''المجتبیٰ'' میں دیکھا ہے: جو تعویذ مکروہ ہے وہ وہ ہے جو قرآن کے علاوہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وہ گھونگا ہے جسے دور جاہلیت کے لوگ لٹکایا کرتے تھے۔ پس دوسرے نسخہ کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔ ''المغرب'' میں ہے: بعض لوگ یہ وہم کرتے ہیں کہ تعویذات ہی تمائم ہیں جب کہ صورتحال اس طرح نہیں۔ بے شک تمیمہ تو گھونگا ہے۔ تعویذات میں کوئی حرج نہیں جب وہ اس میں قرآن لکھے یا اللہ تعالیٰ کے اسماء لکھے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: رقاه الراقي رقيا و رقية جب وہ اسے دم کرے اور اس میں تھوک والی پھونک مارے۔

علما نے کہا: دم مکروہ ہوگا جب وہ عربی زبان کے علاوہ سے ہو اور وہ نہ جانتا ہو کہ یہ کیا ہے۔ ممکن ہے اس میں جادو، کفر یا اس کے علاوہ کوئی اور شے داخل ہو۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے جو قرآن سے ہو یا دعاؤں میں سے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

''زیلعی'' نے کہا: پھر رتیمہ بعض لوگوں پر تمیمہ کے ساتھ مشتبہ ہوجاتا ہے۔ یہ ایسا دھاگا ہے جو گردن یا ہاتھ میں دور جاہلیت میں باندھا جاتا تاکہ وہ اپنے گمان کے مطابق اپنے آپ سے مضرت کو دور کرے اس سے ان کو منع کیا گیا ہے۔ ''حدود الایمان'' میں یہ ذکر کیا گیا ہے: یہ کفر ہے۔ ''شلبی'' نے ''ابن اثیر'' سے نقل کیا ہے: تمائم، تمیمۃ کی جمع ہے یہ گھونگھے ہیں جو عرب اپنے بچوں پر لٹکایا کرتے تھے وہ اپنے گمان کے مطابق بچوں کو اس کے ساتھ نظر بد سے بچایا کرتے۔ اسلام نے اسے باطل کردیا ہے اور دوسری حدیث: من علق تميمة فلا اتم الله له(1) جس نے تمیمہ لٹکایا اللہ تعالیٰ اسے مکمل نہ کرے۔ کیونکہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ دوا اور شفا کی تکمیل ہے۔ بلکہ انہوں نے اسے اللہ تعالیٰ کا شریک بنادیا۔ کیونکہ وہ اس کے ساتھ یہ ارادہ کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ اپنے حق میں لکھی ہوئی تقدیر کو دور کریں اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ سے اذی کو دور کرنے کا مطالبہ کریں جب کہ اذی کو دور کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ''ط''۔

''المجتبیٰ'' میں ہے: قرآن سے شفا حاصل کرنے میں علما کا اختلاف ہے کہ وہ مریض یا جسے کسی شے نے ڈسا ہو اس پر سورت فاتحہ پڑھے یا ایک ورق پر لکھے اور اس پر لٹکادے یا وہ کسی ٹب میں لکھے اور وہ اس سے غسل کرے اور نہائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مروی ہے کہ آپ اپنے آپ کو دم کیا کرتے تھے(2)۔ فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو: جواز کی یہ دلیل ہے کہ آج تک لوگ اس پر عمل کرتے ہیں۔ اسی بارے میں آثار وارد ہوئے ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں جنبی اور حائضہ

1۔ مسند امام احمد، حدیث عقبہ بن عامر، جلد 4، صفحہ 154

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، باب النفث فی الرقیۃ، جلد 2، صفحہ 439، حدیث نمبر 3519

....

بازو پر تعویذ باندھیں جب وہ تعویذ ملفوف ہو (کسی شے میں لپٹا) ہو۔ امام ''طحطاوی'' نے کہا: اس میں غور کرو کیا قرآن حکیم کی کتابت تعویذات کی طرح حروف مقطعات میں لکھنا جائز ہے یا جائز نہیں کیونکہ یہ اس کے برعکس ہے جس کے بارے میں قرآن حکیم کی کتابت وارد ہوئی ہے اور اس کی وضاحت کرو۔

''خانیہ'' میں ہے: ایک قالین ہے یا جائے نماز ہے جس کی بنائی میں یہ لکھا ہوا ہے: الملك لله اس کا استعمال، اس کو نیچے بچھانا اور اس پر بیٹھنا مکروہ ہے۔ اگر وہ ایک حرف کو دوسرے حرف سے الگ کر دے یا بعض حروف پر کوئی چیز سی دے یہاں تک کہ کلمہ متصل نہ رہے تو کراہت زائل نہ ہوگی۔ کیونکہ حروف مفردہ کی حرمت ہوتی ہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر اس پر الملک کا لفظ ہو یا صرف الف یا صرف لام ہو۔

اس میں ہے: ایک عورت ہے اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ تعویذ رکھے تا کہ اس کا خاوند اس سے محبت کرے ''جامع صغیر'' میں یہ ذکر کیا گیا ہے: یہ حرام ہے حلال نہیں۔ اس کی وضاحت احیاء الموات سے تھوڑا پہلے آئے گی۔ اس میں ہے: نیروز کے دنوں میں رقاع کو لکھنا اور دروازوں پر انہیں چسپاں کرنا یہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی اہانت اور اس کے پیارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اہانت ہے۔ اس میں ہے: کھیتی میں سر کی کھوپڑی اور ہانڈی رکھنے میں کوئی حرج نہیں تا کہ نظر بد کے ضرر کو دور کرے۔ کیونکہ نظر بد، مال، انسان اور حیوان کو لگ جاتی ہے۔ اور اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے یہ امر آثار سے معروف ہوا ہے۔ جب کوئی آدمی کھیتی کی طرف دیکھے تو اس کی نظر پہلے کھوپڑی پر پڑے گی۔ کیونکہ وہ بلند ہوتی ہے تو اس کے بعد اس کا کھیتی کو دیکھنا اسے کچھ نقصان نہیں دے گا۔ روایت بیان کی جاتی ہے: ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اس نے عرض کی ہم کاشتکار لوگ ہیں ہم اس کے بارے میں نظر بد سے ڈرتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ اس میں سر کی کھوپڑیاں لٹکا دے۔

تتمہ

امام ''عینی'' کی ''شرح بخاری''، ''باب العین حق'' میں ہے: ''ابوداؤد'' نے حضرت ''عائشہ صدیقہ'' رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: آپ اس آدمی کو حکم دیتے جس کی نظر لگتی پس وہ وضو کرتا پھر جس کو نظر لگی ہوتی وہ اس سے غسل کرتا (1)۔

''عیاض'' نے کہا: بعض علما نے فرمایا: جب کوئی آدمی نظر لگانے کے بارے میں معروف ہو جائے تو چاہیے کہ اس سے اجتناب کیا جائے اور اس سے بچا جائے اور امام کو چاہیے کہ لوگوں کے ساتھ میل جول سے اسے روک دے اور اسے اپنے گھر میں اپنے کو لازم کر دے اگر وہ فقیر ہو تو اسے اتنا رزق دے جو اسے کفایت کرے اس کا ضرر تھوم اور پیاز کھانے والے سے زیادہ ہوتا ہے اور مجزوم کے ضرر سے زیادہ ہوتا ہے جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منع کر دیا تھا۔ ''سنن نسائی'' میں ہے: نبی کریم

1۔ عمدۃ القاری، کتاب الطب، باب العین حق، صفحہ 404، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی مصر

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

ﷺ نے ارشاد فرمایا: اذا رای احدکم من نفسه او من ماله او اخیه شیئا یعجبه فلیدع بالبرکة فان العین حق (1) جب تم میں سے کوئی اپنے نفس یا مال میں یا اپنے بھائی میں کوئی ایسی شے دیکھے جو اسے خوش کرے تو وہ برکت کی دعا کرے کیونکہ نظر برحق ہے۔ اور برکت کی دعا یہ ہے: فتبارك الله احسن الخالقين اے اللہ اس میں برکت رکھ دے۔ جس کی نظر بد لگی ہو اسے غسل کا حکم دیا جائے گا۔ اگر وہ غسل کرنے سے انکار کرے تو اسے مجبور کیا جائے گا۔ ملخص۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

1۔ جامع الاحادیث للسیوطی ہمزہ مع ذا، جلد 1، صفحہ 209، حدیث نمبر 1364، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی مصر

فَصْلٌ فِي النَّظَرِ وَالْمَسِّ

(وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنَ الرَّجُلِ) وَمِنْ غُلَامٍ بَلَغَ حَدَّ الشَّهْوَةِ مُجْتَبَى وَلَوْ أَمْرَدَ صَبِيحَ الْوَجْهِ وَقَدْ مَرَّ فِي الصَّلَاةِ وَالْأَوْلَى تَنْكِيرُ الرَّجُلِ

دیکھنے اور چھونے کے احکام

ایک مرد دوسرے کو دیکھے اگرچہ وہ ایسا لڑکا ہو جو شہوت کی حد تک پہنچ چکا ہو، ''مجتبیٰ''۔ اگرچہ وہ امرد (بے ریش) خوبصورت چہرے والا ہو جب کہ یہ کتاب الصلاۃ میں گزر چکا ہے۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ رجل کے لفظ کو نکرہ ذکر کرتے

32017۔ (قولہ: وَالْمَسِّ) اس لفظ کو زائد ذکر کیا ہے کیونکہ مصنف نے اس پر کلام کی ہے عنوان میں ذکر نہ ہونا عیب شمار نہیں ہوگا اگرچہ ذکر کرنا اولیٰ ہے تاکہ اس کا محل معلوم ہو۔ پس ضرورت کے وقت اسکی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔ ''ط''۔

نظر کے مسائل اور اقسام

32018۔ (قولہ: وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنَ الرَّجُلِ الخ) ''العنایہ'' وغیرہا میں ذکر کیا ہے کہ نظر کے مسائل چار ہیں (۱) مرد کا عورت کو دیکھنا اور عورت کا مرد کو دیکھنا، مرد کا مرد کو دیکھنا اور عورت کا عورت کو دیکھنا۔

پہلے مسئلہ کی چار قسمیں ہیں (۱) مرد کا اجنبی آزاد عورت کو دیکھنا (۲) مرد کا اس عورت کو دیکھنا جو اس کے لیے حلال ہو یعنی بیوی اور لونڈی (۳) مرد کا اپنی ذوی المحارم کو دیکھنا (۴) مرد کا غیر کی لونڈی کو دیکھنا۔ فافہم

32019۔ (قولہ: بَلَغَ حَدَّ الشَّهْوَةِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مراہق ہو جائے اور حد شہوت سے مراد اس سے شہوت واقع ہو۔

میں کہتا ہوں: شارح نے ''شروط الصلاۃ'' میں پہلے بیان کیا ہے جس کی نص یہ ہے: بہت چھوٹے بچے کی کوئی شرمگاہ نہیں پھر جب تک اسے دیکھ کر شہوت نہ آئے تو اس کا قبل اور دبر عورت ہے یعنی اس کا ڈھانپنا لازم ہے پھر دس سال تک وہ غلیظ ہو جاتی ہے پھر وہ بالغ کی طرح ہو جاتا ہے۔ ''الاشباہ'' میں ہے: وہ پندرہ سال کی عمر تک عورتوں کے ہاں جا سکتا ہے، فتامل۔

امرد کے احکام

32020۔ (قولہ: وَلَوْ أَمْرَدَ صَبِيحَ الْوَجْهِ) ''ہندیہ'' میں کہا: لڑکا جب مردوں تک پہنچ جائے اور وہ خوبصورت نہ ہو تو اس کا حکم مردوں کا حکم ہے۔ اگر وہ خوبصورت چہرے والا ہو تو اس کا حکم عورتوں کے حکم والا ہے۔ وہ بالوں کے سروں سے لے کر قدم تک عورت ہے شہوت سے اس کی طرف دیکھنا حلال نہیں۔ مگر شہوت کے بغیر اس کے پاس تنہا ہونا اور اس کی طرف دیکھنا اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسی وجہ سے اس کے نقاب کے بارے میں کوئی شے نہیں۔ ''الملتقط'' میں اسی طرح ہے۔ اس

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

شہوت کا ذکر نہیں کیا جو حرمت کو واجب کرتی ہے۔ کیا اس سے مراد دل کا میلان ہے یا طبیعت میں انتشار ہے؟ اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: شارح نے ''فصل المحرمات من النکاح'' میں ذکر کیا ہے کہ مس اور نظر میں شہوت کی ایسی حد جو حرمت مصاہرت کو ثابت کرتی ہے وہ آلہ کا متحرک ہونا یا اس کی حرکت میں اضافہ ہو جانا ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے عورت اور اسی طرح بوڑھے میں شہوت کا مطلب ہے کہ اس کے دل میں حرکت پیدا ہو جائے یا اس کی حرکت میں اضافہ ہو جائے۔ ''قہستانی'' نے ہمارے اصحاب سے نقل کیا ہے۔ پھر کہا: عام علماء نے کہا: وہ دل سے مائل ہو اور یہ خواہش کرے کہ اس کے ساتھ معانقہ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ وطی کا قصد کرے۔ حرام کی پرواہ نہیں کی جائے گی جس طرح ''النظم'' میں ہے۔ عورتوں کے حق میں دل سے اشتہا کا واقع ہونا ہے اس کے علاوہ کا کوئی اعتبار نہیں۔

''قہستانی'' نے اس فصل میں کہا: عورت اور مرد کی طرف دیکھنے کے حلال ہونے میں یہ شرط ہے کہ شہوت سے یقینی طور پر امن ہو یعنی نفس کے اس عورت کے قریب ہونے کے، اس مرد کے قریب ہونے یا عورت کو چھونے یا مرد کے چھونے کے ساتھ ہی وہ دیکھ رہا ہے یقینی طور پر نفس کے میلان سے امن ہو اس طرح کہ وہ وجہ جمیل اور متاع جزیل میں فرق کا ادراک رکھتا ہو۔ بوسہ کی طرف میلان یہ حرام کرنے والی شہوت سے بڑھ کر ہے۔ اسی وجہ سے سلف نے کہا ہے: لوطیوں کی کئی قسمیں ہیں: ایک ایسی قسم ہے جو دیکھتے ہیں، ایک ایسی قسم جو مصافحہ کرتے ہیں، ایک قسم ایسی ہے جو وہ عمل کرتے ہیں۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے اگر اسے اپنی ذات کے بارے میں شہوت کے آنے کا علم ہو یا گمان ہو یا شک ہو تو دیکھنا حرام ہو گا جس طرح ''المحیط'' وغیرہ میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا حاصل یہ ہے کہ محض اس کا دیکھنا اور خوبصورت چہرے کو اچھا خیال کرنا اور قبیح چہرے کے اوپر اس کو فضیلت دینا یہ اس طرح ہے کہ وہ عظیم متاع کو مستحسن جانتا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں طبع انسان اس سے خالی نہیں ہوتی بلکہ یہ چھوٹی عمر میں پایا جاتا ہے۔ پس ایسا چھوٹا بچہ جو تمیز رکھتا ہے وہ خوبصورت سے بدصورت سے زیادہ مانوس ہوتا ہے اس میں رغبت رکھتا ہے اور اس سے زیادہ محبت رکھتا ہے بلکہ بعض اوقات یہ بہائم میں پایا جاتا ہے۔ مجھے ایک ایسے آدمی نے بتایا جس نے ایک اونٹ کو دیکھا وہ ایک حسین عورت کی طرف مائل ہوتا اور اپنا سر اس پر رکھ دیتا جب بھی اسے دیکھتا دوسرے لوگوں کے ساتھ وہ ایسا معاملہ نہیں کرتا تھا۔ یہ شہوت کی نظر نہیں ہے۔ بے شک شہوت ایسا میلان ہے جو اس کے بعد ہوتا ہے یہ اس کے قریب ہونے کی طرف لذت کا میلان ہوتا ہے یا اس سے مس کرنے کا میلان ہوتا ہے جو اس میلان سے زائد ہوتا ہے جو میلان عظیم مال کی طرف ہوتا ہے یا ڈاڑھی والے کی طرف ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی طرف اس کا میلان محض اسے حسین خیال کرنے کی بنا پر ہوتا ہے اس کے ساتھ لذت یا قلب متحرک نہیں ہوتا جس طرح اپنے خوبصورت بیٹے یا خوبصورت بھائی کی طرف ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر بوسہ لینے، معانقہ کرنے، مباشرت، پہلو میں لیٹنے کا میلان ہے اگرچہ آلہ کی حرکت کے بغیر ہو۔ جہاں تک

لِئَلَّا يُتَوَهَّمَ أَنَّ الْأَوَّلَ عَيْنُ الثَّانِي؛ وَكَذَا الْكَلَامُ فِيمَا بَعْدُ قُهُسْتَانِيٌّ قُلْتُ وَقَرِينَةُ الْمَقَامِ تَكْفِي فَتَدَبَّرْ، ثُمَّ نَقَلَ عَنْ الزَّاهِدِيِّ أَنَّهُ لَوْ نَظَرَ لِعَوْرَةِ غَيْرِهِ بِإِذْنِهِ لَمْ يَأْثَمْ قُلْتُ وَفِيهِ نَظَرٌ ظَاهِرٌ بَلْ لَفْظُ الزَّاهِدِيِّ نَظَرَ لِعَوْرَةِ غَيْرِهِ وَهِيَ غَيْرُ بَادِيَةٍ لَمْ يَأْثَمْ انْتَهَى فَلْيُحْفَظْ (سِوَى مَا بَيْنَ سُرَّتِهِ إِلَى مَا تَحْتَ رُكْبَتِهِ)

تا کہ یہ وہم نہ ہو کہ پہلا رجل بعینہ دوسرا ہے مابعد میں کلام اسی طرح کی ہے، ''قہستانی''۔ میں کہتا ہوں: موقع ومحل کا قرینہ کافی ہے پس تم تدبر کرو۔ پھر ''زاہدی'' سے نقل کیا گیا ہے: اگر اس نے کسی اور کی شرمگاہ اس کی اجازت سے دیکھی تو وہ گناہگار نہیں ہوگا۔ میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض ظاہر ہے بلکہ ''زاہدی'' کے الفاظ ہیں: اس نے کسی اور کی شرمگاہ دیکھی جب کہ وہ ظاہر نہ تھی تو وہ گناہگار نہیں ہوگا۔ گفتگو ختم ہوگی۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے (یعنی ایک مرد دوسرے مرد کو دیکھ سکتا ہے) مگر اس کی ناف سے، اس کے گھٹنے کے نیچے تک نہیں دیکھ سکتا۔

حرمت مصاہرت میں اس کے شرط ہونے کا تعلق ہے شاید وہ احتیاط کی بنا پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ زیادہ احتیاط مطلقاً نہ دیکھنے میں ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں کہا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ بن حسن بہت خوبصورت تھے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ انہیں اپنے درس میں اپنی پشت کے پیچھے بٹھایا کرتے تھے یا ستون کے پیچھے بٹھایا کرتے تھے۔ یہ کمال تقویٰ کے ساتھ آنکھ کے خیانت کر جانے کے خوف سے ایسا کیا کرتے تھے۔ ہم نے شروط الصلاۃ میں جو کچھ لکھا ہے اس کی طرف رجوع کیجئے۔

32021۔ (قولہ: لِئَلَّا يُتَوَهَّمَ أَنَّ الْأَوَّلَ عَيْنُ الثَّانِي) کیونکہ دوسرا الرجل پہلے کی طرح معرفہ ہے یہ قاعدہ کلیہ نہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ (المائدہ: 48) اور اتاری ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب سچائی کے ساتھ تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے کتاب ہے۔ یہ کہنا ممکن ہے پہلے اور دوسرے الرجل میں الف لام جنسی ہے اس سے معرف باللام نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ ''ط''۔

32022۔ (قولہ: وَكَذَا الْكَلَامُ فِيمَا بَعْدُ) وہ ان کا یہ قول ہے: و نظر المراۃ من المراۃ۔

32023۔ (قولہ: قُلْت الخ) یہ قول اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ علماء نے جو ذکر کیا ہے کہ اسم معرف باللام یا اسم نکرہ کو جب دوبارہ معرفہ ذکر کیا جائے تو یہ پہلے کا عین ہوتا ہے اور جب دوبارہ نکرہ ذکر کیا جائے تو یہ اس کا غیر ہوتا ہے۔ یہ اطلاق کے وقت اور موقع محل کے قرائن سے خالی ہونے کی صورت میں ہوتا ہے جس طرح ''التلویح'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

32024۔ (قولہ: وَهِيَ غَيْرُ بَادِيَةٍ) یعنی وہ ظاہر نہ ہو۔ ''الذخیرہ'' وغیرہا میں ہے: اگر عورت پر کپڑے ہوں تو کوئی حرج نہیں کہ اس کے جسم میں تامل کرے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کپڑے اس کے جسم کے ساتھ چسپاں نہ ہوں اس طرح کہ وہ جسم کی ساخت کو بیان کر دیں اور نہ ہی وہ کپڑے باریک ہوں کہ وہ اپنے نیچے جسم کی ہیئت کو بیان کر دیں۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو چاہیے کہ وہ اپنی نظروں کو جھکا کر رکھے۔ ''التبیین'' میں ہے: علما نے کہا: اس کے جسم میں تامل کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک ایسا کپڑا نہ ہو جو اس کے حجم کو بیان کر دے پس اس وقت اس کی طرف نہ دیکھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

فَالرُّكْبَةُ عَوْرَةٌ لَا السُّرَّةُ
پس گھٹنا شرمگاہ ہے، ناف شرمگاہ نہیں۔ یعنی ایسا حصہ نہیں جس کا ڈھانپنا لازم ہو۔

کا فرمان ہے من تامل خلف امراة و رای ثیابها حتی تبین له حجم عظامها لم یرح رائحة الجنة(1) جس نے کسی عورت کے پچھلے حصے میں تامل کیا اور اس کے کپڑوں کو دیکھا یہاں تک کہ عورت کی ہڈیوں کا حجم اس کے لیے ظاہر ہو گیا تو وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔ کیونکہ جو اس عورت کے کپڑے اپنے نیچے موجود جسم کو بیان نہ کریں تو وہ اس کے کپڑوں اور اس کی قامت کو دیکھنے والا ہوتا ہے اس کے اعضاء کو دیکھنے والا نہیں ہوتا۔ پس وہ اس طرح ہو گیا جب وہ اس خیمہ کو دیکھنے والا ہو۔ جس میں وہ عورت ہے جب کپڑے اس کے جسم کی ہیئت کو بیان کریں تو وہ اس کے اعضاء کو دیکھنے والا ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ایسے کپڑے کو دیکھنا جو عضو کے حجم کو بیان کر دے یہ ممنوع ہے اگرچہ وہ کپڑا گھنا ہو جس سے جلد کا ظاہر دکھائی نہ دیتا ہو۔ ''المغرب'' میں کہا: یہ جملہ کہا جاتا ہے: میں نے حاملہ کو چھوا تو میں نے اس کے بطن میں بچے کا حجم پالیا یا لڑکی کے سینے پر پستان کا حجم پالیا جب اس نے حرکت دی۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا حجم ہو گیا یعنی اس میں سوجن اور ابھار واقع ہو گیا۔ اسی معنی میں ان کا یہ قول ہے: حتی یتبین حجم عظامها اس تعبیر کی بنا پر اس کے لیے حلال نہیں کہ غیر کی شرمگاہ کو اس کپڑے کے اوپر سے دیکھے جس پر کپڑا چسپاں ہو جو اس کے حجم کو بیان کر دے جو قول گزر چکا ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا جب وہ اس کے حجم کو بیان نہ کرے۔

مرد کا ستر

32025۔ (قولہ: فَالرُّكْبَةُ عَوْرَةٌ) ''دارقطنی'' کی روایت ہے: ما تحت السرة الی الرکبة عورة۔ ناف کے نیچے سے گھٹنے تک جسم کا ایسا حصہ ہے جس کو ڈھانپنا لازم ہے۔

جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے: رکبہ سے مراد یہ پنڈلی اور ران کی ہڈیوں کے ملنے کی جگہ ہے۔ ''برجندی'' میں ہے: ماتحت السرہ سے مراد وہ اس خط کے نیچے ہے جو ناف کے پاس سے گزرتا ہے اور اس کے بدن کے محیط پر گھومتا ہے اس طرح کہ اس کے محل سے دوری اس کی تمام اطراف میں برابر ہوتی ہے۔ ''ہدایہ'' میں ہے: ناف شرمگاہ میں سے نہیں ہے ''ابوعصمہ'' اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ گھٹنا شرمگاہ ہے امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ران شرمگاہ ہے اصحاب الظواہر نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ناف سے لے کر بال کے اگنے کی جگہ تک عورت ہے ''ابن فضل'' نے اس سے اختلاف کیا ہے جب کہ وہ اس میں عادت پر اعتماد کرتے ہیں۔ کیونکہ عادت کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا جب اس کے خلاف نص موجود ہو۔ گھٹنا میں عورت کا حکم ران میں اس کے حکم سے خفیف ہے۔ اور ران میں عورت کا حکم عورت غلیظہ کے حکم میں زیادہ خفیف ہے یہاں تک کہ جو اپنے گھٹنے کو ننگا کرتا ہے اس پر نرمی سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا جائے گا اور جو ران کو ننگا کرتا ہے اس پر سختی سے انکار کیا

1۔ البحر الرائق، کتاب الکراھیة، فصل فی النظر واللمس، جلد 8، صفحہ 352، دار الکتب العلمیہ بیروت

(وَمِنْ عِرْسِهِ وَأَمَتِهِ الْحَلَالِ) لَهُ وَطْؤُهَا فَخَرَجَ الْمَجُوسِيَّةُ وَالْمُكَاتَبَةُ وَالْمُشْرَكَةُ وَمَنْكُوحَةُ الْغَيْرِ وَالْمُحَرَّمَةُ بِرَضَاعٍ أَوْ مُصَاهَرَةٍ فَحُكْمُهَا كَالْأَجْنَبِيَّةِ مُجْتَبَى وَيُشْكِلُ بِالْمُفْضَاةِ فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ لَهُ وَطْؤُهَا

اور اپنی بیوی اور اپنی لونڈی جس سے وطی کرنا حلال ہے کی شرمگاہ کو شہوت اور شہوت کے بغیر دیکھ سکتا ہے۔ پس حلال کی قید سے مجوسیہ لونڈی، مکاتبہ، مشترکہ، غیر کی منکوحہ، رضاعت یا مصاہرت کی وجہ سے جو حرام ہو وہ اس سے خارج ہوگئی اس کا حکم اجنبیہ کی طرح ہے، ''مجتبیٰ''۔ اور جو عورت مفضاۃ ہو اس کے ساتھ اس قاعدہ پر اعتراض کیا جاتا ہے کیونکہ اس کے ساتھ وطی کرنا حلال نہیں ہے

جائے گا۔ اور جو عورت غلیظہ کو ننگا کرتا ہے اگر وہ اصرار کرے تو ادب سکھانے کے لیے اسے سزا دی جائے گی۔ ملخص

اپنی بیوی اور ایسی لونڈی جس سے وطی کرنا حلال ہو کی شرمگاہ کو دیکھنے کا جواز

32026۔ (قولہ: وَمِنْ عِرْسِهِ وَأَمَتِهِ) پس مرد اس کے برعکس ان دونوں کے جمیع بدن کو دیکھ سکتا ہے یعنی سر کی کھوپڑی سے قدم تک اگرچہ شہوت کے ساتھ ہو کیونکہ دیکھنا یہ حلال وطی سے کم ہے۔ ''قہستانی''۔

32027۔ (قولہ: الْحَلَالِ) ''المنح'' میں اسے لونڈی کی قید بنایا ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ اسے بیوی کی بھی قید بنایا جائے۔ کیونکہ ''قہستانی'' میں ہے: جس بیوی سے اس نے ظہار کیا ہوا ہو اس کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے جیسا امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ وہ اس کے بال، پشت اور سینہ دیکھے جس طرح ''قاضی خان'' میں ہے۔ جہاں تک حائضہ کا تعلق ہے تو مرد پر یہ حرام ہے کہ وہ تہبند کے نیچے والے حصہ کے قریب ہو۔ شارح نے باب الحیض میں کہا ہے: جہاں تک دیکھنے اور عورت کا مرد کے ساتھ مباشرت کے حلال ہونے کا تعلق ہے تو اس میں تردد ہے۔

32028۔ (قولہ: لَهُ وَطْؤُهَا) جار مجرور حلال کے متعلق ہے۔ وطوھا یہ فاعل ہے یعنی جس کے ساتھ اس کا وطی کرنا حلال ہے۔

32029۔ (قولہ: أَوْ مُصَاهَرَةٍ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس کی موطوءہ ہو یا اس کی بیٹی ہو۔

32030۔ (قولہ: فَحُكْمُهَا كَالْأَجْنَبِيَّةِ) یعنی اجنبی لونڈی کی طرح ہے۔ اس کی دلیل وہ ہے جو ''العنایہ'' میں ہے۔ کیونکہ کہا: اپنے قول من امتہ کی قید التی تحل لہ سے لگائی ہے۔ کیونکہ اپنی مجوسی لونڈی کا حکم اور جو اس کی رضاعی بہن ہو اس کا حکم دیکھنے میں غیر کی لونڈی کے حکم کی طرح ہے۔ کیونکہ تمام بدن کی طرف دیکھنے کا مباح ہونا یہ وطی کے حلال ہونے پر مبنی ہے۔ پس اس کے منتفی ہونے سے یہ منتفی ہو جائے گا۔

32031۔ (قولہ: وَيُشْكِلُ) وہ لونڈی جس سے وطی کرنا حلال ہے اس کی قید لگانا اگر وہ مفضاۃ ہو اور مفضاۃ وہ ہوتی ہے جس کے دونوں مسلک مل چکے ہوں۔

32032۔ (قولہ: فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ لَهُ وَطْؤُهَا) مگر اسے یہ علم ہو کہ اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ قبل میں وطی کرے جب کہ

وَيَنْظُرُ إِلَيْهَا قُهُسْتَانِيٌّ قُلْت وَقَدْ يُجَابُ بِأَنَّهُ أَغْلَبِيٌّ (إِلَى فَرْجِهَا) بِشَهْوَةٍ وَغَيْرِهَا وَالْأَوْلَى تَرْكُهُ لِأَنَّهُ يُورِثُ النِّسْيَانَ (وَمِنْ مَحْرَمِهِ) هِيَ مَنْ لَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا أَبَدًا بِنَسَبٍ
اور وہ اس کی طرف دیکھ سکتا ہے، ''قہستانی''۔ میں کہتا ہوں: بعض اوقات اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یہ قاعدہ اغلبی ہے تاہم اولیٰ یہ ہے کہ ان عورتوں کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے کیونکہ یہ نسیان پیدا کر دیتا ہے۔ اور وہ اپنے محرم، محرم وہ عورت ہے جس کے ساتھ اس کا نکاح ہمیشہ کے لیے حلال نہیں ہوتا وہ نسب کی وجہ سے ہو

دبر میں واقع نہ ہو۔ اگر اسے شک ہو تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اس کے ساتھ وطی کرے جس طرح ''ہندیہ'' میں ہے۔

میاں بیوی کا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو نہ دیکھنا افضل ہے

32033۔ (قولہ: وَالْأَوْلَى تَرْكُهُ) ''ہدایہ'' میں ہے: زیادہ بہتر یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے کوئی ایک اپنے ساتھی کی شرمگاہ نہ دیکھے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اذا اتی احدکم اهله فليستتر ما استطاع ولا يتجردان تجرد العير(1) جب تم میں سے کوئی ایک اپنے اہل کے پاس آئے تو جس قدر طاقت رکھے ستر کا اہتمام کرے اور گدھے کے تجرد کی طرح دونوں بے لباس نہ ہوں۔ کیونکہ یہ انداز نسیان کا سبب بنتا ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں اثر وارد ہوا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ دیکھے تاکہ لذت کے معنی کے حصول میں زیادہ موثر ہو۔ لیکن ''عینی'' کی شرح میں یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت نہیں۔ یہ نہ سند صحیح سے اور نہ ہی سند ضعیف سے ثابت ہے۔

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: میں نے امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس آدمی کے متعلق پوچھا جو اپنی بیوی کی شرمگاہ کو چھوتا ہے اور وہ عورت اپنے خاوند کی شرمگاہ کو چھوتی ہے تاکہ اس پر اس کے جذبات متحرک ہوں کیا آپ اس میں کوئی حرج دیکھتے ہیں؟ فرمایا: نہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ ان کا اجر بڑھ جائے گا۔ ''ذخیرہ''۔

32034۔ (قولہ: لِأَنَّهُ يُورِثُ النِّسْيَانَ) یعنی یہ عمل نسیان کا باعث ہوتا ہے اور نظر کو کمزور کر دیتا ہے۔ ''ط''۔

تنبیہ

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مرد اپنی لونڈی کو دیکھ سکتا ہے جو اس مرد کے لیے حلال ہو اور لونڈی مرد کے تمام بدن کو دیکھ سکتی ہے۔ ''منلا مسکین'' نے کہا: جہاں تک مالکہ کا اپنی لونڈی کے تمام بدن کو دیکھنے کا تعلق ہے اور لونڈی کے اپنی مالکہ کو دیکھنے کا تعلق ہے تو یہ غیر معلوم ہے۔ اس کے محشی ''ابوسعود'' نے ذکر کیا ہے کہ یہ مصنف کے قول والمراۃ للمراۃ سے مستفاد ہے۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم اسی طرح ہے۔ کیونکہ اگر عورت اس امر میں مرد کی طرح ہوتی تو علما اس کی ضرور وضاحت کرتے اور اس کی علت یہ بھی ہے کہ زینت کے مواقع کے علاوہ کی طرف دیکھنے کے حلال ہونے کا دارومدار وطی کے حلال ہونے پر ہے جس طرح قول گزر چکا ہے۔ ''العنایہ'' اور ''النہایہ'' میں الاستبراء سے پہلے ہے جس کی نص یہ ہے: تمام

1۔ نصب الرایہ، کتاب الکراہیۃ، فصل فی الوطء والنظر واللمس، جلد 4، صفحہ 548

أَوْ سَبَبٍ وَلَوْ بِزِنًا (إِلَى الرَّأْسِ وَالْوَجْهِ وَالصَّدْرِ وَالسَّاقِ وَالْعَضُدِ إِنْ أَمِنَ شَهْوَتَهُ) وَشَهْوَتَهَا أَيْضًا ذَكَرَهُ فِي الْهِدَايَةِ فَمَنْ قَصَرَهُ عَلَى الْأَوَّلِ فَقَدْ قَصَّرَ ابْنُ كَمَالٍ (وَإِلَّا لَا، لَا إِلَى الظَّهْرِ وَالْبَطْنِ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ (وَالْفَخِذِ) وَأَصْلُهُ قَوْلُهُ تَعَالَى وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ الْآيَةَ وَتِلْكَ الْمَذْكُورَاتُ مَوَاضِعُ الزِّينَةِ بِخِلَافِ الظَّهْرِ وَنَحْوِهِ (وَحُكْمُ أَمَةِ غَيْرِهِ)

یا سبب کی وجہ سے ہواگر چہ سبب زنا ہو، کے سر، چہرہ، سینہ، پنڈلی اور بازو کی طرف دیکھ سکتا ہے اگر اسے اپنی شہوت اور اس عورت کی شہوت سے بھی امن ہو۔ اسے ''ہدایہ'' میں ذکر کیا ہے۔ جس نے صرف پہلے پر اکتفا کیا ہے تو اس نے کوتاہی کی ہے، ''ابن کمال''۔ اگر شہوت سے امن نہ ہو تو پھر دیکھنا جائز نہیں۔ اس کی پشت اور پیٹ کی طرف نہیں دیکھ سکتا۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور اس کی طرف نہیں دیکھ سکتا اس کی اصل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اور وہ اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے لیے۔ اور مذکورہ اعضاء زینت کی جگہیں ہیں۔ پشت وغیرہ کا معاملہ مختلف ہے۔ اور غیر کی لونڈی، عورتیں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کے حلال ہونے میں برابر ہیں۔

32035۔ (قولہ: أَوْ سَبَبٍ) اس سے مراد رضاعت اور مصاہرت ہے۔

32036۔ (قولہ: وَلَوْ بِزِنًا) یعنی اگر اس عورت کے اس مرد کے ساتھ نکاح کا حلال نہ ہونا اس عورت کے اصول یا فروع میں سے کسی کے ساتھ زنا کرنے کے سبب سے ہو۔ ''زیلعی'' نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اجنبی عورت کی طرح ہے۔ پہلا قول اصح ہے۔ یہ حقیقت کا اعتبار کرنے کی بنا پر ہے کیونکہ وہ اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔

32037۔ (قولہ: فَمَنْ قَصَرَهُ عَلَى الْأَوَّلِ) یعنی جس نے مرد کی جانب سے امن کی قید پر اکتفا کیا ہے یہ ''تاج الشریعہ'' اور مصنف پر بھی چوٹ ہے۔

32038۔ (قولہ: لَا إِلَى الظَّهْرِ وَالْبَطْنِ الخ) ساتھ ہی وہ اعضا جو ان دونوں کے تابع ہیں جیسے دونوں پہلو، دونوں فرج، دونوں سرین اور دونوں گھٹنے۔ ''قہستانی''۔

زینت کے مواضع

32039۔ (قولہ: وَتِلْكَ الْمَذْكُورَاتُ مَوَاضِعُ الزِّينَةِ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آیت میں مراد نفس کی زینت نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی طرف دیکھنا مطلق مباح ہے بلکہ مراد ان کے مواضع ہیں۔ سر تاج کا محل ہے، چہرہ سرمہ کا محل ہے گردن اور سینہ یہ ہار کا محل ہے، کان بالی کا محل ہے اور بازو بازو بند کا محل ہے، کلائی کنگن کا محل ہے، ہتھیلی انگوٹھی اور خضاب کا محل ہے پنڈلی پازیب کا محل ہے اور قدم خضاب کا محل ہے، ''زیلعی''۔ بال جوڑے کا محل ہے ''اتقانی''۔ دملوج، عصفور کی طرح ہے اور دملج اس سے مقصور ہے ''مصباح''۔ یہ بازو کا زیور ہے۔ عقص یہ ایک تسمہ ہے جس کے ساتھ بال جمع کیے جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سیاہ دھاگے ہوتے ہیں یعنی پراندہ جس کے ساتھ عورت اپنے بال جوڑتی ہے۔ ''مغرب''۔

وَلَوْ مُدَبَّرَةً أَوْ أُمَّ وَلَدٍ (كَذٰلِكَ) فَيَنْظُرُ إِلَيْهَا كَمَحْرَمِهِ (وَمَا حَلَّ نَظَرُهُ) مِمَّا مَرَّ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى (حَلَّ لَمْسُهُ) إِذَا أَمِنَ الشَّهْوَةَ عَلَى نَفْسِهِ وَعَلَيْهَا لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يُقَبِّلُ رَأْسَ فَاطِمَةَ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَنْ قَبَّلَ رِجْلَ أُمِّهِ فَكَأَنَّمَا قَبَّلَ عَتَبَةَ الْجَنَّةِ وَإِنْ لَمْ يَأْمَنْ ذٰلِكَ أَوْ شَكَّ، فَلَا يَحِلُّ لَهُ النَّظَرُ وَالْمَسُّ كَشْفُ الْحَقَائِقِ لِابْنِ سُلْطَانٍ وَالْمُجْتَبٰى (إِلَّا مِنْ أَجْنَبِيَّةٍ) فَلَا يَحِلُّ مَسُّ وَجْهِهَا وَكَفِّهَا

اگر چہ مدبرہ یا ام ولد ہو، کا حکم اسی طرح ہے۔ پس وہ اس کی طرف دیکھے گا جس طرح وہ اپنے محرم کی طرف دیکھتا ہے۔ اور مذکر یا مؤنث میں سے جس کا دیکھنا حلال ہے اس کو چھونا بھی حلال ہے جب اسے اپنی ذات اور اس عورت پر شہوت سے امن ہو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سر کو بوسہ دیا کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنی ماں کے پاؤں کو بوسہ دیا گویا اس نے جنت کی عتبہ کو بوسہ دیا اگر اسے امن نہ ہو یا اسے شک ہو تو اس کے لیے دیکھنا اور مس کرنا حلال نہیں۔ ''کشف الحقائق'' ''لابن سلطان''، ''مجتبیٰ''۔ مگر اجنبی عورت کا معاملہ مختلف ہے۔ پس اس کے چہرہ اور اس کی ہتھیلی کو چھونا حلال نہیں

33040۔ (قولہ: وَلَوْ مُدَبَّرَةً أَوْ أُمَّ وَلَدٍ) اسی طرح مکاتبہ اور جس کا بعض آزاد ہو۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ ''قہستانی''۔

لونڈی کو دیکھنے کا شرعی حکم

33041۔ (قولہ: فَيَنْظُرُ إِلَيْهَا كَمَحْرَمِهِ) کیونکہ وہ لونڈی اپنے آقا کی ضروریات کے لیے نکلتی ہے اور اس کے مہمانوں کی خدمت کرتی ہے جب کہ وہ کام کاج کے لباس میں ہوتی ہے پس گھر کے باہر اس کا حال اجنبیوں کے حق میں اسی طرح ہے جس طرح ایک عورت کا حال گھر کے اندر قریبی محرموں کے حق میں ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی لونڈی کو نقاب پہنے ہوئے دیکھتے تھے تو اس پر درہ اٹھا لیتے اور فرماتے: اپنی اوڑھنی کو اتار پھینک۔ اے بدبودار کیا تو آزاد عورتوں کی مشابہت اختیار کرتی ہے؟ ''ہدایہ''۔ دفار یہ دال مہملہ کے ساتھ ہے جس طرح فعال یہ مبنی علی الکسر ہے۔ دفر سے مشتق ہے جس سے مراد بدبو ہے۔

33042۔ (قولہ: أَوْ شَكَّ) اس کا معنی ہے دونوں امروں کا مساوی ہو جانا۔ ''تاتر خانیہ''۔

اجنبی عورت کے چہرے اور اس کی ہتھیلی کو چھونے کی حرمت

33043۔ (قولہ: إِلَّا مِنْ أَجْنَبِيَّةٍ) یعنی لونڈی کے علاوہ۔ ''تاتر خانیہ'' میں ''جامع الجوامع'' سے مروی ہے: کوئی حرج نہیں کہ لونڈی مرد کو چھوئے اس کو تیل لگائے اور اسے غمزہ کرے جب تک اسے شہوت نہ آئے مگر ناف اور گھٹنا کے درمیان ایسا نہ کرے۔

33044۔ (قولہ: فَلَا يَحِلُّ مَسُّ وَجْهِهَا) اس کے چہرے کو مس کرنا حلال نہیں اگر چہ اس کی طرف دیکھنا جائز ہوتا

وَإِنْ أَمِنَ الشَّهْوَةَ: لِأَنَّهُ أَغْلَظُ وَلِهٰذَا تَثْبُتُ بِهِ حُرْمَةُ الْمُصَاهَرَةِ وَهٰذَا فِي الشَّابَّةِ، أَمَّا الْعَجُوزُ الَّتِي لَا تُشْتَهٰى فَلَا بَأْسَ بِمُصَافَحَتِهَا وَمَسِّ يَدِهَا إِذَا أَمِنَ، وَمَتٰى جَازَ الْمَسُّ جَازَ سَفَرُهُ بِهَا وَيَخْلُو إِذَا أَمِنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهَا وَإِلَّا لَا

اگرچہ شہوت سے امن ہو۔ کیونکہ چھونا دیکھنے سے زیادہ سخت ہے۔ اسی وجہ سے چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے۔ یہ حکم ان کے بارے میں ہے۔ ایسی بوڑھی عورت جسے دیکھ کر شہوت نہیں آتی تو اس سے مصافحہ کرنے اور اس کے ہاتھ کو چھونے میں کوئی حرج نہیں۔ جب اسے امن ہو جب اس کو چھونا جائز ہے تو اس عورت کے ساتھ سفر کرنا بھی جائز ہے۔ جب اسے اپنی ذات اور عورت پر امن ہو تو اس کے ساتھ کمرہ میں تنہا رہ سکتا ہے ورنہ نہیں۔

ہے جس طرح آگے آئے گا۔

33045۔ (قولہ: وَلِهٰذَا تَثْبُتُ بِهِ حُرْمَةُ الْمُصَاهَرَةِ) یہ اس امر کی علت بیان کی جارہی ہے کہ یہ دیکھنے سے زیادہ سخت ہے۔ مراد ہے جب وہ شہوت سے ہو۔ یہ قول محارم اور لونڈیوں کو عام ہے یہاں تک کہ اگر وہ اپنی پھوپھی یا اپنی لونڈی کو شہوت سے چھوئے تو اس کی بیٹی اس پر حرام ہو جائے گی۔

بڑھیا سے مصافحہ اور اس کے ساتھ سفر کرنے کا شرعی حکم

33046۔ (قولہ: أَمَّا الْعَجُوزُ الخ) ایک روایت میں ہے یہ شرط ہے کہ مرد بھی ایسا ہو جسے شہوت نہ آتی ہو۔ ''قہستانی'' نے ''کرمانی'' سے نقل کیا ہے۔ ''الذخیرہ'' میں کہا: اگر وہ ایسی بڑھیا ہو جسے شہوت نہ آتی ہو تو اس کے ساتھ مصافحہ کرنے اور اس کے ہاتھ کے چھونے میں کوئی حرج نہیں۔ اس طرح اگر وہ مرد بوڑھا ہو جسے اپنی ذات اور اس عورت پر امن ہو تو اس بوڑھے کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ اس عورت کے ساتھ مصافحہ کرے۔ اگر اس مرد کو اپنی ذات یا اس عورت پر امن نہ ہو تو وہ اس سے اجتناب کرے۔ پھر امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے مرد کے لیے مباح قرار دیا ہے کہ وہ چھوئے جب عورت بوڑھی ہو اور مرد میں یہ شرط نہیں لگائی کہ وہ ایسی حالت میں ہو جس کی مثل جماع نہیں کرتا اور اس میں بھی یہ شرط نہیں لگائی جب چھونے والی عورت ہو۔ جب دونوں بوڑھے ہوں جس مرد کی مثل جماع نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی عورت کی مثل جماع کرتی ہے تو مصافحہ میں کوئی حرج نہیں۔ پس فتویٰ کے وقت اس میں غور و فکر کیا جائے۔

33047۔ (قولہ: جَازَ سَفَرُهُ بِهَا) اور وہ مرد نہ ہو مگر محارم میں اور غیر کی لونڈی میں۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے غیر کی لونڈیوں کے ساتھ خلوت اور سفر کرنے کا ذکر نہیں کیا۔ مشائخ نے حلت اور عدم حلت میں اختلاف کیا ہے۔ یہ دونوں قول ایسے ہیں جن کی تصحیح کی گئی ہے۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: لیکن یہ ان کے زمانہ میں تھا۔ کیونکہ شارح عنقریب ''ابن کمال'' سے اسے ذکر کریں گے کہ ہمارے زمانے میں لونڈی محرم کے بغیر سفر نہیں کرے گی کیونکہ فسادی لوگوں کا غلبہ ہو چکا ہے اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ فتامل

وَفِي الْأَشْبَاهِ الْخَلْوَةُ بِالْأَجْنَبِيَّةِ حَرَامٌ إِلَّا لِمُلَازَمَةِ مَدْيُونَةٍ هَرَبَتْ وَدَخَلَتْ خَرِبَةً أَوْ كَانَتْ عَجُوزًا شَوْهَاءَ أَوْ بِحَائِلٍ، وَالْخَلْوَةُ بِالْمَحْرَمِ مُبَاحَةٌ

''الاشباہ'' میں ہے: اجنبی عورت سے خلوت حرام ہے مگر اس مدیونہ کا پیچھا کرنے کے لیے جو قرض ادا کرنے سے بھاگ گئی ہو اور کھنڈر میں داخل ہوگئی ہو یا وہ بوڑھی عورت جو سخت بدصورت ہو یا دونوں کے درمیان پردہ حائل ہو۔ اور محرم کے ساتھ خلوت مباح ہے

33048۔ (قولہ: الْخَلْوَةُ بِالْأَجْنَبِيَّةِ) یعنی آزاد اجنبی عورت کے ساتھ خلوت کرنا۔ کیونکہ تو لونڈی کے بارے میں اختلاف جان چکا ہے۔ قولہ: حرام۔ ''القنیہ'' میں کہا ہے: مکروھۃ کراھۃ تحریم۔ امام ''ابو یوسف'' رطیٹھایہ سے مروی ہے: یہ حرام نہیں۔

غیر محرم کے ساتھ خلوت کا شرعی حکم

33049۔ (قولہ: أَوْ كَانَتْ عَجُوزًا شَوْهَاءَ) ''القنیہ'' میں کہا ہے: علما نے اس پر اجماع کیا ہے کہ بوڑھی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔ پس وہ مرد کے ساتھ خلوت نہ کرے وہ مرد جوان ہو یا بوڑھا ہو۔ اور ایسی عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ بوڑھے مردوں سے مصافحہ کرے۔ ''شفاء'' میں ''کرمینی'' سے منقول ہے: بدصورت بوڑھی اور ایسا بوڑھا جس کی مثل جماع نہیں کرتا وہ محارم کے قائم مقام ہیں۔ جو بھی متبادر سمجھ آتا ہے وہ یہ ہے کہ دونوں محارم کے قائم مقام ہیں جب انہیں دوسرے اجنبیوں کی طرف منسوب کیا جائے۔ یہ احتمال موجود ہے کہ مراد یہ ہے کہ وہ بوڑھا اس عورت کے ساتھ محارم کی طرح ہے۔ دونوں وجوہ کا احتمال اس کی تائید کرتا ہے جسے ہم ابھی پہلے ''الذخیرہ'' سے نقل کر چکے ہیں۔ دوسری وجہ کی صورت میں شارح نے جو اطلاق کا ذکر کیا ہے اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ فتدبر

33050۔ (قولہ: أَوْ بِحَائِلٍ) ''القنیہ'' میں کہا ہے: مرد گھر ایک کمرہ میں سکونت پذیر ہے اور عورت اس گھر کے دوسرے کمرہ میں سکونت پذیر ہے ہر ایک کی علیحدہ کنڈی ہے لیکن گھر کا دروازہ ایک ہے تو یہ مکروہ نہ ہوگا جب ایک مرد انہیں جمع نہ کر دے۔ اس کے لیے تین رموز ذکر کیں پھر ایک اور کتاب کی طرف اشارہ کیا یہ خلوت ہے پس یہ حلال نہیں پھر اسے ذکر کیا۔ اگر اس نے اسے طلاق بائنہ دی مگر کمرہ ایک ہی ہے وہ درمیان میں پردہ ڈال لے۔ کیونکہ اگر پردہ نہ ہوتو اس میں اور اجنبی عورت میں خلوت واقع ہوئی جب کہ ان دونوں کے پاس محرم نہیں۔ یہ قول اس قول کی صحت پر دال ہے جو علماء نے کہا ہے کیونکہ دو کمرے جو ایک گھر کے ہیں وہ پردہ کی طرح ہیں بلکہ اس سے اولیٰ ہیں اور جو انہوں نے ذکر کیا کہ پردہ کافی ہے یہ اس کے ساتھ مشروط ہے جب خاوند فاسق نہ ہو۔ اگر وہ فاسق ہوتو دونوں کے درمیان ایک قابل اعتماد عورت حائل کی جائے گی جو دونوں میں رکاوٹ پر قادر ہو جس طرح ''الاحداد'' کی فصل میں اسے ذکر کیا ہے۔ صاحب ''البحر'' نے وہاں اس کی مثل بحث کی ہے جو ''القنیہ'' میں قول کیا ہے۔ کہا: ممکن ہے کہ اجنبی عورت کے بارے میں یہی کہا جائے اگرچہ وہ اس کی معتدہ نہ ہو مگر

إِلَّا الْأُخْتَ رَضَاعًا، وَالصِّهْرَةَ الشَّابَّةَ وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ مَعْزِيًّا لِلْجَوْهَرَةِ
مگر جب وہ رضاعی بہن ہو اور نوجوان ساس ہو۔ ''شرنبلالیہ'' میں ''جوہرہ'' کی طرف منسوب ہے:

کوئی ایسا قول پایا جائے تو اس کے برعکس کو قبول کر لیا جائے گا۔ ''الفتح'' میں ذکر کیا ہے کہ جب عورت کا خاوند فوت ہو جائے تو پردہ کا حکم اسی طرح ہوگا اور خاوند کے ورثاء میں سے ایسے لوگ ہیں جو اس عورت کے محرم نہیں۔

میں کہتا ہوں: ''القنیہ'' کا قول: ولیس معهما محرم اس امر کو بیان کرتا ہے اگر کوئی اور محرم ہو تو پھر خلوت نہیں ہے۔ اس سے جو ماحصل سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ حرام خلوت رکاوٹ کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے اور اسی طرح محرم کے موجود ہونے یا قابل اعتماد عورت جو روکنے پر قادر ہو اس کے موجود ہونے سے خلوت ختم ہو جاتی ہے۔

کیا کسی اجنبی آدمی کے موجود ہونے سے بھی خلوت کی نفی ہو جاتی ہے؟ میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا۔ لیکن ''البحر'' کی کتاب الامامۃ میں ''اسبیجابی'' سے یہ مروی ہے: مرد کے لیے یہ مکروہ ہے کہ وہ کسی کمرے میں عورتوں کو جماعت کرائے اور عورتوں کے ساتھ کوئی مرد نہ ہو اور نہ ہی کوئی محرم ہو جیسے اس کی بیوی، اس کی لونڈی اور اس کی بہن۔ اگر ان میں سے کوئی ایسا ہو تو یہ مکروہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح جب وہ مسجد میں عورتوں کو امامت کرائے تو یہ مکروہ نہیں ہوگا۔ جن کا ذکر کیا گیا ہے ان پر محرم کا اطلاق یہ تغلیب ہے۔ ''بحر''۔ ظاہر یہ ہے کہ کراہت کی علت خلوت ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ خلوت کسی دوسرے آدمی کی موجودگی میں ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ قول اس امر کا بھی فائدہ دیتا ہے کہ خلوت کسی دوسری عورت کے موجود ہونے سے ختم نہیں ہوتی تو پہلے جو قابل اعتماد پر اکتفا کرنے کا قول گزرا ہے یہ اس کے مخالف ہے۔ پھر میں نے ''منیۃ المفتی'' میں دیکھا ہے جس کی نص یہ ہے: اجنبی عورت سے خلوت مکروہ تحریمی ہے اگرچہ اس کے ساتھ کوئی اور عورت ہو۔ میرے لیے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ قابل اعتماد عورت ان کی مراد یہ ہے کہ وہ بوڑھی ہو اس کی مثل سے جماع نہ کیا جاتا ہو۔ وہ اپنے مالک اور مطلقہ عورت دفاع کرنے پر قادر ہو۔ فلیتامل

نوجوان ساس اور رضاعی بہن کے ساتھ خلوت کا عدم جواز

33051۔ (قولہ: إِلَّا الْأُخْتَ رَضَاعًا) ''القنیہ'' میں کہا: استحسان القاضی الصدر الشہید میں ہے: رضاعی بھائی کو چاہیے کہ وہ رضاعی بہن کے ساتھ خلوت نہ کرے کیونکہ وہاں غالب یہ ہوتا ہے کہ جماع میں جا پڑے۔ علامہ ''بیری'' نے یہ بیان کیا ہے: چاہیے کہ اس کا معنی وجوب ہو۔

33052۔ (قولہ: وَالصِّهْرَةَ الشَّابَّةَ) ''القنیہ'' میں کہا: ایک عورت اپنے خاوند اور اپنی ماں کو چھوڑ کر مر گئی تو انہیں یہ حق حاصل ہے کہ وہ دونوں ایک گھر میں رہیں جب دونوں کو فتنہ کا خوف نہ ہو۔ اگر ساس جوان ہو تو اس کے پڑوسیوں کو حق حاصل ہے کہ وہ اس ساس کو اس سے منع کریں جب انہیں دونوں کے بارے میں فتنہ کا خوف ہو۔ مرد کے اصہار اس کی بیوی کا ہر ذی رحم ہے۔ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا اختیار ہے۔ یہاں مسئلہ اس کی ماں کے بارے میں ہے۔ علت اس امر کا فائدہ دیتی ہے

وَلَا يُكَلِّمُ الْأَجْنَبِيَّةَ إِلَّا عَجُوزًا عَطَسَتْ أَوْ سَلَّمَتْ فَيُشَمِّتُهَا وَيَرُدُّ السَّلَامَ عَلَيْهَا وَإِلَّا لَا انْتَهَى، وَبِهِ بَانَ أَنَّ لَفْظَهُ لَا فِي نَقْلِ الْقُهُسْتَانِيِّ، وَيُكَلِّمُهَا بِمَا لَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ زَائِدَةٌ فَتَنَبَّهْ (وَلَهُ مَسُّ ذَلِكَ) أَيْ مَا حَلَّ نَظَرُهُ (إِذَا أَرَادَ الشِّرَاءَ وَإِنْ خَافَ شَهْوَتَهُ) لِلضَّرُورَةِ وَقِيلَ لَا فِي زَمَانِنَا

وہ اجنبی عورت سے کلام نہ کرے مگر جب وہ بوڑھی جو چھینک مارے یا سلام کرے تو وہ یرحمک اللہ کہے اور اسے سلام کا جواب دے ورنہ وہ ایسا نہ کرے گفتگو اختتام کو پہنچ گئی۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ''قہستانی'' کی نقل میں لا کا لفظ و یکلمها بما لا یحتاج الیه میں زائد ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ یعنی جسے دیکھنا اس کے لیے حلال ہے اس کو چھونا حلال ہوگا جب وہ خریداری کا ارادہ کرے اگر چہ اسے شہوت کا خوف ہو۔ کیونکہ یہاں چھونے کی ضرورت موجود ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہمارے زمانے میں ایسا نہیں۔

کہ حکم اس کی بیٹی وغیرہ میں اسی طرح ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

33053۔ (قوله: وَإِلَّا لَا) یعنی اگر وہ بوڑھی نہ ہو بلکہ جوان ہو تو چھینک کا جواب نہ دے اور زبان سے اسے سلام کا جواب نہ دے۔ ''الخانیہ'' میں کہا: اسی طرح مرد کا عورت کے ساتھ معاملہ ہے جب دونوں ملیں تو مرد پہلے سلام کرے جب اجنبی عورت ایک مرد کو سلام کرے۔ اگر وہ بوڑھا ہو تو مرد زبان سے اتنی آواز کے ساتھ اسے سلام کا جواب دے جسے وہ سن لے۔ اگر وہ عورت جوان ہو تو دل میں اسے جواب دے۔ یہی حکم ہے جب مرد اجنبی عورت کو سلام کرے تو جواب اس کے برعکس ہوگا۔ ''الذخیرہ'' میں ہے: جب مرد کو چھینک آئے تو عورت اس کا جواب نہیں دے گی، اگر مرد بوڑھا ہو تو اسے جواب دے ورنہ اپنے دل میں اسے جواب دے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر عورت چھینک مارے جس طرح ''الخلاصہ'' میں ہے۔

33054۔ (قوله: فِي نَقْلِ الْقُهُسْتَانِيِّ) یعنی ''المبسوط'' کی کتاب البیوع ہے۔

33055۔ (قوله: زَائِدَةٌ) ''القنیہ'' میں ان کا قول جو رمز کی صورت میں ہے: و یجوز الکلام المباح مع امرأة اجنبية اسے بعید قرار دیتا ہے۔ ''مجتبیٰ'' میں رمز کی صورت میں ہے: حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ عورتوں کے ساتھ ایسی گفتگو کرے جس کی حاجت نہ ہو۔ یہ بے مقصد امر میں داخل ہونا نہیں یہ تو ایسی کلام کے بارے میں ہے جس میں گناہ ہے۔ پس ظاہر یہ ہے کہ یہ دوسرا قول ہے یا یہ بوڑھی عورت سے کلام کرنے کے بارے میں ہے۔ تامل۔

شروط الصلاۃ میں یہ گزر چکا ہے کہ عورت کی آواز راجح قول کے مطابق ان چیزوں میں سے ہے جس کو چھپانا ضروری ہے اس بارے میں کلام گزر چکی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

33056۔ (قوله: لِلضَّرُورَةِ) یہ اس کی جلد کی نرمی کو پہچاننا ہے یہ صحیح غرض ہے پس چھونا حلال ہوگا ''اتقانی''۔

33057۔ (قوله: فِي زَمَانِنَا) شاید اس قید لگانے کی وجہ سے ہے کہ ہمارے زمانہ میں شہوت کا غلبہ ہے۔ بعض اوقات چھونا اس سے اوپر کی طرف لے جاتا ہے۔ سلف کے زمانہ کا معاملہ مختلف ہے۔ ''الاختیار'' میں کہا: چھونا حرام ہے۔

وَبِهِ جَزَمَ فِي الِاخْتِيَارِ (وَأَمَةٌ بَلَغَتْ حَدَّ الشَّهْوَةِ لَا تُعْرَضُ) عَلَى الْبَيْعِ (فِي إزَارٍ وَاحِدٍ) يَسْتُرُ مَا بَيْنَ السُّرَّةِ وَالرُّكْبَةِ لِأَنَّ ظَهْرَهَا وَبَطْنَهَا عَوْرَةٌ (وَ) يَنْظُرُ (مِنَ الْأَجْنَبِيَّةِ) وَلَوْ كَافِرَةً مُجْتَبَى (إلَى وَجْهِهَا وَكَفَّيْهَا فَقَط) لِلضَّرُورَةِ قِيلَ وَالْقَدَمِ وَالذِّرَاعِ إذَا أَجَرَتْ نَفْسَهَا لِلْخَبْزِ تَتَارْخَانِيَّةٌ

''الاختیار'' میں اسے یقین کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ایک لونڈی ہے جو شہوت کی عمر کو پہنچ چکی ہے تو اسے ایک تہبند میں بیع پر پیش نہیں کیا جائے گا جو تہبند ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصہ کو ڈھانپ لے۔ کیونکہ اس کی پشت اور اس کا بطن عورت ہے اور وہ اجنبی عورت اگرچہ کافر ہو''مجتبیٰ''۔ صرف چہرہ اور ہتھیلیوں کو دیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ ضرورت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قدم اور کلائی دیکھ سکتا ہے جب وہ روٹی پکانے کے لیے اپنے آپ کو اجرت پر پیش کرے''تاتر خانیہ''۔

کیونکہ یہ لطف اندوز ہونے کی طرف لے جاتا ہے وہ وطی ہے۔

33058۔ (قولہ: وَبِهِ جَزَمَ فِي الِاخْتِيَارِ) ''الخانیہ'' اور ''المجتبیٰ'' میں یہ اسی طرح ہے۔ ''ہدایہ'' وغیرہ میں اسے اپنے مشائخ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''در منتقی''۔ ''اتقانی'' نے فخر الاسلام کی ''شرح جامع صغیر'' سے انہوں نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ نوجوان کے لیے چھونا مکروہ ہے۔ کیونکہ نظر میں کفایت موجود ہے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں کوئی حرج نہیں دیکھا کیونکہ اس کی جلد سے آگاہی کی ضرورت ہے۔

33059۔ (قولہ: وَأَمَةٌ بَلَغَتْ حَدَّ الشَّهْوَةِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس قابل ہو کہ اس کے ساتھ جماع کیا جا سکے۔ سات یا نو سال کی عمر کا اعتبار نہیں جس طرح ''زیلعی'' وغیرہ نے باب الامامۃ میں اس کی تصریح کی ہے۔ پھر مصنف ''الدرر'' کی اتباع میں جس پر گامزن ہوئے ہیں وہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت مروی ہے۔ یہ اس کے خلاف ہے جس پر ''کنز''، ''ملتقی''، ''مختصر قدوری'' وغیرہا میں گامزن ہوئے ہیں۔ ''ہدایہ'' میں کہا: جب لونڈی کو حیض آ جائے تو ایک تہبند میں اسے بیچنے کے لیے پیش نہیں کیا جائے گا۔ حاضت کا معنی ہے وہ بالغ ہو جائے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: جب اسے دیکھ کر شہوت آ جائے اور اس کی مثل سے جماع کیا جاتا ہو تو وہ بالغ کی طرح ہو گی۔ اسے ایک تہبند میں پیش نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اشتہا موجود ہے۔ تامل۔

33060۔ (قولہ: وَكَفَّيْهَا) شروط الصلاۃ میں یہ گزر چکا ہے کہ عورت کی ہتھیلی کی پشت قابل ستر ہے۔ یہ مذہب ہے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس سے یہاں تعرض کیا ہو۔

33061۔ (قولہ: قِيلَ وَالْقَدَمِ) شروط الصلاۃ میں یہ گزر چکا ہے کہ دونوں قدم معتمد قول کے مطابق قابل ستر نہیں اس میں روایت اور تصحیح میں اختلاف ہے۔ ''الاختیار'' میں اس کی تصحیح کی ہے کہ یہ نماز کے باہر قابل ستر ہے نماز میں قابل ستر نہیں۔ ''شرح المنیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے اس کا مطلقاً قابل ستر ہونا یہ احادیث سے ثابت ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

33062۔ (قولہ: إذَا أَجَرَتْ نَفْسَهَا لِلْخَبْزِ) اس کی مثل کھانا پکانا اور کپڑے دھونا ہے۔ ''اتقانی'' نے کہا: امام

(وَعَبْدُهَا كَالْأَجْنَبِيِّ مَعَهَا) فَيَنْظُرُ لِوَجْهِهَا وَكَفَّيْهَا فَقَطْ نَعَمْ يَدْخُلُ عَلَيْهَا بِلَا إِذْنِهَا إِجْمَاعًا، وَلَا يُسَافِرُ بِهَا إِجْمَاعًا خُلَاصَةٌ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ وَمَالِكٍ يَنْظُرُ كَمَحْرَمِهِ (فَإِنْ خَافَ الشَّهْوَةَ) أَوْ شَكَّ (امْتَنَعَ نَظَرُهُ إِلَى وَجْهِهَا) فَحِلُّ النَّظَرِ مُقَيَّدٌ بِعَدَمِ الشَّهْوَةِ وَإِلَّا فَحَرَامٌ وَهَذَا فِي زَمَانِهِمْ، وَأَمَّا فِي زَمَانِنَا فَمَنَعَ مِنَ الشَّابَّةِ قُهُسْتَانِيٌّ وَغَيْرُهُ

اور عورت کا غلام اس مالکہ کے ساتھ اجنبی کی طرح ہے وہ صرف اس کا چہرہ اور اس کی دونوں ہتھیلیاں دیکھ سکتا ہے۔ ہاں اس مالکہ کی اجازت کے بغیر اس کے ہاں جاسکتا ہے اس پر اجماع ہے۔ اور بالا جماع وہ اس کے ساتھ سفر نہیں کرے گا ''خلاصہ''۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''مالک'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ اسے اپنی محرم کی طرح دیکھے گا۔ اگر شہوت کا خوف ہو یا شک ہو تو اس کا عورت کے چہرے کو دیکھنا ممتنع ہوگا۔ پس دیکھنے کا حلال ہونا یہ عدم شہوت کے ساتھ مقید ہے ورنہ یہ حرام ہوگا۔ یہ ان کے زمانہ میں ہے۔ جہاں تک ہمارے زمانے کا تعلق ہے تو نوجوان عورت کو دیکھنا ممنوع ہے ''قہستانی'' وغیرہ۔

''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اس کی کلائی اور اس کی کہنی کی طرف دیکھنا مباح ہے۔ کیونکہ جب وہ اپنے آپ کو سالن پکانے اور روٹی پکانے کے لیے اجرت پر پیش کرے تو ان دونوں کو ظاہر کرنا ضروری ہے۔ اس عبارت سے جو متبادر معنی سمجھ آتا ہے وہ یہ ہے دیکھنے کا جواز اس وقت کے ساتھ خاص نہیں جب وہ اجارہ کی وجہ سے ان اعمال میں مشغول ہو۔ پہلی عبارت کا معاملہ مختلف ہے۔ ''زیلعی'' کی عبارت مراد کو زیادہ بہتر انداز میں بیان کرتی ہے۔ وہ یہ ہے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اس کی کلائی کو دیکھنا بھی مباح ہے کیونکہ عادۃً یہ ظاہر ہوتی ہے۔ فافہم

33063۔ (قولہ: وَعَبْدُهَا كَالْأَجْنَبِيِّ مَعَهَا) کیونکہ اس سے فتنہ کا خوف اجنبی کی طرح ہے بلکہ اس سے بڑھ کر خوف ہوتا ہے۔ کیونکہ اجتماع بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اور وہ نصوص جو اس امر کو حرام قرار دیتی ہیں وہ مطلق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرمان أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ (النور: 31) یا اپنی باندیوں پر۔ میں لونڈیاں مراد ہیں غلام مراد نہیں۔ یہ ''حسن'' اور ''ابن جبیر'' کا قول ہے۔ ''اختیار''۔ اس کی مکمل بحث مطولات میں ہے۔

33064۔ (قولہ: خُلَاصَةٌ) دونوں مسئلوں کو اس کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور دونوں کو ''الخانیہ'' میں بھی ذکر کیا ہے۔

33065۔ (قولہ: فَإِنْ خَافَ الشَّهْوَةَ) ہم نے فصل کے شروع میں اس کی تعریف بیان کر دی ہے۔

33066۔ (قولہ: مُقَيَّدٌ بِعَدَمِ الشَّهْوَةِ) ''تاتر خانیہ'' میں کہا: ''شرح الکرخی'' میں ہے: اجنبی آزاد عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا حرام نہیں ہے۔ لیکن ضرورت کے بغیر یہ مکروہ ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے اگرچہ شہوت کے بغیر ہو۔

33067۔ (قولہ: وَإِلَّا فَحَرَامٌ) یعنی اگر شہوت سے ہو تو یہ حرام ہوگا۔

33068۔ (قولہ: وَأَمَّا فِي زَمَانِنَا فَمَنَعَ مِنَ الشَّابَّةِ) اس لیے نہیں کہ وہ عورت ہے بلکہ اس لیے کہ فتنہ کا خوف ہے جس طرح شروط الصلاۃ میں پہلے بیان کیا ہے۔

(إِلَّا) النَّظَرَ لَا الْمَسَّ (لِحَاجَةٍ) كَقَاضٍ وَشَاهِدٍ يَحْكُمُ (وَيَشْهَدُ عَلَيْهَا) لَفٌّ وَنَشْرٌ مُرَتَّبٌ لَا لِتَتَحَمَّلَ الشَّهَادَةَ فِي الْأَصَحِّ (وَكَذَا مُرِيدُ نِكَاحِهَا) وَلَوْ عَنْ شَهْوَةٍ بِنِيَّةِ السُّنَّةِ لَا قَضَاءِ الشَّهْوَةِ (وَشِرَائِهَا وَمُدَاوَاتِهَا يَنْظُرُ)

مگر دیکھنا ضرورت کے لیے ہو نہ کہ چھونا جیسے قاضی اور شاہد جو فیصلہ کرتا ہے اور عورت پر گواہی دیتا ہے۔ یہ کلام لف نشر مرتب کے طریقہ پر ہے نہ کہ شہادت کے تحمل کے لیے۔ یہ اصح قول کے مطابق ہے اس طرح جو اس عورت سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہو اگرچہ دیکھنا شہوت سے ہو تو وہ سنت کی نیت کرے نہ کہ شہوت کو پورا کرنے کے لیے ایسا ہو۔ اور اس کو خریدنے اور اس کا علاج کرنے کا ارادہ کرنے والا اسے دیکھ سکتا ہے۔

33069۔ (قولہ: لَا الْمَسَّ) یہ مفہوم کی تصریح ہے۔

33070۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) کیونکہ وہ پایا جا سکتا ہے جسے شہوت نہ آتی ہو۔ پس دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ شہادت کی ادائیگی کی حالت کا معاملہ مختلف ہے،''ہدایہ''۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اختلاف اس وقت ہے جب شہوت کا خوف ہو نہ کہ مطلقاً اس میں اختلاف ہے۔ اس پر متنبہ ہو جائیے۔

33071۔ (قولہ: وَلَوْ عَنْ شَهْوَةٍ) یہ سب کی طرف راجع ہے۔ توضیح کے لیے اس کی تصریح کی ہے ورنہ مصنف کی کلام شہوت کے ساتھ دیکھنے میں ہے۔ یہ سب کی طرف راجع ہونا یہ استثنا کیا جاتا ہے۔

جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اسے دیکھنے میں کوئی حرج نہیں

33072۔ (قولہ: بِنِيَّةِ السُّنَّةِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ بطور مجاز سب کے لیے بھی قید بنائے تا کہ ان پر یہ لازم نہ آتا کہ انہوں نے پہلے دو میں قید لگانے میں سستی کی ہے۔ کیونکہ ''زیلعی'' وغیرہ نے کہا ہے: شاہد اور قاضی پر واجب ہے کہ وہ شہادت اور حکم کا قصد کرے نہ کہ شہوت پوری کرنے کا قصد کرے یہ قبیح سے بچنے کے لیے ہے اگر وہ یہ ارادہ کرے کہ کسی عورت سے شادی کرے تو اس کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ اسے خوف ہو کہ اس سے اسے شہوت لاحق ہو جائے گی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ سے فرمایا جب انہوں نے ایک عورت کو دعوت نکاح دی تھی: انظر الیھا فانہ احری ان یؤدم بینکما (1) اسے دیکھو کیونکہ یہ اس کے زیادہ لائق ہوتا ہے کہ دونوں میں زیادہ موافقت کا باعث ہو۔ اسے امام ''ترمذی''، امام ''نسائی'' وغیرہما نے روایت کیا ہے اور کیونکہ مقصود سنت کو قائم کرنا ہوتا ہے شہوت کو پورا کرنا نہیں ہوتا۔ الادوم والایدام اس سے مراد اصلاح اور تطبیق ہے۔ ''اتقانی''۔

تنبیہ

خریداری کے لیے شہوت کے ساتھ چھونے کی جواز میں اختلاف پہلے گزر چکا ہے۔ شارح کے قول لا المس کا ظاہر معنی یہ

1۔ سنن ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی النظر الی المخطوبۃ، جلد 1، صفحہ 582، حدیث نمبر 1007

الطَّبِيبُ (إِلَى مَوْضِعِ مَرَضِهَا بِقَدْرِ الضَّرُورَةِ) إِذِ الضَّرُورَاتُ تُتَقَدَّرُ بِقَدْرِهَا وَكَذَا نَظَرُ قَابِلَةٍ وَخَتَّانٍ
طبیب اس کی مرض کی جگہ کو بقدر ضرورت دیکھے گا۔ کیونکہ ضرورت ان کی مقدار کے مطابق مقدر کی جاتی ہیں۔ اس طرح دائی اور ختنہ کرنے والے کا دیکھنا جائز ہے۔

ہے کہ یہ نکاح کے لیے جائز نہیں۔ ''زیلعی'' نے اس کی تصریح کی ہے کیونکہ کہا: یہ جائز نہیں کہ اس کے چہرے کو مس کرے اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ اس کی ہتھیلیوں کو مس کرے اگر چہ اسے شہوت سے امن ہو۔ کیونکہ حرمت ثابت ہے ضرورت اور بلوی معدوم ہے۔ اس کی مثل ''غایۃ البیان'' میں ''شرح الاقطع'' سے مروی ہے جب کہ اس کی یہ علت بیان کی گئی ہے کہ چھونا زیادہ سخت ہے۔ پس ضرورت کے بغیر یہ ممنوع ہے۔ ''دررالبحار'' اور اس کی شرح میں ہے: قاضی، شاہد اور دعوت نکاح دینے والے کے لیے چھونا حلال نہیں اگر چہ انہیں شہوت سے امن ہو۔ کیونکہ حاجت نہیں۔ ''الملتقی'' کی عبارت وہم دلاتی ہے۔ اسی وجہ سے شارح نے کہا: جہاں تک نکاح کے لیے شہوت کے ساتھ چھونا میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس کی اجازت دی ہو بلکہ علماء نے اسے حاکم کی طرح بنایا ہے کہ وہ اسے نہیں چھوئے گا اگر چہ اسے امن ہو۔ پس اس کو یادرکھا جائے اور مصنف کی کلام کی وضاحت کی جائے۔

یہ امر باقی رہ گیا ہے: اگر عورت کا ایک امرد بیٹا ہے اور دعوت نکاح دینے والے کی یہ خبر پہنچی کہ وہ دونوں حسن میں برابر ہیں تو ظاہر معنی یہ ہے کہ دیکھنا صرف حرمات کے ساتھ خاص ہے۔ دعوت نکاح دینے والے کے لیے یہ حلال نہیں کہ اس کے بیٹے کی طرف دیکھے جب اسے شہوت کا خوف ہو۔ اس کی مثل اس کی بیٹی کا معاملہ ہے۔ اور استثنا کی قید لگانا جب حاجت ہو اگر اس کی طرف ایک دفعہ دیکھنے پر اکتفا کرے تو زائد حرام ہو جائے گا۔ کیونکہ اسے ضرورت کے لیے مباح کیا گیا ہے۔ پس یہ اس کے ساتھ مقید ہوگا۔ ''غررالافکار'' میں جو کلام ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ہتھیلیوں کی طرف بھی دیکھنا جائز ہے۔ علماء کی کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب اس کی طرف دیکھنا ممکن نہ ہو تو عورت کی طرف اسے بھیجنا بطریق اولی جائز ہے جو اس مرد کے لیے عورت کے زیورات کی وضاحت کردے۔

اگر چہ چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ ہو۔ کیا عورت کے لیے حلال ہے کہ وہ شہوت کے خوف کے ہوتے ہوئے دعوت نکاح دینے والے کو دیکھ لے؟ میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا۔ ظاہر یہ ہے کہ ہاں ایسا درست ہے۔ کیونکہ سابقہ حدیث میں مذکورہ علت میں اشتراک پایا جارہا ہے بلکہ اس میں عورت مرد سے زیادہ حق دار ہے۔ کیونکہ مرد کے لیے یہ ممکن ہوتا ہے کہ مرد عورت سے راضی نہ ہو تو اس سے جدائی اختیار کرلے۔ عورت کا معاملہ مختلف ہے۔

33073_(قولہ: خَتَّانٍ) اسی طرح ''ہدایہ''، ''خانیہ'' وغیرہما میں یقین سے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ختنہ کرانا ضروری نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ وہ کسی عورت سے شادی کرے یا کسی لونڈی سے شادی کرے جو اس کا ختنہ کرے اگر اس کے لیے یہ ممکن نہ ہو کہ وہ خود ختنہ کرے جس طرح عنقریب آگے آئے گا۔ ''ہدایہ'' میں خافضہ (باوقار) کا بھی ذکر کیا ہے کیونکہ ختنہ مردوں کے حق میں سنت ہے یہ فطرت میں سے ہے اس طرح ترک کرنا ممکن نہیں یہ عورتوں کے حق میں تکریم ہے جس طرح

وَيَنْبَغِي أَنْ يُعَلِّمَ امْرَأَةً تُدَاوِيهَا لِأَنَّ نَظَرَ الْجِنْسِ إِلَى الْجِنْسِ أَخَفُّ (وَتَنْظُرُ الْمَرْأَةُ الْمُسْلِمَةُ مِنَ الْمَرْأَةِ كَالرَّجُلِ مِنَ الرَّجُلِ) وَقِيلَ كَالرَّجُلِ لِمَحْرَمِهِ وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ سِرَاجٌ (وَكَذَا) تَنْظُرُ الْمَرْأَةُ (مِنَ الرَّجُلِ) كَنَظَرِ الرَّجُلِ لِلرَّجُلِ (إِنْ أَمِنَتْ شَهْوَتَهَا) فَلَوْ لَمْ تَأْمَنْ أَوْ خَافَتْ أَوْ شَكَّتْ حَرُمَ اسْتِحْسَانًا

مناسب یہ ہے کہ وہ اس عورت کو تعلیم دے جو اس عورت کا علاج کرے۔ کیونکہ جنس کا جنس کو دیکھنا یہ خفیف ہے۔ مسلمان عورت عورت کو دیکھ سکتی ہے جس طرح مرد مرد کو دیکھ سکتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس مرد کی طرح جو اپنی محرم کو دیکھتا ہے۔ پہلا قول اصح ہے،''سراج''۔ اسی طرح عورت مرد کو اس طرح دیکھ سکتی ہے جس طرح مرد مرد کو دیکھ سکتا ہے اگر وہ شہوت سے امن میں ہو۔ اگر وہ امن میں نہ ہو یا اسے خوف ہو یا اسے شک ہو کہ استحسانًا دیکھنا حرام ہے

''کفایہ'' میں ہے۔ اس طرح اس کے لیے جائز ہے کہ حقنہ کی جگہ کی طرف دیکھے۔ کیونکہ یہ دوا ہے اور مرض کی وجہ سے حقنہ کرانا جائز ہے۔ اسی طرح جس کی کمزوری واضح ہو کیونکہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کیونکہ یہ مرض کی علامت ہے، ''ہدایہ''۔ کیونکہ اس کے آخر میں دق اور سل کا مرض لگ جاتا ہے اگر وہ ضرورت کے بغیر حقنہ کروائے بلکہ ظاہر منفعت کے لیے حقنہ کروائے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ جماع پر قادر ہو جائے تو ہمارے نزدیک یہ حلال نہیں ہوگا جس طرح ''ذخیرہ'' میں ہے۔

اگر عورت بیمار ہو اور اسے علاج کی ضرورت ہو تو اسے دیکھنے کا حکم

33074۔ (قولہ: وَيَنْبَغِي الخ) ''ہدایہ'' اور ''خانیہ'' میں اسی طرح مطلق ذکر کیا ہے۔ ''جوہرہ'' میں کہا: جب مرض کے علاوہ باقی ماندہ بدن میں ہو تو دوا کے وقت اس کی طرف دیکھنا جائز ہے کیونکہ وہ ضرورت کی جگہ ہے۔ اگر فرج کی جگہ میں مرض ہو تو چاہیے کہ وہ عورت کو علاج کرنے کی تعلیم دے اگر ایسی عورت نہ پائی جائے اور انہیں عورت کے بارے خوف ہو کہ مرض اسے ہلاک کر دے گی یا اسے ایسا درد لاحق ہوگا جسے برداشت نہ کر سکے گی کہ اس کا ہر عضو خرید لیں مگر بیماری کی جگہ نہ خریدیں پھر مرد اس کا علاج کرے اور جس قدر ممکن ہو وہ اپنی نظر کو پست رکھے مگر زخم کی جگہ دیکھ لے۔ فتامل۔ ظاہر معنی یہ ہے کہ یہاں ینبغی وجوب کے معنی میں ہے۔

33075۔ (قولہ: سِرَاجٌ) اس کی مثل ''ہدایہ'' میں ہے۔

33076۔ (قولہ: وَكَذَا تَنْظُرُ الْمَرْأَةُ الخ) ''الاصل'' کی کتاب الخنثی میں ہے: عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا مرد کے اپنے محارم کی طرف دیکھنے کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ جنس کے خلاف کو دیکھنا زیادہ سخت ہے،''ہدایہ''۔ متون پہلے قول پر مبنی ہے پس اسی پر اعتماد کیا جائے۔

33077۔ (قولہ: حَرُمَ اسْتِحْسَانًا الخ) میں کہتا ہوں: جو ''تاتر خانیہ'' میں ''مضمرات'' سے مروی ہے: مگر جب اسے یہ علم ہو کہ اس کے دل میں شہوت واقع ہوگی یا اسے شک ہو شک کا معنی یہ ہے کہ دونوں ظن برابر ہوں تو میرے لیے محبوب یہ ہے کہ اپنی نظروں کو پست رکھے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاصل'' میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔ عورت کے اجنبی مرد کو

كَالرَّجُلِ هُوَ الصَّحِيحُ فِي الْفَصْلَيْنِ تَتَارْخَانِيَّةٌ مَعْزِيًّا لِلْمُضْمَرَاتِ (وَالذِّمِّيَّةُ كَالرَّجُلِ الْأَجْنَبِيِّ فِي الْأَصَحِّ فَلَا تَنْظُرُ إلَى بَدَنِ الْمُسْلِمَةِ) مُجْتَبَى (وَكُلُّ عُضْوٍ لَا يَجُوزُ النَّظَرُ إلَيْهِ قَبْلَ الِانْفِصَالِ لَا يَجُوزُ بَعْدَهُ) وَلَوْ بَعْدَ الْمَوْتِ كَشَعْرِ عَانَةٍ

جیسے مرد کا حکم ہے دونوں فصلوں میں یہی صحیح ہے۔ ''تاتر خانیہ'' جبکہ مضمرات کی طرف منسوب ہے۔ اور ذمی عورت اصح قول کے مطابق اجنبی مرد کی طرح ہے۔ پس وہ مسلمان عورت کے بدن کی طرف نہیں دیکھے گی، ''مجتبیٰ''۔ ہر ایسا عضو جس کی طرف انفصال سے پہلے دیکھنا جائز نہیں تو انفصال کے بعد دیکھنا جائز نہیں اگر چہ موت کے بعد ہو جس طرح زیر ناف بال،

دیکھنے میں استحباب کا لفظ ذکر کیا ہے۔ اس کے برعکس کہا: فلیجتنب پس اس کو چاہیے کہ اجتناب کریں۔ یہ حرمت کی دلیل ہے یہی دونوں صورتوں میں صحیح ہے۔ ملخص۔ اسی کی مثل ''ذخیرہ'' میں ہے اور ''ط'' نے ''ہندیہ'' سے اسے نقل کیا ہے۔ ''تاتر خانیہ'' کا نسخہ جس پر شارح کی تحریر ہے میں ہے: الاستحسان یہ سین کے ساتھ اور حا کے بعد نون ہے یہ استحباب کے بدل میں ہے جو دو با کے ساتھ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ تحریف ہے جس طرح کلام کا سیاق اس پر دلالت کرتا ہے پس یہ اس کے موافق ہے جو ''ذخیرہ'' اور ''ہندیہ'' کے موافق ہے پس شارح کا قول حرم استحسانا اس میں تحریف کو ثابت کرتا ہے، تامل۔ پھر صحیح کے مقابل فرق کی وجہ ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے کہ شہوت عورتوں پر غالب ہوتی ہے۔ پس یہ اعتبار میں متحقق کی طرح ہے جب مرد کو شہوت ہو تو شہوت جانبین میں موجود ہوگی جب عورت کو شہوت آئے تو معاملہ اس طرح نہ ہوگا۔ کیونکہ مرد کی جانب میں شہوت نہ حقیقت میں اور نہ ہی اعتباری طور پر موجود ہے۔ پس شہوت ایک جانب میں تھی اور حرام تک لے جانے میں جانبین سے متحقق شہوت ایک جانب سے متحقق شہوت سے زیادہ قوی ہوگی۔

ذمی عورت مسلمان عورت کے بدن کی طرف نہیں دیکھ سکتی

33078۔ (قولہ: وَالذِّمِّيَّةُ) یہ ان کے قول مسلمہ سے احتراز ہے۔

33079۔ (قولہ: فَلَا تَنْظُرُ الخ) ''غایۃ البیان'' میں کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ (النور: 31) یعنی آزاد مسلمان عورتیں۔ کیونکہ مسلمان عورت کو حق حاصل نہیں کہ وہ مشرکہ یا کتابیہ کے سامنے بے لباس ہو۔ ''العنایہ'' وغیرہ بائیں حضرت ''ابن عباس'' سے روایت نقل کی ہے۔ پس یہ ماثور تفسیر ہے۔ استاذ ''عبدالغنی نابلسی'' کی ''ابن عماد'' کی ''ہدیہ'' کی شرح میں ''الدرر والغرر'' پر جو ان کے والد کی شرح ہے اس سے نقل کیا ہے: مسلمان عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ یہودی عورت یا نصرانی عورت یا مشرک عورت کے سامنے بے لباس ہو مگر یہ کہ وہ اس کی لونڈی ہو جس طرح ''سراج'' میں ہے۔ اور ''نصاب الاحتساب'' میں ہے: صالح عورت کو نہیں چاہیے کہ اس کی طرف فاجر عورت دیکھے کیونکہ فاجر عورت مرد کے ہاں اس کا وصف بیان کرے گی۔ پس وہ نہ وہ اپنا حجاب اور نہ ہی اوڑھنی اتارے جس طرح ''السراج'' میں ہے۔

وَشَعْرِ رَأْسِهَا وَعَظْمِ ذِرَاعِ حُرَّةٍ مَيِّتَةٍ وَسَاقِهَا
عورت کے سر کے بال اور مردہ آزاد عورت کی کلائی کی ہڈی اور اس کی پنڈلی کی ہڈی

ہر ایسا عضو جس کی طرف انفصال سے پہلے دیکھنا جائز نہیں انفصال کے بعد بھی جائز نہیں

33080۔(قولہ: وَشَعْرِ رَأْسِهَا) زیادہ بہتر یہ تھا کہ اسے اس کے مابعد کی طرف ذکر کرتے تا کہ آزاد کی طرف ضمیر لوٹنے میں نص ہو جائے۔

33081۔(قولہ: وَعَظْمِ ذِرَاعِ حُرَّةٍ مَيِّتَةٍ) ذراع کا لفظ ذکر کر کے ہتھیلی اور چہرے کی ہڈی سے احتراز کیا ہے جس کی طرف زندگی میں دیکھنا حلال ہے حرہ کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ لونڈی کی کلائی کی ہڈی کی طرف اس کی زندگی میں دیکھنا حلال ہے۔ اس کی پشت کی ہڈی کا معاملہ مختلف ہے۔

تنبیہات

بعض شوافع نے یہ ذکر کیا ہے: اگر لونڈی کے بالوں کو جدا کیا گیا پھر اسے آزاد کیا گیا تو ان کی طرف دیکھنا حرام نہیں۔ کیونکہ آزادی منفصل کی طرف متعدی نہیں ہوتی۔ میں نے اسے اپنے ائمہ کے اقوال سے نہیں دیکھا۔ اس طرح میں نے کوئی ایسا قول نہیں دیکھا اگر جدا ہونے والی چیز اجنبیہ کی حرمت میں سے ہو پھر اس سے وہ شادی کرے۔ جو تعلیل ذکر کی گئی اس کا مقتضا یہ ہے کہ اس کی طرف دیکھنا حرام ہے۔ بعض اوقات کہا جاتا ہے: جب اس کے لیے وہ تمام چیزیں حلال تھیں جب وہ متصل تھیں تو منفصل بدرجہ اولی حلال ہوں گی اگرچہ وہ حلت کے زمانہ سے پہلے منفصل ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا اگر وہ آئینہ یا پانی سے کسی اجنبی عورت کو دیکھے۔ حرمت مصاہرت میں علماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ آئینہ یا پانی سے شرمگاہ دیکھنے کے ساتھ حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ جسے دیکھا جا رہا ہے وہ اس کی مثال ہے اس کا عین نہیں۔ یہ صورت مختلف ہو گی اگر وہ شیشہ یا پانی کی طرف دیکھے جب کہ وہ عورت اس میں ہو کیونکہ نظر شیشہ اور پانی میں آر پار ہو جاتی ہے پس اس میں جو کچھ ہوتا ہے اسے دیکھ لیتا ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ آئینہ اور پانی سے اجنبی عورت کو دیکھنا حرام نہیں مگر یہ فرق کیا جائے کہ دیکھنے وغیرہ کے ساتھ حرمت مصاہرت کے ثابت ہونے میں جو اس کی شروط میں شدت کی گئی ہے کیونکہ اس میں اصل علت ہے۔ نظر کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس سے فتنہ اور شہوت کے خوف سے منع کر دیا گیا ہے یہ یہاں موجود ہے۔ پس شافعیہ میں سے ''فتاویٰ ابن حجر'' دیکھا ہے انہوں نے علماء کے درمیان اس میں اختلاف ذکر کیا ہے اور حرمت کو راجح قرار دیا جس طرح ہم نے کہا ہے۔ واللہ اعلم

(۳) بعض شافعیہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ جو چیز حلال نہ ہو جس طرح اسے دیکھنا حرام ہوتا ہے اس میں تفکر بھی حرام ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (النساء: 32) اور نہ آرزو کرو اس چیز کی بزرگی دی ہے اللہ نے جس سے تمہارے بعض کو بعض پر۔ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر جس کے ساتھ فضیلت دی ہے اس کی تمنا نہ

وَقُلَامَةِ ظُفُرِ رِجْلِهَا دُونَ يَدِهَا مُجْتَبَى

اور اس کے پاؤں کے ناخنوں کے تراشے نہ کہ اس کے ہاتھوں کے ناخنوں کے تراشے، ''مجتبیٰ''۔

کرو۔ جس طرح نظر سے منع کیا علامہ ''ابن حجر'' نے ''التحفہ'' میں ذکر کیا ہے یہ چیز اس میں سے نہیں کہ جو آدمی اپنی بیوی سے وطی کرتا ہے جب کہ وہ اجنبی عورت کے محاسن میں غور وفکر کرتا ہے یہاں تک کہ اسے خیال گزرتا ہے کہ وہ اس اجنبی عورت سے وطی کرے۔ ایک جماعت سے نقل کیا گیا ہے ان میں سے ''جلال الدین سیوطی'' اور ''تقی سبکی'' ہیں کہ یہ حلال ہے۔ کیونکہ حدیث طیبہ ہے: ان الله تجاوز لامتی ماحدثت به نفسها(1) اللہ تعالیٰ نے تیری امت سے اس معاملہ میں درگزر فرمایا ہے جو اس کے نفس میں وسوسہ پیدا ہو۔ اس کی تخیل سے یہ لازم نہیں آتا کہ زنا پر اس کا عزم ہو یہاں تک کہ وہ اس صورت میں گناہگار ہوگا جب وہ پختہ عزم کرے کہ کاش وہ اس پر کامیاب ہو جاتا۔ بے شک جو لازم آتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اس حسینہ کو اپنے لیے موطوءہ کا تصور کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: چاہیے کہ یہ مکروہ ہو۔ اسے رد کیا گیا ہے کہ اس کے لیے دلیل کا ہونا ضروری ہے۔

''ابن حاج مالکی'' نے کہا ہے: یہ حرام ہے کیونکہ یہ زنا کی ایک قسم ہے جس طرح ہمارے علماء نے اس آدمی کے بارے میں کہا ہے جو ایک کوزہ لیتا ہے تاکہ اس سے پیے وہ اپنی آنکھوں کے سامنے یہ تصور کرتا ہے کہ یہ شراب ہے پس وہ اسے پی لیتا ہے تو وہ پانی اس پر حرام ہو جائے گا۔ اسے رد کر دیا گیا کہ یہ حقیقت سے بہت ہی دور ہے اور اس پر کوئی دلیل نہیں، ملخص۔ میں نے کسی ایسے عالم کو نہیں دیکھا جس نے اس مسئلہ سے تعرض کیا ہو۔ ''الدرر'' میں کہا: جب وہ پانی وغیرہ مباح چیز فاسقوں کی ہیئت پر لہو اور طرب کے انداز میں پیے تو یہ امر حرام ہو جائے گا۔ ہمارے مذہب کے قواعد سب سے زیادہ جو قریب ہے وہ عدم حلت ہے کیونکہ اس اجنبیہ کا تصور کرنا کہ وہ اس کے سامنے موجود ہے جس سے وہ وطی کر رہا ہے اس میں معصیت کا فعل اس کی ہیئت پر کرنے کا تصور ہے۔ یہ پینے کے مسئلہ کی مثل ہے۔ پھر میں نے صاحب ''تبیین المحارم'' کو دیکھا جو ہمارے علماء میں سے ہیں انہوں نے ''ابن حاج مالکی'' کی عبارت نقل کی اور اسے ثابت رکھا اس کے آخر میں ان سے ایک حدیث روایت کی ہے: اذا شرب العبد الماء علی شبه المسکر کان ذلك عليه حراما(2) جب غلام پانی کو نشہ آور چیز کی مشابہت پر پیے تو یہ اس پر حرام ہوگا۔

اگر تو یہ کہے: اگر روزے دار نے اجنبی عورت کے بارے سوچ و بچار کی یہاں تک کہ اسے انزال ہو جائے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا یہ اس امر کی اباحت کو بیان کرتا ہے؟

میں کہتا ہوں: اسے تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اگر وہ اجنبی عورت کی شرمگاہ کو دیکھے یہاں تک کہ اسے انزال ہو جائے تو بھی اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا حالانکہ بالاتفاق اسے دیکھنا حرام ہے۔

33082۔ (قوله: وَقُلَامَةِ ظُفُرِ رِجْلِهَا) یعنی آزاد عورت کے پاؤں کے ناخن کے تراشہ کو دیکھنا یہ قید نہیں کہ وہ مرد ہو۔ یہ اس امر پر مبنی ہے کہ دونوں قدم قابل ستر ہیں جس طرح قول گزر چکا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب الطلاق فی الاغلاق الخ، جلد 3، صفحہ 152، حدیث نمبر 4864

2۔ المدخل لابن حاج المالکی، کتاب الاشربۃ، صفحہ 522

وَفِيهِ النَّظَرُ إِلَى مُلَاءَةِ الْأَجْنَبِيَّةِ بِشَهْوَةٍ حَرَامٌ وَفِي اخْتِيَارٍ وَوَصْلُ الشَّعْرِ بِشَعْرِ الْآدَمِيِّ حَرَامٌ سَوَاءٌ كَانَ شَعْرَهَا أَوْ شَعْرَ غَيْرِهَا لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ

اس میں ہے: اجنبی عورت کی چادر کو شہوت کے ساتھ دیکھنا حرام ہے۔ ''الاختیار'' میں ہے: بالوں کو آدمی کے بالوں سے جوڑنا حرام ہے خواہ اسی عورت کے بال ہوں یا اس عورت کے غیر کے بال ہوں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو بال جوڑنے والی اور جڑوانے والی پر گودنے والی

اجنبی عورت کی چادر کو شہوت کے ساتھ دیکھنا حرام ہے

33083۔ (قولہ: النَّظَرُ إِلَى مُلَاءَةِ الْأَجْنَبِيَّةِ بِشَهْوَةٍ حَرَامٌ) ہم نے پہلے ''الذخیرۃ'' وغیرہا سے بیان کر دیا ہے۔ اگر عورت پر کپڑے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اس کے جسم میں غور کرے جب تک وہ کپڑے اس عورت کے ساتھ چسپاں نہ ہوں اور اس کے نیچے والے جسم کو بیان نہ کر دیں۔ کیونکہ وہ اس کے کپڑوں اور اس کی قدوقامت کو دیکھنے والا ہوگا۔ پس وہ اس مرد کی طرح ہو جائے گا۔ جو ایسے خیمہ کی طرف دیکھتا ہے جس میں وہ عورت موجود ہے۔ اگر وہ اس کے جسم کے اعضاء کی ہیئت کو بیان کر دے تو وہ اس کے اعضاء کو دیکھنے والا ہوگا۔ جو قول یہاں ہے اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ اسے اس امر کے ساتھ مقید کیا جائے جب وہ شہوت کے بغیر دیکھے۔ اگر وہ شہوت کے ساتھ دیکھے تو اسے مطلقاً منع کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ علت فتنہ کا خوف ہے۔ اگر وہ شہوت کے ساتھ اس کی چادر یا اس کے کپڑوں کی طرف دیکھے اور وہ اس کی لمبی قامت وغیرہ میں غور وفکر کرے تو یہ اسے اس کے ساتھ کلام کی طرف دعوت دے گا پھر کسی اور امر کی طرف دعوت دے گا۔ یہ احتمال موجود ہے کہ علت یہ ہو کہ یہ اس چیز سے لطف اندوز ہوتا ہے جو ضرورت کے بغیر حلال نہیں ہوتا۔ اس میں غور کیا جانا چاہیے۔ کیا نقش کی گئی صورت کی طرف دیکھنا حرام ہے یہ وہ محل تردد ہے؟ میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

بالوں کو آدمی کے بالوں سے جوڑنا حرام ہے

33084۔ (قولہ: سَوَاءٌ كَانَ شَعْرَهَا أَوْ شَعْرَ غَيْرِهَا) کیونکہ اس میں دھوکا دیتی ہے جس طرح آنے والے قول سے ظاہر ہوگا۔ اور کسی اور کے بال ہوں تو انسان کے جز سے انتفاع بھی ہے۔ لیکن ''تاترخانیہ'' میں ہے: جب عورت کسی اور کے بال اپنے بالوں کے ساتھ جوڑے تو یہ عمل مکروہ ہوگا۔ رخصت انسان کے بالوں کے علاوہ میں ہے عورت انہیں لیتی ہے تاکہ اپنی چوٹی میں اضافہ نہ کرے۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ ''الخانیہ'' میں ہے: عورت کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنی چوٹی اور اپنی مینڈھیوں میں جانور کے بالوں میں سے کوئی شے رکھ لے۔

33085۔ (قولہ: لَعَنَ اللهُ الْوَاصِلَةَ الخ) واصلہ اسے کہتے ہیں جو بالوں کو غیر کے بالوں کے ساتھ جوڑے اور جو اپنے بالوں کو دوسرے بالوں کو دھوکہ دہی کے لیے جوڑے اور مستوصلہ جس کے مطالبہ پر یہ کام کیا جائے۔ واشمہ: جو چہرے اور کلائی میں گودے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ جلد میں سوئی چبوئے پھر سرمہ یا نیل بھر دے پس وہ جگہ نیلی ہو جائے۔

وَالْمُسْتَوْشِمَةَ وَالْوَاشِرَةَ وَالْمُسْتَوْشِرَةَ وَالنَّامِصَةَ وَالْمُتَنَمِّصَةَ النَّامِصَةُ الَّتِى تَنْتِفُ الشَّعْرَ مِنَ الْوَجْهِ وَالْمُتَنَمِّصَةُ الَّتِى يُفْعَلُ بِهَا ذَلِكَ (وَالْخَصِىُّ وَالْمَجْبُوبُ وَالْمُخَنَّثُ فِى النَّظَرِ إِلَى الْأَجْنَبِيَّةِ

اور گدوانے والی پر، دانتوں کو باریک کرنے والی اور باریک کروانے والی پر اور بال نوچنے والی اور نوچوانے والی پر(1)۔ نامصہ وہ عورت ہوتی ہے جو چہرے سے بال نوچتی ہے اور متنصمہ وہ ہوتی ہے جو نوچواتی ہے۔ خصی، مقطوع الذکر اور مخنث اجنبی عورت کی طرف دیکھنے میں

مستوشمہ: جس کے مطالبہ پر اس کے ساتھ یہ کام کیا جائے۔

واشرہ: جو اپنے دانتوں کو کھلا کرے یعنی انہیں رگڑے اور ان کے اطراف کو باریک کردے یہ عمل بوڑھی عورتیں کرتی ہیں اور نوجوان عورتوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔ مستوشرہ: جس کے کہنے پر یہ عمل کیا جاتا ہے، ''اختیار''۔ اسی کی مثل ابن اثیر کی ''النہایہ'' میں ہے۔ اور یہ زائد ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: واصلہ وہ نہیں جو تم مراد لیتے ہو۔

اس میں کوئی حرج نہیں کہ عورت بالوں سے خالی ہو جائے تو وہ اپنی زلفوں میں سے ایک زلف کے ساتھ سیاہ اون جوڑ دے۔ بے شک وہ واصلہ جو بغی ہے وہ وہ ہے جو اپنی جوانی میں ایسا کرے۔ جب وہ عمر رسیدہ ہو جائے تو اسے انہیں دھاگے کے ساتھ جوڑ دے۔ واشرہ گویا یہ وشرت الخشبۃ بالمیشار سے ماخوذ ہے یہ غیر مہموز ہے۔

دونوں ابروؤں اور چہرے کے بال کاٹنے میں کوئی حرج نہیں

33086۔(قولہ: وَالنَّامِصَةَ الخ) اسے ''الاختیار'' میں بھی ذکر کیا ہے۔ ''المغرب'' میں ہے: نمص سے مراد بالوں کو نوچنا ہے۔ اس سے منماص ہے یعنی وہ آلہ جس سے بال نوچے جائیں۔ شاید یہ اس پر محمول ہے جب وہ اجنبی لوگوں کے لیے زیب و زینت کرے مگر جب اس کے چہرے پر بال ہوں جن کے سبب سے اس کا خاوند اس سے نفرت کرتا ہو تو اس کے ازالہ کو حرام قرار دینا یہ حقیقت سے بہت بعید ہے۔ کیونکہ عورتوں کا زینت کرنا تحسین کے لیے مطلوب ہے مگر جب اس پر محمول کیا جائے جس کی ضرورت نہ ہو۔ کیونکہ نوچنے کے نوچنے میں ایذا ہے۔ ''تبیین المحارم'' میں ہے: چہرے سے بال نوچنا حرام ہے مگر جب عورت کی داڑھی یا مونچھیں اگ آئیں تو ان کا ازالہ حرام نہیں بلکہ مستحب ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں ''المضمرات'' سے مروی ہے: دونوں آبروں اور چہرے کے بال کاٹنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ وہ مخنث کے مشابہ نہ ہو۔ اسی کی مثل ''المجتبیٰ'' میں ہے۔ تامل

خصی، مقطوع الذکر اور مخنث کا اجنبی عورت کی طرف دیکھنا جائز نہیں

33087۔(قولہ: وَالْخَصِىُّ) یہ خصاہ سے فعیل کا وزن ہے۔ اس کے خصیتین کو نکال دیا۔ مجبوب جس کے ذکر اور خصیتین کو کاٹ دیا گیا۔ مخنث، جو عورتوں کا لباس زیب تن کرتا ہے اور محل وطی میں عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے۔

1۔سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب الواصلۃ والواشمۃ، جلد 1، صفحہ 615، حدیث نمبر 1976

كَالْفَحْلِ) وَقِيلَ لَا بَأْسَ بِمَجْبُوبٍ جَفَّ مَاؤُهُ لَكِنْ فِي الْكُبْرَى أَنَّ مَنْ جَوَّزَهُ فَمِنْ قِلَّةِ التَّجْرِبَةِ وَالدِّيَانَةِ (وَجَازَ عَزْلُهُ عَنْ أَمَتِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهَا وَعَنْ عِرْسِهِ بِهِ) أَيْ بِإِذْنِ حُرَّةٍ أَوْ مَوْلَى أَمَةٍ

اس مرد کی طرح ہیں جو جماع کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مقطوع الذکر جس کا پانی خشک ہو چکا ہے اس کے دیکھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن ''الکبریٰ'' میں ہے: جس نے اس کو جائز قرار دیا ہے تو یہ تجربہ اور دیانت کی کمی کی وجہ سے کہا ہے۔ اپنی لونڈی سے جماع کرنے کی صورت میں اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنا جائز ہے۔ اور اپنی بیوی جو آزاد ہو تو اس کی اجازت سے عزل کرسکتا ہے یا لونڈی کے آقا کی اجازت سے عزل کرسکتا ہے۔

اپنے اختیار سے کلام میں نرمی کرتا ہے۔ ''قہستانی'' میں ہے: جو غیر کو اپنی ذات پر قدرت دیتا ہے۔ یہ اس مخنث سے احتراز ہے جس کے اعضاء میں پیدائشی نرمی اور شکستگی ہے اور وہ عورتوں کی خواہش نہیں کرتا۔ ہمارے بعض مشائخ نے اس جیسے مخنث کے عورتوں کے ساتھ رہنے میں رخصت دی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہیں: اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ (النور: 31) یا اپنے ایسے نوکروں پر جو عورت کے خواہش مند ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ایسا مخنث ہے جو عورتوں کی خواہش نہیں رکھتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ایسا مقطوع الذکر ہے جس کا پانی خشک ہو چکا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے وہ ابلہ مراد ہے جو یہ نہیں جانتا کہ عورتوں کے ساتھ کیا کرنا ہے اس کا سب کچھ اس کا پیٹ ہے جب وہ بہت بوڑھا ہو جائے جس کی شہوت مر جائے۔ اصح یہ ہے کہ ہم کہیں: اللہ تعالیٰ کا فرمان: اَوِ التّٰبِعِيْنَ (النور: 31) یا اپنے ایسے نوکروں پر۔ یہ متشابہات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (النور: 30) آپ حکم دیجئے مومنوں کو کہ وہ نیچے رکھیں اپنی نگاہیں۔ محکم ہے پس ہم اسے اپنائیں گے۔ ''عنایہ''۔

33088۔ (قولہ: كَالْفَحْلِ) کیونکہ خصی بعض اوقات جماع کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جماع میں زیادہ سخت ہوتا ہے۔ کیونکہ اسے انزال ٹپک کر نہیں ہوتا بلکہ قطرہ قطرہ انزال ہوتا ہے اور اس کے بچے کا نسب اس سے ثابت ہو جاتا ہے۔ اور مجبوب اس محل کو کوٹتا ہے اور اسے انزال ہو جاتا ہے۔ مخنث فاسق نر ہے۔ ''قہستانی'' نے مزید کلام کی ہے۔

لونڈی اور آزاد عورت سے عزل کا مسئلہ

33089۔ (قولہ: وَجَازَ عَزْلُهُ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ جماع کرے جب انزال کا وقت آتا ہے تو آلہ تناسل باہر نکال لیتا ہے تو وہ فرج سے باہر انزال کر دیتا ہے۔

33090۔ (قولہ: أَيْ بِإِذْنِ حُرَّةٍ أَوْ مَوْلَى أَمَةٍ) متن کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اذن کا حق منکوحہ لونڈی کو ہوگا۔ کیونکہ عرس کا لفظ اسے شامل ہے۔ لیکن شارح نے یہ قصد کیا ہے کیونکہ ''غایۃ البیان'' میں ہے کہ اجازت اس کے آقا کی ہوگی۔ یہ تمام علماء کا قول ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہی ظاہر روایت ہے۔ ''جامع صغیر'' میں اسی طرح ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما سے یہ مروی ہے کہ اجازت کا حق آزاد عورت اور لونڈی کو ہوگا پھر یہ حکم بالغہ کے بارے میں ہے۔ جہاں تک صغیرہ کا تعلق ہے

وَقِيلَ يَجُوزُ بِدُونِهِ لِفَسَادِ الزَّمَانِ ذَكَرَهُ ابْنُ سُلْطَانٍ
ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے بغیر بھی جائز ہے۔ کیونکہ زمانہ فساد کا شکار ہو چکا ہے۔ ''ابن سلطان'' نے یہ ذکر کیا ہے۔

تو اس کی اجازت کے بغیر وہ عزل کر سکتا ہے جس طرح نکاح رقیق میں گزر چکا ہے۔

33091۔(قولہ: وَقِيلَ يَجُوزُ الخ) ''ہندیہ'' میں کہا: کتاب کے جواب کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس کے لیے گنجائش نہیں۔ یہاں اس کی گنجائش کا ذکر کیا ہے۔ ''الکبریٰ'' میں اسی طرح ہے۔ اسے حق حاصل ہے کہ وہ اپنی بیوی کو عزل سے منع کر دے۔ ''کردلی'' کی ''وجیز'' میں اسی طرح ہے۔ ''ط''۔

''ذخیرہ'' میں اسی پر اکتفا کیا ہے جسے شارح نے ذکر کیا ہے۔ یہ وہ قول ہے جس پر مصنف نکاح رقیق میں ''خانیہ'' وغیرہا کی پیروی میں گامزن ہوئے ہیں۔ ہم نے وہاں پہلے ''النہر'' سے بحث کے انداز میں نقل کیا ہے کہ عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی رحم کا منہ بند کر لے جس طرح عورتیں کرتی ہیں۔ ''البحر'' میں جو بحث کی ہے وہ اس کے مخالف ہے کہ خاوند کی اجازت کے بغیر یہ حرام ہے۔ لیکن یہ اس کے مخالف ہے جو ''الکبریٰ'' میں ہے مگر جب اسے اس پر محمول کیا جائے کہ فساد کا خوف نہ ہو، تامل۔ ''الذخیرہ'' میں ہے: اگر وہ عورت پانی کے رحم میں پہنچنے کے بعد باہر پھینکنے کا ارادہ کرے۔ علماء نے کہا: اگر اتنی مدت گزر چکی ہو جس میں روح پھونک دی جاتی ہے تو اس کے لیے یہ مباح نہیں ہوگا۔ اس سے قبل میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے۔ روح پھونکنے کا اندازہ ایک سو بیس دن لگائے گئے ہیں۔ یہ حدیث سے ثابت ہے (1)۔ ''الخانیہ'' میں کہا: میں یہ قول نہیں کرتا کیونکہ محرم کو شکار کے انڈے کی ضمانت دینا پڑتی ہے کیونکہ وہ شکار کی اصل ہوتا ہے تو یہ اس سے کم نہیں ہوگا کہ اسے گناہ لاحق ہو۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب عذر نہ ہو۔ اس کی مکمل وضاحت احیاء الموات سے تھوڑا پہلے آئے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الایمان بالقدر الفصل الاول، صفحہ 20، وزارت تعلیم پاکستان

بَابُ الِاسْتِبْرَاءِ وَغَيْرِهِ

(مَنْ مَلَكَ) اسْتِمْتَاعَ (أَمَةٍ)

استبرا کے احکام

جو کسی لونڈی سے لطف اندوز ہونے کا مالک ہوا۔

یہ جملہ بولا جاتا ہے: استبرأ الجارية یعنی اس نے لونڈی کے رحم کی حمل سے براءت کو طلب کیا یہ واجب ہے اگر وہ اس کا انکار کرے تو بعض علماء کے نزدیک اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے واجب ہونے پر اجماع ہے جس طرح معروف صحابہ اور عام علماء نے اس کا انکار کیا ہے کہ اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ خبر واحد کے ساتھ ثابت ہے جس طرح نظم میں ہے۔ اس کا سبب ملک کا واقع ہونا ہے اور اس کی علت وطی کا ارادہ ہے اور اس کی شرط رحم کی حقیقت میں حمل میں مشغول ہونا جس طرح حاملہ میں ہوتا ہے یا اس کا وہم ہونا جس طرح بانجھ میں ہوتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ رحم کی براءت معروف ہو۔ اس کی حکمت یہ ہے محترم پانیوں کی حفاظت کی جائے۔ لیکن یہ حکمت حکم کا موجب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ یہ اس حکم سے متاخر ہوتی ہے۔ سبب کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ حکم سے پہلے ہوتا ہے۔ پس حکم کا دارومدار اس پر ہوتا ہے اگرچہ بعض صورتوں میں وطی کا نہ ہونا معلوم ہو جاتا ہے، ''درمنتقی''۔ اس میں اصل اوطاس کے قیدیوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: الا لا توطا الحبال حتی یضعن حملهن ولا الحیالی حتی یستبرأن بحیضة(1)، اخرجه ابوداؤد و الحاکم۔ خبردار حاملہ عورتوں سے وطی نہ کی جائے یہاں تک کہ وہ بچے جن دیں اور نہ ہی بانجھ عورتوں سے وطی کی جائے یہاں تک کہ اسے حیض کے ساتھ اس کا استبراء رحم نہ کر لیا جائے۔ اسے ''ابوداؤد'' اور ''حاکم'' نے نقل کیا ہے۔ اور کہا یہ حسن صحیح ہے۔

یہ عام ہے کیونکہ قیدی عورتیں باکرہ وغیرہا سے خالی نہیں ہوتیں۔ پس یہ امر حکمت کے ساتھ خاص نہیں ہوگا۔ کیونکہ حکمت عام نہیں۔ حبالی یہ حبلی کی جمع ہے حیالی یہ حائل کی جمع ہے جس کا حمل نہ ہو۔

قولہ: حتی یستبرأن، یہ ہمزہ کے ساتھ ہے اس کے علاوہ نہیں ہمزہ کو ترک کرنا خطا ہے جس طرح ''المغرب'' میں ہے۔ پھر استبرا میں سے ایک مستحب ہے جس طرح ہم عنقریب اسے ذکر کریں گے۔

33092۔ (قولہ: وَغَيْرِهِ) یعنی بوسہ لینا، معانقہ کرنا اور مصافحہ کرنا۔

33093۔ (قولہ: مَنْ مَلَكَ اسْتِمْتَاعَ أَمَةٍ) یعنی اس سے نفع حاصل کرنا وہ وطی کی صورت میں ہو یا کسی اور صورت میں ہو یعنی ایسی ملکیت جو نئی پیدا ہوئی ہو یہ بھاگی ہوئی لونڈی کے لوٹ آنے سے احتراز ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ مراد

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی وطی السبایا، جلد 2، صفحہ 59، حدیث نمبر 1843

بِنَوْعٍ مِنْ أَنْوَاعِ الْمِلْكِ كَشِرَاءٍ وَإِرْثٍ سَبْيٍ وَدَفْعِ جِنَايَةٍ وَفَسْخِ بَيْعٍ بَعْدَ الْقَبْضِ وَنَحْوِهَا وَقُيِّدَتْ بِالِاسْتِمْتَاعِ لِيَخْرُجَ شِرَاءُ الزَّوْجَةِ كَمَا سَيَجِيءُ (وَلَوْ بِكْرًا أَوْ مُشْرِيَةً مِنْ عَبْدٍ أَوْ امْرَأَةٍ) وَلَوْ عَبْدَهُ كَمُكَاتَبِهِ وَمَأْذُونِهِ لَوْ مُسْتَغْرَقًا بِالدَّيْنِ

ملک کی انواع میں سے کسی نوع سے جیسے خریدنے سے، وارث ہونے سے، جنگ میں قید کرنے سے، جنایت کو دور کرنے سے اور قبضہ کے بعد بیع کے فسخ کرنے سے اور اس کی مثل استمتاع کی قید لگائی تا کہ بیوی کو خریدنا اس سے نکل جائے جس طرح عنقریب آئے گا اگر چہ وہ لونڈی با کرہ ہو یا غلام یا غلام عورت سے خریدی گئی ہو اگر چہ وہ مشتری کا غلام ہو جیسے اس کا مکاتب ہو اور اس کا ماذون ہو بشرطیکہ غلام دین میں مستغرق ہو تو استبرا واجب ہے

ملک یمین ہے۔ اگر ایک آدمی نے لونڈی سے شادی کی اور اس کا آقا اس سے وطی کرتا تھا ''ذخیرہ'' میں ہے: ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خاوند پر یہ لازم نہیں کہ استبراء رحم کرے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وہ بطور استحسان اس کے رحم کا استبرا کرے تا کہ یہ امر اس طرف نہ لے جائے کہ دو آدمی ایک طہر میں ایک عورت پر جمع ہوں۔

امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب عقد نکاح صحیح ہے تو شرعی طور پر رحم کا پاک ہونا معلوم ہو گیا۔ استبراء رحم سے یہی مقصود ہوتا ہے۔

اس لونڈی کے آقا کے بارے میں کلام باقی ہے۔ ''الذخیرہ'' میں کہا: جب وہ اس کی بیع کا ارادہ کرے جب کہ وہ اس کے ساتھ وطی کرتا تھا تو یہ مستحب ہے کہ اس کے رحم کا استبرا کرے پھر اسے بیچے جب وہ اس کے ساتھ شادی کا ارادہ کرے جب کہ وہ اس کے ساتھ وطی کرتا تھا بعض علماء نے فرمایا: یہ مستحب ہے کہ استبراء رحم کر لے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ یہاں واجب ہے امام ''سرخسی'' اسی کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ بیع میں مشتری پر واجب ہوتا ہے۔ پس مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ پس بائع پر اس کے واجب کرنے کا کوئی معنی نہیں۔ ''المنتقی'' میں امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ جو آدمی لونڈی سے وطی کرتا تھا وہ اسے بیچے یہاں تک کہ استبراء رحم کر لے۔

33094۔ (قولہ: وَنَحْوِهَا) جیسے ہبہ کرنا، اس سے رجوع کرنا، صدقہ کرنا اور وصیت کرنا، بدل خلع، بدل صلح، بدل کتابت، بدل عتق یا بدل اجارہ۔

33095۔ (قولہ: وَلَوْ بِكْرًا الخ) کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ حکم کا دارومدار سبب پر ہے وہ ملکیت کا پیدا ہونا ہے۔ کیونکہ سبب حکم سے پہلے ہوتا ہے۔ ''قہستانی'' نے کہا: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: جب اسے یقین ہو کہ اس کا رحم بائع کے پانی سے فارغ ہے تو وہ استبرا نہ کرے۔

33096۔ (قولہ: لَوْ مُسْتَغْرَقًا بِالدَّيْنِ) یعنی دین نے اس کی ذات اور اس کے قبضہ میں جو کچھ ہے سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ کیونکہ آقا اس وقت اس کی کمائی کا مالک نہیں ہوتا۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما

وَإِلَّا لَا اسْتِبْرَاءَ (أَوْ مِنْ (مَحْرَمِهَا) غَيْرِ رَحِمِهَا كَيْ لَا تُعْتَقَ عَلَيْهِ (أَوْ مِنْ مَالِ صَبِيٍّ) وَلَوْ طِفْلَهُ (حَرُمَ عَلَيْهِ وَطْؤُهَا وَ) كَذَا (دَوَاعِيهِ) فِي الْأَصَحِّ لِاحْتِمَالِ وُقُوعِهَا فِي غَيْرِ مِلْكِهِ بِظُهُورِهَا حُبْلَى (حَتَّى يَسْتَبْرِئَهَا بِحَيْضَةٍ فِيمَنْ تَحِيضُ وَبِشَهْرٍ فِي ذَاتِ أَشْهُرٍ)

ورنہ استبرالازم نہیں یا اسے خریدا ہوا اس لونڈی کے محرم سے جو اس کا نسبی محرم نہ ہو۔ یہ قید اس لیے لگائی تا کہ لونڈی اس پر آزاد نہ ہو جائے یا لونڈی خریدی ہو صغیر کے مال سے اگرچہ صغیر مشتری کا لڑکا ہو تو اس مالک پر اس لونڈی کے ساتھ وطی کرنا حرام ہوگا۔ اسی طرح دواعی وطی حرام ہوں گے یہ اصح قول کے مطابق ہے۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ غیر کی ملک میں واقع ہوں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ لونڈی کا حمل ظاہر ہو جائے یہاں تک کہ وہ اس کے ایک حیض سے رحم کو پاک کرلے جس لونڈی کو حیض آتا ہو اور ایک ماہ سے اس کے رحم کو پاک کرلے جو لونڈی مہینوں والی ہو۔

کے نزدیک مالک ہوتا ہے، ''اتقانی''۔ پہلا استحسان ہے اور دوسرا قیاس ہے۔ ''خانیہ''۔

33097۔ (قولہ: وَإِلَّا) اگر دین اس کو محیط نہ ہو یا اس پر اصلاً دین نہ ہو تو کوئی استبرا نہیں ہوگا۔ یہ حکم اس وقت ہے جب وہ لونڈی غلام کے پاس حائضہ ہو جائے مگر جب وہ اس کے حیض سے پہلے اپنے آقا کے ہاتھ بیچ دے تو اس کا استبرا اس کے آقا کے ذمہ ہوگا اگرچہ ماذون، مدیون نہ ہو جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ''خانیہ'' سے مروی ہے۔ ''الدرر'' کے متن میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

33098۔ (قولہ: أَوْ مِنْ مَحْرَمِهَا غَيْرِ رَحِمِهَا) یعنی لونڈی کا محرم جس طرح وہ اگر بائع کی ماں ہو، اس کی بہن ہو یا اس کی بیٹی ہو یعنی رضاعی یا اس کی اصل یا اس کی فرع کی زوجہ ہو یا اس کی ماں یا اس کی بیٹی سے اس نے وطی کی ہو۔

33099۔ (قولہ: كَيْ لَا تُعْتَقَ عَلَيْهِ) یعنی بائع جو اس کا محرم ہے اس پر آزاد نہ ہو جائے۔ اگر وہ نسبی حرمت ہو یہ ان کے قول غیر رحمہا کے ساتھ جو قید لگائی ہے اس کی تعلیل ہے۔

33100۔ (قولہ: وَكَذَا دَوَاعِيهِ) جیسے بوسہ لینا اور معانقہ کرنا، شہوت یا بغیر شہوت کے اس کی شرمگاہ کی طرف دیکھنا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: جس کو جنگ میں قید کیا گیا ہو اس سے دواعی حرام نہیں، ''قہستانی''۔

33101۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) یہ دواعی کی قید ہے۔ اسی وجہ سے کذا کے لفظ کے ساتھ درمیان میں فصل کا ذکر کیا ہے۔ یہ ان کے بعض کے قول سے احتراز ہے: دواعی حرام نہیں۔ کیونکہ وطی کی حرمت اس لیے تھی تا کہ پانی خلط ملط نہ ہو جائے اور نسب مشتبہ نہ ہو جائے۔

33102۔ (قولہ: لِاحْتِمَالِ وُقُوعِهَا الخ) یعنی دواعی اصح کی تعلیل ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہ احتمال موجود ہے کہ حمل ظاہر ہو جائے۔ پس بائع بچے کا دعویٰ کرے اس کا وقوع غیر ملک میں ظاہر ہو۔ لیکن یہ قیدی عورت میں ظاہر نہیں ہوتا جس طرح ''طحطاوی'' نے کہا ہے۔

33103۔ (قولہ: حَتَّى يَسْتَبْرِئَهَا) اگر اس نے استبراء رحم سے پہلے وطی کی تو وہ گناہگار ہوگا اس کے بعد اس پر

وَهِيَ صَغِيرَةٌ وَآيِسَةٌ وَمُنْقَطِعَةُ حَيْضٍ وَلَوْ حَاضَتْ فِيهِ بَطَلَ الِاسْتِبْرَاءُ بِالْأَيَّامِ وَلَوْ ارْتَفَعَ حَيْضُهَا بِأَنْ صَارَتْ مُمْتَدَّةَ الطُّهْرِ وَهِيَ مِمَّنْ تَحِيضُ اسْتَبْرَأَهَا بِشَهْرَيْنِ وَخَمْسَةِ أَيَّامٍ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَبِهِ يُفْتَى وَالْمُسْتَحَاضَةُ يَدَعُهَا مِنْ أَوَّلِ الشَّهْرِ عَشَرَةَ أَيَّامٍ بُرْجُنْدِيٌّ وَغَيْرُهُ فَلْيُحْفَظْ

وہ صغیرہ، سن ایاس کو پہنچنے والی اور جس کا حیض منقطع ہو۔ اگر اسے اس دوران حیض آ جائے تو ایام کے ساتھ اس کا استبرا باطل ہو جائے گا اگر اس کا حیض اٹھ جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس کا طہر لمبا ہو جائے جب کہ یہ عورت ان عورتوں میں سے ہے جنہیں حیض آتا ہے تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ دو ماہ پانچ دنوں کے ساتھ استبرا کرے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اور استحاضہ کا استبرا یہ ہے کہ پہلے مہینے کے پہلے دس دن چھوڑ دے۔ ''برجندی'' وغیرہ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔

استبراء رحم لازم نہیں جس طرح ''سراجیہ'' اور ''المجتبیٰ'' میں ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

33104۔ (قولہ: وَمُنْقَطِعَةُ حَيْضٍ) ''المنح'' اور ''الدرر'' میں اسی طرح ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں یہ اعتراض کیا ہے: اگر اس سے مراد آئسہ ہے تو یہ بعینہ وہ ہے جس کا ذکر پہلے ہوا ہے۔ اگر اس عورت کا ارادہ کیا جس کا طہر لمبا ہو چکا ہے تو اس کا ناقض مابعد قول ہے جو یہ قول ہے: ولو ارتفع حیضها الخ۔

''الدر المنتقی'' میں ہے: یہ جان لو کہ منقطعۃ الحیض وہی ہے جو بڑھاپے کی عمر کو پہنچ چکی ہو اور اسے کبھی حیض نہ آیا ہو۔ یہی اس کا حکم ہے جس طرح بالاتفاق صغیرہ کا حکم ہوتا ہے۔ جہاں تک مرتفعۃ الحیض ہے یہ وہ عورت ہے جسے حیض آئے اگرچہ ایک دفعہ آئے پھر اس کا حیض نہ آئے اور اس کا طہر طویل ہو جائے اسی وجہ سے اسے ممتدۃ الطہر کہتے ہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔ یہ امر ''شرنبلالیہ'' جو ''الدرر'' کے محشی ہیں پر مخفی رہا پس بصیرت حاصل کیجئے۔

33105۔ (قولہ: عِنْدَ مُحَمَّدٍ) یہ وہ قول ہے جس کی طرف امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے رجوع کر لیا تھا جب کہ ان کا پہلا قول یہ تھا: چار ماہ دس دن۔ ظاہر روایت یہ ہے کہ اسے چھوڑا جائے گا یہاں تک کہ یہ واضح ہو جائے کہ یہ حاملہ نہیں۔ مشائخ نے حمل کے ظاہر ہونے کے عرصہ پر کئی اقوال پر اختلاف کیا ہے۔ سب سے محتاط دو سال ہیں۔ یہ اس کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ ایسی مدت ہے جو اس امر کی صلاحیت رکھتی ہے کہ نکاح میں لونڈی کی رحم کا بری ہونا معلوم ہو جائے تو ملک یمین جو درجہ میں اس سے کم ہے بدرجہ اولیٰ اس کا علم ہو جائے گا۔

33106۔ (قولہ: وَبِهِ يُفْتَى) ''شرنبلالیہ'' میں اسے کافی سے نقل کیا ہے۔

33107۔ (قولہ: وَالْمُسْتَحَاضَةُ يَدَعُهَا الخ) یہ اسی عورت میں ظاہر ہوگا جس کی عادت مہینہ کے شروع میں معلوم ہو جائے اس وقت یہ متعین نہیں ہوگا کہ حیض کی مدت دس دن ہے۔ اور اس عورت کے حق میں بھی ظاہر ہوگا جس پر بالغ ہونے کے شروع میں خون آئے پھر اس کا خون لگاتار جاری رہے۔ کیونکہ اس کا حیض دس دن ہوگا اور اس کا طہر بیس دن ہوگا۔ اس کی کلام کا اس پر حمل کرنا ظاہر ہوگا اور محیرہ میں ظاہر نہیں ہوگا۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ ''قہستانی'' کی ''المحیط'' سے مروی روایت ہے: اگر وہ اس مستحاضہ کو خریدے جس کے حیض کا علم نہ ہو تو وہ مہینے کے شروع میں دس دن اسے چھوڑ دے۔

(وَيُوضَعَ الْحَمْلُ فِي الْحَامِلِ وَلَا يُعْتَدُّ بِحَيْضَةٍ مَلَكَهَا فِيهَا وَلَا الَّتِي) بَعْدَ الْمِلْكِ (قَبْلَ قَبْضِهَا وَلَا بِوِلَادَةٍ حَصَلَتْ كَذَلِكَ) أَيْ بَعْدَ مِلْكِهَا قَبْلَ قَبْضِهَا (كَمَا لَا يُعْتَدُّ بِالْحَاصِلِ مِنْ ذَلِكَ) أَيْ مِنْ حَيْضَةٍ وَنَحْوِهَا بَعْدَ الْبَيْعِ (قَبْلَ إِجَازَةِ بَيْعِ فُضُولِيٍّ وَإِنْ كَانَتْ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي وَلَا يُعْتَدُّ أَيْضًا (بِالْحَاصِلِ بَعْدَ الْقَبْضِ فِي الشِّرَاءِ الْفَاسِدِ قَبْلَ أَنْ يَشْتَرِيَهَا) شِرَاءً (صَحِيحًا) لِانْتِفَاءِ الْمِلْكِ (وَيَجِبُ بِشِرَاءِ نَصِيبِ شَرِيكِهِ) مِنْ أَمَةٍ مُشْتَرَكَةٍ بَيْنَهُمَا لِتَمَامِ مِلْكِهِ الْآنَ

اور وہ استبراء رحم کرے گا حاملہ میں بچے کے پیدا ہونے کے ساتھ اور وہ اس حیض کو شمار نہیں کرے گا جس میں وہ اس لونڈی کا مالک بنا اور نہ ہی اس حیض کو شمار کرے گا جو حیض ملکیت کے بعد اور قبضہ سے پہلے آئے اور نہ ہی اس ولادت کو استبرا میں شمار کرے گا جو اس طرح حاصل ہو یعنی ملکیت کے بعد قبضہ سے پہلے جس حیض وغیرہ کو شمار نہیں کیا جاتا جو فضولی کی بیع میں اجازت سے قبل حاصل ہو اگرچہ وہ لونڈی مشتری کے قبضہ میں ہو اور نہ ہی اس حیض کو استبرا میں شمار کیا جائے گا جو فاسد خریداری میں قبضہ کے بعد حاصل ہو قبل اس کے کہ وہ صحیح خریداری کرے۔ کیونکہ ملک نہیں ہے۔ اور استبرا واجب ہوگا جب وہ اپنے شریک کا حصہ خریدے اس لونڈی کا جو ان دونوں میں مشترک تھی۔ کیونکہ اب اس کی ملکیت مکمل ہوئی ہے۔

پس عدم علم کے ساتھ قید لگائی ہے، ''ط''۔ ''ذخیرہ'' میں اس کی مثل ہے جو ''قہستانی'' میں ہے۔

33108۔ (قولہ: فِي الْحَامِلِ) اگرچہ زنا سے حاملہ ہو۔ ''قہستانی''۔

33109۔ (قولہ: قَبْلَ قَبْضِهَا) یعنی بائع یا وکیل سے قبضہ کرنے سے پہلے۔ اگر خریدی گئی لونڈی ایک عادل آدمی کے قبضہ میں دی گئی یہاں تک کہ وہ ثمن ادا کرے پس اس لونڈی کو عادل آدمی کے پاس حیض آیا تو اس کو شمار نہیں کیا جائے گا جس طرح ''الخزانہ'' میں ہے۔ ''قہستانی''۔

33110۔ (قولہ: وَلَا بِوِلَادَةٍ) پس نفاس کے بعد حیض سے استبرا کیا جائے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ''قہستانی''۔

33111۔ (قولہ: وَنَحْوِهَا) جیسے مہینہ گزر جائے اور بچہ پیدا ہو جائے۔ ''ط''۔

33112۔ (قولہ: قَبْلَ إِجَازَةِ بَيْعِ فُضُولِيٍّ) یہ قول اسے شامل ہوگا اگر لونڈی مشترک ہو اور دونوں میں سے ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر اسے بیچ دے جس طرح ''ولوالجیہ'' میں ہے۔

33113۔ (قولہ: لِانْتِفَاءِ الْمِلْكِ) یعنی ملک کامل نہیں پائی جا رہی جو کہ عقد صحیح کی طرف منسوب ہوتی ہے ورنہ فاسد خریداری قبضہ کے ساتھ ملکیت کا فائدہ دیتی ہے جس طرح اس کے محل میں یہ معلوم ہو چکا ہے، ''ح''۔ اس کی مثل ''سعدیہ'' میں ہے۔ اسی وجہ سے بائع پر استبرا کرنا واجب ہے جب بیع فاسد کے بعد قبضہ کے بعد رد کرے یا عیب کی وجہ سے واپس کرے جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ ''الولوالجیہ'' میں رد کرنے کو قاضی کے فیصلے کے ساتھ مقید کیا ہے۔

(وَيَجْتَزِئُ بِحَيْضَةٍ حَاضَتْهَا وَهِيَ مَجُوسِيَّةٌ أَوْ مُكَاتَبَةٌ بِأَنْ) اشْتَرَى أَمَةً مَجُوسِيَّةً أَوْ مُسْلِمَةً وَ (كَاتَبَهَا بَعْدَ الشِّرَاءِ) قَبْلَ الِاسْتِبْرَاءِ فَحَاضَتْ (ثُمَّ أَسْلَمَتْ الْمَجُوسِيَّةُ أَوْ عَجَزَتْ الْمُكَاتَبَةُ لِوُجُودِهَا بَعْدَ الْمِلْكِ) وَلَا يَجِبُ عِنْدَ عَوْدِ الْآبِقَةِ أَيْ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ خَانِيَّةٌ (وَرَدِّ الْمَغْصُوبَةِ) أَيْ إذَا لَمْ يُصِبْهَا الْغَاصِبُ خَانِيَّةٌ

اور وہ اس حیض کو استبرا میں شمار کرے گا جو اسے حیض آئے جب کہ وہ مجوسیہ ہو یا مکاتبہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مجوسی لونڈی خریدے یا مسلمان لونڈی خریدے اور خریدنے کے بعد استبرا سے پہلے اس کے ساتھ عقد مکاتبہ کرے پھر اسے حیض آئے پھر مجوسیہ مسلمان ہو جائے یا مکاتبہ عاجز آ جائے۔ کیونکہ حیض ملکیت کے بعد پایا گیا۔ اور بھاگی ہوئی لونڈی واپس آئے یعنی دار الاسلام میں آئے تو اس پر استبرا واجب نہیں ہوگا ''خانیہ''۔ اور مغصوبہ لونڈی کو واپس کرنے کی صورت میں استبرا واجب نہیں ہوگا یعنی جب غاصب نے اس تک رسائی حاصل نہ کی ہو ''خانیہ''۔

33114_(قولہ: وَيَجْتَزِئُ بِحَيْضَةٍ) وہ حیض وغیرہ کو شمار کرے گا۔

33115_(قولہ: حَاضَتْهَا) یعنی قبضہ کے بعد اسے حیض آ گیا ''ہدایہ''۔

33116_(قولہ: أَوْ مُكَاتَبَةٌ) حیل میں عنقریب آئے گا کہ جب مشتری لونڈی سے عقد مکاتبہ کرے گا تو استبرا ساقط ہو جائے گا تو یہاں شمار کرنے کا کیا معنی ہے۔ پھر میں نے ''طحطاوی'' کو دیکھا اس نے اسی طرح اشکال کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم عنقریب تطبیق کو ذکر کریں گے۔

33117_(قولہ: لِوُجُودِهَا) کیونکہ حیض ملکیت کے بعد پایا گیا ہے۔ یہ اس حیض کو شمار کرنے کی علت ہے یعنی یہ حیض استبرا کا سبب پائے جانے کے بعد پایا گیا ہے اور وطی کی حرمت یہ استبرا کے لیے اسے شمار کرنے میں مانع نہیں ہے جس طرح وہ ایک محرم لونڈی خریدے تو احرام کی حالت میں اسے حیض آ جائے۔ ''اتقانی''۔

33118_(قولہ: أَيْ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ) یعنی اہل حرب اسے اپنے علاقہ میں نہیں لے گئے اگر وہ اسے اپنے علاقہ کی طرف لے جائے تو اس کے مالک ہو جائیں گے جب وہ لونڈی کی وجہ سے اپنے مالک کی طرف لوٹ آئی تو تمام ائمہ کے قول میں اس پر استبرا لازم ہوگا۔ اگر وہ لونڈی دار الحرب میں رہی پھر وہ لوٹی تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں استبرا واجب نہیں۔ کیونکہ وہ اس کے مالک نہیں ہوئے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک استبرا واجب ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کے مالک بن گئے تھے۔ ''اتقانی'' وغیرہ نے اسے بیان کیا ہے۔

33119_(قولہ: أَيْ إذَا لَمْ يُصِبْهَا الْغَاصِبُ) بعض نسخوں میں: اذا لم يبعها ہے۔ یہ صحیح ہے۔ یہ اس کے موافق ہے جو ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔ اس میں ہے: اگر وہ اس کو بیچ دے اور مشتری کے سپرد کر دے پھر جس سے وہ غصب کی گئی تھی یعنی مالک وہ قاضی کے فیصلہ یا باہمی رضامندی سے اسے واپس لے لے اگر مشتری کو غصب کا علم ہو تو مالک پر استبرا کرنا واجب نہیں ہے غاصب سے خریدنے والے مشتری نے اس سے وطی کی ہو یا وطی نہ کی ہو اگر مشتری کو شرا کے وقت علم نہ ہو کہ یہ غصب

(وَالْمُسْتَأْجَرَةِ وَفَكِّ الْمَرْهُونَةِ) لِعَدَمِ اسْتِحْدَاثِ الْمِلْكِ وَلَوْ أَقَالَ الْبَيْعَ قَبْلَ الْقَبْضِ لَا اسْتِبْرَاءَ عَلَى الْبَائِعِ كَمَا لَوْ بَاعَهَا بِخِيَارٍ وَقَبَضَتْ ثُمَّ أَبْطَلَهُ بِخِيَارِهِ لِعَدَمِ خُرُوجِهَا عَنْ مِلْكِهِ وَكَذَا لَوْ بَاعَ مُدَبَّرَتَهُ أَوْ أُمَّ وَلَدِهِ وَقَبَضَتْ إِنْ لَمْ يَطَأْهَا الْمُشْتَرِي وَكَذَا لَوْ طَلَّقَهَا الزَّوْجُ قَبْلَ الدُّخُولِ

اور متاجرہ کو واپس کرنے کی صورت میں اور مرہونہ کا رہن ختم ہونے کی صورت میں استبرا واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ نئی ملکیت واقع نہیں ہوئی اگر قبضہ سے پہلے بیع کا اقالہ کیا تو بائع پر استبرا لازم نہیں ہوگا جس طرح اگر وہ خیار کی صورت میں اسے بیچ دے اور اس لونڈی پر قبضہ کیا گیا پھر اپنے خیار کے ساتھ اس بیع کو باطل کر دیا تو استبرا واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کی ملکیت سے نہیں نکلی۔ اسی طرح اگر اس نے مدبرہ لونڈی یا ام ولد کی بیع کی اور اس پر قبضہ کر لیا گیا اگر مشتری نے اس سے وطی نہ کی ہو۔ اسی طرح اگر خاوند نے حقوق زوجیت سے پہلے طلاق دے دی

ہے۔ اگر وہ وطی نہ کرے تو استبرا واجب نہیں ہوگا۔ اگر وہ وطی کرے تو قیاس یہ ہے کہ استبرا واجب نہیں جس طرح اس غاصب سے خریدنے والا اس سے وطی کرے جب کہ اسے غصب کا علم ہو کیونکہ یہ زنا ہے۔

33120۔ (قولہ: قَبْلَ الْقَبْضِ) یعنی مشتری کے قبضہ کرنے سے پہلے۔ اگر اس کے بعد ہو تو استبرا لازم ہوگا اگرچہ وہ مجلس میں اقالہ کریں۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: جب وہ جدا ہونے سے پہلے اقالہ کر لیں تو استبرا واجب نہیں ہوگا۔ ''ظہیریہ''۔

33121۔ (قولہ: كَمَا لَوْ بَاعَهَا بِخِيَارٍ) یعنی بائع کو خیار شرط حاصل ہو جس طرح وہ اپنے اس قول ثم ابطلہ بخیارہ سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اگر مشتری کو خیار ہو اور قبضہ سے پہلے اسے فسخ کر دیا گیا ہو تو بالاجماع حکم اسی طرح ہوگا۔ اگر قبضہ کے بعد فسخ کرے تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حکم اسی طرح ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے کہا: بائع پر استبرا لازم ہے۔ کیونکہ مشتری کا خیار ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک مشتری کی ملکیت کے واقع ہونے کے مانع نہیں اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مانع ہے۔ مگر جب مشتری خیار عیب یا خیار رویت کے ساتھ لونڈی واپس کر دے تو بائع پر استبرا لازم ہوگا۔ کیونکہ یہ مشتری کے لیے ملکیت کے واقع ہونے کے مانع نہیں۔ ''اتقانی'' نے یہ بیان کیا ہے۔

33122۔ (قولہ: وَقَبَضَتْ) قبضہ نہ ہو تو بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہوگا۔

33123۔ (قولہ: وَكَذَا الخ) یعنی بائع پر استبرا لازم نہیں جب وہ واپس لے لے۔ کیونکہ بیع صحیح نہیں تھی اگرچہ قبضہ کے بعد واپس لے۔

33124۔ (قولہ: إِنْ لَمْ يَطَأْهَا الْمُشْتَرِي) اگر وہ وطی کرے تو استبرا کرے ''زیلعی''، ''نہایہ''۔

''طحطاوی'' نے کہا: اس میں ہے کہ مدبرہ اور ام ولد کی بیع باطل ہے وہ اس میں بیع پر قبضہ کرنے کے بعد اس کا مالک نہیں ہوگا۔ اس وقت مشتری کا وطی کرنا زنا ہوگا اس کے لیے کوئی استبرا نہیں۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ پس چاہیے کہ یہ

إِنْ كَانَ زَوَّجَهَا بَعْدَ الِاسْتِبْرَاءِ وَإِنْ قَبْلَهُ فَالْمُخْتَارُ وُجُوبُهُ زَيْلَعِيٌّ قُلْتُ وَفِي الْجَلَالِيَّةِ شَرَى مُعْتَدَّةَ الْغَيْرِ وَقَبَضَهَا ثُمَّ مَضَتْ عِدَّتُهَا لَمْ يَسْتَبْرِئْهَا لِعَدَمِ حِلِّ وَطْئِهَا لِلْبَائِعِ وَقْتَ وُجُودِ السَّبَبِ

اگر اس نے اس لونڈی سے استبرا کے بعد شادی کی ہو۔ اگر استبرا سے پہلے شادی کی ہو تو مختار مذہب یہ ہے کہ استبرا واجب ہو،''زیلعی''۔ میں کہتا ہوں: ''الجلالیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے غیر کی معتدہ کو خریدا اور اس پر قبضہ کر لیا پھر اس کی عدت گزر گئی تو اس کا استبرا نہ کرے۔ کیونکہ بائع کے لیے سبب پائے جانے کے وقت وطی کرنا حلال نہیں۔

اس مشتری کی وطی کی طرح ہو جو غاصب سے خریدتا ہے جس طرح قول گزر چکا ہے۔ شاید فرق اختلاف کا شبہ ہے۔ کیونکہ مدبرہ کی بیع امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔ ام ولد کی بیع کے بارے میں امام ''احمد'' سے ایک روایت مروی ہے۔ جب بعض ائمہ کے نزدیک بیع جائز ہے تو مشتری کا وطی کرنا زنا نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے بائع پر استبرا واجب ہوگا جب وہ اسے واپس لے۔ غصب کا مسئلہ مختلف ہے۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔

33125۔ (قولہ: إِنْ كَانَ زَوَّجَهَا بَعْدَ الِاسْتِبْرَاءِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس کا مالک ہوا، اس کا استبرا رحم کیا پھر اس سے شادی کی۔

33126۔ (قولہ: وَإِنْ قَبْلَهُ) اگر قبضہ کے بعد استبرا سے پہلے اس سے شادی کی اور خاوند نے حقوق زوجیت سے پہلے طلاق دے دی تو مختار مذہب یہ ہے کہ مالک پر استبرا واجب ہے۔ یہ صورت باقی ہے اگر اسے شادی کے بعد حیض آیا کیا خاوند اس کو استبرا شمار کرے گا؟ ظاہر یہ ہے کہ استبرا شمار کرے گا جس طرح وہ لونڈی خریدے اور اس سے عقد مکاتبہ کرے اور اسے حیض آ جائے تو وہ عقد مکاتبہ ادا کرنے سے عاجز آ جائے جس طرح قول گزر چکا ہے۔ فتدبر

33127۔ (قولہ: لِلْبَائِعِ) صحیح قول للمشتری ہے۔ کیونکہ وہ لونڈی جس کو خریدا گیا اس میں استبرا کا وجوب اس کی جانب سے ہوتا ہے جو محترم اسے ''ابو سعود'' نے بیان کیا ہے۔ ''الذخیرہ'' میں ہے: ایک آدمی نے لونڈی خریدی، اس پر قبضہ کیا جب کہ اس کے ذمہ طلاق یا وفات کی عدت ایک دن یا زیادہ یا کم ہو تو عدت کے بعد اس پر استبرا لازم نہیں۔ کیونکہ قبضہ کی حالت میں استبرا واجب نہیں تھا جس طرح وہ لونڈی نکاح میں مشغول ہو۔ کیونکہ یہ عقد وطی کی ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا۔ ان کا قول لا یستفید اس میں ضمیر فاعل مشتری کے لیے ہے اور اس کا ظاہر معنی یہ ہے تو استبرا واجب نہیں اگرچہ خریداری کے بعد اس کی عدت ایک لحظہ کے ساتھ ختم ہو جائے۔ مجوسیہ کے ساتھ اس میں اشکال پیدا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ بیع کے وقت یا قبضہ کے وقت اس کے ساتھ وطی کرنا حلال نہیں ہوتا حالانکہ اس کا استبرا واجب ہے جب مشتری کے پاس حیض آنے سے پہلے وہ مسلمان ہو جائے بعض اوقات اس میں یوں فرض بیان کیا جاتا ہے کہ مجوسی لونڈی کو خریدنا یہ وطی کی ملکیت کا فائدہ دیتا ہے۔ لیکن ایک مانع کی وجہ سے یہ حرام ہے جیسے وہ حیض والی ہو اور اس نے احرام باندھا ہوا ہو۔ غیر کی معتدہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ اصلاً اس کا فائدہ نہیں دیتی جس طرح یہ اس قول کا متبادر معنی ہے جو گزر چکا ہے۔ اسی طرح کا حکم ہے اگر وہ بچہ جنے تو

(وَلَا بَأْسَ بِحِيلَةِ إِسْقَاطِ الِاسْتِبْرَاءِ إِذَا عُلِمَ أَنَّ الْبَائِعَ لَمْ يَقْرَبْهَا فِي طُهْرِهَا ذَلِكَ وَإِلَّا لَا) يَفْعَلُهَا بِهِ يُفْتَى (وَهِيَ إِذَا لَمْ تَكُنْ تَحْتَهُ حُرَّةٌ) أَوْ أَرْبَعُ إِمَاءٍ (أَنْ يَنْكِحَهَا) وَيَقْبِضَهَا (ثُمَّ يَشْتَرِيهَا) فَتَحِلُّ لَهُ لِلْحَالِ

استبراء رحم کو ساقط کرنے کے لیے حیلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں جب اسے یہ علم ہو کہ بائع اس کے اس طہر میں اس کے قریب نہیں گیا ورنہ وہ حیلہ نہ کرے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ وہ حیلہ یہ ہے: جب اس کے عقد میں آزاد عورت نہ ہو یا چار لونڈیاں نہ ہوں تو وہ اس کے ساتھ نکاح کرے اور اس کو قبضہ میں لے پھر اسے خریدے تو وہ فی الحال اس کے لیے حلال ہو جائے گی۔

اس کا نسب اس کے خاوند سے ثابت ہو جائے گا مشتری سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔ تامل

استبراء رحم کو ساقط کرنے کے حیلے کے جواز میں ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے مابین اختلاف

33128۔ (قولہ: لَا بَأْسَ الخ) یہ جان لو کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مطلقاً اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ وہ اس کا حکم لازم ہونے سے بچتا ہے۔ اسے خوف ہے اگر یہ اس پر لازم ہو جائے تو وہ اس کو پورا نہ کر سکے گا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے مطلقاً اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ احکام شرعیہ سے فرار ہے۔ یہ مومنین کے اخلاق میں سے نہیں ہے۔ جس قول کو لیا جائے وہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اگر بائع کے پاس اسے علم ہو کہ وہ اس کے قریب نہیں گیا۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو لیا جائے جب اسے علم ہو کہ وہ قریب گیا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا یحل لرجلین یومنان باللہ والیوم الآخر ان یجتمعا علی امراۃ واحدۃ فی طہر واحد(1) وہ دو آدمی جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوں ان کے لیے حلال نہیں کہ وہ ایک طہر میں ایک عورت پر جمع ہوں۔ جب اس طہر میں بائع اس کے قریب نہیں گیا تو یہ نہی متحقق نہ ہوگی۔ ''ابو سعود'' نے کہا: جب وہ کسی شے کو نہ جانتا ہو تو ظاہر یہی ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے۔ کیونکہ وہم موجود ہے کہ رحم مشغول ہو۔ میں نے علامہ ''نوح آفندی'' کا حاشیہ دیکھا ہے جو اس کا فائدہ دیتا ہے۔

33129۔ (قولہ: فِي طُهْرِهَا ذَلِكَ) اگر وہ حیض میں وطی کرے تو حیلہ مکروہ نہ ہوگا۔ ''قہستانی''۔

33130۔ (قولہ: أَوْ أَرْبَعُ إِمَاءٍ) یعنی عقد نکاح کے ساتھ۔ اگر مصنف اس طرح کا قول کرے جیسا قول ''ابن کمال'' نے کیا ہے ان لم یکن تحتہ من یمنع نکاحھا تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔

33131۔ (قولہ: أَنْ يَنْكِحَهَا) یہ لفظ یا کے فتحہ اور کاف کے کسرہ کے ساتھ ہے یا اس کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ یہ نکح مجرد کا مضارع ہے یعنی اس سے شادی کرے آنے والا اینکحہا اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ یہ یا کے ضمہ اور کاف کے کسرہ کے ساتھ مزید فیہ سے ہے۔

33132۔ (قولہ: وَيَقْبِضَهَا) خریدنے سے پہلے قبضہ کی شرط یہ ''حلوانی'' کا قول ہے۔ ''زیلعی'' نے اس کے ساتھ صاحب ''ہدایہ'' پر استدراک کیا ہے۔ ''ابن کمال'' نے کہا: ''خانیہ'' میں یہ قید ذکر کی یہ ضروری ہے تاکہ نکاح کے فساد کے

1۔ المبسوط المعروف بالاصل، کتاب البیوع، باب الاستبراء، جلد 5، صفحہ 243

لِأَنَّهُ بِالنِّكَاحِ لَا يَجِبُ ثُمَّ إِذَا اشْتَرَى زَوْجَتَهُ لَا يَجِبُ أَيْضًا وَنَقَلَ فِي الدُّرَرِ عَنْ ظَهِيرِ الدِّينِ اشْتَرَاطُ وَطْئِهِ قَبْلَ الشِّرَاءِ وَذَكَرَ وَجْهَهُ (وَإِنْ تَحْتَهُ حُرَّةٌ) فَالْحِيلَةُ (أَنْ يُنْكِحَهَا الْبَائِعُ)

کیونکہ نکاح کرنے کی صورت میں اس پر استبرا واجب نہیں ہوتا۔ پھر جب وہ اپنی زوجہ کو خریدے گا تو بھی استبرا واجب نہیں ہوگا۔ اور ''الدرر'' میں ''ظہیر الدین'' سے نقل کیا ہے کہ خریداری سے پہلے وطی کرنا شرط ہے اور اس کی وجہ ذکر کی ہے۔ اگر اس کے عقد میں آزاد عورت ہو تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ بائع اس کا خریداری سے پہلے نکاح کر دے

بعد خریداری کے حکم کے طور پر قبضہ نہ پایا جائے۔ ''ہدایہ'' میں ''سرخسی'' کا قول ہے۔ ''الملتقی''، ''مواہب'' اور ''وقایہ'' کا یہی ظاہر معنی ہے۔

''قہستانی'' نے کہا: جو ہم نے ذکر کیا ہے یعنی ان کا قول لانہ بالنکاح اس کے لیے فراش ثابت ہو جاتا ہے جو شرعاً رحم کے فارغ ہونے پر دال ہے اور بیع سے صرف ملک رقبہ واقع ہوتی ہے اس سے ظاہر ہوا کہ مصنف کے نزدیک مختار مذہب ''سرخسی'' کا قول ہے جو امام ہیں۔ اگر وہ ''حلوانی'' کا قول ترک کر دیں تو ان پر کوئی ملامت نہ ہوگی۔

33133۔ (قوله: ثُمَّ إِذَا اشْتَرَى زَوْجَتَهُ لَا يَجِبُ أَيْضًا) یعنی استبرا۔ پس گزشتہ دلیل کی وجہ سے واجب نہ ہوگا۔ نکاح باطل ہو جائے گا اور تمام مہر ساقط ہو جائے گا۔ ''اتقانی''۔

33134۔ (قوله: وَنَقَلَ فِي الدُّرَرِ) کیونکہ کہا: ''فتاویٰ صغریٰ'' میں ہے: ''ظہیر الدین'' نے کہا: میں نے بعض مشائخ کی کتاب الاستبراء میں دیکھا ہے کہ اس صورت میں مشتری کے لیے اس کے ساتھ وطی کرنا حلال ہے اگر وہ اس کے ساتھ شادی کرے اور اس کے ساتھ وطی کرے پھر اسے خریدے۔ کیونکہ وہ اس وقت اس کا مالک بنے گا جب کہ وہ لونڈی عدت میں ہوگی۔ مگر جب اس کے ساتھ وطی سے پہلے اسے خریدے تو جونہی اسے خریدے گا نکاح باطل ہو جائے گا اور ملکیت کے ثبوت کی حالت میں کوئی نکاح نہیں ہوتا۔ پس استبرا واجب ہوگا۔ کیونکہ سبب متحقق ہو چکا ہے وہ ملک یمین کی وجہ سے وطی کا نئے سرے سے حلال ہونا ہے۔ کہا: یہ کتاب میں مذکور نہیں یہ دقیق اور حسن ہے یہاں تک ''فتویٰ صغریٰ'' کے الفاظ ہیں، ''کلام الدرر''۔ اس میں ہے: دارومدار نئی ملکیت اور قبضے کا واقع ہونا ہے یہاں دوسری صورت موجود ہے۔ تامل۔ ''ح''۔ یعنی بیع سے صرف ملک رقبہ واقع ہوئی ہے اور اس وطی کا حلال ہونا جو اس سے پہلے ثابت ہے یہ شرعاً رحم کے فارغ ہونے پر دال ہے جس طرح ہم پہلے ''قہستانی'' سے نقل کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اسی وجہ سے ''ظہیر الدین'' کی کلام نقل کرنے کے بعد کہا: ''ذخیرہ'' میں کہا: ''طحطاوی'' نے ''حموی'' سے نقل کرتے ہوئے کہا: علامہ ''مقدسی'' نے کہا ہے: یہ تلخیص یہاں کی جاتی ہے کہ اقوال تین ہیں: ایک قول یہ ہے کہ قبضہ اور حقوق زوجیت کی ادائیگی پہلے شرط ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ صرف قبضہ کرنا شرط ہے اور ایک قول اطلاق اور عقد پر اکتفا کرنے کے بارے میں ہے۔ یہ زیادہ وسعت کا حامل ہے۔ دوسرا قول زیادہ مناسب ہے۔ پہلے کا معاملہ مختلف ہے۔ فلیتامل

أَيْ يُزَوِّجَهَا مِمَّنْ يَثِقُ بِهِ كَمَا سَيَجِيءُ (قَبْلَ الشِّرَاءِ أَوْ) أَنْ يَنْكِحَهَا (الْمُشْتَرِي قَبْلَ قَبْضِهِ) لَهَا فَلَوْ بَعْدَهُ لَمْ يَسْقُطْ (مِنْ مَوْثُوقٍ بِهِ) لَيْسَ تَحْتَهُ حُرَّةٌ (أَوْ يُزَوِّجُهَا بِشَرْطِ أَنْ يَكُونَ أَمْرُهَا بِيَدِهَا) أَوْ بِيَدِهِ يُطَلِّقُهَا مَتَى شَاءَ إِنْ خَافَ أَنْ لَا يُطَلِّقَهَا (ثُمَّ يَشْتَرِيَ) الْأَمَةَ (وَيَقْبِضَ أَوْ يَقْبِضُ فَيُطَلِّقُ الزَّوْجُ) قَبْلَ الدُّخُولِ بَعْدَ قَبْضِ الْمُشْتَرِي فَيَسْقُطُ الِاسْتِبْرَاءُ

یعنی اس کی اس آدمی سے شادی کر دے جس پر اسے اعتماد ہو جس طرح عنقریب آئے گا، یا مشتری اس پر قبضہ کرنے سے قبل اس کا نکاح کر دے جس پر اسے اعتماد ہو اور اس کے عقد میں آزاد ہو۔ اگر قبضہ کے بعد نکاح کرے تو حیلہ ساقط نہیں ہوگا۔ یا اس کا نکاح اس شرط پر کرے کہ اس کا امر اس کے قبضہ میں ہوگا، یا اس کا امر مشتری کے قبضہ میں ہوگا وہ اسے جس وقت چاہے طلاق دے اگر اسے خوف ہو کہ خاوند اسے طلاق نہیں دے گا پھر لونڈی کو خریدے اور اس پر قبضہ کر لے یا اس پر قبضہ کرے اور خاوند حقوق زوجیت کی ادائیگی سے پہلے مشتری کے قبضہ کے بعد اسے طلاق دے دے۔ پس استبرا ساقط ہو جائے گا۔

33135۔(قولہ: مِمَّنْ يَثِقُ بِهِ) یعنی جسے اعتماد ہو کہ وہ اسے طلاق دے گا جب وہ ارادہ کرے گا۔

33136۔(قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی چند سطور بعد آئے گا۔ جسے یہاں ذکر کیا ہے اس کے ساتھ اس سے غنا حاصل ہو جاتی ہے۔

33137۔(قولہ: فَلَوْ بَعْدَهُ لَمْ يَسْقُطْ) یعنی اگر اس کے بعد ہو تو مختار مذہب کے مطابق استبرا ساقط نہیں ہوگا جس طرح پہلے اسے ''زیلعی'' سے بیان کیا ہے۔ کیونکہ قبضہ کے وقت شرا کے حکم سے وہ لونڈی کے لیے حلال تھی۔ پس سبب کے پائے جانے کی وجہ سے استبرا واجب ہوگا۔

33138۔(قولہ: أَوْ يُزَوِّجُهَا) یعنی بائع خریداری سے پہلے یا مشتری قبضہ سے پہلے اس کی شادی کر دے۔ ''ح''۔

33139۔(قولہ: ثُمَّ يَشْتَرِيَ وَيَقْبِضَ) یہ قول کی طرف راجع ہے جب بائع اس کی شادی کرے۔ اور اس کا قول او یقبض یہ اس کی طرف راجع ہے جب مشتری اس کی شادی کرے اس کا عطف یشتری پر ہے۔ ''ح''۔

33140۔(قولہ: فَيُطَلِّقُ الزَّوْجُ الخ) اس پر لونڈی کے آقا کے لیے نصف مہر لازم ہوگا اور اسے یہ حق حاصل ہے کہ اسے اس سے بری کر دے۔ ''اتقانی''۔

33141۔(قولہ: قَبْضِ الْمُشْتَرِي) مگر جب وہ اسے اس سے پہلے طلاق دے دے تو اس پر استبرا لازم ہوگا جس طرح ''الاصل'' میں ہے۔ کتاب الحیل میں ہے: شرا کے وقت اعتبار کرتے ہوئے اس پر استبرا لازم نہیں۔ کیونکہ اس وقت وہ غیر کے حق میں مشغول ہے۔ ''الاصل'' کی روایت کے مطابق قبضہ کے وقت کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہی قول صحیح ہے۔ ''ذخیرہ''۔

33142۔(قولہ: فَيَسْقُطُ الِاسْتِبْرَاءُ) کیونکہ سبب، جو اس ملکیت کا واقع ہونا ہے جو قبضہ کے ساتھ موکد ہے جب اس کی فرج اس کے لیے حلال نہ تھی، کے پائے جانے کے وقت استبرا واجب نہیں ہوگا اگرچہ وہ اس کے بعد حلال نہ ہو۔

وَقِيلَ الْمَسْأَلَةُ الَّتِي أَخَذَ أَبُو يُوسُفَ عَلَيْهَا مِائَةَ أَلْفِ دِرْهَمٍ أَنَّ زُبَيْدَةَ حَلَفَتْ الرَّشِيدَ أَنْ لَا يَشْتَرِيَ عَلَيْهَا جَارِيَةً وَلَا يَسْتَوْهِبَهَا فَقَالَ يَشْتَرِي نِصْفَهَا وَيُوهَبُ لَهُ نِصْفُهَا مُلْتَقَطٌ (أَوْ يُكَاتِبُهَا) الْمُشْتَرِي (بَعْدَ الشِّرَاءِ) وَالْقَبْضِ كَمَا يُفِيدُهُ إِطْلَاقُهُمْ وَعَلَيْهِ فَيُطْلَبُ الْفَرْقُ بَيْنَ الْكِتَابَةِ

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مسئلہ جس پر امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے ایک لاکھ درہم لیا تھا وہ یہ تھا کہ زبیدہ خاتون نے ہارون رشید سے قسم لی کہ وہ اس پر لونڈی کو نہیں خریدے گا اور نہ ہی اسے بطور ہبہ قبول کرے گا۔ تو آپ نے فرمایا: وہ نصف لونڈی خریدے اور نصف اس کو ہبہ کی جائے۔ ''ملتقط''۔ یا مشتری خریداری اور قبضہ کے بعد اس کے ساتھ عقد مکاتبہ کرے جس طرح ان کا اطلاق اسے بیان کرتا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر قبضہ کے بعد کتابت

کیونکہ معتبر سبب کے پائے جانے کے اوقات ہیں جس طرح جب وہ غیر کی معتدہ ہو۔ ''ہدایہ''۔

''مقدسی'' نے مجوسیہ کے ساتھ اس میں اشکال کا ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: حلت سے مراد خریداری کے ساتھ وطی کی ملکیت کا حاصل ہونا ہے۔ اس کے ساتھ اشکال مندفع ہوتا ہے جس طرح ہم نے پہلے اسے ثابت کر دیا ہے۔ تامل

استبرا کے حیلے میں حکایت

33143۔(قولہ: وَقِيلَ الخ) یہ شارح رحمۃ اللہ علیہ کی مخفی رموز میں ہے۔ کیونکہ استبرا کے حیلہ میں اس واقعہ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا جس کا عمل دخل ہے وہ اس قول کے مقابل ہے۔

''ابن شحنہ'' نے جو حکایت کی ہے اس کا حاصل یہ ہے: ہارون الرشید نے ایک رات امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کو طلب کیا جب کہ ان کے پاس ''عیسیٰ بن جعفر'' موجود تھا اس نے کہا: میں نے اس سے اس کی لونڈی طلب کی تو اس نے یہ خبر دی کہ اس نے یہ قسم اٹھائی ہوئی ہے کہ نہ وہ اسے بیچے گا اور نہ ہی اسے ہبہ کرے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اسے نصف بیچ دے اور نصف ہبہ کر دے تو اس نے اس طرح کر دیا۔ ''رشید'' نے استبرا کے سقوط کا ارادہ کیا تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اسے آزاد کر دے اور میں تیرا اس سے نکاح کر دیتا ہوں تو اس نے ایسا کر دیا۔ ہارون الرشید نے ایک لاکھ درہم اور بیس جوڑے کپڑوں کے دینے کا حکم کیا۔

33144۔(قولہ: يَشْتَرِي نِصْفَهَا الخ) پس یہ قول اس پر صادق آئے گا کہ اگر اس نے کامل لونڈی نہ خریدی اور اسے کامل لونڈی ہبہ نہ کی گئی۔ یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے یستوھب میں سین اور تا زائد ہو، ورنہ یہ طلب کے لیے ہوتے اسے کامل لونڈی مطالبہ کے بغیر ہبہ کی گئی تو وہ حانث نہیں ہوگا، فلیتامل۔ اور استبرا واجب ہوگا کیونکہ ملکیت اور قبضہ نیا واقع ہوا ہے۔ ''ط''۔

33145۔(قولہ: كَمَا يُفِيدُهُ إِطْلَاقُهُمْ) میں کہتا ہوں: یہ ان کے اطلاق سے مستفاد ہوتا ہے اس کے وہ معارض نہ ہو جو اس سے اقویٰ ہو۔ یہ وہ ہے جس کی ''ہدایہ'' میں تصریح کی ہے کہ وہ استبرا میں اس حیض کو شمار کرے گا جو قبضہ کے بعد

وَالنِّكَاحِ بَعْدَ الْقَبْضِ، وَقَدْ نَقَلَهُ الْمُصَنِّفُ عَنْ شَيْخِهِ بَحْثًا كَمَا سَنَذْكُرُهُ

اور نکاح میں فرق کو تلاش کیا جائے گا۔ مصنف نے اسے اپنے شیخ سے بحث کے انداز میں نقل کیا ہے جس طرح ہم عنقریب اسے ذکر کریں گے۔

اسے حیض آیا تھا جب کہ وہ لونڈی مجوسیہ ہو یا مکاتبہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ خریداری کے بعد اس کے ساتھ عقد مکاتبہ کرے پھر مجوسی عورت مسلمان ہو جائے اور مکاتبہ عاجز آ جائے۔ کیونکہ یہ حیض اس کے سبب کے بعد پایا گیا ہے۔ وہ ملکیت اور قبضہ کا نئے سرے سے واقع ہونا ہے۔ یہ استبرا کے وجوب میں صریح ہے جب وہ قبضہ کے بعد اس سے عقد مکاتبہ کرے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ پس جو یہاں ہے اسے قبضہ سے قبل پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ قواعد کے مقتضا کے موافق ہے اور دونوں کلاموں کے درمیان تطبیق ہے۔

33146۔(قولہ: وَالنِّكَاحِ) زیادہ بہتر الانکاح ہے۔''ح''۔

33147۔ (قولہ: كَمَا سَنَذْكُرُهُ) یعنی ان کے قول: لزوال ملكه بالكتابة الخ میں عنقریب ذکر کریں گے مصنف کی اپنے شیخ سے عبارت ہے۔ شاید اس کی وجہ ہے کہ کتابت کے ساتھ وہ آقا کے قبضہ سے نکل چکی ہے پھر عاجز قرار دینے کے ساتھ نئے سرے سے ملکیت واقع ہو گئی ہے۔ لیکن اس میں حقیقت میں ملک رقبہ واقع نہیں ہوئی۔ پس وہ سبب نہیں پایا گیا جو استبرا کا موجب ہے۔''النہایہ'' کا قول اس کی تائید کرتا ہے یہ لونڈی جب آقا کی ملکیت سے نہ نکلے لیکن اس کے قبضہ سے نکل جائے پھر لونڈی اس کی طرف لوٹ آئے تو استبرا واجب نہیں ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اگر یہ فرق صحیح ہے تو''ہدایہ'' کا کلام باطل ہو جائے گا جسے شارحین نے ثابت رکھا ہے کیسے نہ ہو جب کہ وہ سبب جو استبرا کا موجب ہے وہ پایا جا رہا ہے وہ نئی ملکیت کا واقع ہونا ہے۔ قبضہ کے بعد اور کمائی کی آزادی اور کتابت کے ساتھ صرف وہ قبضہ ختم ہوا جو وطی کی حلت کو واجب کرتا تھا اور ملک رقبہ باقی رہی۔ پس یہ اس کی مثل ہے جب وہ قبضہ کے بعد اس لونڈی سے عقد نکاح کرے۔''النہایہ'' کی کلام میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس کا فائدہ دے بلکہ بعض اوقات یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ ان کے مدعیٰ کے خلاف دلیل ہے۔ کیونکہ اس پر دال ہے کہ ید کا زوال اصلاً غیر معتبر ہے۔ اسی وجہ سے''النہایہ'' میں سابقہ کلام کے بعد کہا: اس کی نظائر میں سے یہ ہے جب وہ اپنی لونڈی سے عقد مکاتبہ کرے پھر وہ عاجز آ جائے یا اسے بیچ دے اس شرط پر کہ اسے خیار ہوگا۔ پھر وہ بیع کو باطل کر دے تو اس پر استبرا لازم نہیں ہوگا۔ پس اس کی کلام اس لونڈی میں فرض کی گئی جو اس کی ملک اور اس کے قبضہ میں موجود تھی جب وہ اس کے ساتھ عقد مکاتبہ کرے یا اسے بیچ دے پھر وہ اس کے قبضہ کی طرف لوٹا دی جائے تو استبرا اس پر لازم نہیں ہوگا۔ تو انصاف کی نظر سے دیکھو کیا یہ محل نزاع میں کچھ مفید ہے؟ محل نزاع یہ ہے جب وہ اس لونڈی کو خریدے اور اس پر قبضہ کر لے اور اس کے ساتھ عقد مکاتبہ کر لے تو اس سے استبرا ساقط ہو جائے کیسے؟ اگر یہ اس امر کا فائدہ دے تو یہ اس امر کا فائدہ دے گا کہ خیار کے ساتھ بیع کتابت کی طرح ہے جو میں جانتا ہوں اس

لَكِنْ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ عَنِ الْمَوَاهِبِ التَّصْرِيحُ بِتَقْيِيدِ الْكِتَابَةِ بِكَوْنِهَا قَبْلَ الْقَبْضِ فَلْيُحَرَّرْ قُلْتُ ثُمَّ وَقَفْتُ عَلَى الْبُرْهَانِ شَرْحِ مَوَاهِبِ الرَّحْمٰنِ فَلَمْ أَرَ الْقَيْدَ الْمَذْكُورَ فَتَدَبَّرْ (ثُمَّ يَنْفَسِخُ بِرِضَاهَا فَيَجُوزُ لَهُ الْوَطْءُ بِلَا اسْتِبْرَاءٍ) لِزَوَالِ مِلْكِهِ بِالْكِتَابَةِ ثُمَّ يُجَدِّدُهُ بِالتَّعْجِيزِ لَكِنْ لَمْ يَحْدُثْ مِلْكُ حَقِيقَةٍ فَلَمْ يُوجَدْ سَبَبُ الِاسْتِبْرَاءِ وَهٰذِهِ أَسْهَلُ الْحِيَلِ تَتَارْخَانِيَّةٌ (لَهُ أَمَتَانِ) لَا يَجْتَمِعَانِ نِكَاحًا (أُخْتَانِ) أَمْ لَا

لیکن ''شرنبلالیہ'' میں ''مواہب'' سے یہ تصریح مروی ہے کہ کتابت کی یہ قید لگائی گئی ہے کہ یہ قبضہ سے پہلے ہو۔ پھر اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ میں کہتا ہوں: پھر میں ''برہان'' جو ''مواہب الرحمٰن'' کی شرح ہے اس پر آگاہ ہوا تو میں نے مذکورہ قید نہ دیکھی پس اس میں تدبر کیجئے۔ پھر وہ لونڈی کی رضامندی سے عقد مکاتب کو فسخ کر دیتا ہے تو استبرا کے بغیر اس کے لیے وطی کرنا جائز ہے۔ کیونکہ کتابت کے ساتھ اس کی ملکیت زائل ہو چکی ہے پھر عاجز قرار دینے کے ساتھ اس کی تجدید کرتا ہے لیکن حقیقت میں ملکیت پیدا نہیں ہوئی اور نہ ہی استبرا کا سبب ثابت کیا ہے۔ یہ تمام حیلوں میں سے آسان حیلہ ہے، ''تاتر خانیہ''۔ اس کی دو لونڈیاں ہیں جو نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں وہ دونوں بہنیں ہوں یا نہ ہوں۔

بارے میں کسی نے کوئی قول نہیں کہا۔

33148۔ (قولہ: لَكِنْ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ) کیونکہ کہا: مشتری اس لونڈی سے عقد مکاتبہ کرے پھر اس پر قبضہ کرے اور اس کی رضامندی سے عقد مکاتبہ فسخ کر دے۔ ''مواہب'' وغیرہا میں اسی طرح ہے۔ یہ تمام حیلوں میں سے زیادہ آسان ہے خصوصاً جب مکاتبہ مال کثیر پر ہو یا قریبی قسطوں پر ہو۔ پس اس کا نفس عاجز آ جائے۔

33149۔ (قولہ: قُلْتُ الخ) بعض اوقات کہا جاتا ہے ''شرنبلالی'' نے کہا: اسی طرح ''مواہب'' وغیرہا میں ہے۔ اس کی عبارت کئی کتب کا مجموعہ ہے۔ اگر صاحب ''المواہب'' نے قید کی تصریح نہیں کی یہ ممکن ہے کہ کسی اور نے اس کی تصریح کی ہو۔ ''ح''

میں کہتا ہوں: بلکہ اگر اس کی کسی اور نے تصریح نہیں کی تو معنی اس پر مبنی ہوگا۔ جس طرح تو جان چکا ہے۔

33150۔ (قولہ: لِزَوَالِ مِلْكِهِ) اسکی ملک تقدیراً زائل ہوتی ہے کیونکہ حقیقت میں جو چیز زائل ہوتی ہے وہ قبضہ ہے۔

33151۔ (قولہ: لَا يَجْتَمِعَانِ نِكَاحًا) اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مراد یہ ہے دو بہنوں کا ذکر یہ تمثیل ہے تقیید نہیں لیکن اختان کو الف کے ساتھ رفع دینے میں ضعف ہے، تامل۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اس کا ظاہر ماں اور اس کی بیٹی کو جامع ہے۔ اس پر ''قہستانی'' کی نص ہے ساتھ ہی جب اس نے ان دونوں کو شہوت کے ساتھ بوسہ لیا تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔ پس دونوں اس پر حرام ہو جائیں گی۔

فرع: اگر اس نے لونڈی سے عقد نکاح کیا اور اس سے وطی نہ کی تو اس کی بہن خریدی تو اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خریدی گئی لونڈی سے لطف اندوز ہو کیونکہ فراش نکاح سے ثابت ہو گیا ہے۔ اگر وہ اس سے وطی کرے تو وہ فراش ہونے میں

(قَبَّلَهُمَا) فَلَوْ قَبَّلَ أَوْ وَطِئَ إِحْدَاهُمَا يَحِلُّ لَهُ وَطْؤُهَا وَتَقْبِيلُهَا دُونَ الْأُخْرَى (بِشَهْوَةٍ) الشَّهْوَةُ فِي الْقُبْلَةِ لَا تُعْتَبَرُ بَلْ فِي الْمَسِّ وَالنَّظَرِ ابْنُ كَمَالٍ (حُرِّمَتَا عَلَيْهِ وَكَذَلِكَ) يَحْرُمُ عَلَيْهِ (الدَّوَاعِي كَالنَّظَرِ وَالتَّقْبِيلِ حَتَّى يَحْرُمَ فَرْجُ إِحْدَاهُمَا) عَلَيْهِ وَلَوْ بِغَيْرِ فِعْلِهِ كَاسْتِيلَاءِ كُفَّارٍ عَلَيْهَا ابْنُ كَمَالٍ (بِمِلْكٍ) وَلَوْ لِبَعْضِهَا بِأَيِّ سَبَبٍ كَانَ (أَوْ نِكَاحٍ) صَحِيحٍ لَا فَاسِدٍ

دونوں کا شہوت سے بوسہ لیا اگر اس نے دونوں میں سے ایک کا بوسہ لیا یا دونوں میں سے ایک سے وطی کی تو اس کے ساتھ اس کا وطی کرنا اور بوسہ لینا حلال ہوگا دوسری سے وطی کرنا اور بوسہ لینا حلال نہ ہوگا۔ بوسہ میں شہوت کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ چھونے اور دیکھنے میں شہوت کا اعتبار ہوگا،''ابن کمال''۔ تو دونوں اس پر حرام ہو جائیں گی۔ اسی طرح اس پر وطی کے دواعی حرام ہو جائیں گی جیسے دیکھنا اور بوسہ لینا یہاں تک کہ وہ دونوں میں سے ایک کی فرج اپنے اوپر حرام کر لے اگرچہ اپنے فعل کے بغیر ایسا کرے جس طرح کفار اس لونڈی پر غلبہ پالیں،''ابن کمال''۔ یہ فرج کا حرام کرنا ملکیت کے ساتھ ہو اگرچہ بعض جاریہ کی ملک ہو کسی نسب سے یا نکاح صحیح سے ہو نکاح فاسد سے نہ ہو

دونوں کو جمع کرنے والا ہوگا۔''اتقانی''۔

33152۔ (قولہ: قَبَّلَهُمَا) مصنف نے وطی کا ذکر نہیں کیا کیونکہ کتاب النکاح نے اس سے ہمیں غنی کر دیا،''قہستانی''۔

33153۔ (قولہ: يَحِلُّ لَهُ وَطْؤُهَا) کیونکہ دوسری کے ساتھ وطی کرنے سے دونوں کو جمع کرنے والا ہوگا۔ موطوءہ کے ساتھ وطی کرنے سے جمع کرنے والا نہیں ہوگا۔''ہدایہ''۔

33154۔ (قولہ: الشَّهْوَةُ فِي الْقُبْلَةِ لَا تُعْتَبَرُ) یہ اس کے مخالف ہے جو''الکنز''اور''ہدایہ''میں ہے۔''النہایہ''میں کہا: بشہوۃ کی قید کے ساتھ مقید کیا ہے۔ کیونکہ دونوں کو بوسہ جب شہوت سے نہ ہو تو وہ یوں ہو جائے گا گویا اس نے دونوں کا بوسہ نہیں لیا۔ اس کی مثل''العنایہ''میں ہے۔ لیکن''فتح القدیر''کی فصل المحرمات میں ہے: جب اس نے بوسہ کا اقرار کیا اور شہوت کا انکار کیا تو اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اور نہ ہی اس کا قول قبول کیا جائے گا مگر جب اس کے برعکس امر ظاہر ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا قول قبول کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تفصیل ہے۔ اگر اس نے بوسہ سر اور پیشانی پر لیا ہو تو اس کی تصدیق کی جائے گی یا منہ پر ہو تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ یہ قول زیادہ راجح ہے۔ رخساروں کو منہ کے ساتھ لاحق کرنے کو ظاہر روایت قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: تطبیق حاصل ہو گئی اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

33155۔ (قولہ: حَتَّى يَحْرُمَ) یحرم مجرد سے صرف مضارع کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ یہ تحریم سے مشتق نہیں۔ اور فرج یہ مرفوع ہے اور فاعل ہے تاکہ یہ اسے شامل ہو جائے جو اس کے فعل کے بغیر حرام ہوئی۔

33156۔ (قولہ: بِمِلْكٍ) اس سے ملک یمین کا ارادہ کیا گیا ہے اس کا قول بای سبب کان یہ اس کے عمومیت سے

إِلَّا بِالدُّخُولِ (أَوْ عِتْقٍ) وَلَوْ لِبَعْضِهَا أَوْ كِتَابَةٍ لِأَنَّهَا تُحَرِّمُ فَرْجَهَا، بِخِلَافِ تَدْبِيرٍ وَرَهْنٍ وَإِجَارَةٍ قُلْتُ وَالْمُسْتَحَبُّ أَنْ لَا يَمَسَّهَا حَتَّى تَمْضِيَ حَيْضَةٌ عَلَى الْمُحَرَّمَةِ كَمَا بَسَطْتُهُ فِي شَرْحِ الْمُلْتَقَى (وَكُرِهَ) تَحْرِيمًا قُهُسْتَانِيٌّ (تَقْبِيلُ الرَّجُلِ) فَمَ الرَّجُلِ أَوْ يَدَهُ أَوْ شَيْئًا مِنْهُ وَكَذَا تَقْبِيلُ الْمَرْأَةِ الْمَرْأَةَ عِنْدَ لِقَاءٍ أَوْ وَدَاعٍ قُنْيَةٌ وَهَذَا لَوْ عَنْ شَهْوَةٍ،

مگر جب خاوند سے حقوق زوجیت ادا کرلے یا آزادی کے ساتھ ہو اگرچہ اس کے بعض کی آزادی کے ساتھ ہو یا کتابت کے ساتھ ہو۔ کیونکہ اس کی شرمگاہ حرام ہو جاتی ہے مدبر بنانے، رہن رکھنے اور اجارہ پر دینے کا معاملہ مختلف ہے۔ میں کہتا ہوں: مستحب یہ ہے کہ وہ اسے نہ چھوئے یہاں تک کہ محرمہ پر ایک حیض گزر جائے جس طرح میں نے ''شرح الملتقی'' میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ''قہستانی'' میں ہے: ایک مرد کا دوسرے مرد کے منہ، اس کے ہاتھ یا اس کے کسی عضو پر بوسہ لینا مکروہ ہے۔ اسی طرح عورت کا عورت کا بوسہ لینا مکروہ ہے جب وہ ملاقات کریں یا الوداع کہیں ''قنیہ''۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر یہ شہوت کے ساتھ ہو۔

اظہار کے لیے ہے۔ ''اتقانی'' نے کہا: جیسے خریداری، وصیت، خلع، کتابت، ہبہ اور صدقہ۔ تامل

33157۔ (قولہ: إِلَّا بِالدُّخُولِ) کیونکہ اس پر عدت واجب ہوگی اور عدت حرمت ثابت کرنے میں نکاح صحیح کی طرح ہے۔ ''ہدایہ''۔

تنبیہ

اگر حرمت کا سبب اٹھ گیا تو ظاہر یہ ہے کہ حرمت لوٹ آئے گی۔ پھر میں نے ''النہایہ'' میں ''المبسوط'' میں دیکھا ہے۔ اگر اس نے دونوں میں سے ایک کا عقد نکاح کر دیا تو اسے باقی ماندہ سے وطی کرنے کا حق ہوگا۔ اگر خاوند نے پہلے طلاق دے دی اور اس کی عدت ختم ہوگئی تو وہ دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ وطی نہ کرے یہاں تک کہ دونوں میں سے ایک کا عقد نکاح کر دے یا اسے بیچ دے۔ کیونکہ خاوند کا حق طلاق کے ساتھ ساقط ہو چکا ہے اور عدت کے گزر جانے کے بعد اس کا اثر باقی نہیں رہے گا اور وہ حکم عود کر آئے گا جو تزویج سے پہلے تھا۔

مستحب استبرا کی انواع

33158۔ (قولہ: كَمَا بَسَطْتُهُ فِي شَرْحِ الْمُلْتَقَى) اس کی نص ہے: لیکن مستحب یہ ہے کہ وہ اس کو نہ چھوئے یہاں تک جسے ملک سے نکالنے کے ساتھ حرام کیا گیا ہے اس پر ایک حیض گزر نہ جائے۔

میں کہتا ہوں: یہ مستحب استبرا کی انواع میں سے ایک نوع ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے: جب وہ اپنی بیوی یا اپنی لونڈی کو بدکاری کرتے ہوئے دیکھے اور اسے حمل نہ ہو۔ اگر اسے حمل ہو جائے تو اس سے وطی نہ کرے یہاں تک کہ اس کا وضع حمل ہو جائے۔

وَأَمَّا عَلَى وَجْهِ الْبِرِّ فَجَائِزٌ عِنْدَ الْكُلِّ خَانِيَّةٌ، وَفِي الِاخْتِيَارِ عَنْ بَعْضِهِمْ لَا بَأْسَ بِهِ إِذَا قَصَدَ الْبِرَّ وَأَمِنَ الشَّهْوَةَ كَتَقْبِيلِ وَجْهِ فَقِيهٍ وَنَحْوِهِ (وَ) كَذَا (مُعَانَقَتُهُ فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لَا بَأْسَ بِالتَّقْبِيلِ وَالْمُعَانَقَةِ فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ

جہاں تک نیکی کے طور پر اس عمل کا تعلق ہے تو سب علما کے نزدیک یہ جائز ہے،''خانیہ''۔''الاختیار'' میں بعض علما سے مروی ہے: اس میں کوئی حرج نہیں جب وہ نیکی کا قصد کرے اور اسے شہوت سے امن ہو جس طرح فقیہ کے چہرہ وغیرہ پر بوسہ دینا ہے۔ اسی طرح ایک تہبند میں معانقہ کرنا مکروہ ہے۔ امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بوسہ لینا اور ایک تہبند میں معانقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں

ان میں سے ایک یہ ہے: جب وہ اس لونڈی کی بہن سے بدکاری کرے، اس کی پھوپھی کے ساتھ زنا کرے، اس کی خالہ کے ساتھ زنا کرے، اس کی بھتیجی کے ساتھ زنا کرے یا اس کی بھانجی کے ساتھ زنا کرے جو بغیر کسی شہوت کے ہو تو افضل یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی سے وطی نہ کرے یہاں تک کہ مزنیہ کا استبرا ہو جائے۔ اگر اس کے ساتھ شبہ کی وجہ سے زنا کرے تو اس پر عدت واجب ہوگی تو وہ اپنی بیوی سے وطی نہ کرے یہاں تک کہ مزنیہ کی عدت گزر جائے۔

اس سے ایک یہ ہے: جب وہ کسی عورت کو بدکاری کرتے ہوئے دیکھے پھر اس سے شادی کر لے تو افضل یہ ہے کہ اس کا استبراء رحم کرے۔ یہ شیخین کے نزدیک ہے۔ جہاں تک امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے تو وہ صرف استبرا کے بعد وطی کرے۔ یہی جواب ہوگا اس آدمی کے بارے میں جو غیر کی لونڈی، اس کی مدبرہ اور اس کی ام ولد سے آزادی سے پہلے نکاح کرے۔ اسی طرح اس کے آقا کا حکم ہے جس طرح''قہستانی'' میں''النظم'' سے مروی ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔

مرد کا دوسرے مرد یا عورت کا کسی دوسری عورت کا بوسہ لینے اور معانقہ کرنے کا شرعی حکم

33159۔ (قولہ: وَأَمَّا عَلَى وَجْهِ الْبِرِّ فَجَائِزٌ عِنْدَ الْكُلِّ) امام''عینی'' نے گفتگو کے بعد کہا: ہاتھ، پاؤں، سر اور پہلو پر بوسہ لینے کا مباح ہونا معلوم ہو گیا ہے جس طرح متقدم احادیث سے پیشانی، آنکھوں کے درمیان اور ہونٹوں پر بوسہ لینے کا مباح ہونا معلوم ہو گیا ہے جب کہ نیکی اور تکریم کے انداز میں ہو۔ قریب ہی بوسہ لینے اور قیام کرنے کے بارے میں مفصل گفتگو آئے گی۔

33160۔ (قولہ: وَكَذَا مُعَانَقَتُهُ)''ہدایہ'' میں کہا: یہ مکروہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کا منہ، اس کا ہاتھ یا اس کا کوئی عضو چھوئے یا اس کے ساتھ معانقہ کرے۔ امام''طحاوی'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ امام''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بوسہ لینے اور معانقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ روایت کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر طیار سے اس وقت معانقہ کیا تھا جب وہ حبشہ سے واپس آئے تھے اور ان کی آنکھوں کے درمیان

(وَلَوْ كَانَ عَلَيْهِ قَمِيصٌ أَوْ جُبَّةٌ جَازَ) بِلَا كَرَاهَةٍ بِالْإِجْمَاعِ وَصَحَّحَهُ فِي الْهِدَايَةِ وَعَلَيْهِ الْمُتُونُ وَفِي الْحَقَائِقِ لَوْ الْقُبْلَةُ عَلَى وَجْهِ الْمَبَرَّةِ دُونَ الشَّهْوَةِ جَازَ بِالْإِجْمَاعِ (كَالْمُصَافَحَةِ) أَيْ كَمَا تَجُوزُ الْمُصَافَحَةُ لِأَنَّهَا سُنَّةٌ قَدِيمَةٌ مُتَوَاتِرَةٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَنْ صَافَحَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ وَحَرَّكَ يَدَهُ تَنَاثَرَتْ ذُنُوبُهُ

اگر اس پر ایک جبہ یا قمیص ہو تو کراہت کے بغیر جائز ہے اس پر اجماع ہے۔''ہدایہ'' میں اس کی تصحیح کی ہے اور اسی پر متون ہیں۔ حقائق میں ہے: اگر بوسہ نیکی کے طریقہ پر ہو شہوت کے طریقہ پر نہ ہو تو بالا جماع یہ جائز ہوگا۔ جیسے مصافحہ یعنی جس طرح مصافحہ کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ قدیمی متواتر سنت ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جس نے اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کیا اور اپنے ہاتھ کو حرکت دی اس کے گناہ جھڑ جائیں گے۔

بوسہ لیا تھا (1)۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکامعہ سے منع فرمایا (2)۔ مکامعہ معانقہ ہی ہوتا ہے۔ اور مکامعہ سے منع فرمایا اور مکامعہ یہ بوسہ لینا ہوتا ہے۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایت نقل کی ہے وہ تحریم سے قبل پر محمول ہے۔ علما نے فرمایا: اختلاف اس معانقہ میں ہے جو ایک تہبند میں ہو۔ مگر جب اس کے جسم پر جبہ یا قمیص ہو تو بالا جماع اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس پر اجماع ہے یہی قول صحیح ہے۔ ''العنایہ'' میں ہے: شیخ ''ابو منصور'' نے احادیث میں تطبیق کی ہے۔ کہا: وہ معانقہ مکروہ ہے جو شہوت کے طریقہ پر ہو۔ مصنف نے اسے اپنے قول فی ازار واحد کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ یہ ایسا سبب ہے جو اس امر تک پہنچا دیتا ہے مگر جب یہ عمل نیکی اور کرامت کے طریقہ پر ہو جب اس پر صرف ایک قمیص ہوگی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا قول لو عن شھوۃ یہ مصنف کے قول فی ازار واحد کے بارے میں ہے یعنی وہ ناف اور گھٹنے کو چھپائے ہو جب کہ باقی جسم بے لباس ہو۔ اور اس سے قبل امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے جو قول مروی ہے وہ اس عبارت کے موافق ہے جو قول ''ہدایہ'' میں ہے۔ فافہم

33161۔ (قولہ: وَلَوْ كَانَ عَلَيْهِ) یعنی دونوں میں سے ہر ایک پر جس طرح ''شرح المجمع'' میں ہے۔

33162۔ (قولہ: وَفِي الْحَقَائِقِ) اس قول سے وہ قول غنی کر دیتا ہے جو بھی ''الخانیہ'' سے مروی گزرا ہے۔ ''ط''۔

مصافحہ کی فضیلت

33163۔ (قولہ: لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ الخ) ''ہدایہ'' اور اس کی شرح ''عینی'' میں اسی طرح ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن جب کسی مومن سے ملے اسے سلام کرے اور اس کا ہاتھ پکڑے اور اس سے مصافحہ کرے تو ان دونوں کی خطائیں جھڑ جاتی ہیں جس طرح درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں (3)۔ اسے ''طبرانی'' اور ''بیہقی'' نے روایت کیا ہے۔

1۔ نصب الرایہ، کتاب الکراھیۃ، فصل فی الاستبراء، جلد 4 صفحہ 560 2۔ ایضاً، جلد 4 صفحہ 563

3۔ نصب الرایہ، کتاب الکراھیۃ، فصل فی الاستبراء، جلد 4 صفحہ 566

وَإِطْلَاقُ الْمُصَنِّفِ تَبَعًا لِلدُّرَرِ وَالْكَنْزِ وَالْوِقَايَةِ وَالنُّقَايَةِ وَالْمَجْمَعِ وَالْمُلْتَقَى وَغَيْرِهِ يُفِيدُ جَوَازَهَا مُطْلَقًا وَلَوْ بَعْدَ الْعَصْرِ وَقَوْلُهُمْ إنَّهُ بِدْعَةٌ أَيْ مُبَاحَةٌ حَسَنَةٌ كَمَا أَفَادَهُ النَّوَوِيُّ فِي أَذْكَارِهِ

مصنف کا ''درر''، ''کنز''، ''نقایہ''، ''مجمع''، ''ملتقی'' وغیر ہا کی پیروی میں اسے مطلقاً ذکر کرنا اس کے مطلقاً جواز کا فائدہ دیتا ہے اگرچہ یہ عمل عصر کے بعد ہو ان کا قول ان بدعۃ سے مراد ہے یہ مباح اور حسن ہے جس طرح ''نووی'' نے ''اذکار'' میں

نماز فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کا شرعی حکم

33164۔ (قولہ: كَمَا أَفَادَهُ النَّوَوِيُّ فِي أَذْكَارِهِ) کیونکہ کہا: یہ جان لو کہ مصافحہ ہر ملاقات کے وقت مستحب ہے۔ جہاں تک اس مصافحہ کا تعلق ہے جس کے لوگ صبح اور عصر کی نماز کے بعد جس کے عادی ہو گئے ہیں اور طریقہ پر اس کی کوئی اصل نہیں لیکن اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اصل مصافحہ سنت ہے۔ بعض احوال میں لوگوں کا اس کی حفاظت کرنا اور کثیر احوال یا اکثر احوال میں ان کا کوتاہی کرنا یہ اسے اس مصافحہ سے خارج نہیں کرتا جس کے بارے میں شرع کا حکم ملا ہوا ہے (یعنی اس کی فضیلت میں جو حدیث وارد ہوئی ہے)

شیخ ''ابوالحسن بکری'' نے کہا: اسے صبح اور عصر کی نماز کے بعد کی قید لگانا یہ اس عادت کے مطابق ہے جو ان کے زمانہ میں معمول تھا۔ ورنہ تمام نمازوں کے بعد حکم اسی طرح ہے۔ ''شرنبلالی'' کا مصافحہ کے متعلق جو رسالہ ہے اس میں حکم اسی طرح ہے۔ ''شمس حانوتی'' سے اس کی مثل منقول ہے۔ اور دونوں نے اس کا فتویٰ دیا ہے جب کہ انہوں نے ان نصوص کے عموم سے استدلال کیا ہے جو مصافحہ کی مشروعیت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ یہ اس کے موافق ہے شارح نے جو متون کے اطلاق کا ذکر کیا ہے۔ لیکن بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: نمازوں کے بعد خاص طور پر اس پر مواظبت اختیار کرنا بعض اوقات جہلاء کو اس طرف لے جاتا ہے کہ ان مواقع پر وہ خصوصاً اس کے سنت ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور مصافحہ کو اس کے علاوہ پر زائد خصوصیت ہوتی ہے ساتھ ہی ان کے کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ان مواقع پر سلف میں سے کسی نے یہ عمل نہیں کیا۔ اسی طرح علماء نے وتر میں تین سورتوں کی قراءت سنت ہونے کا قول کیا ہے جب کہ وہ کبھی کبھی انہیں ترک کر دے تاکہ ان کے وجوب کا اعتقاد نہ رکھے۔ ''تبیین المحارم'' میں ''الملتقط'' سے مروی ہے: نماز کی ادائیگی کے بعد مصافحہ کرنا ہر حال میں مکروہ ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام نے نماز کی ادائیگی کے بعد مصافحہ نہیں کیا اور اس لیے بھی یہ مکروہ ہے کہ یہ رافضیوں کا طریقہ ہے۔ پھر شافعیہ میں سے علامہ ''ابن حجر'' سے منقول ہے یہ عمل مکروہ بدعت ہے شرع میں اس کی کوئی اصل نہیں جو ایسا کرتا ہے اسے پہلی دفعہ متنبہ کیا جائے گا اور دوسری دفعہ اسے ادب سکھایا (سزا دی) جائے گا۔ پھر کہا: ''ابن حاج'' (جو مالکیہ سے ہیں) نے ''المدخل'' میں کہا: یہ بدعت میں سے ہے شرع میں مصافحہ کا محل وہ ہے جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو ملے۔ نماز کے بعد مصافحہ کا محل نہیں شرع نے اسے جہاں رکھا ہے اسے وہاں ہی رکھے اسے اس امر پر منع کیا جائے گا اور جب وہ سنت کے خلاف عمل کرے تو ایسا کرنے والے کو جھڑکا جائے گا۔ پھر اس میں طویل گفتگو کی پس اس کی طرف رجوع کیجیے۔

وَغَيْرُهُ فِي غَيْرِهِ وَعَلَيْهِ يُحْمَلُ مَا نَقَلَهُ عَنْهُ شَارِحُ الْمَجْمَعِ مِنْ أَنَّهَا بَعْدَ الْفَجْرِ وَالْعَصْرِ لَيْسَ بِشَيْءٍ تَوْفِيقًا فَتَأَمَّلْهُ وَفِي الْقُنْيَةِ السُّنَّةُ فِي الْمُصَافَحَةِ بِكِلْتَا يَدَيْهِ وَتَمَامُهُ فِيمَا عَلَّقْتُهُ عَلَى الْمُلْتَقَى (وَلَا يَجُوزُ لِلرَّجُلِ مُضَاجَعَةُ الرَّجُلِ وَإِنْ كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِي جَانِبٍ مِنَ الْفِرَاشِ) قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَلَا تُفْضِي الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَرْأَةِ

اور دوسرے علما نے اس کے علاوہ میں بیان کیا ہے۔ ''مجمع'' کے شارح نے ان سے جو نقل کیا ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا ان کا قول یہ ہے کہ فجر اور عصر کے بعد یہ کوئی شے نہیں۔ یہ تطبیق کے طریقہ پر ہے اس میں غور و فکر کیجئے۔ ''القنیہ'' میں ہے: مصافحہ میں سنت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرے۔ اس کی مکمل بحث ''الملتقی'' پر جو حاشیہ ہے اس میں ہے۔ اور مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ مرد کے پہلو میں لیٹے اگر چہ دونوں میں سے ہر ایک بستر کی ایک جانب میں ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مرد مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ لیٹے اور عورت عورت کے ساتھ

33165۔ (قولہ: وَغَيْرُهُ فِي غَيْرِهِ) پہلی ''نووی'' کے لیے اور دوسری ضمیر کتاب الاذکار کے لیے ہے۔

مصافحہ کا مسنون طریقہ

33166۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ يُحْمَلُ مَا نَقَلَهُ عَنْهُ) یعنی نووی سے نقل کیا ہے انہوں نے وہ قول ''صحیح مسلم'' کی اپنی شرح میں نقل کیا ہے جس طرح ''ابن ملک'' نے ''شرح المجمع'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ فافہم

میں کہتا ہوں: یہ محمول کرنا حقیقت سے بہت ہی بعید ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ اس پر مبنی ہے کہ امام ''نووی'' کی رائے دونوں کتابوں سے مختلف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ شرح مسلم میں اس کی طرف نظر کی ہے جو آپ پر محظور لازم ہوتا ہے اور اس امر کی طرف نظر کی ہے کہ وہ خصوصی طور پر غیر ماثور رہے اور خصوصاً جو ہم نے پہلے ''الملتقط'' سے نقل کیا ہے کہ یہ رافضیوں کا طریقہ ہے۔ واللہ اعلم

33167۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ الخ) اس کی نص یہ ہے مصافحہ سے مراد ہتھیلی کے باطن کو ہتھیلی کے باطن کے ساتھ چسپاں کرنا ہے اور چہرے کو چہرے کے بالمقابل کرنا ہے انگلیوں کا پکڑنا یہ مصافحہ نہیں۔ رافضیوں نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ سنت یہ ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہو اور کپڑا وغیرہ درمیان میں حائل نہ ہو۔ اور سلام کے بعد ملاقات کے وقت ہو۔ اور وہ انگوٹھے کو پکڑے۔ کیونکہ اس میں ایسی رگ ہوتی ہے جو محبت کو پیدا کرتی ہے۔ حدیث طیبہ میں اسی طرح آیا ہے۔ ''قہستانی'' وغیرہ نے اسے ذکر کیا ہے۔

مرد کا مرد کے ساتھ اور عورت کا عورت کے ساتھ لیٹنے کا شرعی حکم

33168۔ (قولہ: مُضَاجَعَةُ الرَّجُلِ) یعنی ایک کپڑے میں اس کے پاس لیٹنا جائز نہیں جب کہ دونوں کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ آنے والی حدیث سے یہی مفہوم ہے۔ ''اتقانی'' نے مکامعہ کی تفسیر اس سے بیان کی ہے جب کہ یہ اس

فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ وَإِذَا بَلَغَ الصَّبِيُّ أَوِ الصَّبِيَّةُ عَشْرَ سِنِينَ يَجِبُ التَّفْرِيقُ بَيْنَهُمَا بَيْنَ أَخِيهِ وَأُخْتِهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ فِي الْمَضْجَعِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ

ایک کپڑے میں نہ لیٹے (1) جب بچہ یا بچی دس سال کی عمر تک پہنچ جائیں تو دونوں میں یعنی اس کے اور اس کے بھائی، اس کی بہن، اس کی ماں اور اس کے باپ میں بستر میں تفریق واجب ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: بستروں میں ان میں جدائی ڈال دو جب کہ وہ دس سال کے ہو جائیں (2)۔

کے خلاف ہے جو ''الہدایہ'' سے گزرا ہے۔ کیا یہ مراد ہے کہ وہ دونوں ایک کپڑے میں لیٹے ہوئے ہوں یا دونوں میں سے ایک دوسرے کے بغیر ایک کپڑے میں لیٹا ہو۔ ظاہر پہلا قول ہے۔ ''مجمع البحار'' سے جو قول نقل کیا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے یعنی وہ دونوں بے لباس ہوں اگرچہ دونوں میں کوئی چیز حائل ہو۔ تو یہ امر مکروہ تنزیہی ہوگا۔ تامل

بچوں اور بچیوں کا ایک دوسرے کے ساتھ سونے کا شرعی حکم

33169۔ (قولہ: بَيْنَ أَخِيهِ وَأُخْتِهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ) بعض نسخوں میں د بین کے الفاظ ہیں۔ ''المجتبیٰ'' میں میں نے اسی طرح دیکھا ہے۔ ''الشرعۃ'' میں ہے: بچوں کے درمیان بستروں میں تفریق کی جائے گی جب ان کی عمریں دس سال ہو جائیں۔ مذکر بچوں اور عورتوں اور بچوں اور مردوں کے درمیان میں تفریق کی جائے گی۔ کیونکہ ان کا ایک بستر میں ہونا فتنہ کا باعث بن سکتا ہے اگر وہ کچھ وقت کے بعد ہو۔

''بزازیہ'' میں ہے: جب بچہ دس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو وہ اپنی ماں، اپنی بہن اور عورت کے ساتھ نہ سوئے مگر اپنی بیوی یا لونڈی کے ساتھ سو سکتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ نیند کے وقت دونوں میں تفریق کر دی جائے۔ کیونکہ ممنوع امر میں واقع ہونے کا خوف ہے۔ کیونکہ بچہ جب دس سال کا ہو جاتا ہے تو وہ جماع کو سمجھ جاتا ہے اور اس میں کوئی دیانت نہیں ہوتی جو اسے اس سے روکے۔ بعض اوقات وہ اپنی بہن اور اپنی ماں پر جا پڑتا ہے کیونکہ نیند راحت کا وقت ہے جو شہوت کو جوش دلاتا ہے اور فریقین کی شرمگاہ سے کپڑا ہٹ جاتا ہے۔ پس یہ عمل ممنوع امر اور حرام مضاجعہ کی طرف لے جاتا ہے۔ خصوصاً اس زمانہ کی اولاد کا یہی معاملہ ہے۔ کیونکہ وہ فسق کے بارے میں بڑوں سے زیادہ جانتے ہیں۔ جہاں تک ان کے قول وامہ وابیہ کا تعلق ہے تو ظاہر معنی یہ ہے مراد ہے اسے اس کی ماں اور اس کے باپ سے الگ کر دیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ دونوں اسے نہ چھوڑیں گے وہ ان دونوں کے ساتھ اس کے بستر میں نہ سوئیں۔ کیونکہ وہ بعض اوقات اس عمل پر مطلع ہو جاتا ہے جو ان دونوں کے درمیان واقع ہو جاتا ہے یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ اکیلا سویا ہوا ہو، صرف اپنے باپ کے ساتھ سویا ہوا ہو یا بیٹی اپنی ماں کے ساتھ اکیلی سوئی ہوئی ہو۔ اسی طرح بچے کو نہیں چھوڑا جائے گا کہ وہ اجنبی مرد یا اجنبی عورت کے ساتھ سو جائے کیونکہ فتنہ کا خوف ہے خصوصاً جب وہ خوبصورت ہو اگرچہ اس میں اسے کوئی شے حاصل نہ ہو۔ پس مرد یا عورت کا دل

1۔ المسند للامام احمد بن حنبل راوی ابو سعید خدری، جلد 3، صفحہ 63
2۔ جامع الاحادیث للسیوطی، جلد 4، صفحہ 265، حدیث نمبر 1475

وَفِي النُّتَفِ إِذَا بَلَغُوا سِتًّا كَذَا فِي الْمُجْتَبَى، وَفِيهِ الْغُلَامُ إِذَا بَلَغَ حَدَّ الشَّهْوَةِ كَالْفَحْلِ وَالْكَافِرَةُ كَالْمُسْلِمَةِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ لِصَاحِبِ الْحَمَّامِ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى الْعَوْرَةِ وَحُجَّتُهُ الْخِتَانُ وَقِيلَ فِي خِتَانِ الْكَبِيرِ إِذَا أَمْكَنَهُ أَنْ يَخْتَتِنَ نَفْسَهُ فَعَلَ،

اور ''النتف'' میں ہے: جب وہ چھ سال کے ہوجائیں۔ ''المجتبیٰ'' میں اسی طرح ہے۔ اس میں ہے: لڑکا جب شہوت کی حد کو پہنچ جائے تو وہ مرد کی مانند ہے اور کافر عورت مسلمان عورت کی طرح ہے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: صاحب حمام کے لیے جائز ہے کہ وہ اس حصہ کی طرف دیکھے جس کو ڈھانپنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کی دلیل ختنہ کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بڑے کے ختنہ میں یہ حکم ہے جب اس کے لیے ممکن ہو کہ وہ اپنا ختنہ خود کرے تو وہ اس طرح کر گزرے

اس سے متعلق ہو جائے گا پس کچھ عرصہ بعد فتنہ حاصل ہو جائے گا۔ اس پاکیزہ شریعت کی کیا شان اس نے فساد کا مادہ ہی ختم کر دیا ہے۔ اور جو آدمی تمام امور کو محتاط نہیں ہوتا تو وہ محذور عمل میں جا پڑتا ہے۔ ضرب المثل میں ہے: لا تسلم الجرۃ فی کل مرۃ گھڑا ہر بار سلامت نہیں رہتا۔

33170۔ (قولہ: كَذَا فِي الْمُجْتَبَى) متن میں جو کچھ ہے اور اس کے بعد یہاں تک جو کچھ ہے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

33171۔ (قولہ: كَالْفَحْلِ) یعنی مانع کی طرح ہے جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔ یعنی محل ستر کی طرف دیکھنے اور پہلو میں لیٹنے میں مرد کی طرح ہے۔

33172۔ (قولہ: وَالْكَافِرَةُ كَالْمُسْلِمَةِ) یہ احتمال موجود ہے کہ مراد ہو کہ کافر عورت کا مسلمان عورت کی طرف دیکھنا ایک مسلمان عورت کے مسلمان عورت کی طرف دیکھنے کی طرح ہے۔ یہ اس اصح قول کے خلاف ہے جسے مصنف نے پہلے اپنے قول: والذمیۃ کالرجل الاجنبی فی الاصح الخ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور یہ احتمال موجود ہے کہ مراد ہو کہ مرد کافر عورت کو دیکھ سکتا ہے جس طرح مسلمان عورت کو دیکھ سکتا ہے اس کے مقابل وہ قول ہے جو ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ کافر عورت کے بال دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

33173۔ (قولہ: عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ الخ) یہ قول قابل اعتماد نہیں۔ کیونکہ ''شرح وہبانیہ'' میں ہے: چاہیے کہ عورت کو مہندی وغیرہ اپنے ہاتھ سے خود لگائے نہ کہ خادم اسے لگائے۔ یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ جس کی طرف دیکھنا جائز نہیں تو اسے مس کرنا بھی جائز نہیں مگر کپڑے کے اوپر سے ایسا کر سکتا ہے۔ ''ابن مقاتل'' سے مروی ہے: اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ غیر کی شرمگاہ پر چونا وغیرہ لگائے جس طرح وہ ختنہ کر سکتا ہے اور اپنی نظر کو پست رکھے۔

میں کہتا ہوں: ''تاتر خانیہ'' میں ہے: فقیہ ''ابولیث'' نے کہا ہے: یہ صرف ضرورت کی حالت میں جائز ہے۔

33174۔ (قولہ: وَقِيلَ الخ) یہ ان کے قول وحجتہ الختان کے مقابل ہے۔ کیونکہ مطلقاً قول بڑے اور چھوٹے

وَإِلَّا لَمْ يَفْعَلْ إِلَّا أَنْ لَا يُمْكِنَهُ النِّكَاحُ أَوْ شِرَاءُ الْجَارِيَةِ وَالظَّاهِرُ فِي الْكَبِيرِ أَنَّهُ يُخْتَنُ وَيَكْفِي قَطْعُ الْأَكْثَرِ (وَلَا بَأْسَ بِتَقْبِيلِ يَدِ) الرَّجُلِ (الْعَالِمِ) وَالْمُتَوَرِّعِ عَلَى سَبِيلِ التَّبَرُّكِ دُرَرٌ وَنَقَلَ الْمُصَنِّفُ عَنْ الْجَامِعِ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِتَقْبِيلِ يَدِ الْحَاكِمِ وَالْمُتَدَيِّنِ (السُّلْطَانِ الْعَادِلِ) وَقِيلَ سُنَّةٌ مُجْتَبَى (وَتَقْبِيلُ رَأْسِهِ) أَيْ الْعَالِمِ

ورنہ ایسا نہ کرے مگر اس صورت میں جب اس کے لیے نکاح یا لونڈی کو خریدنا ممکن نہ ہو۔ بڑے میں ظاہر یہ ہے کہ اس کا ختنہ کیا جائے اور اکثر کو قطع کرنا کافی ہے۔ عالم اور متقی آدمی کے ہاتھ تبرک کے طریقہ پر چومنے میں کوئی حرج نہیں،''درر''۔ مصنف نے جامع سے نقل کیا ہے کہ حاکم اور دیندار سلطان جو عادل ہو اس کے ہاتھ کے چومنے میں کوئی حرج نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سنت ہے،''مجتبیٰ''۔ اور عالم آدمی کا سر چومنا زیادہ مناسب وموزوں ہے

کے ختنہ کرنے کو شامل ہے۔''النہایہ'' میں اسی طرح مطلقاً ذکر کیا ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ شارحین نے اسے ثابت رکھا ہے۔ اس کا ظاہر معنی اس کی ترجیح ہے۔ اسی وجہ سے یہاں تفصیل کو قیل کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

33175۔ (قولہ: إِلَّا أَنْ لَا يُمْكِنَهُ النِّكَاحُ) میں نے''المجتبیٰ'' میں اسی طرح دیکھا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ان کے بعد لا کو ساقط کر دیا جائے جس طرح میں نے بعض نسخوں میں اسے اس کے موافق پایا ہے جو''تاتر خانیہ'' وغیرہا میں ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس کے لیے ممکن نہ ہو کہ وہ ایسی عورت سے شادی کرے جو اس کا ختنہ کرے یا اسی طرح ایسی لونڈی خریدے جو اس کا ختنہ کرے۔

33176۔ (قولہ: وَالظَّاهِرُ فِي الْكَبِيرِ أَنَّهُ يُخْتَنُ) ظاہر یہ ہے کہ یختن فعل مجہول کا صیغہ ہے۔ یعنی کوئی اور اس کا ختنہ کرے۔ پس یہ''ہدایہ'' کے اطلاق کے موافق ہوگا۔ تامل

33177۔ (قولہ: وَيَكْفِي قَطْعُ الْأَكْثَرِ)''تاتر خانیہ'' میں کہا ہے: ایک غلام بچے کا ختنہ کیا گیا پس تمام جلد نہ کاٹی گئی اگر نصف سے زائد کاٹ دی گئی تو اس کا ختنہ ہو چکا ورنہ اس کا ختنہ نہیں ہوا۔

33178۔ (قولہ: وَنَقَلَ الْمُصَنِّفُ الخ) اس قول کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ مصنف کے بعد والے قول (السلطان) میں داخل ہے کیونکہ وہ وہ ہوتا ہے جسے سلطنت اور ولایت حاصل ہو۔''ط''۔

33179۔ (قولہ: وَقِيلَ سُنَّةٌ) یعنی عالم اور عادل سلطان کے ہاتھ کو بوسہ دینا یہ سنت ہے۔''شرنبلالی'' نے کہا: تو یہ جان چکا ہے کہ احادیث کا حکم اس امر کا سنت ہونا یا مندوب ہونا ہے جس طرح''عینی'' نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

33180۔ (قولہ: الْعَالِمِ) **نوٹ**: متن میں تو لفظ عالم ہے مگر شرح میں عامل ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ سلطان میں زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس کے ہاتھ کو بوسہ دے۔ یہ اس کی امارت کی شان کی حفاظت کی خاطر ہے۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔''ط''۔

(أَجْوَدُ) كَمَا فِي الْبَزَّازِيَّةِ (وَلَا رُخْصَةَ فِيهِ) أَيْ فِي تَقْبِيلِ الْيَدِ (لِغَيْرِهِمَا) أَيْ لِغَيْرِ عَالِمٍ وَعَادِلٍ هُوَ الْمُخْتَارُ مُجْتَبَى وَفِي الْمُحِيطِ إِنْ لِتَعْظِيمِ إِسْلَامِهِ وَإِكْرَامِهِ جَازَ وَإِنْ لِنَيْلِ الدُّنْيَا كُرِهَ (طَلَبَ مِنْ عَالِمٍ أَوْ زَاهِدٍ أَنْ يَدْفَعَ إِلَيْهِ قَدَمَهُ وَ) يُمَكِّنَهُ مِنْ قَدَمِهِ لِيُقَبِّلَهُ أَجَابَهُ وَقِيلَ لَا يُرَخَّصُ فِيهِ كَمَا يُكْرَهُ تَقْبِيلُ الْمَرْأَةِ فَمَ أُخْرَى أَوْ خَدَّهَا عِنْدَ اللِّقَاءِ أَوْ الْوَدَاعِ كَمَا فِي الْقُنْيَةِ مُقَدِّمًا لِلْقِيلِ

جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ اور ان دونوں یعنی عالم اور عادل کے علاوہ کے ہاتھ چومنے میں کوئی رخصت نہیں۔ یہی قول مختار ہے، ''مجتبیٰ''۔ ''محیط'' میں ہے: اگر یہ ہاتھ چومنا اس کے اسلام کی تعظیم اور اس کے اکرام کی وجہ سے ہوتو یہ جائز ہوگا اگر دنیا پانے کی غرض سے ہوتو یہ مکروہ ہوگا۔ ایک عالم یا زاہد سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کی طرف اپنا قدم بڑھائے اور اسے اپنے قدم پر قدرت دے تاکہ اس کے قدم کو بوسہ دے تو وہ اس کی عرضداشت کو قبول کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں رخصت نہ دے جس طرح ایک عورت کا دوسری عورت کے منہ اور اس کے رخسار کو بوسہ دینا مکروہ ہے جب وہ ملاقات کریں یا الوادع ہوں جس طرح ''قنیہ'' میں قیل کو مقدم کیا ہے۔

33181۔ (قولہ: أَجْوَدُ) شاید اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا ثواب زیادہ ہوگا۔ ''ط''۔

33182۔ (قولہ: هُوَ الْمُخْتَارُ) ''خانیہ'' اور ''حقائق'' پر مقدم کیا ہے نیکی کے طریقہ پر شہوت کے بغیر بوسہ لینا بالاجماع جائز ہے۔

33183۔ (قولہ: يَدْفَعَ إِلَيْهِ قَدَمَهُ) متن میں جو قول ہے وہ اس سے غنی کر دیتا ہے۔

33184۔ (قولہ: أَجَابَهُ) کیونکہ ''حاکم'' نے اس حدیث کو نقل کیا ہے: ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی چیز دکھائیں جس کے ساتھ میرے یقین میں اضافہ ہو جائے۔ فرمایا: اس درخت کی طرف جاؤ اسے بلاؤ وہ آدمی اس درخت کی طرف گیا اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے بلا رہے ہیں، وہ درخت آیا یہاں تک کہ اس درخت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو واپس چلا جا تو وہ درخت واپس چلا گیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کو اجازت دی تو اس آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور آپ کے دونوں پاؤں کو بوسہ دیا (1) فرمایا: اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے (2)۔ کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ یہ ''شرنبلالی'' کے رسالہ سے ماخوذ ہے۔

33185۔ (قولہ: كَمَا يُكْرَهُ الخ) زیادہ بہتر یہ ہے کہ اسے حذف کر دیتے۔ کیونکہ انہوں نے پہلے اسے ''القنیہ'' سے نقل کیا ہے، ''ط''۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب شہوت سے ہو۔ جس طرح قول گزر چکا ہے۔

33186۔ (قولہ: مُقَدِّمًا لِلْقِيلِ) یہ مصنف کی عبارت میں واقع ہے۔ کیونکہ انہوں نے کتاب کی طرف اشارہ کیا

1۔ دلائل النبوۃ لابی نعیم، فصل معجزات رسول صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 19، صفحہ 367، مطبوعہ ضیاء القرآن

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حق الزوج علی المرأۃ، جلد 1، صفحہ 575، حدیث نمبر 1841

قَالَ (وَ) كَذَا مَا يَفْعَلُهُ الْجُهَّالُ مِنْ (تَقْبِيلِ يَدِ نَفْسِهِ إذَا لَقِيَ غَيْرَهُ) فَهُوَ (مَكْرُوهٌ) فَلَا رُخْصَةَ فِيهِ وَأَمَّا تَقْبِيلُ يَدِ صَاحِبِهِ عِنْدَ اللِّقَاءِ فَمَكْرُوهٌ بِالْإِجْمَاعِ (وَكَذَا) مَا يَفْعَلُونَهُ مِنْ (تَقْبِيلِ الْأَرْضِ بَيْنَ يَدَيِ الْعُلَمَاءِ) وَالْعُظَمَاءِ فَحَرَامٌ وَالْفَاعِلُ وَالرَّاضِي بِهِ آثِمَانِ لِأَنَّهُ يُشْبِهُ عِبَادَةَ الْوَثَنِ وَهَلْ يَكْفُرَانِ عَلَى وَجْهِ الْعِبَادَةِ وَالتَّعْظِيمِ كُفْرٌ وَإِنْ عَلَى وَجْهِ التَّحِيَّةِ

کہا اور اسی طرح جو جہال کرتے ہیں کہ وہ اپنا ہاتھ چومتے ہیں جب وہ کسی اور سے ملاقات کریں۔ یہ مکروہ ہے اس میں کوئی رخصت نہیں۔ جہاں تک ملاقات کے وقت اپنے ساتھی کے ہاتھ چومنے کا معاملہ ہے تو بالاجماع یہ مکروہ ہے۔ اسی طرح جو لوگ علما اور عظما کے سامنے زمین کو چومتے ہیں یہ حرام ہے۔ ایسا کرنے والا اور اس پر راضی ہونے والا دونوں گناہگار ہیں۔ کیونکہ یہ بتوں کی عبادت کے مشابہ ہے۔ کیا ان دونوں کو کافر قرار دیا جائے گا؟ اگر یہ عمل عبادت اور تعظیم کے طریقہ پر ہو تو یہ کفر ہے۔ اگر سلام کے طریقہ پر ہو

پھر اس کی طرف اشارہ کیا۔

33187۔ (قولہ: قَالَ) ظاہر یہ ہے کہ ضمیر صاحب ''قنیہ'' کے لیے ہے اور میں نے اسے اس میں نہیں دیکھا۔ ہاں دوسرے اور تیسرے کو ''مجتبیٰ'' میں ذکر کیا ہے۔

33188۔ (قولہ: فَهُوَ مَكْرُوهٌ) یعنی یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اس پر ان کا قول جو بعد میں ہے فلا رخصة فيه اس پر دلالت کرتا ہے۔ ''ط''۔

33189۔ (قولہ: فَمَكْرُوهٌ بِالْإِجْمَاعِ) یعنی جب اس کا ساتھی نہ عالم ہو اور نہ ہی عادل ہو۔ اور نہ ہی اس کے اسلام کی تعظیم اور نہ ہی اس کے تکریم کا قصد ہو عنقریب یہ آئے گا کہ وہ مومن کا ہاتھ بطور سلام چومے تا کہ علما کی کلام میں تطبیق ہو جائے۔

یہ اعتراض کیا جائے گا کہ ملاقات کی حالت مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں: جب ملاقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصافحہ کو مستحب قرار دیا ہے تو اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ تعظیم میں غیر سے بڑھ کر ہے تو یہ اس کے مساوی کیسے نہ ہو گا؟ ''سائحانی''۔

علما اور عظما کے سامنے زمین کو چومنے کا شرعی حکم

33190۔ (قولہ: عَلَى وَجْهِ الْعِبَادَةِ وَالتَّعْظِيمِ كُفْرٌ الخ) یہ دونوں قولوں کو ملانا ہے۔ ''زیلعی'' نے کہا: ''صدر شہید'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس سجدہ کی وجہ سے اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اس سے سلام کا ارادہ کر رہا تھا۔ ''شمس الائمہ سرخسی'' نے کہا: اگر یہ غیر اللہ کے لیے تعظیم کے طریقہ پر ہو تو یہ کفر ہو گا۔ ''قہستانی'' نے کہا: ''ظہیریہ'' میں ہے: سجدہ کرنے کی وجہ سے مطلقاً اسے کافر قرار دیا جائے گا۔ ''زاہدی'' میں ہے: سلام میں رکوع کے قریب اشارہ کرنا یعنی جھکنا سجدہ کی طرح ہے۔ ''المحیط'' میں ہے: سلطان وغیرہ کے لیے جھکنا مکروہ ہے۔ اور ان کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے اس بوسہ لینے پر سجود کا اطلاق ہو گا۔

لَا وَ صَارَ آثِمًا مُرْتَكِبًا لِلْكَبِيرَةِ، وَفِي الْمُلْتَقَطِ التَّوَاضُعُ لِغَيْرِ اللهِ حَرَامٌ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ يَجُوزُ بَلْ يُنْدَبُ الْقِيَامُ تَعْظِيمًا لِلْقَادِمِ كَمَا يَجُوزُ الْقِيَامُ، وَلَوْ لِلْقَارِئِ بَيْنَ يَدَيِ الْعَالِمِ وَسَيَجِيءُ نَظْمًا

تو پھر کفر نہیں اور وہ گنا ہگار ہوگا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔ ''الملتقط'' میں ہے: غیر اللہ کے سامنے عاجزی کا اظہار حرام ہے۔ ''وہبانیہ'' میں ہے: یہ جائز ہے بلکہ آنے والے کی تعظیم کی خاطر کھڑا ہونا مستحب ہے جس طرح قیام جائز ہے اگر چہ قاری عالم کے سامنے کھڑا ہوجائے۔ عنقریب نظم میں اس کا ذکر آئے گا۔

تتمہ

علما نے ملائکہ کے سجدہ کرنے میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے لیے تھا اور منہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف تھا تا کہ ان کی شرافت کا اظہار ہو جس طرح قبلہ کی طرف منہ کیا جاتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ یہ سجدہ سلام اور تکریم کے طریقہ پر تھا۔ پھر اسے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا: اگر میں کسی کو حکم دوں کہ کسی کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ ''تاتر خانیہ''۔

''تبیین المحارم'' میں ہے: صحیح دوسری تعبیر ہے۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی عبادت نہ تھی بلکہ سلام اور تکریم تھی۔ اسی وجہ سے ابلیس سجدہ کرنے سے رک گیا تھا۔ اور سجدہ تعظیمی گزشتہ شریعتوں میں جائز تھا جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔ ''ابو منصور ماتریدی'' نے فرمایا: اس میں یہ دلیل ہے کہ سنت سے کتاب اللہ کا نسخ ہوسکتا ہے۔

غیر اللہ کے لیے تواضع کا شرعی حکم

33191۔ (قولہ: التَّوَاضُعُ لِغَيْرِ اللهِ حَرَامٌ) دنیا کو پانے کے لیے نفس کو ذلیل کرنا۔ ورنہ اپنے سے کم مرتبہ لوگوں کے لیے اپنے مقام سے نیچے آکر معاملہ کرنے کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا۔ اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جسے ''بیہقی'' نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: جس نے غنی کے لیے تواضع کا اظہار کیا اور اس کے سامنے اس کی تعظیم اور اس کی جانب کسی شے کی طمع میں عاجزی کی تو اس کی مروت کے دو تہائی اور اس کے دین کا نصف ضائع ہو جاتے ہیں (1)۔

کسی آنے والے کے لیے تعظیماً کھڑا ہونے کا شرعی حکم

33192۔ (قولہ: يَجُوزُ بَلْ يُنْدَبُ الْقِيَامُ تَعْظِيمًا لِلْقَادِمِ الخ) یعنی اگر وہ ان افراد سے ہو جو تعظیم کا مستحق ہو۔ ''القنیہ'' میں کہا: مسجد میں جو آدمی بیٹھا ہوا ہو اس کا اس آدمی کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا جو اس کے ہاں داخل ہوا اور قرآن کے قاری کا اس آدمی کی تعظیم کے لیے قیام کرنا جو اس کے پاس آیا ہو یہ مکروہ نہیں ہوگا جب وہ تعظیم کا مستحق ہو۔ ''مشکل الآثار'' میں ہے: غیر کے لیے قیام کرنا بعینہ مکروہ نہیں مکروہ اس کے لیے قیام کو پسند کرنا ہے جس کے لیے قیام کیا جاتا ہے۔ اگر وہ ایسے شخص کے لیے کھڑا ہو جس کے لیے کھڑا نہیں ہوا جاتا یہ مکروہ نہیں۔

1۔ شعب الایمان، باب فی حسن الخلق۔ فصل فی التواضع، جلد 6، صفحہ 298، حدیث نمبر 8232

فَائِدَةٌ قِيلَ التَّقْبِيلُ عَلَى خَمْسَةِ أَوْجُهٍ قُبْلَةُ الْمَوَدَّةِ لِلْوَلَدِ عَلَى الْخَدِّ، وَقُبْلَةُ الرَّحْمَةِ لِوَالِدَيْهِ عَلَى الرَّأْسِ، وَقُبْلَةُ الشَّفَقَةِ لِأَخِيهِ عَلَى الْجَبْهَةِ وَقُبْلَةُ الشَّهْوَةِ لِامْرَأَتِهِ وَأَمَتِهِ عَلَى الْفَمِ وَقُبْلَةُ التَّحِيَّةِ لِلْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْيَدِ وَزَادَ بَعْضُهُمْ، قُبْلَةُ الدِّيَانَةِ لِلْحَجَرِ الْأَسْوَدِ جَوْهَرَةٌ قُلْتُ وَتَقَدَّمَ فِي الْحَجِّ تَقْبِيلُ عَتَبَةِ الْكَعْبَةِ، وَفِي الْقُنْيَةِ فِي بَابِ مَا يَتَعَلَّقُ بِالْمَقَابِرِ تَقْبِيلُ الْمُصْحَفِ قِيلَ بِدْعَةٌ لَكِنْ رُوِيَ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَأْخُذُ الْمُصْحَفَ كُلَّ غَدَاةٍ وَيُقَبِّلُهُ وَيَقُولُ عَهْدُ رَبِّي وَمَنْشُورُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ وَكَانَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُقَبِّلُ الْمُصْحَفَ وَيَمْسَحُهُ عَلَى وَجْهِهِ، وَأَمَّا تَقْبِيلُ الْخُبْزِ فَحَرَّرَ الشَّافِعِيَّةُ أَنَّهُ بِدْعَةٌ مُبَاحَةٌ

فائدہ: بوسہ لینے کی پانچ صورتیں ہیں: محبت کا بوسہ جو بچے کے رخسار پر دیا جاتا ہے، رحمت کا بوسہ جو والدین کے سر پر دیا جاتا ہے، شفقت کا بوسہ جو بھائی کی پیشانی پر دیا جاتا ہے، شہوت کا بوسہ جو اپنی بیوی اور اپنی لونڈی کے منہ پر دیا جاتا ہے، تحیہ کا بوسہ جو مومنوں کے ہاتھ پر دیا جاتا ہے۔ بعض علما نے اس کا اضافہ کیا ہے: دیانت کا بوسہ۔ یہ حجر اسود کو دیا جاتا ہے، ''جوہرہ''۔ میں کہتا ہوں: کتاب الحج میں کعبہ کی دہلیز کو بوسہ دینے کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ ''القنیہ'' میں باب ما یتعلق بالمقابر میں ہے: مصحف کا بوسہ لینا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بدعت ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: آپ ہر صبح مصحف پکڑتے اور اس کا بوسہ لیا کرتے تھے اور کہتے: میرے رب کا عہد اور میرے رب عز وجل کا منشور یعنی کتاب ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مصحف کا بوسہ لیا کرتے تھے اور اسے چہرے پر ملتے تھے۔ جہاں تک روٹی کو چومنے کا تعلق ہے تو شافعیہ نے وضاحت کی ہے: یہ بدعت مباحہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بدعت حسنہ ہے۔

''ابن وہبان'' نے کہا: میں کہتا ہوں: ہمارے زمانہ میں یہ قیام مستحب ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس کا ترک کرنا یہ کینہ، بغض اور عداوت کو جنم دیتا ہے خصوصاً جب وہ ایسی جگہ ہو جہاں قیام کی عادت ہو۔ اور اس پر جو وعید وارد ہوئی ہے یہ اس کے حق میں ہے جس کے سامنے قیام کرنا (کھڑا ہونا) واجب ہو جس طرح ترک اور عجمی کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جو ''العنایہ'' وغیرہا میں شیخ حکیم ''ابو القاسم'' سے مروی ہے: جب اس کے پاس کوئی غنی آتا تو وہ اس کے لیے کھڑے ہوتے اور وہ فقیر اور طلباء کے لیے نہ کھڑے ہوتے۔ اس بارے میں ان سے سوال کیا گیا: آپ نے فرمایا: غنی مجھ سے تعظیم کی توقع رکھتا ہے اگر میں اس عمل کو ترک کروں گا تو اسے ضرر لاحق ہوگا۔ فقراء اور طلباء سلام کا جواب اور ان کے ساتھ کلام کی توقع رکھتے ہیں۔ اس کی مکمل وضاحت رسالہ ''شرنبلالی'' میں ہے۔

33193۔ (قولہ: تَقْبِيلُ عَتَبَةِ الْكَعْبَةِ) یہ دیانت میں سے ہے، ''ط''۔ ''الدر المنتقی'' میں ہے: رکن یمانی کے بوسہ لینے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سنت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بدعت ہے۔

33194۔ (قولہ: مَنْشُورُ رَبِّي) ''قاموس'' میں کہا: منشور ایسا آدمی جس کا امر منتشر ہو اور سلطان کا ایسا مکتوب جس

وَقِيلَ حَسَنَةٌ وَقَالُوا يُكْرَهُ دَوْسُهُ لَا بَوْسُهُ ذَكَرَهُ ابْنُ قَاسِمٍ فِي حَاشِيَتِهِ عَلَى شَرْحِ الْمِنْهَاجِ لِابْنِ حَجَرٍ فِي بَحْثِ الْوَلِيمَةِ وَقَوَاعِدُنَا لَا تَأْبَاهُ وَجَاءَ لَا تَقْطَعُوا الْخُبْزَ بِالسِّكِّينِ وَأَكْرِمُوهُ فَإِنَّ اللهَ أَكْرَمَهُ

ایک قول یہ کیا ہے: روٹی کو پاؤں میں روندنا مکروہ ہے اس کو چومنا مکروہ نہیں۔ ''ابن قاسم'' نے ''ابن حجر'' کی ''شرح المنہاج'' کے اپنے حاشیہ میں بحث الولیمہ میں یہ ذکر کیا ہے: ہمارے قواعد اس کا انکار نہیں کرتے۔ اور حدیث میں آیا ہے: روٹی کو چھری سے نہ کاٹو اور اس کی تعظیم کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عزت بخشی ہے (1)۔

پر مہر نہ ہو۔ مراد ہے میرے رب کی کتاب اس میں بعض معنی سے تجرید ہے۔ ''ط''۔

33195۔ (قولہ: وَقَوَاعِدُنَا لَا تَأْبَاهُ) ''الدر المنتقی'' میں کہا: اس وقت چھ پر اور بھی چھ زائد ہو جائیں گی۔ بدعت مباحہ یا بدعت حسنہ۔ عالم اور عادل کے لیے سنت ہے ان کے غیر کے لیے مکروہ ہے۔ یہ مختار مذہب کے مطابق ہے۔ زمین کو بوسہ دینا سلام کے طور پر حرام ہے اور بطور تعظیم کفر ہے جس طرح قول گزر چکا ہے۔ تامل

روٹی اور گوشت کو چھری کے ساتھ کاٹنے کا شرعی حکم

33196۔ (قولہ: وَجَاءَ الخ) ہمارے مشائخ کے شیخ ''اسماعیل جراحی'' نے احادیث مشتہرہ میں کہا: روٹی اور گوشت کو چھری کے ساتھ نہ کاٹو جس طرح عجمی کاٹتے ہیں لیکن اسے دانتوں سے نوچو۔ ''صغانی'' نے کہا: یہ روایت موضوع ہے۔ ''المجتبیٰ'' میں ہے: چھری کے ساتھ روٹی اور گوشت کاٹنا مکروہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

1۔ مجمع الزوائد، کتاب الاطعمۃ، باب قطع الخبز واللحم بالسکین، جلد 5، صفحہ 45، حدیث نمبر 7989

فَصْلٌ فِي الْبَيْعِ

(كُرِهَ بَيْعُ الْعَذِرَةِ) رَجِيعِ الْآدَمِيِّ (خَالِصَةً لَا) يُكْرَهُ بَلْ يَصِحُّ بَيْعُ (السِّرْقِينِ) أَيْ الزِّبْلِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ (وَصَحَّ) بَيْعُهَا (مَخْلُوطَةً بِتُرَابٍ أَوْ رَمَادٍ غَلَبَ عَلَيْهَا) فِي الصَّحِيحِ (كَمَا صَحَّ الِانْتِفَاعُ بِمَخْلُوطِهَا)

گوبر وغیرہ کی بیع کے احکام

انسان کے فضلہ کی بیع مکروہ ہے جب وہ خالص ہو۔ اور جانوروں کے فضلہ کی بیع مکروہ نہیں بلکہ صحیح ہے۔ سرقین سے مراد زبل یعنی فضلہ ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور انسان کے فضلہ کی بیع صحیح ہے جب وہ مٹی یا راکھ کے ساتھ مل گیا ہو جو اس فضلہ پر غالب آجائے۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے جس طرح فضلہ جب کسی شے کے ساتھ ملا ہوا ہو

انسان اور جانوروں کے فضلہ کی بیع کا شرعی حکم

33197۔ (قولہ: كُرِهَ بَيْعُ الْعَذِرَةِ) عذرہ عین کے فتحہ اور ذال کے کسرہ کے ساتھ ہے، ''قہستانی''۔ کراہت بطلان کا تقاضا نہیں کرتی۔ لیکن یہ بطلان صح مخلوطه کے مقابلہ سے اخذ ہوتا ہے کہ خالص کی بیع باطل ہے۔ ''قہستانی'' نے اس کی تصریح کی ہے، ''ہدایہ'' میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ ''الدر المنتقی'' میں ''برجندی'' سے انہوں نے ''الخزانہ'' سے اسے نقل کیا ہے۔ اور کہا: اسی طرح ہر اس کی بیع جو انسان سے منفصل (جدا) ہو جیسے بال اور ناخن کی بیع باطل ہے۔ کیونکہ یہ انسان کا جز ہے۔ اسی وجہ سے ان کا دفن کرنا واجب ہے جس طرح ''تمرتاشی'' وغیرہ میں گزر چکا ہے۔

33198۔ (قولہ: بَلْ يَصِحُّ بَيْعُ السِّرْقِينِ) سرقین یہ کسرہ کے ساتھ ہے یہ سرکین جو سین کے فتحہ کے ساتھ ہے کا معرب ہے اسے سرجین کہا جاتا ہے۔

33199۔ (قولہ: أَيْ الزِّبْلِ) ''شرنبلالیہ'' میں ہے: یہ انسان کے علاوہ کا فضلہ ہے۔

33200۔ (قولہ: غَلَبَ عَلَيْهَا) اسی طرح اسے اس کی جگہ میں مقید کیا ہے یعنی ''المحیط''، ''الکافی'' اور ''الظہیریہ'' سے مقید مروی ہے۔ ''ہدایہ''، ''الاختیار'' اور ''المحیط'' میں اسے مطلقاً ذکر کیا ہے۔ یا تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا یا اسے دو روایتوں پر اسے محمول کیا جائے گا یا اسے رخصت اور استحسان پر محمول کیا جائے گا۔ لیکن ''عتابی'' کی ''زیادات'' میں ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوگا۔ مگر جب تقیید کی دلیل نص یا دلالت سے قائم ہو جائے۔ پس اس کو یاد رکھیے۔ کیونکہ یہ فقیہ کے لیے ضروری ہے۔ ''قہستانی''۔

33201۔ (قولہ: فِي الصَّحِيحِ) یہ ان کے قول و صح بیعها مخلوطة کی قید ہے اور ''الاصلاح'' کے متن کی عبارت ہے: صحیح قول کے مطابق مخلوط کی بیع صحیح ہے۔ اور اس کی شرح کی عبارت ہے ''ہدایہ'' میں کہا: یہی امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی

أَيِ الْعَذِرَةِ بَلْ بِهَا خَالِصَةً عَلَى مَا صَحَّحَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَغَيْرُهُ خِلَافًا لِتَصْحِيحِ الْهِدَايَةِ فَقَدِ اخْتَلَفَ التَّصْحِيحُ وَفِي الْمُلْتَقَى أَنَّ الِانْتِفَاعَ كَالْبَيْعِ أَيْ فِي الْحُكْمِ فَافْهَمْ (وَجَازَ أَخْذُ دَيْنٍ عَلَى كَافِرٍ مِنْ ثَمَنِ خَمْرٍ) لِصِحَّةِ بَيْعِهِ (بِخِلَافِ) دَيْنٍ عَلَى (الْمُسْلِمِ) لِبُطْلَانِهِ إِلَّا إِذَا وَكَّلَ ذِمِّيًّا بِبَيْعِهِ فَيَجُوزُ عِنْدَهُ خِلَافًا لَهُمَا وَعَلَى هَذَا لَوْ مَاتَ مُسْلِمٌ وَتَرَكَ ثَمَنَ خَمْرٍ بَاعَهُ مُسْلِمٌ لَا يَحِلُّ لِوَرَثَتِهِ كَمَا بَسَطَهُ الزَّيْلَعِيُّ

تو اس سے انتفاع صحیح ہوتا ہے بلکہ خالص ہو تو بھی اس سے انتفاع صحیح ہوتا ہے جس طرح ''زیلعی'' وغیرہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ''ہدایہ'' کی تصحیح اس کے خلاف ہے۔ پس تصحیح میں اختلاف ہے ''الملتقی'' میں ہے: نفع حاصل کرنا حکم میں بیع کی طرح ہوتا ہے۔ پس اس کو سمجھ جائیے۔ کافر کے ذمہ جو دین ہو وہ شراب کی قیمت سے لینا جائز ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی بیع صحیح ہے۔ مسلم کے ذمہ جو دین ہے شراب کی ثمن سے اسے لینا جائز نہیں۔ کیونکہ اس کی شراب کی بیع کرنا باطل ہے مگر جب وہ کسی ذمی کو اس کی بیع کا وکیل بنائے۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اسی تعبیر کی بنا پر اگر مسلمان مرجائے اور وہ اس شراب کی ثمن چھوڑے جسے مسلمان نے بیچا تھا تو یہ اس کے وارثوں کے لیے حلال نہیں جس طرح ''زیلعی'' نے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ہے اور یہی صحیح ہے۔ فافہم

33202۔ (قولہ: وَفِي الْمُلْتَقَى) ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے اس کو نقل کرنے سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خالص فضلہ سے انتفاع یہ اس کی بیع کے جواز کی بھی تصحیح ہے۔ اور ان کا قول فافہم اس پر تنبیہ ہے۔

کافر سے شراب کی قیمت قرض کی واپسی کے طور پر لینا جائز ہے

33203۔ (قولہ: مِنْ ثَمَنِ خَمْرٍ) اس کی صورت یہ ہے کہ کافر شراب کو بیچے اور اس کی ثمن لے اور اس کے ساتھ دین ادا کرے۔

33204۔ (قولہ: لِصِحَّةِ بَيْعِهِ) یعنی کافر شراب کی جو بیع کر رہا ہے وہ صحیح ہے۔ کیونکہ اس کے حق میں مال متقوم ہے پس وہ ثمن کا مالک ہوگا اور اس سے دین لینا حلال ہوگا۔ مسلمان کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے حق میں وہ مال متقوم نہیں تو ثمن مشتری کی ملک پر باقی رہی۔

33205۔ (قولہ: بَاعَهُ مُسْلِمٌ) ''زیلعی'' کے قول باعہ ہو سے عدول کیا ہے۔ تاکہ یہ اسے جامع ہو جب بائع وہی مسلمان میت ہو یا کوئی اور مسلمان ہو جس نے میت کی جانب سے وکالت کے طور پر بیع کی ہو۔

مغنیہ، نائحہ، طبل اور مزمار بجانے والی کی کمائی کا شرعی حکم

33206۔ (قولہ: كَمَا بَسَطَهُ الزَّيْلَعِيُّ) کیونکہ کہا: کیونکہ انہوں نے کہا: لانه كالمغصوب۔ ''النہایہ'' میں کہا: ہمارے بعض مشائخ نے کہا: مغنیہ کی کمائی مال مغصوبہ کی طرح ہے اس کا لینا حلال نہیں۔ اسی وجہ سے علما نے فرمایا: اگر کوئی مر

وَفِي الْأَشْبَاهِ الْحُرْمَةُ تَنْتَقِلُ مَعَ الْعِلْمِ إِلَّا لِلْوَارِثِ
''الاشباہ'' میں ہے: حرمت علم (جاننے) کے ساتھ منتقل ہوگی مگر وارث کے حق میں ہاں وارث کے حق میں منتقل ہوگی

جائے اور اس کی کمائی باذق (انگور کا شیرہ جو قدرے پکا ہوا ہو اور نشہ آور ہو) کے بیچنے سے حاصل ہوئی ہو، ظلم سے حاصل ہوئی یا رشوت لینے کی وجہ سے ہو تو ورثا اسے لینے سے بچیں اور اس سے کوئی شے نہ لیں۔ یہ ان کے حق میں بہت ہی بہتر ہے اور اسے ان کے مالکوں کی طرف لوٹا دیں اگر وہ انہیں پہچانتے ہوں ورنہ وہ اسے صدقہ کر دیں۔ کیونکہ خبیث کمائی کو استعمال کا طریقہ صرف صدقہ کرنا ہے جب اسے اس کے مالک کی طرف لوٹانا مشکل ہو۔ لیکن ''ہندیہ'' میں ''الملتقی'' سے وہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے نائحہ کی کمائی، طبل اور مزمار بجانے والی کی کمائی کے بارے میں مروی ہے: اگر وہ شرط لگائے بغیر اسے لے اور مالک وہ مال اسے اپنی رضامندی سے دے تو وہ حلال ہوگا۔ اسی کی مثل ہبہ کا معاملہ ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: سائل نے جو مال جمع کیا ہو وہ خبیث ہے۔

مال حرام کی میراث کا مسئلہ

33207۔ (قولہ: وَفِي الْأَشْبَاهِ الخ) شیخ ''عبدالوہاب شعرانی'' نے کتاب ''المنن'' میں کہا ہے: بعض حنفیہ سے جو یہ مروی ہے کہ حرام دو ذموں کی طرف متعدی نہیں ہوتا میں نے اس بارے میں ''شہاب شلبی'' سے پوچھا انہوں نے کہا: یہ اس پر محمول ہوگا جب وہ اسے نہ جانتا ہو مگر جس نے کسی کو جگا ٹیکس وصول کرتے ہوئے دیکھا جو کسی سے ایسی شے لیتا ہے پھر وہ کسی اور کو دیتا ہے پھر اس آدمی سے کوئی اور لیتا ہے تو یہ حرام ہوگا۔

''الذخیرہ'' میں ہے: ''ابوجعفر'' سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنا مال سلطان کے حکم اور حرام چٹیوں وغیرہ سے وصول کیا ہو کیا اس کے لیے اس سے کھانا حلال ہے جو اسے پہچانتا ہو؟

فرمایا: دیانت کے اعتبار سے تو میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ وہ اسے نہ کھائے اور حکماً اس کے لیے گنجائش ہے اگر وہ مال غصب یا رشوت کا نہ ہو۔

''الخانیہ'' میں ہے: ایک عورت ہے جس کا خاوند ظلم کی زمین میں رہتا ہے جب وہ اس کی کمائی سے کھائے اور اس کا عین غصب نہ ہو یا اس خاوند نے طعام خریدا یا لباس خریدا ایسے مال سے جس کی اصل پاکیزہ نہ ہو تو عورت کے لیے اس میں گنجائش ہوگی اور گناہ خاوند کے ذمہ ہوگا۔ ''حموی''۔

33208۔ (قولہ: مَعَ الْعِلْمِ) جہاں تک علم کے بغیر کا تعلق ہے تو ''تاتر خانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے لونڈی خریدی یا کپڑا خریدا جب کہ وہ بائع کے علاوہ کا ہو تو اس نے لونڈی سے وطی کی یا اس کپڑے کو پہنا پھر اسے علم ہوا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: جماع کرنا اور اسے زیب تن کرنا حرام ہے مگر اس سے گناہ ساقط ہو جائے گا۔

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وطی حلال ہوگی اس پر اسے اجر ملے گا۔ اسی اختلاف پر مبنی ہوگا اگر ایک عورت سے

إِلَّا إِذَا عَلِمَ رَبَّهُ قُلْت وَمَرَّ فِي الْبَيْعِ الْفَاسِدِ لَكِنْ فِي الْمُجْتَبَى مَاتَ وَكَسْبُهُ حَرَامٌ فَالْمِيرَاثُ حَلَالٌ ثُمَّ رَمَزَ وَقَالَ لَا نَأْخُذُ بِهَذِهِ الرِّوَايَةِ وَهُوَ حَرَامٌ مُطْلَقًا عَلَى الْوَرَثَةِ فَتَنَبَّهْ (وَ) جَازَ (تَحْلِيَةُ الْمُصْحَفِ) لِمَا فِيهِ مِنْ تَعْظِيمِهِ كَمَا فِي نَقْشِ الْمَسْجِدِ

جب وارث حرام مال کے مالک کو جانتا ہو۔ میں کہتا ہوں: بیع فاسد کے باب میں گزر چکا ہے۔ لیکن ''مجتبیٰ'' میں ہے: ایک آدمی مر گیا اور اس کی کمائی حرام کی ہے تو میراث حلال ہے۔ پھر رمز لکھی اور کہا: ہم اس روایت کو نہیں لیتے یہ وارثوں پر مطلقاً حرام ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ مصحف کو زیور سے آراستہ کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اس میں تعظیم ہے جس طرح مسجد کے نقش میں حکم ہے۔

آدمی شادی کرے اور اس سے وطی کرے اور یہ ظاہر ہو کہ یہ کسی اور کی منکوحہ ہے۔

33209۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا عَلِمَ رَبَّهُ) یعنی رب المال کو جانتا ہو تو وارث پر واجب ہوگا کہ اسے اس کے مالک کی طرف لوٹا دے۔

33210۔ (قولہ: وَهُوَ حَرَامٌ مُطْلَقًا عَلَى الْوَرَثَةِ) خواہ وہ اس کے مالک جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ اگر وارث ان کے مالکوں کو جانتے ہوں تو اسے ان پر لوٹا دیں ورنہ اسے صدقہ کر دیں جس طرح ہم نے ابھی پہلے ''زیلعی'' سے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اس کے ساتھ اشکال پیدا نہیں کرتا جسے ہم نے ابھی ''ذخیرہ'' اور ''خانیہ'' سے نقل کیا ہے۔ کیونکہ طعام اور کسوہ یہ مال حرام کا عین نہیں ہے۔ کیونکہ جب وہ اس کے ساتھ کوئی چیز خریدے تو اس کا کھانا اس تفصیل پر حلال ہوگا جو کتاب الغصب میں پہلے گزر چکی ہے۔ جسے میراث کے طور پر چھوڑا ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ حرام مال کا عین ہے۔ اگر قبضہ کرنے کے ساتھ اور اسے دوسرے مال کے ساتھ ملانے سے اس کا مالک بن جائے تو اس کے لیے ضمانت کی ادائیگی سے قبل اس میں تصرف کرنا حلال نہیں۔ اسی طرح کا حکم اس کے وارث کے لیے ہے۔ پھر ظاہر یہ ہے کہ وارثوں پر اس کی حرمت بطور دیانت ہے بطور قضا نہیں۔ قاصر کے وصی کے لیے اس کا صدقہ کرنا جائز نہیں اور قاصر جب بالغ ہوگا تو اس وصی سے ضمانت لے گا۔ تامل

33211۔ (قولہ: فَتَنَبَّهْ) اس قول کے ساتھ اس ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے جو ''الاشباہ'' میں موجود ہے۔ ''ط''۔

مصحف شریف اور مساجد کو گچ اور سونے، چاندی کے پانی سے آراستہ کرنے کا شرعی حکم

33212۔ (قولہ: وَجَازَ تَحْلِيَةُ الْمُصْحَفِ) یعنی اسے سونے اور چاندی کے ساتھ آراستہ کرنا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

33213۔ (قولہ: كَمَا فِي نَقْشِ الْمَسْجِدِ) یعنی محراب کے علاوہ یعنی گچ اور سونے کے پانی سے اسے نقش بنانا جائز ہے۔ مگر وقف کے مال سے ایسا نہیں کر سکتا۔ اور اگر متولی نے وقف کے مال سے ایسا کیا تو وہ ضامن ہوگا۔ مگر واقف اس طرح کرے جس طرح وتر اور نوافل کے باب سے تھوڑا پہلے گزر چکا ہے۔ بعض علماء نے قبلہ کی جانب والی دیوار میں نقش بنانے کو

(وَتَعْشِيرُهُ وَنَقْطُهُ) أَيْ إِظْهَارُ إِعْرَابِهِ وَبِهِ يَحْصُلُ الرِّفْقُ جِدًّا خُصُوصًا لِلْعَجَمِ فَيُسْتَحْسَنُ وَعَلَى هَذَا لَا بَأْسَ بِكِتَابَةِ أَسَامِي السُّوَرِ وَعَدِّ الْآيِ وَعَلَامَاتِ الْوَقْفِ وَنَحْوِهَا فَهِيَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ دُرَرٌ وَقُنْيَةٌ وَفِيهَا لَا بَأْسَ بِكَوَاغِدِ أَخْبَارٍ وَنَحْوِهَا فِي مُصْحَفٍ وَتَفْسِيرٍ وَفِقْهٍ وَتُكْرَهُ فِي كُتُبِ نُجُومٍ وَأَدَبٍ

ہر دس آیات کے بعد نشان لگانا اور نقطہ ڈالنا یعنی اس کے اعراب کو ظاہر کرنا جائز ہے۔ اس کے ساتھ بہت ہی آسانی ہو جاتی ہے خصوصاً عجمیوں کو آسانی ہوتی ہے۔ پس یہ مستحسن ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر سورتوں کے نام لکھنے، آیات کو شمار کرنا اور وقف کی علامات وغیر ہا لگانے میں کوئی حرج نہیں یہ تو بدعت حسنہ ہے، ''درر''، ''قنیہ''۔ اس میں ہے: اخبار (تاریخ) وغیر ہا کے کاغذ مصحف، تفسیر اور فقہ کی کتب میں لگانے میں کوئی حرج نہیں۔ نجوم اور ادب کی کتب میں مکروہ ہے۔

مکروہ قرار دیا ہے۔ اگر کنواں کھودنے میں ضرر نہ ہو تو مسجد میں کنواں کھودنا۔ اصلاً جائز ہے اور ہر اعتبار سے نفع ہونے کی صورت میں کنواں کھودنا جائز ہے اور جب وہ کنواں کھودے تو کنواں کھودنے والا ضامن نہیں ہوگا۔ اسی پر فتویٰ ہے جس طرح ''طحطاوی'' نے ''ہندیہ'' سے نقل کرتے ہوئے اسے بیان کیا ہے۔

33214۔ (قولہ: وَتَعْشِيرُهُ) اس سے مراد یہ ہے کہ مصحف میں دس دس آیات بنانا وہ یہ ہے کہ دس آیات کے بعد نشانی لگانا۔ ''عنایہ''۔

33215۔ (قولہ: أَيْ إِظْهَارُ إِعْرَابِهِ) یہ نقط کی تفسیر ہے۔ ''قاموس'' میں کہا: نقط الحرف یعنی اس پر نقطہ لگانا اور یہ امر معلوم ہے کہ نقطہ لگانے سے اعراب ظاہر نہیں ہوتا۔ یہ تو حرکت لگانے سے ظاہر ہوتا ہے۔ گویا انہوں نے اس سے اس امر کا ارادہ کیا جو اس سے عام ہے۔ ''طحطاوی'' نے یہ بیان کیا ہے۔

قرآن مجید کی کتابت اور طباعت کے احکام

33216۔ (قولہ: وَبِهِ يَحْصُلُ الرِّفْقُ الخ) اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جسے حضرت ''ابن مسعود'' رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے: جودوا القرآن کان فی زمنھم و کم من شیء یختلف باختلاف الزمان و المکان۔ قرآن کو خوبصورت بناؤ۔ یہ ان کے زمانہ میں تھا۔ کتنی ہی اشیا ہیں جو زمان اور مکان کے اختلاف سے مختلف ہو جاتی ہیں جس طرح ''زیلعی'' وغیرہ نے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

33217۔ (قولہ: وَعَلَى هَذَا) یعنی سہولت حاصل ہونے کے اعتبار سے۔

33218۔ (قولہ: وَنَحْوِهَا) جیسے سجدہ کی علامت اور تجوید کی رموز۔

33219۔ (قولہ: لَا بَأْسَ بِكَوَاغِدِ أَخْبَارٍ) یعنی انہیں مصحف وغیرہ کا غلاف بنا دے۔ ظاہر یہ ہے کہ اخبار سے مراد تاریخ ہے احادیث نہیں۔

وَيُكْرَهُ تَصْغِيرُ مُصْحَفٍ وَكِتَابَتُهُ بِقَلَمٍ دَقِيقٍ يَعْنِي تَنْزِيهًا وَلَا يَجُوزُ لَفُّ شَيْءٍ فِي كَاغِدٍ فِقْهٍ وَنَحْوِهِ وَفِي كُتُبِ الطِّبِّ يَجُوزُ (وَ) جَازَ (دُخُولُ الذِّمِّيِّ مَسْجِدًا) مُطْلَقًا وَكَرِهَهُ مَالِكٌ مُطْلَقًا وَكَرِهَهُ مُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قُلْنَا

مصحف کی تختی بہت ہی چھوٹی رکھنا اور اسے انتہائی باریک قلم سے لکھنا مکروہ ہے یعنی مکروہ تنزیہی ہے۔ فقہ وغیرہ کے کاغذ میں کوئی شے لپیٹنا جائز نہیں اور طب کی کتب کے کاغذ میں کوئی شے لپیٹنا جائز ہے۔ ذمی کا مسجد میں داخل ہونا مطلقاً جائز ہے۔ امام ''مالک'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مطلقاً مکروہ قرار دیا ہے۔ امام ''محمد''، امام ''شافعی'' اور امام ''احمد'' رحمہم اللہ نے مسجد حرام میں اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ ہم کہتے ہیں:

33220۔ (قولہ: وَيُكْرَهُ تَصْغِيرُ مُصْحَفٍ) یعنی اس کے حجم کو چھوٹا کرنا۔ چاہیے کہ اسے حسین ترین خط اور واضح ترین انداز، خوبصورت ترین ورق اور سفید ترین ورق پر موٹے قلم سے اور روشن روشنائی سے لکھے، سطور کو کھلا رکھے، حروف کو موٹا کرے اور مصحف کو بھاری بنائے۔ ''قنیہ''۔

لکھے ہوئے کاغذ میں کوئی شے لپیٹنے کا شرعی حکم

33221۔ (قولہ: وَنَحْوِهِ) جو ''المنح'' میں ہے۔ اور اسی کی مثل ''ہندیہ'' میں ہے: اسے کاغذ میں کوئی شے لپیٹنا جائز نہیں جس میں فقہ کا کوئی مسئلہ لکھا ہوا ہو جس میں علم کلام کا مسئلہ ہو اسے بدرجہ اولیٰ نہ لپیٹے اور طب کی کتابوں کے کاغذ میں کسی شے کو لپیٹنا جائز ہے۔ اگر اس میں اللہ تعالیٰ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہو تو اس نام کو مٹانا جائز ہے تاکہ اس میں کوئی شے لپیٹے اور کچھ کتابت کو تھوک سے مٹانا جائز ہے اور بلغم سے اللہ تعالیٰ کا نام مٹانے سے نہی وارد ہوئی ہے۔ اور قرآن حکیم کی کتابت کو تھوک سے مٹانے کی وضاحت نہیں کی گئی کیا وہ اللہ تعالیٰ کے اسم کی طرح ہے یا کسی اور شے کی طرح ہے۔ ''ط''۔

مسلمان کا بیعہ اور کنیسہ میں داخل ہونے کا شرعی حکم

33222۔ (قولہ: وَجَازَ دُخُولُ الذِّمِّيِّ مَسْجِدًا) اگرچہ وہ جنبی ہو جس طرح ''الاشباہ'' میں ہے۔ ''ہندیہ'' میں ''تتمہ'' سے مروی ہے: مسلمان کے لیے یہ مکروہ ہے کہ وہ بیعہ اور کنیسہ میں داخل ہو۔ یہ مکروہ اس لیے ہے کہ یہ شیاطین کے جمع ہونے کی جگہ ہے نہ کہ اس حیثیت سے کہ اسے اس میں داخل ہونے کا حق نہیں۔ اس میں غور کریں کیا مستامن اور اہل حرب کا قاصد اس کی مثل ہے۔ جواز پر ان کا استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف کے وفد کو مسجد میں ٹھہرایا تھا (1)۔ اور اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ ''ط''۔

33223۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی مسجد وغیرہ۔

33224۔ (قولہ: قُلْنَا) منع کرنے والوں نے جس سے استدلال کیا ہے اس کے جواب میں کہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ

1۔ نصب الرایۃ، کتاب الکراھیۃ، جلد 4، صفحہ 580، حدیث نمبر 39

النَّهْيُ تَكْوِينِيٌّ لَا تَكْلِيفِيٌّ وَقَدْ جَوَّزُوا عُبُورَ عَابِرِ السَّبِيلِ جُنُبًا وَحِينَئِذٍ فَمَعْنَى لَا يَقْرَبُوا لَا يَحُجُّوا وَلَا يَعْتَمِرُوا عُرَاةً بَعْدَ حَجِّ عَامِهِمْ هَذَا

نہی تکوینی ہے نہ کہ تکلیفی۔ شافعی علماء نے جنبی کے لیے یہ جائز قرار دیا ہے کہ وہ مسجد میں سے راستہ گزرنے والے کی طرح گزر جائے۔ اس وقت لایقربوا کا معنی ہوگا: وہ اس سال کے حج کے بعد بےلباس ہوکر نہ حج کریں اور نہ ہی عمرہ کریں۔

فرمان ہے: فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (التوبہ:28) سو وہ قریب نہ ہونے پائیں مسجد حرام کے۔ انہوں نے جو ذکر کیا ہے وہ ''حواشی سعدیہ'' سے ماخوذ ہے۔

نہی تکوینی اور تکلیفی میں فرق

33225۔(قولہ: تَكْوِينِيٌّ) یہ تکوین کی طرف منسوب ہے جو صفت قدیمہ ہے۔ ماتریدیہ کے نزدیک صفات افعال کی طرف راجع ہوتی ہیں۔ اور لا یقربوا کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ ان میں قریب ہونا پیدا نہیں فرمائے گا۔ امر تکوینی کی مثال یہ ہے: تم دونوں خوشی خوشی یا مجبوری سے آؤ۔ امر تکلیفی کی مثال ہے اسے تدوینی بھی کہتے ہیں: تم نماز قائم کرو۔ فرق یہ ہے کہ حکم کی بجا آوری پہلے سے عقلاً مختلف نہیں ہوسکتی۔ دوسرے کا معاملہ مختلف ہے، ''ح''۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ نہی کی صورت میں ایسی خبر ہے جس کی نفی کی گئی ہے۔ تامل

33226۔(قولہ: لَا تَكْلِيفِيٌّ) یہ اس پر مبنی ہے کہ کفار فروع کے مخاطب نہیں۔

33227۔(قولہ: وَقَدْ جَوَّزُوا الخ) یہ اچھا ہوتا اگر امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ذکر کرتے جس میں سے یہ ہے: اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ کافر جنابت سے خالی نہیں ہوتا پس مسجد کو اس سے پاک رکھنا واجب ہے۔ ان کی کلام کا حاصل یہ ہے کہ یہ دلیل مکمل نہیں لانه قد جوز الخ۔ ''ط''۔

33228۔(قولہ: فَمَعْنَى لَا يَقْرَبُوا الخ) یہ ان کے قول تکوینی پر تفریع ہے جب کہ اس کا تکوینی ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ منقول نہیں کہ انہوں نے اس کے بعد حج اور عمرہ بےلباس ہوکر کیا ہے جس طرح وہ دور جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔ فافہم

''ہدایہ'' میں کہا: ہماری دلیل وہ روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوثقیف کے وفد کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا جب کہ وہ کفار تھے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے اعتقاد میں خبث مسجد کی تلویث کی طرف نہیں لے جاتا تھا۔ آیت اس پر محمول ہے کہ وہ غلبہ کے طور پر حاضر ہوں یا بےلباس ہوکر طواف کریں جس طرح دور جاہلیت میں ان کی عادت تھی۔ پس ممنوع نفس دخول نہیں۔ اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو ''صحیح بخاری'' میں اس سند کے ساتھ ہے احمد بن عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس حج میں جس میں آپ کو امیر بنا کر بھیجا تھا یہ واقعہ حجۃ الوداع سے پہلے ہوا تھا انہیں ایک جماعت میں بھیجا کہ وہ لوگوں میں اعلان کریں: خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی آدمی بیت اللہ شریف کا بےلباس ہوکر طواف نہ کرے۔ ''اتقانی''۔

عَامِ تِسْعٍ حِينَ أَمَّرَ الصِّدِّيقُ وَنَادَى عَلِيٌّ بِهٰذِهِ السُّورَةِ قَالَ أَلَا لَا يَحُجُّ بَعْدَ عَامِنَا هٰذَا مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفُ عُرْيَانٌ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَغَيْرُهُمَا فَلْيُحْفَظْ قُلْتُ وَلَا تَنْسَ مَا مَرَّ فِي فَصْلِ الْجِزْيَةِ (وَ) جَازَ (عِيَادَتُهُ)

یہ ہجرت کے نویں سال ہوا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر کو امیر بنایا تھا اور حضرت علی شیر خدا نے اس سورت کا اعلان کیا تھا۔ کہا: خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ ہی کوئی بے لباس طواف کرے۔ اسے شیخین وغیرہا نے روایت کیا ہے (1)۔ پس اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ میں کہتا ہوں: جو فصل الجزیہ میں گزرا ہے اسے نہ بھولنا۔ بالاجماع اس کی عیادت

33229۔ (قولہ: عَامِ تِسْعٍ) یہ مجرور ہے یہ عامهم سے بدل ہے۔ ''ط''۔

33230۔ (قولہ: وَنَادَى عَلِيٌّ بِهٰذِهِ السُّورَةِ) اسی طرح ان کثیر نسخوں میں ہے جنہیں میں نے دیکھا ہے۔ ایک نسخہ میں ہے: حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اپنے اونٹ پر سورۂ براءت کا اعلان کیا تھا۔ اسی پر ''طحطاوی'' نے لکھا: کہا: اونٹ کے اوپر چالیس آیتوں کا اعلان کرنے والے یعنی سورت براءت کے آغاز سے وہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد بھیجا تھا اور آپ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پیچھے سے ملے تھے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ آمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ہو۔

ذمیوں کے لیے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو وطن بنانا منع ہے

33231۔ (قولہ: وَلَا تَنْسَ مَا مَرَّ فِي فَصْلِ الْجِزْيَةِ) کیونکہ کہا: جہاں تک مسجد حرام میں داخل ہونے کا تعلق ہے تو ''سیر کبیر'' میں ممنوع ہونے کا ذکر کیا ہے ''جامع صغیر''۔ یہ معدوم ہے۔ ''سیر کبیر'' امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تصنیف ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس میں ان چیزوں کا ذکر کیا ہے جس پر حال ثابت رہا۔

میں کہتا ہوں: اس کی غایت یہ ہے: ''سیر کبیر'' میں جو قول ہے وہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا ایسا قول ہے جس پر ان کی رائے قائم وثابت ہوئی۔ اسی وجہ سے شارح نے بھی اسے امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''احمد'' کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اصحاب متون نے جو یہاں ذکر کیا ہے وہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر مبنی ہے۔ کیونکہ غالباً متون کا یہی حال ہے اس میں تامل کیجئے۔

شارح نے جزیہ میں بھی یہ ذکر کیا ہے انہیں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کو وطن بنانے سے منع کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ عرب کی زمین ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عرب کی زمین میں دو دین جمع نہیں ہوں گے (2)۔ اگر وہ تجارت کے لیے داخل ہو تو یہ جائز ہوگا اور وہ زیادہ عرصہ وہاں نہیں رہے گا۔

ذمی کی عیادت کا شرعی حکم

33232۔ (قولہ: وَجَازَ عِيَادَتُهُ) مسلمان ذمی کی عیادت کرے یہ جائز ہے وہ نصرانی ہو یا یہودی ہو۔ کیونکہ یہ ان

1۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب لا یطوف بالبیت عریان، جلد 1، صفحہ 701، حدیث نمبر 1517

2۔ کنز العمال، باب الرابع، الفصل فی جزیرۃ العرب، جلد 12، صفحہ 307، حدیث نمبر 35148

بِالْإِجْمَاعِ وَفِي عِيَادَةِ الْمَجُوسِيِّ قَوْلَانِ (وَ) جَازَ (عِيَادَةُ فَاسِقٍ) عَلَى الْأَصَحِّ لِأَنَّهُ مُسْلِمٌ وَالْعِيَادَةُ مِنْ حُقُوقِ الْمُسْلِمِينَ

جائز ہے اور مجوسی کی عیادت کے بارے میں دو قول ہیں۔ اصح قول کے مطابق فاسق کی عیادت کرنا صحیح ہے۔ کیونکہ وہ مسلمان ہے اور عیادت مسلمانوں کے حقوق میں سے ہے۔

کے حق میں نیکی کی نوع میں ہے۔ اور ان کے ساتھ نیکی کرنے سے منع نہیں کیا گیا۔ یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی کی عیادت فرمائی جو آپ کے پڑوس میں بیمار ہوا تھا (1)۔ ''ہدایہ''۔

مجوسی اور فاسق کی عیادت کا شرعی حکم

33233۔ (قولہ: وَفِي عِيَادَةِ الْمَجُوسِيِّ قَوْلَانِ) ''العنایہ'' میں کہا: اس میں مشائخ کا اختلاف ہے ان میں سے کچھ علماء ہیں جنہوں نے اس کے جواز کا قول کیا۔ کیونکہ وہ اہل ذمہ میں سے ہے۔ یہی قول امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے کہا: وہ یہودیوں اور نصرانیوں کی بنسبت اسلام سے زیادہ دور ہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ مجوسی کا ذبیحہ اور ان کا نکاح مباح نہیں۔

میں کہتا ہوں: متن جیسے ''ملتقی'' وغیرہ کا ظاہر معنی یہ ہے کہ پہلے قول کو اختیار کیا ہے کہ عیادتہ کی ضمیر ذمی کی طرف لوٹ رہی ہے اور عیادۃ الیہودی والنصرانی نہیں کہا جس طرح قدوری نے کہا ہے۔ ''النوادر'' میں ہے: یہودی یا مجوسی جس کا بیٹا یا قریبی فوت ہو جائے اس کے پڑوسی کو چاہیے کہ اس کے لیے تعزیت کرے اور کہے: اللہ تعالیٰ اس سے بہتر تجھے خلف عطا فرمائے اور تیرے معاملات کی اصلاح کرے۔ اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ اسلام کے ساتھ تیرے معاملات درست فرمائے یعنی تجھے اسلام کی نعمت سے مالا مال فرمائے اور تجھے مسلمان بچہ عطا فرمائے۔ ''کفایہ''۔

33234۔ (قولہ: وَ جَازَ عِيَادَةُ فَاسِقٍ) یہ میل جول رکھنے کے معاملات کے علاوہ ہے۔ صاحب ''الملتقط'' نے ذکر کیا ہے: وہ آدمی جو مشہور ہو اور جس کی اقتدا کی جاتی ہو اس کا اہل باطل اور اہل شر کے ساتھ اختلاط (میل جول) مکروہ ہوگا مگر ضرورت کی مقدار میں ایسا کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا معاملہ لوگوں کے درمیان عظیم ہے۔ اگر آدمی غیر معروف ہو وہ اس کی خاطر مدارت کرتا ہے تاکہ وہ اپنی ذات سے ظلم کو دور کرے جب وہ کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

تنبیہ

مکروہ عیادت میں سے یہ ہے کہ جب اسے علم ہو کہ عیادت مریض پر ثقیل ہوگی تو اس کی عیادت نہ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس کی طبیعت بوجھل ہو اس کی ہم نشینی اختیار کرنا یہ روح کا بخار ہے۔ مریض پر ہولنا کی کو بیان نہ کر، اپنے سر کو حرکت نہ دے اور یہ نہ کہے: میں نہیں جانتا تھا کہ تو اس تکلیف دہ حالت میں ہے۔ بلکہ اس پر مرض کو آسان بنادے اور اس کے دل کو

1۔ ریاض الصالحین للامام نووی، کتاب عیادۃ المریض، حدیث نمبر 897 مطبوعہ اسلامی اکادمی لاہور

(وَ) جَازَ (خِصَاءُ الْبَهَائِمِ) حَتَّى الْهِرَّةِ، وَأَمَّا خِصَاءُ الْآدَمِيِّ فَحَرَامٌ قِيلَ وَالْفَرَسِ وَقَيَّدُوهُ بِالْمَنْفَعَةِ وَإِلَّا فَحَرَامٌ (وَإِنْزَاءُ الْحَمِيرِ عَلَى الْخَيْلِ كَعَكْسِهِ قُهُسْتَانِيٌّ

چو پاؤں کو خصی کرنا جائز ہے یہاں تک کہ بلے کو خصی کرنا جائز ہے جہاں تک آدمی کو خصی کرنے کا تعلق ہے تو وہ حرام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اور گھوڑے کو خصی کرنا حرام ہے۔ علماء نے خصی کرنے میں منفعت کی قید لگائی ہے۔ ورنہ خصی کرنا حرام ہے۔ اور گدھے کو گھوڑی پر چھوڑنا اور اس کے برعکس کرنا جائز ہے۔ ''قہستانی''۔

پاکیزہ کر اور تو اسے کہہ: میں تجھے بہتر حالت میں دیکھتا ہوں جب کہ اس میں تاویل کرے۔ اور تو ایسی باتیں ذکر کر جو اللہ تعالیٰ کی رحمت میں اس کی امید کو زائد کردے جب کہ اس کے ساتھ خوف کی آمیزش ہو اپنا ہاتھ اس کے سر پر نہ رکھے بعض اوقات یہ اسے اذیت دیتا ہے مگر جب وہ اس کا مطالبہ کرے۔ جب تو اس کے پاس جائے تو تو یہ کہہ: تو کیسے پاتا ہے؟ سلف سے اسی طرح منقول ہے۔ اسے یہ نہ کہے کہ وصیت کر کیونکہ یہ جہال کا عمل ہے۔ ''مجتبیٰ''۔ ''ط''۔

فائدہ: ہمارے زمانہ میں بدھ کے روز لوگ عیادت سے بدفالی لیتے ہیں اگر اس سے مریض کو ضرور لاحق ہو تو اسے ترک کردینا چاہیے۔ میں نے تاریخ ''المجتبیٰ'' میں شیخ ''فتح اللہ بیلونی'' کے تعارف میں دیکھا ہے انہوں نے کہا:

السبتُ و الاثنین الاربعا تجنب المرضی بهَا ان تزار
فی طیبةٍ یعرف هذا فلا تغفلُ فان العرف عالی المنار

ہفتہ، پیر اور بدھ کے روز مریضوں کی ملاقات سے اجتناب کر۔

طیبہ میں یہ معروف ہے۔ پس تو غافل نہ ہو۔ کیونکہ عرف بلند منار والا ہوتا ہے۔

''مجتبیٰ'' نے کہا: میں کہتا ہوں: یہ مشہور عرف ہے۔ لیکن سنت میں امر وارد ہوا ہے۔ جو اس میں سے ہفتہ کے دن کو رد کردیتا ہے۔ یہ روایت وارد ہوئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز اہل قبا کے بارے میں پوچھا کرتے اور جو فرد موجود نہ ہوتا اس کے بارے میں سوال فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی جاتی وہ مریض ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ کے روز اس کی ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے۔ تامل

بہائم کو خصی کرنے کا جواز

33235۔ (قولہ: وَ جَازَ خِصَاءُ الْبَهَائِمِ) ''ہدایہ'' میں اسے اخصا کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ صحیح وہ ہے جو یہاں ہے جس طرح ''النہایہ'' میں ہے۔ یہ خصیہ کا نکالنا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: خصی و مخصی۔

33236۔ (قولہ: قِيلَ وَالْفَرَسِ) شمس الائمہ ''حلوانی'' نے ذکر کیا ہے: ہمارے اصحاب کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ ''شیخ الاسلام'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ حرام ہے۔ ''ط''۔

33237۔ (قولہ: وَقَيَّدُوهُ) یعنی چوپاؤں کو خصی کرنے کی قید یہ لگائی ہے کہ اس میں منفعت ہو وہ اس کا موٹا ہونا ہے

(وَالْحُقْنَةُ) لِلتَّدَاوِي وَلَوْ لِلرَّجُلِ بِطَاهِرٍ لَا بِنَجِسٍ وَكَذَا كُلُّ تَدَاوٍ لَا يَجُوزُ إِلَّا بِطَاهِرٍ وَجَوَّزَهُ فِي النِّهَايَةِ بِمُحَرَّمٍ إِذَا أَخْبَرَهُ طَبِيبٌ مُسْلِمٌ أَنَّ فِيهِ شِفَاءً وَلَمْ يَجِدْ مُبَاحًا يَقُومُ مَقَامَهُ قُلْتُ وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ

دوائی کے طور پر حقنہ کرنا پاکیزہ چیز سے نہ کہ ناپاک چیز سے اگرچہ مرد کا حقنہ کیا جائے جائز ہے۔ اسی طرح ہر دوائی جو پاکیزہ چیز سے ہو وہ جائز ہے۔ اور ''النہایہ'' میں حرام شے سے دوائی کرنا جائز قرار دیا ہے جب مسلمان طبیب یہ خبر دے کہ اس میں شفا ہے اور وہ کوئی مباح چیز نہ پائے جو اس کے قائم مقام ہو۔ میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' میں ہے:

یا اسے دانتوں سے کاٹنے سے روکنا ہے۔ انسان کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے بارے معاصی کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ پس اسے خصی کرنا حرام ہوگا۔ ''الاتقانی'' نے اسے ''طحطاوی'' سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔

چوپاؤں کو داغنا

چوپاؤں کو نشانی لگانے کے لیے کاویہ سے داغنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور بچیوں کے کان چھیدنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ یہ عمل بغیر کسی انکار کے کیا کرتے تھے۔ اور بچوں کو کسی بیماری کی وجہ سے داغنے میں کوئی حرج نہیں۔ ''اتقانی''۔ اور اذیت دینے والی کو نہیں مارا جائے گا اور نہ ہی اس کا کان مروڑا جائے گا بلکہ تیز چھری کے ساتھ اسے ذبح کر دیا جائے گا۔ اگر حاملہ عورت فوت ہو جائے اور لوگوں کی غالب رائے یہ ہو کہ بچہ زندہ ہے تو اس کا پیٹ بائیں جانب سے پھاڑا جائے گا۔ اور اس سے برعکس صورتحال میں بچے کو عضو عضو کاٹ دیا جائے گا۔ ''تاتر خانیہ''۔

33238۔ (قولہ: لِلتَّدَاوِي) یعنی مرض کی وجہ سے یا کمزوری کی وجہ سے جو اس امر تک لے جائے۔ ظاہری نفع کی وجہ سے ایسا کرنا جائز نہیں جس طرح ایک آدمی اس سے جماع پر قوت حاصل کرنے کا خواہشمند ہو جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور نہ ہی موٹا ہونے کے لیے یہ جائز ہے جس طرح ''العنایہ'' میں ہے۔

33239۔ (قولہ: وَلَوْ لِلرَّجُلِ) زیادہ بہتر یہ قول تھا ولو للمرأة۔

حرام شے سے دوائی کرنے کا شرعی حکم

33240۔ (قولہ: وَجَوَّزَهُ فِي النِّهَايَةِ) اس کی نص یہ ہے: ''التہذیب'' میں ہے: بیمار آدمی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ دوائی کے طور پر بول اور خون پیے اور مردار کھائے جب کوئی مسلمان طبیب اسے بتائے کہ اس چیز کے استعمال میں اس کے لیے شفا ہے اور وہ کوئی ایسی مباح چیز نہ پائے جو اس کے قائم مقام ہو۔ اگر طبیب یہ کہے: اس سے تجھے جلد شفا حاصل ہو جائے گی تو اس میں دو وجوہ ہیں۔ کیا دوائی کے لیے تھوڑی سی شراب پی لینا جائز ہے؟ اس میں دو وجوہ ہیں۔ امام ''تمرتاشی'' نے یہی ذکر کیا ہے۔ ''النہایہ'' میں جو قول ہے اسے نقل کرنے کے بعد ''الدر المنتقی'' میں کہا ہے: ''المنح'' وغیرہا میں اسے ثابت رکھا ہے۔ ہم کتاب الطہارۃ اور کتاب الرضاع میں پہلے بیان کر آئے ہیں کہ مذہب اس کے برعکس ہے۔

33241۔ (قولہ: وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ الخ) اسے ''النہایہ'' میں ''الذخیرہ'' سے بھی ذکر کیا ہے۔

وَمَعْنَى قَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ إِنَّ اللهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَكُمْ فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ نَفْيُ الْحُرْمَةِ عِنْدَ الْعِلْمِ بِالشِّفَاءِ دَلَّ عَلَيْهِ جَوَازُ شُرْبِهِ لِإِزَالَةِ الْعَطَشِ وَقَدْ قَدَّمْنَاهُ (وَ) جَازَ إِسَاغَةُ اللُّقْمَةِ بِالْخَمْرِ وَجَازَ (رِزْقُ الْقَاضِي) مِنْ بَيْتِ الْمَالِ لَوْ بَيْتُ الْمَالِ حَلَالًا جُمِعَ بِحَقٍّ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفا اس چیز میں نہیں رکھی جسے اس نے تم پر حرام کیا ہے (1) کا معنی یہ ہے کہ جب شفا کا علم ہو تو حرمت کی نفی ہو جائے گی۔ اس پر یہ امر دلالت کرتا ہے کہ پیاس کو زائل کرنے کے لیے اسے پینا جائز ہے جب کہ ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور شراب کے ساتھ لقمہ کو حلق سے نیچے اتارنا جائز ہے۔ قاضی کو بیت المال سے تنخواہ دینا جائز ہے اگر بیت المال کا مال حلال ہو جسے حق کے ساتھ جمع کیا گیا ہو

33242۔ (قوله: نَفْيُ الْحُرْمَةِ عِنْدَ الْعِلْمِ بِالشِّفَاءِ) یعنی کوئی اور چیز اسکے قائم مقام نہ ہو۔ جس طرح گزر چکا ہے۔ اس وقت حاصل معنی یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے تمہیں دور کرنے کا حکم دیا ہے اور ہر بیماری کی اس نے دوا بنادی ہے۔ جب اس دوائی میں کوئی حرام شے ہو اور تم اس میں شفا جانتے ہو تو اس کے استعمال کی حرمت زائل ہو جائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفا اس چیز میں نہیں رکھی جس کو اس نے تم پر حرام کیا ہے۔

33243۔ (قوله: دَلَّ عَلَيْهِ الخ) میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ شراب کے ساتھ لقمہ کو حلق سے اتارنا اور پیاس کو زائل کرنے کے لیے اسے پینا اور اپنے نفس کو زندگی عطا کرنا ہے جس کا نفع متحقق ہے۔ اس وجہ سے وہ اس کے ترک کرنے سے گناہگار ہوگا جس طرح اس پر قدرت ہوتے ہوئے اس کے کھانے کو ترک کرنے سے گناہگار ہوگا یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ دوائی کا معاملہ مختلف ہے اگرچہ وہ حرام نہ ہو۔ کیونکہ اگر وہ اسے ترک کر دے یہاں تک کہ وہ مر جائے تو گناہگار نہ ہوگا جس طرح علما نے اس پر نص قائم کی ہے۔ کیونکہ وہ مظنون ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ تامل

33244۔ (قوله: وَقَدْ قَدَّمْنَاهُ) یعنی کتاب الحظر والاباحہ کے شروع میں یہ ذکر کر چکے ہیں۔ کیونکہ کہا: غذا کے لیے کھانا اور پیاس کے لیے پینا اگرچہ وہ حرام ہو، مردار ہو یا کسی اور کا مال ہو تو یہ فرض ہے اگرچہ وہ اس کی ضمانت دے گا۔

تتمہ

جو چیز عقل کو ضائع کر دے اور کیڑے وغیرہ کو ختم کر دے اس کے پینے میں کوئی حرج نہیں۔ ''تاترخانیہ'' میں اسی طرح ہے۔ اس کی مکمل وضاحت کتاب الاشربہ کے آخر میں آئے گی۔

قاضی کو بیت المال سے تنخواہ دینے کا شرعی حکم

33245۔ (قوله: وَجَازَ رِزْقُ الْقَاضِي) رزق کا لفظ جب را کے کسرہ کے ساتھ ہو اس سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اور را کے فتحہ کے ساتھ مصدر ہے۔ ''قاموس''۔

1۔ جامع الاحادیث للسیوطی ہمزہ مع النون، جلد 2، صفحہ 286، حدیث نمبر 5428

وَإِلَّا لَمْ يَحِلَّ وَعَبَّرَ بِالرِّزْقِ لِيُفِيدَ تَقْدِيرَهُ بِقَدْرِ مَا يَكْفِيهِ وَأَهْلَهُ فِي كُلِّ زَمَانٍ وَلَوْ غَنِيًّا فِي الْأَصَحِّ وَهَذَا لَوْ بِلَا شَرْطٍ وَلَوْ بِهِ كَالْأُجْرَةِ فَحَرَامٌ، لِأَنَّ الْقَضَاءَ طَاعَةٌ، فَلَمْ تَجُزْ كَسَائِرِ الطَّاعَاتِ

ورنہ حلال نہ ہوگا۔ اسے رزق کے ساتھ تعبیر کیا ہے تا کہ اس امر کا فائدہ دے کہ اسے اتنا معین کیا جائے جو تمام زمانوں میں اسے اور اس کے اہل کو کافی ہو اگر چہ وہ غنی ہو۔ یہ اصح قول کے مطابق ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر وہ شرط کے بغیر ہو۔ اگر وہ شرط کے ساتھ ہو جس طرح اجرت ہوتی ہے تو وہ حرام ہے۔ کیونکہ قضا طاعت ہے اور تمام طاعات کی طرح یہ جائز نہ ہوگی۔

33246۔(قولہ: وَإِلَّا لَمْ يَحِلَّ)''النہایہ'' میں کہا: مگر جب وہ حرام ہو باطل طریقہ سے اسے جمع کیا گیا ہو تو اس سے رزق لینا حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ حرام اور غصب کی صورت میں جو مال لیا جائے اسے اس کے اہل پر لوٹانا واجب ہوتا ہے۔ یہ عام مسلمانوں کا مال نہیں۔

میں کہتا ہوں: علت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس مال کے اہل معلوم ہیں۔ پس اس مال سے رزق لینے کا حرام ہونا ظاہر ہے۔ اگر وہ اس کے مالکوں کو نہ جانتے ہوں۔ تو وہ مال لقطہ کی طرح ہوگا جسے بیت المال میں رکھ دیا جائے گا اور لقطہ کے مصارف میں اسے صرف کیا جائے گا۔ اور علماء نے قاضیوں کو جو ہدیہ اور رشوت دی جاتی ہے اس کے بارے میں تصریح کی ہے کہ اسے ان کے مالکوں کی طرف لوٹا دیا جائے گا اگر ان کا علم ہو۔ اگر علم نہ ہو یا علم تو ہو مگر وہ بہت ہی دور ہوں یہاں تک کہ لوٹانا متعذر ہو تو اسے بیت المال میں رکھ دیا جائے گا۔ پس اس کا حکم لقطہ کا حکم ہوگا۔ جس طرح کتاب القضا میں پہلے گزر چکا ہے۔ تامل

33247۔(قولہ: فِي كُلِّ زَمَانٍ) یہ جار مجرور تقدیر یا یکفیہ کے متعلق ہے یعنی اس کا رزق اتنا معین کیا جائے گا جو ہر زمانہ میں اسے کافی ہو۔ کیونکہ مؤنت زمانہ کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتی ہے۔

33248۔(قولہ: وَلَوْ غَنِيًّا فِي الْأَصَحِّ)''ہدایہ'' کی عبارت ہے: پھر جب قاضی فقیر ہو تو افضل یہ ہے بلکہ واجب یہ ہے کہ وہ رزق لے۔ کیونکہ قضا کا فریضہ اسی کے ساتھ بجالاتا ہے۔ کیونکہ کمائی میں مشغول ہونا اسے قضا کا فریضہ بجالانے سے بے بس کر دے گا اگر وہ غنی ہو تو افضل یہ ہے کہ وہ رزق لینے سے رک جائے جیسا کہ کہا گیا ہے تا کہ بیت المال سے نرمی ہو ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ لینا افضل ہے۔ یہی اصح ہے تا کہ قضا کو سستی سے بچائے۔ اور ان کے معاملات کو پیش نظر رکھے جو اس کے بعد محتاج لوگ اس منصب کو سنبھالیں۔ کیونکہ جب وہ کسی زمانے میں منقطع ہو جائے تو اس کا اعادہ متعذر ہو جائے گا۔

33249۔(قولہ: وَهَذَا لَوْ بِلَا شَرْطٍ الخ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے منصب قضا بغیر شرط کے قبول کیا تھا۔ پھر والی نے اس کے لیے اس کی ضرورت کے مطابق رزق معین کیا جو اس کے لیے کافی ہو۔ مگر جب وہ ابتدا میں کہے: میں منصب قضا قبول کروں گا اگر والی مجھے اتنا رزق دے گا جو میری قضا کے مقابل ہوگا ورنہ میں قبول نہیں کروں گا تو یہ باطل ہے۔ کیونکہ یہ طاعت پر اجرت پر رکھنا ہے۔''کفایہ''۔

33250۔(قولہ: فَلَمْ تَجُزْ) یعنی اس پر اجرت جائز نہ ہوگی۔ یعنی اس پر اجرت لینا جائز نہ ہوگا۔

قُلْتُ وَهَلْ يَجْرِي فِيهِ كَلَامُ الْمُتَأَخِّرِينَ يُحَرَّرُ (وَ) جَازَ (سَفَرُ الْأَمَةِ وَأُمِّ الْوَلَدِ) وَالْمُكَاتَبَةِ وَالْمُبَعَّضَةِ (بِلَا مَحْرَمٍ) هَذَا فِي زَمَانِهِمْ أَمَّا فِي زَمَانِنَا فَلَا لِغَلَبَةِ أَهْلِ الْفَسَادِ وَبِهِ يُفْتِي ابْنُ كَمَالٍ (وَ) جَازَ (شِرَاءُ مَا لَا بُدَّ لِلصَّغِيرِ مِنْهُ وَبَيْعُهُ) أَيْ بَيْعُ مَا لَا بُدَّ لِلصَّغِيرِ مِنْهُ (لِأَخٍ وَعَمٍّ وَأُمٍّ وَمُلْتَقِطٍ هُوَ فِي حِجْرِهِمْ) أَيْ فِي كَنَفِهِمْ وَإِلَّا لَا (وَ) جَازَ (إِجَارَتُهُ لِأُمِّهِ فَقَطْ) لَوْ فِي حِجْرِهَا وَكَذَا الْمُلْتَقِطُ عَلَى الْأَصَحِّ

میں کہتا ہوں: کیا اس میں متاخرین کا کلام جاری ہوگا اس کی وضاحت ہونی چاہیے۔ لونڈی، ام ولد، مکاتبہ اور جس کا بعض آزاد ہو محرم کے بغیر اس کا سفر جائز ہوگا۔ یہ ان کے زمانہ میں تھا۔ جہاں تک ہمارے زمانے کا تعلق ہے تو یہ جائز نہیں۔ کیونکہ اہل فساد کا غلبہ ہے اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ''ابن کمال''۔ چھوٹے بچے کے لیے ایسی چیز کا خریدنا جس کے بغیر اس کے لیے چارہ کار نہ ہو اور ایسی چیز کا بیچنا جس کے بغیر اس کے لیے چارہ کار نہ ہو بھائی، چچا، ماں، اسے اٹھانے والے جب کہ وہ صغیر ان کی گود میں ہو تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہوگا۔ صرف ماں کے لیے جائز ہے کہ اسے اجرت پر دے۔ اسی طرح اصح قول کے مطابق اسے اٹھانے والے کے لیے جائز ہوگا۔

33251۔ (قولہ: يُحَرَّرُ) میں کہتا ہوں: ہم اس کی وضاحت کتاب الاجارہ میں پہلے کر چکے ہیں جس پر مزید گفتگو کی کوئی گنجائش نہیں اور ہم یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ متاخرین کی کلام ہر طاعت میں عام نہیں بلکہ اس طاعت کے بارے میں ہے جس میں ضرورت ہو جیسے قرآن حکیم، فقہ کی تعلیم، امامت اور اذان۔

33252۔ (قولہ: وَجَازَ سَفَرُ الْأَمَةِ) کیونکہ لونڈیوں کے حق میں اجنبی ان معاملات جو دیکھنے اور چھونے سے متعلق ہوں وہ ذی رحم محرم کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ ''ہدایہ''۔

33253۔ (قولہ: وَأُمِّ الْوَلَدِ) خاص کا عام پر عطف ہے۔ ''زیلعی'' نے کہا: ام ولد لونڈی ہے۔ کیونکہ اس میں غلامی موجود ہے۔ اسی طرح مکاتبہ ہے کیونکہ وہ رقبہ کے اعتبار سے مملوک ہے۔ اسی طرح کا حکم معتقۃ البعض کا ہے۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ کیونکہ وہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکاتبہ کی طرح ہے۔

اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آزاد عورت محرم کے بغیر تین دن کی مسافت کا سفر نہیں کرے گی۔ تین دن سے کم مسافت کے سفر میں اختلاف کیا گیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ صالح لوگوں، بچے اور معتوہ کے ساتھ سفر کر سکتی ہے جو محرم نہ ہوں جس طرح ''المحیط'' میں ہے۔ ''قہستانی''۔

صغیر کے لیے ایسی چیز خریدنا اور بیچنا جس کے بغیر چارہ نہ ہو

33254۔ (قولہ: وَجَازَ شِرَاءُ مَا لَا بُدَّ لِلصَّغِيرِ مِنْهُ) جیسے نفقہ، کسوہ اور دائی کو اجرت پر لینا ہے۔ ''منح''۔

33255۔ (قولہ: فِي حِجْرِهِمْ) حجر یہ حا کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے۔ ''منح''۔

كَذَا عَزَاهُ الْمُصَنِّفُ لِشَرْحِ الْمَجْمَعِ وَلَمْ أَرَهُ فِيهِ وَيَأْتِي مَتْنًا مَا يُنَافِيهِ فَتَنَبَّهْ وَكَذَا الْعَمِّهِ عِنْدَ الثَّانِي خِلَافًا لِلثَّالِثِ وَلَوْ أَجَرَ الصَّغِيرُ نَفْسَهُ

اسی طرح مصنف نے اسے ''شرح المجمع'' کی طرف منسوب کیا ہے اور میں نے اسے اس میں نہیں دیکھا۔ متن میں وہ قول آئے گا جو اس کے منافی ہے پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چچا کے لیے یہ جائز ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر صغیر نے اپنے آپ کو اجرت پر دیا

33256۔ (قولہ: لِشَرْحِ الْمَجْمَعِ) یہ ''ابن ملک'' کی تالیف ہے۔

33257۔ (قولہ: وَلَمْ أَرَهُ فِيهِ) بلکہ اس میں ''المجمع'' کا قول کے بعد ہے: اسے کسی صنعت کو سیکھنے کے لیے حوالے کرے گا اور اسے اجرت پر نہیں بھیجے گا یہ اصح قول کے مطابق ہے اس کی نص یہ ہے: یہ قید لگائی ہے تا کہ ''قدوری'' کی روایت سے احتراز ہو جائے کہ اسے اجرت پر بھیجنا جائز ہے جس طرح ماں صغیر کو اجارہ پر بھیجے تو جائز ہے۔ کیونکہ اس میں فساد سے حفاظت ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے کام میں مشغول ہوتا ہے۔ پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ ملتقط اس کے منافع کو تلف کرنے کا مالک نہیں ہوتا۔ پس وہ اسے اجرت پر نہیں بھیجے گا جیسے چچا اسے اجرت پر نہیں بھیجے گا۔ کیونکہ ماں اس کے منافع کو عوض کے بغیر تلف کرنے کی مالک ہوتی ہے۔ پس عوض کے ساتھ اسے تلف کرنے کی مالک ہوگی۔ اس کی مثل ''وقایہ'' پر ان کی شرح میں ہے۔ ہاں ''زیلعی'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ ''قدوری'' کی روایت حقیقت کے زیادہ قریب ہے۔

میں کہتا ہوں، تو یہ جان چکا ہے کہ اصح قول اس کے برعکس ہے جس طرح ''المجمع''، ''وقایہ'' اور ''ہدایہ'' وغیرہا کتاب اللقیط میں اس کی تصریح کی ہے۔ ''ہدایہ'' میں یہاں اضطراب واقع ہوا ہے۔

33258۔ (قولہ: وَكَذَا الْعَمِّهِ) یعنی صغیر کے چچا۔ ''المنح'' کے نسخوں میں جو ہے یہ قول اس پر مبنی ہے۔ اس کی نص یہ ہے: اگر صغیر چچا کے قبضہ میں ہو اس نے اسے مزدوری پر بھیجا تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ یہ عمل اس کی حفاظت میں سے ہے۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح نہیں۔ مصحح نسخہ میں ان کے قول فآجرہ سے ضمیر کو الگ کر دیا ہے اور اسے اپنے قول فاجرتہ امہ سے بدل دیا ہے۔ یہ اس کے موافق ہے جو ''التبیین'' اور ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔ لیکن میں نے ''النہایہ'' میں ''تمرتاشی'' سے منقول دیکھا ہے: اس کی نص یہ ہے: ماں نے اگر اسے اجرت پر دیا تو یہ جائز ہوگا جب وہ اس کی گود میں ہو۔ اسی طرح ذو رحم محرم ہے۔ اس کی طرف رجوع کیجئے۔

''جامع الفصولین'' کی فصل 27 میں ہے: اگر اس کا نہ باپ ہو، نہ دادا ہو اور نہ ہی وصی ہو تو اسے اس ذو رحم محرم نے اجرت پر دیا جب کہ وہ اس کی گود میں پرورش پاتا ہو تو یہ صحیح ہوگا۔ اگر وہ ایک ذی رحم محرم کی گود میں ہو تو اسے کسی دوسرے شخص نے اجرت پر دیا تو وہ اسے ثابت رکھے جس طرح اگر اس کی ماں اور پھوپھی ہو جب کہ وہ اس کی پھوپھی کی گود میں ہو تو اس کی ماں اسے اجرت پر دے تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ صحیح ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح نہیں۔ جس نے

لَمْ يَجُزْ إِلَّا إِذَا فَرَغَ الْعَمَلُ لِتَمَحُّضِهِ نَفْعًا فَيَجِبُ الْمُسَمَّى وَصَحَّ إِجَارَةُ أَبٍ وَجَدٍّ وَقَاضٍ وَلَوْ بِدُونِ أَجْرِ الْمِثْلِ فِي الصَّحِيحِ كَمَا يُعْلَمُ مِنَ الدُّرَرِ فَتَبَصَّرْ (وَ) جَازَ (بَيْعُ عَصِيرِ عِنَبٍ (مِمَّنْ) يُعْلَمُ أَنَّهُ (يَتَّخِذُهُ خَمْرًا) لِأَنَّ الْمَعْصِيَةَ لَا تَقُومُ بِعَيْنِهِ بَلْ بَعْدَ

تو یہ جائز نہیں ہوگا مگر جب وہ عمل سے فارغ ہو چکا ہو۔ کیونکہ اب یہ محض نفع بن چکا ہے۔ پس مسمی (مقررہ اجرت) واجب ہوگا۔ باپ، دادا اور قاضی اسے اجرت پر دے تو اجارہ صحیح ہوگا اگر چہ اجرت مثلی کے بغیر ہو۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے جس طرح ''الدرر'' سے معلوم ہوتا ہے۔ پس اس کو دیکھ لیجئے۔ انگور کے رس کی بیع اس آدمی کے ہاتھ جائز ہے جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ اس سے شراب بنائے گا۔ کیونکہ معصیت اس کے عین کے ساتھ قائم نہیں ہوتی بلکہ اس کے

اسے اجرت پر دیا وہ اس کی اجرت پر قبضہ کرے۔

33259۔ (قولہ: لَمْ يَجُزْ) یعنی یہ عقد لازم نہ ہوگا۔ ''کفایہ''۔ کیونکہ اس میں ضرر کی آمیزش ہے۔ ''زیلعی''۔

33260۔ (قولہ: وَصَحَّ إِجَارَةُ أَبٍ وَجَدٍّ) اسی طرح دونوں کے وصی کا اسے اجارہ پر دینا صحیح ہوگا۔ قاضی کے وصی کا معاملہ مختلف ہے۔ ''حموی''۔ یہ ''الدرر'' کی عبارت کے ظاہر کے خلاف ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ ہاں شارح نے کتاب الوصایا میں ان آٹھ میں اسے شمار کیا ہے جن میں باپ کا وصی قاضی کے وصی کے مخالف ہوتا ہے۔

33261۔ (قولہ: كَمَا يُعْلَمُ مِنَ الدُّرَرِ) یعنی ''درر'' سے صراحۃً معلوم ہو جاتا ہے۔ اس کی عبارت ہے: صاحب ''المحیط'' کے فوائد میں ہے: جب باپ، دادا یا قاضی صغیر کو کسی کام پر بھیجے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز ہوگا جب اجارہ اجرت مثلی کے ساتھ ہو یہاں تک کہ جب کوئی اسے اجرت مثلی سے کم اجرت پر بھیجے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ صحیح قول یہ ہے کہ اجارہ صحیح ہوگا اگر چہ وہ اجرت مثلی سے کم اجرت پر ہو۔ اس کی مثل ''المنح'' میں ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں کہا: اگر اقل کو تھوڑے سے غبن پر محمول کیا جائے نہ کہ غبن فاحش پر محمول کیا جائے تو مخالفت ختم ہو جائے گی۔

خمار کے ہاتھ انگور کے رس کی بیع میں آئمہ کا اختلاف

33262۔ (قولہ: وَجَازَ) یعنی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انگور کے رس کی بیع جائز ہے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔ یعنی جو انگور سے رس نکال لیا گیا ہے۔ پس انگور اور بیلوں کی بیع انکے ہاتھ میں مکروہ نہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے جس طرح ''المحیط'' میں ہے۔ لیکن ''الخزانہ'' کی کتاب البیوع میں ہے: انگور کی بیع میں اختلاف ہے۔ ''قہستانی''۔

33263۔ (قولہ: مِمَّنْ يُعْلَمُ) اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے اگر یہ معلوم نہ ہو تو بغیر کسی اختلاف کے مکروہ نہیں ہوگا۔ ''قہستانی''۔

33264۔ (قولہ: لَا تَقُومُ بِعَيْنِهِ الخ) اس سے یہ اخذ کیا جاتا ہے ''معصیت اس کے عین کے ساتھ قائم نہیں ہوتی'' سے مراد یہ ہے کہ بیع کے بعد ایک اور وصف پیدا ہوتا ہے جس میں معصیت قائم ہوتی ہے۔ اور جس کے عین کے ساتھ

تَغَيُّرِهِ وَقِيلَ يُكْرَهُ لِإِعَانَتِهِ عَلَى الْمَعْصِيَةِ وَنَقَلَ الْمُصَنِّفُ عَنِ السِّرَاجِ وَالْمُشْكِلَاتِ أَنَّ قَوْلَهُ مِمَّنْ أَيْ مِنْ كَافِرٍ أَمَّا بَيْعُهُ مِنَ الْمُسْلِمِ فَيُكْرَهُ وَمِثْلُهُ فِي الْجَوْهَرَةِ وَالْبَاقَانِيِّ وَغَيْرِهِمَا زَادَ الْقُهُسْتَانِيُّ مَعْزِيًّا لِلْخَانِيَّةِ أَنَّهُ يُكْرَهُ بِالِاتِّفَاقِ (بِخِلَافِ بَيْعِ أَمْرَدَ مِمَّنْ يَلُوطُ بِهِ وَبَيْعِ سِلَاحٍ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ) لِأَنَّ الْمَعْصِيَةَ تَقُومُ بِعَيْنِهِ ثُمَّ الْكَرَاهَةُ فِي مَسْأَلَةِ الْأَمْرَدِ مُصَرَّحٌ بِهَا فِي بُيُوعِ الْخَانِيَّةِ وَغَيْرِهَا وَاعْتَمَدَهُ الْمُصَنِّفُ عَلَى خِلَافِ مَا فِي الزَّيْلَعِيِّ وَالْعَيْنِيِّ وَإِنْ أَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ فِي بَابِ الْبُغَاةِ قُلْتُ وَقَدَّمْنَا ثَمَّةَ مَعْزِيًّا لِلنَّهْرِ

تغیر کے بعد قائم ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ معصیت پر اعانت ہے۔ مصنف نے ''السراج'' اور ''المشکلات'' سے نقل کیا ہے کہ ان کا قول ممن سے مراد ہے وہ کافر کے ہاتھ بیچے۔ جہاں تک مسلمان کے ہاتھ بیچنے کا تعلق ہے تو یہ مکروہ ہے۔ اسی کی مثل ''الجوہرہ'' اور الباقانی وغیرہ میں ہے۔ ''قہستانی'' نے ''خانیہ'' کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔ کسی امرد کو اس کے ہاتھ بیچنا جو اس کے ساتھ لواطت کرے اور اہل فتنہ کے ہاتھ اسلحہ بیچنا یہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ معصیت اس کے عین کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔ پھر امرد کے مسئلہ میں کراہت اس کی وضاحت ''الخانیہ'' وغیرہ کے کتاب البیوع میں کر دی گئی ہے۔ مصنف نے اس پر اعتماد کیا ہے جب کہ یہ اس کے خلاف ہے جو ''زیلعی'' اور ''عینی'' میں ہے اگرچہ مصنف نے اسے باب البغاۃ میں ثابت رکھا ہے۔ میں کہتا ہوں: ہم وہاں ''النہر'' کی طرف قول منسوب کرتے ہوئے یہ بیان کر چکے ہیں

قائم ہوتی ہے اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ جس میں معصیت اس وصف پر پائی جائے جو بیع کی حالت میں موجود ہو جیسے امرد اسلحہ کو بیچنا۔ اس پر مکمل گفتگو آگے آئے گی۔

33265۔(قولہ: أَمَّا بَيْعُهُ مِنَ الْمُسْلِمِ فَيُكْرَهُ) کیونکہ یہ معصیت پر اعانت ہے۔ ''قہستانی'' میں ''جواہر'' سے منقول ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ متون کے اطلاق کے خلاف ہے اور شروح کی تعلیل کے خلاف ہے جو ان اقوال کے ساتھ کی گئی ہے جو گزر چکے ہیں۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اس میں ہے: یہ ظاہر نہیں مگر اس کے قول پر جس نے یہ کہا ہے: کفار شریعت کے فروع کے غیر مخاطب ہیں۔ اصح قول یہ ہے کہ وہ ان کے مخاطب ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ معصیت پر اعانت ہے۔ پس اس کافر اور مسلمان کے ہاتھ بیچنے میں کوئی فرق نہیں۔ پس تدبر کیجئے اس اطلاق اور گزشتہ تعلیل پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوگا۔

33266۔(قولہ: عَلَى خِلَافِ مَا فِي الزَّيْلَعِيِّ وَالْعَيْنِيِّ) اس کی مثل ''النہایہ'' اور ''الکفایہ'' میں امام ''سرخسی'' کی کتاب الاجارات سے منقول ہے۔

وہ چیز جس کے ساتھ معصیت قائم ہو اس کی بیع مکروہ ہے

33267۔(قولہ: مَعْزِيًّا لِلنَّهْرِ) باب البغاۃ سے نقل کرتے ہوئے اس میں کہا: اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ جس

أَنَّ مَا قَامَتُ الْمَعْصِيَةُ بِعَيْنِهِ يُكْرَهُ بَيْعُهُ تَحْرِيمًا وَإِلَّا فَتَنْزِيهًا فَلْيُحْفَظْ تَوْفِيقًا (وَ) جَازَ تَعْمِيرُ كَنِيسَةٍ وَ (حَمْلُ خَمْرِ ذِمِّيٍّ) بِنَفْسِهِ أَوْ دَابَّتِهِ (بِأَجْرٍ)

کہ جس کے عین کے ساتھ معصیت قائم ہو تو اس کی بیع مکروہ تحریمی ہوگی ورنہ مکروہ تنزیہی ہوگی۔ پس اس تطبیق کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ اور کنیسہ (یہودیوں کا عبادت خانہ) کی مرمت اور ذمی کی شراب کو خود یا اپنے جانور پر اٹھانا اجرت کے ساتھ جائز ہے

کے ساتھ معصیت قائم نہ ہو اس کی بیع مکروہ نہیں جس طرح مغنیہ لونڈی، سینگ مارنے والے مینڈھے، اڑنے والے کبوتر، جوس اور اس لکڑی جس سے آلات لہو ولعب بنائے جاتے ہیں کی بیع کرنا مکروہ نہیں۔ جہاں تک ''الخانیہ'' کے کتاب البیوع کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ امرد کو فاسق کے ہاتھ بیچنا مکروہ ہے جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ اس کے ساتھ معصیت کا ارتکاب کرے گا۔ یہ اشکال پیدا کرتا ہے۔

جسے ''زیلعی'' نے الحظر والاباحہ میں یقین کے ساتھ بیان کیا ہے کہ لونڈی اس آدمی کے ہاتھ بیچنے میں کراہت نہیں جو اس کی دبر میں وطی کرتا ہو یا غلام کو لوطی کے ہاتھ میں بیچنا مکروہ نہیں۔ یہ اس کے موافق ہے جو قول گزر چکا ہے۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ جو قول ''الخانیہ'' میں ہے وہ اس پر محمول ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہوگا۔ اس سے نفوس مطمئن ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ اشکال پیدا نہیں کرتا اگرچہ وہ مددگار نہیں وہ اعانت میں متسبب ہے۔ میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا جس نے اس سے بحث کی ہو۔ ''المحیط'' پر ''حاشیہ شلبی'' میں ہے: فاسق مسلمان نے ایک اور غلام خریدا اور یہ ان لوگوں میں سے ہے جو امرد سے خواہش پوری کرتا ہے تو اسے اس کے بیچنے پر مجبور کیا جائے گا۔

33268_(قولہ: فَلْيُحْفَظْ تَوْفِيقًا) اس کی صورت یہ ہے کہ ''خانیہ'' میں جو قول ہے اسے اس پر محمول کیا جائے کہ کراہت تنزیہی کو ثابت کیا جائے اور جو قول ''زیلعی'' وغیرہا میں ہے اسے مکروہ تحریمی کی نفی پر محمول کیا جائے تو کوئی مخالفت نہ ہوگی۔ میں کہتا ہوں: یہ تطبیق ظاہر نہیں۔ کیونکہ یہ بات پہلے کر دی گئی ہے کہ امرد کے عین کے ساتھ معصیت قائم ہوتی ہے۔ اور جسے یہاں ذکر کیا ہے اس کا مقتضا یہ متعین ہوتا ہے کہ اس میں کراہت تحریم کے لیے ہو۔ پس ''زیلعی'' وغیرہ کے کلام کو تنزیہی پر محمول کرنا صحیح نہیں۔ پس ''زیلعی'' وغیرہ کے کلام کی بنیاد یہ ہے کہ امرد کے عین کے ساتھ معصیت قائم نہیں ہوتی جب ان کی عبارت سے قریب ہی ان کے قول و جاز اجارة بیت کے ہاں ظاہر ہو جائے گا۔

کنیسہ کی تعمیر ومرمت اور ذمی کی شراب کو اجرت پر اٹھانے کا شرعی حکم

33269_(قولہ: وَ جَازَ تَعْمِيرُ كَنِيسَةٍ) ''الخانیہ'' میں کہا ہے: اگر اس نے اپنے آپ کو اجرت پر لگایا تاکہ وہ کنیسہ میں کام کرے اور اس کی مرمت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس عمل کے عین میں کوئی معصیت نہیں۔

33270_(قولہ: وَ حَمْلُ خَمْرِ ذِمِّيٍّ) ''زیلعی'' نے کہا: یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے فرمایا: یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے معاملہ میں دس افراد پر لعنت کی ہے۔ ان میں سے ایک اس کے

لَا عَصْرُهَا لِقِيَامِ الْمَعْصِيَةِ بِعَيْنِهِ (وَ) جَازَ (إِجَارَةُ بَيْتٍ بِسَوَادِ الْكُوفَةِ) أَيْ قُرَاهَا (لَا بِغَيْرِهَا عَلَى الْأَصَحِّ)

اس کو نچوڑنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں معصیت اس کے عین کے ساتھ قائم ہے اور کوفہ کے سواد یعنی دیہاتوں میں نہ کہ کسی اور جگہ میں اصح قول کے مطابق گھر اجرت پر دینا جائز ہے۔

اٹھانے والے کو شمار کیا ہے (1)۔

''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اٹھانے پر کسی کے ساتھ اجارہ کرنا یہ نہ معصیت ہے اور نہ ہی اس کا سبب ہے۔ بے شک معصیت فاعل مختار کے فعل کے ساتھ حاصل ہوتی ہے۔ اور پینا یہ حمل کی ضروریات میں سے نہیں۔ کیونکہ اس کا اٹھانا بعض اوقات اسے بہانے اور اسے سرکہ بنانے کے لیے ہوتا ہے۔ پس یہ اس طرح ہو گیا جس طرح وہ اسے اجرت پر لے تا کہ وہ انگور کا رس نچوڑ لے یا انگوروں کو کاٹے۔ حدیث اس اٹھانے پر محمول ہو گی جو معصیت کے ارادہ کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔

''النہایہ'' میں یہ اضافہ کیا ہے: یہ قیاس ہے اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کا قول استحسان ہے۔ پھر ''زیلعی'' نے کہا: اس اختلاف کی بنا پر ہو گا اگر اسے ایک جانور کے ساتھ اجرت پر دیا تا کہ اس جانور پر وہ شراب کو منتقل کرے یا اسے اجرت پر لیا تا کہ وہ اس کے خنزیر چرائے تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے لیے اجرت حلال ہو گی اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک مکروہ ہو گی۔

''المحیط'' میں ہے: نصرانی کے ہاتھ زنار اور مجوسی کے ہاتھ ٹوپی بیچنے میں کوئی کراہت نہیں۔ کیونکہ یہ ان کو ذلیل کرنا ہے۔ مرد کو مکعب (جسے ٹخنہ پر چڑھایا جائے) بیچنا جس پر چاندی چڑھائی گئی ہو تا کہ وہ اسے پہنے تو یہ مکروہ ہو گا۔ کیونکہ یہ حرام چیز پہننے پر اعانت ہے اگر وہ موچی ہو اسے ایک آدمی نے حکم دیا کہ وہ مجوسی کے لباس پر اسے موزہ بنادے یا فاسقوں کے لباس پر موزہ بنادے یا وہ خیاط ہو وہ آدمی اسے حکم دیتا ہے کہ وہ فاسقوں کے لباس پر اسے کپڑا بنادے تو اس کے لیے ایسا کرنا مکروہ ہو گا۔ کیونکہ یہ فاسقوں اور مجوسیوں کے ساتھ مشابہت کا سبب ہے۔

33271۔ (قولہ: لَا عَصْرُهَا لِقِيَامِ الْمَعْصِيَةِ بِعَيْنِهِ) اس میں سابقہ قول لان المعصية لا تقوم بعينه کے ساتھ منافات ظاہر ہے، ''ط''۔ ہم اس کے بھی منافی ہے جسے ہم نے پہلے ''زیلعی'' سے نقل کیا ہے کہ یہ جائز ہے وہ انگور نچوڑنے یا اسے کاٹنے کے لیے اجرت پر رکھے۔ شاید یہاں یہ مراد ہو کہ شراب بنانے کے ارادہ سے انگور نچوڑے۔ کیونکہ اس ارادہ کے ساتھ اس فعل کا عین معصیت ہے۔ اسی وجہ سے ضمیر کو خمر کی طرف لوٹایا ہے ساتھ ہی انگور کا نچوڑنا حقیقت ہے تو یہ اس کے منافی نہیں ہو گا جو گزر چکا ہے کہ عصیر کی بیع کرنا جائز ہے اور انگور نچوڑنے پر اجارہ پر رکھنا جائز ہے۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔ فتامل۔

ذمی کو گھر اجارے پر دینے کا حکم

33272۔ (قولہ: وَ جَازَ إِجَارَةُ بَيْتٍ الخ) یہ بھی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔ کیونکہ اجارہ گھر کی منفعت ہے۔ اسی وجہ سے محض گھر کے سپرد کرنے پر اجرت واجب ہو گی۔ اس میں کوئی معصیت نہیں۔ معصیت مستاجر کے

1۔ نصب الرایۃ، کتاب الکراھیۃ، فصل فی البیع، جلد 4، صفحہ 573

وَأَمَّا الْأَمْصَارُ وَقُرًى غَيْرِ الْكُوفَةِ فَلَا يُمَكَّنُونَ لِظُهُورِ شِعَارِ الْإِسْلَامِ فِيهَا وَخُصَّ سَوَادُ الْكُوفَةِ، لِأَنَّ غَالِبَ أَهْلِهَا أَهْلُ الذِّمَّةِ (لِيَتَّخِذَ بَيْتَ نَارٍ أَوْ كَنِيسَةً أَوْ بِيعَةً أَوْ يُبَاعَ فِيهِ الْخَمْرُ) وَقَالَا لَا يَنْبَغِي ذَلِكَ

جہاں تک شہروں کا تعلق ہے اور کوفہ کے علاوہ کے دیہاتوں کا تعلق ہے تو انہیں یہ قدرت نہیں دی جائے گی۔ کیوں کہ ان میں شعار اسلام غالب آ چکے ہیں اور سواد کوفہ کو خاص کیا ہے۔ کیونکہ اس کے اکثر مکین اہل ذمہ ہیں تا کہ وہ اس گھر کو آتشکدہ بنائے، کنیسہ بنائے، گرجا بنائے یا اس میں شراب بیچے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: یہ نہیں ہونا چاہیے

فعل کے ساتھ ہے جب کہ وہ مختار ہے۔ پس اس سے اس کی نسبت منقطع ہو جائے گی۔ پس یہ اس کی طرح ہو جائے گا جس طرح ایک آدمی اس کے ہاتھ میں لونڈی بیچتا ہے جو اس سے استبرا نہیں کرتا یا اس کی دبر میں وطی کرتا ہے اور اس کی طرح ہو جائے گا جو لڑکے کو ایسے آدمی کے ہاتھ بیچتا ہے جو لواطت کرتا ہے۔ کثیر فتاویٰ سے یہ منقول ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ ''المختصر'' میں ہم نے اسی طرح اعتماد کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اس میں بھی صریح ہے کہ یہ ان میں سے نہیں ہے جس کے عین کے ساتھ معصیت قائم ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے جو قول فتاویٰ میں ہے وہ مشکل ہے جس طرح جو ''النہر'' سے گزر چکا ہے۔ کیونکہ لڑکے کے درمیان اور گھر اور اس کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ پس مصنف کو یہ چاہیے تھا کہ اس پر اعتماد کرتا جسے شارحین نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ یہ اس پر مقدم ہے جو فتاویٰ میں ہے۔ ہاں اس تعلیل کی بنا پر جسے ''زیلعی'' نے ذکر کیا ہے یہ اس فرق میں اشکال پیدا کرتا ہے جو اس کے درمیان میں ہے جس کے عین کے ساتھ معصیت قائم ہوتی ہے اور اس کے درمیان جس کے عین کے ساتھ معصیت قائم نہیں ہوتی۔ کیونکہ اسلحہ اور چاندی لگے مکعب وغیرہ میں معصیت یہ خریدنے والے کے فعل سے ہوتی ہے۔ پس فرق کی وجہ میں غور کیا جانا چاہیے۔ کیونکہ یہ امر میرے لیے ظاہر نہیں ہوا اور نہ ہی میں نے کسی کو دیکھا جو اس پر متنبہ ہوا۔ ہاں فرق اس تعبیر کی بنا پر ظاہر ہوتا ہے جسے شارح نے غیر کی پیروی میں پہلے تعلیل ذکر کی ہے۔ کیونکہ اس کی بیع جائز ہے۔ کیونکہ معصیت اس کے عین کے قائم قائم نہیں۔ بلکہ معصیت اس کے تغیر کے بعد ہے۔ یہ اسی طرح ہے کہ لوہے کو اہل فتنہ کے ہاتھ میں فروخت کیا جائے۔ کیونکہ اگرچہ وہ اس سے ہتھیار بناتا ہے لیکن اس کے بعد کہ وہ ایک اور صفت کی طرف تبدیل ہو جائے۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ امر ان میں سے ہے جس کے عین کے ساتھ معصیت قائم ہوتی ہے جس طرح ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ فلیتامل

33273۔ (قولہ: وَأَمَّا الْأَمْصَارُ) تعبیر میں زیادہ مناسب یہ ہے۔ کالامصار الخ۔ ''ط''۔

33274۔ (قولہ: فَلَا يُمَكَّنُونَ) یعنی انہیں یہ قدرت نہیں دی جائے گی کہ وہ بیعہ اور کنیسہ بنائیں اور اعلانیہ خمر کی بیع کریں وغیرہ۔

33275۔ (قولہ: أَوْ كَنِيسَةً أَوْ بِيعَةً) کنیسہ یہودیوں کا عبادت خانہ ہے اور دوسرا نصاریٰ کا عبادت خانہ ہے اسے ''صحاح'' میں ذکر کیا ہے۔ جس نے اس کے برعکس گمان کیا تو وہ بھول گیا ہے۔ ''ابن کمال''۔ لیکن کنیسہ کا اطلاق

لِأَنَّهُ إِعَانَةٌ عَلَى الْمَعْصِيَةِ وَبِهِ قَالَتْ الثَّلَاثَةُ زَيْلَعِيٌّ (وَ) جَازَ (بَيْعُ بِنَاءِ بُيُوتِ مَكَّةَ وَأَرْضِهَا) بِلَا كَرَاهَةٍ وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَبِهِ يُفْتَى عَيْنِيٌّ وَقَدْ مَرَّ فِي الشُّفْعَةِ وَفِي الْبُرْهَانِ فِي بَابِ الْعُشْرِ وَلَا يُكْرَهُ بَيْعُ أَرْضِهَا كَبِنَائِهَا وَبِهِ يُعْمَلُ وَفِي مُخْتَارَاتِ النَّوَازِلِ لِصَاحِبِ الْهِدَايَةِ لَا بَأْسَ بِبَيْعِ بِنَائِهَا وَإِجَارَتِهَا لَكِنْ فِي الزَّيْلَعِيِّ وَغَيْرِهِ يُكْرَهُ إِجَارَتُهَا وَفِي آخِرِ الْفَصْلِ الْخَامِسِ مِنْ التَّتَارْخَانِيَّةِ وَإِجَارَةِ الْوَهْبَانِيَّةِ قَالَا قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ أَكْرَهُ إِجَارَةَ

کیونکہ یہ معصیت پر اعانت ہے۔ تینوں ائمہ نے یہی قول کیا ہے ''زیلعی''۔ مکہ مکرمہ کے گھروں اور اس کی زمین کی بیع بغیر کراہت کے جائز ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے یہی ارشاد فرمایا ہے۔ اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ''عینی''۔ کتاب الشفعہ میں یہ گزر چکا ہے۔ ''برہان'' میں دسویں باب میں ہے: اس کی زمین کی بیع اس کے مکانات کی طرح مکروہ نہیں اسی پر عمل کیا جاتا ہے۔ صاحب ''الہدایہ'' کی ''مختارات النوازل'' میں ہے: اس کی عمارت کی بیع اور ان کو اجارہ پر دینے میں کوئی حرج نہیں لیکن ''زیلعی'' وغیرہ میں ہے: انہیں اجرت پر دینا مکروہ ہے۔ ''تاتر خانیہ'' کی پانچویں فصل کے آخر میں اور ''وہبانیہ'' کے کتاب الاجارہ میں ہے: دونوں مؤلفین نے کہا: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، میں اسے مکروہ خیال کرتا ہوں

نصاریٰ کے معبد پر بھی ہوتا ہے جس طرح ''قاموس'' اور ''مغرب'' سے معلوم ہوتا ہے۔ بیعہ یہ با کے کسرہ کے ساتھ ہے جس کی جمع بیع ہے جیسے عنب ہے۔

مکہ مکرمہ کے گھروں اور زمینوں کی بیع کا شرعی حکم

33276۔ (قولہ: وَ جَازَ بَيْعُ بِنَاءِ بُيُوتِ مَكَّةَ) یعنی اس پر سب کا اتفاق ہے۔ کیونکہ یہ گھر اس کی ملکیت ہے جس نے اسے بنایا ہے جس طرح جو آدمی وقف کی زمین میں کوئی شے تعمیر کرے تو اسے بیچنے کا حق ہوتا ہے۔ ''اتقانی''۔

33277۔ (قولہ: وَأَرْضِهَا) ''کنز'' میں اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کا قول ہے۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے۔ کیونکہ یہ ان کے اہل کی مملوکہ ہے کیونکہ اس میں ملکیت کے آثار ظاہر ہیں۔ وہ شرعی طور پر اس کے ساتھ اختصاص ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''المنح'' وغیرہا میں ہے۔

33278۔ (قولہ: وَقَدْ مَرَّ فِي الشُّفْعَةِ) یہ بھی گزر چکا ہے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ مکہ مکرمہ کے گھروں میں شفعہ واجب ہوگا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس کی زمین پر ملکیت حاصل ہوگی۔ جس طرح اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

33279۔ (قولہ: لَكِنْ) یہ ان کے قول واجارتہا پر استدراک ہے۔

33280۔ (قولہ: قَالَا) یعنی ان دونوں کتابوں کے مولفین نے کہا۔

حج کے دنوں میں مکہ مکرمہ کے گھروں کو اجرت پر دینے کا شرعی حکم

33281۔ (قولہ: قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ) میں کہتا ہوں: ''غایۃ البیان'' میں جو قول ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ

بُيُوتِ مَكَّةَ فِي أَيَّامِ الْمَوْسِمِ وَكَانَ يُفْتِي لَهُمْ أَنْ يَنْزِلُوا عَلَيْهِمْ فِي دُورِهِمْ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ وَرَخَّصَ فِيهَا فِي غَيْرِ أَيَّامِ الْمَوْسِمِ فَلْيُحْفَظْ قُلْتُ وَبِهٰذَا يَظْهَرُ الْفَرْقُ وَالتَّوْفِيقُ وَهٰكَذَا كَانَ يُنَادِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَيَّامَ الْمَوْسِمِ وَيَقُولُ يَا أَهْلَ مَكَّةَ لَا تَتَّخِذُوا لِبُيُوتِكُمْ أَبْوَابًا لِيَنْزِلَ الْبَادِي حَيْثُ شَاءَ ثُمَّ يَتْلُو الْآيَةَ فَلْيُحْفَظْ

کہ حج کے دنوں میں مکہ مکرمہ کے گھروں کو اجارہ پر دیا جائے۔ انہیں وہ فتویٰ دیا جاتا ہے کہ وہ حاجیوں کو اپنے گھروں میں ٹھہرائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یکساں ہیں اس میں وہاں کے رہنے والے اور پردیسی۔ اور حج کے ایام کے علاوہ میں اس میں رخصت دی گئی ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جائے۔ میں کہتا ہوں: اس کے ساتھ فرق اور تطبیق ظاہر ہو جاتی ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حج کے ایام میں اسی طرح ندا کیا کرتے تھے اور فرماتے: اے اہل مکہ اپنے گھروں کے دروازے نہ لگاؤ تاکہ بادیہ نشین جہاں چاہے ٹھہر سکے۔ پھر اس آیت کی تلاوت فرماتے۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔

''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کا بھی قول ہے۔ جب کہ امام ''کرخی'' کی تقریب سے نقل کیا گیا ہے جس کی نص یہ ہے: ''ہشام'' نے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ حج کے دنوں میں مکہ مکرمہ کے گھروں کو اجارہ پر دینا مکروہ ہے اور دوسرے دنوں میں اس میں رخصت ہے۔

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول اسی طرح ہے۔ ''ہشام'' نے کہا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مجھے یہ خبر دی ہے کہ حج کے دنوں میں مکہ مکرمہ کے گھروں کو کرایہ پر دینا مکروہ ہے اور آپ انہیں فرماتے: وہ حاجیوں کو اپنے گھروں میں ٹھہرائیں جب گھر میں ضرورت سے زائد جگہ ہو اگر زائد جگہ نہ ہو تو پھر ٹھہرانا لازم نہیں۔ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اس قول نے اس امر کو بیان کیا ہے کہ اجارہ میں کراہت متفق علیہ ہے۔ اسی طرح ''الدر المنتقی'' میں کہا: علماء نے اس کی کراہت کی تصریح کی ہے جب کہ اختلاف کا کوئی ذکر نہیں۔

33282۔ (قولہ: وَبِهٰذَا يَظْهَرُ الْفَرْقُ) کراہت کو حج کے دنوں پر محمول کرنے سے اس میں فرق ظاہر ہوگا کہ ان کی بیع کرنا جائز ہے اجارہ جائز نہیں۔ یہ اس کا جواب ہے جو ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کی زمین اجارہ پر دینے کے مکروہ ہونے کو ''زیلعی''، ''کافی'' اور ''ہدایہ'' سے نقل کیا ہے۔ پھر کہا: پس بیع کے جواز اور اجارہ کے عدم جواز کے درمیان جو فرق ہے اس کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

اس کا حاصل یہ ہے اجارہ کا مکروہ ہونا یہ حاجیوں کی ضرورت کی بنا پر ہے۔

33283۔ (قولہ: وَالتَّوْفِيقُ) جو قول ''نوازل'' میں ہے اور جو ''زیلعی'' وغیرہ میں ہے اس میں تطبیق ظاہر ہوتی ہے کہ کراہت کو حج کے دنوں اور عدم کراہت کو حج کے دنوں کے علاوہ پر محمول کیا جائے۔

33284۔ (قولہ: وَهٰكَذَا) یعنی جس طرح امام فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ''ط''۔

(وَ) جَازَ (قَيْدُ الْعَبْدِ) تَحَرُّزًا عَنِ التَّمَرُّدِ وَالْإِبَاقِ وَهُوَ سُنَّةُ الْمُسْلِمِينَ فِي الْفُسَّاقِ (وَقَبُولُ هَدِيَّتِهِ تَاجِرًا وَإِجَابَةُ دَعْوَتِهِ وَاسْتِعَارَةُ دَابَّتِهِ) اسْتِحْسَانًا (وَكُرِهَ كِسْوَتُهُ) أَيْ قَبُولُ هَدِيَّةِ الْعَبْدِ (ثَوْبًا وَإِهْدَاؤُهُ النَّقْدَيْنِ) لِعَدَمِ الضَّرُورَةِ (وَاسْتِخْدَامُ الْخَصِيِّ) ظَاهِرُهُ الْإِطْلَاقُ وَقِيلَ بَلْ دُخُولُهُ

اور غلام کو بیڑی سے قید رکھنا جائز ہے تا کہ اس کی سرکشی اور اس کے بھاگ جانے سے بچا جائے۔ فاسقوں کے متعلق یہ مسلمانوں کا معمول ہے۔ اور غلام جب تاجر ہو تو اس کا ہدیہ قبول کرنا، اس کی دعوت کو قبول کرنا اور اس کے جانور کو عاریۃً لینا جائز ہے۔ یہ بطور استحسان ہے۔ اور غلام کے کپڑے کے ہدیہ کو قبول کرنا اور اس کا نقدی ہدیہ کے طور پر دینا مکروہ ہے۔ کیونکہ ضرورت نہیں اور خصی سے خدمت لینا مکروہ ہے۔ اس کا ظاہر تو یہ ہے کہ یہ مطلقاً ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ اس کا حرم پر داخل ہونا

33285۔ (قولہ: وَاسْتِعَارَةُ دَابَّتِهِ) اگر اس کا جانور اس مستعیر کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو مستعیر ضامن نہیں ہوگا۔

33286۔ (قولہ: اسْتِحْسَانًا) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی کا ہدیہ قبول کیا تھا جب وہ غلام تھے (1)۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا ہدیہ قبول کیا تھا جب کہ وہ مکاتبہ تھیں۔ صحابہ کی ایک جماعت نے حضرت ابو اسید کے غلام کی دعوت قبول کی تھی جب کہ وہ غلام تھا۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ان اشیاء میں ضرورت ہے اور تاجر اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں پاتا۔ ''ہدایہ''۔

33287۔ (قولہ: أَيْ قَبُولُ هَدِيَّةِ الْعَبْدِ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کسوتہ میں مصدر کو اس کے فاعل کی طرف مضاف کیا ہے۔

خصی سے خدمت لینے کا مسئلہ

33288۔ (قولہ: وَاسْتِخْدَامُ الْخَصِيِّ) کیونکہ اس میں لوگوں کو اپنے آپ کو خصی کرنے پر ابھارنا ہے۔ ''غایۃ البیان'' میں ''طحاوی'' سے مروی ہے: خصی لوگوں کی کمائی، ان کی ملک اور ان سے خدمت لینا مکروہ ہے۔ ''حموی'' نے کہا: اس کی کمائی کے مکروہ ہونے کی وجہ سے میرے لیے ظاہر نہیں ہوئی۔

میں کہتا ہوں: شاید مراد اس کے آقا پر اس کی کمائی مکروہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس پر جزیہ لگا دے یا مطلقاً کمائی مکروہ ہے۔ کیونکہ عادۃً اس کی کمائی اس کی خدمت لینے میں ہوتی ہے اور حرم (مستورات) پر داخل ہونے سے ہوتی ہے۔ تامل۔ پھر میں نے دوسری وجہ ''التجنیس'' اور ''المزید'' میں دیکھی ہے۔ اس کی نص یہ ہے: کیونکہ اس کی کمائی عورتوں کے ساتھ مخالطت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ واللہ الحمد

33289۔ (قولہ: وَقِيلَ بَلْ دُخُولُهُ) زیادہ بہتر یہ قول تھا بل فی دخولہ، ''قہستانی'' نے قیل پر اکتفا کیا ہے۔ اسے کرمانی سے نقل کیا ہے۔ حدیث اور علت اطلاق کا فائدہ دیتے ہیں۔ پس یہی معتمد ہے، ''ط''۔ یہی متون کا ظاہر معنی ہے۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 254

عَلَى الْحُرُمِ لَوْ سِنُّهُ خَمْسَةَ عَشَرَ (وَ) كُرِهَ (إِقْرَاضُ) أَيْ إِعْطَاءُ (بَقَّالٍ) كَخَبَّازٍ وَغَيْرِهِ (دَرَاهِمَ) أَوْ بُرًّا لِخَوْفِ هُلْكِهِ لَوْ بَقِيَ بِيَدِهِ يُشْتَرَطُ (لِيَأْخُذَ) مُتَفَرِّقًا (مِنْهُ) بِذَلِكَ (مَا شَاءَ) وَلَوْ لَمْ يَشْتَرِطْ حَالَةَ الْعَقْدِ لَكِنْ يَعْلَمُ أَنَّهُ يَدْفَعُ لِذَلِكَ شُرُنْبُلَالِيَّةٌ،

یہ مکروہ ہے اگر اس کی عمر پندرہ سال ہو۔ بقال (کھانا بیچنے والا) جیسے خباز (نانبائی) وغیرہ کو دراہم یا گندم دینا۔ کیونکہ اسے یہ خوف ہے کہ اگر مال اس کے ہاتھ میں رہا تو ہلاک ہو جائے گا وہ شرط لگاتا ہے کہ وہ اس کے بدلے میں تھوڑی تھوڑی چیز لیتا رہے گا جو چاہے گا اگر وہ عقد کے وقت اس کی شرط نہ لگائے۔ لیکن یہ معمول ہو کہ وہ اسی مقصد کے لیے دے رہا ہے تو یہ مکروہ ہوگا ''شرنبلالیہ''۔

33290۔ (قولہ: عَلَى الْحُرُمِ) یہ حرمت کی جمع ہے جس کا معنی عورت ہے جیسے غرفۃ کی جمع غرف آتی ہے جس طرح ''المصباح'' میں ہے، ''حموی''۔ پس یہ لفظ حا کے ضمہ اور را کے فتحہ کے ساتھ ہوگا۔ بعض نسخوں میں علی الحریم کا لفظ ہے۔ ''قاموس'' میں ہے: حریم، امیر کے وزن پر ہے جو حرام ہو اور اسے چھوا نہ جا سکے اور ثوب المحرم جب تک وہ محرم ہوتے ہیں وہ کپڑوں کو پھینکے رکھتے ہیں پس وہ اس کو نہیں پہنتے۔ اور گھر کا حریم وہ حقوق اور منافع ہوتے ہیں جو اس کی طرف مضاف ہوتے ہیں اور جس کی تو حفاظت نہ کرے اور جس کی جانب سے تو قتال کرے اس کی پامالی کرنا جیسے حرم ہے اس کی جمع احرام اور حرم ہے حرملہ حا کے ضمہ کے ساتھ اس سے مراد تیری عورتیں ہیں اور جن کی تو حفاظت کرتا ہے یہ محارم ہیں اس کی واحد محرمہ جیسے مکرمۃ ہے اس کی را کو فتحہ دیا جاتا ہے۔ حرم جب فا کے فتحہ کے ساتھ ہو اور حریم دونوں ایک معنی میں ہیں یعنی جس کی حفاظت کی جاتی ہے یہاں یہ بھی مناسب ہے۔

33291۔ (قولہ: لَوْ سِنُّهُ خَمْسَةَ عَشَرَ) عمر کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ یہ قول کیا جاتا ہے کہ خصی کو احتلاف نہیں ہوتا۔

33292۔ (قولہ: بَقَّالٍ) ''قاموس'' میں کہا ہے: بقال اسے کہتے ہیں جو کھانے کی چیزیں بیچتا ہے یہ عامی زبان کا کلمہ ہے صحیح بدال ہے۔

33293۔ (قولہ: يُشْتَرَطُ) یہ جملہ حالیہ ہے یعنی تقدیر کلام یہ ہے: یشترط الاخذ اس کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ ''غایۃ البیان'' میں ہے: یہ مکروہ ہے جب منفعت کی عقد میں شرط لگائی گئی ہو ورنہ یہ مکروہ نہ ہوگا۔ کیونکہ قرض لینے والا وہ اس منفعت میں متبرع ہوگا پس یہ اس رجحان (زیادتی) کی طرح ہو جائے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا۔

33294۔ (قولہ: وَلَوْ لَمْ يَشْتَرِطْ حَالَةَ الْعَقْدِ الخ) بعض نسخوں میں اسی طرح ہے اور بعض سے یہ ساقط ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: زیادہ بہتر یہ قول ہے: اولم یشترط تاکہ دونوں صورتوں میں حکم کے اتحاد کا فائدہ دے۔ اس کا ان کے قول یشترط پر عطف ہوگا۔ ''شرنبلالیہ'' میں کہا ہے: ''التجنیس'' اور ''المزید'' میں مسئلہ کو تین وجوہ پر بیان کیا ہے۔ یا تو قرض میں اس پر یہ شرط لگائی ہوگی کہ وہ اسے تبرعا لے گا یا خریداری کے طور پر لے گا یا یہ شرط نہ لگائی ہوگی لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ

لِأَنَّهُ قَرْضٌ جَرَّ نَفْعًا وَهُوَ بَقَاءُ مَالِهِ فَلَوْ أَوْدَعَهُ لَمْ يُكْرَهْ لِأَنَّهُ لَوْ هَلَكَ لَا يَضْمَنُ وَكَذَا لَوْ شَرَطَ ذٰلِكَ قَبْلَ الْإِقْرَاضِ ثُمَّ أَقْرَضَهُ يُكْرَهُ اِتِّفَاقًا قُهُسْتَانِيٌّ وَشُرُنْبُلَالِيَّةٌ وَكُرِهَ تَحْرِيمًا (اللَّعِبُ بِالنَّرْدِ) كَذَا (الشِّطْرَنْجِ)

کیونکہ یہ ایسا قرض ہے جو نفع کا باعث ہے وہ اس کے مال کا باقی رہنا ہے۔ اگر وہ اس کے ہاں ودیعت رکھے تو مکروہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ چیز اس کے پاس ہلاک ہو جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ قرض دینے سے پہلے اس کی شرط لگائے پھر اسے قرض دے تو یہ بالاتفاق مکروہ ہوگا،''قہستانی''،''شرنبلالیہ''۔ اور نرد سے کھیلنا مکروہ تحریمی ہے۔ اسی طرح شطرنج سے کھیلنا مکروہ تحریمی ہے۔

اس مقصد کے لیے مال دیتا ہے۔ اس سے قبل کہا: پہلی اور دوسری صورت میں جائز نہیں۔ کیونکہ یہ ایسا قرض ہے جو منفعت کو حاصل کرنے کا باعث ہے۔ اور تیسری وجہ میں یہ جائز ہے۔ کیونکہ یہ منفعت کی شرط پر نہیں جب وہ لے گا تو ہر وہ وقت جس میں لے گا وہ کہے گا: یہ اسی کے مطابق ہے جس پر میں نے تجھ سے معاہدہ کیا تھا۔

میں کہتا ہوں: تیسری وجہ سے دوسری وجہ لازم آتی ہے۔ پس چاہیے کہ وہ بھی مکروہ ہو مگر جب تیسری صورت کو اس پر محمول کیا جائے جب دونوں قرض کے وقت اس شرط سے اعراض کریں جو دونوں کے درمیان اس سے قبل مذکور ہوئی۔

33295۔ (قولہ: هُوَ بَقَاءُ مَالِهِ) وہ اس کے مال کا باقی رہنا اور حاجات کے لیے کافی ہونا ہے۔ اگر وہ مال اس کے ہاتھ میں ہوتا تو اس لمحہ اس کے ہاتھ سے نکل جاتا اور وہ باقی نہ رہتا۔''منح''۔

33296۔ (قولہ: قُهُسْتَانِيٌّ وَشُرُنْبُلَالِيَّة)''قہستانی'' کی عبارت ہے: اگر دونوں میں یہ قرض دینے سے پہلے یہ طے ہو جائے کہ وہ اسے اتنے درہم دے گا تا کہ اس سے متفرق لے پھر اسے قرض دیتا ہے تو بغیر کسی اختلاف کے مکروہ نہیں ہو گا جس طرح''المحیط'' میں ہے۔ یہ وہ تیسری وجہ ہے ان میں سے جو''شرنبلالیہ'' میں ہیں۔ اس میں جو ضعف ہے اس پر تو آگاہ ہے اگر اسے اس پر محمول نہ کیا جائے جو ہم نے کہا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ شارح کا قول یکرہ اتفاقا اس میں صحیح قول لم یکرہ ہے جس کا بعض نسخوں میں یہ قول اسی طرح پایا جاتا ہے۔

نرد اور شطرنج سے کھیلنے کا شرعی حکم

33297۔ (قولہ: بِالنَّرْدِ) یہ معرب اسم ہے اسے نردشیر کہتے ہیں۔ یہ دال کے فتحہ اور شین کے کسرہ کے ساتھ ہے شیر بادشاہ کا نام ہے۔ اس کے لیے نرد کو وضع کیا گیا جس طرح''المہمات'' میں ہے۔''زین العرب'' میں ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے شیر کا معنی میٹھا ہے اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ علماء نے کہا: یہ کھیل سابور بن اردشیر کی وضع کردہ چیزوں میں سے ایک ہے۔ یہ ساسانی بادشاہوں میں سے دوسرا تھا۔ یہ فعل حرام ہے اور عدالت کو ساقط کرنے والا ہے اس پر اجماع ہے۔''قہستانی''۔

33298۔ (قولہ: وَكَذَا الشِّطْرَنْجِ) یہ شدرنج کا معرب ہے یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ جو آدمی اس میں مشغول ہوتا ہے اس کی دنیاوی مشقت چلی جاتی ہے اور اخروی مشقت آجاتی ہے۔ یہ حرام ہے اور ہمارے نزدیک گناہ کبیرہ ہے۔ اس کے

بِكَسْرِ أَوَّلِهِ وَيُهْمَلُ وَلَا يُفْتَحُ إِلَّا نَادِرًا وَأَبَاحَهُ الشَّافِعِيُّ وَأَبُو يُوسُفَ فِي رِوَايَةٍ وَنَظَمَهَا شَارِحُ الْوَهْبَانِيَّةِ فَقَالَ وَلَا بَأْسَ بِالشِّطْرَنْجِ وَهِيَ رِوَايَةٌ عَنْ الْحَبْرِ قَاضِي الشَّرْقِ وَالْغَرْبِ تُؤْثَرُ وَهَذَا إِذْ لَمْ يُقَامِرْ وَلَمْ يُدَاوِمْ وَلَمْ يُخِلَّ بِوَاجِبٍ وَإِلَّا فَحَرَامٌ بِالْإِجْمَاعِ (وَ) كُرِهَ (كُلُّ لَهْوٍ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كُلُّ لَهْوِ الْمُسْلِمِ حَرَامٌ إِلَّا ثَلَاثَةً مُلَاعَبَتُهُ أَهْلَهُ وَتَأْدِيبُهُ لِفَرَسِهِ

شطرنج یہ پہلے حرف یعنی شین کے کسرہ کے ساتھ ہے اور شین کو مہمل بھی پڑھتے ہیں اور اس کو فتحہ قلیل ہی دیا جاتا ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت میں اسے مباح قرار دیا ہے۔ شارح ''وہبانیہ'' نے اسے نظم کیا ہے۔ کہا: شطرنج کھیلنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ علامہ مشرق و مغرب کے قاضی سے مروی ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ جوا نہ کھیلے اور وہ اس پر دوام اختیار نہ کرے اور یہ کھیل کسی واجب کی ادائیگی میں مخل نہ ہو ورنہ یہ حرام ہوگا۔ اسی پر اجماع ہے۔ ہر قسم کا لہو حرام ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: مسلمان کا ہر لہو حرام ہے مگر تین لہو حرام نہیں اپنے اہل کے ساتھ دل لگی کرنا، اپنے گھوڑے کو سدھانا

مباح قرار دینے میں مسلمانوں کے خلاف شیطان کی اعانت ہے جس طرح ''الکافی'' میں ہے۔ ''قہستانی''۔

33299۔ (قولہ: فِي رِوَايَةٍ الخ) ''شرنبلالیہ'' نے اپنی شرح میں کہا: تو اس سے باخبر ہے کہ مذہب یہ ہے کہ اس کے ساتھ کھیلنے سے منع کیا جائے جس طرح اس کے علاوہ سے کھیلنے سے منع کیا جاتا ہے۔

33300۔ (قولہ: قَاضِي الشَّرْقِ وَالْغَرْبِ) اس سے مراد امام ثانی امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ کیونکہ ان کی قضا کی ولایت مشارق و مغرب کو جامع تھی کیونکہ وہ خلفیہ ہارون الرشید کے قاضی تھے۔ ''شرنبلالیہ''۔

33301۔ (قولہ: وَهَذَا الخ) اسی طرح کا حکم ہوگا جب اس پر زیادہ رنجش نہ بنائے اور ان امور کے نہ ہوتے ہوئے اس کی عدالت ساقط نہ ہوگی کیونکہ اس کی حرمت میں اختلاف ہے۔ ''عبد اللہ عن ادب القاضی''۔

فرع: اربعۃ عشر کے ساتھ کھیلنا حرام ہے۔ یہ لکڑی کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے جس میں تین لائنیں کھودی جاتی ہیں اور ان گڑھوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں رکھی جاتی ہیں جن کے ساتھ کھیلا جاتا ہے۔ ''منح''۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ آج کل انہیں منقلہ کہا جاتا ہے لیکن دو لائنیں کھودی جاتی ہیں ہر لائن میں سات گڑھے ہوتے ہیں۔

ہر قسم کا لہو حرام ہے

33302۔ (قولہ: وَكُرِهَ كُلُّ لَهْوٍ) یعنی کھیل کود اور عبث کام مکروہ ہے تینوں ایک ہی معنی میں ہیں جس طرح ''شرح التاویلات'' میں ہے۔ اطلاق، نفس فعل کو شامل ہے اور اس کا سننا مکروہ ہے جیسے رقص، ہنسی مذاق، تالی بجانا، طنبورہ، بربط، رباب، قانون، مزمار، صنج اور بوق بجانا۔ کیونکہ یہ سب مکروہ ہیں۔ کیونکہ یہ کفار کا انداز ہے۔ ضروری ہے کہ وہ نہ سننے کی

وَمُنَاضَلَتَهُ بِقَوْسِهِ (وَ) كُرِهَ (جَعْلُ الْغُلِّ) طَوْقٌ لَهُ رَايَةٌ (فِي عُنُقِ الْعَبْدِ) يُعْلَمُ بِإِبَاقِهِ وَفِي زَمَانِنَا لَا بَأْسَ بِهِ لِغَلَبَةِ الْإِبَاقِ خُصُوصًا فِي السُّودَانِ وَهُوَ الْمُخْتَارُ كَمَا فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ لِلْعَيْنِيِّ (بِخِلَافِ الْقَيْدِ) فَإِنَّهُ حَلَالٌ كَمَا مَرَّ (وَ) كُرِهَ (قَوْلُهُ فِي دُعَائِهِ بِمَقْعَدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ)

اور اپنی کمان کے ساتھ تیر اندازی کرنا (1)۔ اور غلام کی گردن میں کیل والا طوق ڈالنا مکروہ ہے جو اس کے بھاگ جانے کے بارے میں باخبر کرتا ہے۔ ہمارے زمانے میں اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ غلام عموماً بھاگ جاتے ہیں خصوصاً حبشی غلام بھاگ جاتے ہیں۔ یہی پسندیدہ نقطہ نظر ہے جس طرح عینی کی ''شرح المجمع'' میں ہے۔ بیڑی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ حلال ہے جس طرح قول گزر چکا ہے۔ اس کا اپنی دعا میں مقعد العزمن عرشك کے الفاظ استعمال کرنا مکروہ ہے

کوشش کرے۔ ''قہستانی''۔

33303۔ (قولہ: وَمُنَاضَلَتَهُ بِقَوْسِهِ) ''مختصر النقایہ'' میں کہا: یہ کہا جاتا ہے: انتضل القوم و تناضلوا یعنی انہوں نے مقابلہ کے لیے تیر اندازی کی۔ ناضلہ جب وہ تیر پھینکے۔ ''الجواہر'' میں ہے: تیز دوڑنے میں رخصت کے بارے میں اثر آیا ہے تا کہ مقاتلہ پر قدرت حاصل ہو نہ کہ وہ لہو ولعب کے طور پر ایسا کرے۔ کیونکہ لہو ولعب کے لیے دوڑنا مکروہ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کی مثل گھوڑا اسدھانے میں کمان سے تیر چلانے کے بارے میں قول کیا جائے گا۔ ''ط''۔

33304۔ (قولہ: وَ كُرِهَ جَعْلُ الْغُلِّ) یہ غین معجمہ کے ساتھ ہے۔

33305۔ (قولہ: طَوْقٌ لَهُ رَايَةٌ) رایۃ یہ رامہملہ کے ساتھ ہے اور دال یہ کاتب کی جانب سے غلطی ہے لوہے کا طوق جو غلام کی گردن میں ڈالا جاتا ہے یہ اس چیز کی علامت ہے کہ یہ غلام بھاگنے والا ہے، ''اتقانی''۔ ''قہستانی'' میں ہے: یہ ایسا طوق ہوتا ہے جس میں بڑا کیل لگا ہوتا ہے جو اسے اپنا سر ہلانے سے روکتا ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

33306۔ (قولہ: يُعْلَمُ) اس کا پہلا حرف مضموم اور تیسرا مکسور ہے۔ یہ اعلام سے فعل مضارع کا صیغہ ہے۔ اور اس کی ضمیر غل کے لیے ہے اسے جو رایۃ کا نام دیا ہے یہ اس کی وجہ ہے۔

دعا میں مقعد العزمن عرشك کے الفاظ استعمال کرنے کا شرعی حکم

33307۔ (قولہ: بِمَقْعَدِ الْعِزِّ) یہ لفظ قاف کے کسرہ کے ساتھ ہے، ''شلبی''۔ ''مغرب'' میں کہا: معقد العز اس کے عقد کی جگہ ہے یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ قول اس امر کا وہم دلاتا ہے اس کی عزت و جلال عرش سے متعلق ہے۔ عرش حادث ہے اور جو چیز اس کے ساتھ متعلق ہوگی۔ وہ بدیہی طور پر حادث ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بالا ہے کہ اس کی عزت و جلال امر حادث سے متعلق ہو بلکہ اس کی عزت و جلال قدیم ہے۔ کیونکہ یہ اس کی صفت ہے۔ اس کی تمام صفات قدیم ہیں اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ازل میں ان سے ہمیشہ موصوف اور ابد میں ہمیشہ سے موصوف رہے گی۔ کمال

1۔ نصب الرایۃ، باب الکراهیۃ، مسائل متفرقۃ، جلد 4، صفحہ 584

وَلَوْ بِتَقْدِيمِ الْعَيْنِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ لَا بَأْسَ بِهِ
اگر چہ مقعد کا لفظ عین کی تقدیم کے ساتھ کہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اس میں کوئی حرج نہیں۔

میں سے کوئی بھی شے جو ازل میں موجود نہیں تھی عرش وغیرہ کے پیدا ہونے سے اس میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ ''زیلعی''۔

اس کا حاصل یہ ہے: یہ اس امر کا وہم دلاتا ہے کہ اس ذات والا صفات کی عزت وجلال عرش کے ساتھ خاص تعلق رکھتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ عرش اس کی عزت وجلال کا مبدا ہے جس طرح من کا کلمہ وہم دلاتا ہے۔ کیونکہ من کے تمام معانی ابتداء الغایۃ کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ یہ معنی اللہ تعالیٰ صفات میں سے کسی صفت میں متصور نہیں۔ کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عزت وجلال کی صفت اس عرش سے پیدا ہوئی ہے جو حادث ہے۔ پس عزت وجلال حادث ہوگی۔ فافہم

اس سے وہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے جو یہ کیا جاتا ہے کہ صفت کے حادث امر کے ساتھ تعلق کا حدوث یہ صفت کے حادث ہونے کو ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ صفت اس پر موقوف نہیں جس طرح قدرت وغیرہا کا حادث چیزوں کے ساتھ تعلق ہوتا ہے جس طرح ''طوری'' نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

نوٹ: مطبوعہ میں لا یوجب حدوثہا میں نے ترجمہ لا کے حذف کے ساتھ کیا ہے اس کا قرینہ بعد جملہ ہے۔ ''مترجم''۔

اعتراض کے ختم ہونے کی دلیل یہ ہے کہ محض محال معنی کا وہم دلانا یہ اس کلام کے تلفظ کے ممنوع ہونے میں کافی ہے اگر چہ وہ صحیح معنی کا احتمال رکھتا ہو۔ اسی وجہ سے مشائخ نے اس کی علت اس قول سے بیان کی ہے: لانہ یوھم الخ، اس کی مثل وہ قول ہے جو علماء نے فرمایا: انا مومن ان شاء اللہ کیونکہ علماء نے اس قول کو مکروہ قرار دیا ہے، اگر چہ وہ تعلیق کی بجائے تبرک کا قصد کرے۔ کیونکہ اس میں وہم دلایا جارہا ہے جس طرح علامہ ''تفتازانی'' نے ''شرح العقائد'' اور ''ابن ہمام'' نے ''مسایرہ'' میں ثابت کیا ہے۔ اسی وجہ سے ایسی کلام کرنے سے اسے منع کیا جائے گا اگر چہ عز سے مراد عرش کی عزت ہو جو اس کی صفت ہے۔ کیونکہ عن کے لفظ سے جو متبادر معنی سمجھ آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عزت وجلال ہے۔ پس ''زیلعی'' کا قول اشکال پیدا کرتا ہے اگر عز کو عرش کی صفت بنایا جائے تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ قرآن حکیم میں عرش کی صفت مجد وکرام سے بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح عز کے ساتھ ہے۔ اور کوئی اس میں شک نہیں کرتا کہ عرش ہیبت کی جگہ اور کمال قدرت کا اظہار ہے اگر چہ اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے۔ لیکن ''الدرر'' اور ''المنح'' میں اسے ثابت رکھا ہے۔ اسی طرح ''مقدسی'' میں ہے۔ کہا: اس تعبیر کی بنا پر من بیانیہ ہوگا، تقدیر کلام یہ ہوگی: بمعقد العزالذی ھو عرشک یہ بہت ہی عمدہ توجیہ ہے جسے ''فقیہ'' نے اختیار کیا ہے۔ فلیتامل

33308۔ (قولہ: وَلَوْ بِتَقْدِيمِ الْعَيْنِ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جو لفظ متن میں ہے اس میں قاف پہلے ہے۔ یہی شرح کے اکثر نسخوں میں ہے بعض میں عین کی تقدیم کے ساتھ ہے۔ ''المنح'' میں اسی کے مطابق شرح کی گئی ہے۔ یہ اولیٰ ہے کیونکہ یہ متون کے موافق ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ اختلاف کا محل ہے۔ اسی وجہ سے ''ہدایہ'' میں فرمایا: دوسرے کے ممتنع ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ یہ قعود سے مشتق ہے۔

وَبِهِ أَخَذَ أَبُو اللَّيْثِ لِلْأَثَرِ وَالْأَحْوَطُ الِامْتِنَاعُ لِكَوْنِهِ خَبَرَ وَاحِدٍ فِيمَا يُخَالِفُ الْقَطْعِيَّ إذْ الْمُتَشَابِهُ إنَّمَا يَثْبُتُ بِالْقَطْعِيِّ هِدَايَةٌ وَفِي التَّتَارْخَانِيَّةِ مَعْزِيًّا لِلْمُنْتَقَى عَنْ أَبِي يُوسُفَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ

اثر کی وجہ سے ''ابولیث'' نے اس قول کو اپنایا ہے۔ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے۔ کیونکہ یہ اس میں خبر واحد ہے دلیل قطعی جس کے مخالف ہے کیونکہ متشابہ دلیل قطعی سے ثابت ہے۔ ''ہدایہ''۔ ''تاتر خانیہ'' میں ''المنتقی'' کی طرف امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے وہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کرتے ہیں: کسی کو نہیں چاہیے

33309۔ (قولہ: لِلْأَثَرِ) جو روایت کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا میں سے یہ ہے: اللهم انی اسالك بمعقد العز من عرشك و منتهی الرحمة من كتابك باسمك الاعظم و جدك الاعلى و كلماتك التامة (1)، اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے عرش کے طفیل جس کے ساتھ تیری عزت و جلال وابستہ ہے اور تیری کتاب کے طفیل جو منتہائے رحمت ہے اور تیرے اسم اعظم، اعلیٰ بزرگی اور تمام کلمات کے (طفیل سوال کرتا ہوں) ''زیلعی''۔

33310۔ (قولہ: وَالْأَحْوَطُ الِامْتِنَاعُ) ''النہایہ'' میں قاضی خان کی ''جامع صغیر''، ''تمرتاشی'' اور ''محبوبی'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''حلیہ شرح المنیہ''، جو محقق ''ابن امیر حاج'' کی تالیف ہے، کی تیرہویں فصل میں ہے اس اثر اور اس کی سند پر گفتگو کرنے کے بعد اور یہ ذکر کرنے کے بعد کہ ابن جوزی نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے کہا: تو یہ پہچان چکا ہے کہ یہ اثر ثابت نہیں حق بات یہ ہے کہ اس جیسی کلام نہ کی جائے مگر جب نص قطعی اور قوی اجماع سے ثابت ہو جب کہ دونوں یہاں موجود نہیں۔ پس مناسب یہ ہے کہ یہ ممنوع ہو۔ مذکورہ کراہت کو مکروہ تحریمی پر محمول کیا جائے گا۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

33311۔ (قولہ: فِيمَا يُخَالِفُ الْقَطْعِيَّ) امر قطعی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی اس کی مثل سے پاکی بیان کی جائے۔ ''ط''۔

33312۔ (قولہ: إذْ الْمُتَشَابِهُ) زیادہ بہتر یہ قول ہے: والمتشابه یعنی جو اس دعا کی طرح ہو۔ ''ط''۔ یعنی جس کا ظاہر اللہ تعالیٰ پر محال ہے یہ اس میں سے ہے۔

33313۔ (قولہ: هِدَايَةٌ) میں کہتا ہوں: مذکورہ عبارت صاحب ''المنح'' کی ہے۔ جہاں تک ''ہدایہ'' کی عبارت کا تعلق ہے اس کی نص یہ ہے: لكنا نقول: هذا خبر واحد فكان الاحتياط فی الامتناع۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ خبر واحد ہے پس احتیاط اس میں ہے کہ اس سے رکا جائے۔

تنبیہ

اس میں غور کیا جانا چاہیے کہ اسی کی مثل قول کیا جائے گا جو درود شریف کے صیغوں میں روایات کیا جاتا ہے: اللهم صل علی محمد عدد علمك و حلمك و منتهی رحمتك و عدد كلماتك و عدد كمال الله وغیرہ۔ کیونکہ یہ صفت واحدہ کے تعدد

1۔ نصب الرایۃ، کتاب الکراہیۃ، جلد 4، صفحہ 583

أَنْ يَدْعُوَ اللهَ إِلَّا بِهِ وَالدُّعَاءُ الْمَأْذُونُ فِيهِ الْمَأْمُورُ بِهِ مَا أُسْتُفِيدَ مِنْ قَوْلِهِ تَعَالَى وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا

کہ وہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے مگر اس کے ساتھ وہ دعا جس کی اس بارے میں اجازت ہے اور جو مامور بہ ہے وہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مستفاد ہے ''اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی ہیں پس ان کے واسطہ سے دعا کیا کرو''۔

کا وہم دلاتا ہے یا متعلقات کی انتہا کا وہم دلاتا ہے جیسے علم کی انتہا کا وہم دلاتا ہے۔ خصوصاً اس جیسے کلمات ہیں: عدد ما احاط به علمك و وسعه سمعك و عدد كلماتك۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے علم کی نہ کوئی انتہا ہے اور نہ ہی اس کی رحمت کی کوئی انتہا ہے اور نہ ہی اس کے کلمات کی کوئی انتہا ہے۔ عدد وغیرہ کا لفظ اس کے برعکس کا وہم دلاتا ہے۔

میں نے ''دلائل الخیرات'' کی علامہ ''فاسی'' کی شرح میں اس بارے میں بحث دیکھی ہے کہا: علما نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ جو آدمی اس بارے میں وہم نہ رکھتا ہو اس کے ہاں ایسا لفظ بھولنا جائز ہو جو وہم دلاتا ہو یا وہ آسان تاویل والا واضح محل والا ہو یا استعمال کے طرق میں معنی صحیح میں خاص ہو۔ علما کی جماعت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف میں کئی کیفیات کو اختیار کیا ہے۔ علما نے کہا: کیفیات میں سے یہ کیفیت افضل ہے۔ ان علما میں سے شیخ ''عفیف الدین یافعی''، ''شرف بارزی'' اور ''بہاء بن قطان'' ہیں۔ اور ان سے اسے ان کے شاگرد ''مقدسی'' نے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ہمارے ائمہ کے کلام کا مقتضا یہ ہے کہ اس سے منع کیا جائے گا مگر جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وارد ہو جیسا کہ فقیہ نے اسے اختیار کیا ہے، فتامل۔ واللہ اعلم

33314۔ (قوله: إِلَّا بِهِ) یعنی بذاته و صفاته و اسمائه یعنی اس کی ذات، اس کی صفات اور اس کے اسماء۔

33315۔ (قوله: وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا) حافظ ''ابو بکر بن عربی'' نے بعض علما سے نقل کرتے ہوئے کہا، اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں۔ ''ابن عربی'' نے کہا: یہ ان میں قلیل ہے۔ حدیث صحیح میں ہے: اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جن نے ان کو شمار کیا وہ جنت میں داخل ہو گیا (1)۔

''نووی'' نے ''شرح مسلم'' میں کہا: علما نے اس پر اتفاق کیا ہے اس میں حصر نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ ان کے شمار کرنے سے جنت میں داخل ہونے کی خبر دینا ہے۔

علما نے ان کے احصا کی مراد میں اختلاف کیا ہے: ''بخاری'' وغیرہ محققین نے کہا: اس کا معنی ہے ان کو یاد رکھا۔ یہ قول اظہر ہے۔ کیونکہ دوسری روایت میں مفسر آیا ہے من حفظها ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہی میں شمار کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی خوب رعایت کی اور ان کی محافظت کی جس طرح ان کے معانی تقاضا کرتے اس کے علاوہ بھی قول کیا گیا ہے۔ صحیح پہلا قول ہے۔ ملخص

1۔ سنن ترمذی، کتاب الدعوات، باب ماجاء فی عقد التسبیح بالید، جلد 2، صفحہ 574، حدیث نمبر 3430

قَالَ وَكَذَا لَا يُصَلِّي أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ إِلَّا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (وَ) كُرِهَ قَوْلُهُ (بِحَقِّ رُسُلِكَ وَأَنْبِيَائِكَ وَأَوْلِيَائِكَ) أَوْ بِحَقِّ الْبَيْتِ لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لِلْخَلْقِ عَلَى الْخَالِقِ تَعَالَى وَلَوْ قَالَ لِآخَرَ بِحَقِّ اللهِ أَوْ بِاللهِ أَنْ تَفْعَلَ كَذَا لَا يَلْزَمُهُ ذَلِكَ

اور کوئی شخص بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی پر درود وسلام نہ پڑھے۔ اس کا یہ قول مکروہ ہے: تیرے رسل، تیرے انبیا اور تیرے اولیا کے حق کے باعث یا بیت اللہ کے حق کے باعث تو دعا قبول فرما۔ کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں۔ اگر کسی نے دوسرے کو کہا: اللہ تعالیٰ کی قدر یا اللہ تعالیٰ کی قسم تو اس طرح کر تو دوسرے شخص پر کوئی شے لازم نہ ہوگی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور پر مستقلاً درود وسلام پڑھنا جائز نہیں

33316۔(قولہ: وَكَذَا لَا يُصَلِّي أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ) یعنی مستقل درود وسلام نہ پڑھے۔ جہاں تک تبع کا تعلق ہے جس طرح اس کا یہ قول ہے: اللهم صل على محمد و على آله و اصحابه۔ تو یہ جائز ہوگا۔ ''خانیہ''۔ مراد ملائکہ کے علاوہ ہیں۔ جہاں تک فرشتوں کا تعلق ہے تو ان پر مستقل درود جائز ہے۔ ''الرائب'' میں کہا: سلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود کے قائم مقام ہے۔ ''شرح البیری'' کے خطبہ میں ہے: جس نے ان کے علاوہ پر درود پڑھا تو وہ گناہگار ہوگا اور یہ مکروہ ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔ ''المستصفی'' میں ہے: حدیث صلی اللہ علی ابی اوفی (1) یہ صلوٰۃ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار ہے کہ کسی دوسرے شخص پر ابتداءً درود پڑھیں۔ جہاں تک کسی اور کا معاملہ ہے تو یہ جائز نہیں کتاب کے آخر میں مفصل گفتگو آئے گی۔

33317۔(قولہ: إِلَّا عَلَى النَّبِيِّ) الف لام جنس کے لیے ہے مناسب یہ ہے کہ ملائکہ کا اضافہ کرتے۔

توسل کا شرعی حکم

33318۔(قولہ: وَ كُرِهَ قَوْلُهُ بِحَقِّ رُسُلِكَ الخ) امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں مخالفت نہیں کی۔ متن کے سابقہ مسئلہ کا معاملہ مختلف ہے جس طرح ''اتقانی'' نے اسے سوال کیا ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: آثار میں ایسی چیزیں آئی ہیں جو اس کے جواز پر دال ہیں۔

33319۔(قولہ: لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لِلْخَلْقِ عَلَى الْخَالِقِ) بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ ان کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر بطور وجوب کوئی حق نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کا حق بنا دیا ہے یا حق سے مراد حرمت اور عظمت ہے۔ پس یہ وسیلہ کے باب میں سے ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (المائدہ:35) اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ۔ توسل کو آداب دعا میں سے شمار کیا ہے جس طرح ''الحصن'' میں ہے۔ ایک روایت میں ہے: اللهم انی اسالك بحق السائلين عليك و بحق ممشای اليك فانی لم اخرج اشرا ولا بطرا الحديث (2) سائلوں کا جو حق تو نے اپنے ذمہ کرم پر لیا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الدعاء لمن اتی بصدقة، جلد 1، صفحہ 996، حدیث نمبر 1841

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، باب المشی الی الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 256، حدیث نمبر 796

وَإِنْ كَانَ الْأَوْلَى فِعْلَهُ دُرَرٌ وَفِي الْمُخْتَارَاتِ قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ سَأَلَ لِوَجْهِ اللهِ أَوْ لِحَقِّ اللهِ يُعْجِبُنِي أَنْ لَا يُعْطِيَهُ شَيْئًا

اگرچہ اس کا کرنا اولیٰ ہے۔''درر''۔''مختارات'' میں ہے:''ابن مبارک'' نے کہا: کسی نے اللہ تعالیٰ کی ذات یا اللہ تعالیٰ کے حق کے واسطہ سے سوال کیا تو مجھے یہ امر خوش کرتا ہے کہ وہ اسے کوئی شے نہ دے۔

ہے اور اپنی بارگاہ میں چل کر آنے والوں کا حق جو تو نے اپنے ذمہ کرم پر لیا ہے اس کے واسطہ سے میں تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں میں تکبر کرتے ہوئے اور فخر کرتے ہوئے نہیں نکلا۔

''طحطاوی'' نے اسے''شرح النقایہ'' سے نقل کیا ہے جو''منلا علی قاری'' کی تالیف ہے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ مراد یہ ہو ان کا جو ہم پر حق ہے کہ ہم ان پر ایمان لائیں اور ان کی تعظیم کریں۔

''یعقوبیہ'' میں ہے: یہ احتمال ہے کہ حق مصدر ہو صفت مشبہ نہ ہو معنی ہو تیرے رسل کے حق ہونے کے واسطہ سے تو یہ کوئی ممنوع نہیں۔ پس اس میں غور کیا جائے یعنی معنی ہو کہ وہ حق ہیں نہ کہ یہ معنی ہو کہ وہ مستحق ہیں۔

میں کہتا ہوں: لیکن یہ سب ایسے احتمالات ہیں جو اس لفظ سے متبادر معنی کے مخالف ہیں۔ لفظ کا صرف ایسے معنی کا وہم دلانا جو جائز ہو یہ ممنوع ہونے میں کافی ہے۔ پس یہ اخبار احاد کے معارض نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ہمارے ائمہ نے منع کو مطلقاً ذکر کیا ہے کہ ان معانی کا ارادہ کرنا جب کہ یہ قول اس امر کا وہم دلائے اس کے ساتھ اس میں غیر اللہ کی قسم اٹھائی جارہی ہے یہ ایک اور مانع ہے، تامل۔ ہاں علامہ''مناوی'' نے حدیث: اللھم انی اسئلك واتوجه الیك بنبیك نبی الرحمة(1)۔ اے اللہ میں تیرے نبی جو نبی رحمت ہیں کے واسطہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ میں نے''عز بن عبدالسلام'' سے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی مقصور ہو اور چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کی اللہ تعالیٰ پر قسم نہ اٹھائی جائے۔ اور چاہیے کہ یہ آپ کے خصائص میں سے ہو۔ کہا:''سبکی'' نے کہا: نبی کا اس کے رب کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرنا اچھا ہے نہ سلف میں سے کسی نے اس کا انکار کیا ہے اور نہ ہی خلف میں سے کسی نے اس کا انکار کیا ہے مگر''ابن تیمیہ'' نے اس کا انکار کیا ہے۔ اس نے ایسی بدعت کا اظہار کیا جس کے بارے میں پہلے کسی نے کوئی قول نہیں کیا۔ علامہ''ابن امیر الحاج'' نے خصوصیت کے دعویٰ میں منازعہ کیا ہے اور اس بارے میں''منیہ'' کی شرح میں تیرہویں فصل میں طویل گفتگو کی ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

33320۔(قوله: سَأَلَ) یعنی اس نے کسی شخص سے حقیر دنیا میں سے ایک چیز کا مطالبہ کیا ہے۔

اگر کوئی اللہ کے واسطے سے سوال کرے تو اس کا حکم

33321۔(قوله: يُعْجِبُنِي أَنْ لَا يُعْطِيَهُ شَيْئًا) یہ قول اس پر محمول ہوگا جب وہ اسکی ضرورت کا علم نہ رکھتا ہو''ط''۔

1۔ سنن ترمذی، کتاب الدعاء، باب فی دعاء الضیف، جلد 2، صفحہ 784، حدیث نمبر 3502

لِأَنَّهُ عَظَّمَ مَا حَقَّرَ اللهُ وَفِيهَا قَرَأَ الْقُرْآنَ وَلَمْ يَعْمَلْ بِمُوجَبِهِ يُثَابُ عَلَى قِرَاءَتِهِ كَمَنْ يُصَلِّي وَيَعْصِي فَرْعٌ هَلْ يُكْرَهُ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ؟ قِيلَ نَعَمْ

کیونکہ اس نے اس چیز کو عظیم قرار دیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حقیر جانا تھا۔ اس میں ہے: اس نے قرآن پڑھا اور اس کے حکم پر عمل نہ کیا تو اس کی تلاوت پر اسے اجر دیا جائے گا جس طرح جو آدمی نماز پڑھتا ہے اور نافرمانی کرتا ہے۔ فرع: کیا ذکر اور دعا کرتے وقت آواز کو بلند کرنا مکروہ ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہاں۔

میں کہتا ہوں: چاہیے کہ ممنوع ہونے میں غور کیا جائے ساتھ ہی جسے ہمارے مشائخ کے ''شیخ جراحی'' نے ذکر کیا ہے۔ اس میں سے جو ''طبرانی'' کے ہاں ایسی سند کے ساتھ موجود ہے جس کے رجال صحیح کے راوی ہیں۔ یہ روایت انہوں نے حضرت ''ابوموسیٰ اشعری'' رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ملعون من سال بوجه الله و ملعون من سئل بوجه الله ثم منع سائله لم يسال هجرا(1) جس نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے واسطہ سے سوال کیا وہ ملعون ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے واسطہ سے سوال کیا گیا پھر اس نے سائل کو چیز نہ دی تو وہ ملعون ہے جب تک وہ قبیح چیز کا سوال نہ کرے۔

''ابوداؤد'' اور ''نسائی'' کی روایت ہے ''ابن حبان'' نے اسے صحیح قرار دیا ہے ''حاکم'' نے کہا: شیخین کی شرط پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے اسے مرفوع روایت کیا ہے: من يسال بوجه الله فاعطوه(2) جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے واسطہ سے سوال کرے تو اس کو عطا کرو۔ ''طبرانی'' کی روایت ہے: ملعون من سال بوجه الله و ملعون من يسال بوجه الله فمنع سائله(3)، جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے واسطہ سے سوال کرے وہ ملعون ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے سوال کیا جائے اور وہ سائل کو نہ دے تو وہ شخص ملعون ہے۔ مگر اسے اس سوال پر محمول کیا جائے جو دنیا کے علاوہ ہو یا اسے اس پر محمول کیا جائے کہ جب وہ یہ جانتا ہو کہ اسے حاجت نہیں یا وہ یہ جانتا ہو کہ اس کا سوال، مال کی زیادتی کے لیے ہو۔ تامل

33322۔ (قوله: يُثَابُ عَلَى قِرَاءَتِهِ) اگرچہ عمل ترک کرنے کی وجہ سے وہ گناہگار ہوگا پس ثواب ایک جہت سے ہے اور گناہ دوسری جہت سے ہے، ''ط''۔

33323۔ (قوله: قِيلَ نَعَمْ) یہ اس قول کے ضعف کا شعور دلاتا ہے ساتھ ہی ''مختار'' اور ''ملتقی'' میں اس پر گامزن ہوئے ہیں۔ کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ قرآن کی تلاوت، جنازہ، لشکر کے روانہ ہونے اور ذکر کے وقت آواز بلند کرنا مکروہ ہے تو اس غنا کے وقت آواز بلند کرنے کے بارے میں تیرا کیا گمان ہے جسے وہ وجد اور محبت کا نام دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ مکروہ ہے اس کی دین میں کوئی اصل نہیں۔

1۔ کنز العمال، الباب الثالث فی فضل الفقر، الفصل الثالث فی ذم السوال، جلد 6، صفحہ 502، حدیث نمبر 16725

2۔ مسند امام احمد، روایت عبداللہ بن عباس، صفحہ 195، حدیث نمبر 2248

3۔ کنز العمال، الباب الثالث فی فضل الفقر، الفصل الثالث فی ذم السوال، جلد 6، صفحہ 502، حدیث نمبر 16725

وَتَمَامُهُ قُبَيْلَ جِنَايَاتِ الْبَزَّازِيَّةِ
اس کی مکمل بحث ''بزازیہ'' کی کتاب الجنایات سے تھوڑا پہلے ہے۔

ذکر اور دعا کے وقت آواز بلند کرنا

33324۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ قُبَيْلَ جِنَايَاتِ الْبَزَّازِيَّةِ) میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' کی کلام مضطرب ہے پہلے انہوں نے قاضی کے فتاویٰ سے نقل کیا ہے کہ یہ حرام ہے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے ایک جماعت کو مسجد سے نکال دیا جو بلند آواز سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا کرتے تھے اور انہیں کہا: میں تمہیں بدعتی دیکھتا ہوں۔ پھر ''بزازی'' نے کہا: جو صحیح میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے تکبیر کہنے والوں سے فرمایا: اربعوا علی انفسکم انکم لن تدعوا اصم ولا غائبا انکم تدعون سمیعا بصیرا قریبا انه معکم(1)۔

توقف کرو ٹھہرو تم نہ کسی بہرے کو پکار رہے ہو اور نہ ہی غائب کو پکار رہے ہو تم سننے والے دیکھنے والے اور قریب کو پکار رہے ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ یہ حدیث احتمال رکھتی ہے کہ آواز کو بلند کرنے میں کوئی مصلحت نہیں۔ یہ روایت کی گئی ہے کہ یہ غزوہ میں ہوا۔ شاید آواز کو بلند کرنا یہ مصیبت کا باعث تھا اور جنگ خفیہ تدبیر ہے۔ اسی وجہ سے غزوات میں گھنٹیاں بجانا منع ہے۔ جہاں تک بلند آواز سے ذکر کا تعلق ہے تو یہ جائز ہے جس طرح آذان، خطبہ، جمعہ اور حج میں ہے۔ ''خیریہ'' میں اس مسئلہ کی وضاحت کی ہے اور ''فتاویٰ قاضی خان'' میں جو کلام ہے اسے ایسے جہر پر محمول کیا ہے جو مضر ہو۔ کہا: کچھ احادیث ایسی ہیں جو جہر کا تقاضا کرتی ہیں اور کچھ احادیث اسرار کا تقاضا کرتی ہوں۔ دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ یہ اشخاص اور احوال کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہوں گی۔ دل میں ذکر کرنا افضل ہوگا جہاں ریا، نمازیوں کی اذیت یا سونے والوں کو اذیت کا خوف ہو اور جہری صورت میں ذکر افضل ہوگا جب وہ مذکورہ صورتوں سے خالی ہو۔ کیونکہ یہ عمل میں زائد ہے اور اس کا فائدہ سامعین تک پہنچتا ہے اور ذکر کرنے والے کے دل کو بیدار کرتا ہے۔ پس یہ اس کے ارادہ کو فکر کی طرف جمع کرتا ہے اور اس کی قوت سماعت کو ذکر کی طرف لگاتا ہے نیند کو دور بھگاتا ہے اور نشاط میں اضافہ کرتا ہے۔ ملخص

''تاتر خانیہ'' میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جنازوں کے موقع پر آواز کو بلند کرنا تو یہ احتمال موجود ہے کہ مراد نوحہ ہو یا میت کے لیے دعا ہو بعد اس کے کہ لوگ نماز شروع کر چکے ہوں یا اس کی مدح میں زیادتی مراد ہو جس طرح دور جاہلیت کی عادت تھی جو محال کے مشابہ ہے۔ جہاں تک اصلی ثنا کا تعلق ہے تو یہ مکروہ نہیں۔ امام ''غزالی'' نے انسان کے اکیلے ذکر کرنے اور انسان کی جماعت کے ساتھ ذکر کرنے کو منفرد کی آذان اور جماعت کی آذان کے مشابہ قرار دیا ہے۔ کہا: جس طرح مؤذنوں کی جماعت کی صورت میں آوازیں یہ خواہش نفس کے جرم کو اکیلے موذن کی آواز سے زیادہ ختم کرتی ہیں اس طرح جماعت کا ذکر ایک ہی طریقہ پر ایک شخص سے کثیف حجابات کے اٹھانے سے زیادہ موثر ہوتا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب ما یکرہ من رفع، جلد 2، صفحہ 163، حدیث نمبر 2770

(وَ) كُرِهَ (احْتِكَارُ قُوتِ الْبَشَرِ) كَتِبْنٍ وَعِنَبٍ وَلَوْزٍ (وَالْبَهَائِمِ) كَتِبْنٍ وَقَتٍّ (فِي بَلَدٍ)

انسان کی خوراک جیسے انجیر، انگور اور بادام کی ذخیرہ اندوزی مکروہ ہے اور چوپاؤں کی خوراک جیسے بھوسہ اور چارہ کی ذخیرہ اندوزی کرنا مکروہ ہے ایسے شہر میں

احتکار کی لغوی اور شرعی تعریف اور اس کا حکم

33325۔ (قولہ: وَكُرِهَ احْتِكَارُ قُوتِ الْبَشَرِ) احتکار کا لغوی معنی یہ ہے کہ کسی شے کو اس کے مہنگے ہونے کے انتظار میں اسے روکے رکھنا۔ اس کا اسم حکرہ ہے یہ حا کے ضمہ اور کاف کے سکون کے ساتھ ہے جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔

اس کا شرعی معنی یہ ہے کھانا وغیرہ خریدنا اور چالیس دن تک اس کے مہنگا ہونے کے لیے روکے رکھنا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: من احتکر علی المسلمین اربعین یوما ضربه الله بالجذام والا فلاس (1)۔ جو مسلمانوں کی (ضرورت ہوتے ہوئے) چالیس روز تک شے روکے رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر جذام اور افلاس کو مسلط کر دیتا ہے۔ ایک روایت میں ہے: فقد بری من الله و بری الله منه (2)، وہ اللہ تعالیٰ سے بری ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بری ہو جاتا ہے۔ ''الکفایہ'' میں کہا: اسے ذلیل و رسوا کر دیتا ہے۔ خذلان سے مراد ضرورت کے وقت اس کی مدد کو ترک کر دینا ہے۔ ایک اور روایت ہے: فعلیه لعنة الله و الملائكة والناس اجمعین لا یقبل الله منه صرفا ولا عدلا (3) اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اللہ تعالیٰ نہ اس کے نفل اور نہ ہی فرض قبول فرمائے گا۔ ''شرنبلالیہ'' میں ''کافی'' وغیرہ سے مروی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ایک ماہ تک اسے روکے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس سے زیادہ عرصہ اسے روکے۔ یہ عرصہ دنیا میں سزا کے لیے ہے جیسے اسے بیع کر دینا اور تعزیز لاگو کرنا نہ کہ گناہ کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ وہ تو حاصل ہو جاتا ہے اگرچہ مدت کم ہو۔ اس کے نایاب ہونے یا قحط کے لیے قید لگانا یہ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اس پر فتویٰ ہے ''کافی'' میں اسی طرح ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: ہر وہ چیز جس کو روک رکھنا عام لوگوں کو نقصان دے تو وہ احتکار ہے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کپڑوں میں احتکار ہے۔ ''ابن کمال''۔

33326۔ (قولہ: كَتِبْنٍ وَعِنَبٍ وَلَوْزٍ) یعنی ان چیزوں میں سے جن کے ساتھ ان کا بدن قائم رہتا ہے یعنی وہ رزق ہو اگرچہ باجرہ ہو نہ کہ شہد اور گھی۔ ''در منتقی''۔

33327۔ (قولہ: وَقَتٍّ) یہ لفظ قاف اور تا کے ساتھ ہے اس سے مراد فصفصه ہے یعنی دونوں فا مکسور ہیں۔ یہ جانوروں کا تر چارہ ہے۔ ''ح''۔ ''المغرب'' میں ہے: خشک چارہ اسفت میں سے ہے اس کی مثل ''قاموس'' میں ہے۔

الفصفصه جو فا کے کسرہ کے ساتھ ہے یہ نبات ہے جس کو فارسی زبان میں اسفست کہتے ہیں۔ تامل

33328۔ (قولہ: فِي بَلَدٍ) یا جو اس کے حکم میں ہو جیسے رستاق، دیہات۔ ''قہستانی''۔

1۔ نصب الرایۃ، کتاب الکراھیۃ، جلد 4، صفحہ 570 2۔ ایضاً 2۔ مسند امام احمد، مسند ابی ہریرہ، صفحہ 681، حدیث نمبر 9807

يَضُرُّ بِأَهْلِهِ) لِحَدِيثِ الْجَالِبُ مَرْزُوقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُونٌ فَإِنْ لَمْ يَضُرَّ لَمْ يُكْرَهْ وَمِثْلُهُ تَلَقِّي الْجَلَبِ (وَ) يَجِبُ أَنْ (يَأْمُرَهُ الْقَاضِي بِبَيْعِ مَا فَضَلَ عَنْ قُوتِهِ وَقُوتِ أَهْلِهِ فَإِنْ لَمْ يَبِعْ) بَلْ خَالَفَ أَمْرَ الْقَاضِي (عَزَّرَهُ) بِمَا يَرَاهُ رَادِعًا لَهُ (وَبَاعَ) الْقَاضِي (عَلَيْهِ) طَعَامَهُ (وِفَاقًا)

جن کے مکینوں کو وہ نقصان پہنچائے۔ کیونکہ حدیث طیبہ ہے: جو آدمی باہر غلہ لائے اس کو رزق دیا جاتا ہے اور جو ذخیرہ اندوزی کرتا ہے وہ ملعون ہے۔ اگر ذخیرہ اندوزی کرنا لوگوں کو نقصان نہ دیتا ہو تو یہ مکروہ نہیں ہوگا۔ اسی کی مثل تلقی الجلب ہے یعنی شہر سے باہر نکل کر قافلہ والوں کو ملنا تا کہ ان سے غلہ خرید لے۔ اور یہ واجب ہے کہ قاضی سے وہ غلہ بیچ دینے کا حکم دے جو اس کی خوراک اور اس کے اہل کی خوراک سے زائد ہو۔ اگر وہ نہ بیچے بلکہ قاضی کے امر کی مخالفت کرے تو اسے وہ تعزیر لگائے جو اس کے نزدیک اس کو اس امر سے روکنے والی ہو۔ اور یہ امر متفق علیہ ہے کہ قاضی اس کا غلہ بیچ دے۔

33329۔ (قولہ: يَضُرُّ بِأَهْلِهِ) اس کی صورت یہ ہے کہ شہر چھوٹا ہو۔ ''ہدایہ''۔

33330۔ (قولہ: وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُونٌ) یعنی وہ ابرار کے درجہ سے بہت ہی دور ہے۔ اس سے مراد لعن کا دوسرا معنی نہیں جس سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنا ہے۔ کیونکہ یہ تو کفار کے حق میں ہے کیونکہ بندہ مومن گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا جس طرح کرمانی میں ہے۔ ''قہستانی'' نے اسے ثابت رکھا ہے۔ ''در منتقی''۔

33331۔ (قولہ: وَمِثْلُهُ تَلَقِّي الْجَلَبِ) یعنی تفصیل میں اس کی مثل ہے کہ وہ اہل شہر کو یہ امر تکلیف پہنچاتا ہے یا تکلیف نہیں پہنچاتا۔ اس کی صورت جس طرح ''منلا مسکین'' میں ہے: وہ شہر سے اس قافلہ کی طرف نکلے جو کھانا لایا ہے اور شہر سے باہر ہی اسے خرید لے اور اس کھانے کو روک لینے کا ارادہ کرتا ہے اور اس کی بیع رک جاتی ہے اور اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا یہاں تک کہ قافلہ شہر میں داخل ہو جاتا ہے۔ علماء نے فرمایا: یہ حکم اس صورت میں ہے جب قافلہ کو ملنے والا تاجروں پر شہر کے بھاؤ میں تلبیس نہیں کرتا۔ اگر وہ تلبیس کرے تو یہ دونوں صورتوں میں مکروہ ہے۔ ''ہدایہ''۔

33332۔ (قولہ: يَأْمُرُهُ الْقَاضِي بِبَيْعِ مَا فَضَلَ الخ) یعنی اس زمانہ تک جس میں فروانی کا اعتبار کرتا ہے جس طرح ''الہدایہ'' اور ''التبیین'' میں ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔ اور اسے احتکار سے منع کرے گا اسے نصیحت کرے گا اور اس امر سے اسے جھڑک دے گا۔ ''زیلعی''۔

33333۔ (قولہ: فَإِنْ لَمْ يَبِعْ الخ) ''زیلعی'' نے کہا: اگر اس کے پاس دوبارہ مسئلہ پیش کیا جائے تو وہ اس کے ساتھ اسی قسم کا معاملہ کرے اور اسے دھمکائے اگر تیسری دفعہ اس کا معاملہ پیش کیا جائے تو اسے قید کر دے اور اسے تعزیر لگائے اس کی مثل ''قہستانی'' میں ہے۔ ''کفایہ'' میں ''جامع صغیر'' سے اسی طرح ہے پس متنبہ ہو جایئے۔

محتکر کا غلہ جبراً بیچنے کا جواز

33334۔ (قولہ: وَبَاعَ الْقَاضِي عَلَيْهِ طَعَامَهُ) جب وہ بیچنے سے رک جائے تو اس پر جبر کرتے ہوئے اسے بیچ

عَلَى الصَّحِيحِ وَفِي السِّرَاجِ لَوْ خَافَ الْإِمَامُ عَلَى أَهْلِ بَلَدٍ الْهَلَاكَ أَخَذَ الطَّعَامَ مِنَ الْمُحْتَكِرِينَ وَفَرَّقَ عَلَيْهِمْ فَإِذَا وَجَدُوا سَعَةً رَدُّوا مِثْلَهُ وَهَذَا لَيْسَ بِحَجْرٍ بَلْ لِلضَّرُورَةِ وَمَنْ اُضْطُرَّ لِمَالِ غَيْرِهِ وَخَافَ الْهَلَاكَ تَنَاوَلَهُ بِلَا رِضَاهُ وَنَقَلَهُ الزَّيْلَعِيُّ عَنِ الِاخْتِيَارِ وَأَقَرَّهُ (وَلَا يَكُونُ مُحْتَكِرًا بِحَبْسِ غَلَّةِ أَرْضِهِ) بِلَا خِلَافٍ (وَمَجْلُوبِهِ مِنْ بَلَدٍ آخَرَ)

یہ صحیح قول کے مطابق ہے۔ ''سراج'' میں ہے: اگر امام کو اہل شہر کی ہلاکت کا خوف ہو تو ذخیرہ اندوزی کرنے والوں سے غلہ لے لے اور لوگوں پر اسے تقسیم کر دے جب وہ خوشحالی پائیں تو اسی غلہ کی مثل اس کی طرف لوٹا دیں یہ حجر نہیں بلکہ ضرورت کی بنا پر ہے اور جو آدمی غیر کا مال لینے پر مجبور ہو جائے اور اسے ہلاکت کا خوف ہو تو وہ اس کی رضا کے بغیر مال لے لے۔ ''زیلعی'' نے اسے ''الاختیار'' سے نقل کیا ہے اور اسے ثابت رکھا ہے۔ جو آدمی اپنی زمین کے غلہ کو روک لے بغیر کسی اختلاف کے وہ محتکر نہیں ہوگا اور جو دوسرے شہر سے غلہ لانے والا ہو وہ محتکر نہیں ہوگا

دے۔ ''ہدایہ'' میں کہا: کیا قاضی ذخیرہ اندوز کا کھانا اس کی مرضی کے بغیر بیچ دے گا؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں اختلاف ہے جیسے بیع مال المدیون میں پہچان لیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے بالاتفاق بیچ دے گا۔ کیونکہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ ضرر عام کو دور کرنے کے لیے حجر کی رائے رکھتے ہیں۔ یہ اسی طرح ہے۔

33335۔ (قولہ: عَلَى الصَّحِيحِ) اسے ''قہستانی'' نے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اس کی مثل ''المنح'' میں ہے۔

33336۔ (قولہ: وَفِي السِّرَاجِ الخ) اس کی مثل ''غایۃ البیان'' وغیرہا میں ہے۔ یہ قول صحیح کی دوسری علت کا بیان ہے۔ یہ اس علت کے علاوہ ہے جسے ہم نے پہلے ''ہدایہ'' سے بیان کیا ہے جو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر مبنی ہے جو حج نہ کرنے کے بارے میں ہے۔ تامل

33337۔ (قولہ: أَخَذَ الطَّعَامَ مِنَ الْمُحْتَكِرِينَ) یعنی ان کی خوراک اور ان کے عیال کی خوراک کو ان کے ہاں رہنے دیا جائے گا۔ جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ ''ط''۔ جس طرح یہ بات اس کو بیچ دینے کے امر میں گزر چکی ہے۔

اپنی زمین کے غلہ کو روکنا احتکار نہیں

33338۔ (قولہ: وَلَا يَكُونُ مُحْتَكِرًا الخ) کیونکہ یہ اس کا خالص حق ہے عام لوگوں کا حق اس سے متعلق نہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ اسے حق حاصل ہے کہ وہ زمین کاشت ہی نہ کرے تو اسی طرح اسے یہ بھی حق حاصل ہے کہ اسے نہ بیچے۔ ''ہدایہ''۔ ''طحطاوی'' نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ مراد ہے کہ وہ ذخیرہ اندوز کے گناہ سے گناہگار نہ ہوگا۔ اگرچہ وہ بھاؤ کے زیادہ ہونے اور قحط کے انتظار کی وجہ سے گناہگار ہوگا۔ کیونکہ مسلمانوں کے ساتھ برائی کرنے کی نیت ہے۔ کیا اسے اس کے بیچنے پر مجبور کیا جائے گا ظاہر یہ ہے کہ ہاں۔ اگر لوگ اس کے ضرورت مند ہوں۔ تامل

33339۔ (قولہ: مَجْلُوبِهِ مِنْ بَلَدٍ آخَرَ) کیونکہ عام لوگوں کا حق اس کے متعلق ہے جو شہر میں غلہ جمع ہے اور اسے

خِلَافًا لِلثَّانِي وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ إِنْ كَانَ يُجْلَبُ مِنْهُ عَادَةً كُرِهَ وَهُوَ الْمُخْتَارُ (وَلَا يُسَعِّرُ حَاكِمٌ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا تُسَعِّرُوا فَإِنَّ اللهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر وہ عام معمول کے مطابق اسے لاتا ہو تو پھر اسے روکنا مکروہ ہوگا۔ یہی مختار قول ہے۔ حاکم بھاؤ متعین نہ کرے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: بھاؤ معین نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی بھاؤ ٹھہرانے والا، تنگی لانے والا، فراخی پیدا کرنے والا

اس کے اردگرد کی طرف جمع کیا گیا'' ہدایہ''۔ ''قہستانی'' نے کہا: یہ مستحب ہے کہ وہ اسے بیچے کیونکہ یہ کراہت سے خالی نہیں جس طرح ''تمرتاشی'' میں ہے۔

33340۔ (قولہ: خِلَافًا لِلثَّانِي) امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔ ''اتقانی'' نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ فقیہ نے اسے متفق علیہ قرار دیا ہے اور یہ کہ ''قدوری'' نے ''التقریب'' میں کہا ہے: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر وہ نصف میل سے لائے تو یہ ذخیرہ اندوزی نہیں۔ اگر وہ اسے رستاق سے خریدے اور جہاں سے خریدا ہے وہاں ہی ذخیرہ کر دے تو یہ ذخیرہ اندوزی ہوگی۔ کہا: اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ جو دوسرے شہر سے غلہ لایا ہے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بھی ذخیرہ اندوزی نہیں۔ کیونکہ جس غلہ کو وہ نصف میل سے لایا ہے۔ وہ ذخیرہ اندوزی نہیں تو جب وہ دوسرے شہر سے اسے لائے تو وہ کیسے ذخیرہ اندوزی ہوگی؟ امام ''کرخی'' نے اپنی ''مختصر'' میں اس پر نص قائم کی ہے۔

33341۔ (قولہ: إِنْ كَانَ يُجْلَبُ مِنْهُ عَادَةً) جب شہر بعید ہو اس سے احتراز ہے جس سے شہر کی طرف غلہ اٹھا لانے کا معمول نہ ہو۔ کیونکہ اس کے ساتھ عام لوگوں کا حق متعلق نہیں جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔

33342۔ (قولہ: وَهُوَ الْمُخْتَارُ) ''شرنبلالیہ'' کی تبع میں اپنی شرح میں کہا: ''ہدایہ'' میں امام کے قول کو ان کی دلیل کے ساتھ بعد میں ذکر کیا ہے۔ یعنی صاحب ''ہدایہ'' کا معمول یہ ہے کہ جس قول کو وہ مختار سمجھتے ہیں اس کی دلیل کو بعد میں لیتے ہیں۔

تجار قیمت میں حد درجہ زیادتی کریں تو حاکم اہل رائے کے مشورہ سے بھاؤ متعین کر سکتا ہے

33343۔ (قولہ: وَلَا يُسَعِّرُ حَاكِمٌ) یعنی یہ مکروہ ہے جس طرح ''الملتقی'' وغیرہ میں ہے۔

33344۔ (قولہ: لَا تُسَعِّرُوا) ہمارے مشائخ کے شیخ علامہ ''اسماعیل جراحی'' نے ''الاحادیث المشتہرۃ'' میں کہا: ''نجم'' نے کہا: یہ لفظ وارد نہیں ہوا لیکن امام ''احمد''، ''بزار'' اور ''ابویعلی'' نے اپنی اپنی مسانید میں ''ابوداؤد''، ''ترمذی'' جب کہ ''ترمذی'' نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ''ابن ماجہ'' نے اپنی اپنی ''سنن'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: کہا: لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! بھاؤ بہت بڑھ گئے ہیں آپ ہمارے لیے بھاؤ کا تعین کر دیجئے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ ہی بھاؤ ٹھہرانے والا ہے وہ تنگی لانے والا، فراخی پیدا کرنے والا اور رزق دینے والا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ سے

الرَّازِقُ (إِلَّا إِذَا تَعَدَّى الْأَرْبَابُ عَنِ الْقِيمَةِ تَعَدِّيًا فَاحِشًا فَيُسَعِّرُ بِمَشُورَةِ أَهْلِ الرَّأْيِ) وَقَالَ مَالِكٌ عَلَى الْوَالِي التَّسْعِيرُ عَامَ الْغَلَاءِ وَفِي الِاخْتِيَارِ ثُمَّ إِذَا سَعَّرَ وَخَافَ الْبَائِعُ ضَرْبَ الْإِمَامِ لَوْ نَقَصَ لَا يَحِلُّ لِلْمُشْتَرِي وَحِيلَتُهُ أَنْ يَقُولَ لَهُ بِعْنِي

اور رزق دینے والا ہے (1) مگر جب تجار قیمت میں حد درجہ زیادتی کریں تو حاکم اہل رائے کے مشورہ سے بھاؤ معین کرے۔ امام ''مالک'' نے فرمایا: والی پر گرانی کے سال بھاؤ معین کرنا واجب ہے۔ ''الاختیار'' میں ہے: پھر جب والی بھاؤ مقرر کرے اور بائع کو امام کی جانب سے مار کا خوف ہو اگر وہ اس بھاؤ سے کمی کرے تو مشتری کے لیے وہ چیز حلال نہ ہوگی۔ اس کا حیلہ یہ ہے کہ وہ کہے: مجھے اس کے بدلے میں بیچو

ملوں جب کہ تم میں سے کوئی بھی مجھ سے نہ خون اور نہ ہی مال کا مطالبہ کرنے والا ہو (2) اس کی اسناد ''مسلم'' کی شرط پر ہے ''ابن حبان'' اور ''ترمذی'' نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

33345۔ (قولہ: الرَّازِقُ) اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے ایک نسخہ میں الرزاق فعال کے وزن پر ہے۔ یہ اس کے متعلق ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

33346۔ (قولہ: تَعَدِّيًا فَاحِشًا) ''زیلعی'' وغیرہ نے دگنی قیمت کے ساتھ اس کی وضاحت کی ہے۔ ''ط''۔

33347۔ (قولہ: فَيُسَعِّرُ الخ) اس وقت بھاؤ معین کرنے میں کوئی حرج نہیں جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔

33348۔ (قولہ: عَلَى الْوَالِي التَّسْعِيرُ) یعنی اس پر یہ واجب ہے جس طرح ''غایۃ البیان'' میں ہے نیز فحش تعدی کی شرط نہیں لگائی جس طرح ''ابن کمال'' نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس سے دونوں مذہبوں میں فرق ظاہر ہوتا ہے۔

33349۔ (قولہ: لَوْ نَقَصَ) ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے جو بھاؤ معین کیا ہے وہ اس کے وزن میں کمی کر دیتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے مثلاً اس نے ایک ایک رطل ایک درہم کے بدلے میں بھاؤ معین کیا تو مشتری آیا اور اسے ایک درہم دیا اور کہا: اس کے بدلے میں مجھے بیچ دو۔ تامل

33350۔ (قولہ: لَا يَحِلُّ لِلْمُشْتَرِي) یعنی امام نے جو بھاؤ معین کیا ہے اس کے ساتھ وہ چیز خریدنا اس کے لیے حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ بائع مکرہ کے معنی میں ہے جس طرح ''زیلعی'' نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ اس کی مثل ہے جو علماء نے اس شخص کے بارے میں کہا ہے جس سے سلطان نے زبردستی مال چھین لیا اور اس کے مال کی بیع کو معین نہ کیا پس وہ اپنی املاک کو خود بیچنے لگا تو اس کی بیع نافذ ہوگی۔ کیونکہ اسے بیع پر مجبور نہیں کیا گیا۔ یہاں حکم اس طرح ہے۔ کیونکہ اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اصلاً اسے نہ بیچے۔ اسی وجہ سے

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب من کرہ ان یسعر، جلد 2، صفحہ 40، حدیث نمبر 2190

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب من کرہ ان یسعر، جلد 2، صفحہ 41، حدیث نمبر 2191

بِمَا تُحِبُّ وَلَوْ اصْطَلَحُوا عَلَى سِعْرِ الْخُبْزِ وَاللَّحْمِ وَوَزَنَ نَاقِصًا رَجَعَ الْمُشْتَرِي بِالنُّقْصَانِ فِي الْخُبْزِ لَا اللَّحْمِ لِشُهْرَةِ سِعْرِهِ عَادَةً قُلْتُ وَأَفَادَ أَنَّ التَّسْعِيرَ فِي الْقُوتَيْنِ لَا غَيْرُ وَبِهِ صَرَّحَ الْعَتَّابِيُّ وَغَيْرُهُ،

جس کو تم پسند کرتے ہو اگر وہ روٹی اور گوشت کے بھاؤ پر صلح کریں اور کم وزن کرے تو مشتری روٹی میں نقصان کو واپس لے گوشت میں واپس نہ لے۔ کیونکہ روٹی کا بھاؤ عام طور پر معروف ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں: اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ دونوں خوراکوں میں بھاؤ کی تعیین ہے کسی اور چیز میں نہیں ہے۔ ''عتابی'' وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

''ہدایہ'' میں کہا: لوگوں میں سے جس نے اس ثمن پر اپنی شے بیچی جو امام نے معین کی تھی تو بیع صحیح ہوگی۔ کیونکہ اسے بیع پر مجبور نہیں کیا گیا۔ کیونکہ امام نے اسے بیع کا حکم نہیں دیا بلکہ امام نے اسے یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس پر ثمن کو زائد نہ کرے۔ دونوں میں فرق کو سمجھو۔ فلیتامل

33351۔ (قولہ: بِمَا تُحِبُّ) اس وقت جس شے کو وہ بیچے گا وہ بیع حلال ہوگی۔ ''زیلعی''۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے: اگر وہ اس سے زیادہ کے بدلے میں بیچے تو بیع حلال ہوگی اور بیع نافذ ہو جائے گی۔ ''زیلعی'' وغیرہ نے جو ذکر کیا ہے کہ اگر ایک آدمی نے تعدی کی اور زیادہ سے بیچے قاضی اس کو جائز قرار دے وہ اس کے منافی نہیں۔ کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ قاضی اس بیع کو نافذ کر دے اور اس کو فسخ نہ کرے۔ اسی وجہ سے ''قہستانی'' نے کہا: یہ جائز ہے کہ قاضی اس کو نافذ کر دے۔ ''ابو سعود'' نے اس سے جو سمجھا ہے کہ یہ عقد نافذ نہیں ہوگا جب قاضی اس کو جائز قرار نہ دے یہ اس کے خلاف ہے۔

33352۔ (قولہ: رَجَعَ الْمُشْتَرِي بِالنُّقْصَانِ فِي الْخُبْزِ لَا اللَّحْمِ) ''زیلعی'' وغیرہ نے اسے اس صورت میں رکھا ہے جب مشتری دوسرے شہر کا ہو اور اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ روٹی کا بھاؤ عموماً شہروں میں ظاہر ہوتا ہے اور گوشت کا بھاؤ یہ نادر ہی ظاہر ہوتا ہے یعنی یہ اجنبی بھاؤ کے حق میں ظاہر نہیں ہوتا جس طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔ پس شہری دونوں صورتوں میں واپس لے گا۔ مراد یہ ہے کہ ثمن میں سے نقصان کے حصہ کا مطالبہ کرے گا۔ ''الخانیہ'' کے کتاب البیوع میں ہے: ایک آدمی نے قصاب سے ہر روز گوشت درہم کے بدلے میں خریدا قصاب گوشت کاٹتا ہے اور وزن کرتا ہے اور مشتری گمان کرتا ہے کہ یہ گوشت ایک سیر ہے کیونکہ شہر میں ایک سیر گوشت ایک درہم کے بدلے میں ہوتا ہے ایک روز مشتری نے اس گوشت کا وزن کیا تو اس نے سیر سے اسے کم پایا قصاب نے مشتری کی تصدیق کی۔

علماء نے فرمایا: اگر مشتری اسی شہر کا ہے تو مشتری ثمن میں سے جو کمی ہے اس کا مطالبہ کرے گا گوشت میں جو کمی واقع ہوئی ہے اس کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ بائع نے ثمن میں سے نقصان کا حصہ عوض کے بغیر لیا ہے اگر چہ وہ اہل بلد میں سے نہیں ہے قصاب نے انکار کیا ہے اور کہا: اس نے اسے گوشت دیا کہ یہ سیر ہے تو وہ کسی شے کو واپس نہیں لے گا۔ کیونکہ شہر کا بھاؤ اجنبی لوگوں کے حق میں ظاہر نہیں ہوتا۔

33353۔ (قولہ: قُلْت وَأَفَادَ أَنَّ التَّسْعِيرَ فِي الْقُوتَيْنِ) یعنی انسان کی خوراک اور چو پاؤں کی خوراک۔ کیونکہ

لَكِنَّهُ إِذَا تَعَدَّى أَرْبَابُ غَيْرِ الْقُوتَيْنِ وَظَلَمُوا عَلَى الْعَامَّةِ فَيُسَعِّرُ عَلَيْهِمُ الْحَاكِمُ بِنَاءً عَلَى مَا قَالَ أَبُو يُوسُفَ يَنْبَغِي أَنْ يَجُوزَ ذَكَرَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ فَإِنَّ أَبَا يُوسُفَ يَعْتَبِرُ حَقِيقَةَ الضَّرَرِ كَمَا تَقَرَّرَ فَتَدَبَّرْ (يُكْرَهُ إِمْسَاكُ الْحَمَامَاتِ) وَلَوْ فِي بُرْجِهَا (إِنْ كَانَ يَضُرُّ بِالنَّاسِ) بِنَظَرٍ أَوْ جَلْبٍ وَالِاحْتِيَاطُ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِهَا ثُمَّ يَشْتَرِيهَا أَوْ تُوهَبَ لَهُ مُجْتَبَى (فَإِنْ كَانَ يُطَيِّرُهَا فَوْقَ السَّطْحِ مُطَّلِعًا عَلَى عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِينَ وَيَكْسِرُ

لیکن اگر دونوں خوراکوں کے علاوہ کے مالک تعدی کریں اور عام لوگوں پر ظلم کریں تو حاکم ان پر بھاؤ معین کر دے۔ یہ قول، امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول ''چاہیے کہ یہ جائز ہو'' پر مبنی ہے۔ ''قہستانی'' نے اسے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے حقیقی ضرر کا اعتبار کیا ہے جس طرح یہ امر ثابت ہو چکا ہے۔ فتدبر۔ اور کبوتروں کو رکھنا اگرچہ وہ اپنے ڈربوں میں ہوں مکروہ ہے۔ اگر وہ نظر یا دوسروں کے کبوتر کھینچ لینے سے نقصان پہنچاتا ہو۔ احتیاط اس میں ہے کہ وہ انہیں صدقہ کر دے پھر انہیں خرید ے یا اسے ہبہ کر دیئے جائیں۔ ''مجتبیٰ''۔ اگر وہ کبوتر چھت پر اڑاتا ہو جب کہ وہ مسلمانوں کی عورتوں پر جھانکتا ہو اور ان کبوتروں کو اڑانے کے لیے

انہوں نے احتکار (ذخیرہ اندوزی) کی بحث میں اس کا ذکر کیا ہے۔ تامل

33354۔ (قولہ: وَظَلَمُوا عَلَى الْعَامَّةِ) یہ تعدی کے معنی کو متضمن ہے پس فعل کو علی حرف جار کے ساتھ متعدی کیا۔ ''ح''۔

33355۔ (قولہ: فَيُسَعِّرُ عَلَيْهِمُ الْحَاكِمُ) اولیٰ فسعر کا لفظ تھا جو فعل ماضی کے صیغہ کے ساتھ ہے اس کا عطف تعدی پر ہے۔ کیونکہ اذا کا جواب ینبغی ان یجوز ہے۔

33356۔ (قولہ: بِنَاءً عَلَى مَا قَالَ أَبُو يُوسُفَ) یعنی جو چیز عام لوگوں کو ضرر پہنچائے وہ اسے روک لے تو یہ ذخیرہ اندوزی ہوگی۔ اگرچہ وہ چیز سونا، چاندی یا کپڑا ہو۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اس میں ہے کہ یہ ذخیرہ اندوزی کے بارے میں ہے بھاؤ معین کرنے کے بارے میں نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: ہاں لیکن اسے بطریق مفہوم قیاس یا استنباط کے طور پر اخذ کیا جائے گا۔ اسی وجہ سے کہا: بناء علی ما قال ابو یوسف اور اپنے قول تاملہ پر بنا نہیں کی۔ کیونکہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ جب ضرر عام ہو تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ حجر کرنے کی رائے رکھتے ہیں۔ جس طرح مفتی ماجن، مکاری مفلس اور طبیب جاہل کے بارے میں ہے۔ یہ عام قضیہ ہے پس ہمارا مسئلہ اس میں داخل ہوگا۔ کیونکہ بھاؤ متعین کرنا معناً حجر ہے۔ کیونکہ فحش زیادتی کے ساتھ بیع ممنوع ہے پس اس تعبیر کی بنا پر یہ صرف امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر مبنی نہیں ہوگا۔ جس طرح میرے لیے امر ظاہر ہوا ہے۔ فتامل

کبوتر پالنے کا شرعی حکم

33357۔ (قولہ: وَالِاحْتِيَاطُ) یعنی جب وہ کسی اور کبوتر کو اپنی طرف کھینچ لائیں اور اس کے مالک کا پتا نہ ہو۔ ''ح''۔

زُجَاجَاتِ النَّاسِ بِرَمْیِهِ تِلْكَ الْحَمَامَاتِ عُزِّرَ وَمُنِعَ أَشَدَّ الْمَنْعِ فَإِنْ لَمْ يَمْتَنِعْ بِذَلِكَ ذَبَحَهَا) أَيِ الْحَمَامَاتِ (الْمُحْتَسِبُ) وَصَرَّحَ فِي الْوَهْبَانِيَّةِ بِوُجُوبِ التَّعْزِيرِ وَذَبْحِ الْحَمَامَاتِ وَلَمْ يُقَيِّدْهُ بِمَا مَرَّ وَلَعَلَّهُ اعْتَمَدَ عَادَتَهُمْ وَأَمَّا لِلِاسْتِئْنَاسِ فَمُبَاحٌ كَشِرَاءِ عَصَافِيرَ لِيُعْتِقَهَا

پتھر پھینکنے کے ساتھ لوگوں کے شیشے توڑتا ہو تو ایسے شخص کو تعزیر لگائی جائے گی اور اسے سختی سے منع کیا جائے گا اگر وہ نہ رکے تو محتسب ان کبوتروں کو ذبح کر دے گا ''وہبانیہ''۔ تعزیر کے وجوب اور حمامات کو ذبح کرنے کی تصریح کی ہے اور اس کی قید نہیں لگائی۔ اس کی وجہ وہ ہے جو گزر چکی ہے شاید اس نے ان کی عادت و معمول پر اعتماد کیا ہے۔ جہاں تک مانوس ہونے کے لیے کبوتر رکھنے کا تعلق ہے تو یہ مباح ہے جس طرح چڑیاں خریدنا تا کہ انہیں آزاد کر دے۔

33358۔ (قولہ: ذَبَحَهَا) یعنی پھر انکے مالک کی طرف انہیں پھینک دے ''شرنبلالی'' نے اپنی شرح میں یہ کہا ہے۔

33359۔ (قولہ: وَصَرَّحَ فِي الْوَهْبَانِيَّةِ) یعنی ''وہبانیہ'' کی کتاب الحدود میں کہا ہے۔

33360۔ (قولہ: وَلَمْ يُقَيِّدْهُ بِمَا مَرَّ) یعنی پوشیدہ چیزوں پر مطلع ہونا اور شیشوں کو توڑنا۔ اس کے شارح علامہ عبدالبر نے کہا، میں نے ان کے علاوہ متقدمین میں سے کسی کو بھی تعزیر کے اطلاق کا ذکر کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

33361۔ (قولہ: وَلَعَلَّهُ) یعنی صاحب ''الہدایہ'' نے ان کی عادت پر اعتماد کیا ہے یعنی ان لوگوں کی عادت پر اعتماد کیا ہے جو کبوتر اڑاتے ہیں۔

33362۔ (قولہ: وَأَمَّا لِلِاسْتِئْنَاسِ فَمُبَاحٌ) ''مجتبیٰ'' میں رمز کا ذکر کرتے ہوئے کہا: پرندوں اور مرغی کو اپنے گھر میں محبوس کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن ان کو خوراک دے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ انہیں گلیوں میں پھرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ ''القنیہ'' میں رمز ذکر کرتے ہوئے کہا: ایک آدمی نے پنجرے میں بلبل کو محبوس کیا اور اسے خوراک دی تو یہ جائز نہیں ہوگا۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''فتاویٰ علامہ قاری الہدایہ'' میں ہے: یہ پوچھا گیا کیا مفرد (جوڑے کے بغیر) پرندوں کو محبوس کرنا جائز ہے اور کیا ان کو آزاد کرانا جائز ہے؟ کیا اس عمل میں ثواب ہے؟ کیا وطاویط کو قتل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ وہ اپنی فاحش بیٹ سے مسجد کی چٹائیوں کو آلودہ کر دیتا ہے؟

جواب میں ہے: ان کو محبوس کرنا جائز ہے۔ کیونکہ ان سے انس حاصل کیا جاتا ہے۔ جہاں تک ان کے آزاد کرنے کا تعلق ہے تو اس میں ثواب نہیں ہے ان میں سے اذیت دینے والا اور جانوروں میں سے موذی کو قتل کرنا جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: شاید کراہت پنجرے میں محبوس کرنے میں ہے۔ کیونکہ یہ قید خانہ اور عذاب دینا ہے اس کے علاوہ کا معاملہ مختلف ہے جس طرح جو ہم نے ذکر کیا ہے اس کے مجموعہ سے اخذ کیا جاتا ہے اس سے تطبیق حاصل ہو جاتی ہے۔ فتامل

تنبیہ

''جراحی'' نے کہا: یہ کمزور بات میں سے ہے جسے ''دارقطنی'' نے ''الافراد'' میں اور ''دیلمی'' نے حضرت ''ابن عباس''

إِنْ قَالَ مَنْ أَخَذَهَا فَهِيَ لَهُ وَلَا تَخْرُجُ عَنْ مِلْكِهِ بِإِعْتَاقِهِ، وَقِيلَ يُكْرَهُ لِأَنَّهُ تَضْيِيعُ الْمَالِ جَامِعُ الْفَتَاوَى وَفِي الْمُخْتَارَاتِ سَيَّبَ دَابَّتَهُ وَقَالَ هِيَ لِمَنْ أَخَذَهَا لَمْ يَأْخُذْهَا مِمَّنْ أَخَذَهَا وَمَرَّ فِي الْحَجِّ وَجَازَ رُكُوبُ الثَّوْرِ وَتَحْمِيلُهُ وَالْكِرَابُ عَلَى الْحَمِيرِ بِلَا جَهْدٍ وَضَرْبٍ

اگر وہ یہ کہے: جس نے انہیں پکڑا یہ اس کی ہوں گی اور وہ اس کے آزاد کرنے سے اس کی ملک سے خارج نہ ہوں گی ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ مکروہ ہوگا کیونکہ یہ مال کا ضیاع ہے۔ ''جامع الفتاویٰ''۔ ''مختارات'' میں ہے: ایک آدمی نے اپنے جانور کو چھوڑ دیا اور کہا: یہ جانور اس کا ہے جس نے اس کو پکڑ لیا تو جس نے اس جانور کو پکڑ لیا اس سے وہ نہ لے اور کتاب الحج میں گزر چکا ہے۔ بیل پر سوار ہونا اور اس پر سامان لادنا جائز ہے۔ اور گدھے سے زمین میں ہل چلانا جائز ہے جب اس کو مشقت میں نہ ڈالے اور اس کو نہ مارے۔

رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت نقل کی ہے: واتخذوا المقاصیص فانها تلهی الجن عن صبیانکم (1)۔ مقاصیص (قینچیاں) اپناؤ یہ تمہارے بچوں سے جنوں کو غافل کر دیتے ہیں۔

''ابن ابی الدنیا'' نے ''ثوری'' سے روایت نقل کی ہے: کبوتروں سے کھیلنا یہ قوم لوط کا عمل ہے۔

33363۔ (قولہ: وَلَا تَخْرُجُ عَنْ مِلْكِهِ بِإِعْتَاقِهِ) جب وہ آزاد کرنے والا اس پرندہ کو کسی اور کے قبضہ میں پائے تو اسے لے سکتا ہے۔ مگر جب وہ یہ کہے: جو اس کو پکڑ لے تو یہ اس کا ہوگا جس طرح یہ مابعد سے سمجھا جاتا ہے۔

33364۔ (قولہ: لَمْ يَأْخُذْهَا) ''الخلاصہ'' میں ذکر کیا ہے۔ باب السیر میں فتاویٰ میں اس مسئلہ کو دوبارہ ذکر کیا ہے۔ اور یہ شرط لگائی ہے کہ اس نے معلوم قوم سے کہا: تم میں سے جو چاہے تو وہ اسے پکڑ لے۔ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: اگر اس نے کہا: فلاں نے میرے مال میں سے جو کچھ لے لیا تو وہ اس کے لیے حلال ہے تو اس نے لیا تو وہ حلال ہوگا۔ جس نے میرے مال میں سے لیا تو وہ اس کے لیے حلال ہے تو کسی آدمی نے کوئی شے لی تو حلال ہوگا ''ابونصر'' نے کہا: وہ حلال ہوگا اور وہ ضامن نہ ہوگا۔ اس نے کہا: میرے مال میں سے تیرے لیے حلال ہے اس سے جو تو چاہتا ہے وہ لے لے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دراہم اور دنانیر خاص طور پر حلال ہوں گے۔

بیل پر سواری کرنا اور بوجھ لادنا جائز ہے

33365۔ (قولہ: وَجَازَ رُكُوبُ الثَّوْرِ وَتَحْمِيلُهُ الخ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس طرح نہ کرے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کے امر میں تبدیلی نہ کرے۔

33366۔ (قولہ: بِلَا جَهْدٍ وَضَرْبٍ) یعنی اس کی طاقت سے بڑھ کر اس پر سامان نہ لادے اور اس کے چہرے پر نہ مارے اور نہ ہی اس کے سر پر مارے اس پر اجماع ہے اور حضرت ابی کے نزدیک اس کو اصلاً نہ مارا جائے ''ح''۔ اگرچہ وہ اس کی

1۔ کنز العمال، الباب التاسع، جلد 12، صفحہ 332، حدیث نمبر 35269

إِذْ ظُلْمُ الدَّابَّةِ أَشَدُّ مِنَ الذِّمِّيِّ وَظُلْمُ الذِّمِّيِّ أَشَدُّ مِنَ الْمُسْلِمِ (وَلَا بَأْسَ بِالْمُسَابَقَةِ فِي الرَّمْيِ وَالْفَرَسِ) وَالْبَغْلِ وَالْحِمَارِ كَذَا فِي الْمُلْتَقَى وَالْمَجْمَعِ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ هُنَا خِلَافًا لِمَا ذَكَرَهُ فِي مَسَائِلَ شَتَّى فَتَنَبَّهْ

کیونکہ جانور پر ظلم یہ ذمی پر ظلم سے زیادہ سخت ہے اور ذمی پر ظلم مسلمان پر ظلم سے زیادہ سخت ہے۔ تیر اندازی، گھڑ دوڑ، خچر اور گدھے کی دوڑ میں کوئی حرج نہیں۔ ''الملتقی'' اور ''المجمع'' میں اسی طرح ہے۔ یہاں مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے۔ جو مسائل شتی میں ذکر کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

ملک ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تضرب الدواب علی النفار ولا تضرب علی العثار، جانور بھاگ جائیں تو ان کو مارا جائے اور لڑکھڑانے پر اسے نہ مارا جائے۔ کیونکہ اس کا لڑکھڑا جانا سوار کے لگام کے اچھی طرح نہ پکڑنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور بھاگ جانا یہ جانور کے سوء خلق کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پس اس پر اس کو ادب سکھایا جائے گا۔ ''فصول العلامی'' میں اسی طرح ہے۔

جانور پر ظلم ذمی پر ظلم سے زیادہ سخت ہے

33367۔(قولہ: أَشَدُّ مِنَ الذِّمِّيِّ) کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں اور یہ وارد ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا غضب اس آدمی پر شدید ہوتا ہے جو اس پر ظلم کرے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار نہ پائے۔ ''ط''۔

33368۔(قولہ: أَشَدُّ مِنَ الْمُسْلِمِ) کیونکہ وہ اپنے ظالم کے خلاف طلب شدید کرتا ہے۔ کیونکہ وہ ظالم اس کے عذاب میں اس کے ساتھ ہے اور کفر کے ساتھ سیات اس ظالم پر ڈالنے میں کوئی مانع نہیں پس اس کے بدلے میں اس کو عذاب دیا جائے گا۔ اسے بعض علما نے ذکر کیا ہے۔ ''ط''۔

مسابقت کے احکام

33369۔(قولہ: وَلَا بَأْسَ بِالْمُسَابَقَةِ الخ) کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لا سبق الا فی خف او نصل او حافر(1) کوئی مقابلہ نہیں مگر اونٹوں کی دوڑ میں، تیر اندازی میں اور گھوڑ دوڑ میں۔ سبق کا لفظ با کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد وہ مال ہے جو سبقت لے جانے والے کے لیے سبقت لے جانے پر مقرر ہوتا ہے اور با کے سکون کے ساتھ یہ سبقت کا مصدر ہے یعنی عوض کے ساتھ مقابلہ جائز نہیں مگر ان تین اجناس میں جائز ہے۔ ''خطابی'' نے کہا: صحیح روایت با کی زبر کے ساتھ ہے۔ ''ابو سعود'' نے ''مناوی'' سے نقل کیا ہے۔ ''جراحی'' نے کہا: او جناح کی زیادتی محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ وضع ہے۔ خف سے مراد اونٹ ہے۔ حافر سے مراد گھوڑا ہے اور نصل سے مراد تیر کا پھل ہے اس سے مراد تیر اندازی ہے۔ ضاد معجمہ یہ تصحیف ہے۔ ''مغرب''۔

33370۔(قولہ: كَذَا فِي الْمُلْتَقَى وَالْمَجْمَعِ) اس کی مثل ''المختار''، ''مواہب'' اور ''درر البحار'' میں ہے۔

33371۔(قولہ: خِلَافًا لِمَا ذَكَرَهُ فِي مَسَائِلَ شَتَّى) یعنی کتاب الفرائض سے تھوڑا پہلے گھوڑے، اونٹ، پیدل

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی السبق، جلد 2، صفحہ 225، حدیث نمبر 2210

(وَالْإِبِلِ وَ) عَلَى (الْأَقْدَامِ) كَمَا يَقُولُ لِأَنَّهُ مِنْ أَسْبَابِ الْجِهَادِ فَكَانَ مَنْدُوبًا وَعِنْدَ الثَّلَاثَةِ لَا يَجُوزُ فِي الْأَقْدَامِ أَيْ بِالْجُعْلِ أَمَّا بِدُونِهِ فَيُبَاحُ فِي كُلِّ الْمَلَاعِبِ كَمَا يَأْتِي (حَلَّ الْجُعْلُ) وَطَابَ

اور اونٹوں پر پیدل دوڑ میں کوئی حرج نہیں۔ جس طرح وہ کہتا ہے کیونکہ یہ جہاد کے اسباب میں سے ہے۔ پس یہ عمل مندوب ہوگا۔ تینوں ائمہ (امام ''مالک''، امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''احمد بن حنبل'') کے نزدیک پیدل انعام کے ساتھ دوڑ جائز نہیں۔ جہاں تک انعام کے بغیر کا تعلق ہے تو تمام کھیلوں میں مباح ہے جس طرح آگے آئے گا اور انعام حلال اور پاکیزہ ہے

اور تیر اندازی پر اکتفا کیا ہے۔ اسی کی مثل ''کنز'' اور ''زیلعی'' میں ہے۔ شارح نے وہاں اسے ثابت رکھا ہے۔ کیونکہ کہا: ان کے چار کے علاوہ انعام کے ساتھ مقابلہ جائز نہیں جیسے خچر کی دوڑ کا مقابلہ کرنا۔ جہاں تک انعام کے بغیر کا تعلق ہے تو ہر چیز میں جائز ہے۔ اس کی مکمل بحث ''زیلعی'' میں ہے۔ اس کی مثل ''ذخیرہ''، ''خانیہ'' اور ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔

''ابو سعود'' نے علامہ ''قاسم'' سے نقل کیا ہے: ''المجمع'' میں جو قول ہے اسے اس سے رد کیا ہے کہ گدھوں کے مقابلہ کا کسی نے قول نہیں کیا۔ کیونکہ اس کی علت جہاد پر برانگیختہ کرنے سے کی ہے اور دور اسلام میں گدھوں پر جہاد معروف نہیں۔ خچر کا ذکر نہیں جب کہ شرع نے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ کیونکہ اس کے لیے مال غنیمت میں سے حصہ مقرر نہیں فرمایا۔ پس اس میں جہاد پر برانگیختہ کرنا بھی نہیں۔ مگر یہ کہا جائے: حصہ کا نہ ہونا یہ اس پر مقابلہ کے عدم جواز کا تقاضا نہیں کرتا۔ کیونکہ اونٹ کا کوئی حصہ نہیں اور اس پر مقابلہ کرنا نص سے ثابت ہے۔

میں کہتا ہوں: حاصل کلام یہ ہے کہ حدیث میں مذکور حافر عام ہے جس نے اس لفظ کے عموم کو دیکھا ہے اس نے خچر اور گدھے کو اس میں داخل کیا۔ اور جس نے علت کی طرف دیکھا اس نے دونوں کو خارج کر دیا کیونکہ دونوں جہاد کا آلہ نہیں۔ تامل

33372۔ (قولہ: فَكَانَ مَنْدُوبًا) ارادہ کی صورت میں حکم اسی طرح ہوگا۔ مگر جب وہ لہو ولعب یا فخر کا قصد کرے یا تاکہ اس کی شجاعت کو دیکھا جائے تو ظاہر یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ جس طرح مباح نیت کے ساتھ طاعت ہوتا ہے تو طاعت نیت کے ساتھ معصیت ہو جاتی ہے۔ ''ط''۔

33373۔ (قولہ: أَمَّا بِدُونِهِ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ تینوں ائمہ کے کلام کے ساتھ مربوط ہے اور جو آگے آئے گا وہ اس امر کو بیان کرے گا کہ یہ اہل مذہب کا قول ہے۔ اس کی مثل وہ قول ہے جسے ہم نے ابھی پہلے مسائل شتی سے نقل کیا ہے۔

33374۔ (قولہ: فَيُبَاحُ فِي كُلِّ الْمَلَاعِبِ) یعنی تمام وہ کھیل جو گھڑ سواری کی تعلیم دیں اور جہاد پر مددگار ہوں۔ کیونکہ جو گزر چکا ہے اس میں انعام کا جواز یہ خلاف قیاس، حدیث سے ثابت ہے۔ پس ان کے علاوہ انعام کے بغیر جائز ہے۔ ''قہستانی'' میں ''الملتقط'' سے مروی ہے: جو نیزہ بازی کرے جس سے مقصود گھڑ سواری ہو تو یہ جائز ہوگا۔ ''جواہر'' سے مروی ہے: کشتی کی رخصت میں اثر واقع ہوا ہے تاکہ قتال کرنے پر قدرت حاصل ہو لہو ولعب کے لیے اس میں رخصت نہیں کیونکہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

لَا أَنَّهُ يَصِيرُ مُسْتَحَقًّا ذَكَرَهُ الْبُرْجَنْدِيُّ وَغَيْرُهُ وَعَلَّلَهُ الْبَزَّازِيُّ بِأَنَّهُ لَا يُسْتَحَقُّ بِالشَّرْطِ شَيْءٌ لِعَدَمِ الْعَقْدِ وَالْقَبْضِ اهـ وَمُفَادُهُ لُزُومُهُ بِالْعَقْدِ الشَّافِعِيَّةُ فَتَبَصَّرْ (إِنْ شَرَطَ الْمَالُ) فِي الْمُسَابَقَةِ (مِنْ جَانِبٍ وَاحِدٍ وَحَرُمَ لَوْ شَرَطَ) فِيهَا (مِنَ الْجَانِبَيْنِ)

نہ کہ وہ مستحق بن جاتا ہے "برجندی" وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ "بزازی" نے اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ شرط کے ساتھ کسی پر کوئی استحقاق ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ نہ عقد ہوا ہے اور نہ ہی قبضہ ہوا ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ عقد کے ساتھ یہ لازم ہو جاتا ہے شافعیہ کہتے ہیں پس غور کرو۔ اگر دوڑ میں ایک جانب سے مال کی شرط لگائی گئی مگر جانبین سے مال کی شرط لگائی گئی تو وہ حرام ہوگا

33375۔ (قولہ: لَا أَنَّهُ يَصِيرُ مُسْتَحَقًّا) یہاں تک کہ اگر مغلوب دینے سے رک جائے تو قاضی جبر نہیں کرے گا اور اس کے ساتھ اس پر فیصلہ نہیں کرے گا۔ "زیلعی" فی مسائل شتی۔

33376۔ (قولہ: وَمُفَادُهُ لُزُومُهُ بِالْعَقْدِ) اس کی جو صورت ہے اس میں غور کرو۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: ان کے قول لعدم العقد کا معنی یہ ہے: کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ جو ذکر کیا گیا ہے اس میں انعام کا جواز استحسان ہو۔ "زیلعی" نے کہا ہے: قیاس یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہو۔ کیونکہ اس میں تملیک کو خطر پر معلق کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے چار کے علاوہ میں یہ جائز نہیں جیسے خچر اگرچہ انعام صرف ایک جانب سے مشروط ہو۔ فتامل

خلاصہ کلام یہ ہے: یہ مسئلہ میں صریح نقل کی محتاج ہے کیونکہ جس کا ذکر کیا ہے اس کا احتمال ہے۔ میں نے "المجتبیٰ" میں دیکھا ہے جس کی نص یہ ہے: بعض نسخوں میں ہے: اگر وہ سبقت لے گیا تو مال حلال ہوگا اگر وہ انکار کرے تو اس پر اسے مجبور کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: لیکن یہ اس کے مخالف ہے جو مشاہیر میں ہے جیسے "زیلعی"، "ذخیرہ"، "خلاصہ"، "تاتر خانیہ" وغیرہا کہ وہ مستحق نہیں بنے گا جس طرح گزر چکا ہے۔ فتدبر

اگر دوڑ میں ایک جانب سے یا جانبین کی طرف سے مال کی شرط لگائی تو اس کا حکم

33377۔ (قولہ: مِنْ جَانِبٍ وَاحِدٍ) یا تیسرے کی جانب سے ہو اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک اپنے ساتھی سے کہے: اگر تو مجھ سے سبقت لے گیا تو میں تجھے اتنا دوں گا اگر میں تجھ سے سبقت لے گیا تو میں تجھ سے کوئی شے نہ لوں گا یا امیر شاہسوار یا تیر اندازوں کو کہے: تم دونوں میں سے جو سبقت لے گیا تو اس کے لیے اتنا ہے اگر وہ سبقت لے گیا تو اس کے لیے کچھ بھی نہیں۔ "اختیار"، "غرر الافکار"۔

33378۔ (قولہ: مِنَ الْجَانِبَيْنِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: اگر تیرا گھوڑا سبقت لے گیا تو تیرے لیے مجھ پر یہ ہے اگر میرا گھوڑا سبقت لے گیا تو تجھ پر میرے لیے اتنا ہے، "زیلعی"۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر اس نے کہا: اگر تیرے

لِأَنَّهُ يَصِيرُ قِمَارًا (إِلَّا إِذَا أَدْخَلَا ثَالِثًا) مُحَلِّلًا (بَيْنَهُمَا) بِفَرَسٍ كُفْءٍ لِفَرَسَيْهِمَا يُتَوَهَّمُ أَنْ يَسْبِقَهُمَا وَإِلَّا لَمْ يَجُزْ ثُمَّ إِذَا سَبَقَهُمَا أَخَذَ مِنْهُمَا وَإِنْ سَبَقَاهُ لَمْ يُعْطِهِمَا وَفِيمَا بَيْنَهُمَا أَيُّهُمَا سَبَقَ أَخَذَ مِنْ صَاحِبِهِ

کیونکہ یہ جوا بن جاتا ہے۔ مگر جب دونوں درمیان میں محلل کو ایسے گھوڑے کے ساتھ داخل کر دیں جو دونوں کے گھوڑوں کا ہم پلہ ہو جس کے بارے میں وہم ہو کہ وہ دونوں سے سبقت لے جائے ورنہ جائز نہیں ہوگا۔ پھر جب وہ دونوں سے سبقت لے جائے تو وہ ان دونوں سے لے گا اگر دونوں اس سے سبقت لے جائیں تو وہ ان دونوں کو عطا نہیں کرے گا اور دونوں میں سے جو سبقت لے جائے گا تو وہ اپنے ساتھی سے لے لے گا۔

اونٹ یا تیرا تیر سبقت لے گیا الخ ''تاتر خانیہ''۔

33379۔(قولہ: لِأَنَّهُ يَصِيرُ قِمَارًا) کیونکہ قمار اس قمر سے مشتق ہے جو کبھی زیادہ ہو جاتا ہے اور کبھی کم ہو جاتا ہے اور قمار کو قمار کہتے ہیں۔ کیونکہ دونوں جوئے بازوں میں سے ہر ایک ان لوگوں میں سے ہے جس کے بارے میں ممکن ہے کہ اس کا مال اس کے ساتھی کی طرف چلا جائے اور یہ ممکن ہے کہ وہ اپنے ساتھی کے مال سے فائدہ اٹھائے جب کہ یہ نص سے حرام ہے۔ اور جب یہ ایک جانب سے شرط ہو تو معاملہ اس طرح نہ ہوگا۔ کیونکہ زیادتی اور نقصان دونوں میں ممکن نہیں بلکہ دونوں میں سے ایک میں زیادتی ممکن ہے اور دوسرے میں صرف کمی ممکن ہے۔ پس یہ جواز نہیں ہوگا کیونکہ وہ باب مفاعلہ ہے۔ ''زیلعی''۔

33380۔(قولہ: يُتَوَهَّمُ أَنْ يَسْبِقَهُمَا) یہ ان کے قول: کفء لفرسیھما کا بیان ہے یعنی یہ جائز ہے کہ وہ سبقت لے جائے یا اس پر سبقت لے جائی جائے۔

33381۔(قولہ: وَإِلَّا لَمْ يَجُزْ) یعنی اگر وہ سبقت لے جائے یا اس پر سبقت لے جائی جائے تو لامحالہ یہ جائز نہیں ہو گا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: من ادخل فرسا بین فرسین وھو لایامن ان یسبق فلا باس بہ ومن ادخل فرسا بین فرسین وھو آمن ان یسبق فھو قمار (1)، رواہ ''ابوداؤد'' وغیرہما ''زیلعی''۔ جس نے دو گھوڑوں کے درمیان گھوڑا داخل کر دیا جب کہ اسے اس کے سبقت لے جانے کے بارے میں اطمینان نہیں تو اس پر کوئی حرج نہیں اور جس نے دو گھوڑوں کے درمیان گھوڑا داخل کر دیا جب کہ اسے اس کے سبقت لے جانے کے بارے میں اطمینان ہے تو یہ قمار ہوگا۔ اسے امام ''احمد''، ''ابوداؤد'' وغیرہما نے روایت کیا ہے۔ ''زیلعی''۔

33382۔(قولہ: ثُمَّ إِذَا سَبَقَهُمَا الخ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: اگر وہ دونوں سے سبقت لے گیا تو دونوں سے ہزار نصف نصف لے گا اگر وہ سبقت نہ لے جائے تو دونوں کو کوئی شے عطا نہیں کرے گا۔ اگر دونوں میں سے ایک دوسرے پر سبقت لے گیا تو دوسرے کے مالک میں سے اس کے لیے سو ہوگا تو وہ دونوں کو کوئی چیز عطا نہیں کرے گا اگر وہ دونوں پر سبقت نہ لے جائے۔ اگر دونوں پر سبقت لے جائے تو دونوں سے انعام لے گا یہ بھی جائز ہے کہ لینے اور دینے میں

1۔ جامع الاحادیث للسیوطی، جلد 5، صفحہ 490، حدیث نمبر 20157

(وَ) كَذَا الْحُكْمُ (فِي الْمُتَفَقِّهَةِ) فَإِذَا شَرَطَ لِمَنْ مَعَهُ الصَّوَابَ صَحَّ وَإِنْ شَرَطَاهُ لِكُلٍّ عَلَى صَاحِبِهِ لَا دُرَرٌ وَمُجْتَبَى

اور فقہ کے مسائل میں مسابقت کا حکم اسی طرح ہے جب یہ شرط لگائی جائے جس کا قول صحیح ہوگا تو ایسا کرنا صحیح ہے۔ اگر دونوں اپنے صاحب کے خلاف شرط لگائیں تو صحیح نہ ہوگا، ''درر''، ''مجتبیٰ''۔

تصویر اس کے برعکس ہو دونوں کے درمیان میں سے سبقت لے گیا تو وہ اپنے ساتھی سے وہ چیز لے لے جس کی اس نے شرط لگائی اگر دونوں اس سے سبقت لے گئے اور دونوں اکٹھے آئے تو دونوں میں سے ان کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ اگر محلل دونوں میں سے ایک کے ساتھ سبقت لے گیا پھر دوسرا آیا تو جو محلل کے ساتھ تھا اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی بلکہ اس کے لیے وہ چیز ہوگی دوسرے نے اس کے لیے جو شرط لگائی تھی جس طرح اگر وہ سبقت لے جائے پھر محلل آئے پھر دوسرا آئے اور محلل کے لیے کوئی شے نہ ہوئی۔ ''غرر الافکار''۔

''زیلعی'' نے کہا: یہ جائز ہے۔ کیونکہ تیسرا تمام تقادیر پر قطعی اور یقینی طور پر کسی چیز کی چٹی نہیں بھرے گا۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ لے یا نہ لے تو پس اس کے ساتھ وہ جوا ہونے سے خارج ہو گیا پس وہ اس کی طرح ہو گیا جس طرح ایک جانب سے شرط لگائی گئی ہو۔ کیونکہ جوا وہ ہوتا ہے جس میں چٹی کے احتمال میں دونوں جانب برابر ہوں۔ جیسے ہم نے بیان کیا ہے۔

تتمہ

''الغایہ'' میں یہ شرط ہے کہ گھوڑا وہاں تک دوڑنے کا احتمال رکھتا ہو اور دونوں گھوڑوں میں سے ہر ایک سبقت لے جانے کا احتمال رکھتا ہو، ''زیلعی''۔ چاہیے کہ تیراندازی اور پیدل دوڑ میں اسی طرح کا قول کیا جائے، تامل۔

''غرر الافکار'' میں محرر سے نقل کیا ہے: اگر مسابقت اونٹوں پر ہو تو سبقت میں اعتبار کندھے کا ہوگا اگر گھوڑوں پر ہو تو اعتبار گردن کا ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اعتبار قدموں کا ہوگا۔

فرع: متفرقات ''تاتر خانیہ'' میں ''سراجیہ'' سے مروی ہے: قبلہ کی طرف جو ہدف ہو اس کی طرف تیر پھینکنا مکروہ ہے۔

فقہ کے مسائل میں مسابقت کا حکم

33383۔ (قولہ: وَكَذَا الْحُكْمُ فِي الْمُتَفَقِّهَةِ) یعنی اس تفصیل کی بنا پر فقہ کے مسائل میں مقابلہ کا حکم ہے۔ اسی طرح اس تفصیل پر کشتی کا حکم ہے۔ بے شک یہ جائز ہے۔ کیونکہ اس میں جہاد اور علم کی تعلیم پر برانگیختہ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ دین کا قیام جہاد اور علم کے ساتھ ہوتا ہے تو جو ان دونوں کی طرف راجع ہو اس میں مقابلہ جائز ہے اس کے علاوہ میں جائز نہیں۔ ''فصول علامی'' میں اسی طرح ہے۔

33384۔ (قولہ: فَإِذَا شَرَطَ لِمَنْ مَعَهُ الصَّوَابَ) من کا لفظ اس ایک فرد کے لیے ہے جو معین ہے جس کا قول صحیح ہو نہ کہ اس سے مراد وہ ہے کہ من کا عموم جس کا فائدہ دے ورنہ یہ مابعد کا عین ہوگا ''ح''۔ یعنی جیسے وہ کہے: اگر تیرا نقطہ نظر صحیح

وَالْمُصَارَعَةُ لَيْسَتْ بِبِدْعَةٍ إِلَّا لِلتَّلَهِّي فَتُكْرَهُ بُرْجُنْدِيٌّ، وَأَمَّا السِّبَاقُ بِلَا جُعْلٍ فَيَجُوزُ فِي كُلِّ شَيْءٍ كَمَا يَأْتِي وَعِنْدَ الشَّافِعِيَّةِ الْمُسَابَقَةُ بِالْأَقْدَامِ

کشتی یہ بدعت نہیں مگر لہو ولعب کے لیے بدعت ہے۔ پس یہ مکروہ ہے، ''برجندی''۔ جہاں تک انعام کے بغیر مقابلہ کا تعلق ہے پس ہر شے میں جائز ہے جس طرح آگے آئے گا۔ شافعیہ کے نزدیک پیدل،

ظاہر ہو تو تیرے لیے یہ ہوگا یا میرے لیے ظاہر ہو تو میرے لیے کوئی شے نہ ہوگی یا معاملہ اس کے برعکس ہو۔ مگر جب دونوں کہیں: ہم میں سے جس کا نقطہ نظر صحیح ہوا تو اس کے لیے اس کے ساتھی کے خلاف اتنا ہوگا تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ جانبین سے شرط ہے جب کہ یہ جوا ہے مگر جب وہ دونوں درمیان میں محلل داخل کر دیں جس طرح ان کی کلام سے مفہوم ہوتا ہے۔ ''طحطاوی'' نے اس کی یہ صورت بیان کی ہے مسئلہ تین صورتوں پر ہے اور دونوں نے تیسرے کے لیے انعام مقرر کیا اگر اس کا نقطہ نظر صحیح ہوا گر ان دونوں میں سے ایک کا نقطہ صحیح ہو تو اس تیسرے پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ تامل

کشتی کا شرعی حکم

33385۔ (قوله: وَالْمُصَارَعَةُ لَيْسَتْ بِبِدْعَةٍ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جماعت کو کشتی میں پچھاڑا ان میں ''ابن اسود جمحی'' تھا ان میں سے رکانہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے تین دفعہ پے در پے کشتی میں پچھاڑا تھا کیونکہ اس نے یہ شرط لگائی تھی اگر آپ نے اسے پچھاڑ دیا تو وہ اسلام لے آئے گا (1) جس طرح ''قاری'' کی ''شرح الشمائل'' میں ہے۔ ''جارحی'' نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابو جہل کو پچھاڑنے کے بارے میں کوئی اصل نہیں۔

نوٹ: ''سیرت ابن ہشام'' میں اس کی تفصیل موجود ہے اور کشتی کے اس زخم کی وجہ سے اس کی لاش پہچانی گئی تھی۔ مترجم۔

33386۔ (قوله: فَيَجُوزُ فِي كُلِّ شَيْءٍ) یعنی جس سے شاہسواری کا فن سیکھا جائے اور یہ عمل جہاد پر معاون ہو جب کہ لہو ولعب کا قصد نہ کیا جائے جس طرح ہمارے فقہا کی کلام سے ظاہر ہوتا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کلام سے استدلال کرتے ہیں: لا تحضر الملائكة شيئا من الملاهي سوى النضال (2)، فرشتے کسی بھی لہو کے مقام پر حاضر نہیں ہوتے صرف نضال کے موقع پر حاضر ہوتے ہیں یعنی تیر اندازی اور مقابلہ کے وقت حاضر ہوتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ اسے جو لہو نام دیا گیا ہے یہ صوری مشابہت کی بنا پر ہے۔ تامل

33387۔ (قوله: كَمَا يَأْتِي) یعنی مسائل شتی میں اس کا ذکر آئے گا۔ ہم اس کی عبارت نقل کر چکے ہیں۔

تیراکی، گلی ڈنڈا اور غلیل کے ساتھ نشانہ بازی کا شرعی حکم

33388۔ (قوله: بِالْأَقْدَامِ) یہ جار مجرور عدا کے متعلق ہے تقدیر کلام یہ ہے: جعلوها بالاقدام و ما عطف عليه۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اس عبارت کے ذکر کرنے کی وجہ میں نہیں جانتا مگر اس نے یہ وہم دلایا ہے کہ قواعد اس کا تقاضا کرتے ہیں

1۔ شرح سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 269، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز　2۔ درمنثور، سورۃ انفال، آیت واعدوا لهم ما استطعتم

وَالطَّيْرِ وَالْبَقَرِ وَالسُّفُنِ وَالسِّبَاحَةِ وَالصَّوْلَجَانِ وَالْبُنْدُقِ وَرَمْيِ الْحَجَرِ وَإِشَالَتِهِ بِالْيَدِ وَالشِّبَاكِ وَالْوُقُوفِ عَلَى رَجُلٍ وَمَعْرِفَةِ مَا بِيَدِهِ مِنْ زَوْجٍ أَوْ فَرْدٍ وَاللَّعِبِ بِالْخَاتَمِ وَكَذَا يَحِلُّ كُلُّ لَعِبٍ خَطِرٍ لِحَاذِقٍ تَغْلِبُ سَلَامَتُهُ

پرندوں، بیل، کشتیوں، تیراکی، گلی ڈنڈا اور غلیل کے ساتھ نشانہ بازی اور پتھر پھینکنا، ہاتھ سے پتھر اٹھانا، انگلیوں سے جال بناتے ہوئے پکڑنا، ایک پاؤں پر کھڑا ہونا، ہاتھ میں کیا ہے، جفت یا طاق اس کی پہچان کرنا اور انگوٹھی کے ساتھ کھیلنا ان سب میں مقابلہ جائز ہے۔ اسی طرح ہر خطرناک کھیل ماہر آدمی کے لیے جائز ہے جس کی سلامتی غالب ہو

جب کہ معاملہ اس طرح نہیں بلکہ مذہب کے قواعد اس امر کا تقاضا کرتے ہیں کہ ان میں سے غالب حرام لہو میں سے ہیں جیسے گلی ڈنڈا اور جو اس کے بعد ہیں۔ ملخص

میں کہتا ہوں: ہم پہلے ''قہستانی'' سے گلی ڈنڈا کے ساتھ کھیلنے کے جواز کو نقل کر چکے ہیں یہ شاہسواری کے لیے ایک گیند ہوتا ہے پرندوں کے ساتھ مقابلہ کے جواز میں ہمارے نزدیک اعتراض کی گنجائش ہے۔ اسی طرح ہاتھ میں جو کچھ ہے اس کی معرفت کے جواز میں اور انگوٹھی کے ساتھ کھیلنے کے جواز میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہ محض لہو ہے۔ جہاں تک بیل، کشتی اور تیراکی میں مقابلہ کا تعلق ہے تو علما کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔ غلیل کے ساتھ نشانہ لگانا اور پتھر پھینکنا یہ تیر پھینکنے کی طرح ہے۔ جہاں تک ہاتھ کے ساتھ پتھر اٹھانے اور اس کے مابعد کا تعلق ہے تو ظاہر معنی یہ ہے اگر اس نے اس سے مشق کا اور بہادری پر قوت حاصل کرنے کا قصد کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔

33389۔ (قولہ: وَالْبُنْدُقِ) یعنی جو مٹی سے بنائی گئی ہو'' ط''۔ اس کی مثل جو سکہ سے بنائی گئی ہو۔

33390۔ (قولہ: وَإِشَالَتِهِ بِالْيَدِ) تا کہ یہ معلوم ہو کہ دونوں میں سے کون زیادہ قوی ہے۔'' ط''۔

33391۔ (قولہ: وَالشِّبَاكِ) یعنی انگلیوں کے ساتھ جال بنانا ساتھ ہی ہر ایک اپنے ساتھی کے ہاتھ کو بل دے تا کہ یہ معلوم ہو کہ کون زیادہ قوی ہے۔ میرے لیے اس کی پہلی تعبیر ظاہر ہوئی ہے۔

33392۔ (قولہ: وَمَعْرِفَةِ مَا بِيَدِهِ مِنْ زَوْجٍ أَوْ فَرْدٍ وَاللَّعِبِ بِالْخَاتَمِ) میں نے بعض فقہاء شافعیہ سے سنا ہے کہ ان کے نزدیک یہ اس وقت جائز ہوتا ہے جب وہ ان قواعد حسابیہ پر مبنی ہو جن کو علما و حساب نے خصوصی طور پر اس کے استخراج کے طریقہ میں ذکر کیا ہو محض ظن و تخمین کی بنا پر ذکر نہ کیا ہو۔

میں کہتا ہوں: ظاہر تو یہ ہے کہ یہ اس وقت بھی جائز ہوگا اگر وہ اس کے ساتھ حساب کی معرفت کی مشق کا قصد کرے۔ جہاں تک شطرنج کا تعلق ہے اگرچہ یہ شاہسواری کے فن کا فائدہ دیتا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس کی حرمت حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں فساد بہت زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ عمل کرنے والا اسی پر مگن رہتا ہے۔ پس اس کا نفع اس کے ضرر کو کفایت نہیں کرتا جس طرح علما نے اس کی تصریح کی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ تامل

كَرَمْيٍ لِرَامٍ وَصَيْدٍ لِحَيَّةٍ وَيَحِلُّ التَّفَرُّجُ عَلَيْهِمْ حِينَئِذٍ وَحَدِيثُ حَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ يُفِيدُ حِلَّ سَمَاعِ الْأَعَاجِيبِ وَالْغَرَائِبِ مِنْ كُلِّ مَا لَا يُتَيَقَّنُ كَذِبُهُ بِقَصْدِ الْفُرْجَةِ لَا الْحُجَّةِ بَلْ وَمَا يُتَيَقَّنُ كَذِبُهُ لَكِنْ بِقَصْدِ ضَرْبِ الْأَمْثَالِ

جس طرح تیرانداز کا تیراندازی کرنا اور سانپ کا شکار کرنا اور اس وقت ان کا تماشا دیکھنا حلال ہے۔اور حدیث کہ بنی اسرائیل سے بیان کرو۔ یہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ ہر عجیب وغریب جس کے جھوٹ کا یقین نہ ہو بطور طبیعت کی فرحت کے سننا حلال ہے نہ کہ اسے بطور دلیل سنا جائے بلکہ وہ بات جس کا جھوٹ یقینی ہو اس کا سننا حلال ہے جب وہ ضرب الامثال

(میں کہتا ہوں: ظاہر تو یہ ہے کہ یہ اس وقت بھی جائز ہوگا اگر وہ اس کے ساتھ حساب کی معرفت کی مشق کا قصد کرے۔ جہاں تک شطرنج کا تعلق ہے اگرچہ یہ شاہسواری کے فن کا فائدہ دیتا ہے۔لیکن ہمارے نزدیک اس کی حرمت حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں فساد بہت زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر عمل کرنے والا اس پر مگن رہتا ہے۔ پس اس کا نفع اس کے ضرر کو کفایت نہیں کرتا جس طرح علما نے اس کی تصریح کی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔تامل)

ہر وہ عجیب وغریب چیز جس کے جھوٹ کا تعین نہ ہو سننا جائز ہے

33393۔(قولہ: وَحَدِيثُ حَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ) اس کی تکمیل ان الفاظ کے ساتھ ہے ولا حرج یعنی اس میں کوئی حرج نہیں (1)۔اسے ''ابوداؤد'' نے نقل کیا ہے۔''احمد بن منیع'' کی حضرت ''جابر'' سے ان الفاظ سے یہ مروی ہے: بنو اسرائیل سے روایت کیا کرو۔ کیونکہ ان میں عجیب وغریب چیزیں ہیں (2)۔''نسائی'' نے صحیح سند سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج و حدثوا عنی ولا تکذبوا علی (3)، بنی اسرائیل سے بیان کرو جب کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور مجھ سے روایت کرو اور مجھ پر جھوٹ نہ بولو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات سے اور بنی اسرائیل سے روایت کرنے میں فرق کیا ہے۔ جس طرح ''بیہقی'' نے امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے۔

33394۔(قولہ: بِقَصْدِ الْفُرْجَةِ لَا الْحُجَّةِ) فرجہ سے مراد غم سے چھٹکارا پانا ہے اور حجۃ کا لفظ حا کے ضمہ کے ساتھ ہے۔''برہان''،''قاموس''۔

مقامات حریری میں حارث بن ہمام اور سروجی سے مروی حکایات بے اصل ہیں

33395۔(قولہ: لَكِنْ بِقَصْدِ ضَرْبِ الْأَمْثَالِ الخ) یہ ''مقامات حریری'' کی طرح ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ

1۔صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الذبح، جلد 1، صفحہ 737، حدیث نمبر 1607

2۔مسند فردوس، باب الحاء، جلد 2، صفحہ 129، حدیث نمبر 2657

3۔کنز العمال، کتاب العلم الفصل الاول، جلد 10، صفحہ 231، حدیث نمبر 29220

وَالْمَوَاعِظِ وَتَعْلِيمِ نَحْوِ الشَّجَاعَةِ عَلَى أَلْسِنَةِ آدَمِيِّينَ أَوْ حَيَوَانَاتٍ ذَكَرَهُ ابْنُ حَجَرٍ (وَيُسْتَحَبُّ قَلْمُ أَظَافِيرِهِ) إلَّا لِمُجَاهِدٍ فِي دَارِ الْحَرْبِ فَيُسْتَحَبُّ تَوْفِيرُ شَارِبِهِ وَأَظْفَارِهِ (يَوْمَ الْجُمُعَةِ)

اور مواعظ اور شجاعت وغیرہ کی تعلیم کے ارادہ سے انسانوں یا حیوانوں کی زبانوں پر جاری ہو تو اس کا سننا جائز ہے ''ابن حجر'' نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اور جمعہ کے دن اپنے ناخن تراشنا مستحب ہے مگر دار الحرب میں مجاہد کے لیے یہ حکم نہیں۔ پس اس مجاہد کا اپنی مونچھوں اور اپنے ناخنوں کو بڑھانا مستحب ہے

حکایات جو ان میں سے ''حارث بن ہمام'' اور ''سروجی'' سے مروی ہیں ان کی کوئی اصل نہیں۔ وہ انہیں اس عجیب اسلوب پر لایا ہے جو آدمی ان کا مطالعہ کرتا ہے اس پر یہ مخفی نہیں۔ کیا اس میں ''عنترہ''، ''ملک ظاہر'' وغیرہما کا قصہ اس میں داخل ہوتا ہے۔ لیکن یہ انہوں نے ذکر کیا ہے یہ اصول شافعی میں سے ہے۔ جہاں تک ہمارے نزدیک اس کا معاملہ ہے تو فروع میں ''مجتبیٰ'' سے منقول ہوگا: مکروہ قصہ گوئی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ایسا واقعہ سنائے جس کی پہلے کے واقعات میں کوئی اصل نہ ہو یا وہ زیادہ کرے یا کمی کرے تاکہ وہ اس کے ساتھ اپنے واقعہ کو مزین کرے۔ الخ

کیا ہمارے نزدیک اس کے جواز کا قول کیا جا سکتا ہے جب وہ اس کے ساتھ ضرب الامثال وغیرہ کا قصد کرے؟ اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔

33396۔ (قولہ: عَلَى أَلْسِنَةِ آدَمِيِّينَ أَوْ حَيَوَانَاتٍ) وہ انسانوں، حیوانوں یا جمادات کی زبان پر جاری ہوں۔ جس طرح ان کا یہ قول ہے: دیوار نے کیل سے کہا: تو مجھے کیوں پھاڑتا ہے؟ کیل نے کہا: اس سے پوچھ جو مجھے کوٹتا ہے۔

33387۔ (قولہ: ذَكَرَهُ ابْنُ حَجَرٍ) یعنی ابن حجر مکی نے ''منہاج'' پر اپنی شرح میں کہا ہے۔

دانتوں سے ناخن کاٹنا مکروہ ہے

33398۔ (قولہ: وَيُسْتَحَبُّ قَلْمُ أَظَافِيرِهِ) دانتوں سے ناخن کاٹنا مکروہ ہے۔ یہ برص کے مرض کا باعث ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے بال کاٹے تو اسے چاہیے کہ انہیں دفن کر دے۔ اگر وہ انہیں پھینک دے تو کوئی حرج نہیں۔ اگر وہ اسے لیٹرین یا غسل خانے میں پھینکے تو یہ مکروہ ہوگا۔ کیونکہ یہ بیماری کا باعث ہوتا ہے۔ ''خانیہ''۔ اور وہ چار چیزوں کو دفن کرے گا۔ ناخن، بال، حیض کا کپڑا اور خون۔ ''عتابیہ''۔ ''ط''۔

مجاہد کے لیے اپنی مونچھیں اور ناخن بڑھانا مستحب ہے

33399۔ (قولہ: فَيُسْتَحَبُّ تَوْفِيرُ شَارِبِهِ وَأَظْفَارِهِ) یہ تعبیر زیادہ مناسب ہے: فیعفہ اظفارہ وکذا شاربہ۔ ''المنح'' میں ذکر کیا ہے: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہماری طرف لکھا: دشمن کے علاقہ میں ناخنوں کو بڑھاؤ کیونکہ یہ اسلحہ ہیں۔ کیونکہ جب اسلحہ اس کے ہاتھ سے گر جاتا ہے اور دشمن اس کے قریب ہوتا ہے تو بعض اوقات اپنے ناخنوں سے اس کا دفاع کرنا ممکن ہوتا ہے مونچھیں کاٹنے کا معاملہ اس کی مثل ہے۔ کیونکہ یہ سنت ہے۔ دار الحرب میں غازی کا انہیں بڑھانا

وَكَوْنُهُ بَعْدَ الصَّلَاةِ أَفْضَلَ إِلَّا إِذَا أَخَّرَهُ إِلَيْهِ تَأْخِيرًا فَاحِشًا فَيُكْرَهُ لِأَنَّ مَنْ كَانَ ظُفْرُهُ طَوِيلًا كَانَ رِزْقُهُ ضَيِّقًا وَفِي الْحَدِيثِ مَنْ قَلَّمَ أَظَافِيرَهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

اور نماز کے بعد انہیں تراشنا افضل ہے مگر جب وہ اسے بہت زیادہ موخر کرے تو یہ مکروہ ہوگا۔ کیونکہ جس کے ناخن طویل ہوں اس کا رزق تنگ ہوجاتا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے: جو جمعہ کے روز اپنے ناخن تراشے گا

مستحب ہے کیونکہ دشمن کی نظر میں یہ زیادہ ہیبت کا باعث ہے۔ ملخص

33400۔(قولہ: كَوْنُهُ بَعْدَ الصَّلَاةِ أَفْضَلَ) یعنی تا کہ نماز کی برکت انہیں پہنچے یہ اس کے مخالف ہے جسے ہم قریب ہی حدیث میں ذکر کریں گے۔

33401۔(قولہ: إِلَّا إِذَا أَخَّرَهُ إِلَيْهِ) یعنی اگلے جمعہ کے دن تک موخر کرے اس طرح کہ عرصہ زیادہ طویل ہوجائے اور جمعہ کے دن تک اس کے موخر کرنے کا ارادہ کیا ہے پس یہ مکروہ ہوگا۔

جمعہ کے روز ناخن تراشنے کی فضیلت

33402۔(قولہ: وَفِي الْحَدِيثِ) ''زرقانی'' نے کہا: ''بیہقی'' نے ''مسند امام ابی جعفر باقر رحمۃ اللہ علیہ'' سے نقل کیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ناخن اور اپنی موچھیں جمعہ کے روز تراشا کرتے تھے(1) اس کی ایک شاہد روایت ہے جو متصل ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے دن نماز کے لیے جانے سے پہلے اپنی موچھیں کاٹا کرتے اور ناخن تراشا کرتے تھے۔ ''بیہقی'' نے اس کو نقل کیا ہے۔ اس کے بعد کہا: امام ''احمد'' نے کہا: اس اسناد کا وہ راوی ہے جو مجہول ہے۔ ''سیوطی'' نے کہا: خلاصہ کلام یہ ہے اقوال میں سے دلیل اور نقل کے اعتبار سے سب سے راجح جمعہ کا دن ہے اس بارے میں وارد ہونے والی روایات زیادہ کمزور نہیں جب کہ فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل کیا جاتا ہے۔ ''مدنی''۔

''جراحی'' نے کہا: ''دیلمی'' نے کمزور سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے اور اسے مرفوع نقل کیا ہے: جس نے ہفتہ کے روز اپنے ناخن تراش لیے اس سے بیماری خارج ہوجاتی ہے اور اس میں شفا داخل ہوجاتی ہے اور جو اتوار کو انہیں تراشتا ہے اس سے فاقہ نکل جاتا ہے اور اس میں غنا داخل ہوجاتا ہے اور جو پیر کے روز انہیں تراشتا ہے اس سے جنون نکل جاتا ہے اور اس میں صحت داخل ہوجاتی ہے اور جو منگل کے روز ناخن تراشتا ہے اس سے مرض نکل جاتا ہے اور اس میں شفا داخل ہوجاتی ہے اور جو بدھ کو ناخن تراشتا ہے اس سے وسواس اور خوف نکل جاتا ہے اور اس میں امن اور شفا داخل ہوجاتی ہے اور جو جمعرات کو ناخن تراشتا ہے اس سے جذام نکل جاتا ہے اور اس میں عافیت داخل ہوجاتی ہے اور جو جمعہ کے روز انہیں تراشتا ہے اس میں رحمت داخل ہوجاتی ہے اور اس سے گناہ نکل جاتے ہیں (2)۔

1۔ المرقات لعلی القاری، کتاب اللباس، جلد 8، صفحہ 438، مکتبہ رحمانیہ

2۔ الموضوعات لابن جوزی، جلد 3، صفحہ 53، مکتبہ شاملہ

أَعَاذَهُ اللهُ مِنَ الْبَلَايَا إِلَى الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى وَزِيَادَةِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ دُرَرٌ وَعَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَنْ قَلَّمَ أَظْفَارَهُ مُخَالِفًا لَمْ تَرْمَدْ عَيْنُهُ أَبَدًا يَعْنِي كَقَوْلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

قَلِّمُوا أَظْفَارَكُمْ بالسنة والادب يَمِينُهَا خَوَابِسُ يَسَارُهَا أَوْخَسَبُ

اللہ تعالیٰ اسے اگلے جمعہ اور تین دن زائد تک مصائب سے محفوظ رکھے گا''درر''۔اور جو اپنے ناخن مخالف سمت سے کاٹے گا اسے کبھی آشوب چشم نہیں ہوگا۔جس طرح حضرت علی شیر خدا کا قول ہے: اپنے ناخن سنت اور ادب سے کاٹو اس کا دایاں خوابس ہے اور اس کا بایاں اوخسب ہے

ناخن تراشنے کا طریقہ

33403۔(قولہ: وَعَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ الخ) یہ حدیث ثابت نہیں بلکہ کئی علما کی کلام میں واقع ہے جس طرح شیخ ''عبد القادر'' قدس سرہ نے اپنی ''غنیۃ'' میں اسے ذکر کیا ہے۔''ابن قدامہ'' نے اپنی ''مغنی'' میں اسے نقل کیا ہے۔ ''سخاوی'' نے کہا: میں نے اسے نہیں پایا لیکن حافظ ''دمیاطی'' نے اسے بعض مشائخ سے نقل کیا ہے۔امام ''احمد'' نے اسے مستحب قرار دیا ہے،''جراحی''۔بعض علما نے نقل کیا ہے: یہ مجرب عمل ہے جو اس طرح ناخن تراشتا ہے تو اسے آشوب چشم نہیں ہوتا۔

33404۔(قولہ: يَعْنِي الخ) یہ ان کے قول مخالفا کی تفسیر ہے۔

33405۔(قولہ: قَلِّمُوا أَظْفَارَكُمْ بالسنة والادب) بعض نسخوں میں اسی طرح ہے۔یہ غیر معروف ہے۔بعض نسخوں میں بسنة و ادب نکرہ ہے۔دو شعروں کے آخر میں با کے کسرہ کے ساتھ بحر رجز سے مجزوء ہے اور پہلا مصرع ابتدا سے ایک حرف کی کمی کے ساتھ خرم میں داخل ہو گیا ہے،''ح''۔اور یہ شعر ان اشعار میں سے ہے جس میں یہ جائز نہیں۔

33406۔(قولہ: يَمِينُهَا خَوَابِسُ الخ) ہر انگلی کی طرف ایک حرف کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔''سخاوی'' نے کہا: قائل نے جھوٹ کہا ہے۔

اِبْدَأْ بِيُمْنَاكَ وَ بِالْخِنْصِرِ فِي قَصِّ اظفارك واستبصر
وثَنِّ بالوسطى و ثلث كما قد قيل بالابهام والبنصر
ولتختتم الكف بسبابة في اليد والرجل ولا تهتر
وفي اليد اليسرى بابهامها والاصبع الوسطى وبالخنصر
وبعد سبابتها بنصر فانها خاتمة الاسير
فذاك امن خذبه يافتى من رمد العين فلا تزدر
هذا حديث قد روى مسندا عن الامام المرتضى حيدر

اپنے دائیں ہاتھ سے شروع کر اور خنصر سے شروع کر جب تو اپنے ناخن تراشے اور بصیرت حاصل کر۔

وَبَيَانُهُ وَتَمَامُهُ فِي مِفْتَاحِ السَّعَادَةِ وَفِي شَرْحِ الْغَزَّاوِيَّةِ رُوِيَ أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَأَ بِمُسَبِّحَتِهِ الْيُمْنَى إِلَى الْخِنْصَرِ ثُمَّ بِخِنْصَرِ الْيُسْرَى إِلَى الْإِبْهَامِ وَخَتَمَ بِإِبْهَامِ الْيُمْنَى وَذَكَرَ لَهُ الْغَزَالِيُّ فِي الْإِحْيَاءِ وَجْهًا وَجِيهًا وَلَمْ يَثْبُتْ فِي أَصَابِعِ الرِّجْلِ نَقْلٌ، وَالْأَوْلَى تَقْلِيمُهَا كَتَخْلِيلِهَا قُلْت وَفِي الْمَوَاهِبِ اللَّدُنِّيَّةِ قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ إِنَّهُ يُسْتَحَبُّ كَيْفَمَا احْتَاجَ إِلَيْهِ وَلَمْ يَثْبُتْ فِي كَيْفِيَّتِهِ شَيْءٌ وَلَا فِي تَعْيِينِ يَوْمٍ لَهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اس کی وضاحت اور اس کی تمام تفصیل ''مفتاح السعادہ'' میں ہے۔ ''شرح غزاویہ'' میں ہے: یہ روایت بیان کی گئی ہے: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت سے آغاز کیا اور خنصر تک انہیں تراشا پھر بائیں ہاتھ کی خنصر سے لے کر انگوٹھے تک اسے کاٹا اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر اختتام کیا۔ امام ''غزالی'' نے احیاء العلوم میں اس کی انتہائی خوبصورت توجیہ ذکر کی ہے پاؤں کی انگلیوں میں کوئی روایت ثابت نہیں فرمایا: بہتر یہ ہے کہ انہیں یوں تراشا جائے جس طرح ان کا خلال کیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں: ''مواہب لدنیہ'' میں ہے: حافظ ''ابن حجر'' نے کہا: یہ مستحب ہے جیسے اسے ضرورت ہو اس کی کیفیت میں کوئی شے ثابت نہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے لیے دن کی تعیین میں کوئی شے ثابت نہیں

درمیانی انگلی کو دوسرے نمبر پر اور پھر تیسری انگلی کے ناخن کو تراش جس طرح انگوٹھے اور بنصر کے بارے میں کہا ہے۔

ہاتھ اور پاؤں ہتھیلی کو سبابہ انگلی پر ختم کر اور تو شک نہ کر۔

اور بائیں ہاتھ میں انگوٹھے سے آغاز کر، پھر درمیانی انگلی اور پھر خنصر کے ناخن تراش۔

اس کے بعد سبابہ کے بعد بنصر ہے یہ انگلیوں کو اختتام تک پہنچانے والا ہے۔

یہ آشوب چشم سے سراپا امن ہے اس کو اپنا لو اے نوجوان پس تو ذلیل نہ ہو۔

یہ ایسی حدیث ہے جس کو مسند کی صورت میں امام مرتضی حیدر سے روایت کیا ہے۔

33407_ (قولہ: وَالْأَوْلَى تَقْلِيمُهَا كَتَخْلِيلِهَا) یعنی وہ اپنے دائیں پاؤں کی خنصر انگلی سے شروع کرے اور بائیں خنصر پر اسے ختم کر دے۔

''ہدایہ'' میں ''غرائب'' سے مروی ہے: چاہیے ابتدا دائیں ہاتھ اور اختتام بھی اس انگلی پر ہو۔ پس وہ سبابہ انگلی سے شروع کرے اور اس کے انگوٹھے پر ختم کرے اور پاؤں میں دائیں کی خنصر سے شروع کرے اور بائیں کی خنصر پر ختم کرے۔ ''قہستانی'' نے ''مسعودی'' سے اسے نقل کیا ہے۔

33408_ (قولہ: قُلْت الخ) اسی طرح ''سیوطی'' نے کہا ہے۔ امام ''ابن دقیق العید'' نے ان تمام اشعار کا انکار کیا ہے اور کہا: ہیئۃ مخصوصہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں اور اس کے مستحب ہونے کا اعتقاد رکھنا جائز نہیں۔ کیونکہ استحباب حکم شرعی ہے اس کو ایک دلیل کی ضرورت ہوگی اس کا استعمال صحیح نہیں۔

وَمَا يُعْزَى مِنَ النَّظْمِ فِي ذَلِكَ لِلْإِمَامِ عَلِيٍّ ثُمَّ لِابْنِ حَجَرٍ قَالَ شَيْخُنَا إِنَّهُ بَاطِلٌ (وَ) يُسْتَحَبُّ (حَلْقُ عَانَتِهِ وَتَنْظِيفُ بَدَنِهِ بِالِاغْتِسَالِ فِي كُلِّ أُسْبُوعٍ مَرَّةً) وَالْأَفْضَلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَجَازَ فِي كُلِّ خَمْسَةَ عَشَرَةَ وَكُرِهَ تَرْكُهُ وَرَاءَ الْأَرْبَعِينَ مُجْتَبَى وَفِيهِ حَلْقُ الشَّارِبِ بِدْعَةٌ

اور جو شعر حضرت علی شیر خدا اور جو ''ابن حجر'' کی طرف منسوب ہے یہ سب باطل ہے۔ زیر ناف بالوں کا حلق اور اپنے بدن کو غسل کرنے کے ساتھ صاف کرنا ہر ہفتہ میں ایک دفعہ مستحب ہے اور افضل یوم جمعہ ہے اور ہر پندرہ دنوں میں یہ جائز ہے اور چالیس دن سے زائد تک چھوڑے رکھنا مکروہ ہے، ''مجتبیٰ''۔ اس میں ہے: مونچھوں کا حلق بدعت ہے۔

33409۔ (قولہ: وَمَا يُعْزَى مِنَ النَّظْمِ) وہ یہ قول ہے۔

فی قصّ ظفرك یوم السبت آكلة   تبدو و فیما یلیه تذهب البركة
و عالمٌ فاضلٌ یبدأ بتلوهما   وان یكن فی الثلاثا فاحذر الهلكه
و یورث السؤ فی الاخلاق رابعُها   و فی الخمیس الغنی یاتی لمن سلكه
و العلم والرزق زیدًا فی عروبتها   عن النبی روینا فاقتفوا نسكه

ہفتہ کے روز تیرا ناخن کاٹنا اس سے عضو کو کھانے والی بیماری ظاہر ہوتی ہے اور اس کے بعد والے دن میں تیرا ناخن کو کاٹنا اس سے برکت چلی جاتی ہے۔ عالم فاضل آدمی ان دونوں کے بعد والے دن میں اس عمل کو شروع کرتا ہے اگر منگل کا دن ہو تو ہلاکت سے بچ۔ چوتھا یعنی بدھ اخلاق میں برائی کو پیدا کرتا ہے اور جمعرات کے دن میں غنا آتی ہے جو بھی اس پر چلا۔ علم اور رزق دونوں میں اضافہ کیا جاتا ہے اس کو جمعہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں روایت کیا گیا ہے۔ پس تم اس کے نسک کی پیروی کرو۔

زیر ناف اور بغلوں کے بال زائل کرنے کے احکام

33410۔ (قولہ: وَيُسْتَحَبُّ حَلْقُ عَانَتِهِ) ''ہندیہ'' میں کہا: وہ ناف کے نیچے سے اس کا آغاز کرے اور اگر وہ یہی عمل چونے سے کرے تو یہ جائز ہوگا۔ ''الغرائب'' میں اس طرح ہے۔ ''الاشباہ'' میں ہے: عورت کے زیر ناف بالوں میں مستحب اکھیڑنا ہے۔

33411۔ (قولہ: وَتَنْظِيفُ بَدَنِهِ) جیسے اپنی دونوں بغلوں کے بالوں کو زائل کرنا اس میں حلق جائز ہے اور نوچنا اولیٰ ہے۔ ''المجتبیٰ'' میں بعض علما سے مروی ہے: دونوں حسن ہیں اور وہ اپنے حلق کے بالوں کا حلق نہ کرائے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اس میں کوئی حرج نہیں ''ط''۔ ''المضمرات'' میں ہے: آبروں اور چہرے کے بال کاٹنے میں کوئی حرج نہیں جب تک وہ مخنث کے مشابہ نہ ہو جائے۔ ''تاتر خانیہ''۔

33412۔ (قولہ: وَكُرِهَ تَرْكُهُ) یہ مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ ''المجتبیٰ'' کا قول ہے: اور چالیس سے زائد میں کوئی عذر

وَقِيلَ سُنَّةٌ وَلَا بَأْسَ بِنَتْفِ الشَّيْبِ، وَأَخْذِ أَطْرَافِ اللِّحْيَةِ وَالسُّنَّةُ فِيهَا الْقَبْضَةُ وَفِيهِ قَطَعَتْ شَعْرَ رَأْسِهَا أَثِمَتْ وَلُعِنَتْ زَادَ فِي الْبَزَّازِيَّةِ وَإِنْ بِإِذْنِ الزَّوْجِ

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سنت ہے۔ اور سفید بالوں کو نوچ لینے میں اور ڈاڑھی کے اطراف کو تراشنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ڈاڑھی میں سنت ایک مٹھی ہے۔ اس میں ہے: عورت نے اپنے سر کے بال کاٹے تو وہ گناہگار ہوگی اور لعنت کی مستحق ہوگی۔ ''بزازیہ'' میں ہے اگر چہ وہ خاوند کی اجازت سے ایسا کرے

نہیں اور وہ وعید کا مستحق ہو جائے گا۔ ''ابوسعود'' میں ''ابن ملک'' کی شرح ''مشارق'' میں ہے: امام ''مسلم'' نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: وقت لنا في تقليم الاظفار وقص الشارب و نتف الابط ان لا نترك اكثر من اربعين ليلة(1)، ناخنوں کے تراشنے، مونچھوں کے کاٹنے اور بغلوں کے بال نوچنے میں ہمارے لیے یہ وقت معین کیا گیا ہے کہ ہم چالیس دن سے زیادہ انہیں نہ چھوڑے رہیں۔ یہ ان مقدرات میں سے ہے جن میں رائے کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا پس یہ مرفوع کی طرح ہوگا۔

مونچھوں کو مونڈنے کا شرعی حکم

33413۔ (قوله: وَقِيلَ سُنَّةٌ) ''الملتقی'' میں اس رائے کو اپنایا ہے۔ ''مجتبیٰ'' کی عبارت اس کے بعد کہ ''طحاوی'' کی رمز ذکر کی یہ ہے: اس کا حلق کرنا سنت ہے۔ اور اسے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کی طرف منسوب کیا ہے اور انہیں اتنا کاٹنا کہ وہ اوپر والے ہونٹ کے بلند سرے کے برابر ہو جائے یہ بالاجماع سنت ہے۔

33414۔ (قوله: وَلَا بَأْسَ بِنَتْفِ الشَّيْبِ) ''بزازیہ'' میں یہ قید لگائی ہے کہ یہ تزیین کے طریقہ پر نہ ہو۔

تنبیہ

فنبکین کو نوچنا بدعت ہے۔ یہ عنفقہ کی دونوں طرفین ہیں اور یہ نچلے ہونٹوں کے بال ہیں۔ ''الغرائب'' میں اسی طرح ہے۔ وہ اپنے ناک کے بال نہ نوچے کیونکہ یہ خارش کا باعث ہوتا ہے۔ سینے اور پشت کے بالوں کے حلق میں ادب کا ترک ہے۔ ''القنیہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''ط''۔

ڈاڑھی قبضہ کی مقدار رکھنا سنت ہے

33415۔ (قوله: وَالسُّنَّةُ فِيهَا الْقُبْضَةُ) اس کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی ڈاڑھی کی مٹھی بھرے تو اس مٹھی سے جو زائد ہو اسے کاٹ دے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ کہا: ہم اسی کو اپناتے ہیں۔ ''ط''۔

فائدہ: ''طبرانی'' نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے اسے مرفوع نقل کیا ہے: من سعادة المرء خفة

1۔ سنن ترمذی، کتاب الادب، باب فی التوقیت فی تقلیم الاظفار، جلد 2، صفحہ 393، حدیث نمبر 2683

لِأَنَّهُ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ، وَلِذَا يَحْرُمُ عَلَى الرَّجُلِ قَطْعُ لِحْيَتِهِ، وَالْمَعْنَى الْمُؤَثِّرُ التَّشَبُّهُ بِالرِّجَالِ قُلْتُ وَأَمَّا حَلْقُ رَأْسِهِ فَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ وَقَدْ قِيلَ حَلْقُ الرَّأْسِ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ يَجِبُ وَبَعْضٌ بِالْجَوَازِ يُعَبِّرُ (رَجُلٌ تَعَلَّمَ عِلْمَ الصَّلَاةِ أَوْ نَحْوَهُ لِيُعَلِّمَ النَّاسَ وَآخَرُ لِيَعْمَلَ بِهِ فَالْأَوَّلُ أَفْضَلُ)

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی طاعت جائز نہیں۔ اس وجہ سے مرد کا اپنی ڈاڑھی کو کاٹنا حرام ہے وہ علت جو مؤثر ہے وہ مردوں کے ساتھ مشابہت ہے۔ میں کہتا ہوں: جہاں تک مرد کے سر کے حلق کرانے کا تعلق ہے تو ''وہبانیہ'' میں ہے: ہر جمعہ کے روز سر کا حلق کرانا واجب ہے اور بعض جواز کی تعبیر کرتے ہیں۔ ایک آدمی نے نماز وغیرہ کے مسائل کو سیکھا تا کہ لوگوں کو اس کے بارے میں تعلیم دے اور ایک دوسرے آدمی نے مسائل کو سیکھا تا کہ ان پر عمل کرے تو پہلا آدمی افضل ہے۔

لحیتہ (2)، یہ چیز انسان کی سعادت سے ہے کہ اس کی ڈاڑھی پتلی ہو۔ اور یہ مشہور ہے کہ ڈاڑھی کا لمبا ہونا یہ عقل کے کم ہونے پر دلیل ہے۔ بعض علما نے یہ شعر پڑھا ہے۔

ما احد طالت له لحية فزادت اللحية فی هيئته

الا وما ينقص من عقله اثر مما زاد فی لحيته

کوئی آدمی جس کی داڑھی لمبی نہیں ہوتی اور ڈاڑھی اس کی ہیئت میں اضافہ نہیں کرتی۔

مگر وہ اس کی عقل میں اس سے زیادہ نقص واقع کرتی ہے جس قدر اس کی ڈاڑھی اضافہ کرتی ہے۔

لطیفہ: ''ہشام بن کلبی'' سے نقل کیا گیا ہے کہا: میں نے وہ یاد کیا جسے کسی نے بھی یاد نہیں کیا اور وہ بھول گیا جسے کوئی نہ بھولا میں نے تین دنوں میں قرآن حکیم حفظ کیا اور میں نے ارادہ کیا کہ میں اپنی ڈاڑھی میں سے جو مٹھ سے زائد ہو اس کو کاٹ دوں تو میں بھول گیا تو میں نے ڈاڑھی کو اوپر کی جانب سے کاٹ دیا۔

33416۔ (قولہ: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ الخ) امام ''احمد'' اور ''حاکم'' نے ''عمران بن حصین'' رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔ ''جراحی''۔

33417۔ (قولہ: وَالْمَعْنَى الْمُؤَثِّرُ) اس میں موثر علت مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا ہے۔ کیونکہ یہ جائز نہیں جس طرح عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا جائز نہیں یہاں تک کہ ''مجتبیٰ'' میں رمز بیان کرتے ہوئے کہا: مرد کا عورت کے انداز میں گفتگو کرنا مکروہ ہے۔

سر کا حلق کرانے کا شرعی حکم

33418۔ (قولہ: وَأَمَّا حَلْقُ رَأْسِهِ الخ) ''زندویستی'' کی ''الروضہ'' میں ہے: سر کے بالوں میں سنت یا تو مانگ نکالنا ہے یا حلق کرانا ہے۔ ''طحطاوی'' نے یہ ذکر کیا ہے: حلق کرانا سنت ہے اور اسے تینوں علماء کی طرف منسوب کیا ہے۔

1۔ الکامل لابن عدراوی، یوسف بن عزق، جلد 8، صفحہ 506

لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ وَرُوِيَ مُذَاكَرَةُ الْعِلْمِ سَاعَةً خَيْرٌ مِنْ إِحْيَاءِ لَيْلَةٍ وَلَهُ الْخُرُوجُ لِطَلَبِ الْعِلْمِ الشَّرْعِيِّ

کیونکہ وہ دوسرے کو فائدہ پہنچانے والا ہے۔ یہ روایت کی گئی ہے۔ ایک ساعت علم کا مذاکرہ ایک رات کی عبادت سے افضل ہے۔ اسے علم شرعی کی طلب میں

''الذخیرہ'' میں ہے: اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنے سر کے درمیان میں حلق کرائے اور اپنے بالوں کو بٹے بغیر چھوڑ دے۔ اگر وہ انہیں بٹے تو یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ وہ اس طرح بعض کافروں اور مجوسیوں کے مشابہ ہو جائے گا ہمارے علاقوں میں بغیر بٹے وہ بالوں کو چھوڑ دیتے ہیں مگر وہ سر کے درمیان حصہ کا حلق نہیں کراتے بلکہ سر کے اگلے حصہ کے بالوں کو کاٹتے ہیں،'' تاتر خانیہ''۔ ''طحطاوی'' نے کہا: قزع مکروہ ہے وہ یہ ہے کہ بعض کا حلق کرائے اور بعض کو ترک کر دے وہ تین انگلیوں کی مقدار ہے۔ ''الغرائب'' میں اسی طرح ہے۔ اس میں ہے: بعض سلف صالحین اپنے دونوں سبال کو چھوڑ دیتے تھے یہ دونوں مونچھوں کے اطراف ہیں۔

علم دین کی فضیلت

33419۔ (قولہ: وَرُوِيَ الخ) امام ''بیہقی'' نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: دین میں سمجھ سے بڑھ کر بندے نے کسی شے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کی (1)۔

''بزازیہ'' میں ہے: علم اور فقہ کی طلب نیکی کے تمام اعمال سے افضل ہے جب نیت صحیح ہو۔ اسی طرح علم کی زیادتی میں مشغول ہونا افضل ہے جب نیت صحیح ہو۔ کیونکہ یہ نفع میں عام ہے۔ لیکن یہ شرط ہے کہ نقصان اس کے فرائض میں داخل نہ ہو۔ نیت کے صحیح ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا قصد کرے وہ مال و جاہ کی طلب نہ کرے اگر وہ جہالت سے نکلنے، مخلوق کو نفع پہنچانے اور علم کے اجرا کا قصد کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نیت بھی صحیح ہے۔ ایک آدمی نے قرآن سیکھا اور فراغت پائی تو افضل یہ ہے کہ فقہ میں مشغول ہو جائے۔ کیونکہ قرآن کو یاد کرنا فرض کفایہ ہے اور فقہ میں سے جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو اس کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے۔ ''خزانہ'' میں کہا: تمام فقہ ضروری ہے۔ ''المناقب'' میں کہا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے حلال و حرام میں دو سو مسائل لکھے ہیں جن کو یاد کرنا ضروری ہے۔ ہم نے مقدمۃ الکتاب میں جو پہلے لکھ دیا ہے۔ اس میں غور کیجئے۔

علم شرعی کی تلاش میں والدین کی اجازت کے بغیر نکلنا جائز ہے

33420۔ (قولہ: وَلَهُ الْخُرُوجُ) اگر اسے یہ خوف نہ ہو کہ اس کے والدین ضائع ہو جائیں گے اگر وہ دونوں خوشحال ہوں اور ان دونوں کا نفقہ اس کے ذمہ نہ ہو۔

''الخانیہ'' میں ہے: اگر وہ حج کی طرف نکلنے کا ارادہ کرے اور وہ اسے ناپسند کرے۔ علما نے کہا: اگر باپ اس بیٹے کی

1۔ الترغیب والترہیب مترجم، کتاب العلم، باب الترغیب فی العلم مطلبہ الخ، جلد 1، صفحہ 61

بِلَا إِذْنِ وَالِدَيْهِ لَوْ مُلْتَحِيًا وَتَمَامُهُ فِي الدُّرَرِ (وَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ يَصُومُ وَيُصَلِّي وَيَضُرُّ النَّاسَ بِيَدِهِ وَلِسَانِهِ فَذِكْرُهُ بِمَا فِيهِ لَيْسَ بِغِيبَةٍ حَتَّى لَوْ أَخْبَرَ السُّلْطَانَ بِذَلِكَ لِيَزْجُرَهُ لَا إِثْمَ عَلَيْهِ)

اپنے والدین کی اجازت کے بغیر باہر جانا جائز ہے اگرچہ ڈاڑھی والا ہو۔ اس کی مکمل بحث ''الدرر'' میں ہے۔ جب کوئی آدمی روزہ رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو اور اپنے ہاتھ اور زبان سے لوگوں کو تکلیف دیتا ہو تو اس میں جو عیب ہے اس کا ذکر غیبت نہیں یہاں تک کہ اگر وہ سلطان کو اس بارے میں خبر دے تا کہ وہ اسے جھڑکے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

خدمت سے مستغنی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ورنہ اس کے لیے جانے کی گنجائش نہ ہوگی۔ اگر دونوں والدین نفقہ کے محتاج ہوں اور وہ اس پر قادر نہ ہو کہ ان دونوں کے لیے نفقہ چھوڑ جائے یا وہ قادر ہو مگر راستہ میں خوف غالب ہو تو وہ نہ نکلے۔ اگر غالب سلامتی ہو تو وہ نکلے۔ بعض روایات میں ہے: وہ ان دونوں کی اجازت کے بغیر جہاد پر نہ نکلے اگر دونوں میں سے صرف ایک اجازت دے تو اس کے لیے باہر جانا جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ دونوں کے حق کی رعایت کرنا فرض عین ہے۔ اور جہاد فرض کفایہ ہے۔ اگر اس کے والدین نہ ہوں اور اس کے دونوں جد اور دونوں جدہ ہوں تو اسے دادا اور نانی نے اجازت دے دی دوسرے دو نے اجازت نہ دی تو اس کے جانے میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ دونوں والدین کے قائم مقام ہیں۔ اگر اسے والدین اجازت دے دیں تو وہ ان کے علاوہ کی طرف متوجہ نہ ہو۔ یہ جہاد کے سفر کے بارے میں ہے۔ اگر وہ تجارت یا حج کے سفر کے بارے میں ہو تو والدین کی اجازت کے بغیر اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر وہ دونوں اس کی خدمت سے مستغنی ہوں۔ کیونکہ اس میں ان دونوں کے حق کا ابطال نہیں ہے مگر جب راستہ خوفناک ہو جیسے سمندر تو وہ ان کی اجازت کے بغیر نہیں نکلے گا اگرچہ وہ اس کی خدمت سے مستغنی ہوں۔ اگر متعلم نکلے اور اپنے عیال کو ضائع کر دے تو عیال کے حق کی رعایت کی جائے گی۔

33421۔ (قولہ: لَوْ مُلْتَحِيًا) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ ''الدرر'' کی آنے والی کلام میں امرد سے مراد ڈاڑھی کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر وہ معذور ہو تو اس پر فتنہ کا ڈر ہوگا۔ کیونکہ فاسق لوگ اسے امرد پر مقدم رکھتے ہیں۔

33422۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِي الدُّرَرِ) ''الدرر'' میں کہا ہے: اگر وہ امرد ہو تو اس کے باپ کو حق حاصل ہے کہ وہ اسے روک دے۔ اور علم سے ان کی مراد علم شرعی ہے اور جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے علم کلام وغیرہ نہیں۔ کیونکہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: ایک بندہ سب سے بڑے گناہ کبیرہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے تو یہ اس سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ علم کلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے جب وہ علم کلام جو ان کے درمیان ان کے زمانہ میں متداول تھا اس کا یہ حال ہے کہ اس علم کلام کے بارے میں تیرا کیا گمان ہوگا جو فلاسفہ کے ہذیان کے ساتھ مخلوط ہے اور ان کے آراستہ اباطیل کے درمیان چھپا ہوا ہے۔

وہ لوگ جن کی غیبت جائز ہے

33423۔ (قولہ: فَذِكْرُهُ بِمَا فِيهِ لَيْسَ بِغِيبَةٍ) تا کہ لوگ اس سے محتاط رہیں اور وہ اس کے روزے اور اس کی

وَقَالُوا إِنْ عَلِمَ أَنَّ أَبَاهُ يَقْدِرُ عَلَى مَنْعِهِ أَعْلَمَهُ وَلَوْ بِكِتَابَةٍ وَإِلَّا لَا كَيْ لَا تَقَعَ الْعَدَاوَةُ وَتَمَامُهُ فِي الدُّرَرِ (وَكَذَا) لَا إِثْمَ عَلَيْهِ (لَوْ ذَكَرَ مَسَاوِئَ أَخِيهِ عَلَى وَجْهِ الِاهْتِمَامِ لَا يَكُونُ غِيبَةً إِنَّمَا الْغِيبَةُ أَنْ يَذْكُرَ عَلَى وَجْهِ الْغَضَبِ يُرِيدُ السَّبَّ) وَلَوِ اغْتَابَ أَهْلَ قَرْيَةٍ

علماء نے کہا: اگر اسے علم ہو کہ اس کا باپ اسے روکنے پر قادر ہے تو اسے آگاہ کرے اگرچہ تحریری صورت میں آگاہ کرے ورنہ ایسا نہ کرے تاکہ دشمنی واقع نہ ہو۔ اس کی مکمل وضاحت ''الدرر'' میں ہے۔ اسی طرح اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اگر وہ اپنے بھائی کی کمزوری بطور غم وافسوس ذکر کرے۔ غیبت یہ ہے کہ وہ غضب کے طور پر برائی کا ذکر کرے جس سے وہ گالی گلوچ کا ارادہ رکھتا ہو۔ اگر وہ کسی بستی والوں کی غیبت کرے

نماز سے دھوکے میں مبتلا نہ ہوں۔ ''طبرانی''، ''بیہقی'' اور ''ترمذی'' نے اسے نقل کیا ہے: اترعوون فی الغیبة عن ذکر الفاجر اذکروه بما فیه یحذره الناس (1)۔ کیا تم غیبت میں فاجر کے ذکر سے ڈرتے ہو اس میں جو عیب ہے اس کا ذکر کرو تاکہ لوگ اس سے محتاط ہو جائیں۔

33424۔ (قولہ: وَلَوْ بِكِتَابَةٍ) یعنی باپ کو لکھا جائے اور اس کی مثل سلطان کو لکھا جائے۔ اسے حق حاصل ہے کہ وہ اس پر اعتماد کرے جب کاتب عدالت میں معروف ہو جس طرح ''کفایۃ النہر'' میں بحث کے اسلوب میں ہے۔ اس میں ہے: قاضی کو حق حاصل ہے کہ وہ متہم کو تعزیر لگائے اگرچہ جرم اس پر ثابت نہ ہو انسان کے حق میں محاضر میں جو کچھ لکھا جاتا ہے حقوق اللہ میں اس کے مطابق اس پر عمل کیا جائے گا۔ ''التعزیر'' میں یہ گزر چکا ہے۔

33425۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِي الدُّرَرِ) ''الخانیہ'' سے مروی ہے: ''الخانیہ'' کی عبارت کی نص یہ ہے: اسی طرح کا حکم ہوگا ان معاملات میں جو میاں بیوی کے درمیان ہو، سلطان اور رعیت اور خدام میں ہو۔ معروف کا حکم دینا واجب ہے جب اسے یہ علم ہو کہ وہ رک جائیں گے۔

33426۔ (قولہ: لَا إِثْمَ عَلَيْهِ) زیادہ بہتر تو یہ تھا کہ اس قول کو حذف کر دیتے۔ یا اپنے قول لا یکون غیبة سے پہلے واو زیادہ کر دیتے تاکہ متن شرح کے ساتھ مرتبط ہو جاتا۔

33427۔ (قولہ: لَا يَكُونُ غِيبَةً) کیونکہ اگر یہ خبر اسے پہنچے گی تو وہ ناپسند نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس سے وہ غمگین ہے، دکھی ہے اور حسرت کا اظہار کرنے میں سچا ہے ورنہ وہ غیبت کرنے والا، منافق، ریاکار اور اپنا تزکیہ کرنے والا ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنے مسلمان بھائی پر تہمت لگائی ہے۔ اور جس کو وہ چھپائے ہوئے تھا اس کے خلاف کو ظاہر کیا ہے اور لوگوں کو یہ شعور دلایا ہے کہ وہ اس امر کو اپنے لیے اور غیر کے لیے ناپسند کرتا ہے اور وہ صالح ہے۔ کیونکہ اس نے صریح غیبت کا اظہار نہیں کیا بلکہ اس نے اسے بطور غم کے اظہار کیا ہے اس نے قبائح کی کئی انواع کو جمع کر دیا ہم اللہ تعالیٰ سے عصمت کا سوال کرتے ہیں۔

1۔ الموضوعات الکبریٰ لعلی القاری، غیبة الفاسق، صفحہ 352، حدیث نمبر 1342

فَلَیْسَ بِغِیْبَةٍ لِأَنَّهُ لَا یُرِیْدُ بِهِ كُلَّهُمْ بَلْ بَعْضَهُمْ وَهُوَ مَجْهُوْلٌ خَانِیَّةٌ فَتُبَاحُ غِیْبَةُ مَجْهُوْلٍ وَمُتَظَاهِرٍ بِقَبِیْحٍ

تو یہ غیبت نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ اس سے تمام افراد کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ بعض کا ارادہ کرتا ہے جب کہ وہ مجہول ہے ''خانیہ''۔ پس مجہول، جو اعلانیہ قبیح افعال کرتا ہو،

33428۔(قولہ: فَلَیْسَ بِغِیْبَةٍ) ''المختار'' میں کہا: اور غیبت نہیں ہے مگر جو معلوم افراد ہوں۔

33429۔(قولہ: لِأَنَّهُ لَا یُرِیْدُ بِهِ كُلَّهُمْ) اس کا مفہوم یہ ہے اگر وہ اس کا ارادہ کرے تو یہ غیبت ہوگی۔ تامل

33430۔(قولہ: فَتُبَاحُ غِیْبَةُ مَجْهُوْلٍ الخ) یہ جان لو کہ غیبت حرام ہے جو کتاب اللہ کی نص سے ثابت ہے اور جو آدمی غیبت کرتا ہے اسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ یہ عمل اجنبی اور زندہ کا گوشت کھانے سے زیادہ قبیح ہے تو جس طرح اس کا گوشت حرام ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی عزت حرام ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کل المسلم علی المسلم حرام دمه و ماله و عرضه(1)، رواہ ''مسلم'' وغیرہ۔ مسلمان پر دوسرا مسلمان کلی طور پر حرام ہے اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت، اسے امام مسلم اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔ اور غیبت حلال نہ ہوگی مگر ضرورت کے وقت اور اسی حساب سے جس طرح ان مواقع پر حلال ہے۔

فقیہ ''ابولیث'' کی ''تنبیہ الغافلین'' میں ہے: غیبت کی چار صورتیں ہیں: ایک صورت میں یہ کفر ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اسے کہا جائے تو غیبت نہ کر تو وہ کہتا ہے: یہ غیبت نہیں کیونکہ میں اس میں سچا ہوں۔ اس نے اس چیز کو حلال قرار دیا جس کی حرمت ادلہ قطعیہ سے ثابت تھی جب کہ یہ کفر ہے۔

ایک صورت یہ نفاق ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس آدمی کی غیبت کرتا ہے جس کا نام نہیں لیتا جب کہ غیبت اس کے سامنے کرتا ہے جو اسے پہچانتا ہے پس وہ غیبت کرنے والا ہوگا اور وہ اپنے بارے میں یہ خیال کرتا ہے کہ وہ متقی ہے پس یہ نفاق ہوگا۔

ایک صورت میں یہ معصیت ہے وہ یہ ہے کہ اس آدمی کی غیبت کرتا ہے جو اعلانیہ فسق کرتا ہے یا جو بدعتی ہے۔ اگر وہ فاسق کی اس وجہ سے غیبت کرے تاکہ اس سے محتاط ہو جائیں تو اس پر اسے ثواب دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ منکر سے نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: اباحت آنے والے بعض مواقع میں وجوب کے منافی نہیں۔

33431۔(قولہ: وَمُتَظَاهِرٍ بِقَبِیْحٍ) وہ وہ شخص ہے جو قبیح فعل کرنے کے لیے پردہ کا اہتمام نہیں کرتا اور اس کے نزدیک یہ موثر نہیں جب اس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ یہ کام کرتا ہے، ''ابن شحنہ''۔ ''تبیین المحارم'' میں کہا: جو وہ اعلانیہ کام کرتا ہے اس کا ذکر جائز ہے کوئی اور جائز نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من القی جلباب الحیاء عن وجهه فلا

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبة، جلد 3، صفحہ 491، حدیث نمبر 4238

وَلِمُصَاهَرَةٍ وَلِسُوءِ اعْتِقَادٍ تَحْذِيرًا مِنْهُ، وَلِشَكْوَى ظِلَامَتِهِ لِلْحَاكِمِ شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ

رشتہ مصاہرت کے لیے، برے اعتقاد کی وجہ سے تاکہ لوگوں کو اس سے بچایا جائے۔ اور حاکم کے سامنے اس کے ظلم کے شکوہ کے طور پر غیبت جائز ہے،''شرح وہبانیہ''۔

غیبة له(1)، جو آدمی اپنے چہرے سے حیا کی چادر اتار پھینکے تو اس کے بارے میں گفتگو کوئی غیبت نہیں مگر جب وہ پوشیدہ ہو تو اس کی غیبت جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں: لوگوں میں سے جو یہ مشہور ہے کہ نماز کے تارک کے بارے میں ذکر کرنا کوئی غیبت نہیں۔ اگر اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے بارے میں ذکر کیا جائے جب کہ وہ ایسا عمل اعلانیہ کرتا ہو تو یہ صحیح ہو گا ورنہ صحیح نہ ہو گا۔

33432۔(قولہ: وَلِمُصَاهَرَةٍ) زیادہ بہتر اسے مشورہ سے تعبیر کرنا تھا۔ یعنی نکاح، سفر، شرکت، مجاورت، امانت کو ودیعت کے طور پر رکھنا وغیرہ۔ تو اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ بطور اخلاص اس کا ذکر کر دے جسے وہ جانتا ہے۔

33433۔(قولہ: وَلِسُوءِ اعْتِقَادٍ تَحْذِيرًا مِنْهُ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ بدعتی ہو جس کو وہ پوشیدہ رکھتا ہے اور اس کے سامنے پیش کرتا ہے جس کے بارے میں اسے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اگر وہ اس کا اعلانیہ اظہار کرتا ہو تو وہ متجاور میں داخل ہو گا، تامل۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ اسے لفظ تحذیر کے ساتھ تعبیر کرتے تاکہ اس تحذیر کو شامل ہو جاتا جو برے اعتقاد سے خبردار کیا جاتا ہے اور اس کو شامل ہو جاتا ہے جو متن میں گزر چکا ہے کہ جو نماز پڑھتا ہے اور روزے رکھتا ہے اور لوگوں کو تکلیف دیتا ہے۔

33434۔(قولہ: وَلِشَكْوَى ظِلَامَتِهِ لِلْحَاكِمِ) وہ کہتا ہے: فلاں نے مجھ پر یہ ظلم کیا ہے تاکہ اس کے ساتھ انصاف کرے۔

تتمہ

ان پانچ پر چھ اور کو زائد کیا گیا ہے جن میں سے متن میں دو گزر چکی ہیں۔(۱) اس سے مدد لینا جسے اس کو جھڑکنے پر قدرت ہو (۲) افسوس کے طور پر ذکر کرنا (۳) فتویٰ طلب کرنے کے لیے۔

''تبیین المحارم'' میں کہا: وہ مفتی سے کہتا ہے: فلاں نے مجھ پر یہ ظلم کیا ہے۔ اور اس سے خلاصی کا طریقہ کیا ہے۔ زیادہ محفوظ یہ کہنا ہے: تیرا اس آدمی کے بارے میں کیا کہنا ہے جس پر اس کے باپ، اس کے بیٹے یا لوگوں میں سے کسی نے اس پر یہ یہ ظلم کیا ہے لیکن اس قدر وضاحت کرنا مباح ہے۔ کیونکہ بعض اوقات تعیین کے ساتھ وہ کچھ جان لیتا ہے جسے وہ ابہام کے ساتھ نہیں جان سکتا جس طرح ''ابن حجر'' نے کہا ہے۔ متفق علیہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ہند جو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا: ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے وہ مجھے اتنا مال نہیں دیتا جو مجھے اور میرے بیٹے کو کفایت کرے مگر جو میں اس سے لے لوں جب کہ اسے علم نہ ہو۔ فرمایا: خذی ما یکفیك وولدك بالمعروف (2) تو وہ مال

1۔ کنز العمال، فصل فی اخلاق اللسان، جلد 3، صفحہ 871، حدیث نمبر 8971

2۔ صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب اذلم ینفق الرجل، جلد 3، صفحہ 195، حدیث نمبر 4945

(وَكَمَا تَكُونُ الْغِيبَةُ بِاللِّسَانِ) صَرِيحًا (تَكُونُ) أَيْضًا بِالْفِعْلِ وَبِالتَّعْرِيضِ وَبِالْكِتَابَةِ وَبِالْحَرَكَةِ وَبِالرَّمْزِ

جس طرح غیبت زبان کے ساتھ صریحا ہوتی ہے تو اسی طرح یہ فعل کے ساتھ، تعریض کے ساتھ، کتابت کے ساتھ، حلت کے ساتھ اور رمز کے ساتھ بھی ہوتی ہے

لے لے جو معروف طریقہ سے تیرے اور تیرے بیٹے کے لیے کافی ہو۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ اس آدمی کے لیے عیب کو بیان کرنا جو غلام خریدنا چاہتا ہو جب کہ غلام چور ہو یا زانی ہو۔ پس مالک مشتری کے لیے ان عیوب کو ذکر کرتا ہے اسی طرح اگر وہ مشتری کو دیکھتا ہے کہ وہ بائع کو کھوٹ والے دراہم دیتا ہے تو وہ کہتا ہے: اس سے اس وجہ سے احتیاط کر۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ اس نے پہچان کرانے کا قصد کیا اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس لقب سے معروف ہو جیسے اعرج، اعمش اور احول۔

چھٹی صورت یہ ہے: راویوں، گواہوں اور مصنفین جو مجروح ہوں کے بارے میں جرح تو یہ جائز ہے بلکہ واجب ہے یہ شریعت کی حفاظت کی خاطر ہے سب گیارہ ہیں جن کو میں نے اپنے اس قول میں جمع کر دیا ہے۔

بِمَا يَكْرَهُ الانسانُ يحرمُ ذِكرُهُ　سوى عشرةٍ حلتْ اتت تلو واحد

تظلم و شر واجرح و بين مجاهرا　بفسق و مجهولا و غشا لقاصد

و عرّفْ كذا استفت استغن عند زاجرٍ　كذاك اهتمم حذّر فجورَ معاندِ

انسان جن کو مکروہ خیال کرتا ہے ان کا ذکر حرام ہے سوائے اس کے جو حلال ہیں جو ایک کے پیچھے آئی ہے۔ مظلوم بن، شر، جرح کو، جو اعلانیہ فسق کرتا ہو اس کی وضاحت کر، اور جو مجہول ہو اور کھوٹ جس کا کوئی قصد کرنے والا ہو۔

اور اس کی پہچان کرا اسی طرح تو فتویٰ طلب کر زاجر کے ہاں مدد طلب کر اسی طرح تو افسوس کا اظہار کر خبردار کر معاند کے فجور کو۔

غیبت کی انواع

33435۔ (قولہ: بِالْفِعْلِ) جیسے حرکت، رمز اور غمزہ وغیرہ یہ ان میں سے ہیں جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

33436۔ (قولہ: وَبِالتَّعْرِيضِ) جس طرح جب ایک آدمی کا ذکر کیا جائے تو وہ کہے: اللہ تعالیٰ کے لیے تمام تر تعریفیں ہیں جس نے ہمیں اس جیسے سے عافیت عطا کی ہے یہ اس کے صریح قول کے مقابل ہے۔

33437۔ (قولہ: وَبِالْكِتَابَةِ) کیونکہ قلم دو زبانوں میں سے ایک ہے۔ ''الشرعۃ'' میں اسے کنایہ سے تعبیر کیا ہے۔

33438۔ (قولہ: وَبِالْحَرَكَةِ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے پاس ایک انسان کی بھلائی کا ذکر کیا جائے تو وہ مثلاً اپنے سر کو حرکت دے یہ اشارہ کرتے ہوئے کہے: تم نہیں جانتے کہ وہ کس برائی کو اپنے اندر لپیٹے ہوئے ہے۔ تامل

33439۔ (قولہ: وَبِالرَّمْزِ) ''قاموس'' میں ہے را کو ضمہ دیا جاتا ہے میم کو حرکت دی جاتی ہے اس سے مراد دونوں

وَ (بِغَمْزِ الْعَيْنِ وَالْإِشَارَةِ بِالْيَدِ) وَكُلُّ مَا يُفْهَمُ مِنْهُ الْمَقْصُودُ فَهُوَ دَاخِلٌ فِي الْغِيبَةِ وَهُوَ حَرَامٌ؛ وَمِنْ ذَلِكَ مَا قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا دَخَلَتْ عَلَيْنَا امْرَأَةٌ فَلَمَّا وَلَّتْ أَوْمَأْتُ بِيَدِي أَيْ قَصِيرَةٌ فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اغْتَبْتِيهَا وَمِنْ ذَلِكَ الْمُحَاكَاةُ كَأَنْ يَمْشِي مُتَعَارِجًا أَوْ كَمَا يَمْشِي فَهُوَ غِيبَةٌ بَلْ أَقْبَحُ لِأَنَّهُ أَعْظَمُ فِي التَّصْوِيرِ وَالتَّفْهِيمِ وَمِنَ الْغِيبَةِ أَنْ يَقُولَ بَعْضُ مَنْ مَرَّ بِنَا الْيَوْمَ أَوْ بَعْضُ مَنْ رَأَيْنَاهُ إِذَا كَانَ الْمُخَاطَبُ يَفْهَمُ شَخْصًا مُعَيَّنًا لِأَنَّ الْمَحْذُورَ تَفْهِيمُهُ دُونَ مَا بِهِ التَّفْهِيمُ، وَأَمَّا إِذَا لَمْ يَفْهَمْ عَيْنَهُ جَازَ وَتَمَامُهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ، وَفِيهَا الْغِيبَةُ أَنْ تَصِفَ أَخَاكَ حَالَ كَوْنِهِ غَائِبًا بِوَصْفٍ يَكْرَهُهُ

اور آنکھ کے اشارہ اور ہاتھ کے اشارہ کے ساتھ بھی ہوتی ہے۔ پس ہر وہ چیز جس کا مقصود سمجھا جا سکتا ہو تو وہ غیبت میں داخل ہوتی ہے جب کہ یہ حرام ہے۔ اسی میں سے وہ ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہمارے پاس ایک عورت آئی جب وہ واپس گئی تو میں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا یعنی وہ چھوٹے قد کی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو نے اس کی غیبت کی ہے(1)۔ اسی میں حکایت بیان کرنا ہے جیسے وہ لنگڑا ہو کر چلے یا جس طرح وہ شخص چلتا ہو تو یہ غیبت ہوگی بلکہ یہ زیادہ قبیح ہے۔ کیونکہ یہ تصویر اور تفہیم میں بڑھ کر ہے اور غیبت میں سے یہ ہے کہ وہ کہے: آج جو ہمارے پاس سے گزرا ان میں بعض یا جن کو ہم نے دیکھا ان میں سے ایک جب مخاطب معین شخص سمجھتا ہو۔ کیونکہ ممنوع اس شخص کی تفہیم ہے نہ کہ وہ ممنوع ہے جس کے ساتھ سمجھایا جا رہا ہے مگر جب معین شخص کو نہ سمجھا جائے تو یہ جائز ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ''شرح وہبانیہ'' میں ہے۔ اس میں ہے: غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کی ایسے وصف سے صفت بیان کرے جس کو وہ جب سنے تو ناپسند کرے۔

ہونٹوں، دونوں آبروؤں، منہ، زبان یا ہاتھ سے اشارہ یا ایما کرنا۔

33440۔ (قولہ: أَيْ قَصِيرَةٌ) یہ اومات کی تفسیر ہے۔ ''ط''۔

33441۔ (قولہ: اغْتَبْتِيهَا) یہ یا کے اشباع کے ساتھ ہے۔ ''ط''۔

غیبت کی تعریف

33442۔ (قولہ: الْغِيبَةُ أَنْ تَصِفَ أَخَاكَ) یعنی تو اپنے مسلمان بھائی کی صفت ذکر کرے اگرچہ وہ مر چکا ہو اسی طرح ذمی ہے۔ کیونکہ ذمی کا وہی حق ہے جو ہمارا ہے اور اس پر وہی لازم ہے جو ہم پر لازم ہے۔ مصنف نے متامن کی فصل میں یہ پہلے بیان کر دیا ہے کہ ہمارے پاس ایک سال ٹھہرنے اور اس پر جزیہ کے لازم ہونے کے بعد اس سے اذیت کو روکنا لازم ہے اور اس کی غیبت مسلمان کی غیبت کی طرح حرام ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ حربی کی کوئی غیبت نہیں۔

33443۔ (قولہ: حَالَ كَوْنِهِ غَائِبًا) یہ قید اس کے لغوی مفہوم سے ماخوذ ہے اور آنے والی حدیث میں اس کا ذکر نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ اگر اس کے سامنے اس کا ذکر کیا جائے تو وہ سب وشتم ہو تو وہ بھی حرام ہوگا۔ کیونکہ یہ اذیت میں غیبت کی

1۔ کنز العمال، حرف الغین الغیبۃ، جلد 3، صفحہ 589، حدیث نمبر 8040، (بالمعنی)

إِذَا سَمِعَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، أَتَدْرُونَ مَا الْغِيبَةُ؟ قَالُوا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيلَ أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ؟ قَالَ إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ اغْتَبْتَهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا: تیرا اپنے بھائی کا ذکر اس چیز سے کرنا جس کو وہ ناپسند کرتا ہو۔ عرض کیا: فرمائیے اگر میرے بھائی میں کچھ ہو جو میں کہتا ہوں؟ فرمایا: اگر اس میں وہ کچھ ہو جو تو کہتا ہے تو تو نے غیبت کی اگر وہ اس میں نہ ہو تو تو نے اس پر بہتان لگایا (1)۔

حالت سے زیادہ موثر ہے خصوصاً اس سے قبل کہ غیبت اس تک پہنچے جس کی غیبت کی گئی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (الحجرات: 11) ''اور نہ عیب لگاؤ ایک دوسرے پر'' کی دو تفسیروں میں سے ایک تفسیر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ایک آدمی میں جو عیب ہو اس کی عدم موجودگی میں اس کا ذکر کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے سامنے اس کا ذکر کرنا۔

33444۔ (قولہ: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ) امام ''مسلم'' نے اپنی صحیح میں اور ایک جماعت نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

33445۔ (قولہ: بِمَا يَكْرَهُ) خواہ نقص اس کے بدن، اس کے نسب، اس کی صورت، اس کے فعل، اس کے قول یا اس کے دین میں ہو یہاں تک کہ اس کے کپڑے، اس کے گھر یا اس کی سواری میں ہو جس طرح ''تبیین المحارم'' میں ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اس میں غور کیجئے اگر وہ چھوٹے بچے جو عاقل نہیں اس کا ذکر اس چیز سے کرے کہ جس کو وہ ناپسند کرتا اگر وہ عاقل ہوتا اور قریبی رشتہ داروں میں سے کوئی ایسا شخص نہیں جو اس سے اذیت حاصل کرے ''ابن حجر'' نے بچے اور مجنون کی غیبت کو جزم کے صیغوں کے ساتھ حرام ذکر کیا ہے۔

33446۔ (قولہ: فَقَدْ بَهَتَّهُ) یعنی تو نے اس کے متعلق بہتان لگایا ہے یعنی اس کے بارے میں عظیم جھوٹ بولا ہے۔ بہتان سے مراد ایسا باطل ہے جس کے بطلان اور جس کے ذکر کی شدت سے حیران ہوا جاتا ہے۔ ''شرح الشرعۃ'' میں اسی طرح ہے۔ اس میں ہے: سننے والا غیبت کے گناہ سے خارج نہیں ہوتا مگر جب وہ اپنی زبان سے انکار کرے یا اگر اسے خوف ہو تو وہ اپنے دل سے انکار کرے اگر وہ وہاں سے اٹھ آنے یا دوسری کلام کے ذریعے قطع کلامی پر قادر ہو تو وہ اسی طرح نہ کرے تو اس پر گناہ لازم ہوگا۔ ''الاحیاء'' میں اسی طرح ہے۔ جب کہ یہ وارد ہوا ہے کہ غیبت سننے والا غیبت کرنے والوں میں سے ایک ہے اور یہ وارد ہوا ہے: من ذب عن عرض اخیہ بالغیبۃ کان حقا علی اللہ تعالیٰ ان یعتقہ من النار (2)، جو آدمی کسی کی عدم موجودگی میں اس کی عزت کا دفاع کرے تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ اسے جہنم کی آگ سے آزادی دے۔

1۔ سنن ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الغیبۃ، جلد 2، صفحہ 33، حدیث نمبر 1857

2۔ الترغیب والترہیب، کتاب الادب، باب الترغیب من الغیبۃ، جلد 2، صفحہ 384، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَإِذَا لَمْ تَبْلُغْهُ يَكْفِيهِ النَّدَمُ وَإِلَّا شُرِطَ بَيَانُ كُلِّ مَا اغْتَابَهُ بِهِ
جب اس تک یہ نہ پہنچے تو اس کی شرمندگی کافی ہے ورنہ اس نے جو اس کی غیبت کی ہے اس کی وضاحت شرط ہے۔

اسے امام ''احمد'' نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اسے ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔

غیبت کرنے والے کی توبہ کا حکم

33447۔(قولہ: وَإِذَا لَمْ تَبْلُغْهُ الخ) یہ حدیث میں سے نہیں یہ کلام مستانفہ ہے۔ بعض علما نے فرمایا: جب غیبت پہنچنے سے پہلے غیبت کرنے والا توبہ کرے تو اس کی توبہ اسے نفع دے گی جب کہ اس نے اس سے اسے حلال نہ کر دیا ہو جس کی غیبت کی گئی تھی۔ جب توبہ کے بعد وہ غیبت اس تک پہنچی ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی توبہ باطل نہ ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اکٹھے بخش دے گا۔ پہلے کو توبہ کی وجہ سے اور دوسرے کو اس مشقت کی وجہ سے جو اسے لاحق ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ اس کی توبہ معلق ہوگی۔ اگر دوسرا غیبت کے پہنچنے سے قبل مر گیا تو اس کی توبہ صحیح ہو جائے گی اگر غیبت اس تک پہنچ گئی تو توبہ صحیح نہ ہوگی بلکہ ضروری ہوگا کہ وہ اس کو حلال کروائے اور بخشش طلب کرے۔

33448۔(قولہ: وَإِلَّا شُرِطَ بَيَانُ كُلِّ مَا اغْتَابَهُ بِهِ) یعنی توبہ اور استغفار کے ساتھ ایسا کام کرنا ہوگا۔ مراد یہ ہے کہ وہ اس کے لیے اس کی وضاحت کرے اور معذرت پیش کرے تا کہ وہ اس سے درگزر سے کام لے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس کی تعریف میں اور محبت کا اظہار کرنے میں مبالغہ کرے اور اس کے ساتھ ساتھ رہے یہاں تک کہ اس کا دل ناراضگی سے پاک ہو جائے۔ اگر اس کا دل پاک نہ ہو تو اس کا معذرت کرنا اور اس کا محبت کا اظہار کرنا یہ ایسی نیکی ہوگی جس کا آخرت میں غیبت کی سیئہ کا مقابلہ کیا جائے گا۔ اس پر یہ لازم ہوگا کہ وہ معذرت میں خلوص کا اظہار کرے ورنہ یہ ایک گناہ ہوگا۔ اور یہ احتمال موجود ہے کہ آخرت میں اس کے خصم کا مطالبہ اس پر باقی رہے۔ کیونکہ اگر اسے یہ علم ہو کہ وہ مخلص نہیں تو وہ اس پر راضی نہ ہوگا۔ یہ امام ''غزالی'' وغیرہ نے کہا ہے۔ یہ بھی کہا: اگر وہ غائب ہو گیا یا مر گیا تو اس کا امر فوت ہو جائے گا اور اس کا ازالہ نیکیوں کی زیادتی کے ساتھ ہوگا تا کہ قیامت میں اس سے عوض لیا جا سکے۔ ضروری ہے کہ وہ اس کی تفصیل بیان کرے مگر جب تفصیل اس کو نقصان دے جس طرح وہ اس کے مخفی عیوب کو ذکر کرے تو وہ اس سے مبہم انداز میں حلال کروائے۔

''منلا علی قاری'' نے شرح المشکاۃ میں کہا ہے: کیا اس کے لیے یہ کہنا کافی ہوگا میں نے تیری غیبت کی ہے تو میرے لیے اسے حلال کر دے (مجھے معاف کر دے) یا اس نے جو غیبت کی ہے اس کی وضاحت ضروری ہے؟ ہمارے بعض علماء نے کہا ہے: وہ اسے غیبت کے بارے میں آگاہ نہ کرے بلکہ وہ اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش کا طالب ہو اگر اسے یہ علم ہو کہ اس کا آگاہ کرنا فتنہ کھڑا کر دے گا۔ اس پر یہ امر دلالت کرتا ہے کہ مجہول حقوق سے بری کرنا ہمارے نزدیک جائز ہے۔ صاحب غیبت کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ اسے غیبت سے بری کر دے۔ ''القنیہ'' میں ہے: معذرت کے طور پر دونوں خصموں کا مصافحہ کرنا یہ حلال کرتا ہے۔ ''نووی'' میں کہا: میں نے ''فتاویٰ طحطاوی'' میں دیکھا ہے غیبت میں شرمندگی اور استغفار کافی ہے

(وَصِلَةُ الرَّحِمِ وَاجِبَةٌ وَلَوْ) كَانَتْ (بِسَلَامٍ وَتَحِيَّةٍ وَهَدِيَّةٍ) وَمُعَاوَنَةٍ وَمُجَالَسَةٍ وَمُكَالَمَةٍ وَتَلَطُّفٍ وَإِحْسَانٍ
صلہ رحمی واجب ہے اگر چہ یہ سلام کے ساتھ ہو، دعا کے ساتھ ہو، ہدیہ کے ساتھ ہو باہم مدد کے ساتھ ہو، ہم نشینی کے ساتھ ہو، باہم گفتگو کے ساتھ ہو اور لطف واحسان کے ساتھ ہو۔

اگر چہ غیبت اس تک پہنچ گئی ہو جس کی غیبت کی گئی ہو اور وارثوں کی طرف سے حلال کرنے کا کوئی اعتبار نہیں۔

صلہ رحمی کا وجوب

33449۔ (قولہ: وَصِلَةُ الرَّحِمِ وَاجِبَةٌ) ''قرطبی'' نے اپنی تفسیر میں امت کے اس اجماع کو ذکر کیا ہے کہ صلہ رحمی واجب ہے اور قطع رحمی حرام ہے۔ کیونکہ اس بارے میں کتاب وسنت کے دلائل قطعیہ ہیں۔ ''تبیین المحارم'' میں کہا: اس رشتہ کے بارے میں علما کا اختلاف ہے جس کے ساتھ صلہ رحمی واجب ہے۔ ایک قوم نے کہا: یہ ہر ذی رحم محرم کی رشتہ داری ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: ہر قریبی رشتہ دار خواہ محرم ہو یا نہ ہو۔

دوسری قوم کا یہ قول ہے کہ متن کے اطلاق کا ظاہر معنی مراد ہے۔ ''نووی'' نے ''شرح مسلم'' میں کہا: یہی صحیح ہے۔ اس پر کئی احادیث سے استدلال فرمایا ہے۔ ہاں اس کے درجات میں تفاوت ہے۔ والدین سے قطع رحمی دوسرے محارم سے شدید ہو گی یعنی اس کی حرمت زیادہ سخت ہو گی اور محارم کے قطع رحمی دوسرے رشتہ داروں کے بارے میں زیادہ سخت ہو گی۔ احادیث میں اس کی طرف اشارہ ہے جس طرح ''تبیین المحارم'' میں ہے۔

33450۔ (قولہ: وَلَوْ كَانَتْ بِسَلَامٍ الخ) ''تبیین المحارم'' میں کہا: اگر وہ غائب ہو تو بذریعہ مکتوب ان تک سلام پہنچائے۔ اگر ان تک جا سکتا ہو تو یہ افضل ہے۔ اگر اس کے والدین ہوں تو مکتوب کافی نہ ہوگا۔ اگر وہ دونوں اس کے آنے کی خواہش کریں۔ اسی طرح مکتوب کافی نہ ہوگا اگر وہ دونوں اس کی خدمت کے محتاج ہوں بڑا بھائی باپ کے بعد باپ کی طرح ہے۔ اسی طرح دادا ہے اگر چہ وہ بہت ہی اوپر چلا جائے۔ بڑی بہن اور خالہ صلہ رحمی میں ماں کی طرح ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: چچا باپ کی مثل ہے۔ ان کے علاوہ جو لوگ ہیں ان کے ساتھ صلہ رحمی خط لکھنے یا ہدیہ بھیجنے سے کافی ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

پھر یہ جان لو کہ صلہ رحمی سے مراد یہ نہیں ہے کہ تو ان کے ساتھ صلہ رحمی کرے جب وہ تیرے ساتھ صلہ رحمی کریں۔ کیونکہ یہ ادلے کا بدلہ ہے۔ بلکہ تو ان کے ساتھ صلہ رحمی کرے جب وہ تیرے ساتھ قطع رحمی کریں۔ امام ''بخاری'' وغیرہ نے روایت کیا ہے: لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمہ وصلھا (1)، صلہ رحمی کرنے والے وہ نہیں جو بدلہ میں صلہ رحمی کرے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس کے ساتھ قطع رحمی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب لیس الواصل الخ، جلد 3 صفحہ 407، حدیث نمبر 5532

وَيَزُورُهُمْ غِبًّا لِيَزِيدَ حُبًّا بَلْ يَزُورُ أَقْرِبَاءَهُ كُلَّ جُمُعَةٍ أَوْ شَهْرٍ وَلَا يَرُدُّ حَاجَتَهُمْ لِأَنَّهُ مِنَ الْقَطِيعَةِ فِي الْحَدِيثِ إِنَّ اللهَ يَصِلُ مَنْ وَصَلَ رَحِمَهُ وَيَقْطَعُ مَنْ قَطَعَهَا وَفِي الْحَدِيثِ صِلَةُ الرَّحِمِ تَزِيدُ فِي الْعُمْرِ

وہ وقفہ وقفہ سے ان کی ملاقات کرے تا کہ یہ عمل محبت میں اضافہ کا باعث ہو بلکہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں سے ہر جمعہ یا ہر ماہ ملاقات کرے اور ان کی حاجت کو رد نہ کرے۔ کیونکہ یہ قطع رحمی میں سے ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے: اللہ تعالیٰ اس پر احسان فرماتا ہے جو اپنے رشتہ داروں پر احسان کرتا ہے اور اس سے اپنے تعلق کو قطع کر دیتا ہے جو اسے قطع کرتا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے: صلہ رحمی عمر میں اضافہ کرتی ہے۔

صلہ رحمی کی فضیلت

33451۔(قولہ: وَيَزُورُهُمْ غِبًّا) غب کا لفظ جب کسرہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد شے کا انجام ہوتا ہے۔ ملاقات میں یہ ہے کہ ہر ہفتہ میں ایک دفعہ ہو اور بخار میں سے وہ بخار ہوتا ہے جو ایک دن بیمار کو بخار ہوتا ہے اور دوسرے دن نہیں ہوتا قاموس۔ لیکن ''شرح الشرعہ'' میں ہے: اس کی صورت یہ ہے کہ تو ایک دن اس سے ملاقات کرے اور ایک دن چھوڑ دے۔ لیکن جب اس میں تنگی کا پہلو موجود ہوتا ہے تو اس سے اس کی طرف عدول کیا جاتا ہے جو ایک دن چھوڑنے سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔ فرمایا: بلکہ وہ اپنے قریبیوں سے ہر جمعہ یا ہر ماہ میں ایک دفعہ ملاقات کرے جس طرح بعض روایات میں واقع ہوا ہے۔

33452۔(قولہ: تَزِيدُ فِي الْعُمُرِ) اسی طرح یہ رزق میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے۔ شیخین نے یہ حدیث نقل کی ہے: من احب من يبسط له في رزقه وينسأ فليصل رحمه(1) جو یہ پسند کرے کہ اس کے رزق کو فراخ کیا جائے اور اس کی اجل میں مہلت دی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے۔ ینسأ کا لفظ یا کے ضمہ اور سین مہملہ کی تشدید کے ساتھ اور ہمزہ کے ساتھ ہے یعنی اس کی موت میں تاخیر کر دی جائے گی۔ فقیہ ''ابولیث'' نے ''تنبیہ الغافلین'' میں کہا ہے: علماء نے عمر کی زیادتی میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اپنے ظاہر معنی پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اپنے ظاہر معنی پر نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَإِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ (الاعراف:34) جب آ جائے ان کا مقررہ وقت۔ بلکہ اس کا معنی ہے اس کی موت کے بعد اس کا ثواب لکھا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اشیاء بعض اوقات لوح محفوظ میں معلق لکھی جاتی ہیں جیسے اگر فلاں نے صلہ رحمی کی تو اس کی عمر اتنی ہو گی ورنہ اتنی ہو گی۔ شاید دعا، صدقہ اور صلہ رحمی ان میں سے ہیں پس حدیث آیت کے مخالف نہیں۔ ''شرح الشرعۃ'' میں ''شرح المشارق'' سے یہ زائد نقل کیا ہے یا یہ کہا جائے گا: مراد اس کے رزق میں برکت اور اس کے بعد اس کے ذکر جمیل کا باقی رہنا ہے۔ پس یہ زندگی کی طرح ہے یا یہ کہا جائے گا: حدیث کا آغاز صلہ رحمی پر ابھارنے میں مبالغہ کے طریقہ پر ہے یعنی اگر کوئی شے ایسی ہوتی جس کے ساتھ رزق اور اجل میں اضافہ کر دیا جاتا تو وہ صلہ رحمی ہوتی۔ ظاہر معنی تیسرا قول ہے۔ کیونکہ ''ضحاک بن مزاحم'' کی جانب سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: يَمْحُوا اللهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ (الرعد:39)

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب صلۃ الرحم، جلد 3، صفحہ 480، حدیث نمبر 4689

وَتَمَامُهُ فِي الدُّرَرِ (وَيُسَلِّمُ) الْمُسْلِمُ (عَلَى أَهْلِ الذِّمَّةِ) لَوْ لَهُ حَاجَةٌ إِلَيْهِ وَإِلَّا كُرِهَ هُوَ الصَّحِيحُ كَمَا كُرِهَ لِلْمُسْلِمِ مُصَافَحَةُ الذِّمِّيِّ كَذَا فِي نُسَخِ الشَّارِحِ وَأَكْثَرِ الْمُتُونِ

اس کی مکمل وضاحت ''الدرر'' میں ہے۔ اور مسلمان ذمی کو سلام کرے گا اگر اسے اس کی طرف حاجت ہو ورنہ یہ مکروہ ہوگا۔ یہی قول صحیح ہے جس طرح مسلمان کا ذمی سے مصافحہ کرنا مکروہ ہے۔ شارح کے نسخوں میں اور متون کے اکثر نسخوں میں

''مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اور باقی رکھتا ہے'' کی تفسیر میں اس پر تنبیہ ہے کہا: ایک آدمی صلہ رحمی کرتا ہے جب کہ اس کی عمر کے تین دن باقی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں تیس سال تک اضافہ کر دیتا ہے۔ بے شک ایک آدمی قطع رحمی کرتا ہے جب کہ اس کی عمر سے تیس سال باقی رہ جاتے ہیں۔ پس اس کی اجل کو تین دنوں کی طرف پھیر دیا جاتا ہے۔

33453۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِي الدُّرَرِ) اس میں کہا: ہر خاندان اور قبیلہ حق ظاہر کرنے میں باہم مدد کرنے اور دوسروں کے خلاف غلبہ پانے میں ایک ہاتھ کی طرح ہوتے ہیں۔ اس کی مکمل بحث ''الشرعۃ'' اور ''تبیین المحارم'' میں ہے۔

ذمی (غیر مسلم) کو سلام کرنے کا شرعی حکم اور سلام کرنے کا طریقہ

33454۔ (قولہ: وَيُسَلِّمُ الْمُسْلِمُ عَلَى أَهْلِ الذِّمَّةِ الخ) یہ غور کرنا چاہیے کیا یہ جائز ہے کہ وہ جمع کا لفظ لائے اگر ذمی ایک ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ لفظ مفرد لائے گا یہ اس سے اخذ کیا ہے جو رد میں آئے گا۔ تامل

لیکن ''الشرعۃ'' میں ہے: جب وہ ذمی کو سلام کرے تو وہ کہے: السلام علی من اتبع الھدی، اسی طرح جب انہیں خط لکھا جائے تو یہ انہیں لکھا جائے گا۔ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب تو یہودی یا نصرانی کو خط لکھے جب کہ تجھے کوئی کام ہو تو یہ لکھ: السلام علی من اتبع الھدی۔ اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔

33455۔ (قولہ: لَوْ لَهُ حَاجَةٌ إِلَيْهِ) یعنی اگر ذمی کی طرف اس کا کام ہو یہ اس مقام سے مفہوم ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں کہا: کیونکہ سلام سے جو نہی ہے وہ اس کی توقیر کی وجہ سے ہے اور اس کی کوئی توقیر نہیں جب سلام ضرورت کی بنا پر ہو۔

33456۔ (قولہ: هُوَ الصَّحِيحُ) اس کا مقابل یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اس میں کوئی تفصیل نہیں یہ وہی قول ہے جسے ''الخانیہ'' میں بعض مشائخ سے ذکر کیا ہے۔

ذمی سے مصافحہ کا شرعی حکم

33457۔ (قولہ: كَمَا كُرِهَ لِلْمُسْلِمِ مُصَافَحَةُ الذِّمِّيِّ) یعنی جب ضرورت نہ ہو تو مصافحہ مکروہ ہے۔ کیونکہ ''القنیہ'' میں ہے: مسلمان اپنے نصرانی پڑوسی سے مصافحہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں جب غائب رہنے کے بعد لوٹے اور مصافحہ کو ترک کرنے کی وجہ سے اسے اذیت لاحق ہوتی ہو، تامل۔ جب وہ چھینک مارے اور الحمد للہ کہے تو کیا یرحمك اللہ کہے؟ ''حموی'' نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ وہ ایسا نہ کرے۔ لیکن عنقریب یہ آئے گا کہ وہ کہے: یھدیك اللہ، اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت دے۔

33458۔ (قولہ: وَأَكْثَرِ الْمُتُونِ) یہ مجرور ہے اس کا عطف ''الشرح'' پر ہے۔ یعنی متون کے اکثر نسخے۔ یعنی ایسے

بِلَفْظِ وَيُسَلِّمُ فَأَوَّلْتُهَا هٰكَذَا وَلٰكِنْ بَعْضُ نُسَخِ الْمَتْنِ وَلَا يُسَلِّمُ وَهُوَ الْأَحْسَنُ الْأَسْلَمُ فَافْهَمْ وَفِي شَرْحِ الْبُخَارِيِّ لِلْعَيْنِيِّ فِي حَدِيثِ أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ قَالَ وَهٰذَا التَّعْمِيمُ مَخْصُوصٌ بِالْمُسْلِمِينَ، فَلَا يُسَلِّمُ ابْتِدَاءً عَلَى كَافِرٍ لِحَدِيثِ لَا تَبْدَءُوا الْيَهُودَ وَلَا النَّصَارَى بِالسَّلَامِ فَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي طَرِيقٍ فَاضْطَرُّوهُ إِلَى أَضْيَقِهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَكَذَا يَخُصُّ مِنْهُ الْفَاسِقَ

ویسلم کا لفظ ہے۔ میں نے اسکی تاویل اسی طرح کی ہے۔ لیکن متن کے بعض نسخوں میں ہے: ولا یسلم وہ سلام نہیں کرے گا۔ یہی زیادہ احسن اور زیادہ محفوظ ہے۔ فافہم۔ "عینی کی "شرح بخاری" میں حدیث: ای الاسلام خیر میں ہے فرمایا: تو کھانا کھلائے، جسے تو پہچانتا ہے اور جسے تو نہیں پہچانتا اسے سلام کہے۔ کہا: یہ تعمیم مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے پس وہ کافر کو ابتداءً سلام نہ کرے۔ کیونکہ حدیث طیبہ ہے: یہودیوں اور نصرانیوں کو ابتداءً سلام نہ کرو جب تم راستہ میں ان میں سے کسی کو ملو تو اسے اس کے سب سے تنگ حصہ کی طرف مجبور کرو (1) اسے "بخاری" نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح ایک اور دلیل سے اس حکم سے فاسق کو

متون جو شرح سے علیحدہ ہیں اس کو جمع ذکر کیا یہ اس کے اشخاص کے اعتبار سے ہے ورنہ مراد تنویر کا متن ہوگا اس کے علاوہ نہیں۔

33459۔ (قولہ: بِلَفْظِ وَيُسَلِّمُ) متن و شرح میں مصنف کی تحریر اسی طرح ہے۔ "رملی"۔

33460۔ (قولہ: فَأَوَّلْتُهَا هٰكَذَا) یعنی حاجت کے ساتھ مقید ہے تا کہ متن صحیح پر جاری ہو۔

33461۔ (قولہ: وَهُوَ الْأَحْسَنُ) کیونکہ حکم اصلی منع ہے اور جواز عاری حاجت کی وجہ سے ہے اور ان کا قول الاسلم شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ مطلقاً سلام نہ کرے تو وہ کسی ممنوع میں واقع نہیں ہوگا۔ جب وہ مطلقاً سلام کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ تامل

33462۔ (قولہ: أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ) یعنی اسلام کے خصال میں سے کون سی خصلت سب سے بہتر ہے۔ "ط"۔

33463۔ (قولہ: تُطْعِمَ) یہ ان یطعم کی تاویل میں ہے اس میں اور وجوہ اس قول میں آئیں گی جن کو نحویوں نے ذکر کیا ہے۔ تسمع بالمعیدی خیر من ان تراہ۔ تیرا معیدی کو سننا اس کے دیکھنے سے بہتر ہے۔

33464۔ (قولہ: وَتَقْرَأُ) یہ لفظ قراءت سے مشتق ہے اقراء سے مشتق نہیں۔ "ط"۔

کافر کو ابتداءً سلام کرنا جائز نہیں

33465۔ (قولہ: لِحَدِيثِ لَا تَبْدَءُوا الْيَهُودَ وَلَا النَّصَارَى بِالسَّلَامِ) کثیر نسخوں میں یہ زیادتی پائی جاتی ہے فاذا لقیتم احدھم فی طریق فاضطروہ الی اضیقہ اسے "بخاری" نے روایت کیا ہے۔

33466۔ (قولہ: وَكَذَا يَخُصُّ مِنْهُ الْفَاسِقَ) یعنی اگر وہ فاسق معلن ہو یعنی وہ اعلانیہ فسق کرتا ہو ورنہ مکروہ نہ ہوگا

1۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب النہی عن ابتداء اہل الکتاب السلام، جلد 3، صفحہ 204، حدیث نمبر 4080

بِدَلِيلٍ آخَرَ، (وَأَمَّا مَنْ شَكَّ فِيهِ فَالْأَصْلُ فِيهِ الْبَقَاءُ عَلَى الْعُمُومِ حَتَّى يَثْبُتَ الْخُصُوصُ، وَيُمْكِنُ أَنْ يُقَالَ إنَّ الْحَدِيثَ الْمَذْكُورَ كَانَ فِي ابْتِدَاءِ السَّلَامِ لِمَصْلَحَةِ التَّأْلِيفِ ثُمَّ وَرَدَ النَّهْيُ فَلْيُحْفَظْ وَلَوْ سَلَّمَ يَهُودِيٌّ أَوْ نَصْرَانِيٌّ أَوْ مَجُوسِيٌّ عَلَى مُسْلِمٍ فَلَا بَأْسَ بِالرَّدِّ (وَ) لَكِنْ (لَا يَزِيدُ عَلَى قَوْلِهِ وَعَلَيْك) كَمَا فِي الْخَانِيَّةِ (وَلَوْ سَلَّمَ عَلَى الذِّمِّيِّ

خارج کیا جائے گا مگر جس کے بارے میں شک ہو تو اس میں اصل یہ ہے کہ اسے عموم پر باقی رکھا جائے گا یہاں تک کہ خصوصی حکم ثابت ہو۔ یہ کہنا ممکن ہے: مذکورہ حدیث ابتداء اسلام میں تھی۔ کیونکہ تالیف قلوب کی مصلحت تھی پھر نہی وارد ہوگئی۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ اگر کوئی یہودی، نصرانی یا مجوسی کسی مسلمان کو سلام کرے تو اس کا جواب دینے میں کوئی حرج نہیں مگر وہ اپنے علیک کے قول سے زائد کلام نہ کرے جس طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔ اگر وہ کسی ذمی کو اس کی تعظیم بجالانے کے لیے سلام

جس طرح عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔

اگر کسی کے بارے میں شک ہو کہ وہ مسلم ہے یا غیر مسلم تو اسے سلام کرنے کا شرعی حکم

33467۔ (قولہ: وَأَمَّا مَنْ شَكَّ فِيهِ) یعنی اس کے بارے میں یہ شک ہو کہ وہ مسلمان ہے یا غیر مسلم ہے؟ مگر جب اس کے فاسق یا صالح ہونے میں شک ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا بلکہ مسلمانوں کے بارے میں خیر کا گمان کیا جائے گا۔ ''ط''۔

33468۔ (قولہ: عَلَى الْعُمُومِ) یہ عموم آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ماخوذ ہے: سَلِّمْ علی من عرفت و من لم تعرف، جسے تو پہچانتا ہے اور جسے تو نہیں پہچانتا اسے سلام۔ ''ط''۔

33469۔ (قولہ: إنَّ الْحَدِيثَ) یعنی پہلی حدیث کا عموم ذمی کو جامع ہونے کا فائدہ دے گا۔

33470۔ (قولہ: لِمَصْلَحَةِ التَّأْلِيفِ) یعنی لوگوں کے دلوں کو مائل کرنا اور زبان سے اور احسان سے مسائل کرنے کا مدعا یہ ہے کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔

33471۔ (قولہ: ثُمَّ وَرَدَ النَّهْيُ) یعنی دوسری حدیث میں نہی وارد ہوئی ہے جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت و غلبہ عطا فرما دیا۔

33472۔ (قولہ: فَلَا بَأْسَ بِالرَّدِّ) اس سے متبادر یہ ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ یہ معدوم ہو۔ ''ط''۔ لیکن ''تاتر خانیہ'' میں ہے جب کوئی ذمی سلام کرے تو چاہیے اس کو جواب دیا جائے ہم اسی کو اپناتے ہیں۔

33473۔ (قولہ: وَلَكِنْ لَا يَزِيدُ عَلَى قَوْلِهِ وَعَلَيْك) کیونکہ بعض اوقات وہ کہتا ہے: السام علیکم یعنی تم پر موت ہو۔ جس طرح بعض یہودیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: و علیك (1) (تجھ پر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بددعا کو اسی کی طرف لوٹا دیا۔ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مسلمان علیک کہے گا اس سے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاستیذان، باب کیف یرد علی اہل الذمۃ السلام، جلد 3، صفحہ 503، حدیث نمبر 5787

تَبْجِيلًا يَكْفُرُ) لِأَنَّ تَبْجِيلَ الْكَافِرِ كُفْرٌ وَلَوْ قَالَ لِمَجُوسِيٍّ يَا أُسْتَاذُ تَبْجِيلًا كَفَرَ كَمَا فِي الْأَشْبَاهِ وَفِيهَا لَوْ قَالَ لِذِمِّيٍّ أَطَالَ اللهُ بَقَاءَكَ إِنْ نَوَى بِقَلْبِهِ لَعَلَّهُ يُسْلِمُ أَوْ يُؤَدِّي الْجِزْيَةَ ذَلِيلًا فَلَا بَأْسَ بِهِ۔ (وَلَا يَجِبُ رَدُّ سَلَامِ السَّائِلِ) لِأَنَّهُ لَيْسَ لِلتَّحِيَّةِ وَلَا مَنْ يُسَلِّمُ وَقْتَ الْخُطْبَةِ خَانِيَّةٌ وَفِيهَا وَإِذَا أَتَى دَارَ إِنْسَانٍ يَجِبُ أَنْ يَسْتَأْذِنَ قَبْلَ السَّلَامِ، ثُمَّ إِذَا دَخَلَ يُسَلِّمُ أَوَّلًا ثُمَّ يَتَكَلَّمُ، وَلَوْ فِي فَضَاءٍ يُسَلِّمُ أَوَّلًا

کرے تو کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ کافر کی تعظیم بجالانا کفر ہے۔ اگر اس نے کسی مجوسی سے کہا: اے استاذ مقصود اس کی تعظیم تھا تو یہ کفر ہوگا جس طرح ''اشباہ'' میں ہے۔ اس میں ہے: اگر وہ کسی ذمی کو کہے: اللہ تعالیٰ تجھے طویل عرصہ تک باقی رکھے۔ اگر اس نے دل سے یہ نیت کی ہو کہ شاید وہ مسلمان ہو جائے یا ذلیل ہونے کی حیثیت سے جزیہ ادا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ سائل کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔ کیونکہ وہ سلام تحیہ کے لیے نہیں اور نہ ہی اس کے سلام کا جواب دینا واجب ہے جب وہ خطبہ کے وقت سلام کرے، ''خانیہ''۔ اس میں ہے: جب کوئی آدمی کسی انسان کے گھر آئے تو یہ واجب ہے کہ وہ سلام سے قبل اجازت طلب کرے پھر جب وہ داخل ہو جائے تو پہلے سلام کرے پھر کلام کرے۔ اگر وہ کھلی جگہ ہو تو پہلے سلام کرے

سلام کا ارادہ کرے گا۔ کیونکہ حدیث مرفوع ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اذا سلموا علیکم فردوا علیهم (1)، جب وہ تم پر سلام کریں تو تم ان پر لوٹا دو۔

33474۔ (قولہ: تَبْجِيلًا) ''المنح'' میں کہا: یہ قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر یہ اس طرح نہ ہو بلکہ صحیح غرض کی بنا پر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی یہ کفر ہوگا۔

33475۔ (قولہ: إِنْ نَوَى بِقَلْبِهِ) مگر جب وہ کسی شے کی نیت نہ کرے تو یہ مکروہ ہوگا جس طرح ''المحیط'' میں ہے۔ ''بیری'' نے اس کی ''نظائر'' سے اخذ کرتے ہوئے کہا: یہ مکروہ نہ ہوگا۔ نص کے بعد اس کی طرف ہی رجوع ہوگا۔ ظاہر یہ ہے کہ ذمی قید نہیں۔ ''ط''۔

اپنے اور کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہونے کا طریقہ

33476۔ (قولہ: وَإِذَا أَتَى دَارَ إِنْسَانٍ الخ) ''فصول علامی'' میں ہے: اگر وہ اپنے اہل پر داخل ہو تو پہلے سلام کرے پھر کلام کرے اگر وہ کسی اور کے گھر میں آئے تو داخل ہونے کے لیے تین دفعہ اجازت طلب کرے ہر بار کہے: السلام علیکم یا اهل البیت کیا فلاں داخل ہو سکتا ہے؟ ہر بار کے بعد وہ اتنی دیر ٹھہرے جس قدر کھانا کھانے والا، وضو کرنے والا اور نماز چار رکعات سے فارغ ہو جائے۔ جب اسے اجازت دی جائے تو داخل ہو جائے ورنہ کینہ اور عداوت سے پاک واپس آ جائے۔ صاحب خانہ نے جسے بلایا ہو اس پر اجازت طلب کرنا واجب نہیں۔ جب گھر سے ندا کی جائے: دروازے پر کون ہے تو وہ یہ نہ کہے: میں۔ کیونکہ یہ جواب نہیں بلکہ وہ یہ کہے کیا فلاں داخل ہو سکتا ہے؟ اگر اسے کہا جائے:

1۔ المصنف لابن ابی شیبہ، باب فی رد السلام، جلد 5، صفحہ 250، حدیث نمبر 25765

ثُمَّ يَتَكَلَّمُ وَلَوْ قَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا زَيْدُ لَمْ يَسْقُطْ بِرَدِّ غَيْرِهِ، وَلَوْ قَالَ يَا فُلَانُ أَوْ أَشَارَ لِمُعَيَّنٍ سَقَطَ

پھر کلام کرے۔ اگر وہ کہے: اے زید تجھ کو سلام تو غیر کے جواب دینے سے اس سے جواب ساقط نہیں ہوگا۔ اگر وہ کہے: اے فلاں یا معین کی طرف اشارہ کرے تو کسی اور کے جواب دینے سے اس شخص سے جواب ساقط ہو جائے گا۔

نہیں۔ تو وہ دل میں کوئی میل لائے بغیر لوٹ آئے۔ جب وہ اجازت کے ساتھ داخل ہو تو وہ پہلے سلام کرے پھر کلام کرے اگر چاہے۔ اگر وہ گھر میں داخل ہو جس میں کوئی بھی نہ ہو تو وہ کہے: السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین، تو فرشتے اس کو سلام کا جواب دیتے ہیں اگر وہ اسے گھر سے باہر ملے تو پہلے سلام کرے پھر گفتگو کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: السلام قبل الکلام (1)، سلام کلام سے پہلے ہے۔ اگر وہ سلام سے پہلے کلام کرے تو وہ اسے جواب نہ دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من تکلم قبل السلام فلا تجیبوہ (2)، جو سلام سے پہلے کلام کرے تو اس کو جواب نہ دو۔ وہ قوم کو سلام کرے جب ان پر داخل ہو اور جب ان سے جدا ہو تو جس نے اس طرح کیا تو وہ آدمی ہر اس خیر میں شامل ہوگا اس کے بعد جو وہ خیر کا عمل کریں گے اگر وہ دن میں ان سے بار بار ملے اور بار بار جدا ہو اور ان کے درمیان اور اس کے درمیان کوئی درخت، دیوار حائل ہو تو وہ نئے سرے سے سلام کرے۔ کیونکہ یہ رحمت کا موجب ہوتا ہے۔ وہ سلام سے عہد اسلام کی تجدید کا ارادہ کرے کہ مومن اپنی عزت اور مال میں اس سے اذیت نہ پائے جب کوئی آدمی کسی مومن کو سلام کرے تو اس مومن پر اس کی عزت اور مال میں سے کوئی شے بھی حرام ہوگی اور ایک آدمی مسجد میں داخل ہو اور بعض لوگ نماز پڑھ رہے ہیں اور بعض نماز نہیں پڑھ رہے تو وہ سلام کرے اگر وہ سلام نہ کرے تو سنت کو ترک کرنے والا نہیں ہوگا۔

33477۔ (قولہ: وَلَوْ قَالَ يَا فُلَانُ) یعنی اس لفظ کے ساتھ وہ کلام کرے۔ لیکن ''خانیہ'' کی عبارت کی نص یہ ہے: ایک آدمی ایک قوم میں بیٹھا ہوا تھا تو ایک آدمی نے انہیں سلام کیا اور کہا: فلاں تجھ پر سلام تو کچھ لوگوں نے اسے سلام کا جواب دیا تو اس سے سلام ساقط ہو جائے گا جس کو سلام کیا گیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اگر اس نے آدمی کا نام لیا تو اس نے کہا: اے زید تجھ پر سلام تو عمرو نے اسے جواب دیا تو زید سے سلام کا جواب ساقط نہیں ہوگا۔ اگر وہ نام نہ لے اور وہ کہے: تجھ پر سلام اور ایک آدمی کی طرف اشارہ کرے اور کوئی دوسرا آدمی جواب دے تو جس کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اس سے سلام ساقط ہو جائے گا۔ ''الخلاصہ'' وغیرہا میں اس تفصیل کو یقین سے بیان کیا ہے۔

33478۔ (قولہ: سَقَطَ) کیونکہ اس کا ارادہ سب کو سلام کرنا ہے۔ یہ جائز ہے کہ واحد کے خطاب کے ساتھ جماعت کی طرف اشارہ کیا جائے، ''ہندیہ''۔ ''تبیین المحارم'' میں ہے: اگر وہ جماعت پر سلام کرے اور ان کے علاوہ کوئی جواب دے تو اس قوم سے اس کا جواب ساقط نہیں ہوگا۔ ''ط''۔

1۔ سنن ترمذی، کتاب الاستیذان، باب ما جاء فی السلام قبل الکلام، جلد 2، صفحہ 368، حدیث نمبر 2623

2۔ کنز العمال، باب السلام، فصل فی محظورات السلام، جلد 9، صفحہ 129، حدیث نمبر 25336

وَشُرِطَ فِي الرَّدِّ وَجَوَابُ الْعُطَاسِ إِسْمَاعُهُ فَلَوْ أَصَمَّ يُرِيهِ تَحْرِيكَ شَفَتَيْهِ قُلْتُ وَفِي الْمُبْتَغَى وَيَسْقُطُ عَنِ الْبَاقِينَ بِرَدِّ صَبِيٍّ يَعْقِلُ لِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ إِقَامَةِ الْفَرْضِ فِي الْجُمْلَةِ بِدَلِيلِ حِلِّ ذَبِيحَتِهِ وَقِيلَ لَا وَفِي الْمُجْتَبَى وَيَسْقُطُ بِرَدِّ الْعَجُوزِ وَفِي رَدِّ الشَّابَّةِ وَالصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ قَوْلَانِ وَظَاهِرُ التَّاجِيَّةِ تَرْجِيحُ عَدَمِ السُّقُوطِ وَيُسَلِّمُ عَلَى الْوَاحِدِ بِلَفْظِ الْجَمَاعَةِ وَكَذَا الرَّدُّ وَلَا يَزِيدُ الرَّادُّ عَلَى وَبَرَكَاتُهُ

سلام کا جواب دینے اور چھینک کا جواب دینے میں شرط یہ ہے کہ اس کو جواب سنایا جائے۔ اگر وہ بہرہ ہو تو اسے ہونٹوں کی حرکت دکھائے۔ میں کہتا ہوں: ''المبتغی'' میں ہے: ایک بچہ جو سمجھ بوجھ رکھتا ہو وہ جواب دے دے تو باقی ماندہ سے یہ فریضہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ فی الجملہ فرض ادا کرنے کے اہل ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کا ذبیحہ حلال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: باقی ماندہ افراد سے فرض ساقط نہیں ہوگا۔ ''مجتبیٰ'' میں ہے: بوڑھی عورت جواب دے تو فرض ساقط ہو جائے گا اور نوجوان عورت، بچے اور مجنون کے جواب دینے میں دو قول ہیں ''تاجیہ'' کا ظاہر معنی یہ ہے ساقط نہ ہونے کو ترجیح دی ہے اور وہ ایک فرد کو جماعت کے لفظ کے ساتھ سلام کرے گا اسی طرح جواب بھی ہوگا۔ جواب دینے والا وبرکاتہ سے زائد کچھ نہیں کہے گا

سلام کا جواب دینے اور چھینک کا جواب دینے میں شرط

33479۔ (قولہ: وَشُرِطَ فِي الرَّدِّ الخ) یعنی جس طرح جواب اسی وقت واجب ہوتا ہے جب اس کو سلام سنائے۔ ''تاتر خانیہ''۔

33480۔ (قولہ: فَلَوْ أَصَمَّ يُرِيهِ تَحْرِيكَ شَفَتَيْهِ) ''شرح الشرعہ'' میں ہے: یہ جان لو کہ علما نے کہا، سلام سنت ہے اور دوسرے کو یہ سنانا مستحب ہے۔ اس کا جواب فرض کفایہ ہے۔ جواب کو سنانا واجب ہے اس طرح کہ اگر نہ سنائے تو یہ فرض سامع سے ساقط نہیں ہوگا یہاں تک کہ کہا جائے: اگر مسلمان بہرہ ہو تو جواب دینے والے پر واجب ہوگا کہ وہ اپنے ہونٹوں کو حرکت دے اور اسے دکھائے اس حیثیت سے کہ وہ بہرہ نہ ہوتا تو وہ اس کو سن لیتا۔

33481۔ (قولہ: بِدَلِيلِ حِلِّ ذَبِيحَتِهِ) یعنی حالانکہ اس میں تکبیر پڑھنا فرض ہے جب کہ بچے کا ذبیحہ جائز قرار دیا گیا ہے۔ بچوں کو سلام کرنے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ سلام نہیں کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سلام کرنا افضل ہے۔ فقیہ نے کہا: ہم اس کو اپناتے ہیں۔ ''تاتر خانیہ''۔ جہاں تک عورت کو سلام کرنے اور اس کو چھینک کا جواب دینے کا تعلق ہے تو النظر والمس والی فصل میں اس بارے میں کلام گزر چکی ہے۔

33492۔ (قولہ: بِلَفْظِ الْجَمَاعَةِ) کیونکہ ہر آدمی کے ساتھ دو کراما کاتبین فرشتے ہیں تو ہر ایک گویا تین افراد ہیں۔ ''تاتر خانیہ''۔

سلام اور سلام کے جواب میں وبرکاتہ پر زیادتی جائز نہیں

33483۔ (قولہ: وَكَذَا الرَّدُّ وَلَا يَزِيدُ الرَّادُّ عَلَى وَبَرَكَاتُهُ) ''تاتر خانیہ'' میں کہا: مسلمان کے لیے افضل یہ ہے کہ

وَرَدُّ السَّلَامِ وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ عَلَى الْفَوْرِ
سلام کا جواب اور چھینک مارنے والے کو جواب فوری دینا ہوگا۔

کہے: السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ اور جواب دینے والا اسی طرح جواب دے گا۔ اور نہیں چاہیے کہ وہ برکات کے لفظ پر کسی شے کا اضافہ کرے۔ وعلیکم میں واؤ عاطفہ لائے اگر وہ اس کو حذف کر دے تو یہ جائز ہوگا۔ اگر سلام کا آغاز کرنے والا کہے: سلام علیکم یا السلام علیکم کہے: تو جواب دینے والے کے لیے دونوں صورتوں میں جائز ہے کہ کہے: سلام علیکم یا السلام علیکم۔ لیکن الف لام ذکر کرنا اولیٰ ہے۔

سلام اور چھینک کے جواب میں بلا عذر تاخیر مکروہ تحریمی ہے

33484۔ (قولہ: وَرَدُّ السَّلَامِ وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ عَلَى الْفَوْرِ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے اگر وہ عذر کے بغیر جواب کو موخر کرے گا تو یہ مکروہ تحریمی ہوگا۔ سلام کا جواب دینے سے گناہ ختم نہیں ہوگا بلکہ تو بہ کرنے سے گناہ ختم ہوگا'' ط''۔ ''تبیین المحارم'' میں ہے: چھینک مارنے والے کو جواب دینا اکثر علماء کے نزدیک یہ فرض کفایہ ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ سنت ہے بعض ظاہریہ کے نزدیک یہ فرض عین ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان اللہ یحب العطاس و یکرہ التثاوب فاذا اعطس حمد اللہ فحق علی کل مسلم سمعہ ان یشمتہ (1) رواہ ''البخاری''۔ اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتا ہے اور جمائی کو ناپسند فرماتا ہے جب وہ چھینک مارے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرے تو ہر وہ مسلمان جو اس کو سنے اس پر فرض ہے کہ اس کا جواب دے۔ اسے امام ''بخاری'' نے روایت کیا ہے۔ تشمیت کا لفظ شین معجمہ یا سین مہملہ کے ساتھ ہے یہ خیر و برکت کی دعا ہے چھینک مارنے والا جواب کا مستحق ہوگا جب وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے۔ مگر جب وہ حمد نہ کرے تو وہ دعا کا مستحق نہ ہوگا۔ کیونکہ چھینک اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ پس جو اپنی چھینک کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد نہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر بجانہ لائے۔ اور نعمت کی ناشکری دعا کی مستحق نہیں ہوتی چھینک مارنے کے بعد اسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے یا کہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ کہے: الحمد للہ علی کل حال۔

علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ چھینک مارنے والا کیا کہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کہے: یرحمک اللہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کہے: الحمد للہ تعالیٰ اور چھینک مارنے والا جواب دینے والے کو کہے: یھدیک اللہ۔ اگر چھینک مارنے والا کافر ہو پس وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے تو جواب دینے والا کہے: یھدیک اللہ، اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت دے۔ جب بار بار چھینک آئے تو علماء نے کہا: تین دفعہ اسے جواب دے پھر خاموش ہو جائے۔ ''قاضی خان'' نے کہا: اگر وہ تین دفعہ سے زیادہ چھینک مارے تو وہ ہر دفعہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے جو اس کے پاس موجود ہو تو ہر بار اسے جواب دے تو یہ بھی اچھا ہے۔ چاہیے کہ چھینک مارنے والا جواب دینے والے کو کہے: غفر اللہ لی ولکم اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں بخشے۔ یا وہ کہے: اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب مایستحب من العطاس، جلد 3، صفحہ 488، حدیث نمبر 5755

....

اور تمہارے معاملات کو درست کرے۔ اس کے علاوہ وہ کچھ نہ کہے۔ جس کو چھینک آئے اس کو چاہیے کہ وہ حمد کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کرے یہاں تک کہ جو لوگ اس کے پاس موجود ہیں وہ اسے سن لیں۔ اگر بعض حاضر ہیں جواب دیں تو یہ ان سب کی جانب سے کافی ہو جائے گا۔ افضل یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک حدیث کے ظاہر کے مطابق قول کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب کوئی آدمی چھینک مارے اور اس سے کسی نے حمد نہ سنی ہو تو جو شخص اس کے پاس حاضر ہے وہ کہے: یرحمك الله ان کنت حمدت الله تعالیٰ تجھ پر رحم کرے اگر تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرے۔ جب وہ دیوار کی دوسری جانب چھینک مارے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرے تو یہ اس شخص پر جواب دینا واجب ہے جو اس کو سنے۔

''فصول العلامی'' میں ہے: سامع کے لیے مستحب ہے کہ وہ چھینک مارنے والے سے اللہ تعالیٰ کی حمد میں سبقت لے جائے۔ کیونکہ حدیث طیبہ ہے: من سبق العاطس بالحمد لله امن من الشوص واللوص والعلوص (1)۔ جو چھینک مارنے والے سے الحمدللہ میں سبقت لے گیا تو وہ داڑھ کے درد، کان کے درد اور بدہضمی سے امن میں ہو گیا۔ شوص اور لوص پہلے حرف کے فتحہ کے ساتھ ہیں اور علوص یہ عین مکسورہ، لام مشددہ مفتوحہ، واؤ ساکنہ اور سب کے آخر میں صاد مہملہ کے ساتھ ہے۔ ''طبرانی'' کی ''اوسط'' میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: من عطس عندہ فسبق بالحمد لم یشتك خاصرته (2)، جس نے اس کے پاس چھینک ماری پس وہ حمد کرنے میں سبقت لے گیا تو وہ اپنے پہلو میں درد کی شکایت نہیں کرے گا۔ ''ابن عساکر'' نے یہ نقل کیا ہے: من سبق العاطس بالحمد وقاہ الله وجع الخاصرة ولم یرفی فیه مکرها حتی یخرج من الدنیا (3)۔ جو چھینک مارنے والے سے حمد کہنے میں سبقت لے گیا اللہ تعالیٰ اسے پہلو کے درد سے محفوظ رکھے گا اور وہ اپنے منہ میں کوئی ناپسندیدہ چیز نہیں دیکھے گا یہاں تک کہ دنیا سے نکل جائے۔ بعض علماء نے پہلی حدیث کو اشعار میں نظم کیا ہے:

مَنْ یبتدی عاطسًا بالحمد یامنُ مِن شوص ولوص و علوص کذا وردا

عنیت بالشوص داء الراس ثم بما یلیه ذا البطن والضرس اتبع اشدا

جو چھینک مارنے والے سے حمد کہنے میں آغاز کر جاتا ہے تو وہ شوص، لوص اور علوص سے محفوظ رہتا ہے۔ اسی طرح وارد ہوا ہے۔

میں نے شوص سے مراد سر کا درد لیا ہے پھر جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے وہ بطن والا ہے اور داڑھ، ہدایت کی پیروی کر۔

''المغرب'' میں ہے: شوص سے مراد داڑھ کا درد، لوص سے مراد کان کا درد، علوص سے مراد بدہضمی ہے۔ ''شرعہ'' میں کہا: چھینک مارتے وقت وہ اپنے سر کو جھکا لے، اپنے چہرے کو ڈھانپ لے اور اپنی آواز کو پست کرے۔ کیونکہ چھینک کے ساتھ

1۔ تفسیر قرطبی، سورۃ البقرہ زیر آیت، للفقراء الذین احصروا فی سبیل الله،

2۔ کنز العمال، الباب فی العطاس، جلد 9، صفحہ 164، حدیث نمبر 25544

3۔ کنز العمال، الباب فی العطاس والتشمیت، جلد 9، صفحہ 164، حدیث نمبر 25545

وَيَجِبُ رَدُّ جَوَابِ كِتَابِ التَّحِيَّةِ كَرَدِّ السَّلَامِ وَلَوْ قَالَ لِآخَرَ اِقْرَأْ فُلَانًا السَّلَامَ يَجِبُ عَلَيْهِ ذٰلِكَ، وَيُكْرَهُ السَّلَامُ عَلَى الْفَاسِقِ

مکتوب کے سلام کا جواب دینا واجب ہے جس طرح سلام کا جواب دینا واجب ہے اگر سلام کا جواب دینے والا دوسرے کو کہے: فلاں کو سلام کہنا: تو اس پر سلام دینا واجب ہو جائے گا۔ فاسق اگر معلن ہو تو اسے سلام کہنا مکروہ ہے

چیخنا حماقت ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے: العطسة عند الحديث شاهد عدل(1)۔ گفتگو کے وقت چھینک (اس کی صداقت کی) شاہد عادل ہے۔ عاطس اب یا اشہب کا لفظ نہ کہے کیونکہ یہ شیطان کا نام ہے۔

مکتوب کے سلام کا جواب دینا واجب ہے

33485۔ (قولہ: وَيَجِبُ رَدُّ جَوَابِ كِتَابِ التَّحِيَّةِ) کیونکہ غائب کی جانب سے مکتوب حاضر کی جانب سے خطاب کے قائم مقام ہے، ''مجتبیٰ''۔ لوگ اس سے غافل ہیں۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: اس سے یہ متبادر معنی سمجھ آتا ہے کہ مراد مکتوب کے سلام کا جواب ہے مکتوب کا جواب واجب نہیں۔ لیکن ''سیوطی'' کی ''جامع صغیر'' میں ہے۔ مکتوب کا جواب دینا حق ہے جس طرح سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ اس کے شارح ''مناوی'' نے کہا: یعنی جب کوئی مکتوب میں تجھے سلام لکھے اور وہ مکتوب تجھ تک پہنچ جائے تو الفاظ یا مراسلہ کے ذریعے تجھ پر جواب واجب ہوگا۔ شافعیہ کی جماعت نے اس امر کی تصریح کی ہے۔ یہ حضرت ''ابن عباس'' رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے۔ ''نووی'' نے کہا: اگر کوئی شخص کسی شخص کی جانب سے سلام لایا یعنی وہ ایک ورقہ میں تھا تو فوری جواب واجب ہوگا۔ اور یہ مستحب ہے کہ وہ سلام پہنچانے والے کو جواب دے جس طرح ''نسائی'' نے اسے نقل کیا ہے۔ اور مکتوب کا جواب متاکد ہو جائے گا اگر وہ اسے ترک کر دے تو بعض اوقات یہ عمل کینوں کو جنم دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ اشعار کہے:

اذا كَتَبَ الخليلُ اِلَى الخليلِ فَحَقٌّ واجبٌ ردُّ الجوابِ
اذا الاخوان فَاتَهم التلاقى فما صلة باحسن من كتاب

جب ایک دوست دوست کو مکتوب بھیجے تو جواب دینا حق اور واجب ہے۔
جب بھائیوں میں ملاقات فوت ہو جائے تو مکتوب سے بہتر کوئی تعلق نہیں۔

اگر سلام کا جواب دینے والا دوسرے سے کہے: فلاں کو سلام کہنا تو اس کا شرعی حکم

33486۔ (قولہ: يَجِبُ عَلَيْهِ ذٰلِكَ) کیونکہ یہ امانت اس کے مستحق تک پہنچانا ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ اس وقت ہے جب وہ اس کے برداشت کرنے پر راضی ہو۔ تامل۔ پھر میں نے ''شرح المناوی'' میں ''ابن حجر'' سے مروی دیکھا: تحقیق یہ ہے کہ اگر قاصد نے اسے اپنے اوپر لازم کیا تھا تو یہ امانت کے مشابہ ہوگا ورنہ یہ ودیعت ہوگی۔ یعنی اس پر یہ واجب

1۔ مسند فردوس دیلمی، جلد 3، صفحہ 84، حدیث نمبر 4237

لَوْ مُعْلِنًا وَإِلَّا لَا كَمَا يُكْرَهُ عَلَى عَاجِزٍ عَنِ الرَّدِّ حَقِيقَةً كَآكِلٍ أَوْ شَرْعًا كَمُصَلٍّ وَقَارِئٍ وَلَوْ سَلَّمَ لَا يَسْتَحِقُّ الْجَوَابَ

ورنہ مکروہ نہیں ہوگا جس طرح اس شخص کو سلام کہنا مکروہ ہے جو حقیقت کے اعتبار سے سلام کا جواب دینے سے عاجز ہو جیسے وہ کھانا کھا رہا ہو یا شرع کے اعتبار سے سلام کا جواب نہ دے سکتا ہو جیسے نمازی اور قرآن کی تلاوت کرنے والا اگر وہ سلام کرے تو وہ جواب کا مستحق نہ ہوگا۔

نہیں ہوگا کہ سلام پہنچانے کے لیے وہ جائے جس طرح ودیعت میں ہے۔ ''شرنبلالی'' نے کہا: اسی طرح حکم ہوگا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اس شخص کی طرف سے سلام پہنچائے جس نے اسے یہ حکم دیا تھا۔ یہ بھی کہا: یہ مستحب ہے کہ وہ سلام پہنچانے والے کو بھی جواب دے اور وہ کہے: علیك و علیه السلام۔ تجھ پر اور اس پر سلام ہو۔ اس کی مثل مصنف کی شرح ''تحفۃ الاقران'' میں ہے۔ یہ زائد ذکر کیا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ واجب ہے۔ لیکن ''تاتر خانیہ'' میں کہا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث ذکر کی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے کسی غائب کی جانب سے کسی انسان کو سلام پہنچایا تو اس پر واجب ہے کہ وہ پہلے سلام پہنچانے والے کو جواب دے پھر اس غائب کو سلام کا جواب دے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ واجب ہے۔ تامل

فاسق معلن کو سلام کہنا مکروہ ہے

33487۔ (قولہ: لَوْ مُعْلِنًا) پہلے جو ''عینی'' سے قول نقل کیا ہے یہ اس کی تخصیص ہے۔ ''فصول العلامی'' میں ہے: اس شخص کو سلام نہ کرے جو مزاح کرنے والا کذاب اور لغو گفتگو کرنے والا ہو اور نہ ہی اسے سلام کرے جو لوگوں کو گالیاں دیتا ہو یا اجنبی عورتوں کے چہروں کو دیکھتا ہو۔ اور نہ ہی فاسق معلن کو سلام کرے۔ اور نہ ہی اسے سلام کرے جو گانا گاتا ہو اور نہ ہی اسے جو کبوتر اڑاتا ہو جب تک ان کی توبہ معروف نہ ہو۔ اور ایسی قوم جو معصیت میں مبتلا ہو اس کو سلام کرے اور انہیں سلام کرے جو شطرنج کھیل رہا ہو جب کہ نیت یہ ہو کہ انہیں اس عمل سے غافل کر دے جس میں وہ مبتلا ہیں۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ مکروہ ہے تاکہ ان کی حقارت بیان کی جائے۔

33488۔ (قولہ: كَآكِلٍ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ اس حالت کے ساتھ خاص ہے جب وہ منہ میں لقمہ رکھے ہوئے ہو اور وہ اسے چبا رہا ہو۔ جہاں تک اس سے پہلے یا اس کے بعد کا تعلق ہے تو جواب سے عاجز نہ ہونے کی وجہ سے مکروہ نہیں۔ شافعیہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ ''وجیز کردری'' میں ہے: وہ ایک ایسی جماعت کے پاس سے گزرے جو کھانا کھا رہے تھے اگر وہ ضرورت مند ہو اور وہ یہ پہچانتا ہو کہ وہ اس کھانے کی دعوت دیں گے تو انہیں سلام کرے ورنہ وہ سلام نہ کرے۔ یہ قول اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ کھانا کھانے والے پر مطلقاً سلام کرنا مکروہ ہے مگر جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔ ''ط''۔

33489۔ (قولہ: وَلَوْ سَلَّمَ لَا يَسْتَحِقُّ الْجَوَابَ) میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' میں ہے: اگر وہ تلاوت کی حالت میں

وَقَدَّمْنَا فِي بَابِ مَا يُفْسِدُ الصَّلَاةَ كَرَاهَتَهُ فِي نَيِّفٍ وَعِشْرِينَ مَوْضِعًا وَأَنَّهُ لَا يَجِبُ رَدُّ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِجَزْمِ الْمِيمِ وَلَوْ دَخَلَ وَلَمْ يَرَ أَحَدًا

باب ما یفسد الصلاۃ میں ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ بیس سے زائد مقامات ایسے ہیں جہاں سلام کرنا مکروہ ہے اور جو سلام کرنے والا اسلام کے میم کو مجزوم پڑھے تو اس کو جواب دینا واجب نہیں اگر وہ کسی جگہ داخل ہو اور کسی کو نہ دیکھے

سلام کرے تو مختار مذہب یہ ہے کہ جواب دینا واجب ہے۔ خطبہ اذان اور فقہ کی تکرار کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر وہ سلام کرے گا تو وہ گنہگار ہوگا۔ ''تاتر خانیہ''۔ اس میں ہے: صحیح یہ ہے کہ وہ ان مواقع پر جواب نہ دے۔

قاری کے معاملہ میں تصحیح میں اختلاف ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے وہ تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد جواب دے یا آیت مکمل کرنے کے بعد جواب دے۔ ''الاختیار'' میں ہے: جب قاضی مسجد کے کونے میں فیصلہ کے لیے بیٹھے تو وہ مدعی اور مدعی علیہ پر سلام نہ کرے اور نہ وہ قاضی کو سلام کریں۔ کیونکہ وہ حکم کے لیے بیٹھا ہے اور سلام ملاقاتیوں کا سلام ہے۔ پس اسے چاہیے کہ وہ اس کام میں مصروف ہو جس کے لیے وہ بیٹھا ہے۔ اگر وہ قاضی کو سلام کریں تو اس پر جواب دینا واجب نہیں ہوگا۔ اس تعبیر کی بنا پر جو اپنے شاگردوں کو فقہ کی تعلیم دینے کے لیے بیٹھا اور انہیں قرآن کی تعلیم دینے کے لیے بیٹھا تو کوئی آدمی اس کے پاس آیا اور سلام کیا تو اسے گنجائش ہوگی کہ وہ اسے جواب نہ دے۔ کیونکہ وہ تعلیم کے لیے بیٹھا ہے سلام کا جواب دینے کے لیے نہیں بیٹھا۔

اگر کوئی سلام کے میم کو مجزوم پڑھے تو اسے جواب دینا واجب نہیں

33490۔ (قولہ: بِجَزْمِ الْمِيمِ) زیادہ بہتر یہ عبارت تھی: بسکون المیم۔ ''طحطاوی'' نے کہا ہے: گویا سلام کا جواب دینا اس لیے واجب نہیں۔ کیونکہ وہ اس سنت کے خلاف ہے جو ترکیب عربی (عربی جملہ) میں واقع ہے۔ اس کی مثل حکم ہوگا اس صورت میں جب ال اور تنوین کو وہ جمع کرے۔ بجزم المیم کی قید سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر وہ ال سے مجرد حرف کو تنوین دے جس طرح جنتیوں کو فرشتوں کا سلام ہوگا تو جواب دینا واجب ہوگا پس اس کے دو صیغے ہیں۔ ہم نے پہلے ''تاتر خانیہ'' سے جو قول نقل کیا ہے یہ اس کا ظاہر معنی ہے۔ پھر میں نے ''الظہیریہ'' میں دیکھا ہے تمام مواقع میں لفظ سلام السلام علیکم یا سلام علیکم ہے۔ ان دونوں کے بغیر جس طرح جہال کہتے ہیں تو وہ سلام نہیں ہوگا۔ ''شرنبلالی'' نے اپنے رسالہ، جو مصافحہ کے متعلق ہے، میں کہا: وہ سلام کا آغاز علیک السلام سے نہ کرے نہ ہی علیکم السلام سے کرے۔ کیونکہ ''سنن ابی داؤد'' اور ''ترمذی'' وغیرہ میں صحیح اسناد سے حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے کہا: علیک السلام یا رسول اللہ۔ فرمایا: لا تقل علیك السلام فان علیك السلام تحیة الموتی (1)۔ تو علیک السلام نہ کہہ۔ کیونکہ علیک السلام مردوں کا سلام ہے۔ ''ترمذی'' نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس سے یہ اخذ کیا جاتا ہے جو

1۔ کنز العمال، کتاب السلام و فضائلہ واحکامہ وآدابہ، جلد 9، صفحہ 126، حدیث نمبر 25318

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

آدمی ان الفاظ سے سلام کا آغاز کرتا ہے۔ اس کا جواب دینا واجب نہیں۔ کیونکہ اس میں انہوں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سلام کا جواب دیا بلکہ اس سے منع کیا ہے یہ ان تین احتمالات سے ایک ہے۔ جسے امام ''نووی'' نے ذکر کیا ہے۔ پس یہ راجح ہو جائے گا کہ یہ سلام نہیں ہے۔ ورنہ اسے آپ سلام کا جواب دیتے پھر اسے تعلیم دیتے جس طرح جس نے اپنی نماز کو غلط انداز میں ادا کیا تھا تو اسے لوٹایا تھا پھر اسے تعلیم دی تھی اگر وہ واؤ کا اضافہ کرے اور وہ سلام کا آغاز اپنے اس قول کے ساتھ کرے: وعلیکم السلام، تو جواب کا مستحق نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ صیغہ ابتدا بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا پس یہ سلام نہیں ہو گا۔ ائمہ شافعیہ سے متولی نے یہ قول کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''تاتر خانیہ'' میں ''فقیہ ابو جعفر'' سے منقول ہے: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب جب بازار سے گزرتے تو کہتے: سلام اللہ علیکم۔ اس بارے میں ان سے عرض کی گئی تو انہوں نے فرمایا: سلام کہنا تحیہ ہے اور اس کا جواب دینا فرض ہے جب وہ جواب نہ دیں تو امر بالمعروف واجب ہے۔ جہاں تک سلام اللہ علیکم کا تعلق ہے تو یہ دعا ہے تو ان پر کوئی شے لازم نہیں اور نہ ہی مجھ پر کوئی شے لازم ہوتی ہے۔ پس اس وجہ سے میں اسے اختیار کرتا ہوں۔

میں کہتا ہوں: جو گزر چکا ہے اس کے ساتھ یہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ جواب دینا واجب اس وقت ہوتا ہے جب وہ السلام علیکم یا سلام علیکم سے کلام کا آغاز کرے اور ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جواب دینے والا دونوں صورتوں میں کہے: سلام علیکم یا السلام علیکم۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جو ابتدا کی صلاحیت رکھتا ہے وہ جواب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن دونوں میں جو افضل ہے تو اسے پہچان چکا ہے۔

تتمہ

''تاتر خانیہ'' میں کہا: جو تیرے پیچھے آئے گا وہ تجھے سلام کرے گا، پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے گا، سوار پیدل کو سلام کرے گا اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے گا۔ جب دونوں ملیں تو دونوں میں سے افضل ان سے پہل کرے گا، اگر دونوں اکٹھے سلام کریں تو ہر ایک جواب دے گا۔ ''حسن'' نے کہا: قلیل کثیر کو سلام کریں۔ اس میں ہے: سلام سنت ہے۔ جو سوار ہو وہ عام راستہ میں پیدل چلنے والے کو سلام کرے گا یا جو جنگل میں ہوگا یہ امان کے طور پر ہوگا۔ ''بزازیہ'' میں ہے: شہر سے آنے والا اسے سلام کرے گا جو دیہات میں سے اسے ملے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ دیہاتی شہری کو سلام کرے گا۔ ''تبیین المحارم'' میں ہے: امام ''نووی'' نے کہا: یہ ادب اس صورت میں ہے جب وہ دونوں راستہ میں ملیں۔ مگر جب وہ بیٹھنے والے افراد پر وارد ہو تو آنے والا ہر حال میں سلام کا آغاز کرے۔ خواہ وہ چھوٹا ہو، بڑا ہو یا زیادہ ہو۔ ''طبرانی'' میں اسی طرح ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: قواعد اس کے موافق ہیں۔ علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ ان دونوں میں سے اجر کے اعتبار سے کون افضل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سلام کا جواب دینے والا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سلام کہنے والا، ''محیط''۔ اگر

يَقُولُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ فَرْعٌ يُكْرَهُ إِعْطَاءُ سَائِلِ الْمَسْجِدِ إِلَّا إِذَا لَمْ يَتَخَطَّ رِقَابَ النَّاسِ فِي الْمُخْتَارِ كَمَا فِي الِاخْتِيَارِ وَمَتْنِ مَوَاهِبِ الرَّحْمَنِ

تو وہ کہے: السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین۔ فرع: مسجد کے سائل کو کوئی چیز عطا کرنا مکروہ ہے مگر جب وہ لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے یہ مذہب کے مطابق ہے جس طرح ''الاختیار'' اور ''مواہب الرحمٰن'' کے متن میں ہے۔

ایک ہی مجلس میں دوسری دفعہ سلام کرے تو دوسرے سلام کا جواب واجب نہیں ہوگا ''تاتر خانیہ''۔ اس میں ''عمرو بن شعیب'' سے وہ اپنے باپ سے وہ دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اذا اتیتم المجلس فسلموا علی القوم واذا رجعتم فسلموا علیهم فان التسلیم عند الرجوع افضل من التسلیم الاول (1)۔ جب تم مجلس میں آؤ تو قوم کو سلام کرو جب تم لوٹو تو انہیں سلام کرو۔ کیونکہ لوٹنے کے وقت سلام کرنا یہ پہلے سلام سے افضل ہے۔

اگر کوئی شخص کسی جگہ داخل ہو اور کسی کو نہ پائے تو اس کا حکم

33491۔ (قولہ: وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ) پس وہ ان فرشتوں جو اس کے ساتھ ہیں، صالح جنوں جو حاضر ہیں وغیرہم کو سلام کرنے والا ہوگا۔ علماء نے کہا: جن اسی امر کے مکلف ہیں جن کے ہم مکلف ہیں اس کا مقتضا یہ ہے کہ ان پر واجب ہے کہ اسے جواب دیں۔ اور وہ اس حکم سے نہیں نکل سکتے مگر جب وہ جواب سنائیں میں نے اس کا حکم نہیں دیکھا۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: انہیں لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ انس اور ہم جنس ہونا موجود نہیں اس کا الاعلان سے تھوڑا پہلے ظاہر اس کا رد کیا ہے، فتدبر۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ صیغہ اس میں سے ہے جس کے سامع پر اس کا جواب دینا واجب ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی خطاب نہیں اور یہ سابقہ صیغوں میں سے نہیں ورنہ اس کا جواب اس پر واجب ہوتا انسانوں میں سے جو اسے سنتا یہ نقل صریح کا محتاج ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ نقل صریح موجود نہیں۔ جنوں پر بدرجہ اولیٰ جواب دینا واجب نہیں بلکہ محض یہ دعا ہے جس طرح یہ دعا ہے اور جس طرح اس صیغہ میں ہے جسے بعض اصحاب ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔

مسجد کے سائل کو کوئی چیز عطا کرنے کا شرعی حکم

33492۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا لَمْ يَتَخَطَّ) یعنی وہ نمازیوں کے سامنے سے نہ گزرے۔ ''الاختیار'' میں کہا: اگر وہ نمازیوں کے سامنے سے گزرے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگے تو یہ مکروہ ہوگا۔ کیونکہ یہ لوگوں کو اذیت دینے پر مدد کرنا ہوگا یہاں تک کہ یہ کہا گیا ہے: یہ ایک ایسا فلس ہے کہ ستر فلس بھی اس کا کفارہ نہیں بن سکتے۔ ''طحطاوی'' نے کہا ہے: کراہت گردن پھلانگنے کی وجہ سے ہے جسے غالباً اذیت لازم ہوتی ہے۔ جب وہاں کشادگی ہو تو وہ اس کشادگی سے گزرے تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہوگی جس طرح اس کے مفہوم سے ماخوذ ہے۔

1۔ الترغیب والترہیب مترجم، کتاب الادب، باب السلام، جلد 2، صفحہ 331 مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لِأَنَّ عَلِيًّا تَصَدَّقَ بِخَاتَمِهِ فِي الصَّلَاةِ فَمَدَحَهُ اللهُ بِقَوْلِهِ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ (أَحَبُّ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللهِ تَعَالَى عَبْدُ اللهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ) وَجَازَ التَّسْمِيَةُ بِعَلِيٍّ وَرَشِيدٍ مِنَ الْأَسْمَاءِ الْمُشْتَرَكَةِ وَيُرَادُ فِي حَقِّنَا غَيْرُ مَا يُرَادُ فِي حَقِّ اللهِ تَعَالَى

کیونکہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے حالت نماز میں اپنی انگوٹھی صدقہ کی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے قول وہ زکوٰۃ دیتے ہیں جب کہ وہ رکوع کرنے والے ہوتے ہیں کے ساتھ مدح فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہے اور علی اور رشید نام رکھنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ اسماء مشترکہ میں سے ہے۔ ہمارے حق میں ان سے جو مراد لی جاتی ہے وہ اس کا غیر ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حق میں مراد لی جاتی ہے۔

33493۔ (قولہ: فِي الصَّلَاةِ) یہ مسجد میں تھی تو دلیل مکمل ہوگئی یا جب یہ نماز میں جائز ہے جب کہ نماز سب سے افضل عمل ہے تو یہ مسجد میں بھی جائز ہو جب کہ مسجد نماز سے درجہ میں کم ہے۔ ''ط''۔

پسندیدہ نام

33494۔ (قولہ: أَحَبُّ الْأَسْمَاءِ الخ) یہ حدیث کے الفاظ ہیں جس حدیث کو امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی وغیرہم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا ہے (1)۔ ''مناوی'' نے کہا: عبداللہ مطلقاً افضل ہے یہاں تک کہ یہ عبدالرحمٰن سے افضل ہے اور ان دونوں ناموں کے بعد افضل محمد ہے پھر احمد اور پھر ابراہیم ہے۔ ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا: ان دو اسموں عبداللہ اور عبدالرحمٰن کے ساتھ وہ اسماء لاحق ہوں گے جو ان کی مثل ہیں جیسے عبدالرحیم، عبدالملک اور ان مذکورہ دونوں ناموں سے نام رکھنے میں فضیلت کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ جو عبودیت سے نام رکھنے کا ارادہ کرے۔ کیونکہ عرب عبدالشمس اور عبدالدار نام رکھا کرتے تھے۔ یہ اس کے منافی نہیں کہ محمد اور احمد نام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دوسرے ناموں سے زیادہ محبوب ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے اسی کو اختیار کیا ہے جو اس کے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔ یہی صحیح ہے۔ اسے اطلاق پر محمول کرنا جائز نہیں اور یہ روایت وارد ہے: من ولد له مولود فسماه محمدا كان هو و مولوده في الجنة (2) جس کا بچہ پیدا ہو اور وہ اس بچے کا نام محمد رکھے تو وہ اور اس کا بچہ جنت میں ہوں گے۔ ''ابن عساکر'' نے اسے حضرت ''امام'' سے مرفوع نقل کیا ہے۔ ''سیوطی'' نے کہا: یہ بہترین حدیث ہے جو اس باب میں وارد ہوئی ہے۔ اس کی سند حسن ہے۔ ''سخاوی'' نے کہا: جہاں تک ان کا قول ہے خیر الاسماء ما عبد و ما حمد میں اس کو نہیں جانتا۔

33495۔ (قولہ: وَجَازَ التَّسْمِيَةُ بِعَلِيٍّ الخ) جو ''تاتر خانیہ'' میں ''سراجیہ'' سے مروی ہے: اس اسم سے نام رکھنا جو کتاب اللہ میں موجود ہے جیسے علی، کبیر، رشید اور بدیع جائز ہے۔ اسی کی مثل ''المنح'' میں اس سے منقول ہے۔ اس کا ظاہر معنی

1۔ جامع الاحادیث للسیوطی ہمزہ مع الحاء، جلد 1، صفحہ 102، حدیث نمبر 530، مطبوعہ دار الفکر

2۔ کنز العمال، الباب السابع فی بر الاولاد و حقوقهم، الفصل الاول فی الاسماء والکنی، جلد 16، صفحہ 422، حدیث نمبر 45223

لَكِنَّ التَّسْمِيَةَ بِغَيْرِ ذٰلِكَ فِي زَمَانِنَا أَوْلَى لِأَنَّ الْعَوَّامَ يُصَغِّرُونَهَا عِنْدَ النِّدَاءِ كَذَا فِي السِّرَاجِيَّةِ وَفِيهَا (وَمَنْ كَانَ اسْمُهُ مُحَمَّدًا لَا بَأْسَ بِأَنْ يُكَنَّى أَبَا الْقَاسِمِ) لِأَنَّ قَوْلَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكَنَّوْا بِكُنْيَتِي قَدْ نُسِخَ لِأَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَنَّى ابْنَهُ مُحَمَّدَ بْنَ الْحَنَفِيَّةِ أَبَا الْقَاسِمِ

لیکن ہمارے زمانہ میں اس کے علاوہ سے نام رکھنا اولیٰ ہے کیونکہ لوگ ندا کے وقت اسے حقیر کر کے پکارتے ہیں۔ ''السراجیہ'' میں یہ اسی طرح ہے۔ جس کا نام محمد ہو اس کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنی کنیت ابو القاسم رکھے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت پر کنیت نہ رکھو (1) یہ منسوخ ہو چکا ہے۔ کیونکہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے ''محمد بن حنیفہ'' کی کنیت ابو القاسم رکھی۔

یہ ہے کہ یہ جائز ہے اگر چہ معرف باللام ہو۔

اسمائے حسنیٰ کی تصغیر قصداً ہو تو کفر ہے

33496۔ (قولہ: لَكِنَّ التَّسْمِيَةَ الخ) ''ابو لیث'' نے کہا: میں عجمیوں کے لیے اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ وہ عبد الرحمٰن اور عبد الرحیم نام رکھیں۔ کیونکہ وہ اس کی تفسیر نہیں جانتے اور وہ تصغیر کے ساتھ نام رکھتے ہیں'' تاتر خانیہ''۔ یہ ہمارے زمانہ میں مشہور ہے۔ کیونکہ جس کا نام عبد الرحیم، عبد الکریم یا عبد العزیز ہوتا ہے جب وہ بلاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: رحیم، کریم، عزیز وہ اسے تصغیر کی یا کی تشدید کے ساتھ پکارتے ہیں۔ جس کا نام عبد القادر ہو وہ اسے قویدر کے نام سے پکارتے ہیں۔ ارادہ کے ساتھ ہو تو یہ کفر ہے۔ ''منیہ'' میں ہے: جس نے اداۃ تصغیر عبد العزیز وغیرہ اسماء کے آخر میں لاحق کیا۔ جو ان اسماء میں سے ہو جو اسماء حسنیٰ میں سے کسی کی طرف مضاف ہو اگر یہ عمداً ہو تو یہ کفر ہے۔ اگر وہ یہ نہ جانتا ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور نہ ہی اس کا قصد ہو تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ جو آدمی اس سے اس قسم کا لفظ سنے تو اس پر فرض ہے کہ وہ اسے اس کی تعلیم دے بعض لوگ کہتے ہیں: رحمٰن یہ اس کے لیے کہتے ہیں جس کا نام عبد الرحمٰن ہو۔ بعض ترکمانیوں کی طرح جس کا نام محمد ہو اسے حمور اور جس کا نام حسن ہو اسے حسو کہتے ہیں۔ اس میں غور کرو کیا یہ کہا جائے گا: ان کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اس وجہ سے آخری دو نام ترک کر دیں۔

حدیث شریف ولا تکنوا بکنیتی منسوخ ہو چکی ہے

33497۔ (قولہ: وَلَا تَكَنَّوْا) یہ لفظ نون مشددہ مفتوحہ کے ساتھ ہے اس کی ماضی تکنی ہے۔ اس میں دو تاؤں میں سے ایک تا حذف ہے۔ یعنی اس کی وجہ یہ ہے یہودی یوں ندا کیا کرتے تھے: یا ابا القاسم۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متوجہ ہوتے تو وہ کہتے: ہم آپ کا ارادہ نہیں کرتے تھے'' ط''۔ لیکن ان کا قول ماضی تکنی اس کا صحیح مضارع تکنی ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

33498۔ (قولہ: قَدْ نُسِخَ) شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ سابقہ نہی کی علت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جہان فانی سے پردہ فرمانے سے زائل ہو چکی ہے۔ تامل

1۔ صحیح بخاری، کتاب العلم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 111، حدیث نمبر 107

....

تتمہ

ایسے نام سے نام رکھنا جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں اس کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا ذکر کیا اور نہ مسلمان اس کو استعمال کرتے ہیں تو علماء نے اس بارے میں گفتگو کی ہے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ اس طرح نہ کرے۔ روایت بیان کی گئی ہے: جب تم میں کسی کا بچہ پیدا ہو جائے اور وہ مر جائے تو وہ اس کو دفن نہ کرے یہاں تک کہ اس کا نام رکھے (1) اگر وہ مذکر ہو تو مذکر نام رکھے اگر مونث ہو تو مونث نام رکھے۔ اگر معروف نہ ہو تو وہ نام رکھے جو دونوں کے مناسب ہو۔ اگر وہ اپنے چھوٹے بچے کی کنیت ابوبکر وغیرہ رکھے تو بعض علماء نے اسے مکروہ کہا ہے اور عام علماء نے اس کو مکروہ قرار نہیں دیا۔ کیونکہ لوگ اس سے فال لیتے ہیں۔ ''تاتر خانیہ''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبیح اسم کو حسن اسم کی طرف تبدیل کر دیتے تھے (2)۔ ایک آدمی آیا جس کا نام اصرم تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام زرعہ رکھا۔ ایک اور آیا اس کا نام مضطجع تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام منبعث رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک بیٹی تھی جس کا نام عاصیہ تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام جمیلہ رکھا۔ غلام کا نام یسار، رباح اور نجاح نہیں رکھا جائے گا اور نہ افلح اور نہ ہی برکت رکھا جائے۔ یہ پسندیدہ نہیں کہ انسان کہے: تیرے ہاں برکت ہے تو تو کہے: نہیں۔ اسی طرح باقی ماندہ اسماء ہیں اس کا نام حکیم نہ رکھے اور نہ ابا الحکم رکھے اور نہ ابوعیسیٰ اور نہ عبد فلاں نام رکھے۔ اور نہ ہی ایسا نام رکھے جس میں تزکیہ کا پہلو موجود ہو جیسے رشید، امین۔ ''فصول العلامی'' میں ہے: کیونکہ حکم اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے نہ اب کو اس کی طرف مضاف کرنا مناسب ہے اور نہ ہی عیسیٰ کی طرف اسے مضاف کرنا مناسب ہے۔

میں کہتا ہوں، ان کے قول ولا عبد فلان سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ عبد النبی نام رکھنا ممنوع ہے۔ ''مناوی'' نے ''دمیری'' سے نقل کیا ہے: جواز کا قول کیا گیا ہے جب نسبت کی تشریف کا قصد کیا جائے۔ اکثر علما اس سے منع کرتے ہیں کیونکہ عبدیت کے اعتقاد کا خوف ہوتا ہے جس طرح عبد الدار نام رکھنا جائز نہیں اور ان کے قول ولا بما فیہ تزکیۃ اس سے اس جیسے اسماء سے منع لازم آتا ہے جیسے محی الدین، شمس الدین۔ ساتھ ہی اس میں جھوٹ ہے بعض مالکیہ نے اس کے ممنوع ہونے میں ایک کتاب لکھی ہے۔ ''قرطبی'' نے ''شرح الاسماء الحسنیٰ'' میں اس کی تصریح کی ہے اور ایک عالم نے یہ اشعار کہے:

أَرَى الدِّيْنَ يَسْتَحِيِي مِنَ اللهِ أَنْ يُرَى وَ هذا له فخرٌ و ذاك نصير

فقد كثرت فى الدينِ القابُ عُصبةٍ هم فى مراعى المُنْكَراتِ حميرُ

وانى اجلّ الدينَ عن عزه بهم واعلمُ ان الذنب فيه كبير

میں دین کو دیکھتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں دیکھا جائے کہ یہ اس کے لیے فخر ہے وہ اس کا مددگار ہے دین میں جماعتوں کے نام بہت زیادہ ہو گئے ہیں جب کہ وہ منکرات کی چراگاہوں میں گدھے ہیں۔ میں دین کی عزت کرتا ہوں

1۔ المحیط البرہانی، فصل فی تسسیۃ الاولاد و کناھم فصل، جلد 24، صفحہ 382، دار الکتب العلمیہ

2۔ سنن ترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی تغییر الاسماء، جلد 2، صفحہ 421، حدیث نمبر 2764

(وَيُكْرَهُ أَنْ يَدْعُوَ الرَّجُلُ أَبَاهُ وَأَنْ تَدْعُوَ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا بِاسْمِهِ) بِلَفْظِهِ (وَ) فِيهَا يُكْرَهُ (الْكَلَامُ فِي الْمَسْجِدِ

یہ مکروہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے باپ کو اس کے نام سے اور کوئی عورت اپنے خاوند کو اس کے نام سے پکارے۔ اس میں ہے: مسجد میں،

اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی وجہ سے اسے عزت ملی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بڑا گناہ ہے۔

امام ''نووی'' سے منقول ہے کہ آپ اس شخص کو ناپسند کرتے تھے جو اپنا نام محی الدین رکھے اور وہ کہتے: جو آدمی مجھے اس نام سے پکارے میں اسے حلال قرار نہیں دیتا۔ اس کی طرف عارف باللہ شیخ سنان مائل ہوئے ہیں یہ انہوں نے اپنی کتاب ''تبیین المحارم'' میں کہا ہے۔ اور جو اس قسم کے ناموں سے قرآن میں منع کیا گیا ہے اور جھوٹ بولنے سے منع کیا گیا ہے۔ کہا: اس کی مثل وہ کلمات ہیں جو ترکی زبان میں کہے جاتے ہیں۔ آفندی، سلطانم وغیرہ۔ پھر کہا: اگر یہ کہا جائے: یہ مجازات ہیں یہ اعلام کی طرح ہو گئے ہیں پس یہ کلمات تزکیہ سے خارج ہیں۔

جواب اس کا یہ ہے: اس کا رد وہ چیز کرتی ہے جس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ جب کسی شخص کو اس کے اسم علم سے ندا کی جاتی ہے تو وہ اس شخص پر ناراض ہوتا ہے جو اس کو ندا کرتا ہے تو اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ تذکیہ باقی ہے۔ کبار صحابہ اور ان کے علاوہ میں ایک دوسرے کو ان کے ناموں سے بلایا کرتے اور اس وجہ سے ان کی ناپسندیدگی منقول نہیں اگر اس میں علم اور اس کے اہل کی ترک تعظیم کا پہلو نکلتا تو وہ ان کو اس سے منع کر دیتے جو انہیں ندا کرتے انہوں نے طویل گفتگو کی ہے چاہیے کہ اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

کسی شخص کا اپنے باپ کو یا عورت کا اپنے خاوند کو اس کے نام سے پکارنا مکروہ ہے

33499۔ (قولہ: وَيُكْرَهُ أَنْ يَدْعُوَ الخ) بلکہ ایسا لفظ ضروری ہے جو تعظیم کا فائدہ دے جیسے یا سیدی وغیرہ۔ کیونکہ ان دونوں کا بچے اور بیوی پر حق زیادہ ہے۔ یہ تزکیہ میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اس کی طرف راجع ہے جس کو بلایا جا رہا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنی صفت اس چیز سے بیان کرے جو تزکیہ کا فائدہ دے نہ کہ اس داعی کی طرف راجع ہے جس سے اس کا ادب بجالانا مطلوب ہے جو درجہ میں اس سے بڑھ کر ہے۔

33500۔ (قولہ: وَ فِيهَا) یعنی ''سراجیہ''۔

وہ مقامات جہاں گفتگو مکروہ ہے

33501۔ (قولہ: يُكْرَهُ الْكَلَامُ فِي الْمَسْجِدِ) یہ وارد ہوا ہے کہ مسجد میں گفتگو نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے (1) ''ظہیریہ'' وغیرہ میں اسے اس پر محمول کیا ہے جب وہ بات چیت کرنے کے لیے بیٹھے۔ باب الاعتکاف میں یہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ سب احکام مباح کلام میں ہیں غیر مباح کلام میں نہیں۔ کیونکہ غیر مباح بہت بڑا گناہ ہے۔

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب الجسد، جلد 2، صفحہ 655، حدیث نمبر 4199

وَخَلْفَ الْجِنَازَةِ وَفِي الْخَلَاءِ وَفِي حَالَةِ الْجِمَاعِ) وَزَادَ أَبُو اللَّيْثِ فِي الْبُسْتَانِ وَعِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ، وَزَادَ فِي الْمُلْتَقَى تَبَعًا لِلْمُخْتَارِ وَعِنْدَ التَّذْكِيرِ فَمَا ظَنُّكَ بِهِ عِنْدَ الْغِنَاءِ الَّذِي يُسَمُّونَهُ وَجْدًا (لِلْعَرَبِيَّةِ فَضْلٌ عَلَى سَائِرِ الْأَلْسُنِ وَهُوَ لِسَانُ أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْ تَعَلَّمَهَا أَوْ عَلَّمَهَا غَيْرَهُ فَهُوَ مَأْجُورٌ) وَفِي الْحَدِيثِ أَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ لِأَنِّي عَرَبِيٌّ وَالْقُرْآنُ عَرَبِيٌّ

جنازہ کے پیچھے، بیت الخلا میں اور حالت جماع میں گفتگو کرنا مکروہ ہے۔ ''ابولیث'' نے یہ زائد ذکر کیا ہے: باغ میں اور قرآن حکیم کی قراءت کے وقت کلام کرنا مکروہ ہے۔ ''الملتقی'' میں ''مختار'' کی تبع میں یہ اضافہ کیا ہے: اور وعظ و نصیحت کے وقت، تیرا کیا گمان ہے اس غنا کے وقت جسے وہ وجد کا نام دیتے ہیں۔ عربی زبان کو دوسری تمام زبانوں پر فضیلت حاصل ہے۔ یہ جنتیوں کی زبان ہے جس نے اس کو سیکھا یا کسی اور کو سکھایا تو وہ ماجور ہوگا۔ حدیث طیبہ میں ہے: عربوں سے تین وجوہ سے محبت کرو: کیونکہ میں عربی ہوں، قرآن عربی ہے

33502۔ (قولہ: وَخَلْفَ الْجِنَازَةِ) یعنی جنازہ کے پیچھے بلند آواز سے ہم نے المسابقہ سے تھوڑا پہلے اس پر گفتگو کر دی ہے۔

33503۔ (قولہ: وَفِي الْخَلَاءِ) کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے۔

33504۔ (قولہ: وَفِي حَالَةِ الْجِمَاعِ) کیونکہ جماع کی حالت پردہ پوشی پر مبنی ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں ادب کا حکم دیا کرتے تھے (1)، ''ط''۔ ''الشرعۃ'' میں یہ ذکر کیا ہے: سنت یہ ہے کہ حالت وطی میں زیادہ کلام نہ کرے کیونکہ اس سے بچہ گونگا پیدا ہوتا ہے۔

33505۔ (قولہ: وَعِنْدَ التَّذْكِيرِ) یعنی بلند آواز سے۔ ''تاتر خانیہ'' میں کہا: اس سے مراد یہ نہیں کہ واعظ اپنی آواز وعظ کے وقت بلند نہ کرے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کچھ لوگ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی آواز بلند کرتے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت درود پڑھتے ہوئے آواز بلند کرتے ہیں۔

33506۔ (قولہ: فَمَا ظَنُّكَ بِهِ) یعنی غنا کے وقت جو وہ اپنی آوازیں بلند کرتے ہیں مراد اس کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کرنا ہے۔ ہم ان تمام کے بارے میں پہلے گفتگو کر چکے ہیں۔

اہل عرب سے محبت کرنے کا حکم

33507۔ (قولہ: أَحِبُّوا الْعَرَبَ) بہت سے نسخوں میں اسی طرح ہے یعنی واو جمع کی طرف منسوب ہے یعنی جمع کا صیغہ ہے یہ اس کے موافق ہے جو ''جامع صغیر'' وغیرہ میں ہے۔ بعض نسخوں میں احب واو کے بغیر ہے۔ اور متکلم کی طرف منسوب ہے یعنی واحد متکلم کا صیغہ ہے یا یہ امر کا صیغہ ہے واحد مذکر مخاطب کا صیغہ ہے یہ احب سے مشتق ہے۔

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب التستر عند الجماع، روایت بالمعنی، جلد 1 صفحہ 596، حدیث نمبر 1909

وَلِسَانُ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِي الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ وَ فِيهَا (تَطْيِينُ الْقُبُورِ لَا يُكْرَهُ فِي الْمُخْتَارِ) وَقِيلَ يُكْرَهُ وَقَالَ الْبَزْدَوِيُّ لَوْ احْتِيجَ الْكِتَابَةُ كَيْلَا يَذْهَبَ الْأَثَرُ وَلَا يُمْتَهَنَ لَا بَأْسَ بِهِ ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي آخِرِ بَابِ الْوَصِيِّ لِلْأَقَارِبِ وَ قَدَّمْنَاهُ فِي الْجَنَائِزِ (يُكْرَهُ تَمَنِّي الْمَوْتِ) لِغَضَبٍ أَوْ ضِيقِ عَيْشٍ (إِلَّا لِخَوْفِ الْوُقُوعِ فِي مَعْصِيَةٍ) أَيْ فَيُكْرَهُ لِخَوْفِ الدُّنْيَا لَا الدِّينِ لِحَدِيثِ فَبَطْنُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا خُلَاصَةٌ

اور جنت میں جنتیوں کی زبان عربی ہے(1)۔اس میں ہے: قبروں کو لیپ کرنا مختار مذہب کے مطابق مکروہ نہیں۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مکروہ ہے۔''بزدوی'' نے کہا: اگر کتابت کی ضرورت ہوتا کہ اس کا اثر مٹ نہ جائے اور گمنام نہ ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔مصنف نے اس کا ذکر باب الوصیۃ للاقارب کے آخر میں کیا ہے ہم نے پہلے اسے کتاب الجنائز میں بیان کر دیا ہے۔ غصے یا زندگی کی تنگی کی وجہ سے موت کی تمنا کرنا مکروہ ہے مگر جب معصیت میں جا پڑنے کا خوف ہو تو معاملہ مختلف ہوگا یعنی دنیا کے خوف کی وجہ سے مکروہ ہے دین کے خوف کی وجہ سے مکروہ نہیں۔کیونکہ حدیث طیبہ ہے: زمین کا بطن تمہارے لیے اس کی پشت سے برتر ہے(2)۔''خلاصہ''۔

''جراحی'' نے کہا: اس کی ضد میں ضعف ہے۔عربوں کی محبت کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں۔یہ حدیث ان سب کے مجموعہ کے ساتھ حسن ہوگئی ہے۔ایک جماعت نے اس بارے میں الگ کتب تالیف کی ہیں ان میں سے''حافظ عراقی'' ہیں۔ان میں سے ہمارے کامل دوست''سید مصطفیٰ بکری'' ہیں۔کیونکہ انہوں نے اس میں ایک رسالہ تالیف کیا ہے جو بیس کا پیوں کے برابر ہے۔مراد ہے کہ عربوں کی محبت پر برانگیختہ کیا جائے۔کیونکہ وہ عرب ہیں بعض اوقات انہیں ایسی چیز لاحق ہوتی ہے جو ان کے ساتھ زیادہ محبت کا تقاضا کرتی ہے۔وہ ان میں ایمان اور فضائل کا پایا جانا ہے اور بعض اوقات انہیں ایسی چیز لاحق ہوتی ہے جو ان کے ساتھ بغض کا تقاضا کرتی ہے وہ ان میں کفر اور نفاق کا ہونا ہے۔اس کی مکمل بحث''شرح المناوی الکبیر'' میں ہے۔

33508۔(قولہ: وَلِسَانُ أَهْلِ الْجَنَّةِ) جو قول''جامع صغیر'' میں ہے وہ کلام اہل الجنۃ ہے۔

تنگدستی یا دشمن سے خوف کی وجہ سے موت کی تمنا کرنا مکروہ ہے

33509۔(قولہ: أَيْ فَيُكْرَهُ) یہ مصنف کی کلام کا حاصل ہے۔''الخلاصہ'' کی عبارت ہے: ایک آدمی نے اپنی تنگدستی یا دشمن سے غضب کی وجہ سے موت کی تمنا کی تو یہ مکروہ ہوگا۔کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لا یتمنی احدکم الموت لضر نزل به(3)، تم میں سے کوئی اس تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے جو اس پر واقع ہوئی ہے۔اگر یہ زمانہ کے

1۔جامع الاحادیث للسیوطی ہمزہ مع الحاء، جلد 1، صفحہ 107، حدیث نمبر 567

2۔سنن ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی النهی عن سب الرياح، جلد 2، صفحہ 178

3۔کنز العمال، باب النهی عن تمنی الموت، جلد 15، صفحہ 554، حدیث نمبر 42151

(وَلَا بَأْسَ بِلُبْسِ الصَّبِيِّ اللُّؤْلُؤَ وَكَذَا الْبَالِغُ) كَذَا فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ مَعْزِيًّا لِلْمُنْيَةِ وَقَاسَ عَلَيْهِ الطَّرَسُوسِيُّ بَقِيَّةَ الْأَحْجَارِ كَيَاقُوتٍ وَزُمُرُّدٍ وَنَازَعَهُ ابْنُ وَهْبَانَ بِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إِلَى نَقْلٍ صَرِيحٍ،

بچے کا موتی پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح بالغ کا حکم ہے۔ ''شرح الوہبانیہ'' میں اسی طرح ہے جب کہ وہ ''منیہ'' کی طرف منسوب ہے۔ ''طرسوسی'' نے باقی ماندہ پتھروں کو اس پر قیاس کیا ہے جیسے یاقوت اور زمرد۔ ''ابن وہبان'' نے اس سے منازعہ کیا ہے کہ اس کے لیے نقل صریح کی ضرورت ہے۔

متغیر ہونے اور اس میں معاصی کے ظاہر ہونے کی وجہ سے ان میں جا پڑنے کی بنا پر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس جیسی صورت میں حدیث مروی ہے: فبطن الارض خیر من ظھرھا، زمین کا باطن تمہارے حق میں اس کی پشت سے بہتر ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلی حدیث صحیح ''مسلم'' میں ہے: لا یتمنین احدکم الموت لضر نزل به فان کان لابد متمنیا فلیقل: اللھم احینی ما کانت الحیاۃ خیرا لی وتوفنی اذا کانت الوفاۃ خیرالی (1)۔ تم میں سے کوئی آدمی اس تکلیف کی وجہ سے موت کی آرزو نہ کرے جو اس پر واقع ہوئی اگر اس کی آرزو کرنے کے بغیر چارہ کار نہ ہو تو وہ کہے: اے اللہ مجھے زندہ رکھ جب تک زندگی میرے حق میں بہتر ہو اور مجھے موت عطا کر جب وفات میرے حق میں بہتر ہو۔

موتی، زمرد اور یاقوت وغیرہ پہننے کا شرعی حکم

33510۔ (قولہ: وَلَا بَأْسَ بِلُبْسِ الصَّبِيِّ) زیادہ بہتر تعبیر یہ تھی کہ الباس کا لفظ ذکر کیا جاتا۔ جو مزید فیہ کا مصدر ہے اور اسی طرح یہ کہنا زیادہ بہتر تھا: وکذا البس البالغ۔

33511۔ (قولہ: وَنَازَعَهُ ابْنُ وَهْبَانَ الخ) یہ بھی کہا ہے: کیونکہ ادلہ اس کے پہننے کے جواز میں متعارض ہیں۔ لیکن ''ابن شحنہ'' نے اسے رد کر دیا ہے۔ یہ فضول قول ہے ہم اس کی دلیل نہیں جانتے۔ ان میں سے کسی شے کے پہننے سے نہی وارد ہوئی ہے۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا (فاطر: 12) اور نکالتے ہو زینت کا سامان جسے تم پہنتے ہو۔ تم زیور نکالتے ہو جنہیں تم پہنتے ہو۔ مراد لولو اور مرجان۔ یہ جواز کا فائدہ دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا (البقرہ: 29) وہی تو ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب۔ تمہارے لیے اس نے بنایا ہے جو کچھ زمین میں ہے: جہاں تک نہی کا تعلق ہے تو وہ اس وجہ سے ہے کہ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے کیونکہ یہ ان کا زیور ہے۔ ''ابوداؤد''، ''نسائی''، ''ابن ماجہ'' اور ''حاکم'' نے اسے نقل کیا ہے۔ اور ''حاکم'' نے کہا: یہ امام ''مسلم'' کی شرط پر صحیح ہے: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الرجل یلبس لبسة

1۔ صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب تمنی المریض، جلد 3، صفحہ 304، حدیث نمبر 5239

وَجَزَمَ فِي الْجَوْهَرَةِ بِحُرْمَةِ اللُّؤْلُؤِ قُلْتُ وَحَمَلَ الْمُصَنِّفُ مَا فِي الْمُنْيَةِ عَلَى قَوْلِهِ وَمَا فِي الْجَوْهَرَةِ عَلَى قَوْلِهِمَا قَالَ، وَقَدْ رَجَّحُوا قَوْلَهُمَا فَفِي الْكَافِي قَوْلُهُمَا أَقْرَبُ إِلَى عُرْفِ دِيَارِنَا فَيُفْتَى بِهِ، ثُمَّ قَالَ الْمُصَنِّفُ، وَعَلَيْهِ فَالْمُعْتَمَدُ فِي الْمَذْهَبِ حُرْمَةُ لُبْسِ اللُّؤْلُؤِ وَنَحْوِهِ عَلَى الرِّجَالِ لِأَنَّهُ مِنْ حُلِيِّ النِّسَاءِ

''جوہرہ'' میں موتی پہننے کی حرمت کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: ''المنیہ'' میں جو قول ہے مصنف نے اسے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر محمول کیا ہے۔ اور ''جوہرہ'' میں ہے: اسے ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول پر محمول کیا ہے۔ کہا: علماء نے ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ ''کافی'' میں ہے: ''صاحبین'' رحمہما اللہ کا قول ہمارے دیار کے عرف کے زیادہ قریب ہے۔ پس اس کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ پھر مصنف نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر پس مذہب میں قابل اعتماد مردوں پر موتی وغیرہ کا حرام ہونا ہے۔ کیونکہ یہ عورتوں کا زیور ہے۔

المراة والمراة تلبس لبسة الرجل(1)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مرد پر لعنت کی جو عورت کا لباس زیب تن کرتا ہے اور اس عورت پر لعنت کی ہے جو مردوں کا لباس زیب تن کرتی ہے۔ لیکن اس میں لؤلؤ بدرجہ اولی داخل ہوگا۔ کیونکہ عورت کا اس سے زیور ہونا باقی پتھروں کی بنسبت زیادہ ہوتا ہے۔ پس فرق کرنا غیر مناسب ہوگا۔ تامل

33512۔ (قولہ: وَجَزَمَ فِي الْجَوْهَرَةِ بِحُرْمَةِ اللُّؤْلُؤِ) ''السراج'' میں اسی طرح ہے۔ اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ یہ عورتوں کا زیور ہے۔

33513۔ (قولہ: وَحَمَلَ الْمُصَنِّفُ الخ) اسے فصل اللبس میں ذکر کیا ہے جب کہ اسے امام ''زیلعی'' کے قول سے ماخوذ کیا ہے۔ پھر ان کے قول: لا باس للرجال بلبس اللؤلؤ الخالص کے قول پر قیاس کرتے ہوئے قول کیا گیا ہے۔

33514۔ (قولہ: عَلَى قَوْلِهِمَا) یعنی موتیوں کا ہار پہننا یہ زیور نہیں۔ یہ وہی نقطہ نظر ہے جس پر اصحاب متون کتاب الایمان میں گامزن ہوئے ہیں: اگر وہ قسم اٹھائے کہ وہ زیور نہیں پہنے گا تو اس نے یہ ہار پہنا تو وہ عرف کی وجہ سے حانث ہوجائے گا۔

33515۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ) یعنی جس قول کو ترجیح دی گئی وہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کا قول ہے۔ اس پر بنا کرتے ہوئے میں کہتا ہوں: حرمت کا قول کرنا میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے اس قول کہ یہ زیور ہے کو ترجیح دینا اس بنا پر ہے کہ قسمیں عرف پر مبنی ہوتے ہیں اور عرف اسے زیور شمار کرتا ہے۔ یہ اس کے قسم میں حانث ہونے کا فائدہ دیتا ہے جب وہ یہ قسم اٹھائے لا یلبس حلیا یہ اس امر کا فائدہ نہیں دیتا کہ مردوں پر اس کا پہننا حرام ہے۔ کیونکہ ہر زیور مرد پر حرام نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انگوٹھی، جھنڈا، کپڑا جو سونے کی تاروں سے چار انگلیوں کے برابر بنا ہوا ہو، تلوار کا زیور اور ازار بند حلال ہے ہاں آنے والی علت کہ یہ عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے۔ جس طرح ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔ فتامل

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لباس النساء، جلد 3، صفحہ 187، حدیث نمبر 3575

(وَيُكْرَهُ) لِلْوَلِيِّ إِلْبَاسُ (الْخَلْخَالِ أَوِ السِّوَارِ لِصَبِيٍّ) وَلَا بَأْسَ بِثَقْبِ أُذُنِ الْبِنْتِ وَالطِّفْلِ اسْتِحْسَانًا مُلْتَقَطٌ قُلْتُ وَهَلْ يَجُوزُ الْخِزَامُ فِي الْأَنْفِ، لَمْ أَرَهُ، وَيُكْرَهُ لِلذَّكَرِ وَالْأُنْثَى الْكِتَابَةُ بِالْقَلَمِ الْمُتَّخَذِ مِنَ الذَّهَبِ أَوِ الْفِضَّةِ أَوْ مِنْ دَوَاةٍ كَذَلِكَ سِرَاجِيَّةٌ ثُمَّ قَالَ لَا بَأْسَ بِتَمْوِيهِ السِّلَاحِ بِذَهَبٍ وَفِضَّةٍ وَلَا بَأْسَ بِسَرْجٍ وَلِجَامٍ وَثَفَرٍ مِنَ الذَّهَبِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ

اور ولی کے لیے مکروہ ہے کہ وہ بچے کو پازیب اور کنگن پہنائے۔ اور بچی اور لڑکے کے کانوں میں چھید کرانے میں کوئی حرج نہیں یہ بطور استحسان ہے۔ ''ملتقط''۔ میں کہتا ہوں: کیا ناک میں نتھنی جائز ہے؟ میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا۔ مذکر اور مؤنث کے لیے سونے یا چاندی کے قلم اسی طرح ان سے بنی دوات سے لکھنا مکروہ ہے، ''سراجیہ''۔ پھر کہا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اسلحہ پر سونے اور چاندی کا پانی چڑھائے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سونے کی زین، لگام اور رکاب بنانے میں کوئی حرج نہیں۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

بچے کو پازیب اور کنگن پہنانا مکروہ ہے

33516۔ (قولہ: الْخَلْخَالِ) جیسے بلبال ہے اسے خلخل بھی کہتے ہیں اور اسے ضمہ بھی دیا جاتا ہے۔ ''قاموس''۔

33517۔ (قولہ: لِصَبِيٍّ) یعنی مذکر، کیونکہ یہ عورتوں کی زینت میں سے ہے۔ ''ط''۔

کان اور ناک چھدوانا بچیوں کے لیے جائز جبکہ لڑکوں کے لیے مکروہ ہے

33518۔ (قولہ: وَالطِّفْلِ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس سے مراد مذکر ہے حالانکہ کان اس لیے چھیدا جاتا ہے تاکہ اس میں بالی لٹکائی جاسکے جب کہ یہ عورتوں کا زیور ہے۔ پس یہ مذکروں کے لیے حلال نہیں جو عام کتب میں ہے اور جسے ہم پہلے ''تاتر خانیہ'' سے نقل کر چکے ہیں: بچیوں میں سے جو طفل ہیں ان کے کان چھیدنے میں کوئی حرج نہیں۔ ''حاوی قدسی'' میں ہے: بچوں کے کان چھیدنے کی اجازت نہیں پس صحیح یہ ہے کہ واؤ کو ساقط کر دیا جائے۔

33519۔ (قولہ: لَمْ أَرَهُ) میں کہتا ہوں: اگرچہ عورتیں اس سے زینت حاصل کرتی ہوں جس طرح بعض علاقوں میں یہ رواج ہے۔ پس یہ اس طرح ہے جس طرح بالی لٹکانے کے لیے کان کو چھیدا جائے۔ بعض شافعیہ نے اس کے جواز کا قول کیا ہے۔ ''مدنی''۔

33520۔ (قولہ: وَيُكْرَهُ لِلذَّكَرِ وَالْأُنْثَى الخ) ہم پہلے ''الخانیہ'' سے وہ نقل کر چکے ہیں جو اس قول سے عام ہے۔ وہ یہ ہے کہ عورتیں زیورات کے علاوہ میں جیسے کھانا، پینا، سونے اور چاندی کے برتن سے تیل لگانا اور بیٹھنا میں مردوں کے قائم مقام ہیں۔

33521۔ (قولہ: ثُمَّ قَالَ الخ) فصل اللبس سے پہلے اس پر مفصل کلام گزر چکی ہے۔

33522۔ (قولہ: وَثَفَرٍ) یہ لفظ ثا اور فا متحرک کے ساتھ ہے یہ زین کا حصہ ہوتا ہے جسے جانور کی دنب کے نیچے رکھا

(وَجَارِيَةٌ لِزَيْدٍ قَالَ بَكْرٌ وَكَّلَنِي زَيْدٌ بِبَيْعِهَا حَلَّ لِعَمْرٍو شِرَاؤُهَا وَوَطْؤُهَا) لِقَبُولِ قَوْلِ بَكْرٍ إنَّ أَكْبَرَ رَأْيِهِ صِدْقُهُ كَمَا مَرَّ وَإِنَّ أَكْبَرَ رَأْيِهِ كَذِبُهُ لَا يُقْبَلُ قَوْلُهُ وَلَا يَشْتَرِي مِنْهُ وَلَوْ لَمْ يُخْبِرْهُ إنَّ ذَلِكَ الشَّيْءَ لِغَيْرِهِ فَلَا بَأْسَ بِشِرَائِهِ مِنْهُ (كَمَا حَلَّ وَطْءُ مَنْ زُفَّتْ إلَيْهِ وَقَالَ النِّسَاءُ هِيَ امْرَأَتُكَ وَ) حَلَّ (نِكَاحُ مَنْ قَالَتْ طَلَّقَنِي زَوْجِي وَانْقَضَتْ عِدَّتِي أَوْ كُنْتُ أَمَةً لِفُلَانٍ وَأَعْتَقَنِي) إنْ وَقَعَ فِي قَلْبِهِ صِدْقُهَا

زید کی لونڈی ہے بکر نے کہا: زید نے مجھے اس کے بیچنے کا وکیل بنایا ہے تو عمرو کے لیے حلال ہے کہ وہ اس کو خریدے اور اس سے وطی کرے۔ کیونکہ اس نے بکر کا قول قبول کیا ہے۔ اگر اس کی غالب رائے یہ ہو کہ وہ اپنی بات میں سچا ہے جس طرح قول گزر چکا ہے۔ اگر اس کی غالب رائے جھوٹ ہو تو اس کا قول قبول نہ کرے اور اس سے نہ خریدے۔ اگر وہ اس کو خبر نہ دے کہ یہ چیز کسی اور کی ہے تو اس کے خریدنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح وہ عورت جسے شب زفاف میں اس کے پاس بھیجا گیا تو اس کے ساتھ وطی کرنا حلال ہے اور عورتیں اسے یہ کہیں کہ یہ تیری بیوی ہے اور اس عورت سے نکاح کرنا حلال ہے۔ جو یہ کہے: میرے خاوند نے مجھے طلاق دی، میری عدت ختم ہوگئی یا میں فلاں کی لونڈی ہوں اور اس نے مجھے آزاد کر دیا ہے اگر اس کے دل میں یہ واقع ہو کہ اس نے سچ بولا ہے۔

جاتا ہے۔ ''مغرب'' اور بعض اوقات اس کو ساکن رکھا جاتا ہے۔ ''قاموس''۔

33523۔ (قولہ: جَارِيَةٌ لِزَيْدٍ) عمرو یہ جانتا ہے کہ یہ زید کی لونڈی ہے یا بکر اسے بتاتا ہے کہ یہ اس کی لونڈی ہے۔

33524۔ (قولہ: إنَّ أَكْبَرَ رَأْيِهِ صِدْقُهُ الخ) اکبر کا لفظ کان محذوفہ کا اسم ہے اور صدقہ یہ منصوب ہے۔ یہ اس کان کی خبر ہے۔ یہ تفصیل اس صورت میں ہے جب مخبر غیر ثقہ ہو جس طرح ''ہدایہ'' وغیرہ سے معلوم ہے۔ یہ قول قبول کیا جائے گا کیونکہ معاملات میں مخبر کی عدالت لازم نہیں۔ کیونکہ حاجت پائی جارہی ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ غالب رائے یقین کے قائم مقام ہوتی ہے۔

33525۔ (قولہ: وَلَوْ لَمْ يُخْبِرْهُ الخ) یعنی خریدار اس کو نہیں پہچانتا۔ ''ہدایہ'' میں کہا: اگر وہ یہ پہچانتا ہو کہ یہ پہلے کی لونڈی ہے تو اسے نہ خریدے یہاں تک کہ اس لونڈی کے دوسرے آدمی کی طرف منتقل ہونے کو نہ جان لے۔ ''زیلعی'' نے یہ زائد ذکر کیا ہے اگر اس نے اس کو وکیل بنایا ہو۔

33526۔ (قولہ: فَلَا بَأْسَ بِشِرَائِهِ مِنْهُ) اگرچہ وہ فاسق ہو۔ کیونکہ قبضہ ملکیت کی دلیل ہے۔ اور ظاہر دلیل کے وقت غالب رائے کا کوئی اعتبار نہیں مگر اس کی مثل اس جیسی لونڈی کا مالک نہ بن سکتا ہو۔ اس وقت یہ مستحب ہے کہ وہ اس سے احتیاط کرے اس کے باوجود اگر وہ اس کو خریدے تو یہ عقد صحیح ہوگا۔ کیونکہ اس نے دلیل شرعی پر اعتماد کیا ہے۔ اگر بائع غلام ہو تو اسے نہ خریدے یہاں تک کہ وہ سوال کرے کیونکہ مملوک کی کوئی ملکیت نہیں ہوتی۔ اگر وہ ماذون ہونے کی خبر دے اگر وہ قابل اعتماد ہو تو اس کی بات قبول کی جائے گی اگر کوئی رائے نہ ہو تو اس کو نہ خریدے کیونکہ مانع موجود ہے پس دلیل ضروری ہے ''ہدایہ'' وغیرہا۔

وَتَمَامُهُ فِي الْخَانِيَّةِ قُلْتُ وَحَاصِلُهُ أَنَّهُ مَتَى أَخْبَرَتْ بِأَمْرٍ مُحْتَمَلٍ، فَإِنْ ثِقَةً أَوْ وَقَعَ فِي قَلْبِهِ صِدْقُهَا لَا بَأْسَ بِتَزَوُّجِهَا، وَإِنْ بِأَمْرٍ مُسْتَنْكَرٍ لَا مَا لَمْ يَسْتَفْسِرْهَا فُرُوعٌ كَتَبَ أَمَّا قَوْلُ الشَّافِعِيِّ يَكْتُبُ جَوَابُ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِذَا كَتَبَ الْمُفْتِي يَدِينُ يَكْتُبُ وَلَا يُصَدَّقُ قَضَاءً لِيَقْضِيَ الْقَاضِي بِحِنْثِهِ

اس کی مکمل بحث ''الخانیہ'' میں ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کا حاصل یہ ہے کہ جب عورت محتمل امر کی خبر دے اگر وہ قابل اعتماد ہو یا اس کے دل میں اس کی صداقت واقع ہو تو اس عورت کے ساتھ شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں اگر مستنکر امر کی خبر دے تو اس وقت تک اس کی تصدیق نہ کرے جب تک اس کے بارے میں استفسار نہ کرلے۔ فروع: سوال کرنے والے نے لکھا اس بارے میں امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تو وہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق لکھے۔ جب مفتی یہ لکھے کہ دیانۃً یہ معاملہ اس طرح ہے تو وہ یہ لکھے اور قضاءً اس کی تصدیق نہ کی جائے گی تاکہ قاضی اس کے قسم سے انکار کی بنا پر فیصلہ کرے۔

33527۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِي الْخَانِيَّةِ) ''ہدایہ'' میں اس کتاب کی فصل میں اسی طرح ہے۔

33528۔ (قولہ: وَإِنْ بِأَمْرٍ مُسْتَنْكَرٍ) جس طرح ایک عورت ایک مرد سے عقد نکاح کرے پھر دوسرے مرد سے کہے: میرا نکاح فاسد تھا یا خاوند غیر مسلم تھا تو دوسرے مرد کو نہیں چاہیے کہ اس کا قول قبول کرے اور نہ ہی اس سے شادی کرے۔ کیونکہ اس نے عجیب وغریب امر کی خبر دی ہے۔ جس طرح وہ عورت جس کو تین طلاقیں دی گئی تھیں اس نے اپنے پہلے خاوند سے کہا: میں تیرے لیے حلال ہو چکی ہوں تو وہ عورت اس کے لیے حلال نہ ہوگی کہ اس سے عقد نکاح کرلے جب تک اس کے بارے میں استفسار نہ کرے۔ کیونکہ علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ محض دوسرے کے نکاح سے وہ عورت اس کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ عورت اس کے لیے حلال ہو جائے گی۔ شاید اس عورت نے اس قول پر اعتماد کیا ہو تو استفسار ضروری ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''الفتح'' میں ہے۔

33529۔ (قولہ: كَتَبَ الخ) کتاب کی مثل زبانی سوال ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کی مثل دوسرے اصحاب مذہب ہیں۔ ''ط''۔

33530۔ (قولہ: يَكْتُبُ جَوَابُ أَبِي حَنِيفَةَ) یہ اس پر مبنی ہے جو علماء نے ارشاد فرمایا: یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب صحیح ہے جو خطا کا احتمال رکھتا ہے اور دوسرے امام کا مذہب اس کے برعکس ہے۔ یہ اس امر پر مبنی ہے کہ افضل کے موجود ہوتے ہوئے مفضول کی تقلید جائز نہیں جب کہ حق یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔ یہ اعتقاد مجتہد کے حق میں ہے تابع اور مقلد کے حق میں نہیں۔ کیونکہ مقلد مسائل فرعیہ میں ان میں سے کسی ایک کی تقلید سے نجات پا جاتا ہے ترجیح اس پر واجب نہیں۔ ''ط''۔ اسی کی مثل ''خلاصۃ التحقیق فی حکم التقلید والتلفیق'' میں ہے جو ''عبدالغنی نابلسی'' قدس سرہ العزیز کی تالیف ہے۔

33531۔ (قولہ: وَإِذَا كَتَبَ الْمُفْتِي يَدِينُ) یعنی جب وہ یہ لفظ لکھے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے قسم اٹھائی اور اس نے استثنا کی اور کسی کو اس نے نہ سنایا تو وہ یہ جواب دے کہ دیانۃً یہ ہے

التَّرْجِيعُ بِالْقُرْآنِ وَالْأَذَانِ بِالصَّوْتِ الطَّيِّبِ طَيِّبٌ إِنْ لَمْ يَزِدْ فِيهِ الْحُرُوفَ وَإِنْ زَادَ كُرِهَ لَهُ وَلِمُسْتَمِعِهِ، وَقَوْلُهُ أَحْسَنْتَ إِنْ لِسُكُوتِهِ فَحَسَنٌ وَإِنْ لِتِلْكَ الْقِرَاءَةِ يُخْشَى عَلَيْهِ الْكُفْرُ الْمُنَاظَرَةُ فِي الْعِلْمِ لِنُصْرَةِ الْحَقِّ عِبَادَةٌ وَلِأَحَدِ ثَلَاثَةٍ حَرَامٌ

خوش الحانی سے قرآن پڑھتے ہوئے اور اذان دیتے ہوئے آواز کو حلق میں گھمانا اچھا ہے اگر وہ اس میں حروف کا اضافہ نہ کرے۔ اگر وہ حروف کا اضافہ کرے تو یہ اس کے لیے اور اس کے سننے والے کے لیے مکروہ ہے۔ اور اس کا احسنت کے الفاظ کہنا اگر یہ سکوت کے لیے ہو تو یہ حسن ہے، اگر اس قراءت کی وجہ سے ہو تو اس پر کفر کا خوف ہے۔ حق کی مدد کے لیے علم میں مناظرہ کرنا یہ عبادت ہے۔ تین میں سے ایک امر کے لیے یہ حرام ہے:

یعنی وہ اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو معاملہ ہے اس میں حانث نہیں ہوگا۔ لیکن اس کے بعد وہ یہ بھی لکھے: ولا یصدق قضاء، قضاءً اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ قضا ہمارے زمانے میں فتویٰ کے تابع ہوتی ہے۔ کیونکہ قاضی جاہل ہوتے ہیں۔ بعض اوقات قاضی یہ گمان کرتا ہے کہ اس کی قضاءً بھی تصدیق کی جائے گی۔

قرآن اور اذان میں التلحین کا شرعی حکم

33532۔ (قولہ: التَّرْجِيعُ بِالْقُرْآنِ وَالْأَذَانِ الخ) زیادہ بہتر لفظ التلحین تھا یعنی تغنی یعنی گانے کے انداز میں۔ کیونکہ لغت ترجیع سے مراد تردید ہے یعنی بار بار لوٹانا ہے۔ ''مغرب'' میں کہا: اسی سے آذان میں ترجیع ہے کیونکہ دونوں شہادتیں پست آواز کے ساتھ ادا کرتا ہے پھر اپنی آواز کو بلند کرتے ہوئے دوبارہ پڑھتا ہے۔

''الذخیرہ'' میں ہے: اگر الحان کلمہ کو اپنی جگہ سے نہ بدلے اور حروف کو اتنا لمبا نہ کرے جس کے ساتھ نغمگی پیدا ہو یہاں تک کہ ایک حرف دو حروف ہو جائیں بلکہ یہ آواز کو خوبصورت بنانے اور قراءت کی تزیین کے لیے ہو تو یہ نماز کے فساد کا باعث نہیں ہوگا۔ ہمارے نزدیک یہ نماز میں اور نماز سے باہر مستحب ہے۔ اگر یہ عمل کلمہ کو اپنی جگہ سے تبدیل کر دے تو یہ نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہی منتہی ہے۔ مد کو حروف مد، حروف لین، حروف ہوائیہ اور حروف معتل میں داخل کرنا جائز ہے۔ قراءت کو اچھی آواز سے پڑھنے میں احادیث ہیں ان میں سے ایک یہ ہے جسے ''حاکم'' وغیرہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ ان الفاظ: حسنوا القرآن باصواتكم فان الصوت الحسن يزيد القرآن حسنا (1) کے ساتھ روایت کیا ہے۔

33533۔ (قولہ: وَإِنْ زَادَ) اس کی صورت یہ ہے کہ کلمہ کو اس کے معنی سے خارج کر دے تو یہ مکروہ ہوگا یعنی حرام ہوگا۔

33534۔ (قولہ: يُخْشَى عَلَيْهِ الْكُفْرُ) کیونکہ وہ حرام جس پر اجماع کیا گیا ہے اس کو اس نے حسن قرار دیا ہے، ''ط''۔ شاید انہوں نے اسے یقین کے ساتھ کافر قرار نہیں دیا۔ کیونکہ اس کا اسے خوبصورت بنانا یہ اس میں سے نہیں کہ یہ آداب قرآن کو اس کی وضع سے نکال دیتا ہے بلکہ اس پر جو یہ حکم لگایا گیا ہے اس کی نغمگی اور تطریب کی وجہ سے ہے۔ تامل

1۔ سنن دارمی، باب فی فضیلۃ تلاوۃ القرآن فصل فی تغنی القرآن، حدیث نمبر 3535

لِقَهْرِ مُسْلِمٍ وَإِظْهَارِ عِلْمٍ وَنَيْلِ دُنْيَا أَوْ مَالٍ أَوْ قَبُولٍ التَّذْكِيرُ عَلَى الْمَنَابِرِ لِلْوَعْظِ وَالِاتِّعَاظِ سُنَّةُ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَلِرِيَاسَةٍ وَمَالٍ وَقَبُولِ عَامَّةٍ مِنْ ضَلَالَةِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ بِقِرَاءَةٍ مَعْرُوفَةٍ وَشَاذَّةٍ دَفْعَةً وَاحِدَةً مَكْرُوهٌ كَمَا فِي الْحَاوِي الْقُدْسِيِّ يُسْتَحَبُّ لِلرَّجُلِ خِضَابُ شَعْرِهِ وَلِحْيَتِهِ وَلَوْ فِي غَيْرِ حَرْبٍ فِي الْأَصَحِّ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمْ يَفْعَلْهُ،

مسلمان کو مغلوب کرنے کے لیے، علم کے اظہار کے لیے، دنیا، مال یا قبولیت کو پانے کے لیے۔ دوسرے لوگوں کو نصیحت کرنے اور خود نصیحت حاصل کرنے کے لیے منبروں پر وعظ کرنا یہ انبیا اور مرسلین کی سنت ہے۔ حکومت، مال اور عام لوگوں میں قبول ہونے کے لیے یہ یہود و نصاریٰ کی گمراہی میں سے ہے۔ معروف اور شاذ قراءت کے ساتھ قرآن پڑھنا ایک ہی دفعہ یہ مکروہ ہے جس طرح ''حاوی قدسی'' میں ہے۔ ایک مرد کا اپنے بالوں اور ڈاڑھی پر خضاب لگانا یہ مستحب ہے اگرچہ جہاد کے علاوہ ہو۔ یہ اصح قول کے مطابق ہے۔ اصح قول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب نہیں لگایا۔

اس کے قریب قریب وہ ہے جو ہمارے زمانہ میں اس آدمی کے بارے میں کہا جاتا ہے جو لوگوں کے لیے ایسے گانا گاتا ہے جو حرام ہو: بارك الله طيب الله الانفاس۔ اگر اس کے سکوت کی وجہ سے وہ اس کی ثنا کا قصد کرے اور دعا کا قصد کرے تو یہ اچھا ہوگا اگر اس کی غنا کی وجہ سے ایسا کرے تو یہ سماع کے ساتھ ایک اور معصیت ہوگی جس سے ڈرا جاتا ہے۔ پس اس وجہ سے متنبہ رہے۔

33535۔ (قوله: وَنَيْلِ دُنْيَا أَوْ مَالٍ أَوْ قَبُولٍ) ''حاوی قدسی'' کی عبارت ہے: نحو المال او القبول۔ ''المنح'' میں یہ اسی طرح ہے۔

33536۔ (قوله: وَشَاذَّةٍ) یہ وہ قراءت ہے جو دس کے علاوہ ہے۔

33537۔ (قوله: دَفْعَةً) جب وہ صرف شاذ پر اکتفا کرے تو یہ زیادہ مکروہ ہے اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ یہ نہ نماز میں جائز ہے اور نہ ہی نماز کو فاسد کرتی ہے۔ ''ط''۔

33538۔ (قوله: كَمَا فِي الْحَاوِي الْقُدْسِيِّ) یعنی الترجیع بالقرآن سے لے کر یہاں تک۔

خضاب لگانے کا شرعی حکم

33539۔ (قوله: خِضَابُ شَعْرِهِ وَلِحْيَتِهِ) ہاتھوں اور پاؤں کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ عورتوں کے ساتھ تشبیہ ہے۔

33540۔ (قوله: وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمْ يَفْعَلْهُ) کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ضرورت نہ پڑھی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہان فانی سے پردہ فرمایا اور آپ کے سر اور ڈاڑھی میں بیس بال سفید نہ ہوئے تھے۔ بلکہ وہ سترہ بال تھے جس طرح بخاری وغیرہ میں ہے۔ اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مہندی اور کسم کا خضاب لگایا تھا۔ ''مدنی''۔

وَيُكْرَهُ بِالسَّوَادِ، وَقِيلَ لَا مَجْمَعُ الْفَتَاوَى وَالْكُلُّ مِنْ مِنَحِ الْمُصَنِّفِ الْكُتُبُ الَّتِي لَا يُنْتَفَعُ بِهَا يُمْحَى عَنْهَا اسْمُ اللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَيُحْرَقُ الْبَاقِي وَلَا بَأْسَ بِأَنْ تُلْقَى فِي مَاءٍ جَارٍ كَمَا هِيَ أَوْ تُدْفَنَ وَهُوَ أَحْسَنُ كَمَا فِي الْأَنْبِيَاءِ الْقَصَصُ الْمَكْرُوهُ

اور سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مکروہ نہیں۔ ''مجمع الفتویٰ''۔ اور یہ سب بحث مصنف کی شرح ''المنح'' سے ماخوذ ہے۔ وہ کتابیں جن سے نفع نہ اٹھایا جا سکتا ہو ان سے اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور رسولوں کے نام مٹا دیئے جائیں گے اور باقی کو جلا دیا جائے گا۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ ان کو جاری پانی میں ڈال دیا جائے جس طرح کہ وہ ہیں یا ان کو دفن کر دیا جائے جب کہ یہ احسن ہے جس طرح انبیاء کے بارے میں معمول رہا ہے۔ ناپسندیدہ قصہ گوئی یہ ہے

33541۔ (قولہ: وَيُكْرَهُ بِالسَّوَادِ) یعنی جہاد کے علاوہ کسی اور امر کے لیے سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے۔ ''ذخیرہ'' میں کہا: جہاں تک جہاد کے لیے سیاہ خضاب لگانے کا تعلق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دشمن کی نظر میں زیادہ ہیبت ناک ہو تو یہ بالاتفاق محمود ہے۔ اگر اس لیے خضاب لگائے کہ اپنے آپ کو عورتوں کے لیے مزین کرے تو یہ مکروہ ہے۔ عام مشائخ کا یہی نقطہ نظر ہے۔ بعض علما نے بغیر کراہت کے اسے جائز قرار دیا ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: فرمایا جس طرح مجھے یہ بات خوش کرتی ہے کہ وہ میرے لیے مزین ہو۔ اسی طرح اسے یہ بات خوش کرتی ہے کہ میں اس کے لیے زینت اپناؤں۔

بوسیدہ کتابیں اور مصحف شریف کو دفن کرنا افضل ہے

33542۔ (قولہ: الْكُتُبُ الخ) یہ مسائل یہاں سے لے کر اشعار تک سب ''المجتبیٰ'' سے ماخوذ ہیں۔ جس طرح اس کی طرف ان کا منسوب ہونا آگے آئے گا۔

33543۔ (قولہ: كَمَا فِي الْأَنْبِيَاءِ) اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے۔ بعض نسخوں میں کما فی الاشباہ کے الفاظ ہیں۔ لیکن ''المجتبیٰ'' کی عبارت یہ ہے: اور دفن کرنا احسن ہے جس طرح انبیاء اور اولیاء جب وصال فرماتے تو ان کو دفن کیا جاتا ہے اسی طرح تمام کتب جب بوسیدہ ہو جائیں اور اس حالت سے فارغ ہو جائیں کہ ان سے نفع حاصل کیا جائے یعنی ان کو زمین میں دفن کرنا یہ تعظیم میں مخل نہیں۔ کیونکہ لوگوں میں سے افضل کو زمین میں دفن کیا گیا۔ ''ذخیرہ'' میں ہے: مصحف جب بوسیدہ ہو جائے اور اس سے قراءت ممکن نہ رہے اسے آگ کے ساتھ نہیں جلایا جائے گا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے ہم اسی کو اپناتے ہیں۔ اس کا دفن کرنا مکروہ نہیں۔ چاہیے کہ اسے پاکیزہ کپڑے میں لپیٹا جائے اس کے لیے لحد بنائی جائے کیونکہ اگر شق بنائی جائے گی اور اس کو دفن کیا جائے گا تو اس پر مٹی ڈالنے کی ضرورت ہوگی۔ اس میں تحقیر کی صفت موجود ہے مگر جب اس پر چھت بنائی جائے اگر چاہے تو اسے پانی کے ساتھ دھوئے اور پاک جگہ رکھ دے جس تک بے وضو کا ہاتھ نہ پہنچے اور نہ ہی غبار پہنچے اور نہ ہی غلاظت پہنچے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی تعظیم کی خاطر ہے۔

33544۔ (قولہ: الْقَصَصُ) یہ دو فتحوں کے ساتھ ہے یہ قص کا مصدر ہے۔

أَنْ يُحَدِّثَهُمْ بِمَا لَيْسَ لَهُ أَصْلٌ مَعْرُوفٌ أَوْ يَعِظَهُمْ بِمَا لَا يُتَّعَظُ بِهِ أَوْ يَزِيدَ وَيُنْقِصَ يَعْنِي فِي أَصْلِهِ، أَمَّا لِلتَّزَيُّنِ بِالْعِبَارَاتِ اللَّطِيفَةِ الْمُرَقِّقَةِ وَالشَّرْحِ لِفَوَائِدِهِ فَذَلِكَ حَسَنٌ وَالْأَفْضَلُ مُشَارَكَةُ أَهْلِ مَحَلَّتِهِ فِي إِعْطَاءِ النَّائِبَةِ لَكِنْ فِي زَمَانِنَا أَكْثَرُهَا ظُلْمٌ فَمَنْ تَمَكَّنَ مِنْ دَفْعِهِ عَنْ نَفْسِهِ فَحَسَنٌ، وَإِنْ أَعْطَى فَلْيُعْطِ مِنْ عَجْزٍ لَيْسَ لِذِي الْحَقِّ أَنْ يَأْخُذَ غَيْرَ جِنْسِ حَقِّهِ وَجَوَّزَهُ الشَّافِعِيُّ وَهُوَ الْأَوْسَعُ مُعَلِّمٌ طَلَبَ مِنَ الصِّبْيَانِ أَثْمَانَ الْحُصُرِ فَجَمَعَهَا فَشَرَى بِبَعْضِهَا وَأَخَذَ بَعْضَهَا لَهُ ذَلِكَ

کہ وہ لوگوں کے سامنے ایسے قصے بیان کرے جس کی معروف اصل نہ ہو یا ان کو ایسی نصیحت کرے جس سے وہ خود نصیحت حاصل نہیں کرتا۔ یا اس کی اصل میں کمی اور بیشی کرے۔ جہاں تک لطیف اور رقت پیدا کرنے والی عبارات کا تعلق ہے اور اس کے فوائد کی شرح کا تعلق ہے تو یہ حسن ہے۔ افضل یہ ہے کہ ٹیکس وغیرہ کی ادائیگی میں اپنے اہل محلہ کے ساتھ شریک ہو۔ لیکن ہمارے زمانہ میں یہ اکثر ظلم ہوتا ہے۔ جو آدمی اپنی ذات سے اس کے دور کرنے پر قادر ہو تو یہ بہت اچھا ہے اگر دے تو عاجز ہونے کی حیثیت سے دے۔ حقدار کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے حق کی جنس کے علاوہ سے کوئی چیز لے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ یہی زیادہ وسعت کا حامل ہے۔ معلم نے بچوں سے چٹائیوں کی قیمت طلب کی اور اسے جمع کیا اور اس کے بعض سے چٹائیاں خریدیں اور اس کے بعض کو خود لے لیا تو معلم کو یہ حق حاصل ہوگا۔

33545۔ (قولہ: يَعْنِي فِي أَصْلِهِ) یعنی اصل کلام میں ایسی اشیا کا اپنی جانب سے اضافہ کر دے جو ثابت نہ ہوں یا ایسی کمی کر دے جو منقول ثابت کو اس کے معنی سے خارج کر دے۔

اگر ٹیکس ظلم کی بنا پر لازم ہو تو اسے اپنے سے دور کرنا افضل ہے

33546۔ (قولہ: فَمَنْ تَمَكَّنَ) اسے مطلقاً ذکر کیا ہے۔ یہ قول اس صورت کو شامل ہے جب کوئی اور شخص اس کے ٹیکس کی ذمہ داری اٹھائے۔ ''القنیہ'' میں ہے: ایک جماعت پر ناحق ایک ٹیکس لازم ہوا تو بعض کو اپنی ذات سے اس کو دور کرنے کا حق ہوگا جب وہ اپنا حصہ باقی ماندہ افراد پر لازم نہ کرے ورنہ اولیٰ یہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے اس کو رد نہ کرے۔ فرمایا: اس میں اشکال ہے۔ کیونکہ اس کا ظالم کو عطا کرنا یہ اپنے خلاف ظالم کی مدد کرنا ہے۔ پھر ''سرخسی'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ جریر اور اس کے بیٹے کے تمام لوگوں کے ساتھ اپنی ذات سے اسے دور کرنے کے بعد دوسرے لوگوں سے اس کے دور کرنے میں شرکت کی۔ پھر کہا: یہ اس زمانہ میں تھا کیونکہ یہ طاعت پر وارد ہے ہمارے زمانہ میں اکثر ٹیکس ظلم ہیں تو جو آدمی اپنی ذات سے اس کو دور کر سکے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔

33547۔ (قولہ: وَجَوَّزَهُ الشَّافِعِيُّ) ہم پہلے کتاب الحجر میں بیان کر چکے ہیں کہ عدم جواز ان کے زمانہ میں تھا۔ جہاں تک آج کا دن ہے تو فتویٰ اس کے جواز پر ہے۔

33548۔ (قولہ: وَهُوَ الْأَوْسَعُ) کیونکہ اپنا حق وصول کرنے کے لیے یہ ایک طریقہ کے طور پر متعین ہو چکا ہے اس

لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ لَهُ مِنَ الْآبَاءِ لَا بَأْسَ بِوَطْءِ الْمَنْكُوحَةِ بِمُعَايَنَةِ الْأَمَةِ دُونَ عَكْسِهِ وَجَدَ مَا لَا قِيمَةَ لَهُ لَا بَأْسَ بِالِانْتِفَاعِ بِهِ وَلَوْ لَهُ قِيمَةٌ وَهُوَ غَنِيٌّ تَصَدَّقَ بِهِ لَا بَأْسَ بِالْجِمَاعِ فِي بَيْتٍ فِيهِ مُصْحَفٌ لِلْبَلْوَى لَا تَرْكَبُ مُسْلِمَةٌ عَلَى سَرْجٍ لِلْحَدِيثِ

کیونکہ یہ آباء کی جانب سے معلم کو اس مال کا مالک بنایا ہوتا ہے۔ منکوحہ سے وطی کرنا لونڈی کی موجودگی میں، اس میں کوئی حرج نہیں اس کے برعکس جائز نہیں۔ اس نے ایسی چیز پائی جس کی کوئی قیمت نہیں اس سے نفع حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر اس کی قیمت ہو اور وہ غنی ہو تو اس کو صدقہ کر دے۔ اس کمرے میں وطی کرنے میں کوئی حرج نہیں جس میں مصحف پڑا ہو۔ یہ عموم بلوی کی وجہ سے ہے۔ مسلمان عورت زین پر سوار نہ ہوگی۔ کیونکہ اس بارے میں حدیث طیبہ ہے۔

پر ایسا حق صورت سے مالیت کی طرف منتقل ہو چکا ہے جس طرح غصب اور تلف کرنے کی صورت میں ہے۔ ''مجتبیٰ''۔ اس میں ہے اس نے اپنے مدیون کے دنانیر پائے جب کہ اس کے اس مدیون کے ذمہ دراہم لازم تھے تو اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ اسے لے کیونکہ ثمن ہونے میں دونوں کی جنس ایک ہے۔

33549۔ (قولہ: لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ لَهُ مِنَ الْآبَاءِ) اس پر دلیل یہ ہے کہ وہ اس سے یہ امید نہیں رکھتے کہ وہ انہیں واپس کرے گا جو ان کی خرید سے زائد ہوگا حالانکہ انہیں عموماً اس کا علم ہوتا ہے۔ کہ وہ جس قدر پیسے لے رہا ہے وہ چٹائیوں کی قیمتوں سے زائد ہے حاصل یہ ہے کہ معمول محکم ہے۔ فافہم

33550۔ (قولہ: لَا بَأْسَ بِوَطْءِ الْمَنْكُوحَةِ الخ) ''المجتبیٰ'' میں بعض مشائخ سے نقل کیا ہے۔ ''ہندیہ'' میں نقل کیا ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔

33551۔ (قولہ: تَصَدَّقَ بِهِ) یعنی اعلان کرانے کے بعد صدقہ کرے اگرچہ اسے اس کی ضرورت ہو۔

33552۔ (قولہ: لَا بَأْسَ بِالْجِمَاعِ فِي بَيْتٍ فِيهِ مُصْحَفٌ لِلْبَلْوَى) ''القنیہ'' میں اس کی قید لگائی ہے کہ وہ ڈھانپا ہوا ہو اس میں جو قول ہے اگر اسے روایت پر محمول کیا جائے تو تنافی زائل ہو جائے گی۔ ''ط''۔

مسلمان عورت کا زین پر سوار ہونے کا شرعی حکم

33553۔ (قولہ: لِلْحَدِيثِ) حدیث یہ ہے: لعن اللہ الفروج علی السروج (1) اللہ تعالیٰ ان عورتوں پر لعنت کرے جو زینوں پر ہیں۔ ''ذخیرہ''۔ لیکن مدنی نے ابو الطیب سے نقل کی ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔ یعنی ان الفاظ کے اعتبار سے کوئی اصل نہیں ورنہ اس کا معنی ثابت ہے۔ ''بخاری'' وغیرہ میں ہے: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال (2)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت کی ہے جو عورتوں کے

1۔ الموضوعات الکبری، صفحہ 185، حدیث نمبر 715، حرف اللام

2۔ سنن ترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی المشبھات بالرجال والنساء، جلد 2، صفحہ 401، حدیث نمبر 2708

هٰذَا لَوْ لِلتَّلَهِّي، وَلَوْ لِحَاجَةِ غَزْوٍ أَوْ حَجٍّ أَوْ مَقْصِدٍ دِينِيٍّ أَوْ دُنْيَوِيٍّ لَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ فَلَا بَأْسَ بِهِ تَغَنِّي بِالْقُرْآنِ وَلَمْ يَخْرُجْ بِأَلْحَانِهِ عَنْ قَدْرٍ هُوَ صَحِيحٌ فِي الْعَرَبِيَّةِ مُسْتَحْسَنٌ ذِكْرُ اللهِ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلَى طُلُوعِ الشَّمْسِ أَوْلَى مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ، وَتُسْتَحَبُّ الْقِرَاءَةُ عِنْدَ الطُّلُوعِ أَوِ الْغُرُوبِ لَا بَأْسَ لِلْإِمَامِ عَقِبَ الصَّلَاةِ

یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ لہو ولعب کی بنا پر ایسا کرے۔ اگر جہاد کی ضرورت، حج، دینی مقصد یا دنیاوی مقصد کے لیے کرے جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ قرآن حکیم کو خوش الحانی سے پڑھنا جب کہ خوش الحانی میں اس مقدار سے نہ نکلے جو عربی زبان میں صحیح ہے تو یہ مستحسن ہے۔ طلوع فجر سے سورج کے طلوع ہونے تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا یہ قرآن حکیم پڑھنے سے بہتر ہے۔ طلوع آفتاب یا غروب آفتاب کے وقت قراءت کرنا مستحب ہے۔ نماز کے بعد

ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

''طبرانی'' کی حدیث ہے: ان امراۃ مرت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متقلدۃ قوسا فقال: لعن اللہ المتشبھات من النساء بالرجال والمتشبھین من الرجال بالنساء(1)، ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزری جو کمان لٹکائے ہوئے تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان عورتوں پر لعنت کرے جو مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتی ہیں اور ان مردوں پر لعنت کرے جو عورتوں سے مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

33554۔ (قولہ: وَلَوْ لِحَاجَةِ غَزْوٍ الخ) یعنی اس شرط کے ساتھ کہ وہ پردے کا اہتمام کیے ہوئے ہو اور وہ اپنے خاوند یا محرم کے ساتھ ہو۔

33555۔ (قولہ: أَوْ مَقْصِدٍ دِينِيٍّ) جیسے صلہ رحمی کے لیے سفر ''ط''۔

33556۔ (قولہ: تَغَنِّي بِالْقُرْآنِ) یہ سابقہ کے ساتھ متکرر ہے۔

طلوع فجر سے لے کر اشراق کی نماز تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا مستحب ہے

33557۔ (قولہ: وَتُسْتَحَبُّ) ''المجتبیٰ'' میں پہلا مسئلہ اسی طرح ذکر کیا ہے۔ پھر اس مسئلہ کو بعض مشائخ کی طرف رمز کے انداز میں ذکر کیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ دو قول ہیں۔ کیونکہ پہلا مسئلہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ قراءت کی بجائے ذکر کرنا افضل ہے یہی کتاب الصلاۃ میں پہلے گزر چکا ہے۔ ''القنیہ'' میں اسی پر اکتفا کیا ہے۔ کیونکہ کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود دعا اور تسبیح یہ قرآن حکیم کی قراءت سے ان اوقات میں افضل ہیں جن میں نماز پڑھنے سے نہی کی گئی ہے۔

33558۔ (قولہ: لَا بَأْسَ لِلْإِمَامِ) یعنی امام اور مقتدیوں کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں۔

33559۔ (قولہ: عَقِبَ الصَّلَاةِ) یعنی صبح کی نماز کے بعد۔ ''القنیہ'' میں کہا ہے: امام کا یہ معمول ہے کہ وہ صبح کی نماز کے بعد جماعت کے ساتھ آیۃ الکرسی اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات شھد اللہ وغیرہ جہراً پڑھتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اخفا

1۔ الترغیب والترہیب مترجم، کتاب اللباس والزینۃ، جلد 2، صفحہ 79

بِقِرَاءَةِ آيَةِ الْكُرْسِيِّ وَخَوَاتِيمِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ وَالْإِخْفَاءُ أَفْضَلُ قِرَاءَةُ الْفَاتِحَةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ جَهْرًا لِلْمُهِمَّاتِ بِدْعَةٌ قَالَ أُسْتَاذُنَا لَكِنَّهَا مُسْتَحْسَنَةٌ لِلْعَادَةِ وَالْآثَارِ الرِّشْوَةُ لَا تُمْلَكُ بِالْقَبْضِ لَا بَأْسَ بِالرِّشْوَةِ إِذَا خَافَ عَلَى دِينِهِ وَالنَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يُعْطِي الشُّعَرَاءَ وَلِمَنْ يَخَافُ لِسَانَهُ

امام کے لیے آیۃ الکرسی اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور اخفا کی صورت میں پڑھنا افضل ہے۔ نماز کے بعد مشکلات کے لیے بلند آواز سے سورۂ فاتحہ پڑھنا بدعت ہے۔ ہمارے استاذ نے کہا: لیکن یہ معمول اور آثار کی وجہ سے مستحسن ہے۔ رشوت پر قبضہ کر لینے کے باوجود وہ اس کا مالک نہیں ہوتا۔ جب ایک آدمی کو اپنے دین کے بارے میں خوف ہو تو رشوت دینے میں کوئی حرج نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شعراء اور جن کی زبان سے اذیت کا خوف ہوتا

افضل ہے۔ کتاب الصلاۃ میں یہ گزر چکا ہے کہ آیت الکرسی اور معوذات اور تسبیحات پڑھنا مستحب ہے اور سنتوں کو موخر کرنا مکروہ ہے مگر اتنا موخر کر سکتا ہے: اللھم انت السلام الخ۔

33560۔ (قولہ: قَالَ أُسْتَاذُنَا) وہ بدیع صاحب ''المجتبیٰ'' کے شیخ ہیں۔ امام ''جلال الدین'' نے اسے اختیار کیا ہے۔ اگر نماز ایسی ہے جس کے بعد سنتیں ہیں تو یہ مکروہ ہے ورنہ نہیں۔ ''طحطاوی'' نے ''ہندیہ'' سے نقل کیا ہے۔

راشی رشوت پر قبضہ کر لینے کے باوجود اس کا مالک نہیں ہوتا

33561۔ (قولہ: لَا تُمْلَكُ بِالْقَبْضِ) مالک کو اس کے واپس لینے کا حق ہے۔ اس کے بعد ''مجتبیٰ'' میں ذکر کیا ہے: اگر اس نے مرتشی کے مطالبہ کے بعد رشوت دی تو قضاءً اسے واپس لینے کا حق نہیں ہوگا۔ اور مرتشی پر واجب ہوگا کہ اسے واپس کر دے۔ اسی طرح عالم کا معاملہ ہے جب اسے کوئی شے بطور رشوت ہدیہ دی جائے تا کہ وہ اس کی سفارش کرے یا اس سے ظلم کو دور کرے۔ پھر اس کے بعد کہا: سلطان کے پاس اس نے اس کے لیے کوشش کی اور اس کا معاملہ مکمل ہو گیا تو اس کے بعد ہدیہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس سے قبل اس کا مطالبہ کیا تو یہ حرام ہوگا۔ مطالبہ کے بغیر ہو تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ ہمارے مشائخ کا قول ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ تلامذہ سے ہدیہ قبول کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ''ط''۔

اپنی ذات سے ظلم دور کرنے کے لیے اور اپنا حق لینے کے لیے رشوت دینا جائز ہے

33562۔ (قولہ: إِذَا خَافَ عَلَى دِينِهِ) ''المجتبیٰ'' کی عبارت ہے: لمن یخاف اس میں یہ بھی ہے: ظالم سلطان کو اپنی ذات سے ظلم دور کرنے کے لیے، اپنے مال کا دفاع کرنے کے لیے اور اپنا حق لینے کے لیے یہ دینے والے کے حق میں رشوت نہیں۔

33563۔ (قولہ: كَانَ يُعْطِي الشُّعَرَاءَ) ''خطابی'' نے ''الغریب'' میں حضرت ''عکرمہ'' سے مرسل روایت نقل کی ہے: ایک شاعر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یا بلال اقطع لسانہ عنی (1) اس

1۔ کنز العمال، کتاب الاخلاق الباب الاول فی الاخلاق فصل الشعر المذموم، جلد 3، صفحہ 848، حدیث نمبر 8927

وَكَفَى بِسَهْمِ الْمُؤَلَّفَةِ مِنَ الصَّدَقَاتِ دَلِيلًا عَلَى أَمْثَالِهِ جَمَعَ أَهْلُ الْمَحَلَّةِ لِلْإِمَامِ فَحَسَنٌ وَمِنَ السُّحْتِ مَا يُؤْخَذُ عَلَى كُلِّ مُبَاحٍ كَمِلْحٍ وَكَلَأٍ وَمَاءٍ وَمَعَادِنَ وَمَا يَأْخُذُهُ غَازٍ لِغَزْوٍ وَشَاعِرٌ لِشِعْرٍ وَمَسْخَرَةٌ وَحَكَوَاتِيٌّ قَالَ تَعَالَى وَمِنَ النَّاسِ

اسے مال عطا فرمایا کرتے تھے۔ زکوۃ میں مولفۃ القلوب کا حصہ اس جیسی صورتوں میں بطور دلیل کافی ہے۔ اہل محلہ نے امام کے لیے کوئی چیز جمع کی تو یہ حسن ہے۔ اور حرام میں سے یہ ہے جو ہر مباح چیز پر مال لیا جاتا ہے جیسے نمک، گھاس، پانی اور معدنیات اور وہ مال جو غازی غزوہ کے لیے لیتا ہے اور شاعر شعر کی وجہ سے لیتا ہے اور جو مال مسخرہ اور حکایت بیان کرنے والا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اور لوگوں میں سے وہ ہیں

کی زبان کو مجھ سے روک لے تو حضرت بلال نے اس شاعر کو چالیس درہم عطا فرمائے۔

33564۔ (قولہ: جَمَعَ أَهْلُ الْمَحَلَّةِ) یعنی خوراک یا دراہم میں سے کچھ جمع کیے۔ ''ط''۔

33565۔ (قولہ: فَحَسَنٌ) یعنی اگر وہ اس طرح کریں تو یہ بہت اچھا ہے۔ اسے اجرت نہیں کہتے جس طرح ''الخلاصہ'' میں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ متقدمین کے تعریفات میں سے جو امامت وغیرہ طاعات پر اجرت وغیرہ لینے سے منع کرتے ہیں تا کہ اس پر نص قائم کرنے کا ثمرہ ظاہر ہو جائے۔ ورنہ احسان کا بدلہ احسان یہ تو ہر کسی کو مطلوب ہے۔ تامل

حرام کمائی کا بیان

33566۔ (قولہ: وَمِنَ السُّحْتِ) یہ سین کے ضمہ کے ساتھ ہو یا دو ضموں کے ساتھ ہو۔ مراد حرام ہے یا کمائیوں میں سے جو بھی خبث ہو۔ پس اس سے عار لازم آتی ہے۔ اس کی جمع اسحات ہے اسحت یعنی اسے کمایا، ''قاموس''۔ یہ بھی حرام ہے جو سسر داماد سے اپنی بیٹی کے سبب اس کی خوشی سے لیتا ہے یہاں تک کہ اگر سسر کے مطالبہ پر ہو تو داماد اس کی واپسی کا مطالبہ کرے گا۔ ''مجتبیٰ''۔

33567۔ (قولہ: وَمَا يَأْخُذُهُ غَازٍ لِغَزْوٍ) یعنی شہر کے لوگوں سے جبراً وصول کرتا ہے پس یہ اس پر حرام ہو گا دینے والے پر حرام نہیں ہو گا۔ ''ط''۔

33568۔ (قولہ: وَشَاعِرٌ لِشِعْرٍ) کیونکہ معمول یہ ہے کہ اس کی زبان سے بچنے کے لیے اس کا مال دیا جاتا ہے جس طرح گزر چکا ہے اگرچہ شاعران میں سے ہو جس کے شر سے عموماً امن ہوتا ہے ظاہر یہ ہے کہ جو مال اسے دیا جاتا ہے وہ اس کے لیے حلال ہو گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت کعب کو اپنی چادر عطا فرمائی تھی اس نے اپنے مشہور قصیدہ سے آپ کی مدح کی تھی۔ تامل

33569۔ (قولہ: وَمَسْخَرَةٌ وَحَكَوَاتِيٌّ) ''المجتبیٰ'' کی عبارت ہے: او المضحک الناس او یسخر منهم الخ یا لوگوں کو ہنساتا ہو، ان سے مذاق کرتا ہو یا وہ لوگوں کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے غزوات ذکر کرتا ہو۔ خصوصاً

مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ وَأَصْحَابُ مَعَازِفَ وَقَوَّادٌ وَكَاهِنٌ وَمُقَامِرٌ وَوَاشِمَةٌ وَفُرُوعُهُ كَثِيرَةٌ قِيلَ لَهُ يَا خَبِيثُ وَنَحْوُهُ جَازَ لَهُ الرَّدُّ
جولہوالحدیث خریدتے ہیں اور جولہو ولعب والے، بندر نچانے والے، جوا باز اور گودنے والی مال لیتی ہے۔ یہ حرام میں سے ہیں اس کی فروع بہت زیادہ ہیں۔ اسے کہا گیا: اے خبیث وغیرہ تو اسے جواب دینا جائز ہوگا

عجمیوں کے قصے بیان کرتا ہو جیسے رستم، اسفند یار وغیرہما، تامل۔ اس میں غور کیجئے کیا حکواتی، یہ عربی نسبت ہے۔

33570۔(قولہ: لَهْوَ الْحَدِيثِ) یعنی جولہو ولعب کے طور پر بیان کی جاتی ہے جیسے ایسی باتیں جن کی اصل نہ ہو اور پہلے لوگوں کے ایسے قصے کہانیاں جن کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا لطیفے اور فضول کلام۔ اضافت اس کی طرف ہے جو اس معنی میں ہے جو نضر بن حارث بن کلدہ میں نازل ہوئی وہ تجارت پیشہ تھا وہ حیرہ آتا اور عجمیوں کے قصے کہانیاں خریدتا اور قریش کو سنایا کرتا اور کہتا: بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے سامنے عاد و ثمود کے قصے بیان کرتا ہے اور میں تمہیں رستم اور کسریٰ کے واقعات سناتا ہوں۔ وہ اس کی باتوں میں لذت محسوس کرتے اور قرآن کی سماعت کو ترک کر دیتے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا''ط''۔

33571۔(قولہ: مَعَازِفَ) یعنی لہو ولعب۔

33572۔(قولہ: وَكَاهِنٌ) یہاں اس سے مراد نجومی ہے۔ ورنہ ''مغرب'' میں ہے: علماء نے کہا: کہانت عربوں میں بعثت سے قبل تھی۔

یہ روایت کی جاتی ہے: شیاطین چوری چھپے سنا کرتے تھے اور کاہنوں کو القا کیا کرتے تھے۔ اس میں جو چاہتے اضافہ کر دیتے اور کفار ان سے اسے قبول کر لیتے جب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا اور آسمانوں پر نگہبانی کر دی گئی تو کہانت باطل ہوگئی (1)۔

33573۔(قولہ: وَفُرُوعُهُ كَثِيرَةٌ) ان میں سے وہ ہیں جس طرح ''المجتبیٰ'' میں ہے: جو نغمہ گانے والی گانے پر، نوحہ کرنے والی نوحہ کرنے پر، گودنے والی، عقد نکاح میں معاملہ کرانے والی، دو ناراض لوگوں میں مصالحت کرانے والا مال لیتا ہے، شراب کی قیمت، نشہ آور چیز کی قیمت، نر چھوڑنے کی اجرت، مردار جانور کی جلد کی قیمت اور درندوں کی جلد کی قیمت جب کہ دباغت سے پہلے ہو بدکارہ کا مہر اور پچھنے لگانے والے کی اجرت جب شرط کے ساتھ ہو۔ لیکن ''المواہب'' میں ہے: مغنی، نائحہ اور قوال جب شرط لگا کر مال لیں تو حرام ہے اس کے بغیر حرام نہیں۔ اسی طرح صاحب الطبل اور صاحب مزمار کا معاملہ ہے جس طرح ہم اسے پہلے ''ہندیہ'' سے نقل کر چکے ہیں۔

33574۔(قولہ: جَازَ لَهُ الرَّدُّ) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ (شوریٰ) ''اور جو بدلہ لیتے ہیں اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد پس یہ لوگ ہیں جن پر کوئی ملامت نہیں''۔

1۔ درمنثور، سورۃ الجن، زیر آیت وانا لمسنا السماء، جلد 6

فِي كُلِّ شَتِيمَةٍ لَا تُوجِبُ الْحَدَّ وَتَرْكُهُ أَفْضَلُ كُرِهَ قَوْلُ الصَّائِمِ الْمُتَطَوِّعِ إِذَا سُئِلَ أَصَائِمٌ حَتَّى أَنْظُرَ فَإِنَّهُ نِفَاقٌ أَوْ حُمْقٌ مَنْ لَهُ أَطْفَالٌ وَمَالٌ قَلِيلٌ لَا يُوصِي بِنَفْلٍ مَنْ صَلَّى أَوْ تَصَدَّقَ يُرَائِي بِهِ النَّاسَ

ہر ایسی گالی میں جو حد کو واجب نہ کرے اس کا ترک کرنا افضل ہے۔ وہ روزہ دار جو نفلی روزہ رکھے ہوئے ہو جب اس سے پوچھا جائے کیا وہ روزے سے ہے؟ تو وہ جواب دے۔ یہاں تک کہ میں غور کروں دیکھوں تو یہ نفاق ہے یا بے وقوفی ہے۔ جس کے بچے چھوٹے ہوں اور تھوڑا سا مال ہو تو وہ نفلی وصیت نہ کرے۔ جو آدمی نماز پڑھے یا صدقہ کرے مقصود لوگوں کو دکھانا ہو

33575۔(قولہ: وَتَرْكُهُ أَفْضَلُ) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (شوریٰ:40) ''پس جو معاف کر دے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے''۔

33576۔(قولہ: حَتَّى أَنْظُرَ) ترکیب کلام میں یہ لفظ قول کا مفعول ہے۔''ط''۔

33577۔(قولہ: فَإِنَّهُ نِفَاقٌ) یہ منافقین کا عمل ہے یعنی وہ یہ ظاہر کرے کہ وہ اپنے عمل کو مخفی رکھ رہا ہے۔''ط''۔

33578۔(قولہ أَوْ حُمْقٌ) یعنی جہالت سے۔ زیادہ بہتر اس کا یہ کہنا ہے: اگر وہ روزے سے ہے تو وہ کہے: ہاں۔ کیونکہ روزہ ایسا عمل ہے جس میں ریا داخل نہیں ہوتی۔ یہ ان تاویلوں میں سے ایک تاویل ہے جس پر حدیث قدسی کو محمول کیا جاتا ہے، الصوم لی وانا اجزی بہ (1) روزہ میرے لیے ہے میں خود اس کی جزا دوں گا۔''ط''۔

وہ شخص جس کے بچے چھوٹے اور مال تھوڑا ہو نفلی وصیت نہ کرے

33579۔(قولہ: مَنْ لَهُ أَطْفَالٌ الخ) ''نور العین'' میں ''مجمع الفتاویٰ'' سے نقل کیا ہے: اگر وہ وارث چھوٹے ہوں تو وصیت کو ترک کرنا افضل ہے۔ اسی طرح اگر وہ بالغ فقراء ہوں اور دو تہائی سے مستغنی نہ ہوتے ہوں۔ اگر چھوٹے خود غنی ہوں یا دو تہائی مال سے غنی ہو جاتے ہوں تو وصیت زیادہ بہتر ہو گی۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک استغنا کی مقدار یہ معین کی ہے جب وہ ہر ایک کے لیے چار ہزار دراہم وصیت کے علاوہ چھوڑ دے۔ امام ''فضلی'' سے یہ مروی ہے: جب وہ دس ہزار چھوڑے۔

دکھلاوے کی نماز اور صدقہ کا حکم

33580۔(قولہ: مَنْ صَلَّى أَوْ تَصَدَّقَ الخ) یہ ذہن نشین رہے کہ عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرنا واجب ہے اس میں حرام یہ ہے کہ وہ اس عبادت سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے علاوہ کسی اور کی رضا کا ارادہ کرے اس کے حرام ہونے پر اجماع ہے۔ یہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریا کو شرک اصغر کا نام دیا ہے (2)۔ ''زیلعی'' نے اس کی یہ تصریح کی ہے کہ نمازی اس میں اخلاص نیت کا محتاج ہوتا ہے۔ ''معراج'' میں ہے: ہمیں عبادت کا حکم دیا گیا ہے اور اخلاص کے بغیر عبادت کا کوئی وجود نہیں اس اخلاص کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اخلاص کا معنی ہے کہ انسان اپنے افعال کو اللہ تعالیٰ کے لیے کر دے۔ یہ نیت

1۔ سنن ترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی فضل الصوم، جلد 1 صفحہ 436، حدیث نمبر 695

2۔ اللآلی المنثورہ للسیوطی، صفحہ 93، حدیث نمبر 122 مطبوعہ المکتبۃ الاسلامی

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

کے بغیر نہیں ہوتا۔ علامہ ''عینی'' نے ''بخاری'' کی شرح میں کہا ہے: طاعت میں اخلاص ریا کو ترک کرنا ہے اس کا معدن دل ہے۔ یہ نیت ثواب کے حصول کے لیے ہوتی ہے عمل کے صحیح ہونے کے لیے نہیں ہوتی۔ کیونکہ صحت شرائط اور ارکان کے متعلق ہوتی ہے۔ جو نیت نماز کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے دل سے جانے کہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے۔

''مختارات النوازل'' میں کہا ہے: جہاں تک ثواب کا تعلق ہے وہ اس کی عزیمت کے صحیح ہونے سے متعلق ہے وہ اخلاص ہے کیونکہ جو ناپاک پانی سے وضو کرے اور اس کو اس کا علم نہ ہو یہاں تک کہ نماز پڑھ لے تو حکم میں اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ شرط مفقود ہے لیکن وہ ثواب کا مستحق ہو جائے گا کیونکہ اس کی عزیمت صحیح ہے اور اس کی جانب سے کوئی کوتاہی نہیں۔

اس سے یہ معلوم ہو گیا ثواب اور صحت میں کوئی تلازم نہیں۔ بعض اوقات ثواب صحت کے بغیر پایا جاتا ہے جس طرح ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس کے برعکس معاملہ ہوتا ہے جس طرح وضو جب نیت کے بغیر کیا جائے تو وضو صحیح ہوگا اور اس میں ثواب نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ ریاکاری کرتے ہوئے نماز پڑھے لیکن ریا بعض اوقات اصل عبادت میں ہوتی ہے اور بعض اوقات اس کے وصف میں ہوتی ہے۔ پہلی کامل ریا ہے جو ثواب کی اصل سے محیط ہوتی ہے جس طرح وہ لوگوں کے لیے نماز پڑھتا ہے اگر لوگ نہ ہوتے تو وہ نماز نہ پڑھتا مگر جب اسے نماز کے درمیان یہ تصور لاحق ہوا تو یہ لغو ہوگا۔ کیونکہ اس نے نماز لوگوں کے لیے تو نہ پڑھی تھی بلکہ اس کی نماز اللہ تعالیٰ کے لیے خاص تھی۔ اور وہ جز جس میں ریا واقع ہوئی وہ اس خالص نماز کا بعض ہے۔ ہاں اگر اس کے بعد وہ نماز کی تحسین میں اضافہ کرتا ہے تو یہ دوسری قسم کی طرف راجع ہو جائے گی پس تحسین کا ثواب ساقط ہو جائے گا۔ اس کی دلیل وہ ہے جو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس آدمی کے بارے میں مروی ہے جو آنے والے آدمی کے لیے رکوع کو لمبا کرتا ہے نہ کہ قربت کی نیت سے لمبا کرتا ہے فرمایا: میں اس امر عظیم سے خوف کرتا ہوں۔ مراد شرک خفی ہے جس طرح بعض محققین نے کہا ہے۔

''تاتر خانیہ'' میں کہا: اگر اس نے نماز کا آغاز خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کیا پھر اس کے دل میں ریا واقع ہو گیا تو وہ اس پر ہوگا جس پر اس نے نماز کو شروع کیا تھا۔ ریا یہ ہے کہ اگر لوگوں سے علیحدہ ہوتا تو وہ نماز ہی نہ پڑھتا اگر لوگوں کے ساتھ ہوتا تو نماز پڑھتا۔ مگر وہ لوگوں کے ساتھ ہو تو اس کو اچھی طرح ادا کرتا ہے اور اگر اکیلے پڑھے تو اس کو اچھے طریقے سے نہیں پڑھتا تو اس کو نفس عبادت کا ثواب ملے گا احسان کا ثواب نہیں ملے گا۔ روزے میں ریا داخل نہیں ہوتی۔ ''ینابیع'' میں ہے: ''ابراہیم بن یوسف'' نے کہا: اگر اس نے ریا کے طور پر نماز پڑھی تو اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا اور اس پر گناہ ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا اور اس پر گناہ ہوگا۔ وہ اس طرح ہے گویا اس نے نماز پڑھی ہی نہیں الخ۔ شاید ریا روزے میں داخل ہی نہیں ہوتی کیونکہ اس کو دیکھا نہیں جاتا۔ کیونکہ یہ خاص امساک ہے اس میں کوئی اور فعل نہیں ہاں کبھی اس کی خبر دینے اور اس کو ذکر میں ریا آسکتی ہے۔ تامل

واقعات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الصوم لی وانا اجزی بہ (1)، اس

1۔ سنن ترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی فضل الصوم، جلد 1 صفحہ 436، حدیث نمبر 695

لَا يُعَاقَبُ بِتِلْكَ الصَّلَاةِ وَلَا يُثَابُ بِهَا قِيلَ هٰذَا فِي الْفَرَائِضِ وَعَمَّمَهُ الزَّاهِدِيُّ لِلنَّوَافِلِ
تو اس نماز پر اس کا نہ عقاب ہوگا اور نہ ہی ثواب ہوگا۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حکم فرائض کے متعلق ہے۔زاہدی نے اسے نوافل میں عام قرار دیا ہے۔

میں غیر کی شرکت کی نفی کر دی ہے باقی ماندہ طاعات میں اس کا ذکر نہیں فرمایا۔

پھر یہ ذہن نشین کر لو ریا میں سے یہ ہے کہ تلاوت وغیرہ اجرت کے بدلے میں کی جائے۔کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے علاوہ کا قصد کیا گیا ہے وہ مال ہے۔اسی وجہ سے علماء نے کہا: اس میں نہ قاری کے لیے ثواب ہے اور نہ ہی میت کے لیے ثواب ہے لینے والا دینے والا دونوں گناہگار ہیں۔علماء نے یہ بھی کہا ہے: بے شک جس نے حج اور تجارت دونوں کی نیت کی تو اس کے لیے کوئی ثواب نہیں ہوگا اگر تجارت کی نیت غالب ہو یا مساوی ہو۔''ذخیرہ'' میں ہے: جب ایک آدمی نے جمعہ پڑھنے اور دوسری ضروریات جو اس شہر میں تھیں کے لیے سعی کی اگر بڑا مقصد پہلا ہو تو اسے جمعہ کی طرف سعی کا ثواب ملے گا اگر دوسرا بڑا مقصد ہو تو ثواب نہیں ملے گا۔یعنی اگر دونوں برابر ہوئے تو دونوں ساقط ہو جائیں گے جس طرح یہ اس سے معلوم ہو جاتا ہے جو قول گزر چکا ہے۔اس تفصیل کو''امام غزالی'' نے بھی پسند کیا ہے اور ان کے علاوہ دوسرے شافعی علماء نے بھی پسند کیا ہے۔ان میں سے''عز بن عبد السلام'' نے مطلقاً عدم ثواب کو اختیار کیا ہے۔

33581۔(قولہ: لَا يُعَاقَبُ بِتِلْكَ الصَّلَاةِ وَلَا يُثَابُ بِهَا) یہی اس کا معنی ہے جسے''ینابیع'' میں بعض علماء سے نقل کیا ہے۔اس سے یہ مراد نہیں کہ ریا پر عتاب نہیں ہوگا۔کیونکہ یہ حرام ہے کبائر میں سے ہے پس اس وجہ سے وہ گناہگار ہوگا۔اسی پر اس قول کو محمول کیا جائے گا جو''ابراہیم بن یوسف'' سے گزر چکا ہے کہ اس پر کوئی اجر نہیں ہوگا اور اس پر گناہ ہوگا۔مراد یہ ہے کہ اس نماز پر نماز کے تارک کا عتاب نہیں ہوگا کیونکہ یہ نماز صحیح ہے فرض کو ساقط کرنے والی ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔''بزازیہ'' میں کہا: فرائض میں واجب کے سقوط کے حق میں کوئی ریا نہیں۔''الاشباہ'' میں کہا: اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے کہ ریا کے ساتھ فرائض صحیح ہوتے ہیں اور واجب کو ساقط کرنے والے ہوتے ہیں۔

صاحب''الہدایہ'' کی''مختارات النوازل'' میں ہے: جب ایک آدمی نے ریا اور شہرت کے لیے نماز پڑھی تو شرائط اور ارکان کے پائے جانے کی وجہ سے حکم میں اس کی نماز جائز ہوگی لیکن وہ ثواب کا مستحق نہیں ہوگا۔یعنی کئی گنا ثواب کا مستحق نہیں ہوگا۔''الذخیرہ'' میں کہا: فقیر''ابولیث'' نے''النوازل'' میں کہا: ہمارے بعض مشائخ نے کہا ہے: ریا فرائض میں سے کسی شے میں داخل نہیں ہوتی۔یہی صحیح مذہب ہے۔بے شک ریا اصل ثواب کو فوت نہیں کرتی بلکہ کئی گنا ثواب کو ختم کرتی ہے۔اس میں اس کی مخالفت ہے جس کا ذکر پہلے کیا ہے کہ ثواب عزیمت کی صحت کے متعلق ہوتا ہے مگر جب اسے اس پر محمول کیا جائے یا جو یہاں ہے اسے اس پر محمول کیا جائے کہ اصل ثواب سے مراد اس نماز سے فرض کا سقوط ہے اور اس پر اس عقاب کا ترک ہے جو نماز کے تارک کے لیے ہوتا ہے۔اس سے فرائض کے ساتھ تخصیص کا فائدہ ظاہر ہو جاتا ہے۔فلیتامل

33582۔(قولہ: وَعَمَّمَهُ الزَّاهِدِيُّ لِلنَّوَافِلِ) یعنی اسے نفلی عبادات کی انواع میں عام کیا ہے فرائض میں اس کو عام

لِقَوْلِهِمُ الرِّيَاءُ لَا يَدْخُلُ الْفَرَائِضَ غَزْلُ الرَّجُلِ عَلَى هَيْئَةِ غَزْلِ الْمَرْأَةِ يُكْرَهُ يُكْرَهُ لِلْمَرْأَةِ سُؤْرُ الرَّجُلِ وَسُؤْرُهَا لَهُ وَلَهُ ضَرْبُ زَوْجَتِهِ عَلَى تَرْكِ الصَّلَاةِ

کیونکہ علما کا قول ہے ریا فرائض میں داخل نہیں ہوتا۔ مرد کا عورت کی ہیئت پر سوت کاتنا مکروہ ہے۔ عورت کے لیے مرد کا جوٹھا اور عورت کا جوٹھا مرد کے لیے مکروہ ہے۔ عورت نماز ترک کرے تو خاوند اظہر قول کے مطابق

نہیں کیا۔ مراد یہ نہیں کہ اسے نوافل اور فرائض میں عام کیا ہے جس طرح عبادت سے متبادر مفہوم سمجھ آتا ہے ورنہ وہ تعلیل صحیح نہ ہوگی جو اس کے بعد ہے۔ پس زیادہ ظاہر یہ کہنا ہے: د خصصه الزاهدی بالنوافل۔ ''زاہدی'' کی عبارت ''المجتبیٰ'' میں ہے لیکن ''الواقعات'' میں نص قائم کی ہے: ریا فرائض میں داخل نہیں ہوتی پس نوافل متعین ہو گئے۔

پھر یہ جان لو کہ ''زاہدی'' نے جو ذکر کیا ہے وہ ماقبل کے منافی نہیں۔ کیونکہ جو ماقبل قول گزرا ہے اس کی مراد ہے جس طرح ہم نے ثابت کیا ہے کہ نماز صحیح ہے واجب کو ساقط کرنے والی ہے ریا اس کے بطلان میں موثر نہیں بلکہ ثواب کے معدوم کرنے میں موثر ہے۔ ''زاہدی'' کے نوافل کی تخصیص کرنے کا مطلب یہ ہے جو ظاہر ہے کہ ریا نماز کے ثواب کو اصلاً ختم کر دیتی ہے گویا اس نے وہ نماز پڑھی ہی نہیں مثلاً جب اس نے ظہر کی سنتیں ریا کے طور پر لوگوں کے لیے پڑھیں اگر لوگ نہ ہوتے تو وہ انہیں نہ پڑھتا یہ نہ کہا جائے گا: وہ اسے بجالایا ہے۔ پس وہ نماز کے تارک کے حکم میں ہوگا۔ فرض کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ فرائض کے تارک کے حکم میں نہیں یہاں تک کہ اس کے تارک کے عتاب سے اس کا عقاب نہیں ہوگا۔ فرق یہ ہے کہ نوافل سے مقصود ثواب ہے تاکہ فرائض کو مکمل کر دے اور اس کے خلل کو ختم کر دے یہ میرے قاصر فہم کے لیے ظاہر ہوا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

33583۔ (قولہ: يُكْرَهُ) کیونکہ اس صورت میں عورتوں سے مشابہت ثابت ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مردوں اور عورتوں پر لعنت کی ہے جو دوسری جنس کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

اجنبی مرد کا جوٹھا عورت کے لیے اور اجنبی عورت کا مرد کے لیے مکروہ ہے

33584۔ (قولہ: يُكْرَهُ لِلْمَرْأَةِ الخ) مسئلہ کتاب الطہارۃ میں الاسار کی بحث میں پہلے گزر چکا ہے اور اس کی علت بھی اس میں گزر چکی ہے جس طرح وہاں ''المنح'' میں ذکر کیا ہے کہ مرد اجنبی عورت کے اجزاء میں سے کچھ اجزاء کو استعمال کرنے والا ہو جاتا ہے۔ وہ ایسی تھوک ہے جو پانی کے ساتھ خلط ملط ہو۔ اور اس کے برعکس صورت میں اگر عورت مرد کا جوٹھا پیے جب کہ یہ جائز نہیں ہم وہاں اس پر پہلے گفتگو کر چکے ہیں۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ ''رملی'' نے کہا: یہ واجب تھا کہ بیوی اور محارم کے علاوہ کی قید لگاتا۔

وہ امور جن میں مرد کے لیے اپنی بیوی کو مارنا جائز ہے

33585۔ (قولہ: وَلَهُ ضَرْبُ زَوْجَتِهِ عَلَى تَرْكِ الصَّلَاةِ) اسی طرح جب وہ زینت کو ترک کرے اور غسل جنابت نہ کرے تو اسے مار سکتا ہے، اور جب وہ گھر سے نکل جائے اور جب اسے بستر پر آنے کی دعوت دے تو وہ نہ آئے تو اسے مار سکتا

عَلَى الْأَظْهَرِ لَا يَجِبُ عَلَى الزَّوْجِ تَطْلِيقُ الْفَاجِرَةِ لَا يَجُوزُ الْوُضُوءُ مِنَ الْحِيَاضِ الْمُعَدَّةِ لِلشُّرْبِ فِي الصَّحِيحِ وَيُمْنَعُ مِنَ الْوُضُوءِ مِنْهُ وَفِيهِ وَحَمْلُهُ لِأَهْلِهِ إِنْ مَأْذُونًا بِهِ جَازَ

بیوی کو مار سکتا ہے۔ خاوند پر یہ واجب نہیں کہ فاجر عورت کو طلاق دے۔ اس حوض سے وضو کرنا جائز نہیں جسے پینے کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے۔ اس سے پانی لے کر وضو کرنے اور اس میں وضو کرنے سے اپنے اہل کے لیے پانی لے جانے سے اسے منع کیا جائے گا۔ اگر اس کی اجازت ہو تو اجازت ہے

ہے۔ اس کی مکمل بحث باب التعزیر میں گزر چکی ہے۔ ضابطہ یہ ہے: ہر ایسی معصیت جس میں حد نہ ہو خاوند اور آقا اس میں تعزیر لگا سکتا ہے۔ اور ولی کو حق حاصل ہے کہ دس سال کے بچے کو نماز ترک کرنے پر مارے، اسے خاوند کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا اور اسے حق حاصل ہے کہ اپنے لڑکے کو قرآن کی تعلیم، ادب اور علم پر مجبور کرے اور جن امور میں وہ اپنے بچے کو مار سکتا ہے ان میں وہ یتیم کو مار سکتا ہے۔

33586۔ (قولہ: عَلَى الْأَظْهَرِ) ''الکنز'' اور ''الملتقی'' میں اسی پر گامزن ہوئے ہیں۔ ایک روایت میں ہے: اسے یہ حق حاصل نہیں باب التعزیر میں ''الدرر'' کی پیروی میں مصنف اس پر گامزن ہوئے ہیں۔

مرد پر فاجرہ عورت اور عورت پر فاجر مرد سے جدائی واجب نہیں

33587۔ (قولہ: لَا يَجِبُ عَلَى الزَّوْجِ تَطْلِيقُ الْفَاجِرَةِ) اور نہ ہی عورت پر لازم ہے کہ فاجر خاوند سے وہ جدائی لے مگر جب دونوں پر خوف ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود قائم نہیں کر سکیں گے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا کہ وہ جدائی اختیار کر لیں۔ ''مجتبیٰ''۔

فجور زنا وغیرہ کو عام ہے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی سے فرمایا تھا جس کی بیوی کسی لمس کرنے والے کا ہاتھ نہیں رد کرتی تھی جب کہ اس نے یہ کہا تھا: میں اس سے محبت کرتا ہوں تو فرمایا: اس سے متمتع ہو (1)۔ ''ط''۔

33588۔ (قولہ: لَا يَجُوزُ الْوُضُوءُ مِنَ الْحِيَاضِ الْمُعَدَّةِ لِلشُّرْبِ) یہ تیمم کے جواز کے مانع نہیں ہوگا مگر جب پانی بہت زیادہ ہو پس اس کی کثرت سے یہ استدلال کیا جائے گا کہ اس حوض کو پانی پینے اور وضو کے لیے بنایا گیا ہے۔ ''بحر'' میں ''المحیط'' وغیرہ سے مروی ہے۔

33589۔ (قولہ: فِي الصَّحِيحِ) ابن فضل سے مروی ہے اس سے وضو کرنا جائز ہے اور جو حوض وضو وغیرہ کے لیے بنایا گیا ہو اس سے پانی پینا مباح نہیں ہوگا۔ ''بحر''۔

33590۔ (قولہ: وَيُمْنَعُ مِنَ الْوُضُوءِ مِنْهُ وَفِيهِ) اسے لائے ہیں تاکہ اس وہم کو دور کریں گے کہ اگر وہ اس میں وضو کرے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ یہ اس کو ضائع کرنا نہیں۔ لیکن اس کے لیے یہ کہنا کافی ہے: ولو فیہ۔ ''ط''۔

33591۔ (قولہ: وَحَمْلُهُ) یہ مبتدا ہے اس کی خبر جملہ شرطیہ ہے۔ ''ط''۔

1۔ سنن نسائی، کتاب النکاح، باب تزویج الزاھدۃ، جلد 2، صفحہ 473، حدیث نمبر 3176

وَإِلَّا لَا الْكَذِبُ مُبَاحٌ لِإِحْيَاءِ حَقِّهِ وَدَفْعِ الظُّلْمِ عَنْ نَفْسِهِ وَالْمُرَادُ
ورنہ اجازت نہ ہوگی۔ اپنے حق کو ظاہر کرنے کے لیے اور اپنی ذات سے ظلم کو دور کرنے کے لیے جھوٹ بولنا مباح ہے۔ یہاں جھوٹ بولنے سے مراد

اپنے حق کے احیا اور اپنی ذات سے ظلم دور کرنے کے لیے جھوٹ بولنا مباح ہے

33592۔ (قولہ: الْكَذِبُ مُبَاحٌ لِإِحْيَاءِ حَقِّهِ) جیسے شفیع ہے وہ رات سے بیع کے بارے میں جانتا ہے جب صبح ہوتی ہے تو وہ گواہی دیتا ہے اور کہتا ہے: علمت الآن۔ اسی طرح صغیرہ رات کو بالغ ہوتی ہے اور اپنے خاوند سے جدائی اختیار کرنے کے لیے خیار بلوغ استعمال کرتی ہے اور کہتی ہے: میں نے ابھی خون دیکھا ہے۔

یہ جان لو جھوٹ کبھی مباح ہوتا ہے اور کبھی واجب ہوتا ہے۔ اس میں ضابطہ یہ ہے جس طرح ''تبیین المحارم'' وغیرہ میں ہے ''الاحیاء'' سے منقول ہے: محمود مقصود جس تک سچ اور جھوٹ دونوں کے ذریعے پہنچنا ممکن ہے تو اس میں جھوٹ حرام ہے۔ اگر اس تک صرف جھوٹ بول کر پہنچنا ممکن ہو تو جھوٹ بولنا مباح ہوگا، اگر اس مقصود کا حاصل کرنا مباح ہو۔ اور اگر اس کا حاصل کرنا واجب ہو تو جھوٹ بولنا واجب ہوگا۔ جس طرح وہ ایک معصوم آدمی کو دیکھتا ہے جو ظالم سے چھپا ہوا ہے جو ظالم اس کے قتل کا ارادہ کرتا ہے یا اس کو اذیت دینے کا ارادہ کرتا ہے یہاں جھوٹ بولنا واجب ہے۔ اسی طرح اگر وہ اس سے ودیعت کے بارے میں سوال کرتا ہے جو ودیعت اس سے چھین لینے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا انکار کرنا واجب ہوگا اور اگر جنگ کا مقصود یا جن میں جدائی پڑ چکی ہے ان میں اصلاح یا جس پر جنایت کی گئی اس کے دل کا میلان مکمل نہ ہوتا ہو مگر جھوٹ کے ساتھ ایسا ہوتا ہو تو جھوٹ بولنا مباح ہوگا۔ اگر سلطان اس سے کسی فحش امر کے بارے میں پوچھے جو فحش امر اس سے راز داری سے واقع ہوا تھا جیسے زنا یا شراب نوشی تو اسے یہ کہنے کا حق ہوگا کہ میں نے یہ فعل نہیں کیا۔ کیونکہ اس کا اظہار ایک اور فاحشہ ہے اسی طرح اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے بھائی کے راز کا انکار کردے۔ اسے چاہیے کہ جھوٹ کے فساد کو اس فساد کے مقابل رکھے جو صدق پر مرتب ہوتا ہے۔ اگر سچ بولنے کا فساد زیادہ سخت ہو تو اسے جھوٹ بولنے کی اجازت ہوگی۔ اگر اس کے برعکس یا شک ہو تو جھوٹ بولنا حرام ہوگا۔ اگر وہ اس کی اپنی ذات سے متعلق ہو تو مستحب یہ ہے کہ وہ جھوٹ نہ بولے۔ اگر وہ غیر سے متعلق ہو تو غیر کے حق کی وجہ سے مسامحت جائز نہیں۔ اور جب مباح ہو تو احتیاط اس میں ہے کہ اس کو ترک کر دے۔ جس مبالغہ کا وہ عادی ہو چکا ہے وہ جھوٹ میں سے نہیں جیسے وہ کہے: میں تیرے پاس ہزار بار آ چکا ہوں کیونکہ مراد مبالغہ سمجھانا ہے باریاں بتانا نہیں۔ اگر وہ صرف ایک دفعہ آیا ہو تو وہ جھوٹا ہوگا۔ ملخص

مبالغہ کے جواز پر حدیث صحیح دلالت کرتی ہے: واما ابو جهم فلا يضع عصاه عن عاتقه (1)، یعنی ابوجہم سفر ختم نہیں کرتا یا ہر وقت مارتا رہتا ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقة ثلاثا، جلد 2، صفحہ 408، حدیث نمبر 2759

التَّعْرِيضُ لِأَنَّ عَيْنَ الْكَذِبِ حَرَامٌ قَالَ وَهُوَ الْحَقُّ قَالَ تَعَالَى قُتِلَ الْخَرَّاصُونَ الْكُلُّ مِنَ الْمُجْتَبَى
تعریض ہے۔ کیونکہ عین کذب تو حرام ہے۔ کہا: یہی حق ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: جھوٹ بولنے والے ہلاک ہوں۔ یہ سب مسائل ''المجتبیٰ'' سے منقول ہے۔

''ابن حجر مکی'' نے کہا: جن کی استثنا کی جاتی ہے ان میں سے شعر میں جھوٹ بھی ہے جب اس کو مبالغہ پر محمول نہ کیا جائے جس طرح اس کا قول ہے: انا ادعوك ليلا و نهارا، میں تجھے رات اور دن پکارتا رہتا ہوں، میں تیرے شکر سے کوئی مجلس خالی نہیں چھوڑتا۔ کیونکہ کاذب یہ ظاہر کرتا ہے کہ کذب سچ ہے اور اس کی ترویج کرتا ہے۔ شاعر کی غرض اس کی شعر میں سچائی نہیں ہوتی بلکہ یہ تو ایک صنعت ہے۔ شیخین یعنی ''رافعی'' اور ''نووی'' نے ان دونوں کو ''قفال'' اور ''صیدلانی'' سے نقل کرنے کے بعد کہا: یہ انتہائی حسین ہے۔

وہ تین جھوٹ جو نہیں لکھے جاتے ہیں

33593۔ (قولہ: قَالَ) یعنی صاحب ''المجتبیٰ'' نے کہا ہے: اس کی عبارت ہے: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: كل كذب مكتوب لا محالة الا ثلاثة الرجل مع امرائته اوولده والرجل يصلح بين اثنين والحرب فان الحرب خدعة (1)، ہر جھوٹ لامحالہ لکھا جائے گا مگر تین جھوٹ نہیں لکھے جائیں گے، ایک آدمی جب اپنی بیوی یا اپنے بچے کے ساتھ جھوٹ بولے، ایک آدمی جو دو آدمیوں کے درمیان صلح کروائے اور جنگ اور جنگ تو خفیہ تدبیر ہے۔ ''طحطاوی'' وغیرہ نے کہا: یہ معاریض پر محمول ہے کیونکہ عین کذب حرام ہے۔

میں کہتا ہوں: یہی حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝ (الذاریات) ''ستیاناس ہو اٹکل پچو باتیں بنانے والوں کا''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے: کذب فجور کے ساتھ ہے اور دونوں جہنم میں ہیں (2)۔ نجات اور مقصد کے حصول کے لیے عین کذب متعین نہیں ہوا۔

میں کہتا ہوں: اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو حضرت علی اور حضرت عمران بن حصین سے وارد ہوئی ہے: ان في المعاريض لمندوحة عن الكذب (3) اشارے کنایے میں انسان جھوٹ سے بچ جاتا ہے۔ یہ حدیث حسن ہے جس کا حکم مرفوع ہے جس طرح ''جراحی'' نے ذکر کیا ہے جس طرح جس آدمی کو کھانے کی دعوت دی گئی تو وہ کہہ دے: میں نے کھانا کھایا ہوا ہے یعنی کل کھایا تھا۔ جس طرح حضرت خلیل علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔ اس وقت حدیث میں استثنا ان تین چیزوں کی وجہ سے ہے۔ یہ کذب کی صورتوں میں سے ہے جہاں کسی حاجت کی بنا پر تعریض مباح ہو تو کسی اور مقصد کے لیے مباح نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ جھوٹ کا وہم دلاتا ہے اگرچہ لفظ جھوٹ نہیں۔ ''الاحیاء'' میں کہا: ہاں اشارۃً بات کرنا حقیقی غرض کی وجہ سے مباح ہے

1۔ شعب الایمان، باب حفظ اللسان، جلد 4، صفحہ 204، حدیث نمبر 4798

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، باب الدعاء بالعفو، جلد 2، صفحہ 525، حدیث نمبر 3838

3۔ الکامل لابن عدی راوی داؤد بن زبرقان، جلد 3، صفحہ 568

وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ قَالَ

وَلِلصُّلْحِ جَازَ الْكِذْبُ أَوْ دَفْعِ ظَالِمٍ وَأَهْلُ التَّرَضِّي وَالْقِتَالِ لِيَظْفَرُوا

وَيُكْرَهُ فِي الْحَمَّامِ تَغْمِيزُ خَادِمٍ وَمَنْ شَاءَ تَنْوِيرًا فَقَالُوا يُنَوِّرُ

وَيَفْسُقُ مُعْتَادُ الْمُرُورِ بِجَامِعٍ ....

''وہبانیہ'' میں ہے کہا: صلح کرانے کے لیے، ظالم کو دور کرنے کے لیے، بیوی کے لیے تا کہ وہ راضی ہو جائے اور جنگ کے لیے تا کہ کامیاب ہو جائیں جھوٹ بولنا جائز ہے۔ حمام میں خادم سے تغمیز مکروہ ہے۔ اور جو بال صفا پوڈر لگانا چاہے تو علما نے کہا: خود لگائے۔ اور جو آدمی جامع مسجد سے گزرنے کا عادی ہو اس کو فاسق قرار دیا جائے گا

جس طرح مزاح کے ساتھ دوسرے کے دل کو خوش کرنا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لا يدخل الجنة عجوز (1)، جنت میں کوئی بوڑھا آدمی داخل نہیں ہوگا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: في عين زوجتك بياض (2) تیری زوجہ کی آنکھ میں سفیدی ہے اور ان کا قول نحملك على ولد البعير (3) ہم تجھے اونٹ کے بچے پر سوار کریں گے، اور جو اسکے مشابہ ہیں۔

33594۔ (قولہ: جَازَ الْكِذْبُ) علم کے وزن پر یہ مختار ہے یعنی کاف کے نیچے کسرہ ہے اور اس کے بعد سکون ہے۔ شارح ''ابن شحنہ'' نے کہا: ''بزازیہ'' میں نقل کیا ہے: اس سے مراد تعریض لی ہے نہ کہ خالص جھوٹ لیا ہے۔

33595۔ (قولہ: وَأَهْلِ التَّرَضِّي) تا کہ اس کے ساتھ وحشت اور خصومت سے بچے۔ شارح جس طرح اس کا قول ہے: تو میرے ہاں اپنی سوکن سے بہتر ہے۔ یعنی بعض جہات میں بہتر ہے۔ میں عنقریب تجھے یہ عطا کروں گا۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا۔

خادم کا تہبند کے اوپر سے دابنا اور مالش کرنا مکروہ ہے

33596۔ (قولہ: وَيُكْرَهُ فِي الْحَمَّامِ تَغْمِيزُ) یعنی خادم کا تہبند کے اوپر سے دابنا، مالش کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ وہ بعض اوقات یہ عمل شہوت کے لیے کرتا ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب ضرورت نہ ہو ورنہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ پسندیدہ یہ ہے کہ اس عمل کو ترک کر دے اگرچہ تہبند موٹا ہو۔ اور تہبند کے نیچے سے چھونا جس طرح جاہل کرتے ہیں، یہ حرام ہے۔ ''شارح''۔

33597۔ (قولہ: فَقَالُوا يُنَوِّرُ) صحیح قول کے مطابق وہ خود بال صفا پوڈر لگائے نہ کہ خادم لگائے۔ اگر وہ جنبی ہے تو یہ مکروہ ہے۔ ''شارح''۔

33598۔ (قولہ: وَيَفْسُقُ مُعْتَادُ الْمُرُورِ) جب وہ اس عمل میں معروف ہو تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی،

1۔ شمائل ترمذی، باب ماجاء في صفة مزاح رسول الله، صفحہ 158، حدیث نمبر 230، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ کیمیائے سعادت للغزالی مترجم، فصل 2، صفحہ 546، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ شمائل ترمذی، باب ماجاء في صفة مزاح رسول الله، صفحہ 157، حدیث نمبر 228

وَمَنْ عَلَّمَ الْأَطْفَالَ فِيهِ وَيُوزَرُ ....
وَمَنْ قَامَ إِجْلَالًا لِشَخْصٍ فَجَائِزٌ وَفِي غَيْرِ أَهْلِ الْعِلْمِ بَعْضٌ يُقَرِّرُ

اور جو مسجد میں بچوں کو تعلیم دے اسے فاسق قرار دیا جائے گا اور وہ گناہ گار ہوگا۔ جو آدمی کسی شخص کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو تو یہ جائز ہے اور بعض علما نے اسے غیر اہل علم میں ثابت کیا ہے۔

''ط''۔ جس کو اس کی مجبوری ہو تو اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کرے۔ اور اس میں اتنا ٹھہرنا کافی ہوگا جو قدم اٹھانے کے درمیان ہوگا۔ ''شرنبلالی''۔

مسجد میں بچوں کو تعلیم دینے کا شرعی حکم

33599۔ (قولہ: وَمَنْ عَلَّمَ الْأَطْفَالَ الخ) جو قول ''القنیہ'' میں ہے: وہ گناہ گار ہوگا اسے فسق لازم نہیں ہوگا اس بارے میں کسی سے کوئی قول قبول نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ یہ اس امر پر مبنی ہے کہ اس پر اصرار کرنے سے وہ فاسق ہو جائے گا۔ شارح نے اسے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''تاتر خانیہ'' میں ''العیون'' سے مروی ہے: معلم یا وراق مسجد میں بیٹھا اگر وہ اجرت کے ساتھ تعلیم دیتا ہے یا لکھتا ہے تو یہ مکروہ ہوگا مگر ضرورت کی بنا پر ایسا کر سکتا ہے۔ ''الخلاصہ'' میں ہے: مسجد میں بچوں کو تعلیم دینے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن ''القنیہ'' میں اس قول سے استدلال کیا ہے: جنبوا مساجد کم صبیانکم و مجانینکم (1) اپنی مساجد کو بچوں اور مجنونوں سے پاک رکھو۔

33600۔ (قولہ: وَيُوزَرُ) یہ وزر سے فعل مجہول کا صیغہ ہے یا کے بعد واؤ ساکن ہے اس سے مراد گناہ ہے اس سے اسم مفعول کا صیغہ موزور آتا ہے یہ ہمزہ کے بغیر ہوتا ہے۔ ''قاموس'' میں کہا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ارجعن ما ذورات غیر ماجورات (2) یہ ازدواج (ماذورات اور ماجورات دونوں کے اکٹھے استعمال ہونے کی وجہ سے) آیا ہے۔ تم لوٹ جاؤ جب کہ تم پر بوجھ ہے اجر نہیں ہے اگر الگ ہوتا تو موزورات کہتے۔ اگر وہ کہتے: فیوزر یعنی فا کا ذکر کرتے تو سابقہ اعتراض سے یہ محفوظ ہو جاتا۔

کسی شخص کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے

33601۔ (قولہ: وَمَنْ قَامَ الخ) ہم فصل البیع سے تھوڑا پہلے اس پر کلام کر چکے ہیں۔

33602۔ (قولہ: وَفِي غَيْرِ أَهْلِ الْعِلْمِ الخ) ''القنیہ'' میں کہا ہے: اسے کہا جائے گا کہ وہ عالم کے سامنے اس کی تعظیم کی خاطر کھڑا ہو۔ جہاں تک کسی اور کے حق میں کھڑا ہونے کا تعلق ہے تو یہ جائز نہیں۔ اس کے سامنے کھڑا ہونے کا مسئلہ یہ اس قیام کے مسئلہ کا غیر ہے جو عالم کے سامنے اس کے آنے پر کیا جاتا ہے تاکہ اس کی تعظیم بجا لائی جائے۔ پس اس

1۔ الموضوعات الکبری، حرف الجیم، صفحہ 103، حدیث نمبر 395، مکتبہ دار السلام

2۔ کنز العمال، الباب الثالث فی امور بعد الدفن، جلد 15، صفحہ 651، حدیث نمبر 42581

وَجَوَّزَ نَقْلَ الْمَيِّتِ الْبَعْضُ مُطْلَقًا وَعَنْ بَعْضِهِمْ مَا فَوْقَ مِيلَيْنِ يُحْظَرُ
وَلِلزَّوْجَةِ التَّسْمِينُ لَا فَوْقَ شِبْعِهَا وَمِنْ ذِكْرِهَا التَّعْوِيذَ لِلْحُبِّ تُحْظَرُ

بعض علما نے میت کے منتقل کرنے کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے اور بعض علماء سے یہ مروی ہے کہ دو میلوں سے زائد لے جانا ممنوع ہے۔ بیوی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے جسم کو موٹا کرے لیکن پیٹ بھرا ہونے سے زیادہ نہ کھائے اور عورت کا محبت کے لیے تعویذ لینا ممنوع ہے۔

پر متنبہ ہو جائے۔''ش''۔

33603۔(قولہ: وَجَوَّزَ نَقْلَ الْمَيِّتِ) میت کی یا یہاں مشدد ہے۔ اور بعض کا لفظ یہ جوز کا فاعل ہے مراد دفن سے پہلے ہے۔ اس سے اس نے اختلاف کیا جو ناظم نے ذکر کیا ہے کہ اس میں دفن کے بعد بھی اختلاف ہے جب کہ ''طرسوسی'' کا رد کر رہے ہیں۔ شارح نے کہا: انہوں نے جس اختلاف کا ذکر کیا ہے ہم علما کی کلام میں اس پر مطلع نہیں ہوئے۔ ظاہر معنی یہ ہے کہ صحیح وہ ہے جو ''طرسوسی'' نے کہا ہے یعنی انہوں نے دفن کے بعد اختلاف کی حکایت بیان نہیں کی۔

33604۔(قولہ: مُطْلَقًا) یعنی مسافت دور ہو یا مختصر ہو۔

دفن سے پہلے میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنے کا شرعی حکم

33605۔(قولہ: وَعَنْ بَعْضِهِمْ الخ) ''بزازیہ'' میں کہا: دفن سے قبل میت کو ایک شہر سے دوسرے کی طرف منتقل کرنا مکروہ نہیں اس کے بعد حرام ہے۔ ''سرخسی'' نے کہا: دفن سے پہلے بھی منتقل کرنا مکروہ ہے مگر ایک میل یا دو میل مکروہ نہیں۔ کلیم و صدیق علیہما و علی نبینا الصلاۃ والسلام کو منتقل کرنا یہ متقدم شریعت ہے جو منسوخ ہے یا آپ کی وصیت کی رعایت کی گئی ہے جب کہ وصیت لازم ہوتی ہے جب کہ صدیق علیہ السلام نے اس کی وصیت کی تھی۔

بیوی کا اپنے جسم کو موٹا کرنا جائز ہے

33606۔(قولہ: وَلِلزَّوْجَةِ التَّسْمِينُ) ''الخانیہ'' میں کہا، ایک عورت فتیت (چورہ کی ہوئی چیز) اور اس جیسی چیزیں کھاتی ہے تاکہ موٹی ہو جائے۔ ''ابو مطیع'' نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں جب وہ پیٹ کے سیر ہونے سے زیادہ نہ کھائے۔ ''طرسوسی'' نے بیوی کے بارے میں کہا: چاہیے کہ یہ عورت کے لیے مستحب ہو اور اس کو اجر دیا جائے گا۔ شارح نے کہا: اس کے مباح ہونے کا اطلاق مجھے متعجب نہیں کرتا چہ جائیکہ اس کا ندب مجھے متعجب کرے۔ شاید یہ اس پر محمول ہو جب خاوند موٹاپے کو پسند کرتا ہو ورنہ چاہیے کہ وہ گناہگار ہو۔

33607۔(قولہ: لَا فَوْقَ شِبْعِهَا) شبعها یہ لفظ شین کے کسرہ اور با کے سکون کے ساتھ ہے۔

خاوند کی محبت کے لیے عورت کے تعویذ لینے کا شرعی حکم

33608۔(قولہ: وَمِنْ ذِكْرِهَا) یہ جار مجرور تحظر کے متعلق ہے جس کا معنی تمنع ہے لفظ التعویذ ذکر کا مفعول

وَيُكْرَهُ أَنْ تُسْقَى لِإِسْقَاطِ حَمْلِهَا وَجَازَ لِعُذْرٍ حَيْثُ لَا يُتَصَوَّرُ
یہ مکروہ ہے کہ عورت کے حمل کو ساقط کرنے کے لیے اسے کوئی چیز پلائی جائے اور عذر کی وجہ سے جائز ہے جب اس کی تصویر نہ بن گئی ہو۔

ہے۔ للحب یہ اس کے متعلق ہے اور ذکر زبان سے ہوتا ہے اور مراد وہ ہے جو اس سے اور حمل سے عام ہو۔

''الخانیہ'' میں کہا: ایک عورت ہے جو تعویذ کرتی ہے تاکہ اس کا خاوند اس سے محبت کرنے لگے جب کہ وہ پہلے اس سے بغض رکھتا ہے۔ ''جامع صغیر'' میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ یہ کام حرام ہے اور حلال نہیں۔ ''ابن وہبان'' نے اس کی توجیہ میں ذکر کیا ہے: یہ سحر کی قسم ہے اور سحر حرام ہے،''ط''۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ یہ آیات کی کتابت نہیں ہوتی بلکہ اس میں کوئی زائد چیز ہوتی ہے۔ ''زیلعی'' نے کہا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ان الرقی والتمائم والتولة شرك (1)، بے شک دم، تعویذ اور تولہ (جادو کی ایک قسم) شرک ہے۔ اسے ''ابوداؤد'' اور ''ابن ماجہ'' نے روایت کیا ہے۔ التولہ یہ عنبہ کے وزن پر ہے یہ جادو کی ایک قسم ہے۔ ''اصمعی'' نے کہا: یہ عورت کا اپنے خاوند سے محبت کرنا ہے۔ عروہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ہم دور جاہلیت میں دم کیا کرتے تھے۔ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اعرضوا علی رقاكم لا باس بالرقی مالم یکن فیه شرك (2) مجھ پر اپنے دم پیش کرو اس دم میں کوئی حرج نہیں جس میں شرک نہ ہو۔ اسے امام ''مسلم'' اور ''ابوداؤد'' نے روایت کیا ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ ہم نے اس میں سے کچھ چیز فصل النظر سے تھوڑا پہلے ذکر کر دی ہے۔ اس سے ''ابن شحنہ'' کی وہ تنظیر مندفع ہو جاتی ہے کہ تعویذ جادو کی ایک قسم ہے۔

اسقاط حمل کا شرعی حکم

33609_(قولہ: وَيُكْرَهُ) ''الخانیہ'' میں جس کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ تصویر سے پہلے اور اس کے بعد حمل گرانا مکروہ ہے مگر اسے قتل کا گناہ نہیں ہوگا۔

33610_(قولہ: وَجَازَ لِعُذْرٍ) جس طرح ایک عورت بچے کو دودھ پلا رہی ہے جب اس کا حمل ظاہر ہو جائے اور اس کا دودھ ختم ہو جائے اور بچے کے باپ کے پاس وسائل نہیں کہ وہ مرضعہ اجرت پر لے سکے اور اس بچے کے ہلاک ہونے کا خوف ہو۔ علماء نے کہا: عورت کے لیے مباح ہے کہ وہ حیض کے آنے کے لیے علاج کروائے جب تک حمل جما ہوا خون یا گوشت کا لوتھڑا ہو اور اس کا عضو نہ بنا ہو۔ علماء نے اس کا عرصہ ایک سو بیس دن مقرر کیا ہے اور یہ عمل جائز ہے۔ کیونکہ وہ آدمی نہیں اور اس میں انسان کی حفاظت ہے۔ ''خانیہ''۔

33611_(قولہ: حَيْثُ لَا يُتَصَوَّرُ) یہ ان کے قول و جاز العذر کی قید ہے جس طرح ''القنیہ'' میں ہے۔ تصویر یہ

1_سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب ماجاء فی تعلیق التمائم، جلد 3، صفحہ 118، حدیث نمبر 3385

2_سنن ابی داؤد، کتاب الطب باب ماجاء فی الرقی، جلد 3، صفحہ 119، حدیث نمبر 3388

وَإِنْ أَسْقَطَتْ مَيْتًا فَفِي السِّقْطِ غُرَّةٌ لِوَالِدِهِ مِنْ عَاقِلِ الْأُمِّ تُخْضَرُ
وَفِي يَوْمِ عَاشُورَاءَ يُكْرَهُ كُحْلُهُمْ وَلَا بَأْسَ بِالْمُعْتَادِ خَلْطًا وَيُؤْجَرُ

اگر وہ مردہ کو ساقط کرے تو اس کے گرنے کی صورت میں ماں کی عاقلہ اس بچے کے باپ کے لیے غرہ حاضر کرے۔ یوم عاشورہ کو مردوں کا سرمہ لگانا مکروہ ہے۔ اور کھانوں کی وسعت میں جس کا معمول ہے، کوئی حرج نہیں اور اس کو اجر دیا جائے گا۔

ہے کہ اس کے بال، انگلی یا پاؤں وغیرہ ظاہر ہو جائیں۔

33612۔(قولہ: وَإِنْ أَسْقَطَتْ مَيْتًا) یہ لفظ میت تخفیف کے ساتھ ہے یعنی علاج کے ساتھ یا دوائی پینے کے ساتھ جس سے وہ عورت جان بوجھ کر حمل ساقط کرتی ہے مگر جب وہ اسے زندہ ہی ساقط کرے پھر وہ بچہ مر جائے تو عورت کی عاقلہ پر تین سالوں میں دیت لازم ہوگی اگر اس کی عاقلہ ہو ورنہ اس عورت کے مال میں دیت لازم ہوگی۔ اور عورت کے ذمہ کفارہ ہو گا اور عورت اس سے کسی شے کی وارث نہ ہوگی۔ ''ش''۔

33613۔(قولہ: فَفِي السِّقْطِ غُرَّةٌ) یہ غین معجمہ کے ساتھ ہے۔ یہ پانچ سو دراہم ہیں جو ایک سال میں وصول کیے جائیں گے۔ طرسوسی نے اس کی نفی کی ہے جب کہ یہ ان کا وہم ہے جس طرح شارح نے اس کا ذکر کیا ہے۔

33614۔(قولہ: لِوَالِدِهِ) زیادہ بہتر قول لوارثہ ہے۔

33615۔(قولہ: مِنْ عَاقِلِ الْأُمِّ) اگر اس کی عاقلہ نہ ہو تو اس کے مال سے ایک سال میں یہ لیا جائے گا۔ ''ش''۔

33616۔(قولہ: تُخْضَرُ) جملہ غرۃ کی صفت ہے۔ ''ط''۔

یوم عاشور کو سرمہ لگانے کا حکم

33617۔(قولہ: وَفِي يَوْمِ عَاشُورَاءَ الخ) یہ محرم کا دسواں دن ہے۔ الکحل فتحہ کے ساتھ کحل کا مصدر ہے۔

یہ جان لو مطلقاً سرمہ لگانا یہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ جہاں تک یوم عاشور کو سرمہ لگانے کا تعلق ہے تو ایک قول اس بارے میں کیا گیا ہے مگر جب یہ شیعہ کی علامت بن چکی ہے تو اس کا ترک واجب ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مکروہ ہے کیونکہ یزید اور ابن زیاد نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے خون سے سرمہ لگایا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے اثمد سرمہ لگایا تھا تا کہ آپ کے قتل سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، ''ش''۔ بالمعنی

33618۔(قولہ: وَلَا بَأْسَ الخ) ''القنیہ'' میں ''وبری'' سے نقل کیا ہے: اس بارے میں قوی اثر مروی نہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں بعض اوقات اس کو ثواب دیا جائے گا۔ شارح نے کہا: جو میرے حافظہ میں ہے اپنے عیال پر فراوانی پیدا کرنے کی وجہ سے اسے ثواب دیا جائے گا جس کو حدیث طیبہ میں مستحب قرار دیا گیا ہے: ومن وسع علی عیالہ فی یوم عاشوراء وسع اللہ علیہ سائر سنتہ(1) جس نے عاشور کے دن اپنے اہل پر وسعت پیدا کی اللہ تعالیٰ پورا سال اس پر

1۔ الموضوعات الکبریٰ، صفحہ 244، حدیث نمبر 967

وَبَعْضُهُمُ الْمُخْتَارُ فِي الْكُحْلِ جَائِزٌ	لِفِعْلِ رَسُولِ اللهِ فَهُوَ الْمُقَرَّرُ
وَضَرْبُ عَبِيدِ الْغَيْرِ جَازَ بِأَمْرِهِ	وَمَا جَازَ فِي الْأَحْرَارِ وَالْأَبُ يَأْمُرُ

اور بعض علماء نے فرمایا سرمہ لگانا مختار اور جائز ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیا پس یہ ثابت ہے۔ اور غیر کے غلام کو اس کے حکم سے مارنا جائز ہے۔ اور آزاد لوگوں میں یہ جائز نہیں اگرچہ باپ حکم دے۔

وسعت فرمائے گا پس لوگوں نے اس سے اخذ کیا کہ وہ مختلف انواع کے دانوں کے استعمال میں وسعت پیدا کرتے ہیں یہ ان چیزوں میں سے ایک ہے جس پر وسعت کا صدق آتا ہے۔

میں نے بعض علما کا خوبصورت کلام دیکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: اس میں صرف ایک نوع میں وسعت پر اکتفا نہ کیا جائے گا بلکہ یہ کھانوں، لباسوں وغیرہ میں سب کو عام ہوگا۔ یہ ان تمام مواقع سے زیادہ حق دار ہے جن مواقع میں وسعت کا اہتمام کیا جاتا ہے جن میں ایسا کرنا غیر مشروع ہوتا ہے جیسے اعیاد وغیرہ۔

33619۔(قولہ: وَبَعْضُهُمُ الخ) ''التجنیس'' و''المزید'' میں ہے: یوم عاشور کو سرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں۔ یہی قول مختار ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یوم عاشور کو حضرت ام سلمہ نے سرمہ لگایا تھا (1)۔ ''الخانیہ'' میں ہے: یہ سنت ہے۔ اس میں ذکر کیا جس نے یوم عاشور کو سرمہ لگایا اس کو آشوب چشم نہیں ہوگا۔ شارح نے کہا: یہ روایت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں۔

میں کہتا ہوں: حاصل کلام یہ ہے اس دن میں خوراک کی فروانی ضعیف اسانید سے ثابت ہے ان کی بعض کو صحیح قرار دیا گیا ہے جس کے ساتھ حدیث حسن کے درجہ تک جا پہنچتی ہے۔ ''ابن جوزی'' نے ''فی عدۃ من الموضوعات'' میں اس پر اعتراض کیا ہے۔ جہاں تک حدیث: من اکتحل بالاثمد یوم عاشوراء لم ترمد عینہ کا تعلق ہے حافظ ''ابن حجر'' نے ''اللآلی'' میں کہا: یہ منکر ہے۔ سرمہ لگانے کے بارے میں کوئی اثر صحیح نہیں جب کہ یہ بدعت ہے۔ ''ابن جوزی'' نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ ''حکم'' نے بھی کہا: اس میں کوئی اثر مروی نہیں۔ یہ بدعت ہے جسے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلین نے شروع کیا۔ ''ابن رجب'' نے کہا: ہر وہ روایت جو سرمہ لگانے، خضاب لگانے اور غسل کرنے کی فضیلت میں وارد ہے وہ موضوع ہے۔ صحیح نہیں اس کی مکمل بحث ''کشف الخفاء والالباس للجراحی'' میں ہے۔ اس سے بھی کراہت والے قول کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ جو آدمی وسعت کرتا ہے اس پر وسعت کا واقع ہونا یہ مجرب ہے۔ ''مناوی'' نے اسے حضرت ''جابر'' اور ''ابن عیینہ'' سے نقل کیا ہے۔

33620۔(قولہ: جَازَ بِأَمْرِهِ) یعنی اس قدر مارنا جائز ہے جس قدر آقا اس کا مالک ہوتا ہے جب تک وہ جرائم کی حد تک نہ پہنچے، ''ش''۔ اگر غلام پر حد لازم ہو جائے تو قاضی کی اجازت کے بغیر اس پر حد جاری نہیں کرے گا۔

کسی کے بچے کو اس کے باپ کے امر سے مارنا جائز نہیں

33621۔(قولہ: وَالْأَبُ يَأْمُرُ) یہ جملہ حالیہ ہے یعنی آزاد کے بچے کو اس کے باپ کے امر سے مارنا جائز نہیں۔

1۔ الموضوعات الکبری، صفحہ 222، حدیث نمبر 879

وَقَالُوا ثَوَابُ الطِّفْلِ لِلطِّفْلِ يُحَصَّ	وَأَثْوَبُ مِنْ ذِكْرِ الْقُرْآنِ اسْتِمَاعُهُ
قرآن پڑھنے کی بنسبت اس کے سننے میں ثواب زیادہ ہے۔اور علما نے کہا: بچے کا ثواب بچے کے لیے ہی ہے۔	

جہاں تک معلم کا تعلق ہے تو اسے مارنے کا حق ہے۔ کیونکہ مضروب باپ کے قائم مقام ہو کر اس کی مصلحت کے لیے مارتا ہے اور معلم ملک کے حکم سے اسے مارتا ہے۔ کیونکہ تعلیم کی مصلحت کی خاطر اس کے باپ نے اسے مالک بنا دیا ہے۔ ''طرسوسی'' نے یہ قید لگائی ہے کہ وہ ایسی چیز کے ساتھ نہ مارے جو زخم لگانے والی ہو اور وہ تین سے زیادہ ضربیں نہ لگائے۔ ناظم نے اس کا رد کیا ہے کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں۔ اسے منقولہ قول کی ضرورت ہے۔ شارح نے اسے ثابت رکھا ہے۔ ''شرنبلالی'' نے کہا: کتاب الصلاۃ میں منقول ہے: بچے کو ہاتھ سے مارے گا لکڑی سے نہیں مارے گا اور تین ضربوں سے زیادہ نہیں مارے گا۔ شارح نے ناظم سے نقل کیا ہے اور کہا: چاہیے کہ آزاد لوگوں میں سے قاضی کو مستثنیٰ کیا جائے۔ کیونکہ قاضی جب اپنے بیٹے کو مارنے کا حکم دے تو اس کے لیے مارنا جائز ہوگا۔ بلکہ اس کا قبول نہ کرنا جائز نہیں ہوگا۔ ''شرنبلالی'' نے یہ قید لگائی ہے کہ قاضی عادل ہو اور ایسی حجت کا مشاہدہ کر چکا ہو جو اس امر کو لازم کر دے۔ کہا: اب وہ محض قاضی کے حکم پر اعتماد نہ کرے۔

33622۔ (قولہ: وَأَثْوَبُ) یہ ثواب سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس سے مراد جزا ہے۔ والقران میں وزن کی ضرورت کے پیش نظر ہمزہ کی حرکت سے منقول ہے، ''ش''۔ ''شرنبلالی'' نے کہا: یہ اس طرح نہیں بلکہ یہ ''عبداللہ بن کثیر'' کی قراءت ہے جس طرح ناظم نے اپنی شرح میں کہا ہے۔ پس قرآن میں یہ ایک لغت ہے یہ ضرورت نہیں۔

33623۔ (قولہ: اسْتِمَاعُهُ) کیونکہ سننا واجب ہے اور تلاوت کرنا مستحب ہے۔

بچے کے نیک عمل کا ثواب باپ کو پہنچتا ہے

33624۔ (قولہ: ثَوَابُ الطِّفْلِ لِلطِّفْلِ) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ (النجم) اور انسان کے لیے صرف وہی کچھ ہے جو اس نے کیا۔ یہ ہمارے مشائخ کا قول ہے بعض علما نے فرمایا: ایک انسان اپنی موت کے بعد اپنے بچے کے علم سے نفع حاصل کرتا ہے کیونکہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انسان اپنی موت کے بعد جن چیزوں سے نفع حاصل کرتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے پیچھے ایک ایسا بچہ چھوڑ جائے جس کو اس نے قرآن اور علم کی تعلیم دی ہو پس اس کے والد کو اس کا اجر ملے گا جب کہ بچے کے اجر میں سے کوئی شے کم نہ کی جائے گی۔ ''جامع الصغار لاستروشنی''۔ اس کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کرتا ہے: اذا مات ابن آدم انقطع عملہ الا من ثلاث(1)، ''حموی''۔ جب کوئی انسان (مسلمان) فوت ہو جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین عمل منقطع نہیں ہوتے۔ مکمل حدیث اس طرح ہے: صدقہ جاریہ، ایسا علم جس سے نفع حاصل کیا جائے یا صالح بچہ جو اس کے حق میں دعا کرے۔ ''الاشباہ'' میں ہے: اس کی عبادت صحیح ہے۔

1۔ الترغیب والترہیب، کتاب العلم، باب الترغیب فی نشر العلم، جلد 1، صفحہ 59

وَدَرْسُكَ بَاقِي الذِّكْرِ أَوْلَى مِنَ الصَّلَاةِ نَفْلًا وَدُرُوسُ الْعِلْمِ أَوْلَى وَأَنْظَرُ
وَقَدْ كَرِهُوا وَاللّٰهُ أَعْلَمُ وَنَحْوَهُ ....

تیرا باقی ماندہ قرآن کا پڑھنا نفلی نماز سے بہتر ہے اور علم پڑھنا زیادہ بہتر اور قابل توجہ ہے اور علما درس کے ختم کرنے سے باخبر کرنے کے لیے

اس کے ثواب میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ قابل اعتماد قول یہ ہے: اس کا ثواب اس کے لیے ہوگا اور اس کے معلم کو تعلیم کا ثواب ہوگا۔ اسی طرح اس کی تمام نیکیاں ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس کا ظاہر معنی ہے کہ یہ کہا گیا کہ اس کا ثواب اس کے والد کے لیے ہوگا۔ پس قابل اعتماد قول اور اس قول ''وہ اپنے بچے کے علم سے نفع حاصل کرتا ہے، میں کوئی منافات نہیں کیونکہ انسان کا بچہ اس کی سعی و عمل میں سے ہے۔ کیونکہ یہ اس کی بہترین کمائی ہے جس طرح وارد ہوا ہے لیکن یہ بالغ کو شامل ہے۔ اختلاف صغیر میں ہے۔ یہ اس قول کی تائید کرتا ہے جو ہم نے قول کیا ہے کہ معتمد کا مقابل قول یہ ہے کہ ثواب صرف باپ کے لیے ہے اور دونوں سابقہ قولوں میں کوئی منافات نہیں۔ تامل

33625۔ (قولہ: وَدَرْسُكَ بَاقِي الذِّكْرِ) یعنی فارغ اوقات میں باقی ماندہ قرآن پڑھنا نفلی نماز کی بنسبت اولیٰ ہے۔ ''منیۃ المفتی'' میں اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ قرآن حکیم کا یاد کرنا امت پر فرض کفایہ ہے اور نفلی نماز مستحب ہے۔ ''ط''۔

33626۔ (قولہ: مِنَ الصَّلَاةِ) اس کی تا دوسرے مصرعہ کا حصہ ہے۔

33627۔ (قولہ: وَدُرُوسُ الْعِلْمِ) اس علم کا پڑھنا جو تجھ پر فرض ہے بنسبت باقی ماندہ قرآن سیکھنے بدرجہ اولیٰ مناسب اور قابل توجہ ہے۔ ''منیۃ المفتی'' میں کہا: کیونکہ پورے قرآن کو سیکھنا فرض کفایہ ہے۔ اور فقہ کے وہ مسائل جن کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو ان کا سیکھنا یہ فرض عین ہے اور فرض عین میں مشغول ہونا زیادہ بہتر ہے۔ یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ باقی ماندہ قرآن کا سیکھنا ضرورت سے زائد علم فقہ سیکھنے سے افضل ہے، ''ط''۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ دونوں اس میں برابر ہیں کہ دونوں میں سے جو زائد ہے وہ فرض کفایہ ہے بلکہ غیبت کی بحث سے تھوڑا قبل ہم پہلے ''خزانہ'' سے قول نقل کر چکے ہیں کہ تمام کی تمام فقہ ضروری ہے اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ علم الفقہ افضل ہے۔ تامل۔ پھر میں نے اس بارے میں ''شرح شرنبلالی'' میں اس کی تصریح دیکھی۔ گویا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا نفع دوسرے لوگوں کو پہنچنے والا ہے۔

33628۔ (قولہ: وَاللّٰهُ أَعْلَمُ) یہ کرھوا فعل کا مفعول بہ ہے۔ وزن کی وجہ سے اعلم کے میم کو ساکن کیا یا وقف کی حالت کی حکایت کے طور پر اس کو ساکن کیا۔

33629۔ (قولہ: وَنَحْوَهُ) نصب کی صورت میں اس کا عطف اللہ اعلم کے محل پر ہے جس طرح وہ یہ کہے: وصلی

لِإِعْلَامِ خَتْمِ الدَّرْسِ حِينَ يُقَرَّرُ ....
جب اسے مقرر کرے تو واللہ اعلم وغیرہ کہنا مکروہ قرار دیا ہے۔

اللہ علی محمد۔

33630۔(قولہ: لِإِعْلَامِ خَتْمِ الدَّرْسِ) مگر جب وہ درس کے ختم ہونے کا اعلان نہ کرنا چاہتا ہو تو یہ مکروہ نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ ذکر اور امر کو سپرد کرنا ہے۔ پہلے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس نے یہ لفظ باخبر کرنے کے لیے بطور علامت استعمال کیا ہے۔ اسی کی مثل ہے جب داخل ہونے والا کہے: یا اللہ مثلاً تا کہ بیٹھنے والے لوگوں کو باخبر کرے کہ وہ اس کے لیے جگہ بنائیں اور اس کی عزت کریں جب چوکیدار یہ کہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تا کہ اپنے جاگنے کی خبر دے تو اس کا مقصود ذکر نہیں مگر جب دو مقصد جمع ہو جائیں تو غالب کا اعتبار کیا جائے گا۔ جس طرح اس کی نظائر میں غالب کا اعتبار کر دیا جاتا ہے،"ط"۔

کِتَابُ اِحْیَاءِ الْمَوَاتِ

لَعَلَّ مُنَاسَبَتَهُ أَنَّ فِيهِ مَا يُكْرَهُ وَمَا لَا يُكْرَهُ الْحَيَاةُ نَوْعَانِ حَاسَّةٌ وَنَامِيَةٌ، وَالْمُرَادُ هُنَا النَّامِيَةُ وَسُمِّيَ مَوَاتًا لِبُطْلَانِ الِانْتِفَاعِ بِهِ

بے آباد زمین کو آباد کرنے کے احکام

شاید اس کی سابقہ کتاب سے مناسبت یہ ہے کہ اس میں کچھ ایسی چیزیں ہیں جو مکروہ ہیں اور کچھ ایسی ہیں جو مکروہ نہیں۔ حیات کی دو قسمیں ہیں: حاسہ، نامیہ۔ یہاں حیات سے مراد نامیہ ہے۔ اسے موات اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس سے نفع حاصل کرنا باطل ہو چکا ہے

موات کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

موات کا لفظ سحاب اور غراب کی طرح ہے یعنی ان کے وزن پر ہے۔ اس سے مراد وہ چیز ہے جس میں روح نہ ہو یا اس سے مراد ایسی زمین ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو۔ ''قاموس''۔ ''المغرب'' میں ہے: اس سے مراد بے آباد زمین ہے۔ اس کی ضد عامر (آباد) ہے۔

''مصباح'' میں اسے مصدر کے ساتھ نام رکھنے کی قسم سے بنایا ہے۔ کیونکہ موات اصل میں مصدر ہے جیسے موت مصدر ہے۔ یہ اس کی حد لغوی ہے۔ شرع میں اس کی چند قیود ہیں جن کو عنقریب ذکر کیا جائے گا۔ ''العنایہ'' میں کہا: اس کے محاسن میں سے ہے: ذی روح اشیاء کی خوراک کے لیے سرسبز و شادابی کے لیے کوشش کرنا۔ اس کی مشروعیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ثابت ہے۔ من احیا ارضا میتة فھی له(1) جو بے آباد زمین کو سیراب کرے تو وہ زمین اس کی ہوگی۔ اس کی شروط گفتگو کے درمیان ذکر کی جائیں گی اور اس کا سبب بقاء مقدر کا تعلق ہے اور اس کا حکم جس زمین کو اس نے آباد رکھا ہے اس کا مالک بن جاتا ہے۔

33631۔ (قولہ: لَعَلَّ مُنَاسَبَتَهُ الخ) ''العنایہ'' وغیرہا میں اسی طرح ہے۔

حیات کی اقسام

33632۔ (قولہ: حَاسَّةٌ) حس کی اس کی طرف نسبت بطور مجاز ہے کیونکہ حس رکھنے والا وہ شخص ہوتا ہے جو اس کے ساتھ زندہ ہو۔ ''ط''۔

33633۔ (قولہ: لِبُطْلَانِ الِانْتِفَاعِ بِهِ) اسے اس حیوان کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو مر چکا ہو کیونکہ اس سے نفع حاصل

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج، باب فی احیاء الموات، جلد 2، صفحہ 447، حدیث نمبر 2671

وَإِحْيَاؤُهُ بِبِنَاءٍ أَوْ غَرْسٍ أَوْ كَرْبٍ أَوْ سَقْيٍ (إذَا أَحْيَا مُسْلِمٌ أَوْ ذِمِّيٌّ أَرْضًا غَيْرَ مُنْتَفَعٍ بِهَا وَلَيْسَتْ بِمَمْلُوكَةٍ لِمُسْلِمٍ وَلَا ذِمِّيٍّ) فَلَوْ مَمْلُوكَةً لَمْ تَكُنْ مَوَاتًا فَلَوْ لَمْ يُعْرَفْ مَالِكُهَا فَهِيَ لُقَطَةٌ يَتَصَرَّفُ فِيهَا الْإِمَامُ وَلَوْ ظَهَرَ مَالِكُهَا تُرَدُّ إلَيْهِ

اور اس کا احیا عمارت تعمیر کرنے، درخت لگانے، ہل چلانے یا سیراب کرنے سے ہوتا ہے۔ جب کسی مسلمان یا ذمی نے ایسی زمین کو آباد کیا جس سے نفع حاصل نہیں کیا جارہا تھا اور وہ زمین نہ کسی مسلمان کی ملکیت تھی اور نہ ہی کسی ذمی کی ملکیت تھی اگر وہ کسی کی مملوکہ ہو تو وہ موات نہ ہوگی۔ اگر وہ مملوک تو ہو مگر اس کے مالک کا پتا نہ ہو تو وہ زمین لقطہ ہوگی جس میں امام تصرف کرے گا۔ اگر اس زمین کا مالک ظاہر ہو جائے تو وہ زمین اس کی طرف لوٹا دی جائے گی۔

کرنا باطل ہوتا ہے۔ ''اتقانی''۔

33634۔ (قولہ: وَإِحْيَاؤُهُ الخ) ''اتقانی'' نے کہا: احیاء الموات سے حیات نامیہ کے لیے کوشش کرنا ہے۔

33635۔ (قولہ: غَيْرَ مُنْتَفَعٍ بِهَا) کیونکہ اس کا پانی منقطع ہو چکا ہے یا پانی اس پر غالب آچکا ہے یا ریت اس پر غالب آچکی ہے یا وہ شوریدہ ہے اس قید سے وہ زمین خارج ہو جائے گی جس سے مسلمان بے نیاز نہیں ہو سکتے جس طرح ایسی زمین جو نمک والی ہو وغیرہا جس طرح آگے آئے گا۔

33636۔ (قولہ: وَلَيْسَتْ بِمَمْلُوكَةٍ الخ) اس قول سے بطریق اولیٰ یہ معلوم ہو جائے گا کہ وقف کی بے آباد زمین کا احیا جائز نہیں ہوگا، ''رملی''۔ اسی طرح سلطانیہ زمین کا حکم ہے جس طرح عنقریب آئے گا۔

33637۔ (قولہ: فَلَوْ مَمْلُوكَةً) یعنی معروف آدمی کی مملوک ہو۔

وہ زمین جس کا مالک معروف نہ ہو وہ لقطہ ہے

33638۔ (قولہ: فَلَوْ لَمْ يُعْرَفْ مَالِكُهَا فَهِيَ لُقَطَةٌ) ''الملتقی'' میں کہا: موات ایسی زمین ہے جس سے نفع حاصل نہ کیا جارہا ہو عادیہ ہو یا اسلام میں مملوکہ ہو جن کا معین مالک نہ ہو وہ مسلمان ہو یا ذمی ہو۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر اسلام میں اس پر ملکیت حاصل ہوئی ہو تو وہ زمین موات نہ ہوگی۔ اسی کی مثل ''الدرر'' ہے۔ ''الاصلاح''، ''القدوری'' اور ''جوہرہ'' میں ہے: ان کا قول عادیۃ یعنی اس کا بے آباد ہونا قدیمی ہوگا یا وہ قوم عاد کے زمانہ میں بے آباد ہوئی اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شارح نے جس قول کو اپنایا ہے وہ ''منح'' اور ''شرح المجمع'' کی پیروی میں ہے۔ متن کی عبارت کا ظاہر یہی ہے جیسے ''کنز''، ''وقایہ''۔ یہی امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

''الخلاصہ'' میں ہے: بخارا کی زمین موات نہیں کیونکہ وہ تقسیم کے تحت داخل ہے۔ تو دور اسلام میں جو سب سے قدیمی مالک ہوگا اس کی طرف اس کو پھیر دیا جائے گا یا اس کے وارثوں کی طرف اسے پھیر دیا جائے گا۔ اگر وہ معلوم نہ ہو تو قاضی کو اس میں تصرف کا حق ہوگا کیونکہ اس کا حکم موات کی طرح ہے۔ کیونکہ اس میں امام تصرف کرتا ہے جس طرح وہ موات میں تصرف کرتا

وَيَضْمَنُ نُقْصَانَهَا إِنْ نَقَصَتْ بِالزَّرْعِ (وَهِيَ بَعِيدَةٌ مِنَ الْقَرْيَةِ إِذَا صَاحَ مَنْ بِأَقْصَى الْعَامِرِ) وَهُوَ جَهْوَرِيُّ الصَّوْتِ بَزَّازِيَّةٌ (لَا يُسْمَعُ بِهَا صَوْتُهُ مَلَكَهَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ) وَهُوَ الْمُخْتَارُ كَمَا فِي الْمُخْتَارِ وَغَيْرِهِ وَاعْتَبَرَ مُحَمَّدٌ عَدَمَ ارْتِفَاقِ أَهْلِ الْقَرْيَةِ بِهِ وَبِهِ وَقَالَتْ الثَّلَاثَةُ قُلْتُ وَهَذَا ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ وَبِهِ يُفْتَى كَمَا فِي زَكَاةِ الْكُبْرَى ذَكَرَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ

اور زمین میں کھیتی کی وجہ سے کوئی نقص واقع ہوا تو وہ آدمی اس کے نقصان کا ضامن ہوگا جب کہ وہ زمین دیہات سے دور ہو۔ جب کوئی آدمی آبادی کے آخری کونے پر آواز دے جب کہ آواز دینے والا بلند آواز والا ہو''بزازیہ''۔ تو اس کی آواز سنائی نہ دے تو امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ اس زمین کا مالک بن جائے گا یہی مختار مذہب ہے جس طرح مختار وغیرہ میں ہے۔ امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس امر کا اعتبار کیا ہے کہ اس بستی والے اس سے نفع حاصل نہ کرتے ہوں۔ تینوں ائمہ نے یہی کہا ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ ظاہر روایت ہے۔ اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے جس طرح''فتاویٰ کبریٰ'' کی کتاب الزکاۃ میں ہے جسے''قہستانی'' نے ذکر کیا ہے۔

ہے نہ کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ حقیقت میں موات ہیں۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں۔ تامل

33639۔ (قولہ: وَيَضْمَنُ) یعنی جس نے اس زمین کو کاشت کیا ہے وہ اسکا ضامن ہوگا۔''ہدایہ'' میں اسی طرح ہے۔

ارض موات کی ملکیت میں ائمہ کے اقوال

33640۔ (قولہ: بِأَقْصَى الْعَامِرِ) یعنی گھروں کی طرف سے۔ نہ کہ آباد زمینوں کی طرف سے۔''قہستانی'' نے ''التجنیس'' سے نقل کیا ہے۔

33641۔ (قولہ: جَهْوَرِيُّ الصَّوْتِ) یعنی جس کی آواز بلند ہو۔''قاموس''۔

33642۔ (قولہ: مَلَكَهَا) یہ ان کے قول احیا کا جواب ہے۔ یعنی جس جگہ کو اس نے آباد کیا ہے اس کا مالک ہو جائے گا کسی اور جگہ کا مالک نہیں ہوگا۔

امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر اس نے نصف سے زائد کو آباد کیا تو یہ سب کا احیا ہوگا۔''در منتقی''۔

امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر بے آباد زمین اس کے درمیان ہو جس کو اس نے آباد کیا تھا تو یہ تمام زمین کو آباد کرنا تصور ہو گا۔ اگر وہ بے آباد زمین ایک طرف ہو تو یہ سب کچھ آباد کرنا نہیں ہوگا۔''تاتر خانیہ''۔ اور اس میں عشر واجب ہوگا۔ کیونکہ مسلمان پر ابتدا سے ہی خراج لازم نہیں مگر جب وہ اسے خراجی پانی سے سیراب کرے تو پھر خراج لازم کرنا درست ہوگا۔''ہدایہ''۔

33643۔ (قولہ: هُوَ الْمُخْتَارُ) یعنی مذکورہ دوری شرط ہے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ جو زمین دیہات کے قریب ہے تو اس زمین سے اس کے اہل کے منافع منقطع نہیں ہوتے پس حکم کا دارومدار اس پر ہوگا۔''ہدایہ''۔

33644۔ (قولہ: وَاعْتَبَرَ مُحَمَّدٌ) اس کا حاصل یہ ہے: امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے حکم کا دارومدار انتفاع کی حقیقت کو قرار

وَكَذَا فِي الْبُرْجَنْدِيِّ عَنِ الْمَنْصُورِيَّةِ عَنْ قَاضِي خَانْ أَنَّ الْفَتْوَى عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ فَالْعَجَبُ مِنَ الشُّرُنْبُلَالِيِّ كَيْفَ لَمْ يَذْكُرْ ذَلِكَ فَلْيُحْفَظْ (إِنْ أَذِنَ لَهُ الْإِمَامُ فِي ذَلِكَ) وَقَالَا يَمْلِكُهَا بِلَا إِذْنِهِ وَهَذَا لَوْ مُسْلِمًا فَلَوْ ذِمِّيًّا شُرِطَ الْإِذْنُ اتِّفَاقًا وَلَوْ مُسْتَأْمَنًا لَمْ يَمْلِكْهَا أَصْلًا اتِّفَاقًا قُهُسْتَانِيٌّ

اسی طرح ''برجندی'' میں ''منصوریہ'' میں سے اور اس میں ''قاضی خان'' سے منقول ہے کہ فتویٰ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔ تعجب تو ''شرنبلالی'' پر ہے کہ انہوں نے کیسے اس کا ذکر نہیں کیا پس اس کو یاد رکھنا چاہیے اگر امام اسے اس بارے میں اجازت دے دے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے کہا: وہ امام کی اجازت کے بغیر اس کا مالک ہو جائے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر وہ مسلمان ہو۔ اگر وہ ذمی ہو تو بالاتفاق اذن شرط ہے۔ اگر وہ مستامن ہو تو اصلا بالاتفاق اس کا مالک نہیں ہوگا، ''قہستانی''۔

دیا ہے وہ جگہ قریب ہو یا بعید ہو۔

33645۔ (قولہ: كَيْفَ لَمْ يَذْكُرْ ذَلِكَ) یعنی یہ ظاہر روایت اور مفتی بہ قول ہے بلکہ انہوں نے اپنے اس قول وعن محمد کے ساتھ تعبیر کیا ہے حالانکہ یہ تصریح کی ہے کہ مختار پہلا قول ہے۔ یہ عجیب بات ہے جب علماء نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جو قول ظاہر روایت کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں۔ خصوصاً بہ یفتی یہ تصحیح کے الفاظ میں سے موکد ترین لفظ ہے۔ فافہم

33646۔ (قولہ: إِنْ أَذِنَ لَهُ الْإِمَامُ فِي ذَلِكَ) قاضی اپنی حدیث میں امام کے قائم مقام ہے ''تاتر خانیہ'' نے ''ناطفی'' سے نقل کیا ہے۔

اس میں کتاب الاحیاء سے تھوڑا پہلے ہے ''سمرقندی'' سے ایک ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس کو بے آباد زمین کو آباد کرنے کے لیے وکیل بنایا گیا کیا وہ وکیل کی گی جس طرح جس آدمی کو لکڑی کاٹنے اور گھاس کاٹنے کے لیے وکیل بنایا جائے تو وہ چیز وکیل کی ہوتی ہے یا وہ موکل کی ہوگی جس طرح تمام تصرفات میں ہے۔ کہا: اگر امام موکل کو آباد کرنے کی اجازت دے دے تو وہ اس کی ہوگی۔

33647۔ (قولہ: وَقَالَا يَمْلِكُهَا بِلَا إِذْنِهِ) یہ ان مسائل میں سے ہے جو اس اختلاف پر متفرع ہوتے ہیں اگر امام کسی آدمی کو حکم دے کہ وہ بے آباد زمین کو آباد کرے اس شرط پر کہ وہ اس سے نفع حاصل کرے اور اس کے لیے ملک نہ ہوگی تو اس نے اس زمین کو آباد کیا تو وہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس زمین کا مالک نہیں ہوگا۔ کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ شرط صحیح ہے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک وہ اس زمین کا مالک بن جائے گا۔ اور اس شرط کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اختلاف کا محل یہ ہے: جب وہ جہالت کی وجہ سے اجازت نہ لے مگر جب وہ امام سے اجازت سستی کی وجہ سے نہ لے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ زمین اس آدمی سے واپس لے لے یہ بطور اجر ہوگا۔ یہ ''مکی'' نے بیان کیا ہے۔ یہ ''متفق علیہ'' ہے، ''ط''۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول مختار قول ہے۔ اسی وجہ سے ''الخانیہ'' اور ''الملتقی'' میں اسے پہلے ذکر کیا ہے جس طرح دونوں کی

(وَلَوْ تَرَكَهَا بَعْدَ الْإِحْيَاءِ وَزَرَعَهَا غَيْرُهُ فَالْأَوَّلُ أَحَقُّ بِهَا) فِي الْأَصَحِّ (وَلَوْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً ثُمَّ أَحَاطَ الْإِحْيَاءُ بِجَوَانِبِهَا الْأَرْبَعَةِ مِنْ أَرْبَعَةِ نَفَرٍ عَلَى التَّعَاقُبِ تَعَيَّنَ طَرِيقُ الْأَوَّلِ فِي الْأَرْضِ الرَّابِعَةِ) (وَمَنْ حَجَّرَ أَرْضًا) أَيْ مَنَعَ غَيْرَهُ مِنْهَا

اگر وہ اسے آباد کرنے کے بعد چھوڑ دے اور کوئی دوسرا آدمی اس کو کاشت کرے تو پہلا آدمی اصح قول کے مطابق اس زمین کا زیادہ حقدار ہوگا۔ اگر ایک آدمی نے بے آباد زمین کو آباد کیا پھر اس کی اطراف میں چار افراد کی جانب سے پے در پے آباد کرنے سے اس کا احاطہ کر دیا تو پہلے کا راستہ چوتھی زمین میں متعین ہو جائے گا۔ اور جس نے زمین میں پتھر رکھا یعنی کسی اور کو اس زمین سے روک دیا

عادت ہے۔ امام ''طحاوی'' نے اسے ہی اپنایا ہے اس پر متون ہیں۔ یہ باقی رہ گیا ہے کہ لاحق ہونے والا اذن کافی ہوگا (یعنی جو بعد میں اجازت لی جائے) میں نے اس بارے میں قول نہیں دیکھا۔

33648۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) کیونکہ وہ آباد کرنے کے ساتھ زمین کا مالک بن چکا ہے۔ کیونکہ گزشتہ حدیث میں لام ملک کے ساتھ اس کو تعبیر کیا ہے۔ پس اسے ترک کرنے سے اس کی ملکیت سے خارج نہ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دوسرا آدمی زیادہ حقدار ہے۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ پہلا شخص اس کے منافع کا مالک ہوا ہے اس کی ذات کا مالک نہیں ہوا۔

33649۔ (قولہ: مِنْ أَرْبَعَةِ نَفَرٍ) اگر تمام زمین کو آباد کرنا ایک فرد کی جانب سے ہو تو اس کا حق ہوگا کہ جس جانب سے چاہے اس پہلے آدمی کے لیے راستہ چھوڑ دے۔

میں کہتا ہوں: یہ قول اس کو بھی شامل ہوگا کہ اگر اس ایک آدمی سے آباد کرنا پے در پے ہو۔ کیا اس صورت میں حکم اسی طرح ہوگا اسے منقول قول کی ضرورت ہوگی۔ میرے لیے آنے والی تعلیل سے جو امر ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ چار آدمیوں کی طرح ہے۔ تامل

33650۔ (قولہ: عَلَى التَّعَاقُبِ) اگر اکٹھے آباد کیا جائے تو جس سے چاہے راستہ بنائے۔ ''ظہیریہ''۔

33651۔ (قولہ: فِي الْأَرْضِ الرَّابِعَةِ) مقصود یہ ہے کہ چوتھا آدمی اس کے حق کو باطل کر رہا ہے کیونکہ جب وہ پہلے، دوسرے اور تیسرے سے خاموش رہا تو باقی اس کا راستہ ہوا جب چوتھے نے اس کو آباد کیا تو معنوی طور پر اس نے اس کا راستہ بھی آباد کیا۔ پس اس کا راستہ ہوگا۔ ''کفایہ''، ''عنایہ''۔

33652۔ (قولہ: وَمَنْ حَجَّرَ) حجر یہ تشدید کے ساتھ ہے۔ اس میں تخفیف بھی جائز ہے۔ کیونکہ اس سے مراد غیر کو آباد کرنے سے منع کرنا ہے۔ ''المبسوط'' میں ہے: کلمہ حجر سے مشتق ہے جس کا معنی منع کرنا ہے۔ کیونکہ جب اس نے بے آباد زمین میں کوئی علامت رکھی تو گویا اس نے اس زمین کو آباد کرنے سے منع کر دیا تو اس کے اس عمل کو تحجیر کہتے ہیں۔ ''شلبی'' نے ''المجتبیٰ'' سے نقل کیا ہے۔ ''ط''۔

(بِوَضْعِ عَلَامَةٍ مِنْ حَجَرٍ أَوْ غَيْرِهِ ثُمَّ أَهْمَلَهَا ثَلَاثَ سِنِينَ دُفِعَتْ إِلَى غَيْرِهِ وَقَبْلَهَا هُوَ أَحَقُّ بِهَا وَإِنْ لَمْ يَمْلِكْهَا) لِأَنَّهُ إِنَّمَا يَمْلِكُهَا بِالْإِحْيَاءِ وَالتَّعْمِيرِ لَا بِمُجَرَّدِ التَّحْجِيرِ (وَلَوْ كَرَبَهَا أَوْ ضَرَبَ عَلَيْهَا الْمُسَنَّاةَ أَوْ شَقَّ لَهَا نَهْرًا أَوْ بَذَرَهَا فَهُوَ إِحْيَاءٌ) مَبْسُوطٌ

کوئی علامت رکھ کر جیسے پتھر وغیرہ پھر تین سال تک اسے مہمل چھوڑے رکھا تو وہ زمین کسی اور شخص کو دے دی جائے گی۔ اور اس سے قبل وہ اس زمین کا زیادہ حق دار ہوگا اگرچہ وہ اس کا مالک نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ اس زمین کا اسے آباد کرنے اور تعمیر کرنے کے ساتھ مالک ہوتا ہے نہ صرف پتھر رکھنے کے ساتھ مالک ہوتا ہے۔ اگر وہ اس زمین میں ہل چلائے یا اس پر بند باندھے یا اس کے لیے نہر کھودے یا اس میں بیج ڈالے تو یہ آباد کرنا ہے، ''مبسوط''۔

33653۔ (قولہ: مِنْ حَجَرٍ أَوْ غَيْرِهِ) ''غایۃ البیان'' میں کہا: پھر احتجار چاروں اطراف میں پتھر رکھنے سے حاصل ہوگا۔ اسی طرح کانٹے اور گھاس رکھنے سے ہوگا ساتھ ہی وہ اس پر مٹی ڈالے جب کہ مکمل بند نہ بنائے۔ اسی طرح جب وہ زمین کے اردگرد خشک ٹہنیاں لگا دے یا زمین کو گھاس سے صاف کرے یا اس میں جو کانٹے وغیرہ ہیں ان کو جلا دے وغیرہ یا ایک ہاتھ یا دو ہاتھ کنواں کھودے آخری کے بارے میں خبر وارد ہوئی ہے۔ ''ہدایہ''۔

33654۔ (قولہ: دُفِعَتْ إِلَى غَيْرِهِ) کیونکہ یہ تحجیر (روکنا) ہے یہ آباد کرنا نہیں یہاں تک کہ اگر دوسرا آدمی اس کو آباد کر دے جب کہ ابھی تین سال نہ گزرے ہوں تو اس زمین کا مالک بن جائے گا لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے جس طرح بھاؤ پر بھاؤ لگانا مکروہ ہے۔ تین سال کی تعیین یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: تین سال کے بعد صرف روکنے والے کے لیے کوئی حق نہیں۔ ''در منتقی''۔ ''شرح خواہر زادہ'' میں ہے: متحجر کے لیے اس میں تا، حا پر مقدم ہے پہلا قول اصح ہے، ''مغرب''۔ کیونکہ یہ احتجار سے مشتق ہے۔

33655۔ (قولہ: وَإِنْ لَمْ يَمْلِكْهَا) یہی قول صحیح ہے جس طرح ''الہدایہ'' میں ہے۔ ''شیخ الاسلام'' نے کہا: یہ ایسی ملک کا فائدہ دیتا ہے جو تین سال کے ساتھ موقت ہوتی ہے جس طرح ''قہستانی'' میں ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر اس زمین کو کوئی اور آدمی آباد کرے تو وہ اس کا مالک نہیں بنے گا جس طرح ''العنایہ'' میں ہے۔ پہلے قول کے یہ برعکس ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

33656۔ (قولہ: لَوْ كَرَبَهَا الخ) ''زیلعی'' نے یہی قول کیا ہے پھر کہا: ''ہدایہ'' میں ذکر کیا گیا ہے: اگر وہ اس میں ہل چلائے اور اس کو سیراب کرے تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے کہ اس نے اس کو آباد کر دیا ہے۔ اگر اس نے ان دونوں میں سے ایک فعل کیا تو یہ صرف روکنا ہوگا۔ اگر وہ انہار کھودنے کے ساتھ ان کو سیراب کرے تو یہ آباد کرنا ہوگا۔ کیونکہ دو فعل پائے جا رہے ہیں۔ اگر وہ اس کے اردگرد دیوار بنائے یا بند بنائے اس طرح کہ وہ پانی کو روک دے تو یہ آباد کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہ بھی تعمیر میں سے ہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب وہ اس میں بیج ڈالے۔

(وَلَا يَجُوزُ إِحْيَاءُ مَا قَرُبَ مِنَ الْعَامِرِ) بَلْ يُتْرَكُ مَرْعًى لَهُمْ وَمَطْرَحًا لِحَصَائِدِهِمْ لِتَعَلُّقِ حَقِّهِمْ بِهِ فَلَمْ يَكُنْ مَوَاتًا وَكَذَا لَوْ كَانَ مُحْتَطَبًا (وَ) اعْلَمْ أَنَّهُ (لَيْسَ لِلْإِمَامِ أَنْ يَقْطَعَ مَا لَا غِنَى لِلْمُسْلِمِينَ عَنْهُ) مِنَ الْمَعَادِنِ الظَّاهِرَةِ وَهِيَ مَا كَانَ جَوْهَرُهَا الَّذِي أَوْدَعَهُ اللهُ فِي جَوَاهِرِ الْأَرْضِ بَارِزًا (كَ) مَعَادِنِ (الْمِلْحِ وَالْكُحْلِ وَالْقَارِ وَالنِّفْطِ (وَالْآبَارِ الَّتِي يَسْتَقِي مِنْهَا النَّاسُ) زَيْلَعِيٌّ

آبادی کے قریب جو زمین ہے اس کا آباد کرنا جائز نہیں بلکہ یہ لوگوں کے لیے بطور چراگاہ اور کٹی ہوئی فصل کے پھینکنے کی جگہ کے طور پر چھوڑی جائے گی کیونکہ اس کا حق اس کے متعلق ہوتا ہے پس یہ زمین موات نہ ہوگی۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہاں سے لکڑیاں کاٹی جاتی ہوں۔ اور یہ جان لو کہ امام کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ایسی چیز کسی کے لیے مختص کر دے جس سے مسلمان مستغنی نہ ہوں۔ یعنی ایسی کانیں جو ظاہر ہیں اور ظاہر کانیں وہ ہوتی ہیں جن کا وہ جوہر جو اللہ تعالیٰ نے زمین کے جواہر میں رکھا ہے وہ ظاہر ہو جس طرح نمک، سرمہ، تارکول اور تیل ہیں۔ وہ کنویں جن سے لوگ پانی لیتے ہیں ''زیلعی''۔

میں کہتا ہوں، ''ہدایہ'' کے شارحین نے وہ کچھ ذکر کیا ہے جو ''زیلعی'' نے پہلے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح علماء نے ''فتاویٰ'' میں دونوں اقوال کو جمع کیا ہے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے ایک کو دوسرے پر ترجیح دی ہو کراب کا معنی ہے کاشت کرنے کے لیے زمین کو الٹ پلٹ کرنا معنی اس میں ہل چلانا۔ یہ طلب کے باب سے ہے۔ مسناۃ وہ چیز ہوتی ہے جو سیلابی پانی کو روکنے کے لیے بنائی جاتی ہے۔ یعنی بند۔ ''مغرب''۔

33657۔ (قولہ: وَلَا يَجُوزُ) قرب کی قید لگانا یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر مبنی ہے جب کہ یہ قول گزر چکا ہے کہ ظاہر روایت میں حقیقی انتفاع کا اعتبار کیا جاتا ہے وہ زمین قریب ہو یا دور ہو۔

33658۔ (قولہ: فِي جَوَاهِرِ الْأَرْضِ) زیادہ واضح لفظ بقاع الارض ہے، ''ط''۔ ''قاموس'' میں ہے: جوہر سے مراد ہر ایسا پتھر ہے جس سے کوئی ایسی چیز نکالی جاتی ہے جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور کسی شے کا جوہر وہ ہوتا ہے جس پر اس کی جبلت کو وضع کیا جائے۔

وہ تین چیزیں جن میں تمام مسلمان مشترک ہیں

33659۔ (قولہ: وَالْآبَارِ) بعض نسخوں میں اس کے بعد زیادتی پائی جاتی ہے۔ بعض نسخوں میں ہے اور بعض نسخوں میں یہ اصلا ساقط ہے جب کہ یہ اولیٰ ہے۔ ضرب علیہا اس کی نص یہ ہے: وہ کنویں جو کھودنے اور کوشش سعی سے ملکیت میں اور جس کا پانی کوشش سے نکالا گیا ہو اس کا حکم اس پانی جیسا ہوتا ہے جس کو برتن میں محفوظ کر دیا گیا ہو پس وہ محفوظ کرنے والے اور پانی نکالنے والے کی ملکیت ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ''شرح المصابیح'' میں حدیث: المسلمون فی ثلاث و الماء والکلا والنار (1)۔ تمام مسلمان تین چیزوں میں مشترک ہیں: پانی، گھاس اور آگ۔

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الصدقات، باب المسلمون شرکاء فی ثلاث، جلد 2، صفحہ 123، حدیث نمبر 2462

يَعْنِي الَّتِي لَمْ تُمْلَكْ بِالِاسْتِنْبَاطِ وَالسَّعْيِ، فَلَوْ أَقْطَعَ هَذِهِ الْمَعَادِنَ الظَّاهِرَةَ لَمْ يَكُنْ لِإِقْطَاعِهَا حُكْمٌ بَلْ الْمُقْطَعُ وَغَيْرُهُ سَوَاءٌ، فَلَوْ مَنَعَهُمْ الْمُقْطَعُ كَانَ بِمَنْعِهِ مُتَعَدِّيًا وَكَانَ لِمَا أَخَذَهُ مَالِكًا لِأَنَّهُ مُتَعَدٍّ بِالْمَنْعِ لَا بِالْأَخْذِ وَكُفَّ عَنْ الْمَنْعِ وَصُرِفَ عَنْ مُدَاوَمَةِ الْعَمَلِ لِئَلَّا يَشْتَبِهَ إِقْطَاعُهُ بِالصِّحَّةِ أَوْ يَصِيرَ مَعَهُ فِي حُكْمِ الْأَمْلَاكِ الْمُسْتَقِرَّةِ ذَكَرَهُ الْعَلَّامَةُ قَاسِمٌ فِي رِسَالَتِهِ أَحْكَامُ إِجَارَةِ إِقْطَاعِ الْجُنْدِيِّ

یعنی جن کے لوگ کھودنے اور کوشش کرنے سے مالک نہیں بنتے اگر امام یعنی حاکم ان ظاہر معادن کو کسی کے لیے مختص کر دے تو اس اختصاص کا کوئی حکم نہیں ہوگا بلکہ جس کو مالک بنایا گیا ہے۔ اور اس کے علاوہ سب برابر ہیں۔ اگر وہ آدمی لوگوں کو منع کرے جس کے لیے اسے خاص نہ کیا گیا ہو تو وہ منع کرنے میں متعدی ہوگا۔ جب وہ خود کوئی چیز اس سے لے گا تو اس چیز کا مالک بن جائے گا۔ کیونکہ وہ منع کرنے میں حد سے تجاوز کرنے والا ہے نہ کہ اس سے کوئی چیز لینے میں متعدی ہے۔ اسے لوگوں کو منع کرنے سے روکا جائے گا اور ہمیشہ کے عمل سے اسے پھیر دیا جائے گا تا کہ اس کا مختص کرنا صحیح ہونے کے ساتھ مشتبہ نہ ہو جائے یا وہ دائمی املاک کے حکم میں نہ ہو جائے۔ علامہ ''قاسم'' نے اسے اپنے رسالہ ''احکام اجارۃ اقطاع الجندی'' میں ذکر کیا ہے۔

ان کا قول لَمْ تُمْلَكْ الخ یہ مابعد کے ساتھ مکسور ہے اور ان کا قول: وفی المستنبط یعنی جسے کھودنے کے ساتھ نکالا گیا ہو زیادہ واضح یہ قول تھا: اما المستنبط۔ ان کا قول کالماء المحرز یہ تنظیر ہے تمثیل نہیں۔ ''ط''۔

ان کا قول فملك للمحرز والمستنبط اگر یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ پانی جو برتن میں محفوظ کیا گیا ہے وہ محفوظ کرنے والے کی ملکیت ہے اور کنواں مستنبط کی ملکیت ہے تو یہ امر ظاہر ہے۔ اگر اس نے یہ ارادہ کیا کہ کنویں کا پانی برتن میں محفوظ کرنے سے پہلے یہ اس کی ملکیت ہے تو یہ منقول کے مخالف ہے اگرچہ اس کے موافق ہے جسے صاحب ''البحر'' نے باب البیع الفاسد میں بحث کے طریقہ پر ذکر کی ہے۔ ''الولوالجیہ'' میں ہے: اگر ایک آدمی کے کنویں کا پانی اجازت کے بغیر نکالا گیا یہاں تک کہ وہ خشک ہو گیا تو نکالنے والے پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ کنویں کا مالک پانی کا مالک نہیں اگر ایک آدمی کا وہ پانی انڈیل دیا گیا جو مٹکے میں تھا تو اسے کہا جائے گا پانی بھر دو۔ کیونکہ مٹکے کا مالک پانی کا مالک ہے جب کہ پانی ذوات الامثال میں سے ہے۔ پس وہ اس پانی کی مثل کا مالک ہوگا۔ شارح صفحہ بعد اس کا ذکر کریں گے کہ وہ پانی جو زمین کے نیچے ہے وہ کسی کی ملک میں نہیں ہوتا۔

33660۔ (قوله: فَلَوْ أَقْطَعَ) بعض نسخوں میں قطع ہے یعنی ہمزہ کے بغیر ہے جب کہ یہ تحریف ہے۔

33661۔ (قوله: وَكُفَّ) یہ مجہول کا صیغہ ہے جیسے صرف مجہول کا صیغہ ہے اور روکنے والا امام ہوگا یا مسلمانوں کی جماعت ہوگی۔ ''ط''۔

33662۔ (قوله: الْمُسْتَقِرَّةِ) یعنی یہ پہلے سے ہی اس کی ملکیت میں ثابت ہے۔ ''ط''۔

(وَحَرِيمُ بِئْرِ النَّاضِحِ) وَهِيَ الَّتِي يُنْزَعُ الْمَاءُ مِنْهَا بِالْبَعِيرِ (كَبِئْرِ الْعَطَنِ) وَهِيَ الَّتِي يُنْزَعُ الْمَاءُ مِنْهَا بِالْيَدِ، وَالْعَطَنُ مُنَاخُ الْإِبِلِ حَوْلَ الْبِئْرِ (أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا مِنْ كُلِّ جَانِبٍ) وَقَالَا إِنْ لِلنَّاضِحِ فَسِتُّونَ

ناضح کے کنویں کا حریم، یہ وہ کنواں ہوتا ہے جس کا پانی اونٹ کے ذریعہ نکالا جاتا ہے، عطن کے کنویں کی طرح ہوتا ہے یہ وہ کنواں ہوتا ہے جس کا پانی ہاتھوں سے نکالا جاتا ہے۔ عطن کا معنی کنویں کے اردگرد اونٹ بیٹھ جانے کی جگہ ہے، ہر جانب سے چالیس ہاتھ ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: اگر حریم ناضح کا ہو تو ساٹھ ہاتھ ہوگا۔

کنویں کے حریم کو حریم کہنے کی وجہ

33663۔ (قولہ: وَحَرِيمُ بِئْرِ النَّاضِحِ) بئر الناضح اور بئر العطن میں اضافت ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے، ''قہستانی''۔ ''المصباح'' میں کہا: کسی شے کا حریم جو اس کے اردگرد اس کے حقوق اور اس کے منافع میں سے ہوتے ہیں اسے یہ نام دیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اس کے مالک کے علاوہ پر حرام کر دیا گیا ہے۔ ناضح ایسا اونٹ ہے جو باڑے کو اس پانی کے ساتھ ترکردیتا ہے جسے وہ اٹھاتا ہے پھر یہ لفظ ہر اونٹ میں استعمال کیا جانے لگا اگرچہ وہ پانی نہ اٹھائے۔

33664۔ (قولہ: كَبِئْرِ الْعَطَنِ) یہاں حرف کاف لاتے ہیں کیونکہ یہ ''متفق علیہ'' ہے۔

33665۔ (قولہ: وَالْعَطَنُ) یہ دو فتحوں کے ساتھ ہے۔

حریم کی حدود

33666۔ (قولہ: مِنْ كُلِّ جَانِبٍ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر جانب سے یعنی ایک جانب سے دس ذراع۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: من حفر بئرا فلہ مما حولھا اربعون ذراعا(1) جس نے کنواں کھودا تو اس کے اردگرد چالیس ذراع اس کے ہوں گے۔ کا ظاہر معنی یہی ہے یعنی اس کے جانوروں کے لیے باڑہ ہوگا۔ صحیح پہلا قول ہے۔ کیونکہ حریم سے مقصود ہوتا ہے کہ ضرر کو دور کیا جائے تاکہ اس کے حریم میں کوئی دوسرا شخص ایک اور کنواں نہ کھودے تو اس کے کنویں کا پانی اس کی طرف منتقل نہ ہو جائے۔ یہ ضرر اس صورت میں دور نہیں کی جا سکتی جب ہر جانب سے حریم دس ہاتھ ہو۔ کیونکہ زمین سختی اور نرمی میں مختلف ہوتی ہیں۔ ''عنایہ''۔

33667۔ (قولہ: وَقَالَا إِنْ لِلنَّاضِحِ فَسِتُّونَ) یعنی اگر باڑے کے لیے ہو تو چالیس ہاتھ ہوگا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: حريم العين خمسمائة ذراع وحريم بئر العطن اربعون ذراعا وحريم بئر الناضح ستون ذراعا(2) چشمے کا حریم پانچ سو ذراع ہے باڑے کے کنویں کا حریم چالیس ذراع ہے اور ناضح کے کنویں کا حریم ساٹھ ذراع ہے۔ کیونکہ اسے ضرورت ہوتی ہے کہ پانی نکالنے کے لیے اپنے جانور کو لے جائے۔ بعض اوقات رسی لمبی ہوتی ہے اور باڑے کا کنواں یہ

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الصدقات، باب حریم البئر، جلد 2، صفحہ 127، حدیث نمبر 2476

2۔ نصب الرایہ، کتاب احیاء الموات، جلد 4، صفحہ 607

وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ عَنْ شَرْحِ الْمَجْمَعِ لَوْ عَمَّقَ الْبِئْرَ فَوْقَ أَرْبَعِينَ يُزَادُ عَلَيْهَا لَكِنْ نَسَبَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ لِمُحَمَّدٍ ثُمَّ قَالَ وَيُفْتَى بِقَوْلِ الْإِمَامِ وَعَزَاهُ لِلتَّتِمَّةِ ثُمَّ قَالَ وَقِيلَ التَّقْدِيرُ فِي بِئْرٍ وَعَيْنٍ بِمَا ذُكِرَ فِي أَرَاضِيهِمْ لِصَلَابَتِهَا، وَفِي أَرَاضِينَا رَخَاوَةٌ فَيُزَادُ لِئَلَّا يَنْتَقِلَ الْمَاءُ إِلَى الثَّانِي وَعَزَاهُ لِلْهِدَايَةِ، وَعَزَاهُ الْبُرْجَنْدِيُّ لِلْكَافِي فَلْيُحْفَظْ

''شرنبلالیہ'' میں ''شرح المجمع'' سے نقل کیا گیا ہے: اگر کنویں کی گہرائی چالیس سے زائد ہو تو حریم اس سے زائد ہوگا۔ لیکن ''قہستانی'' نے اسے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ پھر کہا: ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے اور اسے ''تتمہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ پھر کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: کنویں اور چشمہ میں جو قول ذکر کیا گیا ہے یہ ان کی زمینوں کا ہے۔ کیونکہ وہ زمین سخت ہے اور ہمارے علاقوں میں سختی نہیں۔ پس حریم کو زائد کیا جائے گا تا کہ پانی دوسرے کی طرف منتقل نہ ہو جائے اور اسے ''ہدایہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور ''برجندی'' نے اسے ''کافی'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جائے۔

ہاتھ سے پانی نکالنے کے لیے ہوتا ہے۔ پس ضرورت کم ہوگی پس تفاوت ہونا ضروری ہے۔ ''ہدایہ''۔ ''تاتر خانیہ'' میں کہا: اور ''فتاویٰ کبریٰ'' میں ہے اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

33668۔ (قولہ: عَنْ شَرْحِ الْمَجْمَعِ) اس کی مثل ''غرر الافکار'' اور ''جوہرہ'' میں ہے۔

33669۔ (قولہ: فَوْقَ أَرْبَعِينَ) یعنی بئر عطن میں یا ساٹھ سے اوپر بئر ناضح میں۔ تو اس کا حریم وہاں تک ہوگا جہاں تک اس کی رسی پہنچتی ہے۔ ''اتقانی'' نے ''طحاوی'' سے روایت نقل کی ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں ''ینابیع'' سے مروی ہے: زیادتی کی کوئی ضرورت نہیں اور جو اس سے زیادہ کا ضرورت مند ہو وہ اس پر زیادہ کر لے گا۔ اعتبار ضرورت کا ہے تقدیر کا نہیں۔ مسئلہ میں معنوی اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں۔ علامہ ''قاسم'' نے اپنی ''تصحیح'' میں ''مختارات النوازل'' سے یہ نقل کیا ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ حریم اس قدر ہوگا جس قدر کنویں میں ہر جانب سے حاجت ہوگی۔

33670۔ (قولہ: وَيُفْتَى بِقَوْلِ الْإِمَامِ) ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے قول کے مطابق فتویٰ دینا بھی پہلے گزر چکا ہے۔ لیکن متون اور شروح کا ظاہر ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دیتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کی وضاحت کی ہے اور ایسی چیزوں سے اس کی تائید کی ہے جس پر مزید گفتگو کی گنجائش نہیں۔ ''ہدایہ'' میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کو بعد میں ذکر کیا ہے۔ پس یہ بھی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دینے کا تقاضا کرتا ہے جس طرح صاحب ''ہدایہ'' کا معمول ہے۔ علامہ ''قاسم'' نے اپنی ''تصحیح'' میں اس کی ترجیح کا ذکر کیا ہے۔

33671۔ (قولہ: وَعَزَاهُ الْبُرْجَنْدِيُّ لِلْكَافِي) ''ولوالجی'' نے اسی طرح اس کو یقین کے ساتھ ذکر کیا ہے، ''ط''۔ لیکن ''ہدایہ'' اور کافی کی قیل کے ساتھ تعبیر اس کے ضعف کو بیان کرتی ہے۔

(إِذَا حَفَرَهَا فِي مَوَاتٍ بِإِذْنِ الْإِمَامِ فَلَوْ فِي غَيْرِ مَوَاتٍ أَوْ فِيهِ بِلَا إِذْنِ الْإِمَامِ لَمْ يَكُنْ الْحُكْمُ كَذَلِكَ كَذَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ وَعِبَارَةُ الْقُهُسْتَانِيِّ وَفِيهِ رَمْزٌ إِلَى أَنَّهُ لَوْ حَفَرَ فِي مِلْكِ الْغَيْرِ لَا يَسْتَحِقُّ الْحَرِيمَ، فَلَوْ حَفَرَ فِي مِلْكِهِ فَلَهُ مِنْ الْحَرِيمِ مَا شَاءَ وَإِلَى أَنَّ الْمَاءَ لَوْ غَلَبَ عَلَى أَرْضٍ تَرَكَهَا الْمُلَّاكُ أَوْ مَاتُوا أَوْ انْقَرَضُوا لَمْ يَجُزْ إِحْيَاؤُهَا

(یہ احکام اس صورت میں ہیں) جب وہ کنواں امام کی اجازت سے بے آباد زمین میں کھودے۔ اگر وہ آباد زمین میں کھودے یا بے آباد زمین میں امام کی اجازت کے بغیر کھودے تو حکم اس طرح نہ ہوگا مصنف نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ ''قہستانی'' کی عبارت ہے جب کہ اس میں اس امر کی رمز ہے کہ اگر وہ غیر کی مملوکہ زمین میں کنواں کھودے تو وہ حریم کا مستحق نہیں ہوگا۔ اگر وہ اپنی مملوکہ زمین میں کنواں کھودے تو اس کے لیے حریم ہوگا جو وہ چاہے گا اور اس میں اس امر کی رمز ہے اگر پانی زمین پر غالب آجائے جسے مالکوں نے ترک کر دیا ہو یا وہ مر گئے ہوں یا ختم ہو گئے تو اس زمین کا احیا جائز نہیں ہوگا

33672۔ (قوله: بِإِذْنِ الْإِمَامِ) یعنی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت کے بغیر ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک۔ کیونکہ کنواں کھودنا یہ زمین کو آباد کرنا ہے۔ ''ہدایہ''۔

33673۔ (قوله: لَمْ يَكُنْ الْحُكْمُ كَذَلِكَ) یعنی اس کے لیے مذکورہ حریم ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آباد کرنے کی صورت میں ملکیت اذن پر موقوف ہے اور اجازت کے بغیر کنواں کھودنا یہ صرف تحجیر (روکنا) ہوگی۔ جس طرح آگے آئے گا۔

33674۔ (قوله: وَفِيهِ رَمْزٌ) یعنی ان کے قول فی موات میں امر ہے۔

33675۔ (قوله: لَوْ حَفَرَ فِي مِلْكِ الْغَيْرِ) یعنی غیر نے اس قطعہ زمین کو مباح کر دیا تھا یا اس نے اس جگہ کو خرید لیا تھا یا اس کے علاوہ کوئی اور صورت تھی۔

33676۔ (قوله: فَلَهُ مِنْ الْحَرِيمِ) یعنی مگر جب وہ حریم کی شرط لگائے ظاہر یہ ہے کہ اسے ہاتھ سے پانی کھینچنے اور پانی لینے کا حق ہوگا۔ کیونکہ پانی نکالنے کے ساتھ ہی وہ اس کنویں سے فائدہ اٹھائے گا اس کی وضاحت ہونی چاہیے۔ پھر میں نے ''ہندیہ'' میں دیکھا ایک آدمی کا دوسرے آدمی کے گھر میں ایک کنواں ہے تو کنویں کے مالک کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ اس کے گھر میں مٹی پھینکے جب وہ کنواں کھودے، ''خانیہ''۔ وہ مٹی پھینکنے سے منع کر سکتا ہے پانی لینے سے نہیں روک سکتا۔ فتدبر۔ ''ط''۔ ''النہر'' اور حوض میں جو قول آئے گا اس کا ذکر عنقریب آئے گا۔

33677۔ (قوله: أَوْ انْقَرَضُوا) اس قول سے ان کا قول او ماتوا غنی کر دیتا ہے۔

33678۔ (قوله: لَمْ يَجُزْ إِحْيَاؤُهَا) بلکہ یہ زمین لقطہ ہے اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

فَلَوْ تَرَكَهَا الْمَاءُ بِحَيْثُ لَا يَعُودُ إِلَيْهَا وَلَمْ تَكُنْ حَرِيمًا لِعَامِرٍ جَازَ إِحْيَاؤُهَا وَعَزَاهُ لِلْمُضْمَرَاتِ (وَحَرِيمُ الْعَيْنِ خَمْسُمِائَةِ) ذِرَاعٍ (مِنْ كُلِّ جَانِبٍ) كَمَا فِي الْحَدِيثِ وَالذِّرَاعُ هُوَ الْمُكَسَّرَةُ وَهُوَ سِتُّ قَبَضَاتٍ وَكَانَ ذِرَاعُ الْمَلِكِ أَيْ مَلِكِ الْأَكَاسِرَةِ سَبْعَ قَبَضَاتٍ فَكُسِرَ مِنْهُ قَبْضَةٌ (وَيَمْنَعُ غَيْرَهُ مِنَ الْحَفْرِ) وَغَيْرِهِ (فِيهِ) لِأَنَّهُ مِلْكُهُ فَلَوْ حَفَرَ فَلِلْأَوَّلِ رَدْمُهُ أَوْ تَضْمِينُهُ

اگر پانی اس زمین کو ترک کر دے اس طرح کہ پانی اس زمین کی طرف نہ لوٹے اور وہ زمین آباد زمین کی حریم نہیں تو اس کا آباد کرنا جائز ہوگا۔ اسے ''مضمرات'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور چشمے کا حریم ہر جانب سے پانچ سو ذراع ہے جس طرح حدیث طیبہ میں ہے۔ ذراع سے مراد ذراع مکسرہ ہے یہ چھ قبضہ (مٹھ) کا ہوتا ہے اور ایرانیوں کے بادشاہ کا ذراع سات قبضات کا ہوتا تھا تو اس میں ایک قبضہ کم کر دیا گیا۔ وہ کنواں کھودنے والا اس کے حریم میں کنواں وغیرہ کھودنے سے منع کرے گا۔ کیونکہ یہ حریم اس کی ملک ہے اور پہلے آدمی کو اس دوسرے کنویں کو پاٹ دینے یا اس سے ضمانت لینے کا حق ہوگا۔

33679_(قولہ: فَلَوْ تَرَكَهَا الْمَاءُ) اس قول کے نقل کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ کیونکہ اس سے استغنا حاصل ہے اس قول کی وجہ سے جو متن میں موجود ہے۔ ''ط''۔

چشمے کا حریم

33680_(قولہ: مِنْ كُلِّ جَانِبٍ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: چاروں جانب سے یہ اس کی مثل ہے جو گزر چکا ہے۔

33681_(قولہ: وَالذِّرَاعُ هُوَ الْمُكَسَّرَةُ) نسخوں میں ''ہدایہ'' کی تبع میں اسی طرح ہے۔ زیادہ بہتر ھی تھا یعنی مونث کی ضمیر لاتے کیونکہ ذراع کا لفظ مونث ہے جس طرح ''المغرب'' میں ہے۔ لیکن بعض علماء نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ پس اس میں غور کیا جانا چاہیے۔ کیا ایک ہی کلام میں دونوں کا اعتبار جائز ہے جس طرح یہاں ہے۔

33682_(قولہ: وَهُوَ سِتُّ قَبَضَاتٍ) ہر قبضہ چار انگلیوں کا ہوتا ہے، ''قہستانی''۔ اسے عام لوگوں کا ذراع اور ذراع الکرباس کہتے ہیں کیونکہ یہ بادشاہ کے ذراع سے چھوٹا ہے۔ وہ ذراع مساحت ہے جس طرح ''غایۃ البیان'' میں ہے۔ ''حاوی قدسی'' میں یہاں ذراع کی تفسیر ذراع العرب سے کی ہے۔ کہا: وہ ذراع جو کہنی سے لے کر انگلیوں کے پوروں تک ہوتا ہے وہ ذراع العرب ہے۔

33683_(قولہ: سَبْعَ قَبَضَاتٍ) ''المغرب'' وغیرہ میں اسے مطلق ذکر کیا ہے۔ ''اتقانی'' نے ''غایۃ البیان'' میں کہا ہے: سات قبضے ساتھ ہر دفعہ اٹھا ہوا انگوٹھا۔ اس میں اختلاف ہے جو کتاب الطہارت میں گزر چکا ہے۔

33684_(قولہ: فَكُسِرَ مِنْهُ قَبْضَةٌ) اس سے ایک قبضہ (مٹھی) کو کم کر دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اسے مکسرہ کہتے ہیں۔

33685_(قولہ: فَلِلْأَوَّلِ رَدْمُهُ) یعنی ضمانت کے بغیر اس کو پاٹ دے یا اس کو ضمانت دے۔ پھر اس کا اس سے مطالبہ کرے اس کی صورت یہ ہے کہ زمین کی قیمت کھودنے کے بغیر لگائی جائے گی اور کھودنے کے ساتھ لگائی جائے گی۔ تو

وَتَمَامُهُ فِي الدُّرَرِ (وَلَوْ حَفَرَ الثَّانِي بِئْرًا فِي مُنْتَهَى حَرِيمِ الْبِئْرِ الْأُولَى بِإِذْنِ الْإِمَامِ فَذَهَبَ مَاءُ الْبِئْرِ الْأُولَى وَتَحَوَّلَ إِلَى الثَّانِيَةِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَدٍّ وَالْمَاءُ تَحْتَ الْأَرْضِ لَا يُمْلَكُ فَلَا مُخَاصَمَةَ كَمَنْ بَنَى حَانُوتًا بِجَنْبِ حَانُوتِ غَيْرِهِ فَكَسَدَتْ الْحَانُوتُ الْأُولَى بِسَبَبِهِ فَإِنَّهُ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ دُرَرٌ وَزَيْلَعِيٌّ، وَفِيهِ لَوْ هَدَمَ جِدَارَ غَيْرِهِ فَلِصَاحِبِهِ أَنْ يُؤَاخِذَ بِقِيمَتِهِ

اس کی مکمل وضاحت ''الدرر'' میں ہے۔ اگر دوسرا آدمی پہلے کنویں کے حریم کی انتہا میں امام کی اجازت سے کنواں کھودے تو پہلے کا پانی ختم ہو گیا اور دوسرے کنویں کی طرف چلا گیا تو دوسرے پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ تعدی کرنے والا نہیں اور وہ پانی جو زمین کے نیچے ہے وہ کسی کی ملکیت نہیں تو کوئی مخاصمت نہیں جس طرح جو آدمی کوئی دکان دوسرے آدمی کی دکان کے پہلو میں دکان بنائے تو اس کے سبب سے پہلے دکان کا کاروبار ٹھپ ہو جائے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ''درر''، ''زیلعی''۔ اس میں ہے: اگر کسی ایک شخص نے دوسرے شخص کی دیوار گرا دی تو اس کے مالک کو حق حاصل ہے کہ اس کی قیمت کے ساتھ اس کا مواخذہ کرے

دونوں کے درمیان جو نقصان ہے اس کی ضمانت لے گا۔ ''اتقانی''۔

33686۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِي الدُّرَرِ) اس کی نص یہ ہے: اگر دوسرا آدمی کنواں کھودے تو پہلے کو حق حاصل ہے کہ اسے روکے اور اس سے نقصان کی ضمانت نہ لے اور اس کا مواخذہ اس طرح کرے کہ اس نے جو کھودا ہے اس کو بند کر دے۔ کیونکہ کھودنے کی جنایت کا ازالہ اس کے ساتھ ہوتا ہے جس طرح کوڑا کرکٹ جو کسی اور کے گھر میں پھینکتا ہے۔ اس کا مواخذہ اس کے اٹھانے کے ساتھ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس سے نقصان کی ضمانت لے گا۔ پھر خود اس کو بند کر دے گا جس طرح ایک آدمی کسی دوسرے شخص کی دیوار گرا دے یہی قول صحیح ہے۔ اسی کی مثل ''ہدایہ'' میں ہے۔ اس میں ہے: اور جو چیز پہلے میں ہلاک ہوئی تو اس میں کوئی ضمانت نہیں۔ کیونکہ پہلا تعدی کرنے والا نہیں اگرچہ امام کی اجازت کے بغیر ہو۔ جہاں ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس قول کا تعلق ہے تو وہ ظاہر ہے۔ جہاں تک ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے تو کھودنے کو تحجیر بنا دیا جائے گا اذن کے بغیر ہو تو یہی صورت ہے۔ اگر اجازت ہو تو پہلے کی اجازت کے بغیر وہ اس کا مالک نہیں بن سکتا اور جو دوسرے کنویں میں چیز ہلاک ہوئی اس میں ضمانت ہوگی کیونکہ وہ غیر کی ملکیت میں کنواں کھودنے سے تعدی کرنے والا ہے۔ ملخص

33687۔ (قولہ: فِي مُنْتَهَى حَرِيمِ الْبِئْرِ الْأُولَى) یعنی منتہی کے قریب۔ کیونکہ شے کی نہایت اس کا آخر ہوتا ہے جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔ اور اس کا آخر اس کا بعض ہوتا ہے یا منتہی سے اس کا ارادہ کیا ہے جو اس کے قریب ہو ''ہدایہ'' کی عبارت ہے والا حریم الاول۔ ''درر'' کی عبارت ہے: وغیر حریم الاولی قریبة منه۔

33688۔ (قولہ: وَفِيهِ) یعنی ''زیلعی'' میں ہے۔ انہوں نے اس مسئلہ کو یہاں بے محل ذکر کیا ہے۔ اس کا محل وہ ہے جو ہم نے پہلے ''الدرر'' سے نقل کیا ہے۔

لَا بِبِنَاءِ الْجِدَارِ هُوَ الصَّحِيحُ (وَلِلْحَافِرِ الثَّانِي الْحَرِيمُ مِنَ الْجَوَانِبِ الثَّلَاثَةِ دُونَ جَانِبِ الْأَوَّلِ) لِسَبْقِ مِلْكِ الْأَوَّلِ فِيهِ (وَلِلْقَنَاةِ) هِيَ مَجْرَى الْمَاءِ تَحْتَ الْأَرْضِ (حَرِيمٌ بِقَدْرِ مَا يُصْلِحُهُ) لِإِلْقَاءِ الطِّينِ وَنَحْوِهِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ كَالْبِئْرِ وَلَوْ ظَهَرَ الْمَاءُ فَكَالْعَيْنِ وَفِي الِاخْتِيَارِ فَوَّضَهُ لِرَأْيِ الْإِمَامِ أَيْ لَوْ بِإِذْنِهِ، وَإِلَّا فَلَا شَيْءَ لَهُ ذَكَرَهُ الْبُرْجَنْدِيُّ (وَحَرِيمُ شَجَرٍ يُغْرَسُ فِي الْأَرْضِ الْمَوَاتِ

اس پر دیوار کی تعمیر لازم نہیں کرے گا یہی قول صحیح ہے۔ دوسرے کنواں کھودنے والے کا حریم تین جانب میں ہوگا پہلے کی جانب میں نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس جانب میں اس کی ملکیت سبقت لے جا چکی ہے۔ قناۃ، یہ زمین کے نیچے پانی کی گزرگاہ ہے۔ اس کا حریم اتنی مقدار ہوگا جو اس کے مناسب ہوگا کہ اس حریم میں مٹی وغیرہ ڈالی جا سکے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اس کا حریم کنویں کی طرح ہے۔ اگر اس کا پانی اوپر آجائے تو اس کا حریم چشمہ کی طرح ہوگا۔ ''الاختیار'' میں ہے: یہ امام کی رائے کے سپرد ہے یعنی اگر یہ پانی کی گزرگاہ امام کی اجازت سے بنائی گئی ہو ورنہ اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ یہ ''برجندی'' نے ذکر کیا ہے۔ وہ درخت جو بے آباد جگہ پر لگایا جائے

33689_(قولہ: لَا بِبِنَاءِ الْجِدَارِ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: مگر جب وہ نئی ہو۔ ''الاشباہ'' میں مسجد کی دیوار کی استثنا کی ہے۔ اسے مطلقاً دوبارہ بنانے کا حکم دیا جائے گا۔ ہم نے مسئلہ کی کتاب الغصب کے شروع میں تحقیق کی ہے جس پر مزید کی گنجائش نہیں پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

33690_(قولہ: وَلِلْحَافِرِ الثَّانِي) ''ابوسعود'' نے کہا: اس سے یہ سمجھ آتی ہے کہ اگر کوئی تیسرا آدمی کنواں کھودے تو اس کے لیے دو اطراف سے ہوگا۔ ''حموی'' نے ''مقدسی'' سے نقل کیا ہے۔

33691_(قولہ: وَعَنْ مُحَمَّدٍ كَالْبِئْرِ) ''اتقانی'' نے کہا: مشائخ نے کہا ہے: اصل میں ہے کہ قناۃ کنویں کی طرح ہے۔ یہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کا قول ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا کوئی حریم نہیں۔ کیونکہ یہ نہر کے قائم مقام ہے جب تک اس کا پانی روئے زمین پر نہ آئے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہر کا کوئی حریم نہیں اگر اس کا پانی باہر آجائے تو وہ فوارہ چشمہ کی طرح ہے اس کا حریم پانچ سو ذراع ہے۔

33692_(قولہ: فَوَّضَهُ لِرَأْيِ الْإِمَامِ) یعنی اس کے حریم کی تعیین امام کے سپرد ہے کیونکہ شرع میں کوئی نص نہیں۔ ''اتقانی'' نے ''شامل'' سے نقل کیا ہے۔

33693_(قولہ: أَيْ لَوْ بِإِذْنِهِ) یعنی اگر زمین کی آبادی امام کے اذن سے ہو۔ کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ شرط ہے ورنہ جس کو اس نے آباد کیا ہے اس کا وہ مالک نہیں ہوگا اور وہ اس کے حریم کا مستحق نہیں ہوگا۔

غیر آباد زمین پر لگائے گئے درخت کا حریم

33694_(قولہ: يُغْرَسُ) یعنی امام کی اجازت سے اس نے درخت لگایا ہو تو یہ مسئلہ ''متفق علیہ'' ہے۔ اگر امام کی

خَمْسَةُ أَذْرُعٍ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ) فَلَيْسَ لِغَيْرِهِ أَنْ يَغْرِسَ فِيهِ، وَيُلْحَقُ مَا امْتَنَعَ عَوْدُ دِجْلَةَ وَالْفُرَاتِ إِلَيْهِ بِالْمَوَاتِ (إِذَا لَمْ يَكُنْ) ذَلِكَ (حَرِيمًا) لِعَامِرٍ (فَإِنْ) كَانَ حَرِيمًا أَوْ (جَازَ عَوْدُهُ لَمْ يَجُزْ إِحْيَاؤُهُ) لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَوَاتٍ (وَالنَّهْرُ فِي مِلْكِ الْغَيْرِ لَا حَرِيمَ لَهُ إِلَّا بِبُرْهَانٍ)

اس کا حریم ہر جانب سے پانچ ہاتھ ہے کسی اور کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ اس حریم میں درخت لگائے دجلہ اور فرات کا پانی جس جگہ کی طرف نکلنا ممتنع ہو چکا ہے اسے بے آباد زمین کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا جب وہ آباد زمین کا حریم نہ ہو۔ اگر وہ حریم ہو یا پانی لوٹنے کا امکان ہو تو اس کا آباد کرنا جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ موات زمین نہیں۔ غیر کی مملوکہ زمین میں نہر کا کوئی حریم نہیں مگر جب وہ گواہیاں قائم کر دے۔

اجازت کے بغیر ہو تو ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ہے۔ ''اتقانی''۔

33695۔ (قولہ: خَمْسَةُ أَذْرُعٍ) کیونکہ اسے ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اس کے پھل کو کاٹے اور اس جگہ رکھے۔ پانچ ذراع کے تعیین کے متعلق حدیث وارد ہوئی ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔ ''رملی'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ ''ینابیع'' میں کنویں کے حریم کے بارے میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ اعتبار حاجت کا ہے تعیین کا نہیں۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ یہاں وہی حکم ہو جو وہاں ہے۔ کیونکہ درخت کے بڑا ہونے اور اس کے چھوٹا ہونے سے حالات کے مختلف ہو جاتے ہیں۔

33696۔ (قولہ: دِجْلَةَ وَالْفُرَاتِ) یعنی یہ دونوں دریا پس اس میں نیل داخل ہوگا۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے: اگر اس دریا نے اس طرف جس میں چلا ہے کسی اور کی زمین اپنے پیٹ میں لے لی تو اس سے یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ جس جگہ کو وہ دریا چھوڑ چکا ہے اتنی مقدار اس سے لے لے۔ ''ط''۔

33697۔ (قولہ: بِالْمَوَاتِ) یہ یلحق کے متعلق ہے پس اس کو آباد کرنا جائز ہوگا۔ کیونکہ یہ زمین اس زمین کی طرح بن چکی ہے جس طرح باقی ایسی زمینیں ہوتی ہیں جن سے نفع حاصل نہیں کیا جاتا اور اس کا کوئی معین مالک نہ ہو۔

33698۔ (قولہ: أَوْ جَازَ عَوْدُهُ الخ) اس کا معمول کرنا اس پر جائز ہے جب اس کے لوٹنے کا مخصوص زمانہ نہ ہو۔ کیونکہ ''خانیہ'' میں ہے: ایک وادی جیحون کے کنارے پر ہے موسم بہار میں اس میں پانی جمع ہو جاتا ہے پھر وہ اتر جاتا ہے تو اس میں ایک قوم نے فصل کاشت کی تو وہ فصل پک گئی تو ''ابوالقاسم'' نے کہا: کھیتی بیج والے کی ہے اور وادی ان کی ہے جن کے لیے یہ معلوم ہے ورنہ جو اس کو آباد کرے اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے اگر اس پانی کے لوٹنے کا زمانہ مخصوص ہو تو اس جگہ کا احیا جائز ہوگا۔ تامل

غیر کی مملوکہ زمین میں نہر کے حریم میں ائمہ احناف کا اختلاف

33699۔ (قولہ: وَالنَّهْرُ فِي مِلْكِ الْغَيْرِ لَا حَرِيمَ لَهُ الخ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مسئلہ اس پر مبنی ہے کہ جو آدمی بے آباد زمین میں نہر کھودے تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ حریم کا مستحق نہیں ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وہ حریم کا مستحق ہوگا۔ عام علما نے فرمایا: صحیح یہ ہے کہ وہ بالاجماع حریم کا مستحق ہوگا۔ ''اتقانی'' نے ''جامع صغیر'' کی شروح سے

وَقَالَا لَهُ مُسَنَّاةُ النَّهْرِ لِمَشْيِهِ وَلَقْيِ طِينِهِ وَقَدَّرَهُ مُحَمَّدٌ بِقَدْرِ عَرْضِ النَّهْرِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ،

''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے فرمایا: اس کے لیے اس کا بند ہوگا تاکہ وہ اس پر چل سکے اور مٹی پھینک سکے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ہر جانب سے نہر کی چوڑائی کی مقدار حریم معین فرمایا ہے۔

نقل کیا ہے پھر محققین نے بھی یہ نقل کیا کہ یہ اس پر مبنی نہیں اور بے آباد زمین میں نہر کا حریم ہے اس پر اتفاق ہے۔ اس کی مثل الاختیار میں ہے۔ ''اتقانی'' نے یہ زائد ذکر کیا ہے: اختلاف اس صورت میں ہے جب یہ معروف نہ ہو کہ بند کس کے قبضہ میں ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ بند زمین کے ساتھ متصل ہو اس کے برابر ہو اس سے وہ بلند نہ ہو۔ اگر درمیان میں کوئی حد فاصل ہو جیسے دیوار وغیرہ تو بند بالا جماع نہر والے کا ہوگا۔ ''عنایہ''۔ اگر وہ کسی ایک کے درختوں سے مشغول ہو یعنی اس پر کسی ایک کے درخت لگے ہوں یا مٹی وغیرہ پڑی ہو تو بالاتفاق یہ بند اسی کا ہوگا جس کی چیز میں وہ مصروف ہے۔ ''تصحیح قاسم''۔ اسی کی مثل ''زیلعی'' میں ہے۔ کیونکہ انہوں نے کلام کے بعد کہا: اس سے اختلاف کا محل واضح ہو جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حریم زمین کے ساتھ ملی ہوئی ہو دونوں میں کوئی فاصلہ نہ ہو اور حریم دونوں میں سے کسی کے حق میں مشغول نہ ہو جو فرد معین و معلوم ہو۔ اگر اس میں درخت ہوں اور یہ پتا نہ ہو کہ کس نے یہ درخت لگائے ہیں تو وہ اسی اختلاف پر مبنی ہوگا۔ اسی کی مثل ''ہدایہ'' وغیرہ میں ہے۔ اسی میں سے وہ ہے جو ''کرمانی'' سے آئے گا۔ یہ اب اس قول کی تائید کرتا ہے جو تصحیح ''اتقانی'' سے گزر چکا ہے کہ اگر وہ بے آباد زمین میں ہو تو اس کا حریم ہوگا۔ اور جو ''ہندیہ'' میں قول ہے کہ اختلاف بے آباد زمین میں بھی جاری ہوگا۔ یہ قول صحیح قول کے مقابل ہے بلکہ یہ محل اختلاف ہے اگر یہ غیر کی ملکیت میں ہو جس طرح مصنف نے اس کی صورت بیان کی ہے۔ پھر ''ہدایہ'' میں ہے: اس صورت میں کوئی نزاع نہیں جس کے ساتھ پانی کو باہر جانے سے روکا جائے۔ نزاع اس کے علاوہ میں ہے جو درخت لگانے کے مناسب ہوتا ہے۔

33700۔ (قولہ: وَقَالَا الخ) اختلاف کا ثمرہ یہ ہے: ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درخت لگانے کی ولایت زمین کے مالک کو حاصل ہوتی ہے اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک نہر کے مالک کو حاصل ہوتی ہے۔ جہاں تک مٹی پھینکنے کا تعلق ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ حق نہر کے مالک کا ہے جب تک بہت زیادہ نہ ہو۔ یہی قول اصح ہے۔ جہاں تک گزرنے کا تعلق ہے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہر کے مالک کو اس سے روکا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہیں روکے گا۔ کیونکہ ضرورت موجود ہے۔ یہ زیادہ مناسب ہے۔ فقیہ ''ابوجعفر'' نے کہا: درخت لگانے میں میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اپناتا ہوں۔ اور مٹی پھینکنے میں ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے قول کو اپناتا ہوں۔ ''کفایہ''، ''ہدایہ''۔

33701۔ (قولہ: لِمَشْيِهِ) تاکہ جب پانی رک جائے تو اس کو جاری کر سکے۔

33702۔ (قولہ: وَلَقْيِ طِينِهِ) نسخوں میں اسی طرح ہے بہتر القاء طینہ ہے۔ ''قاموس'' میں ہے: لقاہ الشیء القاہ الیہ، اللقی فتی کے وزن پر ہے جسے پھینکا جائے اس کی جمع الف کے ساتھ ہے۔

33703۔ (قولہ: بِقَدْرِ عَرْضِ النَّهْرِ) ''ہدایہ'' وغیرہ کی عبارت ہے: بقدر بطنہ ہے معنی ایک ہے کیونکہ نہر حفرہ کا

وَهُوَ أَرْفَقُ مُلْتَقًى وَقَدَّرَهُ أَبُو يُوسُفَ بِنِصْفِ بَطْنِ النَّهْرِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى قُهُسْتَانِيٌّ مَعْزِيًّا لِلْكِرْمَانِيِّ، وَفِيهِ مَعْزِيًّا لِلِاخْتِيَارِ، وَالْحَوْضُ عَلَى هَذَا الِاخْتِلَافِ وَفِيهِ مَعْزِيًّا لِلْكَافِي، وَلَوْ كَانَ النَّهْرُ صَغِيرًا يَحْتَاجُ إِلَى كَرْيِهِ فِي كُلِّ حِينٍ فَلَهُ حَرِيمٌ بِالِاتِّفَاقِ وَفِيهِ مَعْزِيًّا لِلْكِرْمَانِيِّ أَنَّ الْخِلَافَ فِي نَهْرٍ مَمْلُوكٍ لَهُ مُسَنَّاةٌ فَارِغَةٌ بِلِزْقِهَا أَرْضٌ لِغَيْرِ صَاحِبِ النَّهْرِ فَالْمُسَنَّاةُ لَهُ عِنْدَهُمَا وَلِصَاحِبِ الْأَرْضِ عِنْدَهُ وَفِيهِ مَعْزِيًّا لِلتَّتِمَّةِ الصَّحِيحُ أَنَّ لَهُ حَرِيمًا بِالِاتِّفَاقِ بِقَدْرِ مَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ لِإِلْقَاءِ الطِّينِ وَنَحْوِهِ قُلْت وَمِمَّنْ نَقَلَ الِاتِّفَاقَ الشُّرُنْبُلَالِيُّ عَنْ الِاخْتِيَارِ وَشَرْحِ الْمَجْمَعِ

یہ مناسب ترین ہے۔''ملتقی''۔امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مقدار نہر کے بطن کے نصف کے برابر مقرر کی ہے۔اسی پر فتویٰ ہے۔''قہستانی''۔جب کہ''کرمانی'' کی طرف منسوب کیا ہے۔اس میں ہے جب کہ''الاختیار'' کی طرف منسوب ہے: حوض اسی اختلاف پر مبنی ہے۔اس میں ہے جب کہ''کافی'' کی طرف منسوب ہے: اگر نہر چھوٹی ہو جسے ہر وقت کھودنے کی ضرورت ہوتی ہے تو بالاتفاق اس کا حریم ہوگا۔اس میں ہے جب کہ''کرمانی'' کی طرف منسوب ہے: اختلاف اس نہر میں ہے جو مملوک ہو جس کا ایک بند (پشتہ) ہو جو درختوں سے خالی ہو اس کے ساتھ ایسے آدمی کی زمین ملی ہوئی ہو جو نہر کا مالک نہیں تو''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وہ بند نہر کے مالک کا ہوگا اور''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زمین کے مالک کا ہوگا۔اس میں''تتمہ'' کی طرف منسوب ہے: صحیح یہ ہے کہ بالاتفاق اس کا اتنا حریم ہوگا جس قدر اسے مٹی وغیرہ پھینکنے کی ضرورت ہو۔میں کہتا ہوں: جنہوں نے اتفاق نقل کیا ہے ان میں''شرنبلالی'' ہیں انہوں نے''الاختیار'' اور''شرح المجمع'' سے اسے نقل کیا ہے۔

اسم ہے۔

33704۔(قولہ: وَقَدَّرَهُ) یعنی اس پر اتفاق ہونے کے بعد کہ اس کا پشتہ ہوگا تو''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے باہم اس کی مقدار میں اختلاف کیا ہے۔

33705۔(قولہ: معزیا للکفایۃ)''الکفایہ'' میں کہا ہے:''ابو جعفر ہندوانی'' نے''کشف الغوامض'' میں کہا: اختلاف بڑی نہر میں ہے جس کے کھودنے کی ہر وقت ضرورت نہیں ہوتی۔''العنایہ'' میں مجموعی عبارت نقل کرنے کے بعد کہا: مصنف یعنی صاحب''ہدایہ'' کے کلام کا ظاہر اس کے منافی ہے۔

33706۔(قولہ: لَهُ مُسَنَّاةٌ فَارِغَةٌ) جس سے احتراز کیا ہے اس کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں۔

33707۔(قولہ: وَفِيهِ مَعْزِيًّا لِلتَّتِمَّةِ) ہم نے جو پہلے بیان کیا ہے اس سے تو جان چکا ہے اتفاق کی تصحیح اس صورت میں ہے جب وہ بے آباد زمین میں اس کو کھودے۔اس کی گفتگو اس کے متعلق ہے اگر وہ نہر غیر کی ملکیت میں ہو اور اس میں اختلاف ہے ہم پہلے کی کتب سے اختلاف کا موقع محل بیان کر چکے ہیں۔لیکن''مجمع'' کے کلام کا مستفاد یہ ہے کہ اتفاق

....

اس صورت میں ہے جب وہ غیر کی ملکیت میں ہو جو اس میں اختلاف نقل کیا گیا ہے۔ اس کے بعد کہا: وقیل لہ بالاتفاق۔ اسی کی مثل ''درر البحار'' میں ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اتفاق دو مواقع پر جاری ہے۔ تامل

خاتمہ

ایک آدمی نے جنگل میں ایک محل بنایا تو وہ حریم کا مستحق نہیں ہوگا اگرچہ وہ کوڑا کرکٹ پھینکنے کا محتاج ہے۔ اس میں ہے: دونوں اس پر متفق ہوئے کہ دونوں کنواں کھودنے کا خرچہ دیں گے اس شرط پر کہ ان میں سے ایک کے لیے کنواں ہوگا اور دوسرے کے لیے اس کا حیلہ ہوگا یہ جائز نہیں جب کہ دونوں چیزیں دونوں میں مشترک ہوں گی۔ اگر انہوں نے یہ شرط لگائی کہ دونوں چیزیں ان کے درمیان نصف نصف ہوں گی اس شرط پر کہ دونوں میں سے ایک زیادہ خرچ کرے گا تو یہ جائز نہ ہوگا۔ جو نصف سے زیادہ خرچ کرے اسے حق حاصل ہوگا کہ نصف سے زائد کا مطالبہ کرے۔ اگر دونوں نے اس شرط پر نہر کھودی کہ وہ ایک کے لیے ہوگی اور زمین دوسرے کے لیے ہوگی تو یہ جائز نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ دونوں میں مشترک ہوگی اور جس نے زیادہ خرچ کیا وہ اس کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ ''تاتر خانیہ''، ملخص۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فَصْلُ الشِّرْبِ

هُوَ لُغَةً (نَصِيبُ الْمَاءِ) وَشَرْعًا نَوْبَةُ الِانْتِفَاعِ بِالْمَاءِ سَقْيًا لِلزِّرَاعَةِ وَالدَّوَابِّ (وَالشَّفَةُ شِرْبُ بَنِي آدَمَ وَالْبَهَائِمِ) بِالشِّفَاءِ

پانی کی باری کے احکام

شرب لغت میں پانی کے حصہ کو کہتے ہیں اور شرع میں پانی سے نفع حاصل کرنے کی باری کو کہتے ہیں تا کہ زراعت اور چوپاؤں کو سیراب کیا جائے۔ اور شفہ انسان اور چوپاؤں کا ہونٹوں سے پانی پینا ہے۔

موات کے بعد اس کا ذکر کیا کیونکہ بے آباد زمین کو اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ فصل کا لفظ تنوین کے ساتھ مبتدا ہے اس کی خبر اس کے بعد ہے یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ ''قاموس'' میں ہے: شرب جب شین کے کسرہ کے ساتھ ہو تو مراد پانی اور پانی کا حصہ ہوتا ہے یا اس سے پانی کا گھاٹ اور پانی پینے کا وقت ہوتا ہے۔ ''قہستانی'' نے اسے اسم مصدر بنایا ہے۔ تامل

شرب کی لغوی تعریف

33708۔ (قولہ: لُغَةً نَصِيبُ الْمَاءِ) ''زیلعی'' نے کہا: صحیح من الماء ہے۔ بعض اوقات اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اضافت منی ہے جس طرح ''خاتم حدید''۔ ''الدر المنتقی'' میں کہا: دونوں نے اپنے معمول کے الٹ کام کیا ہے یعنی لغوی ذکر کیا اور شرعی معنی ذکر نہیں کیا تا کہ یہ وہم پیدا نہ ہو کہ اس مقام میں یہ اس کی مراد ہے۔ ''قہستانی'' وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔

شرب کی شرعی تعریف

33709۔ (قولہ: وَشَرْعًا نَوْبَةُ الِانْتِفَاعِ بِالْمَاءِ) یعنی اس کا وقت اور اس کا زمانہ یہ بھی لغوی معنی ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اس میں غور کیجئے کہ یہاں دوسرے معنی کی بجائے پہلے معنی کے ارادہ کرنے کی کیا وجہ ہے جب کہ دونوں میں سے ہر ایک کا ارادہ کرنا صحیح ہے اس میں جو ظاہر ہے۔

33710۔ (قولہ: وَالشَّفَةُ) یہ دو فتحوں کیساتھ ہے۔ اصل شفہ یا شفوفا ہے واؤ کو تخفیف کے طور پر بدلا گیا۔ ''قہستانی''۔

33711۔ (قولہ: شِرْبُ بَنِي آدَمَ وَالْبَهَائِمِ) یہ شرب سے اخص ہے کیونکہ یہ حیوان کے ساتھ خاص ہے کسی اور کے ساتھ خاص نہیں۔

لفظ شفا کا معنی

33712۔ (قولہ: بِالشِّفَاءِ) یہ اس کی اصل ہے۔ مراد ہے انسان کا پیاس مٹانے، کھانا پکانے، وضو کرنے، غسل

(وَلِكُلٍّ حَقُّهَا فِي كُلِّ مَاءٍ لَمْ يُحْرَزْ بِإِنَاءٍ) أَوْ حُبٍّ
ہر ایک کو اس پانی سے پینے کا حق ہے جسے برتن یا مٹکے میں بھر کر نہ رکھا گیا ہو۔

کرنے یا کپڑے دھونے کے لیے پانی استعمال کرنا وغیرہ جس طرح ''مبسوط'' میں ہے۔ چوپاؤں کے حق میں اس سے مراد پیاس وغیرہ کے لیے اسے استعمال کرنا جو اس کے مناسب ہو۔ ''قہستانی'' نے یہ بیان کیا ہے۔

33713۔ (قولہ: وَلِكُلٍّ) یعنی انسان اور چوپائے۔ ''قہستانی''۔

33714۔ (قولہ: حَقُّهَا) ھا ضمیر سے مراد شفہ ہے اسے حق کے ساتھ تعبیر کیا ہے کیونکہ یہ پانی لوگوں کی ملک نہیں کیونکہ اسے محفوظ نہیں کیا گیا۔ ''قہستانی'' نے بیان کیا ہے۔

پانی کی اقسام

33715۔ (قولہ: فِي كُلِّ مَاءٍ لَمْ يُحْرَزْ) یہ جان لو کہ فی کی چار قسمیں ہیں (۱) سمندروں کا پانی۔ اس میں سے ہر ایک کو پینے کا حق حاصل ہے اور زمین سیراب کرنے کا حق حاصل ہے وہ جس طریقہ سے نفع حاصل کرنا چاہے اس کے لیے کوئی ممانعت نہیں۔

(۲) بڑی وادیوں کا پانی جیسے سیحون۔ اس میں لوگوں کو پانی کا مطلقاً حق حاصل ہے اور زمین کو سیراب کرنے کا حق حاصل ہے جب یہ عمل عام لوگوں کو نقصان نہ دے۔

(۳) جو تقسیم میں مخصوص جماعت کی ملکیت میں آ چکے ہوں۔ اس میں پینے کا حق ہے۔

(۴) جو برتنوں میں محفوظ کر دیا گیا ہو اس پانی سے دوسروں کا حق منقطع ہو چکا ہے۔ اس کی مکمل بحث ''ہدایہ'' میں ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے دو قسم کے پانیوں سے ہر ایک کو پینے اور اپنی زمین کو سیراب کرنے کا حق ہے۔ تیسرے میں صرف پینے کا حق ہے اور چوتھے میں کسی کا کوئی حق نہیں۔

33716۔ (قولہ: لَمْ يُحْرَزْ بِإِنَاءٍ) زیادہ بہتر قول فی اناء ہے۔ اگر وہ اسے گھڑے، مٹکے یا مسجد کے حوض میں محفوظ کر لے۔ وہ تانبے کا ہو، پیتل کا ہو یا مٹی کا ہو اور پانی کا چلنا منقطع ہو جائے تو وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ اسے احراز سے تعبیر کیا ہے اخذ کے ساتھ تعبیر نہیں کیا یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگر وہ کنویں سے ڈول کو بھر دے اور اس کو اس کی منڈیر سے دور نہ کرے تو شیخین کے نزدیک وہ اس پانی کا مالک نہیں ہوگا۔ کیونکہ احراز کا مطلب ہوتا ہے کسی شے کو محفوظ جگہ رکھ چھوڑنا۔ اور اس امر کی طرف اشارہ ہے اگر وہ حمام کے حوض سے حمامی کے برتن سے چلو بھرے تو وہ پانی حمامی کی ملک پر ہی رہے گا لیکن یہ دوسرے کی بنسبت زیادہ حقدار ہوگا جس طرح ''المنیہ'' وغیرہا میں ہے۔ ''قہستانی''۔

33717۔ (قولہ: أَوْ حُبٍّ) یہ لفظ حا مہملہ کے ساتھ ہے یہی خابیہ ہے یعنی بڑا مٹکا جس طرح اس کا ذکر آگے آئے گا۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اناء کا لفظ اسے عام ہے ساتھ ہی اس میں یہ لازم آتا ہے کہ او کے

(وَ) لِكُلٍّ (سَقْيُ أَرْضِهِ مِنْ بَحْرٍ أَوْ نَهْرٍ عَظِيمٍ كَدِجْلَةَ وَالْفُرَاتِ وَنَحْوِهِمَا) لِأَنَّ الْمِلْكَ بِالْإِحْرَازِ وَلَا إِحْرَازَ لِأَنَّ قَهْرَ الْمَاءِ يَمْنَعُ قَهْرَ غَيْرِهِ (وَ) لِكُلٍّ (شَقُّ نَهْرٍ لِسَقْيِ أَرْضِهِ مِنْهَا أَوْ لِنَصْبِ الرَّحَى إِنْ لَمْ يَضُرَّ بِالْعَامَّةِ لِأَنَّ الِانْتِفَاعَ بِالْمُبَاحِ إِنَّمَا يَجُوزُ إِذَا لَمْ يَضُرَّ بِأَحَدٍ كَالِانْتِفَاعِ بِشَمْسٍ وَقَمَرٍ وَهَوَاءٍ (لَا سَقْيُ دَوَابِّهِ

ہر ایک کو بحر یا عظیم نہر جیسے دجلہ، فرات وغیرہما سے اپنی زمین کو سیراب کرنے کا حق ہے۔ کیونکہ ملکیت محفوظ کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور یہاں کوئی محفوظ کرنا نہیں۔ کیونکہ پانی کا غلبہ غیر کے غلبہ کے مانع ہے۔ اور ہر کسی کو حق حاصل ہے کہ اپنی زمین کو سیراب کرنے کے لیے یا پن چکی لگانے کے لیے اس سے نہر کھودے اگر یہ عمل عام لوگوں کو نقصان نہ دے۔ کیونکہ مباح چیزوں سے نفع حاصل کرنا اس وقت جائز ہوتا ہے جب وہ کسی کو نقصان نہ دے جس طرح سورج چاند اور ہوا سے نفع حاصل کرنا ہے۔ مگر وہ اپنے جانوروں کو اس سے پانی نہیں پلا سکتا

ساتھ خاص کا عطف قائم کیا جا رہا ہے۔ ایک نسخہ میں یہ لفظ جیم کے ساتھ ہے۔ یہ تحریف ہے۔ کیونکہ جب سے مراد کنواں ہے جس طرح ''قاموس'' ہے۔ اور کنویں میں جو پانی ہوتا ہے وہ کسی کی ملک میں نہیں ہوتا جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔ اسے پہلے بیان کر چکے ہیں اور آگے بھی اس کا ذکر آئے گا۔ لیکن بعض علماء نے اس کی تفسیر ''صہریج'' سے کی ہے۔ پس یہ بھی ہوگا جس طرح اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

33718۔ (قولہ: كَدِجْلَةَ) یہ دال کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ ہے یہ بغداد کا دریا ہے۔ ''قاموس''۔

33719۔ (قولہ: وَالْفُرَاتِ) جیسے غراب کا لفظ ہے یہ کوفہ کا دریا ہے۔ ''قاموس''۔

33720۔ (قولہ: وَنَحْوِهِمَا) جیسے سیحون یہ ترک کا دریا ہے۔ جیحون یہ خوارزم کا دریا ہے۔ ''عنایہ''۔

33721۔ (قولہ: وَلَا إِحْرَازَ) یعنی ان دریاؤں میں کوئی حفاظت نہیں ہوتی۔

33722۔ (قولہ: وَلِكُلٍّ) یعنی لکل واحد یعنی ہر ایک کے لیے۔

33723۔ (قولہ: مِنْهَا) یعنی ان پانیوں سے جو کسی کی ملک میں نہیں۔

33724۔ (قولہ: إِنْ لَمْ يَضُرَّ بِالْعَامَّةِ) اگر وہ عام لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ پانی بہہ جائے اور لوگوں کے حقوق کو فاسد کر دے یا بڑی نہر سے پانی ختم ہو جائے یا اس میں کشتیوں کا چلنا ممنوع ہو جائے ہر ایک کو خواہ مسلمان ہو، ذمی ہو یا مکاتب ہو اسے روکنے کا حق ہوگا ''بزازیہ''۔ جو ہم نے ''ہدایہ'' سے نقل کیا ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ حکم انہار کے بارے میں ہے۔ جہاں تک سمندر کا تعلق ہے تو اس سے نفع حاصل کرے گا اگرچہ وہ کسی کو نقصان دے۔ ''قہستانی'' نے اس کی تصریح کی ہے۔ تامل

33725۔ (قولہ: لَا سَقْيُ دَوَابِّهِ الخ) صدر کلام کے ساتھ آنے والا قول من نہر غیرہ متعلق ہے یہ تیسری نوع شروع ہو رہی ہے جو ان چار میں سے ایک ہے جن کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

إِنْ خِيفَ تَخْرِيبُ النَّهْرِ لِكَثْرَتِهَا وَلَا سَقْيُ (أَرْضِهِ وَشَجَرِهِ وَزَرْعِهِ وَنَصْبِ دُولَابٍ) وَنَحْوِهَا (مِنْ نَهْرِ غَيْرِهِ وَقَنَاتِهِ وَبِئْرِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ) لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى إِذْنِهِ (وَلَهُ سَقْيُ شَجَرٍ أَوْ خُضَرٍ زُرِعَ فِي دَارِهِ حَمْلًا

اگر نہر کے (کناروں کے) خراب ہونے کا خوف ہے۔ کیونکہ جانور بہت زیادہ ہیں۔ اور نہ ہی اسے یہ اجازت ہے کہ غیر کی نہر، اس کی نالی اور اس کے کنویں سے اپنی زمین، اپنے درختوں، اپنی کھیتی کو سیراب کرے اور پن چکی لگائے وغیرہ مگر اس کی اجازت سے ایسا کر سکتا ہے۔ کیونکہ حق غیر کا ہے۔ پس یہ اس کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اور اسے حق حاصل ہوگا کہ اس درخت یا کھیتی کو سیراب کرے جو گھر میں کاشت کی گئی

اس کا حاصل یہ ہے اسے یہ حق ہے کہ خود پانی پیے ان پانیوں میں سے جو ممکن تقسیم کے تحت داخل ہیں۔ اسی طرح وہ اپنے جانوروں کو بھی پلا سکتا ہے مگر جب جانوروں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے نہر کے کناروں کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو وہ اپنی زمین وغیرہ کو سیراب نہیں کر سکتا۔ ''زیلعی'' نے کہا: منہ سے پینا جب تمام پانی پر واقع ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ چھوٹی سی نالی ہو یا جس پر بہت زیادہ مویشی وارد ہوں جو تعداد کی زیادتی پانی کو ختم کر دے۔ بعض علماء نے کہا: اسے نہیں روکا جائے گا۔ اکثر علماء نے کہا: اسے روکا جائے گا کیونکہ ضرر پایا جا رہا ہے۔ ''ملتقی'' میں دوسرے قول کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔

33726۔ (قولہ: وَلَا سَقْيُ أَرْضِهِ) وہ اس پر مجبور ہو یا مجبور نہ ہو۔ اگر وہ اپنی زمین کو سیراب کرے تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی یا اس نے بغیر اجازت کے اسے کاشت کیا اگر وہ یکے بعد دیگرے ایسا کرے تو سلطان مارے اور محبوس کرنے کے ساتھ اس کو اذیت دے اگر وہ اس کو مناسب سمجھے۔ ''خانیہ''۔ ''ط''۔

33727۔ (قولہ: إِلَّا بِإِذْنِهِ) کیونکہ پانی جب تقسیم میں داخل ہو جائے تو اس سے باری کی شرکت کلی طور پر منقطع ہو جاتی ہے، ''ہدایہ''۔ ''خانیہ'' میں ہے: ایک نہر ہے جو ایک قوم کے ساتھ خاص ہے تو دوسروں کو حق حاصل نہیں کہ وہ اس سے اپنے باغ یا اپنی زمین کو سیراب کرے مگر ان کی اجازت کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے۔ اگر وہ سب اجازت دے دیں مگر ایک اجازت نہ دے یا ان میں کوئی بچہ ہو یا غائب شخص ہو تو اس آدمی کے لیے گنجائش نہیں کہ وہ اس سے اپنی کھیتی یا اپنی زمین کو سیراب کرے۔

33728۔ (قولہ: أَوْ خُضَرٍ) یہ خضرۃ کی جمع ہے۔ یہ اصل میں اخضر کا رنگ ہے۔ پس اس کے ساتھ نام رکھ دیا گیا۔ اسی وجہ سے اس کی جمع بنائی گئی۔ ''مغرب''۔

33729۔ (قولہ: زُرِعَ) ظاہر یہ ہے کہ یہ فعل ماضی مجہول کا صیغہ سے یہ ماقبل کی صفت ہے۔ ضمیر کو مذکر ذکر کیا کیونکہ او کے ساتھ عطف کیا گیا ہے۔ اور اس لیے کہ اس کا ماقبل اسم جنس ہے جو جمع پر دال ہوتا ہے جس کے اور اس کے واحد کے درمیان عموماً تا کے ساتھ فرق کیا جاتا ہے اس میں اکثر مذکر کا صیغہ آتا ہے جیسے اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ (الفاطر: 10) اس کی بارگاہ میں پاکیزہ کلمات بلند ہوتے ہیں۔ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (المائدہ: 13) وہ بدل دیتے ہیں کلام کو اپنی اصلی جگہوں سے۔

إِلَیْہِ بِجِرَارِہِ) وَأَوَانِیہِ (فِی الْأَصَحِّ) وَقِیلَ لَا إِلَّا بِإِذْنِہِ (وَالْمُحْرَزُ فِی کُوزٍ وَحُبٍّ) بِمُہْمَلَةٍ مَضْمُومَةٍ الْخَانِیَّةُ (لَا یُنْتَفَعُ بِہِ إِلَّا بِإِذْنِ صَاحِبِہِ) لِمِلْکِہِ بِإِحْرَازِہِ

جب کہ اس کی طرف پانی اپنے گھڑوں اور برتنوں میں بھر کر لائے یہ اصح قول کے مطابق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسا اس کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتا۔ وہ پانی جو کوزہ اور مٹکے میں محفوظ کیا گیا ہو اس سے نفع حاصل نہیں کیا جا سکتا مگر مالک کی اجازت سے ایسا کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کو محفوظ کرنے کے ساتھ وہ اس کا مالک بن چکا ہے۔ حب کا لفظ حا مضمومہ کے ساتھ مراد اس سے مٹکا ہے ''خانیہ''۔

33730۔(قولہ: بِجِرَارِہِ) یہ جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے یہ جرہ کی جمع ہے۔ یہ وہ ہوتا ہے جو خزف سے بنا ہے اس کی جمع بھی جرر کے وزن پر آئی ہے۔ ''قاموس''، ''ط''۔

33731۔(قولہ: فِی الْأَصَحِّ) ''ہدایہ''، ''تبیین''، ''ملتقی'' وغیرہا میں اسی طرح ہے۔

33732۔(قولہ: وَقِیلَ لَا إِلَّا بِإِذْنِہِ) ''خانیہ'' اور ''وجیز'' میں کہا: یہ اصح ہے پس دونوں ایسے قول ہیں جن کی تصحیح کی گئی ہے۔

فرع

وہ چشمہ یا حوض جس میں پانی محفوظ کرنے اور حیلہ کرنے کے بغیر داخل ہو گیا ہو تو یہ خاص نہر کے قائم مقام ہے۔ ''ط''۔

وہ پانی جو کوزے اور مٹکے میں محفوظ ہو اس سے نفع اٹھانے کا حکم

33733۔(قولہ: وَالْمُحْرَزُ فِی کُوزٍ وَحُبٍّ) اسی کی مثل وہ پانی ہے جو حوضوں میں محفوظ کیا جاتا ہے جو گھروں میں پانی محفوظ کرنے کے لیے بنائے جاتے ہیں جس طرح ''رملی'' نے اپنے فتاویٰ میں اور ''البحر'' پر اپنے حاشیہ میں ذکر کیا ہے۔ اور اس کے مطابق کئی دفعہ فتویٰ دیا ہے۔ کہا: اصل محفوظ کرنے کا قصد کرنا اور نہ کرنا ہے۔ علماء نے جس کی تصریح کی ہے اس میں سے یہ ہے: اگر ایک آدمی نے چھت پر ایک ٹب رکھا تو اس میں بارش کا پانی جمع ہو گیا تو دوسرے آدمی نے اسے اٹھا لیا اگر پہلے نے اسی مقصد کے لیے ٹب رکھا تھا تو پانی اس کا ہو گا ورنہ اٹھانے والے کا ہو گا۔ اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جو ہم نے پہلے ''قہستانی'' سے نقل کیا ہے۔

33734۔(قولہ: لَا یُنْتَفَعُ بِہِ الخ) کیونکہ اس میں کسی کا کوئی حق نہیں جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

33735۔(قولہ: لِمِلْکِہِ بِإِحْرَازِہِ) پس اس کو وہ پانی بیچنے کا حق ہو گا۔

تنبیہ

''ذخیرہ'' اور ''ہدایہ'' میں ہے: ایک غلام، بچہ یا لونڈی نے حوض سے کوزہ بھرا اور اس کا بعض اس میں بہا دیا تو کسی کے لیے حلال نہیں کہ اس حوض سے پانی پیے۔ کیونکہ جو پانی کوزے میں تھا وہ کوزے والے کی ملکیت تھا جب وہ مباح پانی کے

(وَلَوْ كَانَتْ الْبِئْرُ أَوْ الْحَوْضُ أَوْ النَّهْرُ فِي مِلْكِ رَجُلٍ فَلَهُ أَنْ يَمْنَعَ مُرِيدَ الشَّفَةِ مِنْ الدُّخُولِ فِي مِلْكِهِ إذَا كَانَ يَجِدُ مَاءً بِقُرْبِهِ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ يُقَالُ لَهُ) أَيْ لِصَاحِبِ الْبِئْرِ وَنَحْوِهِ (إمَّا أَنْ تُخْرِجَ الْمَاءَ إلَيْهِ أَوْ تَتْرُكَهُ)

اگر کنواں، حوض یا نہر کسی آدمی کی ملکیت میں ہو تو اسے حق حاصل ہوگا کہ جو آدمی پانی پینے کا ارادہ رکھتا ہے اسے اپنی مملوکہ زمین میں داخل ہونے سے روک دے جب وہ کوئی ایسا پانی پائے جو اس کے قریب ہو۔ اگر وہ قریب پانی نہ پائے تو کنویں وغیرہ کے مالک کو کہا جائے گا یا تو تو خود پانی اس کی طرف نکال لے آیا اس کو چھوڑ دے

ساتھ مل گیا اور اس کو الگ کرنا ممکن نہ ہو تو اس کا پینا حلال نہ ہوگا اگر بچے کو اس کے باپ یا اس کی ماں نے وادی یا حوض سے کوزے میں پانی لانے کا کہا: وہ پانی لے آیا تو والدین کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس سے پانی پئیں جب وہ فقیر نہ ہوں۔ کیونکہ پانی بچے کی ملکیت ہو چکا ہے اور ضرورت کے بغیر والدین کو حق حاصل نہیں کہ اس کے مال میں سے کوئی شے کھائیں۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: ان دونوں کے لیے پانی لینا حلال ہے اگر چہ وہ غنی ہوں یہ حکم عرف و عادت کی بنا پر ہے۔ ''حموی'' نے ''درایہ'' سے نقل کیا ہے۔ ان دونوں فروع میں عظیم حرج ہے۔

میں کہتا ہوں: دونوں میں اشکال بھی ہے۔ جہاں تک دونوں میں سے اول کا تعلق ہے تو غلام مالک نہیں بنتا اگر وہ کسی شے کا مالک بن بھی جائے تو وہ اس کا مالک ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کی کمائی کا مالک ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ یہ واضح نہیں کیا کہ کب اس سے پانی پینا حلال ہے۔ اور کیا جاری حوض یا جو اس کے حکم میں ہے اس میں اور اس کے غیر کے درمیان فرق کیا جائے گا؟ چاہیے کہ غلبہ ظن کا اعتبار کیا جائے کہ جو اس میں پانی انڈیلا گیا تھا جاری ہونے یا نضح کے سبب اس میں کوئی شے باقی نہیں بچی ورنہ حوض کو چھوڑ دینا اور نفع حاصل نہ کرنا لازم آئے گا اور یہ ممکن ہے کہ اسے نجاست پر قیاس کر لیا جائے۔ پس کنویں وغیرہ سے پانی نکالنے اور دوسری سے پانی جاری ہونے کے باعث پانی پینا حلال ہو۔ کیونکہ اگر اس میں نجاست ہوتی تو اس کی طہارت کا حکم لگایا جائے گا۔ فلیتامل

جہاں تک دونوں میں سے دوسرے کا تعلق ہے تو کیونکہ باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بچے سے خدمت لے سکے۔ ''جامع الفصولین'' میں کہا: باپ کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بچے کو عاریۃً کسی کے حوالے کرے تا کہ وہ اپنے استاد کی خدمت میں رہے تا کہ وہ پیشہ سیکھ لے۔ باپ، دادا یا وصی کو عوض کے بغیر کام میں لگانے کا اختیار ہوتا ہے جب کہ یہ ''تہذیب'' اور مشق کے طریقہ پر ہو مگر یہ کہا جائے کہ اس سے اس مباح پانی کی عدم ملکیت لازم نہیں آتی اگر چہ اس کا باپ اسے اس امر کا حکم دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

33736۔ (قولہ: إِذَا كَانَ يَجِدُ مَاءً بِقُرْبِهِ) ''ہدایہ'' میں اس کا اضافہ کیا ہے کہ جب وہ کسی کی ملکیت میں نہ ہو۔ علامہ ''مقدسی'' نے کہا: میں نے قرب کی تعیین کے حوالے سے قول نہیں دیکھا چاہیے کہ اس کی تعیین ایک میل سے کی جائے۔ جس طرح تیمم میں ہے۔

لِيَأْخُذَ الْمَاءَ (بِشَرْطِ أَنْ لَا يَكْسِرَ ضِفَّتَهُ) أَيْ جَانِبَ النَّهْرِ وَنَحْوَهُ (لِأَنَّ لَهُ حِينَئِذٍ حَقَّ الشَّفَةِ) لِحَدِيثِ أَحْمَدَ الْمُسْلِمُونَ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ فِي الْمَاءِ وَالْكَلَإِ

تا کہ یہ پانی لے ۔ لے اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس کنارہ یعنی نہر وغیرہ کا کنارہ نہ توڑے ۔ کیونکہ اس آدمی کو پانی پینے کا حق ہے۔ کیونکہ امام ''احمد'' کی حدیث ہے: مسلمان تین چیزوں یعنی پانی، گھاس

33737۔ (قولہ: ضِفَّتَهُ) یہ فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے ''مغرب'' میں یہ اسی طرح ہے۔ دیوان میں یہ کسرہ کے ساتھ ہے جس سے مراد نہر کا کنارہ ہے اور فتحہ کے ساتھ اس سے مراد لوگوں کی جماعت ہے۔ ''اتقانی''۔

33738۔ (قولہ: الْمُسْلِمُونَ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ) یہ اباحت کی شرکت ہے۔ امر سے مراد شرکت ملک نہیں ہے۔ پس جو ان چیزوں میں سے کسی شے میں برتن وغیرہ میں ڈالنے میں سبقت لے گیا اور اسے محفوظ کر لیا تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہوگا وہ اس کا مالک بن جائے گا دوسرا اس کا مالک نہیں ہوگا تو اس کے لیے جائز ہوگا کہ وہ تملیک کی تمام صورتوں میں سے کسی صورت کے ساتھ مالک بنادے اس میں اس کی جانب سے وارث بنا جائے گا اس میں اس کی جانب سے وصیت جائز ہوگی۔ اگر کوئی شخص اس کی اجازت کے بغیر وہ چیز لے گا تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔ جب تک کوئی اس کی طرف سبقت نہ لے گیا تو وہ چیز تمام مسلمانوں کے لیے مباح ہوگی جو آدمی اس سے پینے کے لیے لینا چاہے تو کسی ایک کو بھی اس سے منع کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ ''اتقانی'' نے ''کرخی'' سے نقل کیا ہے۔

شجر اور کلاء کی تحقیق

33739۔ (قولہ: وَالْكَلَإِ) کلاء اسے کہتے ہیں جو بچھ جاتا ہے اور پھیل جاتا ہے اس کا تنا نہیں ہوتا جیسے اذخر وغیرہ۔ شجر اس کو کہتے ہیں جس کا تنا ہو۔ اس تعبیر کی بنا پر شوک (کانٹے دار بوٹی) درخت کی قسم ہے۔ کیونکہ اس کا تنا ہوتا ہے بعض علما نے کہا ہے اخضر، وہ نرم کانٹا ہے جسے اونٹ کھا جاتا ہے وہ کلاء ہے اور احمر شجر ہے۔ امام ''ابوجعفر'' کہا کرتے تھے: اخضر کلا نہیں۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ پھر جس گھاس کے بارے میں گفتگو ہے اس کی چار قسمیں ہیں ان میں سے سب سے عام وہ ہے جو غیر مملوک جگہ میں اگے۔ پس لوگ اس کو چرانے اور گھاس کاٹنے میں شریک ہوں جس طرح بحار کے پانی میں شرکت ہوتی ہے۔

اس سے اخص وہ ہے جو کسی کی مملوکہ زمین میں اگائے بغیر اگے اس کا حکم پہلے کی طرح ہے مگر زمین کا مالک اپنی زمین میں داخل ہونے سے روک سکتا ہے۔

ان سب سے اخص وہ ہے جو وہ گھاس کاٹے یا اسے اپنی زمین میں اگائے پس یہ اس کی ملکیت ہوگا۔ کسی کو کسی طریقہ سے بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کو لے کیونکہ اسے محنت کر کے حاصل کیا گیا ہے۔ ''ذخیرہ'' وغیرہا ملخص۔

''طحطاوی'' نے کہا: تارکول، ہڑتال اور فیروزج یہ درخت کی طرح ہے اور جس نے ان میں سے کسی شے کو لیا تو وہ ضامن

وَالنَّارِ (وَحُكْمُ الْكَلَإِ كَحُكْمِ الْمَاءِ فَيُقَالُ لِلْمَالِكِ إِمَّا أَنْ تَقْطَعَ وَتَدْفَعَ إِلَيْهِ وَإِلَّا تَتْرُكُهُ لِيَأْخُذَ قَدْرَ مَا يُرِيدُ) زَيْلَعِيٌّ

اور آگ میں شریک ہیں۔ گھاس کا حکم پانی کی طرح ہے تو مالک کو کہا جائے گا یا تو خود گھاس کاٹ اور اسے دے دے ورنہ تو اس کو چھوڑ دے تاکہ جس قدر وہ ارادہ کرتا ہے وہ لے لے۔ ''زیلعی''۔

ہوگا۔ ''خزانۃ المفتین''۔ ایندھن کی لکڑی جو کسی آدمی کی ملک میں ہو کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر اس کو کاٹے اگر وہ کسی کی ملک میں نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لکڑی آدمی کی ملکیت میں ہوتی ہے کسی کو بھی اس کی اجازت کے بغیر اسے کاٹنے کا حق حاصل نہیں اگر وہ کسی کی ملکیت نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اس کو کسی دیہات یا جماعت کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں جب یہ معلوم نہ ہو کہ یہ ان کی ملکیت ہے۔ اسی طرح ہڑتال، چقماق، چراگاہوں اور وادیوں میں پھل ہیں ''مضمرات''۔ لکڑہارا محض لکڑیاں کاٹنے سے مالک بن جائے گا اگرچہ وہ اس کو نہ باندھے اور نہ ہی جمع کرے اگر وہ کسی اور کی ایسی زمین سے پانی لے جسے نمک کی کان بنا دیا گیا ہے تو اس پر کوئی شے نہیں اگر وہ پانی نمک بن چکا ہو تو اسے پانی لینے کا حق حاصل نہیں۔ وہ مٹی جسے ہر کسی انسان کی ملکیت میں لاتی ہو تو کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ وہ مٹی لے اور اگر اس نے اجازت کے بغیر اس کو لیا تو وہ ضامن ہوگا۔ اس کی مثل ''تاترخانیہ'' میں ہے۔

33740۔ (قولہ: وَالنَّارِ) یعنی جب وہ جنگل میں آگ جلائے تو وہ آگ اس کے اور تمام لوگوں کے درمیان مشترک ہوگی۔ جو چاہے کہ اس کی روشنی سے روشنی حاصل کرے یا اس کے ارگرد بیٹھ کر کپڑا سیے یا اس کو تاپے یا اس سے چراغ جلائے تو آگ جلانے والے کو منع کا حق نہیں ہوگا مگر جب وہ اس آگ کو مملوکہ زمین میں جلائے تو اسے کسی کو نفع حاصل کرنے سے منع کرنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ اس کی یہ مملوکہ چیز ہے مگر جب کوئی یہ ارادہ کرے کہ اس کے چراغ کی بتی لے لے یا کوئی انگارہ لے لے تو اسے منع کرنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ یہ اس جلانے والی کی ملکیت ہے۔ ''اتقانی'' نے ''شیخ الاسلام'' سے روایت کیا ہے۔

''ذخیرہ'' میں ہے: جب وہ انگارہ لینا چاہے اگر وہ ایسی شے ہے جس کی قیمت ہو جب اس کا مالک اسے کوئلہ بنا دے تو اس کو واپس لینے کا حق ہوگا اگر وہ شے تھوڑی ہو جس کی کوئی قیمت نہ ہو تو اسے واپس لینے کا کوئی حق نہ ہوگا اور دوسرے آدمی کو مالک کی اجازت کے بغیر لینے کا حق ہوگا۔

33741۔ (قولہ: فَيُقَالُ لِلْمَالِكِ الخ) اگر وہ ایسی زمین میں گھاس نہ پائے جو مباح ہو اور اس زمین کے قریب ہو۔ ''طحطاوی'' نے ''ہندیہ'' سے نقل کیا ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب گھاس اس کی ملک میں اس کے اگانے کے بغیر اگا ہو۔ اور اس نے اس کو نہ کاٹا ہو ان کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ آگ جو اس کی ملک میں جلائی گئی ہو وہ اس طرح نہیں ہوتی پس طالب کے لیے اسے باہر نکالنا اس پر لازم نہیں۔ میرے لیے جو امر ظاہر ہوا ہے وجہ فرق یہ ہے کہ شرکت پانی اور گھاس کے عین میں ثابت ہے انگارے کے عین میں ثابت نہیں۔ پس اس پر واجب نہیں کہ وہ اس کے لیے انگارہ نکالے تاکہ وہ اس

(وَلَوْ مَنَعَهُ الْمَاءَ وَهُوَ يَخَافُ عَلَى نَفْسِهِ وَدَابَّتِهِ الْعَطَشَ كَانَ لَهُ أَنْ يُقَاتِلَهُ بِالسِّلَاحِ) لِأَثَرِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ (وَإِنْ كَانَ مُحْرَزًا فِي الْأَوَانِي قَاتَلَهُ بِغَيْرِ السِّلَاحِ)

اگر پانی کا مالک اسے پانی سے روکے جب کہ پانی لینے والے کو اپنی ذات اور اپنے جانور پر پیاس کا اندیشہ ہو تو اسے حق حاصل ہوگا کہ مالک کے ساتھ اسلحہ سے قتال کرے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کی وجہ سے ہے۔ اگر وہ برتنوں میں محفوظ ہو تو بغیر اسلحہ کے اس کے ساتھ جھگڑے

سے تاپے۔ کیونکہ غیر کے لیے اس میں کوئی شرکت نہیں۔ اسی وجہ سے اسے یہ حق حاصل ہے کہ جس نے انگارہ لیا ہے اس سے وہ انگارہ واپس لے لے جس کی کوئی قیمت ہو گھاس اور پانی جو محفوظ نہ کیے گئے ہوں۔ ان کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر کسی نے اس کی زمین سے دونوں کو لیا ہو تو اس سے وہ یہ واپس نہیں لے گا۔ کیونکہ ان دونوں کے عین میں ہے۔ تامل

پھر میں نے ''نہایہ'' میں دیکھا وہ شرکت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثابت کی ہے وہ آگ میں ہے اور آگ جوہر ہے۔ ایندھن کی لکڑی اور کوئلے کا معاملہ مختلف ہے۔ مگر جب اس کی قیمت نہ ہو۔ کیونکہ معمول کے مطابق اس سے منع نہیں کیا جاتا اور منع کرنے والا سرکش ہوتا ہے۔

33742۔ (قولہ: وَلَوْ مَنَعَهُ الْمَاءَ) یعنی کنویں، حوض یا وہ نہر جو اس کی ملک میں ہے سے اس کے مالک نے روکا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اسے وہاں جانے کی اجازت نہ دی اور نہ ہی اس کی طرف پانی نکالا اور اس نے قریب کوئی پانی نہ پایا۔

33743۔ (قولہ: وَهُوَ) یعنی وہ شخص جس کو وادا کیا۔

33744۔ (قولہ: وَدَابَّتِهِ) ''قہستانی'' نے اسے او کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کی ''کتاب الخراج'' اور ''شرح الطحاوی'' میں اسی طرح ہے جس طرح ''اتقانی'' نے نقل کیا ہے۔

33745۔ (قولہ: كَانَ لَهُ أَنْ يُقَاتِلَهُ بِالسِّلَاحِ) یعنی اس کے حق یعنی پانی پینے سے روک کر اس کو تلف کرنے کا قصد کیا ہے۔ کنویں میں پانی مباح ہوتا ہے اور غیر مملوک ہوتا ہے۔ برتن میں جس پانی کو محفوظ کیا جاتا ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ ''ہدایہ''۔

33746۔ (قولہ: لِأَثَرِ عُمَرَ) اثر عمر سے مراد وہ ہے جسے ''اتقانی'' نے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کی ''کتاب الخراج'' سے نقل کیا ہے: ایک قوم پانی پر وارد ہوئی تو انہوں نے اس کے اہل سے سوال کیا کہ وہ انہیں کنویں سے پانی لینے دیں تو اس نے انہیں کنویں سے پانی نہ لینے دیا تو سوال کرنے والوں نے کہا: ہماری گردنیں اور ہماری سواریوں کی گردنیں پیاس سے کٹا چاہتی ہیں پس کنویں پر ہماری رہنمائی کرو اور ہمیں ڈول دے دو جس سے ہم پانی لے لیں تو انہوں نے اس طرح نہ کیا ان لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: تم نے ان میں اسلحہ استعمال کیوں نہیں کیا۔

33747۔ (قولہ: قَاتَلَهُ بِغَيْرِ السِّلَاحِ) یعنی جو اس سے لے گا اس کی ضمانت ادا کر دے گا۔ کیونکہ لینے کی حلت

كطعام الْمَخْمَصَةِ دُرَرٌ (إِذَا كَانَ فِيهِ فَضْلٌ عَنْ حَاجَتِهِ) لِمِلْكِهِ بِالْإِحْرَازِ فَصَارَ نَظِيرَ الطَّعَامِ، وَقِيلَ فِي الْبِئْرِ وَنَحْوِهَا فَالْأَوْلَى أَنْ يُقَاتِلَهُ بِغَيْرِ سِلَاحٍ، لِأَنَّهُ ارْتَكَبَ مَعْصِيَةً فَكَانَ كَالتَّعْزِيرِ كَافِ (وَكَرْيُ نَهْرٍ) أَيْ حَفْرُهُ (غَيْرِ مَمْلُوكٍ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ ثَمَّةَ) أَيْ فِي بَيْتِ الْمَالِ

جیسے بھوک کے وقت کھانے کا مسئلہ ہے،''درر''۔ جب وہ پانی مالک کی ضرورت سے زائد ہو۔ کیونکہ اسے محفوظ کرنے کے ساتھ اس کا مالک بن چکا ہے پس وہ کھانے کی مثل ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کنویں وغیرہا میں بہتر یہ ہے کہ اسلحہ کے بغیر لڑے۔ کیونکہ اس نے معصیت کا ارتکاب کیا ہے تو یہ عمل تعزیر کی طرح ہوگا۔''کافی''۔ ایسی نہر جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو اس کی کھدائی بیت المال کے مال سے ہوگی۔ اگر بیت المال میں کوئی مال نہ ہو

اضطرار کی وجہ سے ہے۔ یہ ضمان کے منافی نہیں جس طرح ہم اسے الحظر والاباحۃ کے شروع میں بیان کر چکے ہیں۔ ''اتقانی'' نے یہ ذکر کیا ہے: اگر وہ اسے ڈول نہ دے اگر وہ ڈول کنویں والے کا ہو تو اسلحہ کے بغیر اس سے لڑائی کرے اگر وہ ڈول عام لوگوں کا ہو تو اسلحہ کے ساتھ لڑائی کرے۔

33748_(قولہ: إِذَا كَانَ فِيهِ فَضْلٌ عَنْ حَاجَتِهِ) اس کی صورت یہ ہے کہ زندگی کی رمق باقی رکھنے کے لیے دونوں کو کافی ہو۔ تو بعض پانی لے لے اور کچھ چھوڑ دے ورنہ مالک کے لیے اسے چھوڑ دے۔''نہایہ''۔

33749_(قولہ: فَالْأَوْلَى الخ) یہ اس کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے اسلحہ کے ساتھ قتل کرے۔ کیونکہ اولی اس امر کو قرار دیا ہے کہ اس کے ساتھ اسلحہ سے قتال نہ کرے۔ پس یہ اس کے موافق ہے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے۔''زیلعی''۔ یعنی یہ اس کے مخالف نہیں جو گزر چکا ہے کہ اسے حق حاصل ہوگا کہ اس کے ساتھ قتال کرے۔ کیونکہ دونوں عبارتیں جواز پر متفق ہیں۔

33750_(قولہ: وَكَرْيُ نَهْرٍ) اسی طرح اس کے پشتہ کو درست کرنے کا معاملہ ہے اگر اس کے بارے میں خوف ہو۔''تاتر خانیہ''۔

33751_(قولہ: أَيْ حَفْرُهُ)''قہستانی'' نے کہا: کری النہر سے مراد مٹی وغیرہ نکالنا ہے۔ کری کا لفظ نہر سے مٹی نکالنے کے ساتھ خاص ہے۔ حفر کا معاملہ مختلف ہے جس طرح''بیہقی'' نے کہا ہے۔ مگر''طرزی'' کا کلام ترادف پر دلالت کرتا ہے۔ ''شارح'' اسی پر گامزن ہوئے ہیں۔

33752_(قولہ: غَيْرِ مَمْلُوكٍ) یعنی اس کا پانی مقاسم میں داخل نہیں جیسے نیل اور فرات۔''قہستانی''۔

33753_(قولہ: مِنْ بَيْتِ الْمَالِ) یہ مبتدا کی خبر ہے یعنی خراج اور جزیہ کے مال سے اس کی کھدوائی ہوگی۔ عشر اور صدقات فرضیہ سے اس کی کھدوائی نہ کی جائے گی کیونکہ دوسرے قسم کے اموال فقراء کے لیے ہوتے ہیں اور پہلے ضروریات کے لیے ہوتے ہیں۔''ہدایہ''۔

(شَیْءٌ یُجْبَرُ النَّاسُ عَلَی کَرْیِهِ إِنْ امْتَنَعُوا عَنْهُ) دَفْعًا لِلضَّرَرِ (وَکَرْیُ) النَّهْرِ (الْمَمْلُوكِ عَلَی أَهْلِهِ وَیُجْبَرُ مَنْ أَبَی مِنْهُمْ) عَلَی ذَلِكَ (وَقِیلَ فِی الْخَاصِّ لَا یُجْبَرُ) وَهَلْ یَرْجِعُونَ إِنْ بِأَمْرِ الْقَاضِی نَعَمْ

تو لوگوں کو اس کی کھدائی پر مجبور کیا جائے گا۔ اگر وہ ایسا کرنے سے رک جائیں یہ ضرر کو دور کرنے کے لیے ہے اور مملوکہ نہر کی کھدائی اس کے مالکوں کے ذمہ ہوگی اور مالکوں میں سے جو اس سے انکار کرے اس کو مجبور کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خاص نہر میں مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیا وہ اس سے مال کا مطالبہ کریں گے اگر قاضی کے حکم سے نہر کھودی گئی تو ہاں

33754۔ (قولہ: یُجْبَرُ النَّاسُ) یعنی جو کھودنے کی طاقت رکھتے ہیں ان کی مؤنت ان اغنیا کے مال سے ہوگی جو اس کی طاقت نہیں رکھتے۔''قہستانی''۔

33755۔ (قولہ: وَکَرْیُ النَّهْرِ الْمَمْلُوكِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ تقسیم میں داخل ہو۔ وہ عام اور خاص ہوتے ہیں۔ دونوں کے درمیان حد فاصل یہ ہے کہ جس پر شفعہ ہو سکتا ہو وہ خاص ہوتی ہے اور جس میں شفعہ نہ ہو سکے وہ عام ہوتی ہے۔ اس کی تحدید اور تعیین میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خاص وہ ہوتی ہے جو دس افراد کی ہو یا اس پر صرف ایک دیہات ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو چالیس سے کم افراد کے لیے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو سو کے لیے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو ہزار کے لیے ہو اس کے علاوہ وہ عام ہوتی ہے۔ اصح قول یہ ہے کہ یہ مجتہد کی رائے کے سپرد ہے۔ پس جو قول چاہے گا وہ اختیار کرے گا۔''کفایہ'' میں''خانیہ'' سے مروی ہے۔ ملخص

ہم کتاب الشفعہ میں پہلے اسے بیان کر چکے ہیں۔''اتقانی'' نے کہا: لیکن جو اس بارے میں قول کیا گیا ہے اس میں سب سے اچھا وہ ہے اگر وہ سو سے کم افراد کے لیے ہو تو شرکت خاص ہوگی ورنہ عام ہوگی۔ اس میں کسی کے لیے کوئی شفعہ نہیں ہوگا شفعہ صرف پڑوسی کے لیے ہوگا۔

33756۔ (قولہ: وَقِیلَ فِی الْخَاصِّ لَا یُجْبَرُ)''قہستانی'' نے عام میں کہا: اگر سب یا بعض اس سے رک جائیں تو سب کو اس پر مجبور کیا جائے گا۔ خاص میں اگر سب رک جائیں تو انہیں مجبور نہیں کیا جائے گا۔ مگر بعض متاخرین کے نزدیک انہیں مجبور کیا جائے گا۔ اگر بعض اس کام سے رک جائیں تو صحیح قول کے مطابق اسے مجبور کیا جائے گا جس طرح''الخزانہ'' میں ہے۔ اور ان کا قول لایجبرون یہ ظاہر روایت ہے جس طرح''الکفایہ'' میں ہے۔

33757۔ (قولہ: وَهَلْ یَرْجِعُونَ) یعنی انہوں نے جو خرچ کیا ہے کیا وہ انکاری سے مطالبہ کریں گے۔''ہدایہ''۔

33758۔ (قولہ: إِنْ بِأَمْرِ الْقَاضِی نَعَمْ) یعنی قاضی نے باقی ماندہ افراد کو یہ حکم دیا ہو کہ وہ انکار کرنے والے کا حصہ کھودیں اس شرط پر کہ اس کے حصہ کو کھودنے کی مؤنت کو پانی کی باری میں سے پوری کر لیں گے اتنی مقدار میں جو اس قیمت تک پہنچ جاتی ہے۔ جو انہوں نے اس پر خرچ کیا ہے،''ذخیرہ''۔ اس میں ہے: اگر وہ لوگ معاملہ کو قاضی کے سامنے پیش نہ کریں تو کیا خرچ میں سے جو حصہ اس کا بنتا ہے وہ اس سے واپس لیں گے۔ اور انکار کرنے والے کو پانی کی باری سے روکیں

(وَمُؤْنَةُ كَرْيِ النَّهْرِ الْمُشْتَرَكِ عَلَيْهِمْ مِنْ أَعْلَاهُ فَإِذَا جَازُوا أَرْضَ رَجُلٍ) مِنْهُمْ (بَرِئَ) مِنْ مُؤْنَةِ الْكَرْيِ وَقَالَا عَلَيْهِمْ كَرْيُهُ مِنْ أَوَّلِهِ إِلَى آخِرِهِ بِالْحِصَصِ كَمَا يَسْتَوُونَ فِي اسْتِحْقَاقِ الشُّفْعَةِ

مال کی واپسی کا مطالبہ کریں گے۔ مشترک نہر کی کھدائی کی مؤنت ان پر اوپر کی جانب سے ہوگی جب وہ ان میں سے کسی زمین سے آگے بڑھ جائیں گے تو وہ کھدائی کی خرچ سے بری ہو جائے گا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: ان پر ابتدا سے لے کر آخر تک حصص کے مطابق کھدائی لازم ہوگی جس طرح وہ پانی پیتے ہیں۔ استحقاق کی بنا پر سب برابر ہیں۔

گے یہاں تک کہ جو اس کے ذمہ ہے وہ اس کو ادا کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلا قول شیخین کا ہے پس فتویٰ کے وقت اس کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ملخص۔ اسی کی مثل ''تاتر خانیہ'' اور ''بزازیہ'' میں ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ دونوں قولوں میں سے کسی کو ترجیح حاصل نہیں۔ اسی وجہ سے علماء نے مفتی کو اختیار دیا ہے۔ لیکن شارح کے کلام، جیسے ''ہدایہ'' اور تبیین وغیرہا کا مفہوم یہ ہے کہ عدم رجوع کو راجح قرار دیا جائے جب کہ قاضی کا حکم نہ ہو۔ پھر یہ سب اس قول پر مبنی ہے کہ انکار کرنے والے کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ انہوں نے اس پر تفریع کا ذکر کیا ہے اور ہم نے جبر کی تصحیح کو پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

33759۔ (قولہ: عَلَيْهِمْ مِنْ أَعْلَاهُ الخ) اس کی وضاحت یہ ہے: اگر نہر میں دس افراد شریک ہیں تو تمام دس پر اس کا خرچ لازم ہوگا۔ جب وہ دس آدمیوں میں سے ایک کی زمین سے آگے بڑھ جائیں گے تو خرچہ باقی نو کے ذمہ ہوگا۔ یہ حکم بطور وسعت کے ہے۔ کیونکہ اس کی زمین کے بعد اس کی کھدائی میں اس کا کوئی نفع نہیں۔ اسی طرح کا حکم ہوگا پس جو ان کے آخر میں ہوگا اس پر سب سے زیادہ خرچہ لازم ہوگا۔ کیونکہ وہ اس نہر سے اس وقت نفع حاصل نہیں کرتا جہاں کھدائی اس کی زمین تک نہیں پہنچتی۔ اور خرچہ میں وہ آدمی اس سے کم ہوگا جو اس سے اول کی طرف ہو۔

33760۔ (قولہ: وَقَالَا الخ) فتویٰ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے جس طرح ''کفایہ'' وغیرہا میں ''الخانیہ'' اور ''قہستانی'' میں ''تتمہ'' سے منقول ہے۔

33761۔ (قولہ: بِالْحِصَصِ) یعنی پانی کی باری اور زمین کے حصص کے مطابق ''ہدایہ''۔

تنبیہات

(۱) ''قہستانی'' نے کہا: اگر اس کی نہر کا دھانہ اس کی زمین کی وسط میں ہو تو وہ اس وقت تک بری نہیں ہوگا جب تک وہ اس کی زمین سے آگے نہ بڑھ جائے۔ یہ خاص نہر میں ہے۔ جہاں تک عام نہر کا تعلق ہے تو وہ اس وقت بری ہو جائے گا جب وہ اپنے دیہات کی نہر کے دھانہ تک پہنچ جائیں گے۔

(۲) ''بزازیہ'' میں کہا: وہ خاص راستہ جو بند گلی میں ہو جب اس کے درست کرنے کی ضرورت ہو تو اس کے آغاز کی اصلاح تمام لوگوں کے ذمہ ہوگی جب وہ ایک آدمی کے گھر سے آگے بڑھ جائیں گے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اسی اختلاف پر مبنی ہے جو اختلاف نہر کے درست کرنے میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: بالا جماع اسے منہا کر دیا جائے گا۔ ''خیریہ'' میں یہ

وَلَا كَرْيَ (وَعَلَى أَهْلِ الشُّفْعَةِ تَصِحُّ دَعْوَى الشِّرْبِ بِغَيْرِ أَرْضِهِ) اسْتِحْسَانًا

اور جو پانی پینے والے ہیں ان پر نہر کو کھودنا لازم نہیں زمین کے بغیر پانی پینے کا دعویٰ صحیح ہے یہ بطور استحسان ہے۔

ذکر کیا ہے: اگر بعض لوگ اس سے رک جائیں تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے مجبور کیا جائے گا۔ ''خصاف'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ قاضی طلب کرنے والوں کو حکم دے گا۔ اور وہ انکار کرنے والے کو اس سے نفع حاصل کرنے سے منع کریں گے یہاں تک کہ وہ اپنا حصہ ادا کر دے۔

(۳) نہر مساقط و اوساخ جس میں فالتو پانی اور غسل خانوں وغیرہ کا پانی جو گھروں اور گلیوں سے نکلتا ہے اس میں گرتا ہے جس طرح دمشق میں ہے جب اسے صاف کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو اس کا حکم پینے والے اور باری والے نہر کے حکم کے بالکل مختلف ہوگا تو جب بھی اوپر سے کسی آدمی کے گھر تک پہنچیں گے وہ اپنے والے ساتھی کے ساتھ شریک ہو جائے گا جس طرح اس بارے میں ''حامدیہ'' وغیرہ میں فتویٰ دیا ہے۔ کیونکہ ہر ایک کی ضرورت ہے کہ اس کی گھر کی میل کچیل نہر کے آخر تک بہہ جائے۔ اور جو نہر کا حصہ اس کے گھر سے پہلے کا ہے اس میں اس کی کوئی ضرورت نہیں پس جو لوگ اوپر کی جانب ہیں وہ خرچ میں بڑھ کر حصہ دار ہوں گے۔ کیونکہ اسے پوری نہر کی ضرورت ہے۔ اور جو اس کے بعد ہے آخر تک وہ خرچہ میں سب سے کم ہوگا یہ باری والی نہر کے برعکس ہے۔

فرق کا حاصل یہ ہے کہ پانی کی باری والا کھدائی کا محتاج ہے نہر کے اس حصہ کا جو اس کی زمین سے پہلے ہے تاکہ اس تک پانی پہنچ جائے اور جس کا آلودہ پانی ہے وہ اپنے گھر سے آگے والے حصہ کی کھدائی کا محتاج ہے تاکہ اس کی میل کچیل آگے چلی جائے۔

33762۔ (قولہ: وَلَا كَرْيَ وَعَلَى أَهْلِ الشُّفْعَةِ) کیونکہ خرچ اس کے ذمہ ہوتا ہے جو مالک ہو نہ کہ اس کے ذمہ ہوتا ہے جسے بطریق اباحت حق ملے۔ ''بزازیہ''۔ اور اس لیے کہ وہ شمار نہیں کرتے کیونکہ وہ سب اہل دنیا ہیں۔ ''قہستانی'' وغیرہ۔

تنبیہ

دمشق کی نہریں جو ان کی زمینوں کو سیراب کرتی ہیں اور ان کے اکثر گھروں کو پانی مہیا کرتی ہیں قدیم زمانہ سے یہ معمول چلا آرہا ہے کہ صرف زمینوں کے مالک ان کو کھودتے ہیں گھروں کے مالک نہیں کھودتے حالانکہ اس میں سے ہر گھر کا معلوم حق ہے جسے گھر کی تبع میں اسے بیچا اور خریدا جاتا ہے۔ وہ پانی کی باری کا حق ہے جو ان کی ملک میں ہے وہ اباحت کے طریقہ پر صرف پانی پینے کا حق نہیں۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ ان پر لازم ہے کہ زمین کے مالکوں کے ساتھ اس کی کھدائی میں وہ شریک ہوں جس طرح سابقہ کلام سے معلوم ہو چکا ہے۔

33763۔ (قولہ: اسْتِحْسَانًا) اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مرغوب فیہ ہے اور اس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے ممکن ہے کہ وہ زمین کے بغیر اس کا مالک بن جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وراثت اور وصیت واقع ہو جس طرح آگے آئے گا۔ بعض اوقات وہ صرف بیچتا ہے تاکہ اس کے لیے پانی کی باری باقی رہتی ہے۔ قیاس یہ ہے کہ یہ دعویٰ صحیح نہ ہو کیونکہ یہ ایسی جہالت

(وَإِذَا كَانَ لِرَجُلٍ أَرْضٌ وَلِآخَرَ فِيهَا نَهْرٌ وَأَرَادَ رَبُّ الْأَرْضِ أَنْ لَا يَجْرِيَ النَّهْرُ فِي أَرْضِهِ لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ وَيَتْرُكُهُ عَلَى حَالِهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي يَدِهِ وَلَمْ يَكُنْ جَارِيًا فِيهَا) أَيْ فِي الْأَرْضِ (فَعَلَيْهِ الْبَيَانُ أَنَّ هَذَا النَّهْرَ لَهُ وَأَنَّهُ قَدْ كَانَ لَهُ مَجْرَاهُ فِي هَذَا النَّهْرِ مَسُوقٌ لِسَقْيِ أَرَاضِيهِ، وَعَلَى هَذَا الْمَصَبِّ

اگر ایک آدمی کی زمین ہو اور دوسرے کی اس زمین میں نہر ہو اور زمین کے مالک نے ارادہ کیا کہ اس کی زمین میں نہر جاری نہ ہو تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا اور وہ اس نہر کو اس کی حالت پر چھوڑے رکھے گا۔ اگر وہ نہر اس کے قبضہ میں نہ ہو اور اس زمین میں جاری نہ ہو تو مدعی پر اس کی وضاحت کرنا لازم ہوگی کہ یہ نہر اس کی ہے اور اس میں پانی اس کی زمین کو سیراب کرنے کے لیے جاری رہتا تھا۔ اسی قیاس پر

کے ساتھ مجہول ہے جو اعلام کو قبول نہیں کرتی۔

33764۔ (قولہ: وَإِنْ لَمْ يَكُنْ) یعنی وہ نہر دوسرے کے قبضہ میں نہ ہو۔ ''کفایہ'' میں کہا: نہر کے اس کے قبضہ میں ہونے کی صورت یہ ہے کہ وہ اس کو کھودتا ہو، اس کی اطراف میں درخت لگاتا ہو اور باقی ماندہ تصرفات کرتا ہو۔

33765۔ (قولہ: وَلَمْ يَكُنْ جَارِيًا فِيهَا) یعنی خصومت کے وقت وہ جاری نہ ہو اور نہ ہی اس سے قبل اس کا جاری ہونا معلوم ہو۔ مگر جب وہ اس وقت جاری ہو یا اس سے قبل اس کے جاری ہونے کا علم ہو تو اس نہر کا اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا مگر زمین کا مالک گواہیاں پیش کر دے کہ یہ اس کی ملک ہے جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔

33766۔ (قولہ: فَعَلَيْهِ الْبَيَانُ) یعنی برہان کے ساتھ اظہار کرنا اس پر لازم ہوگا یا البیان بینہ کے معنی میں ہے یعنی گواہیاں پیش کرنا اس پر لازم ہے پہلی تعبیر کی صورت میں اس کا مابعد میں عمل اس مصدر کے عمل کی طرح ہے جو ال کے ساتھ ملا ہوتا ہے جب کہ ایسا قلیل ہوتا ہے جس طرح اس کا قول ہے: ضعيف النكاية اعداءه۔ اور دوسری تعبیر کی صورت میں اس میں جار حذف ہے وہ علی ہے جو ان سے پہلے ہے یہ عام ہے۔

33767۔ (قولہ: أَنَّ هَذَا النَّهْرَ لَهُ) اگر وہ نہر کی ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے۔ ''عنایہ''۔

33768۔ (قولہ: وَأَنَّهُ قَدْ كَانَ لَهُ مَجْرَاهُ) یعنی اگر وہ اس میں جاری کرنے کا دعویٰ کرتا ہے، ''عنایہ''۔ پس موضوع مختلف ہے۔ پس مناسب یہ ہے واؤ کی بجائے او لاتے جس طرح ''ہدایہ'' اور ''ملتقی'' میں کیا ہے۔ اور مصدر میمی ہے پس ضمیر وہ مصدر میمی مجراہ ہے ماء کے لیے یا النہر کے لیے ہے جو اس سے قبل مذکور ہے۔ لیکن تو یہ جان چکا ہے کہ نہر سے مراد اس کی ذات ہے وہ حفرۃ ہے پس اس میں استخدام کا قاعدہ ہے۔ ان تمام صورتوں میں تو ان کا قول فی هذا النهر جو اس کے بعد ہے وہ صحیح ہے اس سے اس نے اختلاف کیا ہے جس نے یہ گمان کیا کہ صحیح یہ قول ہے: فی هذه الارض۔ گویا شارح اس میں ایک شارح کی یہ تفسیر کہ مجری یا اجراء کی جگہ لائے ہیں۔ تامل

33769۔ (قولہ: وَعَلَى هَذَا الْمَصَبِّ) پانی میں سے جو فالتو ہوتا ہے اس کی جمع ہونے کی جگہ۔ ''کفایہ''۔

فِی نَهْرٍ أَوْ عَلَى سَطْحٍ أَوِ الْمِيزَابِ أَوِ الْمَمْشَى كُلُّ ذٰلِكَ فِی دَارِ غَيْرِهِ فَحُكْمُ الِاخْتِلَافِ فِيهِ نَظِيرُهُ فِی الشِّرْبِ) زَيْلَعِیٌّ (نَهْرٌ بَيْنَ قَوْمٍ اخْتَصَمُوا فِی الشِّرْبِ فَهُوَ بَيْنَهُمْ عَلَى قَدْرِ أَرَاضِيهِمْ) لِأَنَّهُ الْمَقْصُودُ (بِخِلَافِ اخْتِلَافِهِمْ فِی الطَّرِيقِ فَإِنَّهُمْ يَسْتَوُونَ فِی مِلْكِ رَقَبَتِهِ) بِلَا اعْتِبَارِ سَعَةِ الدَّارِ وَضِيقِهَا لِأَنَّ الْمَقْصُودَ الِاسْتِطْرَاقُ (وَلَيْسَ لِأَحَدٍ مِنَ الشُّرَكَاءِ فِی النَّهْرِ

نہر میں پانی گرنے کی جگہ کا معاملہ ہوگا یا چھت پر پانی کے گرنے کا معاملہ ہوگا یا پرنالے اور پیدل چلنے کی جگہ۔ یہ سب کسی دوسرے کے گھر میں ہوں تو اس میں اختلاف کا حکم پانی کی باری میں اختلاف کی مثل ہے۔ ''زیلعی''۔ ایک نہر قوم کے درمیان مشترک ہے جنہوں نے پانی کی باری میں خصومت کی تو وہ ان کے درمیان ان کی زمینوں کی مقدار کے اعتبار سے ہوگی۔ کیونکہ نہر سے مقصود یہی ہوتا ہے۔ راستے میں اختلاف کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ وہ اس کی ذات کی ملکیت میں برابر ہوں گے۔ اس میں گھر کے وسیع اور اس کے تنگ ہونے کا اعتبار نہیں ہوگا۔ کیونکہ مقصود آنا جانا ہے۔ جو لوگ نہر میں شریک ہیں

33770۔ (قولہ: فَحُكْمُ الِاخْتِلَافِ فِيهِ الخ) یعنی اگر وہ نہر خصومت کے وقت اس کے قبضہ میں نہ ہو اور نہ وہ جاری ہو یا نہ چل رہی ہو اور نہ ہی اس سے قبل وہ معروف ہو تو گواہ پیش کرنا ضروری ہوں گے کہ مصب، میزاب اور راستہ اس کی ملک ہے یا اس کو اس میں پانی بہانے کا یا چلنے کا حق ہے۔ لیکن ''الذخیرہ'' میں ''ابولیث'' سے مروی ہے: اگر اس کی چھت کے پانی کی گزرگاہ دوسرے آدمی کے گھر میں ہو اور اس میں اس کا قدیمی پرنالہ ہو تو اسے روکنے کا حق نہیں ہوگا۔ یہ استحسان ہے اس بارے میں معمول جاری ہے۔ جہاں تک ہمارے اصحاب کا تعلق ہے انہوں نے قیاس کو اپنایا ہے۔ انہوں نے فرمایا: اسے یہ حق حاصل نہیں مگر یہ کہ وہ گھر یہاں قائم کردے کہ پانی کا راستہ اس کا حق ہے۔ فتویٰ اس پر ہے جسے ''ابولیث'' نے ذکر کیا ہے۔ ''بزازیہ'' میں ہے: ہم اس کو اپناتے ہیں یہ آنے والے قاعدہ کے موافق ہے کہ قدیم کو اسی جگہ چھوڑا جائے گا۔ تامل۔

33771۔ (قولہ: اخْتَصَمُوا فِی الشِّرْبِ) پہلے زمانے میں اس کی کیفیت معروف نہیں۔

33772۔ (قولہ: لِأَنَّهُ الْمَقْصُودُ) کیونکہ اس میں مقصود سیراب کرنے سے نفع حاصل کرنا ہے۔ پس زمین کے حساب سے اس کا اندازہ لگایا جائے گا۔ ''ہدایہ''۔

33773۔ (قولہ: لِأَنَّ الْمَقْصُودَ الِاسْتِطْرَاقُ) جب کہ یہ کھلے اور تنگ گھر میں ایک ہی طریقہ پر ہوتا ہے۔ ''ہدایہ''۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اسے افراد کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا۔ ''سائحانی'' نے ''الملتقط'' سے نقل کیا ہے۔ اسی کی مثل گھر کے صحن میں اختلاف ہے جس طرح کتاب القضاء کے متفرقات میں گزر چکا ہے۔

33774۔ (قولہ: وَلَيْسَ لِأَحَدٍ الخ) کیونکہ اس میں نہر کے کنارہ کا توڑنا واقع ہوتا ہے اور مشترک جگہ کو مصروف کرنا لازم آتا ہے۔ ''ہدایہ''۔

33775۔ (قولہ: مِنَ الشُّرَكَاءِ فِی النَّهْرِ) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ گفتگو مملوکہ نہر میں ہے بڑی نہروں کا

(أَنْ يَشُقَّ مِنْهُ نَهْرًا أَوْ يَنْصِبَ عَلَيْهِ رَحًى) إِلَّا رَحًى وُضِعَ فِي مِلْكِهِ وَلَا يَضُرُّ بِنَهْرٍ وَلَا بِمَاءٍ وِقَايَةٌ (أَوْ دَالِيَةً كَنَاعُورَةٍ أَوْ جِسْرٍ) أَوْ قَنْطَرَةٍ (أَوْ يُوَسِّعُ فَمَ النَّهْرِ أَوْ يَقْسِمُ بِالْأَيَّامِ وَ) الْحَالُ أَنَّهُ (قَدْ كَانَتِ الْقِسْمَةُ بِالْكِوَى) بِكَسْرِ الْكَافِ جَمْعُ كَوَّةٍ بِفَتْحِهَا الثُّقْبُ لِأَنَّ الْقَدِيمَ يُتْرَكُ عَلَى قِدَمِهِ لِظُهُورِ الْحَقِّ فِيهِ

ان میں سے کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ اس سے نہر نکالے یا اس پر چکی نصب کرے مگر ایسی چکی نصب کرسکتا ہے جو اس کی اپنی ملک میں ہو اور وہ نہر کو نقصان دے اور نہ ہی پانی کو نقصان دے،''وقایہ''۔ یا رہٹ جیسا دالیہ نصب کرے یا لکڑی یا پختہ پل بنائے یا نہر کا منہ کھلا کرے یا ایام کے حساب سے تقسیم کرے جب کہ حال یہ ہے کہ تقسیم اور طرح کے اعتبار سے تھی۔ کوٰی'' یہ کاف کے کسرہ کے ساتھ ہے یہ کوۃ کی جمع ہے جو کاف کے فتحہ کے ساتھ ہے اس سے مراد سوراخ ہے۔ کیونکہ جو چیز قدیمی ہو اس کو پرانی حالت پر چھوڑا جائے گا کیونکہ اس میں حق ظاہر ہو جاتا ہے

معاملہ مختلف ہے کیونکہ اسے یہ حق حاصل ہوگا جس طرح فصل کے شروع میں اس کو بیان کر دیا ہے۔

33776۔(قولہ: إِلَّا رَحًى وُضِعَ فِي مِلْكِهِ) اس کی صورت یہ ہے کہ نہر کے دونوں کنارے اور اس کا بطن اس کی ملک میں ہے اور دوسرے کو صرف پانی جاری کرنے کا حق ہو''اتقانی''۔

33777۔(قولہ: وَلَا يَضُرُّ بِنَهْرٍ وَلَا بِمَاءٍ) حال یہ ہے کہ چکی نقصان نہیں دیتی''کافی'' کی عبارت او کے ساتھ ہے۔''الدرالمنتقی'' میں کہا: اس پر واؤ کا ذکر کرنا لازم ہے جو''وقایہ'' کی تبع میں ہے۔''ہدایہ'' میں ہے: یہ او کے معنی میں ہے تا کہ کافی کے موافق ہو جائے۔ یہ''باقانی'' نے کہا ہے۔

33778۔(قولہ: أَوْ دَالِيَةً)''مغرب'' میں کہا: الدالیۃ سے مراد ایک لمبی لکڑی ہوتی ہے۔ اس کے سرے پر بڑا سا ڈول ہوتا ہے جس سے سیراب کیا جاتا ہے اور ناعورہ سے مراد جسے پانی گھماتا ہے جسر سے مراد وہ پل ہے جس کے ساتھ نہر وغیرہ کو عبور کیا جاتا ہے وہ تعمیر شدہ ہو یا ایسا نہ ہو۔ اس میں فتحہ کے ساتھ ایک لغت ہے۔ قنطرۃ جسے پانی پر بنایا جاتا ہے تا کہ اس کو عبور کیا جاسکے جسر عام ہے۔ لیکن''العنایہ'' میں ہے جسر وہ ہے جسے رکھا جاتا ہے اور اٹھا لیا جاتا ہے جیسے لکڑی اور تختوں سے بنایا جاتا ہے اور قنطرۃ وہ ہوتا ہے جو پتھر اور پکی اینٹ سے بنایا جاتا ہے اسے رکھ دیا جاتا ہے اسے اٹھایا نہیں جاتا ہے۔

33779۔(قولہ: أَوْ يُوَسِّعُ فَمَ النَّهْرِ) کیونکہ وہ اس کا کنارہ توڑتا ہے اور پانی لینے میں اپنے حق کی مقدار میں اضافہ کرتا ہے۔''ہدایہ''۔

33780۔(قولہ: بِكَسْرِ الْكَافِ الخ)''مغرب'' میں کہا: بعض اوقات مفرد اور جمع میں ضمہ دیا جاتا ہے۔

33781۔(قولہ: لِأَنَّ الْقَدِيمَ يُتْرَكُ عَلَى قِدَمِهِ الخ) اسی طرح''ہدایہ'' وغیرہا میں ہے۔''قہستانی'' نے کہا: اس میں اس امر کا شعور دلایا جارہا ہے اگر ایک آدمی مختلف اوقات میں ایک دیہات میں مختلف پانی ہوں تو ان کی رضامندی کے بغیر ایک وقت میں جمع کرنا جائز نہیں جس طرح''جواہر'' میں ہے۔ لیکن''تمہ'' میں ہے: یہ جائز ہے۔

(أَوْ يَسُوقُ نَصِيبَهُ إِلَى أَرْضٍ لَهُ أُخْرَى لَيْسَ لَهُ مِنْهُ) أَيْ مِنَ النَّهْرِ (شِرْبٌ بِلَا رِضَاهُمْ) يَتَعَلَّقُ بِالْجَمِيعِ وَلَهُمْ نَقْضُهُ بَعْدَ الْإِجَازَةِ وَلِوَرَثَتِهِمْ مِنْ بَعْدِهِمْ، وَلَيْسَ لِأَهْلِ الْأَعْلَى سَكْرُ النَّهْرِ بِلَا رِضَاهُمْ، وَإِنْ لَمْ تَشْرَبْ أَرْضُهُ بِدُونِهِ مُلْتَقَى

یا وہ اپنے حصہ کو اپنی دوسری زمین کی طرف کھینچ کرلے جاتا ہے جس باری کا اس نہر سے تعلق نہیں ہوتا جب کہ وہ یہ کام شرکاء کی مرضی کے بغیر کرتا ہے۔ بلا رضاھم کا قول سب کے متعلق ہے تو ان سب کو اجازت کے بعد اسے توڑ دینے کا حق ہوگا۔ اور ان کے بعد ان کے وارثوں کو توڑنے کا حق ہوگا۔ اوپر والوں کو نیچے والوں کی رضامندی کے بغیر نہر بند کرنے کا کوئی حق نہیں ہوگا اگرچہ اس کے بغیر اس کی زمین سیراب نہ ہوتی ہو۔ ''ملتقی''۔

33782۔ (قولہ: أَوْ يَسُوقُ نَصِيبَهُ الخ) جب عرصہ طویل ہو جائے تو اس سے یہ استدلال کیا جائے گا کہ یہ اس کا حق ہے۔ ''ہدایہ''۔ یعنی لازم آئے گا کہ اس کے حق میں تمام زمینوں کی باری پوری کی جائے کیونکہ جب یہ معلوم نہ ہو تو زمین کی مقدار کے مطابق اس کو پورا کیا جائے گا ''اتقانی''۔ اسی طرح جب اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اپنی باری کا پانی اپنی پہلی زمین کی طرف لے جائے یہاں تک کہ دوسری تک منتہی ہو جائے کیونکہ وہ اپنے سے زائد لے رہا ہے۔ کیونکہ پہلی زمین بعض پانی جذب کر لیتی ہے قبل اس کے کہ دوسری زمین کو پانی سیراب کرے، ''ہدایہ''۔ ''خواہر زادہ'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ جب وہ پہلی زمین کو بھرلے اور نہر کا منہ بند کر دے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ اس پانی سے دوسری زمین کو سیراب کرلے کیونکہ اس صورت میں زیادہ حق نہیں لے رہا اگر وہ نہر کا منہ بند نہ کرے تو اسے حق حاصل نہیں ہوگا۔ ''کفایہ''۔

33783۔ (قولہ: لَيْسَ لَهُ) لہ کی ضمیر سے مراد زمین ہے ضمیر کو مکان کے اعتبار سے مذکر ذکر کیا ہے۔ ''ط''۔

33784۔ (قولہ: وَلَهُمْ نَقْضُهُ الخ) کیونکہ یہ باری کو عاریۃ دینا تھا کیونکہ باری کا باری سے مبادلہ باطل ہے۔ ''ہدایہ''۔

اوپر والوں کو نیچے والوں کی رضامندی کے بغیر نہر بند کرنے کا کوئی حق نہیں

33785۔ (قولہ: وَلَيْسَ لِأَهْلِ الْأَعْلَى سَكْرُ النَّهْرِ بِلَا رِضَاهُمْ) کیونکہ اس میں باقی حصہ داروں کے حق کو باطل کرنا ہے۔ اگر وہ اس بات پر راضی ہوں کہ اوپر والا نہر بند کرے یہاں تک کہ وہ اپنے حصہ کا پانی لے لے یا اس امر پر مصالحت کرلیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنی باری میں نہر بند کرلے تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ یہ ان کا حق ہے مگر جب وہ ایسے تختے کے ساتھ کوشش کرے جو اس کو بند نہ کرے جس کے ساتھ نہر رک جائے جیسے مٹی وغیرہ سے دب جائے۔ کیونکہ اس میں ان سب کا نقصان ہوتا ہے تو روکنے سے جو پانی زیادہ ہوتا ہے اس سے اس کو روکا جائے گا مگر جب وہ راضی ہوں۔ مگر ان میں سے کسی کے لیے پانی کی باری نہیں بنتی مگر اسے روکنے کے ساتھ اور وہ کسی چیز پر صلح نہ کریں تو نیچے والے سے اس کا آغاز کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ سیراب کرلیں پھر اس کے بعد اوپر والوں کو حق حاصل ہوگا کہ بند باندھ لیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فرمان: اھل اسفل النھر امراء علی اھل اعلاہ کا یہی معنی ہے نہر کے نیچے والے لوگ نہر کے اوپر والے لوگوں کے امیر ہیں

كَطَرِيقٍ مُشْتَرَكٍ أَرَادَ أَحَدُهُمْ أَنْ يَفْتَحَ فِيهِ بَابًا إِلَى دَارٍ أُخْرَى
جس طرح ایک مشترک راستہ ہو ان میں سے ایک نے یہ ارادہ کیا کہ اس راستہ میں ایک دوسرے گھر کی طرف کھولے

یہاں تک کہ وہ اپنی زمینوں کو سیراب کر لیں۔ کیونکہ نیچے والوں کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اوپر والوں کو بند باندھنے سے روکیں اور اوپر والوں کو اس معاملہ میں طاعت کرنا لازم ہے جس کی اطاعت تجھ پر لازم ہو تو وہ تیرا امیر ہے۔ ''عنایہ''، ''ہدایہ''۔

''الدر المنتقی'' میں ہے: ''شیخ الاسلام'' نے کہا اور مشائخ نے اس امر کو مستحسن قرار دیا کہ امام دنوں کے اعتبار سے پانی کی تقسیم کر دے یعنی جب وہ مصالحت نہ کریں اور بند باندھے بغیر وہ نفع بھی حاصل نہ کر سکیں تو امام دنوں کے اعتبار سے ان میں پانی کی تقسیم کر دے گا پس ہر ایک اپنی باری میں پانی کو روک لے گا۔

میں کہتا ہوں: لیکن یہ متون جیسے ''ملتقی'' اور ''ہدایہ'' وغیرہ کے خلاف ہے پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

ایک چیز باقی رہ گئی ہے اگر قدیم زمانہ سے اس پر معمول چلا آ رہا ہو جس طرح دمشق کے انہار میں سے جو نہر بردی سے نکالی گئی ہیں بعض سالوں میں پانی کم ہوتا ہے تو اوپر والے کے پانی پر بند باندھنے سے نچلے والوں کو نقصان ہوتا ہے تو یہ کہا جائے گا کہ قدیمی معمول کو اپنی حالت پر رکھا جائے گا؟

''اسماعیلیہ'' میں اس کا یہ جواب دیا اور ''حامدیہ'' میں اس کی پیروی کی کہ یہ شرعاً ممنوع ہے۔ کیونکہ یہ مشترک چیز میں شرکا کی رضامندی کے بغیر تصرف کیا جاتا ہے تو جو پہلے ہو گزرے ہیں ان کی رضا سے بعد میں آنے والوں کی رضا لازم نہیں آتی پس آغاز نچلی جانب سے کیا جائے گا پھر اوپر والے زمین کو سیراب کریں گے۔

اسی طرح ''خیریہ'' میں خصوصاً نہر بردی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا: یہ ممنوع ہے۔ اور یہ مخفی نہیں کہ یہ اس پر مبنی ہے جو متون میں ہے اور تو اس حقیقت سے باخبر ہے کہ ایام کے اعتبار سے امام کی جانب سے تقسیم کو مشائخ انام نے جسے مستحسن قرار دیا ہے پس عام لوگوں کے ضرر کو دور کیا گیا ہے اور تنازع اور خصومت کو ختم کیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پانی میں ہر ایک کا حق ہے جب پانی کم ہو تو نچلے والوں کی تخصیص میں اوپر والوں کے لیے ضرر ہے۔ اسی طرح اوپر والوں کی تخصیص میں نچلے والوں کے لیے ضرر ہے حالانکہ یہ معلوم ہے کہ یہ پانی سب میں مشترک ہے۔ اسی وجہ سے جو ذکر کیا گیا اس کو علماء نے مستحسن قرار دیا اور اس پر راضی ہو گئے ہیں۔ پھر میں نے ''کافی الحاکم الشہید'' میں وہ قول دیکھا جو اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ کہا: اگر اوپر والے وہ پانی نہیں لے سکتے یہاں تک کہ نہر کو بند کیا جائے تو انہیں کوئی حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ نچلے والوں پر نہر کو بند کر دیں لیکن وہ اپنے حصہ کے مطابق پانی لے سکتے ہیں۔ لیکن ان کا قول یشرب بحصتہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اسے اصلاً پانی لینے سے نہیں روکا گیا۔ واللہ سبحانہ اعلم

33786۔ (قولہ: كَطَرِيقٍ مُشْتَرَكٍ الخ) وجہ شبہ یہ ہے کہ وہ پانی کو باری میں زیادتی کرتا ہے جس میں اسے حق نہیں ہوتا اور راستہ میں اس شخص کا اضافہ کرتا ہے جسے گزرنے کا حق نہیں ہوتا۔ ''کفایہ''۔

سَاكِنُهَا غَيْرُ سَاكِنِ هَذِهِ الدَّارِ الَّتِي مِفْتَحُهَا فِي هَذَا الطَّرِيقِ بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ سَاكِنُ الدَّارَيْنِ وَاحِدًا حَيْثُ لَا يُمْنَعُ، لِأَنَّ الْمَارَّةَ لَا تَزْدَادُ

جس دوسرے گھر کا رہنے والا اس گھر کے رہنے والے کے علاوہ ہے جس کا دروازہ اس راستہ میں کھلتا ہے یہ صورت مختلف ہو گی جب دونوں گھروں میں رہنے والا ایک ہی شخص ہو تو اس وقت اس کو نہیں روکا جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں اس راستہ میں گزرنے والے زائد نہیں ہوتے

33787۔(قولہ: سَاكِنُهَا) یہ مبتدا ہے اور غیر اس کی خبر ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ اس کے دو گھر ہیں ان میں سے ایک کا دروازہ خاص راستہ میں ہے جب کہ وہ اس میں رہائش پذیر ہے اور دوسرے گھر میں کسی دوسرے شخص کو اجارہ پر رکھا ہوا ہے یا اعارہ پر رکھا ہوا ہے تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ دوسرے گھر کا دروازہ پہلے گھر کے راستہ میں کھولے۔ کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ اس خاص راستہ میں اس کو زائد کر رہا ہے جس کو اس میں گزرنے کا حق نہیں وہ دوسرے گھر کا رہائشی ہے جب کہ اس راستے والے اس پر راضی نہیں۔

33788۔(قولہ: لِأَنَّ الْمَارَّةَ لَا تَزْدَادُ) اسے گزرنے کا حق ہے اور وہ توڑنے کے ساتھ خالص اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے۔ وہ خالص ملک اس کی دیوار ہے۔ ''زیلعی''۔ اس میں ہے: بعض اوقات زمانہ طویل ہو جاتا ہے اور وہ ایسا گھر بیچ دیتا ہے جس کی کوئی گزرگاہ نہیں پس مشتری یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اسے گزرنے کا حق ہے۔ پس اس پر سابقہ فعل سے استدلال کیا جائے گا۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: ''نور العین'' کی فصل 35 میں مسئلہ میں اختلاف ذکر کیا ہے تو کہا: اس کا ایک گھر ایک گلی میں ہے جو آگے نہیں کھلتی اس نے اپنے گھر کے پہلو میں ایک کمرہ خریدا جس کمرہ کی پشت اس گلی میں ہے اسے کہا جائے گا کہ وہ اس گلی میں کمرہ کی پشت سے ایک دروازہ نکال لے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہیں۔ اگر وہ ارادہ کرے کہ کمرے کا ایک دروازہ اپنے گھر میں کھول لے اور اپنے گھر سے اس گلی کی طرف راستہ بنا لے تو جب تک وہ اس گھر میں رہائش پذیر ہے اسے یہ اجازت ہوگی مگر جب گھر ایک آدمی کا ہو جائے اور کمرہ دوسرے آدمی کا ہو جائے تو کمرے کے مالک کو حق حاصل نہیں کہ وہ اس گلی سے گزرے اور فرق کی وضاحت ''جامع الفصولین'' میں ہے پہلے اس کی طرف رجوع کیجئے۔

تتمہ

اس کا نہر کے نچلے حصہ میں ایک سوراخ ہے (پانی کا راستہ ہے) وہ ارادہ کرتا ہے کہ اس کو بند کر دے اور اوپر والے حصہ میں ایک اور سوراخ کھول لے تو اسے یہ حق حاصل نہیں۔ یہ صورت مختلف ہوگی کہ وہ اپنے گھر کا دروازہ اس گلی کے اوپر والے حصہ میں بنائے جو آگے سے بند ہے (یعنی اسے دروازہ تبدیل کرنے کا حق ہوگا) اگر وہ یہ ارادہ کرے کہ وہ اس سوراخ کو اس کی جگہ سے نیچے کرے تاکہ پانی کا لینا زیادہ ہو۔ ''حلوانی'' نے کہا: اسے حق حاصل ہوگا اگر اسے یہ علم ہو کہ وہ اسی طرح تھا پھر

(وَيُورَثُ الشِّرْبُ وَيُوصَى بِالِانْتِفَاعِ بِهِ) أَمَّا الْإِيصَاءُ بِبَيْعِهِ فَبَاطِلٌ (وَلَا يُبَاعُ) الشِّرْبُ (وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُؤَجَّرُ وَلَا يُتَصَدَّقُ بِهِ) لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَالٍ مُتَقَوِّمٍ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ

پانی کی باری میں وراثت جاری ہوتی ہے اور اس میں نفع حاصل کرنے کی وصیت کی جاتی ہے جہاں تک اس کی بیع کرنے کی وصیت کا تعلق ہے تو یہ باطل ہے۔ پانی کی باری کو نہ بیچا جائے گا، نہ ہبہ کیا جائے گا، نہ اسے اجرت پر دیا جائے گا اور نہ ہی اس کا صدقہ کیا جائے گا۔ کیونکہ ظاہر روایت میں یہ مال متقوم نہیں۔

یہ اونچا ہو گیا۔ ''سرخسی'' نے کہا: اسے مطلقاً سوراخ نیچے کرنے کا حق ہے۔ اسی طرح کا خلاف ہو گا اگر وہ یہ ارادہ کرے کہ سوراخ اونچا کر دے تا کہ اس کا پانی کم ہو جائے۔ ''تاتر خانیہ''، ملخص۔

33789۔ (قولہ: وَيُورَثُ الشِّرْبُ الخ) کیونکہ وہ ملکیت جو وراثت سے واقع ہوتی ہے وہ حکماً ہوتی ہے وہ قصداً نہیں ہوتی۔ یہ جائز ہے کہ شے حکماً ثابت ہو جائے اگرچہ قصداً ثابت نہ ہو جس طرح میراث کی وجہ سے شراب کی ملکیت حکماً ثابت ہو جاتی ہے اگرچہ باقی ماندہ اسباب ملک سے قصداً ثابت نہیں ہوتی۔ جس چیز میں وارثت جاری ہوتی ہے اس میں وصیت جاری ہوتی ہے۔ کیونکہ وصیت میراث کی اخت ہے ہبہ وغیرہ میں عقد مقصود کے طور پر واقع ہوتا ہے۔ ''اتقانی''، ملخص۔

33790۔ (قولہ: وَيُوصَى بِالِانْتِفَاعِ بِهِ) ایک تہائی میں وصیت کا اعتبار ہوتا ہے۔ بعض علماء نے کہا: اس جگہ کے قیمت لگانے والوں سے پوچھا جائے گا کہ وہ کتنے میں خریدیں گے اگر علماء اس کی الگ تبع پر اتفاق کر لیں۔ اگر قیمت لگانے والے سو کی قیمت لگائیں تو ایک تہائی میں وصیت کا اعتبار ہو گا جس طرح مدبر کے اتلاف میں ہے۔ اور اکثر علماء کی یہ رائے ہے کہ پانی کی اس باری کے ساتھ اس کے قریب ترین زمین کے جریب کو ملا دیا جائے گا تو دیکھا جائے گا کہ اس باری کے ساتھ اس کو کتنے میں خریدا جاتا ہے اور اس کے بغیر کتنے میں خریدا جاتا ہے۔ ''تاتر خانیہ''۔ یعنی دونوں میں جو فرق ہو گا وہ پانی کی اس باری کی قیمت ہو گی۔

33791۔ (قولہ: أَمَّا الْإِيصَاءُ بِبَيْعِهِ فَبَاطِلٌ) مصنف کا جو قول اس کے بعد ہے: ولا یوصی بذلك اس کے ساتھ اس سے استغنا ہو جاتی ہے، ''ط''۔ اس میں ''ہندیہ'' سے مروی ہے: ایک آدمی نے اپنی زمین کے بغیر پانی کی باری کا ایک تہائی اللہ تعالیٰ کی راہ میں، حج یا غلاموں کے آزاد کرنے میں وصیت کر دی تو یہ اس کے بیع کی وصیت ہو گی۔ کیونکہ یہ اس کی قیمت کے بغیر ممکن نہیں۔ ملخص

پانی کی باری کی بیع اور ہبہ وغیرہ کا عدم جواز

33792۔ (قولہ: وَلَا يُبَاعُ الشِّرْبُ) ظاہر روایت میں شرب یوم او اکثر ہے اور عقد فاسد ہو جائے گا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر نص قائم کی ہے۔ اس کو بیچا اس لیے نہیں جا سکتا کیونکہ یہ مجہول ہے نہ کہ اس لیے کہ یہ غیر مملوک ہے ورنہ یہ عقد باطل ہو جاتا۔ اور صحیح قول کے مطابق زمین کے ساتھ اس کا بیچنا جائز ہے، ''در منتقی''۔ یعنی زمین کی تبع میں اس کا بیچنا جائز

وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى كَمَا سَيَجِيءُ (وَلَا يُوصَى بِذٰلِكَ) أَيْ بِبَيْعِهِ وَأَخَوَيْهِ (وَلَا يَصْلُحُ) الْمَاءُ (بَدَلَ خُلْعٍ وَصُلْحٍ عَنْ دَمِ عَمْدٍ وَمَهْرِ نِكَاحٍ وَإِنْ صَحَّتْ هٰذِهِ الْعُقُودُ)

اسی پر فتویٰ ہے جس طرح آگے آئے گا۔ نہ اس کی بیع اور نہ اس اخوین یعنی ہبہ اور صدقہ کی وصیت کی جائے گی۔ پانی، بدل خلع اور دم عمد کا بدل صلح، نکاح کا مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اگر چہ یہ عقود صحیح ہیں۔

ہے۔ ''بزازیہ'' میں کہا: میں نے تجھے یہ زمین بیچی اور میں نے تجھے اس کی باری بیچی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پانی کی باری کی بیع جائز نہیں کیونکہ وہ بیع کے ساتھ مقصود ہو چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بیع جائز ہے کیونکہ جب اس نے اس کی ثمن کا ذکر نہیں کیا وہ تبع ہونے سے خارج نہیں ہوگی یہاں تک کہ اگر وہ قیمت کا ذکر کرے تو بالاتفاق جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ ہر اعتبار سے اصل ہو گیا ہے۔ اگر اس نے زمین بیچی ساتھ ہی دوسری زمین کی باری بیچی۔ ''ابن سلام'' سے مروی ہے: یہ جائز ہے اگر اجرت پر دی تو جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ بیع میں پانی کی باری اس حیثیت سے افضل ہے کہ یہ بذات خود قائم ہے اور اس حیثیت سے تبع ہے کہ اس کی ذات کا قصد نہیں کیا جاتا اس حیثیت سے کہ یہ تبع ہے اسے زمین کے بغیر اس کو نہیں بیچا جاتا اور اس حیثیت سے کہ یہ اصل ہے اس کا بیچنا جائز ہے خواہ کوئی بھی زمین ہو اور اجارہ میں یہ ہر اعتبار سے تبع ہے۔

''شرنبلالی'' کا پانی کی باری میں ایک رسالہ ہے جس میں انہوں نے صحیح اور فاسد صورتوں کو ایک جدول میں ذکر کیا ہے۔ پس دونوں کی طرف رجوع کیجئے۔ اس میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ صحیح یہ بھی ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں اجارہ کی طرح بیع جائز نہیں۔

33793۔ (قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) جو عنقریب آئے گا کہ فتویٰ اس پر ہے کہ اسے تلف کرنے سے وہ ضامن نہیں ہوگا۔ لیکن اتلاف کے ساتھ اس کی ضمانت کا نہ ہونا یہ اس پر تفریع ہے کہ پانی کی باری مال متقوم نہیں جس طرح ''ہدایہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ پس فتویٰ اس پر ہے کہ یہ غیر متقوم بھی ہے۔

33794۔ (قولہ: وَأَخَوَيْهِ) اس سے مراد ہبہ اور صدقہ ہے۔

33795۔ (قولہ: وَلَا يَصْلُحُ الْمَاءُ) یعنی باری کا پانی جو غیر محفوظ ہے۔

33796۔ (قولہ: بَدَلَ خُلْعٍ) پس پانی کے باری میں سے اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی اور عورت پر یہ لازم ہوگا کہ وہ اس مہر کو لوٹا دے جو اس نے مرد سے لیا ہے۔ کیونکہ یہ ذکر کر کے مرد کو دھوکہ دیا ہے۔ جس طرح اگر عورت اس پر خلع کرے جو میرے گھر میں سامان ہے وہ دوں گی جب کہ اس کے گھر میں کوئی شے نہ ہو۔ ''کفایہ''۔

33797۔ (قولہ: وَصُلْحٍ الخ) بدل قبول کرنے کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے گا اور مالک پر یہ لازم ہوگا کہ وہ دیت واپس کر دے کیونکہ مقتول کا ولی اپنے حق کو بغیر عوض ساقط کرنے پر راضی نہیں، ''اتقانی''۔ اگر صلح قصاص کی نہ ہو تو مدعی اپنے دعویٰ پر قائم ہوگا۔ ''عنایہ''۔

33798۔ (قولہ: وَمَهْرِ نِكَاحٍ) اس کے لیے مہر مثل ہوگا، ''اتقانی''۔ ''الدر المنتقی'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے: نہ وہ

لِأَنَّهَا لَا تَبْطُلُ بِالشَّرْطِ الْفَاسِدِ لِأَنَّ الشِّرْبَ لَا يُمْلَكُ بِسَبَبٍ مَا حَتَّى لَوْ مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ لَمْ يُبَعِ الشِّرْبُ بِلَا أَرْضٍ فَلَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَرْضٌ قِيلَ يُجْمَعُ الْمَاءُ فِي كُلِّ نَوْبَةٍ فِي حَوْضٍ فَيُبَاعُ الْمَاءُ إِلَى أَنْ يَنْقَضِيَ دَيْنُهُ وَقِيلَ يَنْظُرُ الْإِمَامُ لِأَرْضٍ لَا شِرْبَ لَهَا فَيَضُمُّهُ إِلَيْهَا فَيَبِيعُهَا بِرِضَا رَبِّهَا فَيَنْظُرُ لِقِيمَةِ الْأَرْضِ بِلَا شِرْبٍ وَلِقِيمَتِهَا مَعَهُ فَيَصْرِفُ تَفَاوُتَ مَا بَيْنَهُمَا لِدَيْنِ الْمَيِّتِ وَتَمَامُهُ فِي الزَّيْلَعِيِّ (وَلَا يَضْمَنُ مَنْ مَلَأَ أَرْضَهُ مَاءً فَنَزَّتْ أَرْضُ جَارِهِ أَوْ غَرِقَتْ) لِأَنَّهُ مُتَسَبِّبٌ غَيْرُ مُتَعَدٍّ وَهَذَا إِذَا سَقَاهَا سَقْيًا مُعْتَادًا تَتَحَمَّلُهُ أَرْضُهُ عَادَةً وَإِلَّا فَيَضْمَنُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى

کیونکہ یہ عقود شرط فاسد کے ساتھ باطل نہیں ہوتے۔ کیونکہ پانی کے باری کا کسی سبب سے مالک نہیں بنا جاتا یہاں تک کہ اگر وہ مرجائے اور اس پر دین ہو تو زمین کے بغیر پانی کی باری کو نہیں بیچا جائے گا۔ اگر اس کی زمین نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر باری میں پانی کو ایک حوض میں جمع کیا جائے گا۔ پس پانی بیچا جائے گا یہاں تک کہ اس کا دین ادا ہو جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: امام ایسی زمین دیکھے گا جس کی پانی کی باری نہ ہو۔ پس وہ پانی کی باری کو اس زمین کے ساتھ ملا دے گا تو زمین کے مالک کی مرضی سے اس زمین کو بیچ دے گا اور زمین کی قیمت میں غور کرے گا جو پانی کی باری کے بغیر ہو اور پانی کی باری کے ساتھ اس کی قیمت میں غور کرے گا تو دونوں میں جو تفاوت ہوگا اسے میت کے دین میں صرف کرے گا۔ اس کی مکمل بحث ''زیلعی'' میں ہے۔ جس آدمی نے اپنی زمین کو بھرا اور اس کے پڑوسی کی زمین میں جگہ جگہ سے پانی نکل آیا یا وہ غرق ہو گئی تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ متسبب ہے متعدی نہیں۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ اسے معتاد طریقہ پر سیراب کرے عام معمول کے مطابق اس کی زمین اس کو برداشت کرسکتی ہو ورنہ وہ ضامن ہوگا اور اس پر فتویٰ ہے۔

قرض دی جائے گی اور نہ اسے رہن رکھا جائے گا اور نہ ہی اسے عاریۃً دیا جا سکتا ہے۔

33799۔ (قولہ: لِأَنَّهَا لَا تَبْطُلُ بِالشَّرْطِ الْفَاسِدِ) یعنی عقد ایسے بدل کے ساتھ ہے جو ان عقود میں مال متقوم نہیں تو یہ شرط فاسد کے معنی میں ہے یہ عقود شروط فاسدہ کے ساتھ باطل نہیں ہوتے۔

33800۔ (قولہ: لِأَنَّ الشِّرْبَ الخ) یہ دوسری علت ہے یہ اس امر کا بیان ہے کہ یہ شرط فاسد کے معنی میں ہے۔

33801۔ (قولہ: وَقِيلَ الخ) ''ہدایہ'' میں اس کو صحیح قرار دیا ہے پھر کہا: اگر وہ یہ نہ پائے تو میت کے ترکہ سے ایسی زمین خرید لے جو پانی کی باری کے بغیر ہو پھر پانی کی باری اس کی طرف ملا دے اور اس کو بیچ دے تو ثمن میں سے کچھ ثمن، زمین کی ثمن میں صرف کرے اور فاضل دین کو پورا کرنے میں صرف کرے۔

33802۔ (قولہ: لِأَنَّهُ مُتَسَبِّبٌ غَيْرُ مُتَعَدٍّ) یہ آدمی اپنی زمین میں کنواں کھودنے والے اور پتھر رکھنے والے کی طرح ہے۔ جو آدمی اس وجہ سے تلف ہوتا ہے وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

33803۔ (قولہ: وَإِلَّا فَيَضْمَنُ) جس طرح اگر وہ کسی گھر میں آگ جلائے جیسی آگ عام معمول کے مطابق نہیں

وَفِي الذَّخِيرَةِ وَهٰذَا إِذَا سَقَى فِي نَوْبَتِهِ مِقْدَارَ حَقِّهِ وَأَمَّا إِذَا سَقَى فِي غَيْرِ نَوْبَتِهِ أَوْ زَادَ عَلَى حَقِّهِ يَضْمَنُ عَلَى مَا قَالَ إِسْمَاعِيلُ الزَّاهِدُ قُهُسْتَانِيٌّ (وَلَا يَضْمَنُ مَنْ سَقَى أَرْضَهُ) أَوْ زَرْعَهُ (مِنْ شِرْبِ غَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ) فِي رِوَايَةِ الْأَصْلِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ وَابْنِ الْكَمَالِ عَنِ الْخُلَاصَةِ لِمَا مَرَّ أَنَّهُ غَيْرُ مُتَقَوِّمٍ وَلَوْ تَصَدَّقَ

''ذخیرہ'' میں ہے: یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ اپنی باری میں اپنے حق کی مقدار کے مطابق اسے سیراب کرے مگر جب وہ اپنی باری کے علاوہ میں سیراب کرے یا اپنے حق سے زائد سیراب کریں تو اسماعیل زاہدی نے جو کہا ہے اس کے مطابق وہ ضامن ہوگا ''قہستانی''۔ اور وہ آدمی جس نے غیر کی باری سے اس کی اجازت کے بغیر اپنی زمین کو سیراب کیا یا اپنی کھیتی کو سیراب کیا یہ اصل کی روایت ہے اور اس پر فتویٰ ہے۔ ''شرح وہبانیہ'' اور ابن کمال نے ''خلاصہ'' سے بیان کیا ہے۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے کہ وہ غیر متقوم ہے اگر وہ اس پیداوار کو صدقہ کردے

جلائی جاتی تو اس کے پڑوسی کا گھر جل جاتا ہے مگر جب اس کی زمین میں سوراخ ہو اور اس کے پڑوسی کی زمین غرق ہو جائے۔ اگر گھر کے مالک کو اس کا علم ہو تو ضامن ہوگا اگر علم نہ ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔ ''اتقانی''۔

33804۔ (قولہ: وَهٰذَا إِذَا سَقَى) جب وہ معتاد طریقہ سے اس کو سیراب کرے تو ضمان نہ ہونے کی طرف اشارہ ہے جس طرح ''ذخیرہ'' میں اس کے متعلق وضاحت کی گئی ہے۔

33805۔ (قولہ: وَأَمَّا إِذَا سَقَى الخ) خواہ وہ معتاد ہو یا معتاد نہ ہو جس طرح ہم نے جو اشارہ کے مرجع کا ذکر کیا ہے وہ اس کو بیان کررہا ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: جو یہاں قول پر فتویٰ ہے تو اس سے آگاہ ہو چکا ہے وہ یہ ہے کہ اعتبار معتاد اور غیر معتاد کا ہوگا۔

33806۔ (قولہ: عَلَى مَا قَالَ إِسْمَاعِيلُ الزَّاهِدُ) جو ذکر کیا گیا ہے اس میں سے یہ قول ان کے منفرد ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور یہ قول اس کا بھی تقاضا کرتا ہے کہ جمہور پہلے قول پر ہیں۔ ''ط''۔ بعض نسخوں میں زاہدی یا کے ساتھ ہے جب کہ یہ اس کے موافق ہے جو ''قہستانی'' میں ہے۔ لیکن جو ''الذخیرہ'' میں قول دیکھا ہے وہ یا کے بغیر ہے۔

33807۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ الخ) ''الذخیرہ'' میں کہا: وہ دو وجوہ سے ضامن نہیں ہوگا۔ ان دونوں میں سے ایک یہ ہے وہ اسے پی کر ہلاک کرنے کا مالک تھا اور جو کسی جہت سے بھی کسی شے کو ہلاک کرنے کا مالک ہو تو اس نے اسے کسی اور جہت سے ہلاک کردیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ جس طرح ایک آدمی دارالحرب میں داخل ہوا اس نے چارے کو جان بوجھ کر برباد کردیا (تو وہ ضامن نہیں ہوگا)۔ کیونکہ وہ اپنے چوپائے کو چارہ کھلا کر اسے جان بوجھ کر ہلاک کرنے کا مالک تھا۔

دوسری وجہ یہ ہے برتنوں میں پانی محفوظ کرنے سے قبل اس پر ملکیت حاصل نہیں ہوتی تو اس نے اس چیز کو تلف کیا ہے جو کسی کی مملوک نہیں۔

بِنُزُلِهِ فَحَسَنٌ لِبَقَاءِ الْمَاءِ الْحَرَامِ فِيهِ بِخِلَافِ الْعَلَفِ الْمَغْصُوبِ فَإِنَّ الدَّابَّةَ إِذَا سَمُنَ بِهِ انْعَدَمَ وَصَارَ شَيْئًا آخَرَ قُهُسْتَانِيٌّ (فَإِنْ تَكَرَّرَ ذَلِكَ مِنْهُ) لَا ضَمَانَ وَ(أَدَّبَهُ الْإِمَامُ بِالضَّرْبِ وَالْحَبْسِ إِنْ رَأَى) الْإِمَامُ (ذَلِكَ) خَانِيَّةٌ وَتَمَامُهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ

تو یہ بہت ہی اچھا ہے۔ کیونکہ اس میں حرام پانی موجود ہے۔ وہ چارہ جس کو غصب کیا گیا ہو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ جانور جب اس وجہ سے موٹا ہو جائے تو وہ معدوم ہو جاتا ہے اور وہ کوئی اور چیز بن جاتا ہے،''قہستانی''۔ اگر یہ امر اس سے متکرر ہو تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی اور امام اسے مارنے اور محبوس رکھنے کے ساتھ ادب سکھائے اگر امام یہ رائے رکھتا ہو ''خانیہ''۔ اس کی مکمل وضاحت ''شرح وہبانیہ'' میں ہے۔

33808۔ (قولہ: بِنُزُلِهِ) یہ دو ضموں کے ساتھ ہے یعنی اس کی پیداوار اور اس کی بڑھوتری۔ جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔

33809۔ (قولہ: فَحَسَنٌ) یہ قول اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ غیر واجب ہے بے شک یہ تنزہ یعنی تقوی و احتیاط کے طور پر حکم ہے۔

''قہستانی'' نے کہا: ''تتمہ'' میں ہے: پانی ایک زاہد کی بیلوں میں اس کی باری کے بغیر پہنچ گیا تو اس نے ان بیلوں کو کاٹ دینے کا حکم دے دیا اور بعض علماء سے یہ مروی ہے کہ اس سے تر مٹی باہر پھینک دی جائے گی۔ فقیہ نے کہا: میں اس کا حکم نہیں دیتا اگر وہ اس سے پیدا ہونے والی پیداوار کو صدقہ کر دے تو یہ اچھا ہے یہ افضل ہے۔

33810۔ (قولہ: لِبَقَاءِ الْمَاءِ الْحَرَامِ فِيهِ) یہ وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ کیونکہ حرام ظاہر نہیں ہوتا مگر اسی صورت میں جب وہ مفتی بہ قول کے مقابل ہو۔ اس کی صورت یہ ہے وہ مملوک ہو جائے پس وہ اپنے مالک کے لیے ضامن ہوگا یعنی اگر اسے علم ہو جائے۔ تامل

33811۔ (قولہ: إِذَا سَمُنَ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ سمنت ہوتا۔

33812۔ (قولہ: انْعَدَمَ وَصَارَ شَيْئًا آخَرَ) یعنی وہ خون، گوبر یا گوشت وغیرہ بن چکا ہے۔ پس اس سے صدقہ کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا''ط''۔

33813۔ (قولہ: فَإِنْ تَكَرَّرَ ذَلِكَ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ یہ عمل کیے بعد دیگرے کرے ''شرح وہبانیہ'' میں ''خانیہ'' سے نقل کیا ہے: وان فعله مرة بعد مرة الخ،''ط''۔

33814۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ) ''شرح وہبانیہ'' جو علامہ ''ابن شحنہ'' کی تالیف ہے۔ کیونکہ انہوں نے ذکر کیا جس کا ماحاصل یہ ہے کہ ''طرسوسی'' نے گزشتہ تعلیل سے یہ سمجھا کہ پانی پر کسی شے میں محفوظ کرنے سے پہلے ملکیت حاصل نہیں ہوتی اور وہ مباح ہوتا ہے ناظم نے اپنی شرح میں اس کا رد کیا ہے کہ یہ لازم نہیں بلکہ وہ غیر مملوک ہے اور اس پر

قَالَ وَجَوَّزَ بَعْضُ مَشَايِخِ بَلْخٍ بَيْعَ الشِّرْبِ لِتَعَامُلِ أَهْلِ بَلْخٍ وَالْقِيَاسُ يُتْرَكُ لِلتَّعَامُلِ، وَنُوقِضَ بِأَنَّهُ تَعَامُلُ أَهْلِ بَلْدَةٍ وَاحِدَةٍ وَأَفْتَى النَّاصِحِيُّ بِضَمَانِهِ ذَكَرَهُ فِي جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى قَالَ وَيَنْفُذُ الْحُكْمُ بِصِحَّةِ بَيْعِهِ فَلْيُحْفَظْ قُلْت وَفِي الْهِدَايَةِ وَشُرُوحِهَا مِنْ الْبَيْعِ الْفَاسِدِ أَنَّهُ يُضْمَنُ بِالْإِتْلَافِ فَلَوْ سَقَى أَرْضَ نَفْسِهِ بِمَاءِ غَيْرِهِ ضَمِنَهُ وَبِهِ جَزَمَ فِي النُّقَايَةِ هُنَا فَافْهَمْ قُلْت وَقَدْ مَرَّ مَا عَلَيْهِ الْفَتْوَى

کہا: بعض مشائخ بلخ نے پانی کی باری بیچنے کو جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ اہل بلخ کا تعامل ہے اور قیاس تعامل کی وجہ سے ترک کر دیا جاتا ہے اور اس کا رد اس امر سے کیا گیا کہ یہ صرف ایک شہر کے لوگوں کا تعامل ہے۔ ''ناصحی'' نے اس کی ضمانت کے بارے میں فتویٰ دیا ہے۔ اسے ''جواہر الفتاویٰ'' میں ذکر کیا ہے کہا: اس کی بیع کے صحیح ہونے کا حکم نافذ ہو جائے گا۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ میں کہتا ہوں: ''ہدایہ'' اور اس کی شروح کے باب البیع الفاسد میں ہے کہ وہ تلف کرنے کی صورت میں ضامن ہوگا۔ اگر کسی آدمی نے غیر کے پانی سے اپنی زمین کو سیراب کیا تو اس کا ضامن ہوگا۔ اور یہاں ''نقایہ'' میں اس کو ہی یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ فافہم۔ میں کہتا ہوں: وہ قول گزر چکا ہے جس پر فتویٰ ہے

استحقاق ثابت ہے۔ کیونکہ ''خانیہ'' میں ہے کہ اذن کے بغیر اس کو یہ حق نہیں اگرچہ وہ اس کی طرف مجبور ہو۔ ''عیون'' میں ہے: وہ اس طرح نہ کرے اگرچہ وہ اس کی طرف مجبور ہو۔ کیونکہ غیر کا مال لینے میں جس کو رخصت دی گئی ہے وہ وہ شخص ہے جس کو اپنی ذات پر ہلاکت کا خوف ہو جب کہ وہ صورت یہاں موجود نہیں اگر وہ اس طرح کرے تو کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ کیونکہ ''طرسوسی'' نے کہا ہے کہ عیون کا کلام اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ دیانۃً جائز نہیں۔ پس چاہیے کہ یہ فتویٰ دیا جائے کہ اذن کے بغیر یہ مباح نہیں اگر وہ اس طرح کرے تو قضا میں کوئی ضمانت نہیں۔ فافہم

33815۔ (قولہ: قَالَ) ''شرح الوہبانیہ'' کی پہلی فصل میں کہا ہے۔ فافہم

33816۔ (قولہ: وَيَنْفُذُ الْحُكْمُ بِصِحَّةِ بَيْعِهِ) کیونکہ حکم اس چیز میں واقع ہوا جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ لیکن اب قاضی کا حکم معتمد مذہب کے بغیر نافذ نہیں ہوگا۔

33817۔ (قولہ: فَافْهَمْ) شاید قول اعتراض کو دور کرنے کی طرف اشارہ ہو جو صاحب ''ہدایہ'' پر وارد ہوتا ہے کہ یہاں جو ان کا قول ہے لا یضمن یہ باب البیع الفاسد میں جو قول ہے انه یجوز بیعه فی روایة کے مناقض ہے۔ یہ مشائخ بلخ کا مختار مذہب ہے۔ کیونکہ یہ پانی کا حصہ ہے۔ اسی وجہ سے تلف کرنے کی صورت میں اس کی ضمانت ہوگی۔ اور ثمن میں سے حصہ ہے۔ یعنی ان کا قول و لهذا یضمن بالاتلاف یہ مفتی بہ قول کے بالمقابل ہے اگرچہ یہ ضمان پر اتفاق کا وہم دلاتا ہے جس طرح تعلیل کی شان ہے۔

33818۔ (قولہ: قُلْت وَقَدْ مَرَّ مَا عَلَيْهِ الْفَتْوَى) یعنی اس پر ضمان نہ ہوگی کیونکہ یہ غیر متقوم ہے۔ ''الظہیریہ'' میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

فَتَنَبَّهُ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ

وَسَاقٍ بِشِرْبِ الْغَيْرِ لَيْسَ بِضَامِنٍ　وَضَمَّنَهُ بَعْضٌ وَمَا مَرَّ أَظْهَرُ

وَمَا جَوَّزُوا أَخْذَ التُّرَابِ الَّذِي عَلَى　جَوَانِبِ نَهْرٍ دُونَ إِذْنٍ يُقَرَّرُ

وَلَوْ حَفَرُوا نَهْرًا وَأَلْقَوْا تُرَابَهُ　فَلَوْ فِي حَرِيمٍ لَيْسَ بِالنَّقْلِ يُؤْمَرُ

پس تو متنبہ ہو جا۔''وہبانیہ'' میں ہے: اور غیر کی باری سے زمین کو سیراب کرنے والا ضامن نہیں۔ اور بعض علماء نے اس کو ضامن قرار دیا ہے اور جو قول گزر چکا ہے وہ زیادہ ظاہر ہے۔ اور علماء نے اس مٹی کو اٹھا لینے کو جائز قرار نہیں دیا جو نہر کی اطراف پر پڑی ہے جب تک ایسی اجازت نہ ہو جو اس کو ثابت کرے۔ اگر لوگ نہر کو کھودیں اور اس کی مٹی کو پھینک دیں اگر وہ حریم میں ہو تو اس کے اٹھانے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

33819۔(قولہ: فَتَنَبَّهُ) کیونکہ جو''ناصحی'' نے فتویٰ دیا ہے اور جو''نقایہ'' اور''بیوع الہدایہ'' میں ہے وہ مفتی بہ کے خلاف ہے۔

33820۔(قولہ: وَسَاقٍ) اس کی کوئی ضرورت نہیں۔''ط''۔

33821۔(قولہ: وَمَا جَوَّزُوا) یعنی وہ مٹی جو کھودنے کے ساتھ نکالی گئی ہو اور نہر کے کناروں پر رکھی گئی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے اس مٹی کو رکھا ہے اگر وہ نہر کو نقصان نہ دے تو وہ اس کو اٹھا لے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اہل نہر کے درمیان مشترک ہے۔ نظم میں یہی مذکور ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر مٹی کا اٹھانا نقصان نہ دے تو جو اٹھانا چاہے اس کے لیے مباح ہے۔ کیونکہ کھودنے والا اس کا مالک نہیں ہوتا تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو نہر سے گھاس کاٹے تاکہ پانی چلے۔ پس ہر کسی کا لینا جائز ہے''شیخ الاسلام'' نے اس کو درست قرار دیا ہے۔''القنیہ'' میں ہے: یہ بہت ہی زیادہ حسن ہے۔

33822۔(قولہ: دُونَ إِذْنٍ) تو یہ جان چکا ہے کہ ناظم اس قول پر گامزن ہوئے کہ یہ مشترک ہے پس اس پر بنا کرتے ہوئے اذن کا ہونا شرط ہے۔ فافہم

33823۔(قولہ: وَلَوْ حَفَرُوا نَهْرًا الخ) اس کے دوسرے مصرعہ نے اصل کی نظم کو تبدیل کر دیا ہے۔ کیونکہ یہ دو مسئلوں کو متضمن ہے (۱) ایک قوم کی ایک نہر ہے جو ایک آدمی کی زمین میں جاری ہوتی ہے جس کو انہوں نے کھودا ہے اور اس کی مٹی کو انہوں نے پھینکا ہے اگر وہ نہر کی حریم کے علاوہ میں اسے پھینکیں تو اگر وہ آدمی اس مٹی کو منتقل کرے تو ان لوگوں کا اس کے مواخذہ کا حق ہوگا ورنہ نہیں۔ (۲) اگر وہ نہر گلی میں چلتی ہے تو حکم اسی طرح ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

كِتَابُ الْأَشْرِبَةِ

هِيَ جَمْعُ شَرَابٍ (وَالشَّرَابُ) لُغَةً كُلُّ مَائِعٍ يُشْرَبُ وَاصْطِلَاحًا (مَا يُسْكِرُ وَالْمُحَرَّمُ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ) أَنْوَاعٍ (الْأَوَّلُ الْخَمْرُ وَهِيَ النِّيءُ) بِكَسْرِ النُّونِ فَتَشْدِيدِ الْيَاءِ (مِنْ مَاءِ الْعِنَبِ

نشہ آور مشروب کے احکام

اشربہ یہ شراب کی جمع ہے۔لغت میں شراب ہراس مائع کو کہتے ہیں جس کو پیا جائے اور اصطلاح شرع میں شراب اسے کہتے ہیں جونشہ دے۔ان میں سے حرام کی چار انواع ہیں (۱) خمر (نئی کالفظ نون کے کسرہ اور یا کی شد کے ساتھ ہے) اس سے مراد انگور کا وہ کچا رس ہے جب وہ جوش مارنے لگے

اس کا ذکر فصل الشرب کے بعد کیا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں لفظی اور معنوی طور پر ایک ہی اصل کے اجزاء ہیں اور فصل الشرب کو مقدم کیا۔ کیونکہ اسے احیاء الموات کے ساتھ مناسبت ہے۔اس کی مکمل وضاحت ''العنایہ'' اور ''المنح'' میں ہے۔

''قہستانی'' نے کہا: اشربہ کی اصول پھل ہیں جیسے انگور، کھجور، کشمش اور دانے ہیں جیسے گندم، جوار، باجرہ، میٹھی چیزیں ہیں جیسے چینی، فانیذ، شہد اور دودھ ہیں جیسے اونٹنی کا دودھ اور گھوڑی کا دودھ۔انگور سے جو شراب بنائی جاتی ہے۔اس کی پانچ قسمیں ہیں یا چھ قسمیں ہیں کھجور سے جو شراب بنائی جاتی ہے۔اس کی تین قسمیں ہیں اور کشمش سے جو شراب بنائی جاتی ہے۔اس کی دو قسمیں ہیں اور باقی ماندہ میں سے ہر ایک سے بننے والی شراب کی ایک قسم ہے۔پھر ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں کچی اور پکی۔

شراب کی لغوی تعریف

33824۔(قولہ: كُلُّ مَائِعٍ يُشْرَبُ) یہ شرب اسم ہے یعنی جسے پیا جاتا ہے وہ پانی ہو یا کوئی اور چیز ہو وہ حلال ہو یا اس کے علاوہ۔''قہستانی''۔

شراب کی انواع

33825۔(قولہ: وَهِيَ) ضمیر کو مؤنث ذکر کیا ہے۔ کیونکہ خمر مؤنث سماعی ہے۔''قاموس'' میں کہا: بعض اوقات لفظ کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر اسے مذکر ذکر کیا جاتا ہے۔

خمیر کی تعریف اور اس کے احکام

33826۔(قولہ: بِكَسْرِ النُّونِ فَتَشْدِيدِ) یہ اصل کے خلاف ہے۔''قاموس'' میں اسے باب الہمزۃ میں ذکر کیا ہے۔''قہستانی'' میں ہے: النیء یہ لفظ نون کے کسرہ، یا کے سکون اور ہمزہ کے ساتھ ہے۔''مغرب'' میں ہے: قلب اور ادغام کا قاعدہ جاری کرنے کے ساتھ شد جائز ہے یعنی جسے آگ پر پکایا نہ گیا ہو۔''ابن اثیر'' کی ''نہایہ'' میں اسی طرح ہے۔

إِذَا غَلَى وَاشْتَدَّ وَقَذَفَ) أَيْ رَمَى (بِالزَّبَدِ) أَيْ الرَّغْوَةِ وَلَمْ يَشْتَرِطَا قَذْفَهُ وَبِهِ قَالَتْ الثَّلَاثَةُ وَبِهِ أَخَذَ أَبُو حَفْصٍ الْكَبِيرُ، وَهُوَ الْأَظْهَرُ كَمَا فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ عَنْ الْمَوَاهِبِ وَيَأْتِي مَا يُفِيدُهُ وَقَدْ تُطْلَقُ الْخَمْرُ عَلَى غَيْرِ مَا ذُكِرَ مَجَازًا ثُمَّ شَرَعَ فِي أَحْكَامِهَا الْعَشَرَةِ فَقَالَ

اور نشہ دینے کی قوت والا ہو جائے اور جھاگ پھینکے۔ ''صاحبین'' رحمۃاللہ علیہما نے اس کے جھاگ پھینکنے کی شرط نہیں لگائی۔ تینوں ائمہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) کا یہی قول ہے۔ ''ابوحفص کبیر'' نے اس قول کو اپنایا ہے۔ یہ قول اظہر ہے جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ''مواہب'' سے منقول ہے۔ اور آگے ایسا قول آئے گا جو اسی امر کا فائدہ دے گا بعض اوقات خمر کا اطلاق مجازاً اس پر بھی کیا جاتا ہے جو مذکور کے علاوہ ہوتا ہے۔ پھر اس کے دس احکام میں شروع ہوئے ہیں اور کہا:

''عزمیہ'' میں ہے: ابدال اور ادغام مشہور نہیں۔ ''مقدسی'' نے کہا: یہ عامی ہے۔

33827۔ (قولہ: إِذَا غَلَى) یعنی اس کا نیچے والا حصہ اوپر آ جائے۔ کیونکہ اس کا اصل معنی بلند ہونا ہے جس طرح مقابیس میں ہے۔ اور ان کا قول اشتد یعنی قوی ہو جائے اس طرح کہ وہ نشہ دینے لگے۔ ''قہستانی''۔

33828۔ (قولہ: أَيْ رَمَى بِالزَّبَدِ) یہ لفظ دو فتحوں کے ساتھ ہے۔ یعنی اس طرح کہ اس میں زبد نام کی کوئی چیز باقی نہ ہے وہ صاف ستھرا ہو جائے۔ ''قہستانی''۔

33829۔ (قولہ: وَهُوَ الْأَظْهَرُ) محبوبی، نسفی وغیرہما نے قاسم کی تصحیح پر اعتماد کیا ہے۔ ''غایۃ البیان'' میں کہا: میں ''صاحبین'' رحمۃاللہ علیہما کے قول کو اپناتا ہوں تاکہ عوام کو جری ہونے سے بچایا جائے۔ کیونکہ جب وہ یہ جانیں گے کہ جھاگ پھینکنے سے قبل حلال ہے تو وہ فساد میں جا گریں گے۔ ''النہایہ'' وغیرہا میں ہے: پینے کے حرام ہونے میں محض اس کا گاڑھا اور قوت والا ہونے کا اعتبار کیا جائے گا اور حد میں بطور احتیاط جھاگ پھینکنے کا اعتبار ہوگا۔

33830۔ (قولہ: وَيَأْتِي مَا يُفِيدُهُ) یعنی ان کے اس قول میں ہے آئے گا۔ والکل حرام اذا غلی واشتد، ''ح''۔

33831۔ (قولہ: وَقَدْ تُطْلَقُ الخ) ''المنح'' میں کہا: اہل لغت کے اجماع کی وجہ سے یہ اسم شراب کے ساتھ خاص ہوا ہے۔ ہم یہ کہیں گے: یہ نشہ آور چیز خمر ہے۔ کیونکہ خمر کا لفظ مخامرۃ العقل سے مشتق ہے۔ کیونکہ لغت میں قیاس جاری نہیں ہوتا۔ پس مٹکا کو قارورہ نہیں کہتے اس لیے کہ اس میں پانی قرار پذیر ہے۔ جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: کل مسکر خمر و کل مسکر حرام (1)، ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ان من الحنطۃ خمرا و ان من الشعیر خمرا و من الزبیب خمرا و من العسل خمرا (2) بے شک گندم سے بنائی جانے والی چیز خمر ہے، جو سے بنائی جانے والی چیز خمر ہے، کشمش سے بنائی جانے والی چیز خمر ہے اور شراب سے بنائی جانے والی چیز خمر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے: بے شک خمر کا لفظ حقیقت کے اعتبار سے اس پر بولا جاتا ہے جس کا ذکر ہم نے کیا ہے اور اس کے

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاشربہ، باب کل مسکر حرام، جلد 2 صفحہ 402، حدیث نمبر 3380

2۔ سنن ترمذی، کتاب الاشربہ، باب ماجاء فی الحبوب، جلد 1 صفحہ 949، حدیث نمبر 1795

(وَحُرِّمَ قَلِيلُهَا وَكَثِيرُهَا) بِالْإِجْمَاعِ (لِعَيْنِهَا) أَيْ لِذَاتِهَا وَفِي قَوْلِهِ تَعَالَى إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ الْآيَةَ عَشْرُ دَلَائِلَ عَلَى حُرْمَتِهَا مَبْسُوطَةٌ فِي الْمُجْتَبَى وَغَيْرِهِ (وَهِيَ نَجِسَةٌ نَجَاسَةً مُغَلَّظَةً كَالْبَوْلِ وَيَكْفُرُ مُسْتَحِلُّهَا

اس کا قلیل اور کثیر اس کی ذات کی وجہ سے بالا جماع حرام ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: انما الخمر والمیسر الآیۃ میں اس کی حرمت پر دس دلائل ہیں جو ''المجتبیٰ'' وغیرہ میں مفصل موجود ہے۔ یہ نجس عین ہے اور نجاست غلیظہ ہے جیسے پیشاب ہے اس کے حلال جاننے والے کو کافر قرار دیا جائے گا

علاوہ میں سے ہر ایک کا ایک نام ہے جیسے مثلث، باذق، منصف وغیرہا۔ ان پر خمر کے لفظ کا اطلاق بطور مجاز ہے۔ اسی تعبیر پر حدیث طیبہ کو محمول کیا جائے گا ملخص۔ یا حدیث طیبہ اس کے حکم بیان کرنے کے لیے ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت احکام کو بیان کرنے کے لیے ہوئی حقائق کو بیان کرنے کے لیے نہیں۔

خمر کا حکم

33832۔ (قوله: وَحُرِّمَ قَلِيلُهَا) یعنی اس کا قلیل پینا حرام تا کہ آگے جو اس سے نفع حاصل کرنے اور اس کو بطور دوائی استعمال کرنے کی حرمت کا ذکر ہو رہا ہے اس کا متکرر ہونا ثابت نہ ہو۔ یہ قول ذکر کر کے بعض معتزلہ کے اس قول سے احتراز کیا ہے جو انہوں نے کہا: حرام یہ ہے کہ کثیر پیا جائے جو نشہ دے نہ قلیل حرام ہے۔ ''قہستانی''۔

''ہدایہ'' میں کہا ہے: یہ کفر ہے کیونکہ یہ کتاب اللہ کا انکار ہے۔ کیونکہ کتاب اللہ نے اس کو رجس قرار دیا ہے۔ اور رجس وہ ہوتا ہے جس کا عین حرام ہو۔ سنت متواترہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر کو حرام قرار دیا ہے (1)۔ اس کی حرمت پر امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ کیونکہ اس کے قلیل کو پینا اس کے کثیر کو پینے کا باعث ہے۔ یہ خمر کے خواص میں سے ہے۔

33833۔ (قوله: لِعَيْنِهَا الخ) یعنی یہ اپنی ذات کی وجہ سے حرام ہے نشہ دینے کی وجہ سے حرام نہیں۔ پس اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے۔ یہ حکم ماقبل قول سے معلوم ہو چکا ہے اسے دوبارہ ذکر کیا ہے تا کہ قول باطل پر رد کی تاکید ہو جائے۔

33834۔ (قوله: عَشْرُ دَلَائِلَ) یہ میسر اور اس پر جو عطف ہے اس کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔ اسے رجس نام دیا، اسے شیطان کا عمل قرار دیا، اجتناب کا حکم کیا گیا، فلاح کو اس کے اجتناب کے ساتھ مشروط کیا، شیطان اس کے واسطہ سے دشمنی واقع کرنے کا ارادہ کرتا ہے، بغض واقع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور نماز سے روک دیتا ہے، استفہام کے ساتھ نہی بلیغ موجود ہے جو دھمکی سے باخبر کرتی ہے۔ ''ح''۔

33835۔ (قوله: وَهِيَ نَجِسَةٌ نَجَاسَةً مُغَلَّظَةً) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام رجس رکھا ہے پس خمر پیشاب اور دم مسفوح کی طرح ہو گا۔ ''اتقانی''۔

33836۔ (قوله: وَيَكْفُرُ مُسْتَحِلُّهَا) کیونکہ وہ دلیل قطعی کا انکار کرتا ہے۔ ''ہدایہ''۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاشربہ، باب فی تحریم الخمر، جلد 3، صفحہ 55، حدیث نمبر 3188

وَسَقَطَ تَقَوُّمُهَا) فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ (لَا مَالِيَّتُهَا) فِي الْأَصَحِّ (وَحَرُمَ الِانْتِفَاعُ بِهَا) وَلَوْ لِسَقْيِ دَوَابَّ أَوْ لِطِينٍ أَوْ نَظَرٍ لِلتَّلَهِّي،

اور مسلمان کے حق میں اس کا مال متقوم ہونا ساقط ہو جائے گا۔ اصح قول کے مطابق اس کی مالیت ساقط نہ ہوگی۔ اور اس سے نفع حاصل کرنا حرام ہے اگرچہ جانوروں کو پلانے کے لیے، مٹی کو سینچنے کے لیے، یا لہو ولعب کے لیے دیکھتا ہو

33837۔ (قولہ: وَسَقَطَ تَقَوُّمُهَا فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ) یہاں تک کہ اس کو تلف کرنے والا اور اس کا غاصب اس کا ضامن نہیں ہوگا اور اس کی بیع جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو نجس قرار دیا ہے تو اس کی اہانت کی ہے۔ اور قیمت کا لگانا یہ اس کی عزت کا شعور دلاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان الذی حرم شربها حرم بیعها واکل ثمنها (1)، بے شک جس کا پینا حرام ہے اس کا بیع کرنا اور اس کی قیمت کا کھانا حرام ہے، ''ہدایہ''۔ اس کی ضمانت کا نہ ہونا اس کے تلف کرنے کے مباح ہونے پر دال نہیں۔

علما نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مباح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مباح نہیں مگر صحیح غرض کی بنا پر مباح ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ شرابی کے پاس ہو جس کے بارے میں اس کے پینے کے بارے میں خوف ہو مگر جب وہ کسی صالح آدمی کے پاس ہو تو یہ مباح نہیں۔ کیونکہ وہ اس کو سرکہ بنا دے گا، ''عنایہ''۔ ''النہایہ'' وغیرہ میں ''مجد الائمہ'' سے مروی ہے کہ صحیح دوسرا قول ہے۔ ''ابو سعود'' نے کہا ہے: ظاہر یہ ہے کہ یہ اختلاف اس اختلاف پر تفریع ہے کہ اس کی مالیت ساقط ہے۔ جس نے یہ کہا: یہ مال ہے۔ یہی اصح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کو تلف کرنا صحیح نہیں مگر صحیح غرض کی بنا پر اس کا تلف کرنا صحیح ہے جب کہ یہ حسن ہے۔

33838۔ (قولہ: فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ) جہاں تک ذمی کا تعلق ہے اس کے حق میں یہ مال متقوم ہے جیسے خنزیر اس کے نزدیک مال متقوم ہے یہاں تک کہ اس کے لیے ان دونوں چیزوں کی بیع کرنا صحیح ہے اگر امام یا اس کے مامور کے علاوہ کسی اور نے ان دونوں کو تلف کیا تو وہ اس کے لیے ان دونوں کی قیمت کا ضامن ہوگا جس طرح کتاب الغصب میں گزرا ہے۔

33839۔ (قولہ: لَا مَالِيَّتُهَا فِي الْأَصَحِّ) کیونکہ مال وہ ہوتا ہے جس کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہے اور اس میں بذل اور منع جاری ہوتا ہے۔ پس یہ مال تو ہے لیکن یہ غیر متقوم ہے اس کی دلیل وہ ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں، ''اتقانی''۔

33840۔ (قولہ: وَلَوْ لِسَقْيِ دَوَابَّ) بعض مشائخ نے کہا: اگر وہ جانور کو شراب کی طرف قیادت کرتے ہوئے لے گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ اگر خمر کو جانور کی طرف منتقل کیا گیا تو یہ مکروہ ہوگا۔ اسی طرح علماء نے اس آدمی کے بارے میں کہا جس نے خمر کو سرکہ بنانے کا ارادہ کیا ہے تو چاہیے کہ وہ سرکہ کو خمر کی طرف اٹھا کر لائے۔ اگر اس نے اس کے برعکس عمل کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں یہی قول صحیح ہے۔ ''تاتر خانیہ''۔

33841۔ (قولہ: أَوْ لِطِينٍ) یعنی مٹی کو سینچنے کے لیے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب تحریم بیع الخمر، جلد 2، صفحہ 506، حدیث نمبر 3007

أَوْ دَوَاءٍ أَوْ دُهْنٍ أَوْ طَعَامٍ أَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ إِلَّا لِتَخْلِيلٍ أَوْ لِخَوْفِ عَطَشٍ بِقَدْرِ الضَّرُورَةِ فَلَوْ زَادَ فَسَكِرَ حُدَّ مُجْتَبَى (وَلَا يَجُوزُ بَيْعُهَا) لِحَدِيثِ مُسْلِمٍ إِنَّ الَّذِي حَرَّمَ شُرْبَهَا حَرَّمَ بَيْعَهَا (وَيُحَدُّ شَارِبُهَا وَإِنْ لَمْ يَسْكَرْ مِنْهَا وَ) يُحَدُّ (شَارِبُ غَيْرِهَا إِنْ سَكِرَ وَلَا يُؤَثِّرُ فِيهَا الطَّبْخُ)

یا دوائی، تیل، کھانے وغیرہ میں ڈالنے سے نفع حاصل کیا جائے نہ کہ سرکہ بنایا یا پیاس کا خوف ہو تو بقدر ضرورت اس کا استعمال کرنا یعنی ان دو صورتوں میں جائز ہے۔ اگر وہ ضرورت سے زائد اس کو پیتا ہے اور اس کو نشہ ہو جاتا ہے تو اس پر حد جاری کی جائے گی، ''مجتبیٰ''۔ اور اس کو بیچنا جائز نہیں۔ کیونکہ ''مسلم'' شریف کی حدیث ہے: بے شک وہ چیز جس کا پینا حرام ہے اس کا بیع کرنا بھی حرام ہے(1) اس کے پینے والے پر حد جاری ہوگی اگرچہ اس سے نشہ نہ آئے۔ خمر کے علاوہ کو پیے تو اس کو حد جاری کی جائے گی اگر اس کو نشہ آجائے اور اس میں پکانا موثر نہیں۔

33842۔ (قولہ: أَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ) جس طرح عورت اس کے ساتھ بالوں میں کنگھی کرے تاکہ اس کے بالوں کی چمک زیادہ ہو جائے یا اس کے ساتھ آنکھوں میں سرمہ لگائے یا اسے ناک کے سوراخ میں ڈالے ''تاتر خانیہ''۔ اسی میں سے ہے کہ اس کے ساتھ حقنہ کرے یا آلہ تناسل کے سوراخ میں قطرے ٹپکائے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ ''اتقانی'' نے کہا: کیونکہ یہ خمر سے نفع حاصل کیا جارہا ہے اور یہ حرام ہے مگر ان مواقع پر اس پر حد جاری نہ کی جائے گی کیونکہ پینا متحقق نہیں۔

33843۔ (قولہ: أَوْ لِخَوْفِ عَطَشٍ) یہ اضافت منی ہے یعنی اسے اپنی ذات پر پیاس کا خوف ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس پیاس کی وجہ سے اس کے ہلاک ہونے کا خوف ہو اور وہ خمر کے علاوہ کوئی ایسی شے نہیں پاتا۔

33844۔ (قولہ: فَلَوْ زَادَ فَسَكِرَ حُدَّ) اسی طرح اگر وہ پہلے پانی سے سیر ہو پھر اسے پیے تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ اس قول نے اس امر کو بیان کیا ہے کہ ضرورت سے زائد پینے کی صورت میں نشہ کی کوئی قید نہیں۔ ''خانیہ'' میں ہے: اگر اس نے اتنا پیا جو اسے سیر کر دے اور اس سے وہ زائد پیے اور اسے یہ نشہ نہ دے تو علماء نے کہا: چاہیے کہ اس پر حد جاری ہو جس طرح اگر وہ اتنی مقدار حالت اختیار میں پیے اور وہ اسے نشہ نہ دے۔

33845۔ (قولہ: وَيُحَدُّ شَارِبُهَا الخ) ''غایۃ البیان'' میں ''شرح الطحاوی'' سے ہے: اگر وہ خمر کو پانی سے ملائے اگر پانی کم یا اس کے مساوی ہو تو اس پر حد جاری کی جائے گی اگر خمر مغلوب ہو تو حد جاری نہیں کی جائے گی مگر جب اسے نشہ ہو جائے۔ ''الذخیرہ'' میں ''قدوسی'' سے مروی ہے: جب اس پر پانی غالب آجائے یہاں تک کہ اس کا ذائقہ اور اس کی بو زائل ہو جائے تو اس پر کوئی حد نہ ہوگی۔ پھر کہا: جب اس خمر میں روٹی کو ثرید بنایا اور اسے کھایا اگر ذائقہ اور رنگ پایا گیا تو اس پر حد جاری کی جائے گی اور جس کا رنگ نہ ہو اگر ذائقہ پایا جائے تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔

33846۔ (قولہ: وَلَا يُؤَثِّرُ فِيهَا الطَّبْخُ) حرمت کے زوال میں اس کا پکانا موثر نہ ہوگا استثنا اس کا قرینہ ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب تحریم بیع الخمر، جلد 2، صفحہ 506، حدیث نمبر 3007

إِلَّا أَنَّهُ لَا يُحَدُّ فِيهِ مَا لَمْ يَسْكَرْ مِنْهُ لِاخْتِصَاصِ الْحَدِّ بِالنِّيءِ ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ، وَاسْتَظْهَرَهُ الْمُصَنِّفُ وَضَعَّفَ مَا فِي الْقُنْيَةِ وَالْمُجْتَبَى ثُمَّ نَقَلَ عَنْ ابْنِ وَهْبَانَ أَنَّهُ لَا يُلْتَفَتُ لِمَا قَالَهُ صَاحِبُ الْقُنْيَةِ مُخَالِفًا لِلْقَوَاعِدِ مَا لَمْ يَعْضُدْهُ نَقْلٌ مِنْ غَيْرِهِ

مگر اس میں حد جاری نہ کی جائے گی جب تک اس سے اسے نشہ نہ ہو۔ کیونکہ حد اس کے ساتھ خاص ہے۔ یہ ''زیلعی'' نے ذکر کیا ہے۔ مصنف نے اسے ظاہر قرار دیا ہے۔ اور ''القنیہ'' اور ''مجتبیٰ'' میں جو قول ہے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ پھر ''ابن وہبان'' سے نقل کیا گیا ہے کہ صاحب ''قنیہ'' نے جو قول کیا ہے اس کی طرف توجہ نہ کی جائے گی۔ کیونکہ وہ قواعد کے خلاف ہے جب تک کسی اور سے منقول روایت اس کی تائید نہ کرے

33847۔ (قولہ: إِلَّا أَنَّهُ لَا يُحَدُّ) اسے ''العنایہ'' میں ''شیخ الاسلام'' سے نقل کیا ہے۔ لیکن ''الکفایہ'' اور ''المعراج'' میں ہے۔ شمس الائمہ ''سرخسی'' نے کہا: جس نے اس سے تھوڑا یا زیادہ پیا اس پر حد جاری کی جائے گی۔ یہ نص سے ثابت ہے۔ ''قہستانی'' میں ''تتمہ'' سے مروی ہے: اسی پر فتویٰ ہے۔ اس سے باقی ماندہ خمر سے جو کشید کیا جاتا ہے اس کا حکم بھی معلوم ہو جاتا ہے جس طرح ''قہستانی'' نے بحث کی ہے۔ جہاں تک اس کی نجاست کا تعلق ہے تو یہ نجاست غلیظہ ہوگی جس طرح اس کی اصل نجاست غلیظہ ہے لیکن اس کی حرمت خمر کی طرح نہ ہوگی۔ کیونکہ جو آدمی اس کو حلال خیال کرتا ہے اس کو کافر قرار نہیں دیا جاتا۔ کیونکہ اس میں اختلاف ہے۔ اور ''شرنبلالی'' کا بحث کے انداز میں قول لاحد بہ بلا سکر یہ مفتی بہ قول کے اختلاف پر مبنی ہے جس طرح ''قہستانی'' نے اسے بیان کیا ہے۔ تامل

33848۔ (قولہ: وَاسْتَظْهَرَهُ الْمُصَنِّفُ) کیونکہ کہا: پکانا اس میں موثر نہیں۔ کیونکہ پکانا یہ حرمت کے ثابت ہونے میں موثر ہے اس حرمت کو ختم کرنے میں موثر نہیں جب کہ حرمت اس میں ثابت ہو چکی ہو مگر اس میں حد جاری نہ ہوگی جب تک وہ نشہ نہ دے۔ کیونکہ علماء نے کہا کہ حد صرف کچے میں ہے۔ اس کی دلیل وہ ہے جسے ہم ذکر کر چکے ہیں۔ پس یہ حکم مطبوخ کی طرف متعدی نہیں ہوگا۔ اسے ''تبیین الکنز'' میں اختلاف کے بغیر ذکر کیا ہے۔ یہی ظاہر ہے جس پر اعتماد کرنا واجب ہے۔ اس سے تیرے لیے اس قول کا ضعف واضح ہو چکا ہوگا جو ''قنیہ'' میں ہے۔ ان کا قول ہے: خمر کو پکایا گیا اور اس کی کڑواہٹ ختم ہو گئی تو وہ حلال ہو جائے گا۔ اور ''مجتبیٰ'' میں جو قول ہے اس کا ضعف ظاہر ہو گیا ہے جو ''شرح سرخسی'' سے منقول ہے: اگر اس نے اس میں کھانڈ یا فانید انڈیلا یہاں تک کہ وہ میٹھا ہو گیا تو وہ حلال ہو جائے گا یہ کڑواہٹ کے زائل ہونے سے حلال ہو جائے گا۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک تھوڑی سی ترشی کے ساتھ حلال ہو جائے گا۔ ملخص

میں کہتا ہوں: تجھ پر یہ امر مخفی نہیں کہ مصنف کا قول وھذا ھو الظاھر اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ پکانا اس کی حرمت کو ختم نہیں کر سکتا جب کہ پہلے حرمت ثابت ہو چکی ہو۔ کیونکہ یہی وہ چیز ہے جسے ''زیلعی'' نے ''التبیین'' سے ذکر کیا ہے جب کہ اختلاف کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی حد واقع نہ ہونے کا اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ قالوا کا لفظ اس میں ذکر کیا جاتا ہے جس میں اختلاف

وَفِیهِ کَلَامٌ لِابْنِ الشِّحْنَةِ (وَلَا یَجُوزُ بِهَا التَّدَاوِی)
اس میں ''ابن شحنہ'' کا کلام ہے اور خمر سے دوائی کرنا جائز نہیں۔

ہو جس طرح علماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ ان کے قول علی ما قالوا کا ظاہر تبریٔ اور تضعیف کا فائدہ دیتا ہے۔ کیونکہ مفتی بہ اس کے برعکس ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور نیز اس کے ساتھ ''القنیہ'' اور ''مجتبیٰ'' میں جو قول ہے اس کا ضعف ظاہر ہوتا ہے وہی اول اختلاف کے بغیر مذکور ہے نہ کہ دوسرا جس کا ضعف کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ فتدبر

33849۔ (قولہ: وَفِیهِ کَلَامٌ لِابْنِ الشِّحْنَةِ) یعنی وہ تضعیف جو ضعف کے لفظ سے مفہوم ہے اس میں کلام ہے۔ کیونکہ کہا: صاحب ''القنیہ'' کی مراد کہ وہ حلال ہو جائے گا جب خمر کے اوصاف اس سے زائل ہو جائیں گے وہ اس کا کڑوا ہونا اور اس کا نشہ دینا ہے۔ کیونکہ عین کا منقلب ہونا متحقق ہو چکا ہے جس طرح وہ خمر سرکہ بن جائے۔ ''مبسوط'' کی مراد یہ ہے کہ یہ پکانے کے ساتھ حلال نہ ہوگا جب وہ خمر کے اوصاف پر موجود ہے۔ کیونکہ منقلب ہونے اور متغیر ہونے سے کوئی چیز نہیں پائی گئی جو اس کے مباح ہونے کا تقاضا کرتی ہو اور حلت کے ثابت کرنے میں آگ کا مؤثر نہ ہونا اس امر کے منافی نہیں کہ موثر اس کا منقلب ہونا اور آگ کی کوئی خصوصیت نہیں۔

میں کہتا ہوں: ''شرنبلالی'' نے اپنی شرح میں اس جواب پر انحصار نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ خمر حرام لعینہ ہے اور اس کے پکانے کے ساتھ ہم عین کے منقلب ہونے کو تسلیم نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے اگر غیر جاری پانی یا جو اس کے حکم میں ہو میں ایک قطرہ گر جائے تو اسے ناپاک بنا دیتا ہے اگرچہ وہ قطرہ اس میں ہلاک ہو جاتا ہے اور وہ پانی بن جاتا ہے۔ اسی طرح اگر وہ کھانے کی ہنڈیا میں گر جاتا ہے تو اس کو ناپاک بنا دیتا ہے اگرچہ وہ کھانا (سالن) بن جائے جس طرح اس میں ایک قطرہ بول کا واقع ہو جائے۔ جہاں تک اس کے سرکہ بن جانے کے ساتھ اس کی طہارت کا تعلق ہے تو یہ مجتہد کی نص سے ثابت ہے۔ یہ حکم حدیث کے اطلاق سے لیا گیا ہے: نعم الادام الخل (1) سرکہ کتنا اچھا سالن ہے۔ فلیتامل

شاید یہ فرع اس پر تفریع ہے جو ہم نے پہلے بعض معتزلہ سے نقل کیا ہے کہ خمر میں سے حرام وہ اس کا نشہ دینے والا ہونا ہے اس پر یہ قول دلالت کرتا ہے کہ ''القنیہ'' میں جو قول ہے وہ قاضی ''عبد الجبار'' سے نقل کیا ہے۔ یہ معتزلہ کے مشائخ میں سے ایک ہیں پھر میں نے ''ابن شحنہ'' کو دیکھا ہے اسے ''ابن وہبان'' سے اسی طرح نقل کیا ہے اس طرح میرے دل میں کھٹکا لیکن اس میں بحث کی کہ اس مسئلہ میں اعتزال کا کوئی عمل دخل نہیں۔

میں کہتا ہوں: گویا وہ اس قول پر مطلع نہیں ہوئے جسے ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ انہوں نے حرمت کو نشہ دینے کے ساتھ خاص کیا ہے۔ شاید صاحب ''القنیہ'' نے جو قول کیا ہے یہ اس پر عدم اعتماد ہے۔ کیونکہ وہ ایسا قول ذکر کرتے ہیں جو ان کے عقیدہ کے مشائخ نقل کرتے ہیں جس طرح یہ مسئلہ ہے اور جو الذبائح میں گزر چکا ہے اور جو ان دونوں کی مثل ہیں۔

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب الائتدام بالخل، جلد 2، صفحہ 383، حدیث نمبر 3307

عَلَى الْمُعْتَمَدِ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ قُلْت وَلَوْ بِاحْتِقَانٍ أَوْ إِقْطَارٍ فِي إِحْلِيلٍ نِهَايَةٌ (وَلَا يَجُوزُ تَخْلِيلُهَا وَلَوْ بِطَرْحِ شَيْءٍ فِيهَا) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ (وَ) الثَّانِي (الطِّلَاءُ) بِالْكَسْرِ (وَهُوَ الْعَصِيرُ يُطْبَخُ

یہ قابل اعتماد قول ہے۔ یہ مصنف نے کہا ہے۔ میں کہتا ہوں: اگرچہ یہ دوائی حقنہ کرنے یا آلہ تناسل کے سوراخ میں قطرہ ٹپکانے کی صورت میں ہو، ''نہایہ''۔ اور اس کو سرکہ بنانا جائز نہیں ہے اگرچہ اس میں کوئی شے پھینکنے کے ساتھ ہو۔ امام ''شافعی'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ دوسری قسم طلاء ہے۔ یہ لفظ طا کے کسرہ کے ساتھ ہے یہ رس ہے جسے پکایا جاتا ہے

33850۔ (قولہ: عَلَى الْمُعْتَمَدِ) کیونکہ ہم الحظر والاباحہ میں پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مذہب یہ ہے کہ حرام کردہ چیز سے دوائی کرنا جائز نہیں۔

خمر سے تداوی اور سرکہ بنانا جائز نہیں

33851۔ (قولہ: وَلَا يَجُوزُ تَخْلِيلُهَا) یہ قول اولی ہے، ''ہدایہ''۔ میں کہتا ہوں: یہ واجب نہیں اگرچہ اس کے بہا دینے میں اس کا ضیاع ہے۔ کیونکہ یہ غیر متقوم ہے۔ اسی وجہ سے اس کی ضمانت نہیں ہوتی جس طرح قول گزر چکا ہے۔ ''شرنبلالی'' نے بحث کے انداز میں ذکر کیا ہے کہ ایسا کرنا واجب ہے کیونکہ یہ مال ہے۔ فتامل

33852۔ (قولہ: وَلَوْ بِطَرْحِ شَيْءٍ فِيهَا) جیسے نمک، پانی اور مچھلی ہے۔ اسی طرح اس کے پاس آگ جلانا ہے۔ اسے سورج کی دھوپ میں رکھنا ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ اگر اس پر دھوپ پڑے جب کہ اس نے اسے منتقل نہ کیا ہو جس طرح چھت کو اٹھا دیا جائے تو اس کو منتقل کرنا حلال نہ ہوگا۔ اگر سرکہ کو خمر کے ساتھ ملایا اور وہ کھٹا ہو گیا تو وہ حلال ہوگا اگرچہ خمر غالب ہو۔ جب اس میں کچھ ترشی داخل ہو جائے تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ سرکہ نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کی کڑواہٹ عام طور پر ختم ہو جائے۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک وہ سرکہ بن جائے گا۔ جس طرح ''المضمرات'' میں ہے: اگر اس میں چوہیا گر پڑے اور اس کا جسم پھولنے سے پہلے اس کو نکالا جائے اور اس کو چھوڑے رکھا جائے تو وہ خمر بن جائے گا پھر وہ سرکہ بن جائے یا اس کو سرکہ بنالے تو وہ حلال ہوگا۔ بعض علما نے یہی فتویٰ دیا ہے جس طرح ''السراجیہ'' میں ہے۔ اگر پانی کے گھڑے میں خمر کا ایک قطرہ پڑے پھر اسے سرکہ کے مٹکے میں انڈیل دیا جائے تو وہ فاسد نہ ہوگا۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''قہستانی'' میں ہے۔ جب خمر سرکہ بن جائے تو برتن کا وہ حصہ جو اس کے برابر ہے وہ پاک ہو جائے گا مگر برتن کا جو حصہ اس سرکہ سے اوپر ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے تبع کی وجہ سے پاک ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پاک نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ خشک خمر ہے مگر جب اسے سرکہ کے ساتھ دھویا جائے تو اسی لمحہ وہ سرکہ بن جائے تو وہ پاک ہو جائے گا ''ہدایہ''۔ فتویٰ پہلے قول پر ہے۔ ''خانیہ''۔

طلا کی تعریف

33853۔ (قولہ: بِالْكَسْرِ) یعنی یہ لفظ طا کے کسرہ اور الف ممدودہ کے ساتھ ہے جیسے کسا، ''قاموس''۔

33854۔ (قولہ: يُطْبَخُ) یعنی جسے آگ پر یا دھوپ میں پکایا جائے۔ ''قہستانی''۔

حَتَّى يَذْهَبَ أَقَلُّ مِنْ ثُلُثَيْهِ) وَيَصِيرُ مُسْكِرًا وَصَوَّبَ الْمُصَنِّفُ أَنَّ هَذَا يُسَمَّى الْبَاذَقَ وَأَمَّا الطِّلَاءُ فَمَا ذَكَرَهُ بِقَوْلِهِ (وَقِيلَ مَا طُبِخَ مِنْ مَاءِ الْعِنَبِ حَتَّى ذَهَبَ ثُلُثَاهُ وَبَقِيَ ثُلُثُهُ) وَصَارَ مُسْكِرًا (وَهُوَ الصَّوَابُ) كَمَا جَرَى عَلَيْهِ صَاحِبُ الْمُحِيطِ وَغَيْرُهُ، يَعْنِي فِي التَّسْمِيَةِ لَا فِي الْحُكْمِ، لِأَنَّ حِلَّ هَذَا الْمُثَلَّثِ الْمُسَمَّى بِالطِّلَاءِ عَلَى مَا فِي الْمُحِيطِ ثَابِتٌ لِشُرْبِ كِبَارِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ كَمَا فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ

یہاں تک کہ دو تہائی سے کم ختم ہو جاتا ہے اور وہ نشہ دینے والا ہو جاتا ہے۔ مصنف نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے کہ اسے باذق کہتے ہیں۔ جہاں تک طلا کا تعلق ہے تو اس کا ذکر اس قول کے ساتھ کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وہ ہے جسے انگور کے رس سے پکایا گیا ہو یہاں تک کہ اس کا دو تہائی ختم ہو جائے اور اس کا ایک تہائی باقی رہ جائے اور وہ نشہ دینے والا ہو جائے۔ یہی صحیح ہے جس طرح صاحب ''المحیط'' وغیرہ اس پر گامزن ہوئے ہیں یعنی نام رکھنے میں نہ کہ حکم میں اس طریقہ کو اپنایا ہے۔ کیونکہ اسی مثلث جس کا نام طلاء ہے، اس کی حلت ثابت ہے۔ کیونکہ کبار صحابہ اسے پیا کرتے تھے جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔

33855۔ (قوله: أَقَلُّ مِنْ ثُلُثَيْهِ) اس کے ساتھ قید لگائی ہے کیونکہ جب اس کے دو تہائی ختم ہو جائیں تو جب تک یہ میٹھی رہے اس کا پینا حلال ہے۔ یہ سب علما کے نزدیک ہے جب وہ جوش مارے اور گاڑھی ہو جائے تو ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک اس کا پینا حلال ہے جب تک وہ نشہ نہ دے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے ''شرح مسکین''۔ اور عنقریب یہ آئے گا۔

33856۔ (قوله: وَيَصِيرُ مُسْكِرًا) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ جوش مارنے لگے، گاڑھی ہو جائے اور جھاگ پھینکے تو اس کا تھوڑا اور زیادہ حرام ہے جب تک میٹھی رہے اس کا پینا حلال ہے، ''اتقانی''۔ یہ ایسی قید ہے جس کا یہاں ذکر کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ عنقریب مصنف کے کلام: والکل حرام اذا غلی واشتد میں آئے گا۔

33857۔ (قوله: يُسَمَّى الْبَاذَقَ) یہ لفظ ذال کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ ہے جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔ اسے منصف بھی کہتے ہیں۔ منصف اسے کہتے ہیں جس کا نصف ختم ہو چکا ہے اور باذق اسے کہتے ہیں جس کا نصف سے کم ختم ہو چکا ہو۔ دونوں میں حکم ایک ہی ہے جس طرح ''العنایہ'' وغیرہا میں ہے۔

33858۔ (قوله: وَصَارَ مُسْكِرًا) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ گاڑھی ہو جائے اور اس کی مٹھاس ختم ہو جائے۔ جب اس سے زیادہ ہوگی تو وہ نشہ دے گی۔

33859۔ (قوله: يَعْنِي فِي التَّسْمِيَةِ لَا فِي الْحُكْمِ) جب مصنف کا کلام سخت ترین وہم دلا رہا تھا تو اس کی طرف توجہ کی۔ کیونکہ ان کا کلام حرام مشروبات کے بارے میں ہے اور ان میں سے طلاء کا ذکر کیا پہلے اس کی تفسیر ایک سے کی پھر دوسری تفسیر ذکر کی اور یہ حکم لگایا کہ یہ صحیح ہے۔ پس اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ جو حرام ہے وہ دوسرا معنی ہے نہ کہ پہلا جب کہ

قَالَ وَسُمِّيَ بِالطِّلَاءِ لِقَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَا أَشْبَهَ هَذَا الطِّلَاءَ الْبَعِيرَ وَهُوَ الْقَطِرَانُ الَّذِي يُطْلَى بِهِ الْبَعِيرُ الْجَرْبَانُ (وَنَجَاسَتُهُ) أَيْ الطِّلَاءِ عَلَى التَّفْسِيرِ الْأَوَّلِ كَذَا قَالَهُ الْمُصَنِّفُ (كَالْخَمْرِ) بِهِ يُفْتَى (وَ) الثَّالِثُ (السَّكَرُ) بِفَتْحَتَيْنِ (وَهُوَ النِّيءُ مِنْ مَاءِ الرُّطَبِ) إِذَا اشْتَدَّ

اور کہا: اس کا نام طلاء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان سے رکھا گیا۔ یہ اونٹ کے طلاء کے کتنے مشابہ ہے۔ وہ تار کول ہے جسے خارش زدہ اونٹ پر ملا جاتا ہے۔ پہلے تفسیر کی بنا پر طلاء کی نجاست خمر کی طرح ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اور تیسری قسم سکر ہے یہ لفظ دو فتحوں کے ساتھ ہے اس سے مراد کھجوروں کا کچا رس ہے جب وہ خوب جوش مارے

معاملہ اس کے برعکس ہے۔ باذق اور منصف بالاتفاق حرام ہے۔ طلاء جس کے دو تہائی ختم ہو چکے ہوں اسے مثلث کہتے ہیں یہ حلال ہے مگر امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حلال نہیں جس طرح عنقریب آگے آئے گا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس میں سے حرام نہیں ہوگا مگر آخری پیالہ جس سے نشہ حاصل ہو جس طرح اس کی وضاحت آگے آئے گی۔ اس پر متنبہ کیا کہ مصنف کی مراد وہ ہے کہ جسے طلاء کہتے ہیں وہ وہ ہوتا ہے جس کے دو تہائی ختم ہو چکے ہوں۔ اور پہلی قسم حرام ہے اور دوسری قسم حلال ہے۔ اس تصویب میں ''شرنبلالی'' نے بحث کی ہے کہ طلاء کا لفظ بہت سی اشیاء پر اشتراک کے ساتھ بولا جاتا ہے ان میں سے باذق، منصف، مثلث اور ہر وہ جسے انگور کے رس سے پکایا جائے۔

میں کہتا ہوں: ''مغرب'' میں ہے کہ طلاء ہر وہ چیز ہے جس کے ساتھ طلاء کیا جاتا ہے تار کول ہو یا کوئی اور چیز ہو۔ مشروبات میں سے ہر وہ چیز جو گاڑھی ہو جائے اس کو تشبیہ کے طریقہ پر طلاء کہتے ہیں یہاں تک کہ اسے مثلث کہتے ہیں۔

33860_(قولہ: عَلَى التَّفْسِيرِ الْأَوَّلِ) جہاں تک دوسری تفسیر کا تعلق ہے تو وہ پاک ہے۔ کیونکہ اس کا پینا حلال ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نجس ہے جس طرح آگے آئے گا۔

33861_(قولہ: بِهِ يُفْتَى) ''قہستانی'' نے اسے ''کرمانی'' وغیرہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

سکر کی تعریف

33862_(قولہ: وَهُوَ النِّيءُ مِنْ مَاءِ الرُّطَبِ) یہ ان تینوں شرابوں میں سے ایک ہے جو کھجور سے بنائی جاتی ہے اور دوسری اس کی نبیذ ہے وہ وہ ہوتی ہے جس کو تھوڑا سا پکایا جائے جب کہ یہ حلال ہے۔ تیسری قسم فضیخ ہے۔ یہ اس بچی کھجور کا کچا پانی ہے جس کی ایک جانب پکی ہو۔ یہ فضخ سے مشتق ہے یہ لفظ ضاد اور خا کے ساتھ ہے۔ یہی سکر ہے اسے یہ نام دیا ہے۔ کیونکہ اس کو توڑا جاتا ہے اور اسے مٹکے میں ڈال دیا جاتا ہے اور اس پر گرم پانی انڈیلا جاتا ہے تا کہ اس کی مٹھاس نکل جائے اس کا حکم سکر کی طرح ہے۔ اسے ''النہایہ'' میں بیان کیا ہے۔ اگر مصنف کہتے: تیسری قسم خشک کھجور کا کچا پانی ہے تو یہ سکر اور فضیخ دونوں کو شامل ہو جاتے۔ کیونکہ تمر کا لفظ اسم جنس ہے جو بسرہ وغیرہ کو شامل ہے جس طرح ''قہستانی'' میں ہے۔ تامل

33863_(قولہ: إِذَا اشْتَدَّ) اس کا ذکر لازم نہیں تھا یہ اس کی مثل ہے جو گزر چکا ہے کیونکہ عنقریب مصنف کے کلام

وَقَذَفَ بِالزَّبَدِ (وَ) الرَّابِعُ (نَقِيعُ الزَّبِيبِ، وَهُوَ النِّيءُ مِنْ مَاءِ الزَّبِيبِ) بِشَرْطِ أَنْ يَقْذِفَ بِالزَّبَدِ بَعْدَ الْغَلَيَانِ (وَالْكُلُّ) أَيْ الثَّلَاثَةُ الْمَذْكُورَةُ (حَرَامٌ إذَا غَلَى وَاشْتَدَّ) وَإِلَّا اتِّفَاقًا، وَإِنْ قَذَفَ حَرُمَ اتِّفَاقًا، وَظَاهِرُ كَلَامِهِ فَبَقِيَّةِ الْمُتُونِ أَنَّهُ اخْتَارَ هَاهُنَا قَوْلَهُمَا قَالَهُ الْبُرْجَنْدِيُّ، نَعَمْ قَالَ الْقُهُسْتَانِيُّ وَتَرَكَ الْقَيْدَ

اور جھاگ پھینکے اور چوتھی قسم نقیع الزبیب ہے۔ اس سے مراد کشمش کا کچا پانی ہے شرط یہ ہے کہ وہ جوش مارنے کے بعد جھاگ پھینکے۔ یہ تینوں قسمیں حرام ہیں جب وہ جوش ماریں اور گاڑھی ہو جائیں ورنہ بالاتفاق حرام نہ ہوں گی۔ اگر وہ جھاگ پھینکے تو بالاتفاق حرام ہوں گی۔ ان کی کلام کا ظاہر باقی ماندہ متون کی طرح ہے۔ ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے یہاں ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے قول کو اختیار کیا ہے۔ یہ ''برجندی'' کا قول ہے۔ ہاں ''قہستانی'' نے کہا: یہاں قید کو ترک کیا ہے۔

میں آئے گا۔

نقیع الزبیب کی تعریف

33864۔ (قولہ: نَقِيعُ الزَّبِيبِ) نقیع یہ مزید فیہ یا ثلاثی سے اسم مفعول ہے۔ ''المغرب'' میں کہا: انقع الزبیب فی الخابیة و نقعه جب اسے مٹکے میں ڈالا تاکہ وہ تر ہو جائے اور اس سے حلاوت نکل جائے۔ ابن اثیر نے کہا: یہ شراب ہے جو زبیب وغیرہ سے بنائی جاتی ہے جب کہ اسے پکایا نہ گیا ہو ''صحاح'' اور ''اساس'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ زیادہ بہتر یہ قول ہے نقیع البسر والرطب والتمر والزبیب ''قہستانی''، ملخص۔ لیکن ''اتقانی'' نے یہ بیان کیا ہے کہ پکی کھجوریں پانی میں بھگونے کی محتاج نہیں ہوتیں یعنی کیونکہ نقیع وہ ہوتی ہے جو خشک ہوتا کہ پانی کے ساتھ تر ہو جائے۔ اسی وجہ سے مصنف نے الرطب کو الگ ذکر کیا ہے۔ تامل

33865۔ (قولہ: بِشَرْطِ الخ) اس کے مابعد کلام اس سے غنی کر دیتی ہے اس کی مثل جو گزر چکا ہے۔

آخری تینوں قسموں کا حکم

33866۔ (قولہ: إذَا غَلَى وَاشْتَدَّ) یعنی اس کی حلاوت ختم ہو جائے اور وہ نشہ آور ہو جائے۔ اگرچہ وہ جھاگ نہ پھینکے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

33867۔ (قولہ: وَإِلَّا) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ میٹھا ہی رہے۔

33868۔ (قولہ: وَإِنْ قَذَفَ حَرُمَ اتِّفَاقًا) یعنی اس کا قلیل اور اس کا کثیر حرام ہے لیکن حد واجب نہ ہوگی مگر جب اسے نشہ ہو جائے جس طرح ''الملتقی'' میں ہے۔

33869۔ (قولہ: وَظَاهِرُ كَلَامِهِ) کیونکہ یہ نہیں کہا و قذف بالزبد۔

33870۔ (قولہ: قَوْلَهُمَا) یعنی جھاگ پھینکنا شرط نہیں۔

33871۔ (قولہ: وَتَرَكَ الْقَيْدَ) قید سے مراد قذف ہے یعنی جھاگ پھینکنا ہے۔

هُنَا لِأَنَّهُ اعْتَمَدَ عَلَى السَّابِقِ اهـ فَتَنَبَّهْ؛ وَلَمْ يُبَيِّنْ حُكْمَ نَجَاسَةِ السَّكَرِ وَالنَّقِيعِ: وَمُفَادُ كَلَامِهِ أَنَّهَا خَفِيفَةٌ وَهُوَ مُخْتَارُ السَّرَخْسِيِّ، وَاخْتَارَ فِي الْهِدَايَةِ أَنَّهَا غَلِيظَةٌ (وَحُرْمَتُهَا دُونَ حُرْمَةِ الْخَمْرِ فَلَا يَكْفُرُ مُسْتَحِلُّهَا) لِأَنَّ حُرْمَتَهَا بِالِاجْتِهَادِ (وَالْحَلَالُ مِنْهَا) أَرْبَعَةُ أَنْوَاعٍ الْأَوَّلُ (نَبِيذُ التَّمْرِ وَالزَّبِيبِ

کیونکہ انہوں نے سابقہ قید پر اعتماد کیا ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ اور سکر اور نقیع کے نجس ہونے کے حکم کو واضح نہیں کیا۔ ان کی کلام سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ خفیفہ ہے۔ یہ ''سرخسی'' کا مختار مذہب ہے۔ ''ہدایہ'' میں اس کو اختیار کیا ہے کہ یہ نجاست غلیظہ ہے۔ اس کی حرمت خمر کی حرمت سے کم ہے۔ پس اس کے حلال قرار دینے والے کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ اس کی حرمت اجتہاد سے ثابت ہوئی ہے۔ ان میں سے حلال کی چار انواع ہیں (۱) خشک کھجور اور کشمش کی نبیذ

33872۔ (قولہ: لِأَنَّهُ اعْتَمَدَ عَلَى السَّابِقِ) یعنی یہاں اس کی تصریح نہیں کی۔ کیونکہ پہلے جو خمر کی تعریف کی ہے اس پر اعتماد کیا ہے۔ تامل

33873۔ (قولہ: وَمُفَادُ كَلَامِهِ) کیونکہ اس امر کی تصریح کی ہے کہ باذق کی نجاست خمر کی طرح ہے اور ان دونوں سے سکوت اختیار کیا ہے اور یہ کہنا بعید ہے یہاں اسے ترک کیا ہے یہ اس پر اعتماد ہے جو قول گزر چکا ہے۔ فتامل

33874۔ (قولہ: وَاخْتَارَ فِي الْهِدَايَةِ أَنَّهَا غَلِيظَةٌ) اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ اور ''ہدایہ'' میں جو قول ہے اس کی نص یہ ہے: ایک روایت میں اس کی نجاست خفیفہ ہے اور دوسری روایت میں اس کی نجاست غلیظہ ہے۔ ''الدر المنتقی'' میں جو عبارت ہے وہ اس سے احسن ہے جو یہاں ہے۔ کیونکہ کہا: ''سرخسی'' کا مختار قول یہ ہے کہ آخری دونوں میں نجاست خفیفہ ہے اگرچہ ایک روایت میں ''ہدایہ'' میں اس کو غلیظہ کہا ہے۔ ''باب الانجاس'' میں اس کی عبارت اس طرح ہے باقی شرابوں کے بارے میں نجاست غلیظہ، نجاست خفیفہ اور طہارت کے بارے میں روایات ہیں۔ ''البحر'' میں پہلے قول کو اور ''النہر'' میں دوسرے قول کو پسند کیا ہے۔

33875۔ (قولہ: وَحُرْمَتُهَا) یعنی تینوں شرابیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

33876۔ (قولہ: لِأَنَّ حُرْمَتَهَا بِالِاجْتِهَادِ) یہاں تک کہ ''اوزاعی'' نے پہلی اور تیسری قسم کے مباح ہونے کا قول کیا ہے۔ ''شریک'' نے دوسری قسم کے مباح ہونے کا قول کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد کے ساتھ احسان کا ذکر کیا ہے: تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا (النحل: 67) تم بناتے ہو اس سے میٹھا رس اور پاک رزق۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب تمام شرابیں مباح ہوں۔ اس کی مکمل بحث ''ہدایہ'' میں ہے۔ یہ خمر کے برعکس ہے۔ کیونکہ اس کے ادلہ قطعیہ ہیں۔ اسی وجہ سے جو اس کو حلال جانے اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔

شراب کی وہ انواع جو حلال ہیں

33877۔ (قولہ: نَبِيذُ التَّمْرِ وَالزَّبِيبِ) یعنی کھجور اور کشمش کی نبیذ۔ ''قہستانی'' نے کہا: تمر اسم جنس ہے جس طرح

إِنْ طُبِخَ أَدْنَى طَبْخَةٍ)
اگر اس کو تھوڑا پکایا جائے

قول گزر چکا ہے۔ پس یہ خشک، تر، پکی اور کچی سب کو شامل ہو گا۔ تمام کا حکم ایک ہے جس طرح ''زاہدی'' میں ہے۔ نبیذ خشک کھجور، کشمش، شہد، گندم وغیرہ سے بنائی جاتی تھی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اسے پانی میں ڈالا جائے اور اس کو چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ پانی سے ان چیزوں کو نکال لیا جائے۔ یہ نبذ سے مشتق ہے۔ جس کا معنی پھینکنا ہے جس طرح ''الطلبہ'' وغیرہ میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ پھر کہا: اس میں اور اس نبیذ جس کو پکایا جائے یا نہ پکایا جائے اس طرح ہے جس طرح ''النظم'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ ان کا قول و بین النبیذ یہ سبقت قلم ہے جب کہ صحیح و بین النقیع ہے کیونکہ بینہ میں ضمیر نبیذ کے لیے ہے۔ تامل

پہلی قسم خشک کھجور اور کشمش کی نبیذ

33878۔ (قولہ: إِنْ طُبِخَ أَدْنَى طَبْخَةٍ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس کو پکائے یہاں تک کہ وہ پک جائے۔ ''شرنبلالیہ'' نے ''زیلعی'' سے اخذ کیا ہے۔ یہ قید لگائی ہے کیونکہ ایسی نبیذ جو آگ پر پکائی نہ گئی ہو وہ حرام ہوتی ہے۔ جب وہ جوش مارے، گاڑھی ہو جائے اور جھاگ پھینکے۔ جو نبیذ خشک کھجور سے بنائی جائے اس کی حرمت پر احادیث وارد ہوئی ہوں اور اس کے حلال ہونے میں بھی احادیث وارد ہوئی ہیں جب حرام کو کچی اور حلال کو پکی پر محمول کیا جائے تو تطبیق حاصل ہو جاتی ہے اور تعارض ختم ہو جاتا ہے، ''عینی''۔ وارد ہونے والی تمام احادیث صحیح ہیں جن کو ''زیلعی'' نے بیان کیا ہے اور جو ذکر کیا ہے اس کے مطابق تطبیق دی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

''اتقانی'' نے کہا: ''کرخی'' نے گاڑھی نبیذ کے حلال قرار دینے میں صحیح اسانید کے ساتھ صحابہ اور تابعین سے آثار کی روایت میں طویل گفتگو کی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کبار صحابہ اور اہل بدر جیسے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہم اسے حلال قرار دیتے تھے۔ اسی طرح امام ''شعبی'' اور ''ابراہیم نخعی'' بھی اس کو حلال قرار دیتے تھے روایت بیان کی جاتی ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کسی شاگرد کو فرمایا: اہل السنۃ والجماعۃ کی شرائط میں سے یہ ہے کہ گھڑے کی نبیذ کو حرام قرار نہ دے۔

''معراج'' میں ہے: امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر پوری کی پوری دنیا مجھے عطا کر دی جائے تو میں اس کی حرمت کے بارے میں فتویٰ نہیں دوں گا۔ کیونکہ اس میں بعض صحابہ کرام کو فاسق قرار دینا لازم آتا ہے اگر اس کو پینے پر مجھے تمام دنیا دی جائے تو میں اس کو نہیں پیوں گا۔ کیونکہ اس کے پینے میں کوئی ضرورت نہیں۔ یہ آپ کا حد درجہ کا تقویٰ ہے جو اس پر زیادتی

يَحِلُّ شُرْبُهُ (وَإِنِ اشْتَدَّ) وَهَذَا (إِذَا شَرِبَ) مِنْهُ (بِلَا لَهْوٍ وَطَرَبٍ) فَلَوْ شَرِبَ لِلَّهْوِ فَقَلِيلُهُ وَكَثِيرُهُ حَرَامٌ (وَمَا لَمْ يُسْكِرْ) فَلَوْ شَرِبَ مَا يَغْلِبُ عَلَى ظَنِّهِ أَنَّهُ مُسْكِرٌ فَيَحْرُمُ، لِأَنَّ السُّكْرَ حَرَامٌ فِي كُلِّ شَرَابٍ (وَ) الثَّانِي (الْخَلِيطَانِ)

تو اس کا پینا حلال ہوگا اگرچہ وہ قوی ہو جائے یہ حکم اس وقت ہے جب وہ اسے لہو اور نشاط کے بغیر پیے۔ اگر وہ لہو و لعب کے طور پر پیے تو اس کا قلیل اور کثیر حرام ہے اور جب تک وہ نشہ نہ دے اگر وہ ایسی چیز ہے جس کے بارے میں اس کا ظن غالب یہ ہے کہ یہ نشہ آور ہے تو اس کا پینا حرام ہوگا۔ کیونکہ نشہ ہر شراب میں حرام ہے۔ اور دوسری قسم کشمش اور خشک

کا اور ادلہ کے درمیان تطبیق کا ارادہ کرے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ''غایۃ البیان'' اور ''معراج الدرایہ'' پڑھے۔

33879۔ (قولہ: وَإِنِ اشْتَدَّ) یعنی وہ جھاگ پھینکے۔ ''الرمز'' میں کہا: سابقہ قول پر اکتفا کرتے ہوئے۔ قذف کا ذکر نہیں کیا۔ ''ط''۔

33880۔ (قولہ: بِلَا لَهْوٍ وَطَرَبٍ) ''مختار'' میں کہا ہے: طرب سے مراد ایسی خفت ہے جو جنون یا سرور کے زیادتی کے وقت انسان کو لاحق ہوتی ہے۔ ''الدرر'' میں کہا: یہ تقیید ان شرابوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جب وہ پانی وغیرہ مباحات کو لہو ولعب کے ساتھ فاسقوں کی حالت پر پیے تو یہ حرام ہوگا۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: مصنف کو یہ چاہیے تھا کہ چوتھی قسم کے بعد وہ عدم لہو، عدم طرب اور عدم سکر کی قید لگائے تا کہ یہ سب کے لیے قید ہو جاتی۔

33881۔ (قولہ: فَلَوْ شَرِبَ مَا يَغْلِبُ عَلَى ظَنِّهِ الخ) یعنی اتنی مقدار جو نشہ دینے والی ہو وہ حرام ہے۔ کیونکہ یقینی طور پر یا غالب رائے سے جانتا ہے کہ یہ چیز اس کو نشہ دے گی جیسے جس کو کھانے سے بدہضمی ہو جائے اسے یہ ظن غالب ہوتا ہے کہ اسے اس کے بعد بدہضمی کا عارضہ لاحق ہوگا۔ ''تاتر خانیہ''۔ حرام وہ آخری پیالہ ہے جس کے پینے سے اسے نشہ حاصل ہوتا ہے جس طرح ''النہایہ'' وغیرہ میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جب وہ اس کو خوشی خوشی پی رہا تھا اور اسے نشہ ہو گیا تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ ''منیۃ المفتی'' میں ہے: ایک آدمی نے نبیذ کے نو پیالے پیے اور دسواں پیالہ اس کے گلے میں انڈیلا گیا تو اس پر حد جاری نہ ہوگی۔ ''الخانیہ'' میں کہا: خمر کے علاوہ جو شرابیں ہیں جو خشک کھجور، انگور اور کشمش سے بنائے گئے ہوں تو جب تک وہ نشہ نہ لیں ان پر حد جاری نہ کی جائے گی۔ ''تعریف السکران'' میں کہا: فتویٰ اس پر ہے جس کی کلام خلط ملط ہو جائے اور اس کی غالب کلام ہذیان ہو (تو اس پر حد جاری کی جائے گی)۔ اس کی مکمل وضاحت ''شرح الوہبانیہ'' کی کتاب الحدود میں ہے۔

دوسری اور تیسری قسم کی نبیذ کا بیان

33882۔ (قولہ: وَ الثَّانِي الْخَلِيطَانِ) کیونکہ یہ روایت کی گئی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ابن زیاد کو پلائی جو اس کے متعلق نہی وارد ہے وہ ابتداء اسلام پر محمول ہوگی یا غیر مطبوخ پر محمول ہوگی تا کہ ادلہ میں تطبیق ہو جائے۔

مِنَ الزَّبِيبِ وَالتَّمْرِ إِذَا طُبِخَ أَدْنَى طَبْخَةٍ، وَإِنِ اشْتَدَّ يَحِلُّ بِلَا لَهْوٍ (وَ) الثَّالِثُ (نَبِيذُ الْعَسَلِ وَالتِّينِ وَالْبُرِّ وَالشَّعِيرِ وَالذُّرَةِ) يَحِلُّ سَوَاءٌ (طُبِخَ أَوْ لَا) بِلَا لَهْوٍ وَطَرَبٍ (وَ) الرَّابِعُ (الْمُثَلَّثُ) الْعِنَبِيُّ وَإِنِ اشْتَدَّ، وَهُوَ مَا طُبِخَ مِنْ مَاءِ الْعِنَبِ حَتَّى يَذْهَبَ ثُلُثَاهُ وَيَبْقَى ثُلُثُهُ إِذَا قَصَدَ بِهِ اسْتِمْرَاءَ الطَّعَامِ

کھجور کے مجموعہ سے بنائی گئی ہو جب اسے تھوڑا سا پکایا جائے اگرچہ وہ قوی ہو جائے تو بغیر لہو کے پی تو حلال ہوگی۔ تیسری قسم شہد، انجیر، گندم، جو اور جوار کی نبیذ ہے۔ یہ حلال ہے خواہ اسے پکایا جائے یا نہ پکایا جائے جب یہ لہو اور طرب کی بغیر پیے۔ چوتھی قسم مثلث ہے جو انگور کے رس سے بنائی گئی ہو اگرچہ وہ قوی ہو جائے۔ یہ وہ نبیذ ہوتی ہے جو انگور کے پانی سے پکائی جائے یہاں تک کہ دو تہائی ختم ہو جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے۔ اگر وہ اس سے کھانے کے ہضم ہونے،

''حموی''۔ اور دوسری تعبیر تسلیم کی جائے تو حضرت عبداللہ بن عمر نے جو عمل کیا اس میں اور کشمش سے بنی پکی نبیذ کی حرمت کے بارے میں جو روایت مروی ہے کے درمیان تطبیق حاصل ہو جائے گی جس طرح ''ہدایہ'' میں اس کو بیان کیا ہے۔

33883۔ (قولہ: مِنَ الزَّبِيبِ وَالتَّمْرِ) یعنی کشمش، خشک کھجور، کچی کھجور یا تر پکی کھجور جو دونوں جمع ہوں، ''قہستانی''۔

33884۔ (قولہ: إِذَا طُبِخَ أَدْنَى طَبْخَةٍ) ''معراج'' اور ''العنایہ'' وغیرہما میں یہ قید لگائی ہے۔ ''ملتقی'' کی عبارت سے جو مفہوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں پکانا شرط نہیں، فلیتامل۔ پھر یہ حکم اس صورت میں ہے کہ ان مذکورہ چیزوں میں سے کسی کے ساتھ انگور کا پانی نہ ہو ورنہ دو تہائی کا ختم کرنا ضروری ہوگا جس طرح آگے آئے گا۔

چوتھی قسم مثلث

33885۔ (قولہ: وَهُوَ مَا طُبِخَ مِنْ مَاءِ الْعِنَبِ) یعنی انگور کا رس نکالنے کے ساتھ ہی اس کو پکا لیا جائے اگر اس کا پکانا وقفہ کے بعد ہوا گر کڑواہٹ وغیرہ پیدا ہونے کے ساتھ تغیر سے پہلے یہ عمل ہو تو وہ حلال ہوگا ورنہ وہ حرام ہوگا۔ یہی فتویٰ کے لیے مختار مذہب ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''خزانۃ المفتین'' میں ہے۔ ''در منتقی''۔

عنب (انگور) کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ کشمش اور خشک کھجور دونوں تھوڑا سا پکانے کے ساتھ حلال ہو جاتی ہیں جس طرح گزر چکا ہے۔ لیکن پانی قید نہیں ہے۔ کیونکہ اگر انگور کو پکایا جائے جس طرح وہ ہے پھر اس کو نچوڑا جائے تو اصح قول کے مطابق اس کے دو تہائی کا ختم ہونا ضروری ہے۔ ایک روایت میں ہے: اسے تھوڑا سا پکانا کافی ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔

اس میں ہے: جس کا دو تہائی پکانے کے ساتھ ختم ہو چکا ہو اس پر پانی کو انڈیلا جائے یہاں تک کہ وہ مشروب پتلا ہو جائے پھر اس کو پکایا جائے تو اس کا حکم مثلث کی طرح ہوگا مگر جب وہ اس پر انڈیلے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ پھر اس کو پکایا جائے یہاں تک کہ کل کے دو تہائی ختم ہو جائیں۔ کیونکہ پانی پہلے ختم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ لطیف ہوتا ہے یا اس سے پانی ختم ہو جاتا ہے تو ختم ہونے والا انگور کے پانی کا دو تہائی نہیں ہوگا یعنی وہ حلال نہیں۔

33886۔ (قولہ: إِذَا قَصَدَ) یہ اس یحل کے متعلق ہے جو مقدار ہے۔ ''قہستانی'' میں ہے: اگر وہ اس سے کھانے

وَالتَّدَاوِي وَالتَّقَوِّي عَلَى طَاعَةِ اللهِ تَعَالَى، وَلَوْ لِلَّهْوِ لَا يَحِلُّ إِجْمَاعًا حَقَائِقُ (وَصَحَّ بَيْعُ غَيْرِ الْخَمْرِ) مِمَّا مَرَّ، وَمُفَادُهُ صِحَّةُ بَيْعِ الْحَشِيشَةِ وَالْأَفْيُونِ قُلْت وَقَدْ سُئِلَ ابْنُ نُجَيْمٍ عَنْ بَيْعِ الْحَشِيشَةِ هَلْ يَجُوزُ؟ فَكَتَبَ لَا يَجُوزُ، فَيُحْمَلُ عَلَى أَنَّ مُرَادَهُ بِعَدَمِ الْجَوَازِ عَدَمُ الْحِلِّ قَالَ الْمُصَنِّفُ

دوائی کے طور پر استعمال اور اللہ تعالیٰ کی طاعت پر قوت حاصل کرنے کا ارادہ کرے اور اگر یہ لہو کے طور پر استعمال کرے تو بالاجماع حلال نہ ہوگی۔ ''حقائق''۔ خمر کے علاوہ، جن کا ذکر ہو چکا ہے، کی بیع صحیح ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ حشیش اور افیون کی بیع صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں: ''ابن نجیم'' سے حشیش کی بیع کے بارے میں سوال کیا گیا کیا یہ جائز ہے؟ تو انہوں نے جواب لکھا جائز نہیں۔ پس اس قول کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ عدم جواز سے ان کی مراد اس کا حلال نہ ہونا ہے۔ یہ مصنف نے کہا ہے۔

کے ہضم ہونے، راتوں میں قیام پر قوت حاصل کرنے، دونوں میں روزوں پر قوی ہونے، اسلام کے دشمنوں سے قتال کرنے یا دردوں کو دور کرنے کے لیے دوائی کے طور پر استعمال کرنے کا قصد کرے تو یہی علماء کے درمیان اختلاف کا محل ہے۔

33887۔ (قولہ: وَصَحَّ بَيْعُ غَيْرِ الْخَمْرِ) یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے ان کی بیع اور ان کی ضمان میں اختلاف کیا ہے۔ لیکن فتوی بیع میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے اور ضمان میں فتویٰ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول پر ہے اگر تلف کرنے والا اجر و ثواب کا قصد کرے جب کہ یہ قرائن سے معلوم ہو سکتا ہے ورنہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ ہوگا جس طرح ''تاتر خانیہ'' وغیرہا میں ہے۔

پھر بیع اگرچہ صحیح ہے لیکن وہ مکروہ ہے جس طرح ''الغایہ'' میں ہے۔ پس مصنف کو چاہیے تھا کہ اس کا ذکر مباح الاشربہ سے پہلے کرتے اور اپنے قول: ولا یکفر مستحلھا کے بعد کہتے: وصح بیعھا و تضمن الخ جس طرح ''ہدایہ'' وغیرہا میں کہا ہے۔ کیونکہ اختلاف اس میں ہے نہ کہ مباح اشربہ میں ہے مگر امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان میں جو آنے والے قول سے تمام اشربہ کی حرمت اور ان کی نجاست ظاہر ہوتی ہے۔ تامل

33888۔ (قولہ: مِمَّا مَرَّ) یعنی ساتوں شرابوں میں سے۔

حشیش اور افیون کی بیع کا شرعی حکم

33889۔ (قولہ: وَمُفَادُهُ الخ) تقدیر کلام یہ ہے مفاد التقیید بغیر الخمر غیر خمر کی قید لگانا۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں خمر سے درجہ میں کم ہیں۔ یہ دونوں ان اشربہ سے فائق نہیں جو حرام ہیں۔ پس ان کی بیع کی صحت دونوں کی بیع کی صحت کا فائدہ دیتی ہے۔ فافہم

33890۔ (قولہ: عَدَمُ الْحِلِّ) کیونکہ معصیت ان کے عین کے ساتھ قائم ہے۔ ''ابن شحنہ'' نے ذکر کیا ہے کہ اس کے بائع کو سزا دی جائے گی۔ اور عنقریب اس کا ذکر آگے آئے گا۔

(وَتُضْمَنُ) هٰذِهِ الْأَشْرِبَةُ (بِالْقِيمَةِ لَا بِالْمِثْلِ) لِمَنْعِنَا عَنْ تَمَلُّكِ عَيْنِهِ وَإِنْ جَازَ فِعْلُهُ، بِخِلَافِ الصَّلِيبِ حَيْثُ تُضْمَنُ قِيمَتُهُ صَلِيبًا لِأَنَّهُ مَالٌ مُتَقَوَّمٌ فِي حَقِّهِ وَقَدْ أُمِرْنَا بِتَرْكِهِمْ وَمَا يَدِينُونَ زَيْلَعِيٌّ (وَحَرَّمَهَا مُحَمَّدٌ) أَيْ الْأَشْرِبَةَ الْمُتَّخَذَةَ مِنْ الْعَسَلِ وَالتِّينِ وَنَحْوِهِمَا قَالَهُ الْمُصَنِّفُ (مُطْلَقًا) قَلِيلَهَا وَكَثِيرَهَا (وَبِهِ يُفْتَى)

ان شرابوں کی ضمانت قیمت کے ساتھ ہوگی مثل کے ساتھ نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کے عین کے مالک بننے سے منع کر دیا گیا ہے اگرچہ تملیک کا فعل جائز ہے۔ صلیب کا معاملہ مختلف ہے۔ صلیب کی حیثیت سے اس کی قیمت کی ضمانت ہوگی۔ کیونکہ یہ اس کے حق میں مال متقوم ہے جب کہ وہ جو دین رکھتے ہیں۔ ہمیں ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ ''زیلعی''۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ان اشربہ کو جو شہد، انجیر وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں انہیں مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔ یہ ان کا قلیل اور ان کا کثیر حرام ہے۔ یہ مصنف نے کہا ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

33891۔ (قولہ: وَتُضْمَنُ هٰذِهِ الْأَشْرِبَةُ) یعنی ان میں سے جو حرام ہیں۔

33892۔ (قولہ: عَنْ تَمَلُّكِ عَيْنِهِ) یعنی اسکی مثل پر ملکیت حاصل کرنا۔ بعض نسخوں میں تملک کی جگہ تملیک ہے۔

33893۔ (قولہ: وَإِنْ جَازَ فِعْلُهُ) ''اتقانی'' نے کتاب الغصب میں کہا: یعنی ہم نے سکر اور منصف کی ضمانت قیمت سے دینے کا قول کیا ہے نہ مثل کے ساتھ ضمانت کا قول کیا ہے۔ کیونکہ مسلمان کو اس سے منع کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ ضمانت کے طور پر اس کی مثل لے تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ اس کی قیمت والا ہونا اور مال ہونا ساقط نہیں ہوا۔

33894۔ (قولہ: بِخِلَافِ الصَّلِيبِ) ''زیلعی'' نے اس عبارت کو کتاب الغصب میں ذکر کیا ہے یہ ماقبل کے ساتھ مرتبط ہے کہ ایسے آلات لہو کی ضمانت ہوگی جو غیر لہو کے قابل ہیں۔

''اتقانی'' نے کتاب الغصب میں کہا: ہم نے طبل وغیرہ کی ضمانت کا جو ذکر کیا ہے کہ اس کی قیمت واجب ہوگی وہ ان اشیا کے مناسب نہیں۔ نصرانی کی صلیب کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ صلیب کی حیثیت سے اس کی قیمت واجب ہوگی۔ کیونکہ ہم نے اس عمل پر انہیں ثابت رکھا ہے پس یہ خمر کی طرح ہوگی۔

33895۔ (قولہ: وَنَحْوِهِمَا) جیسے خشک کھجور، کشمش اور انگور۔ مراد چاروں مشروبات ہیں جو شیخین کے نزدیک حلال ہیں جب وہ جوش مارنے لگیں اور گاڑھے ہو جائیں ورنہ حرام نہ ہوں گی جس طرح باقی ماندہ ہیں اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔

33896۔ (قولہ: وَبِهِ يُفْتَى) یعنی امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ یہی تینوں ائمہ کا قول ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: کل مسکر خمر و کل مسکر حرام (1) ہر نشہ آور مشروب خمر ہے اور ہر نشہ آور حرام ہے۔ اسے امام ''مسلم'' نے روایت کیا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام (2)، جس مشروب کا کثیر نشہ

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاشربہ، باب کل مسکر حرام، جلد 2، صفحہ 402، حدیث نمبر 3380

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاشربہ، باب ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام، جلد 2، صفحہ 403، حدیث نمبر 3383

ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَغَيْرُهُ؛ وَاخْتَارَهُ شَارِحُ الْوَهْبَانِيَّةِ، وَذَكَرَ أَنَّهُ مَرْوِيٌّ عَنْ الْكُلِّ وَنَظَمَهُ فَقَالَ وَفِي عَصْرِنَا فَاخْتِيرَ حَدٌّ وَأَوْقَعُوا طَلَاقًا لِمَنْ مِنْ مُسْكِرِ الْحَبِّ يَسْكَرُ وَعَنْ كُلِّهِمْ يُرْوَى وَأَفْتَى مُحَمَّدٌ بِتَحْرِيمِ

یہ ''زیلعی'' وغیرہ نے ذکر کیا ہے ''شارح وہبانیہ'' نے اسے اختیار کیا ہے اور یہ ذکر کیا کہ یہ سب سے مروی ہے۔ اور اسے نظم کیا ہے۔ کہا: ہمارے زمانہ میں حد کو اختیار کیا گیا ہے اور علما نے اس کی طلاق کو واقع کیا ہے جو دانوں سے بنی مسکر مشروب پینے سے نشہ میں ہوا ہو۔ یہ قول سب سے مروی ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی حرمت کا قول کیا

دے اس کا قلیل حرام ہے۔ اسے امام ''احمد''، ''ابن ماجہ'' اور ''دارقطنی'' نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

33897۔ (قولہ: غَيْرُهُ) جس طرح ''ملتقی''، ''مواہب''، ''کفایہ''، ''النہایہ''، ''المعراج''، ''شرح المجمع''، ''شرح درر البحار''، ''قہستانی'' اور ''عینی'' کے مصنفین کی رائے ہے۔ کیونکہ علما نے کہا: غلبہ فساد کی وجہ سے ہمارے زمانہ میں فتویٰ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔ بعض علما نے اپنے اس قول کے ساتھ علت بیان کی ہے: کیونکہ فاسق لوگ ان مشروبات پر جمع ہوتے ہیں اور ان کے پینے سے لہو اور نشہ کا قصد کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ مطلقاً اس کو حرام قرار دیا جائے اور کلی طور پر اس کا دروازہ بند کیا جائے۔ ورنہ لہو کے قصد کے وقت حرمت محل اختلاف نہیں بلکہ متفق علیہا ہے جس طرح گزر چکا ہے اور عنقریب آگے آئے گا۔ یعنی جب اس زمانہ میں غالب لہو کا قصد ہے طاعت پر قوت حاصل کرنا نہیں تو علماء نے اس سے اصلاً روک دیا ہے۔ تامل

33898۔ (قولہ: وَذَكَرَ) یعنی کتاب الحدود میں یہ ذکر کیا ہے اس کی نص یہ ہے: ''عمادیہ'' میں ''صدر الاسلام ابو یسر بزدوی'' سے حکایت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے اپنے تمام ائمہ سے یہ روایت پائی ہے کہ حد واجب ہے۔ کیونکہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک تمام نبیذوں میں حد واجب ہوگی اگرچہ ابتداء اسلام میں اس کا پینا حلال تھا۔ کیونکہ جس سے نشہ آجاتا ہے وہ شے حرام ہوتی ہے اور نشہ فساد کا سبب ہے پس حد واجب ہوگی۔ تاکہ لوگ اس کے پینے سے رک جائیں۔ پس فساد ختم ہو جائے گا۔ یہ معنی ان مشروبات میں موجود ہے یعنی ان مشروبات میں جو اس عبارت سے قبل مذکورہ دانوں سے بنائے جاتے ہیں۔

اس کا حاصل یہ ہے: جب شیخین نے نبیذوں کو حلال قرار دیا اور نشہ دینے والے پیالے کے ساتھ حد کو واجب کیا ہے تو باقی ماندہ مشروبات سے نشہ آئے تو حد کا واجب ہونا لازم ہوگا جس طرح امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

33899۔ (قولہ: أَنَّهُ مَرْوِيٌّ) یہ قول وہم دلاتا ہے کہ ضمیر ان اشربہ کی تحریم کی طرف لوٹ رہی ہے جس کا تھوڑا اور زیادہ پینا حرام ہے جب کہ معاملہ اس طرح نہیں بلکہ یہ اس حد کی طرف لوٹ رہی ہے جو اس کے پینے سے نشہ آجانے سے لازم ہوتی ہے جس طرح تو جان چکا ہے جس کے ساتھ نشہ واقع ہو جائے۔ اس کی وجہ سے حد کے واجب ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا قلیل اور کثیر پینا حرام ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

33900۔ (قولہ: لِمَنْ مِنْ مُسْكِرِ الْحَبِّ يَسْكَرُ) لمن موصولہ ہے اور من بیانیہ ہے حب جنس ہے یعنی دانوں

مَا قَدْ قَلَّ وَهُوَ الْمُحَرَّرُ قُلْتُ وَفِي طَلَاقِ الْبَزَّازِيَّةِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ، وَهُوَ نَجِسٌ أَيْضًا، وَلَوْ سَكِرَ مِنْهَا الْمُخْتَارُ فِي زَمَانِنَا

جو قلیل ہو یہ امر واضح ہے۔ میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' کی کتاب الطلاق میں ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس کا کثیر نشہ دے اس کا قلیل حرام ہے جب کہ وہ نجس بھی ہے۔ اگر اس سے اس کو نشہ ہو جائے تو ہمارے زمانہ میں مختار مذہب یہ ہے

سے بنا مشروب جو نشہ دے اور جو اصل خمر جیسے کشمش، انگور اور تمر کے علاوہ ہے اس کا حکم اسی طرح ہوگا۔ ''ش''۔

33901۔ (قولہ: وَفِي طَلَاقِ الْبَزَّازِيَّةِ) زیادہ بہتر یہ ہے کہ لفظ طلاق کو حذف کر دیا جاتا۔ کیونکہ ان کا قول: ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام ھو نجس اسے کتاب الطلاق میں ذکر نہیں کیا بلکہ کتاب الاشربہ میں ذکر کیا ہے۔

امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول جس کا کثیر نشہ دے اس کا قلیل حرام ہے یہ مائع مشروبات کے ساتھ خاص ہے

33902۔ (قولہ: وَقَالَ مُحَمَّدٌ الخ) میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ یہ مائع مشروبات کے ساتھ خاص ہے۔ یہ جامد کے ساتھ خاص نہیں جیسے بنج اور افیون ہے اس کا قلیل حرام نہیں بلکہ کثیر حرام ہے جو نشہ دے۔ ''ابن حجر'' نے ''التحفہ'' وغیرہ میں اس کی تصریح کی ہے یہ ہمارے کلام کا مفہوم ہے کیونکہ انہوں نے اسے مباح ادویہ میں شمار کیا ہے اگرچہ ان سے نشہ لینا بالاتفاق حرام ہے جس طرح ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ ہم نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس کی نجاست کا قول کیا ہو اور نہ ہی زعفران کی نجاست کا قول کیا ہے حالانکہ اس کی کثیر مقدار نشہ آور ہوتی ہے اس کے قلیل کے کھانے کو بھی انہوں نے حرام قرار نہیں دیا۔ اس پر یہ قول دلالت کرتا ہے کہ جو چیز اس سے نشہ دے اس پر جاری نہ کی جائے گی جس طرح آگے آئے گا۔ مائع مسئلہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس پر حد جاری کی جائے گی۔ اور ''غرر الافکار'' میں جو قول ہے وہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ یہ مشروبات امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور جو علما ان کی موافقت کرتے ہیں خمر کی طرح ہیں احکام میں کوئی تفاوت نہیں۔ ہمارے زمانہ میں اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ پس اختلافات مشروبات کے ساتھ خاص ہے۔ ان کے قول بلا تفاوت کا ظاہر یہ ہے کہ اس کی نجاست غلیظہ ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے لیکن اس سے حد کی استثنا کی گئی ہے کیونکہ یہ صرف نشہ سے ہی ہو سکتی ہے۔ خمر کا معاملہ مختلف ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کثیر سکر کی حرمت سے اس کی قلیل کی حرمت لازم نہیں آتی اور نہ ہی مطلقاً اس کی نجاست لازم آتی ہے مگر مائع میں نجاست اس کا خاص معنی کی وجہ سے ہوتی ہے جو اس میں موجود ہو۔ جہاں تک مسکر کا تعلق ہے تو اس میں صرف کثیر مسکر حرام ہے اس کی حرمت سے اس کی نجاست لازم نہیں آتی۔ جیسے ایسا زہر جو قاتل ہے یہ حرام ہے مگر طاہر ہے۔ یہ امر میرے فہم قاصر کے لیے ظاہر ہوا ہے۔ ہم عنقریب اس چیز کا ذکر کریں گے جو اس کی تائید کرتا ہے، اس کو قوت بہم پہنچاتا ہے اور اسے مضبوط کرتا ہے۔

33903۔ (قولہ: وَلَوْ سَكِرَ مِنْهَا الخ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس کی ایسی قلیل مقدار سے حد جاری نہ ہوگی جس

أَنَّهُ يُحَدُّ زَادَ فِي الْمُلْتَقَى وُقُوعُ طَلَاقٍ مِنْ سُكْرٍ مِنْهَا تَابِعٌ لِلْحُرْمَةِ، وَالْكُلُّ حَرَامٌ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَبِهِ يُفْتَى، وَالْخِلَافُ إِنَّمَا هُوَ عِنْدَ قَصْدِ التَّقَوِّي أَمَّا عِنْدَ قَصْدِ التَّلَهِّي فَحَرَامٌ إِجْمَاعًا وَتَمَامُهُ فِيمَا عَلَّقْته عَلَيْهِ زَادَ فِي الْقُهُسْتَانِيِّ

کہ اس پر حد جاری کی جائے گی۔ اور ''ملتقی'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے کہ جو آدمی ان مشروبات کی وجہ سے نشہ میں ہوا اس کی طلاق کا وقوع حرمت کے تابع ہے۔ اور یہ سب امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرام ہے۔ اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اختلاف اس وقت ہے جب وہ قوت حاصل کرنے کا قصد کرے۔ جہاں تک لہو ولعب کے طور پر ان کو پیے تو بالاجماع حرام ہوگا۔ اس کی مکمل وضاحت اس میں ہے جو میں نے اس پر تعلیق لکھی ہے۔ ''قہستانی'' نے یہ اضافہ کیا ہے

سے نشہ حاصل نہ ہو۔ یہی ''ہدایہ'' وغیرہا کے قول کا ظاہر معنی ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ حرام ہے۔ اس کے پینے والے پر حد جاری کی جائے گی جب اسے اس سے نشہ آجائے اور اس کی طلاق واقع ہو جائے گی جس طرح باقی ماندہ حرام مشروبات میں اس کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ مصنف کے قول: ویحد شارب غیرھا کا مقتضا بھی یہی ہے یعنی خمر کے علاوہ جب نشہ دے تو حد جاری کی جائے گی۔

33904۔(قولہ: وَبِهِ يُفْتَى) یعنی ایسے تمام مشروبات حرام ہیں اسی طرح اس کی طلاق بھی واقع ہو جائے گی۔ ''النہر'' اور ''الفتح'' میں کہا ہے: اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ہر مشروب سے نشہ حرام ہے اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی یہ اس پر مبنی ہے کہ یہ حلال ہے۔ ''الخانیہ'' میں اس کی تصحیح کی ہے۔

چاروں مشروبات کے پینے کی اباحت میں اختلاف

33905۔(قولہ: وَالْخِلَافُ) یعنی چاروں مشروبات کے پینے کے مباح ہونے میں اختلاف ہے۔

''معراج'' میں کہا: ''ابوحفص کبیر'' سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: یہ حلال نہیں۔ انہیں کہا گیا: آپ نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت کی ہے انہوں نے جواب دیا وہ دونوں ائمہ کھانے کے ہضم کرنے کی وجہ سے اسے حلال قرار دیتے تھے جب کہ ہمارے زمانہ میں لوگ فجور اور لہو ولعب کے لیے پیتے ہیں۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اگر وہ نشہ کا ارادہ کرے تو اس کا قلیل اور اس کا کثیر حرام ہے اور اس مقصد کے لیے بیٹھنا حرام ہے اس کی طرف چل کر جانا حرام ہے ''الدرالمنتقی'' میں ''قہستانی'' سے یہ زائد نقل کیا ہے: اس کی وجہ سے اس پر حد جاری کی جائے گی اگرچہ وہ نشہ دے جس طرح ''مضمرات'' وغیرہا میں ہے۔

میں کہتا ہوں: جو ہم نے ابھی ذکر کیا ہے کہ حد کو نشہ کے ساتھ مقید کیا ہے یہ اس کے مخالف ہے۔ شاید صحیح یہ ہے اگر اسے نشہ آئے پس اس میں غور و فکر کیا جانا چاہیے۔

33906۔(قولہ: وَتَمَامُهُ الخ) کیونکہ کہا: کئی علماء نے شیخین کے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور ''مضمرات'' میں یہ علت

أَنَّ لَبَنَ الْإِبِلِ إِذَا اشْتَدَّ لَمْ يَحِلَّ عِنْدَ مُحَمَّدٍ خِلَافًا لَهُمَا، وَالسُّكْرُ مِنْهُ حَرَامٌ بِلَا خِلَافٍ، وَالْحَدُّ وَالطَّلَاقُ عَلَى الْخِلَافِ، وَكَذَا لَبَنُ الرَّمَاكِ أَيْ الْفَرَسَةِ إِذَا اشْتَدَّ لَمْ يَحِلَّ، وَصَحَّحَ فِي الْهِدَايَةِ حِلَّهُ وَفِي الْخِزَانَةِ أَنَّهُ يُكْرَهُ تَحْرِيمًا عِنْدَ عَامَّةِ الْمَشَايِخِ عَلَى قَوْلِهِ

کہ اونٹنی کا دودھ جوش کھا کر نشہ لاوے تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ حلال نہیں ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اس سے نشہ ہو تو بغیر اختلاف کے یہ حرام ہے اور حد اور طلاق میں ائمہ کے درمیان اسی طرح کا اختلاف ہے۔ اسی طرح گھوڑی کا دودھ ہے جب وہ جوش مارے تو حلال نہیں۔ اور ''ہدایہ'' میں اس کے حلال ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔ ''خزانہ'' میں ہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق یہ مکروہ تحریمی ہے۔

بیان کی ہے کیونکہ خمر کا دار آخرت میں وعدہ کیا گیا ہے۔ پس چاہیے کہ دنیا میں اس کا نمونہ حلال ہوتا کہ اس کی ترغیب دلائی جائے۔

33907۔ (قولہ: عَلَى الْخِلَافِ) یعنی یہ دونوں چیزیں (حد اور طلاق) امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ثابت ہوں گی شیخین کے نزدیک ثابت نہ ہوں گی۔

33908۔ (قولہ: أَيْ الْفَرَسَةِ) ''جامع اللغۃ'' میں اس کی تصریح کی ہے کہ اسے فرسہ نہیں کہا جائے گا زیادہ بہتر یہ قول ہے الاناث من الخیل۔ ''ح''۔

33909۔ (قولہ: لَمْ يَحِلَّ) یعنی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حلال نہیں، ''قہستانی''۔ شاید الامام سے مراد امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ کیونکہ سیاق میں ان کا ہی یہ نقطہ نظر ہے۔

گھوڑی کے دودھ کے حکم میں ائمہ احناف کے اقوال

33910۔ (قولہ: عَلَى قَوْلِهِ) یعنی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ''الخانیہ'' وغیرہا میں ہے: جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا دودھ حلال ہے۔ اسی طرح ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک گھوڑی کے دودھ کا حکم ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔ بعض علما نے ارشاد فرمایا: یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ ''سرخسی'' نے کہا: یہ بنج کی طرح مباح ہے۔ عام علما نے کہا: یہ مکروہ تحریمی ہے۔ لیکن اس پر حد جاری نہ کی جائے گی اگرچہ اس کی عقل زائل ہو جس طرح اگر وہ اس کی عقل بنج کے ساتھ زائل ہو جائے تو وہ حرام ہو گی اور اس میں کوئی حد نہ ہو گی۔ ''بزازیہ'' میں یہ ذکر کیا ہے: اکثر علما کی یہ رائے ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ یہ اس کے موافق ہے جسے ہم پہلے کتاب الذبائح میں بیان کر چکے ہیں۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

پھر ''الخانیہ'' میں کہا ہے: اگر اس کی عقل بنج اور گھوڑی کے دودھ کے ساتھ زائل ہو جائے تو اس کے تصرفات نافذ نہ ہوں گے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اگر استعمال کرتے وقت اسے یہ علم ہو جائے کہ یہ بنج ہے تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ طلاق واقع نہ ہو گی۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک مطلقاً اس کی طلاق واقع نہ ہو گی۔ یہی قول صحیح ہے۔ اسی طرح اگر وہ میٹھا مشروب پیے اور وہ اس کے موافق نہ رہے تو اس کی عقل زائل ہو جائے تو اس نے طلاق دے دی۔ امام ''محمد''

(وَحَلَّ الِانْتِبَاذُ) اتِّخَاذُ النَّبِيذِ (فِي الدُّبَّاءِ) جَمْعِ دُبَّاءَةٍ وَهُوَ الْقَرْعُ (وَالْحَنْتَمِ) جَرَّةٌ خَضْرَاءُ (وَالْمُزَفَّتِ) الْمَطْلِيِّ بِالزِّفْتِ أَيْ الْقِيرِ (وَالنَّقِيرِ) الْخَشَبَةُ الْمَنْقُورَةُ، وَمَا وَرَدَ مِنَ النَّهْيِ نُسِخَ

دباء جو دباءۃ کی جمع ہے یہی قرع ہے یعنی کدو جس کا گودہ اندر سے نکال لیا گیا ہو اس میں، حنتم یہ سبز لاکھی گھڑا ہے اور مزفت جس پر تار کول ملا گیا ہو اور نقیر، یہ ایسی لکڑی ہوتی ہے جس کو اندر سے کھود لیا جاتا ہے، میں نبیذ بنانا حلال ہے۔ اور اس بارے میں جو نہی وارد ہے وہ منسوخ ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس کی طلاق واقع نہ ہوگی۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ معصیت کا قصد نہ کرے ورنہ اس کی طلاق واقع ہو جائے گی جس طرح عنقریب ''البحر'' سے آئے گا۔

''شرح الوہبانیہ'' میں ہے: ''صاحبین'' رحمہما اللہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ اس کا یعنی گھوڑی کے دودھ کا پینا جائز ہے۔ صحیح قول کے مطابق جب وہ اس سے نشہ میں آجائے تو اس کے پینے والے کو حد جاری نہیں کی جائے گی۔ مگر جب وہ اس کا قصد کرے جس طرح ہم نے اس کی علت اس میں بیان کر دی ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے یعنی مگر جب وہ لہو ولعب اور معصیت کے لیے پیے۔ پھر یہ سب اس کے مخالف ہے جسے ''قہستانی'' نے ذکر کیا ہے مگر یہ کہا جائے کہ یہ حکم اس کے بارے میں ہے جس میں جوش پیدا نہ ہو۔ جب کہ ''قہستانی'' کا کلام اس کے بارے میں ہے جس میں جوش آجائے۔ ''ہدایہ'' کا کلام اس کا شعور دلاتا ہے۔ کیونکہ گھوڑی کے دودھ کی حلت کی علت میں کہا ہے: کیونکہ اس کے گوشت کا مکروہ ہونا یہ اس کے احترام کے باعث ہے اور تاکہ یہ عمل جہاد کے مادہ کو ختم کرنے کی طرف نہ لے جائے۔ پس یہ حکم اس کے دودھ کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔ یہ یہ کہا جائے کہ یہ حکم اس بارے میں ہے کہ جب اس سے معصیت کا قصد نہ کیا جائے اور ''قہستانی'' کا کلام ہے کہ جب وہ اس کا قصد کرے جس طرح ہم نے اسے ''ابن شحنہ'' سے نقل کیا ہے۔ اس کی مثل ''البحر'' سے منقول ایک قول آئے گا۔ فلیتامل

دبا، حنتم، مزفت اور نقیر میں نبیذ بنانے کا جواز

33911۔ (قولہ: فِي الدُّبَّاءِ) یہ لفظ ضمہ اور الف ممدودہ کے ساتھ ہے، ''قہستانی''۔ یعنی با کی شد کے ساتھ ہے۔

33912۔ (قولہ: جَمْعِ دُبَّاءَةٍ) یہ لفظ الف ممدودہ کے ساتھ ہے۔ ''ح''۔

33913۔ (قولہ: وَالْحَنْتَمِ) یہ لفظ حا اور تا کے فتحہ کے ساتھ ہے اور درمیان میں کوئی ساکن ہے۔ ''قہستانی''۔

33914۔ (قولہ: جَرَّةٌ خَضْرَاءُ) ''قاموس'' میں اس کی تفسیر اسی طرح بیان کی ہے۔ ''المغرب'' میں ہے: حنتم اور سبز لاکھی گھڑا ہے جس کو آگ پر پکایا جاتا ہے یا اس سے مراد وہ برتن ہے جسے آگ پر پکایا جاتا ہے ''ابو عبیدہ'' سے مروی ہے: یہ سرخ گھڑے تھے جس میں مدینہ کی طرف شراب لائی جاتی تھی۔ اس کا واحد حنتم ہے۔

33915۔ (قولہ: وَمَا وَرَدَ مِنَ النَّهْيِ نُسِخَ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: کنت نہیتکم عن الانتباذ فی الدباء والحنتم والمزفت والنقیر فانتبذوا فیہا واشربوا فی کل ظرف فان الظرف لا یحل شیئا ولا یحرمہ ولا تشربوا

(وَكُرِهَ شُرْبُ دُرْدِيِّ الْخَمْرِ) أَيْ عَكَرِهِ (وَالِامْتِشَاطُ) بِالدُّرْدِيِّ لِأَنَّ فِيهِ أَجْزَاءَ الْخَمْرِ، وَقَلِيلُهُ كَكَثِيرِهِ كَمَا مَرَّ (وَ) لَكِنْ (لَا يُحَدُّ شَارِبُهُ) عِنْدَنَا (بِلَا سُكْرٍ) وَبِهِ يُحَدُّ إجْمَاعًا (وَيَحْرُمُ أَكْلُ الْبَنْجِ وَالْحَشِيشَةِ)

خمر کی تلچھٹ کو پینا اور اس کے ساتھ بالوں میں کنگھی کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں خمر کے اجزاء ہوتے ہیں۔ اس کا قلیل کثیر کی طرح ہوتا ہے جس طرح قول گزر چکا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس کے پینے والے پر نشہ کے بغیر حد جاری نہیں کی جائے گی اور نشہ آجائے تو بالاجماع اس پر حد جاری کی جائے گی۔ بنج، حشیش

المسکر (1)۔ میں تمہیں دباء، حنتم، مزفت اور نقیر میں نبیذ بنانے سے منع کیا کرتا تھا پس اس میں نبیذ بنالیا کرو اور ہر برتن میں پی لیا کرو کیونکہ برتن کسی شے کو حلال نہیں کرتا اور نہ ہی اس کو حرام کرتا ہے اور تم مسکر (نشہ دینے والا مشروب) نہ پیا کرو۔ یہ ارشاد امام ''مالک'' اور امام ''احمد'' کے خلاف ''غرر الافکار'' کی روایت میں حجت ہے۔ ''شیخ الاسلام'' نے اپنی ''مبسوط'' میں کہا: خصوصی طور پر ان برتنوں سے نہی کی گئی تھی۔ کیونکہ ان برتنوں میں نبیذ دوسرے برتنوں سے زیادہ جوش مارتی تھی۔ یعنی اس کا مالک حرام شے کے پینے میں واقع ہونے میں خطرہ پر موجود ہوتا تھا ''عنایہ''۔

33916۔ (قولہ: وَكُرِهَ) ''النقایہ''، ''زاہدی'' کی طرح اپنے اس قول سے تعبیر کی ہے وحرم۔ ''قہستانی'' نے کہا: حرمت کو اس کراہت پر ترجیح دی ہے جو متون کی بہت سی عبارات میں واقع ہے۔ کیونکہ انہوں نے مراد پر تنبیہ کا ارادہ کیا ہے جس پر ''ہدایہ'' کا کلام دلالت کرتا ہے۔

33917۔ (قولہ: أَيْ عَكَرِهِ) یہ لفظ دو فتحوں کے ساتھ ہے اور اسے ساکن بھی کیا جاتا ہے ''قاموس'' کسی شے کی تلچھٹ۔ اس سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جو اس کے نیچے رہ جائے۔ ''قہستانی''۔

33918۔ (قولہ: وَالِامْتِشَاطُ) اسے خاص کیا ہے کیونکہ بالوں کو حسین بنانے میں اس کا اثر ہوتا ہے۔ ''نہایہ''۔

33919۔ (قولہ: عِنْدَنَا) امام ''شافعی'' نے کہا: اس پر حد جاری کی جائے گی۔ کیونکہ اس نے خمر کا ایک جز پیا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس کا قلیل اس کے کثیر کی طرف دعوت نہیں دیتا۔ کیونکہ طباع میں اس سے نفرت ہوتی ہے۔ پس یہ ناقص ہوگا۔ پس یہ شرابوں میں سے خمر کے علاوہ کے مشابہ ہوگا۔ اور اس میں نشہ کے علاوہ حد جاری ہوگی۔ کیونکہ عموماً یہ طبیعت پر ثقیل ہوتا ہے پس یہ اسی طرح ہو گیا جس طرح پانی ملانے سے پانی اس پر غالب آ گیا ہو۔ ''ہدایہ''۔

بھنگ کا شرعی حکم

33920۔ (قولہ: وَيَحْرُمُ أَكْلُ الْبَنْجِ) بنج کا لفظ (باکے) فتحہ کے ساتھ ہے۔ یہ ایک بوٹی ہے جسے عربی میں شیکران کہتے ہیں یہ سر درد کا باعث ہوتی ہے نیند کا سبب بنتی ہے اور عقل میں خلل ڈال دیتی ہے جس طرح ''شیخ داؤد'' کے ''تذکرہ'' میں ہے۔ ''قاموس'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے۔ اس میں سے خبیث ترین سرخ ہے پھر سیاہ ہے اور اس میں سے سب

1۔ نصب الرایہ، کتاب الاشربہ، جلد 5، صفحہ 19

....

سے محفوظ سفید ہے۔ اس میں ہے: سبت ہفتہ کا ایک دن ہے یا ایسا آدمی ہے جو زیادہ سوتا ہے اور مسبت اسے کہتے ہیں جو حرکت نہیں کرتا۔ ''قہستانی'' میں ہے: یہ قنب کے درخت کی ایک نوع ہے یہ حرام ہے۔ کیونکہ یہ عقل کو زائل کر دیتا ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اس کی دوسری قسم کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ افیون کی طرح مباح ہے۔ کیونکہ اس سے عقل زائل نہیں ہوتی اگرچہ اس سے عقل میں خلل واقع ہوجاتا ہے ''الہدایہ'' وغیرہا میں جو قول ہے کہ بنج مباح ہے اسے اس پر ہی محمول کیا جاتا ہے جس طرح ''شرح اللباب'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ ظاہر نہیں کیونکہ جو چیز عقل میں خلل ڈالتی ہے وہ بغیر کسی شبہ کے جائز نہیں ہوتی تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ مباح ہے بلکہ صحیح ہے کہ صاحب ''ہدایہ'' وغیرہ کی مراد یہ ہے کہ دوائی وغیرہ کے لیے اس کی تھوڑی سی مقدار مباح ہے جس نے اس کے حرام ہونے کا ارادہ کیا ہے تو اس نے اس سے اس کی نشہ دینے والی مقدار کی تصریح کی ہے اس پر وہ قول دلالت کرتا ہے جو ''غایۃ البیان'' میں ''شرح شیخ الاسلام'' سے مروی ہے: سقمونیا اور بنج کی معمولی سی مقدار کھانا یہ دوائی کے لیے مباح ہے اور اس سے جو زائد ہو جب وہ مار ڈالے یا عقل کو ختم کر دے تو یہ حرام ہوگی۔ جو ہم نے کہا ہے یہ قول اس کی تصریح ہے اور جو قول گزر چکا ہے اس کی مؤید ہے۔ ہم نے بحث کی تھی کہ جو قول گزر چکا ہے کہ جس کی کثیر مقدار نشہ دے اس کی قلیل مقدار حرام ہے یہ مائعات کے ساتھ خاص ہے۔ اسی طرح کا قول جامد اشیاء میں کرتے ہیں جو عقل وغیرہ کے لیے مضر ہوں۔ ان کی اتنی مقدار جو مضر ہو اس کو کھانا حرام ہے اس میں سے قلیل جو نفع مند ہو وہ حرام نہیں۔ کیونکہ ان کی حرمت اس کے عین کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے ضرر کی وجہ سے ہے۔ ''البحر'' کی کتاب الطلاق کے آغاز میں ہے جس کی عقل بنج اور افیون کی وجہ سے غائب ہو جائے اس کی طلاق واقع ہو جائے گی جب وہ اسے لہو کے طور پر اور قصداً آفات کو داخل کرنے کے لیے استعمال کرے۔ کیونکہ یہ عمل معصیت ہے۔ اگر وہ دوائی کے طور پر استعمال کرے (اور اس کی یہ کیفیت ہو جائے) تو طلاق واقع نہ ہو گی۔ کیونکہ یہ معصیت نہیں۔ ''فتح القدیر'' میں اسی طرح ہے۔ یہ قول بنج اور افیون کی حرمت میں صریح ہے دوا کے طور پر اس کے استعمال میں یہ حرمت کے بارے میں صریح نہیں ہے۔ ''بزازیہ'' میں ہے: تعلیل اس کی حرمت کے بارے میں آگاہ کرتی ہے نہ کہ اس کی دوا کے بارے میں حرمت کے بارے میں باخبر کرتی ہے۔ ''النہر'' میں اس تفصیل کو ہی حق قرار دیا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس میں سے کثیر مقدار جو مسکر ہو وہ مطلقاً حرام ہے جس طرح ''الغایہ'' کا کلام اس پر دلالت کرتا ہے۔ جہاں تک قلیل کا تعلق ہے اگر یہ لہو ولعب کے لیے ہو تو یہ حرام ہوگا اگر اس سے اسے نشہ آ جائے تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کے استعمال کا مبدأ ممنوع تھا اگر اس کے استعمال کا مبدأ دوائی کے لیے ہو اور اس سے نشہ آ جائے تو یہ حرام نہیں ہوگا۔ یہ یکتا تحریر ہے اس کو غنیمت جانو۔

ایک شے یہاں باقی رہ گئی ہے میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے ہمارے نزدیک اس پر متنبہ کیا ہو وہ یہ ہے کہ ایک آدمی جامد چیزوں میں سے کسی ایسی شے کو کھانے کا عادی بن گیا جس کا قلیل حرام نہیں ہوتا اور اس کی کثیر مقدار مسکر بن جاتی ہے

هِيَ وَرَقُ الْقِنَبِ (وَالْأَفْيُونُ) لِأَنَّهُ مُفْسِدٌ لِلْعَقْلِ وَيَصُدُّ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَعَنْ الصَّلَاةِ (لَكِنْ دُونَ حُرْمَةِ الْخَمْرِ، فَإِنْ أَكَلَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ لَا حَدَّ عَلَيْهِ وَإِنْ سَكِرَ) مِنْهُ

یہ قنب کا پتا ہے اور افیون کا کھانا حرام ہے۔ کیونکہ یہ عقل کو فاسد کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روک دیتا ہے لیکن اس کی حرمت خمر کی حرمت سے کم ہے اگر ان میں سے کوئی شے کھائی تو اس پر کوئی حد نہ ہوگی اگر چہ اس سے اسے نشہ آ جائے

یہاں تک کہ وہ اس میں سے مسکر مقدار کے کھانے کا عادی بن جاتا ہے اور اب اسے وہ چیز نشہ نہیں دیتی ہے خواہ ابتدا میں وہ چیز اسے نشہ دیتی ہو یا نشہ نہ دیتی ہو تو کیا اس کا استعمال اس پر حرام ہوگا۔ اس امر کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ یہی چیز کسی دوسرے شخص کو نفع دیتی ہے یا اس مقدار نے اسے اس کے عادی بننے سے پہلے اسے نشہ دیا ہو یا یہ چیز حرام نہ ہوگی۔ یہ پیش نظر رکھتے ہوئے کہ یہ طاہر و مباح ہے اس کی حرمت میں علت نشہ دینا ہے عادی بننے کے بعد وہ نہیں پایا گیا اگر چہ اس کا وہ فعل جس نے اسے اس سے قبل نشہ دیا تھا وہ حرام ہے جس طرح ایک آدمی زہریلی شے کے کھانے کا عادی بن جائے یہاں تک کہ وہ اس کو کھانے لگے جو عام معمول کے مطابق قاتل ہو اور اسے تکلیف نہ دے جس طرح ہم تک ان میں سے بعض لوگوں کے بارے میں خبر پہنچی ہے، فلیتامل۔ ہاں شافعیہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ اعتبار اس کا ہوگا جو عقل کو غائب کر دے یہ عادت کے بغیر عام لوگوں کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہوگا۔

33921۔ (قولہ: هِيَ وَرَقُ الْقِنَبِ) ''ابن بیطار'' نے کہا ہے: قنب ہندی کی ایک نوع ہے جسے حشیش کہتے ہیں جب کوئی آدمی اس میں سے تھوڑی سی چیز یعنی درہم کی مقدار لے تو بہت زیادہ نشہ دیتی ہے یہاں تک جو اس سے زیادہ مقدار لے تو اسے رعونت کی حد کی طرف لے جاتی ہے۔ ایک قوم نے اس کو استعمال کیا تو ان کی عقلیں خلل کا شکار ہو گئیں۔ بعض اوقات مکمل طور پر ختم ہو گئیں بلکہ ''ابن حجر'' نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ حشیش کو کھانے میں ایک سو بیس دینی اور دنیوی مضرتیں ہیں۔ ''ابن تیمیہ'' سے منقول ہے کہ جس نے اس کے حلال ہونے کا قول کیا وہ کافر ہو گیا۔ کہا: اس کے اہل مذہب نے اس حکم کو ثابت رکھا ہے ہمارے نزدیک اس کی مثل کلام آئے گا۔

افیون کے خواص

33922۔ (قولہ: وَالْأَفْيُونُ) یہ خشخاش کا رس ہے جب اس پر اصرار و استمرار کیا جائے تو یہ دو شہوتوں کو ختم کر دیتی ہے اور دو درہم تک اس کو استعمال کیا جائے تو یہ انسان کو قتل کر دیتی ہے۔ جب اس کے کھانے کا معمول پے در پے چار دن تک سے بڑھ جائے تو اس کا ترک کرنا اس کی موت تک لے جاتا ہے۔ کیونکہ یہ پردوں کو پھاڑ دیتی ہے جسے کوئی اور چیز بند نہیں کر سکتی۔ تذکرہ داؤد میں اسی طرح ہے۔

33923۔ (قولہ: لِأَنَّهُ مُفْسِدٌ لِلْعَقْلِ) یہاں تک کہ اس میں مرد کیلئے بے حیائی اور فساد کا پہلو ہوتا ہے۔ ''جوہرہ''۔

33924۔ (قولہ: وَإِنْ سَكِرَ) کیونکہ شرع نے مشروب سے نشہ آنے کی صورت میں حد واجب کی ہے۔ ماکول چیز

(بَلْ يُعَزَّرُ بِمَا دُونَ الْحَدِّ) كَذَا فِي الْجَوْهَرَةِ، وَكَذَا تَحْرُمُ جَوْزَةُ الطِّيبِ لَكِنْ دُونَ حُرْمَةِ الْحَشِيشَةِ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ وَنَقَلَ عَنْ الْجَامِعِ وَغَيْرِهِ

بلکہ حد سے کم اس پر تعزیر جاری کی جائے گی۔''جوہرہ'' میں اسی طرح ہے۔اسی طرح جوزہ طیب حرام ہے۔لیکن اس کی حرمت حشیش کی حرمت سے کم ہے۔یہ مصنف کا قول ہے۔''جامع'' وغیرہ سے نقل کیا گیا ہے

سے نشہ آنے کی صورت میں حد واجب نہیں کی۔''اتقانی''۔

33925۔(قوله: كَذَا فِي الْجَوْهَرَةِ) یہ ان کے قول ویحرم اکل البنج کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جوزۃ الطیب (جائفل) کا شرعی حکم

33926۔(قوله: وَكَذَا تَحْرُمُ جَوْزَةُ الطِّيبِ) اسی طرح عنبر اور زعفران کا معاملہ ہے جس طرح ''زواجر'' میں ہے جو''ابن حجر'' مکی کی تالیف ہے۔کہا: یہ سب چیزیں نشہ دینے والی ہیں یہاں ان کے نشہ دینے سے مراد عقل کو ڈھانپ لینا ہے نہ کہ جو شدید عیش ونشاط ہے۔کیونکہ یہ مائع مسکر کی خصوصیات میں سے ہے۔پس یہ اس امر کے منافی نہیں کہ انہیں مخدرہ کا نام دیا جائے خمر پر وعید میں جو کچھ واقع ہوا ہے وہ اس میں بھی آئے گا۔کیونکہ عقل کے زائل کرنے میں دونوں میں اشتراک موجود ہے جس کی بقا شارع کا مقصود ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی مثل قطن (روئی) کی کلی ہے۔کیونکہ یہ قوی التفریح ہے جو نشہ دینے تک پہنچ جاتی ہے جس طرح ''تذکرہ'' میں ہے۔یہ سب اور اس کی مثل جو چیزیں ہیں ان کی اتنی مقدار استعمال کرنا حرام ہے جو نشہ دے اس کی قلیل تعداد حرام نہیں جس طرح ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے، فافہم۔برش اسی کی مثل ہے بلکہ اس سے اولی ہے۔یہ ایسی چیز ہے جو بنج، افیون وغیرہا سے مرکب ہوتی ہے۔''تذکرہ'' میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس کا ہمیشہ کا استعمال بدن اور عقل کو تباہ کر دیتا اور دو شہوتوں کو ساقط کر دیتا ہے، رنگ کو فاسد کر دیتا ہے، قوتوں میں نقص پیدا کر دیتا ہے اور انہیں کمزور کر دیتا ہے اب اس سے بہت زیادہ ضرر لاحق ہوتا ہے۔

33927۔(قوله: قَالَهُ الْمُصَنِّفُ) اس کی عبارت ہے: حرمت میں حشیش کی مثل جوزۃ الطیب ہے۔۔۔ شافعیہ میں سے کثیر علما نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے۔ان میں سے جس نے اس بارے میں تصریح کی ہے وہ ''ابن حجر'' نزیل مکہ ہیں انہوں نے اپنے ''فتاوی'' میں اس کی تصریح کی ہے۔اور ''شیخ کمال الدین''، ''ابن ابی شریف'' نے ایک رسالہ میں وضاحت کی ہے جس کو انہوں نے اس بارے میں لکھا ہے: ہمارے اصحاب میں سے ''اقصراوی'' نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے اس پر میں ان کی معزز تحریر سے آگاہ ہوا لیکن انہوں نے فرمایا: اس کی حرمت حشیش کی حرمت سے کم ہے۔واللہ اعلم۔

میں یہ کہتا ہوں: شارح عنقریب مذاہب اربعہ (چاروں مذہب) سے اس کی حرمت کا ذکر کریں گے۔

33928۔(قوله: عَنْ الْجَامِعِ) جامع سے مراد ''جامع الفتاویٰ'' ہے۔

أَنَّ مَنْ قَالَ بِحِلِّ الْبَنْجِ وَالْحَشِيشَةِ فَهُوَ زِنْدِيقٌ مُبْتَدِعٌ؛ بَلْ قَالَ نَجْمُ الدِّينِ الزَّاهِدِيُّ إِنَّهُ يَكْفُرُ وَيُبَاحُ قَتْلُهُ قُلْت وَنَقَلَ شَيْخُنَا النَّجْمُ الْغَزِّيِّ الشَّافِعِيُّ فِي شَرْحِهِ عَلَى مَنْظُومَةِ أَبِيهِ الْبَدْرِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالْكَبَائِرِ وَالصَّغَائِرِ عَنْ ابْنِ حَجَرٍ الْمَكِّيِّ أَنَّهُ صَرَّحَ بِتَحْرِيمِ جَوْزَةِ الطِّيبِ بِإِجْمَاعِ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ وَأَنَّهَا مُسْكِرَةٌ ثُمَّ قَالَ شَيْخُنَا النَّجْمُ

کہ جس نے بنج اور حشیش کے حلال ہونے کا قول کیا وہ زندیق ومبتدع ہے بلکہ ''نجم الدین زاہدی'' نے کہا اس کو کافر قرار دیا جائے گا اور اس کا قتل کرنا مباح ہوگا۔ میں کہتا ہوں: ہمارے شیخ ''نجم غزی شافعی'' نے اپنے والد ''بدر الدین'' کی منظوم کی شرح میں کہا ہے جو منظوم کبائر اور صغائر کے بارے میں ہے۔ اسی شرح میں ''ابن حجر مکی'' سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے جوزۃ الطیب (جائفل) کی حرمت کی تصریح ہے اس پر چاروں ائمہ کا اجماع ہے اور یہ نشہ آور ہے۔ پھر ہمارے شیخ ''نجم'' نے کہا:

33929۔ (قولہ: وَالْحَشِيشَةِ) مصنف کی عبارت وھو الحشیشة ہے۔

بھنگ اور حشیش کی حلت کے قائل کے شرعی حکم میں فقہا کے اقوال

33930۔ (قولہ: فَهُوَ زِنْدِيقٌ مُبْتَدِعٌ) ''البحر'' میں کہا: وہ اگر طلاق دے تو اس (یعنی حشیش کھانے والے) کی طلاق کے واقع ہونے پر اتفاق ہے۔ یہ دونوں مذہبوں یعنی شافعیہ اور حنفیہ کے مشائخ کا فتویٰ ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کی حرمت کا اور جو اسے بیچے اس کو ادب سکھانے یعنی سزا دینے کا فتویٰ دیا ہے یہاں تک کہ ان علماء نے فرمایا جو اس کے حلال ہونے کا قول کرے وہ زندیق ہے۔ ''المبتغی'' میں اسی طرح ہے۔ اور محقق نے ''فتح القدیر'' میں اس کی پیروی کی ہے۔

33931۔ (قولہ: بَلْ قَالَ نَجْمُ الدِّينِ الزَّاهِدِيُّ الخ) یہ مصنف نے بعض فضلاء کی تحریر سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ ''رملی'' نے اس کو رد کیا ہے کہ اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی جائے گی اور نہ ہی اس پر اعتماد کیا جائے گا۔ کیونکہ کفر اس وقت ثابت ہوتا ہے جب وہ قطعیات کا انکار کرے جب کہ معاملہ اس طرح نہیں۔ ملخص

میں کہتا ہوں: متن میں جو قول گزرا ہے کہ چاروں مشروبات کی حرمت خمر کی حرمت سے کم درجہ کی ہے۔ پس اس کو حلال قرار دینے والے کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا وہ اس قول کی تائید کرتا ہے۔ پس اس پر یہ حکم لگانا کہ یہ زندیق ہے۔ یہ اشکال کا باعث ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے ''الفتح''، ''البحر'' وغیرہا میں اس کو ثابت رکھا ہے: زندیق کو قتل کیا جاتا ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جاتی۔ لیکن میں نے ''ابن حجر'' کی تالیف ''زواجر'' میں دیکھا ہے جس کی نص یہ ہے: ''قرافی'' اور ''ابن تیمیہ'' نے حشیش کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے۔ کہا: جس نے اس کو حلال جانا ہے پس اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔ اس بارے میں ائمہ اربعہ نے کوئی گفتگو نہیں کی۔ کیونکہ یہ چیز ان کے زمانہ میں نہ تھی یہ چیز چھٹی صدی ہجری کے آخر میں ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں ظاہر ہوئی جب تاتاریوں کی حکومت ظاہر ہوئی۔ فلیتامل

وَالتُّتُنَ الَّذِي حَدَثَ وَكَانَ حُدُوثُهُ بِدِمَشْقَ فِي سَنَةِ خَمْسَةَ عَشَرَ بَعْدَ الْأَلْفِ يَدَّعِي شَارِبُهُ أَنَّهُ لَا يُسْكِرُ وَإِنْ سَلِمَ لَهُ
تنبا کو جوئی پیداوار ہے اس کی پیدائش دمشق میں 1015 ہجری کو ہوئی اس کو پینے والا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ نشہ نہیں دیتا اگر اس کی بات مان لی جائے

تمباکو کا شرعی حکم

33932_(قولہ: وَالتُّتُنَ الخ) میں کہتا ہوں: اس میں علما کی آراء مضطرب ہیں۔ بعض علما نے اس کی کراہت کا قول کیا ہے۔ بعض نے اس کی حرمت کا قول کیا ہے۔ بعض نے اس کی اباحت کا قول کیا ہے اور اس بارے میں الگ تالیفات کی ہیں۔ ''شرنبلالی'' کی ''شرح الوہبانیہ'' میں ہے۔

وَيُمْنَعُ مِنْ بَيْعِ الدُّخَانِ وَشُرْبِهِ وَشَارِبُهُ فِي الصَّوْمِ لَا شَكَّ يُفْطِرُ

تنبا کو بیچنے اور اس کے پینے سے منع کیا جائے گا اور روزے کی حالت میں اس کے پینے والا بغیر شک وشبہ کے روزہ افطار کرنے والا ہوگا۔

علامہ ''شیخ اسماعیل نابلسی'' جو سید ''عبدالغنی نابلسی'' کے والد ہیں کی شرح میں جو ''شرح علی الدرر'' پر ہے میں کہا جب کہ اس قول کو اس امر کے نقل کرنے کے بعد نقل کیا ہے کہ خاوند کو حق حاصل ہے کہ وہ اسے تھوم، پیاز اور ہر وہ چیز جو منہ کی بدبو کا باعث ہو، کے کھانے سے منع کرسکتا ہے کے بعد کہا: اس کا مقتضا یہ ہے کہ اس کو تنبا کو پینے سے منع کرے گا۔ کیونکہ یہ چیز اس کے منہ کو بدبودار بنادیتی ہے خصوصاً جب خاوند اس کو نہ پیتا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ جن علماء نے اس کے پینے سے منع کیا ہے ان میں سے ہمارے مشائخ ''میسری'' وغیرہ ہیں علامہ شیخ ''علی جمہوری مالکی'' کا اس کے حلال ہونے میں ایک رسالہ ہے اس میں انہوں نے یہ نقل کیا ہے کہ مذاہب اربعہ کے ائمہ میں سے جن پر اعتماد کیا جاتا ہے انہوں نے اس کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کے حلال ہونے کے بارے میں ہمارے آقا عارف ''عبدالغنی نابلسی'' نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام رکھا الصلح بین الاخوین فی اباحۃ شرب الدخان، اور اپنی کثیر اچھی تالیفات میں اس کا ذکر کیا ہے اور جو اس کی حرمت یا کراہت کا قول کرتا ہے اس پر بڑی قوی دلیل قائم کی ہے کہ یہ دونوں شرعی حکم ہیں ان کے لیے دلیل کا ہونا ضروری ہے جب کہ اس کے بارے میں کوئی دلیل نہیں نہ اس کا نشہ آور ہونا، نہ اس کا دماغ کو سست کرنا اور نہ ہی اس کا ضرر رساں ہونا ثابت ہے بلکہ اس کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ اس کے منافع ہیں بلکہ یہ اس کے قاعدہ: الاصل فی الاشیاء الاباحۃ کے تحت داخل ہے۔ اگر یہ اس کا بعض افراد کے حق میں ضرر رساں ہونا ثابت ہو جائے تو ہر ایک پر اس کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ شہد ان لوگوں کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے جن کا صفرا غالب ہو۔ بعض اوقات یہ لوگوں کو بیمار کر دیتا ہے جب کہ اس کا شفا ہونا نص قطعی

فَإِنَّهُ مُفَتِّرٌ وَهُوَ حَرَامٌ لِحَدِيثِ أَحْمَدَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ وَمُفَتِّرٍ قَالَ وَلَيْسَ مِنَ الْكَبَائِرِ تَنَاوُلُهُ الْمَرَّةَ وَالْمَرَّتَيْنِ، وَمَعَ نَهْيِ وَلِيِّ الْأَمْرِ عَنْهُ حَرُمَ قَطْعًا،

تو یہ اس کی عقل کو کمزور کر دیتا ہے جب کہ یہ حرام ہے۔ کیونکہ امام ''احمد'' نے حضرت ''ام سلمہ'' رضی اللہ عنہا سے حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور اور سست کر دینے والی چیز کے استعمال سے منع کیا ہے کہا: تمبا کو کو ایک دفعہ یا دو دفعہ استعمال کرنا گناہ کبیرہ میں سے نہیں ہے۔ ولی امر (حاکم) اس سے منع کر دے تو یہ قطعی حرام ہوگا۔

سے ثابت ہے حرمت اور کراہت کو ثابت کر کے اللہ تعالیٰ کی ذات پر افتراء باندھنے میں کوئی احتیاط نہیں جب کہ یہ دونوں امر ایسے ہیں جن کے لیے دلیل کی ضرورت ہے بلکہ احتیاط اس کے مباح ہونے کے قول میں ہے جو کہ اصل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توقف کیا ہے جب کہ خمر جو خبائث کی جڑ ہے کی حرمت میں آپ ہی حکم لگانے والے ہیں یہاں تک کہ اس بارے میں نص قطعی ثابت ہے۔ پس انسان کو چاہیے کہ جب اس سے اس بارے میں پوچھا جائے خواہ وہ اس کو استعمال کرتا ہو یا استعمال نہ کرتا ہو جس طرح یہ عبد ضعیف ہے اور وہ تمام افراد جو اس کے گھر میں ہیں کہ وہ یہ کہے کہ یہ مباح ہے لیکن اس کی بو ایسی ہے جس کو طباع ناپسند کرتی ہیں۔ پس یہ شرعاً مکروہ نہیں یہ طبعاً مکروہ ہے یہاں تک کہ اس کے بارے میں انہوں نے طویل گفتگو کی ہے۔ یہی وہ معنی اور مفہوم ہے جو شارح کی یہاں کی کلام عطا کرتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ''اشباہ'' کی کلام اور اپنے شیخ ''عمادی'' کی کلام کے بعد شیخ ''نجم'' کی کلام ذکر کی ہے اگرچہ ''الدر المنتقی'' میں اس کی حرمت کو یقین سے بیان کیا ہے۔ لیکن اس کی حرمت اس کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے استعمال کے بارے میں سلطانی نہی وارد ہوئی ہے۔ اس بارے میں کلام عنقریب آئے گا۔

33933۔ (قولہ: فَإِنَّهُ مُفَتِّرٌ) ''قاموس'' میں کہا: فترجسمه فتورا یعنی اس کے جوڑ نرم ہو گئے اور کمزور ہو گئے۔ ''فتار'' یہ ''غراب'' کے وزن پر ہے جن سے مراد مستی کا آغاز ہونا ہے۔ اسی سے افتر الشراب اور فتر شاربہ ہے شراب نے مستی پیدا کر دی، اس کو پینے والا کمزور ہو گیا۔

33934۔ (قولہ: وَهُوَ حَرَامٌ) یہ اس کے مخالف ہے جو شافعیہ سے نقل کیا گیا ہے کیونکہ علماء نے خاوند پر یہ واجب کیا ہے کہ وہ بیوی کو کافی ہو ''ابوسعود''۔ علماء نے یہ ذکر کیا ہے کہ علامہ ''ابن حجر'' نے جو رائے اپنائی ہے وہ ضعیف ہے۔ مذہب یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے مگر کسی عارضہ کی صورت میں ایسا حکم نہیں ہوگا اور علماء نے یہ ذکر کیا ہے کہ بیوی کے لیے خاوند پر یہ مہیا کرنا واجب ہے جب عورت کو عادت ہو اور اس کا ترک عورت کو تکلیف نہ دیتا ہو پس یہ تفکہ (لطف اندوزی) کے قبیلہ سے ہو گا۔ مگر جب اس کا ترک کرنے سے عورت کو تکلیف پہنچتی ہو تو یہ دوائی کے قبیل سے ہوگا۔ تو یہ خاوند پر لازم نہ ہوگا۔

33935۔ (قولہ: وَمَعَ نَهْيِ وَلِيِّ الْأَمْرِ عَنْهُ الخ) میرے آقا عارف ''عبد الغنی'' نے کہا: کاش میں جانتا ہوتا اس کے دو امروں میں سے وہ کون سا امر ہے جس سے وہ استدلال کر رہے ہیں۔ حاکم کا یہ امر کہ وہ لوگوں کو تمبا کو نوشی ترک کرنے کا جو امر کرتا ہے یا اس پر ٹیکس ادا کرنے کا جو امر کرتا ہے ٹیکس ادا کرنے کا حکم حقیقت میں اس کے استعمال کا امر ہے جب کہ آیت

عَلَى أَنَّ اسْتِعْمَالَهُ رُبَّمَا أَضَرَّ بِالْبَدَنِ، نَعَمْ الْإِصْرَارُ عَلَيْهِ كَبِيرَةٌ كَسَائِرِ الصَّغَائِرِ بِحُرُوفِهِ

کیونکہ اس کا استعمال بعض اوقات بدن کو نقصان پہنچاتا ہے۔ ہاں اس پر اصرار کرنا باقی صغیرہ گناہوں کی طرح گناہ کبیرہ ہے (یہ ان کے حروف کے ساتھ منقول ہے)۔

میں اولی الامر سے مراد اصح قول کے مطابق امرا ہیں جس طرح ''عینی'' نے ''شرح کنز'' کی فصل مسائل شتی کے آخر میں ذکر کیا ہے۔ نیز کہا: ایسے ظالم سلاطین کا منع کرنا جو لوگوں سے زبردستی مال لینے، بیت المال کو ضائع کرنے اور قاضیوں وغیرہم کو رشوت اور ظلم کے باوجود عہدوں پر ثابت رکھتے ہیں، حکم شرعی کو ثابت کرتا ہے جب کہ علما نے فرمایا: جس نے ہمارے زمانہ کے سلطان کو عادل کہا تو اس نے کفر کیا۔

میں کہتا ہوں: اس کا مقتضا یہ ہے کہ ہمارے زمانہ کے امرا کا امر وجوب کا فائدہ نہیں دیتا جب کہ علما نے متفرقات القضاء میں متون کے قول: امرك قاض برجم او قطع او ضرب قضی فیه و سعك فعله کے تحت اس امر کی تصریح کی ہے کہ ولی امر کی طاعت واجب ہے وہاں شارح نے کہا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے منع کیا ہے یہاں تک کہ وہ حجت دیکھ لے ہمارے زمانہ میں اس کو مستحسن قرار دیا ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔

علامہ ''بیری'' نے ''الاشباہ'' پر اپنی شرح کے آخر میں ذکر کیا ہے کہ امامت کی شروط میں سے یہ ہے کہ وہ عادل ہو، بالغ ہو، امین ہو، متقی ہو، مذکر ہو، جان، عزت اور مال میں اس پر اعتماد کیا جاتا ہو، زاہد، متواضع اور معاملات کو چلانے میں قدرت رکھتا ہو پھر جب اہل حل وعقد سے بیعت حاصل ہو جائے ساتھ ہی مذکورہ صفات پائی جائیں تو وہ امام بن جائے گا جس کی اطاعت فرض ہوگی جس طرح ''خزانۃ الاکمل'' میں ہے۔

''شرح الجواہر'' میں ہے: شرع نے جس کو مباح قرار دیا ہے اس میں اطاعت واجب ہے وہ وہ ہے جس کا نفع عام لوگوں کی طرف لوٹ آتا ہو۔ علما نے جہاد کے معاملہ میں اس کے امر کی طاعت کا حکم دیا ہے جب وہ معصیت کا امر نہ کرے، ''تاتر خانیہ'' میں ہے: جب امیر لشکر کو کسی امر کا حکم کرے تو کوئی آدمی اس کی نافرمانی کرے تو وہ پہلے مرحلہ میں ہی اس کو سزا نہ دے گا بلکہ اس کو نصیحت کرے گا اگر وہ عذر کے بغیر دوبارہ اس طرح کرے تو اس کو سزا دے گا۔ ''بیری'' نے اس سے یہ اخذ کیا ہے کہ اگر وہ طاعون کے دنوں وغیرہ میں روزہ رکھنے کا امر کرے تو اس کی اطاعت کرنا واجب ہوگا۔

میں کہتا ہوں: ''خزانۃ الفتاویٰ'' کی عبارت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جو آدمی امامت کی شروط کو پورا کرے اس کی اطاعت لازم ہوگی۔ یہ عارف قدس سرہ کی کلام کی تائید کرتا ہے۔ لیکن ''حاشیۃ الحموی'' میں وہ قول ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ شروط گناہ کی نفی کے لیے ہیں تولیت کی صحت کے لیے نہیں ہیں۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

33936۔ (قولہ: رُبَّمَا أَضَرَّ بِالْبَدَنِ) امر واقع یہ ہے کہ استعمال کرنے والوں کے اختلاف سے معاملہ مختلف ہو جاتا ہے۔ ''ط''۔

وَفِي الْأَشْبَاهِ فِي قَاعِدَةِ الْأَصْلُ الْإِبَاحَةُ أَوْ التَّوَقُّفُ، وَيَظْهَرُ أَثَرُهُ فِيمَا أَشْكَلَ حَالُهُ كَالْحَيَوَانِ الْمُشْكِلِ أَمْرُهُ وَالنَّبَاتِ الْمَجْهُولِ سُمِّيَّتُهُ قُلْت فَيُفْهَمُ مِنْهُ حُكْمُ النَّبَاتِ الَّذِي شَاعَ فِي زَمَانِنَا الْمُسَمَّى بِالتُّتُن فَتَنَبَّهْ، وَقَدْ كَرِهَهُ شَيْخُنَا الْعِمَادِيُّ فِي هَدِيَّتِهِ إلْحَاقًا لَهُ بِالثُّومِ وَالْبَصَلِ بِالْأَوْلَى فَتَدَبَّرْ، وَمِمَّنْ جَزَمَ بِحُرْمَةِ الْحَشِيشَةِ شَارِحُ الْوَهْبَانِيَّةِ فِي الْحَظْرِ

''الاشباہ'' میں ایک قاعدہ میں کہ اصل اباحت ہے یا توقف۔اس کا اثر اس میں ظاہر ہوتا ہے جس کا حال مشکل ہو جائے جس طرح ایسا حیوان جس کا امر مشکل ہو جائے اور ایسی نبات جس کا زہر مجہول ہو۔ میں کہتا ہوں: اس سے اس نبات کا حکم سمجھ آجاتا ہے جس کو ہمارے زمانہ میں تنبا کو کہتے ہیں پس متنبہ ہو جایئے۔ ہمارے شیخ ''عمادی'' نے اپنے ''ہدیہ'' میں اسے مکروہ قرار دیا ہے وہ اسے بدرجہ اولی تھوم اور پیاز کے ساتھ لاحق کرتے ہیں۔ پس اس میں غور وفکر کیجئے۔ جس نے حشیش کی حرمت کے بارے میں یقین کے ساتھ قول کیا ہے وہ شارح ''وہبانیہ'' ہیں انہوں نے یہ قول الحظر میں کیا ہے۔

33937۔(قولہ: الْأَصْلُ الْإِبَاحَةُ أَوْ التَّوَقُّفُ) حنفیہ اور شافعیہ کے جمہور علماء کے نزدیک مختار مذہب پہلا قول یعنی اباحت ہے جس طرح محقق ''ابن ہمام'' نے ''تحریر الاصول'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

33938۔(قولہ: فَيُفْهَمُ مِنْهُ حُكْمُ النَّبَاتِ) مختار مذہب کے مطابق وہ اباحت ہے یا توقف ہے اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے نشہ آور ہونے، اس کے سست کر دینے اور اس کے نقصان دہ ہونے کو تسلیم نہیں کیا ورنہ مذکورہ قاعدہ کے تحت اس کو داخل کرنا صحیح نہیں اسی وجہ سے متنبہ ہونے کا حکم دیا ہے۔

33939۔(قولہ: قَدْ كَرِهَهُ شَيْخُنَا الْعِمَادِيُّ فِي هَدِيَّتِهِ) میں کہتا ہوں: عمادی کے کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے اور جو اس کو استعمال کرتا ہے اس کو فاسق قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ انہوں نے فصل الجماعہ میں کہا ہے: جو آدمی سود کھانے یا محرمات میں سے کسی شے کے ارتکاب میں معروف ہو یا مکروہ بدعات جیسے ہمارے زمانے میں تمبا کو نوشی نئی واقع ہوئی ہے ان میں سے کسی شے پر دوام اختیار کرے۔ خصوصاً جب سلطان کی جانب سے اس سے رک جانے کا حکم صادر ہو چکا ہو۔ ہمارے آقا ''عبدالغنی نابلسی'' نے ''شرح الہدیہ'' میں اس کا رد کیا ہے۔ اس کا حاصل وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ شارح کے اسے تھوم اور پیاز کے ساتھ لاحق کرنے کے قول میں اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہ ''عمادی'' کے کلام کے مناسب نہیں ہاں مذکورہ شے کے ساتھ اس کو لاحق کرنا یہ انصاف ہے۔ ''ابو سعود'' نے کہا: پس یہ مکروہ تنزیہی ہوگا اور مکروہ تنزیہی اباحت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اس سے مسجد میں اس کا مکروہ تحریمی ہونا ماخوذ ہوگا۔ کیونکہ تھوم اور پیاز کے بارے میں نہی وارد ہے جب کہ یہ چیز ان دونوں کے ساتھ لاحق ہے ظاہر یہ ہے کہ قراءت کی حالت میں اس کو کھانا مکروہ ہے کیونکہ اس صورت میں کتاب اللہ کی تعظیم میں خلل واقع ہوتا ہے۔

33940۔(قولہ: وَمِمَّنْ جَزَمَ الخ) اس کے بارے میں تو علما کے اجماع سے آگاہ ہو چکا ہے۔

وَنَظَمَهُ فَقَالَ

وَأَفْتَوْا بِتَحْرِيمِ الْحَشِيشِ وَحَرْقِهِ وَتَطْلِيقِ مُحْتَشٍ لِزَجْرٍ وَقَرَّرُوا
لِبَائِعِهِ التَّأْدِيبَ وَالْفِسْقَ أَثْبَتُوا وَزَنْدَقَةً لِلْمُسْتَحِلِّ وَحَرَّرُوا

اسے نظم کیا ہے اور کہا: علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ حشیش حرام ہے اور اس کو جلا دیا جائے اور حشیش استعمال کرنے والے کی طلاق زجر کے طور پر نافذ کی ہے اور اس کے بیچنے والے کے لیے تادیب (سزا) اور فسق کو ثابت کیا ہے اور جو اس کو حلال خیال کرتا ہے اس کے لیے زندقہ اور کفر کو ثابت کیا ہے اور اس کو خوب واضح کیا ہے۔

کافی کا شرعی حکم

کافی کے قہوہ کے حکم کے بارے میں کسی نے کلام نہیں کیا۔ بعض علما نے اس کو حرام قرار دیا ہے جب کہ اس کی کوئی وجہ نہیں جس طرح ''تبیین المحارم''، ''فتاوی المصنف'' اور ''رملی'' کے ''حاشیہ الاشباہ'' میں ہے۔ شارح کے شیخ ''نجم غزی'' نے اپنی تاریخ میں ''ابو بکر بن عبداللہ شاذلی'' جو ''عبدروس'' کے نام سے معروف ہیں کے تعارف میں کہا: یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کافی کے درخت سے قہوہ بنایا۔ کیونکہ ان کی سیاحت میں گزر چکا ہے انہوں نے اس کا پھل کھایا تو اس نے اس میں دماغ کو خشک کرنے، بیداری کو لانے اور عبادت کے لیے اپنے اندر چستی کو پایا انہوں نے اسے خوراک اور کھانا بنالیا اور اپنے پیرو کاروں کو اس بارے میں رہنمائی کی پھر یہ شہروں اور ملکوں میں پھیل گیا۔ علما نے دسویں صدی کے آغاز میں اس میں اختلاف کیا ایک جماعت نے اس کو حرام قرار دیا ان کے نزدیک یہ راجح ہے کہ یہ چیز تکلیف دہ ہے ان علما میں سے آخری ہمارے شیخ ''عیتاوی'' کے والد اور ''قطب بن سلطان حنفی'' ہیں اور مصر میں ''احمد بن احمد بن عبدالحق سنباطی'' ہیں جو اپنے باپ کی پیروی کرتے ہیں اور اکثر علما کی رائے یہ ہے کہ یہ مباح ہے۔ ان کے بعد علما کا اس پر اجماع ہو گیا مگر محرمات اس کے ساتھ ملتی ہیں تو ان کے حرام قرار دینے میں کوئی شبہ نہیں۔ ملخص

خاتمہ

''ابن حجر مکی'' سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو افیون وغیرہ کھانے میں مبتلا کیا گیا اور وہ یوں ہو گیا کہ اگر نہ کھائے تو ہلاک ہوتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا: اگر یہ امر یقینی طور پر معلوم ہو تو اس کے لیے یہ حلال ہوگی۔ بلکہ اس کا کھانا اس کے لیے واجب ہوگا۔ کیونکہ اپنی جان کو باقی رکھنے کے لیے اس کے استعمال پر مجبور ہوتا ہے جس طرح ایک آدمی مردار کھانے پر مجبور ہوتا ہے تھوڑی تھوڑی تدریجاً اس میں کمی کرنا اس پر واجب ہوگا یہاں تک کہ معدہ کا اس کے بارے میں شدید میلان زائل ہو جائے جب کہ اسے احساس بھی نہ ہو۔ اگر وہ اس کو چھوڑے رکھے تو وہ گناہ گار فاسق ہوگا۔ ملخص

''رملی'' نے کہا: ہمارے قواعد اس کے مخالف نہیں۔

....

فرع

ہم پہلے الحظر والاباحہ میں ''تاتر خانیہ'' سے نقل کر چکے ہیں کہ وہ چیز جو عقل کو زائل کر دے اور اس کو کیڑے وغیرہ کو ختم کر دے اس کے پینے میں کوئی حرج نہیں۔

میں کہتا ہوں: چاہیے کہ غیر خمر کی قید لگائی جائے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ بنج وغیرہ کے ساتھ مقید نہیں ہوگا جو مائع نہ ہو۔ شافعیہ نے اس کی قید لگائی ہے۔

محمد بوستان
مدرس دارالعلوم محمدیہ غوثیہ
بھیرہ شریف